جدید نظر ثانی شدہ کمپیوٹر ایڈیشن
زبان و بیان کے نئے اسلوب میں
مظاہر حق جدید
شرح
مشکوٰۃ شریف اردو
2
از افادات
علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی رحمہ اللہ
ترتیب و تزئین جدید
مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری (فاضل دیوبند)
www.islamicbookslibrary.wordpress.com
دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان 2213768

جدید نظر ثانی شدہ کمپیوٹر ایڈیشن

زبان و بیان کے نئے اسلوب میں

شرح

مشکوٰۃ شریف اردو

جلد دوم

از افادات

علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی رحمہ اللہ

تسہیل و ترتیب جدید

مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری (فاضل دیوبند)

دار الاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان فون 2213

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : مارچ ۲۰۰۹ء خلیل پریس کراچی۔
ضخامت : صفحات ۷۶۸

مصححین : مولانا محمد شفیق صاحب فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن
مولانا محمد اصغر مغل صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
مولانا دلشاد صاحب مدرس دارالعلوم حسینیہ شہداد پور

ادارۃ المعارف کورنگی کراچی نمبر ۱۴
ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی لاہور
ادارۃ القرآن D/437 گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی
مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴
کشمیر بک ڈپو، چنیوٹ بازار فیصل آباد
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور
مکتبہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار راولپنڈی
الفیصل تاجران کتب اردو بازار لاہور
ادارہ اسلامیات اردو بازار کراچی

فہرست — مظاہر حق جدید (جلد دوم)

کتاب الدعوات — ۴۵۱

دعاؤں کا بیان — ۴۵۱

ذکر اللہ اور تقرب الی اللہ کا بیان — ۴۶۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الجنائز

جنازے کا بیان

"جنائز" جنازہ کی جمع ہے، لفظ جنازہ لغت کے اعتبار سے جیم کے زیر اور زبر دونوں کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے لیکن زیادہ فصیح جیم کے زیر کے ساتھ ہی ہے۔ جنازہ میت یعنی مردے کو جو تخت پر ہو، کہتے ہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ لفظ "جَنازہ" یعنی جیم کے زبر کے ساتھ میت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور "جِنازہ" یعنی جیم کے زیر کے ساتھ تابوت اور اس تخت یا چارپائی کو کہتے ہیں جس پر مردہ کو رکھ کر اٹھاتے ہیں، بعض حضرات نے اس کے برعکس کہا ہے یعنی "جنازہ" تابوت یا تخت کو کہتے ہیں اور جنازہ میت کو کہا جاتا ہے۔

بَابُ عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَثَوَابِ الْمَرَضِ
بیمار کی عیادت اور بیماری کے ثواب کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

بیمار کی عیادت کرنی چاہئے

① وَعَنْ اَبِي مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ وَفُكُّوا الْعَانِيَ (رواہ البخاری)

"حضرت ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بھوکے (یعنی مضطر و مسکین اور فقیر) کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو، اور قیدی کو (دشمن کی قید سے) چھڑاؤ۔" (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں تین باتوں کا حکم دیا جا رہا ہے یہ "وجوب علی الکفایۃ" کے طور پر ہے جس کے مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص بھی ان احکام کو پورا کر لے تو بقیہ دوسرے لوگوں کے لئے انہیں پورا کرنا ضروری نہیں ہے تاہم سب کے لئے ان احکام پر عمل کرنا سنّت اور باعث ثواب ضرور ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص ان احکام کو پورا نہ کرے تو پھر سب ہی لوگ نافرمانی کے گناہ میں مبتلا ہوں گے۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے لکھا ہے کہ "بھوکے کو اس صورت میں کھانا کھلانا سنّت ہے اگر وہ حالت اضطرار میں نہ ہو یعنی اس بھوکے کی یہ کیفیت نہ ہو کہ اگر اسے کھانا نہ کھلایا گیا تو مر جائے۔ مگر اس شکل میں اسے کھانا دینا فرض ہے کہ وہ حالت اضطرار کو پہنچ چکا ہو،

اس طرح کوئی بھوکا کسی ایسے مقام پر ہو جہاں ایک نہیں بلکہ کئی آدمی ذی مقدور ہوں یعنی اس بھوکے کو کھانا کھلانے کی استطاعت رکھتے ہوں تو ان سب ذی المقدور لوگوں پر بھوکے کو کھانا کھلانا فرض کفایہ ہو گا کہ اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی بھوکے کو کھانا کھلا دیا تو سب لوگ بری الذمہ ہو جائیں گے۔ ہاں اگر بھوکا کسی ایسی جگہ ہو جہاں صرف ایک ہی آدمی ذی مقدور ہو اور بقیہ سب لوگ مفلس وقلاش ہوں تو اس ذی مقدور پر بھوکے کو کھانا کھلانا فرض عین ہو گا۔ ایسے ہی اس بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی سُنّت ہے جس کا کوئی خبر گیر اور تیماردار ہو اور اس بیمار کی عیادت و مزاج پرسی واجب ہے جس کا کوئی خبر گیر و تیماردار نہ ہو۔

مسلمان کے مسلمان پر حقوق

② وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِیَادَةُ الْمَرِیْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِیْتُ الْعَاطِسِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (ایک) مسلمان کے (دوسرے) مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ ① سلام کا جواب دینا ② بیمار کی عیادت کرنا ③ جنازہ کے ساتھ جانا ④ دعوت قبول کرنا ⑤ چھینکنے والے کا جواب دینا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: مذکورہ بالا پانچوں چیزیں فرض کفایہ ہیں۔ سلام کرنا سُنّت ہے اور وہ بھی حقوق اسلام میں سے ہے جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو گا۔ مگر سلام کرنا ایسی سنت ہے جو فرض سے بھی افضل ہے کیونکہ اسے کرنے سے نہ صرف یہ کہ تواضع و انکساری کا اظہار ہوتا ہے بلکہ یہ اداء سُنّت واجب کا سبب بھی ہے۔

بیمار کی عیادت اور جنازہ کے ساتھ جانے کے حکم سے اہل بدعت مستثنیٰ ہیں۔ یعنی روافض وغیرہ کی نہ تو عیادت کی جائے اور نہ ان کے جنازہ کے ساتھ جایا جائے۔

"دعوت قبول کرنے" سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی مدد کے لئے بلائے تو اس کی درخواست قبول کی جائے اور اس کی مدد کی جائے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ "دعوت قبول کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مہمانداری اور ضیافت کے لئے مدعو کرے تو اس کی دعوت کو قبول کر کے اس کی طرف سے دی گئی ضیافت میں شرکت کی جائے بشرطیکہ ضیافت کسی بھی حیثیت سے ایسی نہ ہو جس میں شرکت گناہ کا باعث ہو جیسا کہ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جو ضیافت محض از راہ مفاخرت اور نام و نمود کی خاطر ہو اس میں شرکت نہ کی جائے چنانچہ سلف یعنی صحابہؓ اور پہلے زمانہ کے علماء کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ ایسی ضیافت کو ناپسند کرتے تھے۔

"چھینکنے والے کا جواب دینے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر چھینکنے والا "الحمد للہ" کہے تو اس کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہا جائے شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اسلام کے ان تمام حقوق کا تعلق تمام مسلمانوں سے ہے خواہ نیک مسلمان ہوں یا بد۔ یعنی ایسے مسلمان ہوں جو گنہگار تو ہوں مگر بتدع (بدعتی) نہ ہوں تاہم اس احتیاط اور امتیاز کو مدنظر رکھا جائے کہ بشاشت یعنی خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا اور مصافحہ کرنا صرف نیک مسلمان ہی کے ساتھ مختص ہونا چاہئے فاجر یعنی ایسے بد اور گنہگار مسلمان کے ساتھ جو علی الاعلان معصیت و گناہ میں مبتلا رہتا ہے بشاشت و مصافحہ ضروری نہیں ہے۔

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِیْلَ مَاهُنَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِذَا لَقِیْتَهٗ فَسَلِّمْ عَلَیْهِ وَاِذَا دَعَاكَ فَاَجِبْهُ وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهٗ وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَاِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" (ایک) مسلمان کے (دوسرے) مسلمان پر چھ حق ہیں" عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا ① جب تم مسلمان سے ملاقات کرو تو اسے سلام کرو ② جب تمہیں کوئی (اپنی مدد کے لئے یا ضیافت کی خاطر)

بلائے تو اسے قبول کرو۔ ③ جب تم سے کوئی خیر خواہی چاہے تو اس کے حق میں خیر خواہی کرو ④ جب کوئی چھینکے اور الحمد للہ کہے تو (یرحمک اللہ کہہ کر) اس کا جواب دو۔ ⑤ جب کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔ ⑥ جب کوئی مرجائے تو (نماز جنازہ اور دفن کرنے کے لئے) اس کے ساتھ جاؤ۔" (مسلم)

تشریح : وَاِذَا مَرِضَ الخ کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان بیمار ہو تو اس کی عیادت کے لئے جانا چاہئے اور اس کی مزاج پرسی کرنی چاہئے اگرچہ عیادت اور مزاج پرسی ایک ہی مرتبہ کیوں نہ کی جائے۔ اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ بعض اوقات میں بیمار کی عیادت نہ کی جائے تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔

اس حدیث میں اسلام کے چھ حقوق بتائے گئے ہیں جب کہ گذشتہ حدیث میں حقوق کی تعداد پانچ بیان کی گئی تھی، گویا اس حدیث میں "خیر خواہی" کا مزید ذکر کیا گیا ہے۔ تو اس بارہ میں یہ بات جان لینی چاہئے کہ احادیث میں حقوق کی جو تعداد ذکر کی گئی ہے وہ حصر کے طور پر نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر بہت زیادہ حقوق ہیں جن کو بتدریج مختلف احادیث میں تھوڑا تھوڑا کرکے بیان کیا گیا ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ احکام بذریعہ وحی آپ کے پاس اسی طرح بتدریج نازل ہوتے ہوں گے یعنی پہلے تو پانچ حقوق کا حکم نازل کیا گیا ہوگا پھر چھ حقوق کے احکام نازل کئے گئے۔

④ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ اَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَرَدِّ السَّلَامِ وَاِجَابَةِ الدَّاعِيْ وَاِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ وَنَهَانَا عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ وَعَنِ الْحَرِيْرِ وَالْاِسْتَبْرَقِ وَالدِّيْبَاجِ وَالْمِيْثَرَةِ الْحَمْرَاءِ وَالْقَسِّيِّ وَاٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَنِ الشُّرْبِ فِي الْفِضَّةِ فَاِنَّهُ مَنْ شَرِبَ فِيْهَا فِي الدُّنْيَا لَمْ يَشْرَبْ فِيْهَا فِي الْاٰخِرَةِ (متفق علیہ)

"اور حضرت براء ابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا ہے اور سات چیزوں سے منع فرمایا ہے وہ یہ ہیں: ① بیمار کی عیادت کرنا ② جنازہ کے ہمراہ جانا ③ چھینکنے والے کو جواب دینا ④ سلام کا جواب دینا ⑤ بلانے والے کی دعوت قبول کرنا ⑥ قسم کھانے والے کی قسم پورا کرنا ⑦ اور مظلوم کی مدد کرنا۔ اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے وہ یہ ہیں ① سونے کی انگوٹھی پہننے سے ② ریشم کے کپڑے پہننے سے ③ اطلس کے کپڑے استعمال کرنے سے ④ لاہی (دیباج) کے کپڑے پہننے سے ⑤ سرخ زین پوش استعمال کرنے سے ⑥ قسی کے کپڑے پہننے سے۔ ⑦ اور چاندی کے برتن استعمال کرنے سے" ایک روایت کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ "چاندی کے برتن میں پینے سے (بھی منع فرمایا ہے) کیونکہ جو شخص چاندی کے برتن میں دنیا میں پئے گا آخرت میں اسے چاندی کے برتن میں پینا نصیب نہ ہوگا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح : "قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پیش آنے والی بات کے بارے میں قسم کھائے اور تم اس کی قسم پوری کرنے پر قادر ہو اور اس میں کوئی گناہ بھی نہ ہو تو تمہیں اس کی قسم پوری کرنی چاہئے مثال کے طور پر کوئی شخص تمہیں مخاطب کرتے ہوئے قسم کھائے کہ میں تم سے جدا نہیں ہوں گا جب تک کہ تم فلاں کام نہ کرو، لیکن اگر تم اس کام کے کرنے پر قادر ہو تو وہ کام کر ڈالو تاکہ اس کی قسم نہ ٹوٹے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو یہ قسم دلائے کہ تمہیں خدا کی قسم تم یہ کام کرو۔ تو اس شخص کے لئے مستحب ہے کہ وہ پروردگار کے نام کی تعظیم کی خاطر وہ کام کرلے اگرچہ واجب نہیں ہے۔

"مظلوم کی مدد کرنا" کی تشریح میں علماء لکھتے ہیں کہ مظلوم کی مدد کرنا واجب ہے اور اس حکم میں مسلمان اور ذمی دونوں برابر کے شریک ہیں یعنی جس طرح ایک مظلوم مسلمان کی مدد کرنا واجب ہے اسی طرح اس مظلوم کافر (ذمی) کی مدد کرنا بھی واجب ہے جو اسلامی ریاست کا تابعدار شہری بن کر رہتا ہو اور جزیہ (ٹیکس) ادا کرتا ہے" پھر مدد بھی عام ہے اگر لسانی مدد کی ضرورت ہو تو زبان و قول سے مدد کی

جائے اور فعلی مدد کی ضرورت ہو تو فعل عمل کے ذریعہ مدد کی جائے۔

"میثرہ" اس زین پوش کو کہتے ہیں جس میں روئی بھری ہوئی ہوتی ہے اور اسے گھوڑے وغیرہ کی سواری کی زین پر ڈال کر اس پر بیٹھتے ہیں اسے "نمد زین" بھی کہتے ہیں دنیاداروں کی عادت ہے کہ وہ اس زین پوش کو از راہ تکبر و رعونت حریر و دیباج وغیرہ سے بناتے ہیں۔ اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ زین پوش حریر کا ہو تو خواہ وہ کسی بھی رنگ کا ہو حرام ہے۔ ہاں اگرچہ حریر کا نہ ہو مگر سرخ رنگ کا ہو تو اس کا استعمال مکروہ ہے۔ اگر سرخ رنگ کا نہ ہو تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔

"قسی" ایک کپڑے کا نام تھا جو ریشم اور کتان سے بنا جاتا تھا اور "قس" کی طرف منسوب تھا جو مصر کے ایک علاقہ کا نام ہے۔ حدیث میں چاندی کے برتن استعمال کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس طرح سونے کے برتن کا استعمال بھی ممنوع ہے بلکہ سونے کے برتن استعمال کرنا چاندی کے برتن استعمال کرنے سے بھی زیادہ گناہ ہے اس حدیث میں جن چیزوں سے منع کیا جا رہا ہے ان کا تعلق صرف مردوں سے ہے عورتوں سے نہیں ہے ہاں چاندی سونے کے برتن کے استعمال کی ممانعت مرد و عورت دونوں کے لئے ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ "آخرت میں اسے چاندی کے برتن میں پینا نصیب نہ ہوگا" کی صحیح وضاحت یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں چاندی کا برتن استعمال کیا اُسے آخرت میں اس وقت تک کہ اس کے عذاب کی مدت ختم نہ ہو جائے۔ چاندی کے برتن میں پینا نصیب نہ ہوگا۔ یا وقوف اور حساب کے وقت اسے چاندی کے برتن میں پینا نصیب نہ ہوگا یا پھر یہ کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی وہ کچھ عرصہ تک اس سے محروم رہے گا پھر بعد میں یہ پابندی اس سے ختم کر دی جائے گی، یہی مراد اس حدیث کی ہے جس میں (مردوں کے لئے) ریشم پہننے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ من لبسه في الدنيا لم يلبسه في الآخرة (یعنی جس شخص نے دنیا میں ریشم پہنا اسے آخرت میں ریشم پہننا نصیب نہیں ہوگا) اسی طرح اس حدیث کی بھی یہی وضاحت ہے جس میں شراب کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ من شربها في الدنيا لم يشربها في الآخرة (یعنی جس نے دنیا میں شراب پی اسے آخرت میں شراب پینا نصیب نہ ہوگا۔

عیادت کا ثمرہ

⑤ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِيْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مسلمان جو اپنے کسی (بیمار) مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو (گویا) وہ بہشت کی میوہ خوری میں (مصروف) رہتا ہے یہاں تک کہ وہ (عیادت سے) واپس نہ آجائے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے کسی بیمار مسلمان بھائی کی عیادت کے لئے جاتا ہے تو جب تک کہ بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی سے فارغ ہو کر نہ آجائے برابر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں سے فیضیاب ہوتا رہتا ہے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس انسانی اور اخلاقی ہمدردی و مروت کی بناء پر بہشت اور بہشت کی میوہ خوری کا مستحق ہو جاتا ہے۔

عیادت کی اہمیت

⑥ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهُ لَوَجَدْتَّنِيْ عِنْدَهُ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِيْ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَسْقِيْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ اَمَا

عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْسَقَيْتَهٗ وَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِىْ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ" قیامت کے روز (بندہ سے) فرمائے گا اے ابن آدم! میں بیمار ہوا اور تو نے میری عیادت نہیں کی"؟ بندہ عرض کرے گا کہ "اے میرے رب! میں تیری عیادت کس طرح کرتا کہ تو تو دونوں جہانوں کا پروردگار ہے (اور بیماری سے پاک ہے)" اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ "کیا تجھے معلوم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے؟ اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی تھی، کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس بیمار بندہ کی عیادت کرتا تو مجھے (یعنی میری رضا) اس کے پاس پاتا۔ (پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا" اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا اور تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا"؟ بندہ عرض کرے گا کہ "اے میرے رب! میں تجھے کھانا کس طرح کھلاتا تو تو دونوں جہانوں کا پروردگار ہے (اور کسی چیز کا محتاج نہیں ہے)" اللہ تعالیٰ فرمائے گا" کیا تجھے یاد نہیں کہ تجھ سے میرے فلاں بندہ نے کھانا مانگا تھا اور تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا۔ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو اسے (یعنی اس کے ثواب کو) میرے پاس پاتا" (پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا) اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو تو نے مجھے پانی نہیں پلایا؟" بندہ عرض کرے گا" کہ اے میرے پروردگار! میں تجھے پانی کس طرح پلاتا؟ تو تو دونوں جہانوں کا پروردگار ہے (تجھے نہ پانی کی ضرورت اور نہ کسی اور چیز کی حاجت)" اللہ تعالیٰ فرمائے گا" تجھ سے میرے فلاں بندہ نے پانی مانگا اور تو نے اسے پانی نہیں پلایا، کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اسے پانی پلاتا تو اسے (یعنی اس کے ثواب کو) میرے پاس پاتا۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث میں ذکر کی گئی تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت یعنی عیادت کرنے اور بعد کی دونوں صورتوں کا یہ فرق ملاحظہ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مریض کی عیادت کے بارہ میں تو یہ فرمائے گا کہ اگر تو مریض کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ جب کہ کھانا کھلانے اور پانی پلانے کے بارہ میں فرمائے گا کہ اگر تو کھانا کھلاتا یا یہ کہ اگر تو پانی پلاتا تو اس کے ثواب کو میرے پاس پاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مریض کی عیادت کرنا بھوکے کو کھانا کھلانے اور پیاسے کو پانی پلانے سے افضل ہے۔

اپنے سے کمتر اور ادنیٰ مریض کی بھی عیادت کرنی چاہئے

(۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى اَعْرَابِىٍّ يَعُوْدُهٗ وَكَانَ اِذَا دَخَلَ عَلٰى مَرِيْضٍ يَعُوْدُهٗ قَالَ لَا بَأْسَ طُهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ فَقَالَ لَهٗ لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ قَالَ كَلَّا بَلْ حُمّٰى تَفُوْرُ عَلٰى شَيْخٍ كَبِيْرٍ تُزِيْرُهُ الْقُبُوْرَ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَعَمْ اِذًا (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ (ایک مرتبہ) ایک اعرابی (گنوار) کے پاس اس کی بیماری کا حال پوچھنے کے لئے تشریف لے گئے آنحضرت ﷺ (کا طریقہ یہ تھا کہ) جب آپ کسی کے پاس عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو اس سے فرماتے کہ "کوئی ڈر نہیں (یعنی بیماری سے غم نہ کھاؤ اس لئے کہ) یہ بیماری (گناہوں سے) پاک کرنے والی ہے اگر اللہ چاہے" چنانچہ آپ ﷺ نے (اس وقت) اس دیہاتی سے بھی یہی فرمایا کہ "کوئی ڈر نہیں، یہ بیماری (گناہوں سے) پاک کرنے والی ہے اگر اللہ چاہے" دیہاتی نے کہا کہ "ہرگز نہیں، بلکہ یہ بخار ہے جو بڑے بوڑھے پر چڑھ آیا ہے اور اسے قبر کی زیارت کراوے گا (یعنی موت کی آغوش میں پھینک دے گا۔) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "اچھا (اگر تم یہی سمجھتے ہو تو) یوں ہی سہی۔" (بخاریؒ)

تشریح: یہ حدیث آنحضرت ﷺ کے کمال تواضع اور مساوات عمل کی مظہر ہے کہ آپ ایک دیہاتی کی عیادت کے لئے اس کے پاس تشریف لے گئے، گویا آپ ﷺ نے اپنے اس عمل مبارک سے اُمت کے لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ صرف انہیں لوگوں کی مزاج پرسی کے لئے نہیں جانا چاہئے جو اپنے سے اونچے یا اہم مرتبہ ہوں بلکہ ان لوگوں کی بھی عیادت کرنی چاہئے جو کسی بھی حیثیت سے اپنے سے کم تر اور ادنیٰ درجے کے ہوں۔

"اچھا (اگر تم یہی سمجھتے ہو تو) یوں ہی سہی یعنی آنحضرت ﷺ نے اس دیہاتی سے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا کہ میں تو تمہارے سامنے بیماری کا ثواب بیان کر رہا ہوں مگر تم اس نعمت کا انکار کر رہے ہو اگر تمہارا خیال یہی ہے تو پھر جان لو کہ اس طرح ہوگا جس طرح تم کہہ رہے ہو کیونکہ کفران نعمت کرنے والے کی سزا ہی یہ ہے کہ وہ اس نعمت سے محروم ہو جائے۔

دیہاتی کے اس ردیہ اور اس کی اس بات کی بناء پر احتمال ہو سکتا ہے کہ وہ کافر ہو مگر علماء نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ وہ مسلمان تھا مگر چونکہ بیوقوف اور ناسمجھ اجڈ گنوار تھا اسی لئے بیماری کی تکلیف اور شدت درد سے بیتاب و مضطرب ہو کر اس قسم کے الفاظ اپنی زبان سے نکال بیٹھا۔

بیمار کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعاء شفاء

(۸) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَكٰى مِنَّا اِنْسَانٌ مَسَحَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَالَ اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا (متفق علیہ)

"اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ (کا یہ طریقہ تھا کہ) جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا آپ ﷺ اس پر داہنا ہاتھ پھیرتے اور یہ (دعا) فرماتے۔ اے لوگوں کے پروردگار! بیماری دور کر دے اور شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیرے سوا کسی کی شفاء ایسی نہیں جو بیماری کو دور کر دے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

(۹) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ اِذَا اشْتَكَى الْاِنْسَانُ الشَّيْءَ مِنْهُ اَوْ كَانَتْ بِهٖ قُرْحَةٌ اَوْ جُرْحٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاِصْبَعِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے بدن کے کسی حصہ (کے درد) کی شکایت کرتا، یا (اس کے جسم کے کسی عضو پر) پھوڑا یا زخم ہوتا تو نبی کریم ﷺ اپنی انگلی سے اشارہ کر کے یہ دعا فرماتے خدا کے نام سے میں برکت حاصل کرتا ہوں، یہ مٹی ہمارے بعض آدمیوں کے لعاب دہن سے آلودہ ہے (یہ ہم اس لئے کہتے ہیں تاکہ) پروردگار کے حکم سے ہمارا بیمار تندرست ہو جائے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: منقول ہے کہ اس بارہ میں آنحضرت ﷺ کا یہ طریقہ ہوتا تھا کہ آپ ﷺ اپنا لعاب مبارک اپنی انگلی پر لگاتے اور اسے مٹی پر رکھتے پھر اس خاک آلودہ انگلی کو درد کی جگہ رکھ کر اس عضو پر پھیرتے جاتے تھے اور مذکورہ بالا دعا یعنی بسم اللہ الخ پڑھتے رہتے۔

پھوڑوں اور زخموں کے علاج کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کا یہ طریقہ اور یہ دعا درحقیقت رموز الٰہی میں سے ایک رمز ہے جسے آنحضرت ﷺ ہی جانتے تھے ہماری عقلیں اس رمز کی حقیقت تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ تاہم قاضی بیضاویؒ نے ازراہ احتمال کے لکھا ہے کہ طبی نقطہ نظر سے یہ بات ثابت ہے کہ تبدیلی مزاج کے سلسلہ میں لعاب دہن بہت موثر ہوتا ہے اسی طرح مزاج کو اپنی حالت پر برقرار رکھنے کے لئے وطن کی مٹی بہت تاثیر رکھتی ہے یہاں تک کہ حکماء لکھتے ہیں کہ مسافر کو چاہئے کہ وہ اپنے ساتھ اپنے وطن کی کچھ خاک ضرور رکھے اور تھوڑی سی خاک پانی کے برتن میں ڈال دے اور اسی برتن سے دوران سفر پیتا رہے تاکہ اس کی وجہ سے مزاج کی تبدیلی سے محفوظ رہے۔

لہٰذا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اسی بناء پر یہ طریقہ اختیار فرماتے ہوں۔ نیز دوسرے شارحین نے بھی اس کی توجیہات بیان کی ہیں مگر وہ سب احتمال ہی کے درجہ میں ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ خدا کا بھید ہے جس کی حقیقت تک ہماری عقلوں کی رسائی ممکن نہیں ہے۔

اشرفؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث رقیہ یعنی منتر کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے بشرطیکہ اس منتر میں کفر کی آمیزش نہ ہو جیسے سحر یا کلمہ کفر و شرک وغیرہ۔ نیز اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ منتر خواہ کسی بھی زبان کا ہو، ہندی و اردو کا ہو یا عربی و فارسی اور ترکی وغیرہ کا، اس کا پڑھنا اس وقت تک درست نہیں ہے تاوقتیکہ اس کے معنی معلوم نہ ہو جائیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس میں الفاظ کفر ہوں۔ ہاں حدیث میں

ایک منتر بسم اللہ شجۃ قرنیۃ الخ بچھو کے کاٹنے کے لئے منقول ہے اگرچہ اس کے معنی معلوم نہیں ہیں مگر اس کا پڑھنا جائز ہے۔

بیماری میں آیات پڑھ کر دم کرنا چاہئے

(۱۰) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ كُنْتُ أَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِيْ كَانَ يَنْفُثُ وَ أَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَتْ كَانَ إِذَا مَرِضَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ نَفَثَ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ۔

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے اور اپنا ہاتھ بدن پر (جہاں تک پہنچتا) پھیرتے، چنانچہ جب آپ ﷺ اس بیماری میں مبتلا تھے جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی تو میں معوذات پڑھ کر آپ ﷺ پر دم کرتی تھی جیسا کہ آپ ﷺ خود معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم فرمایا کرتے تھے، نیز میں آپ کا ہاتھ آپ ﷺ کے بدن پر پھیرا کرتی تھی۔ اس طرح کہ میں معوذات پڑھ کر آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں پر دم کرتی تھی اور پھر آپ ﷺ کے دونوں ہاتھ آپ ﷺ کے بدن مبارک پر پھیرتی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ سے یہ منقول ہے کہ "جب گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آنحضرت ﷺ معوذات پڑھ کر اس پر دم فرمایا کرتے تھے۔

تشریح: معوذات سے مراد قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کی سورتیں ہیں۔ چنانچہ حدیث میں معوذات بصیغہ جمع آیتوں کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے۔ یا یہ کہ چونکہ اقل جمع (یعنی جمع کا سب سے کم درجہ) دو ہیں اس لئے ان دونوں سورتوں کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ "معوذات" سے مراد تین سورتیں یعنی قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس، اور قل ھو اللہ ہیں اور ان تینوں کو معوذات کا نام تغلیباً دیا گیا ہے۔ یہی بات زیادہ معتمد ہے بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ "معوذات" میں ان تینوں سورتوں کے علاوہ "قل یا ایھا الکافرون" بھی داخل ہے۔ واللہ اعلم۔

مسلم کی دوسری روایت میں "ہاتھ پھیرنے" کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا اس موقع پر جہاں یہ احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ دم کرنے کے ساتھ ہاتھ بھی پھیرتے ہوں گے۔ لیکن یہاں اس کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا ہے کہ "دم کرنے" سے ہاتھ کا پھیرنا بھی خود بخود مفہوم ہو جاتا ہے وہیں یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ جس طرح دم کرنے کے ساتھ ہاتھ پھیرتے تھے اس طرح کسی کسی موقعہ پر صرف دم کرنے ہی پر اکتفاء کرتے ہوں گے اور ہاتھ نہ پھیرتے ہوں گے۔ لیکن صحیح اور قریب از حقیقت وضاحت وہی ہے جو پہلے بیان کی گئی ہے اور اولیٰ بھی یہی ہے کہ دم بھی کیا جائے اور ہاتھ بھی پھیرا جائے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کلام اللہ کی آیتیں پڑھ کر بیمار پر دم کرنا سنت ہے۔

درد ختم کرنے کی دعا

(۱۱) وَعَنْ عُثْمَانَ ابْنِ أَبِي الْعَاصِ أَنَّهٗ شَكٰى إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِيْ يَأْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ ثَلَاثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ قَالَ فَفَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللّٰهُ مَا كَانَ بِيْ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عثمانؓ ابن ابی العاص کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ سے درد کی شکایت کی جسے وہ اپنے بدن (کے کسی حصہ) میں محسوس کرتے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "تمہارے بدن کے جس حصہ میں درد ہے وہاں اپنا

ہاتھ رکھ کر (پہلے) تین مرتبہ بسم اللہ پڑھو اور (پھر) سات مرتبہ یہ پڑھو۔ میں اللہ سے اس کی عزت اور اس کی قدرت کے ذریعہ اس برائی (یعنی درد) سے پناہ مانگتا ہوں جسے میں (اس وقت) محسوس کررہا ہوں اور (آئندہ اس کی زیادتی سے) ڈرتا ہوں۔

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق) میں نے ایسا ہی کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری تکلیف دور کردی۔" (مسلمؒ)

آنحضرت ﷺ کے علالت اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی دعا

⑫ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ جِبْرِیْلَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اشْتَکَیْتَ فَقَالَ نَعَمْ قَالَ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُؤْذِیْکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ نَفْسٍ اَوْعَیْنِ حَاسِدٍ اَللّٰہُ یَشْفِیْکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور (مزاج پرسی کے طور پر) کہا کہ "اے محمد (ﷺ) کیا آپ علیل ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں" ! حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا خدا کے نام پر آپ ﷺ پر افسوں پڑھتا ہوں۔ ہر اس چیز سے جو آپ ﷺ کو اذیت پہنچائے اور ہر شخص کی برائی یا ہر حاسد آنکھ سے اللہ آپ ﷺ کو شفاء دے خدا کے نام سے آپ ﷺ پر افسوں پڑھتا ہوں۔" (مسلمؒ)

برائی و حادثہ سے خدا کی پناہ میں دینا

⑬ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ اُعِیْذُکُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَھَامَّۃٍ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ وَیَقُوْلُ اِنَّ اَبَاکُمَا یُعَوِّذُ بِھَا اِسْمَاعِیْلَ وَاِسْحَاقَ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَفِیْ اَکْثَرِ نُسَخِ الْمَصَابِیْحِ بِھِمَا عَلٰی لَفْظِ التَّثْنِیَۃِ

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ حضرت حسن و حضرت حسینؓ کو ان الفاظ کے ذریعہ (خدا کی) پناہ میں دیتے تھے۔ میں تمہیں کلمات اللہ تعالیٰ کے ذریعہ جو کامل ہیں، ہر شیطان کی برائی، ہر ہلاک کردینے والے زہریلے جانور اور ہر نظر لگانے والی آنکھ سے (خدا کی) پناہ میں دیتا ہوں اور آپ ﷺ یہ (بھی) فرماتے تھے کہ تمہارے باپ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) ان کلمات کے ذریعہ اپنے صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کو خدا کی پناہ میں دیتے تھے۔

مصابیح کے اکثر نسخوں میں (لفظ "بھا" کی بجائے) "بھما" تثنیہ کی ضمیر کے ساتھ ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: کلمات اللہ تعالیٰ سے مراد یا تو اللہ تعالیٰ کی معلومات ہیں یا اس کے اسماء پاک اسی طرح اس کی کتابیں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔

"ہر شیطان کی برائی سے" کا مطلب ہے "ہر سرکش اور حد سے بڑھ جانے والے کی برائی سے خواہ وہ آدمیوں میں سے ہو خواہ جنات میں سے یا جانوروں سے۔"

"ہامہ" اس زہریلے جانور کو کہتے ہیں جس کے کاٹنے سے آدمی ہلاک ہوجائے جیسے سانپ وغیرہ۔ جس زہریلے جانور کے کاٹنے سے آدمی مرتا نہیں اسے "سامہ" کہتے ہیں جیسے بچھو، زنبور (بھڑ) وغیرہ۔ نیز بعض مواقع پر حشرات الارض ہوام (ہامہ کی جمع) کہتے ہیں۔

روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ یہاں جو حدیث نقل کی گئی ہے اس کے الفاظ اِنَّ اَبَاکُمَا کَانَ یُعَوِّذُ بِھَا میں لفظ "بہا" ضمیر مفرد کے ساتھ نقل کیا گیا ہے جب کہ مصابیح کے اکثر نسخوں میں اس موقع پر "بھما" ضمیر تثنیہ کے ساتھ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس ضمیر تثنیہ حدیث کے دو جملوں مِنْ شَرِّ کُلِّ شَیْطَانٍ اور مِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ کی طرف راجع ہوگی۔ لیکن اس میں چونکہ خواہ مخواہ کا تکلف ہے اس لئے علامہ طیبیؒ نے کہا ہے کہ جن نسخوں میں "بہما" تثنیہ کی ضمیر کے ساتھ لکھا گیا ہے وہاں کاتب سے سہو ہو گیا ہے صحیح

"بہا" یعنی مفرد کی ضمیر کے ساتھ ہی ہے۔

تکلیف و مصیبت اللہ کی رحمت ہے

⑭ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّصِبْ مِنْهُ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھلائی پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے، وہ (اس بھلائی کے حصول کے لئے) مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: "مصیبت" ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسے دل قبول اور پسند نہ کرے، لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مصیبت خواہ وہ تکلیف و بیماری کی صورت میں ہو یا حادثہ و صدمہ کی شکل میں، ہمیشہ خدا کے قہر اور عذاب ہی کے طور پر نہیں آتی بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس بندہ پر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کا سایہ کرنا چاہتا ہے اور اسے خیر و بھلائی کے راستہ پر ڈالنا چاہتا ہے تو اسے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے جس سے نہ صرف یہ کہ اس کے گناہ صاف ہو جاتے ہیں بلکہ اس کے قلب و دماغ کو مصیبت کی تختی مجلی و مصفا کر کے خیر و بھلائی کے نور کو اپنے اندر ضیا بار کرنے کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بندہ مصیبت و تکلیف پر صبر کرے اور راضی برضا رہے تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ یہ مصیبت اس کے لئے اپنے دامن میں خدا کی رضا اور رحمت لے کر آئی ہے۔

ہاں اگر کوئی بندہ کسی مصیبت پر صبر و ضبط کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑ کر جزع فزع کرنے لگے اور ناخوش و خفا ہونے لگے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ یہ مصیبت اس کے حق میں رحمت نہیں بلکہ عذاب خداوندی ہے۔

رنج و غم کا پہنچنا گناہوں کو دور کرتا ہے

⑮ وَعَنْهُ وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا يُصِيْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا اَذًى وَلَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا اِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "مسلمانوں کو جب کوئی رنج، دکھ فکر، حزن ایذا اور غم پہنچتا ہے یہاں تک کہ کانٹا چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہ دور کر دیتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: الفاظ "ہم و حزن" وغیرہ کے معنی قریب قریب یکساں ہیں صرف ہم اور غم میں فرق یہ ہے کہ ہم آئندہ واقع ہونے والے معاملہ سے تعلق رکھتا ہے یعنی اگر کوئی ایسا مشکل امر پیش آنے والا ہو جس کے کرنے یا نہ کرنے سے رنج و ملال پہنچے تو وہاں ہم استعمال کیا جاتا ہے اور غم کا تعلق گذرے ہوئے واقع سے ہوتا ہے۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان کو کسی بھی نوعیت کا یا کسی بھی طرح کا کوئی رنج و ملال اور غم و مصیبت پہنچے تو وہ اس کے صغیرہ گناہوں کے دور ہونے کا ذریعہ ہے۔

آنحضرت ﷺ پر تکلیف و بیماری کی سختی و زیادتی

⑯ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُوْعَكُ فَمَسِسْتُهُ بِيَدِیْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ لَتُوْعَكُ وَعْكًا شَدِيْدًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجَلْ اِنِّیْ اُوْعَكُ كَمَا يُوْعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ قَالَ فَقُلْتُ ذٰلِكَ لِاَنَّ لَكَ اَجْرَيْنِ فَقَالَ اَجَلْ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهُ اَذًى مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاهُ اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ بِهٖ سَيِّئَاتِهٖ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس وقت آپ ﷺ کو بخار تھا میں نے آپ ﷺ پر اپنا ہاتھ پھیر کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) کو بہت سخت بخار ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں! مجھے تمہارے دو آدمیوں کے برابر بخار چڑھتا ہے!" حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے عرض کیا" یہ اس وجہ سے ہوگا کہ آپ کو دوگنا ثواب ملے"؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں!" اور پھر فرمایا جس مسلمان کو بیماری کی وجہ سے یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہ (اسی طرح) دور کر دیتا ہے جیسے درخت اپنے پتے جھاڑتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

(۱۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ اَحَدًا الْوَجَعُ عَلَيْهِ اَشَدُّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس کی بیماری آنحضرت ﷺ کی بیماری سے زیادہ سخت و شدید ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

موت کی سختی بلندی درجات کی علامت ہے

(۱۸) وَعَنْهَا قَالَتْ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ حَاقِنَتِيْ وَ ذَاقِنَتِيْ فَلَا اَكْرَهُ شِدَّةَ الْمَوْتِ لِاَحَدٍ اَبَدًا بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواہ البخاری).

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے سینہ اور گردن کے درمیان وفات پائی، میں نبی کریم ﷺ کے بعد کسی شخص کی موت کی سختی کو کبھی برا نہیں سمجھتی۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت عائشہؓ کے ارشاد کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ آپ ﷺ میرا سہارا لئے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کا سر مبارک میرے سینہ اور گردن کے بیچ رکھا ہوا تھا لہٰذا میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ اس وقت آنحضرت ﷺ حالت نزع کی کتنی شدید تکلیف میں مبتلا تھے اور آپ ﷺ کی موت کتنی سخت تھی!؟

حدیث کے دوسرے جزو فلا اکرہ شدۃ الموت کا مطلب یہ ہے کہ پہلے تو میں یہ سمجھتی تھی کہ حالت نزع کی تکلیف اور موت کی سختی گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ہوتی ہے لیکن جب میں نے آنحضرت ﷺ کی موت دیکھی تو مجھے معلوم ہوا کہ موت کی سختی گناہوں کی کثرت اور خاتمہ بالخیر نہ ہونے کی علامت نہیں ہے بلکہ موت کی سختی اور سکرات الموت کی شدت بلندی درجات کے لئے ہوتی ہے۔

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ موت کی آسانی اور سکرات الموت میں تخفیف بزرگی اور فضیلت کی بات نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا آنحضرت ﷺ کو یہ فضیلت بطریق اولیٰ حاصل ہوتی۔

مؤمن اور منافق کی زندگی کی مثال

(۱۹) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفَيِّئُهَا الرِّيَاحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَتَعْدِلُهَا اُخْرٰى حَتّٰى يَاْتِيَهُ اَجَلُهُ وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الْاَرْزَةِ الْمُجْذِيَةِ الَّتِيْ لَا يُصِيْبُهَا شَيْءٌ حَتّٰى يَكُوْنَ انْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً (متفق علیہ)

"اور حضرت کعب ابن مالکؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مؤمن کی مثال کھیت کی تروتازہ اور نرم شاخ کی سی ہے کہ جسے ہوائیں جھکا رتی ہیں، کبھی اسے گرا دیتی ہیں اور کبھی سیدھا کر دیتی ہیں یہاں تک کہ اس کا وقت پورا ہو جاتا ہے اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے جو جما کھڑا رہتا ہے اسے کوئی جھٹکا نہیں لگتا (یعنی نہ تو وہ ہوا کے دباؤ سے گرتا ہے اور نہ جھکتا ہے) یہاں تک کہ وہ دفعۃً زمین پر آگرتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مؤمن کی مثال تو کھیتی کی تروتازہ اور نرم شاخ سے دی جا رہی ہے کہ جس طرح ہواؤں کے تھپیڑے اس شاخ پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں بایں طور کہ کبھی وہ شاخ کو گرا دیتے ہیں کبھی سیدھا کر دیتے ہیں۔ مگر وہ شاخ ہواؤں کے سخت و تند تھپیڑے کھا کھا کر اپنی جگہ اپنے وقت کے آخری لمحہ تک کھڑی رہتی ہے۔ اسی طرح مؤمن کا حال بھی یہی ہے کبھی تو اسے مصائب و آلام اور ضعف و بیماری کے سخت تھپیڑے گرا دیتے ہیں، کبھی صحت و تندرستی اور خوشی و مسرت کے جانفزا جھونکے ان کی زندگی میں بشاشت و انبساط کی زندگی پیدا کر دیتے ہیں، اس طرح وہ اپنی زندگی کے دن پورے کرتا رہتا ہے۔

منافق کی مثال صنوبر کے درخت سے دی گئی ہے کہ جس طرح صنوبر کا درخت بظاہر ایک جگہ کھڑا رہتا ہے اور اس پر ہوا کا دباؤ اثر انداز نہیں ہوتا مگر جب اس کا وقت آتا ہے تو وہ یکبارگی زمین پر آ رہتا ہے اسی طرح منافق کا حال ہے کہ وہ دنیاوی زندگی میں بظاہر خوش و خرم اور ہشاش بشاش نظر آتا ہے نہ اس پر مصائب و آلام کی بارش ہوتی ہے اور نہ بیماری و ضعف کے تھپیڑے اس پر اثر انداز ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ یکبارگی بغیر کسی بیماری و ضعف کے موت کی وادی میں گر جاتا ہے۔

گویا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ مؤمن و مسلمان کی زندگی مصائب و آلام اور تکلیف و پریشانی میں گزرتی ہے کبھی وہ بیماری و ضعف کے جال میں پھنسا رہتا ہے کبھی اسے مال و زر کی کمی اپنی لپیٹ میں لیتی ہے کبھی دوسرے دنیاوی حوادث و آلام اس کی روشن زندگی پر سیاہ بادل بن کر چھا جاتے ہیں مگر مؤمن مسلمان اسی حالت میں بتے جاتا ہے اور یہ تمام چیزیں اس کے حق میں اخروی سعادت و خوش بختی کی علامت قرار دی جاتی ہیں بشرطیکہ صبر و رضا اور شکر کا دامن کسی بھی مرحلہ پر ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

اس کے مقابلہ پر منافق و فاسق کی زندگی ہوتی ہے جس پر نہ تو زیادہ ترغم و آلام کا سایہ ہوتا ہے نہ بیماری و پریشانی کے سیاہ بادل اور نہ دوسری دنیاوی ذلت و ناکامرانی اور مصیبت و پریشانی کا چکر، بلکہ وہ بظاہر تندرست و توانا اور خوش و خرم رہتا ہے اس طرح نہ اسے وہ درجہ ملتا ہے جو مصائب و پریشانی کے کفارہ کے طور پر مسلمان کو حاصل ہوتا ہے اور نہ اسے وہ ثواب و سعادت میسر آتی ہے جو بیماری و پریشانی میں مبتلا ہو کر مؤمن و مسلمان کی اخروی کامیابی و فلاح کا ضامن بنتی ہے۔

(۲۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ کَمَثَلِ الزَّرْعِ لَا تَزَالُ الرِّیْحُ تُمِیْلُهٗ وَلَا یَزَالُ الْمُؤْمِنُ یُصِیْبُهُ الْبَلَاءُ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ کَمَثَلِ شَجَرَةِ الْاَرْزَةِ لَا تَهْتَزُّ حَتّٰی تُسْتَحْصَدَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مؤمن کی مثال کھیتی کی سی ہے کہ (جس طرح) ہوائیں اسے ہمیشہ جھکائے رہتی ہے (اسی طرح) مؤمن کو ہمیشہ بلائیں اپنی لپیٹ میں لئے رہتی ہیں اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے۔ کہ اگرچہ وہ ہواؤں کے دباؤ سے ہلتا بھی نہیں مگر (آخر کار جڑ ہی سے) اکھڑ جاتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ منافق دنیاوی زندگی میں مصائب و تکلیف سے زیادہ دوچار نہیں ہوتا اور نہ بلاء آلام اس پر زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں تاکہ یہاں کی مصیبتوں کے بدلہ میں اس کے لئے اخروی زندگی کا عذاب ہلکا نہ ہو جائے جب کہ مسلمان کا دنیا میں مصائب و آلام میں مبتلا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اسے آخرت میں بڑی پرسکون اور پرمسرت زندگی حاصل ہوگی۔

بیماری کو برا نہ کہو

(۲۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اُمِّ السَّائِبِ فَقَالَ مَالَكِ تُزَفْزِفِیْنَ قَالَتِ الْحُمّٰی لَا بَارَكَ اللّٰهُ فِیْهَا فَقَالَ لَا تَسُبِّی الْحُمّٰی فَاِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَایَا بَنِیْ اٰدَمَ کَمَا یُذْهِبُ الْکِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ حضرت ام صائبؓ کے پاس (جو تپ و لرزہ میں مبتلا تھیں) تشریف لائے اور (ان کی حالت دیکھ کر) فرمایا کہ "یہ تمہیں کیا ہوا جو تم کانپ رہی ہو؟" انہوں نے عرض کیا کہ "بخار ہے اللہ اس میں برکت نہ دے"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بخار کو برا مت کہو کیونکہ بخار بنی آدم کے گناہوں کو اسی طرح دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو صاف کر دیتی ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: ایک روایت میں منقول ہے کہ "اللہ تعالیٰ مؤمن کی تمام خطائیں اس کے ایک رات کے بخار کی وجہ سے دور فرما دیتا ہے" اسی طرح ابوداؤدؒ کی ایک روایت میں منقول ہے کہ "ایک رات کا بخار ایک برس کے گناہ دور کر دیتا ہے۔

زمانہ بیماری کے فوت شدہ اوراد و نوافل کا ثواب ملتا ہے

(۲۲) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ اَوْ سَافَرَ کُتِبَ لَہٗ بِمِثْلِ مَا کَانَ یَعْمَلُ مُقِیْمًا صَحِیْحًا (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر میں جاتا ہے (اور اس کی بیماری یا سفر کی وجہ سے اس کے اور ادو نوافل فوت ہو جاتے ہیں) تو (اس کے نامۂ اعمال میں) اتنے عمل لکھ دیئے جاتے ہیں جو وہ حالت قیام اور زمانہ تندرستی میں کیا کرتا تھا۔" (بخاریؒ)

طاعون میں مرنے والے کی فضیلت

(۲۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلطَّاعُوْنُ شَھَادَۃُ کُلِّ مُسْلِمٍ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "طاعون (میں مرنا) ہر مسلمان کے لئے شہادت ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس علاقہ میں جہاں طاعون کی بیماری پھیل جاتی ہے جو مسلمان صبر و برداشت کے دامن کو نہیں چھوڑتا اور بیماری سے ڈر کر کسی دوسری جگہ بھاگتا نہیں بلکہ اللہ پر بھروسہ کر کے وہیں پڑا رہتا ہے اور اگر وہ طاعون میں مبتلا ہو کر مر جاتا ہے تو اسے شہید کے اجر سے نوازا جاتا ہے۔

طاعون ایک عام بیماری اور وباء کا نام ہے جس علاقہ میں یہ بیماری پیدا ہوتی ہے وہاں کی آب و ہوا، عام مزاج اور انسانوں کے جسم تمام ہی چیزیں اس بیماری کے جراثیم اور اس کے فساد سے متاثر ہو جاتی ہیں۔

بعض لوگوں نے کہا کہ طاعون اس بیماری کو کہتے ہیں جس میں بدن کے نرم حصوں پر زخم ہو جاتے ہیں۔ جیسے بغل وغیرہ اور ان زخموں کے گرد سیاہی، سبزی یا سرخی ہوتی ہے۔

شہید کا ثواب پانے والے

(۲۴) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلشُّھَدَاءُ خَمْسَۃٌ اَلْمَطْعُوْنُ وَالْمَبْطُوْنُ وَالْغَرِیْقُ وَصَاحِبُ الْھَدْمِ وَالشَّھِیْدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا شہداء پانچ ہیں ① طاعون زدہ ② پیٹ کی بیماری (یعنی دست اور استسقاء میں مرنے والا ③ پانی میں بے اختیار ڈوب کر مر جانے والا ④ دیوار یا چھت کے نیچے دب کر مر جانے والا۔ ⑤ خدا کی راہ میں شہید ہونے والا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: پانی میں ڈوب کر مر جانے والے۔ اس شخص کو شہادت کا ثواب ملے گا جو بے اختیار و بلا قصد پانی میں ڈوب گیا ہو یعنی بارادہ خود پانی میں نہ ڈوبے۔ اس طرح اگر دریا میں کشتی ڈوب جائے یا لوٹ جائے تو سب لوگ یا کچھ لوگ دریا میں ڈوب جائیں تو ان میں سے اسی

ڈوبنے والے کو شہادت کا ثواب ملے گا جو کسی گناہ و معصیت کے ارادہ سے کشتی میں نہ بیٹھا ہو۔

اس حدیث میں پانچ قسم کے شہیدوں کا تذکرہ کیا گیا۔ لہٰذا اس سلسلہ میں یہ بات جان لینی چاہئے کہ حقیقی شہید صرف وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان قربان کر دے۔ شہیدوں کی دیگر قسمیں حکمی ہیں یعنی وہ مرنے والے حقیقی شہید تو نہیں ہوتے ہاں اس کی بے کسی و بے بسی کی موت کی بناء پر انہیں شہادت کا ثواب ملتا ہے۔

اس موقع پر اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ یہاں اس حدیث میں چار قسم کے حکمی شہیدوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ حکمی شہیدوں کی اور بھی بہت زیادہ قسمیں جن کے بارے میں دیگر مشہور احادیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض علماء مثلاً سیوطیؒ وغیرہ نے ان کو ایک جگہ جمع کیا ہے۔ اس حدیث میں جو شہداء حکمی ذکر کئے گئے ہیں ان کے علاوہ دوسرے حکمی شہداء یہ ہیں۔

ذات الجنب (یعنی نمونیہ کی بیماری) میں مرنے والا، جل کر مرجانے والا، حالت حمل میں مرجانے والی عورت یا باکرہ مرجانے والی عورت، وہ عورت جو حاملہ ہونے کے بعد سے بچہ کی پیدائش تک یا بچہ کا دودھ چھٹانے تک مرجائے، سل یعنی دق کے مرض میں مرنے والا، حالت سفر میں مرنے والا، سفر جہاد میں سواری سے گر کر مرجانے والا، مرابط یعنی اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کے دوران مرجانے والا، گڑھے میں گر کر مرجانے والا، درندوں یعنی شیر وغیرہ کا لقمہ بن جانے والا، اپنے مال، اپنے اہل و عیال، اپنے دین، اپنے خون اور حق کی خاطر قتل کیا جانے والا، دوران جہاد اپنی موت مرجانے والا، اور وہ شخص جسے شہادت کی پر خلوص تمنا اور لگن ہو مگر شہادت کا موقع اسے نصیب نہ ہو اور اس کا وقت پورا ہو جائے اور شہادت کی تمنا دل میں لئے دنیا سے رخصت ہو جائے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جس شخص کو حاکم وقت ظلم و تشدد کے طور پر قید خانہ میں ڈال دے اور وہ وہیں مرجائے تو وہ شہید ہے جو شخص مظلومانہ طریقہ پر زدو کوب کیا جائے اور وہ زدو کوب کے نتیجے میں بعد میں مرجائے تو وہ شہید ہے اور جو شخص توحید کی گواہی دیتے ہوئے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دے تو وہ شہید ہے۔

حضرت انسؓ سے بطریق مرفوع روایت ہے کہ "تپ (بخار) شہادت ہے۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ روایت کرتے ہیں میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! شہداء میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بافضیلت شہید کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "وہ شخص جو ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر اسے اچھا اور نیک کام کرنے کا حکم دے اور برے کام سے روکے اور وہ حاکم اس شخص کو مار ڈالے۔

حضرت ابو موسیٰؓ سے مروی ہے کہ "جس شخص کو گھوڑا یا اونٹ کچل اور روند ڈالے اور وہ مرجائے یا زہریلے جانور کے کاٹنے سے مرجائے تو شہید ہے۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ "جس شخص کو کسی سے عشق ہو گیا اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنے عشق میں پاکباز و متقی رہا بلکہ اس نے اپنے عشق کو چھپایا بھی اور اسی حال میں اس کا انتقال ہو گیا تو وہ شہید ہے۔

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی منقول ہے کہ جو شخص کشتی میں بیٹھا ہو اور دوران سفر اور قے میں مبتلا ہو تو اسے شہید کا اجر ملتا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے عورت کے لئے غیرت و خودداری لازم رکھی ہے اور مردوں کے لئے جہاد ضروری قرار دیا ہے لہٰذا عورتوں میں سے جس عورت نے اپنی سوکن کی موجودگی میں صبر و ضبط کے دامن کو پکڑے رکھا تو اسے شہید کا اجر ملے گا۔

حضرت عائشہؓ بطریق مرفوع روایت کرتی ہیں کہ "جو شخص روزانہ دن میں پچیس مرتبہ یہ دعا اللھم بارک لی فی الموت و فیما بعد الموت پڑھے اور بستر مرگ پر اس کا انتقال ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے شہید کا ثواب عنایت فرماتے ہے۔

حضرت ابن عمرؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ "جو شخص ضحی (یعنی اشراق و چاشت) کی نماز پڑھے اور مہینہ میں تین دن روزہ رکھے اور وتر کی نماز نہ حالت سفر میں چھوڑے نہ حالت قیام میں تو اس کے لئے شہید کا اجر لکھا جاتا ہے۔

اسی طرح اُمت میں عوامی طور پر اعتقادی و عملی گمراہی کے وقت سُنّت پر مضبوطی سے قائم رہنے والا اور طلب علم میں مرنے والا شہید ہے "طلب علم میں مرنے والے" سے وہ شخص مراد ہے جو حصول علم اور درس وتدریس میں مشغول ہو یا تصنیف وتالیف میں مصروف ہو اور یا محض کسی علمی مجلس میں حاضر ہو، جس شخص نے اپنی زندگی اس طرح گزار دی ہو کہ لوگوں کی مہمانداری وخاطر وتواضع اس کا شیوہ رہا ہو تو وہ شہید ہے، مرتث یعنی وہ شخص جو میدان کارزار میں زخمی ہو کر فوراً نہ مرجائے بلکہ کم سے کم اتنی دیر تک زندہ رہے کہ دنیا کی کسی چیز سے فائدہ اٹھائے تو وہ بھی شہید ہے۔ جو شخص مسلمانوں تک غلہ پہنچائے اور جو شخص اپنے اہل وعیال اور اپنے غلام ولونڈی کے لئے کمائے وہ شہید ہے۔ ایسے ہی وہ جنبی جسے کافر میدان کارزار میں مار ڈالیں اور شریق یعنی وہ شخص جو گلے میں پانی پھنس جانے اور دم گھٹ جانے کی وجہ سے مرجائے وہ شہید ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ جو مسلمان اپنے مرض میں حضرت یونس علیہ السلام کی یہ دعا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ چالیس مرتبہ پڑھے اور اسی مرض میں انتقال کرے تو اسے شہید کا ثواب دیا جاتا ہے اور اگر اس مرض سے اسے چھٹکارا مل جائے تو وہ اس حال میں صحت مند ہوتا ہے کہ اس کی مغفرت ہو چکی ہوتی ہے۔

یہ بھی حدیث میں وارد ہے کہ سچا اور امانتدار تاجر قیامت کے دن شہداء کے ساتھ ہوگا اور جو شخص جمعہ کی شب میں مرتا ہے وہ شہید ہے۔

نیز حدیث میں یہ بھی منقول ہے کہ بلا اجرت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اذان دینے والا موذن اس شہید کی مانند ہے جو اپنے خون میں لت پت تڑپتا ہو، نیز وہ موذن جب مرتا ہے تو اس کی قبر میں کیڑے نہیں پڑتے۔

منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔ جو شخص مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر سو مرتبہ اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اور جو شخص مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان براۃ یعنی نفاق اور آگ سے نجات لکھ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ رکھے گا۔

منقول ہے کہ جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ اور سورہ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے مقرر کرتا ہے اور اس کے لئے شام تک بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ اور وہ شخص اگر اس دن مرجاتا ہے تو اس کی موت شہید کی موت ہوتی ہے اور جو شخص یہ شام کو پڑھتا ہے وہ بھی اسی اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو وصیت کی کہ جب تم رات میں سونے کے لئے اپنے بستر پر جاؤ تو سورہ حشر کی آخری آیتیں پڑھ لو اور فرمایا کہ "اگر تم (رات میں یہ پڑھنے کے بعد سوئے اور اسی رات میں) مرگئے تو شہید کی موت پاؤ گے۔

منقول ہے کہ جو شخص مرگی کے مرض میں مرجاتا ہے وہ شہید ہوتا ہے، جو شخص حج اور عمرہ کے دوران مرتا ہے شہید ہوتا ہے جو شخص باوضو مرتا ہے شہید ہوتا ہے اسی طرح رمضان کے مہینہ میں، بیت المقدس میں، مکہ میں یا مدینہ میں مرنے والا شخص شہید ہوتا ہے، دبلاہٹ کی بیماری میں مرنے والا شخص شہید ہوتا ہے۔ جو شخص کسی آفت وبلا میں مبتلاء ہو اور وہ اسی حالت میں ضرر وبلا پر صبر ورضا کا دامن پکڑے ہوئے مرجائے تو شہید ہے۔ جو شخص صبح وشام مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ جس کے پڑھنے کی فضیلت کا تذکرہ ایک حدیث میں کیا گیا ہے پڑھے تو وہ شہید ہے۔

منقول ہے کہ جو شخص نوے برس کی عمر میں یا آسیب زدہ ہو کر مرے یا اس حال میں مرے کہ اس کے ماں باپ اس سے خوش ہوں اور یا نیک بخت بیوی اس حال میں مرے کہ اس کا خاوند اس سے خوش راضی ہو تو وہ شہید ہے۔ نیز وہ مسلمان بھی شہید ہے جو کسی ضعیف مسلمان کے ساتھ کلمہ خیر یا اس کی کسی طرح کی مدد کر کے بھلائی کا معاملہ کرے۔ واللہ اعلم۔

طاعون زدہ علاقہ میں صبر و ثبات کی فضیلت

(۲۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الطَّاعُوْنِ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّهُ عَذَابٌ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَشَاءُ وَاِنَّ اللّٰهَ جَعَلَهُ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِيْنَ لَيْسَ مِنْ اَحَدٍ يَقَعُ الطَّاعُوْنُ فَيَمْكُثُ فِيْ بَلَدِهٖ صَابِرًا مُحْتَسِبًا يَعْلَمُ اَنَّهُ لَا يُصِيْبُهُ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ اِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِ شَهِيْدٍ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے طاعون کی حقیقت دریافت کی تو آپ ﷺ نے مجھے بتایا کہ (ویسے تو) یہ عذاب ہے جسے اللہ تعالیٰ جس پر چاہے بھیجتا ہے (لیکن) اللہ تعالیٰ نے اسے (ان) مؤمنین کے لئے (باعث) رحمت قرار دیا ہے (جو اس میں ابتلاء کے وقت صبر کرتے ہیں) اور جس شہر یا جس جگہ طاعون ہو اور (کوئی مؤمن) اپنے اس شہر میں ٹھہرا رہے اور صبر کرنے والا اور خدا سے ثواب کا طالب رہے (یعنی اس طاعون زدہ علاقہ میں کسی اور غرض و مصلحت سے نہیں بلکہ محض ثواب کی خاطر ٹھہرا رہے) نیز یہ جانتا ہو کہ اسے کوئی چیز (یعنی کوئی اذیت و مصیبت) نہیں پہنچے گی مگر صرف وہی جو خدا نے (اس کے مقدر میں) لکھ دی اور جس سے کہیں مفر نہیں) تو اس مؤمن کو شہید کے مانند ثواب ملے گا۔" (بخاریؒ)

طاعون زدہ علاقہ کے بارہ میں واضح ہدایت و ضابطہ

(۲۶) وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّاعُوْنُ رِجْزٌ اُرْسِلَ عَلٰى طَائِفَةٍ مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَوْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَاِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِاَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ وَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ (متفق علیہ)

"اور حضرت اسامہ ابن زیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "طاعون عذاب ہے جو بنی اسرائیل کی ایک جماعت پر بھیجا گیا تھا" یا فرمایا کہ ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے" (یعنی راوی کو شک ہو گیا ہے کہ آپ ﷺ نے پہلا جملہ ارشاد فرمایا تھا یا دوسرا) لہٰذا جب تم کسی علاقہ کے بارہ میں سنو کہ وہاں طاعون پھیلا ہوا ہے تو وہاں مت جاؤ اور جس طاعون زدہ علاقہ میں تم (پہلے سے) موجود ہو تو وہاں سے نکل مت بھاگو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "بنی اسرائیل کی ایک جماعت" سے مراد وہ جماعت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا (یعنی داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے) مگر انہوں نے سرکشی اور نافرمانی کا مظاہرہ کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ یعنی پس ہم نے ان کی سرکشی و نافرمانی کی وجہ سے) ان پر آسمان سے عذاب اتارا۔ ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ "آسمانی عذاب" طاعون تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اس بد بخت و سرکش قوم پر نازل فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عذاب وبلا میں مبتلا ہو کر اس قوم کے چوبیس ہزار بڑے بڑے بوڑھے آناً فاناً موت کے گھاٹ اتر گئے۔

اس حدیث میں طاعون زدہ علاقہ کے بارے میں دو ہدایتیں دی جا رہی ہیں ایک تو یہ کہ جس علاقہ میں طاعون پھیلا ہوا ہو اور تم وہاں پہلے سے موجود نہ ہو تو اب طاعون پھیلنے کی وجہ سے اس علاقہ میں نہ جاؤ۔ اس سے منع فرمایا جا رہا ہے تاکہ اپنی جان کو جانتے بوجھتے ہلاکت میں ڈالنا لازم نہ آئے۔

دوسری ہدایت یہ ہے کہ جس علاقہ میں طاعون پھیلا ہوا ہو تو وہاں پہلے سے موجود ہو تو اب محض طاعون پھیلنے کی وجہ سے اس علاقہ سے نکل کر کسی دوسری جگہ نہ بھاگ جاؤ۔ کیونکہ اس طرح کی تکلیف و پریشانی کے خوف سے اور موت کے ڈر سے بھاگنے کا مطلب ہو گا کہ تقدیر کے لکھے ہوئے فیصلہ سے فرار اختیار کرنا جو لاحاصل ہے۔

لہٰذا کسی عام وبا پھیلنے کے وقت کے بارے میں شریعت اسلامی کا یہی ضابطہ ہے کہ جس طرف وبا پھیلی ہوئی ہو وہاں جائے نہیں اور

جس جگہ پہلے سے موجود تھا اور وہاں وبا پھیل گئی تو پھر وہاں سے بھاگے نہیں جو شخص بھاگے گا وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اور راندہ درگاہ الٰہی ہو گا" ہاں وبا کے علاوہ دوسرے بعض مواقع پر جہاں ہلاکت کا ظن غالب ہو بھاگنے کی اجازت ہے مثلاً کوئی شخص گھر میں ہو اور زلزلہ آجائے یا گھر میں آگ لگ جائے یا اسی طرح کسی ایسی دیوار کے نیچے بیٹھا ہوا ہو جس کے گرنے کا خطرہ ہو تو جان بچانے کے لئے وہاں سے بھاگنا جائز ہے۔

بینائی سے محرومی اور اس پر صبر اخروی سعادت کی نشانی

(۲۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِيْ بِحَبِيْبَتَيْهِ ثُمَّ صَبَرَ عَوَّضْتُهٗ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ يُرِيْدُ عَيْنَيْهِ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے کسی بندہ کو اس کی دونوں پیاری چیزوں میں مبتلا کر دیتا ہوں اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں ان دونوں کے بدلہ میں اسے جنت دیتا ہوں (راوی کہتے ہیں کہ اس کی دونوں پیاری چیزوں سے) آنحضرت ﷺ کی مراد "اس کی دونوں آنکھیں ہیں۔" (بخاری)

تشریح: اللہ جل شانہ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو میں اندھا کر دیتا ہوں تو اس کو اس کی دونوں آنکھوں کے بدلہ میں بہشت دیتا ہوں، یعنی اسے نجات پائے ہوئے لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل کروں گا، یا یہ کہ اسے جنت میں مخصوص مراتب ودرجات عطا کروں گا۔

لہٰذا جب کوئی شخص اپنی بینائی سے محروم ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ نہ تو اس کی وجہ سے اپنی زبان شکایت کو دراز نہ کرے اور نہ دل میں کوئی تنگی اور تکدر پیدا کرے بلکہ ایسی صورت میں صبر وشکر کی راہ پر گامزن رہے اور جانے کہ اندھا ہو جانا غضب خداوندی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ گناہوں کے دور ہونے، درجات کے بلند ہونے اور نگاہ بد سے بچانے کے لئے حق تعالیٰ نے آزمائش میں مبتلا کیا ہے۔ ایک بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ جب عمر کے آخری حصہ میں اندھے ہو گئے تو فرمایا کرتے تھے کہ وہ خلوت جسے میں تمام عمر چاہا کرتا تھا اب میسر آئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

عیادت کا اجر

(۲۸) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَامِنْ مُسْلِمٍ يَعُوْدُ مُسْلِمًا غُدْوَةً اِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُمْسِيَ وَاِنْ عَادَهٗ عَشِيَّةً اِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُصْبِحَ وَكَانَ لَهٗ خَرِيْفٌ فِي الْجَنَّةِ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو مسلمان (دوسرے بیمار) مسلمان کو دن کے پہلے حصہ میں یعنی دوسرے پہر سے پہلے پہلے عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے شام ہونے تک رحمت ومغفرت کی دعا کرتے ہیں اور جو مسلمان دن کے آخری حصہ میں یعنی زوال کے بعد عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے صبح ہونے تک رحمت ومغفرت کی دعا کرتے ہیں اور بہشت میں اس کے لئے ایک باغ مقرر کر دیا جاتا ہے۔" (ترمذی، ابوداؤد)

آنکھوں کی بیماری میں عیادت کرنے کا مسئلہ

(۲۹) وَعَنْ زَیْدِبْنِ اَرْقَمَ قَالَ عَادَنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ وَجَعٍ کَانَ بِعَیْنَیَّ (رواہ احمد و ابوداؤد)

"اور حضرت زیدؓ ابن ارقم فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میری عیادت فرمائی جب کہ میری آنکھوں میں درد تھا۔" (احمد، ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس شخص کی عیادت کرنا سُنّت ہے جو آنکھیں دکھنے یا آنکھ کی دوسری بیماری میں مبتلا ہو جب کہ ایک روایت کا جو جامع صغیر میں منقول ہے یہ مفہوم ہے کہ "تین بیماریاں ایسی ہیں جن میں بیمار کی عیادت نہ کی جائے (۱) آنکھیں دکھنے میں، (۲) داڑھ درد میں (۳) دنبل (پھوڑے) میں۔

چونکہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے اس لئے ان دونوں میں اس تاویل کے ذریعہ تطبیق پیدا کی جائے گی کہ "ان بیماریوں میں بیمار کی عیادت وہ لوگ نہ کریں جن کے لئے بیمار کو تکلیف کرنا پڑے یا ان کا آنا بیمار کے لئے گراں ہو کیونکہ اگر وہ لوگ ایسے بیمار کی عیادت کے لئے جائیں گے تو آنکھ دکھنے یا آنکھ کی دوسری بیماری کی شکل میں بیمار کو اپنی آنکھ کھولنے پر مجبور ہونا پڑیگا۔ یا داڑھ دکھنے کی صورت میں اسے گفتگو کرنے کی وجہ سے بہت زیادہ تکلیف ہوگی اسی طرح اگر دنبل ہو گا تو وہ ان کی وجہ سے ٹھیک طریقہ سے بیٹھنے پر مجبور ہو گا اور ظاہر ہے پھوڑے کی وجہ سے اس کے لئے کسی ایک اور ٹھیک ہیئت پر بیٹھنا بہت زیادہ تکلیف کا باعث ہوگا۔ ہاں اگر ایسے لوگ عیادت کے لئے جائیں جن کی وجہ سے بیمار کو تکلیف نہ کرنا پڑے یا ان کا جانا بیمار پر گراں نہ گزرے تو ان بیماریوں میں بھی عیادت کے لئے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہاں جو حدیث نقل کی جارہی ہے وہ آخری صورت پر محمول ہوگی اور جامع صغیر کی روایت پہلی صورت پر محمول کی جائے گی۔

عیادت کے واسطے جانے کے لئے وضو کرنا سُنّت ہے

(۳۰) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَعَادَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ مُحْتَسِبًا بُوْعِدَ مِنْ جَھَنَّمَ مَسِیْرَۃَ سِتِّیْنَ خَرِیْفًا (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے وضو کیا اور اچھا (یعنی پورا) وضو کیا اور پھر (حصول) ثواب کے ارادے سے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی تو اس کو دوزخ سے ساٹھ برس (کی مسافت) کی بقدر دور رکھا جاتا ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیادت کے لئے وضو کرنا سُنّت ہے اور غالبًا اس کی حکمت یہ ہے کہ فرمایا گیا ہے کہ عیادت، عبادت ہے اور یہ ظاہر ہی ہے کہ وضو سے عبادت کامل و افضل ہوتی ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ ایسی حالت میں اگر دعا کی جائے تو قبول ہوگی۔

عیادت کے وقت بیمار کے لئے دعا

(۳۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَعُوْدُ مُسْلِمًا فَیَقُوْلُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَسْأَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَشْفِیَکَ اِلَّا شُفِیَ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ قَدْ حَضَرَ اَجَلُہٗ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب کوئی مسلمان کسی بیمار مسلمان کی عیادت کرتا ہے اور سات مرتبہ یہ کہتا ہے کہ اَسْأَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیَکَ یعنی میں اللہ بزرگ و برتر سے جو عرش عظیم کا مالک ہے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفا دے" تو اللہ تعالیٰ اسے شفا دیتا ہے بشرطیکہ اس کا وقت نہ آگیا ہو (یعنی اس کا مرض لاعلاج نہ ہو)۔" (ابوداؤد و ترمذی)

بخار اور درد کی دعا

(۳۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ مِنَ الْحُمّٰى وَمِنَ الْاَوْجَاعِ كُلِّهَا اَنْ يَقُوْلُوْا بِسْمِ اللّٰهِ الْكَبِيْرِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ اِسْمَاعِيْلَ وَهُوَ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ صحابہؓ کو سکھلایا کرتے تھے کہ وہ (یعنی بیمار لوگ) بخار بلکہ ہر درد (سے شفا کے لئے) اس طرح دعا کیا کریں بِسْمِ اللّٰهِ الْكَبِيْرِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ یعنی میں برکت چاہتا ہوں اللہ بزرگ و برتر کے نام سے اور پناہ چاہتا ہوں اللہ بزرگ و برتر کی، ہر رگ جوش مارنے والی کی برائی (یعنی تکلیف) سے اور آگ کی برائی سے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ہم اس حدیث کو ابراہیم ابن اسمٰعیل کے علاوہ اور کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں جانتے اور وہ (یعنی ابراہیم) روایت حدیث کے بارہ میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔"

تشریح: "ہر رگ جوش مارنے والی" سے مراد وہ خون ہے جو رگ میں جوش مارتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس خون سے پناہ چاہے جو رگ میں جوش مارتا ہے کیونکہ جب خون غالب آجاتا ہے تو تکلیف پہنچاتا ہے بایں طور کہ اس سے بخار اور دوسرے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ حدیث ابن شیبہ، ترمذی، ابن ماجہ ابن ابی الدنیا ابن سنی اور حاکم نے روایت کی ہے اور بیہقیؒ نے دعوات کبیر میں اس کی صحت کی تصدیق کی ہے۔

بیماری میں کیا دعا پڑھی جائے

(۳۳) وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اشْتَكٰى مِنْكُمْ شَيْئًا اَوِ اشْتَكَاهُ اَخٌ لَهٗ فَلْيَقُلْ رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اسْمُكَ اَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْاَرْضِ اِغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَايَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِيْنَ اَنْزِلْ رَحْمَةً مِنْ رَحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِنْ شِفَائِكَ عَلٰى هٰذَا الْوَجَعِ فَيَبْرَاُ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابودرداؓ راوی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "تم میں سے جس شخص کو کوئی بیماری ہو یا اس کا کوئی بھائی بیمار ہو تو اسے چاہئے کہ یہ دعا پڑھے۔ ہمارا پروردگار اللہ ہے، ایسا اللہ جو آسمان میں ہے (تمام نقصانات سے) تیرا نام پاک ہے، تیری حکومت آسمان و زمین (دونوں) میں ہے، جیسی تیری رحمت آسمان میں ہے ویسی ہی تو اپنی رحمت زمین پر نازل فرما، تو ہمارے چھوٹے اور بڑے گناہ بخش دے تو پاکیزہ لوگوں کا پروردگار ہے (یعنی ان کا محب اور کارساز ہے) اور تو اپنی رحمت میں سے (جو ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے) رحمت عظیمہ) نازل فرما، اور اس بیماری سے اپنی شفا عنایت فرما" (اس دعا کے پڑھنے سے بیمار انشاء اللہ) اچھا ہو جائے گا۔" (ابوداؤد)

تشریح: جیسی تیری رحمت آسمان میں ہے۔ کا مطلب یہ ہے کہ آسمان میں تو تیری رحمت ہر ہر جگہ ہے اور وہاں کے ہر ہر رہنے والے پر ہے" بخلاف زمین اور زمین کے رہنے والوں کے کہ یہاں تو رحمت خاص بعضوں پر ہوتی ہے اور بعضوں پر نہیں ہوتی یعنی رحمت خاص سے صرف مؤمن ہی فیضیاب ہوتے ہیں نہ کہ کافر اگرچہ رحمت عام سب کے لئے یکساں ہے خواہ مؤمن ہو یا کافر جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ — "میری رحمت ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے۔"

"پاکیزہ لوگوں" سے مراد مؤمن ہیں جو شرک سے پاک ہوتے ہیں" یا وہ متقی مسلمان مراد ہیں جو برے افعال اور فاسد و لایعنی اقوال سے بچتے ہیں۔

عیادت کے وقت کی دعا

(۴۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَآءَ الرَّجُلُ يَعُوْدُ مَرِيْضًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ يَنْكَأُ لَكَ عَدُوًّا اَوْ يَمْشِيْ لَكَ اِلٰى جَنَازَةٍ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب کوئی شخص کسی مریض کے پاس عیادت کے لئے آئے تو اسے یہ دعائیہ الفاظ کہنے چاہئیں اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ يَنْكَأُ لَكَ عَدُوًّا اَوْ يَمْشِيْ لَكَ اِلٰى جَنَازَةٍ یعنی اے اللہ! اپنے بندہ کو شفا دے تاکہ وہ تیرے بندہ کو ایذاء پہنچائے (یعنی دشمنان دین سے جنگ وجدال کر کے انہیں زخمی اور قتل کرے) یا تیری خوشی ورضا کی خاطر جنازہ کی طرف (یعنی نماز جنازہ کے لئے) چلے۔" (ابوداؤدؒ)

تکلیف ومصیبت مسلمان کے لئے گناہوں کا کفارہ

(۴۵) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ اُمَيَّةَ اَنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ وَعَنْ قَوْلِهٖ (وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا يُّجْزَ بِهٖ) فَقَالَتْ مَا سَأَلَنِيْ عَنْهَا اَحَدٌ مُنْذُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هٰذِهٖ مُعَاتَبَةُ اللّٰهِ الْعَبْدَ بِمَا يُصِيْبُهٗ مِنَ الْحُمّٰى وَالنَّكْبَةِ حَتَّى الْبِضَاعَةِ يَضَعُهَا فِيْ يَدِ قَمِيْصِهٖ فَيَفْقِدُهَا فَيَفْزَعُ لَهَا حَتّٰى اِنَّ الْعَبْدَ لَيَخْرُجُ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَمَا يَخْرُجُ التِّبْرُ الْاَحْمَرُ مِنَ الْكِيْرِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

"اور حضرت علیؒ ابن زید (بصری تابعی) امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے معنی پوچھے۔

اگر تم وہ چیز جو تمہارے دلوں میں ہے ظاہر کر دو یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اور اس آیت کے معنی بھی پوچھے وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا يُّجْزَ بِهٖ جو شخص برا عمل کرے گا (یعنی خواہ صغیرہ گناہ کرے خواہ کبیرہ گناہ) تو اس کی جزاء (یعنی اس کی سزا دنیا یا آخرت میں) دی جائے گی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "جیسا کہ میں نے اس کے بارہ میں رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا تھا دیا کسی نے مجھ سے اس مسئلہ کے بارہ میں نہیں پوچھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے (میرے دریافت کرنے پر) فرمایا کہ "یہ (یعنی محاسبہ اور سزا جو دونوں آیتوں میں مذکور ہیں) اللہ تعالیٰ کا عتاب ہے جس میں بندہ بخار ورنج (کی تکلیف) کی صورت میں مبتلا ہوتا ہے یہاں تک کہ کوئی بندہ اپنا کچھ مال اپنے کرتہ کے آستین (یا جیب) میں رکھتا ہے اور (پھر وہ مال گم ہو جاتا ہے جسے) وہ نہیں پاتا چنانچہ وہ اس مال کے نہ ملنے سے غمگین ہوتا ہے (تو اس کی وجہ سے اس کے گناہ دور کئے جاتے ہیں اور ہمیشہ یہی سلسلہ جاری رہتا ہے کہ بندہ کسی تکلیف اور رنج میں مبتلا رہتا ہے) یہاں تک کہ وہ بندہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسا کہ سونا اور چاندی بھٹی سے (آگ میں پڑنے کی وجہ سے) سرخ نکلتا ہے۔" (ترمذی)

تشریح: ان دونوں آیتوں کے معنی پوچھنے کی وجہ یہ تھی کہ پہلی آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بندوں سے ان کے دلوں کے خطرات و وسواس اور برے خیالات پر محاسبہ کیا جائے گا اور دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کو ہر برے عمل پر سزا دی جاتی ہے خواہ وہ عمل چھوٹا ہو یا بڑا تھوڑا ہو یا زیادہ چنانچہ اس سے صحابہؓ پریشان ہوئے کہ کیا کریں کیونکہ ان سے بچنا ممکن نہیں چنانچہ حضرت امیہؓ نے حضرت عائشہؓ سے ان آیات کا مطلب پوچھا تو انہوں نے ان آیات کی وضاحت کی جس کا حاصل یہ ہے کہ ان آیات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مؤمنین کو ان کے دل کی تمام باتوں اور ان کے تمام چھوٹے بڑے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرے گا بلکہ آیات میں محاسبہ اور سزا کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو ان سے سرزد ہوئے گناہوں کی وجہ سے دنیا میں اپنے عتاب میں مبتلا کرتا ہے بایں طور کہ کسی کو بیماری کی تکلیف میں اور کسی کو دوسرے رنج وغم میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ یہ چیزیں ان کے گناہوں کا کفارہ

ہو جائیں عتاب کے معنی یہ ہیں کہ "کوئی شخص اپنے کسی دوست سے اس کی کسی غلط روی اور بے ادبی کی وجہ سے بظاہر اس پر اپنے غصہ کا اظہار کرے مگر دل میں اس کی محبت بدستور باقی رہے۔"

(۳۶) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُصِیْبُ عَبْدًا نَکْبَۃٌ فَمَا فَوْقَھَا اَوْدُوْنَھَا اِلَّا بِذَنْبٍ وَمَا یَعْفُو اللّٰہُ عَنْہُ اَکْثَرُ وَقَرَأَ وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابو موسیٰؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "بندہ کو جو معمولی ایذاء پہنچتی ہے یا کوئی تکلیف پہنچتی ہے خواہ وہ اس سے کم ہو یا زیادہ ہو، یہ اس کے گناہوں کا ثمرہ ہوتا ہے اور وہ گناہ جنہیں اللہ تعالیٰ (بغیر سزا دیئے) دنیا و آخرت میں بخش دیتا ہے ان گناہوں سے بہت زیادہ ہوتے ہیں جن پر وہ سزا دیتا ہے آنحضرت ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ اور از قسم مصیبت جو چیز تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں پیدا کی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ بہت سے (گناہوں یا گنہ گاروں) کو معاف فرما دیتا ہے۔" (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو بھی مصیبت و تکلیف اور بیماری وغیرہ پہنچتی ہے وہ سب تمہاری بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ گویا یہاں گنہ گاروں کو مخاطب کیا جا رہا ہے کہ اپنی بداعمالیوں اور غلط کاریوں سے باز آجاؤ اور نیک راستہ پر چلنے ہی کو اپنی دینی و دنیوی راحت و سکون کا ذریعہ جانو، ہاں جب وہ لوگ کسی مصیبت و تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں جو گنہ گار نہیں ہوتے تو اس سے ان کی آزمائش و امتحان مقصود ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کے درجات میں بلندی ہوتی ہے، اگرچہ خدا کے نیک اور برگزیدہ بندے کسی معمولی سی تکلیف اور پریشانی میں بھی مبتلا ہوتے ہیں اور اپنے عجز و بیچارگی کے احساس کی وجہ سے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ ہماری شامت اعمال کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ کے بارہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ چوہے نے ان کے جوتے کے تسمہ کو کتر لیا تو وہ اتنا متأثر ہوئے کہ روتے جاتے تھے کہ آہ! نا معلوم میں کس گناہ میں مبتلا ہو گیا تھا جس کی سزا میں نے یہ پائی ہے۔

حالت بیماری میں زمانہ تندرستی کے اعمال نیک لکھ دیئے جاتے ہیں

(۳۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا کَانَ عَلٰی طَرِیْقَۃٍ حَسَنَۃٍ مِنَ الْعِبَادَۃِ ثُمَّ مَرِضَ قِیْلَ لِلْمَلَکِ الْمُوَکَّلِ بِہٖ اُکْتُبْ لَہٗ مِثْلَ عَمَلِہٖ اِذَا کَانَ طَلِیْقًا حَتّٰی اُطْلِقَہٗ اَوْ اَکْفِتَہٗ اِلَیَّ

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب بندہ عبادت کے نیک راستہ پر ہوتا ہے اور پھر بیمار ہو جاتا ہے (اور اس عبادت کے کرنے پر قادر نہیں رہتا) تو اس فرشتہ سے جو اس بندہ پر (اس کے نیک اعمال لکھنے پر) متعین ہوتا ہے کہا جاتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) کہ اس بندہ کے لئے (اس کے نامہ اعمال میں) اس عمل کے مثل لکھو جو وہ تندرستی کی حالت میں کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ میں اسے تندرستی عطا کروں، یا اسے (اپنے پاس) بلا لوں۔"

(۳۸) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا ابْتُلِیَ الْمُسْلِمُ بِبَلَاءٍ فِیْ جَسَدِہٖ قِیْلَ لِلْمَلَکِ اُکْتُبْ لَہٗ صَالِحَ عَمَلِہِ الَّذِیْ کَانَ یَعْمَلُ فَاِنْ شَفَاہُ غَسَّلَہٗ وَطَھَّرَہٗ وَاِنْ قَبَضَہٗ غَفَرَلَہٗ وَرَحِمَہٗ۔ رَوَاھُمَا فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب کوئی مسلمان جسمانی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ (اس بندہ کی نیکی لکھنے والے) فرشتہ سے فرماتا ہے کہ اس کے نامہ اعمال میں تم وہی نیک عمل لکھتے رہو جو یہ (اس بیماری سے پہلے) کرتا تھا چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس مسلمان کو شفا دی تو اس کے گناہوں کو دھوتا ہے اور پاک کرتا ہے۔ اور اگر اسے اٹھا لیتا ہے تو اس کو بخشتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے یہ دونوں روایتیں بغویؒ نے شرح السنۃ میں نقل کی ہیں۔"

راہ خدا میں شہادت کے علاوہ شہادت کی اور اقسام

(۳۹) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّهَادَةُ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الْمَطْعُوْنُ شَهِيْدٌ وَالْغَرِيْقُ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيْدٌ وَالْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ الْحَرِيْقِ شَهِيْدٌ وَالَّذِيْ يَمُوْتُ تَحْتَ الْهَدَمِ شَهِيْدٌ وَالْمَرْأَةُ تَمُوْتُ بِجُمْعٍ شَهِيْدٌ (رواه مالک وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت جابرؓ ابن عتیک راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اس شہادت کے علاوہ جو خدا کی راہ میں ہو شہادت کی اور سات قسمیں ہیں ① جو شخص طاعون میں مرے شہید ہے۔ ② جو شخص ڈوب کر مرجائے شہید ہے۔ ③ جو شخص ذات الجنب میں مرے شہید ہے۔ ④ جو شخص پیٹ کی بیماری (یعنی دست اور استسقاء) میں مرجائے شہید ہے۔ ⑤ جو شخص جل کر مرجائے شہید ہے۔ ⑥ جو شخص دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرجائے۔ ⑦ اور وہ عورت جو حالت حمل میں یا یا کرہ مرے شہید ہے۔" (مالکؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ حقیقی شہید تو وہی ہے جو راہ خدا میں دین کے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے کام آئے اس کے علاوہ سات قسم کے اور شہید ہیں جو حقیقی شہید تو نہیں لیکن حکم میں شہید ہی کے ہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی قسمیں ہیں جو مختلف احادیث میں مذکور ہیں اور جن کو تفصیل کے ساتھ پچھلے صفحات میں ذکر کیا گیا ہے۔

"ذات الجنب" ایک مشہور بیماری ہے اس بیماری سے پہلو کے اندر دل اور سینہ کے قریب پھنسیاں ہو جاتی ہے اور اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ مریض کا سانس رکتا ہے اور بخار اور کھانسی رہتی ہے۔

سخت مصیبت میں کون لوگ مبتلا ہوتے ہیں

(۴۰) وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً قَالَ الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِيْنِهِ فَاِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهِ صُلْبًا اِشْتَدَّ بَلَاؤُهُ وَاِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهِ رِقَّةٌ هُوِّنَ عَلَيْهِ فَمَا زَالَ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَمْشِيَ عَلَى الْاَرْضِ مَالَهُ ذَنْبٌ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

"اور حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں کون شخص (محنت و مصیبت کی) زیادہ بلاء میں مبتلا ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "انبیاء پھر وہ لوگ جو انبیاء سے بہت زیادہ مشابہ ہوں پھر وہ لوگ جو ان سے بہت زیادہ مشابہ ہوں۔ (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) انسان اپنے دین کے مطابق (مصیبت میں) مبتلا کیا جاتا ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے دین میں سخت ہوتا ہے تو اس کی مصیبت بھی سخت ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص اپنے دین میں نرم ہوتا ہے تو اس کی مصیبت بھی ہلکی ہوتی ہے، (لہٰذا اپنے دین میں سخت شخص اسی طرح ہمیشہ) مصیبت وبلاء میں گرفتار رہتا ہے جس کی وجہ سے اس کی مغفرت ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ زمین کے اوپر اس حال میں چلتا ہے کہ (اس کے نامہ اعمال میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ) امام ترمذی یہ فرماتے ہیں کہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام مصیبت وبلاء میں سب سے زیادہ مبتلا ہوتے ہیں کیونکہ وہ بلاء و مصیبت میں اسی طرح لذت محسوس کرتے ہیں جس طرح کے عام انسان نعمت وراحت میں لذت محسوس کرتے ہیں، پھر ان کے بعد وہ لوگ مصیبت و سختی میں مبتلا ہوتے ہیں جو ان کے مشابہ ہوتے ہیں یعنی اولیاء اللہ اور صلحاء انہیں بھی مصیبت و تکلیف کی سخت آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے تاکہ وہ بہت زیادہ ثواب کے مستحق ہوں مگر ان کی مصیبت وبلاء کی سختی انبیاء کی مصیبت وبلاء کی سختی سے کم ہوتی ہے اس کے بعد ان لوگوں کا نمبر آتا ہے جو مرتبہ اور درجہ کے اعتبار سے اولیاء اللہ سے کم ہوتے ہیں۔

آخر میں یہ کلیہ بیان فرمایا جارہا ہے کہ جو شخص اپنے دین پر سختی سے قائم رہتا ہے اور کسی مرحلہ پر بھی اس کے قدم میں لغزش نہیں آتی

اس کی مصیبت وبلاء بھی بڑی سخت ہوتی ہے کیونکہ وہ صاحب یقین ہوتا ہے چنانچہ جب وہ اپنی مصیبت کی سختی پر صبر کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے گناہوں کی وجہ سے اسی کا اہل ہوں تو اس کی وجہ سے اس کا ایمان کامل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق مضبوط تر ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے گناہ دور ہوتے ہیں اور اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف جو شخص اپنے دین میں نرم رو ہوتا ہے اس کی بلاء و معصیبت کی سختی بھی کم ہوتی ہے۔ تاکہ وہ بے صبری کا مظاہرہ نہ کر سکے اور اپنے ایمان و تعلق باللہ کے قوی نہ ہونے کی وجہ سے دین کے دائرہ سے نہ نکل جائے۔

اخروی بھلائی موت کی سختی میں ہے

(۴۱) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا اَغْبِطُ اَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِيْ رَاَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواہ الترمذی والنسائی)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے رسول کریم ﷺ کی موت کی سختی کو دیکھا ہے۔ کسی کے لئے موت کی آسانی کی دعائیں کرتی۔" (ترمذیؒ، نسائیؒ)

تشریح: حضرت عائشہؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ پہلے تو میں موت کی آسانی کی آرزومند رہا کرتی تھی۔ مگر جب میں نے آنحضرت ﷺ کی موت کی سختی دیکھی وہ آرزو باقی نہ رہی بلکہ اب میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اخروی سعادت و بھلائی موت کی سختی میں ہے موت کی آسانی میں نہیں ہے۔

سکرات الموت میں آنحضرت ﷺ کا عمل

(۴۲) وَعَنْهَا قَالَتْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَعِنْدَهُ قَدَحٌ فِيْهِ مَاءٌ وَهُوَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى مُنْكَرَاتِ الْمَوْتِ اَوْ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ سکرات الموت میں مبتلا تھے آپ ﷺ کے پاس ایک پیالہ رکھا ہوا تھا جس میں پانی تھا آپ ﷺ پیالہ میں اپنا ہاتھ ڈبوتے پھر اپنا چہرہ مبارک پر پھرتے اور یہ فرماتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى مُنْكَرَاتِ الْمَوْتِ اَوْ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ اے اللہ موت کی سختی دور کرنے کے ساتھ میری مدد فرمایا "موت کی سختی" کے بجائے "موت کی شدت" فرماتے۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: سکرات الموت میں آپ ﷺ اپنے ہاتھ کو پانی میں تر کر کے چہرہ مبارک پر اس لئے پھیرتے تھے تاکہ موت کی سختی اور شدت کی وجہ سے جو حرارت اور گرمی پیدا ہو گئی تھی اس میں تخفیف ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ کی موت کی سختی اور شدت کے بارہ میں علماء نے کئی وجہیں بیان کی ہیں ان میں سے ایک تو وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ پر سکرات الموت کی یہ کیفیت اس لئے طاری ہوئی تاکہ امت کے لوگ اس کے سبب سے اپنی موت کے بارہ میں زیادہ پریشان اور ہراساں نہ ہوں۔ جب امتی یہ دیکھیں گے کہ آنحضرت ﷺ کی روح پاک نے کس طرح جسد مبارک سے جدائی حاصل کی تو وہ اپنے بارہ میں صبر کے دامن کو پکڑے رہیں گے جس کی وجہ سے ان کی جان کنی میں آسانی ہوگی۔

دنیا کی سزا آخرت کی سزا سے بہتر ہے

(۴۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ اَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتّٰى يُوَافِيَهُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس کے گناہوں کی سزا جلد ہی دنیا میں دے دیتا ہے اور جب اپنے کسی بندہ کی برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہوں کی سزا کو روکے رکھتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کو اس کے گناہوں کی پوری پوری سزا دے گا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: دنیا کی سزا بہر صورت آخرت کی سزا سے بہتر ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے ان نیک بندوں کو جو کسی گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں دنیا ہی میں مصیبت و تکلیف یا بیماری وغیرہ کی صورت میں سزا دیتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دنیا کا عذاب ہلکا ہوتا ہے بایں طور کہ دنیا کی مدت کم ہوتی ہے جو کسی نہ کسی طرح گزر ہی جاتی ہے۔ ہاں وہ لوگ جو خدا کی مسلسل نافرمانی کی وجہ سے خدا کا غضب مول لیتے ہیں اور آخرت کی بدبختی میں مبتلا ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں سزا نہیں دیتا بلکہ ان کی رسی دراز کئے جاتا ہے تاکہ انہیں آخرت کے عذاب میں مبتلا کیا جائے جو دنیا کے عذاب سے کہیں دردناک اور شدید ہوگا۔

بلا و مصیبت میں راضی برضا رہنا چاہئے

(۴۴) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُظْمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ وَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَاءُ وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بڑی مصیبتوں کے بدلہ بڑا اجر ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو پسند کرتا ہے تو اسے (مصیبتوں میں) مبتلا کر دیتا ہے چنانچہ جو (مصائب وبلاء) میں راضی رہا تو اس کے لئے (اللہ تعالیٰ کی) رضا ہے اور جو شخص (مصیبت کے ابتلاء سے) ناراض رہا تو اس کے لئے (اللہ کی ناراضگی ہے۔" (ترمذیؒ و ابن ماجہؒ)

تشریح: اللہ تعالیٰ جب کسی شخص سے خوش ہوتا ہے تو اسے مصیبت وبلاء میں مبتلا کر دیتا ہے اسی طرح جب کسی شخص سے ناراض و ناخوش ہوتا ہے تو اسے بھی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اگرچہ اس دوسرے جزو کو حدیث میں بظاہر ذکر نہیں کیا گیا ہے لیکن حدیث کے الفاظ فَمَنْ رَضِيَ الخ سے یہ جزو بھی مفہوم ہوتا ہے۔

گویا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ بندہ کی خوشی و ناخوشی حق تعالیٰ کی خوشی و ناخوشی کی علامت ہے جو شخص مصیبت وبلا میں راضی برضا رہتا ہے وہ خدا کا پسندیدہ و محبوب ہوتا ہے بایں طور کہ خدا بھی اس سے راضی و خوش رہتا ہے اور جو شخص مصیبت وبلاء کی سختیوں پر زبان شکایت دراز کرتا ہے اور ناراضگی و ناخوشی کا اظہار کرتا ہے وہ راندہ درگاہ الٰہی ہوتا ہے بایں طور کہ خدا اس سے خوش و راضی نہیں رہتا۔

چنانچہ منقول ہے کہ صحابہؓ آپس میں یہ سوال کرتے تھے کہ کس طرح معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کس بندہ سے خوش و راضی ہے اور کس بندہ سے ناخوش و ناراض ہے؟ پھر یہ جواب دیتے تھے کہ اگر بندہ خدا سے خوش و راضی ہے تو سمجھا جائے گا کہ خدا اس بندہ سے خوش و راضی ہے اور اگر بندہ خدا سے ناخوش و ناراض ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ خدا اس سے ناراض و ناخوش ہے۔

اہل ایمان دنیا میں ہمیشہ مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ آخرت کی دائمی راحت پاتے ہیں

(۴۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ اَوِ الْمُؤْمِنَةِ فِيْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ وَوَلَدِهٖ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيْئَةٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى مَالِكٌ نَحْوَهٗ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مؤمن مرد یا مؤمن عورت کی جان، اس کے مال اور اس کی اولاد کو ہمیشہ

مصیبت وبلاء پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ (جب) وہ (مرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتا ہے تو اس پر (یعنی اس کے نامہ اعمال میں) کوئی گناہ نہیں ہوتا (کیونکہ مصیبت وبلاء) کی وجہ سے اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں) امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور امام مالکؒ نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔ نیز امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

ابتلاء و مصیبت سعادت کے اس مرتبہ پر پہنچا دیتی ہے جو اعمال سے حاصل نہیں ہوتا

(۳۶) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدِنِ السُّلَمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ فِيْ جَسَدِهٖ اَوْفِيْ مَالِهٖ اَوْفِيْ وَلَدِهٖ ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ (رواہ احمد و ابوداؤد)

"اور حضرت محمد ابن خالد سلمی اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا (یعنی اپنے والد مکرم) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے (جنت میں) جو عظیم درجہ مقدر ہوتا ہے اور وہ اسے اپنے عمل کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن یا اس کے مال یا اس کی اولاد کو (مصیبت میں) مبتلا کر دیتا ہے اور پھر اسے صبر کی توفیق عطا فرماتا ہے یہاں تک کہ اسے اس درجہ تک پہنچا دیتا ہے جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقدر تھا۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ مصیبت وبلا پر صبر کرنے کی وجہ سے اخروی سعادت کے اس عظیم درجہ و مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے جہاں اپنی عبادت و اطاعت کے ذریعہ سے نہیں پہنچ سکتا تھا۔

دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے عیش کدہ

(۳۷) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شِخِّيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُثِّلَ ابْنُ اٰدَمَ وَاِلٰى جَنْبِهٖ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ مَنِيَّةً اِنْ اَخْطَاَتْهُ الْمَنَايَا وَقَعَ فِي الْهَرَمِ حَتّٰى يَمُوْتَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

"اور حضرت عبداللہؓ ابن شخیر راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ابن آدم اس حال میں پیدا کیا گیا ہے کہ اس کے پہلو میں (یعنی اس کے قریب) ننانوے مہلک بلائیں ہیں اگر وہ بلائیں اسے نہیں پہنچتیں تو بڑھاپے میں مبتلا ہوتا ہے یہاں تک کہ مر جاتا ہے" ترمذیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ انسان جب عدم سے وجود میں آتا ہے تو اس کے چاروں طرف بلاؤں کا ایک جال سا پھیلا ہوا ہوتا ہے وہ ایسی ایسی بلاؤں اور مصیبتوں میں گھرا ہوا ہوتا ہے جن سے خلاصی نہیں ہوتی اور اگر اتفاقاً کوئی شخص ان بلاؤں اور مصیبتوں سے نجات پائے رہتا ہے تو آخر میں بڑھاپے کے جال میں پھنس جاتا ہے اور بڑھاپا بھی ایسا جو "درد بے دوا" اور "بلائے بے انتہا" ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ دنیا مؤمن کے لئے ایک قید خانہ اور کافر کے لئے عیش کدہ ہے، لہٰذا مسلمانوں کو لازم آتا ہے کہ وہ دنیا کی ہر مصیبت و بلاء کے موقع پر صبر کر کے دامن کو ہاتھ سے پکڑے رہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر راضی اور صابر رہیں کہ اخروی فلاح و سعادت کی یہی ضمانت ہے۔

ایک حدیث قدسی میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "جو بندہ میری اتاری ہوئی مصیبت وبلاء پر صبر نہ کرے میری دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرے اور میرے فیصلہ سے راضی نہ رہے تو وہ میرے علاوہ کوئی دوسرا رب ڈھونڈ لے"

سوچئے کہ ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کتنی شدید ہے۔ جو صبر و شکر کی راہ پر گامزن نہ ہو اور اللہ کے فیصلہ پر راضی نہ رہے

اللهم احفظنا منه و وفقنا للصبر و الشكر و الرضاء

دنیا میں راحت و سکون سے رہنے والوں کی قیامت کے دن تمنا

(۴۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوَدُّ اَھْلُ الْعَافِیَۃِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حِیْنَ یُعْطٰی اَھْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ اَنَّ جُلُوْدَھُمْ کَانَتْ قُرِضَتْ فِی الدُّنْیَا بِالْمَقَارِیْضِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن جب کہ مبتلائے مصیبت وبلاء بہت زیادہ اجر و ثواب سے نوازے جائیں گے تو اہل عافیت (یعنی وہ لوگ جو دنیا میں مصیبت وبلاؤں سے محفوظ رہے اور ان کی زندگی بڑے عیش و عشرت میں گزری) یہ تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کے بدن کی کھال قینچیوں سے کاٹی جاتی (تاکہ جس طرح مبتلائے مصیبت آج اتنے زیادہ اجر و ثواب سے نوازے جارہے ہیں اسی طرح ہمیں بھی بہت زیادہ ثواب ملتا) امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

گناہوں کا کفارہ بیماری

(۴۹) وَعَنْ عَامِرٍ الرَّامِ قَالَ ذَکَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَہُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاہُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ مِنْہُ کَانَ کَفَّارَۃً لِمَا مَضٰی مِنْ ذُنُوْبِہٖ وَمَوْعِظَۃً لَہٗ فِیْمَا یَسْتَقْبِلُ وَاِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ اُعْفِیَ کَانَ کَالْبَعِیْرِ عَقَلَہٗ اَھْلُہٗ ثُمَّ اَرْسَلُوْہُ فَلَمْ یَدْرِلِمَ عَقَلُوْہُ وَلِمَ اَرْسَلُوْہُ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا الْاَسْقَامُ وَاللّٰہِ مَا مَرِضْتُ قَطُّ فَقَالَ قُمْ عَنَّا فَلَسْتَ مِنَّا (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عامر رامیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) بیماریوں کا ذکر کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مؤمن جب کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اسے اس بیماری سے نجات دیتا ہے تو وہ بیماری (نہ صرف یہ کہ) اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے (بلکہ) زمانہ آئندہ کے لئے باعث نصیحت (بھی) ہوتی ہے۔ یعنی بیماری اسے متنبہ کرتی ہے۔ چنانچہ وہ آئندہ گناہوں سے بچتا ہے) اور جب منافق بیمار ہوتا ہے اور پھر اسے بیماری سے نجات دی جاتی ہے تو اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہوتی ہے جسے اس کے مالک نے باندھا اور پھر چھوڑ دیا اور اونٹ نے یہ نہ جانا کہ مالک نے اسے کیوں باندھا تھا اور کیوں چھوڑ دیا؟ (یہ سن کر) ایک شخص نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ ﷺ! بیماری کیا چیز ہے؟ میں تو کبھی بھی بیمار نہیں ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ہمارے پاس سے اٹھ کھڑے ہو! تم ہم میں سے نہیں ہو!۔"

(ابوداؤد)

تشریح: مؤمن بیماری سے صحت پانے کے بعد متنبہ ہو جاتا ہے چنانچہ وہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے گناہوں کی وجہ سے بیماری میں مبتلا ہوا تھا اس لئے وہ نہ صرف یہ کہ اپنے گزشتہ گناہوں پر نادم و شرمسار ہوتا ہے اور توبہ کرتا ہے بلکہ آئندہ بھی گناہوں سے بچتا ہے اس کے برعکس منافق کا حال یہ ہے کہ جب بیماری سے صحتیاب ہوتا ہے تو اس کی مثال بالکل اس اونٹ کی سی ہوتی ہے کہ جسے اگر اس کا مالک باندھ دے تو یہ نہ جانے کہ مجھے باندھا کیوں ہے اور اگر چھوڑ دے تو یہ نہ سمجھے کہ مجھے چھوڑا کیوں ہے۔

چنانچہ منافق بیماری کی وجہ سے متنبہ نہیں ہوتا نہ تو وہ نصیحت و عبرت پکڑتا ہے اور نہ گناہوں پر نادم و شرمسار ہو کر توبہ کرتا ہے اسی لئے اس کی بیماری نہ تو اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ کرتی ہے اور نہ زمانہ آئندہ میں اس کے لئے باعث نصیحت و عبرت ہوتی ہے کہ وہ گناہوں سے بچ سکے فَاُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اُولٰئِکَ ھُمُ الْغَافِلُوْنَ ۞ آنحضرت کے ارشاد گرامی "تم ہم میں سے نہیں ہو" کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمارے اہل طریقہ میں سے نہیں ہو، کیونکہ جس طرح ہم بیماری اور بلاؤں میں مبتلا ہوتے ہیں اس طرح تم مبتلا نہیں ہوتے ہو۔

عیادت کے وقت مریض کی دلداری کرو

(۵۰) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَہٗ فِیْ اَجَلِہٖ فَاِنَّ ذٰلِکَ لَا یَرُدُّ شَیْئًا وَیُطَیِّبُ بِنَفْسِہٖ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم مریض کے پاس (اس کا حال پوچھنے کے لئے) جاؤ تو اس کی زندگی کے بارہ میں اس کا غم دور کرو (یعنی تسلی و تشفی دلاؤ کہ فکر و غم نہ کرو تم جلد ہی صحتیاب ہو جاؤ گے اور تمہاری عمر دراز ہوگی) اس لئے کہ یہ (تسلی و تشفی اگرچہ) کسی چیز کو (یعنی مقدر کے لکھے کو) ٹال نہیں سکتی (مگر مریض کا دل (ضرور) خوش ہوتا ہے۔ (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب وقت نزع قریب ہو تو مریض کے لئے مستحب ہے کہ وہ مسواک کرے چنانچہ صحیح احادیث میں آنحضرت ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے انتقال کے وقت مسواک فرمائی تھی اور اس کی حکمت بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس سے روح کا نکلنا آسان و سہل ہو جاتا ہے اسی طرح اس وقت فرشتوں کی خاطر خوشبو لگانا مستحب ہے، نیز پاکیزہ کپڑے پہننا، نماز پڑھنا اور نہانا بھی مستحب ہے۔

پیٹ کی بیماری میں مرنے والا قبر کے عذاب سے محفوظ رہیگا

(۵۱) وَعَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَہٗ بَطْنُہٗ لَمْ یُعَذَّبْ فِیْ قَبْرِہٖ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ

"اور حضرت سلیمان ابن صردؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص پیٹ کی بیماری (مثلاً دست و استسقاء وغیرہ میں مر گیا تو اسے اس کی قبر کے عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا (احمدؒ و ترمذیؒ) امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: پیٹ کے مرض میں مرنے والے کے لئے سعادت اس لئے ہے کہ اس مرض کی سختی کی وجہ سے گناہ دور ہو جاتے ہیں اور یہ شہید مرتا ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے اور شہید کے بارہ میں صحیح مسلم میں یہ حدیث منقول ہے کہ "شہید کے تمام گناہ علاوہ دین (یعنی بندوں کے حقوق) کے بخش دیئے جاتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

غیر مسلم کی عیادت

(۵۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ غُلَامٌ یَھُوْدِیٌّ یَخْدُمُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَاَتَاہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُہٗ فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِہٖ فَقَالَ لَہٗ اَسْلِمْ فَنَظَرَ اِلٰی اَبِیْہِ وَھُوَ عِنْدَہٗ فَقَالَ اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْقَذَہٗ مِنَ النَّارِ (رواہ البخاری)

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا تھا جو نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ جب وہ بیمار ہوا تو نبی کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی عیادت کی اور اس کے سر کے قریب بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا کہ "تم مسلمان ہو جاؤ" لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا اس کے باپ نے کہا "ابوالقاسم (یعنی آنحضرت ﷺ) کا حکم مانو۔ چنانچہ وہ لڑکا مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ یہ فرماتے ہوئے باہر نکلے کہ "حمد و ثنا اس خدا کی جس نے اس لڑکے کو (اسلام کے ذریعہ) آگ سے

نجات دی۔" (بخاریؒ)

تشریح: حدیث کے الفاظ فقعد عند راسہ سے معلوم ہوا کہ عیادت کے وقت مریض کے سر کے پاس بیٹھنا مستحب ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کافر ذمی سے خدمت لینی اور اگر کوئی کافر ذمی بیمار ہو تو اس کی عیادت کے لئے جانا جائز ہے۔

کتاب خزانہ میں لکھا ہے کہ یہود کی عیادت کے لئے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہاں مجوسیوں کی عیادت کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ اسی طرح فاسق کی عیادت کے بارہ میں بھی اگرچہ علماء نے اختلاف کیا ہے لیکن صحیح تر یہ ہے کہ فاسق کی عیادت کے لئے جانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

یہ حدیث نابالغ کے اسلام قبول کرنے کے بارہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ حضرت امام موصوفؒ فرماتے ہیں کہ نابالغ کا اسلام قبول کرنا صحیح ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ یہاں حدیث میں جس یہودی لڑکے کا ذکر کیا جارہا ہے اس کا نام عبدالقدوس ہے۔

عیادت کے لئے پیادہ پاجانا افضل ہے

۵۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا نَادٰى مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّءْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" جب کوئی شخص بیمار کی عیادت کرتا ہے تو پکارنے والا (یعنی فرشتہ) آسمان سے پکار کر کہتا ہے کہ "خوشی ہو تمہیں دنیا و آخرت میں اچھا ہو چلنا تیرا (آخرت میں یا دنیا میں) اور حاصل ہو تجھے بہشت کا ایک بڑا درجہ و مرتبہ۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: اصل مقصد تو عیادت کے لئے مریض کے پاس پہنچنا ہے۔ خواہ کسی بھی طرح اور کسی بھی ذریعہ سے پہنچا جائے لیکن علماء لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ عیادت کے لئے پیادہ پاجانا افضل ہے۔

مریض کے حال کی اطلاع دینے کا طریقہ

۵۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجَعِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ فَقَالَ النَّاسُ يَا اَبَا الْحَسَنِ كَيْفَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَصْبَحَ بِحَمْدِ اللّٰهِ بَارِئًا (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت جب کہ آنحضرت ﷺ مرض الموت میں مبتلا تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ (جب) نبی کریم ﷺ کے پاس سے اٹھ کر باہر تشریف لائے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ "ابوالحسن (یہ حضرت علیؓ کی کنیت تھی) آنحضرت ﷺ پر صبح کیسی گزری؟" انہوں نے فرمایا" خدا کا شکر ہے آپ ﷺ نے بیماری سے اچھے ہونے والے کی طرح صبح گزاری" (یعنی شکر ہے کہ آپ ﷺ آج اچھے ہیں)۔" (بخاریؒ)

تشریح: جب لوگوں نے حضرت علیؓ سے آنحضرت ﷺ کی صحت کے بارے میں پوچھا تو حضرت علیؓ نے ان الفاظ کے ذریعہ جواب دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب آپ ﷺ "قریب بصحت ہیں" حضرت علیؓ کا یہ جواب یا تو ان کے اپنے گمان کے مطابق تھا کہ وہ یہ ہی سمجھ رہے ہوں گے کہ آنحضرت ﷺ جلد ہی صحتیاب ہونے والے ہیں یا پھر یہ کہ حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ کی بیماری کی شدت کے احساس اور صحت سے مایوسی کے باوجود یہ جواب فال نیک کے طور پر دیا۔

چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ جب کسی عیادت کرنے والے تیماردار سے مریض کا حال پوچھا جائے تو اگرچہ بیمار کی حالت مایوس کن ہو مگر اس

بارہ میں ادب اور طریقہ یہی ہے کہ فال نیک کے طور پر اس طرح سے امید افزاء اور خوش کن جواب دینا چاہئے۔

علاج توکل کے منافی نہیں

۵۵ وَعَنْ عَطَاءِ ابْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ قَالَ قَالَ لِیْ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلَا اُرِیْكَ امْرَأَةً مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ قُلْتُ بَلٰی قَالَ هٰذِهِ الْمَرْأَةُ السَّوْدَاءُ اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اُصْرَعُ وَاِنِّیْ اَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللّٰهَ لِیْ فَقَالَ اِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ وَاِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ یُعَافِیَكِ فَقَالَتْ اَصْبِرُ فَقَالَتْ اِنِّیْ اَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ لَا اَتَكَشَّفَ فَدَعَا لَهَا (متفق علیہ)

"اور حضرت عطاء ابن ابی رباح فرماتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایک جنتی عورت نہ دکھلاؤں؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں! ضرور دکھلائیے) انہوں نے فرمایا کہ یہ "کالی عورت (پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ) یہ عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ "یا رسول اللہ! میں مرگی کے مرض میں مبتلا ہوں (جب مرگی اٹھتی ہے) تو میں ڈرتی ہوں کہ کہیں حالت بیخودی میں) میرا ستر نہ کھل جائے لہٰذا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا کیجئے (کہ میری بیماری جاتی رہے) آپ ﷺ نے فرمایا "اگر چاہو تو صبر کرو تاکہ تمہیں جنت ملے اور اگر چاہو تو میں دعا کروں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں شفا دے" عورت نے عرض کیا کہ میں صبر ہی کروں گی اور پھر کہنے لگی کہ "مگر میں ستر کھل جانے سے ڈرتی ہوں، آپ اللہ سے بس یہ دعا کر دیجئے کہ (مرض کی شدت اور حالت بیخودی میں) میرا ستر نہ کھلے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس عورت کا نام سُعیرہ یا سُقیرہ اور یا سیکرہ تھا، ایک روایت کے مطابق یہ عورت اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی کنگھی کرنے والی تھی۔

اس حدیث سے اس طرف اشارہ ہے کہ مصیبت و بلاء صبر کرنے اور رضا بتقدیر رہنے کے پیش نظر دوا اور دعا کو ترک کر دینا جائز ہے۔ بلکہ حدیث کا ظاہری مفہوم تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صبر و رضا کے ساتھ ہمیشہ مرض میں مبتلا رہنا صحت مند اور عافیت میں رہنے سے بہتر ہے لیکن یہ نسبت بعض افراد کے یعنی یہ اس شخص کے لئے افضل ہے جس کا مرض مخلوق خدا کی نفع رسانی کے تعطل کا باعث نہ بنے۔ نیز حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ علاج و معالجہ ترک کر دینا افضل ہے اگرچہ علاج و معالجہ کرنا ابوداؤد کی حدیث کے مطابق سُنّت ہے جس میں مروی ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ "کیا ہم (بیماری میں) دوا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں دوا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مرض ایسا پیدا نہیں کیا جس کی دوا بھی پیدا نہ کی ہو۔ علاوہ بڑھاپے کے۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ علاج و معالجہ توکل کے منافی نہیں ہے کیونکہ علاج و معالجہ صرف اسباب کے درجہ میں ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود بھی علاج و معالجہ کو اختیار فرمایا تھا حالانکہ آنحضرت ﷺ متوکلین کے سردار ہیں لیکن اس کے باوجود ازراہ توکل علاج و معالجہ ترک کرنا جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے ترک فرمایا تھا، باعث فضیلت ہے۔

مبتلائے مرض ہو کر مرنا بہتر ہے

۵۶ وَعَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا جَاءَهُ الْمَوْتُ فِیْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ هَنِیْئًا لَهٗ مَاتَ وَلَمْ یُبْتَلَ بِمَرَضٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَیْحَكَ مَا یُدْرِیْكَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ ابْتَلَاهُ بِمَرَضٍ فَكَفَّرَ عَنْهُ مِنْ سَیِّئَاتِهٖ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا۔

"اور حضرت یحیٰی ابن سعیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ اقدس میں ایک شخص کو (اچانک) موت نے آ دبوچا) ایک دوسرے

شخص نے کہا کہ اسے موت مبارک ہو، اس طرح مرا کہ کسی مرض میں مبتلا نہ ہوا! یہ سن کر! آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ افسوس ہے تم پر، تمہیں کیا معلوم؟ (یعنی بغیر مرض وبیماری کے اچانک مرجانے کو اچھا نہ سمجھو) اگر اللہ تعالیٰ اسے مرض کے ساتھ موت دیتا تو (مرض کے بعد بدلہ میں) اس کی خطائیں دور کر دیتا۔" (یہ روایت امام مالکؒ نے بطریق ارسال نقل کی ہے)

صابر مریض کی فضیلت

۵۷ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ وَالصُّنَابِحِيِّ اَنَّهُمَا دَخَلَا عَلٰى رَجُلٍ مَرِيْضٍ يَعُوْدَانِهِ فَقَالَا لَهٗ كَيْفَ اَصْبَحْتَ بِنِعْمَةٍ قَالَ شَدَّادٌ اَبْشِرْ بِكَفَّارَاتِ السَّيِّئَاتِ وَحَطِّ الْخَطَايَا فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ اِذَا اَنَا ابْتَلَيْتُ عَبْدًا مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنًا فَحَمِدَنِيْ عَلٰى مَا ابْتَلَيْتُهٗ فَاِنَّهٗ يَقُوْمُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ مِنَ الْخَطَايَا وَيَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَا قَيَّدْتُ عَبْدِيْ وَابْتَلَيْتُهٗ فَاَجْرُوْا لَهٗ مَا كُنْتُمْ تُجْرُوْنَ لَهٗ وَهُوَ صَحِيْحٌ (رواہ احمد)

"اور شداد ابن اوس اور حضرت صنابحیؒ کے بارہ میں مروی ہے کہ یہ دونوں ایک بیمار شخص کے پاس گئے اور اس کی عیادت کی، چنانچہ دونوں نے مریض سے پوچھا کہ تم نے صبح کیسی گزاری؟ مریض نے کہا کہ میں نے (رضاء وتسلیم اور صبر وشکر کی) نعمت کے ساتھ صبح کی (یعنی مرض وتکلیف کی وجہ سے میں کبیدہ خاطر نہیں ہوں بلکہ رضاء بتقدیر اور صبر کے دامن کو پکڑے ہوئے ہوں جس کی وجہ سے میرا دل خوش ومطمئن ہے) حضرت شداد نے فرمایا کہ "گناہوں کے جھڑنے اور خطاؤں کے دور ہونے کی بشارت سے خوش ہو، کیونکہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ جب میں اپنے بندوں میں سے کسی بندہ مؤمن کو (بیماری ومصیبت میں) مبتلا کرتا ہوں اور وہ بندہ اس ابتلاء پر (دل گیر ونا خوش نہیں ہوتا بلکہ) میری تعریف کرتا ہے تو وہ اپنے بستر علالت سے ایسا (گناہوں سے پاک وصاف ہو کر) اٹھتا ہے جیسا کہ وہ اس دن گناہوں سے پاک وصاف تھا جس روز اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ نیز پروردگار بزرگ وبرتر (فرشتوں سے) فرماتا ہے کہ "میں نے اپنے بندہ کو قید میں ڈالا ہے اور اس آزمائش میں مبتلا کیا تھا، لہٰذا تم (اس کے نامہ اعمال میں) وہ (نیک) اعمال لکھنا جاری رکھو جو تم اس کے زمانہ تندرستی میں لکھنا جاری رکھتے تھے۔" (احمدؒ)

مصیبت گناہوں کی زیادتی کو ختم کرتی ہے

۵۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَثُرَتْ ذُنُوْبُ الْعَبْدِ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ مَا يُكَفِّرُهَا مِنَ الْعَمَلِ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ بِالْحُزْنِ لِيُكَفِّرَهَا عَنْهُ (رواہ احمد)

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" جب (کسی) بندہ کے گناہ بہت زیادہ ہو جاتے ہیں اور اس کے اعمال میں ایسا کوئی نیک عمل نہیں ہوتا جو ان کے گناہوں کو دور کرے تو اللہ تعالیٰ اسے غم وحزن میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اس بندہ کے گناہوں کو دور کر دے۔" (احمدؒ)

تشریح: ایک اور روایت میں جسے طبرانیؒ اور حاکم نے نقل کیا ہے۔ یہ منقول ہے کہ "اللہ تعالیٰ ہر قلب غمگین کو دوست رکھتا ہے۔

عیادت کرنے والے کی سعادت

۵۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا لَمْ يَزَلْ يَخُوْضُ الرَّحْمَةَ حَتّٰى يَجْلِسَ فَاِذَا جَلَسَ اغْتَمَسَ فِيْهَا (رواہ مالک و احمد)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص کسی بیمار (کے پاس جاتا ہے اور اس کی عیادت کرتا ہے تو جب تک وہ بیٹھتا نہیں دریائے رحمت میں داخل رہتا ہے اور جب بیمار کے پاس بیٹھتا ہے تو دریائے رحمت میں ڈوب جاتا ہے۔" (احمدؒ، مالکؒ)

بخار اور اس کا علاج ارشاد نبوی ﷺ کی روشنی میں

(۶۰) وَعَنْ ثَوْبَانَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَصَابَ اَحَدَکُمُ الْحُمّٰی فَاِنَّ الْحُمّٰی قِطْعَۃٌ مِنَ النَّارِ فَلْیُطْفِئْھَا عَنْہُ بِالْمَاءِ فَلْیَسْتَنْقِعْ فِیْ نَھْرٍ جَارٍ وَلْیَسْتَقْبِلْ جِرْیَتَہٗ فَیَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ وَصَدِّقْ رَسُوْلَكَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلْیَنْغَمِسْ فِیْہِ ثَلَاثَ غَمَسَاتٍ ثَلَاثَۃَ اَیَّامٍ فَاِنْ لَّمْ یَبْرَاْ فِیْ ثَلَاثٍ فَخَمْسٌ فَاِنْ لَّمْ یَبْرَاْ فِیْ خَمْسٍ فَسَبْعٌ فَاِنْ لَّمْ یَبْرَاْ فِیْ سَبْعٍ فَتِسْعٌ فَاِنَّھَا لَا تَکَادُ تُجَاوِزُ تِسْعًا بِاِذْنِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ

"اور حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص بخار میں مبتلا ہو اور وہ بخار (چونکہ) آگ کا ایک ٹکڑا ہے اس لئے اسے پانی سے بجھانا چاہئے لہٰذا اس شخص کو (جو بخار میں مبتلا ہے) چاہئے کہ وہ جاری نہر میں اترے اور پانی کے بہاؤ کی طرف کھڑا ہو اور یہ دعا پڑھے بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ وَصَدِّقْ رَسُوْلَكَ شفا طلب کرتا ہوں میں خدا کے بابرکت نام سے اے اللہ! اپنے بندہ کو شفا دے اور اپنے رسول کو (یعنی ان کے اس قول کو سچا کر) بایں طور کہ مجھے شفا دے۔

اور یہ عمل نماز فجر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے کرے اور تین دن تک پانی میں غوطے لگائے، اگر تین دن میں اچھا نہ ہو تو پھر (یہ عمل) پانچ دن تک کرے اور اگر پانچ دن میں بھی اچھا نہ ہو تو پھر سات دن تک (یہ عمل) کرے اور اگر سات دن میں بھی اچھا نہ ہو تو پھر نو دن تک (یہ عمل) کرے اللہ جل شانہ کے حکم سے بخار نو دن سے تجاوز نہیں کرے گا (یعنی اس عمل کے بعد بخار جاتا رہے گا امام ترمذی نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: لفظ وَلْیَنْغَمِسْ (غوطے لگائے) دراصل لفظ فَلْیَسْتَنْقِعْ (نہر میں اترے) کا بیان ہے، لہٰذا اس عبارت کے یہ معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں کہ تین غوطے تین دنوں میں (یعنی ایک ایک غوطہ روزانہ) لگائے جائیں اور یہ معنی بھی محتمل ہوسکتے ہیں کہ ہر روز تین تین غوطے لگائے جائیں۔

حدیث بالا بخار میں کے لئے جو علاج تجویز کیا جا رہا ہے وہ علاج مخصوص ہے یعنی ہر بخار میں یہ علاج کارگر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صفراوی بخار کے بعض اقسام سے ہے جس میں اہل حجاز مبتلا ہوتے ہیں، چونکہ بعض بخار میں پانی کا استعمال نہ صرف یہ کہ مضر بلکہ باعث ہلاکت ہوتا ہے اس لئے ہر بخار میں علاج کا یہ طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہئے ہاں اگر کسی بخار میں طبیب حاذق اور معتمد معالج اجازت دے دے تو پھر اس پر بلا جھجک عمل کرنا چاہئے۔

اس سلسلہ میں خطابیؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص کسی ایسے بخار میں مبتلا ہوا جس میں پانی کا استعمال مضر تھا مگر اس نے ناسمجھی میں پانی میں غوطے لگائے جس کا اثر یہ ہوا کہ حرارت بدن میں رک گئی۔ چنانچہ وہ اتنا بیمار ہوا کہ ہلاکت کے قریب پہنچ گیا۔ جب کسی نہ کسی طرح اچھا ہوا تو ظالم نے یہ تو نہ سمجھا کہ حدیث کے معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے خود مصیبت میں پھنسا البتہ نفس حدیث کے بارہ میں اول فول بکنے لگا حالانکہ اگر وہ بیوقوفی اور ناسمجھی کا ثبوت نہ دیتا بلکہ یہ جانتا کہ حدیث کا یہ حکم ہر نوع کے بخار کے لئے نہیں ہے بلکہ بعض مخصوص بخار کے لئے ہے تو مصیبت میں کیوں پھنستا؟

بخار کو برا نہ کہو

(۶۱) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ ذُکِرَتِ الْحُمّٰی عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَبَّھَا رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبَّھَا فَاِنَّھَا تَنْفِی الذُّنُوْبَ کَمَا تَنْفِی النَّارُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کے سامنے بخار کا ذکر ہوا تو ایک شخص اسے برا کہنے لگا (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "بخار کو برا نہ کہو کیونکہ بخار گناہوں کو اسی طرح دور کرتا ہے جس طرح آگ لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب بخار گناہوں کو دور کر دیتا ہے تو عقل و دانش کا تقاضہ یہ ہونا چاہئے کہ بخار کے معاملہ میں شکر گزاری کی راہ پر لگا جائے نہ کہ ناشکری کی جائے چنانچہ مشائخ رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ بلاء و مصیبت میں بھی اسی طرح شکر خداوندی کیا جائے جس طرح نعمت و راحت میں خدا کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ خداوند قدوس کسی پر جب کوئی بلا نازل فرماتا ہے تو اس بلاء میں بھی اس کی کوئی نہ کوئی رحمت ہی پوشیدہ ہوتی ہے۔

مؤمن کامل بخار میں کیوں مبتلا ہوتا ہے؟

(۶۲) وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ مَرِيْضًا فَقَالَ اَبْشِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ هِيَ نَارِى اُسَلِّطُهَا عَلٰى عَبْدِى الْمُؤْمِنِ فِي الدُّنْيَا لِيَكُوْنَ حَظَّهُ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (رواہ احمد و ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک بیمار کی عیادت کی (جو بخار میں مبتلا تھا) اور اس سے فرمایا کہ "تمہیں خوشخبری ہو! کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بخار میری آگ ہے۔ جسے میں اپنے بندہ پر اس لئے مسلط کرتا ہوں تاکہ وہ (بخار) اس کے حق میں قیامت کے دن دوزخ کی آگ کا بدلہ اور حصہ ہو جائے۔" (احمدؒ، ابن ماجہؒ، بیہقیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا یعنی تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو (قیامت کے دن) دوزخ میں داخل نہ ہو۔ لہٰذا بندہ مؤمن کو اس داخل ہونے کے بدلے میں دنیا میں بخار میں مبتلا کیا جاتا ہے اس طرح وہ بخار کی وجہ سے عذاب سے جو دوزخ میں داخل ہونے کی وجہ سے ہوتا بچا رہے گا اگرچہ داخل ہونا بایں طور سب کے لئے ہوگا کہ پل صراط دوزخ کے اوپر قائم کیا جائے گا اور اس کے اوپر سے سب ہی گزریں گے۔

مذکورہ بالا تشریح کے پیش نظر حدیث میں لفظ "مؤمن" کے ساتھ "کامل" کی قید لگا دینی چاہئے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حدیث کے مفہوم کا تعلق "مؤمن کامل" سے ہے۔ کیونکہ بعض گنہ گار مؤمن بھی آتش دوزخ کے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے اس طرح وہ مؤمن جو اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ کے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔ حدیث کے مفہوم و مصداق سے خارج ہو جائیں گے۔

فقر و بیماری گناہوں کی بخشش کا ذریعہ

(۶۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الرَّبَّ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ وَعِزَّتِىْ وَجَلَالِىْ لَا اُخْرِجُ اَحَدًا مِنَ الدُّنْيَا اُرِيْدُ اَغْفِرُ لَهُ حَتّٰى اَسْتَوْفِيَ كُلَّ خَطِيْئَةٍ فِىْ عُنُقِهِ بِسَقَمٍ فِىْ بَدَنِهِ وَاِقْتَارٍ فِىْ رِزْقِهِ (رواہ رزین)

"اور انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ بزرگ و برتر فرماتے ہیں کہ قسم ہے اپنی عزت و بزرگی کی جس بندہ کو میں بخشنا چاہتا ہوں اسے میں دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا جب تک کہ اس کے بدن کو بیماری میں مبتلا کر کے اور اس کے رزق کی تنگی میں ڈال کر اس کے ہر گناہ کا بدلہ جو اس کے ذمہ ہوں گے نہ دے لوں گا۔" (رزینؒ)

تشریح: اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس بندہ کو میں آخرت کی ابدی سعادت سے نوازنا چاہتا ہوں اس کے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں بایں طور دیدیتا ہوں کہ کبھی تو اسے بیماری میں مبتلا کر دیتا ہوں کبھی مال و رزق کی تنگی اس پر مسلط کر دیتا ہوں۔ پس وہ بخشا جاتا ہے اور عذاب آخرت سے نجات پاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ فقر و بیماری اور بلاء و مصیبت گناہوں کو دور کرتی ہے۔

ابن مسعودؓ کا ایک واقعہ

(۶۴) وَعَنْ شَقِيْقٍ قَالَ مَرِضَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَعُدْنَاهُ فَجَعَلَ يَبْكِيْ فَعُوْتِبَ فَقَالَ اِنِّيْ لَا اَبْكِيْ لِاَجْلِ الْمَرَضِ لِاَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمَرَضُ كَفَّارَةٌ وَاِنَّمَا اَبْكِيْ اَنَّهُ اَصَابَنِيْ عَلٰى حَالِ فَتْرَةٍ وَلَمْ يُصِبْنِيْ فِيْ حَالِ اجْتِهَادٍ لِاَنَّهُ يُكْتَبُ لِلْعَبْدِ مِنَ الْاَجْرِ اِذَا مَرِضَ مَاكَانَ يُكْتَبُ لَهُ قَبْلَ اَنْ يَمْرَضَ فَمَنَعَهُ مِنْهُ الْمَرَضُ (رواہ رزین)۔

"اور حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ (جب) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بیمار ہوئے (تو) ہم لوگ آپ کی عیادت کو گئے، وہ ہمارے سامنے رونے لگے لوگوں نے۔ (یہ گمان کر کے کہ وہ بیماری کی تکلیف اور اپنی زندگی کی محبت کی وجہ سے رو رہے ہیں) اس پر ناگواری کا اظہار کیا، حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں بیماری کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں کیونکہ میں نے تو خود رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بیماری گناہوں کے دور ہونے کا سبب ہے میں تو صرف اس لئے رو رہا ہوں کہ میں سستی (یعنی بڑھاپے) کی حالت میں بیماری میں مبتلا ہوا قوت (یعنی جوانی) کی حالت میں بیماری میں مبتلا کیوں نہیں ہوا؟ کیونکہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو (اس کے ایام بیماری میں) وہی اعمال لکھے جاتے ہیں جو اس کے بیمار ہونے سے پہلے لکھے جاتے تھے اور اب بیماری نے اسے اس عمل سے باز رکھا۔" (رزینؒ)

تشریح: جوانی کے ایام میں بحالت صحت و تندرستی نیک عمل بہت زیادہ ہوتے ہیں اس لئے اس بشارت کے مطابق کہ "اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حالت بیماری میں بیمار بندہ کے نامہ اعمال میں فرشتوں کو ان اعمال کا ثواب لکھنے کا حکم دیتا ہے جنہیں وہ حالت تندرستی میں کیا کرتا تھا اور اب بیماری کی وجہ سے نہیں کر سکتا۔ ایام جوانی کی بیماری میں بھی بہت زیادہ اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے اور ایام پیری میں بحالت صحت چونکہ عمل کم ہوتے ہیں اس لئے ایام پیری کی بیماری میں بھی کم اعمال کا ثواب لکھا جاتا ہے اس لئے حضرت ابن مسعودؓ یہی فرماتے ہیں کہ کاش میں ایام جوانی میں بیمار ہوتا تاکہ میرے نامہ اعمال میں زیادہ اعمال کا ثواب لکھا جاتا۔

عیادت کب کی جائے؟

(۶۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعُوْدُ مَرِيْضًا اِلَّا بَعْدَ ثَلَاثٍ (رواہ ابن ماجۃ والبیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تین دن کے بعد مریض کی عیادت کرتے تھے۔" (ابن ماجہ، بیہقیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ بیمار ہونے کے تین دن بعد مریض کی عیادت کے لئے آپ تشریف لے جاتے تھے اس سلسلہ میں جہاں تک کہ مسئلہ کا تعلق ہے تو جمہور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ عیادت کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں ہے جب چاہے کرے خواہ پہلے کرے خواہ بعد میں۔ چنانچہ بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ بعض حضرات نے تو اسے حدیث موضوع قرار دیا ہے۔

مریض سے اپنے لئے دعا کراؤ

(۶۶) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى مَرِيْضٍ فَمُرْهُ يَدْعُوْلَكَ فَاِنَّ دُعَاءَهُ كَدُعَاءِ الْمَلَائِكَةِ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت عمر فاروقؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم بیمار کے پاس جاؤ تو اس سے کہو کہ تمہارے لئے دعا کرے کیونکہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح ہے۔" (ابن ماجہ)

تشریح: مریض کی دعا کو فرشتوں کی دعا کے مانند قرار دیا گیا ہے کیونکہ بیمار کو ملائکہ کے ساتھ بہت مشابہت ہوتی ہے بایں طور کہ جس طرح فرشتے گناہوں سے پاک و صاف رہتے ہیں، ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتے ہیں اور ہمہ وقت بارگاہ رب العزت میں دعا مناجات

اور التجا کرتے رہتے ہیں، اسی طرح بیمار بھی گناہوں سے بچتا ہے، ہر وقت اللہ ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے اور ہمہ وقت دعا و زاری اور التجا میں مصروف رہتا ہے۔

مریض کے پاس غل غپاڑہ نہ مچانا چاہئے

(۶۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ تَخْفِيفُ الْجُلُوسِ وَقِلَّةُ الصَّخَبِ فِي الْعِيَادَةِ عِنْدَ الْمَرِيضِ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا كَثُرَ لَغَطُهُمْ وَاخْتِلَافُهُمْ قُومُوا عَنِّي (رواہ رزین)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عیادت کے وقت مریض کے پاس کم بیٹھنا اور شور و غوغا نہ کرنا سنت ہے" نیز حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ "رسول کریم ﷺ نے اس وقت جب کہ صحابہؓ میں شور و غوغا اور اختلاف زیادہ ہوا تو فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ کھڑے ہو۔" (رزینؒ)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ عیادت کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ مریض کے پاس عیادت کے وقت صرف اتنا عرصہ کے لئے بیٹھنا چاہئے جس میں بیمار کی مزاج پرسی اور اس کے حالات و کیفیات کا علم ہو جائے۔ گویا اس کے پاس خواہ مخواہ کے لئے زیادہ دیر تک بیٹھ کر بیمار کے مزاج پر بوجھ نہ بننا چاہئے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ بیمار کے پاس بیٹھ کر غل غپاڑہ مچانا اور شور و غوغا کرنا مکروہ ہے۔

روایت کے دوسرے جزو کی تفصیل حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت کی روشنی میں جو بخاری و مسلم میں مروی ہے یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی زندگی کے آخری ایام میں جب مرض میں مبتلا ہوئے اور وصال کا وقت قریب آیا تو اس موقع پر جب کہ آپ کے پاس بہت زیادہ لوگ جمع تھے جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوات قلم لاؤ میں تمہارے لئے ایک وصیت نامہ لکھے دیتا ہوں تاکہ تم میرے بعد گمراہی میں مبتلا نہ ہو سکو! (یہ سن کر حاضرین کو مخاطب کر کے) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ (معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت) آنحضرت ﷺ پر شدت مرض غالب ہے) اسی لئے آپ ﷺ وصیت نامہ لکھنے کے لئے فرما رہے ہیں ورنہ تو وصیت نامہ کی کیا ضرورت کیونکہ) تمہارے پاس قرآن موجود ہے اور کتاب اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد اہل بیت اور دوسرے لوگوں نے بھی اپنی اپنی بات کہنی شروع کر دی کوئی تو کہتا تھا کہ قلم و دوات لا دینا چاہئے۔ تاکہ آنحضرت ﷺ تمہارے لئے وصیت نامہ لکھ دیں بعض لوگ حضرت عمرؓ کی بات کی تائید کر رہے تھے۔ غرض اس معاملہ میں جب بحث و مباحثہ زیادہ بڑھا اور لوگوں کے اظہار رائے نے شور و غوغا کی صورت اختیار کر لی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "تم سب لوگ میرے پاس سے اٹھ کھڑے ہو۔

اس صورت واقعہ سے روافض یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس وصیت نامہ میں خلافت کے بارہ میں کچھ لکھنا چاہتے تھے۔ (مثلاً یہ کہ میرے بعد خلیفہ اول علیؓ ہوں) مگر حضرت عمرؓ نے آپ کو اس سے روک دیا۔

علامہ ابن حجرؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ روافض کا یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس واقعہ کی حقیقت تو یہ تھی کہ گویا آنحضرت ﷺ نے جب وصیت نامہ لکھنے کا ارادہ فرمایا اور حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا تو آنحضرت ﷺ کے دل میں یہ بات آئی کہ مصلحت یہی ہے کہ کوئی وصیت نامہ نہ لکھا جائے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عمرؓ کے کہنے کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اپنے اختیار سے نہ صرف یہ کہ اس وقت وصیت نامہ نہیں لکھا بلکہ لکھنے کا ارادہ بھی ترک فرما دیا کیونکہ اگر آنحضرت ﷺ نے کسی چیز کے لکھنے کا مصمم ارادہ فرما لیا ہوتا تو حضرت عمرؓ وغیرہ کی کیا مجال تھی کہ آپ ﷺ کے اس فیصلہ کی راہ میں رکاوٹ بنتے، چنانچہ آنحضرت ﷺ اس واقعہ کے بعد تین دن تک زندہ رہے اور ان ایام میں آپ ﷺ کے پاس حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ موجود نہیں تھے بلکہ اہل بیت مثلاً حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ وغیرہما بارگاہ رسالت میں حاضر رہے اگر آپ اس موقع پر خلافت کے بارے میں کوئی وصیت نامہ لکھنے ہی میں

مصالحت سمجھتے تو ضرور رکھتے۔ پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ نے خلافت کے بارہ میں ایسا طریقہ اختیار فرمایا جس میں کسی شک و شبہ اور تاویل کی گنجائش ہی نہ رہی تھی آپ ﷺ نے اپنے آخری ایام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز میں لوگوں کا امام مقرر فرمایا۔ اسی وجہ سے حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے واسطے لوگوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

"آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو ہمارے دین کے لئے امام منتخب فرمایا یعنی نماز میں ہمارا امام مقرر فرمادیا تو کیا ہم انہیں اپنی دنیا کے لئے یعنی خلافت کے لئے منتخب نہ کریں؟ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت ابوبکرؓ کو نماز میں لوگوں کا امام بننے کے لئے بلا بھیجا تو اس وقت میں آپ ﷺ کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اور آپ مجھے دیکھ رہے تھے (مگر آپ نے مجھے امام مقرر نہیں فرمایا) حضرت ابوبکرؓ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارہ میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ کہ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (یعنی یہ لوگ ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے)۔"

منقول ہے کہ ابوسفیان ابن حرب نے (جب ایک موقع) حضرت علیؓ سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں ابوبکرؓ سے لڑائی کے لئے مدینہ کا میدان گھوڑوں اور پیادوں سے بھردوں (تو) حضرت علیؓ ابوسفیان کی اس بات سے بہت ناراض ہوئے اور انہیں ڈانٹا اور بہت برا بھلا کہا تاکہ نہ صرف ابوسفیان بلکہ دوسرے لوگ بھی جان لیں کہ ابوبکرؓ کی خلافت منشاء نبوت کے مطابق ہونے کی وجہ سے اتنی مستحکم اور حقیقی ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نہ تو اس وقت آنحضرت ﷺ ہی نے حضرت علیؓ کی خلافت کے بارہ میں کچھ لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا اور نہ خود حضرت علیؓ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ میں حضرت ابوبکرؓ سے مقدم ہوں اور خلافت میرا حق ہے کیونکہ حضرت علیؓ اگر حضرت ابوبکرؓ پر فضیلت رکھتے اور خلافت پہلے ان کا حق ہوتا تو آنحضرت ﷺ اس کی ضرور وصیت کرتے۔ چہ جائیکہ آپ ﷺ نے اس کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں فرمایا جب کہ حضرت ابوبکرؓ کو نماز میں لوگوں کا امام مقرر فرما کر اس طرف کھلا ہوا اشارہ فرمادیا تھا کہ میرے بعد ابوبکرؓ ہی خلیفہ ہوں گے۔

عیادت کے وقت مریض کے پاس بہت کم بیٹھنا چاہئے

(۶۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيَادَةُ فُوَاقُ نَاقَةٍ وَفِي رِوَايَةِ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلًا اَفْضَلُ الْعِيَادَةِ سُرْعَةُ الْقِيَامِ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "عیادت کا افضل مرتبہ اونٹنی کے دو مرتبہ دوہنے کے درمیانی وقفہ کے بقدر ہے اور حضرت سعید ابن مسیب کی روایت کے جو بطریق ارسال منقول ہے یہ الفاظ ہیں کہ "بہترین عیادت وہی ہے جس میں عیادت کرنے والا جلد اٹھ کھڑا ہو۔" (بیہقی)

تشریح: پہلی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اونٹنی کا دودھ دو مرتبہ یا تین مرتبہ کرکے دوہتے ہیں جن کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ دودھ دوہا پھر ذرا رک گئے اور بچوں کو تھنوں سے لگا دیا تاکہ دودھ خوب اترے پھر اس کے بعد دودھ دوہنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح دونوں مرتبہ کا درمیانی وقفہ بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ لہٰذا عیادت کے بارہ میں فرمایا جا رہا ہے۔ جب کوئی کسی مریض کے پاس عیادت کے لئے جائے تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ مریض کے پاس زیادہ دیر تک نہ بیٹھے بلکہ دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیانی وقفہ کے بقدر بیٹھے تاکہ مریض کو تکلیف نہ ہو۔

کتابوں میں ایک شخص کا واقعہ منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت سری سقطیؒ کی عیادت کو گئے جب کہ وہ مرض الموت میں مبتلا تھے۔ ہم ان کے پاس بہت دیر تک بیٹھے رہے اس وقت ان کے پیٹ میں بہت درد ہو رہا تھا ہم نے اس سے کہا کہ آپ ہمارے لئے دعا

فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا کہ "اے اللہ! ان لوگوں کو مریض کی عیادت کرنے کے آداب وطریقے سکھا" گویا انہوں نے اس دعا سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ مریض کے پاس جب عیادت کے لئے جائے تو زیادہ دیر تک نہ بیٹھے بلکہ تھوڑی دیر بیٹھ کر اور عیادت کرکے چلا آئے۔

ہاں اگر کوئی عیادت کرنے والا یہ جانے کہ بیمار پر اس کا زیادہ دیر تک بیٹھنا گراں نہیں گزر رہا ہے بلکہ دوست ہونے کی حیثیت سے یا برکت حاصل کرنے کی غرض سے اور یا خدمت دلداری کی وجہ سے مریض کی خواہش یہ ہے کہ وہ اس کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھے تو اس صورت میں مریض کے پاس سے جلدی اٹھ کھڑا ہونا افضل نہیں ہوگا۔

مریض جو چیز مانگے کھلا دینی چاہئے

(۶۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلاً فَقَالَ لَهُ مَاتَشْتَهِیْ قَالَ اَشْتَهِیْ خُبْزَبُرٍّ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ عِنْدَهُ خُبْزُبُرٍّ فَلْیَبْعَثْ اِلٰی اَخِیْهِ ثُمَّ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَهٰی مَرِیْضُ اَحَدِکُمْ شَیْئًا فَلْیُطْعِمْهُ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کی عیادت کی پھر اس سے پوچھا کہ کیا چیز کھانے کو تمہارا جی چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ "گیہوں کی روٹی کھانے کو میرا جی چاہتا ہے" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جس شخص کے پاس گیہوں کی روٹی ہو اسے چاہئے کہ وہ اپنے بھائی کو (یعنی اس مریض) کے پاس بھیجدے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم میں سے کوئی بیمار ہو اور کسی چیز کی خواہش کرے تو اسے وہ چیز کھلا دینی چاہئے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: خواہش سے مراد "خواہش" صادق ہے اور وہ صحت کی نشانی ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض مریضوں کو اس چیز کا کھانا کہ جسے کھانے کے لئے مریض کا دل چاہتا ہو نقصان دہ نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ وہ چیز مقدار میں تھوڑی ہو اور ایسی نہ ہو جس کے نقصان اور ضرر کا پہلو غالب ہو۔ لہٰذا حاصل کلام یہ ہے کہ اس حدیث کا یہ حکم اِذَا اشْتَهٰی تا فَلْیُطْعِمْهُ کلی اور عمومی طور پر نہیں ہے بلکہ جزئی اور انفرادی طور پر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مریض کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرنا چاہئے کہ وہ جو بھی چیز مانگے خواہ وہ اس کے مرض کے لئے کتنی ہی نقصان دہ اور مضر کیوں نہ ہو اسے دیدی جائے بلکہ بعض مخصوص حالات میں اگر کوئی مریض کسی ایسی چیز کے کھانے کی خواہش کرے جس میں نقصان اور ضرر کا پہلو غالب نہ ہو اور یہ کہ معالج اس کے خلاف نہ ہو تو وہ چیز مریض کو دے دینی چاہئے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم توکل یا زندگی سے مایوسی پر مبنی ہے یعنی جس مریض کی زندگی کی امید باقی نہ ہو اس کے بارہ میں فرمایا جارہا ہے کہ وہ جو چیز مانگے اسے کھلا دینی چاہئے۔

حالت مسافرت کی موت کی فضیلت

(۷۰) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ تُوُفِّیَ رَجُلٌ بِالْمَدِیْنَةِ مِمَّنْ وُلِدَ بِهَا فَصَلّٰی عَلَیْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا لَیْتَهُ مَاتَ بِغَیْرِ مَوْلِدِهٖ قَالُوْا وَلِمَ ذَاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا مَاتَ بِغَیْرِ مَوْلِدِهٖ قِیْسَ لَهُ مِنْ مَوْلِدِهٖ اِلٰی مُنْقَطَعِ اَثَرِهٖ فِی الْجَنَّةِ (رواہ النسائی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ایک ایسے شخص کی وفات مدینہ میں ہوئی جو مدینہ ہی میں پیدا ہوا تھا چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور پھر فرمایا کہ "کاش یہ شخص اپنے پیدا ہونے کی جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ مرا ہوتا!؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! یہ کیوں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسری جگہ مرتا ہے تو اس کے وطن سے لیکن اس کے مرنے

کے مقام تک کی جگہ اس کے لئے جنت میں پیمائش کی جاتی ہے۔" (نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص وطن سے دور حالت سفر میں مرتا ہے تو اس کے وطن اور اس کے مرنے کی جگہ تک کے درمیان جتنی مسافت ہوتی ہے اس کے بقدر جگہ اس کو جنت میں ملتی ہے لیکن اس بارہ میں صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ سفر سے مراد سفر طاعت یعنی جہاد وغیرہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اجر و انعام اس شخص کو ملتا ہے جو جہاد کے لئے یا دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے یا اسی قسم کے دوسرے با مقصد و مطلوب کام کے لئے وطن سے دور مرا ہو۔

(۷۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْتُ غُرْبَةٍ شَهَادَةٌ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "حالت مسافرت کی موت شہادت ہے۔" (ابن ماجہؒ)

(۷۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ مَرِيْضًا مَاتَ شَهِيْدًا وَوُقِیَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَغُدِیَ وَرِيْحَ عَلَيْهِ بِرِزْقِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص بحالت مرض مرتا ہے تو وہ شہید مرتا ہے اور قبر کے فتنوں سے بچایا جاتا ہے نیز (ہر) صبح و شام اسے جنت سے رزق دیا جاتا ہے۔" (ابن ماجہؒ، بیہقیؒ)

تشریح: مشکوٰۃ کے صحیح نسخوں میں لفظ "مریضا" ہی لکھا ہوا ہے لیکن بعض نسخوں میں تغیر کر کے "مریضا" کے بجائے لفظ "غریبا" لکھ دیا گیا ہے لیکن صحیح ابن ماجہ میں لفظ "مرابطا" منقول ہے۔ اسی لئے میرکؒ نے مشکوٰۃ کے اپنے نسخہ کے حاشیہ میں یہ الفاظ "صوابه مرابطا" (یعنی صحیح لفظ مرابطا ہی ہے) لکھ کر اس کے نیچے یہ لکھا ہے کہ کذافی سنن ابن ماجه فی باب ماجاء من مات مرابطا مات شهيدا پھر یہ کہ لفظ مریضا کے بارے میں علماء نے تو لکھا ہے کہ مرض سے مراد عام مرض ہے جب کہ بعض حضرات نے خاص مرض جیسے استسقاء مراد لیا ہے۔ لیکن ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ان قیود کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ کہا جائے کہ یہاں راوی سے چوک ہو گئی ہے کیونکہ حدیث کے صحیح الفاظ من مات مرابطا ہیں نہ کہ من مات مریضا۔

طاعون کی موت شہید کی موت کی طرح ہے

(۷۳) وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْتَصِمُ الشُّهَدَاءُ وَالْمُتَوَفَّوْنَ عَلٰی فُرُشِهِمْ اِلٰی رَبِّنَا عَزَّوَجَلَّ فِی الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنَ الطَّاعُوْنِ فَيَقُوْلُ الشُّهَدَاءُ اِخْوَانُنَا قُتِلُوْا كَمَا قُتِلْنَا وَيَقُوْلُ الْمُتَوَفَّوْنَ اِخْوَانُنَا مَاتُوْا عَلٰی فُرُشِهِمْ كَمَامُتْنَا فَيَقُوْلُ رَبُّنَا انْظُرُوْا اِلٰی جِرَاحَتِهِمْ فَاِنْ اَشْبَهَتْ جِرَاحُهُمْ جِرَاحَ الْمَقْتُوْلِيْنَ فَاِنَّهُمْ مِنْهُمْ وَمَعَهُمْ فَاِذَا جِرَاحُهُمْ قَدْ اَشْبَهَتْ جِرَاحَهُمْ (رواہ احمد والنسائی)

"اور حضرت عرباض ابن ساریہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "شہداء اور وہ لوگ جو اپنے بچھونوں پر (یعنی اپنے گھروں میں) مرے ہیں (اور حقیقی شہید نہیں ہوئے ہیں) اپنے پروردگار بزرگ و برتر کے سامنے ان لوگوں کے بارہ میں جو طاعون زدہ ہو کر مرے ہیں، جھگڑا کریں گے چنانچہ شہدا تو یہ کہیں گے کہ "یہ لوگ طاعون زدہ ہو کر مرے ہیں) ہمارے بھائی ہیں (یعنی ہمارے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں لہٰذا انہیں ہمارا ہم مرتبہ ہونا چاہئے) کیونکہ جس طرح ہم قتل کئے گئے تھے اسی طرح یہ بھی قتل کئے گئے تھے، اور جو لوگ اپنے بچھونوں پر مرے ہیں کہیں گے کہ "ہمارے بھائی ہیں (یعنی ہماری طرح ہیں) کیونکہ یہ لوگ اسی طرح بچھونوں پر مرے ہیں جس طرح کہ ہم مرے ہیں" پس ہمارا پروردگار فرمائے گا کہ ان کے زخموں کو دیکھا جائے اگر ان کے زخم شہدا کے زخم کی مانند ہیں تو یہ شہدا میں سے ہیں (یعنی باعتبار ثواب کے شہدا کے ہم پلہ ہیں اور (حشر و مرتبہ میں) ان کے ساتھ ہیں" چنانچہ جب دیکھا جائے گا تو ان کے زخم شہدا کے زخم کے مشابہ ہوں گے۔" (احمدؒ و نسائیؒ)

تشریح: بارگاہ رب العزت میں طاعون میں مرنے والوں کے بارہ میں شہدا کی اس دلیل کہ "جس طرح ہم قتل کئے گئے اسی طرح یہ بھی قتل کئے گئے ہیں۔ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم دشمنان دین اور کفار کے ہاتھوں زخمی ہو کر مرے ہیں اسی طرح یہ بھی جنات کے ہاتھوں زخمی ہو کر مرے ہیں۔ کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ بسا اوقات طاعون زدہ کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اسے کوئی نیزے مار رہا ہو اسی لئے اس مرض کو "طاعون" کا نام دیا گیا ہے جو "طعن" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "نیزہ مارنا" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص طاعون میں مبتلا ہو کر مرے گا وہ شہیدوں میں سے ہے اس لئے قیامت کے روز وہ ان کے ساتھ ہو گا۔

طاعون سے بھاگنے کی مذمت اور اس پر صبر کرنے کی فضیلت

(۴۲) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْفَارُّ مِنَ الطَّاعُوْنِ كَالْفَارِّ مِنَ الزَّحْفِ وَالصَّابِرُ فِيْهِ لَهٗ اَجْرُ شَهِيْدٍ (رواہ احمد)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "طاعون کی بیماری سے (یعنی جہاں یہ وبا پھیلی ہو وہاں) بھاگنے والا جہاد میں کفار کے مقابلہ سے بھاگنے والے کی طرح ہے اور طاعون میں صبر کرنے والے کو شہید کا ثواب ملتا ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: طیبیؒ فرماتے ہیں کہ مشابہت گناہ کبیرہ کے اعتبار سے ہے یعنی جس طرح کفار کے مقابلہ سے بھاگنے والا گناہ کبیرہ میں مبتلا ہوتا ہے اسی طرح طاعون سے بھاگنے والے کو بھی گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔

اور یہ اعتقاد رکھتے ہوئے طاعون زدہ علاقہ سے بھاگنا کہ اگر میں یہاں سے بھاگ جاؤں گا تو سلامت رہوں گا اگر نہ بھاگا تو مر جاؤں گا۔ کفر ہے۔ بظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ طاعون میں صبر کرنے والے کو شہید کا ثواب ملتا ہے اگرچہ اس کی موت نہ ہو۔

بَابُ تَمَنِّى الْمَوْتِ وَذِكْرِهٖ

آرزوئے موت اور موت کو یاد رکھنے کی فضیلت کا بیان

جسمانی تکلیف و مصیبت، اور دنیاوی ضرر و نقصان مثلاً مرض، تنگدستی اور دوسری بلاء و پریشانیوں کی وجہ سے موت کی آرزو کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ بے صبری اور تقدیر الٰہی پر راضی نہ ہونے کی علامت ہے۔

دیدار الٰہی کے شوق و محبت، اس سرائے فانی اور اس کی محبت سے نجات، دار البقاء پہنچنے کی خواہش اور وہاں کی نعمتوں کی تمنا میں موت کی آرزو ایمان اور کمال ایمان کی نشانی ہے۔ اسی طرح دینی ضرر و نقصان کے خوف سے بھی موت کی آرزو کرنا مکروہ نہیں ہے۔

"موت کو یاد رکھنا" دراصل کنایہ ہے اس بات سے کہ اللہ رب العزت کا خوف قلب میں جاگزیں ہو، اس کی رضاء و خوشنودی کا حصول اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری ہمہ وقت پیش نظر رہے رسول کریم ﷺ کی محبت اور ان کی لائی ہوئی شریعت پر عمل ہو، توبہ و استغفار کا ورد ہو اور دنیاوی نفع و نقصان پر آخرت کے نفع و نقصان کو مقدم رکھا جائے۔ ورنہ تو محض موت کو یاد رکھنا اور یاد کرنا اور عملی طور پر بے راہ روی اختیار کرنا چنداں فائدہ مند نہیں ہے بلکہ قساوت قلب کا سبب ہے جیسا کہ غفلت کے ساتھ اللہ رب العزت کو یاد کرنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ نسأل اللّٰہ العافیۃ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

موت کی آرزو نہ کرو

(۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنّٰى اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ اِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ يَّزْدَادَ

خَيْرًا وَإِمَّا مُسِيئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعْتِبَ (رواہ البخاری)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے (کیونکہ) اگر وہ (یعنی موت کی آرزو کرنے والا) نیکو کار ہے تو ہو سکتا ہے کہ (اس کی عمر دراز ہونے کی وجہ سے) اس کے نیک اعمال میں زیادتی ہو جائے اور اگر بدکار ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ (توبہ کر کے اور لوگوں کے حقوق ادا کر کے اللہ رب العزت کی رضا و خوشنودی حاصل کر لے۔" (بخاریؒ)

(۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنّٰى اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ وَلَا يَدْعُ بِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهٗ اِنَّهٗ اِذَا مَاتَ انْقَطَعَ اَمَلُهٗ وَاِنَّهٗ لَا يَزِيْدُ الْمُؤْمِنَ عُمُرُهٗ اِلَّا خَيْرًا (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص نہ (تو دل سے) موت کی آرزو کرے اور نہ (زبان سے) موت کی دعا مانگے قبل اس کے کہ اس کی موت آئے۔ کیونکہ انسان جب مر جاتا ہے تو (بھلائی کی زیادتی کے لئے) اس کی امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں اور مؤمن کی عمر کی درازی اس کی بھلائی ہی میں زیادتی کرتی ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: ظاہر ہے کہ جب انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے تو نیکی و بھلائی کی راہیں بھی منقطع ہو جاتی ہیں کیونکہ اگر زندگی ہو گی تو اعمال نیک ہوں گے اور جب اعمال نیک ہوں گے تو سعادت و بھلائی میں زیادتی ہی زیادتی ہو گی اسی لئے فرمایا گیا کہ بندہ مؤمن کی زندگی جب دراز ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے اس کی بھلائی و سعادت میں زیادتی ہوتی ہے کیونکہ بندہ مؤمن بلاء و مصیبت پر صبر کرتا ہے نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے، تقدیر الٰہی سے راضی رہتا ہے اور خدا تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کے احکام کی فرمانبرداری کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کا ثواب بڑھتا ہی جاتا ہے۔

دنیاوی تکلیف و نقصان کی وجہ سے موت کی آرزو کرنے کی ممانعت

(۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهٗ فَاِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص (جسمانی و مالی) ضرر و تکلیف کی وجہ سے کہ جو اسے پہنچے موت کی آرزو نہ کرے اور اگر اس قسم کی آرزو ضروری ہی ہے تو پھر یہ دعا مانگے اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ اے اللہ! مجھ کو اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرے لئے زندگی (موت سے) بہتر ہو اور مجھے موت دے اس وقت جب کہ میرے لئے موت (زندگی سے) بہتر ہو۔"

تشریح: نوویؒ نے فتویٰ دیا ہے کہ دینی فتنہ و فساد کے خوف سے موت کی آرزو کرنا مکروہ نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے حضرت امام شافعیؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہما کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ان حضرات نے دینی فتنہ و فساد کے خوف سے موت کی آرزو کی تھی اسی طرح راہ خدا میں شہادت کی آرزو کرنی بھی مستحب ہے اس لئے کہ یہ حضرت عمرؓ وغیرہ سے ثابت و منقول ہے بلکہ حضرت معاذؓ کے بارہ میں تو یہاں تک منقول ہے کہ انہوں نے طاعون عمواس کے وقت موت کی آرزو کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ شہادت کی آرزو کرنا اگرچہ وہ از قسم طاعون وغیرہ ہی کیوں نہ ہو مستحب ہے۔

مسلم میں یہ روایت منقول ہے کہ جس شخص نے صدق دل سے اور خلوص نیت کے ساتھ شہادت کی تمنا کی تو اسے شہادت کا ثواب دیا جاتا ہے (اگرچہ اسے شہادت حاصل نہ ہو سکے)

مدینہ میں موت کی آرزو کرنا مستحب ہے کیونکہ بخاریؒ میں منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ دعا مانگی تھی۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ

"اے اللہ! اپنی راہ میں مجھے شہادت نصیب فرما اور (اپنے رسول کے شہر میں مجھے موت دے۔"

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک زندگی موت سے بہتر ہے جب تک کہ گناہ کے مقابلہ میں طاعات زیادہ ہوں اور زمانہ دینی فتنہ و فساد سے خالی ہو۔ ہاں جب صورت حال بالکل برعکس ہو۔ بایں طور کہ طاعات کے مقابلہ میں گناہ زیادہ ہوں اور زمانہ دینی فتنہ و فساد سے خالی نہ ہو تو پھر جینے سے مرجانا ہی بہتر ہے۔

لقاء مولیٰ اور موت

④ وَعَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ وَمَنْ کَرِہَ لِقَاءَ اللّٰہِ کَرِہَ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ فَقَالَتْ عَآئِشَۃُ اَوْبَعْضُ اَزْوَاجِہٖ اِنَّا لَنَکْرَہُ الْمَوْتَ قَالَ لَیْسَ ذٰلِكَ وَلٰکِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا حَضَرَہُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰہِ وَکَرَامَتِہٖ فَلَیْسَ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا اَمَامَہٗ فَاَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ وَاَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ وَاِنَّ الْکَافِرَ اِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰہِ وَعُقُوْبَتِہٖ فَلَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَہَ اِلَیْہِ مِمَّا اَمَامَہٗ فَکَرِہَ لِقَاءَ اللّٰہِ وَکَرِہَ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃِ عَآئِشَۃَ وَالْمَوْتُ قَبْلَ لِقَاءِ اللّٰہِ

"اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا ہے" (یہ سن کر) ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے یا آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے کسی اور زوجہ مطہرہ نے عرض کیا کہ "ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں!!! آپ ﷺ نے فرمایا یہ (مراد) نہیں بلکہ (مراد یہ ہے کہ) جب مؤمن کی موت آتی ہے تو اس بات کی خوشخبری دی جاتی ہے کہ خدا اس سے راضی ہے اور اسے بزرگ رکھتا ہے چنانچہ وہ اس چیز سے جو اس کے آگے آنے والی ہے (یعنی اللہ کے ہاں اپنے اس فضیلت و مرتبہ سے) زیادہ کسی چیز (یعنی دنیا اور دنیا کی چمک و دمک) کو محبوب نہیں رکھتا، اس لئے بندہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جب کافر کو موت آتی ہے تو اسے (قبر میں) خدا کے عذاب اور (دوزخ کی سخت ترین) سزا کی خبر دی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ اس چیز سے جو اس کے آگے آنے والی ہے (یعنی عذاب و سزا سے) زیادہ اور کسی چیز کو ناپسند نہیں کرتا اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے (یعنی اسے اپنی رحمت اور مزید نعمت سے دور رکھتا ہے)

اس روایت کو بخاریؒ اور مسلمؒ نے نقل کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت میں منقول ہے کہ "موت اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے پہلے ہے۔"

تشریح: مشہور تو یہی ہے کہ لقاء مولیٰ (یعنی خدا کی ملاقات) سے مراد موت ہے، لیکن اس بارہ میں تحقیقی بات یہ ہے کہ لقاء مولیٰ سے "موت مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے" کہ آخرت کی طرف متوجہ ہونا، حق تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور اس کی رضا و خوشنودی کا طالب ہونا، دنیا کی طرف مائل نہ ہونا اور دنیا و آخرت کی زندگی کی محبت میں گرفتار نہ ہونا۔ لہٰذا جس شخص نے دنیا ترک کی اور دنیا اور اس کی چیزوں کو ناپسند کیا اس نے گویا لقاء مولیٰ کو پسند کیا! اور جس شخص نے دنیا کو اختیار کیا، دنیا کی چیزوں کی محبت میں گرفتار ہوا اور دنیا کی طرف اپنا میلان رکھا اس نے گویا لقاء مولیٰ کو ناپسند رکھا! یہی وجہ ہے کہ لقاء مولیٰ کا اشتیاق موت کی محبت اور اس کے اشتیاق کو لازم ہے یعنی جو شخص لقاء مولیٰ کو پسند کرے گا وہ موت کو بھی پسند کرے گا کیونکہ لقاء مولیٰ کے لئے موت وسیلہ ہے۔

ام المؤمنینؓ چونکہ یہی سمجھیں تھیں کہ لقاء مولیٰ سے مراد موت ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اپنے ارشاد لیس الامر کذالک کے ذریعہ وضاحت فرمائی کہ لقاء مولیٰ سے مراد موت نہیں ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ بتقاضائے جبلت طبعی موت سے محبت ہو اور بالفعل موت

کی آرزو کرنی چاہئے بلکہ مراد یہ ہے کہ جو شخص رضاء حق کا طالب ہو اور لقاء مولیٰ کا شائق ہوتا ہے وہ لقاء مولیٰ کے لئے وسیلہ ہونے کی وجہ سے موت کو ہمیشہ عقلی طور پر محبوب رکھتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جب زندگی کا وقت پورا ہونے لگتا ہے اور موت کا وقت قریب آتا ہے اور اسے حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خوشخبری دیدی جاتی ہے تو پھر اس وقت وہ موت کو طبعی طور پر پسند کرتا ہے اور لقاء مولیٰ کا اشتیاق اس کی طبعی خواہش کی آواز بن جاتا ہے چنانچہ حدیث کے الفاظ ولکن المؤمن الخ (یعنی جب مؤمن کو موت آتی ہے تو اس بات کی خوشخبری دی جاتی ہے کہ خدا اس سے راضی ہے الخ) اسی بات کی وضاحت کر رہے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی روایت کے الفاظ "موت اللہ کی ملاقات سے پہلے ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار موت سے پہلے ممکن نہیں ہے بلکہ موت کے بعد ہی یہ شرف حاصل ہوتا ہے یا پھر یہ مراد ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے وہ موت کو بھی پسند کرتا ہے کیونکہ اس عظیم شرف و سعادت کا حصول موت کے ذریعہ سے ممکن ہے اور یہ کہ لقاء الٰہی کا وجود موت کے وجود سے پہلے متصور نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لقاء الٰہی اور موت دونوں ایک چیز نہیں ہیں بلکہ دونوں الگ الگ مفہوم کے حامل ہیں۔

مؤمن کی موت خود اس کی راحت کا ذریعہ ہے اور فاجر کی موت دنیا والوں کی راحت کا سبب ہے

(۵) وَعَنْ اَبِي قَتَادَةَ اَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ فَقَالَ مُسْتَرِيْحٌ اَوْ مُسْتَرَاحٌ مِنْهُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْمُسْتَرِيْحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ فَقَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيْحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَ اَذَاهَا اِلٰى رَحْمَةِ اللّٰهِ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيْحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابو قتادہؓ یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ "(ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کے سامنے ایک جنازہ لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ "یہ راحت پانے والا ہے۔ یا یہ کہ اس سے دوسروں کو راحت نصیب ہوئی؟" صحابہ نے عرض کیا کہ "راحت پانے والا کون ہے" اور وہ کون ہے جس سے دوسروں کو راحت نصیب ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا "بندہ مؤمن اپنی موت کے ذریعہ دنیا کے رنج و ایذاء سے راحت پاتا ہے اور خدا کی رحمت کی طرف جاتا ہے اور بندہ فاجر (یعنی گنہ گار) کی موت کے ذریعہ اس کے شر و فساد سے بندے، شہر، درخت اور جانور (سب ہی) راحت پاتے ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب بندہ مؤمن وفات پاتا ہے تو وہ دنیا کے رنج سے بایں طور راحت پاتا ہے کہ دنیا میں اعمال و احوال کی وجہ سے وہ جس مشقت و محنت میں مبتلا تھا اس سے نجات مل جاتی ہے اور دنیا کی ایذا سے بایں طور راحت پاتا ہے کہ دنیاوی تکلیف و پریشانی مثلاً گرمی سردی، تنگدستی و مفلسی وغیرہ سے یا یہ کہ اہل دنیا کی ایذا رسانی سے اسے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ اسی لئے مسروقؒ نے کہا ہے کہ مجھے کسی چیز پر بھی کسی چیز کے سبب سے اتنا رشک نہیں آتا جتنا رشک کہ اس مؤمن پر آتا ہے جو قبر میں سلا دیا جاتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے عذاب سے مامون ہو جاتا ہے اور دنیا سے راحت و سکون پالیتا ہے۔ نیز ابو داؤد فرماتے ہیں کہ "میں اپنے رب کے پاس جانے کے شوق میں موت کو پسند کرتا ہوں۔ گناہوں کے کفارہ کے لئے مرض کو پسند کرتا ہوں۔ اور اپنے رب کے سامنے تواضع و انکساری کی خاطر فقر کو پسند کرتا ہوں۔

جب بندہ فاجر یعنی گنہ گار مرتا ہے تو اس سے بندے تو یوں راحت پاتے ہیں کہ جب وہ اپنی زندگی میں خلاف شرع باتیں کرتا اور لوگ اسے منع کرتے تو وہ انہیں ایذا پہنچاتا اور اگر سکوت و خاموشی اختیار کرتے تو اپنے دین اور اپنی دنیا کو نقصان پہنچاتے۔ اور جب وہ گنہ گار مر گیا تو لوگوں نے اس سے چھٹکارا پایا۔ اور شہر و درخت وغیرہ اس کے مرنے سے بایں طور راحت پاتے ہیں کہ گناہ و ظلم ہونے کی وجہ سے عالم میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ ارکان دین میں خلل واقع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ گنہ گار و ظالم کو مبغوض رکھتا ہے لہٰذا اس کی وجہ سے زمین اور وہ تمام چیزیں جو زمین میں ہیں نقصان اٹھاتی ہیں پھر یہ کہ اس کے شومی گناہ کے سبب اللہ تعالیٰ بارش نہیں برساتا، اب جب کہ

مرا تو بادلوں نے اپنے منہ کھول دیئے اور زمین کا شجر و پودا ہرا بھرا ہوگیا اور اس طرح سب ہی نے راحت پائی۔

دنیا میں مسافر بلکہ راہ گیر کی طرح رہو

⑥ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِي فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْعَابِرُ سَبِيْلٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (پہلے تو) میرا مونڈھا پکڑا (تاکہ میں متنبہ ہو جاؤں) پھر فرمایا "تم دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم مسافر بلکہ راہ گیر ہو" حضرت ابن عمرؓ (اس کے بعد لوگوں سے) فرمایا کرتے تھے کہ "جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو، نیز اپنی صحت کو بیماری سے غنیمت جانو، اور اپنی زندگی کو موت سے غنیمت سمجھو۔"

(بخاریؒ)

تشریح: یہاں حدیث میں لفظ بمنکبی حرف یا کے سکون کے ساتھ بصیغہ مفرد نقل کیا گیا ہے جب کہ مشکوٰۃ کے ایک دوسرے نسخہ میں حرف یا کے تشدید کے ساتھ بصیغہ تثنیہ منقول ہے۔

فَاِنَّكَ غَرِيْبٌ (گویا تم مسافر ہو) کا مطلب یہ ہے کہ تم دنیا کی طرف رغبت نہ رکھو اس لئے کہ تم اس دنیا سے آخرت کی طرف سفر کرنے والے ہو، لہٰذا تم اس دنیا کو اپنا وطن نہ بناؤ، دنیا کی لذتوں کے ساتھ الفت نہ رکھو اور دنیا دار لوگوں سے اور ان کے اختلاط سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ تم ان سب لوگوں سے جدا ہونے والے ہو، اس دنیا میں اپنی بقا کو وہم و گمان بھی نہ رکھو، ان امور سے قطعاً اجتناب کرو جن سے ایک مسافر غیر وطن میں اجتناب کرتا ہے اور ان چیزوں سے مشغول نہ رہو جن میں وہ مسافر کہ جو اپنے اہل و عیال اور اپنے وطن کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہے، مشغول نہیں ہوتا، گویا کہ تم کلیۃً اس دنیا میں بالکل اسی طرح رہو جس طرح کہ ایک مسافر اپنے وطن اور اپنے اہل و عیال سے دور غیر وطن میں رہتا ہے۔

پھر آگے زیادہ مبالغہ کے ساتھ فرمایا کہ "بلکہ ایک راہ گیر (راستہ چلنے والے) کی طرح رہو کیونکہ مسافر تو اپنے سفر کے دوران مختلف شہروں میں قیام بھی کر لیتا ہے بخلاف راستہ چلنے والے کے کہ وہ تو کسی جگہ قیام بھی نہیں کرتا۔

لہٰذا دنیا کو نہ صرف یہ کہ سفر گاہ سمجھنا چاہئے بلکہ یہ خیال کرنا چاہئے کہ راستہ چل رہا ہوں نہ تو وطن میں ہوں اور نہ حالت سفر میں کہیں ٹھہرا ہوا ہوں۔

"جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو الخ" اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو اپنی موت کے وقت کا علم نہیں ہے نہ معلوم موت کا پنجہ کس وقت گردن آدبوچے، ایک لمحے کے لئے بھی کسی زندگی کا بھروسہ نہیں ہے صبح کے وقت کسی کو معلوم نہیں کہ شام کا وقت دیکھنا بھی نصیب ہوگا یا نہیں، شام کے وقت کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ صبح تک اس کی زندگی ضرور ہی باقی رہے گی حاصل یہ کہ صبح و شام ہر وقت تم موت کو اپنے سامنے حاضر سمجھو، زندگی کی آرزوں اور تمناؤں کو دراز نہ کرو، عمل خیر کرنے میں پیش روی اختیار کرو دن کی عبادات اور نیک اعمال کو رات پر اور رات کی عبادات و نیک اعمال کو دن پر اٹھا نہ رکھو کیونکہ ۔

غنیمتے شمر اے شمع وصل پروانہ　　　کہ ایں معاملہ تا صبح دم نہ خواہد ماند

"صحت کو بیماری سے غنیمت جانو" کا مطلب یہ ہے کہ صحت و تندرستی کی حالت میں جس قدر ممکن ہو سکے زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرو تاکہ حالت بیماری میں جب کہ تم نیک اعمال کرنے پر قادر نہ رہو گے ویسا ہی ثواب پا سکو۔

"اپنی زندگی کو موت سے غنیمت جانو" یعنی تمہاری جتنی بھی زندگی ہے اس میں عمل ہی عمل کئے جاؤ تاکہ جب یہ زندگی اپنا وقت پورا

کرے اور تم موت کی آغوش میں پہنچ جاؤ تو پھر اس کے بعد تمہاری زندگی کے انہیں اعمال کا ثواب تمہیں پہنچتا رہے۔

غنیمت داں جوانا دولت حسن جوانی را نہ پنداری کہ ایام جوانی جاوداں باشد

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے الفاظ اِذَا اَمْسَیْتَ..... مِنْ حَیَاتِکَ لِمَوْتِکَ حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد موقوف ہے لیکن "احیاء العلوم" میں اسے مرفوعاً یعنی آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی نقل کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

خدا کی ذات سے رحمت ہی کی امید رکھو

(۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبْلَ مَوْتِہٖ بِثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ یَقُوْلُ لَا یَمُوْتَنَّ اَحَدُکُمْ اِلَّا وَھُوَ یُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰہِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو وفات سے تین دن پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "تم میں سے کوئی شخص اس حال میں نہ مرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیک گمان نہ رکھتا ہو۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور بخشش پر کامل اعتقاد اور اس کے وعدہ رحم و کرم پر اعتقاد رکھنا چاہئے اور ہمہ وقت اس کے کرم اور اس کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہئے۔ نیز یہ کہ ہر شخص اللہ کے ساتھ ہر وقت اچھا گمان رکھے کہیں ایسا نہ ہو کہ بدگمانی اور رحمت سے مایوسی کی حالت میں مرجائے اور وہ مبتلائے قہر خداوندی ہو۔

علماء نے لکھا ہے کہ اخروی سعادت کی علامت یہ ہے کہ زندگی کے پورے عرصے میں خوف غالب رہے اور جب مرنے کے قریب پہنچے تو اس کی رحمت و بخشش کی امید غالب رہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ "اللہ کے ساتھ نیک گمان رکھنے" سے مراد "نیک اعمال کرنا ہے" یعنی اپنی زندگی میں اچھے اعمال کرنے چاہئیں تاکہ موت کے وقت خدا کے ساتھ اچھا گمان رہے کیونکہ جس کی زندگی خدا کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی رضا و خوشنودی کے حصول کی خاطر عبادات و نیک اعمال میں گزاری ہوگی۔ وہ مرنے کے وقت خدا کے ساتھ یہی نیک گمان قائم کئے رہے گا کہ انشاء اللہ میرے ساتھ اچھا ہی معاملہ ہوگا اس کے برخلاف جس کی زندگی خدا کی نافرمانی اور برے اعمال میں گزری ہوگی وہ موت کے وقت خدا کے ساتھ برا ہی گمان رکھے گا کیونکہ جب موت سر پر کھڑی ہوگی تو اسے اپنی زندگی کے برے اعمال یاد آئیں گے اس وقت اسے خیال پیدا ہوگا کہ میرے ساتھ اچھا معاملہ نہیں ہوگا۔

نیز علماء لکھتے ہیں کہ "امید" کی حقیقت یہ ہے کہ عمل کرے اور امید رکھے خدمت مولیٰ کرے اور نظر اس کی عطا پر رکھے نہ کہ جھوٹی امید جو عمل سے باز رکھے اور گناہوں کا باعث ہو، یہ امید نہیں ہے بلکہ آرزو اور غرور ہے۔

حضرت امام حسن بصریؒ کا یہ قول منقول ہے کہ "اگر تم میں سے کوئی شخص (جو بے عمل ہے) یہ کہتا ہے کہ میں اپنے پروردگار کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہوں تو وہ جھوٹ کہتا ہے کیونکہ اگر وہ اپنے پروردگار کے ساتھ اچھا گمان رکھتا تو نیک عمل بھی کرتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

قیامت کے دن خدا کا سب سے پہلا سوال

(۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ شِئْتُمْ اَنْبَاْتُکُمْ مَا اَوَّلُ مَا یَقُوْلُ اللّٰہُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَمَا اَوَّلُ مَا یَقُوْلُوْنَ لَہٗ قُلْنَا نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ھَلْ اَحْبَبْتُمْ لِقَائِیْ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ یَا رَبَّنَا فَیَقُوْلُ لِمَ فَیَقُوْلُوْنَ رَجَوْنَا عَفْوَکَ وَمَغْفِرَتَکَ فَیَقُوْلُ قَدْ وَجَبَتْ لَکُمْ مَغْفِرَتِیْ۔ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ وَاَبُوْنُعَیْمٍ فِیْ

الْحِلْیَۃِ

"حضرت معاذ ابن جبلؓ راوی ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے (ہمیں مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ "اگر تم چاہو تو میں تمہیں وہ بات بتادوں جو اللہ قیامت کے دن سب سے پہلے مؤمنین سے فرمائے گا اور وہ بات بھی بتادوں جو سب سے پہلے مؤمنین اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے؟ ہم نے عرض کیا کہ "ہاں رسول اللہ! (ہمیں ضرور بتادیجئے) آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ مؤمنین سے فرمائے گا کہ کیا تم میری ملاقات کو پسند کرتے تھے مؤمنین عرض کریں گے کہ ہاں! اے ہمارے رب (ہم تیری ملاقات کو پسند کرتے تھے) پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ "تم میری ملاقات کو کیوں پسند کرتے تھے؟ مؤمنین عرض کریں گے "اس لئے کہ ہم تجھ سے معافی و درگزر اور تیری بخشش و مغفرت کی امید رکھتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہارے لئے میری بخشش واجب ہوگئی۔ یہ روایت شرح السنۃ میں ابونعیم نے حلیہ میں نقل کی ہے۔"

تشریح: ہوسکتا ہے کہ "ملاقات" سے مراد "دار آخرت کی طرف رجوع کرنا" ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ "ملاقات" سے مراد حق تعالیٰ کا دیدار ہو۔

ابن مالکؒ نے کہا ہے کہ حدیث میں لفظ لِمَ کے بعد یہ الفاظ ہونے چاہئیں لِاَیِّ سَبَبٍ اَذْنَبْتُمْ یعنی حق تعالیٰ پھر فرمائے گا کہ تم نے کیوں گناہ کئے ہیں؟ لیکن صحیح یہی الفاظ ہیں: لِمَ اَحْبَبْتُمْ لِقَائِی یعنی میری ملاقات کو کیوں پسند کرتے تھے" جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

موت کو کثرت سے یاد کرو

⑨ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتُ (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "(دنیاکی) لذتوں کو کھودینے والی چیز کو، کہ جو موت ہے کثرت سے یاد کرو۔" (ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: صحیح یہی ہے کہ لفظ "ھاذم" ذال کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں قطع کرنے والا، چنانچہ جن لوگوں نے دال کے ساتھ یعنی لفظ "ہادم" بمعنی ڈھانے والا جو نقل کیا ہے صحیح نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ اس بارہ میں کسی راوی سے چوک ہوگئی ہو۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا چاہئے کیونکہ موت کو یاد کرنے سے غفلت جو نیک اعمال کے راستہ میں رکاوٹ بنتی ہے دور ہوتی ہے، موت کی یاد دنیا (کے برے کاموں) کی مشغولیت سے باز رکھتی ہے اور موت کو یاد کرنے والا طاعات و عبادات کی طرف متوجہ رہتا ہے جو توشۂ آخرت ہے۔

نسائی نے اس روایت میں یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں۔ فَاِنَّهٗ لَا یُذْكَرُ فِیْ كَثِیْرٍ اِلَّا قَلَّلَهٗ وَلَا فِیْ قَلِیْلٍ اِلَّا كَثَّرَهٗ (ترجمہ) جب مال کی زیادتی میں موت یاد آتی ہے تو وہ مال کو کم کردیتی ہے (یعنی موت یاد آجانے کی وجہ سے مال کی طرف کوئی رغبت نہیں رہتی اور مال کو فانی سمجھنے لگتا ہے اس لئے اس وقت زیادہ مال بھی نظروں میں حقیر ہوجانے کی وجہ سے کم ہی محسوس ہوتا ہے) اور جب مال کی کمی میں موت یاد آجاتی ہے تو وہ مال کو زیادہ کردیتی ہے (یعنی جب موت یاد آتی ہے تو دنیا کو فانی سمجھ کر کم مال پر قناعت کرتا ہے اس لئے تھوڑا مال بھی زیادہ معلوم ہونے لگتا ہے۔

اللہ سے حیا کرنے کا حق

⑩ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ یَوْمٍ لِاَصْحَابِهٖ اسْتَحْیُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَیَاءِ قَالُوْا

انَّا نَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ مَنِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ فَلْيَحْفَظِ الرَّاْسَ وَمَا وَعٰى وَلْيَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَلْيَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ "اللہ سے حیا کرو جیسا کہ حیا کا حق ہے (یعنی جس طرح اللہ سے حیا کرنی واجب ہے) اور جس حیا کا وہ لائق ہے اس حیا کا حق ادا کرو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا جو حق ہے اس حق کو ادا کرو) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! ہم بلاشبہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں (بایں طور کہ فی الجملہ اس کے اوامر ونواہی پر عمل کرتے ہیں) اور تعریف اللہ کے لئے ہے (یعنی خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں یہ توفیق عطا فرمائی ہے" آنحضرت ﷺ نے فرمایا" حیا کا حق یہ نہیں ہے جیسے تم یہ کہتے ہو کہ ہم خدا سے حیا کرتے ہیں بلکہ (حیا کا حق تو یہ ہے کہ) جو شخص اللہ سے حیا کرنے میں حیا کا حق ادا کرے تو اسے چاہئے کہ وہ سر کی اور جو کچھ سر کے ساتھ ہے اس کی محافظت کرے پیٹ کی اور جو کچھ پیٹ کے ساتھ ہے اس کی محافظت کرے اور اسے چاہئے کہ موت کو اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کو یاد رکھے، اور جو شخص آخرت کی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے وہ دنیا کی زینت و آرائش کو چھوڑ دیتا ہے" لہٰذا جس شخص نے یہ (مذکورہ بالا ہدایت پر عمل) کیا اس نے اللہ تعالیٰ سے حیا کی اور حق حیا ادا کیا" احمد و ترمذیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "سر کی محافظت کا مطلب یہ ہے کہ سر جسے خدا نے شرف مکرمت سے نوازا ہے خدا کے علاوہ کسی اور کے کام نہ آئے۔ سر کو جسے خدا نے انسانی تقدس عطا فرمایا ہے انسان کے ہاتھوں تراشے گئے فانی بتوں اور خود انسانوں کے سامنے سجدہ ریز کر کے ذلیل نہ کیا جائے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے اور اپنی دینداری کا سکہ جمانے کے لئے نماز نہ پڑھی جائے۔ سر کو خدا کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے جھکایا نہ جائے۔ اور سر کو ازراہ غرور و تکبر بلند نہ کیا جائے۔

"سر کے ساتھ" کی چیزوں سے مراد ہیں، زبان، آنکھ، اور کان اور ان چیزوں کی محافظت کا مطلب یہ ہے کہ ان اعضاء کو گناہ سے بچایا جائے، جیسے زبان کو غیبت میں مبتلا نہ کیا جائے اور نہ جھوٹ بولا جائے، آنکھ سے نامحرم اور گناہ کی چیزیں نہ دیکھی جائیں اور کان سے کسی کی غیبت اور جھوٹ مثلاً کہانی وغیرہ نہ سنی جائے۔

"پیٹ کی محافظت" کا مطلب یہ ہے کہ حرام اور مشتبہ چیزیں نہ کھائی جائیں۔

"پیٹ کے ساتھ چیزوں سے جسم کے وہ حصے اور اعضاء مراد ہیں جو پیٹ سے ملے ہوئے ہیں، جیسے ستر، ہاتھ پاؤں اور دل وغیرہ، مطلب یہ ہے کہ جسم کے ان اعضاء اور حصوں کی بھی گناہ سے محفوظ رکھا جائے مثلاً ستر کو حرام کاری میں مبتلا نہ کیا جائے، گناہ و فواحش کی جگہ جیسے، میلے، تماشے، ناچ گانے میں نہ جایا جائے کہ اس طرح پاؤں معصیت سے محفوظ رہیں گے ہاتھوں سے کسی کو کسی بھی طرح کی ایذا نہ پہنچائی جائے۔ جیسے نہ تو کسی کو مارے پیٹے، نہ کسی کا مال چوری کر کے یا چھین کر لے اور نہ نامحرم کو ہاتھ لگائے، اسی طرح دل کو برے عقیدوں، گندے خیالات اور خدا کے علاوہ کسی دوسرے کی یاد سے پاک رکھا جائے۔

آخر میں انسان کے جسم خاکی کے فانی ہونے کا احساس دلایا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اس بات کو کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ آخرت کا ایک نہ ایک دن اس دنیا سے تعلق ہو جائے گا اور یہ فانی جسم خواہ کتنا ہی حسین و جمیل اور باعظمت کیوں نہ ہو قبر کی آغوش میں سلا دیا جائے گا۔ جہاں گوشت تو گوشت ہڈیاں تک بوسیدہ و خاک ہو جائیں گی۔

پھر اس کے بعد وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ الخ فرما کر ایک ضابطہ بیان فرما دیا گیا ہے کہ جو شخص جانتا ہے کہ دنیا فانی ہے وہ دنیا اور دنیا کی لذات و خواہشات کو ترک کر دیتا ہے، نیز یہ کہ جو شخص آخرت کے ثواب اور وہاں کی ابدی نعمتوں اور سعادتوں کی خواہش رکھتا ہے وہ دنیا کی ظاہری زیب و زینت چھوڑ دیتا ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں پورے کمال کے ساتھ کسی ایک شخص میں یہاں تک کہ اولیا میں بھی جمع نہیں

ہوسکتیں۔

اس حدیث کو لوگوں کے سامنے زیادہ سے زیادہ بیان کرنا، اس کی اشاعت کرنا اور اس کے مفہوم و مطالب سے عوام کو باخبر کرنا بڑی سعادت اور فضیلت کی بات ہے۔ چنانچہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو کثرت کے ساتھ ذکر و بیان کرنا مستحب ہے۔

موت تحفۂ مومن ہے

(۱۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت عبداللہؓ ابن عمرو راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "مؤمن کا تحفہ موت ہے" اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مؤمن کے حق میں موت اللہ تعالیٰ کی جانب سے بمنزلہ تحفہ ہے، کیونکہ مؤمن موت کے ذریعہ آخرت کے اجر و ثواب اور وہاں کے بلند درجات کو پہنچتا ہے۔

پیشانی کے پسینے کے ساتھ مرنے کا مطلب اور اس کی حقیقت

(۱۲) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ يَمُوْتُ بِعَرَقِ الْجَبِيْنِ (رواه الترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مؤمن پیشانی کے پسینے کے ساتھ مرتا ہے۔" (ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ "پیشانی کے پسینہ کے ساتھ مرنا" جان کنی کی شدت سے کنایہ ہے جس کے سبب سے مرنے والے کے گناہ دور ہوتے ہیں اور آخرت میں اس کے مرتبے بلند ہوتے ہیں۔

بعضوں نے کہا ہے کہ یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ مؤمن تادم مرگ حلال روزی کی طلب میں مشقت و محنت اٹھاتا ہے اور عبادت میں ریاضت و مجاہدہ کرتا ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ "مرنے کے وقت پیشانی پر پسینہ آنا" سعادت و بھلائی کی علامت ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ "اس سے مراد یہ ہے کہ موت مؤمن کے لئے مشقت و شدت اور کرب و تکلیف کا سبب نہیں ہے سوائے اس کے کہ صرف اس کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

ناگہانی موت

(۱۳) وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْتُ الْفُجَاءَةِ اَخْذَةُ الْاَسَفِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ زَادَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ اَخْذَةُ الْاَسَفِ لِلْكَافِرِ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِ۔

"اور حضرت عبید اللہ ابن خالد راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ناگہانی موت (اللہ کے) غضب کی پکڑ ہے۔" (ابوداؤد) بیہقیؒ نے شعب الایمان میں اور رزینؒ نے اپنی کتاب میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ "غضب کی پکڑ کافر کے لئے ہے۔ مگر مؤمن کے لئے رحمت ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ناگہانی موت غضب خداوندی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیونکہ اچانک موت واقع ہو جانے کی صورت میں مرنے والے کو اتنی بھی مہلت نہیں ملتی کہ سفر آخرت کی تیاری کرے بایں طور کہ توبہ و استغفار کر کے اپنے گناہوں کی بخشش چاہے اور نیک و صالح اعمال کر کے بارگاہ رب العزت میں سرخروئی حاصل کرے لیکن علماء لکھتے ہیں کہ یہ یعنی "ناگہانی موت کو

غضب کی پکڑ" فرمانا کافروں کے لئے ہے اور ان لوگوں کے لئے ہے جو نیک راستہ پر نہیں ہیں جیسا کہ حدیث کے آخری الفاظ سے کہ جسے بیہقی اور رزین ؒ نے نقل کیا ہے معلوم ہوتا ہے۔ گویا حاصل کلام یہ ہوا کہ ناگہانی موت اچھے و نیک لوگوں کے لئے اچھی چیز ہے اور برے و بدکار لوگوں کے لئے بری چیز ہے۔

موت کے وقت رحمت خداوندی کی امید

⑭ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَابٍّ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَقَالَ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ اَرْجُو اللّٰهَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنِّي اَخَافُ ذُنُوْبِي فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ فِي مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا يَرْجُو وَاٰمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) نبی کریم ﷺ ایک جوان کے پاس تشریف لے گئے جو سکرات الموت میں مبتلا تھا آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "تم اپنے آپ کو کس حال میں پاتے ہو؟ (یعنی اس وقت آیا تمہارا دل رحمت خداوندی کی امید سے بھرپور ہے یا غضب خداوندی سے ہراساں وترساں؟ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں (یعنی اپنے آپ کو رحمت خداوندی کی رحمت کا امیدوار پاتا ہوں) لیکن اس کے باوجود اپنے گناہوں سے خوف زدہ (بھی ہوں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جب ایسے وقت میں بندہ کے دل میں خوف و امید (دونوں) جمع ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عنایت فرماتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہے (یعنی اپنی رحمت) اور اسے اس چیز سے (یعنی عذاب سے) امن میں رکھتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے" ترمذی ؒ، ابن ماجہ ؒ) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "ایسے وقت" سے مراد یا تو خاص طور پر سکرات الموت کا وقت ہے یا پھر ایسے اوقات بھی مراد ہیں جو سکرات الموت کے وقت کی طرح ہوتے ہیں جن میں انسان حکما بالکل موت کے کنارے پر ہوتا ہے جیسے لڑائی کا وقت یا قصاص کا وقت یا اسی قسم کے دوسرے اوقات۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

نیک اعمال میں زیادتی کے لئے درازی عمر باعث سعادت ہے

⑮ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمَنَّوُا الْمَوْتَ فَاِنَّ هَوْلَ الْمُطَّلَعِ شَدِيْدٌ وَاِنَّ مِنَ السَّعَادَةِ اَنْ يَطُوْلَ عُمْرُ الْعَبْدِ وَيَرْزُقَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْاِنَابَةَ (رواہ احمد)

"اور حضرت جابر ؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "موت کی آرزو نہ کرو کیونکہ جان کنی کا خوف سخت ہے، بیشک یہ نیک بختی ہے کہ بندہ کی عمر دراز ہو اور اللہ تعالیٰ اسے طاعات کی طرف پھیر دے۔" (احمد ؒ)

تشریح: مُطَّلَع اس بلند جگہ کو کہتے ہیں جس پر چڑھ کر کسی چیز کو دیکھتے ہیں، یہاں حدیث کے الفاظ میں "مطلع" سے مراد سکرات الموت اور اس کی سختی ہے کہ پہلے انسان اس میں گرفتار ہوتا ہے پھر مرتا ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ موت کی آرزو میں کوئی فائدہ اور نیک بختی نہیں ہے، جو شخص موت کی آرزو کرتا ہے وہ غم و آلام کی سختی دل شکستگی اور صبر و عزم کی کمی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے لہٰذا مرتے وقت ان کا غم اور اس کی دل شکستگی و مایوسی اور زیادہ ہوگی اور ایسے میں غضب خداوندی کا مستحق بھی ہوگا اس لئے موت کی آرزو سے کیا فائدہ؟ اس سے معلوم ہوا کہ بے صبری اور دل شکستگی و مایوسی کی وجہ سے موت کی آرزو ممنوع ہے ہاں دیدار الٰہی کے اشتیاق و شوق اور عالم آخرت کی محبت کی وجہ سے موت کی آرزو جائز ہے۔

حدیث کے الفاظ ان من السعادۃ سے آرزوئے موت کی ممانعت کی دوسری علت یہ بیان فرمائی جارہی ہے کہ موت کی آرزو نہ کرو کیونکہ موت تو خود ایک نہ ایک دن آنے ہی والی ہے، دنیا کی اس چند روزہ زندگی کو غنیمت جانو اور اس زندگی میں آخرت کے لئے جو کچھ توشہ تیار کرسکتے ہو کرلو، یعنی نیک اعمال کئے جاؤ تاکہ جب موت آہی جائے اور تم اس دنیا سے دار البقاء کو سدھارو تو تمہارا دامن نیک و صالح اعمال کی سعادت سے بھرپور ہو۔ اَلدُّنْیَا مَزْرَعُ الْاٰخِرَۃِ یعنی یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یہاں نیک اعمال کرو گے تو وہاں کام آئیں گے۔

(۱۶) وَعَنْ اَبِی اُمَامَۃَ قَالَ جَلَسْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَّرَنَا وَرَقَّقَنَا فَبَکٰی سَعْدُ بْنُ اَبِی وَقَّاصٍ فَاَکْثَرَ الْبُکَاءَ فَقَالَ یَا لَیْتَنِی مِتُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا سَعْدُ اَعِنْدِیْ تَتَمَنَّی الْمَوْتَ فَرَدَّدَ ذٰلِکَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ یَا سَعْدُ اِنْ کُنْتَ خُلِقْتَ لِلْجَنَّۃِ فَمَا طَالَ عُمْرُکَ وَحَسُنَ مِنْ عَمَلِکَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) ہم لوگ رسول کریم ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے، آپ ﷺ نے پند و نصیحت فرمائی اور (آخرت کا خوف دلا کر) ہمارے دلوں کو نرم کردیا، چنانچہ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ رونے لگے اور بہت روئے اور پھر کہنے لگے کہ "کاش! میں (بچپن ہی میں) مرجاتا (تو گنہ گار نہ ہوتا اور عذاب آخرت سے نجات پاتا) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "سعد! کیا تم میرے سامنے موت کی آرزو کرتے ہو؟" اور آپ ﷺ نے یہ الفاظ تین بار کہے اور پھر ارشاد فرمایا "سعد! اگر تم جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہو تو تمہاری عمر جس قدر دراز ہوگی اور جتنے اچھے اعمال ہوں گے اسی قدر تمہارے لئے بہتر ہوگا۔" (احمدؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی "کیا تم میرے سامنے موت کی آرزو کرتے ہو"؟ کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد تو موت کی آرزو کے لئے کوئی وجہ ہو سکتی ہے مگر میرے ہوتے ہوئے موت کی آرزو کیسی"؟ کیوں کہ میرے جمال باکمال کا دیدار اور میری صحبت کا شرف عظیم تمہارے لئے ہر نعمت سے بہتر اور اعلیٰ ہے اگرچہ میرے سامنے مرنے کے بعد تمہیں وہاں کے اعلیٰ مراتب اور نعمتیں ہی کیوں نہ حاصل ہوں، اور اس میں کیا شک کہ سرکار دوعالم ﷺ کے روئے مقدس اور چہرہ مبارک کے دیدار کے مرتبہ عظیم کو اور کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی۔

ایک مرد عارف سے کسی شخص نے پوچھا کہ مؤمن کے لئے جینا بہتر ہے یا مرنا؟ اس نے عارفانہ جواب دیا کہ "زمانہ نبوت میں جب کہ سرکار دوعالم ﷺ کے جمال جہاں آرا کے دیدار کی نعمت عظمیٰ حاصل تھی) مؤمن کے لئے جینا بہتر تھا اور اب ان کے بعد تو مرنا ہی بہتر ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کے بعد دوسری شق ذکر نہیں فرمائی گئی ہے جو گویا یہاں محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ وَاِنْ کُنْتَ خُلِقْتَ لِلنَّارِ فَلَاخَیْرَ فِیْ مَوْتِکَ وَلَا یَحْسُنُ الْاِسْرَاعُ اِلَیْہِ یعنی اور اگر تم (نعوذ باللہ) آگ کے لئے پیدا کئے گئے ہو تو جب بھی نہ مرنے میں بھلائی ہے اور نہ موت کے لئے جلدی کرنی اچھی بات ہے۔

حضرت خبابؓ کا واقعہ

(۱۷) وَعَنْ حَارِثَۃَ بْنِ مُضَرِّبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی خَبَّابٍ وَقَدِ اکْتَوٰی سَبْعًا فَقَالَ لَوْلَا اَنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَتَمَنَّ اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ لَتَمَنَّیْتُہٗ وَلَقَدْ رَاَیْتُنِیْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَمْلِکُ دِرْھَمًا وَاِنَّ فِیْ جَانِبِ بَیْتِی الْاٰنَ لَاَرْبَعِیْنَ اَلْفَ دِرْھَمٍ قَالَ ثُمَّ اُتِیَ بِکَفَنِہٖ فَلَمَّا رَاٰہُ بَکٰی وَقَالَ لٰکِنْ حَمْزَۃُ لَمْ یُوْجَدْ لَہٗ کَفَنٌ اِلَّا بُرْدَۃٌ مَلْحَاءُ اِذَا جُعِلَتْ عَلٰی رَاْسِہٖ قَلَصَتْ عَنْ قَدَمَیْہِ وَاِذَا جُعِلَتْ عَلٰی قَدَمَیْہِ قَلَصَتْ عَنْ رَاْسِہٖ حَتّٰی مُدَّتْ عَلٰی رَاْسِہٖ وَجُعِلَ عَلٰی قَدَمَیْہِ الْاِذْخِرُ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَذْکُرْ ثُمَّ اُتِیَ بِکَفَنِہٖ اِلٰی اٰخِرِہٖ۔

"اور حضرت حارثہ ابن مضرب (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں حضرت خبابؓ (صحابی) کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ (وہ بیمار تھے) اور انہوں نے اپنے بدن پر سات جگہ داغ لگوائے تھے چنانچہ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ "اگر میں نے رسول پاک ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نہ سنا ہوتا "تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے" تو میں ضرور موت کی آرزو کرتا۔ میں نے رسول کریم ﷺ کے ہمراہ اپنے تئیں دیکھا ہے میں ایک درہم کا مالک بھی نہیں تھا اور اب یہ حال ہے کہ میرے گھر کے کونے میں چالیس ہزار درہم پڑے ہیں" حضرت حارثہؒ فرماتے ہیں کہ پھر حضرت خبابؓ کے پاس ان کا کفن لایا گیا (جو بہت اعلیٰ اور نفیس تھا) جب انہوں نے اسے دیکھا تو رونے لگے اور فرمایا کہ اگرچہ یہ کفن جائز ہے لیکن) حضرت امیر حمزہؓ کو (پورا) کفن نہیں ملا صرف ایک سیاہ اور سفید دھاری والی چادر تھی اور (وہ بھی اتنی چھوٹی تھی) جب ان کے سر پر اڑھائی جاتی تو پیر کھل جاتے تھے اور جب ان کے پیر پر ڈالی جاتی تھی تو سر کھل جاتا تھا۔ آخر کار اس چادر سے سر کو ڈھانک دیا گیا اور پیروں کو "اذخر" سے چھپایا گیا" اس روایت کو احمدؒ اور ترمذیؒ نے نقل کیا ہے لیکن ترمذیؒ نے ثُمَّ اُتِیَ بِکَفَنِہٖ سے آخر تک الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔"

تشریح: حضرت خبابؓ ابن ارت جلیل القدر صحابی ہیں پہلے اسلام لانے والوں میں شمار کئے جاتے تھے یہی وہ مرد حق آگاہ ہیں جنہوں نے کفار کے ظلم و ستم کے اس خشمگیں ماحول میں سب سے پہلے اپنے اسلام کا اظہار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے انتہا تکلیف و سختیوں اور ظلم ستم میں مبتلا کئے گئے حضرت خبابؓ بدر اور دوسرے جہادوں میں شریک ہوئے ہیں اور ۳۷ھ میں واصل بحق ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔

"بدن پر داغ لگوانے" اس زمانہ میں بہت سے امراض میں ایک معروف علاج تھا۔ ایک موقع پر اس سے منع فرمایا گیا ہے مگر بعض علماء نے وضاحت کی ہے کہ یہ ممانعت اس لئے فرمائی گئی تھی کہ اس طریقہ علاج کو اختیار کرنے والے یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اسی سے شفا ہوتی ہے لہٰذا اگر یہ صورت نہ ہو بلکہ اعتقاد یہ ہو کہ یہ طریقہ علاج تو صرف ایک ظاہر سبب کے درجہ میں ہے شفا دینے والا اللہ ہی ہے تو پھر اس طریقہ علاج کو اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، یا یہ کہا جائے گا کہ یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ فی الواقع اس طریقہ علاج کی ضرورت و حاجت نہ ہو۔

حضرت خبابؓ کی طرف سے آرزوئے موت یا تو اس لئے تھی کہ وہ اس مرض کی شدت سے کہ جس کے لئے انہوں نے داغ لگوائے تھے بہت زیادہ بے قرار و بیتاب تھے یا پھر اس کی وجہ ان کی تونگری اور مالداری تھی کہ ان کا یہ احساس تھا کہ مال و زر یہ افراط و بہتات کہیں میرے پائے استقامت میں کوئی لغزش پیدا نہ کردے جس کی وجہ سے میں آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤں اور یہی وجہ زیادہ صحیح ہے کہ کیونکہ ان کے یہ الفاظ وَلَقَدْ رَأَیْتُنِی الخ اس پر دلالت کرتے ہیں۔

حضرت حمزہؓ عبدالمطلب کے صاحبزادے اور آنحضرت ﷺ کے چچا تھے، جنگ احد میں آپ نے شہادت پائی اور سید الشہداء کے لقب سے یاد فرمائے گئے۔

"اذخر" وہاں کی ایک گھاس کا نام ہے جو خوشبودار ہوتی ہے۔ یہ گھاس چھت کے تختوں پر بچھائی جاتی ہے اور دوسری بہت سی ضروریات میں بھی استعمال کی جاتی ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صبر کرنے والا مفلس و تنگ دست، شکر کرنے والے مالدار سے افضل ہے کیونکہ حضرت خبابؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے اپنے حال پر کہ انہیں مالداری و تونگری حاصل تھی اور ظاہر ہے کہ ان کے شاکر ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں تھا۔ تاسف کیا"۔

بَابُ مَا يُقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَهُ الْمَوْتُ

قریب المرگ کے سامنے جو چیز پڑھی جاتی ہے اس کا بیان

قریب المرگ سے مراد وہ مریض ہے جس پر علامات موت ظاہر ہونے لگیں اور علماء نے لکھا ہے کہ علامات موت یہ ہیں کہ مریض کے پاؤں سست ہو جاتے ہیں کہ اگر انہیں کھڑا کیا جائے تو کھڑے نہ ہو سکیں، ناک کا نانسہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے کنپٹیاں بیٹھ جاتی ہیں اور بیضتین کا پوست لٹک جاتا ہے۔

قریب المرگ کے پاس پڑھی جانے والی چیز سے مراد ہے کلمہ طیبہ یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی تلقین، سورہ یٰسین کی تلاوت، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا اور دعائے مغفرت وغیرہ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

قریب المرگ کو تلقین

(۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (رواہ مسلم)

"حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو لوگ قریب المرگ ہوں انہیں (کلمہ) لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔" (مسلمؒ)

تشریح: "تلقین" کے معنی پڑھنا ہیں تلقین سے مراد قریب المرگ کے روبرو کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھنا، تاکہ وہ بھی سن کر پڑھے مگر قریب المرگ سے نہ کہا جائے کہ تم بھی پڑھو مبادا کہ شدت مرض یا بد حواسی کے سبب اس کے منہ سے انکار نکل جائے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ تلقین مستحب ہے۔

مریض و قریب المرگ کے سامنے بھلائی کے کلمات ہی کہے جائیں

(۲) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِیْضَ اَوِالْمَیِّتَ فَقُوْلُوْا خَیْرًا فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ یُؤَمِّنُوْنَ عَلٰی مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (رواہ مسلمؒ)

"اور حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم کسی مریض کے پاس یا قریب المرگ کے پاس جاؤ تو منہ سے خیر و بھلائی کے کلمات نکالو کیونکہ تمہاری زبان سے جو کچھ نکلتا ہے (خواہ دعائے خیر و بھلائی ہو یا دعاء شر و بد) فرشتے آمین کہتے ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے لفظ "میت" سے میت حکمی یعنی قریب المرگ بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور میت حقیقی یعنی وہ مردہ بھی مراد ہو سکتا ہے لہٰذا اگر میت حکمی مراد ہو گا تو لفظ "او" راوی کے شک کے اظہار کے لئے ہو گا اور اگر میت حقیقی مراد لیا جائے تو لفظ "او" تنویع کے لئے ہو گا۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مریض و قریب المرگ کے سامنے اپنی زبان سے خیر و بھلائی کے کلمات ادا کرو بایں طور کہ اپنے لئے تو خیر کی، مریض کے لئے شفا کی اور میت کے لئے مغفرت کی دعا کرو۔

مصیبت کے وقت صبر و رضا کا اجر

(۳) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُسْلِمٍ تُصِيْبُهٗ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ مَا اَمَرَهُ اللّٰهُ بِهٖ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اٰجِرْنِىْ فِىْ مُصِيْبَتِىْ وَاخْلُفْ لِىْ خَيْرًا مِنْهَا اِلَّا اَخْلَفَ اللّٰهُ لَهٗ خَيْرًا مِنْهَا فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ اَىُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِنْ اَبِىْ سَلَمَةَ اَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اِنِّىْ قُلْتُهَا فَاَخْلَفَ اللّٰهُ لِىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب کوئی مسلمان کسی (چھوٹی یا بڑی) مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق یہ الفاظ کہتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ہم خدا ہی کے ہیں اور اسی طرف ہم کو واپس جانا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اٰجِرْنِىْ فِىْ مُصِيْبَتِىْ وَاخْلُفْ لِىْ خَيْرًا مِنْهَا اے اللہ! میری مصیبت پر مجھے ثواب دے اور (اس مصیبت میں) جو چیز میرے ہاتھ سے گئی ہے اس کا نعم البدل عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے اس چیز کا بہتر بدلہ عطا فرماتا ہے حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب ابو سلمہؓ (یعنی میرے پہلے شوہر) کا انتقال ہوا تو میں نے کہا کہ "ابو سلمہؓ سے بہتر کون مسلمان ہوگا، وہ ابو سلمہؓ جنہوں نے سب سے پہلے مع اہل و عیال کے آنحضرت ﷺ کی طرف ہجرت کی اور پھر میں نے مذکورہ بالا کلمات کہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ابو سلمہؓ کے بدلے میں آنحضرت ﷺ کو عطا فرمایا (یعنی میں آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئی)۔" (مسلمؒ)

تشریح: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ "ہم اور جو چیزیں کہ ہماری کہلائی ہیں سب خدا ہی کی ملکیت اور اس کی پیدا کی ہوئی ہیں اور ہم لوٹ کر اسی طرف جانے والے ہیں گویا اس آیت میں یہ تسلیم و اقرار ہے کہ خود ہماری جان اور ہماری ذات اور وہ چیزیں جن کا ہم اپنے مالک کو سمجھتے ہیں اور وہ ہمارے تصرف و اختیار میں ہیں اور ہماری طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے وہ سب کی سب حقیقت میں خدا ہی کی ملکیت میں ہے ہمارے پاس تو وہ صرف عاریتاً ہیں۔ خدا ہی کی طرف سے ہماری ابتداء ہوئی ہے اور اس کی طرف ہماری انتہا بھی ہے۔

لہٰذا جو شخص اس مضمون کو اپنے قلب و دماغ میں راسخ کرے اور جس مصیبت میں وہ مبتلا ہو اس مصیبت پر صبر و رضا کے دامن کو پکڑے رہے تو اس کے لئے وہی مصیبت کی ہر مصیبت آسان و سہل ہو جاتی ہے لیکن اتنی بات جان لینی چاہئے کہ مصیبت و بلاء پر جزع و فزع کے ساتھ اس آیت کو محض زبان سے ادا کرنا چنداں مفید نہیں ہے۔

اگر کسی شخص کو یہ اشکال پیدا ہو اکہ مذکورہ بالا آیت و کلمات کے پڑھنے کا حکم بیان نہیں فرمایا تو پھر ارشاد گرامی کے اس جزء، فَيَقُوْلُ مَا اَمَرَهُ اللّٰهُ بِهٖ (اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق یہ کہے) کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کا جواب مختصر طور پر یہ ہوگا کہ جب اس آیت اور مذکورہ بالا کلمات کے پڑھنے والے کی فضیلت بیان فرمادی تو گویا یہ حکم ہی فرمایا گیا ہے۔

لفظ "اجرنی" ہمزہ (الف) کے جزم اور جیم کے پیش کے ساتھ بھی منقول ہے۔ اور ہمزہ کے زبر اور جیم کے زیر کے ساتھ بھی منقول ہے۔ مگر دونوں کا معنی و مراد ایک ہی ہے۔ حضرت ام سلمہؓ کے ارشاد فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ سَلَمَةَ (جب ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا الخ) کا مطلب یہ ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث مبارک پہلے سے سن رکھی تھی، چنانچہ جب میرے خاوند ابو سلمہؓ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے وفات پائی تو آپ کے حکم کی بجا آوری کی خاطر اور اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے میں نے چاہا کہ یہی کلمات پڑھوں مگر پھر میرے دل میں یہ خیال ہوا کہ حضرت ابو سلمہؓ سے بہتر اور کون شخص ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ابو سلمہؓ کے بدلہ میں مجھے بطور خاوند عطا فرمائے گا۔ چنانچہ اُمّ سلمہؓ حضرت ابو سلمہؓ کی فضیلت بیان کرتی ہیں کہ جو لوگ ہجرت کر کے مدینہ گئے تھے۔ ان میں حضرت ابو سلمہؓ ہی وہ سب سے پہلے مرد حق آگاہ تھے جنہوں نے اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت کی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، پھر یہ

کہ حضرت ابوسلمہؓ آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد اور رضائی یعنی دودھ شریک بھائی تھے اس کے بعد حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ باوجود (اس خلجان کے میں نے مذکورہ کلمات پڑھے جس کے سبب سے مجھے دنیا و آخرت کی سب سے عظیم سعادت و فضیلت حاصل ہوئی یعنی آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئی جو افضل البشر ہیں۔

میت کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعا

④ وَعَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِیْ سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهٗ فَاَغْمَضَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الرُّوْحَ اِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ فَضَجَّ نَاسٌ مِنْ اَهْلِهٖ فَقَالَ لَا تَدْعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِی الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِیْ عَقِبِهٖ فِی الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ (میرے پہلے شوہر) حضرت ابوسلمہؓ کے پاس اس وقت تشریف لائے جب کہ ان کی آنکھیں پتھرا گئیں تھیں چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں کو بند کیا" اور فرمایا کہ جب روح قبض کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ بینائی بھی چلی جاتی ہے" ابوسلمہؓ کے اہل بیت (یہ سن کر سمجھ گئے کہ ابوسلمہؓ کا انتقال ہو گیا چنانچہ وہ سب رونے، چلانے لگے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اپنے نفسوں کے بارہ میں خیر و بھلائی ہی کی دعا کرو (یعنی واویلا اور بددعا نہ کرو) کیونکہ تم (بری یا بھلی) جس دعا کے بھی الفاظ اپنے منہ سے نکالتے ہو اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ دعا ارشاد فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِی الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِیْ عَقِبِهٖ فِی الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ اے اللہ! ابوسلمہؓ کو بخش دے اور اس کا مرتبہ بلند فرما ان لوگوں میں جو سیدھی راہ دکھائے گئے ہیں اور اس کے پسماندگان کا جو باقی رہے ہوئے لوگوں میں ہیں کارساز بن جا اور اے دونوں جہان کے پروردگار! ہمیں اور اس کو بخش دے اور اس کی قبر میں کشادگی کر اور اس کے لئے قبر کو منور فرما دے۔ آمین۔"
(مسلمؒ)

تشریح: ارشاد گرامی کے الفاظ اِنَّ الرُّوْحَ اِذَا قُبِضَ الخ کے ذریعہ گویا آپ اغماض یعنی آنکھیں بند کرنے کی علت بیان فرما رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے آنکھوں کو اس لئے بند کر دیا کہ جب روح قبض کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ بینائی بھی چلی جاتی ہے لہٰذا آنکھیں کھلی رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

وصال کے بعد آپ ﷺ پر ڈالی گئی چادر

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّیَ سُجِّیَ بِبُرْدٍ حِبَرَةٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا جب وصال ہو گیا تو آپ ﷺ کے (جسد اطہر) پر یمنی چادر ڈالی گئی۔" (بخاری و مسلمؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

آخری کلام کلمہ طیب دخول جنت کی ضمانت

⑥ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔
(رواہ ابوداؤد)

"حضرت معاذ ابن جبلؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو گا وہ جنت میں داخل ہو گا۔"
(ابوداؤدؒ)

تشریح: مراد یہ ہے کہ جو شخص آخری وقت میں پورا کلمہ طیب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اب یہ احتمال ہے کہ چاہے تو یہ دخول جنت عذاب سے پہلے دخول خاص ہے یا اپنے گناہوں کے بقدر عذاب دیئے جانے کے بعد ہو۔ لیکن پہلا ہی احتمال صحیح معلوم ہوتا ہے تاکہ ان مؤمنین میں جو کلمہ طیب پڑھتے ہوئے اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کریں اور ان مؤمنین میں کہ جن کا آخری کلام کلمۂ طیب نہ ہو امتیاز پیدا ہو جائے۔

قریب المرگ کے سامنے سورہ یٰسین پڑھنے کا حکم

⑦ وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ۔

(رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ)

"اور حضرت معقلؓ ابن یسار راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اپنے مردوں کے سامنے سورۃ یٰسین پڑھو۔"

(احمدؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "مردوں" سے مراد قریب المرگ ہیں۔ اس صورت میں سورہ یٰسین پڑھنے کی حکمت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ قریب المرگ اس سورۃ میں مذکورہ مضامین مثلاً ذکر اللہ، احوال قیامت، بعث اور اسی قسم کے دوسرے عجیب و بدیع مضامین سے لطف اندوز ہو۔

یہ بھی احتمال ہے کہ حدیث میں لفظ "مردوں" سے قریب المرگ مراد نہ ہوں بلکہ حقیقی مردے مراد ہوں اس صورت میں اس کلمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ سورہ یٰسین مردہ کے پاس اس کے گھر میں دفن سے پہلے یا دفن کے بعد اس کی قبر کے سرہانے پڑھی جائے۔

ابن مردویہؒ وغیرہ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس میت (یعنی قریب المرگ یا حقیقی میت) کے سر کے پاس سورۃ یٰسین پڑھی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر آسانی فرماتا ہے۔

ابن عدیؒ وغیرہ نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ "جو شخص اپنے والدین کی یا ان میں سے کسی ایک کی (یعنی صرف ماں کی یا صرف باپ کی) قبر پر ہر جمعہ کو جاتا ہے اور پھر وہاں سورہ یٰسین پڑھتا ہے تو صاحب قبر کے لئے سورۃ یٰسین کے تمام حروف کی تعداد کے بقدر مغفرت عطا کی جاتی ہے۔" علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں "جمعہ" سے مراد حسب ظاہر خاص طور پر "یوم جمعہ" بھی ہو سکتا ہے اور پورا ہفتہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

مسلمان میت کو بوسہ دینا جائز ہے

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ وَهُوَ مَيِّتٌ وَهُوَ يَبْكِيْ حَتّٰى سَالَ دُمُوْعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى وَجْهِ عُثْمَانَ (رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت عثمان ابن مظعون کی وفات کے بعد ان کو بوسہ دیا اور ان کی میت پر روئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے آنسو حضرت عثمان کے چہرہ پر (ٹپک کر) بہہ نکلے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: مہاجرین میں سے حضرت عثمانؓ ابن مظعون ہی کا سب سے پہلے انتقال مدینہ میں ہوا ہے چنانچہ سب سے پہلے یہی بقیع میں دفن کئے گئے جس کے بعد بقیع کو قبرستان کی حیثیت دی گئی آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک سے پتھر اٹھا کر ان کی قبر پر بطور نشان کے رکھا۔ رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان میت کو دفن کرنے سے پہلے بوسہ دینا اور مسلمان میت پر آنسوؤں کے ساتھ رونا جائز ہے۔

⑨ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ اَبَابَكْرٍ قَبَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مَيِّتٌ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ نے رسول کریم ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے جسد اطہر پر بوسہ دیا۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تجہیز و تکفین میں جلدی کرنی چاہئے

⑩ وَعَنْ حُصَيْنِ بْنِ وَحْوَحٍ اَنَّ طَلْحَةَ بْنَ الْبَرَاءِ مَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهُ فَقَالَ اِنِّي لَا اَرٰى طَلْحَةَ اِلَّا قَدْ حَدَثَ بِهِ الْمَوْتُ فَاٰذِنُوْنِي بِهِ وَعَجِّلُوْا فَاِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِجِيْفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَي اَهْلِهِ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت حصینؓ ابن وحوح فرماتے ہیں کہ طلحہؓ ابن براء بیمار ہوئے تو نبی کریم ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور (ان کے اہل بیت سے) فرمایا کہ "میرا خیال ہے کہ طلحہؓ کی موت آگئی ہے (یعنی ان پر علامات موت ظاہر ہونے لگی ہیں) لہٰذا جب ان کا انتقال ہو جائے تو مجھے (فوراً) خبر دینا۔ تاکہ میں ان کی نماز پڑھنے کے لئے آسکوں) اور تم تجہیز و تکفین اور تدفین میں جلدی کرنا کیونکہ مسلمان میت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اسے لوگوں کے درمیان روکے رکھا جائے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اگر میت کی تکفین و تدفین میں تاخیر ہو تو لاش کے سڑ جانے کا خوف ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ لاش کے سڑ جانے سے لوگ اس سے بے اعتنائی اور نفرت کا معاملہ کرتے ہیں اس صورت میں میت کی حقارت اور توہین ہوتی ہے مؤمن کو چونکہ اللہ تعالیٰ معظم و مکرم پیدا فرماتا ہے اس لئے فرمایا کہ اس کی تکفین و تدفین میں جلدی کرو تاکہ مذکورہ بالا صورت پیدا نہ ہو سکے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

قریب المرگ کو تلقین کرو

⑪ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ لِلْاَحْيَاءِ قَالَ اَجْوَدُ وَاَجْوَدُ۔ (رواہ ابن ماجہ)

"حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم لوگ قریب المرگ کو اس کلمہ کی تلقین کرو۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بردبار و بزرگ ہے پاک ہے اللہ جو عرش عظیم کا مالک ہے، تمام تعریفیں اللہ کی ہی ہیں جو دونوں جہان کا پروردگار ہے۔

صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! تندرستوں کو یہ کلمہ سکھانا کیسا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "بہتر اور بہت بہتر۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: ابن عساکرؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا "میں نے رسول کریم ﷺ سے چند کلمات سنے ہیں کہ جو شخص انہیں اپنے انتقال کے وقت پڑھ لے تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور وہ کلمات یہ ہیں۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ تین مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ تین مرتبہ اور اس کے بعد تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

مؤمن اور کافر کی روح قبض ہونے کا بیان

⑫ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَيِّتُ تَحْضُرُهُ الْمَلَائِكَةُ فَاِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَالِحًا قَالُوْا اُخْرُجِيْ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ اُخْرُجِيْ حَمِيْدَةً وَاَبْشِرِيْ بِرَوْحٍ وَرَيْحَانٍ وَرَبٍّ غَيْرِ

غَضْبَانَ فَلَا تَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَخْرُجَ ثُمَّ يُعْرَجُ بِهَا اِلَى السَّمَاءِ فَيُفْتَحُ لَهَا فَيُقَالُ مَنْ هٰذَا فَيَقُوْلُوْنَ فُلَانٌ فَيُقَالُ مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الطَّيِّبَةِ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ اُدْخُلِي حَمِيْدَةً وَاَبْشِرِيْ بِرَوْحٍ وَرَيْحَانٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ فَلَا تَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَنْتَهِيَ اِلَى السَّمَاءِ الَّتِي فِيْهَا اللّٰهُ فَاِذَا كَانَ الرَّجُلُ السُّوْءُ قَالَ اُخْرُجِي اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الْخَبِيْثِ اُخْرُجِي ذَمِيْمَةً وَاَبْشِرِيْ بِحَمِيْمٍ وَغَسَّاقٍ وَاٰخَرَ مِنْ شَكْلِهٖ اَزْوَاجٌ فَمَا تَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَخْرُجَ ثُمَّ يُعْرَجُ اِلَى السَّمَاءِ فَيُفْتَحُ لَهَا فَيُقَالُ مَنْ هٰذَا فَيُقَالُ فُلَانٌ فَيُقَالُ لَا مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الْخَبِيْثَةِ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الْخَبِيْثِ اِرْجِعِيْ ذَمِيْمَةً فَاِنَّهَا لَا تُفْتَحُ لَكِ اَبْوَابُ السَّمَاءِ فَتُرْسَلُ مِنَ السَّمَاءِ ثُمَّ تَصِيْرُ اِلَى الْقَبْرِ۔

(رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا"کہ جو شخص قریب المرگ ہوتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آتے ہیں اور اگر وہ نیک وصالح ہوتا ہے تو (اس کی روح سے رحمت کے) فرشتے کہتے ہیں کہ "اے پاک جان جو پاک بدن میں تھی! اس حال میں (جسم سے) نکل کہ (خدا اور مخلوق کے نزدیک تیری تعریف کی گئی ہے اور تجھے خوشخبری ہو (دائمی) راحت وسکون کی، جنت کے پاک رزق کی اور خدا سے ملاقات کی جو (تجھ پر) غضبناک نہیں ہے" قریب المرگ کے سامنے فرشتے برابر یہی بات کہتے ہیں یہاں تک کہ روح (خوشی خوشی) باہر نکل آتی ہے اور پھر فرشتے اسے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں، آسمان کا دروازہ اس کے لئے (فرشتوں کے کہنے سے یا پہلے ہی سے کھول دیا جاتا ہے (آسمان کے دربان) پوچھتے ہیں کہ یہ کون شخص ہے؟ اسے لے جانے والے فرشتے (اس کا نام ونسب بتا کر) کہتے ہیں کہ "یہ فلاں شخص (کی روح) ہے" پس کہا جاتا ہے کہ آفرین ہو اس جان پاک کو جو پاک بدن میں تھی اور (اے پاک جان آسمان میں) داخل ہو، اس حال میں کہ تیری تعریف کی گئی ہے اور خوشخبری ہو تجھے راحت کی، پاک رزق کی اور پروردگار سے ملاقات کی جو غضبناک نہیں ہے، اس روح سے برابر یہی بات کہی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اس آسمان پر (یعنی عرش پر) پہنچ جاتی ہے۔ جہاں اللہ رب العزت کی رحمت خاص جلوہ فرما ہے؟" اور اگر وہ برا (یعنی کافر) ہوتا ہے تو ملک الموت کہتے ہیں کہ "اے خبیث جان جو پلید بدن میں تھی اس حال میں (جسم سے، نکل کہ تیری برائی کی گئی ہے اور یہ بری خبر سن لے کہ گرم پانی، پیپ اور ان کے علاوہ دوسری طرح کے عذاب تیرے منتظر ہیں۔ اس بدبخت قریب المرگ کے سامنے بار بار یہی کہا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح (بادل نخواستہ) باہر نکل آتی ہے پھر اس آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے (تاکہ اس کی ذلت وخواری اس پر ظاہر کر دی جائے) جب اس کے لئے آسمان کے دروازے کھلوائے جاتے ہیں تو دربانوں کی طرف سے پوچھا جاتا ہے کہ "یہ کون شخص ہے؟" جواب دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص! "پس کہا جاتا ہے کہ "نفریں ہو اس خبیث جان پر جو پلید جسم میں تھی اور (اے خبیث جان) واپس چلی جا اس حال میں کہ تیری برائی کی گئی ہے اور تیرے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے" چنانچہ اسے آسمان سے پھینک دیا جاتا ہے اور وہ قبر کی طرف آجاتی ہے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: "اس کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریب المرگ کے پاس اس کی روح قبض کرنے کے لئے رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے دونوں آتے ہیں، اگر قریب المرگ نیک وصالح ہوتا ہے تو رحمت کے فرشتے اپنا کام کرتے ہیں اور قریب المرگ بدکار ہوتا ہے تو پھر عذاب کے فرشتے اپنا کام کرتے ہیں۔

"نیک وصالح" سے یا تو عمومی طور پر مؤمن مراد ہے یا پھر وہ نیک بخت مراد ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا کرتا ہے اور اس کی زندگی اطاعت وفرمانبرداری کی راہ پر گذری ہو۔

حدیث میں نیک وصالح اور کافر کی روح قبض کرنے کے بارہ میں تو تفصیل بتائی گئی ہے لیکن "فاسق" کے بارہ میں بالکل سکوت اختیار کیا گیا ہے کیونکہ فاسق کے بارہ میں کتاب وسنت کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے بارہ میں سکوت اختیار کیا جاتا ہے تاکہ وہ خوف ورجاء کے درمیان رہے۔

مؤمن اور کافر کے روح کے درمیان اس امتیاز اور فرق کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ کافر کی روح تو آسمان سے دھتکار دی جاتی ہے اور اسے ہمیشہ کے لئے اسفل السافلین میں قید کر دیا جاتا ہے بخلاف مؤمن صالح کی روح کہ اسے آزادی حاصل ہوتی ہے اور آسمان و زمین میں جہاں چاہتی ہے سیر کرتی ہے، جنت میں میوے کھاتی ہے۔ عرش کے نیچے قندیلوں کی طرف اپنی جگہ اختیار کرتی ہے، پھر یہ کہ اسے قبر میں اپنے جسم کے ساتھ بھی تعلق رہتا ہے بایں طور کہ مردہ قبر میں قرآن کی تلاوت کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے، سکوت و راحت سے لطف اندوز ہوتا ہے، دولھا کی نیند سوتا ہے اور اپنے اپنے حسب مراتب و درجات جنت میں اپنا مسکن دیکھتا رہتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ روح کا معاملہ اور برزخ کے احوال اگرچہ خوارق عادات میں سے ہیں کہ ہماری دنیاوی زندگی ان سے مانوس و متعارف نہیں لیکن اس امور کے وقوع کے بارہ میں کسی قسم کا شک و شبہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

⑫ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا خَرَجَتْ رُوْحُ الْمُؤْمِنِ تَلَقَّاهَا مَلَكَانِ يُصْعِدَانِهَا قَالَ حَمَّادٌ فَذَكَرَ مِنْ طِيْبِ رِيْحِهَا وَذَكَرَ الْمِسْكَ قَالَ وَيَقُوْلُ اَهْلُ السَّمَآءِ رُوْحٌ طَيِّبَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْاَرْضِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلٰى جَسَدٍ كُنْتِ تَعْمُرِيْنَهٗ فَيُنْطَلَقُ بِهٖ اِلٰى رَبِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ انْطَلِقُوْا بِهٖ اِلٰى اٰخِرِ الْاَجَلِ قَالَ وَاِنَّ الْكَافِرَ اِذَا خَرَجَتْ رُوْحُهٗ قَالَ حَمَّادٌ وَذَكَرَ مِنْ نَتْنِهَا وَذَكَرَ لَعْنًا وَيَقُوْلُ اَهْلُ السَّمَاءِ رُوْحٌ خَبِيْثَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْاَرْضِ فَيُقَالُ انْطَلِقُوْا بِهٖ اِلٰى اٰخِرِ الْاَجَلِ قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَرَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَيْطَةً كَانَتْ عَلَيْهِ عَلٰى اَنْفِهٖ هٰكَذَا (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب مؤمن کی روح (اس کے جسم) سے نکلتی ہے تو اسے دو فرشتے لے کر آسمان کی طرف چلتے ہیں" حماد (جو اس حدیث کو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ "اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یا ابوہریرہؓ نے اس روح کی خوشبو کا اور مشک کا ذکر کیا۔ یعنی کہ اس روح سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ (یہ الفاظ حمادؒ نے اس لئے کہے ہیں کہ انہیں وہ الفاظ بعینہ یاد نہیں رہے جو انہوں نے سنے تھے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا "(جب فرشتے مؤمن کی روح کو لے کر آسمان پر پہنچتے ہیں) تو اہل آسمان کہتے ہیں کہ پاک روح زمین سے آئی ہے، پھر وہ روح کو مخاطب کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ تجھ پر اور تیرے بدن پر کہ جس کو تو آباد رکھتی تھی اپنی رحمت فرمائے، پھر فرشتے اس کو پروردگار کے پاس (یعنی عرش پر) لے جاتے ہیں اور پروردگار یہ حکم فرماتا ہے کہ "اسے لے جاؤ اور قیامت کے دن تک کے لئے مہلت دیدو" حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کافر کی روح اس کے جسم سے باہر نکلتی ہے! حمادؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے یا ابوہریرہؓ نے اس کی بدبو کا اور لعنت کا ذکر کیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کافر کی روح آسمان پر پہنچتی ہے۔ تو اہل آسمان کہتے ہیں کہ ایک ناپاک روح زمین سے آئی ہے پھر (اس ناپاک روح کے بارہ میں) یہ فیصلہ سنایا جاتا ہے کہ "اسے لے جاؤ" اور قیامت تک کے لئے مہلت دے دو۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنی چادر کا کونا (کہ جو آپ کے جسم مبارک پر تھی) اپنی ناک پر اس طرح رکھا۔" (مسلمؒ)

تشریح: جب مؤمن کی روح کو بارگاہ رب العزت میں پیش کیا جاتا ہے تو اللہ رب العزت اس کے بارہ میں فرماتا ہے کہ اسے لے جاؤ اور قیامت کے دن تک کے لئے مہلت دے دو تاکہ وہ جنت میں یا جنت کے قریب رہے اور پروردگار کی رحمتوں سے نوازی جاتی رہے کہ پھر اس کے بعد ہمارے پاس (قیامت کے دن) اسے لوٹ کر آنا ہے جب کہ بعد الحساب اس کے لئے جنت کی دائمی سعادت کا آخری فیصلہ کیا جائے گا۔ گویا حدیث میں "اجل" سے مراد "مدت برزخ" ہے کہ جس کی انتہا یوم حساب (یعنی قیامت کا دن) ہے برزخ اس عالم کو کہا جاتا ہے جو موت سے قیامت کے دن تک کا درمیانی وقفہ ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ "اس طرح رکھا" کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی چادر کا کونہ اپنی ناک پر رکھ کر بتایا کہ

آنحضرت ﷺ نے اس طرح اپنی چادر کا کونہ اپنی ناک پر رکھا تھا۔ ناک پر اپنی چادر کا کونہ رکھنے کی وجہ یہ تھی۔ کہ گویا آنحضرت ﷺ کو ازراہ مکاشفہ کافر کی روح اور اس کی بدبو محسوس ہوئی جس کی وجہ سے آپ نے اپنی چادر کا کونہ ناک پر رکھ لیا۔

⑭ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حُضِرَ الْمُؤْمِنُ أَتَتْ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ بِحَرِيْرَةٍ بَيْضَاءَ فَيَقُوْلُوْنَ اُخْرُجِيْ رَاضِيَةً مَرْضِيًّا عَنْكِ إِلٰى رَوْحِ اللّٰهِ وَرَيْحَانٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ فَتَخْرُجُ كَأَطْيَبِ رِيْحِ الْمِسْكِ حَتّٰى أَنَّهُ لَيُنَاوِلُهُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتّٰى يَأْتُوْا بِهِ أَبْوَابَ السَّمَاءِ فَيَقُوْلُوْنَ مَا أَطْيَبَ هٰذِهِ الرِّيْحَ الَّتِيْ جَاءَتْكُمْ مِنَ الْأَرْضِ فَيَأْتُوْنَ بِهِ أَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَهُمْ أَشَدُّ فَرَحًا بِهِ مِنْ أَحَدِكُمْ بِغَائِبِهِ يَقْدَمُ عَلَيْهِ فَيَسْأَلُوْنَهُ مَاذَا فَعَلَ فُلَانٌ مَاذَا فَعَلَ فُلَانٌ فَيَقُوْلُوْنَ دَعُوْهُ فَإِنَّهُ كَانَ فِيْ غَمِّ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ قَدْ مَاتَ أَمَا أَتَاكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ قَدْ ذُهِبَ بِهِ إِلٰى أُمِّهِ الْهَاوِيَةِ فَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا احْتُضِرَ أَتَتْهُ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ بِمِسْحٍ فَيَقُوْلُوْنَ اُخْرُجِيْ سَاخِطَةً مَسْخُوْطًا عَلَيْكِ إِلٰى عَذَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَتَخْرُجُ كَأَنْتَنِ رِيْحِ جِيْفَةٍ حَتّٰى يَأْتُوْنَ بِهِ إِلٰى بَابِ الْأَرْضِ فَيَقُوْلُوْنَ مَا أَنْتَنَ هٰذِهِ الرِّيْحَ حَتّٰى يَأْتُوْنَ بِهِ أَرْوَاحَ الْكُفَّارِ۔

(رواہ احمد و النسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب مؤمن کی موت کا وقت آتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا لے کر آتے ہیں اور روح سے کہتے ہیں کہ "تو (جسد سے) نکل اس حال میں کہ تو اللہ تعالیٰ سے راضی ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی، بہترین رزق اور پروردگار کی طرف کہ جو تجھ پر غضبناک نہیں ہے چل، چنانچہ روح مشک کی بہترین خوشبو کی طرح (جسم سے) نکلتی ہے اور فرشتے اس کو (ازراہ تعظیم و تکریم) ہاتھوں ہاتھ لے چلتے ہیں یہاں تک کہ اسے لیکر آسمان کے دروازوں تک آتے ہیں، وہاں فرشتے آپس میں کہتے ہیں کہ "کیا خوب ہے یہ خوشبو جو تمہارے پاس زمین سے آرہی ہے" پھر اسے ارواح مؤمنین کے پاس علیین میں، یا جنت میں یا جنت کے دروازہ پر اور یا عرش کے نیچے کہ جہاں مؤمنین کی روحیں اپنے اپنے حسب مراتب و درجات رہتی ہیں) لاتے ہیں، چنانچہ وہ روحیں اس روح کے آنے سے اسی طرح خوش ہوتی ہیں جس طرح تم میں سے کوئی شخص اس وقت خوش ہوتا ہے جب کہ اس کے پاس اس کا غائب آتا ہے یعنی تم میں سے کوئی شخص جب سفر سے واپس آتا ہے تو جس طرح اس کے اہل و عیال اس کی واپسی پر خوش ہوتے ہیں اسی طرح آسمان میں مؤمنین کی روحیں اس وقت، بہت زیادہ خوش ہوتی ہے جب کہ کسی مؤمن کی روح زمین سے ان کے پاس آتی ہے، پھر تمام روحیں اس روح سے پوچھتیں ہیں کہ "فلاں کیا کرتا ہے اور فلاں کیا کرتا ہے؟ یعنی روحیں ان متعارفین کے بارہ میں جنہیں وہ دنیا میں چھوڑ کر آئی تھیں نام بنام پوچھتی ہیں کہ فلاں فلاں شخص کا کیا حال ہے، مگر پھر روحیں (خود) آپس میں کہتی ہیں کہ "اس روح کو چھوڑ دو (ابھی کچھ نہ پوچھو کیونکہ) یہ دنیا کے غم و الام میں تھی (جب اسے ذرہ سکون مل جائے تو پوچھنا) چنانچہ روح (جب سکون پالیتی ہے تو خود کہتی ہے) کہ فلاں شخص (جو بدکار تھا اور جس کے بارہ میں تم پوچھ رہے ہو) مرگیا، کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ چنانچہ وہ روحیں اسے بتاتی ہیں کہ تو اس کی ماں کی طرف کہ وہ دوزخ کی آگ ہے لے گئے" اور جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو عذاب کے فرشتے اس کے پاس ٹاٹ کا فرش لے کر آتے ہیں اور اس کی روح سے کہتے ہیں کہ اے روح کافر! اللہ عزوجل کے عذاب کی طرف نکل اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے ناراض ہے اور تجھ پر ناراضگی کی مار ہے، چنانچہ روح (کافر کے جسم سے) مردار کی بدبو کی طرح نکلتی ہے پھر فرشتے اسے آسمان کے دروازوں کی طرف لاتے ہیں وہاں فرشتے کہتے ہیں کہ "کتنی بری ہے یہ بدبو! پھر اس کے بعد اسے کافروں کی ارواح کے پاس لے جایا جاتا ہے۔"

(احمدؒ و نسائیؒ)

تشریح: مؤمن کی موت کے وقت رحمت کے فرشتے ریشم کا ٹکڑا غالباً اس لئے لاتے ہیں تاکہ اس کی روح کو اس میں لپیٹ کر لے جائیں۔

ماذا فعل فلان (فلاں کیا کرتا ہے) یعنی مؤمنین کی ارواح آنے والی روح مؤمن سے ان لوگوں کے بارہ میں کہ جنہیں وہ دنیا میں جانتی تھیں اور دنیا میں چھوڑ آئی تھیں پوچھتی ہیں کہ فلاں فلاں شخص کس کس حال میں ہیں؟ اور اس دریافت حال سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر

یہ معلوم ہو کہ ان کی زندگی خدا اور خدا کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزر رہی ہے تو خوش ہوں اور راہ حق پر ان کی استقامت کے لئے دعا کریں اور اگر کسی کے بارہ میں انہیں یہ معلوم ہو کہ اس کی زندگی گناہ و معصیت کے بھنور میں پھنسی ہوئی ہے تو رنج و غم کریں اور خدا سے ان کی ہدایت اور ان کی مغفرت و تحسین کی دعا مانگیں۔

حتی یا تون بہ الی باب الارض (پھر فرشتے اسے زمین کے دروازوں کی طرف لاتے ہیں) کے بارہ میں علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "زمین کے دروازوں سے مراد آسمان زمین (یعنی پہلے آسمان) کے دروازے ہیں جیسا کہ گزشتہ حدیث نمبر ۱۲ کے الفاظ ثم یعرج بھا الی السماء ولالت کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ "زمین کے دروازوں" سے مراد زمین ہو" اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کافر کی روح اسفل السافلین کی طرف پھینک دی جاتی ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک بھی دوسری صورت بہتر اور صحیح معلوم ہوتی ہے۔

"کافروں کی ارواح کے پاس لے جایا جاتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اسے کافروں کی ارواح کے پاس کہ جن کا مسکن سجین" ہے، پہنچادیا جاتا ہے۔ "سجین" جہنم کی گہرائیوں میں ایک جگہ کا نام ہے۔

⑮ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَانْتَهَيْنَا اِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدْ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ كَاَنَّ عَلَى رُءُوْسِنَا الطَّيْرَ وَفِي يَدِهِ عُوْدٌ يَنْكُتُ بِهِ فِي الْاَرْضِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ اسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ اِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا وَاِقْبَالٍ مِنَ الْاٰخِرَةِ نَزَلَ اِلَيْهِ مَلَائِكَةٌ مِنَ السَّمَاءِ بِيْضُ الْوُجُوْهِ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الشَّمْسُ مَعَهُمْ كَفَنٌ مِنْ اَكْفَانِ الْجَنَّةِ وَحَنُوْطٌ مِنْ حَنُوْطِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَجْلِسُوْا مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَيَقُوْلُ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ اُخْرُجِيْ اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ قَالَ فَتَخْرُجُ تَسِيْلُ كَمَا تَسِيْلُ الْقَطْرَةُ مِنَ السِّقَاءِ فَيَاْخُذُهَا فَاِذَا اَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوْهَا فِيْ يَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَاْخُذُوْهَا فَيَجْعَلُوْهَا فِيْ ذٰلِكَ الْكَفَنِ وَفِيْ ذٰلِكَ الْحَنُوْطِ وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَاَطْيَبِ نَفْحَةِ مِسْكٍ وُجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ قَالَ فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا فَلَا يَمُرُّوْنَ يَعْنِيْ بِهَا عَلٰى مَلَاءٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ اِلَّا قَالُوْا مَا هٰذَا الرُّوْحُ الطَّيِّبُ فَيَقُوْلُوْنَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِاَحْسَنِ اَسْمَائِهِ الَّتِيْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَهُ بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتّٰى يَنْتَهُوْا بِهَا اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَسْتَفْتِحُوْنَ لَهُ فَيُفْتَحُ لَهُمْ فَيُشَيِّعُهُ مِنْ كُلِّ سَمَاءٍ مُقَرَّبُوْهَا اِلَى السَّمَاءِ الَّتِيْ تَلِيْهَا حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهِ اِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اُكْتُبُوْا كِتَابَ عَبْدِيْ فِيْ عِلِّيِّيْنَ وَاَعِيْدُوْهُ اِلَى الْاَرْضِ فَاِنِّيْ مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيْهَا اُعِيْدُهُمْ وَمِنْهَا اُخْرِجُهُمْ تَارَةً اُخْرٰى قَالَ فَتُعَادُ رُوْحُهُ فِيْ جَسَدِهِ فَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَا دِيْنُكَ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْاِسْلَامُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْلَانِ لَهُ وَمَا عِلْمُكَ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَاٰمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ قَالَ فَيَاْتِيْهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا فَيُفْسَحُ لَهُ فِيْ قَبْرِهِ مَدَّ بَصَرِهِ قَالَ وَيَاْتِيْهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ حَسَنُ الثِّيَابِ طَيِّبُ الرِّيْحِ فَيَقُوْلُ اَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُرُّكَ هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِيْ كُنْتَ تُوْعَدُ فَيَقُوْلُ لَهُ مَنْ اَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيْءُ بِالْخَيْرِ فَيَقُوْلُ اَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ فَيَقُوْلُ رَبِّ اَقِمِ السَّاعَةَ رَبِّ اَقِمِ السَّاعَةَ حَتّٰى اَرْجِعَ اِلٰى اَهْلِيْ وَمَالِيْ قَالَ وَاِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ اِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا وَاِقْبَالٍ مِنَ الْاٰخِرَةِ نَزَلَ اِلَيْهِ مِنَ السَّمَاءِ مَلَائِكَةٌ سُوْدُ الْوُجُوْهِ مَعَهُمُ الْمُسُوْحُ فَيَجْلِسُوْنَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَيَقُوْلُ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ اُخْرُجِيْ اِلٰى سَخَطٍ مِنَ اللّٰهِ قَالَ فَتُفَرَّقُ فِيْ جَسَدِهِ فَيَنْتَزِعُهَا كَمَا يُنْتَزَعُ السَّفُّوْدُ مِنَ الصُّوْفِ

الْمَبْلُوْلِ فَيَاْخُذُهَا فَاِذَا اَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوْهَا فِيْ يَدِهٖ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَجْعَلُوْهَا فِيْ تِلْكَ الْمُسُوْحِ وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَاَنْتَنِ رِيْحِ جِيْفَةٍ وُجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا فَلَا يَمُرُّوْنَ بِهَا عَلٰى مَلَاٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ اِلَّا قَالُوْا مَاهٰذَا الرُّوْحُ الْخَبِيْثُ فَيَقُوْلُوْنَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِاَقْبَحِ اَسْمَائِهِ الَّتِيْ كَانَ يُسَمّٰى بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهٖ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيُسْتَفْتَحُ لَهٗ فَلَا يُفْتَحُ لَهٗ ثُمَّ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اُكْتُبُوْا كِتَابَهٗ فِيْ سِجِّيْنٍ فِي الْاَرْضِ السُّفْلٰى فَتُطْرَحُ رُوْحُهٗ طَرْحًا ثُمَّ قَرَاَ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْتَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ وَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَادِيْنُكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ اَنْ كَذَبَ فَافْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى النَّارِ فَيَاْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ اَضْلَاعُهٗ وَيَاْتِيْهِ رَجُلٌ قَبِيْحُ الْوَجْهِ قَبِيْحُ الثِّيَابِ مُنْتِنُ الرِّيْحِ فَيَقُوْلُ اَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُوْءُكَ هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِيْ كُنْتَ تُوْعَدُ فَيَقُوْلُ مَنْ اَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيْءُ بِالشَّرِ فَيَقُوْلُ اَنَا عَمَلُكَ الْخَبِيْثُ فَيَقُوْلُ رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ نَحْوَهٗ وَزَادَ فِيْهِ اِذَا خَرَجَ رُوْحُهٗ صَلّٰى عَلَيْهِ كُلُّ مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَكُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَاءِ وَفُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ لَيْسَ مِنْ اَهْلِ بَابٍ اِلَّا وَهُمْ يَدْعُوْنَ اللّٰهَ اَنْ يُّعْرَجَ بِرُوْحِهٖ مِنْ قِبَلِهِمْ وَتُنْزَعُ نَفْسُهٗ يَعْنِي الْكَافِرَ مَعَ الْعُرُوْقِ فَيَلْعَنُهٗ كُلُّ مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَكُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَاءِ وَتُغْلَقُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ لَيْسَ مِنْ اَهْلِ بَابٍ اِلَّا وَهُمْ يَدْعُوْنَ اللّٰهَ اَنْ لَّا يُعْرَجَ رُوْحُهٗ مِنْ قِبَلِهِمْ (رواہ احمد)

"اور حضرت براءؓ ابن عازب فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ ہم) نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ایک انصاری شخص کے جنازہ کے ساتھ چلے ہم قبر پر پہنچے (قبر تیار نہ ہونے کیوجہ سے) ابھی جنازہ سپرد خاک نہیں ہوا تھا۔ رسول کریم ﷺ ایک جگہ تشریف فرما ہو گئے ہم بھی آپ کے گرد اگرد (اس طرح) بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں (یعنی ہم بالکل خاموش سر جھکائے بیٹھے) آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ جس سے آپ ﷺ زمین کرید رہے تھے (جس طرح کہ کوئی شخص انتہائی تفکر و استغراق کے عالم میں ہوتا ہے) پھر آپ ﷺ نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور (ہمیں مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔ آپ ﷺ نے یہ دو یا تین بار فرمایا۔ اور پھر فرمایا "جب بندہ مؤمن دنیا سے اپنا تعلق ختم کرنے کو ہوتا ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے (یعنی مرنے کے قریب ہوتا ہے) تو اس کے پاس آسمان سے نہایت روشن چہرے والے فرشتے اترتے ہیں (جن کے چہرہ کی چمک دمک ایسی ہوتی ہے) گویا کہ ان کے چہرے آفتاب ہیں، ان کے ہمراہ جنّت کا (یعنی ریشمی کپڑے کا) کفن اور جنّت کی خوشبو (یعنی مشک و عنبر وغیرہ کی خوشبو) ہوتی ہے اور وہ (بسبب کمال ادب اور روح نکلنے کے انتظار میں) اس کے سامنے اتنی دور کہ جہاں تک کہ اس کی نگاہ پہنچ سکے، بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت علیہ السلام آتے ہیں اور اس کے سر کے قریب بیٹھ کر کہتے ہیں کہ "اے پاک جان! اللہ بزرگ و برتر کی طرف سے مغفرت و بخشش اور اس کی خوشنودی کی طرف پہنچنے کے لئے جسم سے) نکل!" آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ "(یہ سن کر) بندہ مؤمن کی جان (اس کے جسم سے) اس طرح (یعنی آسانی اور سہولت سے) نکل آتی ہے جس طرح کہ مشک سے پانی کا قطرہ بہہ نکلتا ہے۔ چنانچہ ملک الموت اس کو لے لیتے ہیں، جب ملک الموت اسے لے لیتے ہیں تو دوسرے فرشتے اس جان کو ملک الموت کے ہاتھ میں پلک جھپکنے کے بقدر بھی نہیں چھوڑتے یعنی غایت اشتیاق کی بنا پر فوراً اس جان کو ملک الموت کے ہاتھوں سے (اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور اس کو اس کفن میں اور اس خوشبو میں (کہ جسے وہ اپنے ہاتھ میں لائے تھے) رکھ لیتے ہیں، اور اس جان سے بہترین وہ خوشبو نکلتی ہے جو روئے زمین پر (زمین کے پیدا ہونے سے لیکر اس کی فنا تک) پائی جانے والی مشک کی بہترین، خوشبوؤں کے مانند ہوتی ہے" آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ "پھر وہ فرشتے اس جان کو لے کر آسمان کی طرف

چلتے ہیں، چنانچہ جب وہ فرشتے اس جان کو لے کر آسمان کی طرف چلتے ہیں، تو (زمین و آسمان کے درمیان موجود) فرشتوں کی کسی بھی جماعت کے قریب سے گزرتے ہیں تو وہ جماعت پوچھتی ہے کہ "یہ پاک روح کون ہے؟" وہ فرشتے جو اس روح کو لے جا رہے ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ "فلاں شخص فلاں کا بیٹا (یعنی اس کی روح) ہے" اور وہ فرشتے اس کو بہترین نام و لقب (اور اس کے اوصاف) بتاتے ہیں جن کے ذریعہ اہل دنیا اس کا ذکر کرتے ہیں (اسی طرح سوال و جواب ہوتا رہتا ہے) یہاں تک کہ وہ فرشتے اس کو لے کر آسمان دنیا (یعنی پہلے آسمان) تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں جو ان کے لئے کھول دیا جاتا ہے (اسی طرح ہر آسمان کا دروازہ اس کے لئے کھولا جاتا ہے) اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ساتوں آسمانوں تک (اسی اعزاز و اکرام کے ساتھ) پہنچا دیا جاتا ہے "پس اللہ عزوجل (فرشتوں سے) فرماتا ہے کہ "اس بندہ کا نامہ اعمال علیین میں رکھو اور اس جان کو زمین کی طرف (یعنی اس کے بدن میں جو زمین میں مدفون ہے واپس لے جاؤ (تاکہ یہ اپنے بدن میں پہنچ کر قبر کے سوال و جواب کے لئے تیار رہے) کیونکہ بیشک میں نے زمین ہی سے جسموں کو پیدا کیا ہے اور زمین ہی میں ان کو (یعنی اجسام و ارواح کو) واپس بھیجتا ہوں اور پھر زمین ہی سے ان کو دوبارہ نکالوں گا" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اس کے بعد وہ جان اپنے جسم میں پہنچا دی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے (یعنی منکر و نکیر) آتے ہیں جو اسے بٹھلاتے ہیں اور پھر سوال کرتے ہیں کہ "تیرا رب کون ہے؟ بندہ مؤمن جواب دیتا ہے "میرا رب اللہ ہے) پھر وہ پوچھتے ہیں کہ "تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے" پھر وہ پوچھتے ہیں کہ یہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) کون ہیں جو تمہارے درمیان بھیجے گئے تھے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں" وہ پوچھتے ہیں کہ یہ تم نے کیسے جانا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں" وہ جواب میں کہتا ہے کہ "میں نے خدا کی کتاب کو پڑھا، اس پر ایمان لایا۔ اور دل سے اسے) سچ جانا (جس کی وجہ سے (مجھے آنحضرت ﷺ کا رسول ہونا معلوم ہوا) پھر ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے (یعنی خدا کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ) میرا بندہ سچا ہے اس کے لئے جنت کا بستر بچھاؤ اسے جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "چنانچہ اس کی طرف جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس سے اسے جنت کی ہوا اور خوشبو آتی رہتی ہے۔ پھر اس کی قبر کو حد نظر تک کشادہ کر دیا جاتا ہے "آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اس کے بعد اس کے پاس ایک خوبصورت شخص اچھے کپڑے پہنے اور خوشبو لگائے آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ "خوشخبری ہو تجھے اس چیز کی جو تجھے خوش کرنے والی ہے۔ یعنی تیرے لئے وہ نعمتیں تیار ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا) آج وہ دن ہے جس کا (دنیا میں) تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا" بندہ مؤمن اس سے پوچھتا ہے کہ "تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ حسن و جمال میں کامل ہے، اور تم بھلائی کو لائے ہو، اور اس کی خوشخبری سناتے ہو، وہ شخص جواب دیتا ہے کہ "میں تیرا نیک عمل ہوں (جو اس شکل و صورت میں آیا ہوں) بندہ مؤمن (یہ سن کر) کہتا ہے "اے میرے پروردگار! قیامت قائم کر دے! اے میرے پروردگار قیامت قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل و عیال کی طرف جاؤں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اور جب بندہ کافر دنیا سے اپنا تعلق ختم کرنے اور آخرت کی طرف جانے کو ہوتا ہے (یعنی اس کی موت کا وقت قریب آتا ہے) تو اس کے پاس سے آسمان سے (عذاب کے) کالے چہرے والے فرشتے آتے ہیں ان کے ساتھ ٹاٹ ہوتا ہے اور وہ اتنی دور کہ جہاں تک نگاہ پہنچ سکے بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آتا ہے اور اس کے سر کے قریب بیٹھ کر کہتا ہے کہ "اے خبیث جان! خدا کی طرف سے عذاب (میں مبتلا کئے جانے کے لئے جسم سے باہر) نکل"! آپ ﷺ نے فرمایا (کافر کی روح یہ سن کر) اس کے جسم میں پھیل جاتی ہے (یعنی روح کافر جب عذاب خداوندی کے آثار دیکھتی ہے تو اس کے خوف سے اپنے جسم سے نکلنے کے لئے تیار نہیں ہوتی بلکہ پورے جسم میں چھپی چھپی پھرتی ہے بخلاف مؤمن کی روح کے کہ وہ انوار الٰہی اور پروردگار کے کرم کے آثار دیکھ کر جسم سے خوشی خوشی نکل آتی ہے) چنانچہ ملک الموت اس روح کو سختی اور زور سے باہر نکالتا ہے جیسا کہ تر صوف سے آنکڑا کھینچا جاتا ہے (یعنی جس طرح تر صوف سے آنکڑا بڑی سختی اور مشکل سے کھینچا جاتا ہے اور اس سختی سے کھینچنے کی وجہ سے صوف کے کچھ اجزاء اس آنکڑا سے لگے ہوئے باہر آجاتے ہیں تو یہ حال ہوتا ہے کہ جیسے کہ روح کے ساتھ رگوں کے کچھ اجزاء لگے ہوئے باہر آگئے ہیں) جب ملک الموت اس روح کو پکڑ لیتا ہے

دوسرے فرشتے اس روح کو ملک الموت کے ہاتھ پلک جھپکنے کے بقدر بھی نہیں چھوڑتے بلکہ اسے لے کر ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں اس روح میں سے ایسے (سڑے ہوئے) مردار کی بدبو نکلتی ہے جو روئے زمین پر پایا جائے۔ وہ فرشتے اس روح کو لے کر آسمان کی طرف چلتے ہیں چنانچہ جب وہ فرشتوں کی کسی جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ جماعت پوچھتی ہے کہ "یہ کون ناپاک روح ہے؟ وہ فرشتے جو اسے لے جا رہے ہوتے ہیں جواب دیتے ہیں کہ "یہ فلاں شخص کا بیٹا ہے (یعنی فلاں شخص کی روح ہے) اور اس کے برے برے نام برے اوصاف کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں کہ جن نام و اوصاف سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا، یہاں تک کہ جب اسے آسمان سے دنیا تک پہنچا دیا جاتا ہے اور اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھولنے کے لئے کہا جاتا ہے تو اس کے واسطے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے (استدلال کے بطور پر) یہ آیت پڑھی: لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ان (کافروں) کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا) پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اس روح کا اعمال نامہ سجین میں لکھ دو جو سب سے نیچے کی زمین ہے" چنانچہ کافر کی روح (نیچے) پھینک دی جاتی ہے، پھر آنحضرت ﷺ نے (استدلال کے طور پر) یہ آیت تلاوت فرمائی وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ جس شخص نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ ایسا ہے جیسے آسمان سے (یعنی ایمان و توحید کی بلندی سے کفر و شرک کی پستی میں) گر پڑا۔ چنانچہ اسے پرندے اچک لیتے ہیں (یعنی وہ ہلاک ہو جاتا ہے) یا ہوا اسے (اڑا کر) دور پھینک دیتی ہے (یعنی رحمت خداوندی سے دور ہو جاتا ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسے شیطان نے گمراہی میں ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ مقام قرب سے دور جا پڑا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا) اس کی روح اس کے جسم میں آجاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ "تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ "ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا" پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ "تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا" پھر وہ فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ "یہ شخص (یعنی آنحضرت ﷺ) جو تمہارے درمیان بھیجے گئے تھے کون ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا!" (اس سوال و جواب کے بعد) پکارنے والا آسمان کی طرف سے پکار کر کہتا ہے کہ "یہ جھوٹا ہے لہٰذا اس کے لئے آگ کا بچھونا بچھاؤ اور اس کیلئے دوزخ کی طرف دروازہ کھول دو!" چنانچہ (اس کیلئے دوزخ کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے) جس سے اس کے پاس دوزخ کی گرمی اور اس کی گرم ہوا آتی رہتی ہے اور اس کیلئے اس کی قبر اس پر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ (دونوں کنارے مل جانے سے) اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر اور ادھر کی ادھر نکل جاتی ہیں۔ پھر اس کے پاس ایک بدصورت شخص آتا ہے جو برے کپڑے پہنے ہوئے ہوتا ہے اور اس سے بدبو آتی رہتی ہے اور وہ اس سے کہتا ہے کہ "تو وہ بری خبر سن، جو تجھے رنج و غم میں مبتلا کر دے، آج وہ دن ہے جس کا تجھ سے (دنیا میں) وعدہ کیا گیا تھا۔" وہ پوچھتا ہے کہ "تو کون ہے؟ تیرا چہرہ انتہائی برا ہے جو برائی لئے ہوئے آیا ہے" وہ شخص کہتا ہے کہ تیرا برا عمل ہوں (یہ سن کر) مردہ کہتا ہے کہ "اے میرے پروردگار! تو قیامت قائم نہ کیجئے

ایک اور روایت میں اسی طرح منقول ہے مگر اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "جب مؤمن کی روح (اس کے جسم سے) نکلتی ہے تو ہر وہ فرشتہ جو آسمان و زمین کے درمیان ہے اور ہر وہ فرشتہ جو آسمان میں ہے اس پر رحمت بھیجتا ہے۔ اس لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور (ہر آسمان کا) ہر دروازہ والا (فرشتہ) اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرتا ہے کہ اس مؤمن کی روح اس کی طرف سے آسمان پر لے جائی جائے (تاکہ وہ اس مؤمن کی روح کے ساتھ چلنے کا شرف حاصل ہو سکے) اور کافر کی روح رگوں کے ساتھ نکالی جاتی ہے چنانچہ زمین و آسمان کے درمیان تمام فرشتے اور وہ فرشتے جو (پہلے آسمان کے) ہیں اس پر لعنت بھیجتے ہیں اس کے لئے آسمان کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور پہلے آسمان کے) تمام دروازے والے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ (اس کافر) کی روح ان کی طرف سے نہ چڑھائی جائے۔"

(احمدؒ)

تشریح: حدیث کے الفاظ فتخرج تسیل کما تسیل القطرۃ من السقاء سے تو یہ معلوم ہوا کہ بندہ کی جان بڑی آسانی اور سہولت کے ساتھ نکلتی ہے جب کہ ایک اور روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جان نکلنے کے معاملہ میں مؤمن بھی بڑی سختی اور کرب میں مبتلا ہوتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں روایتوں میں تطبیق یوں پیدا کی جاتی ہے کہ مؤمن کی روح تو جسم سے نکلنے سے پہلے سختی میں مبتلا ہوتی ہے اور جسم سے نکلنے کے وقت آسانی و سہولت سے باہر آجاتی ہے مگر بخلاف کافر کی روح کے کہ اس کی روح جسم سے نکلتے وقت بھی بڑی سختی اور کرب میں مبتلا ہوتی ہے۔

اس حدیث میں بتایا ہے کہ مؤمن کی روح ساتویں آسمان تک پہنچائی جاتی ہے جب کہ ایک روایت دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ روح مؤمن عرش تک پہنچائی جاتی ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ بعض روحیں ساتویں آسمان تک پہنچائی جاتی ہوں اور بعض روحوں کو عرش تک لے جایا جاتا ہو۔

"علیین" ایک جگہ کا نام ہے جو ساتویں آسمان پر واقع ہے اور جس میں نیک لوگوں کے اعمال نامے رہتے ہیں۔

حدیث میں منکر نکیر کا تیسرا سوال اس طرح نقل کیا گیا ہے، "(یعنی آنحضرت ﷺ) جو تمہارے درمیان بھیجے گئے تھے کون ہیں؟ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں سے تو اسی طرح سوال کیا جاتا ہو اور بعض لوگوں سے اس طرح پوچھا جاتا ہو کہ "تمہارا نبی کون ہے؟ جیسا کہ ایک دوسری روایت میں منقول ہے۔

حتی ارجع الی اھلی و مالی (تاکہ میں اپنے اہل و عیال کی طرف جاؤں) میں "اہل" سے مراد حوریں اور خدام ہیں اور "مال" سے "محل" جنت کے باغ اور وہاں کی از قسم مال دوسری چیزیں مراد ہیں، یا پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ "اہل" سے مراد مؤمن کے اہل قرابت اور مال سے مراد حور و قصور وغیرہ ہیں۔ واللہ اعلم

"سجین" ساتویں زمین کے نیچے دوزخ کی گہرائیوں کا ایک جگہ کا نام ہے جہاں دوزخیوں کے نامہ اعمال رکھے جاتے ہیں چنانچہ حدیث کے الفاظ اکتبوا کتابہ فی سجین فی الارض السفلی میں اس طرف اشارہ ہے کہ دوزخ ساتویں زمین کے نیچے ہے"۔

خدا کے باغی اور سرکش لوگوں کو اپنی آغوش میں قبر کس دردناک طریقہ سے بھینچتی ہے؟ یہ تو آپ کو اس حدیث سے معلوم ہوا لیکن بعض مؤمنین بلکہ اکابر موحدین یعنی اولیاء اللہ کے لئے بھی "ضغط" (قبر کا بھینچنا) ثابت ہے مگر اس کی کیفیت یہ نہیں ہوتی بلکہ مؤمن کے لئے قبر اپنے دونوں کنارے اس طرح ملاتی ہے، جیسے کوئی ماں انتہائی اشتیاق و محبت کے عالم میں اپنے بچے کو گلے لگاتی ہے۔

دوسری روایت کے الفاظ "کافر کی روح رگوں کے ساتھ نکالی جاتی ہے" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کافر کی روح اپنا جسم بہت مشکل اور بڑی سختی سے چھوڑتی ہے۔ چونکہ اسے اپنے جسم سے کمال تعلق ہوتا ہے اور وہ جسم سے نکلنا نہیں چاہتی اس لئے موت کا فرشتہ اسے کھینچ کر باہر نکالتا ہے۔

عالم برزخ میں مؤمن کی روح

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ كَعْبًا الْوَفَاةُ اَتَتْهُ اُمُّ بِشْرٍ بِنْتُ الْبَرَاءِ ابْنِ مَعْرُوْرٍ فَقَالَتْ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اِنْ لَقِيْتَ فُلَانًا فَاقْرَأْ عَلَيْهِ مِنِّي السَّلَامَ فَقَالَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكِ يَا اُمَّ بِشْرٍ نَحْنُ اَشْغَلُ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَتْ يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَمَا سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ طَيْرٍ خُضْرٍ تَعْلُقُ بِشَجَرِ الْجَنَّةِ قَالَ بَلٰى قَالَتْ فَهُوَ ذَاكَ (رواہ ابن ماجۃ والبیہقی فی کتاب البعث والنشور)

"اور حضرت عبدالرحمن ابن کعب اپنے والد مکرم (حضرت کعبؓ) کے بارہ میں روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت کعبؓ کی موت کا وقت قریب آیا تو حضرت براءؓ ابن معرور کی صاحبزادی حضرت ام بشرؓ ان کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ "اے ابو عبدالرحمن! (یہ حضرت

کعبؓ کی کنیت ہے) اگر آپ مرنے کے بعد عالم برزخ میں) فلاں شخص سے ملیں تو ان سے میرا سلام کہئے گا! حضرت کعبؓ نے جواب دیا "اُمّ بشر! اللہ تجھے بخشے، وہاں ہماری مشغولیت اس سے زیادہ ہوگی" اُمّ بشر نے کہا کہ ابوعبدالرحمٰن! کیا آپ نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ "(عالم برزخ میں) مؤمنین کی روحیں سبز جانوروں کے قالب میں ہوں گی اور جنت کے درختوں سے میوے کھاتی ہوں گی۔ حضرت کعبؓ نے کہا کہ "ہاں! (میں نے یہ ارشاد گرامی سنا ہے) اُمّ بشرؓ نے فرمایا "یہی وہ (فضل و کرامت) ہے (جس سے تمہارے نوازے جانے کی امید ہے)۔" (ابن ماجہ، بیہقی)

تشریح: حضرت عبدالرحمٰن اجل تابعین میں سے ہیں اور ان کے والد مکرم حضرت کعبؓ کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے اسی طرح حضرت براءؓ ابن معرور بھی صحابی ہیں اور انصار میں سے ہیں حضرت اُمّ بشرؓ ان کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت کعبؓ جب دار آخرت کی سفر کی تیاری میں تھے اور ان کی اجل قریب تھی تو اُمّ بشرؓ نے اس بات کی درخواست کی کہ جب آپ اس دنیا سے رخصت ہو کر عالم برزخ میں پہنچیں تو اگر فلاں شخص سے ملاقات ہو تو انہیں میرا سلام کہہ دیں۔

بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "فلاں شخص" راوی کے الفاظ ہیں۔ اُمّ بشر نے اس موقع پر حضرت براءؓ یا حضرت بشر کا نام لیا ہوگا۔ حضرت کعبؓ نے اُمّ بشرؓ سے کہا کہ "اللہ تجھے بخشے" یہ الفاظ اس موقع پر بولے جاتے ہیں جب کہ متکلم اپنے مخاطب سے کوئی ایسی بات سنتا ہے جو اسے کہنی نہیں چاہئے تھی۔ گویا حضرت کعبؓ کا مطلب یہ تھا کہ "تم یہ کیا کہہ رہی ہو!؟ وہاں تو ہماری مشغولیت اس سے کہیں زیادہ ہوگی کہ وہاں پہنچ کر کسی کو پہچانیں اور ان تک کسی کا سلام و پیام پہنچائیں۔ یعنی وہاں پہنچ کر میں اپنے ہی حال میں گرفتار ہوں گا کہ اپنی بھی خبر نہ ہوگی چہ جائیکہ دوسروں کی خبر، اسی طرح وہاں سب ہی اپنے اپنے حال میں گرفتار ہوں گے حاصل یہ کہ وہاں کون آپ میں ہوگا اور کسے اپنے حال سے فرصت ملے گی کہ کسی کو کوئی سلام و پیام پہنچائے۔

ام بشرؓ نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کی روشنی میں ان کے اسی عذر کا یہ جواب دیا کہ آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے کہ جو گرفتار وحشت ہوں بلکہ آپ تو ان مؤمنین میں سے ہوں گے جن کے حق میں آنحضرت ﷺ نے یہ عظیم خوشخبری دی ہے گویا آپ بھی وہاں خوش حال و مطمئن ہوں گے اور اللہ رب العزت کے بے پایاں رحم و کرم سے بہرہ ور ہوں گے۔

ایک اور روایت میں عالم برزخ میں ارواح مؤمنین کا حال کچھ تفصیل سے اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ "مؤمنین کی ارواح سبز جانوروں کے قالب میں ہوں گی۔ جو جنت میں چرتی ہوں گی، وہاں کے میوے کھاتی ہوں گی وہاں کا پانی پیتی ہوں گی اور عرش کے نیچے سونے کے قندیلوں میں اپنا مسکن بنائے ہوئے ہوں گے۔

(۱۷) وَعَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَيْرٌ تَعَلَّقُ فِيْ شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَهُ اللّٰهُ فِيْ جَسَدِهٖ يَوْمَ يَبْعَثُهٗ (رواه مالک والنسائی والبیہقی فی کتاب البعث والنشور)

"اور حضرت عبدالرحمٰن اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ وہ (یعنی عبدالرحمٰن کے والد حضرت کعبؓ) رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بیان کرتے تھے کہ "عالم برزخ میں) مؤمن کی روح پرندہ کے قالب میں جنت کے درختوں سے میوے کھاتی رہتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس دن کہ جب اسے اٹھائے گا (یعنی قیامت کے دن) اسے اس کے بدن میں واپس بھیج دے گا۔" (مالکؒ، نسائیؒ، بیہقیؒ)

تشریح: اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ "جب انسان کی روح کو جانور کا بدن ملا تو اس کا مرتبہ گھٹ گیا کیونکہ اس صورت میں وہ انسان سے جانور ہو گیا اور قلب حقیقت لازم آیا؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ روح مؤمن کو پرندہ کے جسم کے ساتھ ایسا تعلق نہیں ہوتا جیسا کہ اپنے حقیقی جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے اور اس پر اپنا تصرف کرتی ہے بلکہ یہ تعلق ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی قیمتی چیز مثلاً لال یا جواہر کو اس کی حفاظت اور احتیاط کی خاطر صندوق میں رکھ دیا جائے۔ لہٰذا روح مؤمن کو پرندہ کے قالب میں کر دینے سے نہ تو اس کے رتبہ میں کمی ہوتی ہے اور نہ قلب حقیقت لازم آتا ہے بلکہ اس طرح اس کی تعظیم و تکریم ہی ہوتی ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حدیث میں روح مؤمن کے بارہ میں جو کیفیت بیان فرمائی گئی ہے اس کا تعلق شہداء کے ساتھ ہے جب کہ دوسرے بعض علماء کا یہ قول ہے کہ اس کا تعلق عام مؤمنین سے ہے جیسا کہ حدیث کے ظاہری مفہوم سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

(۱۸) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَهُوَ يَمُوْتُ فَقُلْتُ اِقْرَأْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّلَامَ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت محمد ابن منکدرؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت جابرؓ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب کہ وہ قریب المرگ تھے۔ چنانچہ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ (عالم برزخ میں پہنچ کر) رسول کریم ﷺ سے میرا سلام عرض کر دیں۔" (ابن ماجہؒ)

بَابُ غُسْلِ الْمَيِّتِ وَتَكْفِيْنِهٖ

میت کو نہلانے اور کفنانے کا بیان

اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے مردہ کو نہلانے اور کفنانے کے احکام و مسائل اور آداب کا علم ہوگا۔ تمام علماء کے نزدیک میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے یعنی اگر کچھ لوگ نہلا دیں گے تو سب کے ذمہ سے فرض ادا ہو جائے گا اور اگر کوئی بھی شخص میت کو نہ نہلائے گا تو سب کے سب گنہ گار ہوں گے۔

اس بارہ میں علماء کے یہاں اختلاف ہے کہ غسل میت میں نیت شرط ہے یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک شرط ہے اور بعض کے نزدیک شرط نہیں ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ نیت شرط ہے جیسا کہ حضرت شیخ ابن ہمامؒ کا قول ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

غسل میت

(۱) عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهٗ فَقَالَ اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ اِنْ رَأَيْتُنَّ ذٰلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَاجْعَلْنَ فِي الْاٰخِرَةِ كَافُوْرًا اَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ فَاِذَا فَرَغْتُنَّ فَاٰذِنَّنِي فَلَمَّا فَرَغْنَا اٰذَنَّاهُ فَاَلْقٰى اِلَيْنَا حَقْوَهٗ فَقَالَ اَشْعِرْنَهَا اِيَّاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ اغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلَاثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا وَابْدَاْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا وَقَالَتْ فَضَفَرْنَا شَعْرَهَا ثَلَاثَةَ قُرُوْنٍ فَاَلْقَيْنَاهَا خَلْفَهَا۔ (متفق علیہ)

"حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس رسول کریم ﷺ تشریف لائے جب کہ ہم آپ کی بیٹی (حضرت زینبؓ) کو نہلا رہے تھے، آپ نے فرمایا "تم تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ اور اگر مناسب سمجھو (یعنی ضرورت ہو تو اس سے بھی زیادہ اسے پانی اور بیری کے پتوں سے (یعنی بیری کے پتے پانی میں جوش دے کر اس پانی سے) نہلاؤ (کیونکہ بیری کے پتوں کے جوش دیئے ہوئے پانی سے بہت زیادہ پاکی اور صفائی حاصل ہوتی ہے) اور آخری مرتبہ میں کافور۔ یا یہ فرمایا کہ کافور کا کچھ حصہ (پانی میں ڈال دینا۔ اور جب تم (نہلانے سے) فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر دینا، چنانچہ جب ہم فارغ ہو گئے تو آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی گئی، آپ نے اپنا تہ بند ہماری طرف بڑھا دیا اور فرمایا کہ اس تہ بند کو اس کے بدن سے لگا دو (یعنی اس تہ بند کو اس طرح کفن کے نیچے رکھ دو کہ وہ زینبؓ کے بدن سے لگا رہے) اور ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اسے طاق یعنی تین بار یا پانچ بار یا سات بار غسل دو اور غسل اس کی دائیں طرف سے اور اس کے اعضاء وضو سے شروع کرو۔ حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ "ہم نے ان کے بالوں کی تین چوٹیاں گوندھ کر ان کے پیچھے ڈال دیں۔" (صحیح بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے الفاظ اِغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا اَوْ خَمْسًا او اکثر مِنْ ذٰلِكَ اور اِغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلٰثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا میں حرف اَوْ

ترتیب کے لئے ہے تخییر کے لئے نہیں ہے کیونکہ اگر پہلے غسل میں پاکی حاصل ہو جائے تو تین مرتبہ نہلانا مستحب ہے اور اس سے تجاوز کرنا مکروہ ہے اور اگر پاکی دو بار یا تین بار میں حاصل ہو تو پھر پانچ مرتبہ نہلانا مستحب ہے یا زیادہ سے زیادہ سات مرتبہ، سات مرتبہ سے زیادہ نہلانا منقول نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ نہلانا مکروہ ہے۔

بیری کے پتوں اور کافور کے پانی سے غسل میت

میت کو بیری کے پتوں اور کافور کے پانی سے نہلانا چاہئے اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ دو دو مرتبہ تو بیری کے پتوں کے پانی سے نہلایا جائے جیسا کہ کتاب ہدایہ سے معلوم ہوتا ہے نیز ابوداؤد کی روایت ہے کہ ابن سیرینؒ نے حضرت اُمّ عطیہؓ سے غسل میت سیکھا تھا۔ وہ بیری کے پتوں سے پانی سے دو مرتبہ غسل دیتی تھیں۔ اور تیسری مرتبہ کافور کے پانی سے غسل دیا جائے۔

کافور پانی میں ملایا جائے یا خوشبو میں؟

شیخ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ کافور اس پانی میں ملایا جائے جس سے میت کو نہلایا جا رہا ہو چنانچہ جمہور علماء کی بھی یہی رائے ہے، جب کہ کوفی کہتے ہیں کہ کافور حنوط میں یعنی اس خوشبو میں ملایا جائے جس سے میت کو معطر کیا جا رہا ہو اور میت کے نہلانے اور اس کے بدن کو خشک کرنے کے بعد بدن پر لگایا جائے۔ نیز علماء نے لکھا ہے کہ اگر کافور میسر نہ ہو تو پھر مشک اس کا قائم مقام قرار دیا جاتا ہے۔

بیری کے پتوں اور کافور کی خاصیت

علماء لکھتے ہیں کہ بیری کے پتوں اور کافور کے پانی سے میت کو غسل دینے اور میت کے بدن پر کافور ملنے کیوجہ یہ ہے کہ بیری کے پتوں سے تو بدن کا میل اچھی طرح صاف ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے مردہ جلدی بگڑتا نہیں۔ نیز بیری کے پتوں اور کافور کے استعمال کی وجہ سے موذی جانور پاس نہیں آتے۔

حصول برکت کے لئے بزرگوں کا کوئی کپڑا کفن میں شامل کیا جاسکتا ہے

آنحضرت ﷺ نے اپنا تہبند صاحبزادی کے کفن کے ساتھ لگانے کے لئے اس لئے عنایت فرمایا تاکہ اس کی برکت اسے پہنچے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کوئی شخص اہل اللہ اور بزرگان دین سے اس کے لباس کا کوئی کپڑا موت سے پہلے حاصل کر کے اپنے پاس برکت کے لئے رکھتا ہے یا اسے استعمال کرتا ہے اس طرح موت کے بعد بزرگوں کے لباس سے برکت حاصل کرنا مستحب ہے بایں طور کہ ان کا کوئی کپڑا لے کر کفن میں شامل کر دیا جائے لیکن اس سلسلہ میں یہ امر ملحوظ رہے کہ وہ کپڑا کفن کے کپڑوں سے زیادہ نہ ہو۔

وابدان بمیامنھا کا مطلب یہ ہے کہ میت کو اس کے دائیں ہاتھ دائیں پہلو اور دائیں پاؤں کی طرف سے نہلانا شروع کرو اسی طرح مواضع الوضوء منھا میں حرف واو مطلق جمع کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ غسل میت میں پہلے اعضاء وضو دھونے چاہئیں۔ اس کے بعد دوسرے اعضاء دھوئے جائیں اور اعضاء وضو سے مراد وہ اعضاء ہیں کہ جن کا دھونا فرض ہے۔ چنانچہ غسل میت میں کلی اور ناک میں پانی دینا حنفیہ کے نزدیک مشروع نہیں ہے بعض علماء نے اس بات کو مستحب کہا ہے کہ میت کو نہلانے والا اپنی انگلیوں پر کپڑا لپیٹ لے۔ اور اس سے میت کے دانتوں کو، تالو کو، اندر سے دونوں کلوں کو اور نتھنوں کو ملے، چنانچہ اب یہی معمول بہ ہے۔

صحیح یہ ہے کہ غسل کے وقت میت کے سر پر مسح کیا جائے اور اس کے پاؤں غسل کے بعد نہ دھوئے جائیں بلکہ جب دوسرے اعضاء وضو دھوئے جاتے ہیں تو اسی وقت پیروں کو بھی دھویا جائے۔ نیز میت کے ہاتھ پہلے نہ دھوئے جائیں بلکہ غسل کی ابتداء منہ دھونے سے کرنی چاہئے بخلاف جنبی (ناپاک شخص) کے کہ وہ جب غسل کرتا ہے تو پہلے اپنے دونوں ہاتھ اس لئے دھوتا ہے تاکہ دوسرے اعضاء

دھونے کے لئے دونوں ہاتھ پاک ہو جائیں جب کہ میت دوسروں کے ہاتھوں نہلائی جاتی ہے اس لئے اس کے دونوں ہاتھوں کو دھلانے کی حاجت نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت کی میت ہو تو غسل کے بعد اس کے بال کھلے ہی رہنے دیئے جائیں انہیں گو دھانہ جائے۔

آنحضرت ﷺ کا کفن

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِيْ ثَلَاثَةِ اَثْوَابٍ يَمَانِيَةٍ بِيْضٍ سُحُوْلِيَّةٍ مِنْ كُرْسُفٍ لَيْسَ فِيْهَا قَمِيْصٌ وَلَا عِمَامَةٌ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ تین کپڑوں میں کفنائے گئے تھے جو سفید یمنی اور سحول کی بنی ہوئی روئی کے تھے، نہ ان میں (سیا ہوا) کرتہ تھا نہ پگڑی تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: لیس فیھا قمیص ولا عمامة (نہ ان میں کرتہ تھا اور نہ پگڑی تھی) کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کفن میں ان کپڑوں کے علاوہ کرتہ اور عمامہ بالکل نہ تھا۔

بعض حضرات نے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کرتہ اور عمامہ ان تین کپڑوں میں نہیں تھا بلکہ کرتہ اور عمامہ ان تین کپڑوں کے علاوہ تھا۔ اس صورت میں آنحضرت ﷺ کے کفن میں پانچ کپڑوں کا ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کفن میں تین کپڑے تھے، لہٰذا اس جملہ کا یہی مطلب صحیح ہے کہ آپ ﷺ کے کفن میں کرتہ و عمامہ بالکل نہیں تھا صرف تین کپڑے تھے۔

اس جملہ کے پیش نظر علماء کے مسلک میں بھی یہ اختلاف واقع ہوا ہے کہ آیا یہ مستحب ہے کہ کفن میں کرتہ اور عمامہ ہو یا یہ کہ نہ ہو؟ چنانچہ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، اور حضرت امام احمدؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ کفن میں تین لفافہ ہوں (یعنی صرف تین چادریں ہوں جن میں میت کو لپیٹا جا سکے) اور ان میں کرتہ و عمامہ نہ ہو۔

جب کہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ کفن میں تین کپڑے ہونے چاہئیں ① ازار یعنی لنگی ② قمیص یعنی کفنی ③ لفافہ یعنی لوٹ کی چادر۔ لہٰذا حدیث میں قمیص کی جو نفی فرمائی گئی ہے اس کی تاویل حنفیہ یہ کرتے ہیں کہ "سیا ہوا قمیص نہیں تھا بلکہ بغیر سیا ہوا قمیص تھا جس کو کفنی کہا جاتا ہے۔

سُحُوْلِيَّةٌ سحول کی طرف منسوب ہے اور سحول یمن کی ایک بستی کا نام ہے۔

کفن اچھا دینا چاہئے

③ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَفَّنَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيُحَسِّنْ كَفَنَهٗ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفنائے تو اسے چاہئے کہ وہ اچھا کفن دے۔" (مسلمؒ)

تشریح: ابن عدیؒ کی روایت ہے کہ اپنے مردوں کو اچھا کفن دو اس لئے کہ وہ مردے اپنی قبروں میں آپس میں (ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں)

بہر حال "اچھے کفن" سے مراد یہ ہے کہ کفن کا کپڑا پورا ہو اور بغیر کسی اسراف کے لطیف و پاکیزہ ہو اور سفید ہو خواہ دھلا ہوا ہو یا نیا ہو۔

"اچھے کفن" سے وہ اعلیٰ و قیمتی کپڑوں کے کفن مراد نہیں ہیں جو بعض جاہل دنیادار از راہ ناموری اور تکبر کے استعمال کرتے ہیں بلکہ ایسا کفن سخت حرام ہے۔

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ "اسراف کرنے والوں میں یہ جو طریقہ اختیار کیا ہوا ہے کہ بہت زیادہ قیمتی کپڑے کفن میں دیتے ہیں وہ شرعی اعتبار سے ممنوع ہے کیونکہ اس سے مال کا خواہ مخواہ ضائع ہونا لازم آتا ہے۔

محرم کے کفن کا مسئلہ

④ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَقَصَتْهُ نَاقَتُهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِغْسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَكَفِّنُوْهُ فِيْ ثَوْبَيْهِ وَلَا تَمَسُّوْهُ بِطِيْبٍ وَلَا تُخَمِّرُوْا رَأْسَهُ فَاِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص (سفر حج کے دوران) آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھا، اس کی اونٹنی نے (اس کو گرادیا اور) اس کی گردن توڑ دی، وہ شخص محرم (یعنی حج کی نیت سے اور احرام باندھے ہوئے) تھا اسی حال میں وہ مر گیا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اسے پانی اور بیری کے پتوں سے نہلاؤ اسے اس کے دونوں کپڑوں میں کفناؤ اور نہ اسے خوشبو لگاؤ اور نہ اس کا سر ڈھانکو کیونکہ وہ قیامت کے دن لبیک کہتا ہوا (اٹھایا جائے گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص حالت احرام میں انتقال کر جائے تو اسے اسی کے لباس میں کہ جسے وہ بطور محرم استعمال کرتا تھا کفنا دیا جائے اور اس پر خوشبو نہ لگائی جائے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک کفن کے بارہ میں محرم اور غیر محرم دونوں برابر ہیں۔

جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اسی کے دونوں کپڑوں میں کہ جسے وہ بطور محرم کے استعمال کرتا تھا کفنانے کا حکم دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس ان دونوں کپڑوں کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہ تھا کہ اسے علیحدہ سے پورا کفن دیا جاتا اسی طرح آپ نے اس کے سر کو ڈھانکنے سے جو منع فرمایا تو یہ ممانعت بھی صرف اس شخص کے لئے تھی عام طور پر سب کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ خَبَّابٍ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ فِيْ بَابِ جَامِعِ الْمَنَاقِبِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

(اور خباب کی وہ حدیث کہ جس کے ابتداء یہ ہے قتل مصعب بن عمیر ہم ان شاء اللہ باب جامع المناقب میں نقل کریں گے۔)

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

کفن کے لئے سفید کپڑا بہتر ہے

⑤ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَاِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ وَمِنْ خَيْرِ اَكْحَالِكُمُ الْاِثْمِدُ فَاِنَّهُ يُنْبِتُ الشَّعْرَ وَيَجْلُو الْبَصَرَ - رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ اِلٰى مَوْتَاكُمْ۔

"حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم سفید کپڑے پہنو اس لئے کہ تمہارے لئے وہ بہترین کپڑے ہیں اور اپنے مردوں کو سفید کپڑوں میں کفناؤ، نیز تمہارے لئے بہترین سرمہ "اثمد" ہے کیونکہ وہ تمہاری پلکوں کے بال اگاتا ہے اور آنکھ کی بینائی کو بڑھاتا ہے ابوداؤد۔ ترمذیؒ) ابن ماجہؒ نے اس روایت کو لفظ "موتاکم" تک نقل کیا ہے۔"

تشریح: مردوں کو سفید کپڑے میں کفنانے کا حکم استحباب کے طور پر ہے چنانچہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ کفن کا کپڑا اگر سفید ہو تو اولیٰ بہتر

ہے ورنہ تو مردوں کے کفن کے لئے برد (یعنی دھاریدار کپڑا) اور کتان کے کپڑے اور عورتوں کے کفن کے لئے ریشمی، زعفرانی اور سرخ رنگ کے کپڑے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ مرد ہو یا عورت اس کے لئے اس کی زندگی میں جن کپڑوں کا استعمال جائز ہے مرنے کے بعد انہیں کپڑوں کا کفن دینا بھی جائز ہے۔

"اثمد" اسی سرمہ کو کہتے ہیں جو عام طور پر ہمارے یہاں استعمال ہوتا ہے، اس سرمہ کے استعمال کے بارہ میں یہ افضل ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اتباع کے پیش نظر اسے سوتے وقت لگایا جائے، پھر یہ کہ سوتے وقت سرمہ لگانا اپنے فوائد کے اعتبار سے بہت زیادہ تاثیر رکھتا ہے۔

قیمتی کپڑے کے کفن کی ممانعت

⑥ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُغَالُوا فِي الْكَفَنِ فَإِنَّهُ يُسْلَبُ سَلْبًا سَرِيْعًا (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت علیؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کفن میں زیادہ قیمتی کپڑا نہ لگاؤ اس لئے کہ وہ بہت جلد چھین لیا جاتا ہے۔"

(ابوداؤدؒ)

تشریح: "جلد چھین لیا جاتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ جلد ہی خراب اور پرانا ہو جاتا ہے پھر کیا ضرورت ہے کہ نفیس اور زیادہ قیمت کا کپڑا کفن میں لگایا جائے غرض کہ حدیث کا حاصل کفن کے بارہ میں اسراف کرنے سے منع کرنا ہے اسی لئے علماء لکھتے ہیں کہ کفن میں اوسط درجہ کا کپڑا لگانا مستحب ہے۔

قیامت میں مردہ کس حال میں اٹھے گا؟

⑦ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ لَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ دَعَا بِثِيَابٍ جُدُدٍ فَلَبِسَهَا ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمَيِّتُ يُبْعَثُ فِيْ ثِيَابِهِ الَّتِيْ يَمُوْتُ فِيْهَا (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابو سعید خدریؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے نئے کپڑے منگوائے اور انہیں زیب تن کیا پھر فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مردہ انہیں کپڑوں میں اٹھایا جاتا ہے جن میں وہ مرتا ہے۔"

(ابوداؤدؒ)

تشریح: حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابو سعیدؓ نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی پر عمل کرنے کے لئے نئے کپڑے منگوائے اور انہیں زیب تن کیا۔ بظاہر حدیث کی مراد یہ ہوئی کہ "قیامت میں جب مردوں کو دوبارہ زندگی بخشی جائے گی اور وہ اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے تو اس وقت ان کے بدن پر کپڑا ہو گا۔

ظاہر ہے کہ اگر یہی مفہوم حدیث کا مراد ہے تو مسئلہ بڑا نازک ہو جاتا ہے کیونکہ صحیح حدیث کے ذریعہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ "قیامت کے روز لوگ ننگے بدن اور ننگے پاؤں اٹھیں گے۔

اس لئے علماء نے اس حدیث کے معنی یہ لکھے ہیں کہ "حدیث میں کپڑوں سے مراد وہ اعمال ہیں جن پر زندگی ختم ہوتی ہے چنانچہ ایسا ہوتا ہے کہ اہل عرب کبھی کبھی لفظ ثیاب (یعنی کپڑے) بولتے ہیں اور اس سے اعمال مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ جس طرح کپڑے بدن سے لگے رہتے ہیں اسی طرح اعمال بھی بدن سے متعلق ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آیت کریمہ۔ ثیابک فطھر کی تاویل بعض مفسرین نے یہ کی ہے کہ "اپنے اعمال صحیح کرو"۔

حضرت ابو سعیدؓ نے اس وقت جب کہ وہ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے محض صفائی و ستھرائی اور پاکیزگی کے لئے نئے کپڑے زیب تن

گئے، اتفاقاً یہ حدیث بھی ان کے ذہن میں آگئی جسے انہوں نے بیان کیا نہ یہ کہ حضرت ابوسعیدؓ نے اس وقت نئے کپڑے پہننے کی دلیل کے طور پر یہ حدیث بیان کی تھی۔

اس ارشاد گرامی کی مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ "جن کپڑوں میں موت واقع ہوگی۔ وہ اپنی قبر سے تو انہیں کپڑوں میں اٹھے گا مگر میدان حشر میں برہنہ حالت میں پہنچے گا۔

بہترین کفن کونسا ہے؟

(۸) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الْكَفَنِ الْحُلَّةُ وَخَيْرُ الْاُضْحِيَةِ الْكَبْشُ الْاَقْرَنُ (رواہ ابوداؤد ورواہ الترمذی وابن ماجۃ عن ابی امامۃ)

"اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "بہترین کفن حلہ ہے۔ اور بہترین قربانی سینگوں والا دنبہ ہے۔ ترمذی نے اور ابن ماجہ نے یہ روایت حضرت ابوامامہ سے نقل کی ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: حلہ سے چادر، لنگی اور اس کے نیچے کی قمیص یعنی کفنی مراد ہے۔ کفن میں یہ تینوں کپڑے مسنون ہیں یا پھر یہ کہ "حلہ" سے مراد قمیص (کفنی) کے علاوہ صرف چادر اور لنگی ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کفن میں ایک کپڑے پر اکتفاء نہ کیا جائے گا بلکہ کم سے کم دو کپڑے ہونے بہتر ہیں کیونکہ یہ کفن کفایہ اور ادنی درجہ ہے اور اگر کفن میں تین کپڑے یعنی چادر، لنگی اور اس کے ساتھ قمیص بھی دیں تو یہ سُنّت اور درجہ کمال ہے۔

سینگوں والا دنبہ چونکہ اکثر فربہ اور قیمتی ہوتا ہے اس لئے اس کی قربانی کو بہتر فرمایا گیا ہے۔

شہداء کو انہیں کپڑوں میں دفن کیا جائے جن میں وہ شہید ہوئے ہوں

(۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلٰى اُحُدٍ اَنْ يُنْزَعَ عَنْهُمُ الْحَدِيْدُ وَالْجُلُوْدُ وَاَنْ يُدْفَنُوْا بِدِمَائِهِمْ وَثِيَابِهِمْ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ احد کے شہدا کے بارہ میں فرمایا کہ ان کے لوہے (کے ہتھیار، زرہیں) اور چمڑے (کی پوستین وغیرہ یعنی وہ اشیاء جو خون آلود نہیں ہیں) ان کے بدن سے اتار لی جائیں پھر انہیں ان کے (خون آلودہ) کپڑوں اور خون سمیت دفن کر دیا جائے۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں شہید کے لئے نہ تو غسل ہے اور نہ نماز جنازہ ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک شہداء کے لئے غسل تو نہیں ہے مگر نماز جنازہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضرت مصعبؓ اور حضرت امیر حمزہؓ کا کفن

(۱۰) عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ اُتِيَ بِطَعَامٍ وَكَانَ صَائِمًا فَقَالَ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ فَهُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ كُفِّنَ فِيْ بُرْدَةٍ اِنْ غُطِّيَ رَاْسُهٗ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَاِنْ غُطِّيَ رِجْلَاهُ بَدَا رَاْسُهٗ وَاُرَاهُ قَالَ وَقُتِلَ حَمْزَةُ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بُسِطَ اَوْ قَالَ اُعْطِيْنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا اُعْطِيْنَا وَلَقَدْ خَشِيْنَا اَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِيْ حَتّٰى تَرَكَ الطَّعَامَ (رواہ البخاری)

"حضرت سعد ابن ابراہیم اپنے والد مکرم (حضرت ابراہیم) سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے پاس جب کہ وہ روزہ سے تھے (افطار کے لئے) کھانا لایا گیا، انہوں نے فرمایا کہ "حضرت مصعب ابن عمیرؓ جو شہید کر دیئے گئے تھے مجھ سے بہتر تھے مگر وہ صرف ایک چادر میں کفنائے گئے تھے۔ (جو اس قدر چھوٹی تھی) اگر ان کا سر ڈھانکا جاتا تھا تو ان کے پاؤں کھل جاتا تھے اور اگر ان کے پاؤں ڈھانک دیئے جاتے تھے تو اس کا سر کھل جاتا تھا (آخر کار ان کا سر تو اس چادر کے ساتھ ڈھک دیا گیا اور پیروں پر اذخر ڈال دی گئی جیسا کہ باب جامع المناقب کی حدیث میں یہ تفصیل ہے) حضرت ابراہیم حدیث (کے راوی ہیں) کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے یہ بھی فرمایا حضرت حمزہؓ جو شہید کر دیئے گئے تھے مجھ سے بہتر تھے (اور ان کو بھی ایسا ہی کفن نصیب ہوا جیسا کہ حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو اور جب مسلمانوں کی تنگدستی و پریشانی کا یہ دور اللہ کے فضل سے ختم ہوا تو) پھر ہمارے لئے دنیا اس قدر فراخ کی گئی کہ جو ظاہر ہے، یا یہ فرمایا کہ۔ دنیا ہمیں اس قدر دی گئی جتنی کے دی گئی ہے، ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ کہیں ہماری نیکیوں کا صلہ ہمیں جلد ہی (یعنی دنیا ہی میں) نہ مل گیا ہو، پھر حضرت عبدالرحمنؓ (اسی خوف کی وجہ سے) رونے لگے یہاں تک کہ انہوں نے کھانا چھوڑ دیا۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ بڑے باعظمت صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اسی طرح حضرت مصعب ابن عمیرؓ بھی جلیل القدر اور ذی شان و عظمت صحابہؓ میں سے ہیں، جنگ بدر میں شریک ہوئے ہیں۔ اور جنگ احد میں شہید ہوئے۔

حضرت مصعب ابن عمیرؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے بڑے مالدار تھے مگر جب ایمان و اسلام کی مقدس شعاعوں نے قلب و دماغ کو منور کیا اور غلامان رسالت میں شامل ہوئے تو مال و دولت سے منہ موڑ کر زہد و فقر کی زندگی اختیار کی منقول ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں اس حال میں حاضر ہوئے کہ کمر میں تسمہ بندھا ہوا تھا، آپ نے انہیں دیکھ کر صحابہؓ سے فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو اللہ تعالیٰ نے ایمان کی روشنی سے اس کے دل کو منور کر دیا ہے۔ میں نے اسے مکہ میں اس حال میں دیکھا ہے کہ اس کے ماں باپ اسے اچھا سے اچھا کھانا کھلاتے تھے اور میں دیکھتا تھا کہ اس کے جسم پر دو سو درہم کا لباس ہوتا تھا۔ مگر اب اس شخص نے خدا اور رسول (ﷺ) کی محبت میں اپنے آپ کو اس حال تک پہنچا دیا ہے۔

حضرت حمزہؓ ابن عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کے محترم چچا ہیں۔ اہل بدر میں سے تھے اور جنگ احد میں شہید ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سید الشہداء فرمایا ہے۔

حضرت عبدالرحمنؓ کے قول ولقد خشینا الخ (ہمیں اس بات کا خوف ہے الخ کا مطلب یہ ہے کہ دنیا اور دنیا کی نعمتوں نے جس فراخی سے اپنی آغوش ہمارے لئے کھول دی ہے اس کی وجہ سے ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم بھی ان لوگوں میں داخل نہ ہو جائیں جن کے بارہ میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا

"جو شخص دنیا (کی نعمتوں کے حصول) کا ارادہ کرتا ہے تو ہم ایسے شخص کو دنیا میں جو چیز چاہتے ہیں اور جس کے واسطے چاہتے ہیں جلدی ہی دیدیتے ہیں پھر ہم اس کے لئے جہنم تجویز کرتے ہیں جس میں وہ بدحال اور راندہ (درگاہ) ہو کر داخل ہوگا۔"

چونکہ حضرت عبدالرحمنؓ پر خوف خداوندی غالب اور ان کا دل خشیت الٰہی سے لرزاں تھا اس لئے انہیں خیال ہوا کہ مبادا میں ان لوگوں میں داخل ہو جاؤں جن کے بارے میں حق تعالیٰ یہ سخت وعید بیان فرما رہے ہیں ورنہ تو ظاہر ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص صرف دنیا اور محض دنیا کی نعمتوں کا خواہش مند و طلب گار ہوتا ہے اور دنیا و دنیا کی نعمتوں کے علاوہ اس کے خواہش و طلب کا محور اور کوئی چیز نہیں ہوتی تو ہم دنیا میں اسے اپنے انعام سے نواز دیتے ہیں لیکن ہم اسے وہی دیتے ہیں جو ہم چاہتے ہیں نہ یہ کہ جو کچھ اس کی خواہش ہوتی ہے اسی طرح ہم اس شخص کو دنیا کی نعمتیں دیتے ہیں جسے ہم دینا چاہتے ہیں یہ نہ کہ ہر خواہش مند و طلب گار کو ہم دنیا کی نعمتیں دیتے

ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں ان لوگوں کے بارہ میں وعید بیان کی گئی ہے جو صرف دنیا کے طلب گار ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن ان لوگوں میں سے نہیں تھے، مگر ان پر چونکہ خوف خدا غالب تھا اس لئے ڈرے کہ دنیا کی اس آسائش و فراخی کی وجہ سے کہیں ہمارا شمار بھی انہیں لوگوں میں نہ ہو جائے۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ پر خوف خداوندی اور خشیت الٰہی کے غلبہ ہی کا یہ اثر تھا کہ روزہ دار ہونے کیوجہ سے باوجود شدید احتیاج اور ضرورت کے انہوں نے کھانا تک چھوڑ دیا اور کچھ کھایا نہیں کیونکہ جب کسی کا قلب خود خداوندی سے لرزاں ہوتا ہے تو وہ کسی بھی دنیاوی و جسمانی خواہش و لذت کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بوقت ضرورت جس قدر بھی کفن میسر آجائے وہی مسنون ہے۔

رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کے ساتھ اس کے انتقال کے بعد آنحضرت ﷺ کا معاملہ

(۱۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ اُبَيٍّ بَعْدَ مَا اُدْخِلَ حُفْرَتَهٗ فَاَمَرَبِهٖ فَاُخْرِجَ فَوَضَعَهٗ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ فَنَفَثَ فِيْهِ مِنْ رِيْقِهٖ وَاَلْبَسَهٗ قَمِيْصَهٗ قَالَ وَكَانَ كَسَا عَبَّاسًا قَمِيْصًا (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ عبداللہ ابن ابی کے پاس اس وقت تشریف لائے جب کہ وہ اپنی قبر میں اتارا جا چکا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے (اس کی قبر) سے نکالنے کا حکم فرمایا جب وہ نکالا گیا تو آپ نے اسے اپنے گھٹنوں پر رکھ کر اپنا مبارک لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اسے اپنا کرتہ پہنایا" حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ "عبداللہ ابن ابی نے حضرت عباسؓ کو اپنا کرتہ پہنایا تھا۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: عبداللہ ابن ابی اسلامی تاریخ کا ایک جانا پہچانا شخص ہے، جب نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ فروکش ہوئے اور اس طرح اسلامی دعوت و تبلیغ کا مرکز مکہ سے مدینہ منورہ منتقل ہوا تو اسلام کی دعوت توحید و رسالت کے نتیجہ میں تین جماعتیں سامنے آئیں، ایک جماعت تو ان باسعادت و مقدس اور عظیم انسانوں پر مشتمل تھی جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا، خلوص اور صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے اور نبوت کے بعد نسل انسانی کے سب سے عظیم و باسعادت مرتبہ "صحابیت" سے نوازے گئے۔

دوسری جماعت، پہلی کے بالکل برعکس ان بدبخت و سیہ کار لوگوں پر مشتمل تھی جنہوں نے علی الاعلان آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی اور جس کے نتیجہ میں نسل انسانی کے سب سے ذلیل و کمتر درجہ "کفر و شرک" پر قائم رہے۔

ان دونوں جماعتوں کے درمیان ایک تیسری جماعت تھی یہ تیسری جماعت ان خود غرض و مفاد پرست لوگوں پر مشتمل تھی جو اپنی اغراض و مقاصد کے تحت بظاہر تو مسلمان ہو گئے تھے اور مسلمانوں کو دکھانے کے لئے ان کے ہمنوا بھی ہوتے تھے مگر اندورنی طور پر ان کی ساری سرگرمیوں کا مرکز دعوت اسلامی کی مخالفت اور مسلمانوں کی بیخ کنی کا جذبہ ہوتا تھا۔ یہی وہ جماعت تھی جو انسانیت کی ارذل ترین اور قابل نفرین خصلت "نفاق" سے بھرپور تھی اور اسلامی تاریخ میں یہی جماعت "منافقین" کے نام سے یاد کی گئی۔ عبداللہ ابن ابی اسی جماعت کا سربراہ اور سردار تھا۔

حضرت عباسؓ (آنحضرت ﷺ کے عم محترم) اگرچہ غزوہ بدر سے بہت پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے مگر بعض مجبوریوں کی وجہ سے انہوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر نہیں کیا تھا، چنانچہ جب جنگ بدر ہوئی تو یہ کفار مکہ کی طرف سے بدر میں مجبوراً شریک ہوئے۔ مگر آنحضرت ﷺ کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ یہ مسلمان ہو چکے ہیں اس لئے آپ ﷺ نے مسلمانوں کو آگاہ فرما دیا تھا کہ جنگ میں ان پر ہاتھ نہ

اٹھایا جائے۔

بہر حال جب جنگ ختم ہوئی اور حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و غلبہ نصیب فرمایا تو اسلامی لشکر کفار مکہ کی ایک بڑی تعداد کو میدان جنگ سے اسیر بنا کر مدینہ لایا۔ انہیں قیدیوں میں حضرت عباسؓ بھی تھے، حضرت عباسؓ جب مدینہ لائے گئے تو ان کے بدن پر کپڑا نہیں تھا اور چونکہ وہ دراز قد تھے اس لئے کسی مسلمان کا لباس ان کے جسم پر نہیں آیا، اتفاق سے عبداللہ ابن ابی بھی دراز قد تھا اس نے اپنا کرتہ حضرت عباسؓ کے لئے پیش کیا جسے بدرجہ مجبوری قبول کر لیا گیا اس طرح حضرت عباسؓ نے عبداللہ ابن ابی کا کرتہ پہنا۔ چنانچہ جب عبداللہ ابن ابی مرا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے کرتہ کا بدلہ اتارنے کے لئے اپنا مبارک کرتہ اس کو پہنا دیا تاکہ آپ ﷺ پر ایک منافق کا احسان باقی نہ رہے۔

اس موقعہ پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم میں تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ

”منافقین میں سے جو مر جائے اس کے لئے (مغفرت و بخشش کی) بھی دعا نہ کیجئے اور نہ ہی اس کی قبر پر جائیے۔“

مگر اس کے باوجود آنحضرت ﷺ عبداللہ ابن ابی کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کو اپنا کرتہ پہنایا اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا؟

علماء نے اس اشکال کے بہت سارے جواب دیئے ہیں جو پوری تفصیل کے ساتھ دوسری شروح میں مذکور ہیں یہاں تو صرف یہ جواب نقل کر دینا کافی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ مذکورہ بالا آیت نازل نہیں ہوئی تھی، پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ کا مقصد صرف اس کے ایک احسان کا بدلہ اتارنا تھا جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا، نیز عبداللہ ابن ابی کا لڑکا چونکہ مخلص و صادق مؤمن تھا اور وہ نفاق سے پاک تھا اس لئے اس کی تالیف قلب اور خاطرداری بھی پیش نظر تھی۔

زندگی کے آخری لمحات اور میت کے غسل و تکفین کے کچھ احکام

چونکہ یہ باب ختم ہو رہا ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس موقع پر زندگی کے آخری لمحات اور میت کے غسل و تکفین کے بارہ میں کچھ احکام و مسائل بیان کر دیئے جائیں۔

جب کوئی شخص قریب المرگ ہو اور اس پر علامات موت ظاہر ہونے لگیں تو اسے قبلہ رخ کر دیا جائے بایں طور کہ اسے چت لٹا کر اس کے پاؤں قبلہ کی طرف کر دیئے جائیں اور سر کو اونچا کر دیا جائے تاکہ وہ قبلہ رخ ہو جائے، اور قریب المرگ کو تلقین کی جائے یعنی اس کے سامنے کلمہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ بآواز بلند پڑھا جائے تاکہ قریب المرگ بھی سن کر پڑھنے لگے۔ مگر قریب المرگ کو کلمہ پڑھنے کا حکم نہ دیا جائے کیونکہ وہ وقت بڑا مشکل ہے نہ معلوم اس کے منہ سے کیا نکل جائے۔ جب روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے تو اس کے تمام اعضاء درست کر دیئے جائیں اور کپڑے سے اس کا منہ اس ترکیب سے باندھ دیا جائے کہ کپڑا ٹھوڑی کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں سرے سر کے اوپر لے جائیں اور گرہ لگا دی جائے تاکہ منہ بند ہو جائے اور منہ کے اندر کوئی کیڑا وغیرہ نہ داخل ہو سکے، آنکھیں بند کر دی جائیں اور پیر کے دونوں انگوٹھے ملا کر باندھ دیئے جائیں تاکہ دونوں ٹانگیں پھیلنے نہ پائیں۔

میت کو نہلانے، کفنانے اور دفنانے میں جہاں تک ہو سکے جلدی کرنی چاہئے۔ جب میت کو غسل دینے کا ارادہ کیا جائے تو پہلے کسی تخت یا بڑے تختہ کو لبان یا اگر بتی وغیرہ کی دھونی دینی چاہئے۔ تین دفعہ، پانچ دفعہ، یا سات دفعہ چاروں طرف دھونی دے کر میت کو اس پر لٹا دیا جائے اس کے کپڑے اتار کر کوئی کپڑا کہ جس کی لمبائی ڈیڑھ ہاتھ اور چوڑائی دو ہاتھ ہو ناف سے لے کر زانو تک ڈال دیا جائے تاکہ ستر چھپا رہے۔

غسل میت کا طریقہ

میت کو نہلانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مردہ کا استنجا کرایا جائے لیکن رانوں اور استنجے کی جگہ غسل دینے والا اپنے ہاتھ نہ لگائے اور نہ اس پر نگاہ ڈالے بلکہ اپنے ہاتھ میں کوئی کپڑا لپیٹ لے اور جو کپڑا ناف سے زانوں تک پڑا ہے اس کے اندر اندر دھلائے، پھر اسے وضو کرائی جائے لیکن نہ تو کلی کرائی جائے اور نہ ناک میں پانی ڈالا جائے اور نہ گٹے تک ہاتھ دھلائے جائیں۔ بلکہ منہ دھلایا جائے پھر ہاتھ کہنی سمیت، پھر سر کا مسح، پھر دونوں پیر اور اگر تین دفعہ روئی تر کر کے دانتوں اور مسوڑھوں پر اور ناک کے دونوں سوراخوں میں پھیر دی جائے تو بھی جائز ہے۔ ہاں اگر میت نہانے کی حاجت میں یا حیض و نفاس میں مرجائے تو اس طرح سے منہ اور ناک میں پانی پہنچانا ضروری ہے۔

میت کی ناک، منہ اور کانوں میں روئی بھر دی جائے تاکہ وضو کراتے اور نہلاتے وقت پانی اندر نہ جائے۔

جب وضو کرا دیا جائے تو سر اور داڑھی کو خطمی (گل خیرو) سے یا اور کسی چیز سے جیسے بیسن، کھلی اور یا صابون وغیرہ سے مل کر دھویا جائے، پھر میت کو بائیں کروٹ لٹا کر بیری کے پتے یا اشنان ڈال کر پکایا ہوا پانی نیم گرم تین دفعہ سر سے پیر تک ڈالا جائے یہاں تک کہ پانی اس کروٹ تک پہنچ جائے جو تختے سے لگی ہوئی ہے۔ پھر دائیں کروٹ لٹا کر اسی طرح سر سے پیر تک تین دفعہ پانی ڈالا جائے یہاں تک کہ پانی اس کروٹ تک پہنچ جائے جو تختے سے لگی ہوئی ہے۔

اس کے بعد میت کو اپنے بدن کی ٹیک لگا کر ذرا بٹھلایا جائے اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملا اور دبایا جائے اگر پیٹ سے کوئی پاخانہ وغیرہ نکلے تو اسے پونچھ کر دھو ڈالا جائے۔ لیکن اس صفائی کے بعد پھر دوبارہ وضو اور غسل کی ضرورت نہیں اس کے بعد پھر اس کو بائیں کروٹ پر لٹا کر کافور پڑا ہوا پانی سر سے پیر تک تین مرتبہ ڈالا جائے۔ اگر بیری کے پتے اشنان اور کافور میسر نہ آئے تو سادہ نیم گرم پانی کافی ہے۔ اسی سے اسی طرح تین دفعہ نہلایا جائے۔

نہلانے کے بعد سارے بدن کو کپڑے سے پونچھ دیا جائے اور پھر اس کے سر اور داڑھی پر عطر لگایا جائے اور ماتھے تک ناک، دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر کافور مل دیا جائے میت کے بالوں اور داڑھی میں کنگھی نہ کی جائے اور نہ ناخن و بال کترے جائیں۔ اسی طرح جس میت کی ختنہ نہ ہوئی ہو اس کی ختنہ بھی نہ کی جائے۔ ان تمام چیزوں سے فارغ ہو کر کفنا دیا جائے۔

مسنون کفن

مرد میت کو تین کپڑے کفنانا سُنّت ہے۔

① کفنی یعنی کرتہ جو مونڈھے سے پیروں تک ہو ② ازار ③ لفافہ، یعنی چادر۔ ازار سر سے لے کر پاؤں تک اور چادر اس سے ایک ہاتھ بڑی ہونی چاہئے۔ یہ مسنون کفن ہے، اور کفن کفایہ دو کپڑے یعنی ایک ازار اور ایک لفافہ۔

عورت کی میت کو پانچ کپڑوں میں کفنانا سُنّت ہے۔

① کفنی یعنی کرتا ② اوڑھنی یعنی سفید سربند ③ ازار ④ لفافہ یعنی چادر ⑤ سینہ بند۔

سربند تین ہاتھ لمبا ہونا چاہئے اور سینہ بند بغلوں کے نیچے کے حصہ سے لے کر گھٹنوں تک چوڑا اور اتنا لمبا ہونا چاہئے کہ بندھ جائے، بقیہ تین کپڑے اسی مقدار میں ہونا چاہئیں۔ جتنے مرد کے کفن میں لگتے ہیں۔ کفن مسنون کی اس مقدار میں زیادتی یا کمی کرنا برا ہے۔

عورت کے لئے کفن کفایہ تین کپڑے ہیں۔

① ازار ② اوڑھنی ③ لفافہ۔ ضرورت و مجبوری کے وقت ایک کپڑا بھی کافی ہے۔ لیکن بلا ضرورت صرف ایک کپڑے پر اکتفا نہ کرنا چاہئے۔

کفنانے کا طریقہ

کفنانے سے پہلے کفن کو تین یا پانچ یا سات مرتبہ خوشبو کی دھونی دینی چاہئے، پھر میت کو اگر وہ مرد ہو تو اس طریقہ سے کفنایا جائے کہ پہلے لفافہ یعنی پوٹ کی چادر بچھائی جائے۔ اس کے اوپر ازار اس کے اوپر کرتہ، پھر میت کو اس پر لے جا کر پہلے کرتہ پہنایا جائے اور اس کے دونوں ہاتھ سینہ پر نہ رکھے جائیں بلکہ دونوں طرف پھیلا دیئے جائیں اور پھر ازار لپیٹ دیا جائے پہلے بائیں طرف پھر دائیں طرف، پھر چادر لپیٹی جائے پہلے بائیں طرف پھر دائیں طرف۔

عورت کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے چادر اور ازار بچھا کر اس پر کرتہ رکھا جائے اور میت کو اس پر لے جا کر پہلے کرتہ پہنایا جائے اور سر کے بالوں کو دو حصے کر کے کرتہ کے اوپر سینہ پر ڈال دیا جائے ایک حصہ دائیں طرف اور ایک حصہ بائیں طرف۔

اس کے بعد سربند سر پر اور بالوں پر ڈالا جائے اسے نہ باندھا جائے اور نہ لپیٹا جائے پھر اس کے اوپر ازار اور اس کے بعد لفافہ یعنی پوٹ کی چادر اسی ترتیب سے یعنی پہلے بائیں طرف سے پھر دائیں طرف سے لپیٹ دی جائے اور پھر سب سے اوپر سینہ بند لپیٹا جائے۔

کفن کے کپڑے لپیٹنے کے بعد کسی دھجی سے پیر اور سر کی طرف کفن باندھ دیا جائے اور ایک بند سے کمر کے پاس بھی باندھ دینا چاہئے تاکہ راستہ میں کہیں کھل نہ جائے۔

بَابُ الْمَشْيِ بِالْجَنَازَةِ وَالصَّلٰوةِ عَلَيْهَا
جنازہ کے ساتھ چلنے اور نماز جنازہ کا بیان

جنازہ کے ساتھ پیادہ چلنا افضل ہے

جنازہ کے ساتھ پیادہ چلنا اور سوار چلنا دونوں جائز ہیں لیکن پیادہ چلنا افضل ہے۔ اگر کوئی شخص جنازہ کے ساتھ سواری پر چلے تو اسے چاہئے کہ وہ جنازہ کے پیچھے پیچھے چلے ہاں پیادہ چلنے والے کے لئے جنازہ کے آگے چلنا بھی جائز ہے اور پیچھے بھی، لیکن اس کے لئے پیچھے ہی چلنا افضل ہے۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے

جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے یعنی اگر کچھ لوگ نماز جنازہ پڑھ لیں تو سب کے ذمہ سے فرضیت ساقط ہو جائے گی، ورنہ تو بصورت دیگر سب ہی گنہگار ہوں گے۔

نماز جنازہ کی شرائط صحت

نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں ① میت کا مسلمان ہونا ② طہارت میت یعنی میت کا نہلایا ہوا ہونا ③ جنازہ کا نمازیوں کے آگے رکھا ہوا ہونا لہٰذا تیسری شرط کا مطلب یہ ہوا کہ نہ تو جنازہ کی نماز غائبانہ پڑھنا جائز ہے اور نہ اس جنازہ کی نماز جائز ہے جو جانور کی پیٹھ پر یا لوگوں کے کاندھے پر ہو اسی طرح اس جنازہ کی نماز بھی جائز نہیں ہے جو نمازیوں کے پیچھے رکھا ہوا ہو۔

اگر کوئی میت بغیر نہلائے دفن کر دی جائے اور اسے قبر کھودے بغیر باہر نکالنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں طہارت کی شرط ساقط ہو جاتی ہے لہٰذا اس کی نماز جنازہ نہلائے بغیر ہی اس کی قبر پر ادا کی جائے اور اگر میت کو باہر نکالنا ممکن ہو تو پہلے اسے باہر نکال کر نہلایا جائے پھر اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے۔

اگر نادانستہ طور پر بغیر غسل کے کسی میت کی نماز جنازہ ادا کر دی گئی اور پھر قبر کھودے بغیر اسے باہر نکال کر غسل دیا گیا تو اس کی نماز جنازہ دوبارہ پڑھی جائے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

جنازہ لے کر جلدی چلنا چاہئے

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَیْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا اِلَیْهِ وَاِنْ تَكُ سِوٰی ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِقَابِكُمْ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جنازہ لے کر جلدی چلو، کیونکہ اگر وہ جنازہ نیک (آدمی کا) ہے تو (اس کے لئے) بھلائی ہے لہٰذا اسے نیکی و بھلائی کی طرف (جلد) پہنچا دو اور اگر وہ ایسا نہیں ہے تو برا ہے لہٰذا اسے (جلد سے جلد) اپنی گردنوں سے اتار کر رکھ دو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "جنازہ لے کر جلدی چلو" کا مطلب یہ ہے کہ جب دفن کرنے کے لئے جنازہ کو لے کر چلو تو جلدی جلدی چلو، آہستہ آہستہ قدم نہ اٹھاؤ لیکن "جلدی" سے دوڑنا مراد نہیں ہے بلکہ متوسط چال مراد ہے کہ قدم جلد جلد اٹھیں اور پاس پاس رکھے جائیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جنازہ لے کر چلنے کی چال معمولی چال سے تو بڑھی ہوئی ہو اور دوڑنے سے کم ہو۔

"اگر وہ جنازہ نیک (آدمی کا) ہے الخ" یہ جلدی چلنے کا فائدہ بیان کیا جا رہا ہے کہ تم جس شخص کا جنازہ لے کر چل رہے ہو اگر اس کی زندگی اچھے احوال اور اچھے اعمال کے ساتھ گزری ہے تو اسے جلد جلد لے کر چلو تاکہ وہ آخرت کے ثواب اور حق تعالیٰ کی رحمت تک جلد سے جلد پہنچ جائے اور اگر وہ جنازہ کسی ایسے شخص کا ہے جس کی زندگی برے احوال اور برے اعمال کے ساتھ گزری ہے تو بھی جلد جلد چلو تاکہ برے کو جلد اپنے کاندھوں سے اتار پھینکو۔

نیکوکار اور بدکار کا جنازہ

(۲) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ فَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰی اَعْنَاقِهِمْ فَاِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ قَدِّمُوْنِیْ وَاِنْ كَانَتْ غَیْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ لِاَهْلِهَا یَا وَیْلَهَا اَیْنَ تَذْهَبُوْنَ بِهَا یَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَیْءٍ اِلَّا الْاِنْسَانَ وَلَوْ سَمِعَ الْاِنْسَانُ لَصَعِقَ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب جنازہ تیار کیا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں تو اگر وہ جنازہ نیک بخت (آدمی کا) ہوتا ہے تو اپنے لوگوں سے کہتا ہے کہ (مجھے میری منزل کی طرف) جلد لے چلو اور اگر بدبخت (آدمی کا) جنازہ ہوتا ہے تو اپنے لوگوں سے کہتا ہے کہ "ہائے افسوس! مجھے کہاں لئے جاتے ہو!"؟ جنازہ کی اس آواز کو سوائے انسان کے ہر چیز سن سکتی ہے، اگر انسان اس آواز کو سن لے تو بے ہوش ہو کر گر پڑے یا مر جائے۔" (بخاریؒ)

تشریح: نیک بخت یعنی مؤمن جب مرتا ہے اور اس کا جنازہ تیار ہو جاتا ہے تو چونکہ جنت کی نعمتیں اور حق تعالیٰ کی رحمتیں دیکھتا ہے اس لئے اپنے آپ کو جلدی لے چلنے کے لئے کہتا ہے اس کے برخلاف جب بدبخت انسان موت کی گود میں پہنچ جاتا ہے اور اسکا جنازہ تیار کیا جاتا ہے تو چونکہ وہ عذاب کو سامنے دیکھتا ہے اس لئے واویلا کرتا ہے اور اپنے لوگوں سے کہتا ہے کہ مجھے عذاب کی طرف کیوں لے جا رہے ہو۔

علماء لکھتے ہیں کہ مردہ اس وقت حقیقتاً کلام کرتا ہے اگرچہ اس کی روح نکل چکی ہوتی ہے فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ انسان اس کی آواز

کی سماعت نہیں کرسکتا جب کہ دوسری مخلوقات اس کی آواز سنتی ہیں، اور یہ چیز کوئی غیر ممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ مردہ اپنی قبر میں سوال جواب کے لئے زندہ کیا جاتا ہے۔

جنازے کو دیکھ کر کھڑے ہوجانے کا حکم

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَأَیْتُمُ الْجَنَازَۃَ فَقُوْمُوْا فَمَنْ تَبِعَھَا فَلَا یَقْعُدْ حَتّٰی تُوْضَعَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم جنازے کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ اور جو شخص جنازہ کے ساتھ رہے تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک کہ جنازہ (لوگوں کے کاندھے سے زمین پر یا قبر میں) نہ رکھ دیا جائے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب جنازہ گھر میں سے نکلے تو میت کے احترام اور اس کے ایمان کی تعظیم کے پیش نظر کھڑا ہو جانا چاہئے گویا اس ارشاد گرامی میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایسے موقع پر بے پرواہ نہ ہو جانا چاہئے بلکہ جنازہ دیکھتے ہی بے قرار ہو کر اور ڈر کر اٹھ کھڑا ہونا چاہئے اور جب تک کہ جنازہ رکھ نہ دیا جائے زمین پر بیٹھا نہ جائے بلکہ کاندھا دینے کے لئے جنازہ کے ساتھ ساتھ رہے۔

بعض حنفی علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جنازہ کے ساتھ جانے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو اکثر علماء کے نزدیک اس کے لئے جنازہ دیکھ کر اٹھ کر کھڑے رہنا مکروہ ہے۔ جب کہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اسے اختیار ہے کہ چاہے تو کھڑا رہے اور چاہے بیٹھا رہے۔ اسی طرح بعض علماء کا یہ بھی قول ہے کہ یہ دونوں ہی (یعنی کھڑے ہو جانا اور بیٹھے رہنا) مستحب ہیں جمہور علماء فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث اور اس کے بعد آنے والی حدیث دونوں ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت کی بنا پر جو آگے آرہی ہے منسوخ ہیں۔

④ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ مَرَّتْ جَنَازَۃٌ فَقَامَ لَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقُمْنَا مَعَہٗ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّھَا یَھُوْدِیَّۃٌ فَقَالَ اِنَّ الْمَوْتَ فَزَعٌ فَاِذَا رَأَیْتُمُ الْجَنَازَۃَ فَقُوْمُوْا (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ ایک جنازہ گزرا تو رسول کریم ﷺ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، پھر ہم نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا! (کسی مسلمان کا جنازہ تو تھا نہیں کہ جس کی تعظیم و تکریم کے لئے اٹھا جاتا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا "موت" خوف اور گھبراہٹ کی چیز ہے جب تم جنازہ دیکھو تو (اگرچہ وہ جنازہ کافر ہی کا کیوں نہ ہو) اٹھ کھڑے ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

⑤ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ رَأَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَامَ فَقُمْنَا وَقَعَدَ فَقَعَدْنَا یَعْنِیْ فِی الْجَنَازَۃِ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَۃِ مَالِکٍ وَّاَبِیْ دَاؤُدَ قَامَ فِی الْجَنَازَۃِ ثُمَّ قَعَدَ بَعْدُ۔

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کو جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوئے دیکھا ہے چنانچہ ہم بھی کھڑے ہو گئے جب آپ بیٹھے ہم بیٹھ گئے" (مسلمؒ) اور حضرت امام مالکؒ اور حضرت ابوداؤدؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "آنحضرت ﷺ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوئے اور اس کے بعد بیٹھے۔"

تشریح: پہلی روایت کے جو امام مسلمؒ نے نقل کی ہے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ "آنحضرت ﷺ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے جب جنازہ گزر گیا اور نظروں سے غائب ہو گیا تو آپ ﷺ بھی بیٹھ گئے اور آپ کے ساتھ ہم بھی بیٹھ گئے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ "کچھ عرصہ تک تو آپ کا معمول یہ رہا کہ جب جنازہ دیکھتے تو کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ صورت رہی کہ آپ جنازہ دیکھ کر اٹھتے نہیں تھے بلکہ بیٹھے ہی رہا کرتے تھے۔

اسی طرح دوسری روایت کے بھی کہ جسے حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام ابوداؤدؒ نے نقل کیا ہے یہی دونوں مطلب ہیں اور دوسرا

مطلب ہی زیادہ صحیح ہے۔

جنازہ کے ساتھ چلنے اور نماز جنازہ و تدفین میں شریک ہونیکا ثواب

(۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا وَّكَانَ مَعَهٗ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِّثْلُ اُحُدٍ وَّمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ مؤمن ہونے کی حیثیت سے (یعنی فرمان شریعت پر عمل کرنے کی غرض سے) اور طلب ثواب کی خاطر جائے اور جنازہ کے ساتھ ساتھ رہے یہاں تک کہ اس کی نماز جنازہ پڑھے اور اس کی تدفین سے فراغت پائے تو وہ شخص دو قیراط ثواب لے کر واپس ہوتا ہے جس میں سے ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے اور جو شخص صرف جنازہ کی نماز پڑھ کر آ جائے اور تدفین میں شریک نہ ہو تو وہ ایک قیراط ثواب لے کر واپس ہوتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "قیراط" دینار کے بارھویں حصہ کو کہتے ہیں جس کا وزن تقریباً چار جو کے برابر ہوتا ہے یہاں قیراط سے مراد "حصہ عظیم" یعنی بہت بڑا انبار ہے جس کو احد پہاڑ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

نجاشی بادشاہ کی غائبانہ نماز جنازہ

(۷) وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعٰى لِلنَّاسِ النَّجَاشِيَّ الْيَوْمَ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ وَخَرَجَ بِهِمْ اِلَى الْمُصَلّٰى فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ اَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نجاشی کے انتقال کی خبر لوگوں کو اسی روز پہنچائی جس دن کہ اس کا انتقال ہوا تھا پھر صحابہؓ کے ہمراہ عید گاہ تشریف لے گئے وہاں سب کے ہمراہ (نماز جنازہ کے لئے صف بندی فرمائی اور چار تکبیریں کہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "نجاشی" حبشہ کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا، اس نجاشی بادشاہ کا نام کہ جس کے جنازہ کی آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ غائبانہ ادا فرمائی "اصحمہ" تھا۔ یہ پہلے تو دین نصاریٰ کے پیرو تھے مگر بعد میں آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے۔ جب کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے اور مکہ میں انکی زندگی اجیرن بنادی تو آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ مکہ سے ہجرت کر جائیں چنانچہ صحابہؓ کی ایک بہت بڑی تعداد اپنا گھر بار چھوڑ کر حبشہ کو ہجرت کر گئی مسلمانوں کی یہی سب سے پہلی ہجرت تھی حبشہ میں اس وقت یہی "اصحمہ" نامی نجاشی بادشاہ تخت سلطنت پر تھے۔ انہوں نے صحابہؓ کی بہت اعلیٰ پیمانہ پر پذیرائی کی اور ان کی خدمت کو اپنے لئے باعث سعادت جان کر حق میزبانی ادا کیا۔

چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو آنحضرت ﷺ کو بہت زیادہ صدمہ ہوا اور آپ ﷺ نے صحابہؓ کو ان کے انتقال کی خبر دی اور سب کو لے کر عید گاہ تشریف لے گئے اور وہاں ان کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا مسئلہ

ہدایہ میں لکھا ہے کہ مسجد میں جو جماعت پنجگانہ کے لئے بنائی گئی ہو جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ "جو شخص مسجد میں میت پر نماز پڑھے گا تو اسے ثواب نہیں ملے گا۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ "خلاصہ" میں لکھا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے خواہ جنازہ اور نمازی دونوں مسجد میں ہوں خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو اور سب نمازی یا تھوڑے نمازی مسجد کے باہر ہوں۔ ہاں البتہ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ "اس صورت میں

مکروہ نہیں ہے جب کہ جنازہ مسجد سے باہر رکھا ہوا ہو۔ پھر اس کے بعد کراہت کے بارہ میں بھی علماء کے اختلافی اقوال ہیں بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ کراہت تحریمی ہے۔ جب کہ بعض حضرات کا قول ہے کہ کراہت تنزیہی ہے۔

حدیث سے شوافع کا استدلال

حضرات شوافع اس حدیث کو اپنے مسلک کا مستدل قرار دیتے ہیں کہ نماز جنازہ غائبانہ جائز ہے چونکہ حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ غائبانہ جائز نہیں ہے اس لئے ان کی طرف سے اس حدیث کی تاویل کی جاتی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ نجاشی کا جنازہ آنحضرت ﷺ کے سامنے کر دیا گیا ہو، کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات اس پر قادر ہے کہ درمیان میں حائل پہاڑ و جنگلات اور در و دیوار ہٹا دیئے گئے ہوں اور آنحضرت ﷺ نجاشی کا جنازہ دیکھ رہے ہوں۔ لہٰذا یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہوئی دوسروں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ نماز جنازہ غائبانہ ادا کریں چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بغیر اسناد کے منقول ہے کہ "سریر یعنی نجاشی کا جنازہ کھولا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اسے دیکھا اور اس پر نماز پڑھی۔

نماز جنازہ کی تکبیرات

⑧ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ کَانَ زَیْدُ بْنُ اَرْقَمَ یُکَبِّرُ عَلٰی جَنَآئِزِنَا اَرْبَعًا وَّاَنَّهٗ کَبَّرَ عَلٰی جَنَازَةٍ خَمْسًا فَسَاَلْنَاهُ فَقَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُکَبِّرُهَا (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی کہتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقم (صحابی) ہمارے جنازوں (کی نماز) میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ ایک جنازہ پر انہوں نے پانچ تکبیریں کہیں تو ہم نے ان سے پوچھا کہ "آپ تو ہمیشہ چار تکبیریں کہا کرتے تھے آج پانچ تکبیریں کیوں کہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حضرت زید بن ارقم کے ارشاد کہ "آنحضرت ﷺ پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو آپ ابتدائی زمانہ میں پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے یا یہ کہ کبھی کبھی پانچ تکبیریں کہتے تھے۔

تمام علماء کا متفقہ طور پر یہ فیصلہ ہے کہ نماز جنازہ میں چار ہی تکبیریں ہیں اگرچہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے چار سے زائد تکبیریں بھی منقول ہیں لیکن علماء لکھتے ہیں کہ آخر میں آپ ﷺ سے چار ہی تکبیریں ثابت ہیں لہٰذا جن روایتوں میں چار سے زائد تکبیریں منقول ہیں وہ منسوخ ہیں اگر حضرت زیدؓ ان روایتوں کے منسوخ ہونے کے قائل نہیں ہیں تو اس اتفاقی اور اجماعی فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ

⑨ وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰی جَنَازَةٍ فَقَرَاَ فَاتِحَةَ الْکِتَابِ فَقَالَ لِتَعْلَمُوْآ اَنَّهَا سُنَّةٌ (رواہ البخاری)

"اور حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کے پیچھے جنازہ کی نماز پڑھی چنانچہ انہوں نے (تکبیر اولیٰ کے بعد) سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ "میں نے سورۃ فاتحہ اس لئے پڑھی ہے تاکہ تم لوگ جان لو کہ یہ سُنّت ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ "یہ سُنّت ہے" سے مراد یہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ یعنی اگر تکبیر اولی کے بعد سبحانک اللھم الخ کے بجائے سورت فاتحہ پڑھی جائے تو یہ سورت فاتحہ سُنّت (یعنی سبحانک اللھم الخ پڑھنے) کے قائم و مقام ہو جاتی ہے۔

محقق امام ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ "نماز جنازہ میں سورت فاتحہ کی قرات نہ کی جائے ہاں بہ نیت ثنا سورہ فاتحہ پڑھی جا سکتی ہے چنانچہ

نماز جنازہ میں آنحضرت ﷺ سے سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ نیز موطا میں منقول ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نماز جنازہ میں سورت فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔

چونکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے الفاظ اِنَّهَا سُنَّةٌ (یہ سُنّت ہے) میں سُنّت سے مراد ہے کہ "سورہ فاتحہ پڑھنا دین کا ایک مشروع طریقہ ہے" لہٰذا ان کی اس تاویل سے وجوب کی نفی نہیں ہوتی۔

نماز جنازہ میں میت کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعا

(۱۰) وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جَنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَقِهٖ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ قَالَ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا ذٰلِكَ الْمَيِّتَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عوفؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھی، میں نے آپ ﷺ کی وہ دعا یاد کرلی جو آپ (تیسری تکبیر کے بعد) فرماتے ہیں کہ (اور وہ یہ ہے) اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ۔ (اے اللہ اس کے گناہ بخش دے، اس پر رحم فرما (یعنی اس کی عبادات و طاعات قبول فرما) اسے عافیت میں رکھ، اس کی (لغزشوں) سے درگزر فرما (جنت میں) اس کی اچھی مہمانی کر، اس کی قبر کشادہ فرما اس کو پانی سے برف سے اور اولے سے پاک کر دے (یعنی طرح طرح کی مغفرتوں سے اس کے گناہ صاف کرا دے اسے گناہوں سے پاکیزہ فرمادے) جیسا کہ سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے۔ اسے (دنیا کے) اس گھر سے (آخرت کا) بہتر گھر عطا فرما اس کے خادموں سے بہتر خادم عطا فرما اور اس بیوی سے بہتر بیوی عطا فرما، اسے (بغیر عذاب کے ابتداء ہی میں) جنّت میں داخل کر اور اسے قبر کے عذاب سے یا فرمایا کہ دوزخ کے عذاب سے پناہ دے" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

(اس کے قبر کے فتنہ سے یعنی فرشتوں کے جواب میں متحیر ہونے سے اور آگ کے عذاب سے بچا) حضرت عوفؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے اس میت کے لئے یہ دعا سُنی تو مجھے بڑا رشک آیا اور بے اختیار میرے دل سے یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش یہ میری میت ہوتی تاکہ آنحضرت ﷺ یہ دعا میرے لئے فرماتے۔"

تشریح: "اس کی بیوی سے بہتر بیوی" سے جس طرح جنّت کی حوریں مراد ہیں اسی طرح دنیا کی عورتیں بھی مراد ہیں، لہٰذا اس بارے میں کوئی اشکال نہیں رہا کہ جنّت میں دنیا کی عورتیں اپنے نماز روزے کی وجہ سے جنّت میں حوروں سے افضل ہوں گی جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

فقہ میں لکھا ہے کہ اس دعا کو آہستہ پڑھنا مستحب ہے آنحضرت ﷺ نے یہ دعا با آواز بلند اس لئے پڑھی تھی تاکہ اسے دوسرے سن کر یاد کرلیں۔ یہ دعا نسائیؒ اور ترمذیؒ نے بھی نقل کی ہے اور امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ جنازہ کے سلسلہ میں میت کے لئے جو دعائیں منقول ہیں ان سب میں یہ دعا سب سے زیادہ صحیح ہے۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا مسئلہ

⑪ وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ عَآئِشَةَ لَمَّا تُوُفِّیَ سَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَتِ ادْخُلُوْا بِهِ الْمَسْجِدَ حَتّٰی اُصَلِّیَ عَلَيْهِ فَاُنْكِرَ ذٰلِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَقَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَی ابْنَیْ بَيْضَآءَ فِی الْمَسْجِدِ سُهَيْلٍ وَ اَخِيْهِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابی سلمہ بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن وقاصؓ کا انتقال ہوا (اور ان کا جنازہ ان کے مکان سے بقیع میں دفن کے لئے لایا گیا) تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لاؤ تاکہ میں بھی نماز پڑھ سکوں لوگوں نے اس سے انکار کیا (کہ مسجد میں جنازہ کی نماز کیسے پڑھی جاسکتی ہے) حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "خدا کی قسم! آنحضرت ﷺ نے بیضا کے دونوں لڑکوں سہیل اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: سہیل کے بھائی کا نام سہل تھا اور ان دونوں کی ماں کا نام بیضاء تھا۔

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو اس حدیث کے پیش نظر جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھی جاسکتی ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کی دلیل بھی یہی حدیث ہے کہ حضرت عائشہؓ کے کہنے پر صحابہؓ نے اس بات سے انکار کر دیا کہ سعد بن وقاصؓ کا جنازہ مسجد میں لایا جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ معمول نہیں تھا کہ مسجد میں نماز جناہٗ پڑھتے ہوں بلکہ مسجد ہی کے قریب ایک جگہ مقرر تھی جہاں آپ ﷺ نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ پھر یہ کہ اس کے علاوہ ابوداؤد میں ایک حدیث بھی بایں مضمون منقول ہے کہ "جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے گا اسے ثواب نہیں ملے گا۔

جہاں تک حضرت عائشہؓ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسجد میں سہیل اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ پڑھی ہے تو اسکے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ ایسا آپ نے عذر کی وجہ سے کیا کہ اس وقت یا تو بارش ہو رہی تھی یا یہ کہ آپ اعتکاف میں تھے اس لئے آپ ﷺ نے مسجد ہی میں نماز جنازہ ادا فرمائی، چنانچہ ایک روایت میں اس کی صراحت بھی کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ چونکہ اعتکاف میں تھے اس لئے آپ ﷺ نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی۔

نماز جنازہ میں امام کہاں کھڑا ہو؟

⑫ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَآءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَی امْرَاَةٍ مَاتَتْ فِیْ نِفَاسِهَا فَقَامَ وَسْطَهَا (متفق علیہ)

"اور حضرت سمرہؓ بن جندب فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے پیچھے ایک عورت کے جنازہ کی نماز پڑھی جو حالت نفاس میں انتقال کر گئی تھی چنانچہ آپ ﷺ نماز کے لئے جنازہ کے درمیان کھڑے ہوئے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ عورت کے جنازہ کی نماز میں امام میت کے کولہوں کے سامنے کھڑا ہو اور مرد کے جنازہ کی نماز میں میت کے سر کے سامنے کھڑا ہو، چنانچہ عورت کی نماز جنازہ کے بارہ میں تو حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی دلیل یہی حدیث ہے جب کہ مرد کی نماز جناہ کے بارہ میں وہ اپنا مسلک ایک دوسری حدیث سے ثابت کرتے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ امام میت کے سینہ کے سامنے کھڑا ہو کر خواہ مرد کا ہو یا عورت کا جنازہ ہو۔ اس حدیث کے بارہ میں حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میت کے سینہ کے سامنے کھڑے ہونے کی منافی نہیں ہے کیونکہ انسانی جسم اعضاء کے

اعتبار سے دراصل سینہ ہی وسط ہے بایں طور کہ سینہ کے اوپر سر اور ہاتھ ہیں اور سینہ کے نیچے پیٹ اور پاؤں ہیں اور ان سب کے درمیان سینہ ہے، نیز یہ احتمال ہے کہ آنحضرت ﷺ اس موقع پر سینہ کے سامنے کولہوں کی طرف تھوڑا مائل کھڑے ہوں گے اور چونکہ یہ دونوں حصے یعنی سینہ اور کولھے آپس میں بالکل قریب قریب ہیں اس لئے راوی نے یہ گمان کر لیا ہو کہ آپ کولہوں کے سامنے کھڑے تھے۔

شمنیؒ نے کہا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسف کی روایت بھی یہ ہے کہ عورت کے جنازہ کی نماز میں امام میت کے کولہوں کے سامنے کھڑا ہو۔ واللہ اعلم۔

تدفین کے بعد قبر پر نماز جنازہ

(۱۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَبْرٍ دُفِنَ لَیْلًا فَقَالَ مَتٰی دُفِنَ ھٰذَا قَالُوا الْبَارِحَۃَ قَالَ اَفَلَا اٰذَنْتُمُوْنِیْ قَالُوْا دَفَنَّاہُ فِیْ ظُلْمَۃِ اللَّیْلِ فَکَرِھْنَا اَنْ نُوْقِظَکَ فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَہٗ فَصَلّٰی عَلَیْہِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کا ایک ایسی قبر پر گزر ہوا جس میں بوقت شب مردہ دفن کیا گیا تھا آپ نے پوچھا کہ یہ کب دفن کیا گیا ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ آج ہی رات میں آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ "ہم نے اسے اندھیری رات میں دفن کیا تھا اس وقت آپ کو جگانا ہمیں اچھا نہیں معلوم ہوا۔" پھر آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھی چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

(۱۴) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ امْرَاَۃً سَوْدَاءَ کَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ اَوْشَابٌّ فَفَقَدَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَ عَنْھَا اَوْ عَنْہُ فَقَالُوْا مَاتَ قَالَ اَفَلَا کُنْتُمْ اٰذَنْتُمُوْنِیْ قَالَ فَکَاَنَّھُمْ صَغَّرُوْا اَمْرَھَا اَوْ اَمْرَہٗ فَقَالَ دُلُّوْنِیْ عَلٰی قَبْرِہٖ فَدَلُّوْہُ فَصَلّٰی عَلَیْھَا ثُمَّ قَالَ اِنَّ ھٰذِہِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَۃٌ ظُلْمَۃً عَلٰی اَھْلِھَا وَاِنَّ اللّٰہَ یُنَوِّرُھَا لَھُمْ بِصَلَاتِیْ عَلَیْھِمْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَلَفْظُہٗ لِمُسْلِمٍ

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک کالی عورت تھی جو مسجد (نبوی ﷺ) میں جھاڑو دیا کرتی تھی یا راوی کہتے ہیں کہ ایک جوان مرد تھا جو جھاڑو دیا کرتا تھا، رسول کریم ﷺ نے ایک دن اسے غائب پایا تو اس عورت، یا مرد کے بارہ میں دریافت فرمایا کہ وہ کہاں ہے؟ بتایا گیا کہ وہ مرگئی یا وہ مرگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "مجھے کیوں نہیں بتایا گیا؟" "تاکہ میں بھی اس کی نماز جنازہ پڑھتا، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس عورت یا اس مرد کی موت کو کوئی اہمیت نہیں دی (کہ جس کے لئے آنحضرت ﷺ کو تکلیف دی جاتی گویا آنحضرت ﷺ کی تعظیم مقصود تھی) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اچھا مجھے اس کی قبر بتادو کہ کہاں ہے؟" آپ کو جب اس کی قبر بتائی گئی تو (آپ وہاں تشریف لے گئے اور) اس کی قبر پر نماز پڑھی اور پھر فرمایا کہ "یہ قبریں اپنے مردوں کے لئے تاریکیوں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں ان قبروں پر میرے نماز پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں روشن کر دیتا ہے (اس روایت کو بخاریؒ و مسلمؒ نے نقل کیا ہے اور الفاظ مسلمؒ کے ہیں۔"

تشریح: ایک کالی عورت تھی یا ایک جوان مرد تھا۔ یہ در حقیقت راوی کا شک ہے کہ صحیح طریقہ سے یہ بات یاد نہیں رہی کہ حضرت ابوہریرہؓ نے یہ فرمایا تھا کہ ایک کالی عورت تھی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی یا یہ فرمایا کہ ایک جوان مرد تھا جو جھاڑو دیا کرتا تھا۔

""تاریکیوں سے بھری ہوئی قبروں" سے مراد صرف وہ قبریں ہیں جن پر آنحضرت ﷺ کا نماز پڑھنا ممکن تھا۔

اس مسئلہ میں کہ "قبروں پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟" علماء کا اختلاف ہے چنانچہ جمہور علماء کا فیصلہ تو یہ ہے کہ قبر پر نماز جنازہ پڑھنا مشروع ہے خواہ پہلے اس کی نماز جنازہ ادا کی جا چکی ہو یا نہ ادا کی گئی ہو۔

ابراہیم نخعیؒ، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ اگر پہلے نماز جنازہ ادا کی جا چکی ہے تو اب قبر پر نماز درست نہیں اور اگر پہلے نماز جنازہ ادا نہ کی گئی ہو تو پھر جائز ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شرط یہ بھی ہے کہ اگر مردہ اپنی قبر میں پھٹ نہ

گیا ہو تو نماز درست ہوگی ورنہ تو قبر میں مردہ کے پھٹ جانے کی صورت میں نماز درست نہیں ہوگی۔ قبر میں مردہ کے پھٹ جانے کا اندازہ بعض حضرات نے تین دن متعین کیا ہے یعنی اگر تدفین کو تین دن نہ گزرے ہوں تو سمجھا جائے گا کہ مردہ اپنی قبر میں ابھی پھٹا نہیں ہے اور اگر تدفین کو تین دن یا تین دن سے زائد کا عرصہ گزر گیا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ مردہ اپنی قبر میں پھٹ گیا ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب احادیث میں آنحضرت ﷺ کے بارہ میں قبر پر نماز پڑھنا منقول ہے تو یہ صرف آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ قبروں کے منور اور روشن ہونے کے لئے ان پر نماز پڑھا کرتے تھے دوسروں کے لئے یہ مطلقاً جائز نہیں۔

نماز جنازہ میں چالیس آدمیوں کے شریک ہونے کا ثواب

(۱۵) وَعَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ مَاتَ لَهُ ابْنٌ بِقُدَيْدٍ اَوْ بِعُسْفَانَ فَقَالَ يَا كُرَيْبُ اُنْظُرْمَا اجْتَمَعَ لَهُ مِنَ النَّاسِ قَالَ فَخَرَجْتُ فَاِذَا نَاسٌ قَدِ اجْتَمَعُوْا لَهُ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ تَقُوْلُ هُمْ اَرْبَعُوْنَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَخْرِجُوْهُ فَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيْهِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت کریب حضرت عبداللہ بن عباس کے بارہ میں روایت کرتے ہیں کہ جب مقام قدید یا مقام عسفاء میں (کہ جو مکہ کے قریب جگہیں ہیں) ان کے صاحبزادے کا انتقال ہوا (اور جنازہ تیار ہوا) تو انہوں نے کہا کہ "کریب جا کر دیکھو کہ نماز جنازہ کے لئے کتنے آدمی جمع ہو گئے ہیں؟" حضرت کریب کہتے ہیں کہ میں (یہ دیکھنے کے لئے) نکلا تو میں نے یہ دیکھا کہ بہت کافی لوگ جمع ہو چکے ہیں، میں نے واپس آکر حضرت ابن عباسؓ سے بتایا" (کہ بہت کافی لوگ جمع ہو گئے ہیں) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تمہارے خیال میں ان لوگوں کی تعداد چالیس ہوگی؟ میں نے عرض کیا کہ "ہاں!" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "تو پھر جنازہ (نماز کے لئے) باہر نکالو کیونکہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی مسلمان مرے اور اس کے جنازہ کی نماز ایسے چالیس آدمی پڑھیں جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ میت کے حق میں ان لوگوں کی شفاعت قبول کرتا ہے۔" (مسلمؒ)

نماز جنازہ میں سو آدمیوں کے شریک ہونے کا ثواب

(۱۶) وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ اُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهٗ اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جس میت کی نماز جنازہ مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت پڑھے جس کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور یہ جماعت میت کے لئے شفاعت کرے (یعنی دعاء مغفرت کرے) تو اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے (یعنی میت کی مغفرت ہو جاتی ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: پہلی حدیث میں چالیس آدمیوں کے نماز جنازہ پڑھنے کا ثواب بیان کیا گیا ہے جب کہ دوسری حدیث میں "سو آدمیوں کی جماعت" کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ چنانچہ علماء اس اختلاف کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ پہلے سو آدمیوں کی شرکت کی فضیلت نازل ہوئی ہوگی پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے حال پر رحم فرماتے ہوئے یہ تعداد کم کر کے چالیس آدمیوں کی شرکت کی فضیلت بیان فرمائی نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ان حدیثوں میں چالیس اور سو سے خاص طور پر یہی دونوں عدد نہ ہوں بلکہ ان سے "کثرت جماعت" مراد ہو۔

زبان خلق نقارۂ خدا

(۱۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَتْ ثُمَّ مَرُّوْا بِاُخْرٰى فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا فَقَالَ وَجَبَتْ فَقَالَ عُمَرُ مَا وَجَبَتْ فَقَالَ هٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَهٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کا ایک جنازہ پر گزر ہوا تو اس کی تعریف کرنے لگے، نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کی زبان میت کی تعریف سن کر) فرمایا کہ "واجب ہوگئی۔" اس طرح صحابہؓ کا ایک دوسرے جنازہ پر گزر ہوا تو اس کی برائی بیان کرنے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے (صحابہ کی زبان سے میت کی برائی سن کر) فرمایا کہ "واجب ہوگئی" حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ "کیا چیز واجب ہوگئی؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جس شخص کی تم نے تعریف بیان کی اس کے لئے جنّت واجب ہوگئی اور اب جس شخص کی تم برائی بیان کر رہے ہو اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی اور (پھر فرمایا کہ) تم زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "مؤمن اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں۔"

تشریح: "جنت واجب ہوگئی" کا مطلب یہ ہے کہ تم جس شخص کی تعریف بیان کر رہے ہو اگر اس کی وہ تعریف صحیح اور سچ ہے یا یہ کہ اس کی موت اسی خیر و بھلائی کی حالت میں ہوئی ہے جیسے تم بیان کر رہے ہو تو اس کے لئے جنّت کی سعادت ثابت ہوگئی۔ اسی طرح "دوزخ واجب ہوگئی" کا مطلب بھی یہی ہے کہ جس شخص کی تم برائی بیان کر رہے ہو "اگر اس کی وہ برائی صحیح اور واقعی ہے یا یہ کہ اس کی موت اسی برائی کی حالت میں ہوئی ہے جیسے تم بیان کر رہے ہو تو اس کے لئے دوزخ کی سزا ثابت ہوگئی۔

مظہر کا قول ہے کہ یہ حکم عام طور پر ہر شخص کے لئے نہیں ہے کہ جس کسی بھی شخص کے بارہ میں لوگ خیر و بھلائی کا ذکر کریں تو اس کے لئے جنّت لازم ہی ہو جائے بلکہ جس شخص کے بارہ میں لوگ اچھے اور نیک خیالات کے اظہار کریں اور اس کی تعریف بیان کریں تو اس کے لئے جنّت کی امید کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح جس شخص کے بارہ میں لوگ برے خیالات کا اظہار کریں اور زبان خلق اس کی برائی میں مصروف ہو تو اس کے بارہ میں یہ خوف ہو سکتا ہے کہ وہ دوزخ میں جائے اب رہی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے شخص کے لئے جنّت اور دوسرے شخص کے لئے دوزخ کو واجب کیوں کہا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے پہلے شخص کے جنتی ہونے اور دوسرے شخص کے دوزخی ہونے کے فیصلہ سے مطلع کر دیا تھا۔

زین عرب فرماتے ہیں کہ کسی شخص کا خیر و بھلائی اور شر و برائی کے ساتھ ذکر کرنا اس کے لئے جنّت و دوزخ کو واجب نہیں کرتا بلکہ در حقیقت کسی شخص کے بارہ میں "زبان خلق" کا بھلا یا برا تاثر صرف اس کے جنتی یا دوزخی ہونے کی علامت ہوتا ہے۔

پھر یہ کہ اس "تعریف" اور اس "برائی" کا اعتبار ہوگا جس کی نیک بخت لوگوں اور متقی و پرہیزگار بندوں کی زبانیں گواہی دیں کیونکہ خدا کے نیک بخت و متقی بندوں کی زبان اس کے قلب سلیم کی ہمنوا ہوتی ہے لہٰذا وہ جس شخص کی تعریف کریں گے یا جس شخص کی برائی کریں گے اس میں کسی خارج دباؤ یا نفس کے کسی غلط تقاضا کا قطعی دخل نہیں ہوگا بلکہ ان کے زبانی اثرات اور حقیقت کے صالح قلب کے صحیح فیصلہ کے غماز ہوں گے چنانچہ کسی شخص کے بارہ میں ان کی تعریف اس شخص کے جنتی ہونے کی علامت ہوگی اور کسی شخص کے بارہ میں ان کی بیان کی ہوئی برائی اس شخص کے دوزخی ہونے کی علامت ہوگی۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اگر کوئی فاسق اور دنیا دار شخص نفس کے غلط تقاضا اور اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی خاطر کسی برے اور بدکار شخص کی تعریف بیان کرے اور اس کے بارہ میں اچھے تاثرات کا اظہار کرے یا اسی طرح کسی نیک بخت اور مرد مؤمن کی برائی بیان کرے تو نہ اس کی تعریف کا اعتبار ہوگا اور نہ اس کی بیان کی ہوئی برائی کی کوئی حیثیت ہوگی بلکہ اس کے بارہ میں یہ کہا جائے گا کہ یہ اپنے

نفس کا غلام اور ضمیر فروش ہے جو محض اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی خاطر اس شخص کو تو اچھا کہہ رہا ہے جس کی برائی اور بدکاری عیاں تھی اور اس نیک بخت کو برا کہہ رہا ہے جس کی نیک بختی مثالی حیثیت رکھتی تھی۔

اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ تم (اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو) آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد اکثر کے اعتبار سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو شخص جیسا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی زبان سے اسے ویسا ہی کہلواتا ہے یعنی اگر کوئی شخص نیک ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے بندوں کی زبان سے نیک ہی کہلواتا ہے۔ اور کوئی شخص بدکار ہوتا ہے تو خدا اپنے بندوں کی زبان سے اس کی بدکاری ہی کی شہادت دلواتا ہے چنانچہ بندہ کی یہ شہادت در حقیقت اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ وہ جس کے بارہ میں جس تاثر کا اظہار کر رہے ہیں وہ واقعۃً ایسا ہی ہے۔

زبان خلق نقارہ خدا سمجھو

(۱۸) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهُ اَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ قُلْنَا وَثَلَاثَةٌ قَالَ وَثَلَاثَةٌ قُلْنَا وَاثْنَانِ قَالَ وَاثْنَانِ ثُمَّ لَمْ نَسْأَلْهُ عَنِ الْوَاحِدِ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو مسلمان کہ گواہی دیں واسطے اس کے چار شخص کے ساتھ بھلائی کے داخل کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں۔ کہا ہم نے اگر تین شخص گواہی دیں؟ فرمایا! اگر تین بھی گواہی دیں تو بھی۔ کہا ہم نے اگر دو گواہی دیں؟ فرمایا! اور دو بھی۔ پھر نہ پوچھا ہم نے ان سے حال ایک کا۔" (بخاری)

جو مر چکے ہیں انہیں برا مت کہو

(۱۹) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰى مَا قَدَّمُوْا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہ برا کہو مردوں کو اس لئے کہ تحقیق وہ پہنچے ساتھ جزا اس چیز کے کہ آگے بھیجی۔" (بخاری)

شہداء احد کی تکفین و تدفین کا معاملہ

(۲۰) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلٰى اُحُدٍ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ اَخْذًا لِلْقُرْاٰنِ فَاِذَا اُشِيْرَ لَهُ اِلٰى اَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِى اللَّحْدِ وَقَالَ اَنَا شَهِيْدٌ عَلٰى هٰؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاَمَرَ بِدَفْنِهِمْ بِدِمَائِهِمْ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُغَسَّلُوْا (رواہ البخاری)

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ تھے جمع کرتے دو شخصوں کو شہداء احد میں بیچ ایک کپڑے کے پھر فرماتے تھے کس کو ان میں سے زیادہ قرآن یاد ہے پس جب اشارہ کیا جاتا واسطے اس کے آپ ﷺ کی طرف ان میں سے آگے کرتے اس کو قبر میں اور فرماتے کہ میں گواہی دوں گا دن قیامت کے اور حکم فرمایا ساتھ دفن کرنے ان کے خون سمیت اور نماز پڑھی ان پر اور نہ غسل دیئے گئے۔"

(بخاری)

تدفین کے بعد قبرستان سے سواری پر واپس آنے میں مضائقہ نہیں

(۲۱) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفَرَسٍ مَعْرُوْرٍ فَرَكِبَهُ حِيْنَ انْصَرَفَ مِنْ جِنَازَةِ ابْنِ

الدَّحْدَاحِ وَنَحْنُ نَمْشِيْ حَوْلَهٗ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ بن سمرہ سے روایت ہے کہ لایا گیا نبی ﷺ کے پاس گھوڑا بغیر زین کے پس سوار ہوئے اس پر اس وقت کے پھر جنازہ ابن دحداح کے سے اور ہم چلتے تھے گرد حضرت ﷺ کے۔" (مسلم)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

جنازہ کے ساتھ چلنے کا طریقہ

(۲۲) وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ يَسِيْرُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَالْمَاشِيْ يَمْشِيْ خَلْفَهَا وَاَمَامَهَا وَعَنْ يَّمِيْنِهَا وَعَنْ يَّسَارِهَا قَرِيْبًا مِّنْهَا وَالسِّقْطُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَيُدْعٰى لِوَالِدَيْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَفِيْ رِوَايَةِ اَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ قَالَ الرَّاكِبُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَالْمَاشِيْ حَيْثُ شَآءَ مِنْهَا وَالطِّفْلُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ زِيَادٍ۔

"حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے یہ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سوار چلے پچھلے جنازہ کے اور پیادہ چلے پچھلے جنازہ کے اور آگے اس کے اور دائیں اور بائیں اس کے پاس پاس اس کے اور کچا بچا نماز پڑھی جائے اس پر اور دعا کی جائے واسطے ماں باپ اس کے ساتھ بخشش اور رحمت کے (ابوداؤد) اور بیچ روایت احمد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ کے یوں ہے کہ فرمایا سوار چلے پیچھے جنازے کے اور پیادہ جس طرف چاہے جنازے کے چلے اور لڑکا کہ مرجائے نماز جنازے کی پڑھی جائے اس پر اور مصابیح میں یہ روایت مغیرہ بن زیاد سے ہے۔"

جنازہ کے آگے چلنے کا مسئلہ

(۲۳) وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ يَمْشُوْنَ اَمَامَ الْجَنَازَةِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ وَاَهْلُ الْحَدِيْثِ كَاَنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ مُرْسَلًا۔

"اور زہری سے روایت ہے کہ روایت کی سالم سے اس نے اپنے باپ سے کہا کہ عبداللہ نے دیکھا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اور ابوبکر اور عمر کو چلتے تھے آگے جنازے کے (احمدؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائی اور ابن ماجہ نے اور کہا ترمذی نے اور اہل حدیث گویا جانتے ہیں اس حدیث کو مرسل۔"

جنازہ کے پیچھے چلنا بہتر ہے

(۲۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَنَازَةُ مَتْبُوْعَةٌ وَّلَا تَتْبَعُ لَيْسَ مَعَهَا مَنْ تَقَدَّمَهَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْمَاجِدٍ الرَّاوِيْ رَجُلٌ مَّجْهُوْلٌ۔

"اور حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جنازہ متبوع ہے اور نہیں وہ تابع نہیں ہوتا ساتھ اس کے وہ شخص کہ آگے بڑھ گیا اس سے (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، کہا ترمذی نے ابوماجد راوی مجہول ہے۔"

جنازہ کو کاندھا دینا میت کے حق کی ادائیگی ہے

(۲۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً وَّحَمَلَهَا ثَلَاثَ مِرَارٍ فَقَدْ قَضٰى مَا

عَلَيْهِ مِنْ حَقِّهَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَقَدْ رُوِيَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمَلَ جَنَازَةَ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ بَيْنَ الْعَمُوْدَيْنِ۔

"اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص ساتھ ہووے جنازے کے اور اٹھائے اس کو پس تحقیق ادا کیا حق اس کا اس پر تھا۔ (ترمذی) اور کہا یہ حدیث غریب ہے تحقیق روایت کی شرح السنۃ میں کہ نبی ﷺ نے اٹھایا جنازہ سعد بن معاذ کا درمیان دو لکڑیوں کے۔"

جنازہ کے ساتھ سواری پر چلنے والوں کو آنحضرت ﷺ کی تنبیہ

(۲۶) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةٍ فَرَاٰى نَاسًا رُكْبَانًا فَقَالَ اَلَا تَسْتَحْيُوْنَ اَنَّ مَلٰئِكَةَ اللّٰهِ عَلٰى اَقْدَامِهِمْ وَاَنْتُمْ عَلٰى ظُهُوْرِ الدَّوَابِّ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوٰى اَبُوْدَاوُدَ نَحْوَهٗ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ ثَوْبَانَ مَوْقُوْفًا۔

"اور ثوبان سے روایت ہے کہ نکلے ہم ساتھ نبی ﷺ کے بیچ جنازے کے پس لوگوں کو سوار دیکھا فرمایا کیا نہیں حیا کرتے تم کہ تحقیق فرشتے خدا کے اپنے قدموں پر ہیں اور تم اوپر پیٹھ جانوروں کے ہو (ترمذی، ابن ماجہ) اور روایت کی ابوداؤد نے مانند اس کی کہا ترمذی نے اور تحقیق روایت کی گئی یہ ثوبان سے موقوف۔"

جنازہ پر سورہ فاتحہ کی قرات

(۲۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَاَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ۔

"اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے پڑھی جنازہ پر سورہ فاتحہ۔" (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

نماز جنازہ میں میت کے لئے خلوص دل سے دعا کرو

(۲۸) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ۔

(رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس وقت تم پڑھو نماز میت پر پس خالص کرو اس کے لئے دعا۔"

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

نماز جنازہ کی دعا

(۲۹) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ اَبِيْ اِبْرَاهِيْمَ الْاَشْهَلِيِّ عَنْ اَبِيْهِ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهٗ عِنْدَ قَوْلِهٖ وَاُنْثَانَا وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوُدَ فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِيْمَانِ وَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِسْلَامِ وَفِيْ اٰخِرِهٖ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهٗ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ تھے رسول اللہ ﷺ جب پڑھتے نماز جنازہ فرماتے یا الٰہی بخشش کر واسطے ہمارے زندوں کے

اور ہمارے مردوں کے اور حاضر ہمارے کے اور غائب ہمارے کے اور ہمارے چھوٹوں کے اور ہماری عورتوں کے یا الٰہی جس کو زندہ رکھے تو ہم میں سے پس زندہ رکھ اس کو اسلام پر اور جس کو مارے تو ہم میں سے پس مار اس کو ایمان پر۔ یا الٰہی نہ محروم رکھ ہم کو ثواب اس کے سے اور نہ فتنہ میں ڈال ہم کو پیچھے اس کے (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) اور روایت کی نسائی نے ابی ابراہیم اشہلی سے کہ اس نے نقل کی اپنے باپ سے اور تمام ہوئی روایت اس کی "وانثانا" تک اور بیچ روایت ابی داؤد کے پس زندہ رکھ اس کو ایمان پر اور وفات دے اس کو اسلام پر اور اس حدیث کے آخر میں یوں ہے کہ نہ گمراہ کر ہم کو اس کے پیچھے۔"

ایک میت کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعا

(۳۰) وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِيْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جَوَارِكَ فَقِهٖ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور واثلہ بن اسقع سے روایت ہے کہ نماز پڑھائی ہم کو رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص پر مسلمانوں میں سے پس سنا میں نے آپ ﷺ کو فرماتے تھے یا الٰہی تحقیق فلاں بیٹا فلانے کا بیچ امان تیری کے ہے اور تیری پناہ کے ہے پس بچا اس کو فتنہ قبر سے اور آگ کے عذاب سے اور تو صاحب وفا کا ہے اور تو صاحب حق کا ہے یا الٰہی بخشش کر واسطے اس کے اور رحم کر اس پر تحقیق تو بخشنے والا مہربان ہے۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ملا علی قاری ؒ نے "وحبل جوارک" میں لفظ "حبل" کے کئی معنی بیان کئے ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ اس جملہ کے سب سے بہتر معنی یہ ہیں کہ "وہ قرآن کریم سے تعلق رکھنے والا اور اسے مضبوطی سے پکڑنے والا تھا" لہٰذا یہاں لفظ "حبل" سے قرآن مراد ہے جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت (کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑو) میں "حبل" سے قرآن کریم مراد ہے "اسی طرح لفظ "جوار" سے امان مراد ہے اور اس جملہ "وحبل جوارک" میں اضافت بیانیہ ہے گویا اس جملہ کے وضاحتی معنی یہ ہوں گے کہ "وہ شخص قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑنے والا تھا، ایسا قرآن کریم کے جسے مضبوطی سے اختیار کرنا (یعنی اس پر پوری طرح عمل کرنا) امن و سلامتی ایمان و اسلام اور معرفت کا باعث اور ذریعہ ہے۔

مردوں کی برائیاں ذکر نہ کرو

(۳۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوْا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم اپنے مرے ہوئے لوگوں کی نیکیاں ہی ذکر کر لیا کرو اور ان کی برائیوں کے ذکر سے بچتے رہو۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: مرے ہوئے لوگوں کے نیک اعمال اور ان کی بھلائیوں کو اس لئے یاد اور بیان کرنا چاہئے کہ نیک اور نیکی کے ذکر کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

مردوں کی نیکیوں کو ذکر کرنے کا جو حکم دیا جا رہا ہے وہ استحباب کے طور پر ہے لیکن ان کی برائیوں کے ذکر سے بچنے کا جو حکم دیا جا رہا ہے وہ وجوب کے طور پر ہے یعنی ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کی برائیاں ذکر نہ کرے اور اس فعل سے بچتا رہے چنانچہ حجۃ الاسلام نے لکھا ہے کہ مرے ہوئے لوگوں کی غیبت زندہ لوگوں کی غیبت سے کہیں زیادہ قابل نفریں ہے۔ کتاب ازہار میں علماء کا یہ قول لکھا ہوا ہے کہ "میت کو نہلانے والا اگر میت میں کوئی اچھی علامت دیکھے مثلاً میت کا چہرہ روشن اور منور ہو یا میت میں سے

خوشبو آتی ہو تو اسے لوگوں کے سامنے بیان کرنا مستحب ہے اور اگر کوئی بری علامت دیکھے مثلاً (نعوذ باللہ) میت کا چہرہ یا بدن سیاہ ہو گیا ہو یا اس کی صورت مسخ ہو گئی ہو تو اسے لوگوں کے سامنے بیان کرنا حرام ہے۔

نماز جنازہ میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کا مسئلہ

(۳۲) وَعَنْ نَافِعٍ اَبِیْ غَالِبٍ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَلٰی جَنَازَةِ رَجُلٍ فَقَامَ حِیَالَ رَأْسِهٖ ثُمَّ جَاءُوْا بِجَنَازَةِ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَیْشٍ فَقَالُوْا یَا اَبَا حَمْزَةَ صَلِّ عَلَیْهَا فَقَامَ حِیَالَ وَسْطِ السَّرِیْرِ فَقَالَ لَهُ الْعَلَاءُ بْنُ زِیَادٍ هٰكَذَا رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَی الْجَنَازَةِ مَقَامَكَ مِنْهَا وَمِنَ الرَّجُلِ مَقَامَكَ مِنْهُ قَالَ نَعَمْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ نَحْوُهٗ مَعَ زِیَادَةٍ فَقَامَ عِنْدَ عَجِیْزَةِ الْمَرْأَةِ۔

"اور حضرت نافع" جن کی کنیت ابوغالب ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ابن مالک کے ساتھ ایک جنازہ (یعنی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے جنازہ) کی نماز پڑھی، حضرت انسؓ جو امام تھے) جنازہ کے سر کے سامنے کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی) پھر لوگ قریش کی ایک عورت کا جنازہ لے کر آئے اور کہا اے ابوحمزہ! (یہ انسؓ کی کنیت ہے) اس جنازہ کی نماز پڑھا دیجئے چنانچہ حضرت انسؓ تخت (کہ جس پر جنازہ تھا) کے درمیانی حصہ کے سامنے کھڑے ہوئے (اور نماز پڑھائی یہ دیکھ کر علاء ابن زیاد نے کہا کہ "کیا آپ نے رسول کریم ﷺ کو (نماز جنازہ میں) اسی طرح کھڑے ہوتے دیکھا ہے جیسا کہ آپ اس عورت کے جنازہ کے درمیان اور مرد کے جنازہ کے سر کے سامنے کھڑے ہوئے تھے؟ یعنی کیا آنحضرت ﷺ بھی نماز جنازہ پڑھاتے وقت عورت کے جنازہ پر اس کے درمیانی حصہ کے سامنے اور مرد کے جنازہ پر اس کے سر کے سامنے کھڑے ہوتے تھے؟) حضرت انسؓ نے فرمایا "ہاں" ابوداؤدؒ نے بھی اس روایت کو کچھ زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے اور ان کی روایت میں "فقام حیال وسط السریر" کے بجائے "فقام عند عجیزة المرأة" (عورت کے جنازہ پر اس کے کولھے کے قریب کھڑے ہوئے) کے الفاظ منقول ہیں۔" (ترمذیؒ و ابن ماجہؒ)

تشریح: اس مسئلہ میں کہ نماز جنازہ میں امام جنازہ کے پاس کہاں کھڑا ہو؟ جو اختلاف ہے اور ائمہ دین کے جو مسلک ہیں اس کو پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ گزشتہ صفحات میں پہلی فصل کی ایک حدیث کی تشریح کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہونے کا مسئلہ

(۳۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ كَانَ سَهْلُ بْنُ حُنَیْفٍ وَقَیْسُ بْنُ سَعْدٍ قَاعِدَیْنِ بِالْقَادِسِیَّةِ فَمُرَّ عَلَیْهِمَا بِجَنَازَةٍ فَقَامَا فَقِیْلَ لَهُمَا اِنَّهَا مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ اَیْ مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ فَقَالَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتْ بِهٖ جَنَازَةٌ فَقَامَ فَقِیْلَ لَهٗ اِنَّهَا جَنَازَةُ یَهُوْدِیٍّ فَقَالَ اَلَیْسَتْ نَفْسًا (متفق علیہ)

"حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت سہل ابن حنیف اور حضرت قیس ابن سعدؓ قادسیہ میں (ایک جگہ) بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا جسے دیکھ کر یہ دونوں صحابی رضؓ کھڑے ہو گئے ان سے کہا گیا کہ "یہ جنازہ اہل زمین یعنی ذمی کا ہے!؟" دونوں صحابہ نے فرمایا کہ (اسی طرح ایک دن) رسول کریم ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا، آپ (اسے دیکھ کر) کھڑے ہو گئے، آپ سے عرض کیا گیا کہ "یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے" آپ نے فرمایا کہ (تو کیا ہوا) کیا یہ جاندار نہیں ہے؟۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: قادسیہ ایک جگہ کا نام ہے جو کوفہ سے پندرہ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔

روایت میں ذمیوں کو "اہل زمین" سے تعبیر کیا گیا ہے یا تو ان کے کم رتبہ ہونے کی وجہ سے یا یہ کہ مسلمانوں نے انہیں زمین کی

کاشت پر مقرر کر رکھا تھا اور ان سے خراج لیتے تھے اس لئے انہیں اہل زمین کہا گیا۔

آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی "کیا یہ جاندار نہیں ہے؟" کا مطلب یہ ہے کہ کیا یہ کسی انسان کا جنازہ نہیں ہے جسے دیکھ کر عبرت نہ حاصل کی جائے؟ حاصل یہ کہ جنازہ کو دیکھ کر خوف محسوس ہوتا ہے اور عبرت حاصل ہوتی ہے خواہ مسلم کا ہو یا غیر مسلم کا اس لئے اس میں اس جنازہ کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہو گیا۔

گزشتہ صفحات میں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہونا حضرت علیؓ کی روایت سے منسوخ ہو چکا ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ان دونوں صحابہ کو اس منسوخی کا علم نہ ہوا ہو اس لئے یہ حضرات جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے ہوں گے۔

آنحضرت کا معمول اور اس کی منسوخی

(۳۴) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَبِعَ جَنَازَةً لَمْ يَقْعُدْ حَتّٰى تُوْضَعَ فِي اللَّحْدِ فَعَرَضَ لَهُ حِبْرٌ مِنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ لَهُ إِنَّا هٰكَذَا نَصْنَعُ يَا مُحَمَّدُ قَالَ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ خَالِفُوْهُمْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَبِشْرُ بْنُ رَافِعٍ الرَّاوِيْ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔

"اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب جنازے کے ہمراہ چلتے تو اس وقت تک نہیں بیٹھتے تھے کہ جب تک کہ میت کو قبر میں نہیں رکھ دیا جاتا تھا (ایک مرتبہ) ایک یہودی عالم آپ کے سامنے پیش ہوا اور اس نے عرض کیا کہ "اے محمد (ﷺ) ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں (کہ جب تک مردہ قبر میں نہیں رکھ دیا جاتا کھڑے رہتے ہیں) حضرت عبادہؓ کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) آنحضرت ﷺ (دفن کرنے تک کھڑے نہیں رہتے تھے بلکہ) بیٹھ جایا کرتے تھے، نیز آپ نے یہ فرمایا کہ "تم یہودیوں کی مخالفت کرو" (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور بشر ابن رافع جو اس روایت کا ایک راوی ہے قوی نہیں ہے۔"

جنازہ دیکھ کر کھڑا نہ ہونا چاہئے

(۳۵) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنَا بِالْقِيَامِ فِي الْجَنَازَةِ ثُمَّ جَلَسَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَاَمَرَنَا بِالْجُلُوْسِ (رواہ احمد)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (پہلے تو) ہمیں جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جانے کے لئے فرمایا کرتے تھے پھر (بعد میں) آپ بیٹھے رہتے تھے اور ہمیں بھی بیٹھے رہنے کے لئے فرمایا کرتے تھے۔" (احمدؒ)

تشریح: اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ پہلے تو جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جانے کا حکم تھا مگر بعد میں یہ حکم منسوخ قرار دے دیا گیا لہٰذا اب اس کے بعد مسئلہ یہی ہے کہ جو لوگ جنازہ کے ساتھ نہ ہوں بلکہ کہیں بیٹھے ہوئے ہوں انہیں جنازہ دیکھ کر کھڑا نہ ہونا چاہئے۔

(۳۶) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ اِنَّ جَنَازَةً مَرَّتْ بِالْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ فَقَامَ الْحَسَنُ وَلَمْ يَقُمِ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ الْحَسَنُ اَلَيْسَ قَدْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجَنَازَةِ يَهُوْدِيٍّ قَالَ نَعَمْ ثُمَّ جَلَسَ (رواہ النسائی)

"اور حضرت محمد ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت حسن ابن علی اور حضرت ابن عباسؓ کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا تو حضرت حسنؓ (اسے دیکھ کر) کھڑے ہو گئے مگر حضرت ابن عباسؓ کھڑے نہیں ہوئے حضرت حسنؓ نے (حضرت ابن عباسؓ کا یہ عمل دیکھ کر) ان سے فرمایا کہ "کیا رسول کریم ﷺ ایک یہودی کے جنازے کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہو گئے تھے؟" حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ

"ہاں! (بے شک آپ کھڑے ہوئے تھے) مگر بعد میں آپ (جنازہ دیکھ) کر بیٹھے رہتے تھے۔" (نسائی)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ پہلے تو بے شک آپ کا یہی معمول تھا کہ جناہ دیکھ کر کھڑے ہو جایا کرتے تھے مگر بعد میں آپ کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ جنازہ دیکھ کر آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ بیٹھے رہتے تھے لہٰذا جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جانے کا حکم منسوخ ہو گیا۔

حضرت حسنؓ کے عمل کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت حسنؓ کو اس حکم کے منسوخ ہو جانے کا علم نہیں ہو گا اس لئے وہ نہ صرف یہ کہ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے بلکہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کے کھڑے نہ ہونے پر اعتراض بھی کیا۔

آنحضرت ﷺ یہودی کا جنازہ دیکھ کر کیوں کھڑے ہوئے؟

(۳۷) وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ كَانَ جَالِسًا فَمُرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ فَقَامَ النَّاسُ حَتَّى جَاوَزَتِ الْجَنَازَةُ فَقَالَ الْحَسَنُ إِنَّمَا مُرَّ بِجَنَازَةِ يَهُودِيٍّ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى طَرِيقِهَا جَالِسًا وَكَرِهَ أَنْ تَعْلُوَ رَأْسَهُ جَنَازَةُ يَهُودِيٍّ فَقَامَ (رواه النسائی)

"اور حضرت جعفر ابن محمدؒ (یعنی حضرت جعفر صادقؒ) اپنے والد مکرم (حضرت محمد باقرؒ) سے یہ روایت کرتے ہیں کہ "(ایک مرتبہ) حضرت علیؓ، (ایک جگہ) بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے سامنے سے جنازہ لے جایا گیا، وہ لوگ (جنہیں) اس مسئلہ کی منسوخی کا علم نہیں ہوا تھا جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوئے تھے اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک کہ جنازہ گزر نہیں گیا، حضرت حسن نے ان سے فرمایا کہ "اصل بات یہ ہے کہ جب ایک یہودی کا جنازہ لے جایا جا رہا تھا تو اس وقت رسول کریم ﷺ راستہ پر بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ نے اسے پسند نہیں کیا کہ یہودی کا جنازہ آپ ﷺ کے سر مبارک سے اونچا ہو لہٰذا آپ ﷺ کھڑے ہو گئے۔" (نسائیؒ)

تشریح: حضرت حسنؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ یہودی کے جنازہ کو دیکھ کر جو کھڑے ہوئے تھے تو اس کی وجہ میت کا احترام نہیں تھا بلکہ اصل حقیقت تو یہ تھی آپ ﷺ نے یہ بات پسند نہیں کی کہ ایک یہودی کا جنازہ آپ کے سر مبارک سے اونچا ہو گویا حضرت حسنؓ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ ان لوگوں پر اعتراض کیا جو جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوئے تھے۔

ابھی اس سے پہلے جو حدیث گزری ہے اس سے تو معلوم ہوا کہ حضرت حسنؓ نہ صرف یہ کہ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے بلکہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ پر اس لئے اعتراض کیا کہ وہ جنازہ دیکھ کر کھڑے نہیں ہوئے تھے اور یہاں اس حدیث میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے حضرت حسنؓ نے ان پر اعتراض کیا۔

لہٰذا اس اختلاف کے بارہ میں محدثین لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ جو یہاں بیان کیا جا رہا ہے اس واقعہ کے بعد کا ہے جو اس سے پہلی حدیث میں بیان کیا گیا ہے پہلے چونکہ حضرت حسنؓ کو منسوخی کا علم نہیں ہوا تھا اس لئے انہوں نے حضرت عباسؓ پر اعتراض کیا۔ مگر جب بعد میں تحقیق و جستجو کے بعد یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ مذکورہ بالا وجہ سے یہودی کا جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے اور یہ کہ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جانے کا حکم اب منسوخ ہو گیا ہے تو انہوں نے اس موقع پر اعتراض کیا جو جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

بہر حال جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جانے کی اور بھی کئی وجوہ ہیں۔ مثلاً یہ کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ ڈر اور عبرت کی وجہ سے جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، کبھی ملائکہ کی تعظیم پیش نظر کھڑے ہو جاتے تھے جو جنازہ کے ساتھ ہوتے تھے کبھی آپ اس لئے بھی کھڑے ہو جاتے تھے کہ آپ جنازہ کو اپنے سر مبارک سے بلند ہونا پسند نہیں فرماتے تھے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ حضرت امام باقر حضرت حسنؓ کے زمانے میں نہیں تھے۔

(۳۸) وَعَنْ أَبِي مُوسَى أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَرَّتْ بِكَ جَنَازَةُ يَهُودِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ أَوْ مُسْلِمٍ

فَقُوْمُوْا لَهَا فَلَسْتُمْ لَهَا تَقُوْمُوْنَ اِنَّمَا تَقُوْمُوْنَ لِمَنْ مَّعَهَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تمہارے سامنے کسی یہودی یا نصرانی یا مسلمان کا جنازہ گزرے تو اسے دیکھ کر کھڑے ہو جاؤ اور تم جنازہ (کے ادب و احترام) کے لئے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ ان فرشتوں (کی تعظیم) کے لئے کھڑے ہوتے جو جنازہ کے ساتھ ہوتے ہیں۔"

تشریح: جیسا کہ ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کے وجود مختلف ہیں انہیں میں سے ایک وجہ یہاں بیان کی جا رہی ہے، نیز یہ کہ کھڑے ہو جانے کا یہ حکم پہلے تھا اب منسوخ ہو گیا ہے اسے بھی گذشتہ احادیث کی تشریح میں بیان کیا جا چکا ہے۔

(۳۹) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ جَنَازَةً مَرَّتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ فَقِيْلَ اِنَّهَا جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَالَ اِنَّمَا قُمْتُ لِلْمَلَائِكَةِ (رواہ النسائی)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ گذرا تو رسول کریم ﷺ (اسے دیکھ کر) کھڑے ہو گئے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے (اسے دیکھ کر کھڑے ہونے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی) سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ "میں (جنازہ کے احترام میں کھڑا نہیں ہوا تھا بلکہ میں تو صرف ان) ملائکہ (کی تعظیم) کے لئے کھڑا ہوا تھا (جو جنازہ کے ہمراہ رہتے ہیں)۔" (نسائی)

نماز جنازہ میں تین صفیں ہونی چاہئیں

(۴۰) وَعَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوْفٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا اَوْجَبَ فَكَانَ مَالِكٌ اِذَا اسْتَقَلَّ اَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّاَهُمْ ثَلَاثَةَ صُفُوْفٍ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ كَانَ مَالِكُ ابْنُ هُبَيْرَةَ اِذَا صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فَتَقَالَّ النَّاسَ عَلَيْهَا جَزَّاَهُمْ ثَلَاثَةَ اَجْزَاءٍ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوْفٍ اَوْجَبَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت مالک ابن ہبیرہؓ راوی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جب کوئی مسلمان مرتا ہے اور اس پر مسلمانوں کی تین صفوں پر مشتمل جماعت نماز پڑھتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت اور مغفرت واجب کر دیتا ہے، چنانچہ حضرت مالکؓ (نماز جنازہ میں) تھوڑے آدمی (بھی) دیکھتے تو اس حدیث کے بموجب انہیں تین صفوں میں تقسیم کر دیتے تھے" (ابوداؤد)

ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضرت مالک ابن ہبیرہ جب نماز جنازہ پڑھتے (یعنی نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ کرتے) اور لوگوں کی تعداد کم دیکھتے تو ان کو تین حصوں (یعنی تین صفوں) میں تقسیم کر دیتے تھے اور پھر فرماتے تھے کہ "رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کی نماز جنازہ تین صفیں پڑھتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کو واجب کر دیتا ہے" ابن ماجہ" نے بھی اس قسم کی روایت نقل کی ہے۔"

تشریح: اسلامی عقائد کا یہ ایک واضح مسئلہ ہے کہ ہر شخص کو یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ اللہ جل شانہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے یعنی اس کی بزرگی و برتر ذات کسی چیز کے کرنے پر مجبور نہیں ہے لیکن یہاں حدیث میں چونکہ فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنت کو واجب کرتا ہے اس لئے علماء حدیث کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جس شخص کی نماز جنازہ میں مسلمانوں کی تین صفیں شریک ہوں اس بشارت کی بموجب اللہ تعالیٰ اپنے اوپر یہ واجب کر لیتا ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے گویا یہاں حدیث میں جس وجوب کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے وعدہ کی مناسبت سے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ خدا تعالیٰ نے ایسے شخص کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ کیا ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ جو وعدہ کرے وہ ایفاء نہ ہو یہ ناممکن ہے اس لئے ایفاء عہد اور اپنے فضل و کرم کے اظہار کے طور پر حق تعالیٰ کسی مجبوری یا دباؤ کے تحت نہیں بلکہ از خود اپنے اوپر یہ واجب کر لیتا ہے کہ ایسے شخص کو جنت میں داخل کرے چنانچہ اسے اصطلاحا

وجوب لغیرہ کہا جاتا ہے جو اس عقیدہ کے منافی نہیں ہے ہاں وجوب لذاتہ حق تعالیٰ کی ذات کے لئے ممتنع ہے جس کے بارہ میں مذکورہ بالا اسلامی عقیدہ بیان کیا گیا ہے، کرمانیؒ نے لکھا ہے نماز جنازہ میں سب صفوں سے زیادہ افضل سب سے پیچھے والی صف ہوتی ہے بخلاف دوسری نمازوں کے کہ ان میں سب سے آگے والی صف سب سے زیادہ افضل ہوتی ہے۔

نیز علماء یہ مسئلہ لکھتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کی جائے (جیسا کہ دوسری نمازوں میں سلام پھیرنے کے بعد دعا مانگی جاتی ہے) کیونکہ اس سے نماز جنازہ میں اضافہ کا اشتباہ ہوتا ہے۔

نماز جنازہ میں آنحضرت ﷺ کی دعا

(۴۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا اِلَى الْاِسْلَامِ وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَعَلَانِيَتِهَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْلَهٗ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ کے بارہ میں یہ روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز جنازہ میں یہ دعا فرمایا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا اِلَى الْاِسْلَامِ وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَعَلَانِيَتِهَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْلَهٗ اے الٰہی تو اس کا پروردگار ہے تو نے ہی اسے پیدا کیا ہے اور تو نے ہی اس کو اسلام کی ہدایت عطا فرمائی اور (اب) تو نے ہی اس کی روح قبض کی ہے (اے رب العلمین) تو اس کے باطن کو بھی سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور اس کے ظاہر کو بھی (اے اللہ) ہم اس بندہ کی شفاعت کے لئے حاضر ہوئے ہیں تو اسے بخش دے۔" (ابوداؤد)

ایک بچہ کے جنازہ پر حضرت ابوہریرہؓ کی دعا

(۴۲) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَلٰى صَبِيٍّ لَمْ يَعْمَلْ خَطِيْئَةً قَطُّ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (رواہ مالک)

"اور حضرت سعید ابن مسیب فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے حضرت ابوہریرہؓ کے پیچھے ایک ایسے لڑکے کی نماز جنازہ پڑھی جس سے کبھی بھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا، چنانچہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو (نماز میں) یہ دعا مانگتے سنا کہ "اے اللہ! اس بچہ کو عذاب قبر سے پناہ دے۔" (مالکؒ)

تشریح: علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ روایت کے الفاظ لم یعمل خطیئۃ قط یعنی کبھی بھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا) لفظ "صبی" (یعنی بچہ) کی صفت کاشفہ ہے کیونکہ غیر بالغ سے گناہ کا سرزد ہونا متصور نہیں ہے"

حضرت ابوہریرہؓ کی دعا "اے اللہ اس بچہ کو عذاب قبر سے پناہ دے" میں عذاب قبر سے عقوبت (یعنی سزا) اور قبر کا سوال وجواب مراد نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اے اللہ! اس بچہ کو قبر میں حسرت وغم، قبر کی وحشت اور ضغطہ قبر (یعنی قبر کے بھینچنے) کے رنج و خوف سے محفوظ و مامون رکھ اور ظاہر ہے کہ ضغطہ قبر میں ہر شخص مبتلا ہوگا خواہ بالغ ہو یا نابالغ۔

قبر میں بچوں سے سوال وجواب ہوگا یا نہیں؟: اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جس طرح قبر میں بالغ لوگوں سے سوال و جواب ہوگا اسی طرح نابالغ بچوں سے بھی سوال وجواب ہوگا یا نہیں؟ چنانچہ کچھ حضرات کا قول تو یہ ہے کہ بچوں سے بھی سوال وجواب ہوگا جب کہ دوسرے حضرات کا قول یہ ہے کہ بچے اس سے مستثنیٰ ہوں گے ان سے کوئی سوال وجواب نہیں ہوگا اور یہی قول صحیح ہے کیونکہ غیر مکلف کا عذاب میں مبتلا ہونا اصول شریعت کے خلاف ہے۔

بچہ کی نماز جنازہ کی دعا

(۴۳) وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيقًا قَالَ يَقْرَأُ الْحَسَنُ عَلَى الطِّفْلِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَّفَرَطًا وَّذُخْرًا وَّاَجْرًا۔

"اور حضرت امام بخاریؒ نے بطریق تعلیق (یعنی صحیح بخاری کے ترجمۃ الباب میں بغیر سند کے اس حدیث کو) نقل کیا ہے کہ "حضرت حسن بصریؒ بچہ کی نماز جنازہ میں تکبیر اولیٰ کے بعد سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ الخ کی بجائے) سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے اور (تیسری تکبیر کے بعد) یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَّفَرَطًا وَّذُخْرًا وَّاَجْرًا اے اللہ اس بچے کو (قیامت کے دن) ہمارا پیشوا، پیش رو اور ہمارے لئے ذخیرہ ثواب بنا۔"

تشریح: "سلف" اس مال کو کہتے ہیں کہ جسے آگے (منزل پر) بھیجا جائے تاکہ اسے بھیجنے والا (منزل پر پہنچ کر) اس سے فائدہ حاصل کرے۔ اسی طرح "فرط" لشکر کا وہ شخص کہلاتا ہے جو لشکر سے آگے پہنچ کر لشکر کے لئے سامان خورد و نوش وغیرہ کا انتظام کرتا ہے۔

یہاں دعا میں ان دونوں سے مراد یہ ہے کہ "یہ بچہ قیامت کے روز ہماری بہتری و بھلائی اور ہماری منفعت کا باعث بنے بایں طور کہ پروردگار سے ہماری شفاعت کرے۔ "ذخرہ" اس مال کو کہتے ہیں کو ذخیرہ کے طور پر رکھا جائے تاکہ حاجت و ضرورت کے وقت کام آئے۔

ناتمام بچہ کی نماز نہ پڑھی جائے

(۴۴) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّفْلُ لَا يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَلَا يَرِثُ وَلَا يُوْرَثُ حَتّٰى يَسْتَهِلَّ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ وَلَا يُوْرَثُ۔

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "(ناتمام) بچہ کی نہ تو نماز پڑھی جائے اور نہ اسے کسی کا وارث قرار دیا جائے اور نہ ہی اس کا کوئی وارث ہو بشرطیکہ پیٹ سے باہر آتے وقت اس کی آواز نہ نکلے (یعنی اس وقت اس میں زندگی کے آثار نہ پائے جائیں جس کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے) اس روایت کو ترمذیؒ اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے مگر ابن ماجہ نے اپنی روایت میں لا یورث نقل نہیں کیا ہے۔"

نماز جنازہ میں بھی امام اوپر اور مقتدی نیچے نہ کھڑے ہوں

(۴۵) وَعَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّقُوْمَ الْاِمَامُ فَوْقَ شَيْءٍ وَّالنَّاسُ خَلْفَهٗ يَعْنِيْ اَسْفَلَ مِنْهُ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ فِي الْمُجْتَبٰى فِيْ كِتَابِ الْجَنَائِزِ۔

"اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ امام (تنہا) کسی چیز کے اوپر کھڑا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے (اس سے نیچے) کھڑے ہوں۔" (دار قطنیؒ)

تشریح: نماز جنازہ میں امام کے لئے یہ ممنوع ہے کہ وہ تو کسی اونچی جگہ کھڑا ہو اور سب مقتدی اس سے نیچے ہوں لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات بطریق اولیٰ ممنوع ہوگی کہ صرف امام تو نیچے کھڑا ہو اور مقتدی اوپر کھڑے ہوں۔ یہ مسئلہ سب نمازوں کا ہے نماز جنازہ ہی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ بھی مخصوص نہیں ہیں لیکن مصنف مشکوٰۃ نے اس حدیث کو نماز جنازہ پر محمول کر کے اس باب میں نقل کیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ یہ حدیث اس باب میں بھی وارد ہوئی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ لوگ نماز جنازہ میں یہ طریقہ اختیار کیئے ہوں گے لہٰذا اس سے منع کیا ہے۔

بَابُ دَفْنِ الْمَيِّتِ
مردہ کو دفن کرنے کا بیان
اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
بغلی قبر بنانا مستحب ہے

① عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ هَلَكَ فِیْهِ اَلْحِدُوْا لِیْ لَحْدًا وَانْصِبُوْا عَلَیَّ اللَّبِنَ نَصْبًا كَمَا صُنِعَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (رواہ مسلم)

"حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے اپنی اس بیماری میں کہ جس میں ان کی وفات ہوئی فرمایا کہ مجھے دفن کرنے کے لئے لحد بنانا اور مجھ پر کچی اینٹیں کھڑی کرنا جیسا کہ رسول کریم ﷺ کے لئے کیا گیا تھا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "لحد" قبر میں قبلہ کی طرف بنائے گئے اس گھڑے کو کہتے ہیں جس میں مردہ رکھا جاتا ہے جس قبر میں ایسا گڑھا بنایا جاتا ہے اسے بغلی قبر کہتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغلی قبر بنانا مستحب ہے۔

حضرت ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک قبر میں لحد بنانا سنت ہے بشرطیکہ کوئی مجبوری نہ ہو یعنی اگر زمین نرم ہو اور لحد بنانے سے قبر کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہو تو پھر قبر میں لحد نہ بنائی جائے بلکہ صندوق قبر بنائی جائے۔

حضرت سعدؓ کے ارشاد "مجھ پر کچی اینٹیں کھڑی کرنا" کا مطلب یہ ہے کہ میری لحد کو کچی اینٹوں سے بند کرنا۔ علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کی لحد کو نو اینٹوں سے بند کیا گیا تھا۔

قبر میں کپڑا بچھانے کا مسئلہ

② وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جُعِلَ فِیْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَطِیْفَةٌ حَمْرَاءُ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی قبر میں ایک سرخ لوئی (چادر) ڈالی گئی تھی۔" (مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ایک خادم تھے جن کا نام "شعران" تھا انہوں نے صحابہ کرامؓ کی مرضی اور ان کی اجازت کے بغیر از خود اس چادر کو آنحضرت ﷺ کی قبر میں رکھ دیا تھا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ میں اسے قطعی ناپسند کرتا ہوں کہ جس چادر مبارک کو سرکار دو عالم ﷺ خود استعمال کر چکے ہوں اسے آپ کے بعد کوئی دوسرا شخص استعمال کرے۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ قبر میں یہ چادر رکھنا آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے تھا (اب کسی دوسرے کے لئے اجازت نہیں کہ اس کی قبر میں چادر وغیرہ بچھائی جائے یا رکھی جائے) بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر میں چادر رکھنے کے بارہ میں بھی صحابہؓ نے کسی اچھی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت علی اور حضرت عباسؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ ان دونوں نے شعران سے اس بات پر سخت معارضہ کیا کہ انہوں نے وہ چادر قبر مبارک میں کیوں رکھی؟ نیز علامہ ابن عبد البرؒ نے تو "کتاب استیعاب" میں یہ لکھا ہے کہ "وہ لوئی (جو شعران نے آپ ﷺ کی قبر مبارک میں ڈالی تھی) مٹی ڈالنے سے پہلے قبر مبارک سے نکال لی گئی تھی۔

بہرحال علماء نے قبر میں مردہ کے نیچے کوئی کپڑا بچھانے کو مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اس میں مال کا اسراف اور اس کا ضائع کرنا ہے۔"

اونٹ کے کوہان کی مانند قبر بنانا افضل ہے

③ وَعَنْ سُفْيَانَ التَّمَّارِ اَنَّهُ رَاٰى قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسَنَّمًا (رواہ البخاری)

"اور حضرت سفیان تمار سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی قبر کو دیکھا جو اونٹ کے کوہان کی طرح تھی۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمدؒ، اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے نہ صرف یہ کہ اس حدیث کو بلکہ اس کے علاوہ اور بھی صحیح احادیث کو اپنے اس مسلک کا مستدل قرار دیا ہے کہ قبر کو اونٹ کے کوہان کی طرح اٹھی ہوئی بنانا مسطح بنانے سے افضل ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک قبر کو مسطح بنانا افضل ہے۔

قبر کو اونچا کرنے کی ممانعت

④ وَعَنْ اَبِي الْهَيَّاجِ الْاَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِيْ عَلِيٌّ اَلَا اَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِيْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتَهُ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوالہیاج اسدی (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مجھ سے فرمایا کہ "کیا میں تمہیں اس کام پر مامور نہ کروں جس کام پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے مامور کیا تھا؟ اور وہ کام یہ ہے کہ تم جو بھی تصویر دیکھو اسے چھوڑو نہیں بلکہ اسے مٹا دو اور جس قبر کو بلند دیکھو اسے برابر کر دو۔" (مسلمؒ)

تشریح: علماء نے لکھا ہے کہ اپنے پاس تصویر کا رکھنا حرام ہے اور اسے مٹا دینا واجب ہے، نیز اس کے سامنے بیٹھنا جائز نہیں ہے "جس قبر کو بلند دیکھو اسے برابر کر دو" کا مطلب یہ ہے کہ قبر اگر زیادہ اونچی اور بلند بنائی گئی ہو تو اسے اتنی نیچی کر دو کہ زمین کی سطح سے قریب ہو جائے صرف اس کا نشان باقی رہے جس کی مقدار ایک بالشت ہے کیونکہ مسنون یہی ہے چنانچہ کتاب "ازہار" میں علماء کا یہ قول لکھا ہوا ہے کہ قبر کو بقدر ایک بالشت کے بلند کرنا مستحب ہے اور اس سے زیادہ مکروہ ہے نیز ایک بالشت سے زیادہ بلند قبر کو ڈھا دینا (یعنی صرف ایک بالشت کی بقدر باقی رہنے دینا) مستحب ہے۔

قبر پر گچ کرنے، عمارت بنانے اور اس کے اوپر بیٹھنے کی ممانعت

⑤ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قبر پر گچ کرنے اور اس پر عمارت بنانے نیز قبر کے اوپر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: کتاب اظہار میں لکھا ہے کہ قبروں پر گچ کرنے کی ممانعت کراہت کے طور پر ہے یعنی قبروں پر گچ کرنا مکروہ ہے پھر ممانعت کا یہ حکم دونوں صورتوں کے لئے ہے یعنی خواہ قبر کی چنائی گچ سے کی جائے خواہ قبروں پر گچ کیا جائے دونوں ہی مکروہ ہیں، قبر کے اوپر کوئی عمارت مثلاً گنبد یا قبہ وغیرہ بنانا درست نہیں ہے بلکہ اگر کسی قبر پر کوئی عمارت بنی ہوئی ہو تو اسے ڈھا دینا واجب ہے اگر وہ مسجد ہی کیوں نہ ہو۔

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ "قبروں پر بناء (یعنی عمارت بنانا) دونوں چیزوں کو محتمل ہے خواہ قبر پر پتھر و اینٹ وغیرہ سے کوئی عمارت بنائی جائے خواہ قبر کے اوپر کوئی خیمہ وغیرہ کھڑا کیا جائے دونوں ہی صورتیں ممنوع ہیں کیونکہ ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہیں ہے، علامہ تورپشتیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس ممانعت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ فعل جاہلیت ہے یعنی کفار میت کے اوپر دس دن تک سایہ رکھتے تھے اس لئے مشابہت سے بچانا بھی مقصود ہے۔

"قبر کے اوپر بیٹھنے" سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ یہ مؤمن کے اکرام و شرف کے منافی ہے بایں طور کہ قبر کے اوپر چڑھ کر بیٹھنے سے

صاحب قبر کی تحقیر اور بے وقعتی لازم آتی ہے۔
بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "قبر کے اوپر بیٹھنے" سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اظہار رنج و غم کے لئے قبر کے پاس مسلسل بیٹھا رہے جیسے کے بعض لوگ فقراء اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے اپنے کسی محسن و متعلق ہی کی قبر کو اپنا مسکن بنا لیتے ہیں لہٰذا اس سے منع فرمایا گیا ہے۔

قبروں کے بارہ میں چند احکام

(۶) وَعَنْ اَبِیْ مَرْثَدِ الْغَنَوِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْھَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو مرثد غنوی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "نہ قبروں کے اوپر بیٹھو اور نہ قبروں کی طرف نماز پڑھو۔" (مسلم)

تشریح: محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ قبروں پر بیٹھنا اور ان کو روندنا مکروہ ہے لہٰذا بعض لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنے قبرستان میں اپنے کسی عزیز و متعلق کی قبر تک پہنچنے کے لئے درمیان کی قبروں کو بلا تکلف روندتے ہوئے چلتے ہیں یہ انتہائی غلط بات ہے۔ ہاں ضرورت و حاجت کے وقت مثلاً قبر کھودنے کے لئے یا میت کو دفن کرنے کے لئے قبروں پر پاؤں رکھ کر چلنا جائز ہے۔ قبرستان میں ننگے پاؤں چلنا مستحب ہے قبر کے نزدیک یا قبر کو تکیہ بنا کر سونا مکروہ ہے قبروں کے پاس استنجا کرنا تو انتہائی کراہت کی بات ہے، قبرستان آنے جانے کے بارہ میں ہر وہ چیز مکروہ ہے جو معہود یعنی سنت سے ثابت نہیں ہے اس بارہ میں صرف قبروں پر جانا اور وہاں کھڑے کھڑے دعا مانگنا سنت سے ثابت ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ آپ ﷺ جب جنت البقیع تشریف لے جاتے تو وہاں یہ فرماتے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ وَاَسْاَلُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ یعنی اے مؤمنین کے گھر تجھ پر سلامتی ہو، اے مؤمنو! انشاء اللہ ہم تم سے ملنے والے ہیں، میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے امن و عافیت مانگتا ہوں۔ (ملا علی قاری)

ملا علی قاری کے ان الفاظ سے اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ یہاں تو یہ ثابت ہوا کہ زیارت قبور کے سلسلے میں صرف "قبروں پر جانا اور وہاں دعا مانگنا سنت سے ثابت ہے جیسا کہ خود ملا علی قاری" نے ابھی اس باب کی تیسری فصل کی ایک حدیث کو جو حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کی تشریح کے ضمن میں وہ احادیث نقل کی ہیں تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ قرآن کریم کی تلاوت دعا میں شامل ہے اس لئے کہ تلاوت قرآن کریم بھی حکماً دعا ہی ہے لہٰذا وہ مکروہ نہیں ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ ولا تصلوا الیھا (اور نہ قبروں کی طرف نماز پڑھو) کی روشنی میں علماء لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قبر یا صاحب قبر کی تعظیم کی خاطر قبر کی طرف نماز پڑھتا ہے تو یہ صریح کفر ہے اگر قبر یا صاحب قبر کی تعظیم پیش نظر نہ ہو تو تب بھی قبر کی طرف نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یہی حکم جنازہ کا بھی ہے جب کہ وہ نمازی کے سامنے رکھا ہوا ہو بلکہ اس میں تو اور بھی زیادہ کراہت ہے حاصل یہ کہ نمازی کے سامنے قبر یا جنازہ نہ ہونا چاہئے۔

قبر کے اوپر بیٹھنے کی تہدید

(۷) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ یَّجْلِسَ اَحَدُکُمْ عَلٰی جَمْرَۃٍ فَتُحْرِقَ ثِیَابَہٗ فَتَخْلُصَ اِلٰی جِلْدِہٖ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّجْلِسَ عَلٰی قَبْرٍ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر تم میں سے کوئی شخص انگارے پر بیٹھ جائے اور وہ انگارہ اس کا کپڑا جلا کر اس کے جسم تک پہنچ جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ قبر کے اوپر بیٹھے۔" (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آگ کے اوپر بیٹھ جائے اور وہ آگ اس شخص کے کپڑوں کو جلا کر اس کے جسم تک پہنچ جائے اور

جسم کے حصوں کو جلا ڈالے تو یہ تکلیف و مصیبت قبر کے اوپر بیٹھنے سے سہل و آسان ہے یعنی قبر کے اوپر بیٹھنے کا ضرر و نقصان اس کے ضرر و نقصان سے کہیں زیادہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

صندوقی قبر بھی مشروع ہے

(۸) وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا يَلْحَدُ وَالْاٰخَرُ لَا يَلْحَدُ فَقَالُوْا اَيُّهُمَا جَاءَ اَوَّلًا عَمِلَ عَمَلَهُ فَجَاءَ الَّذِيْ يَلْحَدُ فَلَحَدَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواہ فی شرح السنۃ)

"حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں دو شخص تھے (جو قبریں کھودا کرتے تھے) ان میں سے ایک شخص (حضرت ابو طلحہؓ انصاری) تو بغلی قبر کھودا کرتے تھے اور دوسرے شخص (حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح) بغلی قبر نہیں کھودتے تھے (بلکہ صندوقی قبر کھودا کرتے تھے) چنانچہ (آنحضرت ﷺ کا جب وصال ہوا تو) صحابہؓ نے (متفقہ طور پر) یہ کہا کہ ان دونوں میں سے جو پہلے آجائے وہی قبر کھودے (یعنی اگر ابو طلحہؓ پہلے آگئے تو بغلی قبر کھودیں اور اگر ابو عبیدہؓ پہلے آجائیں تو صندوقی قبر کھودیں) آخر کار بغلی قبر کھودنے والے شخص (پہلے) آگئے اور انہوں نے رسول کریم ﷺ کے لئے بغلی قبر کھودی۔" (شرح السنۃ)

تشریح: حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ بڑی عظمت و فضیلت کے مالک صحابی ہیں آپ کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے آپ عشرہ مبشرہ یعنی ان دس خوش نصیب صحابہ میں سے ایک ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ نے دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگرچہ بغلی قبر افضل ہے لیکن صندوقی قبر بھی مشروع ہے اس لئے کہ اگر صندوقی قبر مشروع نہ ہوتی تو حضرت عبیدہؓ صندوقی قبر کیوں کھودا کرتے؟

بغلی قبر کی فضیلت

(۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "لحد" یعنی بغلی قبر، ہمارے لئے ہے اور شق (یعنی صندوقی قبر) دوسروں کے لئے ہے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ اور امام احمدؒ نے اس روایت کو جریر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے)

تشریح: علماء نے اس حدیث کے کئی معنی بیان کیئے ہیں لیکن زیادہ صحیح معنی یہ ہیں کہ "لحد" یعنی بغلی قبر ہم انبیاء کی جماعت کے لئے ہے اور شق یعنی صندوقی قبر جماعت انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لئے جائز ہے گویا لحد کی فضیلت بیان کی جارہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بغلی قبر کی نسبت جماعت انبیاء کی طرف کر کے اس کی فضیلت اور اولیت کا اظہار فرمایا جارہا ہے۔

قبر گہری کھودنی چاہئے

(۱۰) وَعَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ اُحُدٍ احْفِرُوْا وَاَوْسِعُوْا وَاَعْمِقُوْا وَاَحْسِنُوْا وَادْفِنُوا الْاِثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِيْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ وَقَدِّمُوْا اَكْثَرَهُمْ قُرْاٰنًا۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهٖ وَاَحْسِنُوْا۔

"اور حضرت ہشام ابن عامرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احد کے دن فرمایا کہ "قبریں کھودو اور قبروں کو کشادہ و گہری کھودو اور

انہیں اچھی بناؤ (یعنی قبروں کو ہموار بناؤ اور اندر سے کوڑا کرکٹ ومٹی وغیرہ صاف کرو) اور ایک ایک قبر میں دو دو تین تین کو دفن کرو اور ان میں آگے (یعنی قبلہ کی طرف) اسے رکھو جسے قرآن زیادہ اچھا یاد تھا۔ (احمدؒ، ترمذیؒ) ابوداؤدؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو لفظ "احسنو" تک نقل کیا ہے۔"

تشریح: "غزوہ احد کے دن" سے مراد یہ ہے کہ جب احد ختم ہوئی اور شہداء کو دفن کرنے کا ارادہ کیا گیا تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ قبریں کھودو۔ لہٰذا ارشاد گرامی میں قبریں کھودنے" کا حکم تو وجوب کے طور پر ہے بقیہ احکام یعنی قبروں کو کشادہ اور گہرا کھودنے اور اچھی بنانے کا حکم استحباب کے طور پر ہے۔

"قبروں کو گہری کھودو" اس سے معلوم ہوا کہ قبر کو گہرا کھودنا سنت ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے میت درندوں سے محفوظ رہتی ہے۔

مظہرؒ کا قول ہے کہ قبریں اتنی گہری کھودنی چاہیں کہ اگر آدمی اندر کھڑا ہو کر اپنے ہاتھ اٹھائے تو اس کی انگلیوں کے سرے قبر کے کنارے تک پہنچ جائیں۔

ایک ایک قبر میں دو دو اور تین تین مردوں کو دفن کرنا مجبوری اور ضرورت کے وقت تو جائز ہے لیکن بغیر کسی ضرورت اور مجبوری کے جائز نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی "اور ان میں آگے (یعنی قبلہ کی طرف) اسے رکھو جسے قرآن زیادہ اچھا یاد تھا" میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح عالم باعمل کی تعظیم وتکریم اس کی زندگی میں کی جاتی تھی اسی طرح مرنے کے بعد بھی اس کی تعظیم اور اس کے احترام کو مد نظر رکھنا چاہئے۔

ایک سے زیادہ جنازوں کی بیک وقت نماز

جس طرح ایک جنازہ پر ایک نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے اسی طرح ایک وقت میں کئی جنازوں پر بھی ایک نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے مطلب یہ ہے کہ بیک وقت کئی جنازے جمع ہو جائیں تو خواہ ہر جنازہ کی الگ الگ نماز پڑھی جائے تو خواہ تمام جنازوں کو رکھ کر سب کے لئے ایک ہی نماز پڑھ لی جائے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ نیز اگر کئی جنازوں کی ایک ہی نماز بیک وقت پڑھی جائے تو جنازوں کو آگے ترتیب سے رکھنے میں بھی اختیار ہے کہ چاہے تو تمام جنازوں کو قبلہ کی طرف آگے پیچھے کر کے رکھا جائے اور چاہے طول میں قطار باندھ کر تمام جنازوں کو رکھ دیا جائے دونوں طرح جائز ہے البتہ امام کو چاہئے کہ وہ اس جنازہ کے پاس کھڑا ہو جو ان جنازوں میں سب سے افضل ہو۔

میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا مسئلہ

(۱۱) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ جَاءَتْ عَمَّتِيْ بِأَبِيْ لِتَدْفِنَهُ فِيْ مَقَابِرِنَا فَنَادَى مُنَادِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوا الْقَتْلٰى إِلٰى مَضَاجِعِهِمْ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَلَفْظُهُ لِلتِّرْمِذِيِّ۔

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جب غزوہ احد ہوا تو میری پھوپھی میرے والد (کی نعش) لے کر آئیں تاکہ انہیں اپنے قبرستان میں دفن کریں، لیکن رسول کریم ﷺ کی طرف سے ایک منادی کرنے والے نے اعلان کیا کہ "شہیدوں کو ان کے شہید ہونے کی جگہ پہنچا دیا جائے۔"

(احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ دارمیؒ) الفاظ ترمذیؒ کے ہیں۔

تشریح: حضرت جابرؓ کا ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب غزوہ احد اور بعض مسلمان شہید ہوئے تو میرے والد مکرم بھی ان شہیدوں میں تھے چنانچہ میری پھوپھی میرے والد کی نعش میدان کارزار سے شہر لائیں تاکہ انہیں اپنے قبرستان یعنی بقیع میں دفن کر دیا جائے لیکن آنحضرت ﷺ کی طرف سے ایک شخص نے اعلان کیا کہ شہداء جس جگہ شہید کیئے گئے ہیں انہیں وہی دفن کیا جائے۔

یہ تو حدیث کی وضاحت تھی اب مسئلہ کی طرف آیئے بعض علماء فرماتے ہیں کہ جیسا کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کا حکم نقل کیا گیا ہے، جو شخص جس شہر میں انتقال کرے اسے اسی شہر میں دفن کیا جائے اس کی نعش دوسرے شہر میں منتقل نہ کی جائے چنانچہ کتاب ازہار میں لکھا ہے کہ نقل میت کے عدم جواز کے سلسلہ میں یہ حدیث ایک مضبوط اور قوی تر دلیل ہے لیکن اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ یہاں حدیث میں میت کو منتقل کرنے کی جو ممانعت فرمائی گئی ہے اسے صرف شہداء کے ساتھ مختص کیا جائے اور اس سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ممانعت میت کو دفن کرنے کے بعد بغیر کسی عذر کے منتقل کرنے پر محمول کی جائے یعنی اگر میت دفن کر دی جائے تو اب اس کے بعد کسی صحیح عذر کے بغیر کسی دوسری جگہ اسے منتقل کرنا ممنوع ہے۔

علامہ یحییٰؒ اس مسئلہ میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی واقعی ضرورت پیش آجائے تو میت کو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے لیکن بغیر ضرورت کے جائز نہیں ہے۔

محقق علامہ ابن ہمامؒ کا قول یہ ہے کہ اگر میت کو دفن کرنے اور قبر کی تیاری سے پہلے ایک دو کوس کے فاصلے پر منتقل کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ قبرستان اتنے فاصلہ پر ہوا کرتے ہیں۔

علماء لکھتے ہیں کہ میت کو اسی شہر کے قبرستان میں دفن کرنا مستحب ہے جہاں اس کا انتقال ہوا ہے چنانچہ منقول ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا انتقال مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہوا تو ان کا جنازہ دفن کرنے کے لئے مکہ مکرمہ لایا گیا۔ جب حضرت عائشہؓ ان کی قبر پر تشریف لائیں تو فرمایا کہ "اگر میں تمہارے انتقال کے وقت موجود ہوتی تو تمہیں یہاں منتقل نہ کرتی بلکہ وہیں دفن کرتی جہاں انتقال ہوا تھا۔"

دفن کے بعد قبر کھودنے کا مسئلہ

میت کو دفن کرنے اور قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد (میت کو نکالنے کے لئے یا کسی اور مقصد کے تحت) قبر کو کھودنا جائز نہیں ہے خواہ دفن کیئے ہوئے بہت تھوڑا وقفہ ہوا ہو یا زیادہ عرصہ ہو گیا ہو ہاں عذر کی بناء پر جائز ہو گا مثلاً یہ اگر دفن کرنے کے بعد یہ ظاہر ہو کہ جس زمین پر قبر بنائی گئی ہے وہ زمین غصب کی ہے یا اس زمین کو کسی شخص نے بحق شفعہ لے کر اپنی ملکیت بنالی تو ان صورتوں میں مالک زمین کے مطالبہ پر قبر کھودنا جائز ہو گا علماء لکھتے ہیں کہ کتنے ہی صحابیؓ کافروں کے شہروں میں دفن کیئے گئے مگر انہیں وہاں سے منتقل نہیں کیا گیا۔

اگر اس زمین کا مالک کہ جس میں قبر بنائی گئی ہے یہ چاہے کہ زمین کو ہموار کر لے اور اس میں کھیتی باڑی کرے تو اسے حق پہنچتا ہے دفن کرنے کے بعد قبر کھودنے کا اعذار میں ایک عذر یہ بھی ہے کہ اگر کسی شخص کا کوئی مال یا کپڑا وغیرہ قبر میں رہ جائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ قبر کھود کر وہ مال یا کپڑا نکال دیں۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ علماء اور مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی عورت کا بیٹا شہر کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں دفن کر دیا جائے اور وہاں وہ عورت موجود نہ رہی ہو اور پھر اسے اس کی ماں تابے چین کرے اور وہ اس بات پر اصرار کرے کہ اس کے بیٹے کی نعش اس کے شہر میں منتقل کر دی جائے تو اس صورت میں قطعی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ نعش کو منتقل کر دیا جائے چنانچہ اس بارہ میں بعد کے بعض علماء جس جواز کے قائل ہوئے ہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ نے (ہدایہ کے علاوہ اپنی کسی دوسری کتاب میں) لکھا ہے کہ "اگر کوئی شخص کسی شہر میں مرجائے تو اس کی نعش کو دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس طرح نہ صرف یہ کہ ایک بے فائدہ اور لاحاصل چیز میں وقت صرف ہوتا ہے بلکہ میت کو دفن کرنے میں بھی تاخیر ہوتی ہے، نیز علماء کا بالاتفاق یہ فیصلہ ہے کہ اگر کوئی میت بغیر نماز کے بھی دفن کر دی جائے تب بھی اس قبر سے نکالنا جائز نہیں ہے۔

کسی شخص کو اس مکان میں دفن نہ کیا جائے جس میں وہ رہا کرتا تھا کیونکہ یہ صرف انبیاء کرام صلوات اللہ وسلام علیہم کے ساتھ مختص

ہے، دوسرے کے لئے ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔

میت کو قبر میں کس طرح اتارا جائے؟

⑫ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سُلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ۔ (رواہ الشافعی)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو (قبر میں اتارتے وقت) سر کی طرف اتارا گیا۔" (شافعیؒ)

تشریح: اس کی صورت یہ تھی کہ جنازہ قبر کے پائنتی رکھا گیا پھر آپ کو سر مبارک کی طرف سے اٹھا کر قبر میں اتارا گیا چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کے ہاں میت کو اسی طریقہ سے قبر میں اتارا جاتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اس سلسلہ میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ جنازہ قبر کے قبلہ والی جانب رکھا جائے اور وہاں سے میت کو اٹھا کر قبر میں رکھا جائے چنانچہ آنحضرت ﷺ میت کو اسی طریقہ سے قبر میں اتارا کرتے تھے جیسا کہ اگلی حدیث سے واضح ہوگا۔

جہاں تک مذکورہ بالا روایت کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس طریقہ سے قبر میں کیوں اتارا گیا؟ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حجرۂ شریفہ میں اتنی وسعت نہ تھی کہ آپ کو قبلہ کی طرف سے قبر میں اتارا جاتا کیونکہ) آپ کی قبر حجرہ کی دیوار سے ملی ہوئی ہے حنفیہ کی طرف سے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قبر میں اتارنے کی کیفیت مضطرب منقول ہے یعنی یہاں اس روایت میں تو یہ بتایا جارہا ہے کہ آپ ﷺ کو سر کی طرف سے قبر میں اتارا گیا تھا جب کہ ابوداؤدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قبر میں قبلہ کی طرف اتارا گیا تھا سر کی طرف سے نہیں اٹھایا گیا تھا نیز اسی طرح کی روایت ابن ماجہؒ نے بھی نقل کی ہے۔ لہٰذا جب ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہوا تو دونوں حدیثیں ساقط ہوگئیں۔

⑬ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ قَبْرَ الَيْلاً فَاُسْرِجَ لَهٗ بِسِرَاجٍ فَاَخَذَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَقَالَ رَحِمَكَ اللّٰهُ اِنْ كُنْتَ لَاَوَّاهًا تَلَّاءً لِلْقُرْاٰنِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رات میں نبی کریم ﷺ (کسی میت کو رکھنے کے لئے) قبر میں اترے، آپ کے لئے چراغ جلا دیا گیا چنانچہ آپ نے میت کو قبلہ کی طرف سے پکڑا (اور اسے قبر میں اتارا) اور یہ فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تو (خوف خدا سے) بہت رونے والے اور قرآن کریم بہت زیادہ پڑھنے والے تھے (اور ان دونوں چیزوں کے سبب سے تم رحمت و مغفرت کے مستحق ہو) یہ حدیث ترمذیؒ نے نقل کی ہے اور شرح السنۃ میں ہے کہ اس روایت کی اسناد ضعیف ہے۔"

تشریح: اس روایت کے بارہ میں امام ترمذیؒ کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے نیز اس بارہ میں حضرت جابرؓ اور حضرت یزید بن ثابت کی روایتیں بھی منقول ہیں۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رات کے وقت مردہ کو دفن کرنا مکروہ نہیں جیسا کہ بعض علماء نے لکھا ہے یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہے ان کے ہاں میت کو قبر میں قبلہ کی طرف سے اتارنا سنت ہے۔

میت کو قبر میں اتارتے وقت کیا پڑھا جائے؟

⑭ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوٰى اَبُوْدَاوُدَ الثَّانِيَةَ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب میت کو قبر میں اتارتے تھے تو یہ فرماتے بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ (اس میت کو ہم) اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کے حکم کے مطابق (اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت پر (قبر میں اتارتے ہیں) اور ایک روایت

میں وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ کے بجائے وَعَلٰی سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ہے (یعنی یہاں تو رسول اللہ ﷺ کی شریعت پر" منقول ہے اور ایک دوسری روایت میں اس کے بجائے" رسول اللہ ﷺ کی سُنّت پر" نقل کیا گیا ہے، احمدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، اور ابوداؤد نے دوسری روایت (جس میں ملۃ کے بجائے سنۃ ہے) نقل کی ہے۔"

قبر پر مٹی ڈالنا اور پانی چھڑکنا سُنّت ہے

⑮ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَثٰى عَلَى الْمَيِّتِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ بِيَدَيْهِ جَمِيْعًا وَاَنَّهُ رَشَّ عَلٰى قَبْرِ ابْنِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَوَضَعَ عَلَيْهِ حَصْبَاءَ۔ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى الشَّافِعِيُّ مِنْ قَوْلِهٖ رَشَّ

"اور حضرت امام جعفرؒ صادق بن محمد اپنے والد (حضرت امام باقرؒ) سے بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی قبر کے اوپر پانی چھڑکا اور علامت کے لئے) قبر پر سنگریزے رکھے۔ شرح السنۃ اور حضرت امام شافعیؒ نے اس حدیث کو "رش" پانی چھڑکا) سے "آخر تک) روایت کیا ہے۔"

تشریح: امام احمدؒ نے اسناد ضعیف کے ساتھ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ قبر میں مٹی اس طرح ڈالتے تھے کہ جب پہلی مٹھی بھر کر مٹی ڈالتے تو پڑھتے منھا خلقنکم جب دوسری مٹھی بھر کر ڈالتے تو پڑھتے وفیھا نعیدکم اور اسی طرح جب تیسری مٹھی ڈالتے تو یہ پڑھتے و منھا نخرجکم۔

حضرت ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ "جو لوگ جنازہ کے ہمراہ قبر پر جائیں ان کے لئے سُنّت ہے کہ جب لحد یا شق بند کر دی جائے تو وہ مٹھی بھر کر مٹی قبر میں ڈالیں اسی طرح قبر جب بھر جائے اور اوپر سے مٹی برابر کر دی جائے تو قبر کے اوپر پانی چھڑکنا سُنّت ہے۔

ایک حکایت

منقول ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا تو اسے کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا کہ جب میری نیکیاں اور برائیاں وزن کی گئیں تو برائیاں نیکیوں سے بڑھ گئیں اچانک ایک تھیلی نیکیوں کے پلڑے میں آگر گری جس کی وجہ سے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا، میں نے جب تھیلی کھولی تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں ایک مٹھی مٹی تھی جو میں نے ایک مسلمان کی قبر میں ڈالی تھی (اس طرح میری یہ نیکی کام آگئی)

قبروں پر لکھنے اور انہیں روندنے کی ممانعت

⑯ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقُبُوْرُ وَاَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهَا وَاَنْ تُوْطَاَ۔

(رواہ الترمذی)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ قبریں گچ کی جائیں، ان پر لکھا جائے اور یہ کہ وہ روندی جائیں۔" (ترمذی)

تشریح: قبروں پر گچ کرنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ اس میں ایک طرف کی زینت اور تکلیف ہے ہاں بعض حضرات کے نزدیک قبروں پر مٹی لیپنا جائز ہے۔

قبروں پر اللہ و رسول کا نام اور قرآن کی آیتیں لکھنا مکروہ ہے تاکہ پیروں کے نیچے آنے سے یا جانور وغیرہ کے پیشاب کر دینے سے ان کی بے حرمتی نہ ہو۔ بعض حنفی علماء فرماتے ہیں کہ اسی طرح مساجد وغیرہ کی دیوار پر اللہ و رسول کا نام اور قرآن کی آیتیں لکھنا ممنوع ہے نیز یہ بھی مکروہ ہے کہ پتھر وغیرہ پر میت کا نام وغیرہ لکھ کر قبر پر کھڑا کیا جائے۔ البتہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ پتھر وغیرہ پر میت کا اور خاص

طور پر علماء دین اور صلحاء امت کا نام وغیرہ لکھ کر قبر پر کھڑا کرنا جائز ہے تاکہ زمانہ گزرنے کے باوجود ان کی قبریں پہچانی جائیں۔

آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا تھا

(۱۷) وَعَنْهُ قَالَ رُشَّ قَبْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ الَّذِيْ رَشَّ الْمَآءَ عَلٰى قَبْرِهٖ بِلَالُ بْنُ رَبَاحٍ بِقِرْبَةٍ بَدَأَ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى رِجْلَيْهِ (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی قبر پر پانی چھڑکا گیا تھا اور وہ شخص کہ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا تھا، حضرت بلال بن رباح تھے چنانچہ انہوں نے مشک لے کر سر کی طرف سے (قبر پر) پانی چھڑکنا شروع کیا اور پاؤں تک (چھڑکتے ہوئے) لے گئے۔" (بیہقیؒ)

علامت کے لئے قبر پر کوئی پتھر رکھ دینا جائز ہے

(۱۸) وَعَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ اَبِيْ وَدَاعَةَ قَالَ لَمَّا مَاتَ عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ اُخْرِجَ بِجَنَازَتِهٖ فَدُفِنَ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا اَنْ يَّأْتِيَهٗ بِحَجَرٍ فَلَمْ يَسْتَطِعْ حَمْلَهَا فَقَامَ اِلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَسَرَ عَنْ ذِرَاعَيْهِ قَالَ الْمُطَّلِبُ قَالَ الَّذِيْ يُخْبِرُنِيْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى بَيَاضِ ذِرَاعَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ حَسَرَ عَنْهُمَا ثُمَّ حَمَلَهَا فَوَضَعَهَا عِنْدَ رَأْسِهٖ وَقَالَ اُعَلِّمُ بِهَا قَبْرَ اَخِيْ وَاَدْفِنُ اِلَيْهِ مَنْ مَّاتَ مِنْ اَهْلِيْ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت مطلبؓ بن ابووداعہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ابن مظعون کا انتقال ہوا تو ان کا جنازہ (باہر نکالا گیا اور دفن کیا گیا (جب تدفین سے فراغت ہوئی تو) نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ (ایک بڑا) پتھر لائے (تاکہ اسے قبر پر علامت کے لئے رکھ دیا جائے) اس شخص سے پتھر نہ اٹھ سکا تو آنحضرت ﷺ اسے اٹھانے کے لئے خود کھڑے ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھوں کی آستینیں چڑھائیں۔" حدیث کے راوی حضرت مطلبؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے مجھ سے رسول کریم ﷺ کی یہ حدیث بیان کی وہ کہتے تھے کہ "گویا اس وقت بھی آنحضرت ﷺ کے مبارک ہاتھوں کی سفیدی میری نظروں میں گھوم رہی ہے جب کہ آپ نے اسے کھولا تھا، بہر حال آنحضرت ﷺ نے وہ پتھر اٹھالیا اور اسے حضرت عثمانؓ کی قبر کے سرہانے رکھ دیا اور فرمایا کہ "میں نے اس کے ذریعہ اپنے بھائی کی قبر پر علامت کر دی ہے اب میرے گھر والوں میں سے جس کا انتقال ہوگا میں اسے اس کے پاس دفن کر دوں گا۔"

تشریح: حضرت مطلب بن ابووداعہؓ صحابی اور فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے تھے انہوں نے اس روایت کو ایک دوسرے صحابیؓ سے اس لئے نقل کیا ہے کہ یہ خود اس موقع پر موجود نہ تھے۔

حضرت عثمانؓ بن مظعون آنحضرت ﷺ کے دودھ شریک بھائی تھے انہوں نے بالکل ابتدائی زمانہ ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا چنانچہ ان سے پہلے صرف تیرہ آدمی اسلام لا چکے تھے، غزوہ بدر میں شریک ہوئے تھے، مدینہ میں مہاجرین میں سے سب سے پہلے انہی کا انتقال ہوا تھا ان کی قبر کے قریب سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم دفن کیے گئے تھے۔

ازہار میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قبر پر بطور علامت و نشانی کوئی پتھر وغیرہ رکھ دینا مستحب ہے تاکہ قبر پہچانی جا سکے نیز اہل خاندان اور اقربا کو ایک جگہ دفن کرنا بھی مستحب ہے۔

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی قبریں

(۱۹) وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ يَا اُمَّاهُ اكْشِفِيْ لِيْ عَنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَصَاحِبَیْہِ فَکَشَفَتْ لِیْ عَنْ ثَلَاثَۃِ قُبُوْرٍ لَّا مُشْرِفَۃٍ وَّلَا لَاطِئَۃٍ مَبْطُوْحَۃٍ بِبَطْحَاءِ الْعَرْصَۃِ الْحَمْرَاءِ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت قاسم بن محمدؒ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "اے میری ماں! مجھے زیارت کرنے کے لئے رسول کریم ﷺ اور آپ کے دونوں رفقا (یعنی حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی قبریں کھول دیجئے چنانچہ انہوں نے تینوں قبریں کھول دیں، میں نے دیکھا کہ وہ تینوں قبریں نہ تو بہت اونچی تھیں اور نہ بالکل زمین سے ملی ہوئی تھیں (بلکہ زمین سے ایک ایک بالشت بلند تھیں) اور ان پر (مدینہ مطہرہ کے گرد (جو) میدان (ہے اس) کی سرخ کنکریاں بچھی ہوئی تھیں۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ کی قبریں حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تھیں، جب تک دروازہ کھلا ہوا تھا اس پر پردہ پڑا رہا کرتا تھا جب کوئی شخص قبروں کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتا تو پردہ اٹھا کر اندر چلا جاتا تھا"

(۲۰) وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ جَنَازَۃِ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَانْتَھَیْنَآ اِلَی الْقَبْرِ وَلَمَّا یُلْحَدْ بَعْدُ فَجَلَسَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَۃِ وَ جَلَسْنَا مَعَہٗ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَآئِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَزَادَ فِیْ اٰخِرِہٖ کَاَنَّ عَلٰی رُؤُسِنَا الطَّیْرَ۔

"اور حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ انصار میں سے ایک شخص کے جنازہ کے ساتھ چلے جب ہم قبرستان پہنچے تو چونکہ ابھی تدفین عمل میں نہیں آئی تھی (یعنی قبر نہیں تیار ہوئی تھی) اس لئے رسول کریم ﷺ قبلہ کی طرف تشریف فرما ہو گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ (یعنی آپ کے گرد) بیٹھ گئے (ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ) اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ "گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے تھے یعنی انتہائی خاموش اور چپ چاپ سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے۔"

تشریح: باب ما یقال عند من حضرہ الموت کی تیسری فصل میں بھی یہ حدیث تفصیل کے ساتھ نقل کی جا چکی ہے یہاں اس حدیث کا صرف انتہائی خاموش اور چپ چاپ سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے۔"

میت کی تحقیر ممنوع ہے

(۲۱) وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَسْرُ عَظْمِ الْمَیِّتِ کَکَسْرِہٖ حَیًّا (رواہ مالک وابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت عائشہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مردہ کی ہڈیوں کو توڑنا (باعتبار گناہ کے) زندہ شخص کی ہڈیوں کے توڑنے کی مانند ہے۔" (مالکؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح زندہ شخص کی تحقیر و بے عزتی ممنوع ہے اسی طرح میت کی تحقیر اور بے وقعتی بھی ممنوع ہے، نیز جس طرح زندہ شخص تکلیف پر ایذاء اور آرام پر سکون محسوس کرتا ہے اسی طرح مردہ بھی سکون اور ایذاء محسوس کرتا ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

صاحبزادی کے انتقال پر آنحضرت ﷺ کے آنسو

(۲۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ شَھِدْنَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُدْفَنُ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَی الْقَبْرِ فَرَاَیْتُ عَیْنَیْہِ تَدْمَعَانِ فَقَالَ ھَلْ فِیْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ لَّمْ یُقَارِفِ اللَّیْلَۃَ فَقَالَ اَبُوْطَلْحَۃَ اَنَا قَالَ فَانْزِلْ فِیْ قَبْرِھَا فَنَزَلَ فِیْ قَبْرِھَا (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت موجود تھا جب کہ رسول کریم ﷺ کی صاحبزادی (یعنی حضرت عثمان غنیؓ کی زوجہ محترمہ حضرت اُمّ کلثومؓ) سپرد خاک کی جا رہی تھیں اور آنحضرت ﷺ قبر کے پاس تشریف فرما تھے، میں نے یہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں، بہر حال (اس وقت) آنحضرت ﷺ نے (صحابہؓ سے) فرمایا کہ "کیا تم میں ایسا بھی کوئی شخص موجود ہے جو آج کی رات اپنی عورت سے ہم بستر نہ ہوا ہو؟ حضرت ابوطلحہؓ نے کہا کہ "ہاں! میں ہوں" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "(میت کو قبر میں رکھنے کے لئے) تم ہی قبر میں اترو۔" چنانچہ وہ قبر میں اترے۔" (بخاریؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے اپنی عورتوں سے صحبت نہ کرنے کے بارہ میں اس لئے دریافت فرمایا کہ اگرچہ اپنی عورتوں سے صحبت ممنوع نہیں ہے لیکن نہ کرنے میں اس طرح سے ملائکہ سے مشابہت ہوتی ہے لہٰذا آپ ﷺ نے چاہا کہ جس شخص نے آج صحبت نہ کی ہو اور اس طرح وہ ملائکہ کے مشابہ ہو وہی اُمّ کلثومؓ کو قبر میں اتارے۔"

اب یہاں ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابوطلحہؓ نے ام کلثومؓ کو قبر میں اتارا جو ان کے لئے اجنبی اور غیر محرم تھے؟ اس اشکال کی توجیہ یہ ہے کہ یا تو یہ ان کی خصوصیات میں سے تھا کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں بطور خاص قبر میں اترنے کا حکم فرمایا یا یہ کہ اس طرح آنحضرت ﷺ نے اس بارہ میں بیان جواز کی طرف اشارہ فرمایا۔"

عورت کی میت کو مرد ہی قبر میں اتاریں

محقق علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ عورت کی میت کو قبر میں اتارنے یا نکالنے کا کام صرف مرد ہی انجام دیں اور چونکہ جس طرح عورت کو اس کی زندگی میں کسی اجنبی مرد کا ضرورت کے وقت اس طرح چھونا جائز ہے کہ درمیان میں کپڑا وغیرہ حائل ہو اسی طرح مردہ عورت کو بھی بوقت ضرورت اجنبی مرد کا چھونا جائز ہے۔ لہٰذا جب کوئی عورت مر جائے اور اس کا کوئی محرم نہ ہو تو اسے قبر میں اس کے وہ پڑوسی اتاریں جو نیک و صالح ضعیف موجود نہ ہوں تو پھر وہ پڑوسی جوان قبر میں اتاریں جو نیک و صالح ہوں ہاں اگر محرم موجود ہوں خواہ دودھ کے اعتبار سے محرم ہوں خواہ سسرال کی طرف سے تو وہی قبر میں اتر کر دفن کریں۔

اگر مذکورہ بالا حدیث کے بارہ میں یہ اشکال پیدا ہو کہ علماء تو یہ لکھتے ہیں کہ عورت کی میت کو قبر میں اتارنے کے لئے خاوند اور محارم اولیٰ ہیں تو حضرت اُمّ کلثومؓ کو حضرت عثمانؓ نے یا خود آنحضرت ﷺ نے قبر میں کیوں نہیں اتارا؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ یہ احتمال ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ اور حضرت عثمانؓ کو کوئی عذر پیش آگیا ہوگا اس لئے نہ تو آنحضرت ﷺ ہی قبر میں اترے اور نہ حضرت عثمانؓ ہی نے قبر میں اتر کر حضرت ام کلثومؓ کو رکھا۔"

حضرت عمرو بن عاص کی وصیت

(۴۳) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لِابْنِهٖ وَهُوَ فِيْ سِيَاقِ الْمَوْتِ اِذَا اَنَامِتُّ فَلَا تَصْحَبْنِيْ نَائِحَةٌ وَّلَا نَارٌ فَاِذَا دَفَنْتُمُوْنِيْ فَشُنُّوْا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ اَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِيْ قَدْرَ مَا يُنْحَرُ جَزُوْرٌ وَّيُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتّٰى اَسْتَانِسَ بِكُمْ وَاَعْلَمَ مَاذَا اُرَاجِعُ بِهٖ رُسُلَ رَبِّيْ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے اس وقت جب کہ وہ حالت نزع میں تھے اپنے صاحبزادے (حضرت عبداللہ) کو یہ وصیت کی کہ "جب میرا (انتقال ہو جائے تو میرے (جنازہ) کے ہمراہ نہ تو کوئی نوحہ کرنے والی ہو اور نہ آگ ہو اور جب مجھے دفن کرنے لگو تو میرے اوپر مٹی آہستہ آہستہ (یعنی تھوڑی تھوڑی کر کے) ڈالنا پھر (دفن کر دینے کے بعد) میری قبر کے پاس (دعائے استقامت و مغفرت اور ایصال ثواب کے لئے) اتنی دیر تک کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے یہاں تک کہ میں تمہاری وجہ سے آرام پا جاؤں اور بغیر کسی وحشت و گھبراہٹ کے) جان لوں کہ میں اپنے پروردگار کے فرشتوں کو کیا جواب

دیتا ہوں۔" (مسلمؒ)

تشریح: زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ تھا کہ فخر و بڑائی اور ریا کے طور پر میت کے ساتھ آگ لے کر چلتے تھے تاکہ اس کے ذریعہ خوشبو وغیرہ جلا سکیں یا کسی اور کام میں لا سکیں شریعت اسلام نے اس سے منع فرمایا اس لئے حضرت عمرو ابن عاصؓ نے یہ وصیت کی کہ میرے جنازہ کے ساتھ نہ تو نوحہ کرنے والی ہو کہ یہ خالص غیر اسلامی طریقہ ہے اور نہ آگ ہو کہ یہ بھی زمانہ جاہلیت کی ایک نشانی ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اگر دان میں اگربتی جلا کر بلا ضرورت مشعلیں و نیچ و شاخ وغیرہ روشن کر کے جنازہ کے ساتھ لے کر چلنا یا جنازہ کے ہمراہ لکڑ والوں کا آگ لے کر چلنا ممنوع ہے۔

"یہاں تک کہ میں آرام پا جاؤں" کا مطلب یہ ہے کہ قبر پر تمہاری دعائے استقامت و مغفرت، ذکر و قرات قرآن کریم اور استغفار و ایصال ثواب کی وجہ سے سوال و جواب کے مرحلہ سے میں بآسانی گزر جاؤں اور قبر میں خدا کی رحمتوں سے ہمکنار ہو جاؤں، چنانچہ ابوداؤدؒ کی ایک روایت میں منقول ہے کہ "آنحضرت ﷺ جب کسی مردہ کی تدفین سے فارغ ہو جاتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہو جاتے اور (صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے دعائے استقامت و اثبات مانگو، کیونکہ اس وقت (قبر میں) اس سے سوال و جواب ہو رہا ہے۔

تدفین میں جلدی کرنی چاہئے

(۴۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِذَا مَاتَ اَحَدُکُمْ فَلَا تَحْبِسُوْہُ وَاَسْرِعُوْا بِہٖ اِلٰی قَبْرِہٖ وَلْیُقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِہٖ فَاتِحَۃُ الْبَقَرَۃِ وَعِنْدَ رِجْلَیْہِ بِخَاتِمَۃِ الْبَقَرَۃِ۔ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَالصَّحِیْحُ اَنَّہٗ مَوْقُوْفٌ عَلَیْہِ۔

"اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو اسے محبوس نہ رکھو بلکہ اس کی قبر تک اسے جلد پہنچا دو نیز یہ بھی چاہئے کہ (قبر پر کھڑے ہو کر) اس کے سر کے قریب سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتیں (یعنی شروع سے مفلحون تک) اور پاؤں کے قریب سورہ البقرہ کی آخری آیتیں یعنی آمن الرسول سے آخرت تک کی آیتیں) پڑھی جائیں۔"
(بیہقیؒ نے اس روایت کو شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت حضرت عبداللہؓ پر موقوف ہے)۔"

تشریح: "اسے محبوس نہ رکھو" بغیر کسی عذر کے میت کو دفن کرنے میں تاخیر نہ کرو بلکہ جہاں تک ہو سکے جلد سے جلد میت کو اس دنیا کی آخری آرام گاہ قبر تک پہنچا دو" چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مر جائے تو اس کی تدفین و تکفین میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ فلا تحبسو کے بعد کا جملہ و اسرعوا بہ یا تو اس سے پہلے جملہ کی تاکید کے طور پر لایا گیا ہے جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے یا پھر اس جملہ سے اس طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ جب جنازہ لے کر چلیں تو جلدی چلنا سنت ہے۔ یعنی جنازہ لے کر درمیانی چال کے ساتھ چلا جائے نہ تو دوڑنا ہی چاہئے اور نہ بالکل ہی آہستہ آہستہ چلنا چاہئے۔

ایصال ثواب کی فضیلت

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ "جب تم قبرستان جاؤ تو وہاں سورہ فاتحہ، معوذتین اور قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب اہل قبرستان کو پہنچاؤ جو انہیں پہنچ جاتا ہے۔ ایصال ثواب کے لئے قبروں پر جانے سے اہل قبر (یعنی میت) کے لئے تو یہ مقصود ہے کہ وہ ایصال ثواب اور دعائے مغفرت وغیرہ سے فائدہ حاصل کرے اور قبر پر جانے والے کے لئے اس لئے بہتر ہے کہ وہاں پہنچ کر وہ عبرت حاصل کرے۔

حضرت علیؓ سے بطریق مرفوع روایت ہے کہ "جو شخص قبرستان جائے اور وہاں قل ہو اللہ احد گیارہ مرتبہ پڑھ کر اس کا ثواب اہل قبرستان کو بخشے تو اسے قبرستان میں مدفون مردوں کی تعداد کے بقدر ثواب ملتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "جو شخص قبرستان جائے اور سورہ فاتحہ قل ہو اللہ احد اور الھکم التکاثر پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرے کہ "میں نے تیرے کلام پاک میں سے جو کچھ اس وقت پڑھا ہے اس کا ثواب اس قبرستان میں مدفون مؤمنین اور مؤمنات کو پہنچاتا ہوں۔" تو قبرستان میں مدفون مردے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے شفاعت کرنے والے ہو جاتے ہیں۔

حضرت حماد مکیؒ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ "ایک رات مکہ کے ایک قبرستان جا پہنچا اور وہاں ایک قبر پر سر رکھ کر سو رہا اچانک (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ اہل قبرستان (یعنی مردے) مختلف ٹکڑیوں میں حلقہ بنائے بیٹھے ہیں میں نے کہا کہ "کیا قیامت قائم ہو گئی ہے؟ (جو تم سب قبروں سے باہر نکلے بیٹھے ہو) انہوں نے کہا کہ "نہیں" بلکہ ہمارے بھائیوں میں سے ایک شخص نے قل ھو اللہ احد پڑھ کر اس کا ثواب ہمیں بخشا ہے لہٰذا اب ہم لوگ ایک برس سے یہاں بیٹھے ہوئے اسی ثواب کو آپس میں تقسیم کر رہے ہیں۔"

حضرت انس راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جو شخص قبرستان جائے اور وہاں (بغرض ایصال ثواب) سورہ یٰسین تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ اہل قبرستان کے عذاب میں کمی کرتا ہے اور اس شخص کو قبرستان میں مدفون مردوں کی تعداد کے بقدر نیکیاں دی جاتی ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ کا قول

علامہ سیوطیؒ جو شافعی المذہب ہیں، شرح الصدور میں لکھا ہے کہ یہ "مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ قرآن پڑھ کر اگر اس کا ثواب میت کو بخشا جائے تو آیا وہ ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ جمہور سلف یعنی صحابہؓ و تابعینؒ پہلے زمانہ کے علماء اور تینوں ائمہ تو یہ کہتے ہیں کہ میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے مگر ہمارے امام حضرت شافعیؒ نے اس بارہ میں اختلاف کیا ہے۔

پھر اس کے بعد سیوطیؒ نے امام شافعی کے دلائل کے کئی جواب لکھ کر یہ بات ثابت کی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بدنی اعمال و عبادات کا ثواب جیسے نماز روزہ اور قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کسی میت کو بخش دے تو اس میت کو اس کا ثواب ملتا ہے (اس بارہ میں مزید تحقیق کے لئے شرح الصدور یا مرقات دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرت عائشہؓ اپنے بھائی کی قبر پر

(۲۵) وَعَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّیَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ بَکْرٍ بِالْحُبْشِیِّ وَھُوَ مَوْضِعٌ فَحُمِلَ اِلٰی مَکَّةَ فَدُفِنَ بِھَا فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ اَتَتْ قَبْرَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالَتْ ۔

وَکُنَّا کَنَدْ مَانَیْ جُذَیْمَةَ حِقْبَةً ۔۔۔ مِنَ الدَّھْرِ حَتّٰی قِیْلَ لَنْ یَّتَصَدَّعَا

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا کَاَنِّیْ وَمَالِکًا ۔۔۔ لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَیْلَةً مَعًا

ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰہِ لَوْ حَضَرْتُکَ مَادُفِنْتَ اِلَّا حَیْثُ مُتَّ وَلَوْ شَھِدْتُکَ مَازُرْتُکَ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ کا حبشی میں جو ایک مقام ہے انتقال ہوا تو ان کی نعش کو مکہ لایا گیا اور وہاں انہیں دفن کیا گیا، جب حضرت عائشہ صدیقہؓ (حج کے لئے مکہ) تشریف لائیں تو (اپنے بھائی) حضرت عبدالرحمٰن کی قبر پر بھی گئیں اور وہاں یہ شعر پڑھے ۔

وَکُنْ کَنَدْ مَانَیْ جُذَیْمَةَ حِقْبَةً ۔۔۔ مِنَ الدَّھْرِ حَتّٰی قِیْلَ لَنْ یَّتَصَدَّعَا

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَاَنِّيْ وَمَالِكًا لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَعًا

یعنی ہم دونوں جذیمہ کے دونوں، ہمنشینوں کی طرح ایک مدت دراز تک زمانہ سے جدا نہیں ہوئے یہاں تک کہ یہ کہا جانے لگا کہ یہ دونوں تو کبھی جدا نہیں ہونگے لیکن جب ہم دونوں یعنی میں اور مالک ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو طویل زمانہ تک ساتھ رہنے کے باوجود گویا ایک رات کے لئے بھی یکجانہ ہوئے اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "خدا کی قسم! اگر تمہارے انتقال کے وقت میں موجود ہوتی تو تم وہیں دفن کیے جاتے جہاں تمہارا انتقال ہوا تھا (کیونکہ میت کو اس جگہ سے کہ جہاں اس کا انتقال ہوا ہو دوسری جگہ منتقل نہ کرنا سُنت اور افضل ہے) نیز یہ کہ اگر میں انتقال کے وقت تمہارے پاس موجود ہوتی تو اس وقت تمہاری قبر پر نہ آتی۔" (ترمذیؒ)

تشریح: حبشی، مکہ کے قریب ایک موضع کا نام تھا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مکہ سے ایک منزل کا نام ہے۔

حضرت عائشہؓ جب اپنے بھائی کی قبر پر گئیں تو وہاں انہوں نے اپنے بھائی کے فراق میں حسب حال دو شعر پڑھے۔ یہ اشعار تمیم بن نویرہ نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کے مرثیہ میں کہے تھے جسے خالد بن ولیدؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانہ میں قتل کر دیا تھا۔

ان اشعار میں تمیم بن نویرہ نے خود کو اور اپنے بھائی کو جذیمہ کے دو ہم نشینوں کے ساتھ مشابہت دی ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ کسی زمانہ میں عراق کا ایک بادشاہ تھا جس کا نام جذیمہ تھا۔ جزیرہ عرب بھی اس کے تصرف میں تھا، اس بادشاہ کے دو ہم نشین تھے جو دونوں بھائی تھے ان میں سے ایک کا نام مالک تھا اور دوسرے کا نام عقیل تھا۔ یہ دونوں بھائی چالیس سال کی طویل مدت تک جذیمہ بادشاہ کے ہم نشین اور ندیم رہے ان دونوں بھائیوں کو نعمان نے مار ڈالا۔ ان کے قتل کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے جو مقامات حریری میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

بہرحال تمیم اپنے بھائی کے مرثیہ میں کہہ رہا ہے کہ "میں اور تم دونوں ہم نشین اور آپس میں انتہائی گہرا تعلق اور محبت رکھنے والے تھے اور ہم دونوں میں ایک طویل زمانہ تک جدائی کی نوبت نہیں آئی تھی جیسا کہ جذیمہ کے دونوں ہمنشین آپس میں اتنے طویل عرصہ تک انتہائی گہرا اخلاص و محبت اور ہم نشینی رکھتے تھے کہ لوگ انہیں دیکھ دیکھ کر کہتے تھے کہ یہ دونوں کبھی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔" پھر تمیم کہتا ہے کہ "جب مالک کی موت ہوئی اور اس طرح ہم دونوں میں دائمی جدائی ہو گئی تو اب اس کے باوجود کہ ہم دونوں ایک طویل زمانہ تک ایک ساتھ رہے مگر اب مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ گویا ہم دونوں ایک رات کے لئے بھی یکجا اور ایک ساتھ نہیں رہے یعنی محبت و یکجائی کا وہ طویل زمانہ چند لمحوں میں سمٹا ہوا یا کہ ایک خواب سا محسوس ہو رہا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے الفاظ "اگر میں انتقال کے وقت تمہارے پاس موجود ہوتی تو اس وقت تمہاری قبر پر نہ آتی" مطلب یہ ہے کہ چونکہ نبی کریم ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر جائیں اس لئے میں یہاں قبر پر ہرگز نہ آتی مگر انتقال کے وقت چونکہ تمہاری زیارت نصیب نہیں ہو سکی تھی اس لئے مجبوراً اب قبر پر آگئی ہوں تاکہ میرا قبر پر آجانا آخری وقت میں تمہاری ملاقات کا قائم مقام بن جائے۔

امام شافعیؒ کا مستدل

(۲۶) وَعَنْ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ سَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْدًا وَرَشَّ عَلٰى قَبْرِهٖ مَآءً (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت رافعؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت سعدؓ کو جنازہ میں سے سر کی طرف سے نکالا (یعنی انہیں سر کی طرف سے قبر میں اتارا) اور ان کی قبر پر پانی چھڑکا۔" (ابن ماجہ)

تشریح: مردہ کو قبر میں اتارنے کے بارہ میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ حدیث ان کے اسی مسلک کی دلیل ہے

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یا تو یہ ضرورت پر یا پھر یہ کہ بیان جواز پر محمول ہے چنانچہ اس کی پوری تفصیل اسی باب کی دوسری فصل میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کی تشریح کے ضمن میں دیکھی جا سکتی ہے۔

سرہانے کی طرف سے مٹی ڈالنے کی ابتداء کرنا

(۲۷) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی عَلٰی جَنَازَۃٍ ثُمَّ اَتَی الْقَبْرَ فَحَثٰی عَلَیْہِ مِنْ قِبَلِ رَأْسِہٖ ثَلَاثًا۔ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی پھر اس کی قبر پر آئے اور سرہانے کی طرف سے قبر میں تین مٹھی مٹی ڈالی۔" (ابن ماجہؒ)

قبر پر سہارا دے کر لیٹنے یا بیٹھنے کی ممانعت

(۲۸) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ رَاٰنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی قَبْرٍ فَقَالَ لَا تُؤْذِ صَاحِبَ ھٰذَا الْقَبْرِ اَوْلَا تُؤْذِہٖ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت عمرو بن حزمؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے ایک قبر کے سہارے (لیٹے یا بیٹھے ہوئے) دیکھا تو فرمایا کہ "تم اس قبر والے کو ایذانہ دو یا یہ فرمایا کہ اسے ایذانہ دو۔" (احمدؒ)

تشریح: ایذا سے غالباً مراد یہ ہے کہ قبر پر سہارا دے کر لیٹنے یا بیٹھنے سے صاحب قبر کی روح ناخوش ہوتی ہے کیونکہ اس طرح اس کی حقارت لازم آتی ہے۔

بَابُ الْبُکَآءِ عَلَی الْمَیِّتِ

میت پر رونے کا بیان

کسی عزیز و رشتہ دار اور دوست و متعلق شخص کی دائمی جدائی پر رنج و غم اور حسرت و افسوس کا ہونا ایک فطری بات ہے مرنے والا جتنا زیادہ قریب اور عزیز ہوگا۔ رنج و غم کی گھٹائیں اتنی ہی مہیب ہوں گی یہ ناممکن ہے کہ اپنے عزیز و متعلقین میں سے کسی کا انتقال ہو جائے اور دل روئے نہیں، آنکھیں آنسو بہائیں نہیں اور چہرہ رنج و الم اور حسرت و غم کی تصویر نہ بن جائے پھر اس فطری رنج و غم کا دوسرا رخ اظہار غم بھی ہے، آنسو بہاتی آنکھیں اس کیفیت کا اظہار کرتی ہیں جو دل پر احساس جدائی کی سیاہ چادر تان دیتی ہے اور چہرہ پر رنج و غم کی برستی ہوئی گھٹا ان جذبات کی غمازی کرتی ہے جو رگ رگ میں دائمی فراق کی چنگاریاں بھر دیتے ہیں۔ اسلام نے چونکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال کی راہ دکھائی ہے اور پیغمبر اسلام نے کیا خوشی اور کیا غم ہر مرحلہ پر انسانی وقار اور رکھ رکھاؤ کا معیار برقرار رکھا ہے اس لئے کیسے ممکن تھا کہ انسانی برادری کے اس جذباتی و فطری نازک موڑ پر راہ نمائی نہ کی جاتی، لہٰذا یہاں یہ باب قائم کر کے یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس مرحلہ پر آنحضرت ﷺ کی مقدس تعلیم اور آپ کا عمل کیا تھا؟

باب سے متعلق کچھ احکام و مسائل

کسی کے انتقال پر نوحہ اور چلائے بغیر رونا مکروہ نہیں ہے چلا کر اور نوحہ کے ساتھ رونا نیز میت کی زائد اور دور از حقیقت تعریف توصیف بیان کرنا جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں مروج تھا مکروہ ہے البتہ میت کی واقعی اور حقیقی تعریف و توصیف بطور بیان کے ذکر کرنا مکروہ

نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص مرجائے تو اس کے لواحقین سے اس کی تعزیت کرنی مستحب اور بڑی اچھی بات ہے اور تعزیت کا مفہوم یہ ہے کہ لواحقین کو صبر سکون کی تلقین کی جائے اور انہیں تسلی وتشفی دی جائے۔ ایک سے زائد مرتبہ تعزیت نہ کی جائے انتقال کے تیسرے روز بطور خاص میت کے گھر جمع ہونا، کھانا پینا کرنا اور دوسری رسوم ادا کرنا کہ جسے ہمارے یہاں "تیجہ" کہتے ہیں قطعی طور پر بدعت اور حرام ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ شریعت میں ان باتوں کی حقیقت نہیں ہے بلکہ میت کی وصیت کے بغیر اس کا مال خرچ کرنا یتیموں اور ورثاء کے مال میں تصرف کرنا جو بالکل ناجائز ہے۔

قاموس کے مصنف مجد الدینؒ نے سفر السعادۃ میں لکھا ہے کہ "پہلے میت کے لئے صرف یہ طریقہ تھا کہ لوگ نماز جنازہ کے لئے جمع ہوتے تھے لہٰذا اب یہ طریقہ دن اور رات متعین کر کے اور غیر ضروری تکلفات کر کے قرآن خوانی اور ختم وغیرہ کے لئے قبر پر یا کسی دوسری جگہ لوگوں کو جمع کرنا بدعت ہے۔

تعزیت قبول کرنے کے لئے گھر میں یا مسجد میں بیٹھے رہنا جائز ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ جب حضرت جعفر، حضرت زید اور حضرت ابن رواحہؓ کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کو یہ اطلاع ملی یہ تینوں حضرات غزوہ موتہ میں یکے بعد دیگرے شہید ہوگئے ہیں تو آپ انتہائی رنج وغم کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھ گئے وہیں تعزیت کرنے والے آتے اور آپ سے تعزیت کر کے چلے جاتے ہاں متعین دنوں اور متعین تاریخوں میں تعزیت کا وہ طور طریقہ جو بعد میں رائج ہوگیا اس وقت نہیں تھا۔

بعد کے بہت سے علماء لکھتے ہیں کہ (دفن کے بعد) میت کے گھر تعزیت کے لئے بطور خاص جمع ہونا مکروہ ہے اور یہ بات تو سخت مکروہ ہے کہ میت کے اہل وعیال صرف اسی مقصد کے لئے گھر کے دروازے پر بیٹھ جائیں اور لوگ وہاں جمع ہو کر تعزیت کریں کیونکہ یہ زمانہ جاہلیت کا طریقہ ہے۔ اس بارہ میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کر چکیں تو منتشر ہو جائیں اور اپنے اپنے کام کاج میں لگ جائیں۔ اسی طرح میت کے اہل وعیال کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہو جائیں۔ اسی طرح قبر کے چاروں طرف حلقہ باندھ کر قرآن خوانی مکروہ ہے۔

تعزیت کرنے کا وقت مرنے کے بعد صرف تین دن تک ہے تین دن کے بعد تعزیت کرنا مکروہ ہے ہاں اگر تعزیت کرنے والا یا غمزدہ موجود نہ ہو تو پھر اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جب بھی ملاقات ہو اسی وقت تعزیت ادا کی جائے۔

میت کو دفن کرنے کے بعد تعزیت کرنا دفن سے پہلے تعزیت کرنے سے اولیٰ ہے مگر یہ سلسلہ اس صورت میں ہے جب کہ میت کے اہل وعیال میں بہت زیادہ جزع وفزع اور اظہار رنج وغم زیادہ شدید نہ ہو۔ اگر اہل وعیال زیادہ جزع وفزع میں مبتلا ہوں تو پھر دفن سے پہلے ہی تعزیت اولیٰ ہوگی۔

عمومی طور پر میت کے تمام اقارب خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، مرد ہوں یا عورت سب ہی سے تعزیت کرنا مستحب ہے ہاں اگر عورت جوان ہو تو اس سے تعزیت نہ کی جائے، البتہ اس عورت کے محرم اس سے بھی تعزیت کر سکتے ہیں۔

تعزیت کے وقت کیا الفاظ کہے جائیں

مستحب یہ ہے کہ جب کوئی شخص اہل میت سے تعزیت کرے تو اس سے صبر و تسلی کے اس قسم کے الفاظ کہے "اللہ تعالیٰ مرنے والے کو اپنی مغفرت و بخشش سے نوازے، اس کی لغزشوں سے درگزر فرمائے اس پر اپنی رحمت کا سایہ کرے، سانحہ ارتحال کے اس سخت حادثہ پر تم سب کو صبر کی توفیق عطا فرمائے اور تم سب کو اس رنج و مصیبت کے بدلہ میں ثواب عطا فرمائے۔"

تعزیت کے لئے بہترین الفاظ وہی ہیں جو آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ:

اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔

"وہ چیز بھی اللہ ہی کی ملکیت ہے جو اس نے لے لی ہے اور وہ چیز بھی اسی کی ملکیت میں ہے جو اس نے دے رکھی ہے اور اس کے نزدیک ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔"

اگر کوئی غیر مسلم مرجائے اور اس کا قرابتی مسلمان ہو تو اس سے تعزیت اس طرح کی جائے کہ "اللہ تعالیٰ تمہیں بہت زیادہ ثواب عطا فرمائے اور تمہیں بہترین صبرو سکون کی دولت سے نوازے۔" اور اگر میت مسلمان ہو اور قرابتی غیر مسلمان تو اس سے اس طرح کہا جائے "اللہ تعالیٰ مرنے والے کو بخشش و مغفرت سے نوازے اور تمہیں صبرو سکون عطا فرمائے۔" اور اگر میت اور قرابتی دونوں ہی غیر مسلم ہوں تو تعزیت ان الفاظ کے ذریعہ کی جائے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بدلہ عطا فرمائے اور تمہارے اہل و عیال میں کمی نہ فرمائے۔

احساس رنج و غم پر تین دن تک اپنے کاروبار چھوڑ کر گھر میں بیٹھے رہنا اگرچہ جائز ہے لیکن اس کا ترک اولیٰ ہے۔ اظہار رنج و غم کے لئے مردوں کو سیاہ کپڑا پہننا، رنج و مصیبت کے وقت کپڑے پھاڑ ڈالنا، چاک گریباں ہو جانا یہ سب چیزیں ممنوع ہیں ہاں اگر عورتیں سیاہ کپڑے پہنیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

کسی کے انتقال پر حد سے زیادہ جزع و فزع کرنا اور خواہ مخواہ کے ہنگامے کرنا مثلاً منہ اور ہاتھوں کو کالا کرنا، چاک گریبان ہو جانا، منہ نوچنا، بالوں کو بکھیر ڈالنا، سر پر مٹی ڈالنا، رانوں کو پیٹنا، سینہ کوبی کرنا، اور قبروں پر آگ روشن کرنا یہ سب باتیں زمانہ جاہلیت کی رسوم اور انتہائی غلط و باطل ہیں ان سے بچنا بہت ضروری ہے۔

جس گھر میں میت ہو جائے وہاں کھانا پکا کر بھیجنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اسے اس طرح ضروری اور لازم جان لینا کہ خواہ اس کے لئے ادھار قرض ہی کیوں نہ کرنا پڑے انتہائی غلط بات ہے، اسی طرح تیسرے روز یعنی تیجہ میں لوگوں کو بطور خاص مدعو کرنا اور برادری والوں کو کھانا کھلانا بھی بڑی بری بات اور بے فائدہ چیز ہے۔

یہ بات بطور خاص یاد رکھئے کہ جو لوگ "تیجہ" کے نام پر جو کچھ خرافات اور واہیات حرکتیں کرتے ہیں وہ انتہائی گمراہی میں مبتلا ہیں مثلاً موت کے تیسرے دن اس طرح انتظامات کیئے جاتے ہیں کہ شادی بیاہ میں بھی کیا انتظامات ہوتے ہوں گے لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے برادری والے جمع ہوتے ہیں، فرش بچھتے ہیں، خیمے کھڑے کیئے جاتے ہیں، خوشبوئیں بانٹی جاتی ہیں یہ سب باتیں بدعت اور انتہائی گمراہ کن ہیں ان واہیات اور خرافات سے اجتناب ضروری ہے۔

نصاب میں لکھا ہے کہ جن جگہوں پر یہ رسم جاری ہے کہ مرد موت کے تیسرے دن خوشبو لگاتے ہیں وہ عورتوں کے ساتھ مشابہت میں مبتلا ہیں کیونکہ عورتیں تیسرے روز سوگ ختم کرنے کے لئے خوشبو لگاتی ہیں لہٰذا اس سے بھی پرہیز کرنا چاہئے لیکن یہ ممانعت خوشبو لگانے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اس طرح اس وقت عورتوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اور شریعت نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔

آداب تعزیت یہ ہیں کہ "جب کوئی شخص میت کے گھر تعزیت کے لئے جائے تو وہاں اہل خانہ کو سلام کرے، مصافحہ کرے ان کے ساتھ انتہائی تواضع اور نرمی کے ساتھ بات چیت کرے، بے فائدہ اور زیادہ گفتگو نہ کرے بلکہ صرف تسلی اور اطمینان اور صبرو سکون کے الفاظ کہے اور ہنسنے اور مسکرانے سے پرہیز کرے۔"

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

صاحبزادے کی وفات پر آنحضرت ﷺ کا غم

① وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَبِیْ سَیْفِ الْقَیْنِ وَکَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاھِیْمَ فَاَخَذَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِبْرَاھِیْمَ فَقَبَّلَہٗ وَشَمَّہٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَیْہِ بَعْدَ ذٰلِکَ وَاِبْرَاھِیْمُ یَجُوْدُ بِنَفْسِہٖ فَجَعَلَتْ عَیْنَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَہٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَاَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ یَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّھَا رَحْمَۃٌ ثُمَّ اَتْبَعَھَا بِاُخْرٰی فَقَالَ اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ یَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِکَ یَا اِبْرَاھِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ (متفق علیہ)

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ ابو سیف لوہار کے گھر گئے جو (آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے) حضرت ابراہیم کی دایہ کے شوہر تھے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابراہیم کو (گود میں) لے کر بوسہ لیا اور سونگھا (یعنی اپنا منہ اور ناک ان کے منہ پر اس طرح رکھی جیسے کوئی خوشبو سونگھتا ہے) اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد ہم پھر ابو سیف کے یہاں گئے جب کہ حضرت ابراہیم حالت نزع میں تھے چنانچہ (ان کی حالت دیکھ کر) آنحضرت ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! آپ رو رہے ہیں!؟ آپ نے فرمایا "اے ابن عوف! (آنسو کا بہنا) رحمت ہے۔" اس کے بعد پھر آپ ﷺ کی مبارک آنکھیں آنسو بہانے لگیں آپ نے فرمایا "آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اور دل غمگین ہے مگر اس کے باوجود ہماری زبانوں پر وہی الفاظ ہیں جن سے ہمارا پروردگار راضی رہے، اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے بے شک غمگین ہیں۔"

تشریح: ابو سیف کا نام براء تھا اور ان کی بیوی کا نام خولہ منذر تھا جو انصاریہ اور آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی دایہ تھیں ان کا گھرانہ پیشہ کے لحاظ سے لوہار تھا۔ حضرت ابراہیم صرف سولہ سترہ مہینے کے تھے کہ انتقال کر گئے چنانچہ اس حدیث میں ان کی حالت بیماری و نزع کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کی دایہ کے گھر گئے اور انہیں گود میں لے کر پیار کیا اور جب ان کا آخری وقت دیکھا تو رونے لگے اسی وجہ سے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے عرض کیا کہ اس قسم کے رقت انگیز مواقع پر لوگ تو روتے ہی ہیں مگر آپ کی عظمت شان اور کمال معرفت سے یہ بعید ہے کہ آپ روئیں۔ اس کا جواب آنحضرت ﷺ نے یہ دیا کہ "یہ رحمت ہے" یعنی میری آنکھیں بے صبری کی وجہ سے آنسو نہیں بہا رہی ہیں جیسا کہ تم سمجھ رہے ہو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بچہ کو اس حالت میں دیکھ کر جذبہ رحم امنڈ رہا ہے جو آنسوؤں کی شکل میں آنکھوں سے بہہ رہا ہے۔"

"دل غمگین ہے" میں اس طرح اشارہ ہے کہ جو شخص ایسے موقع پر بھی غمگین نہ ہو اور اس کا دل غم کی کسک محسوس نہ کرے اس کے سینہ میں دھڑکتا ہوا دل نہیں ہے بلکہ پتھر کا ایک ٹکڑا ہے جب کہ نظروں کے سامنے لخت جگر دم توڑ رہا ہو ایسے نازک موقع پر بھی آنکھیں آنسو نہ بہائیں تو یہ صبر و ضبط نہیں ہے بلکہ اس احساس محبت و مروت اور جذبہ ترحم کا فقدان ہے لہٰذا یہ حال یعنی غمگین ہونا اہل کمال کے نزدیک کامل تر ہے بہ نسبت اس چیز کے کہ بچہ کی موت ہو جائے اور چہرہ پر بشاشت و اطمینان کی لہریں دوڑ رہی ہوں۔

نواسے کا انتقال پر آنحضرت ﷺ کے آنسو

(۴) وَعَنْ اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ قَالَ اَرْسَلَتِ ابْنَۃُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیْہِ اَنَّ ابْنًا لِیْ قُبِضَ فَاْتِنَا فَاَرْسَلَ یُقْرِئُ السَّلَامَ وَیَقُوْلُ اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلٌّ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَاَرْسَلَتْ اِلَیْہِ تُقْسِمُ عَلَیْہِ لَیَاْتِیَنَّھَا فَقَامَ وَمَعَہٗ سَعْدُ بْنُ عُبَادَۃَ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَاُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ وَزَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرِجَالٌ فَرُفِعَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصَّبِیُّ وَنَفْسُہٗ تَتَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ فَقَالَ سَعْدٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا ھٰذَا فَقَالَ ھٰذِہٖ رَحْمَۃٌ جَعَلَھَا اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِ عِبَادِہٖ فَاِنَّمَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مِنْ عِبَادِہِ الرُّحَمَآءَ (متفق علیہ)

"اور حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی (حضرت زینبؓ) نے آپ ﷺ کے پاس کسی کے ذریعہ سے یہ پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا دم توڑ رہا ہے اس لئے (فوراً) آپ ﷺ میرے پاس تشریف لے آیئے۔ آنحضرت ﷺ نے (اس کے جواب میں) سلام کے

بعد کہ کہلا بھیجا کہ جو چیز (یعنی اولاد وغیرہ) خدا نے لے لی وہ بھی اسی کی تھی اور جو چیز اس نے دے رکھی ہے وہ بھی اسی کی ہے (لہٰذا ان کے اٹھ جانے پر جزع وفزع نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس کی امانت تھی جسے اس نے واپس لے لیا) اور اس (خدا) کے نزدیک ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے (یعنی تمہارے بیٹے کی زندگی اتنے ہی دنوں کے لئے لکھی گئی تھی جتنے دن کہ وہ زندہ رہا۔ پس تمہیں صبر کرنا اور خدا سے ثواب کا طلب گار رہنا چاہئے۔" حضرت زینبؓ نے دوبارہ آدمی بھیجا اور (اس مرتبہ) انہوں نے آنحضرت ﷺ کو قسم دی کہ ضرور ہی تشریف لایئے۔" چنانچہ آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے حضرت سعد بن عبادہؓ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور صحابہؓ میں سے دوسرے لوگ آپؐ کے ساتھ ہو لئے (جب آپ صاحبزادی کے ہاں پہنچے تو) بچہ آپ کی گود میں دے دیا گیا جو جان کنی کی حالت میں تھا (اسے دیکھ کر) آنحضرت ﷺ کی مبارک آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔ حضرت سعدؓ نے کہا کہ "یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا ہے۔؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ رحمت ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا فرمایا ہے (اچھی طرح سن لو کہ) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف انہیں لوگوں پر رحمت (یعنی مہربانی) کرتا ہے جو جذبہ ترحم رکھنے والے ہیں۔" (بخاریؒ)

تشریح: حضرت سعدؓ نے چونکہ یہ گمان کیا کہ رونے کی تمام اقسام حرام ومکروہ ہیں اور آنحضرت ﷺ اس وقت سہوا رو رہے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ نے انہیں آگاہ کیا کہ اس طرح رونا کہ صرف آنکھیں آنسو بہا رہی ہوں حرام ومکروہ نہیں ہے بلکہ اس طرح رونا تو اس جذبہ ترحم کی علامت ہے جو دل میں امنڈ رہا ہوتا ہے ہاں نوحہ کے ساتھ رونا، چاک گریبان ہونا، اور سینہ پیٹنا البتہ حرام وممنوع ہے۔

با آواز بلند رونا برا ہے

(۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اشْتَكٰى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ شَكْوًى لَّهُ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهُ مَعَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ وَّسَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَّعَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ وَجَدَهُ فِيْ غَاشِيَةٍ فَقَالَ قَدْ قُضِيَ قَالُوْا لَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَبَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَاَى الْقَوْمُ بُكَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكَوْا فَقَالَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلٰكِنْ يُّعَذِّبُ بِهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى لِسَانِهٖ اَوْيَرْحَمُ وَاِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی آپ کے ساتھ تھے، جب آپ ﷺ ان کے پاس پہنچے تو انہیں بیہوشی کی حالت میں پایا آپ ﷺ نے پوچھا کہ "کیا ان کا انتقال ہو گیا ہے؟" "صحابہؓ نے عرض کیا" "یا رسول اللہ (ﷺ) نہیں۔" آپ ﷺ (سعدؓ کی حالت دیکھ کر) رونے لگے جب صحابہؓ نے آپ کو روتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے، پھر آپ نے فرمایا "اچھی طرح سن لو کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسو بہانے اور دل کے غمگین ہونے پر عذاب نہیں کرتا آپ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا البتہ خدا اس کی وجہ سے عذاب بھی کرتا ہے اور رحم بھی (یعنی اگر کسی حادثہ ومصیبت کے وقت زبان سے ناشکری کے یا بارگاہ الوہیت میں بے ادبی کے الفاظ نکلیں یا نوحہ کر کے رویا جائے تو یہ مستحق عذاب ہے (اور اگر ایسے موقع پر زبان حمد وشکر میں مشغول رہے اور اناللہ پڑھا جائے تو مستحق رحمت وثواب ہے) نیز مردہ کو اپنے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر مردہ کے اہل وعیال اور اس کے گھر والے با آواز بلند یعنی پکار پکار کر روتے ہیں یا نوحہ کرتے ہیں تو اس مردہ کو عذاب ہوتا ہے، اس مسئلہ کی تحقیق تیسری فصل میں آئے گی انشاء اللہ۔

(۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص ہمارے راستے پر چلنے والوں میں سے نہیں ہے جو رخساروں کو پیٹے، گریبان چاک کرے اور ایام جاہلیت کی طرح آواز بلند کرے (یعنی رونے کے وقت زبان سے ایسے الفاظ اور ایسی آواز نکالے جو شرعاً ممنوع ہے جیسے نوحہ یا واویلا کرنا وغیرہ وغیرہ۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہاں رخساروں کو پیٹنے اور گریبان چاک کرنے والے کے لئے جو وعید فرمائی جارہی ہے یہی وعید اس شخص کے لئے بھی ہے جو سر سے پگڑی و ٹوپی اتار پھینکے یا سر اور داڑھی کے بال نوچنے لگے کیونکہ ان سب چیزوں کا ایک ہی حکم ہے۔

⑤ وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ قَالَ اُغْمِیَ عَلٰی اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ اُمُّ عَبْدِاللّٰهِ تَصِیْحُ بِرَنَّةٍ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَلَمْ تَعْلَمِیْ وَكَانَ یُحَدِّثُهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا بَرِیْءٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَصَلَقَ وَخَرَقَ (متفق علیہ ولفظہ لمسلم)

"اور حضرت ابی بردہؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ بیہوش ہوگئے تو ان کی عورت اُمّ عبداللہ چلا چلا کر رونے لگی، جب حضرت ابو موسیٰ کو ہوش آیا تو انہوں نے کہا کہ کیا تمہیں نہیں معلوم؟ کہ چلا چلا کر رونا کتنا برا ہے، چنانچہ راوی کہتے ہیں کہ) پھر ابو موسیٰؓ ان سے یہ حدیث بیان کرنے لگے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "میں اس شخص سے بیزار ہوں جو مصیبت و حادثہ کے وقت) سر کے بال منڈائے چلا چلا کر روئے اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ) حدیث کے الفاظ مسلمؒ کے ہیں۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں اس قسم کے افعال عورتوں سے سرزد ہوتے تھے لہٰذا مسلمانوں کو ان باتوں سے اچھی طرح پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ رسول کریم ﷺ ایسے شخص سے بیزار ہوتے ہیں جو ان غلط اور باطل چیزوں میں مبتلا ہوتا ہے۔

نوحہ کی برائی

⑥ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ لَا یَتْرُكُوْنَهُنَّ الْفَخْرُ فِی الْاَحْسَابِ وَالطَّعْنُ فِی الْاَنْسَابِ وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُوْمِ وَالنِّیَاحَةُ وَقَالَ النَّائِحَةُ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَعَلَیْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ وَّدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو مالک اشعریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "زمانہ جاہلیت کی چار باتیں ایسی ہیں جنہیں میری اُمّت کے (کچھ) لوگ نہیں چھوڑیں گے ① حسب پر فخر کرنا ② نسب پر طعن کرنا ③ ستاروں کے ذریعہ پانی مانگنا ④ نوحہ کرنا" نیز آپ ﷺ نے فرمایا "نوحہ کرنے والی عورت نے اگر مرنے سے پہلے توبہ نہیں کی تو وہ قیامت کے دن اس حال میں کھڑی کی جائے گی کہ اس کے جسم پر قطران اور خارش کا کرتا ہوگا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "حسب" ان خصلتوں کو کہتے ہیں جو اگر کسی مسلمان کے اندر موجود ہوں تو وہ ان کی موجودگی کی وجہ سے اپنے کو بہتر و اچھا سمجھتا ہے جیسے شجاعت بہادری اور فصاحت وغیرہ۔ "نسب پر طعن کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے نسب میں اس طرح عیب جوئی کی جائے کہ فلاں شخص کا باپ برا تھا اور فلاں شخص کا دادا کمتر تھا" چونکہ حسب پر فخر کرنے اور نسب پر طعن کرنے کی وجہ سے اپنی تعظیم و بڑائی اور دوسرے لوگوں کی حقارت لازم آتی ہے اس لئے یہ دونوں چیزیں ہی مذموم ہیں ہاں اسلام و کفر کے امتیاز کی بناء پر ان دونوں میں کوئی مضائقہ نہیں ہے یعنی اگر کوئی مسلمان اپنے ایمان و اسلام کی وجہ سے اپنے آپ کو بزرگ اور بڑا جانے اور کسی کافر کو اس کے کفر کی وجہ سے حقیر و کمتر سمجھے تو یہ جائز ہے۔ "ستاروں کے ذریعہ پانی مانگنے" سے مراد یہ ہے کہ ستاروں کی تاثیر پر بارش کی امید رکھنا یعنی یہ اعتقاد رکھنا کہ اگر فلاں ستارہ منزل میں داخل ہو جائے تو بارش ہوگی۔

اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اعتقاد رکھنا کہ فلاں ستارے کے فلاں منزل میں داخل ہونے کی وجہ سے بارش ہوگی؛ حرام ہے بلکہ جب بارش ہو تو یہ کہنا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں بارش سے سیراب کیا ہے۔

"نوحہ کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرجائے تو اس پر واویلا کیا جائے اور میت کی اچھی خصلتیں رو رو کر اس طرح بیان کی جائے کہ ہائے وہ کتنا بہادر تھا، ہائے وہ ایسا تھا ہائے وہ ایسا تھا۔"

"قطران" کولتار کی مانند ایک دوا کا نام ہے جو سیاہ اور بدبودار ہوتی ہے اور "ابہل" درخت سے کہ جسے ہوبر بھی کہا جاتا ہے نکلتی ہے اسے اس اونٹ کے جسم پر ملتے ہیں جسے خارش ہو جاتی ہے چونکہ اس کے اندر حرارت اور گرمی زیادہ ہوتی ہے اس لئے اونٹ کی خارش کو جلا دیتی ہے اس کا ایک خاص اثر یہ بھی ہے کہ آگ کا اثر بہت جلد قبول کرتی ہے اور جلدی ہی بھڑک اٹھتی ہے۔ ارشاد گرامی کے اس آخری جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ نوحہ کرنے والی عورت اپنے برے فعل سے توبہ کیئے بغیر مرگئی تو قیامت کے روز اس کے جسم پر خارش مسلط کی جائے گی پھر اس پر قطران ملی جائے گی تاکہ اس کی خارش میں اور زیادہ سوزش و جلن پیدا ہو اور وہ زیادہ ایذاء پائے۔

(۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِامْرَأَۃٍ تَبْکِیْ عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ اتَّقِی اللّٰہَ وَاصْبِرِیْ قَالَتْ اِلَیْکَ عَنِّیْ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِیْبَتِیْ وَلَمْ تَعْرِفْہُ فَقِیْلَ لَھَا اِنَّہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَتَتْ بَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَہٗ بَوَّابِیْنَ فَقَالَتْ لَمْ اَعْرِفْکَ فَقَالَ اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَۃِ الْاُوْلٰی (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے قریب چلا چلا کر رو رہی تھی آپ ﷺ نے فرمایا "خدا کے عذاب سے ڈرو! (یعنی نوحہ نہ کرو ورنہ عذاب میں مبتلا کی جاؤ گی) اور صبر کرو!" اس عورت نے آنحضرت ﷺ کو پہچانا نہیں (آپ کا ارشاد سن کر) کہنے لگی کہ "میرے پاس سے دور ہٹو، (تم میرا غم کیا جانو) کیونکہ تم میری مصیبت میں گرفتار نہیں ہوئے ہو۔" (جب آنحضرت ﷺ وہاں سے چلے آئے تو) اسے بتایا گیا کہ یہ نبی کریم ﷺ تھے (پھر کیا تھا) وہ (بھاگی ہوئی) آنحضرت ﷺ کے در دولت پر حاضر ہوئی اسے دروازہ پر کوئی دربان و پہرہ دار نہیں ملا (جیسا کہ بادشاہوں اور امیروں کے دروازوں پر دربان و پہرہ دار ہوتے ہیں) (پھر اس نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ "میری گستاخی معاف فرمائیے) میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔" آپ نے اس سے فرمایا کہ "صبر تو وہی کہلائے گا جو ابتداء مصیبت میں ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: کتنا سچ اور مبنی بر حقیقت ہے کہ "جو بات کہی جارہی ہے اسے دیکھو نہ دیکھو کہ بات کہنے والا کون ہے۔؟" اس قول پر عمل نہ صرف یہ کہ سچائی اور نیکی کی راہیں روشن کرتا چلا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات خجالت و شرمندی سے بچاتا بھی ہے۔ اسی واقعہ پر نظر ڈالئے ایک عورت ایک غلط کام کر رہی ہے۔ آنحضرت ﷺ اسے نیکی و بھلائی کے راستہ پر لگانے کے لئے کچھ ارشاد فرمارہے ہیں وہ عورت اتفاق سے آپ کو پہچانتی نہیں نہ صرف یہ کہ وہ آپ ﷺ کے ارشاد سے اعراض کرتی ہے بلکہ ایک غلط جواب بھی دیتی ہے جب بعد میں اسے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے وہ قیمتی بات کہنے والا کوئی ایرا غیرا نہیں تھا بلکہ خود رسالتماب ﷺ کی ذات گرامی تھی تو اب اسے احساس ہوتا ہے کہ واقعی میں غلطی میں مبتلا تھی۔ پشیمان ہو کر بھاگی ہوئی در رسالت پر حاضر ہوئی ہے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتی ہے۔"

اب دیکھئے اگر وہ اس عارفانہ قول کے مطابق آنحضرت ﷺ کو پہچانے بغیر آپ کے ارشاد گرامی کے سامنے سر اطاعت خم کر دیتی تو نہ صرف یہ کہ نیکی و بھلائی کے راستہ کو اسی وقت پالیتی بلکہ بعد کی خجالت و شرمندگی سے بھی بچ جاتی۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کامل اور پسندیدہ صبر کہ جس پر ثواب ملتا ہے وہی ہوتا ہے۔ جو ابتداء مصیبت میں کیا جائے ورنہ آخر میں تو خود بخود صبر آجاتا ہے بعد میں کسی نے صبر کیا تو کیا صبر کیا۔؟

نوحہ کرنا حرام ہے

مذکورہ بالا حدیثوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نوحہ کرنا اور میت کی عمدہ خصلتوں کو رو رو کر بیان کرنا نیز چلا کر رونا، رخساروں کو پیٹنا، گریبان پھاڑنا، بالوں کو بکھیرنا، مونڈ نا، اور نوچنا، منہ کالا کرنا، سر پر مٹی ڈالنا اور ایسی تمام چیزیں جو بے صبری پر دلالت کریں حرام ہیں۔

جس مسلمان کے تین بچے مرجائیں وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا

⑧ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَمُوْتُ لِمُسْلِمٍ ثَلَاثَۃٌ مِنَ الْوَلَدِ فَیَلِجُ النَّارَ اِلَّا تَحِلَّۃَ الْقَسَمِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس مسلمان کے تین بچے اللہ کو پیارے ہو جائیں وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا ہاں قسم پوری کرنے کے لئے کیا جائے گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ "ہاں قسم پوری کرنے کے لئے جائے گا سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا اَلآیہ کی طرف اشارہ ہے گویا اصل میں یہ آیت یوں ہے۔ وَاِنْ مِّنْکُمْ وَاللّٰہِ اِلَّا وَارِدُھَا الآیہ یعنی خدا کی قسم! تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو دوزخ میں داخل نہ ہو اگرچہ وہ بجلی یا ہوا کی طرح ایک ہی لمحہ کے لئے کیوں نہ داخل ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ کے اوپر پل صراط قائم کیا جائے گا ظاہر ہے کہ اس کے اوپر سے ہر شخص گزرے گا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اور خواہ نیک ہو یا بد فرق صرف اتنا ہوگا کہ جو بدکار ہوں گے وہ اس کے ذریعہ ایذاء پائیں گے بایں طور کہ وہ پل صراط کے اوپر سے دوزخ میں گر پڑیں گے اور نیکوکار کوئی ایذاء نہیں پائیں گے باایں طور کے وہ اس کے اوپر سے گزر کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس مسلمان کے تین بچے مرجائیں گے وہ دوزخ میں داخل کیا جائے گا ہاں صرف اتنے لمحہ کے لئے تو اس کا دوزخ تک جانا ممکن ہے کہ خدا کی قسم پوری ہو جائے اور وہ مختصر لمحہ بھی صرف پل صراط کے اوپر سے گزرنے کا وقفہ ہے یعنی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دوزخ کے اندر داخل کیا جائے گا اور عذاب پائے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ کسی قسم کا عذاب نہیں پائے گا اور صرف پل صراط کے اوپر سے گزر جانا ہے اس آیت میں مذکور "دخول دوزخ" کا مصداق اور باری تعالیٰ کی قسم کے سچ اور پوری ہونے کے لئے کافی ہوگا۔

اہل عرف اپنی روزمرہ کی بول چال میں کہا کرتے ہیں کہ "میں نے یہ کام اپنی قسم پوری کرنے کے لئے کیا" یعنی اس کام کو صرف اس قدر کیا کہ اس کی وجہ سے قسم پوری ہو جائے اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے اس کام کا ادنیٰ ترین حصہ جو ایک قلیل ترین لمحہ میں گزر جائے کافی ہے۔

⑨ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِنِسْوَۃٍ مِنَ الْاَنْصَارِ لَا یَمُوْتُ لِاِحْدَاکُنَّ ثَلَاثَۃٌ مِنَ الْوَلَدِ فَتَحْتَسِبُہٗ اِلَّا دَخَلَتِ الْجَنَّۃَ فَقَالَتِ امْرَأَۃٌ مِنْھُنَّ اَوِاثْنَانِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَوِاثْنَانِ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّھُمَا ثَلَاثَۃٌ لَمْ یَبْلُغُوا الْحِنْثَ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کتنی ہی انصاری عورتوں سے فرمایا کہ "تم میں سے جس عورت کے بھی تین بچے مر جائیں اور وہ عورت ثواب کی طلبگار ہو تو وہ جنت میں داخل کی جائے گی۔" (یہ سن کر) ان میں سے کسی عورت نے عرض کیا کہ "یا دو بچے مر جائیں۔" (یعنی اس بشارت کو تین کے ساتھ خاص نہ کیجئے بلکہ یہ فرمایئے کہ تین مرجائیں یا دو مریں) آپ ﷺ نے فرمایا (ہاں) دو بچے بھی مر جائیں تو یہ بشارت ہے۔" (مسلمؒ۔ بخاریؒ و مسلمؒ دونوں کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا "ایسے تین بچے مریں جو حد بلوغ کو نہ پہنچے ہوئے ہوں (تو یہ بشارت ہے)۔"

تشریح: "ثواب کی طلبگار ہو" کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی عورت کے تین بچوں کو اپنے پاس بلالے تو وہ ان کے مرجانے پر نوحہ اور جزع فزع نہ کرے بلکہ صبر و شکر کا دامن پکڑے رہے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر خدا کی مرضی اور اس کی مصلحت کے آگے سر جھکا دے تو وہ بہشت میں داخل کی جائے گی۔

اب اس بارہ میں دونوں ہی احتمال ہیں کہ یا تو اسے ابتداء ہی میں بغیر عذاب میں مبتلا کیے ہوئے جنت میں داخل کر دیا جائے گا یا پھر یہ

کہ ان بچوں کی سفارش و شفاعت کے بعد اسے جنّت کی سعادت سے نوازا جائے گا۔

عورت کے عرض کرنے پر آنحضرت ﷺ کے ارشاد "یا دو بچے مریں" کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ جب آپ نے تین بچوں کے بارہ میں ارشاد فرمایا تو عورتوں نے تین کی تخصیص کو ختم کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو بارگاہ صمدیت کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی توجہ کے اثر سے رحمت خداوندی نے اس خواہش کو قبول فرما کر فوراً ہی بذریعہ وحی مطلع کر دیا کہ اگر دو بچے بھی مر جائیں تب بھی یہ سعادت حاصل ہوگی یا پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ نے اس بارہ میں بطور خاص دعا مانگی اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا قبول ہوگی چنانچہ آپ ﷺ نے عورتوں کو وہ بشارت سنا دی۔

دوسری روایت میں غیر بالغ کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ چھوٹے بچوں سے عورتوں کو بہت زیادہ محبت ہوتی ہے، بڑے بچوں کی بہ نسبت چھوٹے بچے اپنی ماں سے زیادہ قریب اور محبوب ہوتے ہیں اس لئے ان کے مرنے سے طبعی طور پر عورت کو بہت زیادہ رنج و غم ہوتا ہے۔"

عزیز و محبوب کی موت پر صبر کی جزاء جنّت ہے

(۱۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِي جَزَآءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهٗ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ إِلَّا الْجَنَّةُ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے کسی بندہ کے عزیز و محبوب کو جو اہل دنیا میں سے اٹھا لیتا ہوں اور وہ بندہ اس پر ثواب کا طلب گار ہوتا ہے (یعنی صبر کرتا ہے) تو میرے پاس اس کے لئے جنّت سے بہتر کوئی جزاء نہیں ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا اہل دنیا میں سے کوئی عزیز محبوب جیسے اولاد، باپ، ماں یا ان کے علاوہ کوئی بھی ایسا شخص جسے وہ عزیز و محبوب رکھتا تھا انتقال کر جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اس کے اس صبر کی بناء پر اللہ تعالیٰ اسے جنّت عطا فرمائے گا۔ "اہل دنیا" کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر اہل آخرت میں سے کوئی عزیز و محبوب مر جائے اور اس پر صبر کیا جائے تو اس سے بھی بڑی سعادت ملتی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا اور کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کا راضی ہو جانا اس کے حق میں دنیا و آخرت کی سب سے بڑی سعادت اور سب سے بڑی فضیلت ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

نوحہ کرنے اور نوحہ سننے پر آنحضرت ﷺ کی لعنت

(۱۱) وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے نوحہ کرنے والی عورت اور نوحہ سننے والی عورت دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: نوحہ کرنے والی عورت سے مراد وہ عورت ہے۔ جو میت کے عمدہ خصلتوں کو رو رو کر بیان کرے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ میت پر آواز کے ساتھ یعنی چلا چلا کر رونے کو نوحہ کہتے ہیں۔ "نوحہ سننے والی عورت" سے وہ عورت مراد ہے جو نوحہ کرنے والی عورت کے پاس بیٹھ کر قصداً اس کا نوحہ سنے اور اس کے نوحہ کو پسند کرے۔

مؤمن مصیبت و راحت ہر مرحلہ پر صابر و شاکر رہتا ہے

⑫ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَجَبٌ لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَہٗ خَیْرٌ حَمِدَ اللّٰہَ وَشَکَرَ وَاِنْ اَصَابَتْہُ مُصِیْبَۃٌ حَمِدَ اللّٰہَ وَصَبَرَ فَالْمُؤْمِنُ یُؤْجَرُ فِیْ کُلِّ اَمْرِہٖ حَتّٰی فِی اللُّقْمَۃِ یَرْفَعُھَا اِلٰی فِیْ امْرَأَتِہٖ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مؤمن (کامل) کا عجب حال ہے اگر اسے راحت و بھلائی پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو جب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے اور صبر کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ لہٰذا مؤمن کو اس کے ہر کام میں ثواب ملتا ہے یہاں تک کہ وہ جو لقمہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں دیتا ہے (اس پر بھی ثواب ملتا ہے۔" (بیہقیؒ)

تشریح: اس حدیث کے ذریعہ مؤمن کی فضیلت اور اس کے امتیاز کو بطور فخر بیان کیا جارہا ہے کہ وہ زندگی کے ہر مرحلہ پر خدائے واحد کا سپاس و شکر گزار رہتا ہے اگر اسے کوئی نعمت و راحت حاصل ہوتی ہے تو خدا کی تعریف کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت و تکلیف اپنے بازوؤں میں جکڑ لیتی ہے تو اس وقت بھی اس کی زبان حال و قال سے خدا کا شکر ہی ادا ہوتا ہے اور اس کی تعریف و بڑائی بیان کر کے وہ اپنی عبودیت کا اظہار کرتا ہے چنانچہ اسی لئے خدا نے بھی مؤمن کو یہ سعادت عطا فرمائی ہے کہ اس کے ہر مباح کام پر ثواب عطا فرمایا جاتا ہے، بشرطیکہ اگر وہ خیر و بھلائی اور ثواب کی نیت کے ساتھ وہ کام کرے یعنی مؤمن کوئی بھی مباح کام کرے اگر اس کی نیت بخیر ہوگی تو اسے اس کام پر ثواب دیا جائے گا مثال کے طور پر یہاں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دے اور لقمہ دیتے وقت اس کی یہ نیت ہو کہ میں اپنے اس حق کی ادائیگی کے لئے جو میرے ذمہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خاطر بیوی کے منہ میں لقمہ دے رہا ہوں تو اس کا یہ معمولی سا مباح کام اس کے حق میں ثواب کے اعتبار سے ایک عظیم سعادت بن جائے گا۔"

مؤمن کی موت پر زمین و آسمان روتے ہیں

⑬ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَلَہٗ بَابَانِ بَابٌ یَصْعَدُ مِنْہُ عَمَلُہٗ وَبَابٌ یَنْزِلُ مِنْہُ رِزْقُہٗ فَاِذَا مَاتَ بَکَیَا عَلَیْہِ فَذٰلِکَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی فَمَا بَکَتْ عَلَیْھِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہر مسلمان کے لئے دو دروازے ہیں ایک دروازہ تو وہ ہے جس سے اس کے نیک اعمال اوپر آجاتے ہیں اور دوسرا دروازہ وہ ہے جس سے اس کا رزق اترتا ہے، چنانچہ جب کوئی مؤمن مرتا ہے تو اس کے لئے دونوں دروازے روتے ہیں اس بات کو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے سمجھا جاسکتا ہے کہ فَمَا بَکَتْ عَلَیْھِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ یعنی ان (کافروں) کے لئے نہ آسمان رویا نہ زمین روئی۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایک دروازہ تو وہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ مؤمن کے نیک اعمال جو زمین پر اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جاچکے ہیں آسمان پر جاتے ہیں اور پھر وہاں اعمال لکھنے کی وجہ دوبارہ اعمالنامہ میں لکھے جاتے ہیں، دوسرا دروازہ وہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ رزق زمین پر اترتا ہے اور جس کے مقدر میں جتنا ہوتا ہے اتنا پہنچتا ہے۔

لہٰذا جب کوئی مؤمن مرتا ہے تو دونوں دروازے روتے ہیں کیونکہ ایک دروازہ سے تو نیک اعمال اوپر جاتے تھے اور دوسرے دروازہ سے رزق اترتا تھا کہ جو نیک اعمال کے لئے معاون ہوتا ہے اس طرح دونوں دروازے مؤمن کے انتقال سے اس سعادت سے

محروم ہو جاتے ہیں اور اپنی اس محرومی پر روتے ہیں۔

اس بات کو آیت کریمہ سے سمجھایا گیا ہے بایں طور کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے حق میں فرمایا ہے کہ ان کے لئے نہ تو آسمان رویا اور نہ زمین روتی ہے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے لئے آسمان بھی روتا ہے اور زمین بھی روتی ہے۔

مرجانے والی چھوٹی اولاد ذخیرہ آخرت ہوتی ہے۔

(۱۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ فَرَطَانِ مِنْ اُمَّتِيْ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ كَانَ لَهٗ فَرَطٌ مِنْ اُمَّتِكَ قَالَ وَمَنْ كَانَ لَهٗ فَرَطٌ يَا مُوَفَّقَةُ فَقَالَتْ فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ فَرَطٌ مِنْ اُمَّتِكَ قَالَ فَاَنَا فَرَطُ اُمَّتِيْ لَنْ يُصَابُوْا بِمِثْلِيْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میری اُمت میں سے جس شخص کے دو بچے بالغ ہونے سے پہلے مرگئے اللہ تعالیٰ اسے ان دونوں بچوں کی وجہ سے جنّت میں داخل کرے گا۔" (یہ سن کر حضرت عائشہ نے پوچھا کہ "اور آپ کی اُمت میں سے جس شخص کا ایک ہی بچہ مرا ہو؟ آپ نے فرمایا "اے موفقہ! جس شخص کا ایک بچہ مرا ہو اس کے لئے بھی یہ بشارت ہے۔" حضرت عائشہ نے پھر پوچھا کہ "اچھا آپ ﷺ کی امت میں اگر جس شخص کا ایک بھی بچہ نہ مرا ہو؟ تو اس کے لئے کیا بشارت ہے) آپ ﷺ نے فرمایا" پھر میں تو اپنی اُمت کا میر منزل ہوں ہی کیونکہ میری (وفات کی) مصیبت جیسی کسی اور مصیبت سے دوچار نہ ہوئے ہوں گے۔" (ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "فرط" اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلہ سے پہلے منزل پر پہنچ کر اہل قافلہ کے لئے سامان خورد و نوش تیار کرتا ہے، یہاں اس حدیث میں مذکور "فرط" سے مراد وہ بچہ ہے جو بالغ ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو جائے ایسے بچہ کو "فرط" اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ آخرت میں پہلے پہنچ کر اپنے والدین کے لئے جنّت کی نعمتوں کا انتظام کرتا ہے یعنی وہ اپنے ماں باپ کو اللہ رب العزت سے سفارش و شفاعت کر کے جنّت میں لے جائے گا۔ ہاں حدیث کے آخری جملہ فانا فرط امتی الخ میں فرط" سے فوت شدہ نابالغ بچے مراد نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو کمال تعلق اور ان کی ذات خصوصیت نیز ان کے اوصاف و فضائل کی بناء پر "موفقہ" کہہ کر مخاطب کیا جو مجموعہ فضل و کمال لقب ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اے عائشہؓ! کہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و بھلائی اور اچھی باتوں کے پوچھنے کی توفیق عطا فرمائی گئی ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی اُمت کے لئے میر منزل ہوں بایں طور کہ میں ان سے پہلے آخرت میں پہنچ کر شفاعت کروں گا اور ان کو جنّت میں لے جاؤں گا کیونکہ ثواب مصیبت اور مشقت کے بقدر رہتا ہے یعنی مصیبت و مشقت جتنی سخت و شدید ہوتی ہے اتنا ہی ثواب زیادہ ملتا ہے لہٰذا اس دنیا سے میرا اٹھ جانا اس کے لئے اتنی بڑی مصیبت اور اتنا بڑا حادثہ اور کوئی مصیبت ہو نہیں سکتی، لہٰذا میرے بعد میری اُمت کا ہر فرد حقیقۃً اور حکماً اس حادثہ مصیبت سے دوچار ہوگا اس لئے جن لوگوں کی چھوٹی اولاد فوت ہو کر ان کے لئے ذخیرہ آخرت نہ بھی ہوئی ہوگی تو میرے وصال کا یہ حادثہ ہی ان کے لئے مذکورہ بالا سعادت و بشارت کے طور پر کافی ہو گا۔

اولاد کے انتقال پر صبر و شکر کا اجر

(۱۵) وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمَلٰٓئِكَتِهٖ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِيْ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيَقُوْلُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهٖ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيَقُوْلُ مَاذَا قَالَ عَبْدِيْ فَيَقُوْلُوْنَ حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ ابْنُوْا لِعَبْدِيْ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمُّوْهُ بَيْتَ الْحَمْدِ (رواہ احمد و الترمذی)

"اور حضرت ابوموسی اشعریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کسی "مؤمن) بندہ کا کوئی بچہ مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں (یعنی ملک الموت اور اس کے معاون فرشتوں) سے فرماتا ہے کہ "تم نے میرے بندہ کے بچہ کی روح قبض کی ہے۔" وہ عرض کرتے ہیں کہ "ہاں!" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "تم نے اس کے دل کا پھل لے لیا" وہ عرض کرتے ہیں کہ "جی ہاں!" پھر اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ "(اس حادثہ پر) میرے بندہ نے کیا کہا؟" وہ عرض کرتے ہیں کہ اس نے تیری تعریف کی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔" اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میرے بندے کے لئے جنت میں ایک بڑا گھر بنا دو اور اس کا نام "بیت الحمد" رکھو۔" (احمدؒ و ترمذیؒ)

تشریح: چونکہ بندہ مؤمن اپنے جگر و گوشہ کے انتقال پر اللہ رب العزت کی تعریف و بڑائی بیان کر کے صبر و شکر کی راہ اختیار کرتا ہے اس لئے عبودیت و انقیاد کے اس جذبہ عظیم کے صلہ میں اسے بہشت میں ایک بڑا گھر "بیت الحمد" دیا جاتا ہے۔

اس گھر کا نام "بیت الحمد" اس لئے ہوتا ہے کہ وہ مصیبت و حادثہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا تسلیم و انقیاد کے بدلہ میں دیا جاتا ہے اس مناسبت سے اس کا نام "بیت الحمد" (یعنی حمد و ثنا کا مکان) ہے۔

مصیبت زدہ کو تسلی دینے والے کا ثواب

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزّٰی مُصَابًا فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِہٖ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لَا نَعْرِفُہٗ مَرْفُوْعًا اِلاَّ مِنْ حَدِیْثِ عَلِیِّ ابْنِ عَاصِمِ الرَّاوِیْ وَقَالَ وَرَوَاہُ بَعْضُھُمْ عَنْ مُحَمَّدِبْنِ سُوْقَۃَ بِھٰذَا الْاِسْنَادِ مَوْقُوْفًا۔

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی مصیبت زدہ کو تسلی دیتا ہے تو اسے بھی مصیبت زدہ کے بقدر ثواب دیا جاتا ہے۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اس روایت کو علی بن عاصم کے علاوہ کسی دوسرے ذریعہ سے مرفوع نہیں پاتے، نیز امام ترمذیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض محدثین نے اس روایت کو محمد ابن سوقہ سے اسی سند کے ساتھ ابن مسعودؓ (پر) موقوف نقل کیا ہے۔"

تشریح: "مصیبت زدہ" عام ہے خواہ کسی کے انتقال کی مصیبت میں مبتلا ہو یا اس کے علاوہ کسی دوسرے حادثہ یا مصیبت سے دوچار ہو بہرحال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کو اطمینان و سکون دلاتا ہے اور اسے تسلی و تشفی دیتا ہے جو اپنے کسی عزیز و اقارب کے انتقال پر یا کسی بھی مصیبت کی وجہ سے غم زدہ ہو تو اسے بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا کہ اس مصیبت زدہ کو صبر کرنے سے ملتا ہے کیونکہ تسلی دینے والا جب مصیبت زدہ کو اطمینان و سکون دلاتا ہے بایں طور کہ اسے صبر کی تلقین کرتا ہے اور پھر وہ شخص صبر کرتا ہے تو گویا یہ شخص مصیبت زدہ کے صبر کا باعث بنتا ہے اس لئے الدال علی الخیر کفاعله (یعنی جو شخص اچھی بات کا راستہ بتاتا ہے اسے بھی اس راستہ پر چلنے والے کی مانند ثواب ملتا ہے) کے بمصداق اسے بھی اجر و سعادت سے نوازا جاتا ہے۔ اب اس بارہ میں عمومیت ہے کہ چاہے تو تسلی خود مصیبت زدہ کے پاس پہنچ کر دی جائے یا اگر اس پر قدرت نہ ہو تو پھر خط لکھ کر یا کسی بھی دوسرے ذریعہ سے اطمینان و سکون دلایا جائے دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

حضرت امام ترمذیؒ کے قول کے مطابق اگرچہ یہ روایت ابن مسعود پر موقوف ہے لیکن مرفوع ہی کے حکم میں ہے پھر یہ کہ اس کو ابن ماجہؒ کی اس روایت سے تقویت ملتی ہے جس کی سند حسن اور مرفوع ہے کہ:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُعَزِّیْ اَخَاہُ بِمُصِیْبَۃٍ اِلاَّ کَسَاہُ اللّٰہُ مِنْ حُلَلِ الْکَرَامَۃِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ

"جو بھی مسلمان اپنے کسی (مسلمان) بھائی کی مصیبت میں اسے صبر و سکون کی تلقین کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے بزرگی کا خلعت

پہنائے گا۔"

⑰ وَعَنْ اَبِيْ بَرْزَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزّٰى ثَكْلٰى كُسِيَ بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابی برزہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اس عورت کو تسلی دے گا جس کا بچہ مرگیا ہو تو اسے جنت میں بہت عمدہ لباس پہنایا جائے گا۔" (امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)

میت کے گھر کھانا بھیجنا مستحب ہے

⑱ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ لَمَّا جَآءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوْا لِاٰلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ اَتَاهُمْ مَا يُشْغِلُهُمْ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت جعفرؓ کے انتقال کی خبر آئی تو نبی کریم ﷺ نے اہل بیت سے فرمایا کہ جعفر کے (اہل خانہ کے) لئے کھانا تیار کرو کیونکہ انہیں ایک ایسا حادثہ پیش آیا ہے جو انہیں کھانا پکانے سے باز رکھتا ہے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب کوئی شخص مرجائے تو اس کے رشتہ داروں اور ہمسائیوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ اہل و عیال کے لئے کھانا پکا کر بھیجیں اور کھانا بھی اتنا ہو کہ میت کے گھر والے اسے ایک دن اور ایک رات پیٹ بھر کر کھا سکیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ میت کے گھر اس کے عزیزوں اور ہمسائیوں کی طرف سے تین دن تک کہ جو ایام تعزیت ہیں کھانا بھیجتے رہنا جائز ہے۔

میت کے گھر بھیجا جانے والا کھانا دوسرے لوگ بھی کھا سکتے ہیں یا نہیں

اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ وہ کھانا جو میت کے گھر اس کے عزیزوں اور ہمسائیوں کی طرف سے آتا ہے میت کے گھر والوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں، چنانچہ بعض علماء تو عدم جواز کے قائل ہیں جب کہ بعض حضرات مثلاً ابوالقاسمؒ کا قول یہ ہے کہ اس شخص کے کھالینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جو میت کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہے۔

نیز علماء لکھتے ہیں کہ جب کسی میت کے گھر کھانا پکا کر بھیجا جائے تو اس موقع پر اس بات کا خیال رکھا جائے کہ میت کے گھر والے کھانا کھا بھی لیں کیونکہ ایسے غمناک ماحول میں کھانے پینے کا کوئی دھیان نہیں رہتا خاص طور پر میت کے گھر والے غم والم کی وجہ سے کھانا وغیرہ کی خواہش نہیں رکھتے اس لئے مناسب اور بہتر یہ ہے کہ انہیں کہہ سن کر کھانا ضرور کھلا دیا جائے تاکہ غم والم کی زیادتی اور کھانا نہ کھانے کی وجہ سے ضعف و کمزوری میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

نوحہ کرنے والی عورتوں کے لئے کھانا تیار کرنا تاکہ لوگ جمع ہوں اور کھائیں بدعت و مکروہ ہے بلکہ اس کے بارہ میں حضرت جابرؓ سے تو یہ منقول ہے کہ "ہم اسے نیاحت یعنی نوحہ کرنے کی ایک قسم شمار کرتے تھے۔" لہٰذا اس ارشاد سے تو اس چیز کا صریح حرام ہونا معلوم ہوتا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اسی مقصد کے لئے میت کے گھر والوں کی طرف سے تیار کئے گئے کھانے میں شریک ہونا مکروہ ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ کراہت اس شکل میں ہے جب کہ وہ کھانا اس مال سے تیار نہ کیا گیا ہو جو یتیم کا ہو یا اس شخص کی ملکیت ہو جو موجود نہ ہو اور اس کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں تصرف کیا گیا ہو اور اگر کھانا ایسے مال سے تیار کیا گیا ہو جو یتیم یا غیر موجود شخص کی ملکیت میں ہو تو پھر اس کھانے میں شریک ہونا بغیر کسی اختلافی قول کے حرام ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

میت کو نوحہ اور اس پر رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے

(۱۹) عَنِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ شُعْبَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ نِیْحَ عَلَیْہِ فَاِنَّہٗ یُعَذَّبُ بِمَا نِیْحَ عَلَیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (متفق علیہ)۔

"اور حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جس میت کے لئے نوحہ کیا جاتا ہے اسے قیامت کے دن نوحہ کئے جانے کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

(۲۰) وَعَنْ عَمْرَۃَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّھَا قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَۃَ وَذُکِرَ لَھَا اَنَّ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ عُمَرَ یَقُوْلُ اِنَّ الْمَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبُکَاءِ الْحَیِّ عَلَیْہِ تَقُوْلُ یَغْفِرُ اللّٰہُ لِاَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَمَا اِنَّہٗ لَمْ یَکْذِبْ وَلٰکِنَّہٗ نَسِیَ اَوْ اَخْطَأَ اِنَّمَا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی یَھُوْدِیَّۃٍ یُبْکٰی عَلَیْھَا فَقَالَ اِنَّھُمْ لَیَبْکُوْنَ عَلَیْھَا وَاِنَّھَا لَتُعَذَّبُ فِیْ قَبْرِھَا (متفق علیہ)

"اور حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن کہتی ہیں کہ اس وقت حضرت عائشہؓ سے یہ کہا گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ یہ کہتے ہیں کہ "میت کو اس پر زندوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے" تو میں نے حضرت عائشہؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ بخشے ابوعبدالرحمٰن (یہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی کنیت ہے) کو! جان لو کہ عبداللہ بن عمرؓ نے (خدانخواستہ) جھوٹ نہیں بولا ہے بلکہ وہ بھول گئے ہیں (آنحضرت ﷺ نے اس بارہ میں ایک خاص موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا) یا یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اجتہادی خطا ہے کہ اس ارشاد سے عام حکم مراد لے رہے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ "آنحضرت ﷺ (ایک مرتبہ) ایک یہودی عورت کی قبر کے پاس سے گزرے تو (دیکھا کہ) وہاں (اس قبر) پر لوگ رو رہے تھے، (یہ دیکھ کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس کے عزیز و اقارب اس پر رو رہے ہیں اور وہ (عورت) اپنی قبر کے اندر عذاب میں مبتلا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "اللہ بخشے" اہل عرب میں یہ جملہ ایسے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جب کہ کوئی شخص اپنی کسی بات اور گفتگو میں خطا کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے اس موقع پر آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کہ "اس کے عزیز و اقارب رو رہے ہیں اور وہ اپنی قبر کے اندر عذاب میں مبتلا ہے۔" کا مطلب صرف یہ تھا کہ یہ لوگ کتنے جاہل اور نادان ہیں کہ وہ بدبخت عورت تو اپنی قبر کے اندر خدا کے عذاب میں مبتلا اور مطعون و خوار ہے جیسا کہ کافروں کا حال ہوتا ہے مگر یہ لوگ اسے مرحومہ سمجھ رہے ہیں اور اس سے محبت و تعلق کا اظہار کر رہے ہیں۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے یہ بات بطور خاص اس یہودی عورت کے بارہ میں فرمائی تھی اس طرح دوسرے کافروں کے بارہ میں بھی یہی صورت حال ہوتی ہے کہ ان کے عزیز و اقارب انہیں مرحوم سمجھ کر اور ان سے اپنے قلبی تعلق و محبت کا اظہار کر کے روتے ہیں پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ نے تو یہ بھی نہیں فرمایا تھا کہ وہ ان کے رونے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہے۔"

گویا حضرت عائشہؓ کے اعتراض کا حاصل یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے تو اس عورت کے کفر کی بناء پر فرمایا تھا کہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہے، اور عبداللہ بن عمرؓ یہ سمجھے کہ آنحضرت ﷺ نے بطور کلیہ کے یہ ارشاد فرمایا کہ میت اپنے اوپر زندوں کے رونے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کی جاتی ہے۔"

یہ تو اس روایت کی وضاحت ہو گئی، جہاں تک نفس مسئلہ کا تعلق ہے تو علماء لکھتے ہیں کہ اس بارہ میں حضرت عائشہؓ کا یہ اعتراض بھی ان کے لئے اپنے اجتہاد پر مبنی ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کا یہ اعتراض اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد خاص طور پر صرف اسی موقع سے متعلق منقول ہوا ہو حالانکہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی مختلف الفاظ کے ساتھ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نیز

دوسرے صحابہؓ کی متعدد روایتوں سے منقول ہے لہٰذا حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ یہ ارشاد اس خاص موقعہ پر اور صرف اس یہودی عورت کے بارہ میں تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آیا؟ بہرحال اس مسئلہ کی مزید وضاحت اگلی حدیث کی تشریح کے ضمن میں دیکھئے۔"

(۲۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ قَالَ تُوُفِّيَتْ بِنْتٌ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ بِمَكَّةَ فَجِئْنَا لِنَشْهَدَهَا وَحَضَرَهَا ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنِّيْ لَجَالِسٌ بَيْنَهُمَا فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لِعَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ وَهُوَ مُوَاجِهُهٗ اَلَا تَنْهٰى عَنِ الْبُكَاءِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَدْ كَانَ عُمَرُ يَقُوْلُ بَعْضَ ذٰلِكَ ثُمَّ حَدَّثَ فَقَالَ صَدَرْتُ مَعَ عُمَرَ مِنْ مَّكَّةَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ فَاِذَا هُوَ بِرَكْبٍ تَحْتَ ظِلِّ سَمُرَةٍ فَقَالَ اذْهَبْ فَانْظُرْ مَنْ هٰؤُلَاءِ الرَّكْبُ فَنَظَرْتُ فَاِذَا هُوَ صُهَيْبٌ قَالَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ ادْعُهٗ فَرَجَعْتُ اِلٰى صُهَيْبٍ فَقُلْتُ ارْتَحِلْ فَالْحَقْ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرَ فَلَمَّا اَنْ اُصِيْبَ عُمَرُ دَخَلَ صُهَيْبٌ يَبْكِيْ يَقُوْلُ وَا اَخَاهُ وَا صَاحِبَاهُ فَقَالَ عُمَرُ يَا صُهَيْبُ اَتَبْكِيْ عَلَيَّ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبَعْضِ بُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَمَّا مَاتَ عُمَرُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَائِشَةَ فَقَالَتْ يَرْحَمُ اللّٰهُ عُمَرَ لَا وَاللّٰهِ مَا حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ وَلٰكِنْ اِنَّ اللّٰهَ يَزِيْدُ الْكَافِرَ عَذَابًا بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ وَقَالَتْ عَائِشَةُ حَسْبُكُمُ الْقُرْاٰنُ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عِنْدَ ذٰلِكَ وَاللّٰهُ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى قَالَ ابْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ فَمَا قَالَ ابْنُ عُمَرَ شَيْئًا (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن ملیکہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی صاحبزادی کا مکہ میں انتقال ہوا تو ہم لوگ (ان کے یہاں) آئے تاکہ نماز جنازہ اور تدفین میں شریک ہوں حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباسؓ بھی وہاں آئے میں ان دونوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا اتنے میں عبداللہ ابن عمرؓ نے حضرت عمرو بن عثمانؓ سے جو ان کی طرف منہ کیئے ہوئے بیٹھے تھے کہا کہ "تم (اپنے گھروالوں کو آواز اور نوحہ کے ساتھ) رونے سے منع کیوں نہیں کرتے؟ کیونکہ رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ "میت اپنے گھروالوں کے رونے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کی جاتی ہے۔" حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے (اس کے جواب میں) کہا کہ "حضرت عمرؓ اس میں سے کچھ کہتے تھے (یعنی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے تو میت پر عام طور پر رونے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے لیکن حضرت عمرؓ اس ممانعت کو صرف قریب المرگ کے پاس آواز و نوحہ کے ساتھ رونے پر محمول کرتے تھے) چنانچہ انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ جب میں حضرت عمرؓ کے ساتھ مکہ سے واپس ہوا اور ہم بیداء میں پہنچے (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک موضع ہے) تو اچانک حضرت عمرؓ نے ایک کیکر کے درخت کے نیچے ایک قافلہ کو دیکھا انہوں نے (مجھ سے) فرمایا کہ "تم وہاں جاکر دیکھو کہ قافلہ میں کون ہے؟ چنانچہ میں نے وہاں جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت صہیبؓ (اور ان کے ہمراہ کچھ دوسرے لوگ) ہیں" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے آکر حضرت عمرؓ سے بتادیا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "انہیں بلالاؤ۔" میں پھر صہیبؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ "چلئے اور امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے ملئے۔" اس کے بعد جب (مدینہ میں) حضرت عمرؓ زخمی کر دیئے گئے تو حضرت صہیب روتے ہوئے ان کے پاس آئے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ "اے میرے بھائی، اے میرے آقا! (یہ کیا ہوا؟) حضرت عمرؓ نے (اسی حالت میں) صہیبؓ سے فرمایا کہ تم میرے پاس (آواز و بیان کے ساتھ) رو رہے ہو؟ جب کہ رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ مردہ (یعنی یا تو حقیقۃ مردہ یا قریب المرگ) اپنے گھروالوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے (یعنی ایسے رونے کی وجہ سے جو آواز نوحہ کے ساتھ ہو)" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروقؓ کی وفات ہوئی تو میں نے ان کا یہ قول حضرت عائشہؓ کی خدمت میں عرض کیا وہ سن کر فرمانے لگیں کہ "اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ پر رحم کرے! یہ بات نہیں ہے اور نہ رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ مردہ اپنے گھروالوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے) یعنی نہ تو مطلقاً رونے کی وجہ سے اور نہ آواز و نوحہ کے ساتھ رونے کی وجہ سے میت کو عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے) ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کافر کے عذاب میں اس کے گھروالوں کے رونے کی وجہ سے زیادتی کر دیتا ہے۔" پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ (اس کے ثبوت میں) تمہارے لئے قرآن کریم کا یہ فیصلہ ہی کافی

ہے کہ ولا تزر وازرۃ وزر اخری "کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت کے مضمون کا مفہوم بھی تقریباً یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہنساتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی رلاتا ہے۔" حضرت ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ "حضرت ابن عمرؓ یہ (سن کر کچھ نہ بولے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ۲۳ھ ذی الحجہ کا مہینہ چھبیسویں تاریخ اور چہار شنبہ کا دن تھا، صبح کی نماز کے وقت حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے حاضرین نے صفیں باندھ لیں آپؓ محراب مسجد میں کھڑے ہوگئے، ابھی آپ نے نماز شروع ہی کی تھی کہ مغیرہ ابن شعبہ کے غلام ابولؤلؤ لعین نے پیچھے سے جو گھات میں بیٹھا تھا دو دھاری خنجر سے آپؓ پر حملہ کیا، خنجر پہلو میں لگا، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ لعین نے چھ زخم لگائے حضرت عمرؓ گر گئے، انہیں اٹھا کر گھر لایا گیا، پورے مدینہ میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی لوگ جوق در جوق در خلافت پر حاضر ہونے لگے، انہیں میں حضرت صہیب بھی تھے، انہوں نے جب حضرت عمرؓ کو خون میں نہائے دیکھا تو بے اختیار رونے لگے اور یہ کہتے جاتے تھے "اے میرے بھائی، اے میرے آقا۔" حضرت ابن عباسؓ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں بہر حال حضرت صہیبؓ کے اس رونے اور ان کے اس کہنے کو نوحہ نہ سمجھ لیا جائے کیونکہ نوحہ وہ ہوتا ہے جو بآواز بلند اور بطریق بین ہو اور یہاں ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں پائی جاتی لیکن حضرت عمرؓ نے صہیبؓ کو اس سے بھی احتیاطاً منع فرمادیا کہ اظہار غم کا یہ مباح طریقہ کہیں حدود سے تجاوز کر کے اس مرحلہ پر پہنچ جائے جہاں شریعت مانع ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ نے جو قسم کھا کر حدیث کی نفی کی تو وہاں حقیقت میں ان کی مراد حدیث کے نفی نہیں تھی بلکہ انہوں نے اس مفہوم اور نتیجہ کی نفی کی جو حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کی حدیث سے اخذ کیا تھا ورنہ تو جہاں تک نفس حدیث کا تعلق ہے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہے، اختلاف صرف اس حدیث کا مفہوم متعین کرنے میں ہے حضرت عمرؓ اور حضرت عبد اللہؓ تو اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ میت کے عذاب کا تعلق اس کے گھر والوں کے رونے سے ہے یعنی اگر میت کے گھر والے میت پر روتے ہیں تو اسے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے خواہ میت مؤمن ہو یا کافر ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی کافر کے حق میں ہے اور وہ بہر صورت عذاب میں مبتلا رہتا ہے چاہے اس کے گھر والے اس پر روئیں یا نہ روئیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ گھر والوں کے رونے کی وجہ سے کافر میت کے عذاب میں زیادتی کر دی جاتی ہے اور وہ بھی اس وجہ سے کہ کافر رونے سے خوش و راضی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض کافر تو مرتے وقت وصیت کر جاتے تھے کہ جب وہ مر جائیں تو اس پر رویا جائے اور نوحہ کیا جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنے مسلک کہ "اہل میت کا رونا میت کے عذاب کا سبب نہیں ہوتا۔" پر اس آیت کریمہ سے استدلال کرتی ہیں کہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی یعنی ایک شخص کا گناہ کسی دوسرے شخص کے نامۂ اعمال میں نہیں لکھا جاتا اور ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہوتا تو اس پر اس گناہ کی سزا کا ترتب بھی نہیں ہو سکتا، لہٰذا اگر میت کے گھر والے روتے ہیں یا نوحہ کرتے ہیں تو یہ ان کا فعل ہے ان کا گناہ میت کے نامۂ اعمال میں کیوں لکھے جانے لگے اور ان کے گناہ کی وجہ سے میت کو عذاب میں کیوں مبتلا کیا جانے لگا۔ اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے بھی یہ کہہ کر حضرت عمرؓ کے مسلک کی نفی اور حضرت عائشہؓ کے قول کی تائید کی انسان کا رونا اور ہنسنا، اس کی خوشی اور غمی اللہ ہی کی طرف سے ہے کہ وہی ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے اس لئے رونے کو عذاب میں کیا دخل؟

لیکن حضرت ابن عباسؓ کے اس قول پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس طرح تو بندوں کے تمام ہی افعال اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے بندہ تو صرف انہیں کرتا ہے جس پر ثواب اور عذاب کا ترتب ہوتا ہے اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اسے ثواب ملتا ہے اور اگر کوئی بد اعمالی کرتا ہے تو اس پر عذاب دیا جاتا ہے اب ہنسنے ہی کو لے لیجئے اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو دیکھ کر وفور مسرت سے ہنستا ہے تو وہ ثواب پاتا

ہے اور اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو دیکھ کر بطور تمسخر و استہزاء ہنستا ہے تو گناہ گار ہوتا ہے، اسی طرح غمخوار خوشی کا معاملہ ہے بعض خوشی اور بعض غم ایسے ہوتے ہیں جن پر ثواب دیا جاتا ہے بعض خوشی اور بعض غم ایسے ہوتے ہیں جن پر عذاب دیا جاتا ہے اس لئے حضرت عائشہؓ کے قول کی تائید اور حضرت عمرؓ کے مسلک کی نفی میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ کہنا کہ "اللہ تعالیٰ ہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے۔" سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے ہاں ابن عباسؓ کا قول اس قید کے ساتھ تو صحیح ہو سکتا ہے کہ "ہنسنا اور رونا بے اختیاری ہوں۔" یعنی اگر ہنسنے اور رونے میں اختیار کو دخل ہوگا تو پھر ان پر ثواب اور عذاب کا ترتب ضرور ہوگا۔

حدیث کا یہ آخری جملہ "حضرت ابن عمرؓ (یہ سن کر) کچھ نہ بولے۔" اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ حضرت ابن عمرؓ نے یہ قصہ سن کر ابن عباسؓ کی بات مان لی بلکہ انہوں نے خاموشی اختیار کر کے بحث کو ختم کر دینا ہی مناسب سمجھا جیسا کہ اہل عرفان کی شان ہے۔

میت پر رونے کی ممانعت

(۲۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا جَاءَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَتْلُ ابْنِ حَارِثَةَ وَجَعْفَرٍ وَابْنِ رَوَاحَةَ جَلَسَ يُعْرَفُ فِيْهِ الْحُزْنُ وَاَنَا اَنْظُرُ مِنْ صَائِرِ الْبَابِ تَعْنِي شَقَّ الْبَابِ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّ نِسَاءَ جَعْفَرٍ وَذَكَرَ بُكَاءَهُنَّ فَاَمَرَهُ اَنْ يَنْهَاهُنَّ فَذَهَبَ ثُمَّ اَتَاهُ الثَّانِيَةَ لَمْ يُطِعْنَهُ فَقَالَ انْهَهُنَّ فَاَتَاهُ الثَّالِثَةَ قَالَ وَاللّٰهِ غَلَبْنَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَزَعَمَتْ اَنَّهُ قَالَ فَاحْثُ فِيْ اَفْوَاهِهِنَّ التُّرَابَ فَقُلْتُ اَرْغَمَ اللّٰهُ اَنْفَكَ لَمْ تَفْعَلْ مَا اَمَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ تَتْرُكْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَنَاءِ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کے پاس زید بن حارثہ، جعفر اور ابن رواحہؓ کے (غزوۂ موتہ میں) شہید کر دیئے جانے کی اطلاع آئی تو آپ ﷺ (مسجد نبوی ﷺ میں) بیٹھ گئے، آپ ﷺ کے چہرہ پر رنج و غم کے آثار نمایاں تھا اور میں (آپ کی کیفیت) دروازے کے سوراخ سے دیکھے جا رہی تھی کہ اتنے میں ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ "جعفرؓ کی گھر کی عورتیں اس اس طرح کر رہی ہیں (یعنی اس نے ان کے رونے کا ذکر کیا) آنحضرت ﷺ نے اسے حکم فرمایا کہ وہ جا کر انہیں منع کر دے۔ وہ چلا گیا (تھوڑی دیر کے بعد) دوسری مرتبہ واپس آکر بتایا کہ عورتیں نہیں مان رہی ہیں، آنحضرت ﷺ نے پھر اس سے فرمایا کہ جا کر منع کر دو۔" وہ چلا گیا اور جا کر منع کیا اور کچھ دیر کے بعد) پھر تیسری مرتبہ آیا اور کہا کہ "یا رسول اللہ! خدا کی قسم وہ عورتیں ہم پر غالب آگئیں (یعنی وہ ہمارے کہنا نہیں مان رہی ہیں) حضرت عائشہؓ کا گمان ہے کہ (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ "ان کے منہ میں مٹی ڈالو" حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں (اس شخص سے) کہنے لگی کہ "خدا تمہاری ناک خاک آلود کرے تمہیں رسول کریم ﷺ نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ اور تم رسول کریم ﷺ کو رنج پہنچانے کا سبب بنے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "ان کے منہ میں مٹی ڈالو" بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو کیونکہ شدید رنج و غم کی وجہ سے جزع و فزع کی حالت میں نصیحت ان پر کارگر نہیں ہو رہی ہے۔

اَرْغَمَ اللّٰهُ سے آخر تک حضرت عائشہؓ کا ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ "خدا تمہیں ذلیل کرے کیونکہ تم نے آنحضرت ﷺ کو ایذاء پہنچائی اور آپ ﷺ کو رنج پہنچانے کا سبب بنے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کو یہ سن کر شدید رنج پہنچا کہ وہ عورتیں گناہ کبیرہ میں مبتلا ہیں اور منع کرنے کے باوجود رونے سے باز نہیں آرہی ہیں اگر تم ڈانٹ ڈپٹ کر اور سختی کے ساتھ ان عورتوں کو اس فعل سے منع کر دیتے تو آنحضرت ﷺ کو یہ شدید روحانی اذیت و کوفت نہ ہوتی۔"

(۲۳) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لَمَّا مَاتَ اَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ غَرِيْبٌ وَفِيْ اَرْضِ غُرْبَةٍ لَاَبْكِيَنَّهُ بُكَاءً يُتَحَدَّثُ عَنْهُ فَكُنْتُ قَدْ تَهَيَّاْتُ لِلْبُكَاءِ عَلَيْهِ اِذَا اَقْبَلَتِ امْرَاَةٌ تُرِيْدُ اَنْ تُسْعِدَنِيْ فَاسْتَقْبَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُرِيْدِيْنَ اَنْ

تَدْخِلِی الشَّیْطَانَ بَیْتًا اَخْرَجَهُ اللّٰهُ مِنْهُ مَرَّتَیْنِ وَ کَفَفْتُ عَنِ الْبُکَاءِ فَلَمْ اَبْكِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت اُمِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب میرے پہلے خاوند) حضرت ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا تو میں نے کہا کہ "ابو سلمہؓ مسافر تھے اور حالت مسافرت ہی میں مرے میں بھی ان کے لئے اس طرح رووں گی کہ میرا رونا بیان کیا جائے گا (یعنی لوگوں میں چرچا ہوگا کہ اُمِ سلمہ اس قدر روئی کہ اتنا کوئی بھی نہیں رویا) چنانچہ میں رونے کی تیاریوں میں مصروف تھی کہ اچانک ایک عورت آئی جو (رونے میں) میرے ساتھ شریک ہونے کا ارادہ رکھتی تھی، اتنے میں رسول کریم ﷺ اس کے سامنے آ گئے اور فرمانے لگے کہ "کیا تمہارا یہ ارادہ ہے کہ شیطان کو اس گھر میں داخل کرو جس گھر سے اللہ تعالیٰ نے اسے دو مرتبہ نکالا ہے۔" آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) میں رونے سے رک گئی اور پھر میں (اس طرح) نہیں روئی (جس کی شریعت نے ممانعت کی ہے)۔" (مسلم)

تشریح: "میں تو رونے کی تیاریوں میں مصروف تھی" کا مطلب یہ ہے کہ میں رونے کا ارادہ کر رہی تھی اور اس موقع پر رونے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جیسے سیاہ کپڑے وغیرہ انہیں مہیا کر رہی تھی۔"

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُمِ سلمہؓ کو اس وقت تک یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ چلا چلا کر رونا اور نوحہ کرنا حرام ہے اگر انہیں ایسا معلوم ہوتا تو یقینی بات ہے کہ وہ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں جو شریعت کی رو سے ناجائز و حرام ہے۔

گھر میں سے دو مرتبہ شیطان کے نکلنے سے یا تو یہ مراد ہے کہ ایک مرتبہ تو اس وقت شیطان گھر سے نکال دیا گیا تھا جب کہ ابو سلمہؓ نے کفر و شرک کا سیاہ پیراہن اتار کر ایمان و اسلام کا نورانی خلعت زیب تن کیا تھا اور دوسری مرتبہ گھر سے اس وقت شیطان کو نکال دیا گیا جب کہ ابو سلمہؓ ظلم و جہل سے بھرپور اس دنیا سے ایمان و اسلام کے ساتھ رخصت ہو گئے تھے۔"

بین کرنے کی ممانعت

(۲۴) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ اُغْمِیَ عَلٰی عَبْدِاللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ فَجَعَلَتْ اُخْتُهُ عَمْرَةُ تَبْكِیْ وَاجَبَلَاهُ وَاکَذَا وَاکَذَا تُعَدِّدُ عَلَیْهِ فَقَالَ حِیْنَ اَفَاقَ مَاقُلْتِ شَیْئًا اِلَّا قِیْلَ لِیْ اَنْتَ کَذٰلِكَ زَادَ فِیْ رِوَایَةٍ فَلَمَّا مَاتَ لَمْ تَبْكِ عَلَیْهِ (رواہ البخاری)

"اور حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت عبداللہ بن رواحہ (اتنے سخت بیمار ہوئے کہ موت کے قریب پہنچ گئے اور ان) پر بیہوشی طاری ہوئی تو ان کی بہن عمرہ نے رونا اور یہ کہنا شروع کیا کہ "اے پہاڑ افسوس ہے اور اے ایسے اور ویسے، یعنی ان کی خوبیاں گن گن کر بیان کرنے لگیں، جب حضرت عبداللہ ہوش میں آئے تو (بہن سے) کہا کہ "جو کچھ تم نے کہا ہے وہی مجھ سے بطور تنبیہ کے کہا گیا ہے تم ایسے ہو (مثلاً جب تم نے کہا کہ واجبلاہ یعنی اے پہاڑ افسوس ہے تو مجھ سے کہا گیا تھا کہ تم پہاڑ کیوں ہو کہ لوگ تمہاری پناہ پکڑتے ہیں) ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "چنانچہ جب عبداللہ کا انتقال ہوا (یعنی غزوہ موتہ میں شہید ہوئے) تو ان کی بہن ان پر روئی نہیں۔" (بخاریؒ)

(۲۵) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ مَیِّتٍ یَّمُوْتُ فَیَقُوْمُ بَاکِیْهِمْ فَیَقُوْلُ وَاجَبَلَاهُ وَاسَیِّدَاهُ وَنَحْوَ ذٰلِكَ اِلَّا وَکَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَکَیْنِ یَلْهَزَانِهٖ وَیَقُوْلَانِ اَهٰکَذَا کُنْتَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ حَسَنٌ۔

"اور حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جب کوئی شخص مرتا ہے اور اس کے عزیزوں) میں سے کوئی رونے والا یہ کہہ کر روتا ہے کہ "اے پہاڑ! اے سردار! وغیرہ وغیرہ" تو اللہ تعالیٰ میت پر دو فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اس کے سینہ میں کے مار مار کر پوچھتے ہیں کہ "کیا تو ایسے ہی تھا؟ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب حسن

ہے۔"

تشریح: "میت" سے حقیقت یعنی مردہ بھی مراد ہو سکتا ہے اور قریب المرگ بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

میت پر رونے اور اس کی وجہ سے میت کو عذاب میں مبتلا کیئے جانے کے بارہ میں کچھ باتیں گزشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہیں اس موقعہ پر بھی اس مسئلہ کے بارہ میں چند اور باتیں جانتے چلیئے۔

علامہ سیوطیؒ نے شرح الصدور میں اس حدیث ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ (یعنی میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے) کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ "اس بارہ میں اختلافی اقوال ہیں کہ آیا میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس سلسلہ میں جتنے مسلک ہیں ان کو علامہ موصوف نے اس طرح سلسلہ وار نقل کیا ہے۔ ① یہ حدیث اپنے ظاہری الفاظ و مفہوم کے مطابق مطلق ہے یعنی وصیت یا کافر کی قید نہیں ہے بلکہ میت پر چلا چلا کر رونے اور نوحہ کی وجہ سے میت کو عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ حضرت عمر اور حضرت ابن عمرؓ کی بھی یہی رائے ہے۔ ② میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے مطلقاً عذاب میں مبتلا نہیں کیا جاتا۔ ③ عذاب کا تعلق حالت سے ہے یعنی مردہ اس وقت عذاب میں مبتلا ہوتا ہے جب کہ اس کے گھر والے اس پر رو رہے ہوتے ہیں اور وہ عذاب ان کے رونے کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ مردہ کے اپنے گناہوں اور برے اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ④ یہ حدیث مخصوص طور پر کافروں کے بارہ میں ہے یہ دونوں اقوال حضرت عائشہؓ کے ہیں۔ ⑤ یہ حدیث اور یہ وعید خاص طور پر اس شخص کے بارہ میں ہے جس کے یہاں نوحہ کا رسم و رواج ہو، امام بخاریؒ کا یہی مسلک ہے۔ ⑥ یہ وعید اس شخص کے بارہ میں ہے جو نوحہ کے لئے وصیت کر جائے یعنی جو شخص اپنے وارثوں سے کہہ جائے کہ میرے مرنے کے بعد نوحہ کیا جائے تو اسے اس کے گھر والوں کے رونے اور نوحہ کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے کیونکہ یہ اسی کا فعل ہے ⑦ یہ وعید اس شخص کے بارہ میں ہے جو نوحہ نہ کرنے کی وصیت نہ کر جائے، چنانچہ جس شخص کو اپنے گھر والوں کے بارے میں یہ خیال ہو کہ وہ میرے مرنے کے بعد نوحہ کریں گے۔ تو اسے اپنے گھر والوں کو نوحہ نہ کرنے کی وصیت کرنا واجب ہوگا۔ ⑧ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے اس وقت عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے جب کہ وہ میت کی ان باتوں کو بیان کر کر کے روئیں جو شرعی طور پر فی نفسہ بری اور انتہائی قابل نفرین ہو جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی مر جاتا تھا تو لوگ یہ کہہ کہہ کر روتے تھے کہ "اے عورتوں کو بیوہ کرنے والے، اے اولاد کو یتیم کرنے والے، اے گھر کو خراب کرنے والے۔" ⑨ عذاب سے مراد اہل میت کے مذکورہ بالا طریقہ سے بیان کر کے رونے کی وجہ سے میت پر ملائکہ کا غصہ ہونا ہے۔" ⑩ اہل میت جب نوحہ کرتے ہیں تو میت اپنی قبر کے اندر عذاب میں مبتلا کی جاتی ہے۔"

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "عذاب سے مراد یہ ہے کہ جب اہل میت غلط طریقہ سے روتے ہیں اور اس بارہ میں غیر شرعی روش اختیار کرتے ہیں تو اس کی وجہ سے میت کو شدید روحانی اذیت پہنچتی ہے اور اسے رنج ہوتا ہے جیسا کہ جب عالم برزخ میں دنیا سے کوئی روح آتی ہے اور وہاں پہلے سے موجود روحیں اسے اپنے اعزہ متعلقین کے بارہ میں پوچھتی ہیں اگر کسی روح کو اپنے متعلقین کے بارہ میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ برے اعمال اور گناہوں میں مبتلا ہیں تو اس روح کو رنج ہوتا ہے اور اگر اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلقین نیکی اور بھلائی کی راہ پر گامزن ہیں تو اسے خوشی ہوتی ہے۔

بہرحال مسئلہ کی پوری بحث کا حاصل یہ ہوا کہ "اگر میت اس گناہ کا خود سبب ہوگا یعنی وہ اگر مرنے سے پہلے یہ وصیت کر جائے کہ میری میت پر نوحہ کیا جائے یا چلا چلا کر رویا جائے یا یہ کہ وہ وصیت تو نہ کر جائے مگر ان امور سے خوش و راضی ہوتا ہو تو اس صورت حدیث میں مذکورہ "عذاب" اپنے حقیقی معنی پر محمول ہوگا بایں طور کہ اگر میت پر اہل میت نوحہ وغیرہ کریں گے تو اسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور اگر یہ صورت نہ ہو یعنی نہ تو میت نے وصیت کی ہو اور نہ وہ ان باتوں کو پسند کرتا ہو تو اس شکل میں "عذاب" اپنے حقیقی معنی پر محمول نہیں ہوگا بلکہ رنج اٹھانے" پر محمول ہوگا خواہ یہ رنج اٹھانا حالت نزع میں ہو یا موت کے بعد نیز خواہ کافر ہو خواہ مسلمان اس بارہ میں

سب برابر ہیں اس طرح اس آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی اور ان احادیث کے درمیان کہ جو اس بارہ میں مطلق منقول ہوئی ہیں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔

نوحہ اور چلائے بغیر رونا ممنوع نہیں ہے

(۲۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ مَاتَ مَیِّتٌ مِّنْ اٰلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاجْتَمَعَ النِّسَآءُ یَبْکِیْنَ عَلَیْهِ فَقَامَ عُمَرُ یَنْهَاهُنَّ وَیَطْرُدُهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُنَّ یَا عُمَرُ فَاِنَّ الْعَیْنَ دَامِعَةٌ وَالْقَلْبَ مُصَابٌ وَالْعَهْدَ قَرِیْبٌ (رواہ احمد و النسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں (جب) رسول کریم ﷺ کی اولاد میں سے کسی کا (یعنی حضرت زینبؓ کا جیسا کہ اگلی روایت میں تصریح ہے) انتقال ہوا تو عورتیں جمع ہوئی اور ان پر رونے لگیں (یہ دیکھ کر) حضرت عمر فاروقؓ کھڑے ہوئے اور (اقربا کو تو) رونے سے منع کیا اور (اجنبیوں کو) مار مار کر بھگانے لگے۔" آنحضرت ﷺ نے (جب یہ دیکھا تو) فرمایا کہ "عمر انہیں (اپنے حال پر چھوڑ دو کیونکہ آنکھیں رو رہی ہیں اور دل مصیبت زدہ ہے نیز مرنے کا وقت قریب ہے۔" (احمدؒ، نسائیؒ)

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر عورتیں چلا چلا کر تو نہیں ہاں کچھ آواز سے رو رہی ہوں گے چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس احتیاط کے پیش نظر کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں اس سے آگے بڑھ جائیں اور نوحہ وغیرہ کرنے لگیں جو شریعت کی نظر میں ممنوع ہے ان عورتوں کو رونے سے منع کرنا چاہا مگر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر فاروق کو اس سے روک دیا اور ان کا عذر بیان فرما کر اس طرح اشارہ فرمادیا کہ ایسے سخت حادثہ اور غمناک موقعہ پر عورتوں کو اظہار رنج و غم کی اتنی بھی اجازت نہ دینا احتیاط اور دور اندیشی کا تقاضا تو ہوسکتا ہے لیکن فطرت کے خلاف ہوگا۔"

(۲۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَاتَتْ زَیْنَبُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَبَکَتِ النِّسَآءُ فَجَعَلَ عُمَرُ یَضْرِبُهُنَّ بِسَوْطِهٖ فَاَخَّرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِیَدِهٖ وَقَالَ مَهْلًا یَا عُمَرُ ثُمَّ قَالَ اِیَّاکُنَّ وَنَعِیْقَ الشَّیْطَانِ ثُمَّ قَالَ اِنَّهٗ مَهْمَا کَانَ مِنَ الْعَیْنِ وَمِنَ الْقَلْبِ فَمِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَمِنَ الرَّحْمَةِ وَمَا کَانَ مِنَ الْیَدِ وَمِنَ اللِّسَانِ فَمِنَ الشَّیْطَانِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب کا انتقال ہوا تو عورتیں رونے لگیں، حضرت عمرؓ (اس بات کو کب برداشت کرنے والے تھے وہ) اپنے کوڑے سے مارنے لگے، آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اپنے ہاتھوں سے الگ کیا اور فرمایا کہ "عمرؓ! نرمی اختیار کرو۔" پھر عورتوں سے فرمایا کہ "تم لوگ اپنے آپ کو شیطان کی آواز سے دور رکھو (یعنی چلا چلا کر اور بیان کرکے ہرگز نہ رونا) پھر فرمایا کہ "جو کچھ آنکھوں سے (یعنی آنسو) اور دل سے (یعنی رنج و غم) ظاہر ہو یہ خدا کی طرف سے ہے اور رحمت کا سبب ہے (یعنی یہ چیزیں خدا کی پسندیدہ ہیں) اور جو کچھ ہاتھ و زبان سے ظاہر ہو وہ شیطان کی طرف سے ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ اظہار رنج و غم کے وقت جو چیزیں ہاتھوں سے ظاہر ہوتی ہیں جیسے منہ پیٹنا، کپڑے پھاڑنے اور بال نوچنے کھسوٹنے یا جو چیزیں زبان سے سرزد ہوتی ہیں جیسے چلانا و چیخنا نوحہ یعنی بین کرنا، یا زبان سے ایسی باتیں نکالنی جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہوں یہ سب چیزیں شیطان کی طرف سے ہیں بایں طور کہ جب شیطان بہکاتا ہے تو یہ چیزیں صادر ہوتی ہیں اور ان چیزوں کو شیطان پسند کرتا ہے۔

ایک خاص واقعہ

(۲۸) وَعَنِ الْبُخَارِیِّ تَعْلِیْقًا قَالَ لَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ ضَرَبَتِ امْرَاَتُهُ الْقُبَّةَ عَلٰی قَبْرِهٖ سَنَةً ثُمَّ رُفِعَتْ

فَسَمِعَتْ صَائِحًا يَقُوْلُ اَلاَهَلْ وَجَدُوْا مَا فَقَدُوْا فَاَجَابَهُ اٰخَرُ بَلْ يَئِسُوْا فَانْقَلَبُوْا۔

"اور حضرت امام بخاریؒ بطریق تعلیق (یعنی بغیر سند کے) ذکر کرتے ہیں کہ "جب حضرت حسن بن علیؓ کے صاحب زادے کہ جن کا نام بھی حسن ہی تھا کا انتقال ہوا تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک خیمہ کھڑا رکھا پھر جب انہوں نے اکھاڑا تو ہاتف غیبی کی ندا سنی کہ "کیا خیمہ کھڑا کر کے کھوئے ہوئے کو پالیا!؟ پھر اس کے جواب میں دوسرے ہاتف غیبی کی یہ ندا سنی کہ "ناامید ہوئی اور خیمہ اکھاڑ لیا۔"

تشریح: جب حسنؓ بن علیؓ کا انتقال ہوا تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک خیمہ کھڑا کر دیا جو سال بھر تک وہاں قائم رہا اور خود بھی ایک سال تک وہیں پڑی رہیں اس طرح شوہر کے انتقال کی مصیبت اور احساس جدائی کا غم روز ان کے دل میں تازہ ہوتا رہا۔

بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کی قبر پر خیمہ اس لئے کھڑا کیا تھا کہ ان کے دوست اور احباب ایصال ثواب اور قرآن خوانی کے لئے جمع ہو جایا کریں اور لوگ دعائے مغفرت ورحمت کے لئے آیا کریں۔

زمانہ جاہلیت کی ایک رسم اور اس پر آنحضرت کی تنبیہ

(۲۹) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَّاَبِيْ بَرْزَةَ قَالَا خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةٍ فَرَاٰى قَوْمًا قَدْ طَرَحُوْا اَرْدِيَتَهُمْ يَمْشُوْنَ فِيْ قُمُصٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبِفِعْلِ الْجَاهِلِيَّةِ تَاْخُذُوْنَ اَوْبِصَنِيْعِ الْجَاهِلِيَّةِ تَشَبَّهُوْنَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَدْعُوَ عَلَيْكُمْ دَعْوَةً تَرْجِعُوْنَ فِيْ غَيْرِ صُوَرِكُمْ قَالَ فَاَخَذُوْا اَرْدِيَتَهُمْ وَلَمْ يَعُوْدُوْا لِذٰلِكَ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت عمران بن حصینؓ اور حضرت ابی برزہ دونوں روایت کرتے ہیں کہ (ایک روز) ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ ایک جنازے کے ساتھ چلے (چنانچہ) آپ ﷺ نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اپنی چادریں اتار پھینکی تھیں اور کرتوں میں چل رہے تھے آنحضرت ﷺ نے (انہیں اس حال میں دیکھ کر) فرمایا کہ "کیا تم لوگ جاہلیت کے فعل پر عمل کرتے ہو۔یا جاہلیت کے کاموں کی مشابہت اختیار کرتے ہو! پھر آپ ﷺ نے فرمایا (تمہاری یہ انتہائی نازیبا حرکت دیکھ کر) میرا تو یہ ارادہ ہوا کہ میں تمہارے لئے کوئی ایسی بددعا کروں کہ تم اپنے گھروں کو دوسری شکلوں میں (یعنی بندر یا سور کی شکل ہو کر) واپس پہنچو۔" راوی کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) ان لوگوں نے (فوراً) اپنی چادریں اوڑھ لیں اور پھر دوبارہ کبھی ایسا کام نہ کیا۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ لوگ کرتوں کے اوپر چادریں اوڑھا کرتے تھے۔

بہر حال زمانہ جاہلیت کی یہ ایک رسم تھی کہ جب لوگ جنازہ کے ساتھ چلتے تو اپنی چادریں اتار دیا کرتے تھے گویا اس سے "پریشان حالی" کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "جب اتنے ذرا سے تغیر یعنی چادر اتار کر چلنے پر آنحضرت ﷺ نے اتنی شدید تنبیہ اور وعید فرمائی تو ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو اس سے کہیں زیادہ بڑی رسموں کا اختیار کیئے ہوئے ہیں؟

کسی خلاف شرع چیز کی موجودگی میں جنازہ کے ساتھ جانے کی ممانعت

(۳۰) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُتْبَعَ جَنَازَةٌ مَعَهَا رَانَّةٌ (رواہ احمد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس جنازہ کے ہمراہ جانے سے منع فرمایا جس کے ساتھ نوحہ کرنے والی ہو۔"

(احمدؒ ابن ماجہؒ)

تشریح: اگرچہ جنازہ کے ساتھ چلنا سنت ہے لیکن اس فعل بد کی موجودگی کی وجہ سے اس سنت کو ترک کر دینا چاہئے اس طرح کسی بھی

خلاف شرع چیز کی موجودگی میں جنازہ کے ساتھ نہیں جانا چاہئے۔

یہ حدیث اس مسئلہ کی بنیاد ہے کہ جس دعوت میں خلاف شرع باتیں پائی جائیں وہاں نہیں جانا چاہئے کیونکہ اگرچہ دعوت قبول کرنا سُنّت ہے لیکن ایسے موقع پر غیر شرعی باتوں اور افعال بد کی وجہ سے اس سُنّت پر عمل نہ کرنا ہی بہتر اور اولی ہوگا۔

فوت شدہ چھوٹے بچے اپنے والدین کو جنّت میں لے جائیں گے

(۳۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لَهُ مَاتَ ابْنٌ لِّیْ فَوَجَدْتُ عَلَیْهِ هَلْ سَمِعْتَ مِنْ خَلِیْلِكَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَامُهُ شَیْئًا یُطَیِّبُ بِاَنْفُسِنَا عَنْ مَوْتَانَا قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صِغَارُهُمْ دَعَامِیْصُ الْجَنَّةِ یَلْقٰی اَحَدُهُمْ اَبَاهُ فَیَاْخُذُ بِنَاحِیَةِ ثَوْبِهٖ فَلَا یُفَارِقُهُ حَتّٰی یُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَحْمَدُ وَاللَّفْظُ لَهُ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ (ایک دن) ان سے ایک شخص ملا اور کہنے لگا کہ "میرا (چھوٹا) بچہ مرگیا جس کی وجہ سے میں بہت غمگین ہوں کیا آپ نے اپنے دوست یعنی آنحضرت ﷺ سے کہ ان پر اللہ کی رحمتیں اور اللہ کا سلام نازل ہو کوئی ایسی بات بھی سنی ہے جو ہمارے مردوں (یعنی فوت شدہ چھوٹے بچوں) کی طرف سے ہمارے دلوں کو خوش کردے (یعنی جس سے یہ معلوم ہوا کہ ہمارے چھوٹے بچے مرگئے ہیں وہ آخرت میں ہمارے کچھ کام آئیں گے) حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ ہاں! میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "مسلمانوں کے چھوٹے بچے جنّت میں دریا کے جانور کی طرح ہوں گے، جب ان میں سے کسی کا باپ اسے ملے گا تو وہ بچہ اپنے باپ کے کپڑے کا کونہ پکڑ لے گا اور اسے اس وقت تک نہ چھوڑے گا جب تک کہ اس باپ کو جنّت میں داخل نہ کرادیگا۔" (مسلم، احمد الفاظ احمد کے ہیں)

تشریح: "دعامیص" "دعموص" کی جمع ہے "دعموص" پانی کے ایک چھوٹے سے سیاہ جانور، (کیڑے) کو کہتے ہیں جو عام طور پر تالابوں میں پانی کم ہوجانے پر ظاہر ہوتا ہے نیز یہ جانور مستقل پانی میں نہیں رہتا ہے بلکہ وہ غوطہ خور ہوتا ہے، یعنی غوطہ مارتا ہے اور باہر نکل آتا ہے۔ اس جانور کو بعض جگہ جولاہا بھی کہا جاتا ہے۔

دعموص اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو سلاطین و امراء کے معاملات میں بہت زیادہ دخیل ہوتا ہے اور ان کے قوائے فکر و عمل پر بڑی حد تک اثر انداز ہوتا ہے۔

بہر حال فوت شدہ چھوٹے بچوں کو جنّت میں (دعموص) سے بایں معنی تشبیہ دی گئی ہے کہ یہ بچے جنّت میں سیر کرتے پھرتے ہیں جس طرح دنیا میں چھوٹے بچوں سے پردہ نہیں کیا جاتا اور کسی گھر میں جانے سے نہیں روکے جاتے اور نہ انہیں کہیں جانے سے منع کیا جاتا ہے اس طرح وہ چھوٹے بچے بھی جنّت میں جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں ان کے کہیں آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

اس حدیث میں بطور خاص "باپ" ہی کا ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس موقعہ پر صرف باپ ہی کے بارہ میں بات چل رہی ہوگی اس لئے اس کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے ورنہ تو جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح چھوٹا بچہ اپنے باپ کو جنّت میں لے جائے گا اسی طرح اپنی ماں کو بھی جنّت میں داخل کرائے گا چنانچہ بعض حدیثوں میں ماں باپ دونوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

بچوں کے مرنے کا اجر

(۳۲) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَاَةٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِیْثِكَ فَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ نَّفْسِكَ یَوْمًا نَّاْتِیْكَ فِیْهِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ فَقَالَ اجْتَمِعْنَ فِیْ یَوْمِ كَذَا وَكَذَا فِیْ مَكَانِ كَذَا وَكَذَا فَاجْتَمَعْنَ فَاَتَاهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْكُنَّ امْرَاَةٌ تُقَدِّمُ بَیْنَ یَدَیْهَا مِنْ وَّلَدِهَا ثَلَاثَةً اِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِّنَ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِّنْهُنَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوِ اثْنَیْنِ فَاَعَادَتْهَا مَرَّتَیْنِ ثُمَّ

قَالَ وَاثْنَيْنِ وَاثْنَيْنِ وَاثْنَيْنِ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک عورت رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی کہ "یا رسول اللہ! مردوں نے تو آپ ﷺ کے مقدس ارشادات سے استفادہ کیا اب آپ ﷺ ایک دن ہمارے لئے بھی مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اس دن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں اور آپ ﷺ ہمیں وہ باتیں بتائیں جو خدا نے آپ ﷺ کو بتائی ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اچھا تم عورتیں فلاں دن فلاں وقت اور فلاں مکان میں (یعنی مسجد میں یا کسی گھر میں) اور فلاں جگہ (یعنی مسجد یا مکان کے اگلے حصہ میں یا پچھلے حصہ میں) جمع ہو جانا، چنانچہ (جب آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق عورتیں جمع ہو گئیں تو رسول کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ نے انہیں وہ باتیں سکھائیں جو خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سکھائی تھیں پھر آپ ﷺ نے (یہ بھی) فرمایا کہ "تم میں سے جس نے اپنی اولاد میں سے (تین لڑکیاں یا لڑکے) بھیج دی ہوں (یعنی اس کے تین بچے مر گئے ہوں) تو وہ بچے اس کے لئے آگ سے پردہ ہو جائیں گے (یعنی اسے دوزخ میں نہ جانے دیں گے) ان میں سے ایک عورت نے یہ الفاظ دو مرتبہ کہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یا جس عورت کے دو بچے مر گئے ہوں یا یا دو یا دو (یعنی جس عورت کے تین بچے مرے ہوں اس کے لئے بھی یہ ثواب ہے اور جس عورت کے دو ہی بچے مرے ہوں اس کے لئے بھی یہی بشارت ہے۔"

(۳۳) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُسْلِمَيْنِ يُتَوَفّٰى لَهُمَا ثَلَاثَةٌ اِلَّا اَدْخَلَهُمَا اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ اِيَّاهُمَا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوِ اثْنَانِ قَالَ اَوِ اثْنَانِ قَالُوْا اَوْ وَاحِدٌ قَالَ اَوْ وَاحِدٌ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّ السِّقْطَ لَيَجُرُّ اُمَّهٗ بِسَرَرِهٖ اِلَى الْجَنَّةِ اِذَا احْتَسَبَتْهُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ مِنْ قَوْلِهٖ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ۔

"اور حضرت معاذ بن جبلؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جن دو مسلمانوں کے (یعنی ماں اور باپ کے) تین بچے مر جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے ان دونوں یعنی ماں باپ کو جنت میں داخل کریگا۔" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! یہ بھی فرما دیجئے کہ یا جن کے دو بچے بھی مر گئے ہوں (ان کے لئے بھی یہ بشارت ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں جن کے دو بچے بھی مر جائیں۔" صحابہؓ نے یہ عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! یہ بھی فرما دیجئے کہ یا ایک " آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں ایک بچہ (بھی اگر مر جائے تو اس کے والدین کے لئے یہ بشارت ہے) پھر آپ ﷺ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کسی عورت کا کچا حمل بھی گر جائے تو وہ اپنی ماں کو اپنی آنول نال کے ذریعہ بہشت کی طرف کھینچے گا بشرطیکہ اس کی ماں صبر کرے اور اس کے مرنے کو (اپنے حق میں) ثواب شمار کرے۔" (احمدؒ) ابن ماجہؒ نے اس روایت کو والذی نفسی بیدہ سے (آخر تک نقل کیا ہے)

تشریح: "آنول نال" اس جھلی کو کہتے ہیں جو پیدا ہونے کے وقت بچہ کی ناف سے لگی ہوتی ہے۔

ارشاد گرامی لَيَجُرُّ اُمَّهٗ بِسَرَرِهٖ میں "آنول نال" سے بچہ اور اس کے ماں کے درمیان تعلق و علاقہ کی طرف اشارہ گویا آنول نال رسی کی مانند ہو جائے گی کہ جس کے ذریعہ وہ بچہ اپنی ماں کو بہشت کی طرف کھینچے گا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب اس بچہ کے مر جانے کا اتنا زیادہ ثواب ہے جو ابھی ناتمام ہی تھا اور جس سے ماں کو کوئی تعلق و لگاؤ بھی پیدا نہیں ہو سکا تھا۔ تو اس بچہ کے مر جانے پر ماں کو کتنا کچھ ثواب ملے گا، جو پلا پلایا اللہ کو پیارا ہو گیا ہو اور جس سے ماں کو کمال تعلق و لگاؤ بھی پیدا نہیں ہو سکا تھا۔

(۳۴) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَدَّمَ ثَلَاثَةً مِنَ الْوَلَدِ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ كَانُوْا لَهٗ حِصْنًا حَصِيْنًا مِنَ النَّارِ فَقَالَ اَبُوْذَرٍّ قَدَّمْتُ اثْنَيْنِ قَالَ وَاثْنَيْنِ قَالَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ اَبُو الْمُنْذِرِ سَيِّدُ الْقُرَّاءِ قَدَّمْتُ وَاحِدًا قَالَ وَوَاحِدًا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنی اولاد میں سے ایسے تین بچے جو حد بلوغت کو نہ پہنچے ہوں آگے بھیجے ہوں (یعنی اس کے مرنے سے پہلے مرگئے ہوں) تو وہ اس کے لئے آگ سے مضبوط پناہ ہوں گے۔" (یہ سن کر) حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ "میں نے تو دو بچے بھیجے ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "اور دو بھی" حضرت ابی بن کعبؓ نے کہ جن کی کنیت ابوالمنذر ہے اور قاریوں کے سردار ہیں کہا کہ "میں نے تو ایک ہی بھیجا ہے۔؟" آپ ﷺ نے فرمایا "اور ایک بھی" (آگ سے پناہ ہوگا)۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔)

(۳۵) وَعَنْ قُرَّةَ الْمُزَنِيِّ اَنَّ رَجُلاً كَانَ يَاْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ ابْنٌ لَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُحِبُّهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَبَّكَ اللّٰهُ كَمَا اُحِبُّهُ فَفَقَدَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا فَعَلَ ابْنُ فُلَانٍ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا تُحِبُّ اَنْ لَّا تَاْتِيَ بَابًا مِّنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ اِلَّا وَجَدْتَّهُ يَنْتَظِرُكَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُ خَاصَّةً اَمْ لِكُلِّنَا قَالَ بَلْ لِكُلِّكُمْ (رواہ احمد)

"اور حضرت قرہ مزنیؓ راوی ہیں کہ ایک شخص تھا جو نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں آیا کرتا تھا اور اس کا لڑکا بھی اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "کیا تم اسے (بہت ہی) عزیز رکھتے ہو (جو ہر وقت تمہارے ساتھ ہی ہوتا ہے)؟ اس نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! (میں اس سے اپنی محبت کو کیا بتاؤں بس) اللہ تعالیٰ آپ سے ایسی ہی محبت کرے جیسا کہ میں اپنے اس بچہ سے کرتا ہوں۔" (کچھ عرصہ کے بعد) آنحضرت ﷺ نے اس بچہ کو (اپنے باپ کے ساتھ) نہیں پایا تو پوچھا کہ "فلاں شخص کا بیٹا کیا ہوا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! اس کا لڑکا تو مرگیا۔" (اس کے بعد جب وہ شخص حاضر ہوا تو اس سے) آپ نے فرمایا کہ "کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ (کل قیامت کے روز) تم جنت کے جس دروازہ پر بھی جاؤ وہاں اپنے لڑکے کو اپنا منتظر پاؤ (تاکہ وہ تمہاری سفارش کرے اور تمہیں اپنے ساتھ جنت میں لیجائے)! ایک شخص نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! یہ بشارت بطور خاص اسی شخص کے لئے ہے یا سب کے لئے؟" آپ ﷺ نے فرمایا تم سب کے لئے ہے۔" (احمدؒ)

نا تمام بچہ بھی اپنے والدین کو جنت میں لے جائے گا

(۳۶) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ السِّقْطَ لَيُرَاغِمُ رَبَّهُ اِذَا اَدْخَلَ اَبَوَيْهِ النَّارَ فَيُقَالُ اَيُّهَا السِّقْطُ الْمُرَاغِمُ رَبَّهُ اَدْخِلْ اَبَوَيْكَ الْجَنَّةَ فَيَجُرُّهُمَا بِسَرَرِهِ حَتّٰى يُدْخِلَهُمَا الْجَنَّةَ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت علیؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ "سقط (یعنی نا تمام بچہ جو ماں کے پیٹ سے وقت سے پہلے گرگیا ہوگا) کے والدین کو دوزخ میں داخل (کرنے کا ارادہ) کرے گا تو وہ اپنے پروردگار سے جھگڑے گا چنانچہ اس سے کہا جائے گا کہ "پروردگار سے جھگڑنے والے اے نا تمام بچے! اپنی ماں باپ کو جنت میں لے جاؤ۔" لہٰذا وہ نا تمام بچہ اپنے والدین کو اپنی آنول نال کے ذریعہ کھینچے گا، یہاں تک کہ انہیں جنت میں لے جائے گا۔" (ابن ماجہؒ)

مصیبت و حادثہ پر صبر کا اجر جنت

(۳۷) وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَا ابْنَ اٰدَمَ اِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰى لَمْ اَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ (انسان کو مخاطب کرتے ہوئے) فرماتا ہے کہ "اے ابن آدم! اگر تو (کسی مصیبت کے وقت) صبر کرے اور صدمہ کی ابتدائی مرحلہ ہی پر ثواب کا طلبگار ہو تو میں تیرے لئے جنت سے کم کسی اجر و ثواب پر راضی

نہیں ہوتا(یعنی میں تجھے اس کے بدلہ میں جنت ہی میں داخل کروں گا)۔" (ابن ماجہؒ)

استرجاع کی فضیلت

(۳۸) وَعَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ وَلَا مُسْلِمَةٍ يُصَابُ بِمُصِيْبَةٍ فَيَذْكُرُهَا وَاِنْ طَالَ عَهْدُهَا فَيُحْدِثُ لِذٰلِكَ اِسْتِرْجَاعًا اِلَّا جَدَّدَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَهُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَاَعْطَاهُ مِثْلَ اَجْرِهَا يَوْمَ اُصِيْبَ بِهَا (رواہ احمد و البیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت حسین بن علیؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جس مسلمان مرد و عورت کو کوئی مصیبت و صدمہ پہنچے اور خواہ کتنا ہی طویل زمانہ گزر جانے کے بعد وہ مصیبت و صدمہ یاد آجائے اور وہ اس وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ثواب ثابت کر دیتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے وہی اجر و ثواب عطا فرماتا ہے جو اس دن عطا کیا گیا تھا جب کہ وہ اس مصیبت و صدمہ سے دوچار ہوا تھا (اور اس پر صبر کیا تھا)۔" (احمدؒ بیہقیؒ)

(۳۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ اَحَدِكُمْ فَلْيَسْتَرْجِعْ فَاِنَّهُ مِنَ الْمَصَائِبِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ "رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب کسی شخص کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اسے چاہئے کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھے کیونکہ یہ بھی ایک مصیبت ہی ہے۔"

تشریح: غالباً جوتے کا تسمہ ٹوٹنے سے معمولی مصیبت و تکلیف مراد ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی معمولی درجہ کی بھی تکلیف و مصیبت پہنچے تو انا للہ پڑھنی چاہئے چنانچہ ایک روایت میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ اچانک چراغ بجھ گیا تو آنحضرت ﷺ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

نعمت پر شکر اور مصیبت پر صبر اُمّت مرحومہ کا وصف عظیم

(۴۰) وَعَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ سَمِعْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ يَا عِيْسٰى اِنِّيْ بَاعِثٌ مِنْ بَعْدِكَ اُمَّةً اِذَا اَصَابَهُمْ مَا يُحِبُّوْنَ حَمِدُوا اللّٰهَ وَاِنْ اَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُوْنَ احْتَسَبُوْا وَصَبَرُوْا وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ فَقَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ قَالَ اُعْطِيْهِمْ مِنْ حِلْمِيْ وَعِلْمِيْ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

"اور حضرت اُمّ درداءؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت ابودرداءؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت ابوالقاسم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تبارک و تعالیٰ نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک اُمت پیدا کروں گا جب انہیں کوئی پسندیدہ چیز (یعنی نعمت و راحت) ملے گی تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے اور جب کوئی ناپسندیدہ چیز (یعنی تکلیف و مصیبت) پہنچے گی تو ثواب کی امید رکھیں گے اور صبر کریں گے درانحالیکہ نہ تو (کسی یا کامل) عقل ہوگی اور نہ بردباری۔" حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا "اے میرے پروردگار! یہ کیوں کر ہوگا جب کہ نہ عقل ہوگی نہ بردباری؟ پروردگار نے فرمایا "میں انہیں اپنی بردباری اور اپنے علم میں سے "کچھ حصہ) دے دوں گا۔" (یہ دونوں روایتیں بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں۔"

تشریح: "یہاں "امت" سے نبی کریم ﷺ کے نیک و فرمانبردار اور صلحا مراد ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد نہ عقل ہوگی نہ بردباری کا مطلب یہ ہے کہ اس کے باوجود کہ مصیبت و تکلیف کی وجہ سے بردباری و عقل جاتی رہے گی، لیکن مصیبت و تکلیف پر صبر کریں گے اور ثواب

کے طلب گار ہوں گے یعنی بردباری اور عقل یہ دونوں ایسے وصف ہیں کہ ان کی وجہ سے انسان مصیبت و حادثہ کے وقت جزع و فزع اور بے صبری اختیار کرنے سے باز رہتا ہے اور یہ جان کر صبر و سکون کے دامن کو پکڑے رہتا ہے کہ نفع و نقصان اور تکلیف و راحت سب کچھ اللہ رب العزت ہی کی طرف سے ہے لہٰذا ان دونوں اوصاف کے نہ ہونے کے باوجود صبر و سکون کے دامن کو پکڑے رہنا قابل تعجب بات ہے؟ چنانچہ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ جب بردباری اور عقل ہی کا فقدان ہوگا تو پھر صبر کرنا کیسے ممکن؟ اور پھر ثواب کی امید کے کیا معنی؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس اشکال اور ان کی اس حیرت کا جواب بادگاہ الوہیت سے یہ دیا گیا کہ "ایسے مواقع پر اُمت مرحومہ کے افراد کی راہنمائی، عقل و دانش اور حلم و بردباری کا وہ نور کرے گا جو کسبی نہیں ہوگا بلکہ میں اپنے پاس سے عقل و بردباری کی دولت بلا کسب عطا کروں گا جس کی وجہ سے بڑی سے بڑی مصیبت پر وہ صبر کریں گے اور ثواب کے امیدوار ہوں گے۔

بَابُ زِیَارَةِ الْقُبُوْرِ

قبروں کی زیارت کرنے کا بیان

یہاں مذکورہ بالا عنوان قائم کرکے وہ احادیث و آثار نقل کیئے جارہے ہیں جن سے قبروں پر جانے کی فضائل و آداب اور اس سے متعلق احکام و مسائل معلوم ہونگے نیز یہ بتایا جائے گا کہ قبروں پر جانے کا مقصد کیا ہے اور وہاں جانے سے کیا حاصل ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

زیارت قبور مستحب ہے

① عَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهَیْتُكُمْ عَنْ زِیَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا وَنَهَیْتُكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْاَضَاحِیِّ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَاَمْسِكُوْا مَابَدَا لَكُمْ وَنَهَیْتُكُمْ عَنِ النَّبِیْذِ اِلَّا فِیْ سِقَاءٍ فَاشْرَبُوْا فِی الْاَسْقِیَةِ كُلِّهَا وَلَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا (رواہ مسلم)

"حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "پہلے تو) میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کر دیا تھے مگر (اب) تم قبروں کی زیارت کر لیا کرو، اسی طرح میں نے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ (رکھ کر) کھانے کو منع کیا تھا اور اب تم جب تک چاہو اسے کھاؤ نیز میں نے نبیذ کو سوائے مشک کے دوسرے برتنوں میں رکھ کر پینے سے منع کیا تھا، اب تم (جن برتنوں میں چاہو) سب میں پی لیا کرو لیکن نشہ کی کوئی چیز (کبھی نہ پینا۔" (مسلم)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے ابتداء اسلام میں قبروں پر جانے سے منع فرمایا دیا تھا کیونکہ زمانہ جاہلیت قریب تھا اس لئے یہ اندیشہ ہوا کہ شاید لوگ قبروں پر جاکر کفر و شرک کی باتیں نہ کرنے لگیں جب آپ نے دیکھ لیا کہ اسلام نے دلوں میں رسوخ حاصل کر لیا ہے تو آپ ﷺ نے زیارت قبور کی اجازت دیدی، لہٰذا تمام علماء کے نزدیک قبروں کی زیارت مستحب ہے کیونکہ قبروں پر جانے سے دل میں نرمی آتی ہے، موت یاد آتی ہے اور دل و دماغ اس عقیدہ پر پختہ ہوتے ہیں کہ دنیا فانی ہے اس کے علاوہ اور بہت سے فائدے ہیں پھر سب سے بہتر فائدہ یہ بھی ہے کہ قبروں پر جانے سے مردوں کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا کا موقع ملتا ہے جو سُنّت ہے، چنانچہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ بقیع تشریف لے جاتے اور وہاں کے مردوں پر سلام پیش فرماتے نیز ان کے لئے دعائے مغفرت فرماتے۔

عورتوں کے لئے زیارت قبور کا مسئلہ

اس بارہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ ابتداء اسلام میں زیارت قبور کے بارہ میں جو ممانعت فرمائی گئی تھی وہ عورتوں کے حق میں اب بھی باقی ہے یا مردوں کی طرح ان کو بھی قبروں پر جانے کی اجازت دی گئی ہے (بعض حضرات کی رائے ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی قبروں پر جانا درست ہے مگر دوسرے حضرات کی رائے یہ ہے کہ عورتوں کے لئے درست نہیں ہے لہٰذا اس سلسلہ میں صحیح مسئلہ یہ ہے کہ عورتوں کے لئے صرف نبی کریم ﷺ کے روزہ مطہرہ کی زیارت تو جائز ہے لیکن اس کے علاوہ دوسری قبروں پر جانا ان کے لئے درست نہیں ہے چنانچہ باب الصلوٰۃ کی حدیث لعن رسول اللہ زائرات القبور الخ کی تشریح کے ضمن میں تفصیلی طور پر یہ مسئلہ مع فقہی روایتوں کے بیان کیا جا چکا ہے۔

زیارت قبور کی قسمیں

مقصد کے اعتبار سے قبروں پر جانے کی کئی قسمیں ہیں۔ ① محض موت کو یاد کرنے اور آخرت کی طرف توجہ کے لئے اس مقصد کے تحت صرف قبروں کو دیکھ لینا ہی کافی ہے خواہ قبر کسی کی بھی ہو یہ ضروری نہیں ہے کہ صاحب قبر کے بارہ میں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کون تھا اور کیسا تھا؟ ② دعاء مغفرت اور ایصال ثواب وغیرہ کے لئے یہ ہر مسلمان کے لئے مسنون ہے ③ حصول برکت و سعادت کی خاطر اس مقصد کے تحت اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے مزارات کی زیارت کی جاتی ہے کیونکہ برزخ میں بزرگان دین اولیاء اللہ کے تصرفات اور ان کی برکتیں بے شمار ہیں۔ ④ عزیز و دوست کے ادائے حق کے لئے۔ یعنی کسی اپنے عزیز مثلاً والدین یا دوست کی قبر پر اس مقصد کے تحت جانا کہ وہاں پہنچ کر ان کے لئے دعاء مغفرت و ایصال ثواب کرنا اپنے اوپر ان کا حق ہے چنانچہ حدیث ابونعیم میں منقول ہے کہ جو شخص اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک قبر کی زیارت جمعہ کے روز کرے تو اس کا یہ فعل حج کے برابر ہوتا ہے۔ ⑤ دینی اخوت و محبت اور انس و مہربانی کے تحت جیسا کہ ایک حدیث میں منقول ہے کہ "جب کوئی شخص اپنے کسی بھی مؤمن بھائی کی قبر پر گزرتا ہے اور وہاں سلام و دعاء مغفرت وغیرہ پیش کرتا ہے تو مردہ اس شخص کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

قبروں پر جانے کے آداب و احکام

قبروں پر جانے کے کچھ آداب و احکام ہیں جو شریعت نے بتائے ہیں مثلاً ① جب کوئی شخص دعاء مغفرت و ایصال ثواب کی خاطر کسی کی قبر پر جائے تو وہاں صاحب قبر کے منہ کے سامنے اس طرح کھڑا ہو کہ منہ تو قبر کی طرف پشت قبلہ کی طرف ہو۔ ② قبر پر پہنچ کر صاحب قبر کو سلام پیش کرے۔ ③ قبر کو ہاتھ نہ لگائے ④ قبر کو چومے نہیں۔ ⑤ قبر کے سامنے تعظیمانہ جھکے اور نہ قبر کو سجدہ کرے ⑥ قبر کی مٹی منہ پر نہ ملے کہ نصاری کی عادت ہے۔"

ان احکام و آداب کے علاوہ ایسی چیزیں اختیار کرنا جن کا شریعت میں کوئی وجود نہیں ہے انتہائی گمراہی اور ضلالت کی بات ہے۔

قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت مکروہ نہیں ہے، نیز یہ مستحب ہے کہ جب کوئی شخص مر جائے تو وہاں صورت اخلاص سات مرتبہ پڑھ کر اس کا ثواب صاحب قبر کو بخش دے۔ دوسرے دنوں کی بنسبت جمعہ کے روز خصوصاً دن کے ابتدائی حصہ میں قبر پر جانا افضل ہے چنانچہ حرمین شریف میں یہی معمول رہا ہے کہ لوگ جمعہ کے دن کے ابتدائی حصہ میں معلّے اور بقیع میں زیارت قبور کے لئے جایا کرتے تھے۔ نیز منقول ہے کہ دوسرے دنوں کی بنسبت جمعہ کے روز میت کو زیادہ علم اور ادراک دیا جاتا ہے اور وہ جمعہ کے روز اپنی قبر پر آنے والوں کو دوسرے دنوں کی بہ نسبت زیادہ پہچانتا ہے جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ قبروں کو بغیر ضرورت روندنا (یعنی انہیں پامال کرنا یا ان پر چلنا) مکروہ ہے یہ مستحب ہے کہ مرنے کے بعد سات دن تک میت کی طرف سے خدا کے نام پر کچھ خرچ کیا جاتا ہے۔

وَنَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُومِ الْاَضَاحِي کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مسلمانوں کے پاس مال و دولت اور اسباب معیشت کی فراخی

نہیں تھی اکثر لوگ چونکہ تنگ دست تھے اس لئے ہر شخص قربانی نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے قربانی کرنے والوں سے فرمادیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھ کر نہ کھایا کریں بلکہ تنگ دست اور غریب لوگوں میں تقسیم کر دیا کریں مگر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مال و دولت اور اسباب معیشت کی وسعت بخشی اور ان کی تنگدستی اور مفلسی کا دور ختم ہو گیا جس کی وجہ سے انہیں دوسروں کے قربانی کے گوشت کی ضرورت و حاجت نہ رہی تو پھر آپ ﷺ نے اجازت دے دی کہ قربانی کا گوشت جتنے دن بھی چاہیں رکھ سکتے ہیں۔

"نبیذ" ایک مخصوص قسم کا شراب ہوتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کھجور یا انگور پانی میں ڈال لیتے ہیں اور انہیں چند روز تک اسی طرح پانی میں رہنے دیا جاتا ہے جس کے بعد وہ ایک شراب سا بن جاتا ہے، یہ نبیذ اس وقت تک حلال ہے جب تک کہ اس میں نشہ نہ پیدا ہو جائے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ابتداء اسلام میں مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ نبیذ مشک میں رکھی جایا کرے کیونکہ مشک پتلی ہوتی ہے اس میں رکھی ہوئی نبیذ جلد ہی گرم ہو کر نشہ آور نہیں ہوتی۔ دوسرے برتنوں میں نبیذ رکھنے سے آپ ﷺ نے منع فرما دیا مثلاً لاکھ کیئے ہوئے برتنوں وغیرہ میں نبیذ نہ رکھی جائے کیونکہ اس قسم کے برتنوں میں رکھی ہوئی نبیذ جلد ہی گرم ہو جاتی تھی جس کی وجہ سے اس میں نشہ پیدا ہو جاتا تھا اور چونکہ اس وقت کچھ عرصہ پہلے ہی شراب حرام ہوئی تھی اور لوگ ہنوز شراب کی لذت نہیں بھولے تھے اس لئے خدشہ تھا کہ کہیں لوگ اس طرح آہستہ آہستہ پھر شراب کی طرف متوجہ نہ ہونے لگیں اس کے بعد جب شراب کی حرمت کا حکم پوری طرح لوگوں کے دل میں بیٹھ گیا اور شراب سے کلیۃً اجتناب لازم ہو گیا نیز اس بات کا کوئی احتمال باقی نہیں رہا کہ اب لوگوں کی خواہشات پھر شراب کی طرف کسی بھی حیثیت سے مبذول ہو سکتی ہیں تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی کہ کسی بھی برتن میں نبیذ پی جا سکتی ہے تاہم آپ ﷺ نے پھر بھی تاکید فرما دی کہ نبیذ اس وقت تک پینی جائز ہوگی جب تک کہ اس میں نشہ کا شائبہ بھی نہ پایا جائے جیسا کہ حدیث کے آخری الفاظ ولا تشربوا مسکرا سے یہ بات واضح ہو رہی ہے اور جس کا حاصل یہی ہے کہ ممانعت کا تعلق نشہ سے ہے برتن سے نہیں ہے برتن سے ممانعت تو اس وقت صرف احتیاط کے پیش نظر کی گئی تھی اصل مقصد اس وقت بھی یہی تھا کہ لوگوں کا رجحان نشہ کی طرف دوبارہ مائل نہ ہونے پائے۔

آنحضرت ﷺ اپنی والدہ کی قبر پر

(۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ زَارَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ اُمِّهٖ فَبَكٰی وَاَبْكٰی مَنْ حَوْلَهٗ فَقَالَ اسْتَاْذَنْتُ رَبِّیْ فِیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ یُؤْذَنْ لِیْ وَاسْتَاْذَنْتُهٗ فِیْ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَهَا فَاُذِنَ لِیْ فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ اپنی والدہ محترمہ کی قبر پر تشریف لے گئے تو آپ ﷺ روئے اور ان لوگوں کو بھی رلایا جو آپ ﷺ کے ہمراہ تھے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے اپنے پروردگار سے اس بات کی اجازت چاہی تھی کہ اپنی والدہ کے لئے بخشش چاہوں مگر مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی پھر میں نے اپنے پروردگار سے اس بات کی اجازت مانگی کہ اپنی والدہ کی قبر پر حاضری دوں تو مجھے اس کی اجازت فرما دی گئی لہٰذا تم قبروں پر جایا کرو کیونکہ قبروں پر جانا موت کو یاد دلاتا ہے۔" (مسلم)

تشریح: سرکار دو عالم ﷺ کی والدہ محترمہ کا نام آمنہ تھا، جب نبی کریم ﷺ کی عمر صرف چھ سال کی تھی تو حضرت آمنہ آپ ﷺ کو لے کر اپنے ننہال کے لوگوں سے ملاقات کرنے مدینہ منورہ تشریف لے گئیں جب وہ مدینہ سے مکہ واپس آنے لگیں اور "ابواء" پہنچیں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے تو وہیں ان کا انتقال ہو گیا اور اسی جگہ انہیں دفن کر دیا گیا، چنانچہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ ان کی قبر پر تشریف لے گئے تو اپنی والدہ کی جدائی کے غم میں اس قدر روئے کہ آپ کو روتا دیکھ کر وہ لوگ بھی ضبط نہ کر سکے جو آپ ﷺ کے ہمراہ تھے چنانچہ آپ ﷺ کے آنسوؤں نے انہیں اتنا متاثر کہ وہ سب لوگ بھی رونے لگے۔

آنحضرت ﷺ کے والدین

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ کا انتقال حالت کفر میں ہوا تھا چنانچہ پہلے زمانہ کے علماء کا یہی خیال ہے لیکن بعد کے علماء نے آنحضرت ﷺ کے والدین کا اسلام ثابت کیا ہے پھر اس کی بھی تین صورتیں بیان کی ہیں کہ یا تو وہ حضرت ابراہیم ﷺ کے دین پر قائم تھے یا انہیں اسلام کی دعوت ہی نہیں پہنچی اور وہ ایام فترت میں تھے اور اسی میں زمانہ نبوت سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا اور یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آنحضرت ﷺ کی دعا سے (معجزہ کے طور پر) اتنی دیر کے لئے زندہ کر دیا کہ وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے اگرچہ آنحضرت ﷺ کے والدین کے دوبارہ زندہ ہونے کے بارہ میں جو حدیث منقول ہے وہ بذاتہ ضعیف ہے لیکن تعدد طرق کے ذریعہ اس کی تصحیح و تحسین کی گئی ہے۔ یہ بات گویا پہلے زمانہ کے علماء سے چھپی ہوئی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے بعد کے علماء پر اسے ظاہر کر دیا چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس بارہ میں رسالے تصنیف کیے ہیں اور اس مسئلہ کو دلائل سے ثابت کر کے مخالفین کے شبہات کے جواب دیئے ہیں۔

بہر حال! یہ مسئلہ چونکہ بہت زیادہ نازک ہے اس لئے علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ اس بارہ میں خاموشی اختیار کی جائے، یہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے وہی بہتر جانتا ہے۔"

قبرستان پہنچ کر کیا کہا جائے

﴿۳﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ اِذَا خَرَجُوْا اِلَى الْمَقَابِرِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مسلمانوں کو سکھایا کرتے تھے کہ وہ جب قبرستان جائیں تو وہاں یہ کہیں اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَلَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ سلامتی ہو تم پر اے گھر والے مؤمنین و مسلمین سے! یقیناً ہم بھی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سے ضرور ملیں گے ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے عافیت (یعنی مکروہات سے نجات) مانگتے ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے قبروں کو "گھر" اس لئے فرمایا ہے کہ جس طرح زندہ انسان اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہیں اسی طرح مردے اپنی اپنی قبروں میں رہتے ہیں۔

اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَهْلَ الدِّيَارِ کا بیان اور اس کی وضاحت ہے اسی طرح والمسلمین من المؤمنین کی تاکید کے لئے استعمال فرمایا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

﴿۴﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُوْرٍ بِالْمَدِيْنَةِ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ

"حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ مدینہ کے قبرستان سے گزرے تو آپ ﷺ قبروں کی طرف روئے مبارک کر کے متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ اے قبر والو! تمہاری خدمت میں سلام پیش ہے اور اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم میں سے پہلے پہنچے ہوئے ہو اور ہم بھی تمہارے پیچھے آنے ہی والے ہیں۔" (امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔)

تشریح: حدیث کے الفاظ آپ ﷺ قبروں کی طرف اپنا روئے مبارک کر کے متوجہ ہوئے" میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی شخص اہل قبور پر سلام پیش کرے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ اس وقت اس کا منہ میت کے منہ کے سامنے ہو، اسی طرح جب دعاء مغفرت و فاتحہ خوانی وغیرہ کے لئے قبر پر کھڑا ہو تو اپنا منہ میت کے سامنے رکھے چنانچہ علماء و مجتہدین کا یہی مسلک ہے اور اسی کے مطابق تمام مسلمانوں کا عمل ہے صرف علامہ ابن حجرؒ اس کے خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مستحب ہے کہ قبر پر حاضر ہونے والا دعائے مغفرت و فاتحہ خوانی کے وقت اپنا منہ قبلہ کی طرف رکھے۔"

مظہرؒ فرماتے ہیں کہ کسی میت کی زیارت اس کی زندگی کی ملاقات کی طرح ہے لہٰذا جس طرح کسی شخص کی زندگی میں اس سے ملاقات کے وقت اپنا منہ اس کے منہ کی طرف متوجہ رکھا جاتا ہے اس طرح اس کے مرنے کے بعد اس کی میت یا اس کی قبر کی زیارت کے وقت بھی اپنا منہ اس کے منہ کے سامنے رکھا جائے پھر یہ کہ کسی بھی میت کے سامنے وہی طریقہ و آداب ملحوظ رہنے چاہئیں جو اس کی زندگی میں نشست و برخاست کے وقت ملحوظ ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی ایسے شخص کی ملاقات کے وقت جو اپنے کمالات و فضائل کی بنا پر عظیم المرتبت و رفیع القدر تھا ادب و احترام کے پیش نظر اس کے بالکل قریب نہیں بیٹھتا تھا بلکہ اس سے کچھ فاصلہ پر بیٹھتا تھا تو اب اس کی میت یا اس کی قبر کی زیارت کے وقت بھی وہ فاصلہ سے کھڑا رہے یا بیٹھے اور اگر اس کی زندگی میں بوقت ملاقات اس کے قریب بیٹھتا تھا تو جب اس کی میت یا قبر کی زیارت کرے تو اس کے قریب ہی کھڑا ہو یا بیٹھے۔"

جب کسی قبر کی زیارت کی جائے تو اس وقت سورہ فاتحہ اور قل ہو اللہ احد تین مرتبہ پڑھے اور اس کا ثواب میت کو بخش کر اس کے لئے دعائے مغفرت کرے، لیکن اتنی بات بہر صورت ملحوظ رہے کہ زیارت قبر کے وقت نہ تو قبر کو ہاتھ لگائے اور نہ بوسہ دے کیونکہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے، اس طرح قبر کو سجدہ کرنا، قبر کے سامنے رکوع کرنا اور قبر کا طواف کرنا بھی انتہائی سخت گناہ ہے اور دعوی ایمان و اسلام کے خلاف ہے ان باتوں سے اجتناب ضروری ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ آخری شب میں قبرستان تشریف لے جاتے تھے

⑤ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّمَا كَانَ لَيْلَتُهَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ اِلَى الْبَقِيْعِ فَيَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَاَتَاكُمْ مَّا تُوْعَدُوْنَ غَدًا مُّؤَجَّلُوْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ (رواہ مسلم)

"ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جس رات کو نبی کریم ﷺ کی باری میرے یہاں ہوتی تھی آپ ﷺ آخری شب میں اٹھ کر (مدینہ کے قبرستان) بقیع تشریف لے جاتے اور وہاں فرماتے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَاَتَاكُمْ مَّا تُوْعَدُوْنَ غَدًا مُّؤَجَّلُوْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ سلامتی ہو تم پر اے مؤمنین! تمہارے پاس وہ چیز آئی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا (یعنی ثواب و عذاب) کل کو (یعنی قیامت کے دن کو) تمہیں (ایک معین مدت تک) مہلت دی گئی ہے اور یقیناً ہم بھی اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم سے ملنے ہی والے ہیں۔ اے اللہ! بقیع غرقد والوں کو بخش دے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مدینہ کی ایک جگہ کا نام بقیع ہے اس میں مدینہ والوں کی قبریں ہیں اسی قبرستان کو جنت البقیع بھی کہا جاتا ہے اس جگہ غرقد کے درخت بہت تھے۔ اس لئے اس کو دعائے مغفرت میں (بقیع غرقد) فرمایا گیا۔

قبرستان پہنچ کر کیا کہا جائے

(۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَيْفَ اَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَعْنِيْ فِيْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ قَالَ قُوْلِيْ اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میں کس طرح کہوں؟ یعنی زیارت قبور کے وقت کیا کہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کہا کرو۔" اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ سلامتی ہو مؤمنین و مسلمین میں سے گھر والوں پر اللہ ان پر رحم کرے جو ہم میں سے پہلے تھے اور ان پر بھی اپنی رحمت کا سایہ کرے جو ہم میں سے بعد میں آنے والے ہیں یقیناً ہم بھی اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم سے ملنے والے ہی ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت منقول ہے کہ:
نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی اپنے ایسے مؤمن بھائی کی قبر پر پہنچے جسے وہ دنیا میں جانتا پہچانتا تھا پھر اس پر سلام پیش کرے تو صاحب قبر اسے پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔"

ماں باپ کی قبروں پر جانے کا حکم اور اس کی فضیلت

(۷) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ يَرْفَعُ الْحَدِيْثَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَلَهُ وَكُتِبَ بَرًّا۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا۔

"اور حضرت محمد بن نعمانؒ یہ حدیث نبی کریم ﷺ تک پہنچاتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص ہر جمعہ کے روز (یا ہفتہ میں کسی بھی دن) اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی قبر پر جائے (اور وہاں ان کے لئے دعاء مغفرت و ایصال ثواب کرے، تو اس کی مغفرت کی جاتی ہے اور اسے (نامہ اعمال) اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا لکھا جاتا ہے۔" اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں بطریق ارسال نقل کیا ہے۔"

زیارت قبور کی اجازت اور اس کی علت

(۸) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "میں نے (پہلے) تمہیں قبروں پر جانے سے منع کیا تھا (مگر اب) تم قبروں پر جایا کرو، کیونکہ قبروں پر جانا دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتا ہے اور آخرت کی یاد دلاتا ہے۔" (ابن ماجہ)

تشریح: حدیث میں گویا قبروں پر جانے کی علت بیان فرمائی جارہی ہے کہ قبروں پر کیوں جانا چاہئے؟ چنانچہ فرمایا جارہا ہے کہ قبروں پر جانا درحقیقت انسان کے دل و دماغ میں دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بے رغبتی کا احساس پیدا کرتا ہے کہ جب انجام کار یہی ہے تو دنیا میں دل لگانا اور اپنی زندگی پر گھمنڈ کرنا بے کار ہے چنانچہ بڑے بڑے انسان اس دنیا میں پیدا ہوئے کسی نے اپنی سلطنت و حکومت کا سہارا لے کر خدائی دعویٰ کیا، کسی نے طاقت و دولت کے نشہ میں اپنی برتری و سطوت کا مظاہرہ کیا، کسی نے سائنس و ایجادات کے فریب میں قدرت سے مقابلہ کی ٹھانی اور کسی نے جاہ اقتدار کے بل بوتہ پر امن و سکون کے لالہ زاروں کو دہکتی ہوئی جہنم اور بہتے ہوئے خون کے دریا میں تبدیل کردیا مگر انجام؟

ہاں! جب انہیں مٹی کے تودوں میں دبایا گیا تو کوئی نام لیوا نہ رہا جب ان کی لاشوں کو دریا کی آغوش میں ڈال دیا گیا تو موجوں کے ایک ہی

تھپیڑے نے غرور نخوت کے مجسمہ کو دریائی جانوروں کے منہ میں پہنچادیا اور جب ان کے جسم کو آگ کے شعلوں کے حوالے کر دیا گیا تو بیچارگی و بے مائگی بے اختیار مسکرا اٹھی۔

قبروں پر جانے کی دوسری وجہ یہ بیان فرمائی گئی کہ "آخرت کی یاد دلاتا ہے" یعنی قبروں پر پہنچ کر یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ اس عالم کے علاوہ ایک عالم اور ہے جہاں جانا ہے اور وہاں جا کر اس عالم کے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبرستان پہنچ کر قبروں کو عبرت کی نظروں سے دیکھا جائے اور موت کو یاد کیا جائے کہ موت کی یاد ہی درحقیقت دنیاوی لذتوں کے فریب کا پردہ چاک کرنے والی اور گناہوں و معصیت کی ہر کدورت کو صاف کرنے والی ہے۔

عورتوں کو قبروں پر جانے کی ممانعت

(۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَقَالَ قَدْ رَاٰی بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ هٰذَا كَانَ قَبْلَ اَنْ یُّرَخِّصَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ زِیَارَةِ الْقُبُوْرِ فَلَمَّا رَخَّصَ دَخَلَ فِیْ رُخْصَتِهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَآءُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّمَا كَرِهَ زِیَارَةَ الْقُبُوْرِ لِلنِّسَآءِ لِقِلَّةِ صَبْرِهِنَّ وَكَثْرَةِ جَزْعِهِنَّ تَمَّ كَلَامُهٗ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قبروں پر زیادہ جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) اور حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے نیز انہوں نے فرمایا کہ "بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ یہ (یعنی قبروں پر جانے والی عورتوں پر آنحضرت ﷺ کا لعنت فرمانا) اس وقت تھا جب کہ آپ ﷺ نے قبروں پر جانے کی اجازت عطا فرمادی تو اس اجازت میں مرد و عورت دونوں شامل ہو گئے۔" اس کے برخلاف بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عورتوں میں صبر و تحمل کے مادہ کی کمی اور جزع و فزع یعنی رونے دھونے) کی زیادتی کی وجہ سے ان کے قبروں پر جانے کو ناپسند فرمایا ہے۔ (لہٰذا عورتوں کے لئے یہ ممانعت اب بھی باقی ہے) ترمذیؒ کی بات پوری ہوئی۔"

میت کا وہی لحاظ ہونا چاہئے جو اس کی زندگی میں ہوتا تھا

(۱۰) وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَدْخُلُ بَیْتِیَ الَّذِیْ فِیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاِنِّیْ وَاضِعٌ ثَوْبِیْ وَاَقُوْلُ اِنَّمَا هُوَ زَوْجِیْ وَاَبِیْ فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللّٰهِ مَا دَخَلْتُهٗ اِلَّا وَاَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَیَّ ثِیَابِیْ حَیَآءً مِّنْ عُمَرَ (رواہ احمد)

"اور حضرت عائشہ صدیقہ اُم المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ "جب میں اس حجرہ مبارک میں جایا کرتی تھی جس میں رسول کریم ﷺ (اور حضرت ابوبکر صدیقؓ) مدفون تھے تو میں (اپنے بدن سے) کپڑا (یعنی چادر) اتار کر رکھ دیتی تھی اور (دل میں) کہا کرتی تھی کہ یہاں میرے خاوند (آنحضرت ﷺ) اور میرے باپ (حضرت ابوبکر صدیقؓ) ہی تو مدفون ہیں (اور یہ دونوں میرے لئے اجنبی نہیں ہیں تو پھر حجاب کیسا؟) مگر جب (اس حجرہ میں) ان کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ کو دفن کر دیا گیا تو خدا کی قسم! میں اس حجرہ میں جب بھی داخل ہوتی تھی، حضرت عمرؓ سے حیا کی وجہ سے (کہ وہ اجنبی تھے) اپنے بدن پر کپڑے لپیٹے رکھتی۔" (احمدؒ)

تشریح: یہ حدیث بڑی وضاحت کے ساتھ اس بات کی دلیل پیش کر رہی ہے کہ زیارت میت و قبور کے وقت وہی لحاظ ہونا چاہئے جو اس کی زندگی میں ہوتا تھا، چنانچہ اس بارہ میں ایک صحابی حضرت عقبہ بن عامرؓ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

"اگر میں آگ پر چلوں یا تلوار کی تیز دھار پر اپنا پیر رکھ دوں جس کے نتیجہ میں میرا پیر (جل) کٹ جائے تو میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہے بہ نسبت اس چیز کے کہ میں کسی شخص کی قبر پر چلوں، اور میرے نزدیک قبروں پر پیشاب کرنے اور بھرے بازار میں لوگوں کی نظروں کے

سامنے پیشاب کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

اسی طرح حضرت ابن ابی الدنیا نے حضرت سلیم بن غفیر کے بارہ میں یہ نقل کیا ہے کہ:

ایک مرتبہ وہ کسی قبرستان سے گزر رہے تھے کہ انہیں پیشاب کی شدید حاجت ہوئی (ان کی کیفیت دیکھ کر) لوگوں نے کہا کہ "سواری سے اتر کر یہیں پیشاب کیوں نہیں کر لیتے!"؟ انہوں نے فرمایا کہ "سبحان اللہ! (کیسی غلط بات کہہ رہے ہو) خدا کی قسم! میں مردوں سے اسی طرح حیا کرتا ہوں جس طرح زندوں سے حیا کرتا ہوں۔"

الحمد للہ کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الجنائز ختم ہوئیں۔

صلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ محمد و الہ و اصحابہ اجمعین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الزکوۃ

زکوٰۃ کا بیان

"زکوۃ کے لفظی معنی ہیں "طہارت و برکت اور بڑھنا" اصطلاح شریعت میں زکوۃ کہتے ہیں اپنے مال کی مقدار متعین کے اس حصہ کا کہ جو شریعت نے مقرر کیا ہے کسی مستحق کو مالک بنا دینا" زکوۃ کے لغوی معنی اور اصطلاحی معنی دونوں کو سامنے رکھ کر یہ سمجھ لیجئے کہ یہ فعل (یعنی اپنے مال کی مقدار متعین کے ایک حصہ کا کسی مستحق کو مالک بنا دینا) مال کے باقی ماندہ حصے کو پاک کر دیتا ہے اس میں حق تعالےٰ کی طرف سے برکت عنایت فرمائی جاتی ہے اور اس کا وہ مال نہ صرف یہ کہ دنیا میں بڑھتا اور زیادہ ہوتا ہے بلکہ اخروی طور پر اللہ تعالیٰ اس کے ثواب میں اضافہ کرتا ہے اور اس کے مالک کو گناہوں اور دیگر بری خصلتوں مثلاً بخل وغیرہ سے پاک و صاف کرتا ہے اس لئے اس فعل کو زکوۃ کہا جاتا ہے۔

"زکوۃ" کو صدقہ بھی اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ فعل اپنے مال کا ایک حصہ نکالنے والے کے دعوٰی ایمان کی صحت و صداقت پر دلیل ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کب فرض ہوئی: صدقہ فطر ۲ھ ہجری میں واجب کیا گیا تھا زکوۃ کی فرضیت کے بارہ میں اگرچہ علماء کے یہاں اختلافی اقوال ہیں مگر صحیح قول یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم ہجرت سے پہلے مکہ ہی میں نازل ہو گیا تھا مگر اس حکم کا نفاذ مدینہ میں ہجرت کے دوسرے سال رمضان کی پہلی تاریخ کو ہوا ہے گویا زکوۃ یکم رمضان ۲ھ ہجری میں فرض قرار دی گئی اور اس کا اعلان کیا گیا۔

زکوۃ تمام امتوں پر فرض تھی: اجماعی طور پر یہ مسئلہ ہے کہ زکوٰۃ انبیاء کرامؑ پر فرض و واجب نہیں ہے البتہ جس طرح سابقہ تمام امتوں پر نماز فرض تھی اسی طرح اُمت محمدی سے پہلے ہر اُمت پر زکوۃ فرض تھی ہاں زکوۃ کی مقدار اور مال کی تحدید میں اختلاف ضرور رہا ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ زکوۃ کے بارے میں اسلامی شریعت کے احکام بہت آسان اور سہل ہیں جب کہ سابقہ انبیاء کی تشریعتوں میں اتنی آسانی نہیں تھی۔

زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کی تاکید: قرآن مجید میں بتیس[1] جگہ زکوۃ کا ذکر نماز کے ساتھ فرمایا گیا ہے جس سے نہ صرف یہ کہ نماز اور زکوۃ دونوں کے کمال اتصال کا اظہار ہوتا ہے بلکہ یہ زکوٰۃ کی فضیلت و تاکید کی دلیل بھی ہے پھر یہ کہ قرآن کریم میں بہت سی جگہ زکوۃ کا علیحدہ بھی ذکر فرمایا گیا ہے خداوند قدوس نے زکوۃ ادا کرنے والوں کو دنیاوی و اخروی اجر و ثواب اور سعادت و نیک بختی کے دل کش و سچے

---

[1] مظاہر حق میں بتیس کی بجائے بیاسی کا عدد ہے لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا چنانچہ اس وقت علماء کی تحقیق یہ ہے کہ قرآن میں نماز کے ساتھ زکوۃ کا ذکر بتیس جگہ ہے (ج)

وعدوں سے سرفراز فرمایا ہے اور اس کی ادائیگی سے باز رہنے والوں کو جیسے سخت عذاب کی خبر دی گئی ہے کہ خدا شاہد اہل ایمان کے قلوب ان کے تصور سے بھی کانپ اٹھتے ہیں کیسے بد بخت ہیں وہ لوگ جو اس اہم فریضہ کی ادائیگی سے باز رہتے ہیں اور ان عذابوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

چونکہ زکوٰۃ اسلام کا ایک بڑا رکن ہے اور اس کی فرضیت قطعی ہے اس لئے زکوٰۃ کا انکار کرنے والا کافر اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا فاسق اور شدید ترین گنہ گار ہوتا ہے بلکہ علماء لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ نہ دینے والا اس قابل ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے (محیط السرخسی)

مال پر ایک سال کامل گزر جانے کے بعد صاحب نصاب پر علی الفور زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی ادائیگی میں تاخیر گناہ گار بناتی ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ سال پورا ہو جانے پر علی الفور زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ علی التراخی واجب ہوتی ہے یہاں تک کہ موت کے وقت گناہ گار ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کن لوگوں پر فرض ہے: ہر اس آزاد عاقل اور بالغ مسلمان پر زکوٰۃ فرض ہے جو نصاب (یعنی مال کی وہ خاص مقدار جس پر شریعت نے زکوٰۃ فرض کی ہے) کا مالک ہو اور مال کامل ایک سال تک اس کی ملکیت میں رہا ہو نیز وہ مال دین یعنی قرض اور ضرورت اصلیت سے فارغ ہو اور نامی (یعنی بڑھنے والا) ہو خواہ حقیقۃً خواہ تقدیراً۔ اسی طرح مال میں اس کی ملکیت پوری طرح اور کامل ہو۔

کافر، غلام، دیوانے[1] اور نابالغ لڑکے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور نہ اس مالک نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے جس کے نصاب پر پورا ایک سال نہ گزرا ہو، ہاں اگر کوئی شخص سال کی ابتدائی اور آخری حصوں میں مالک نصاب رہے اور درمیان مالک نصاب نہ رہے تو اسے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی کیونکہ یہ بھی پورے ایک سال ہی کے حکم میں ہوگا۔

قرض دار پر اس کے بقدر قرض مال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہاں جو مال قرض سے زائد ہو اور وہ حد نصاب کو پہنچتا ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ وہ قرض زکوٰۃ کے لئے مانع وجوب ہے جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو، چنانچہ نذر، کفارات فطرہ اور ان جیسے دوسرے مطالبات جن کا تعلق صرف اللہ جل شانہ کی ذات سے ہے اور کسی بندے کو ان کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں پہنچتا زکوٰۃ کے لئے مانع وجوب نہیں ہیں۔ ہاں ایسے قرض جن کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مگر ان کے مطالبہ وصول کرنے کا حق بندوں کو پہنچتا ہے جیسے زکوٰۃ، عشر، خراج وغیرہ کہ امام وقت اللہ تعالےٰ کی جانب سے ان کا مطالبہ کر سکتا ہے تو یہ بھی زکوٰۃ کے لئے مانع وجوب ہیں مگر امام وقت اور حاکم مال ظاہری میں مطالبہ کر سکتا ہے مثلاً مویشی وہ مال تجارت جو شہر میں لایا جائے یا شہر سے باہر لے جایا جائے اور نقدی لیکن وہ مال جس کی تجارت صرف شہر کے اندر اندر ہی محدود ہو اس میں حاکم کو مطالبہ کا حق نہیں ہوتا اگر بیوی مہر کا مطالبہ کرتی ہو تو اس کے مہر کے بقدر مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

بحر الرائق میں ہے کہ معتمد مسلک یہ ہے کہ "قرض، زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے لئے مانع وجوب ہے نیز مطلقاً قرض مانع ہے خواہ معجّل ہو یا مؤجل، اگرچہ بیوی کا مہر موجل ہی کیوں نہ ہو جس کی مدت تا جیل طلاق یا موت پر ختم ہو جاتی ہے لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مہر موجل زکوٰۃ کے لئے مانع وجوب نہیں ہے کیونکہ عام طور پر اس کا مطالبہ نہیں ہوا کرتا بخلاف مہر معجّل کے کہ اس کا مطالبہ ہوتا ہے مگر بعض علماء نے اس بارہ میں یہ لکھا ہے کہ اگر خاوند ادائیگی مہر کا ارادہ رکھتا ہو تو مہر موجل زکوٰۃ کے لئے مانع وجوب ہے ورنہ نہیں کیونکہ اس کا شمار قرض میں نہیں ہوتا۔"

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے درمیان اس بارہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی

---

[1] بشرطیکہ اس پر پورے سال دیوانگی اور جنون طاری رہے اگر مالک نصاب ہونے کے بعد سال کے کسی حصہ میں یعنی خواہ سال کے ابتدائی دنوں میں یا آخری دنوں میں اس کی دیوانگی اور جنون میں افاقہ کم ہو یا زیادہ تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے سال بھر میں دیوانگی ایک مرتبہ یا دو مرتبہ ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں رہتی بلکہ جس وقت سے اس کا جنون زائل ہوا ہے اسی وقت سے اس کے سال کی ابتداء سمجھی جائے گی۔

عورت کا خاوند تونگر یعنی مالدار ہو تو وہ اپنے مہر کی وجہ سے (کہ جو اس کے خاوند کے ذمہ باقی ہے) غنیہ[1] سمجھی جائے گی یا نہیں؟ صاحبین کا مسلک تو یہ ہے کہ ایسی عورت غنیہ معتبر ہو گی یعنی مستحق زکوٰۃ نہیں ہو گی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا آخری قول یہ ہے کہ وہ غنیہ معتبر نہیں ہو گی، لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ اختلاف صرف مہر معجل کے بارہ میں ہے۔ مہر موجل کی صورت میں تینوں حضرات کا متفقہ مسلک یہ ہے کہ ایسی عورت غنیہ معتبر نہیں ہو گی۔

ضرورت اصلیہ کا مطلب: ضرورت اصلیہ سے مراد یہ چیزیں ہیں رہائش کا مکان، پہننے کے کپڑے، خانہ داری کے اسباب، سواری کی چیزیں مثلاً گھوڑا، گاڑی موٹر سائیکل وغیرہ خدمت کے غلام استعمال کے ہتھیار، اہل علم کے لئے ان کی کتابیں کاریگر کے واسطے اس کے پیشہ کے اوزار وغیرہ، لہٰذا مثال کے طور پر اگر کسی شخص نے کوئی مکان تجارت کی نیت سے لیا اور وہ مکان اس کی رہائش سے فارغ بھی ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی اسی طرح دوسری چیزوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے اگر مکان و غلام وغیرہ اپنی ضرورت و حاجت سے فارغ ہوں اور ان کی تجارت کی نیت نہ ہو تو پھر ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔

کامل ملکیت: ابھی پہلے زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط بیان کرتے ہوئے یہ شرط بھی بیان کی گئی تھی کہ "مال میں اس کی ملکیت پوری طرح اور کامل ہو" لہٰذا اس کامل ملکیت سے مراد یہ ہے کہ مال کا اصل مالک بھی ہو اور وہ مال اس کے قبضہ و قدرت میں بھی ہو جو مالک ملک اور قبضہ میں نہ ہو یا ملک میں ہو قبضے میں نہ ہو یا قبضہ میں ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ لہٰذا مکاتب[2] کے کمائے ہوئے مال میں زکوٰۃ نہیں نہ خود مکاتب پر نہ اس کے مولیٰ پر اس لئے کہ وہ مال مکاتب کی ملکیت میں نہیں گو اس کے قبضہ میں ہے اسی طرح مولیٰ کے قبضہ میں نہیں ہے گو ملک میں ہے۔

اسی طرح مال ضمار میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ وہ مال ملکیت میں تو ہوتا ہے مگر قبضہ میں نہیں ہوتا۔ مال ضمار اس کو کہتے ہیں جو اپنی رسائی سے باہر ہو اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ ① وہ مال جو جاتا رہے یعنی گم ہو جائے۔ ② وہ مال جو جنگل میں دفن کر دیا گیا ہو مگر وہ جگہ کہ جہاں اسے دفن کیا گیا تھا بھول جائے۔ ③ وہ مال جو دریا میں غرق ہو گیا ④ وہ مال جسے کوئی شخص زبردستی چھین لے مگر اس کا کوئی گواہ نہ ہو ⑤ وہ مال جو کسی ظالم نے ڈنڈے کے طور لے لیا۔ ⑥ وہ مال جو کسی نے بطور قرض لیا اور بعد میں قرضدار قرض کا منکر ہو گیا اور کوئی تمسک یا گواہی اس کی نہ ہو"

پس مال ضمار کی یہ وہ قسمیں ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی مال ہاتھ لگ جائے تو اس مال میں پچھلے دنوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی ہاں اگر وہ مال ہاتھ لگ جائے جو جنگل میں نہیں بلکہ گھر میں دفن کر کے اس کی جگہ بھول گیا تھا تو جب بھی وہ مال نکلے گا اس میں پچھلے دنوں کی زکوٰۃ واجب ہو گی۔ اسی طرح قرض کے اس مال میں بھی زکوٰۃ واجب ہو گی جس سے قرض دار انکار نہ کرتا ہو خواہ وہ قرضدار تونگر ہو یا مفلس اور یا اگر انکار کرتا ہو تو کوئی تمسک یا گواہی ہو یا خود قاضی یہ جانتا ہو کہ اس نے اتنا مال قرض لیا تھا لیکن اس مال میں زکوٰۃ اس تفصیل کے ساتھ واجب ہو گی کہ۔

① اگر وہ قرض مال تجارت کے بدلہ میں ہو تو جب نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہو جائے تو پچھلے دنوں زکوٰۃ ادا کرے ② اگر وہ قرض مال تجارت کے بدلہ میں نہ ہو مثلاً گھر کے پہننے کے کپڑے فروخت کئے یا خدمت کا غلام فروخت کیا یا رہائش کا مکان فروخت کیا اور ان کی قیمت خریدنے والے کے ذمہ قرض رہی تو اس میں پچھلے دنوں کی زکوٰۃ اسی وقت واجب ہو گی جب کہ بقدر نصاب وصول ہو جائے ③ اگر قرض اس چیز کے بدلہ میں ہو جو مال نہیں ہے جیسے مہر، وصیت اور بدل خلع وغیرہ تو اس میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہو گی جب کہ بقدر

---

[1] غنیہ یعنی وہ عورت جسے زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ۱۲۔

[2] مکاتب وہ غلام ہے جس کو اس کے آقا نے اس شرط پر آزاد کر دیا ہو کہ وہ اس قدر روپیہ کما کر اس کو دیدے جب تک وہ اس قدر روپیہ کما کر نہ دیدے غلام رہتا ہے اور دیدینے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے۔

نصاب وصول ہو جائے اور اس پر پورا ایک سال گزر جائے یعنی اس میں پچھلے دنوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی بلکہ صرف اسی سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی جس میں کہ وہ مال پر قابض رہا لیکن یہ حکم اسی شخص کے بارہ میں ہے جو پہلے سے صاحب نصاب نہ ہو اگر پہلے سے صاحب نصاب ہوگا تو یہ مال اس کے حق میں بمنزلہ مال مستفاد کے ہوگا، پہلے مال کے ساتھ اس مال کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی اور ایک سال کا گزرنا شرط نہیں ہوگا۔

ادائیگی زکوٰۃ کے لئے نیت شرط ہے: ادائیگی زکوٰۃ کے لئے یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ دیتے وقت نیت کرے یعنی دل میں یہ ارادہ کرے کہ "میرے اوپر جس قدر مال کا دینا فرض تھا میں محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دیتا ہوں۔" یا جس وقت اپنے مال میں سے زکوٰۃ کا حصہ نکالے اسی وقت زکوٰۃ کی نیت کرے کہ "میں اس قدر جو زکوٰۃ دینے کے لئے ہے نکالتا ہوں۔

اگر کوئی شخص اپنا تمام مال خدا کی راہ میں خیرات کر دے اور زکوٰۃ کی نیت نہ کرے تو اس کے ذمہ زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے یعنی اس پر زکوٰۃ کا مطالبہ باقی نہیں رہتا بشرطیکہ اس نے وہ مال کسی اور واجب کی نیت سے نہ دیا ہو ہاں اگر کسی شخص نے پورا مال تو نہیں بلکہ تھوڑا سا بغیر نیت زکوٰۃ خدا کی راہ میں خیرات کر دیا تو حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس مال کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مگر حضرت امام ابو یوسفؒ کے ہاں اس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا بھی یہی قول منقول ہے اور اسی قول پر فتویٰ بھی ہے۔

زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا مکروہ ہے یعنی اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ مال زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچ جائے اور اس کی صورت یہ کرے کہ جب سال پورا ہونے کو ہو تو کچھ دن پہلے اپنا مال دوسرے کو ہبہ کر کے اسے قابض کر دے اور اس طرح زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچ جائے اگرچہ اس صورت سے زکوٰۃ تو ساقط ہو جاتی ہے مگر یہ کوئی اچھا فعل نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے کوئی غلام تجارت کے لئے خریدا مگر بعد میں اس سے خدمت لینے کی نیت ہو گئی تو وہ غلام تجارت کے لئے نہیں رہے گا بلکہ خدمت ہی کے لئے ہو جائے گا اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کوئی غلام خدمت کی نیت سے خریدا پھر بعد میں اس نے تجارت کی نیت کر لی تو وہ غلام اس وقت تک تجارت کے حکم میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ وہ شخص اسے فروخت نہ کرے۔ فروختگی کے بعد اس کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

نصاب کی تعریف: نصاب زکوٰۃ مال کی اس خاص مقدار کو کہتے ہیں جس پر شریعت نے زکوٰۃ فرض کی ہے اور جس مقدار سے کم مال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی مثلاً اونٹ کے لئے پانچ اور پچیس وغیرہ کا عدد، بکری کے لئے چالیس اور ایک سو اکیس وغیرہ کا عدد اور چاندی کے لئے دو سو درہم اور سونے کے لئے بیس مثقال۔

نصاب کی قسمیں: نصاب کی دو قسمیں ہیں "نامی" یعنی بڑھنے والا مال اور "غیر نامی" یعنی نہ بڑھنے والا مال" پھر نامی کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور تقدیری حقیقی کا اطلاق تو تجارت کے مال اور جانور پر ہوتا ہے کیونکہ تجارت کا مال نفع سے بڑھتا ہے اور جانور بچوں کی پیدائش سے بڑھتے ہیں۔ تقدیری کا اطلاق سونے چاندی پر ہوتا ہے کہ یہ چیزیں بظاہر تو نہیں بڑھتیں لیکن بڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں "نصاب غیر نامی" کا اطلاق مکانات اور خانہ داری کے ان اسباب پر ہوتا ہے جو ضرورت اصلیہ کے علاوہ ہوں۔"

نصابی اور غیر نصابی میں فرق: نصاب نامی اور غیر نامی میں فرق یہ ہے کہ نصاب نامی کے مالک پر تو زکوٰۃ فرض ہوتی ہے نیز اس کے لئے دوسرے زکوٰۃ، نذر اور صدقات واجبہ کا مال لینا درست نہیں ہوتا اور اس کے لئے صدقہ فطر دینا اور قربانی کرنا واجب ہوتا ہے۔ "نصاب غیر نامی" کے مالک پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی مگر اس کے لئے بھی زکوٰۃ نذر اور صدقہ واجبہ کا مال لینا درست نہیں ہوتا نیز اس پر بھی صدقہ فطر دینا اور قربانی کرنا واجب ہوتا ہے۔"

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

زکوٰۃ کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کے احکام

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ اِنَّكَ تَأْتِیْ قَوْمًا اَھْلَ کِتَابٍ فَادْعُھُمْ اِلٰی شَھَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ صَدَقَۃً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَآئِھِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَآئِھِمْ فَاِنْ ھُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاِیَّاكَ وَکَرَآئِمَ اَمْوَالِھِمْ وَاتَّقِ دَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّہٗ لَیْسَ بَیْنَھَا وَبَیْنَ اللّٰہِ حِجَابٌ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو (امیر یا قاضی بنا کر) یمن بھیجا تو ان سے فرمایا کہ تم اہل کتاب میں سے ایک قوم (یہود ونصاریٰ) کے پاس جا رہے ہو لہٰذا (پہلے تو تم) انہیں اس بات کی گواہی دینے کی دعوت دینا کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔" اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لیں تو (پھر تم انہیں بتانا کہ "اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔" اگر وہ اسے مان جائیں تو پھر (اس کے بعد) انہیں آگاہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے (یعنی ان لوگوں سے جو مالک نصاب ہوں) لی جائے گی اور ان کے فقراء کو دے دی جائے گی" اگر وہ اسے مان جائیں تو تم (یہ یاد رکھنا کہ ان سے زکوٰۃ میں) اچھا مال لینے سے پرہیز کرنا (یعنی چھانٹ کر اچھا مال نہ لینا بلکہ ان کے مال کو تین حصوں میں تقسیم کرنا، اچھا، برا اور درمیانہ لہٰذا، زکوٰۃ میں درمیانہ مال لینا نیز تم (زکوٰۃ لینے میں غیر قانونی سختی کر کے یا ان سے ایسی چیزوں کا مطالبہ کر کے جو ان پر واجب نہ ہوں اور یا انہیں زبان یا ہاتھ سے ایذاء پہنچا کر) ان کی بددعا نہ لینا کیونکہ مظلوم کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس دعا کی قبولیت کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: اگرچہ یمن میں مشرک اور ذمی کافر بھی تھے مگر چونکہ تمام اقوام میں اہل کتاب ہی کی اکثریت تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے ہوئے وہاں کے لوگوں میں بطور خاص اہل کتاب ہی کا ذکر فرمایا۔

اعلان جنگ سے پہلے کفار کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے: ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کفار کے مقابلہ پر اعلان جنگ سے پہلے کفار کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ کفار کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو اور انہیں خدا کے آخری دین کی طرف پہلے سے نہ بلایا گیا ہو اگر صورت حال یہ ہو کہ ان کے پاس اسلام کی دعوت پہلے سے پہنچ چکی ہو تو اب جنگ سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا واجب نہیں بلکہ مستحب ہوگا۔

مانعین زکوٰۃ پر عذاب کی تفصیل

② وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ صَاحِبِ ذَھَبٍ وَّلَا فِضَّۃٍ لَا یُؤَدِّیْ مِنْھَا حَقَّھَا اِلَّا اِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ صُفِّحَتْ لَہٗ صَفَآئِحُ مِنْ نَّارٍ فَاُحْمِیَ عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَیُکْوٰی بِھَا جَنْبُہٗ وَجَبِیْنُہٗ وَظَھْرُہٗ کُلَّمَا رُدَّتْ اُعِیْدَتْ لَہٗ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیُرٰی سَبِیْلَہٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَالْاِبِلُ قَالَ وَلَا صَاحِبُ اِبِلٍ لَّا یُؤَدِّیْ مِنْھَا حَقَّھَا وَمِنْ حَقِّھَا حَلْبُھَا یَوْمَ وِرْدِھَا اِلَّا اِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بُطِحَ لَھَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ اَوْفَرَ مَا کَانَتْ لَا یَفْقِدُ مِنْھَا فَصِیْلًا وَّاحِدًا تَطَؤُہٗ بِاَخْفَافِھَا وَتَعَضُّہٗ بِاَفْوَاھِھَا کُلَّمَا مَرَّ عَلَیْہِ اُوْلَاھَا رُدَّ عَلَیْہِ اُخْرَاھَا فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیُرٰی سَبِیْلَہٗ اِمَّا اِلَی

الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَى النَّارِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ قَالَ وَلَا صَاحِبُ بَقَرٍ وَّلَا غَنَمٍ لَا يُؤَدِّيْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ لَا يَفْقِدُ مِنْهَا شَيْئًا لَيْسَ فِيْهَا عَقْصَاءُ وَلَا جَلْحَاءُ وَلَا عَضْبَاءُ تَنْطَحُهُ بِقُرُوْنِهَا وَتَطَاُهُ بِاَظْلَافِهَا كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ اُوْلَاهَا رُدَّ عَلَيْهِ اُخْرَاهَا فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيُرٰى سَبِيْلَهُ اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَى النَّارِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْخَيْلُ قَالَ فَالْخَيْلُ ثَلَاثَةٌ هِيَ لِرَجُلٍ وِزْرٌ وَّهِيَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ وَّهِيَ لِرَجُلٍ اَجْرٌ فَاَمَّا الَّتِيْ هِيَ لَهُ وِزْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا رِيَاءً وَّفَخْرًا وَّنِوَاءً عَلٰى اَهْلِ الْاِسْلَامِ فَهِيَ لَهُ وِزْرٌ وَّاَمَّا الَّتِيْ هِيَ لَهُ سِتْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَمْ يَنْسَ حَقَّ اللّٰهِ فِيْ ظُهُوْرِهَا وَلَا رِقَابِهَا فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ اَمَّا الَّتِيْ هِيَ لَهُ اَجْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فِيْ مَرْجٍ وَّرَوْضَةٍ فَمَا اَكَلَتْ مِنْ ذٰلِكَ الْمَرْجِ اَوِ الرَّوْضَةِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا كُتِبَ لَهُ عَدَدَ مَا اَكَلَتْ حَسَنَاتٌ وَّكُتِبَ لَهُ عَدَدَ اَرْوَاثِهَا وَاَبْوَالِهَا حَسَنَاتٌ وَّلَا تَقْطَعُ طِوَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا اَوْ شَرَفَيْنِ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ عَدَدَ اٰثَارِهَا وَاَرْوَاثِهَا حَسَنَاتٍ وَّلَا مَرَّ بِهَا صَاحِبُهَا عَلٰى نَهْرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَا يُرِيْدُ اَنْ يَّسْقِيَهَا اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ عَدَدَ مَا شَرِبَتْ حَسَنَاتٍ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْحُمُرُ قَالَ مَا اُنْزِلَ عَلَيَّ فِي الْحُمُرِ شَيْءٌ اِلَّا هٰذِهِ الْاٰيَةُ الْفَاذَّةُ الْجَامِعَةُ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص سونے اور چاندی (کے نصاب شرعی) کا مالک ہو اور اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے لئے آگ کے تختے بنائے جائیں گے (یعنی تختے تو سونے اور چاندی کے ہوں گے مگر انہیں آگ میں اس قدر گرم کیا جائے گا کہ گویا وہ آگ ہی کہ تختے ہوں گے اسی لئے آپ نے آگے فرمایا کہ) وہ تختے دوزخ کی آگ میں گرم کئے جائیں گے اور ان تختوں سے اس شخص کے پہلو، اس کی پیشانی اور اس کی پیٹھ داغی جائے گی پھر ان تختوں کو (اس کے بدن سے) جدا کیا جائے گا اور آگ میں گرم کرکے پھر لایا جائے گا (یعنی جب وہ تختے ٹھنڈے ہو جائیں گے تو انہیں دوبارہ گرم کرنے کے لئے آگ میں ڈالا جائے گا اور وہاں سے نکال کر اس شخص کے بدن کو داغا جائے گا) اور اس دن کی مقدار کہ جس میں یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب ختم ہو جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا۔" صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (یہ عذاب تو نقدی یعنی سونے چاندی کے بارے میں ہوگا) اونٹ کی زکوٰۃ نہ دینے) والوں کا کیا حشر ہوگا؟" آپ نے فرمایا۔ "جو شخص اونٹ کا مالک ہو اور اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے، اور اونٹوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ جس روز انہیں پانی پلایا جائے ان کا دودھ دوہا جائے تو قیامت کے دن اس شخص کو اونٹوں کے سامنے ہموار میدان میں منہ کے بل اوندھا ڈال دیا جائے گا اور اس کے سارے اونٹ گنتی اور مناپے میں پورے ہوں گے مالک ان میں سے ایک بچہ بھی کم نہ پائے گا (یعنی اس شخص کے سب اونٹ وہاں موجود ہوں گے۔ حتیٰ کہ اونٹوں کے سب بچے بھی ان کے ساتھ ہوں گے پھر یہ کہ وہ اونٹ خوب فربہ اور موٹے تازے ہوں گے تاکہ اپنے مالک کو روندتے وقت خوب تکلیف پہنچائیں چنانچہ) وہ اونٹ اس شخص کو اپنے پیروں سے کچلیں گے اور اپنے دانتوں سے کاٹیں گے جب ان اونٹوں کی جماعت (روند کچل اور کاٹ کر) چلی جائے گی تو دوسری جماعت آئے گی (یعنی اونٹوں کی قطار روند کچل کر چلی جائے گی تو اس کے پیچھے دوسری قطار آئے گی) اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا" اور جس دن یہ ہوگا اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب کر دیا جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا صحابہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! گائے اور بکریوں کے مالک کا کیا حال ہوگا؟" آپ نے فرمایا "جو شخص گاؤں اور بکریوں کا مالک ہو اور ان کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اسے ہموار میدان میں اوندھے منہ ڈال دیا جائے گا اور اس کی گائیں اور بکریوں (کو وہاں لایا جائے گا جن) میں سے کچھ کم نہیں ہوگا ان میں سے کسی گائے بکری کا سینگ نہ مڑے ہوں گے نہ ٹوٹے ہوں گے اور نہ وہ منڈی (یعنی بلا سینگ ہوں گی (یعنی ان سب کی سروں پر سینگ ہوں گے نہ ٹوٹے ہوں گے اور سالم ہوں گے۔ تاکہ وہ اپنے سینگوں سے خوب مار سکیں چنانچہ وہ گائیں اور بکریاں اپنے سینگوں سے اپنے

مالک کو ماریں گی اپنے کھروں سے کچلیں گی اور جب ایک قطار اسے مار کچل کر چلی جائے گی تو دوسری قطار آئے گی (اور اپنا کام شروع کر دے گی اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا) اور جس دن یہ ہوگا اس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب کیا جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا۔" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! گھوڑوں کے بارہ میں کیا حکم ہے؟" آپ نے فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے گناہ کا سبب ہوتے ہیں، دوسرے وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے پردہ ہوتے ہیں اور تیسرے وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے ثواب کا سبب و ذریعہ بنتے ہیں، چنانچہ وہ گھوڑے جو گناہ کا سبب ہوتے ہیں اس شخص کے گھوڑے جنہیں اس کے مالک اظہار فخر و غرور اور مال وار اور ریاء کے لئے اور مسلمانوں سے دشمنی کے واسطے باندھے چنانچہ وہ گھوڑے اپنے مالک کے لئے گناہ کا سبب بنتے ہیں اور وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے پردہ ہوتے ہیں اس شخص کے گھوڑے ہیں جنہیں اس کے مالک نے خدا کی راہ میں (کام لینے کے لئے) باندھا اور ان کی پیٹھ اور ان کی گردن کے بارہ میں وہ خدا کے حق کو نہیں بھولا چنانچہ وہ گھوڑے اپنے مالک کے لئے پردہ ہیں اور وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے ثواب کا سبب و ذریعہ بنتے ہیں اس شخص کے گھوڑے ہیں جنہیں ان کا مالک خدا کی راہ میں (لڑنے کے لئے) مسلمانوں کے واسطے باندھے اور اسے چراگاہ و سبزہ میں رکھے چنانچہ جب وہ گھوڑے چراگاہ و سبزہ سے کچھ کھاتے ہیں تو جو کچھ انہوں نے کھایا (یعنی گھاس وغیرہ کی تعداد کے بقدر اس کے لئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں یہاں تک کہ ان گھوڑوں کی لید اور ان کے پیشاب کے بقدر بھی اس کے لئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں (کیونکہ لید اور پیشاب بھی گھوڑے کی زندگی کا باعث ہیں) اور جو گھوڑے رسی توڑ کر ایک یا دو میدان دوڑتے پھرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے قدموں کے نشانات اور ان کی لید (جو وہ اس دوڑنے کی حالت میں کرتے ہیں) کی تعداد کے بقدر اس شخص کے لئے نیکیاں لکھتا ہے اور جب وہ شخص ان گھوڑوں کو نہر پر پانی پلانے کے لئے لے جاتا ہے اور وہ نہر سے پانی پیتے ہیں اگرچہ مالک کا ارادہ ان کو پانی پلانے کا نہ ہو، اللہ تعالیٰ گھوڑوں کے پانی پینے کے بقدر اس شخص کے لئے نیکیاں لکھتا ہے۔" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! اچھا گدھوں کے بارہ میں کیا حکم ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "گدھوں کے بارہ میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا لیکن تمام نیکیوں اور اعمال کے بارہ میں یہ آیت جامع ہے: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ "یعنی جو شخص ایک ذرہ کے برابر نیکی کا عمل کرے گا اسے دیکھے گا اور جو شخص ایک ذرہ کے برابر برائی کا عمل کرے گا اسے دیکھے گا۔"

(یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو نیک کام کے لئے جانے کا واسطے اپنا گدھا دیگا تو ثواب پائے گا اور اگر برے کام کے لئے دے گا تو گناہگار ہوگا)۔" (مسلمؒ)

تشریح: قیامت کے دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر بتائی گئی ہے لیکن اس کا تعلق کافروں کے ساتھ ہے یعنی قیامت کا دن کافروں کو پچاس ہزار سال کی بقدر دراز معلوم ہوگا بقیہ گناہگاروں کو ان کے گناہ کے بقدر دراز محسوس ہوگا اگر کسی کے گناہ کم اور ہلکے ہوں گے تو اسے وہ دن اسی اعتبار سے کم دراز محسوس ہوگا اور اگر کسی کے گناہ زیادہ اور شدید نوعیت کے ہوں گے تو اسے وہ دن بھی اسی کے اعتبار سے دراز محسوس ہوگا یہاں تک کہ خدا کے نیک بندوں یعنی مؤمنین کاملین کو وہ پورا دن صرف دو رکعت نماز کے بقدر معلوم ہوگا۔ گویا جتنی دیر میں دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے انہیں وہ دن صرف اتنے عرصہ کے بقدر محسوس ہوگا۔

فیری سبیلہ اما الی الجنۃ الخ (اور وہ جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس شخص کا نامہ اعمال میں اس (ترک زکوٰۃ) کے گناہ کے علاوہ اور کوئی گناہ نہیں ہوگا اور مذکورہ عذاب کہ جس میں اسے مبتلا کیا جائے گا اس کے اس گناہ کو دور کر دے گا تو اس کے بعد وہ جنت میں چلا جائے گا اور خدا نخواستہ اگر اس کا نامہ اعمال میں ترک زکوٰۃ کے علاوہ اور گناہ بھی ہوں گے یا یہ کہ مذکورہ عذاب کے بعد بھی ترک زکوٰۃ کا گناہ اس سے دور نہیں ہوگا تو پھر وہ دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔

حتی یقضی بین العباد میں اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن میدان حشر میں دوسری مخلوق خدا تو حساب کتاب میں

مشغول ہوگی مگر وہ لوگ جنہوں نے زکوۃ ادا نہیں کی تھی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ومن حقها حلبها یوم وردها (اونٹوں کا ایک حق یہ بھی ہے الخ) اونٹ والوں کا یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اونٹوں کو تیسرے دن یا چوتھے دن پانی کی جگہ پانی پلانے لے جاتے ہیں چنانچہ عرب میں ایک یہ معمول بھی تھا کہ جس جگہ پانی پلانے کے لئے اونٹ لائے جاتے تھے وہاں لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ اونٹ والے اپنے اونٹوں کو وہاں پانی پلانے لاتے اور وہیں اونٹوں کا دودھ نکال کر وہاں جمع لوگوں کو پلا دیا کرتے، چنانچہ اس کے بارہ میں فرمایا جارہا ہے کہ اگرچہ اونٹوں کا واجب حق تو صرف یہی ہے کہ ان کی زکوۃ ادا کی جائے مگر ان کے اور دوسرے حقوق میں سے ایک مستحب حق یہ بھی ہے کہ جس دن اونٹ پانی پینے جائیں اس دن کا دودھ وہ غرباء و مساکین کو پلایا جائے، لہٰذا یہ فعل اگرچہ مستحب ہے لیکن از بارہ مروت و ہمدردی اور بر بنائے ادائے شکر حق گویا واجب کا حکم رکھتا ہے اسی لئے اس کے بارہ میں اتنی اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا چنانچہ حدیث کا ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حق کی عدم ادائیگی کی صورت میں عذاب بھی ہو سکتا ہے۔

ولا یرید ان یسقیها (اگرچہ مالک کا ارادہ ان کو پانی پلانے کا نہ ہو) مطلب یہ ہے کہ مالک گھوڑے کو پانی پلانے کا ارادہ نہ رکھے بلکہ اس کے ارادہ و قصد کے بغیر گھوڑا پانی پئے تو اس کے بارے میں مذکورہ ثواب بیان کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر مالک خود ارادہ و قصد کر کے گھوڑے کو پانی پلائے گا۔ تو اس کا کیا کچھ ثواب اسے ملے گا! گھوڑوں کے بارہ میں صحابہؓ کے سوال پر آنحضرت ﷺ نے جو جواب دیا اس کا اسلوب پہلے جوابات کے اسلوب سے مختلف ہے، اس موقعہ پر آپ ﷺ نے جواب کا جو اسلوب اختیار فرمایا ہے اسے "جواب علی اسلوب الحکیم کہتے ہیں گویا آنحضرت ﷺ نے سوال کرنے والے صحابہؓ سے فرمایا کہ گھوڑوں کا جو حق واجب ہے (یعنی زکوۃ وغیرہ) صرف اس کے بارہ میں مت پوچھو کہ ان گھوڑوں کی وجہ سے ان کے پالنے والے سعادت و نیک بختی اور بھلائی کے کیسے کیسے مقام حاصل کرتے ہیں اور انہیں ان گھوڑوں سے کیا نفع پہنچتا ہے اسی طرح دوسرا پہلو بھی کہ ان پالنے والوں کو کیسے کیسے گناہ ملتے ہیں اور انہیں کیا نقصان پہنچتا ہے؟

اسی بنیاد پر آپ ﷺ نے گھوڑوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں ① وہ گھوڑے جو اپنے مالک کے لئے گناہ کا سبب ہوتے ہیں۔" اس کی تشریح آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ اس سے وہ گھوڑے مراد ہیں جنہیں ان کے مالک نے اظہار فخر اور ریاء کے لئے باندھ رکھا ہو یعنی گھوڑے رکھنے سے اس کی غرض صرف یہ ہو کہ لوگ تاک اس کی حشمت و ثروت دیکھیں اور جانیں کہ یہ مجاہد ہے حالانکہ واقع میں وہ مجاہد نہیں ہے، نیز فخر سے یہی مراد ہے کہ وہ گھوڑا اس نیت سے پالے کہ میں اپنے سے کمتر لوگوں پر اپنی بڑائی جتاؤں اور ان کے سامنے فخر کا اظہار کروں ② وہ گھوڑے جو اپنے مالک کے لئے پردہ ہوتے ہیں اس کی وضاحت آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ اس سے وہ گھوڑے مراد ہیں جنہیں ان کے مالک نے اس لئے باندھا ہے تاکہ وہ خدا کی راہ میں کام آئیں۔ "یہاں خدا کی راہ" سے مراد جہاد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ گھوڑوں کو رکھنے اور باندھنے کا مقصد اظہار فخر و غرور اور ریاء نہ ہو بلکہ انہیں اچھی و نیک نیت سے رکھے مثلاً گھوڑے اس مقصد کے لئے پالے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اچھے و نیک مقاصد کے لئے کام آئیں یا ان سے اپنی سواری مقصود ہو کہ اپنی مشروع و مباح ضرورتوں کے وقت ان پر سوار ہو سکے نیز یہ کہ اپنے فقر و احتیاج کی پردہ پوشی کرے جیسا کہ روایت میں فرمایا گیا ہے کہ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَّ تَعَفُّفًا یعنی دوسروں سے مستغنی رہنے اور دوسروں کے آگے اپنی احتیاج و ضرورت کے اظہار سے بچنے کے لئے گھوڑا رکھنا چاہئے، مثلاً تجارتی مقصد کے لئے، عزیز و اقارب اور دوست و احباب کے یہاں جانے کے لئے کھیت کھلیان میں آنے جانے کے واسطے یا اسی قسم کے دوسرے مقاصد کے وقت اگر گھوڑے کی ضرورت ہو تو کسی دوسرے کی طرف دیکھنا نہ پڑے بلکہ اپنا گھوڑا ہو تو وہ کام آئے اور غیروں کے آگے اظہار ضرورت کی شرمندگی سے بچائے۔ اسی لئے اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے گھوڑے کو اپنے مالک کے لئے پردہ" قرار دیا ہے کہ ایک طرف تو گھوڑا اپنے مالک کے فقر و احتیاج کے لئے پردہ پوش ہوتا ہے بایں طور کہ گھوڑے کی وجہ سے دوسروں کی

نظروں میں اس کے مالک کا وقار اور بھرم قائم رہتا ہے اور اس کی عزت بنی رہتی ہے۔ دوسری طرف گھوڑی کا مالک اپنی ضرورت وحاجت کے وقت کسی دوسرے شخص کے آگے اظہار حاجت اور دست سوال دراز کرنے سے بچا رہتا ہے۔

اس موقع پر "راہ خدا" سے یہ مفہوم اس لئے مراد لیا گیا ہے تاکہ ایک ہی عبارت میں تکرار لازم نہ آئے کیونکہ تیسری قسم کے ضمن میں مذکورہ "راہ خدا" سے مراد جہاد ہی ہے۔

اسی ضمن میں آنحضرت ﷺ نے گھوڑے کے مالک کا ایک وصف یہ بھی بیان کیا ہے کہ "ان کی پیٹھ اور ان کی گردن کے بارہ میں وہ خدا کے حق کو نہیں بھولا۔

چنانچہ اس ارشاد گرامی میں "پیٹھ" کے بارہ میں اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس گھوڑے پر اچھے اور نیک کاموں کی خاطر سوار ہوا اور اگر کسی نے اس سے اپنی سواری کے لئے یا گھوڑ یوں پر چھوڑنے کے لئے اس کا گھوڑا مانگا تو اس نے اس کی ضرورت پوری کی۔ اسی طرح "گردن" کے بارہ میں حق یہ ہے کہ ان کی زکوٰۃ ادا کی۔" مگر حضرات شوافع کی طرف سے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مالک نے اپنے گھوڑے کی خبر گیری کی بایں طور کہ ان کے گھاس دانہ میں کوئی کمی نہیں کی انہیں ان کی پوری خوراک مہیا کی اور انہیں اگر کوئی مرض لاحق ہوا یا کوئی تکلیف ہوئی تو اسے فوراً دور کیا۔"

گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے یا نہیں: دراصل اس عبارت کے مفہوم کے تعین میں یہ اختلاف اس لئے واقع ہوا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو جنگل میں چرتے ہیں پھر گھوڑے کا مالک اس بارہ میں مختار ہے کہ چاہے تو وہ ان کی زکوٰۃ میں ہر گھوڑے پیچھے ایک دینار دے چاہے ان کی قیمت متعین کر کے ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ ادا کرے جیسا کہ زکوٰۃ کا حساب ہے۔

حضرت امام شافعیؒ اور صاحبینؒ کے ہاں گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ ان حضرات کی دلیل آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "مسلمانوں پر ان کے گھوڑے اور غلام میں صدقہ (واجب) نہیں ہے۔" حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ "ہر گھوڑے پیچھے کہ جو جنگل میں چرے ایک دینار ہے۔"

جہاں تک تعین قیمت پر زکوٰۃ کا تعلق ہے اس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت عمر فاروقؓ سے منقول ہے حضرت شافعیؒ بطور دلیل جو حدیث پیش کرتے ہیں اس کے بارہ میں حضرت امام اعظمؒ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق غازی و مجاہد کے گھوڑے سے ہے اسی طرح "غلام" سے وہ غلام مراد ہے جو خدمت کے لئے رکھ چھوڑا ہو۔

③ وہ گھوڑے جو اپنے مالک کے لئے ثواب کا سبب و ذریعہ بنتے ہیں۔ اس کی تشریح آپ نے یہ فرمائی کہ اس سے وہ گھوڑے مراد ہیں جسے اس کے مالک نے مسلمانوں کے لئے خدا کی راہ میں باندھا ہے۔ یہاں "راہ خدا" سے مراد جہاد ہی ہے یعنی اس نے اس مقصد کے لئے گھوڑے پال رکھے ہیں تاکہ جب جہاد کا وقت آئے تو اس پر سوار ہو کر دشمنان اسلام سے نبرد آزما ہو یا بوقت ضرورت دوسرے مسلمانوں کو دے تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر جہاد کریں۔

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهُ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِيْ شِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الْاٰيَةَ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال و زر عطا فرمایا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن اس کا مال و زر گنجے سانپ کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے پھر وہ سانپ اس شخص کے گلے میں بطور طوق ڈالا جائے گا اور وہ سانپ اس شخص کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں تیرا مال

ہوں، تیرا خزانہ ہوں اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الاية وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں یہ گمان نہ کریں (آخر آیت تک)۔" (بخاری)

تشریح: "گنجے سانپ" کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سر پر بال نہیں ہوں گے اور یہ گنجا پن سانپ کے بہت زیادہ زہریلا اور دراز عمر ہونے کی علامت ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے ارشاد گرامی کے بعد بطور استدلال آیت کریمہ کی تلاوت فرما کر آگاہ فرمایا کہ خوب اچھی طرح سن لو کہ اللہ تعالیٰ بھی یہی ارشاد فرماتا ہے چنانچہ پوری آیت یہ ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

"جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مال عطا فرمایا ہے اور وہ اس میں بخل کرتے ہیں تو وہ اپنے اس مال کے بارہ میں یہ گمان نہ کریں کہ وہ ان کے لئے بہتر ہے بلکہ وہ مال تو ان کے حق میں سراسر وبال جان ہے اور (یاد رکھو) وہ وقت دور نہیں ہے کہ جب قیامت کے دن وہ اس مال کا کہ جس میں بخل کرتے ہیں۔ طوق پہنائے جائیں (یعنی ان کا مال طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔"

④ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ يَّكُوْنُ لَهٗ اِبِلٌ اَوْ بَقَرٌ اَوْ غَنَمٌ لَّا يُؤَدِّیْ حَقَّهَا اِلَّا اُتِیَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْظَمَ مَا تَكُوْنُ وَاَسْمَنَهٗ تَطَاُهٗ بِاَخْفَافِهَا وَتَنْطَحُهٗ بِقُرُوْنِهَا كُلَّمَا جَازَتْ اُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ اُوْلَاهَا حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوذرؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "جس شخص کے پاس اونٹ یا گائے یا بکریاں ہوں اور وہ ان کا حق (یعنی زکوٰۃ) نہ دے تو کل قیامت کے دن اس کے وہ مویشی اس حال میں لائے جائیں گے کہ بہت بڑے بڑے اور فربہ شکل میں ہوں گے اور پھر وہ اس شخص کو اپنے پیروں سے روندیں کچلیں گے اور اپنے سینگوں سے ماریں گے، جب اسے (مار کچل کر) آخری جماعت چلی جائے گی تو پھر پہلی جماعت لائی جائے گی یعنی اسی طرح سب جانور پھر پلٹ کر روندیں گے اور ماریں گے یہ سلسلہ ایسے ہی وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ لوگوں کا حساب کتاب لے کر ان کا فیصلہ نہ کر دیا جائے گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

عاملین کو خوش خوش واپس کرو

⑤ وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَاكُمُ الْمُصَدِّقُ فَلْيَصْدُرْ عَنْكُمْ وَهُوَ عَنْكُمْ رَاضٍ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جریر ابن عبداللہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب (امام وقت کی طرف سے) زکوٰۃ وصول کرنے والا (کہ جسے اصطلاح شریعت میں "ساعی" اور عامل کہتے ہیں) آئے تو وہ (زکوٰۃ وصول کر کے) تمہارے پاس سے اس حال میں واپس جائے کہ وہ تم سے راضی و خوش ہو۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب امام وقت یا اسلامی اداروں کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے آئیں تو ان کے ساتھ عزت و احترام کا معاملہ کیا جائے اور انہیں پوری پوری زکوٰۃ ادا کی جائے تاکہ وہ راضی اور خوش ہو کر واپس لوٹیں۔

زکوٰۃ لانے والوں کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعاء رحمت

⑥ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰى قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ فُلَانٍ فَاَتَاهُ اَبِیْ بِصَدَقَتِهٖ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰى۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ اِذَا اَتَى الرَّجُلُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَدَقَتِهِ قَالَ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی کہتے ہیں کہ جب کوئی جماعت نبی کریم ﷺ کے پاس اپنی زکوٰۃ لے کر آتی (تاکہ آپ انہیں مستحقین میں تقسیم فرما دیں) تو فرماتے اللھم صل علی ال فلان اے اللہ! فلاں شخص کے خاندان پر رحمت نازل فرما چنانچہ جب میرے والد مکرم آنحضرت ﷺ کے پاس اپنی زکوٰۃ لے کر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا اللھم صل علی ال ابی اوفی اے اللہ! اوفی کے خاندان پر رحمت نازل فرما (بخاری ومسلم) ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "جب کوئی شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنی زکوٰۃ لے کر حاضر ہوتا تو آپ فرماتے کہ اے اللہ اس شخص پر اپنی رحمت نازل فرما"

تشریح: کسی شخص کے بارہ میں تنہا اس کے لئے لفظ "صلوٰۃ" کے ساتھ دعا کرنا یعنی اس طرح کہنا کہ اللھم صل علی ال فلان درست نہیں ہے لفظ "صلوٰۃ" کے ساتھ دعا صرف انبیاء کرام کے لئے مخصوص ہے۔ ہاں اگر کسی شخص کو انبیاء کے ساتھ متعلق کر کے لفظ صلوٰۃ کے ساتھ دعا کی جائے تو درست ہے جہاں تک آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کا تعلق ہے کہ آپ زکوٰۃ لانے والوں کے لئے لفظ "صلوٰۃ" کے ساتھ دعاء رحمت کرتے تھے تو اس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے کسی اور کے لئے یہ جائز نہیں ہے۔

⑦ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقِيْلَ مَنَعَ ابْنُ جَمِيْلٍ وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ وَالْعَبَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيْلٍ اِلَّا اَنَّهُ كَانَ فَقِيْرًا فَاَغْنَاهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَاَمَّا خَالِدٌ فَاِنَّكُمْ تَظْلِمُوْنَ خَالِدًا قَدِ احْتَبَسَ اَدْرَاعَهُ وَاَعْتُدَهُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَمَّا الْعَبَّاسُ فَهِیَ عَلَیَّ وَمِثْلُهَا مَعَهَا ثُمَّ قَالَ يَا عُمَرُ اَمَا شَعَرْتَ اَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو (زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے) مقرر فرمایا، کسی شخص نے آکر خبر دی کہ ابن جمیلؓ خالد ابن ولیدؓ اور حضرت عباسؓ نے زکوٰۃ ادا نہیں کی (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابن جمیل نے تو زکوٰۃ دینے سے اس لئے انکار کیا کہ وہ پہلے مفلس وقلاش تھا اور اب اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اسے دولت مند بنا دیا! خالد ابن ولید کی بات یہ ہے کہ ان پر تم لوگ ظلم کر رہے ہو (کہ اصل میں ان پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے۔ مگر تم ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے خواہشمند ہو کیونکہ انہوں نے تو اپنی زرہیں اور سامان جنگ (یعنی ہتھیار، جانور، اور جنگ کا دوسرا سامان) خدا کی راہ میں (یعنی جہاد کے لئے) وقف کر رکھا ہے (لہٰذا تم جو ان کے مال واسباب کو تجارت کا مال سمجھتے ہو وہ غلط ہے) اور جہاں تک حضرت ابن عباسؓ کا تعلق ہے تو بات یہ ہے کہ ان کی زکوٰۃ مجھ پر ہے اور نہ صرف اسی سال کی بلکہ) اس کے مثل اور (آئندہ سال کی) بھی۔ پھر فرمایا کہ عمرؓ! کیا تم نہیں جانتے کہ کسی شخص کا چچا اس کے باپ کی مانند ہوتا ہے (لہٰذا تم لوگ عباسؓ کو میرے باپ کی جگہ سمجھو، ان کی تعظیم وتوقیر کرو اور انہیں کسی بھی طرح رنج وتکلیف نہ پہنچاؤ۔"

(بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: ابن جمیلؓ پہلے منافق تھے پھر بعد میں مسلمان ہو گئے یہ بہت زیادہ تنگ دست ومحتاج تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ میرے لئے ثروت ودولت کی دعا فرمائیں میں خدا کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کروں گا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور یہ صاحب ثروت ودولت ہو گئے لہٰذا ان کا فرض تھا کہ جب خدا تعالیٰ نے ان کی تنگ دستی و محتاجی کو مال ودولت میں تبدیل کر دیا تو خدا کا شکر ادا کرتے مگر انہوں نے کفران نعمت کیا یہاں تک کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بھی انکار کیا اسی لئے اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں بطور زجر وتنبیہ مذکورہ کلمات ارشاد فرمایا۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے ارشاد گرامی "اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے اسے دولت مند بنا دیا ہے" میں ابن جمیل کو دولت مند بنانے کی نسبت اپنی طرف اس اعتبار سے فرمایا کہ آپ ﷺ نے اس مقصد کے لئے بارگاہ الوہیت میں دعا فرمائی تھی اور آپ

ہی کی دعا کی وجہ سے ابن جمیل دولت مند بنے۔

یہ سب ہی جانتے ہیں کہ حضرت عباسؓ آنحضرت ﷺ کے گرامی قدر چچا تھے، آپ ﷺ نے ان کی زکوٰۃ کو اپنے ذمہ اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ نے ان سے دو سالوں کی (ایک ہی مرتبہ زکوٰۃ پہلے ہی سے وصول کر لی تھی یعنی ان کی طرف سے سال رواں کی زکوٰۃ بھی آپ کے پاس آچکی تھی کہ جس کا مطالبہ کیا جارہا تھا اور آئندہ سال کی زکوٰۃ بھی لے لی تھی جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنے ارشاد گرامی و مثلھا معھا کے ذریعہ واضح بھی فرمایا۔

عامل کسی سے ہدیہ و تحفہ قبول نہ کرے

⑧ وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِنِ السَّاعِدِیِّ قَالَ اسْتَعْمَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِّنَ الْاَزْدِ یُقَالُ لَہُ ابْنُ اللُّتْبِیَّۃِ عَلَی الصَّدَقَۃِ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ ھٰذَا لَکُمْ وَھٰذَا اُھْدِیَ لِیْ فَخَطَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَسْتَعْمِلُ رِجَالًا مِّنْکُمْ عَلٰی اُمُوْرٍ مِّمَّا وَلَّانِیَ اللّٰہُ فَیَاْتِیْ اَحَدُھُمْ فَیَقُوْلُ ھٰذَا لَکُمْ وَھٰذِہٖ ھَدِیَّۃٌ اُھْدِیَتْ لِیْ فَھَلَّا جَلَسَ فِیْ بَیْتِ اَبِیْہِ اَوْبَیْتِ اُمِّہٖ فَیَنْظُرَ اَیُھْدٰی لَہٗ اَمْ لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یَاْخُذُ اَحَدٌ مِنْہُ شَیْئًا اِلَّا جَآءَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَحْمِلُہٗ عَلٰی رَقَبَتِہٖ اِنْ کَانَ بَعِیْرًا لَّہٗ رُغَآءٌ اَوْ بَقَرًا لَّہٗ خُوَارٌ اَوْ شَاۃً تَیْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی رَاَیْنَا عُفْرَۃَ اِبْطَیْہِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ قَالَ الْخَطَّابِیُّ وَفِیْ قَوْلِہٖ ھَلَّا جَلَسَ فِیْ بَیْتِ اُمِّہٖ اَوْ اَبِیْہِ فَیَنْظُرَ اَیُھْدٰی اِلَیْہِ اَمْ لَا دَلِیْلٌ عَلٰی اَنَّ کُلَّ اَمْرٍ یَتَذَرَّعُ بِہٖ اِلٰی مَحْظُوْرٍ فَھُوَ مَحْظُوْرٌ وَکُلُّ دَخِیْلٍ فِی الْعُقُوْدِ یُنْظَرُ ھَلْ یَکُوْنُ حُکْمُہٗ عِنْدَ الْاِنْفِرَادِ کَحُکْمِہٖ عِنْدَ الْاِقْتِرَانِ اَمْ لَا ھٰکَذَا فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ۔

"اور حضرت ابوحمید ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو کہ جس کا نام ابن لتبیہ تھا زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر فرمایا چنانچہ جب وہ شخص (زکوٰۃ وصول کر کے) مدینہ (واپس آیا (تو مسلمانوں سے) کہنے لگا کہ "اتنا مال تو تمہارا ہے (یعنی یہ مال زکوٰۃ میں وصول ہوا ہے۔ اس کے مستحق تم ہو) اور یہ اتنا مال تحفہ کے طور پر مجھے دیا گیا ہے (جب نبی کریم ﷺ نے (یہ سنا تو آپ ﷺ نے) لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں پہلے تو آپ نے خدا کی حمد و ثنا بیان کی اور اس کے بعد فرمایا کہ "بعد ازاں! میں تم میں سے چند آدمیوں کو ان امور کے لئے مقرر کرتا ہوں جن کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے حاکم بنایا ہے، چنانچہ تم میں سے ایک شخص (جسے میں نے زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر کیا ہے (اپنا کام کر کے) آتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ تمہارے لئے ہے اور یہ مال مجھے تحفہ میں دیا گیا ہے۔ (اور اس سے پوچھو تو وہ شخص) اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہیں بیٹھا رہا (کہ تحفہ دینے والے اسے گھر ہی بیٹھے تحفہ بھیج دیتے) تب وہ دیکھتا کہ اس کے پاس تحفہ بھیجا جاتا ہے یا نہیں؟ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! (یاد رکھو) تم میں سے جو شخص کوئی بھی چیز لے گا اسے وہ قیامت کے دن (رسوائی وذلت کے طور پر) اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا اگر وہ اونٹ ہوگا (کہ جس کو اس نے بغیر استحقاق لیا ہوگا) تو اس کی آواز ہوگی، اگر وہ بیل ہوگا تو اس کی آواز ہوگی اور اگر وہ بکری ہوگی تو اس کی آواز ہوگی (یعنی وہ دنیا میں جو بھی چیز بغیر استحقاق کے لے گا وہی چیز قیامت کے دن اس کی گردن پر سوار ہوگی اور بولتی ہوگی، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنے دونوں دست مبارک (اتنے اونچے) اٹھائے کہ ہم نے آپ ﷺ کی مبارک بغلوں کی سفیدی دیکھی پھر فرمایا "اے پروردگار! تو نے جو کچھ فرمایا تھا) میں نے لوگوں تک پہنچا دیا، اے پروردگار میں نے لوگوں تک پہنچا دیا" (بخاری، مسلمؒ) اور خطابیؒ نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی "وہ شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہیں بیٹھا رہا اور تب وہ دیکھتا کہ اس کے پاس تحفہ بھیجا جاتا ہے یا نہیں؟" کے بارہ میں فرمایا ہے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کسی حرام کام کے لئے جس چیز کو وسیلہ بنایا جائے گا تو وہ وسیلہ بھی حرام ہوگا، نیز اگر کسی ایک عقد (معاملہ) کو دوسرے عقد (مثلاً خرید و فروخت ہبہ اور نکاح وغیرہ) سے متعلق کیا جائے تو اس وقت دیکھا جائے گا کہ آیا ان معاملوں کا علیحدہ علیحدہ حکم ان کے ایک

ساتھ متعلق ہونے کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں! اگر ہے تو درست ہوگا اور اگر نہیں ہے تو درست نہیں ہوگا۔ (شرح السنۃ)

تشریح : ارشاد گرامی "وہ دیکھتا کہ اس کے پاس تحفہ بھیجا جاتا ہے یا نہیں" کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو تحفہ و تحائف کی پیش کش اس کی ذات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کے عہدہ کی وجہ سے ہے، اگر وہ زکوۃ وصول کرنے کے لئے عامل مقرر نہیں کیا جاتا بلکہ وہ اپنے گھر بیٹھا رہتا ہے تو اسے کوئی تحفہ کیوں دیتا؟۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر عامل کو اس کا کوئی عزیز و دوست تحفہ دے تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس کے لئے اس تحفہ کی پیش کش اس کے عامل ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اپنے تعلقات اور دیرینہ مراسم کی وجہ سے ہے اور یہ ہمیشہ کا معمول ہے تو وہ تحفہ اس کے لئے جائز ہوگا اور اگر تحفہ کی پیش کش محض اس کے عہدے کی وجہ سے ہوگی تو وہ تحفہ اس کے لئے جائز نہیں ہوگا جیسا کہ قاضی اور دیگر حکام کے بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی قاضی و حاکم کی دعوت کی جائے یا اسے کوئی تحفہ دیا جائے تو وہ اسے اس وقت قبول کر سکتا ہے جب کہ وہ یہ جانے کہ یہ پیش کش میرے موجود عہدہ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے اور ہمیشہ کے معمول کے مطابق ہے۔

مگر ابن ملکؒ یہ فرماتے ہیں کہ عامل (حاکم) کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کا تحفہ قبول کرے کیونکہ تحفہ کی پیش کش کا واحد پس منظر اس کی یہ خواہش ہی ہوتی ہے کہ عامل زکوۃ میں سے کچھ حصہ چھوڑ دے (اور حاکم اس کے ساتھ غیر قانونی رعایت کا معاملہ کرے) اور یہ مطلقاً جائز نہیں ہے۔

خطابی علیہ الرحمۃ اس حدیث سے دو قاعدے اور شرعی اصول ثابت کر رہے ہیں، پہلا قاعدہ اور شرعی اصول یہ بیان فرما رہے ہیں کہ اگر کسی حرام چیز کے حصول کی خاطر کسی مباح اور جائز چیز کو وسیلہ اور ذریعہ بنایا جائے گا تو وہ مباح و جائز چیز بھی ایک حرام مقصد کا وسیلہ ہونے کی وجہ سے حرام ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ کوئی شخص ناجائز نفع اور سود حاصل کرنے کے لئے کسی شخص کو قرض دیتا ہے ظاہر ہے کہ قرض دینا ایک جائز فعل ہے مگر چونکہ قرض دینے والے نے سود حاصل کرنے کے لئے قرض دیا ہے اس لئے اس کا قرض دینا بھی حرام ہو جائے، اسی

طرح گھر کہ کوئی شخص اسے اس لئے بطور رہن و گروی لے کہ اس میں بغیر کرایہ کے سکونت اختیار کرے یا جانور کہ اسے رہن لیا جائے اور پھر بغیر معاوضہ کے اس پر سواری کرے یا اس سے دوسرا فائدہ حاصل کرے۔

دوسرا قاعدہ اور شرعی اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر دو الگ الگ عقود (معاملوں) کو ایک دوسرے کے ساتھ متعلق کیا جائے تو اس وقت یہ دیکھا جائے گا کہ ان دونوں معاملوں کا الگ الگ حکم ان دونوں کے ایک ساتھ متعلق ہونے کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں؟ یعنی اگر وہ معاملے الگ الگ جائز ہو سکتے ہیں تو دونوں ایک دوسرے کے ساتھ متعلق ہو کر بھی جائز رہیں گے اور اگر دونوں معاملے الگ الگ درست نہیں ہوتے ہیں تو دونوں ایک دوسرے کے ساتھ متعلق ہو کر بھی درست نہیں ہوں گے۔ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے کو دس روپیہ کی چیز سو روپے میں فروخت کرے تاکہ وہ اسے ایک ہزار روپیہ قرض دے اور اس قرض کا نفع (سود) اس چیز کی قیمت کے طور پر وصول کرے یعنی جیسے اس صورت میں نوے روپے قرض دینے والے کو مل گئے جو اس کے قرض کا نفع (سود) ہوگیا یہ صورت جائز نہیں ہے کیونکہ اگر وہ دس روپیہ کی چیز سو روپیہ کو بیچتا اور خریدار کو قرض کا لالچ نہ ہوتا تو وہ ہرگز اتنی زائد قیمت پر نہ لیتا۔

اور جہاں دو معاملے ایسے ہوں کہ اگر ایک کو دوسرے سے الگ کر دیں تو بھی جائز اور درست ہوں جیسے اس صورت مذکورہ میں دس روپیہ کی چیز دس ہی روپیہ میں بیچی جاتی اور ایک ہزار روپیہ قرض بھی دیتا تو چونکہ یہ دونوں معاملے الگ الگ جائز ہوئے اس لئے ایک دوسرے سے متعلق یک جا ہو کر بھی درست ہوں گے۔

خطابیؒ نے حدیث سے جو یہ دو قاعدے مستنبط کئے ہیں ان میں سے پہلا قاعدہ تو بلا اختلاف سب کے ہاں قابل قبول ہے اس لئے کہ

تمام ائمہ کے مسلک میں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ وسائل و ذرائع چونکہ مقاصد ہی کے حکم میں ہوتے ہیں اس لئے نیکی کا وسیلہ بھی نیکی ہی ہوگا اور برائی کا وسیلہ بھی برائی ہوگا۔

لیکن دوسرا قاعدہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے ہاں تو قابل قبول ہے کیونکہ وہ ہر اس حیلہ (تدبیر) کو ناجائز قرار دیتے ہیں جس کے ذریعہ سے ربوا (سود) وغیرہ کی حرمت سے بچ جائے گا مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ اس دوسرے قاعدہ کو نہیں مانتے کیونکہ ان حضرات کے ہاں حیلہ مباح ہے۔ تاہم اتنی بات ملحوظ رہے کہ اگرچہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اس قاعدہ کے قائل نہیں ہیں لیکن اس قاعدہ کی جو مثال بیان کی گئی ہے وہ صورت امام صاحبؒ کے نزدیک بھی ایک دوسرے شرعی قاعدہ کے مطابق جائز نہیں ہے۔ چونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک حیلہ کی بعض صورتیں درست ہیں اس مناسبت سے کہا گیا ہے کہ وہ خطابی کے ذکر کردہ دوسرے قاعدہ کے قائل نہیں ہیں۔

عامل زکوٰۃ میں خیانت نہ کرے

(۹) وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ عُمَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلٰى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهٗ كَانَ غُلُوْلًا يَّأْتِيْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عدی ابن عمیرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہم تم میں سے جس کسی کو کسی کام (یعنی زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنے) پر مقرر کریں اور وہ شخص ہم سے سوئی کے برابر یا اس سے کم و بیش کسی چیز کو چھپائے تو یہ خیانت میں شمار ہوگا جو اسے قیامت کے روز (رسوا کر کے) لائے گا۔" (مسلمؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

مانعین زکوٰۃ کو قرآن کی تنبیہ

(۱۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ كَبُرَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ اَنَا اُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنَّهٗ كَبُرَ عَلٰى اَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكَاةَ اِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَاِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيْثَ وَذَكَرَ كَلِمَةً لِتَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَبَّرَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اَلَا اُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ الْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَاِذَا اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں (آخر تک) نازل ہوئی تو صحابہؓ بڑے متفکر ہوئے (ان کی حالت دیکھ) کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تمہارے اس فکر کو (ابھی) دور کئے دیتا ہوں چنانچہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! یہ آیت تو آپ ﷺ کے صحابہ پر بڑا بار ہوگئی ہے؟ آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو اسی لئے فرض کیا ہے تاکہ وہ تمہارے باقی مال کو پاک کردے نیز اللہ تعالیٰ نے میراث کو اس لئے مقرر کیا ہے اور اس کے بعد آپ نے کلمہ ذکر فرمایا تاکہ جو لوگ تمہارے بعد رہ جائیں وہ ان کا حق ہو جائے" حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے (یہ سن کر اس جوش مسرت سے ایک مشکل آسان ہوگئی) اللہ اکبر کہا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ "کیا میں تمہیں ایک ایسی بہترین چیز نہ بتادوں جسے انسان اپنے پاس رکھ کر خوش ہو اور وہ نیک بخت عورت ہے کہ اس کی طرف مرد دیکھے تو اس کی طبیعت خوش ہو، جب وہ اسے کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت کرے، اور جب وہ گھر میں موجود نہ ہو تو اس کے بچوں کی حفاظت کرے۔" (ابوداؤد)

تشریح: قرآن حکیم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کو انتباہ فرمایا ہے وہ پوری آیت یوں ہے: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور پھر اس میں سے خدا کی راہ میں کچھ خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے۔

یعنی جو لوگ مال و دولت جمع کرتے ہیں اور اس مال کا حق نہیں نکالتے بایں طور کہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور خدا نے اس مال کو جس جس طرح اور جن جگہوں پر خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے اس طرح خرچ نہیں کرتے تو انہیں آگاہ کر دیجئے کہ عنقریب وہ دن آنے والا ہے جب انہیں اس جرم کی سزا ملے گی اور وہ دردناک عذاب میں مبتلا کئے جائے گے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ان کے مال کو دوزخ کی آگ میں تپا تپا کر اس سے ان مالداروں کی پیشانیوں اور ان کے پہلو داغے جائیں گے (جیسا کہ پہلے ایک حدیث نے اس کی وضاحت کی ہے)۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہؓ بڑے متفکر ہوئے اور انہیں بڑا خوف معلوم ہوا کیونکہ وہ آیت کے ظاہری مفہوم سے یہ سمجھے کہ مطلقاً مال جمع کرنا شریعت کی نظر میں بڑا سخت جرم ہے جس کے بارہ میں یہ آیت آگاہ کر رہی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کی یہ کیفیت دیکھ کر آنحضرت ﷺ سے اس کے بارہ میں عرض کیا اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ زکوٰۃ تو اسی لئے فرض کی گئی ہے کہ اس کی ادائیگی سے بقیہ مال پاک ہو جائے، جب مال میں سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے گی تو جو مال باقی رہ گیا ہے وہ پاک ہو جائے گا اب اگر وہ مال جمع کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لہٰذا آیت کریمہ میں جو وعید بیان فرمائی گئی ہے وہ مطلقاً مال جمع کرنے کے بارہ میں نہیں ہے بلکہ وہ اس صورت کے لئے ہے کہ مال جمع کیا ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے، اگر کوئی شخص زکوٰۃ نکال کر مال جمع کرے تو اس کے لئے کوئی وعید نہیں ہے۔

وذکر کلمۃ (اور اس کے بعد آپ نے ایک اور کلمہ ذکر کیا) یہ جملہ حدیث کے راوی حضرت ابن عباسؓ کا ہے، یعنی حضرت ابن عباسؓ اس موقع پر یہ فرما رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وانما فرض المواریث کے بعد ایک جملہ اور ارشاد فرمایا تھا مگر وہ جملہ کیا تھا؟ اب مجھے یاد نہیں رہا، اب تو مجھے صرف اسی قدر یاد ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے میراث کو اسی لئے فرض قرار دیا ہے تاکہ وہ (تمہارا مال) تمہارے بعد والوں (یعنی تمہارے وارثوں) کا حق ہو جائے۔ گویا اس بات سے بھی آنحضرت ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ اگر مطلقاً مال جمع کرنا شریعت کی نظر میں قابل نفریں فعل ہوتا تو اللہ تعالیٰ نہ زکوٰۃ کو فرض قرار دیتا اور نہ میراث فرض قرار پاتی "زکوٰۃ اور میراث" کا فرض ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ جائز طریقوں سے جمع کرنا برا نہیں ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اس مال کا حق (یعنی زکوٰۃ و صدقہ) ادا ہوتا رہنا چاہئے۔

جب آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے بتایا کہ جب تک زکوٰۃ ادا ہوتی رہے مال جمع کرنا ممنوع نہیں ہے اور صحابہؓ نے ایک الجھن اور خوف سے نکل کر اطمینان و خوشی محسوس کی تو آپ ﷺ نے ان کی کیفیت کے پیش نظر ان کو اس چیز کی طرف رغبت دلائی جو مال سے بہر صورت بہتر یعنی عورت گویا اس بارہ میں آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ نیک بخت و خوبصورت بیوی مال سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے کیونکہ روپیہ پیسہ اور سونا چاندی کسی کے پاس ٹھہرنے والی چیز نہیں ہے پھر یہ کہ سونے چاندی کو جمع کر کے اپنے خزانہ میں محفوظ رکھو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نہ اس سے کوئی نفع اور نہ راحت ہاں جب اپنی کسی ضرورت کے تحت اسے خرچ کرو اور وہ تمہارے نے جائے تو صرف اس وقت وہ تمہارے کام آتے بخلاف بیوی کے وہ جب تک تمہارے ساتھ ہے تمہاری رفیق حیات اور باعث راحت بنی رہتی ہے۔ جب تم اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہو تو تمہاری طبیعت خوش ہو جاتی ہے تمہیں کوئی ضرورت ہوتی ہے تو وہ فوراً اسے پورا کرتی ہے جب تم اسے کوئی حکم کرتے ہو تو فوراً اطاعت کرتی ہے، ہر وقت تمہاری نفسیاتی سکون و راحت کا ذریعہ بنی رہتی ہے جب تم گھر سے باہر نکلتے ہو تو تمہارے بچوں اور تمہارے مال و اسباب کی نگہبان ہوتی ہے اور اس سے تمہاری اولاد پیدا ہوتی ہے جو نہ صرف یہ کہ زندگی میں تمہاری قوت بازو بنتی ہے بلکہ مرنے کے بعد تمہاری جانشین ہو کر خاندان کا نام زندہ و روشن رکھتی ہے۔ اس

طرح عورت سے بہت زیادہ منفعت اور راحت حاصل ہوتی ہے پھر یہ کہ بیوی نہ صرف یہ کہ اپنے شوہر کی دنیاوی زندگی میں اطمینان و سکون اور خوشی مسرت کے سدا بہار پھول کھلاتی ہے بلکہ اخروی طور پر اس کو بہت برے افعال اور برے کاموں سے روکتی ہے یہی وجہ ہے کہ ایک مرفوع روایت میں یہ منقول ہے کہ "جس شخص نے نکاح کیا اس نے اپنا دو تہائی دین مضبوط کر لیا"۔

عاملین کو خوش رکھو

(۱۱) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَأْتِيْكُمْ رُكَيْبٌ مُبْغَضُوْنَ فَإِنْ جَآءُوْكُمْ فَرَحِّبُوْا بِهِمْ وَخَلُّوْا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَبْتَغُوْنَ فَإِنْ عَدَلُوْا فَلِأَنْفُسِهِمْ وَإِنْ ظَلَمُوْا فَعَلَيْهِمْ وَأَرْضُوْهُمْ فَإِنَّ تَمَامَ زَكَاتِكُمْ رِضَاهُمْ وَلْيَدْعُوْا لَكُمْ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جابر بن عتیک کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تمہارے پاس ایک چھوٹا سا قافلہ آئے گا (یعنی زکوٰۃ وصول کرنے کے عامل آئیں گے) جو مبغوض ہوں گے (یعنی طبعی طور پر لوگ ان سے متنفر ہوں گے کیونکہ وہ ان کا مال لینے آئیں گے) لہٰذا جب تمہارے پاس وہ قافلہ آئے تو تم انہیں مرحبا (خوش آمدید) کہو اور (ان کی خدمت میں زکوٰۃ کا مال حاضر کر دو گویا) ان کے اور ان کی طلب کردہ چیز یعنی زکوٰۃ کے درمیان کوئی چیز حائل و مانع نہ رکھو، لہٰذا اگر وہ زکوٰۃ لینے کے بارہ میں عدل سے کام لیں گے تو یہ اپنے لئے کریں گے (کہ عدل کا ثواب پائیں گے) اور اگر ظلم کا معاملہ کریں گے تو اس کا وبال ان پر ہوگا، تم تو زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو راضی کرو اور (جان لو کہ) تمہاری طرف سے پوری زکوٰۃ کی ادائیگی ہی ان کی رضامندی ہے نیز عامل (وصول کرنے والے) کو چاہئے کہ وہ تمہارے لئے دعا کرے۔" (ابوداؤد)

تشریح: وان ظلموا (اور اگر ظلم کا معاملہ کریں گے) کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے کے معاملہ میں اگرچہ تم اپنے گمان و طبیعت کے مطابق یہی کیوں نہ جانو کہ عامل تمہارے ساتھ ظلم کر رہا ہے پھر بھی ان کو راضی کرو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر بفرض محال وہ ظلم بھی کریں تو تم ان کی رضا کا پھر بھی خیال کرو، اس صورت میں کہا جائے گا کہ آپ نے یہ جملہ بطور مبالغہ کے ارشاد فرمایا ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ عامل کو راضی کرنے کی کتنی اہمیت ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص حقیقۃً اور واقعۃً ظلم ہی کرے تو اس کو راضی کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔

وارضوھم کا مطلب جیسا کہ خود حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ تم زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو خوش و راضی کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑو بایں طور کہ زکوٰۃ کا جو مال تم پر شرعی طور پر واجب ہے اس کی ادائیگی میں خیانت اور کوتاہی کا معاملہ نہ کرو بلکہ انہیں پوری زکوٰۃ ادا کرو۔

اگرچہ ادائیگی زکوٰۃ کا اصل فریضہ مال ادا کرتے ہی پورا ہو جاتا ہے پھر بھی زکوٰۃ وصول کرنے والے کو خوش کرنا ادائیگی زکوٰۃ کا جزو کمال ہے لہٰذا اس بارہ میں بھی احتیاط رکھنے کی ضرورت ہے۔

جو شخص زکوٰۃ وصول کرنے جائے اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ زکوٰۃ دینے والے کے حق میں رحمت و برکت اور خیر و بھلائی کی دعا کرے۔

(۱۲) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ جَآءَ نَاسٌ يَعْنِيْ مِنَ الْأَعْرَابِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا إِنَّ نَاسًا مِّنَ الْمُصَدِّقِيْنَ يَأْتُوْنَا فَيَظْلِمُوْنَا فَقَالَ أَرْضُوْا مُصَدِّقِيْكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَإِنْ ظَلَمُوْنَا قَالَ أَرْضُوْا مُصَدِّقِيْكُمْ وَإِنْ ظُلِمْتُمْ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ دیہات کے کچھ لوگ رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کچھ لوگ ہمارے پاس آتے ہیں اور ہمارے ساتھ ظلم کا معاملہ کرتے ہیں" آپ نے ان سے فرمایا کہ زکوٰۃ وصول

کرنے والوں کو راضی کرو" انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگرچہ وہ ہم پر ظلم ہی کیوں نہ کریں؟ آپ نے فرمایا تم تو زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو راضی ہی کرو اگرچہ تمہارے ساتھ ظالم ہی کا معاملہ کیوں نہ کیا جائے۔" (ابوداؤد)

تشریح: نفسیاتی بات یہ ہے کہ جس شخص کے پاس سے مال جاتا ہے اس کے دل میں کچھ نہ کچھ تنگی ہوتی ہے اسی لئے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کی طرف سے بھی زکوٰۃ دینے والوں کے دل میں کچھ اچھے خیالات نہیں ہوتے۔ اسی لئے آپ نے ان دیہاتیوں سے فرمایا کہ اپنے مال سے نفسیاتی اور طبعی طور پر محبت ہونے کی وجہ سے اگرچہ تم یہی سمجھو اور تمہارا گمان یہی ہو کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے ہمارے ساتھ ظلم کا معاملہ کر رہے ہیں مگر تم اس صورت میں بھی انہیں راضی اور خوش کرنے کی کوشش کرو۔

زکوٰۃ کا کچھ حصہ چھپانا یا روکنا ناجائز ہے

(۱۳) وَعَنْ بَشِيْرِ بْنِ الْخَصَاصِيَةِ قَالَ قُلْنَا اِنَّ اَهْلَ الصَّدَقَةِ يَعْتَدُوْنَ عَلَيْنَا اَفَنَكْتُمُ مِنْ اَمْوَالِنَا بِقَدْرِ مَا يَعْتَدُوْنَ قَالَ لَا (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت بشیر ابن خصاصیہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ زکوٰۃ لینے والے ہمارے اوپر زیادتی کرتے ہیں (یعنی زکوٰۃ میں مقدار واجب سے زیادہ لیتے ہیں) تو کیا ہم اپنے مال میں سے اتنا حصہ چھپالیں جتنا کہ وہ ہم سے زائد وصول کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔" (ابوداؤد)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے زکوٰۃ کے مال میں سے کسی قدر بھی چھپانے یا روکنے کی اجازت اس لئے عطا نہیں فرمائی کہ غالباً وہ لوگ تو اپنے گمان کے مطابق یہی سمجھتے تھے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے ان سے مقدار واجب سے بھی زیادہ زکوٰۃ وصول کرتے ہیں حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا بلکہ وہ مقدار واجب ہی وصول کرتے تھے۔

عامل کا اجر

(۱۴) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلٰى بَيْتِهٖ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت رافع ابن خدیج راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا حق کے ساتھ زکوٰۃ وصول کرنے والا عامل، خدا کی راہ میں (جہاد کرنے والے) غازی کی طرح ہے جب تک کہ وہ اپنے گھر لوٹ کر آئے۔" (ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: حق کے ساتھ کا مطلب یہ ہے کہ عامل چونکہ طلب ثواب اور اللہ کی رضاء حاصل کرنے کی خاطر زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے اس لئے اس کے صدق و اخلاص کی بناء پر اسے غازی کے ثواب کی مانند ثواب عنایت فرمایا جاتا ہے۔

زکوٰۃ لینے دینے والوں کے لئے ایک ہدایت

(۱۵) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ اِلَّا فِيْ دُوْرِهِمْ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا زکوٰۃ وصول کرنے والا (زکوٰۃ کے لئے) مویشیوں کو نہ کھینچ منگوائے اور نہ مویشیوں کا مالک دور چلا جائے نیز مویشیوں کی زکوٰۃ ان کے مکان ہی میں لی جائے۔" (ابوداؤد)

تشریح: جلب کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا زکوٰۃ دینے والوں کے مکانوں سے دور کسی مقام پر مقیم ہو اور زکوٰۃ لینے کے لئے مویشیوں کو وہاں منگا بھیجے۔

جنب کا مطلب یہ ہے کہ مویشیوں کا مالک اپنے مکان سے دور چلا جائے اور زکوٰۃ وصول کرنے والا زکوٰۃ لینے کے لئے تکالیف و پریشانیاں برداشت کر کے وہاں پہنچے۔ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں باتوں سے منع کیا ہے کیونکہ پہلی صورت میں زکوٰۃ دینے والے کو تکالیف و پریشانی ہوتی ہے اور دوسری صورت میں زکوٰۃ وصول کرنے والا پریشانیوں میں مبتلا ہوتا ہے حدیث کا آخری جملہ اس ممانعت کی تاکید کے طور پر استعمال فرمایا گیا ہے، گویا حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ نہ زکوٰۃ دینے والے دور چلے جائیں اور نہ زکوٰۃ وصول کرنے والے دور کسی مقام پر قیام کرے بلکہ زکوٰۃ دینے والوں کے قریب ہی اترتے اور ان کے گھروں میں باری باری جا کر زکوٰۃ لے لیا کرے۔

مال مستفاد کی زکوٰۃ کا مسئلہ

(۱۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكٰوةَ فِيْهِ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَذَكَرَ جَمَاعَةً اَنَّهُمْ وَقَفُوْهُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس کسی کو مال حاصل ہوا تو اس پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جب تک کہ ایک سال نہ گزر جائے" امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ایک جماعت کے بارہ میں کہا ہے کہ اس نے اس حدیث کو حضرت ابن عمرؓ پر موقوف کیا ہے (یعنی یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی نہیں ہے بلکہ خود حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے۔"

تشریح: پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ "مال مستفاد" کسے کہتے ہیں؟ فرض کیجئے کہ آپ کے پاس اسی بکریاں موجود ہیں جن پر ابھی سال پورا نہیں ہوا ہے اسی درمیان میں اکتالیس بکریاں اور آپ کو حاصل ہو جاتی ہیں خواہ وہ میراث میں حاصل ہوئی ہوں یا تجارت سے منافع کی صورت میں اور خواہ کسی نے آپ ﷺ کو ہبہ کر دی ہوں۔ بہر حال اس طرح بکریوں کی تعداد اسی کی بجائے ایک سو اکیس ہو گئی۔ چنانچہ یہ اکتالیس بکریاں۔ جو آپ کو درمیان سال حاصل ہوئی ہیں "مال مستفاد" کہلائیں گی۔ گویا مال مستفاد کی تعریف یہ ہوئی کہ وہ مال کی جنس سے ہو اور درمیان سال حاصل ہوا ہو۔

اب اس حدیث کی طرف آیئے! ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص پر مال کی وجہ سے زکوٰۃ فرض ہو اور سال کے درمیان اسے کچھ مزید مال پہلے سے موجود مال ہی کی جنس سے (مثلاً پہلے سے بکریاں موجود ہوں تو بکریاں ہی یا پہلے سے گائیں موجود ہوں تو گائیں ہی) ملے تو بعد میں حاصل ہونے والے اس مال پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب تک کہ اس مال پر پورا سال نہ گزر جائے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اصل (یعنی پہلے سے موجود) مال ہی پر پورا سال گزر جانا کافی ہے بعد میں حاصل ہونے والے مال پر پورے سال گزرے یا نہ گزرے زکوٰۃ مجموعہ مال پر واجب ہو جائے گی۔

اس اختلاف کو مثال کے طور پر یوں سمجھے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس اسی بکریاں ہیں جن پر ابھی چھ مہینے ہی گزرے تھے کہ پھر اسے اکتالیس بکریاں حاصل ہو گئیں چاہے تو انہیں اس نے خریدا ہو چاہے اسے وراثت میں ملی ہوں یا کسی اور طرح اس نے حاصل کی ہوں تو ان بعد میں ملنے والی اکتالیس بکریوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ ہاں اگر ان بکریوں پر بھی ان کو خریدنے یا وراثت میں حاصل ہونے کے وقت سے ایک سال پورا ہو جائے گا تو زکوٰۃ واجب ہوگی حضرت امام شافعیؒ اور ان کے ساتھ ہی حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔ مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک وہ مال مستفاد (جو بعد میں حاصل ہوا ہے) اصل (یعنی پہلے سے موجود مال) کے تابع ہوگا، جب پہلے سے موجود اسی بکریوں پر ایک سال گزر جائے گا تو مجموعہ بکریوں پر زکوٰۃ میں دو بکریاں نکالنا واجب

ہو جائے گا کیونکہ بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب چالیس ہے یعنی چالیس سے کم بکریوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ بلکہ چالیس سے ایک سو بیس کی تعداد پر ایک بکری واجب ہوتی ہے۔ جب تعداد ایک سو اکیس ہو جاتی ہے تو دو بکریاں واجب ہو جاتی ہیں لہٰذا مذکورہ بالا صورت میں پہلے اور بعد کی بکریوں کی مجموعی تعداد چونکہ ایک سو اکیس ہو گئی اس لئے دو بکریاں واجب ہوں گی۔

اب رہ گئی یہ بات کہ حدیث سے تو بظاہر حضرت امام شافعیؒ ہی کے مسلک کی تائید ہو رہی ہے تو اس بارہ میں حنفی علماء کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ اس حدیث کے وہ معنی ہیں ہی نہیں جو شافعی حضرات بیان کرتے ہیں بلکہ اس کا تو مفہوم یہ ہے کہ جو شخص ابتدائی طور پر مال پائے اور حاصل کرے تو اس پر زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ مال پر ایک سال گزر جائے لہٰذا حدیث میں مال سے مستفاد مراد نہیں ہے۔

سال پورا ہونے سے پہلے ہی زکوٰۃ ادا کر دینا جائز ہے

(۱۷) وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَعْجِيْلِ صَدَقَةٍ قَبْلَ اَنْ تَحِلَّ فَرَخَّصَ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے رسول کریم ﷺ سے سال پورا ہونے سے پہلے ہی زکوٰۃ جلدی ادا کر دینے کے بارہ میں پوچھا تو آپ ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔" (ابوداؤد، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: حنفیہ اور اکثر ائمہ کے نزدیک یہ بات جائز اور درست ہے کہ مال پر سال پورا ہونے سے پہلے ہی زکوٰۃ ادا کر دی جائے بشرطیکہ زکوٰۃ دینے والے نصاب شرعی کا مالک ہو۔

نابالغ کے مال کی زکوٰۃ کا مسئلہ

(۱۸) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ اَلَا مَنْ وَلِيَ يَتِيْمًا لَهٗ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيْهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتّٰى تَاْكُلَهُ الصَّدَقَةُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ فِيْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ لِاَنَّ الْمُثَنّٰى ابْنَ الصَّبَّاحِ ضَعِيْفٌ

"حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا (یعنی عبداللہؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا۔ خبردار! جو شخص کسی یتیم کا نگہبان ہو اور وہ یتیم (بقدر نصاب) مال کا مالک ہو تو اس نگہبان کو چاہئے کہ وہ اس مال سے تجارت کرے بغیر تجارت اس مال کو نہ رکھ چھوڑے کہ اسے زکوٰۃ ہی کھا جائے۔ (یعنی زکوٰۃ دیتے ہوئے پورا مال ہی صاف ہو جائے) اس روایت کو ابوداؤد و ترمذی نے نقل کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد میں کلام کیا گیا ہے کیونکہ روایت کے ایک راوی "مثنی ابن صباح" ضعیف ہیں۔"

تشریح: حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ نابالغ کے مال میں بھی زکوٰۃ فرض ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نابالغ خواہ یتیم نہ ہو بہرصورت اس کے مال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے کیونکہ ایک دوسری روایت میں یہ ارشاد گرامی ہے کہ "تین اشخاص کو مکلف کرنے سے قلم روک لیا گیا ہے (یعنی ان تینوں کو شریعت نے مکلف قرار نہیں دیا ہے) ایک تو سونے والا شخص جب تک کہ وہ جاگے نہیں۔ دوسرا نابالغ جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے اور تیسرا دیوانہ جب تک کہ اس کی دیوانگی ختم نہ ہو جائے"۔ اس روایت کو ابوداؤد و نسائی اور حاکم نے نقل کیا ہے۔ نیز حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

مانعین زکوٰۃ سے حضرت ابوبکرؓ کا اقدام

(۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ اَبُوْبَکْرٍ بَعْدَهٗ وَ کَفَرَ مَنْ کَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِاَبِیْ بَکْرٍ کَیْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّیْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ اِلاَّ بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَی اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ وَّ اللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّکَاةِ فَاِنَّ الزَّکَاةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عَنَاقًا کَانُوْا یُؤَدُّوْنَهَآ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰی مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ فَوَاللّٰهِ مَاهُوَ اِلاَّ رَاَیْتُ اَنَّ اللّٰهَ شَرَحَ صَدْرَ اَبِیْ بَکْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا اور آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ قرار پائے تو اہل عرب میں سے جنہیں کافر ہوگئے (یعنی زکوٰۃ کے منکر ہوگئے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا) حضرت عمر فاروقؓ نے (یہ فیصلہ سن کر) حضرت ابوبکر صدیقؓ سے عرض کیا کہ "آپ لوگوں (یعنی اہل ایمان) سے کیونکر جنگ کریں گے! جب کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں (یعنی اسلام لے آئیں) لہٰذا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا یعنی اسلام قبول کرلیا اس نے مجھ سے اپنی جان اور اپنا مال محفوظ کرلیا سوائے اسلام کے حق کے اور اس (کے باطن کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا خدا کی قسم میں اس شخص سے ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور روزہ کے درمیان فرق کرے کیونکہ (جس طرح جان کا حق نماز ہے اسی طرح) بلاشبہ مال کا حق زکوٰۃ ہے اللہ کی قسم! اگر وہ لوگ (جو منکر زکوٰۃ ہو رہے ہیں مجھے بکری کا بچہ بھی نہ دیں گے جو وہ رسول کریم ﷺ کو دیتے تھے تو میں ان کے اس انکار کی وجہ سے ان سے جنگ کروں گا۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر کہنے لگے خدا کی قسم! اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے کہ میں نے جان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کرنے کے لئے (الہام کے ذریعہ) حضرت ابوبکرؓ کا دل کھول دیا ہے (یعنی پر یقین کر دیا ہے) لہٰذا مجھے بھی یقین ہوگیا کہ اب یہی (یعنی منکرین زکوٰۃ سے جنگ ہی حق اور درست ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: جب نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول قرار پائے تو کچھ نئے فتنوں نے سر ابھارنا چاہا۔ اس بارے میں ہم نے دسویں قسط میں "تذکرہ صدیق" کے تحت کچھ روشنی ڈالی تھی اور وہاں ان فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے خصوصیت سے "فتنہ ارتداد" کو ذکر کیا تھا جس کے متعلق بتایا تھا کہ اس عظیم فتنہ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کتنی جرات اور تدبر کے ساتھ ختم کیا اور وہ موت کے گھاٹ اتر گیا۔

مذکورہ بالا حدیث میں اسی قسم کے ایک اور فتنہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کی صورت یہ ہوئی کہ کچھ قبائل مثلاً غطفان اور بنی سلیم وغیرہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اس طرح انہوں نے اسلام کے اس اہم اور بنیادی فریضہ کا انکار کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ کسی فریضہ پر عمل نہ کرنا اور بات ہے مگر اس فریضہ کا سرے سے انکار ہی کر دینا ایک دوسرے معنی رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منکرین زکوٰۃ کے بارے میں کفر (وہ کافر ہوگئے) حقیقی معنی میں استعمال فرمائے گئے ہیں، ویسے اس لفظ کے بارے میں یہ تفصیل کی جاتی ہے کہ یا تو ان لوگوں کے بارے میں لفظ "کفر" (وہ کافر ہوگئے) حقیقی معنی میں استعمال فرمایا گیا ہے کیونکہ زکوٰۃ کی فرضیت قطعی ہے اور فرضیت زکوٰۃ سے انکار کفر ہے، یا یہ کہ ان لوگوں کو کافر اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا لہٰذا ان کے اس سخت جرم پر بطریق تغلیظ و تشدید کفر کا اطلاق کیا گیا۔

بہر حال جو معنی بھی متعین کئے جائیں ان کا یہ جرم اتنا سخت تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو ان لوگوں کے ظاہری احوال کے مطابق کہ وہ لوگ بظاہر تو مسلمان کہلاتے ہی تھے ان کے کفر میں تامل کیا اور حضرت ابوبکرؓ کے اس فیصلہ پر اعتراض کیا۔ مگر جب حضرت ابوبکرؓ نے انہیں حقیقت حال بتائی تو نہ صرف یہ کہ وہ بھی حضرت ابوبکرؓ کے فیصلے کے ہمنوا ہو گئے بلکہ انہیں یقین کامل بھی ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کی فراست ایمانی اور ان کے تدبر نے جو فیصلہ کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

بعض روایتوں میں منقول ہے کہ دوسرے صحابہؓ حتیٰ کہ حضرت علیؓ نے بھی حضرت ابوبکرؓ کو جنگ کرنے سے منع کیا اور کہا کہ عہد خلافت کا ابتدائی دور ہے مخالف بہت زیادہ ہیں ایسا نہ ہو کہ فتنہ و فساد پھوٹ پڑے اور اسلام کو کسی طرح نقصان پہنچ جائے اس لئے اس معاملے میں ابھی توقف کرنا چاہئے مگر حضرت ابوبکرؓ نے نہایت جرات اور بہادری کے ساتھ انہیں یہ جواب دیا کہ اگر اس معاملے میں تمام لوگ ایک طرف ہو جائیں اور میں تنہا رہ جاؤں تو پھر بھی اپنے فیصلے میں کوئی لچک نہیں دکھاؤں گا اور شعائر دین کی حفاظت اور اسلام کے نظریات و اعمال کے تحفظ کے لئے میں نے جو قدم اٹھایا ہے اس میں لغزش نہیں آئے گی اور میں پوری قوم سے تن تنہا جنگ کروں گا اس سے حضرت ابوبکرؓ کی اصابت رائے، جرات اور شجاعت و بہادری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی "جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا" میں لا الہ الا اللہ سے مراد پورا کلمہ توحید یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے کیونکہ اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ اسلام قبول کرنے کے لئے صرف لا الہ الا اللہ کہہ لینا ہی معتبر نہیں ہے بلکہ خدا کی وحدانیت کے اقرار کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اقرار بھی ضروری ہے۔

الابحقه (سوائے اسلام کے حق کے) کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس پر دیت لازم ہو گی یا اور کسی قسم کا کوئی حق اس کے ذمے ہو تو اس کی ادائیگی بہر صورت ضروری ہو گی اسی طرح قصاص وغیرہ میں اسے قتل کیا جا سکے گا۔

وحسابه علی اللّٰه (اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے) کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہہ لے گا اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے گا تو ہم اس کے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں گے اور اس سے جنگ نہیں کریں گے اور نہ ہم اس کے باطن کی تحقیق و تفتیش کریں گے کہ آیا وہ اپنے ایمان و اسلام میں مخلص و صادق ہے یا نہیں؟ بلکہ اس کے باطن کا حال اللہ کے سپرد کر دیں گے، اگر وہ صرف ظاہری طور پر مسلمان ہوا ہو گا اور دل سے ایمان نہیں لایا ہو گا جیسا کہ منافقین کا حال ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے آپ اس سے نمٹ لے گا۔

مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكَاةِ (جو شخص نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا) یعنی نماز کے وجوب کا تو قائل ہو مگر زکوٰۃ کے وجوب کا منکر ہو یا نماز پڑھتا ہو مگر زکوٰۃ ادا نہ کرے۔

عناق بکری کے اس بچہ کو کہتے ہیں جو ایک برس سے کم عمر کا ہو۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ارشاد میں "بکری کا بچہ" فرض اور واجب حق کے طلب کرنے کا سلسلہ میں بطور مبالغہ فرمایا ہے۔ یہاں یہ حقیقت پر محمول نہیں ہے کیونکہ نہ تو بکری کا وہ بچہ جو ایک سال سے کم ہو زکوٰۃ ہی میں لیا جاتا ہے اور نہ بکری کے ایسے بچوں میں زکوٰۃ ہی واجب ہوتی ہے، زکوٰۃ میں لینے کے لئے ادنیٰ درجہ مسنہ ہے (یعنی وہ بچہ جو ایک سال کا ہو) اگر بچے بکریوں کے ساتھ ہوں گے تو پھر ان میں زکوٰۃ واجب ہو گی لیکن بہر صورت زکوٰۃ میں مسنہ ہی دیا جائے گا یہی حکم گائے اور اونٹوں کا ہے کہ زکوٰۃ کے طور پر بھی مسنہ ہی دیا جائے گا پچھلی قسط میں غالباً بتایا جا چکا ہے کہ بکریوں کا مسنہ تو وہ ہے جس کی عمر ایک سال ہو اور گائے کا مسنہ وہ ہے جس کی عمر دو سال ہو اور اونٹ کا مسنہ وہ ہے جو پانچ سال کا ہو۔

اب آخر میں اتنی بات اور جان لیجئے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جو یہ فرمایا کہ "میں ان کے اس انکار کی وجہ سے ان سے جنگ کروں گا" تو ابھی اوپر "کفر" کے بارے میں جو تفصیل بیان کی گئی تھی اسی طرح اس قول کے بارے میں بھی یہ تفصیل ہو گی کہ وہ وجوب زکوٰۃ کے منکر

ہوگئے ہیں تو میں ان کے کفر اور ان کے ارتداد کی وجہ سے ان سے جنگ کروں گا اور اگر وہ منکر زکوٰۃ تو نہ ہوئے ہوں بلکہ زکوٰۃ ادا نہ کر رہے ہوں تو پھر ان سے میری جنگ شعائر اسلام کی حفاظت اور اس فتنہ کے سدباب کے لئے ہوگی۔

بغیر زکوٰۃ جمع کیا ہوا خزانہ روز قیامت وبال جان ہوگا

(۲۰) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ كَنْزُ اَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ يَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهٗ وَيَطْلُبُهٗ حَتّٰى يُلْقِمَهٗ اَصَابِعَهٗ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تمہارا خزانہ قیامت کے دن گنجے سانپ کی صورت میں ہوگا، مالک اس سے بھاگے گا اور وہ اسے ڈھونڈھتا پھرے گا یہاں تک کہ وہ سانپ مالک کو کھا جائے گا اور اس کی انگلیوں کو لقمہ بنائے گا۔" (احمدؒ)

تشریح: "خزانہ" سے مراد وہ مال ہے جسے اس کا مالک جمع کر کے رکھے اور اس کی زکوٰۃ نہ ادا کرے یہی حکم ان تمام مالوں کا ہے جو ناجائز اور حرام طریقے سے جمع کئے گئے ہیں۔

حدیث کے آخری جملے حتی یلقمہ اصابعہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہی معنی جو ترجمہ میں ظاہر کئے گئے ہیں وہ سانپ مالک کی انگلیوں کو لقمہ بنائے گا کیونکہ اس نے ہاتھوں ہی سے مال کما کر جمع کیا تھا اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی اس صورت میں لفظ "اصابعہ" ضمیر کا بدل ہوگا۔

دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ مالک مال خود اپنی انگلیاں لقمہ کے طور پر سانپ کے منہ میں دے دے گا جیسا کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سانپ وغیرہ سے انتہائی خوف کے وقت بے اختیار اپنی انگلیاں اس کے منہ میں داخل کر دیتے ہیں لیکن دوسرے معنی نہ صرف یہ کہ کچھ دل کو نہیں لگتے بلکہ اس میں اشکال و اعتراضات بھی پیدا ہو سکتے ہیں اسی لئے زیادہ صحیح پہلے ہی معنی ہیں۔

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَّجُلٍ لَا يُؤَدِّيْ زَكَاةَ مَالِهٖ اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ عُنُقِهٖ شُجَاعًا ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا مِصْدَاقَهٗ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ الْاٰيَةَ (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن مسعودؓ نبی کریم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی گردن میں ایک سانپ لٹکائے گا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی (جو پہلی فصل کی ایک حدیث میں پوری نقل کی جا چکی ہے۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اور وہ لوگ جنہیں خدا نے اپنے فضل سے (مال) عطا فرمایا ہے اور وہ اس میں بخل کرتے ہیں یہ گمان نہ کریں۔" (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حلال مال میں حرام مال کو ملانا مال کو ضائع کر دینا ہے

(۲۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا خَالَطَتِ الزَّكَاةُ مَالًا قَطُّ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ۔ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالْبُخَارِيُّ فِيْ تَارِيْخِهٖ وَالْحُمَيْدِيُّ وَزَادَ قَالَ يَكُوْنُ قَدْ وَجَبَ عَلَيْكَ صَدَقَةٌ فَلَا تُخْرِجُهَا فَيُهْلِكُ الْحَرَامُ الْحَلَالَ وَقَدِ احْتَجَّ بِهٖ مَنْ يَّرٰى تَعَلُّقَ الزَّكَاةِ بِالْعَيْنِ هٰكَذَا فِي الْمُنْتَقٰى وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ بِاِسْنَادِهٖ اِلٰى عَائِشَةَ وَقَالَ اَحْمَدُ فِيْ خَالَطَتْ تَفْسِيْرُهٗ اَنَّ الرَّجُلَ يَأْخُذُ الزَّكَاةَ وَهُوَ مُوْسِرٌ اَوْغَنِيٌّ وَّاِنَّمَا هِيَ لِلْفُقَرَآءِ۔

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس مال میں زکوٰۃ رل مل جاتی ہے وہ مال

ضائع ہو جاتا ہے۔ (شافعیؒ، بخاریؒ، حمیدیؒ) حمیدی نے یہ مزید نقل کیا ہے (یعنی حدیث کی وضاحت بیان کی ہے) کہ بخاری نے فرمایا کہ جب تم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور تم زکوٰۃ نہیں نکالتے (تو وہ زکوٰۃ مال میں رلی ملی ہوتی ہے) لہٰذا حرام مال حلال مال کو ضائع کر دیتا ہے جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ زکوٰۃ عین مال سے متعلق ہے نہ کہ ذمہ سے تو انہوں نے اسی حدیث کو (بخاری کی مذکورہ بالا وضاحت کے ساتھ اپنی دلیل قرار دیا ہے (منتقی) بیہقیؒ نے شعب الایمان میں اس روایت کو امام احمد بن حنبلؒ سے حضرت عائشہؓ تک سلسلہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے چنانچہ امام احمدؒ نے حدیث کے لفظ "خالطت" کے معنی یا اس کی تاویل) کے سلسلے میں یہ وضاحت کی ہے کہ (مثلاً ایک شخص مالدار اور یا غنی[1] ہے مگر اس کے باوجود وہ زکوٰۃ لیتا ہے حالانکہ زکوٰۃ تو صرف فقراء و مساکین اور مستحقین کے لئے جائز ہے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں حضرت امام بخاریؒ تو اس کا مطلب یہ بیان فرما رہے ہیں کہ مثلاً ایک شخص صاحب نصاب ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہے مگر وہ اپنے مال میں سے وہ حصہ نہیں نکالتا جو بطور زکوٰۃ اس پر نکالنا واجب ہے اس طرح مال کا وہ حصہ جو زکوٰۃ کے طور پر اسے نکالنا چاہئے تھا اور اب نہ نکالنے کی صورت میں وہ اس کے حق میں حرام مال ہے اس کے اصل مال میں مخلوط رہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اس حدیث کے یہ معنی بیان فرما رہے ہیں کہ مثلاً کوئی شخص مالدار یعنی صاحب نصاب ہے جس کی وجہ سے وہ کسی دوسرے سے زکوٰۃ لینے کا مستحق نہیں ہے مگر وہ دوسرے سے زکوٰۃ لیتا ہے اور اس زکوٰۃ کے مال کو جو اس کے حق میں حرام ہے اپنے اصل مال کے ساتھ مخلوط کر دیتا ہے۔

بہر حال ان میں سے کوئی بھی معنی متعین کر لئے جائیں دونوں اقوال کے پیش نظر حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حرام مال خواہ وہ مال میں سے بقدر رواجب نہ نکالا جانے والا حصہ ہو خواہ صاحب نصاب کا کسی دوسرے سے زکوٰۃ میں حاصل کیا ہوا مال ہو، اصل اور حلال مال کو شائع اور تباہ کر دیتا ہے بایں طور کہ اس حرام مال کے ملنے کی وجہ سے پورا مال کسی نہ کسی طرح ضائع ہو جاتا ہے یا اس میں کوئی نقصان واقع ہو جاتا ہے یا مال میں سے برکت اٹھ جاتی ہے اور یا مال ناقابل انتفاع ہو جاتا ہے کیونکہ حرام مال سے نفع اٹھانا شرعاً جائز نہیں ہے۔

ادائیگی زکوٰۃ کا تعلق عین مال سے ہے یا ذمہ سے ہے: روایت کے آخر میں ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کا تعلق عین مال سے ہے؟ اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ مثلاً ایک شخص مالدار یعنی صاحب نصاب ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اب سوال یہ ہے کہ آیا وہ زکوٰۃ کے طور پر بقدر رواجب مال اسی مال میں سے نکال کر دے جو اس کے پاس ہے یا یہ کہ اگر وہ اسی مال میں سے زکوٰۃ کے بقدر حصہ نہ نکالے بلکہ اس کی قیمت ادا کرے تو اس مسئلہ میں حضرت امام شافعیؒ اور دوسرے آئمہ کا مسلک تو یہ ہے کہ زکوٰۃ کا تعلق عین مال سے ہے یعنی جس مال پر زکوٰۃ واجب ہے اسی مال میں بقدر رواجب مال نکال کر زکوٰۃ ادا کرے اور یہ بات انہوں نے حدیث کے لفظ "خالطت" سے مستنبط کی ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کا تعلق ذمہ ہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر صاحب نصاب اسی مال سے کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہے، زکوٰۃ کے طور پر بقدر رواجب مال نہ نکالے بلکہ اتنے ہی مال کی قیمت زکوٰۃ میں ادا کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے اور وہ بری الذمہ ہو جائے گا۔

مگر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کے مذکورہ مسلک کی دلیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ حدیث کے انہیں معنی کو حدیث کا اصل مفہوم قرار دیا جائے جو حضرت امام بخاریؒ کی طرف سے بیان کئے گئے ہیں۔

حنفی مسلک کی دلیلیں ملا علی قاریؒ نے مرقات میں اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اشعۃ اللمعات میں بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں۔ طوالت کی وجہ سے انہیں یہاں نقل نہیں کیا گیا ہے۔ اہل علم ان کتابوں سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

---

[1] یہ راوی کا شک ہے کہ روایت میں اصل لفظ مُوْسِرٌ تھا یا غَنِیٌّ۔

بَابُ مَا يَجِبُ فِيْهِ الزَّكٰوةُ

جن چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان کا بیان

شریعت نے چار قسم کے مالوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ ① سائمہ جانوروں پر ② سونے چاندی پر ③ تجارتی مال پر خواہ وہ کسی قسم کا ہو ④ کھیتی اور درختوں کی پیداوار پر گو اس چوتھی قسم کو فقہاء "زکوٰۃ" کے لفظ سے ذکر نہیں کرتے بلکہ اسے "عشر" کہتے ہیں چنانچہ متفقہ طور پر تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چوپایہ جانوروں یعنی اونٹ، گائے، بکری، دنبہ، بھیڑ اور بھینس میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ جانور نر ہوں یا مادہ، ان کے علاوہ اور جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ البتہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھوڑوں میں بھی زکوٰۃ واجب ہے اس کی تفصیل اگلے صفحات میں بیان کی جائے گی اسی طرح متفقہ طور پر تمام ائمہ کے نزدیک سونے چاندی اور تجارت کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے۔

جو چیزیں ایک سال تک قائم نہ رہتی ہوں جیسے ککڑی، کھیرا، خربوزہ اور دوسری ترکاریاں ساگ وغیرہ ان میں دوسرے ائمہ کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں ہے البتہ کھجوروں اور کشمش میں زکوٰۃ واجب ہے جب کہ ان کی مقدار پانچ وسق تک ہو پانچ وسق سے کم مقدار میں ان میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں ہر اس چیز میں عشر یعنی دسواں حصہ نکالنا واجب ہے جو زمین سے پیدا ہو خواہ پیداوار کم ہو یا زیادہ ہو لیکن بانس، لکڑی اور گھاس میں عشر واجب نہیں ہے اس بارے میں حضرت امام صاحبؒ کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ:

مَا اَخْرَجَتْهُ الْاَرْضُ فَفِيْهِ الْعُشْرُ ـــــ "زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں دسواں حصہ نکالنا واجب ہے۔"

زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہونے کے لئے کسی مقدار معین کی شرط نہیں ہے اسی طرح سال گزرنے کی بھی قید نہیں ہے بلکہ جس قدر اور جب بھی پیداوار ہوگی اسی وقت دسواں حصہ نکالنا واجب ہو جائے گا دوسرے مالوں کے برخلاف کہ ان میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوتی ہے جب کہ وہ بقدر نصاب ہوں اور ان پر ایک سال پورا گزر جائے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نصاب زکوٰۃ

① عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ مِّنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ وَّلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ وَّلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِّنَ الْاِبِلِ صَدَقَةٌ (متفق علیہ)

"حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ پانچ وسق سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں اور پانچ راس سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ واجب نہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ایک وسق آٹھ صاع کے برابر، ایک صاع آٹھ رطل کے برابر اور ایک رطل چونتیس تولہ ڈیڑھ ماشہ کے برابر ہوتا ہے اس حساب سے پانچ وسق انگریزی اسی تولہ کے سیر کے حساب پچیس من ساڑھے بارہ سیر (نو کوئنٹل چوالیس کلو گرام) کے برابر ہوتے ہیں گویا ۲۵ من ۱۲½ سیر یا اس سے زائد کھجوروں میں دسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر نکالا جائے گا اس مقدار سے کم اگر کھجوریں پیدا ہوں تو اس حدیث کے بموجب اس میں زکوٰۃ کے طور پر دسواں حصہ واجب نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حنفیہ میں سے حضرت امام ابویوسفؒ

اور حضرت امام محمدؒ کا یہی مسلک ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمین کی پیداوار میں کوئی نصاب مقرر نہیں ہے جس قدر بھی پیداوار ہو اس کا دسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالنا واجب ہے۔ مثلاً اگر دس سیر پیداوار ہو تو اس میں سے ایک سیر زکوٰۃ کے طور پر نکالا جائے اور اگر دس ہی چھٹانک پیدا ہو تو اس سے بھی ایک چھٹانک نکالا جائے زمین کی دوسری پیداوار مثلاً گیہوں، جو، چنا وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔ زمین کی پیداوار کے عشر کے بارے میں حنفیہ کے یہاں فتویٰ امام اعظمؒ ہی کے قول پر ہے۔ یہ حدیث چونکہ حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کے بظاہر خلاف معلوم ہوتی ہے اس لئے ان کی طرف سے اس حدیث کی توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حدیث میں کھجور سے مراد وہ کھجوریں ہیں جو تجارت کے لئے ہوں کیونکہ اس وقت عام طور پر کھجوروں کی خرید و فروخت وسق کے حساب سے ہوتی تھی اور ایک وسق کھجور کی قیمت چالیس درہم ہوتی تھی اس حساب سے پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم ہوئے جو مال تجارت میں زکوٰۃ کے لئے متعین نصاب ہے۔

اواق اوقیہ کی جمع ہے ایک اوقیہ چالیس درہم یعنی ساڑھے دس تولہ (۱۲۲.۴۷ گرام) کے برابر ہوتا ہے اس طرح پانچ اوقیہ دو سو درہم یعنی ۵۲½ تولہ تقریباً ۶۱۲ گرام) کے برابر ہوئے جو چاندی کا نصاب زکوٰۃ ہے اس مقدار سے کم چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے گویا جو شخص دو سو درہم کا مالک ہوگا وہ بطور زکوٰۃ پانچ درہم ادا کرے گا۔

یہ تو درہم کا نصاب تھا چاندی اگر سکہ کے علاوہ کسی دوسری صورت میں ہو مثلاً چاندی کے زیورات و برتن ہوں یا چاندی کے سکے ہوں تو اس کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے اور اسی طرح اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ پھر بھی تفصیل سے چاندی کے نصاب کو یوں سمجھئے کہ۔

ایک درہم تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کے برابر ہوتا ہے اس طرح دو سو میں چھ سو تیس ماشہ یعنی ۵۲½ تولہ تقریباً ۶۱۲ گرام چاندی کی ہوئی۔ لہٰذا دو سو درہم کی زکوٰۃ چالیسویں حصے کے مطابق پانچ درہم ہوئے جو پندرہ ماشہ چھ رتی یعنی ایک تولہ میں ماشہ چھ رتی کے برابر ہوتے ہیں۔ اسی طرح درہم کے علاوہ چاندی کے زیورات یا برتن وغیرہ کی صورت میں ۵۲½ تولہ (یعنی ۶۱۲ گرام) ہو تو اس کی زکوٰۃ کے طور پر چالیسواں حصہ ایک تولہ تین ماشہ چھ رتی (۱۵½ گرام) چاندی یا اتنی ہی چاندی کی قیمت زکوٰۃ کے طور پر ادا کی جائے گی اور اگر چاندی[1] سکے کی شکل میں ہو اور ایک سکہ بارہ ماشہ اور قیمت کے اعتبار سے ایک روپیہ کا ہو تو اس حساب سے ۵۲½ تولہ چاندی کے ۵۲½ روپے ہوئے لہٰذا ان کی زکوٰۃ کے طور پر اسی چاندی کے روپے کے حساب سے یعنی وہی بارہ ماشہ والا ایک روپیہ پانچ آنے واجب ہوں گے اور اگر سکہ ۱۱½ ماشہ اور قیمت کے اعتبار سے ایک روپیہ کا ہو تو اس حساب سے ۵۲½ تولہ چاندی کی قیمت چون روپے بارہ آنے ۶ ۲۲/۲۳ پائی کے برابر ہوگی جس پر زکوٰۃ واجب ہوگی لہٰذا اس میں سے اس چاندی کے روپے کے حساب سے یعنی وہی ۱۱½ ماشہ والا ایک روپیہ پانچ آنے دس پائی اور ۳۲/۲۳ پائی بطور زکوٰۃ نکالنا ہوگا۔ مذکورہ بالا تفصیل کو حسب ذیل جدول سے سمجھئے۔

تعداد درہم	تعین زکوٰۃ	وزن چاندی	تعین زکوٰۃ	سکہ بارہ ماشہ والا	زکوٰۃ	سکہ ۱۱½ ماشہ والا	زکوٰۃ
۲۰۰ درہم	۵ درہم	۵۲½ تولہ	ا رتولہ تین ماشہ چھ رتی	قیمتی عـہ صـہ ۵۲	۵ ۱/	قیمتی الـعـہ ۱۲/ ۶ ۲۲/۲۳ پائی	۵ ۱۰ ۲۲/۲۳ پائی

نصاب کا یہ سارا حساب سمجھنے کے لئے لکھا گیا ہے۔ اگر نصاب سے زیادہ روپے ہوں تو اس کا سیدھا حساب یہ ہے کہ ڈھائی روپیہ سیکڑہ یعنی ہر سو روپیہ میں سے ڈھائی روپے کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

---

[1] جس زمانہ میں چاندی کے روپے جاری تھے اس وقت اس حساب اور تفصیل کی ضرورت محسوس ہوتی تھی اب اگرچہ چاندی کے سکے نہیں ہیں تاہم چونکہ مظاہر حق قدیم میں یہ تفصیل لکھی گئی ہے اس لئے یہاں بھی اسے نقل کر دیا گیا ہے ویسے تو چاندی کی زکوٰۃ کا یہ بالکل صاف سکہ ہے موجود چاندی کا چالیسواں حصہ یا اس حصہ کی قیمت زکوٰۃ میں ادا کی جائے گی۔

اگرچہ حدیث میں سونے کا نصاب ذکر نہیں کیا گیا ہے لیکن اس کے بارے میں بھی جانتے چلئے کہ سونے کا نصاب بیس مثقال یعنی ساڑھے سات تولہ (تقریباً ۸۷ گرام) ہے اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگر اس مقدار میں یا اس سے زائد مقدار میں سونا ہو تو موجودہ مقدار کا چالیسواں حصہ یا اس حصہ کی قیمت زکوٰۃ کے طور پر ادا کی جائے گی۔

اگر سونا اور چاندی دونوں مجموعی اعتبار سے بقدر نصاب ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی مثلاً کسی شخص کے پاس سوا چھبیس تولہ چاندی ہو اور اسی کے ساتھ سوا چھبیس تولہ چاندی کی قیمت کے بقدر سونا بھی ہو تو وہ شخص صاحب نصاب کہلائے گا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس سوا چھبیس تولہ چاندی کی قیمت کے بقدر تجارت کا مال ہو اور اسی کے ساتھ سوا چھبیس تولہ چاندی کی قیمت کے بقدر نقد روپیہ ہو تو وہ بھی صاحب نصاب کہلائے گا اور اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

سونا اور چاندی کسی بھی شکل وصورت میں ہوں خواہ وہ گنی اور ڈلی کی صورت میں ہوں یا پترے ہوں خواہ زیورات کی شکل میں ہوں یا برتنوں کی صورت میں ہوں بہر صورت ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ گوٹہ کناری اور کخواب وغیرہ میں جو چاندی ہوتی ہے اس کی مقدار کا بھی اندازہ کرایا جائے اگر وہ مقدار نصاب کو پہنچے تو اس کی زکوٰۃ بھی ادا کی جائے موتی، مونگا، یاقوت اور دوسرے جواہرات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی خواہ لاکھوں روپیہ کی قیمت ہی کے کیوں نہ موجود ہوں ہاں اگر جواہرات تجارت کے مقصد سے ہوں گے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

غلام اور گھوڑوں کی زکوٰۃ

(۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ صَدَقَةٌ فِيْ عَبْدِهٖ وَلَا فِيْ فَرَسِهٖ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ لَيْسَ فِيْ عَبْدِهٖ صَدَقَةٌ اِلَّا صَدَقَةَ الْفِطْرِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ کسی مسلمان پر اس کے غلام اور اس کے گھوڑوں میں زکوٰۃ (واجب نہیں) ہے۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ کسی مسلمان پر اس کے غلام میں زکوٰۃ تو واجب نہیں ہے ہاں صدقہ فطر واجب ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو غلام اور گھوڑے تجارت کے لئے نہ ہوں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام ابویوسف وامام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک یہی ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ جو گھوڑے اور گھوڑی ملی ہوئی سال کے اکثر حصہ میں جنگل اور چراگاہوں میں چریں ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہے جس کا نصاب یہ ہے کہ فی راس ایک دینار یا اس کی پوری قیمت متعین کر کے ہر دو سو درہم پر پانچ درہم کے حساب سے یعنی قیمت کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کیا جائے۔

فتاویٰ قاضی خان، در مختار اور فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ حنفیہ کے یہاں فتویٰ حضرت امام ابویوسفؒ وحضرت امام محمدؒ ہی کے قول پر ہے کہ گھوڑوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

نصاب زکوٰۃ کی تفصیل

(۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَبَابَكْرٍ كَتَبَ لَهٗ هٰذَا الْكِتٰبَ لَمَّا وَجَّهَهٗ اِلَى الْبَحْرَيْنِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذِهٖ فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِيْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَالَّتِيْ اَمَرَ اللّٰهُ بِهَا رَسُوْلَهٗ فَمَنْ سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا فَلَا يُعْطِ فِيْ اَرْبَعٍ وَّعِشْرِيْنَ مِنَ الْاِبِلِ فَمَا دُوْنَهَا مِنَ الْغَنَمِ مِنْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ فَاِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ اِلٰى خَمْسٍ وَّثَلَاثِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ مَخَاضٍ اُنْثٰى فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّثَلَاثِيْنَ اِلٰى خَمْسٍ وَّاَرْبَعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ لَبُوْنٍ اُنْثٰى فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّاَرْبَعِيْنَ اِلٰى سِتِّيْنَ فَفِيْهَا حِقَّةٌ طَرُوْقَةُ الْجَمَلِ فَاِذَا بَلَغَتْ وَاحِدَةً

وَّسِتِّيْنَ اِلٰى خَمْسٍ وَّسَبْعِيْنَ فَفِيْهَا جَذَعَةٌ فَاِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّسَبْعِيْنَ اِلٰى تِسْعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتَا لَبُوْنٍ فَاِذَا بَلَغَتْ اِحْدٰى وَتِسْعِيْنَ اِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَفِيْهَا حِقَّتَانِ طَرُوْقَتَا الْجَمَلِ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَّفِيْ كُلِّ خَمْسِيْنَ حِقَّةٌ وَّمَنْ لَّمْ يَكُنْ مَعَهٗ اِلَّا اَرْبَعٌ مِّنَ الْاِبِلِ فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ رَبُّهَا فَاِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا فَفِيْهَا شَاةٌ وَّمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهٗ مِنَ الْاِبِلِ صَدَقَةُ الْجَذَعَةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهٗ جَذَعَةٌ وَّعِنْدَهٗ حِقَّةٌ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ وَيُجْعَلُ مَعَهَا شَاتَيْنِ اِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهٗ اَوْ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا وَّمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهٗ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ الْحِقَّةُ وَعِنْدَهُ الْجَذَعَةُ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْجَذَعَةُ وَيُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْشَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهٗ صَدَقَةُ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهٗ اِلَّا بِنْتُ لَبُوْنٍ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَيُعْطِيْ شَاتَيْنِ اَوْ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا وَّمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهٗ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَعِنْدَهٗ حِقَّةٌ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ وَيُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهٗ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَّلَيْسَتْ عِنْدَهٗ وَعِنْدَهٗ بِنْتُ مَخَاضٍ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ مَخَاضٍ وَّيُعْطِيْ مَعَهَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْشَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهٗ بِنْتَ مَخَاضٍ وَّلَيْسَتْ عِنْدَهٗ وَعِنْدَهٗ بِنْتُ لَبُوْنٍ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ وَيُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْشَاتَيْنِ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ عِنْدَهٗ بِنْتُ مَخَاضٍ عَلٰى وَجْهِهَا وَعِنْدَهُ ابْنُ لَبُوْنٍ فَاِنَّهٗ يُقْبَلُ مِنْهُ وَلَيْسَ مَعَهٗ شَيْءٌ وَّفِيْ صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِيْ سَآئِمَتِهَا اِذَا كَانَتْ اَرْبَعِيْنَ اِلٰى عِشْرِيْنَ وَ مِائَةٍ شَاةٌ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ اِلٰى مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا شَاتَانِ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى مِائَتَيْنِ اِلٰى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَفِيْهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ فَاِذَا كَانَتْ سَآئِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً مِّنْ اَرْبَعِيْنَ شَاةً وَّاحِدَةً فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ رَبُّهَا وَلَا تُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَّلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَّلَا تَيْسٌ اِلَّا مَاشَآءَ الْمُصَدِّقُ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَّلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَاِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ وَفِي الرِّقَةِ رُبْعُ الْعُشْرِ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ اِلَّا تِسْعِيْنَ وَمِائَةٌ فَلَيْسَ فِيْهَا شَيْءٌ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ رَبُّهَا (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کے بارے میں مروی ہے کہ جب امیرالمؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں بحرین (جو بصرہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے) بھیجا تو انہیں یہ ہدایت نامہ تحریر فرمایا۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن و رحیم ہے، یہ اس صدقہ فرض (زکوٰۃ) کے بارے میں ہدایت نامہ ہے جسے رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمانوں پر فرض کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے نافذ کرنے کے بارے میں اپنے رسول ﷺ کو حکم فرمایا۔ لہٰذا جس شخص سے قاعدہ کے مطابق زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جائے تو وہ ادائیگی کرے اور جس شخص سے (شرعی مقدار سے) زیادہ مطالبہ کیا جائے وہ (زائد مطالبہ کی) ادائیگی نہ کرے (زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ) چوبیس اور چوبیس سے کم اونٹوں کی زکوٰۃ میں بکری ہے اس طرح کہ ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری ہے (یعنی پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ سے نو تک ایک بکری دس سے چودہ تک دو بکری، پندرہ سے انیس تک تین بکری اور بیس سے چوبیس تک چار بکری واجب ہوگی) ۲۵ سے ۳۵ تک میں ایک ایسی اونٹنی جو ایک سال کی ہو چھتیس سے پینتالیس تک ایک ایسی اونٹنی جو دو سال کی ہو۔ چھیالیس سے ساٹھ تک میں ایک ایسی اونٹنی جو چار سال کی ہو اور اونٹ سے جفتی کے قابل ہو، اکسٹھ سے پچھتر تک میں ایک اونٹنی جو اپنی عمر کے چار سال ختم کر کے پانچویں سال میں داخل ہو گئی اور چھہتر سے نوے تک میں دو ایسی اونٹنیاں جو دو سال کی ہوں اکیانوے سے ایک سو بیس تک میں دو ایسی اونٹنیاں جو تین تین سال کی ہوں اور اونٹ سے جفتی کے قابل ہوں اور جب تعداد ایک سو بیس سے زائد ہو تو اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ ان زائد اونٹنیوں میں ہر چالیس کی زیادتی پر دو برس کی اونٹنی اور ہر پچاس کی زیادتی پر پورے تین برس کی اونٹنی واجب ہوگی اور جس کے پاس صرف چار ہی اونٹ ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہاں اگر وہ شخص چاہے تو صدقہ نفل کے طور پر کچھ دے دے جب پانچ اونٹ ہوں گے تو اس پر زکوٰۃ کے طور پر ایک بکری واجب ہو جائے گی۔ اور جس شخص کے پاس اتنے اونٹ ہوں کہ ان میں زکوٰۃ کے طور پر ایسی اونٹنی واجب ہوتی ہو جو چار برس پورے کر کے

پانچویں سال میں لگ گئی ہو (یعنی اکسٹھ سے پچھتر تک کی تعداد میں) اور اس کے پاس چار برس کی اونٹنی نہ ہو کہ جسے وہ زکوٰۃ کے طور پر دے سکے بلکہ تین برس کی اونٹنی موجود ہو تو اس سے تین ہی برس کی اونٹنی زکوٰۃ میں قبول کی جا سکتی ہے مگر زکوٰۃ دینے والا اس تین برس کی اونٹنی کے ساتھ ساتھ اگر اس کے پاس موجود ہوں تو دو بکریاں ورنہ بصورت دیگر بیس درہم ادا کرے اور کسی شخص کے پاس اونٹوں کی ایسی تعداد ہو جس میں تین برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو (یعنی چھیالیس سے ساٹھ تک کی تعداد) اور اس کے پاس تین برس کی کوئی اونٹنی (زکوٰۃ میں دینے کے لئے) نہ ہو بلکہ چار برس کی اونٹنی ہو تو اس سے چار برس والی اونٹنی ہی لے لی جائے مگر زکوٰۃ وصول کرنے والا اسے دو بکریاں یا بیس درہم واپس کر دے اور اگر کسی شخص کے پاس اونٹوں کی ایسی تعداد ہو جس میں تین برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو اور اس کے پاس تین برس کی کوئی اونٹنی نہ ہو بلکہ دو برس کی اونٹنی ہو تو اس سے دو برس کی اونٹنی ہی لے لی جائے البتہ زکوٰۃ دینے والا دو بکریاں یا بیس درہم (بھی اس کے ساتھ) دیدے اور اگر کسی شخص کے پاس اتنی تعداد میں اونٹ ہوں کہ جن میں دو برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو (جیسے چھتیس سے پینتالیس تک کی تعداد) اور اس کے پاس (دو برس کی اونٹنی کے بجائے) تین برس کی اونٹنی ہو تو اس سے تین برس کی اونٹنی ہی لے لی جائے مگر زکوٰۃ وصول کرنے والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں واپس کر دے اور اگر کسی شخص کے پاس اتنی تعداد میں اونٹ ہوں جن میں دو برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو اور وہ اس کے پاس نہ ہو بلکہ ایک برس کی اونٹنی ہو تو اس سے ایک برس کی اونٹنی ہی لے لی جائے اور وہ زکوٰۃ دینے والا اس کے ساتھ بیس درہم یا دو بکریاں بھی دے اور اگر کسی شخص کے پاس اتنی تعداد میں اونٹ ہوں کہ جن میں ایک برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو جیسے بیس سے پچیس تک کی تعداد، اور ایک برس کی اونٹنی اس کے پاس نہ ہو بلکہ دو برس کی اونٹنی اس کے پاس ہو تو اس سے وہی دو برس والی اونٹنی لے لی جائے مگر زکوٰۃ وصول کرنے والا اس کو دو بکریاں یا بیس درہم واپس کر دے اور اگر اس کے پاس دینے کے قابل ایک برس کی اونٹنی نہ ہو اور نہ ہی دو برس کی اونٹنی ہو بلکہ دو برس کا اونٹ ہو تو وہ اونٹ ہی لے لیا جائے مگر اس صورت میں کوئی اور چیز واجب نہیں (نہ تو زکوٰۃ لینے والا کچھ واپس کرے گا اور نہ زکوٰۃ دینے والا کچھ دے گا اور چرنے والی بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ جب بکریوں کی تعداد چالیس سے ایک سو بیس تک ہو تو ایک واجب ہوتی ہے اور ایک سو بیس سے زائد ہوں تو دو سو تک کی تعداد پر دو بکریاں واجب ہوتی ہیں اور جب دو سو سے زائد ہوں تو تین سو تک تین بکریاں واجب ہوتی ہیں اور جب تین سو سے زائد ہو جائیں تو پھر یہ حساب ہو گا کہ ہر سو بکریوں میں ایک بکری واجب ہو گی جس شخص کے پاس چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہوں گی تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی ہاں اگر بکریوں کا مالک چاہے تو صدقہ نفل کے طور پر کچھ دے سکتا ہے۔ (اس بات کا خیال رکھا جائے کہ) زکوٰۃ میں خواہ اونٹ ہو یا گائے اور بکری بڑھیا اور عیب دار نہ جائے اور نہ بوک (بکرا) دیا جائے ہاں اگر زکوٰۃ وصول کرنے والا (کسی مصلحت کے تحت) بوک لینا چاہے (تو درست ہے) اور متفرق جانوروں کو یکجا نہ کیا جائے اور نہ زکوٰۃ کے خوف سے جانوروں کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے، نیز جس نصاب میں دو آدمی شریک ہوں تو انہیں چاہئے کہ وہ دونوں برابر برابر تقسیم کر لیں اور چاندی میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر دینا فرض ہے اگر کسی کے پاس صرف ایک سو نوے درہم ہوں (یعنی نصاب شرعی کا مالک نہ ہو) تو اس پر کچھ فرض نہیں ہے ہاں اگر وہ صدقہ نفل کے طور پر کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: گذشتہ صفحات میں ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں یہ فرمایا گیا کہ تم زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو خوش کرو اگرچہ وہ تمہارے ساتھ ظلم ہی کا معاملہ کیوں نہ کریں۔ اسی طرح ایک حدیث اور گزر چکی ہے جس میں بیان کیا گیا تھا کہ کچھ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے زیادتی کرتے ہیں یعنی مقدار واجب سے زیادہ مال لیتے ہیں تو کیا ہم ان کی طرف سے زیادہ طلب کئے جانے والے مال کو چھپا دیں یعنی وہ انہیں نہ دیں تو اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرما دیا تھا۔

لیکن یہاں فرمایا گیا ہے کہ "جس شخص سے زیادہ مطالبہ کیا جائے وہ ادائیگی نہ کرے"۔ لہٰذا بظاہر ان روایتوں میں تعارض اور اختلاف معلوم ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت زکوٰۃ وصول کرنے والے صحابہؓ تھے ظاہر ہے کہ نہ تو وہ ظالم تھے اور نہ شرعی

مقدار سے زیادہ مال کا مطالبہ کرتے تھے اور نہ صحابہؓ کے بارے میں ایسا تصور کیا بھی جا سکتا تھا لوگ اپنے گمان اور خیال کے مطابق یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ ہوتا ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس حقیقت کے پیش نظر یہی حکم دیا کہ انہیں بہر صورت خوش کیا جائے اور وہ جو کچھ مانگیں اسے دینے میں تأمل نہ کیا جائے اور یہاں حضرت ابوبکرؓ کے ارشاد میں زکوٰۃ وصول کرنے والوں سے صحابہؓ مراد نہیں ہیں بلکہ دوسرے لوگ مراد ہیں اور ظاہر ہے کہ صحابہؓ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے ایسی باتوں کا صدور ممکن تھا اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے یہ تحریر فرمایا کہ زائد مطالبہ کی ادائیگی نہ کی جائے۔ اس وضاحت سے احادیث میں جو بظاہر تعارض نظر آ رہا تھا وہ ختم ہو گیا۔

فَاِذَا زَادَتْ عَلٰی عِشْرِیْنَ وَمِائَةٍ الخ (اور جب تعداد ایک سو بیس سے زائد ہو الخ) قاضیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عدد مذکور سے متجاوز ہونے کی صورت میں استقرار اور حساب پر دلالت کرتی ہے یعنی جب اونٹ ایک سو بیس سے زائد ہوں تو ان کی زکوٰۃ کا حساب از سر نو شروع نہ کیا جائے بلکہ ایسی صورت میں ہر چالیس کی زیادتی پر دو برس کی اونٹنی اور ہر پچاس کی زیادتی پر تین برس کی اونٹنی کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جانی چاہئے، چنانچہ اکثر ائمہ کا یہی مسلک ہے، مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ از سر نو حساب شروع کیا جائے گا چنانچہ جب اونٹوں کی تعداد ایک سو بیس سے تجاوز کر جائے گی تو اس وقت دو حقے (یعنی تین برس کی دو اونٹنیاں) اور ایک بکری واجب ہو گی اور اسی طرح چوبیس کی تعداد تک ہر پانچ پر ایک بکری واجب ہوتی چلی جائے گی پھر پچیس اور پچیس کے بعد بنت مخاض (ایک سال کی اونٹنی) واجب ہو جائے گی۔ اسی طرح آخر تک پہلی ترتیب کے مطابق حساب کیا جائے گا امام نخعیؒ اور امام ثوریؒ کا بھی یہی قول ہے ان حضرات کی دلیل یہ ارشاد گرامی ہے کہ "جب اونٹوں کی تعداد ایک سو سے زائد ہو جائے تو اس کا حساب از سر نو شروع کیا جائے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

اونٹوں کی زکوٰۃ کے بارے میں اتنی بات اور جان لیجئے کہ ان کی زکوٰۃ کے طور پر مادہ یعنی اونٹنی یا اس کی قیمت واجب ہوتی ہے جب کہ گائے اور بکری کی زکوٰۃ میں نر اور مادہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ ان کی زکوٰۃ کے طور پر نر یا اس کی قیمت اور مادہ یا اس کی قیمت دونوں ہی دیئے جا سکتے ہیں۔

مَالَمْ یَکُنْ عِنْدَهُ بِنْتُ مَخَاضٍ عَلٰی وَجْهِهَا (اور اگر اس کے پاس دینے کے قابل ایک برس کی اونٹنی نہ ہو) ابن مالکؒ نے اس کی وضاحت کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ اس کے تین معنی ہو سکتے ہیں۔ ① اس کے پاس سرے سے ایک برس کی اونٹنی موجود ہی نہ ہو ② ایک برس کی اونٹنی موجود تو ہو مگر تندرست نہ ہو بلکہ بیمار ہو اس صورت میں بھی گویا وہ نہ ہونے ہی کے درجہ میں ہو گی ③ ایک برس کی اونٹنی تو موجود ہو مگر اوسط درجہ کی نہ ہو بلکہ نہایت قیمتی اور اعلیٰ درجہ کی ہو (ملحوظ رہے کہ زکوٰۃ میں اوسط درجہ کا مال دینے کا حکم ہے)۔

بہر کیف ان میں سے کوئی صورت ہو اس کا حکم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایسی صورت میں ابن لبون (یعنی دو برس کا اونٹ) زکوٰۃ کے طور پر دیا جائے گا پھر اس کی وضاحت بھی فرما دی کہ ابن لبون کے ساتھ مزید کچھ لینا دینا واجب نہیں ہے جیسا کہ اونٹنیوں کے بارے میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص پر زکوٰۃ کے طور پر دینے کے لئے دو برس کی اونٹنی واجب ہو اور اس کے پاس دو برس کی اونٹنی موجود نہ ہو بلکہ تین برس کی اونٹنی ہو تو زکوٰۃ وصول کرنے والا اس سے وہی تین برس کی اونٹنی لے گا مگر وہ زکوٰۃ دینے والے کو دو بکریاں یا بیس درہم واپس کرے گا تاکہ زکوٰۃ دینے والے کو دو برس کی اونٹنی کی بجائے تین برس کی اونٹنی دینے کی صورت میں نقصان گھاٹا نہ ہو جیسے اس کے برعکس صورت بھی بیان کی گئی ہے کہ اگر زکوٰۃ دینے والا تین برس کی اونٹنی کی بجائے جو اس پر واجب ہے مگر موجود نہیں ہے دو برس کی اونٹنی دے تو اس کے ساتھ دو بکریاں یا بیس درہم مزید دے تاکہ زکوٰۃ کے مال میں نقصان نہ رہ جائے بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ فضیلت تانیث عمر کی زیادتی کا بدل ہو جاتی ہے۔

اگرچہ "چرنے والی" کی قید صرف بکری کے نصاب زکوٰۃ میں لگائی گئی ہے لیکن اس کا تعلق ہر جانور سے ہے یعنی خواہ بکری ہو یا اونٹ

اور یا گائے ان میں زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ وہ سال کے اکثر حصے یعنی نصف سال سے زیادہ جنگل میں چریں اگر ان میں سے کوئی بھی جانور ایسا ہو جسے سال کے اکثر حصے میں گھر سے چارہ کھلایا جاتا ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

بکریوں کا نصاب چالیس بیان کیا گیا ہے یعنی اگر چالیس سے کم بکریاں ہوں گی تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، جب چالیس بکریاں ہوں گی تو ایک بکری زکوٰۃ کے طور پر واجب ہو جائے گی اور اگر چالیس سے بھی زائد ہوں تو ایک سو بیس تک ایک ہی بکری واجب رہے گی اسی طرح تین سو تک کی تعداد کے نصاب زکوٰۃ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ جب تعداد تین سو سے تجاوز ہو جائے تو پھر یہ حساب ہوگا کہ ہر سو بکری پر ایک واجب ہوگی یعنی تین سو تک تو تین بکریاں ہونگی تین سو کے بعد چار سو بکریاں اس وقت واجب ہوں گی جب کہ تعداد پورے چار سو ہو جائے چنانچہ اکثر ائمہ وعلماء کا یہی مسلک ہے لیکن حسن ابن صالح کا قول اس بارے میں یہ ہے کہ تین کے بعد اگر ایک بکری بھی زائد ہوگی تو چار بکریاں واجب ہو جائیں گی۔

ولا ذات عوار (اور عیب دار نہ دی جائے) زکوٰۃ میں عیب دار مال نہ لینے کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ پورا مال یا کچھ مال ایسا ہو جس میں کوئی عیب وخرابی نہ ہو اگر پورا ہی مال عیب دار ہو تو پھر اس میں سے اوسط درجے کا دیکھ کر دیا جائے گا۔

زکوٰۃ میں بوک (بکرا) لینے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ بکریوں کے ساتھ بوک افزائش نسل کے لئے رکھا جاتا ہے اگر بوک لے لیا جائے گا تو بکریوں کے مالک کو نقصان ہوگا یا وہ اس کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہو جائے گا یا پھر بوک لینے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ اس کا گوشت بدمزہ اور بدبودار ہوتا ہے۔

ولا یجمع بین متفرق الخ (اور متفرق جانوروں کو یکجانہ کیا جائے الخ) اس جملے کا مطلب سمجھنے سے پہلے مسئلہ کی حقیقت جان لیجئے تاکہ مفہوم پوری طرح ذہن نشین ہو جائے، مسئلہ یہ ہے کہ آیا زکوٰۃ گلہ یعنی مجموعہ پر ہے یا اشخاص یعنی مال کے مالک کا اعتبار ہوتا ہے؟ حضرت امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ گلہ کے اعتبار سے دینی ہوتی ہے ان کے ہاں مالک کا اعتبار نہیں ہوتا جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں گلہ کا اعتبار نہیں ہوتا مالک کا اعتبار ہوتا ہے اس مسئلہ کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ایک شخص کے پاس اسی بکریاں ہیں مگر وہ بکریاں ایک جگہ یعنی ایک گلہ (ریوڑ) میں نہیں ہیں بلکہ الگ الگ دو گلوں میں ہیں تو چونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ گلہ پر واجب ہوتی ہے اس لئے ان کے مسلک کے مطابق ان دونوں گلوں میں سے دو بکریاں وصول کی جائیں گی لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق دونوں گلوں سے ایک ہی بکری وصول کی جائے گی کیونکہ اگرچہ وہ اسی بکریاں دو گلوں میں تقسیم ہیں مگر ملکیت میں چونکہ ایک ہی شخص کی ہیں اس لئے اس حساب کے مطابق کہ چالیس سے ایک سو بیس تک کی تعداد میں ایک ہی بکری واجب ہوتی ہے، اس شخص سے بھی ایک ہی بکری وصول کی جائے گی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ دو اشخاص کی اسی بکریاں ہیں جو ایک ہی گلہ میں ہیں تو امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق اس گلہ میں سے ایک ہی بکری لی جائے گی اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق اس گلہ میں سے دو بکریاں لی جائیں گی کیونکہ وہ اسی بکریاں اگرچہ ایک ہی گلہ میں ہیں لیکن مالک اس کے دو الگ الگ اشخاص ہیں اور وہ دونوں اتنی اتنی بکریوں (یعنی چالیس چالیس) کے مالک ہیں کہ ان کی الگ الگ تعداد پر ایک بکری واجب ہوتی ہے۔

اس مسئلہ کو ذہن میں رکھ کر اب سمجھئے کہ حدیث کے اس جملے ولا یجمع بین متفرق الخ کا مطلب امام شافعیؒ کے ہاں تو یہ ہے کہ اس ممانعت کا تعلق مالک سے ہے کہ اگر مثال کے طور پر چالیس بکریاں اس کی ہوں اور چالیس بکریاں کسی دوسرے کی ہوں اور یہ دونوں تعداد الگ الگ ہوں تو ان بکریوں کو جو الگ الگ اور متفرق ہیں زکوٰۃ کم کرنے کے لئے یکجانہ کیا جائے یعنی مالک یہ سوچ کر کہ اگر یہ بکریاں الگ الگ دو گلوں میں ہوں گی تو ان میں سے دو بکریاں دینی ہوں گی اور اگر ان دونوں گلوں کو ملا کر ایک گلہ کر دیا جائے تو پھر ایک ہی بکری دینی ہوگی ان کو یکجانہ کرے۔

اسی طرح و لا یفرق بین مجتمع (اور نہ جانوروں کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے) میں اس ممانعت کا تعلق بھی مالک سے ہے کہ مثلاً اگر اس کے پاس بیس بکریاں ہوں جو کسی دوسرے شخص کی بکریوں کے گلے میں ملی ہوئی ہوں تو مالک اپنی ان بکریوں کو اس گلے سے الگ نہ کرے یہ سوچ کر کہ اگر یہ بکریاں اس گلے میں رہیں گی تو زکوٰۃ دینی ہوگی اور اگر ان بکریوں کو اس گلے سے الگ کر دیا جائے تو زکوٰۃ سے بچ جاؤں گا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس ممانعت کا تعلق ساعی یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والے سے ہے کہ وہ زکوٰۃ لینے کے لئے متفرق بکریوں کو یکجا نہ کرے، مثلاً دو الگ الگ اشخاص کے پاس اتنی اتنی بکریاں ہوں کہ جو علیحدہ علیحدہ تو حد نصاب کو نہ پہنچتی ہوں اور ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوتی ہو جیسے دونوں کے پاس بیس بیس بکریاں ہوں مگر جب دونوں کی بکریاں یکجا ہو جائیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہو جائے لہٰذا زکوٰۃ وصول کرنے والے کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ لینے کی وجہ سے ان بکریوں کو یکجا کر دے اسی طرح دوسری ممانعت کا تعلق بھی زکوٰۃ وصول کرنے والے ہی سے ہے کہ زکوٰۃ لینے کے لئے علیحدہ علیحدہ جانوروں کو یکجانہ کرے مثلاً اگر کسی شخص کے پاس اسی بکریاں اس طرح ہوں کہ چالیس تو ایک جگہ ہیں اور چالیس دوسری جگہ ہیں تو زکوٰۃ وصول کرنے والا ان دونوں جگہوں کی بکریوں کو دو الگ الگ نصاب قرار دے، کر اس شخص سے دو بکریاں وصول نہ کرے بلکہ دونوں جگہوں کی بکریوں کو ایک ہی نصاب قرار دے اور قاعدہ کے مطابق ایک ہی بکری وصول کرے کیونکہ بکریاں اگرچہ الگ الگ ہیں لیکن ملکیت میں ایک ہی شخص کے ہیں لہٰذا دونوں جگہ کی مجموعہ بکریوں پر کہ جن کی تعداد اسی ہے ایک ہی بکری واجب ہوگی۔

وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ (جس نصاب میں دو آدمی شریک ہوں) اس جملے کی وضاحت بھی ایک مسئلہ سمجھ لینے پر موقوف ہے مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً دو سو بکریاں ہیں جس میں دو آدمی شریک ہیں اس حساب سے کہ ایک آدمی کی تو ان میں سے چالیس بکریاں ہیں اور دوسرا آدمی ایک سو ساٹھ بکریوں کا مالک ہے اب سوال یہ ہے کہ ان بکریوں پر زکوٰۃ کے طور پر تو بکریاں واجب ہوں مگر وہ دو بکریاں ان دونوں سے وصول کس حساب سے ہوں گی، ظاہر ہے کہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ پہلے شخص پر تو اس کے حصے کے پیش نظر ایک بکری کا دو خمس واجب ہو اور باقی دوسرے شخص پر واجب ہو بلکہ یہ ہوگا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا تو قاعدہ کے مطابق دونوں شخصوں سے ایک ایک بکری وصول کرے گا مگر اس صورت میں پہلے شخص کو نقصان ہوگا کیونکہ ان مشترک بکریوں میں اس کا حصہ صرف چالیس بکریاں ہیں اسے بھی ایک ہی بکری دینی پڑی اور دوسرے شخص نے بھی ایک ہی بکری دی جس کا حصہ ایک سو ساٹھ بکریاں ہیں (اسی کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا تو دونوں سے ایک ایک بکری وصول کرے گا لیکن پھر بعد میں دونوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اپنے حصے کے مطابق حساب کر لیں یعنی پہلا شخص کہ جس کی چالیس بکریاں ہیں دوسرے شخص سے کہ جس کی ایک سو ساٹھ بکریاں ہیں اپنی دی ہوئی بکری کے تین خمس وصول کرے اس حساب سے چالیس بکریوں کے مالک پر اس کے حصہ کے مطابق دو خمس پڑیں گے اور باقی ایک سو ساٹھ بکریوں کے مالک پر اس کے حصے کے مطابق پڑ جائیں گے چنانچہ ارشاد گرامی فانهما يتراجعان بالسوية (انہیں چاہئے کہ وہ دونوں برابر برابر تقسیم کر لیں) کے یہ معنی ہیں۔

زمین کی پیداوار پر عشر دینے کا حکم

(۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْمَا سَقَتِ السَّمَآءُ وَالْعُيُوْنُ اَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جس چیز کو آسمان نے یا چشموں نے سیراب کیا ہو یا خود زمین سرسبز و شاداب ہو تو اس میں دسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور جس (زمین) کو بیلوں یا اونٹوں کے ذریعے کنویں سے سیراب کیا گیا ہو تو اس کی پیداوار

میں بیسواں حصہ واجب ہے۔" (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو زمین بارش سے سیراب کی جاتی ہو یا چشموں، نہروں اور ندی نالوں کے ذریعے اس میں پانی آتا ہو تو ایسی زمین سے جو بھی غلہ وغیرہ پیدا ہو گا اس میں سے دسواں حصہ بطور زکوٰۃ دینا واجب ہو گا۔

عشری اس زمین کو کہتے ہیں جسے "عاثور" سیراب کیا جائے اور "عاثور" اس گڑھے کو کہتے ہیں جو زمین پر بطور تالاب کھودا جاتا ہے اور اس میں سے کھیتوں وغیرہ پانی لے جاتے ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ "عشری" اس زمین کو کہتے ہیں جو پانی کے قریب ہونے کی وجہ سے ہمیشہ تروتازہ اور سرسبزو شاداب رہتی ہے۔

رکاز کی زکوٰۃ

⑤ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَجْمَآءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَّفِی الرِّكَازِ الْخُمُسُ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر جانور کسی کو زخمی کر دے تو معاف ہے، اگر کنواں کھدوانے میں کوئی مر جائے تو معاف ہے، اگر کان کھدوانے میں کوئی مر جائے تو معاف ہے اور رکاز میں پانچواں حصہ واجب ہوتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: کوئی جانور یعنی گھوڑا، بیل اور بھینس وغیرہ اگر کسی شخص کو زخمی کر دے کوئی چیز ضائع کر دے یا کسی کو جان ہی سے مار ڈالے اور اس موقعہ پر جانور کے ساتھ کوئی یعنی اس کا مالک وغیرہ نہ ہو اور یہ کہ دن کا وقت ہو تو جانور کا زخمی کرنا یا کسی چیز کو ضائع کر دینا معاف ہے یعنی اس کے مالک پر اس کا کوئی بدلہ اور جرمانہ نہیں ہو گا۔ ہاں اگر جانور اس حال میں کسی کو زخمی کرے یا کوئی چیز ضائع کر دے کہ اس پر کوئی سوار ہو یا اس کے ساتھ کوئی ہانکنے والا اور کھینچنے والا ہو تو ایسی صورت میں جانور کے مالک پر بدلہ اور جرمانہ واجب ہو گا کیونکہ اس میں کوتاہی اور لاپرواہی کو دخل ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی جانور رات کے وقت چھوٹ کر کسی کو زخمی کر دے یا کوئی چیز تلف کر دے تو اس کے مالک پر اس کا تاوان آئے گا کیونکہ رات میں جانوروں کو باندھا جاتا ہے مگر اس نے جانور کو نہ باندھ کر لاپرواہی اور کوتاہی کا ثبوت دیا اس بارے میں مذکورہ حدیث اگرچہ عام ہے اور اس میں کوئی قید اور تخصیص نہیں ہے مگر دوسری احادیث اور دیگر دلائل کے پیش نظر مذکورہ قیود کو ذکر کیا گیا ہے۔

والبیر جبار (اگر کنواں کھدوانے میں کوئی مر جائے تو معاف ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص کنواں کھدوانا چاہتا ہے اور اس نے کنواں کھودنے کے لئے کسی مزدور کی خدمات حاصل کی ہیں اب اگر وہ مزدور کنواں کھودتے ہوئے گر کر یا دب کر مر جائے تو کنواں کھدوانے والے پر کوئی تاوان یعنی خون بہا وغیرہ واجب نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی زمین میں یا کسی ایسی افتادہ زمین میں کہ جس کے مالک کا کوئی پتہ نہ ہو کنواں کھدوائے اور اس کنویں میں کوئی آدمی یا جانور گر کر مر جائے تو اس صورت میں بھی اس پر کوئی تاوان نہیں آئے گا، ہاں اگر کنواں راستے میں یا کسی دوسرے کی زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر کھدوایا جائے اور اس کنویں میں کوئی آدمی یا کوئی جانور گر کر مر جائے تو اس صورت میں کنواں کھودنے والے کے عاقلہ پر تاوان یعنی خون بہا واجب ہو گا یہی حکم اس شخص کے بارے میں لاگو ہو گا جو سونا چاندی، فیروزہ یا مٹی نکلوانے کے لئے زمین کے کسی حصے کو کھدوائے گا۔

عاقلہ کسے کہتے ہیں: "عاقلہ" ایک فقہی اصطلاح ہے اس کے معنی مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ کسی شخص سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا ہے مثلاً وہ شکار پر بندوق چلاتا ہے اور اتفاق سے بغیر کسی قصد و ارادہ کے اس کی گولی شکار کی بجائے کسی انسان کو ہلاک کر دیتی ہے یا مذکورہ بالا صورت کے مطابق کوئی شخص راستہ میں کنواں کھدواتا ہے اور اس کنویں میں گر کر کوئی مر جاتا ہے تو جس شخص کی گولی سے کوئی خون ہو جائے یا جس شخص کے کھودے ہوئے کنویں میں کوئی گر کر مر جائے اس کے ساتھی اور رفیق "عاقلہ" کہلاتے ہیں فرض کیجئے وہ شخص فوج

میں یا پولیس میں ملازم ہے تو اس کے ساتھی فوجی یا سپاہی عاقلہ کہلائیں گے اور اگر وہ کہیں ملازم نہ ہو تو پھر اس کے قبیلہ اور خاندان والے اس کے عاقلہ کہلائیں گے۔

عاقلہ پر تاوان کیوں: اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غلطی تو اس شخص کی ہے مگر جرمانہ اور تاوان اس کے ساتھیوں یا اس کے اہل خاندان اور قبیلہ والوں پر کیوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس شخص سے کسی غلطی کا ارتکاب ہو گیا اور اس غلطی میں بھی اس کے قصد وارادہ کو داخل نہیں تھا تو اگرچہ اس پر کوئی جرمانہ کیوں نہ کر دیا جائے مگر ہو سکتا ہے کہ وہ اس غلطی پر پشیمان ونادام نہ ہو اور اس کی لاپرواہی اور کوتاہی آئندہ کسی اور بڑے حادثے کا ذریعہ بن جائے اس لئے ضروری ہوا کہ جرمانہ اور تاوان ان لوگوں پر لازم کیا جائے جو اس کے قریب رہنے والے اور اس سے متعلق ہوں تاکہ وہ اس پر پوری طرح کنٹرول کر سکیں اور آئندہ کے لئے اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونے دیں۔

حدیث میں مذکور رکاز سے کیا مراد ہے: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں جس رکاز کا ذکر کیا گیا ہے اس سے کان (معدن) مراد ہے لیکن اہل حجاز "رکاز" سے زمانہ جاہلیت کے دفینے (زمین دوز گئے ہوئے خزانے) مراد لیتے ہیں جہاں تک حدیث کا ظاہری مفہوم اور اس کا سیاق وسباق ہے اس کے پیش نظر وہی معنی زیادہ مناسب اور بہتر معلوم ہوتے ہیں جو حضرت امام اعظمؒ نے مراد لئے ہیں پھر یہ کہ خود آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد گرامی بھی "رکاز" کے اسی معنی کی وضاحت کرتا ہے چنانچہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جب دریافت کیا گیا کہ رکاز وہ سونا اور چاندی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں اس کی تخلیق کے وقت ہی پیدا فرمایا ہے۔

کان میں سے نکلنے والی چیزوں کی قسمیں: اس موقع پر یہ بھی جان لیجئے کہ جو چیزیں کان سے برآمد ہوتی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔

❶ وہ چیزیں جو منجمد ہوں اور آگ میں ڈالنے سے نرم ہو جائیں نیز منقش کئے جانے کے قابل ہوں یعنی جو سکے وغیرہ ڈھالنے کے کام آسکتی ہوں جیسے سونا، چاندی، لوہا اور رانگا وغیرہ۔

❷ وہ چیزیں جو منجمد نہیں ہوتیں جیسے پانی، تیل، رال اور گندھک وغیرہ۔

❸ وہ چیزیں جو آگ میں ڈالنے سے نرم نہ ہوتی ہوں اور نہ سکے وغیرہ کے لئے ڈھالی جا سکتی ہوں جیسے پتھر، چونا، ہڑتال اور یاقوت وغیرہ۔

چنانچہ ان تینوں اقسام میں سے صرف پہلی قسم میں زکوٰۃ کے طور پر خمس یعنی پانچواں حصہ نکالنا واجب ہے اور اس کے لئے ایک سال گزرنا شرط نہیں ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک معدنیات میں سے صرف سونے چاندی میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے دوسری معدنیات مثلاً لوہے، رانگ وغیرہ میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

گائے اور بیل کی زکوٰۃ

⑥ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ فَهَاتُوْا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَّلَيْسَ فِيْ تِسْعِيْنَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّاَبِيْ دَاوُدَ عَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ زُهَيْرٌ اَحْسِبُهٗ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ هَاتُوْا رُبْعَ الْعُشْرِ مِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَّلَيْسَ عَلَيْكُمْ شَيْءٌ حَتّٰى تَتِمَّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ فَمَا زَادَ فَعَلٰى حِسَابِ ذٰلِكَ وَفِي الْغَنَمِ فِيْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ شَاةً شَاةٌ اِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَإِنْ زَادَتْ وَاحِدَةً فَشَاتَانِ اِلٰى مِائَتَيْنِ فَإِنْ زَادَتْ فَثَلَاثُ شِيَاهٍ اِلٰى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَإِذَا زَادَتْ عَلٰى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ فَإِنْ

لَمْ تَكُنْ اِلَّا تِسْعٌ وَّثَلَاثُوْنَ فَلَيْسَ عَلَيْكَ فِيْهَا شَيْءٌ وَّفِي الْبَقَرِ فِيْ كُلِّ ثَلَاثِيْنَ تَبِيْعٌ وَّفِي الْاَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةٌ وَّلَيْسَ عَلَى الْعَوَامِلِ شَيْءٌ۔

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ میں نے گھوڑوں اور غلاموں میں زکوٰۃ معاف رکھی ہے (یعنی اگر غلام تجارت کے لئے نہ ہوں تو ان میں نہیں ہے اور گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں ائمہ کا جو اختلاف ہے اسے بیان کیا جا چکا ہے) تم چاندی کی زکوٰۃ ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم کے حساب سے ادا کرو (جب کہ چاندی بقدر نصاب یعنی دو سو درہم ہو کیونکہ) ایک سو نوے درہم (یعنی دو سو درہم سے کم) چاندی میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب دو سو درہم چاندی ہو تو اس میں سے پانچ درہم زکوٰۃ کے طور پر دینا واجب ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد) ابوداؤد نے حارث اعور سے حضرت علیؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ زہیرؒ نے (جو حارثؒ سے روایت نقل کرتے ہیں) کہا کہ میرا گمان ہے کہ حارثؒ نے یہ کہا ہے کہ حضرت علیؓ نے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تم (ہر سال) ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم (یعنی چالیسواں حصہ ادا کرو اور تم پر اس وقت تک کچھ واجب نہیں جب تک کہ تمہارے پاس دو سو درہم پورے نہ ہوں، جب دو سو درہم پورے ہوں تو ان میں (بطور زکوٰۃ) پانچ درہم واجب ہوں گے اور جب دو سو درہم سے زائد ہوں گے تو ان میں اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی اور بکریوں کا نصاب یہ ہے کہ ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری واجب ہوتی ہے (اور یہ ایک بکری) ایک سو بیس تک (کی تعداد کے لئے) ہے اور جب اس تعداد سے ایک بکری بھی زائد ہو جائے تو دو سو تک دو بکریاں واجب ہوں گی اور جب دو سو سے ایک بکری بھی زائد ہوگی تو تین سو تک تین بکریاں واجب ہوں گی اور جب تین سو سے زائد ہوں (یعنی چار سو ہو جائیں) تو ہر سو بکری میں ایک بکری واجب ہوگی اور اگر تمہارے پاس بقدر نصاب بکریاں نہ ہوں (یعنی انتالیس بکریاں ہوں) تو پھر ان میں تمہارے ذمہ کچھ بھی واجب نہیں ہوگا اور گائے کا نصاب یہ ہے کہ ہر تیس میں ایک سال کی عمر کا ایک بیل اور چالیس میں دو سال کی عمر کی ایک گائے واجب ہے نیز کام کاج کے جانوروں میں کچھ بھی (یعنی زکوٰۃ) واجب نہیں۔"

تشریح: فمازاد فعلی حساب ذالک (جب دو سو درہم سے زائد ہوں تو ان میں اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی) حنفیہ میں سے صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا یہی مسلک ہے کہ دو سو درہم سے جو مقدار زائد ہوگی اس کا حساب کر کے چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کیا جائے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دو سو درہم سے زائد مقدار میں اسی وقت زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ وہ مقدار چالیس درہم تک ہو اور اگر زائد مقدار چالیس تک نہ پہنچے تو پھر اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی بلکہ دو سو درہم ہی کی زکوٰۃ دی جائے گی حضرت امام صاحبؒ نے اس حدیث میں زائد مقدار کو چالیس درہم کی زائد مقدار پر محمول کیا ہے اور یہ انہوں نے اس لئے کہا ہے تاکہ احادیث میں تطبیق ہو جائے اور کوئی تعارض نظر نہ آئے۔

گائے کے نصاب میں زکوٰۃ کے طور پر "بیل" دینے کے لئے فرمایا گیا ہے، چنانچہ گائے کی زکوٰۃ کے طور پر نر اور مادہ دونوں برابر ہیں چاہے گائے دی جائے اور چاہے بیل دیدیا جائے جیسا کہ آگے آنے والی روایت میں اس کی وضاحت بھی ہے، چنانچہ گائے اور بکری کی زکوٰۃ کے طور پر مادہ ہی دینا ضروری نہیں ہے اونٹوں کے برخلاف کہ ان میں مادہ ہی دینا افضل ہے۔ لیکن گائے اور بکری میں اس کی کوئی قید اور تخصیص نہیں ہے۔

علامہ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اگر گائے یا بیل چالیس سے زائد ہوں تو اس زائد مقدار میں اس وقت تک کوئی چیز واجب نہیں ہوتی جب تک کہ تعداد ساٹھ تک نہ پہنچ جائے جب تعداد ساٹھ ہو جائے گی تو ان میں دو تبیعے یعنی ایک ایک برس کے دو بیل یا اتنی ہی عمر کی دو گائیں دینی ہوں گی، پھر اس کے بعد ہر چالیس میں ایک مسنہ یعنی دو برس کی گائے یا دو برس کا بیل دینا ہوگا اور ہر تیس میں ایک ایک تبیعہ واجب ہوگا مثلاً ستر ہو جائیں تو ایک مسنہ اور ایک تبیعہ اسی ہو جائیں تو دو مسنہ نوے ہو جائیں تو تین تبیعے اور جب سو ہو جائیں تو دو تبیعے اور ایک مسنہ واجب ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر تیس میں ایک تبیعہ اور ہر چالیس میں ایک مسنہ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی

جائے گی۔

علامہ ابن حجرؒ کا قول "اگر گائے یا بیل چالیس سے زائد مقدار میں اس وقت تک کوئی چیز واجب نہیں ہوتی جب تک کہ تعداد ساٹھ تک نہ پہنچ جائے" حنفیہ میں سے صاحبین کا یہی مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ چالیس سے جو تعداد بھی زائد ہوگی اس کا بھی حساب کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی تاآنکہ تعداد ساٹھ تک پہنچ جائے جب تعداد ساٹھ تک پہنچ جائے گی تو دو تبیعے واجب ہو جائیں گے باقی حساب مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق ہوگا۔ لہٰذا اگر چالیس سے ایک بھی گائے یا بیل زائد ہوگا تو مسنّہ کا چالیسواں حصہ یا ایک تبیعہ کا تیسواں حصہ یعنی ان کی قیمت کا چالیسواں یا تیسواں حصہ دینا ضروری ہوگا اسی طرح جو مقدار بھی زائد ہوگی اس کا اسی کے مطابق حساب کیا جائے گا حنفیہ میں صاحب ہدایہ اور ان کے متبعین کی رائے میں حضرت امام صاحبؒ کا یہی قول معتبر ہے۔

حدیث کے آخری جملے وَلَيْسَ عَلَى الْعَوَامِلِ شَيْءٌ (کام کاج کے جانوروں میں کچھ بھی واجب نہیں ہے) کا مطلب یہ ہے کہ جو جانور کام کاج کے ہوں اور ضروریات میں استعمال ہوتے ہوں، جیسے بیل ہل جوتنے یا کنویں سے پانی کھینچنے یا بار برداری کے کام کے لئے ہوں تو اگرچہ ان کی تعداد بقدر نصاب ہی کیوں نہ ہو لیکن ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ یہی حکم اونٹ وغیرہ کے بارے میں بھی ہے چنانچہ حضرت امام اعظمؒ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایسے جانوروں میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۷) وَعَنْ مُعَاذٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّهَهُ اِلَى الْيَمَنِ اَمَرَهُ اَنْ يَّاْخُذَ مِنَ الْبَقَرِ مِنْ كُلِّ ثَلَاثِيْنَ تَبِيْعًا اَوْ تَبِيْعَةً وَّمِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةً (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی والدارمی)

"اور حضرت معاذؓ کے بارے میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب انہیں (عامل بنا کر) یمن بھیجا تو انہیں یہ حکم دیا کہ وہ زکوٰۃ کے طور پر ہر تیس گائے میں سے ایک برس کا بیل یا ایک برس کی گائے لیں اور ہر چالیس گائے میں سے دو برس کی گائے یا دو برس کا بیل وصول کریں۔" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی)

زکوٰۃ میں مقدار واجب سے زیادہ وصول کرنا گناہ ہے

(۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُعْتَدِيْ فِي الصَّدَقَةِ كَمَانِعِهَا (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا زکوٰۃ لینے میں (مقدار واجب سے) زیادتی کرنے والا زکوٰۃ نہ دینے والے کی مانند ہے (یعنی جس طرح زکوٰۃ نہ دینا گناہ ہے اسی طرح زکوٰۃ میں مقدار واجب سے زیادہ وصول کرنا بھی گناہ ہے۔" (ابوداؤد، ترمذیؒ)

غلہ و کھجور کی زکوٰۃ

(۹) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ فِيْ حَبٍّ وَّلَا تَمْرٍ صَدَقَةٌ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْسَةَ اَوْسُقٍ (رواہ النسائی)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا غلہ اور کھجور میں اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں جب تک کہ ان کی مقدار پانچ وسق (۲۵ من ۱۲½ سیر) نہ ہو۔" (نسائی)

تشریح: غلہ اور کھجوروں کی زکوٰۃ کے بارے میں گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے وہیں کسی موقع پر "وسق" کی توضیح بھی کی گئی ہے۔

(۱۰) وَعَنْ مُوْسَى بْنِ طَلْحَةَ قَالَ عِنْدَنَا كِتَابُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ اِنَّمَا اَمَرَهُ اَنْ

یَاْخُذَ الصَّدَقَةَ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِیْرِ وَالزَّبِیْبِ وَالتَّمْرِ مُرْسَلٌ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت موسیٰ ابن طلحہ (تابعی) کہتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت معاذ ابن جبلؓ کا وہ مکتوب گرامی ہے جسے نبی کریم ﷺ نے ان کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ حضرت معاذؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں گیہوں، جو، انگور اور کھجوروں کی زکوٰۃ وصول کروں۔" (یہ حدیث مرسل ہے اور شرح السنۃ میں نقل کی گئی ہے)

تشریح: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زمین کی پیداوار میں سے صرف انہیں چار چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہے بلکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو زمین کی ہر اس پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو انسانی زندگی کے لئے غذا بن سکتی ہو اور حنفیہ کے نزدیک زمین کی ہر پیداوار میں زکوٰۃ ہے خواہ وہ انسانی زندگی کے لئے غذا ہو یا نہ ہو جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس علاقہ میں صرف یہی چار چیزیں پیدا ہوتی تھیں اس لئے انہیں چار چیزوں کو بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔

انگور کی زکوٰۃ

(۱۱) وَعَنْ عَتَّابِ بْنِ اُسَیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ زَكَاةِ الْكُرُوْمِ اِنَّهَا تُخْرَصُ كَمَا تُخْرَصُ النَّخْلُ ثُمَّ تُؤَدّٰی زَكَاتُهٗ زَبِیْبًا كَمَا تُؤَدّٰی زَكَاةُ النَّخْلِ تَمْرًا (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت عتاب ابن اسیدؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انگور کی زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا کہ انگوروں کا اسی طرح اندازہ کیا جائے جیسے کھجوروں کا اندازہ کیا جاتا ہے پھر ان انگوروں کی زکوٰۃ اس وقت ادا کی جائے جب وہ خشک ہو جائیں جس طرح کہ خشک ہو جانے کے بعد کھجوروں کی زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب انگوروں اور کھجوروں میں شیرینی پیدا ہو جائے تو کوئی ماہر شخص ان کے بارے میں یہ اندازہ لگائے کہ خشک ہونے کے بعد یہ کس قدر رہوں گی۔ پھر جب وہ خشک ہو جائیں تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق وہ جتنی بھی ہوں ان کا دسواں حصہ بطور زکوٰۃ ادا کیا جائے۔ صاحبینؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق اگر ان کی مقدار حد نصاب یعنی پانچ وسق تک پہنچ جائے تو دسواں حصہ ادا کیا جائے۔

(۱۲) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِیْ حَثْمَةَ حَدَّثَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَقُوْلُ اِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوْا وَدَعُوا الثُّلُثَ فَاِنْ لَّمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت سہل ابن ابی حثمہؓ رسول کریم ﷺ کی یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم انگوروں اور کھجوروں کی زکوٰۃ کا اندازہ کر لو تو اس میں سے (دو تہائی) لے لو اور ایک تہائی چھوڑ دو، اگر ایک تہائی نہ چھوڑ سکو تو چوتھائی تو چھوڑ ہی دو۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: دراصل یہ زکوٰۃ وصول کرنے والوں سے خطاب ہے کہ جب تم زکوٰۃ کی مقدار متعین کر لو تو اس مقدار متعین میں سے دو تہائی تو لے لو اور ایک تہائی از راہ احسان و مروت مالک کے لئے چھوڑ دو تاکہ وہ اس میں سے اپنے ہمسایوں اور راہ گیروں کو کھلائے حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام مالکؒ کا یہی مسلک ہے اگرچہ حضرت امام شافعیؒ کا پہلا قول بھی یہی ہے مگر ان کا بعد کا قول یہ ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار واجب میں سے کچھ حصہ بھی نہ چھوڑا جائے۔

اس حدیث کی تاویل وہ یہ کرتے ہیں کہ اس کا تعلق خیبر کے یہودیوں سے تھا، چونکہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے مساقات (بٹائی) پر معاملہ کر رکھا تھا کہ آدھی کھجوریں وہ رکھا کریں اور آدھی کھجوریں دربار نبوت میں بھیج دیا کریں اس لئے آپ نے وہاں کی

کھجوروں کا اندازہ کرنے والے کو یہ حکم دیا تھا کہ پہلے تمام کھجوروں میں سے ایک تہائی یا ایک چوتھائی ان یہودیوں کے لئے ازراہ احسان چھوڑ دیا جائے پھر باقی کھجوروں کو نصف تقسیم کر دیا جائے ایک حصہ یہودیوں کو دے دیا جائے اور ایک دربار نبوت میں بھیج دیا جائے۔

کھجوروں کا اندازہ

(۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْعَثُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ إِلَى يَهُوْدَ فَيَخْرُصُ النَّخْلَ حِيْنَ تَطِيْبُ قَبْلَ أَنْ يُؤْكَلَ مِنْهُ (رواه ابوداؤد)

"اور اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ عبداللہ ابن رواحہ کو (خیبر کے) یہودیوں کے پاس بھیجا کرتے تھے وہاں جاکر کھجوروں کی مقدار کا اس وقت اندازہ کیا کرتے تھے جب کہ ان میں شیرینی پیدا ہو جاتی تھی مگر کھانے کے قابل نہیں ہوتی تھیں۔" (ابوداؤدؒ)

شہد کی زکوٰۃ

(۱۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَسَلِ فِيْ كُلِّ عَشْرَةِ أَزْقٍ زِقٌّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ فِيْ إِسْنَادِهِ مَقَالٌ وَّلَا يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ كَثِيْرُ شَيْءٍ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے شہد کی زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا کہ ہر دس مشک میں ایک مشک (بطور زکوٰۃ) واجب ہے۔ (ترمذی اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی اسناد میں کلام کیا گیا ہے نیز اس بارے میں آنحضرت ﷺ کی اکثر احادیث (جو نقل کی جاتی ہیں) وہ صحیح نہیں ہیں۔"

تشریح: شہد کی زکوٰۃ کے بارے میں ائمہ کے ہاں اختلاف ہے حضرت امام شافعیؒ تو فرماتے ہیں کہ شہد میں زکوٰۃ نہیں ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک شہد میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ کم مقدار میں ہو یا زیادہ مقدار میں ہو بشرطیکہ عشری زمین میں نکلا ہو ان کی دلیل یہ ارشاد گرامی ہے کہ:

"زمین کی ہر پیداوار میں عشر واجب ہے۔"

نیز جو شہد پہاڑوں میں ہو اس میں بھی امام اعظمؒ کے نزدیک دسواں حصہ نکالنا واجب ہے۔

زیور کی زکوٰۃ

(۱۵) وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَتْ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ فَإِنَّكُنَّ أَكْثَرُ أَهْلِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (رواه الترمذی)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی زوجہ محترمہ حضرت زینبؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمارے سامنے خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا کہ اے عورتوں کی جماعت، تم اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو اگرچہ وہ زیور ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ قیامت کے دن تم میں اکثریت دوزخیوں کی ہوگی۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اکثریت دوزخیوں کی ہوگی کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی اکثریت چونکہ دنیا اور دنیا کی چیزوں کی محبت میں گرفتار ہوتی ہے جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی بلکہ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کا ان میں جذبہ بھی نہیں ہوتا اس لئے عورتوں کی اکثریت کو دوزخی فرمایا گیا ہے، چنانچہ عورتوں کو آگاہ فرمایا گیا کہ اگر تم دوزخ کی ہولناکیوں سے بچنا چاہتی ہو تو دنیا کی محبت اور دنیاوی عیش و عشرت کی طمع و حرص سے باز آؤ خدا نے تمہیں جس قدر مال دیا ہے اسی پر قناعت کرو اور اس میں سے زکوٰۃ و صدقہ نکالتی رہو تاکہ قیامت

کے دن خدا کی رحمت تمہارے ساتھ ہو اور تم دوزخ میں جانے سے بچ جاؤ۔

عورتوں کے زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا تو مسلک یہ ہے کہ مطلقاً زیور میں زکوٰۃ واجب ہے جب کہ وہ حد نصاب کو پہنچتا ہو حضرت امام شافعیؒ کا پہلا قول بھی یہی ہے حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے ان زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جن کا استعمال مباح ہے لہٰذا جن زیورات کا استعمال حرام ہے ان حضرات کے نزدیک بھی ان میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، حضرت امام شافعیؒ کا آخری قول بھی یہی ہے حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کی دلیل بھی یہی حدیث ہے جس سے مطلقاً زیورات میں زکوٰۃ کا وجوب ثابت ہو رہا ہے۔

کون سے زیورات مباح ہیں اور کون سے زیورات غیر مباح و حرام ہیں؟ اس کی تفصیل جاننے کے لئے "محرر" اور شافعیؒ مسلک کی دوسری کتابیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۱۶) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ امْرَأَتَيْنِ اَتَتَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ اَيْدِيْهِمَا سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ لَهُمَا تُؤَدِّيَانِ زَكَاتَهُ قَالَتَا لَا فَقَالَ لَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُحِبَّانِ اَنْ يُّسَوِّرَكُمَا اللّٰهُ بِسِوَارَيْنِ مِنْ نَّارٍ قَالَتَا لَا قَالَ فَاَدِّيَا زَكَاتَهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ قَدْ رَوَى الْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ نَحْوَ هٰذَا وَالْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ وَابْنُ لَهِيْعَةَ يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيْثِ وَلَا يَصِحُّ فِيْ هٰذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ۔

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد مکرم سے اور وہ اپنے جد محترم سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) دو عورتیں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان دونوں نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھے، آنحضرت ﷺ نے (ان کڑوں کو دیکھ کر) فرمایا کہ کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو! ان دونوں نے کہا کہ نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا تو کیا تم یہ بات پسند کرتی ہو کہ (کل قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے دو کڑے پہنائے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر اس (سونے) کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کو اسی طرح مثنی ابن صباح نے عمرو ابن شعیب سے نقل کیا ہے اور مثنی ابن صباح نیز ابن لہیعہ (جو اس حدیث کے ایک دوسرے راوی ہیں) دونوں روایت حدیث کے بارے میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں اور اس بارے میں نبی کریم ﷺ کی کوئی صحیح حدیث منقول نہیں ہے۔"

تشریح: یہ حدیث بھی بڑی وضاحت کے ساتھ اس بات کی دلیل ہے کہ زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے، امام ترمذیؒ کا یہ کہنا ہے کہ اس بارے میں آنحضرت ﷺ کی کوئی صحیح حدیث منقول نہیں ہے، سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے کیونکہ احادیث کی دوسری کتابوں میں اس مسئلہ سے متعلق صحیح حدیثیں منقول ہیں جنہیں ملا علی قاریؒ نے بھی "مرقات" میں نقل کیا ہے۔

(۱۷) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحًا مِّنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَكَنْزٌ هُوَ فَقَالَ مَا بَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰى زَكَاتُهُ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ (رواہ مالک وابوداؤد)

"اور حضرت ام سلمہؓ راویہ ہیں کہ میں سونے کا وضح (جو ایک زیور کا نام ہے) پہنا کرتی تھی، ایک دن میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس کا شمار بھی "جمع کرنے میں ہے" آپ ﷺ نے فرمایا "جو چیز اتنی مقدار میں ہو کہ اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے (یعنی حد نصاب کو پہنچتی ہو) تو زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس کا شمار جمع کرنے میں نہیں ہوتا۔" (مالکؒ، ابوداؤد)

تشریح: حضرت ام سلمہؓ کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ قرآن کریم نے مال جمع کرنے کے بارے میں جو یہ وعید بیان فرمائی ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الْاٰيَةِ

"جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس میں سے خدا کی راہ میں کچھ خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب سے آگاہ کردیجئے۔"

تو کیا سونے کا میرا یہ زیور بھی اس وعید میں داخل ہے، اس کا جواب آنحضرت ﷺ نے یہ دیا کہ جو مال بقدر نصاب ہو اور اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو وہ مال اس وعید میں داخل نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم تو دردناک عذاب کی خبر اس مال کے مالک کے بارے میں دے رہا ہے جسے بغیر زکوٰۃ دیئے جمع کیا جائے۔

مال تجارت پر زکوٰۃ

⑱ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْمُرُنَا اَنْ نُّخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سمرہ ابن جندب ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم تجارت کے لئے جو مال تیار کریں اس کی زکوٰۃ نکالا کریں۔" (ابوداؤد)

کانوں کی زکوٰۃ کا مسئلہ

⑲ وَعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْطَعَ لِبِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ مَعَادِنَ الْقَبَلِيَّةِ وَهِيَ مِنْ نَاحِيَةِ الْفُرْعِ فَتِلْكَ الْمَعَادِنُ لَا تُؤْخَذُ مِنْهَا اِلَّا الزَّكَاةُ اِلَى الْيَوْمِ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ربیعہ ابن ابو عبدالرحمٰن (تابعی) بہت سے صحابہ ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت بلال ابن حارث مزنی کو نواح فرع میں قبل کی کانیں بطور جاگیر عطا فرمادی تھیں چنانچہ ان کانوں میں سے اب تک صرف زکوٰۃ لی جاتی ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: قبلیہ قبل کی طرف منسوب ہے جو نواح "فرع" میں ایک جگہ کا نام ہے اور فرع مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک علاقہ ہے قبل میں جو کانیں تھیں انہیں آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال ابن حارث مزنی ؓ کو عطا فرمادی تھیں تاکہ وہ ان کانوں میں سے جو کچھ برآمد کریں اس سے اپنی گذر بسر کا کام چلائیں۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کانوں میں سے زکوٰۃ یعنی چالیسواں حصہ لیا جاتا ہے، گویا کہ خمس نہیں لیا جاتا جیسا کہ کانوں کے متعلق حکم ہے، چنانچہ حضرت امام مالک ؒ اور ایک قول کے مطابق حضرت امام شافعی ؒ کا مسلک یہی ہے کہ کانوں میں بھی چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔ خمس واجب نہیں مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ؒ کا مسلک یہ ہے کہ کانوں میں خمس واجب ہوتا ہے چالیسواں حصہ واجب نہیں ہوتا، حضرت امام شافعی ؒ کا بھی ایک قول یہی ہے حضرت امام شافعی ؒ کا ایک تیسرا قول یہ بھی ہے کہ اگر کان میں سے برآمد ہونے والی چیز بڑی محنت اور مشقت کے نتیجے میں حاصل ہو تو چالیسواں حصہ واجب ہوگا ورنہ بصورت دیگر خمس ہی واجب ہوگا۔

بہر حال حدیث چونکہ حنفیہ کے مسلک کے خلاف ہے اس لئے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حدیث کے مفہوم سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ان کانوں میں سے خمس کے بجائے چالیسواں آنحضرت ﷺ کے کسی حکم کے مطابق لیا جاتا ہو بلکہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت کے حکام نے اپنے ذاتی اجتہاد سے ان کانوں میں سے بجائے خمس کے چالیسواں حصہ نکالنا ضروری قرار دیا ہوگا اور ظاہر ہے کہ ہمارے مسلک کی بنیاد کتاب اللہ، سنت صحیحہ اور قیاس پر ہے، ملا علی قاری ؒ نے مرقات میں اس بات کو بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے اہل علم اس کتاب سے مراجعت کرسکتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ترکاریوں اور عاریت کے درختوں میں زکوٰۃ نہیں

(۲۰) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ وَّلَا فِي الْعَرَايَا صَدَقَةٌ وَّلَا فِيْ اَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ صَدَقَةٌ وَّلَا فِي الْعَوَامِلِ صَدَقَةٌ وَّلَا فِي الْجَبْهَةِ صَدَقَةٌ قَالَ الصَّقْرُ الْجَبْهَةُ الْخَيْلُ وَ الْبِغَالُ وَ الْعَبِيْدُ۔ (رواہ الدار قطنی)

"حضرت علیؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ترکاریوں میں عاریت کے درختوں میں پانچ وسق سے کم میں، کام کاج کے جانوروں میں اور جبہہ میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے صقر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جبہہ سے گھوڑا، خچر اور غلام مراد ہے۔" (دارقطنیؒ)

تشریح: ترکاریوں اور سبزیوں کی زکوٰۃ کے بارے میں پوری تفصیل باب کے بالکل شروع میں بیان کی جا چکی ہے۔ عرایا عریۃ کی جمع ہے عریۃ کھجور کے اس درخت کو کہتے ہیں جسے اس کا مالک کسی محتاج وضرورت مند کو بطور عاریت دے دیتا ہے اور پورے سال کی کھجوروں کو اس کی ملکیت بنا دیتا ہے تاکہ وہ ان کھجوروں سے اپنی احتیاج وضرورت کو ختم کر سکے چنانچہ ایسی کھجوروں کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ وجوب زکوٰۃ سے پہلے ہی اپنے مالک کی ملکیت سے نکل جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ حدیث بالا میں جن چیزوں کی زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا گیا ہے ان سب کا تفصیلی ذکر گزشتہ صفحات میں مختلف مقامات پر بیان کیا جا چکا ہے۔

وقص جانوروں کی زکوٰۃ کا مسئلہ

(۲۱) وَعَنْ طَاؤُسٍ اَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ اُتِيَ بِوَقْصِ الْبَقَرِ فَقَالَ لَمْ يَاْمُرْنِيْ فِيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَقَالَ الْوَقْصُ مَالَمْ يَبْلُغِ الْفَرِيْضَةَ۔

"اور حضرت طاؤسؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبلؓ کے پاس وقص گائیں لائی گئیں (تاکہ وہ اس میں سے زکوٰۃ وصول کریں) مگر انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے ان میں سے مجھے کچھ لینے کا حکم نہیں فرمایا (یعنی آپ ﷺ نے ان کی زکوٰۃ کے طور پر کچھ واجب نہیں فرمایا) دارقطنیؒ اور شافعیؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ وقص وہ جانور کہلاتے ہیں جو (ابتدائی طور پر یا پہلے دوسرے نصاب کے بعد) حد نصاب کو نہ پہنچیں۔"

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "وقص" قاف کے زبر کے ساتھ جانوروں کی اس تعداد کو کہتے ہیں جو فرض حد نصاب کو نہ پہنچے خواہ ابتداء ایسی تعداد ہو خواہ دو نصابوں کے درمیان ہو۔

اس بات کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ گائے یا بیل اگر تیس سے کم تعداد میں ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں چنانچہ تیس سے کم وہ تعداد ہے جو ابتدائی طور پر ہی حد نصاب کو نہیں پہنچتی تیس سے کم یہ تعداد وقص کہلائے گی۔

دو نصابوں کے درمیان "وقص" یہ ہے کہ مثلاً تیس گائے یا بیل پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جب تعداد تیس سے بڑھ جائے گی مگر چالیس تک نہ پہنچے تو اس درمیانی تعداد یعنی اکتیس سے لے کر انتالیس تک میں زکوٰۃ کے طور پر کچھ دینا واجب نہیں ہوتا ہاں جب تعداد پوری چالیس ہو جاتی ہے تو زکوٰۃ کی مقدار بڑھ جاتی ہے لہٰذا اکتیس سے لے کر انتالیس تک کی تعداد بھی وقص کہلاتی ہے اسی طرح چالیس کے بعد زکوٰۃ کی مقدار اسی وقت بڑھتی ہے جب کہ تعداد پوری ساٹھ ہو جائے، ان دونوں عدد کی درمیانی تعداد کو وقص کہیں گے کیونکہ اس تعداد میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ پھر جب تعداد ساٹھ سے متجاوز ہوگی زکوٰۃ کی مقدار اسی وقت بڑھے گی جب تعداد ستر ہو جائے، ان دونوں

عدد کی درمیانی تعداد بھی وقص کہلائے گی کیونکہ اس تعداد میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، اسی طرح ہر دہائی کے بعد حکم متغیر ہوتا چلا جاتا ہے بایں طور زکوٰۃ کی مقدار میں اضافہ ہوتا رہتا ہے دو دہائیوں کے درمیان جتنے بیل اور گائے ہوں گی ان سب کو وقص کہیں گے اور ان میں زکوٰۃ معاف ہوگی۔

حدیث میں جس "وقص" کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے ابتدائی وقص یعنی تیس سے کم تعداد مراد ہے کیونکہ حضرت معاذؓ کے پاس جو گائیں لائی گئی تھیں ان کی تعداد تیس سے کم تھی۔

دو نصابوں کے درمیان کے "وقص" میں صاحبین کے نزدیک مطلقاً زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک چالیس سے ساٹھ تک کے درمیان "وقص" میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے مگر باقی "وقص" میں واجب نہیں ہوتی۔

اس مسئلے کی پوری تفصیل اس باب کی دوسری فصل کے شروع میں بیان کی جا چکی ہے اس حدیث کے بارے میں میرکؒ کہتے ہیں کہ اس کی اسناد منقطع ہے کیونکہ حضرت معاذؓ سے طاؤسؒ کی ملاقات ثابت نہیں ہے۔

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ

صدقۂ فطر کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

صدقۂ فطر واجب ہے یا فرض؟

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکَاۃَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْصَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ عَلَی الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی وَالصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاَمَرَبِھَا اَنْ تُؤَدّٰی قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَی الصَّلٰوۃِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں میں سے ہر غلام، آزاد، مرد، عورت اور چھوٹے بڑے پر زکوٰۃ فطر (صدقہ فطر) کے طور پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو فرض قرار دیا ہے نیز آپ ﷺ نے صدقہ فطر کے بارے میں یہ بھی حکم فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو (عید الفطر کی نماز کے لئے جانے سے پہلے دے دیا جائے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے، حضرت امام مالکؒ کے ہاں سُنّت مؤکدہ ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک میں واجب ہے حدیث میں مذکور لفظ "فرض" حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک اپنے ظاہری معنی ہی پر محمول ہے، حضرت امام مالکؒ فرض کے معنی بیان کرتے ہیں "مقرر کیا" حنفی حضرات فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر چونکہ دلیل قطعی کے ذریعے ثابت نہیں ہے اس لئے صدقہ فطر "عمل" کے اعتبار سے تو فرض ہی کے برابر ہے لیکن اعتقادی طور پر اسے فرض نہیں کہا جاسکتا جس کا مطلب یہ ہے کہ واجب ہے فرض نہیں ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں ہر اس شخص پر صدقہ فطر واجب ہے جو اپنے لئے اور ان لوگوں کے لئے کہ جن کی طرف سے صدقہ فطر دینا اس کے ذمہ ہے ایک دن کا سامان خوراک رکھتا ہو اور وہ بقدر صدقہ فطر اس کی ضرورت سے زائد بھی ہو حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کے مطابق صدقہ فطر اسی شخص پر واجب ہوگا جو غنی ہو یعنی وہ اپنی ضرورت اصلیہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی کے بقدر اسباب وغیرہ کا مالک ہو، یا اس کے بقدر سونا چاندی اپنی ملکیت میں رکھتا ہو اور وہ قرض سے محفوظ ہو۔

صدقہ کا وجوب عید الفطر کی فجر طلوع ہونے کے وقت ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص طلوع فجر سے پہلے مرجائے اس پر صدقہ واجب نہیں ہوتا، اسی طرح جو شخص طلوع فجر کے بعد اسلام لائے اور مال پائے یا جو بچہ طلوع فجر کے بعد پیدا ہو اس پر بھی صدقہ فطر واجب نہیں ایک صاع ساڑھے تین سیر یعنی چودہ اوزان کے مطابق تین کلو ۲۶۶ گرام کے برابر ہوتا ہے گزشتہ صفحات میں بھی کچھ اوزان کے بارے میں تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔

جو غلام خدمت کے لئے ہو اس کی طرف سے اس کے مالک پر صدقہ فطر دینا واجب ہے، ہاں جو غلام تجارت کے لئے ہو اس کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے، اسی طرح جو غلام بھاگ جائے اس کی طرف سے بھی صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے ہاں جب وہ واپس آجائے تو اس وقت دینا واجب ہوگا۔

اولاد اگر چھوٹی ہو اور مالدار نہ ہو تو اس کی طرف سے اس کے باپ پر صدقہ فطر دینا واجب ہے ہاں اگر چھوٹی اولاد مالدار ہو تو پھر اس کا صدقہ فطر اس کے باپ پر واجب نہیں ہے بلکہ اس کے مال میں دیا جائے گا۔

بڑی اولاد جس پر دیوانگی طاری ہو اس کا حکم بھی چھوٹی اولاد کی طرح ہے، اسی طرح بڑی اولاد کی طرف سے باپ پر اور بیوی کی طرف سے خاوند پر ان کا صدقہ فطر دینا واجب نہیں ہے ہاں اگر کوئی باپ اپنی ہوشیار اولاد کی طرف سے یا کوئی خاوند اپنی بیوی کی طرف سے ان کا صدقہ ان کی اجازت سے از راہ احسان و مروت ادا کردے تو جائز ہوگا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں لفظ من المسلمین لفظ "عبد" اور اس کے بعد کے الفاظ کا حال واقع ہو رہا ہے لہٰذا کسی مسلمان پر اپنے کافر غلام کی طرف سے صدقہ فطر واجب نہیں ہوگا، مگر صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ غلام کافر کا صدقہ فطر بھی اس کے مسلمان مالک پر واجب ہوتا ہے، انہوں نے اس کے ثبوت میں ایک حدیث بھی نقل کی ہے جسے ہدایہ یا مرقات میں دیکھا جاسکتا ہے، حنفیہ کے یہاں صاحب ہدایہ ہی کے قول کے مطابق فتویٰ ہے۔ (علم الفقہ)

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ہی ادا کردینا مستحب ہے اگر کوئی شخص اس سے بھی پہلے خواہ ایک مہینے یا ایک مہینے سے بھی زیادہ پہلے دے دے تو جائز ہے۔ نماز عید کے بعد یا زیادہ تاخیر سے صدقہ فطر ساقط نہیں ہوتا بہر صورت دینا ضروری ہوتا ہے۔

صدقہ فطر کی مقدار

③ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ اَوْصَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ اَوْصَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْصَاعًا مِّنْ اَقِطٍ اَوْصَاعًا مِّنْ زَبِيْبٍ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم کھانے میں سے ایک صاع یا جو میں سے ایک صاع یا کھجوروں میں سے ایک صاع اور یا خشک انگوروں میں سے ایک صاع صدقہ فطر نکالا کرتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ طعام (کھانے) سے مراد گیہوں ہے لیکن حنفی علماء کہتے ہیں کہ طعام سے گیہوں کے علاوہ دوسرے غلے مراد ہیں، لہٰذا اس صورت میں "طعام" پر اس کے مابعد کا عطف خاص علی العام کی قسم سے ہوگا۔

"قروط" ایک خاص قسم کے "پنیر" کو کہتے تھے یہ پنیر اس طرح بنایا جاتا تھا کہ دہی کو کپڑے میں باندھ کر لٹکادیتے تھے، دہی کا تمام پانی ٹپک ٹپک کر گر جاتا تھا اور اس کا باقی ماندہ حصہ "پنیر" کی طرح کپڑے میں رہ جاتا تھا وہی حصہ "قروط" کہلاتا تھا۔

خشک انگور چونکہ حضرت امام اعظمؒ کے ہاں گیہوں کی مانند ہے اس لئے اس میں سے صدقہ فطر کے طور پر نصف صاع یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام دینا چاہئے، البتہ صاحبینؒ خشک کھجوروں کو چونکہ جو کی مانند سمجھتے ہیں اس لئے ان حضرات کے نزدیک اس میں سے صدقہ فطر کے

طور پر ایک صاع یعنی تین کلو ۲۶۶ گرام دینا چاہئے۔ امام حسنؒ نے حضرت امام اعظمؒ کا بھی ایک قول یہی نقل کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

③ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِیْ اٰخِرِ رَمَضَانَ اَخْرِجُوْا صَدَقَةَ صَوْمِکُمْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذِہِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْشَعِیْرٍ اَوْنِصْفَ صَاعٍ مِّنْ قَمْحٍ عَلٰی کُلِّ حُرٍّ اَوْمَمْلُوْكٍ ذَکَرٍ اَوْاُنْثٰی صَغِیْرٍ اَوْکَبِیْرٍ۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

"روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے رمضان کے آخری دنوں میں (لوگوں سے) کہا کہ تم اپنے روزوں کی زکوٰۃ نکالو یعنی صدقہ فطر ادا کرو رسول کریم ﷺ نے یہ صدقہ ہر (مسلمان، آزاد، غلام، لونڈی، مرد، عورت اور چھوٹے بڑے پر) کھجوروں اور جو میں سے ایک صاع اور گیہوں میں سے نصف صاع فرض (یعنی واجب قرار دیا گیا ہے۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اسی حدیث کے مطابق کہتے ہیں کہ صدقہ فطر کے طور پر اگر گیہوں دیا جائے تو اس کی مقدار نصف صاع یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام ہونی چاہئے۔

صدقہ فطر کا وجوب کیوں؟

④ وَعَنْہُ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکَاةَ الْفِطْرِ طُھْرَ الصِّیَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَ طُعْمَةً لِّلْمَسَاکِیْنِ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے روزوں کی بیہودہ باتوں اور لغو کلام سے پاک کرنے کے لئے نیز مساکین کو کھلانے کے لئے صدقہ فطر لازم قرار دیا ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ صدقہ فطر کو اس لئے واجب کیا گیا ہے تاکہ تقصیرات و کوتاہی اور گناہوں کی وجہ سے روزوں میں جو خلل واقع ہو جائے وہ اس کی وجہ سے جاتا رہے نیز مساکین و غرباء عید کے دن لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بچ جائیں اور وہ صدقہ لے کر عید کی مسرتوں اور خوشیوں میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جائیں۔ دار قطنی نے اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں کہ:

"جو شخص صدقہ فطر نماز عید سے پہلے ادا کرے گا اس کا صدقہ "مقبول صدقہ" ہوگا اور جو شخص نماز عید کے بعد ادا کرے گا تو اس کا وہ صدقہ (بس) صدقوں میں سے ایک صدقہ ہوگا۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

صدقۂ فطر کی مقدار

⑤ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِیًا فِیْ فِجَاجِ مَکَّةَ اَلَا اِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ ذَکَرٍ اَوْاُنْثٰی حُرٍّ اَوْعَبْدٍ صَغِیْرٍ اَوْکَبِیْرٍ مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ اَوْسِوَاہُ اَوْ صَاعٌ مِّنْ طَعَامٍ۔

(رواہ الترمذی)

"حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ کے گلی کوچوں میں یہ منادی کرائی کہ سن لو صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام اور چھوٹا ہو یا بڑا (اور اس کی مقدار) گیہوں یا اس کی مانند چیزوں

(مثلاً خشک انگور وغیرہ) میں سے دو مد اور (گیہوں کے علاوہ دوسرے غلوں میں سے ایک صاع۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "دو مد" سے مراد آدھا صاع ہے کیونکہ ایک مد غلہ کا وزن ۱۴ چھٹانک کے قریب ہوتا ہے اور ایک صاع ساڑھے تین سیر کے برابر ہوتا ہے، لہٰذا صدقہ فطر کے طور پر گیہوں پونے دو سیر یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام دینا چاہئے چونکہ گیہوں کا آٹا یا گیہوں کا ستو بھی گیہوں ہی کے مثل ہے اس لئے یہ دونوں چیزیں بھی اسی مقدار میں دینی چاہئیں۔

(۶) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ اَوْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ صُعَیْرٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعٌ مِنْ بُرٍّ اَوْ قَمْحٍ عَنْ كُلِّ اثْنَیْنِ صَغِیْرٍ اَوْ كَبِیْرٍ حُرٍّ اَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى اَمَّا غَنِیُّكُمْ فَیُزَكِّیْهِ اللّٰهُ وَاَمَّا فَقِیْرُكُمْ فَیَرُدُّ عَلَیْهِ اَكْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهُ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن ثعلبہ یا حضرت ثعلبہ ابن عبداللہ ابن ابی صعیر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (صدقہ فطر واجب ہے) گیہوں میں سے ایک صاع دو آدمیوں کی طرف سے (کہ ہر ایک کی طرف سے نصف نصف صاع ہوگا) خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، آزاد ہوں یا غلام، مرد ہوں یا عورت، غنی کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (صدقہ فطر دینے کی وجہ سے) اسے پاکیزہ بنا دیتا ہے اور فقیر کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس سے زیادہ دیتا ہے جتنا اس نے صدقہ فطر کے طور پر دیا۔" (ابوداؤد)

تشریح: مشکوٰۃ کے نسخوں میں حدیث کے راوی کا نام اگرچہ اسی طرح لکھا ہوا ہے لیکن صحیح اس طرح ہے عبداللہ ابن ثعلبہ ابن ابی صعیر یا ابن ابی صعیر عن ابیہ الخ۔ حضرت ثعلبہ صحابی ہیں جن سے ان کے صاحبزادے عبداللہ یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ غنی بھی صدقہ فطر ادا کرے اور فقیر بھی صدقہ فطر دے۔ ان دونوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی کو تو اس کے صدقہ فطر دینے کی وجہ سے پاکیزہ بنا دیتا ہے اور فقیر[1] کو اس سے زیادہ دیتا ہے جتنا اس نے صدقہ فطر کے طور پر دیا ہے؛ یہ بشارت اگرچہ غنی کے لئے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مال میں بھی اس سے کہیں زیادہ برکت عطا فرماتا ہے جتنا کہ اس نے دیا ہے مگر اس بشارت کو فقیر کے ساتھ مخصوص اس لئے کیا تاکہ اس کی ہمت افزائی ہو اور وہ صدقہ فطر دینے میں پیچھے نہ رہے۔

بَابُ مَنْ لَّا تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ

جن لوگوں کو زکوٰۃ کا مال لینا اور کھانا حلال نہیں ہے ان کا بیان

اس باب کے تحت وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ زکوٰۃ کا مال کن لوگوں کو لینا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ چونکہ اس باب سے متعلق بہت زیادہ مسائل ہیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ پہلے ان تمام مسائل کو تفصیلی طور پر نمبروار نقل کر دیا جائے۔

(۱) جو شخص صاحب نصاب ہو اور اس پر زکوٰۃ واجب ہو تو وہ زکوٰۃ کا مال اپنی اصل کو نہ دے یعنی ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اور ان سے اوپر کے بزرگوں کو خواہ وہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے ان میں سے کسی کو زکوٰۃ دینا درست اور جائز نہیں ہے اسی طرح اپنی فرع یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پڑوتا، پڑوتی، نواسا، نواسی اور ان کی اولاد میں سے کسی کو بھی زکوٰۃ کا مال دینا درست نہیں ہے امام اعظمؒ کے قول کے مطابق شوہر، بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ نہ دے، مگر صاحبین کا قول یہ ہے کہ اگر بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے تو درست ہے، ان

---

[1] زکوٰۃ و صدقات کے مسائل میں "فقیر" کا لفظ اپنے اصطلاحی معنی میں استعمال ہوتا ہے، اصطلاح شریعت میں فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی ایسے مال کے نصاب کا مالک نہ ہو جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے مگر بالکل تہیدست اور قلاش بھی نہ ہو حاصل یہ کہ فقیر سے موجودہ دور کے فقیر مراد نہ لئے جائیں کیونکہ آج کل تو فقیر بھیک مانگنے والے یا بالکل قلاش و تہی دست کو کہتے ہیں۔

کے علاوہ بقیہ رشتہ داروں کو زکوٰۃ کا مال دینا درست ہے بشرطیکہ وہ زکوٰۃ کے مستحق ہوں یعنی غنی، سید، ہاشمی اور کافر نہ ہوں بلکہ غیروں کے مقابلہ میں اپنے رشتہ داروں کو دینا بہتر ہے، اس بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ اگر زکوٰۃ اس ترتیب سے دی جائے تو بہت اچھا ہے کہ پہلے بہن، بھائی کو دے ان کے بعد ان کی اولاد کو، پھر چچا اور پھوپھی کو، ان کے بعد ان کی اولاد کو، پھر ماموں خالہ کو، ان کے بعد ان کی اولاد کو، پھر ان لوگوں کو جو ذوی الارحام ہوں پھر اپنے اجنبی ہمسایہ اور پڑوسی کو، پھر اپنے ہم پیشہ کو اور پھر اپنے ہم وطن کو یہی حکم صدقہ فطر اور نذر کا ہے کہ مذکورہ بالا ترتیب سے دینا افضل ہے، ویسے اگر کوئی شخص غیر اور اجنبی کو دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے مگر بہتر اور افضل یہی ہے کہ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو مقدم رکھا جائے۔

۲ اپنے غلام اور اپنی لونڈی کو زکوٰۃ دینی درست نہیں ہے، یہی حکم اُمّ ولد یعنی اس لونڈی کا ہے جس کے اپنے مالک سے کوئی اولاد ہو کہ اس کا مالک اسے بھی زکوٰۃ نہ دے۔

۳ سسرالی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینی درست ہے مثلاً ساس سسر، سالا، سالی یا جن لوگوں سے ان کی وجہ سے رشتہ داری ہو اسی طرح داماد اور بہو کو زکوٰۃ دینی درست ہے، نیز سوتیلی ماں، سوتیلی نانی کو بھی زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے۔

۴ زکوٰۃ کا مال "غنی" کو دینا درست نہیں ہے، غنی اس شخص کو کہتے ہیں جو بقدر نصاب مال کا مالک ہو مال خواہ نامی ہو یا غیر نامی۔ "نامی مال" اس مال کو کہتے ہیں جس میں اضافہ اور بڑھوتری ہوتی ہے جیسے مال تجارت، نقد روپیہ، سونا، چاندی اور سونے چاندی کے زیورات، یہ مال شرعی قاعدہ کے مطابق نامی ہیں یعنی بڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اسی طرح ایسے مویشی اور جانور بھی حقیقۃً نامی مال ہیں جو تجارت یا افزائش نسل کے لئے ہوں۔ "غیر نامی مال" اس مال کو کہتے ہیں جس میں اضافہ اور بڑھوتری نہ ہوتی ہو جیسے حویلی و مکانات، کپڑے اور برتن وغیرہ۔ یہ چیزیں بھی اگر ضرورت اصلیہ سے زائد ہوں اور بقدر نصاب ہوں، نیز قرض سے محفوظ ہوں تو بھی زکوٰۃ لینا درست نہیں ہے رہائش کا مکان استعمال کے کپڑے، کھانے پکانے کے برتن، اہل علم کی لکھنے پڑھنے کی کتابیں لڑنے والے ہتھیار و اسلحے اور کاریگروں کے اوزار۔ یہ وہ اشیاء ہیں جنہیں ضرورت اصلیہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

۵ ہاشمی کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز نہیں ہے پانچ لوگوں کی اولاد کو ہاشمی کہتے ہیں، اول حضرت علیؓ کی اولاد خواہ حضرت فاطمہ زہراؓ کے بطن مبارک سے ہو یا دوسری بیویوں سے، دوم حضرت جعفرؓ کی اولاد، سوم حضرت عقیلؓ کی اولاد، چہارم حضرت عباسؓ کی اولاد اور پنجم حارث ابن عبدالمطلب کی اولاد ان پانچوں کے سلسلے نسب سے تعلق رکھنے والے "ہاشمی" کہلاتے ہیں۔ ان کے غلام اور لونڈی کو بھی زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے اسی طرح اگر ان کے غلام لونڈی آزاد ہو گئے ہوں تب بھی انہیں زکوٰۃ کا مال لینا اور کھانا جائز نہیں۔

۶ کافر کو زکوٰۃ کا مال دینا درست نہیں ہے خواہ حربی ہو یا ذمی۔

۷ اگر کسی شخص نے غنی یا کافر یا اپنے باپ یا اپنے بیٹے یا اپنی بیوی کو مستحق زکوٰۃ سمجھ کر زکوٰۃ کا مال دے دیا یعنی زکوٰۃ دیتے وقت اسے معلوم نہیں ہوا کہ یہ ہاشمی ہے یا کافر ہے یا اپنا باپ یا بیٹا ہے اور یا اپنی بیوی ہے، پھر زکوٰۃ دینے کے بعد اسے حقیقت معلوم ہوئی تو اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اب دوبارہ زکوٰۃ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

۸ مسجد کی تعمیر و مرمت کے لئے یا کسی میت کے کفن کے لئے اور یا میت کے قرض کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ کا مال دینا جائز نہیں ہے اگر کسی شخص نے ان میں سے کسی بھی کام کے لئے زکوٰۃ کا مال دیا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

مستحقین زکوٰۃ: زکوٰۃ کے مستحق فقیر ہیں اور اصطلاح شریعت میں "فقیر" اس شخص کو کہتے ہیں جو نصاب سے کم مال کا مالک ہو، مساکین بھی مستحق زکوٰۃ ہیں۔ مساکین ان لوگوں کو کہتے ہیں جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو زکوٰۃ کا مستحق ہے جو حاکم وقت کی طرف سے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہو اگرچہ وہ خود بھی غنی کیوں نہ ہو برسبیل تذکرہ یہ بھی جان لیجئے کہ "ہاشمی" کے لئے وہ تنخواہ بھی جائز نہیں ہے جو زکوٰۃ وصول کرنے والے کو ملتی ہے وہ لوگ بھی زکوٰۃ کے مستحق ہیں جو جہاد یا سفر حج کے مسافر ہوں اور ان کے پاس روپیہ پیسہ نہ رہا ہو اگرچہ ان

کے وطن میں ان کا کتنا ہی زیادہ روپیہ پیسہ کیوں نہ موجود ہو۔ اسی طرح دوسرے مسافروں کو بھی زکوۃ کا مال دینا درست ہے خواہ کسی مسافر کا اپنے وطن میں کتنا ہی مال و زر کیوں نہ ہو لیکن آخر میں اتنی بات جان لیجئے جس شخص کو ایک دن بقدر بھی اسباب زندگی میسر ہوں اس کے لئے دست سوال دراز کرنا بالکل درست نہیں ہے۔ (مولانا محمد اسحٰق دہلوی)

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

آنحضرت ﷺ کو زکوۃ کا مال کھانا حرام تھا

① عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرَةٍ فِي الطَّرِيْقِ فَقَالَ لَوْلَا اَنِّيْ اَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَاَكَلْتُهَا (متفق علیہ)

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ ایک کھجور کے پاس سے گذرے جو راستے میں پڑی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ کھجور زکوۃ کی ہوگی تو میں اللہ کی نعمت کی تعظیم کے پیش نظر اسے اٹھا کر ضرور کھالیتا۔" (بخاری ومسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے کئی مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔ ① آنحضرت ﷺ کو زکوۃ کا مال کھانا حرام تھا چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے حق میں مطلقاً صدقہ کا مال حرام تھا کہ خواہ صدقہ واجبہ (یعنی زکوۃ وغیرہ) کا مال ہو یا صدقہ نافلہ کا آپ ﷺ اسے اپنے استعمال میں نہیں لاسکتے تھے۔ ② بنی ہاشم کے لئے صدقہ واجبہ لینا اور اسے استعمال کرنا تو حرام ہے لیکن صدقہ نافلہ حرام نہیں ہے۔ ③ راستے میں پڑی ہوئی کسی ایسی چیز کو اٹھا کر کھالینا یا اسے اپنے استعمال میں لے آنا جائز ہے خواہ وہ مقدار و تعداد میں بہت تھوڑی ہو اور یہ گمان ہو کہ اس کا مالک اسے تلاش نہیں کرے گا۔ ④ بندۂ مؤمن کے لئے یہ بات اولیٰ اور افضل ہے کہ وہ ہر اس چیز سے اجتناب و پرہیز کرے جس میں حرمت کا ذرا بھی شبہ ہو۔

بنی ہاشم کے لئے صدقہ و زکوۃ کا مال کھانا حرام ہے

② وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ تَمْرَةً مِّنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِيْ فِيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَخْ كَخْ لِيَطْرَحَهَا ثُمَّ قَالَ اَمَا شَعَرْتَ اَنَّا لَا نَاْكُلُ الصَّدَقَةَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حسن بن علیؓ نے زکوۃ کی رکھی ہوئی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لی (یہ دیکھ کر) نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسے نکالو نکالو (اور اس طرح فرمایا تاکہ) وہ اسے (منہ سے نکال کر) پھینک دیں پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم جانتے نہیں کہ ہم (بنی ہاشم) صدقہ کا مال نہیں کھاتے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: اما شعرت (کیا تم نہیں جانتے) اس جملے کا استعمال ایسے مواقع پر کیا جاتا ہے جب کہ مخاطب کسی واضح اور ظاہر امر کے برخلاف کوئی بات کہہ یا کر رہا ہو خواہ مخاطب اس واضح امر سے لاعلم ہی کیوں نہ ہو گویا اس جملے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ امر اتنا واضح اور ظاہر ہونے کے باوجود تم پر پوشیدہ کیسے ہے اور تم اس سے لاعلم کیسے ہو۔

بہر حال ظاہر ہے کہ حضرت حسنؓ تو اس وقت بالکل ہی کمسن تھے، انہیں ان سب باتوں کی کیا خبر تھی مگر آپ ﷺ نے اس کے باوجود انہیں اس انداز سے اس لئے خطاب کیا تاکہ دوسرے لوگ اس کے بارے میں مطلع ہو جائیں اور انہیں بنی ہاشم کے حق میں صدقہ زکوۃ کے مال کی حرمت کا علم ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ نکتہ بھی ہاتھ لگا کہ والدین اور مربی پر واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد کو خلاف شرع باتوں اور غلط حرکتوں سے روکیں اسی وجہ سے حنفی علماء فرماتے ہیں کہ والدین کے لئے یہ حرام ہے کہ وہ اپنے لڑکوں کو ریشم کے کپڑے (جو مردوں کے لئے ناجائز ہیں اور

سونے چاندی کا زیور پہنائیں۔

زکوٰۃ انسان کا میل ہے

③ وَعَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبد المطلب ابن ربیعہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ یہ صدقا یعنی زکوٰۃ تو انسانوں کے میل ہیں، صدقہ نہ تو محمد ﷺ کے لئے حلال ہے اور نہ آل محمد (بنی ہاشم) کے لئے حلال ہے۔" (مسلم)

تشریح: زکوٰۃ کو میل اس لئے کہا گیا ہے کہ جس طرح انسان کا جسم میل اتارنے سے صاف ہو جاتا ہے اسی طرح زکوٰۃ نکالنے سے نہ صرف یہ کہ مال ہی پاک ہو جاتا ہے بلکہ زکوٰۃ دینے والے کے قلب و روح میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے زکوٰۃ کا مال لینا حرام تھا اسی طرح آنحضرت ﷺ کی اولاد (بنی ہاشم) کو بھی زکوٰۃ لینی حرام ہے، خواہ وہ زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر ہوں یا محتاج و مفلس ہوں، چنانچہ حنفیہ کا صحیح مسلک یہی ہے۔

صدقہ کے مال سے آنحضرت ﷺ کی احتیاط

④ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِيَ بِطَعَامٍ سَاَلَ عَنْهُ اَهَدِيَّةٌ اَمْ صَدَقَةٌ فَاِنْ قِيْلَ صَدَقَةٌ قَالَ لِاَصْحَابِهِ كُلُوْا وَلَمْ يَاْكُلْ وَاِنْ قِيْلَ هَدِيَّةٌ ضَرَبَ بِيَدِهٖ فَاَكَلَ مَعَهُمْ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ ﷺ کے کھانے کی کوئی چیز لائی جاتی تو پہلے آپ ﷺ اس کے بارے میں پوچھتے کہ یہ ہدیہ (تحفہ) ہے یا صدقہ اگر بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو آپ ﷺ (بنی ہاشم کے علاوہ اپنے دوسرے) صحابہ سے فرماتے کہ کھالو لیکن آپ ﷺ خود نہ کھاتے، اور اگر بتایا جاتا کہ یہ ہدیہ ہے تو آپ ﷺ اپنا دست مبارک بڑھاتے اور صحابہ کے ساتھ اسے تناول فرماتے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "صدقہ" اس مال کو کہا جاتا ہے جو کسی محتاج و ضرورت مند کو از راہ مہربانی دیا جاتا ہے اور اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا کی رضا حاصل ہو اور آخرت میں اس کا اجر و ثواب ملے چونکہ صدقہ کا مال لینے والے کی ایک طرح سے ذلت اور کمتری محسوس ہوتی ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ کے لئے مطلقاً صدقہ لینا حرام تھا۔

"ہدیہ" کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی بڑے اور عظیم المرتب شخص کی خدمت میں کوئی چیز از راہ تعظیم و تکریم پیش کرے۔ ہدیہ کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ دنیاوی طور پر اس کا تعلق طرفین سے ہوتا ہے بایں طور کہ جو شخص کسی کو کوئی چیز ہدیہ کرتا ہے تو وہ دنیا ہی میں اس کا اس طرح بدلہ بھی پاتا ہے کہ جسے اس نے ہدیہ دیا ہے وہ کسی وقت اسے بھی کوئی چیز ہدیہ کے طور پر دیتا ہے جب کہ صدقہ میں اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تملیک کا مسئلہ

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ فِيْ بَرِيْرَةَ ثَلَاثُ سُنَنٍ اِحْدَى السُّنَنِ اَنَّهَا عَتَقَتْ فَخُيِّرَتْ فِيْ زَوْجِهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ وَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبُرْمَةُ تَفُوْرُ بِلَحْمٍ فَقُرِّبَ اِلَيْهِ خُبْزٌ وَّاُدْمٌ مِّنْ اُدْمِ الْبَيْتِ فَقَالَ اَلَمْ اَرَ بُرْمَةً فِيْهَا لَحْمٌ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّ ذٰلِكَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهٖ عَلٰى بَرِيْرَةَ وَاَنْتَ لَا تَاْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَّلَنَا هَدِيَّةٌ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بریرہ کے متعلق تین احکام سامنے آئے پہلا حکم تو یہ کہ جب وہ آزاد ہوئی تو اسے اپنے خاوند کے بارے میں اختیار دیا گیا (دوسرا حکم یہ کہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میراث کا حق اس شخص کے لئے ہے جس نے آزاد کیا (تیسرا حکم یہ کہ ایک دن) رسول کریم ﷺ گھر میں تشریف لائے تو گوشت کی ہانڈی پک رہی تھی، آپ ﷺ کے سامنے روٹی اور گھر کا سالن لایا گیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں نے وہ ہانڈی نہیں دیکھی جس میں گوشت ہے؟ (یعنی جب گوشت پک رہا ہے تو وہ مجھے کیوں نہیں دیا گیا ہے عرض کیا گیا کہ بے شک (ہانڈی میں گوشت پک رہا ہے) لیکن وہ گوشت بریرہ کو بطور صدقہ دیا گیا ہے اور آپ ﷺ تو صدقہ نہیں کھاتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ گوشت بریرہ کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے ابتدائی الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ "بریرہ" جو حضرت عائشہؓ کی آزاد کردہ لونڈی تھی اس کے سبب تین شرعی احکام نافذ ہوئے پہلا حکم تو یہ کہ جب بریرہ آزاد ہوئی تو اسے اختیار دے دیا گیا کہ چاہے تو وہ اپنے خاوند کہ جس کا نام مغیث تھا کے نکاح میں رہے یا اس سے جدائی اور علیحدگی اختیار کر لے۔

یہ علماء کے یہاں "خیار عتق" کہلاتا ہے یعنی جو لونڈی کسی کے نکاح میں ہو تو آزاد ہونے کے بعد اسے اختیار ہے کہ چاہے تو خاوند کے نکاح میں رہے چاہے اس سے جدائی اختیار کرلے لیکن حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ لونڈی کو یہ اختیار اس وقت حاصل ہوگا جب کہ اس کا خاوند غلام ہو، حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کا خاوند خواہ غلام ہو خواہ آزاد ہو وہ دونوں صورتوں میں مختار ہوگی۔

بریرہ کا خاوند مغیث غلام تھا جب بریرہ نے آزاد ہونے کے بعد اس سے جدائی اختیار کرلی گویا اسے قبول نہیں کیا تو مغیث بڑا پریشان ہوا یہاں تک کہ وہ بریرہ کے عشق و فراق میں روتا اور فریاد کرتا پھرتا رہا مگر بریرہ نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا اور اس سے علیحدہ ہی رہی۔

بریرہ کے سبب سے دوسرا حکم یہ نافذ ہوا کہ "ولاء یعنی لونڈی کی میراث اس شخص کے لئے ہے جس نے اسے آزاد کیا ہوگا اس کی تفصیل یہ ہے کہ بریرہ ایک یہودی کی لونڈی تھی جس نے اسے مکاتب کردیا تھا یعنی یہودی نے اسے کہہ دیا تھا کہ جب تو اتنے درہم دے دے گی تو آزاد ہو جائے گی، جب بریرہ مطلوبہ تعداد میں درہم فراہم کرنے سے عاجز ہوگئی تو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تاکہ اگر وہ کچھ دے دیں تو اپنے مالک کو دے کر آزادی کا خلعت زیب تن کرے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اپنے مالک سے پوچھ اگر وہ تجھے بیچے تو میں خرید لیتی ہوں۔ بریرہ اپنے مالک کے پاس گئی اور اس سے حضرت عائشہؓ کی خواہش بیان کی وہ فروخت کرنے پر تیار ہو گیا مگر اس نے یہ بھی کہا کہ میں اس شرط پر فروخت کرنے کے لئے تیار ہوں کہ ولاء یعنی بریرہ کی میراث کے ہم حقدار ہوں گے حضرت عائشہؓ نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ یہودی اس طرح کہتے ہیں اور ان کی یہ شرط ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہودی غلط کہتے ہیں اور بکواس کرتے ہیں، میراث کا حق اسی کو ہوتا ہے جو آزاد کرتا ہے عائشہؓ تم اس سے خرید کر آزاد کردو اس کی میراث تمہارے لئے ہوگی، یہودیوں کی یہ شرط باطل ہے۔

تیسرا حکم جو بریرہ کے سبب سے نافذ ہوا اس کا ذکر حدیث کے آخر میں کیا گیا ہے اس کا حاصل اور مطلب یہ ہے کہ اگر مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا مال دیا جائے اور مستحق زکوٰۃ وہ مال لے کر ایسے شخص کو دے دے جو زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے تو اس کے لئے یہ مال حلال و جائز ہوگا کیونکہ زکوٰۃ دینے والے نے تو ایک صحیح شخص اور مستحق کو مال دے دیا اور وہ مال اس مستحق زکوٰۃ کی ملکیت ہوگا اب وہ جس شخص کو بھی اپنا مال دے گا جائز اور درست ہوگا اصطلاح میں اسے "تملیک" کہا جاتا ہے جو جائز اور حلال ہے۔

آنحضرت ﷺ تحفہ قبول کرتے اور اس کا بدلہ عطا فرماتے تھے

(۶) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا (رواہ البخاری)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ دے دیا کرتے تھے۔" (بخاریؒ)

معمولی تحفہ بھی قبول کرنا چاہئے

⑦ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْدُعِيْتُ اِلٰى كُرَاعٍ لَاَجَبْتُ وَلَوْاُهْدِيَ اِلَيَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر میری کراع کی بھی دعوت کی جائے تو میں قبول کروں گا اور اگر میرے پاس بطور تحفہ ایک دست بھی بھیجا جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔" (بخاریؒ)

تشریح: "کراع" بکری کی پنڈلی کو کہتے ہیں آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے صرف بکری کی پنڈلی جو کہ ایک معمولی چیز ہے، کھانے کے لئے بلائے تو میں اس کی دعوت قبول کرلوں گا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اگر کوئی شخص میرے پاس تحفہ کے طور پر بکری کا دست بھی بھیجے گا تو میں اسے بھی بڑی خوشی کے ساتھ قبول کروں گا۔

اس ارشاد میں اس طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مخلوق خدا کے ساتھ نہایت تواضع وانکساری اور شفقت و محبّت کے ساتھ پیش آتے تھے، آپ ﷺ یہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کی ذات کی وجہ سے کسی چھوٹے سے چھوٹے اور معمولی درجے کے انسان کا دل بھی دکھے یا وہ کسی بھی طرح کے احساس کمتری میں مبتلا ہو، گویا آپ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعے اس بات کی ترغیب بھی دلائی ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے پاس انتہائی معمولی درجہ کا بھی کوئی تحفہ لے کر آئے تو اسے خوشی ورغبت کے ساتھ قبول کرو۔

مسکین کون ہے؟

⑧ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰكِنَّ الْمِسْكِيْنَ الَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُّغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ بِهٖ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْأَلُ النَّاسَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ مسکین وہ شخص نہیں ہے جو لوگوں سے مانگتا پھرتا ہے اور لوگ اسے ایک لقمہ یا دو لقمہ اور کھجوریں دے دیتے ہیں، بلکہ مسکین شخص وہ ہے جو اتنا بھی مال نہیں رکھتا کہ وہ اس کی وجہ سے مستغنی ہو اور اس کے ظاہری حالات کی وجہ سے لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ محتاج وضرورت مند ہے اسے صدقہ دیا جائے نیز لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرنے کے لئے گھر سے نہیں نکلتا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: قرآن کریم میں جس طرح زکوٰۃ وصدقات کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں زکوٰۃ کے مصارف اور زکوٰۃ کے مستحقین کو بھی بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔

"صدقہ کے مال صرف فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں اور عمّال کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جن کی تالیف قلب کی جائے اور غلاموں کی آزادی میں خرچ کرنے کے لئے اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے کے لئے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے اور مسافر کے لئے۔"

اس آیت میں آٹھ قسم کے لوگ بیان کئے گئے ہیں جو صدقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ وغیرہ کا مال لینے کے مستحق ہیں ان کے سوا کسی دوسرے کو

زکوٰۃ کا مال دینا جائز نہیں ہے، ان میں سے بھی حنفیہ کے نزدیک "مؤلفۃ القلوب"[1] کا حصہ ساقط ہو گیا ہے اس لئے ان کے ہاں مستحقین زکوٰۃ کی سات قسمیں باقی رہ گئیں ہیں۔

بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں جن مسکینوں کا ذکر کیا گیا ہے ان سے وہ مسکین مراد نہیں ہیں جو عرف عام میں مسکین کہلاتے ہیں اور جن کا کام یہ ہوتا ہے کہ مانگنے کے لئے ہر در پر مارے مارے پھرتے ہیں، جس دروازے پر پہنچ جاتے ہیں روٹی کا ایک آدھ ٹکڑا یا آٹے کی ایک آدھ چٹکی اپنی جھولی میں ڈلوا کر رخصت کر دیئے جاتے ہیں، بلکہ حقیقی مسکین تو وہ لوگ ہیں جنہیں نان جویں بھی میسر نہیں ہوتی مگر ان کی شرافت و خودداری کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کی بغل میں رہنے والا ہمسایہ بھی ان کی اصل حقیقت نہیں جانتا، وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے، اپنے احتیاج و ضرورت کی جھولی پھیلا کر گھر گھر نہیں پھرتے بلکہ وہ اپنے خدا پر اعتماد و بھروسہ کئے ہوئے اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

بنی ہاشم کے غلاموں کو بھی صدقہ کا مال لینا حلال نہیں

(۹) عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا مِّنْ بَنِیْ مَخْزُوْمٍ عَلَی الصَّدَقَۃِ فَقَالَ لِاَبِیْ رَافِعٍ اَصْحَبْنِیْ کَیْ مَا تُصِیْبَ مِنْھَا فَقَالَ لَا حَتّٰی اٰتِیَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَسْاَلَہٗ فَانْطَلَقَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَہٗ فَقَالَ اِنَّ الصَّدَقَۃَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَاِنَّ مَوَالِی الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِھِمْ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

"حضرت ابورافع راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بنی مخزوم کے ایک شخص کو زکوٰۃ لینے کے لئے بھیجا۔ اس نے ابورافع سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو تاکہ اس میں سے تمہیں بھی کچھ حصہ مل جائے ابورافع نے کہا کہ میں ابھی نہیں جاؤں گا پہلے رسول کریم ﷺ سے جا کر پوچھتا ہوں کہ میں اس شخص کے ساتھ زکوٰۃ لینے جاؤں یا نہیں! چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اپنے جانے کے بارے میں پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ ہمارے (یعنی بنی ہاشم) کے لئے حلال نہیں ہے اور مولیٰ (یعنی آزاد کردہ غلام زکوٰۃ لینے کے معاملے میں) اسی آزاد قوم کے حکم میں ہے۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: حضرت ابورافع آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں زکوٰۃ کا مال لینے سے منع فرمایا کہ جس طرح ہمیں زکوٰۃ کا مال لینا درست نہیں ہے اسی طرح تمہارے لئے بھی زکوٰۃ کا مال حلال نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ بنی ہاشم کے غلاموں کو بھی زکوٰۃ کا مال لینا درست نہیں ہے خواہ غلام ان کی ملکیت میں ہوں خواہ آزاد ہو گئے ہوں۔

کن لوگوں کو زکوٰۃ کا مال لینا درست نہیں ہے؟

(۱۰) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَۃُ لِغَنِیٍّ وَّلَا لِذِیْ مِرَّۃٍ سَوِیٍّ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالدَّارِمِیُّ وَرَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنَّسَآئِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرو راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ نہ تو غنی کے لئے زکوٰۃ کا مال لینا حلال ہے اور نہ تندرست و توانا

---

[1] اسلام کے ابتدائی دور میں آنحضرت کچھ لوگوں کو تالیف قلب کے لئے صدقات کا مال دیا کرتے تھے ان میں سے کچھ تو کافر ہوتے تھے جن کے دینے سے مقصود یہ تھا کہ ان کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو اور وہ مسلمان ہو جائیں کچھ کافروں کو اس غرض سے بھی دیا جاتا تھا کہ وہ ذہنی سازشوں اور تخریبی کاروائیوں سے باز رہیں نیز شر و فساد کا بیج بو کر مسلمانوں کو پریشان نہ کریں کچھ ایسے بھی لوگ تھے جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے ان کو اس لئے دیا جاتا تھا کہ ان کے دل میں اسلام کی جڑ مضبوط ہو جائے۔

کے لئے (جو محنت مزدوری کرنے کے قابل ہو) ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، دارمیؒ اور احمدؒ، نسائیؒ، وابن ماجہؒ نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: غنی تین طرح کے ہوتے ہیں، اول تو وہ شخص جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے گویا وہ شخص نصاب نامی کا مالک ہو اور اس کے نصاب پر ایک سال گزر گیا ہو دوم وہ شخص جو مستحق زکوٰۃ نہیں ہوتا اور اس پر صدقہ فطر و قربانی کرنا واجب ہوتا ہے گویا وہ شخص کہ جس کے پاس ضرورت اصلیہ کے علاوہ بقدر نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر مال ہو، سوم وہ شخص جس کے لئے صدقہ کا مال تو حلال ہو لیکن اسے دست سوال دراز کرنا حرام ہو، گویا وہ شخص جو ایک دن کے کھانے اور بقدر ستر پوشی کپڑے کا مالک ہو۔

"تندرست و توانا" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غنی کے لئے زکوٰۃ کا مال حلال نہیں ہے اسی طرح اس شخص کے لئے زکوٰۃ حلال و جائز نہیں ہے جو تندرست و توانا ہو یعنی اس کے اعضاء صحیح و سالم اور قوی ہوں نیز وہ اتنا کمانے پر قادر ہو کہ اس کے ذریعے اپنا اہل و عیال کا پیٹ پال سکے چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک اسی حدیث کے مطابق ہے کہ ان کے نزدیک کسی ایسے شخص کے لئے زکوٰۃ کا مال لینا حلال نہیں ہے جو کمانے کے قابل ہو لیکن حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر اس شخص کو زکوٰۃ لینی حلال ہے جو نصاب مذکورہ کا مالک نہ ہو اگرچہ وہ تندرست و توانا اور کمانے کے قابل ہی کیوں نہ ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ ان ضرورت مند صحابہؓ کو صدقات و زکوٰۃ کا مال دیتے تھے جو توانا و تندرست بھی تھے اور کمانے کے قابل بھی تھے اور آخر تک آپ ﷺ کا یہی معمول رہا لہٰذا اس حدیث کے بارے میں کہا جائے گا کہ یا تو یہ منسوخ ہے یا پھر یہ کہ اس حدیث کی مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ جو شخص تندرست و توانا ہو اور محنت و مزدوری کر کے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے اسباب معیشت فراہم کرنے کی قدرت و طاقت رکھتا ہو اس کے لئے یہ بہتر اور مناسب نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ و صدقات کا مال لے کر اس ذلت و کمتری پر مطمئن و راضی ہو اور معاشرے کا ایک ناکارہ شخص بن جائے بلکہ اس کے لئے تو بہتر اور اولیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے بازوؤں کے سہارے خود کمائے، محنت کرے اور اس طرح سماج و سوسائٹی میں باوقار زندگی بسر کرے۔

تندرست و توانا کو زکوٰۃ کا مال لینا مناسب نہیں

(۱۱) وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ قَالَ اَخْبَرَنِيْ رَجُلَانِ اَنَّهُمَا اَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ يَقْسِمُ الصَّدَقَةَ فَسَأَلَاهُ مِنْهَا فَرَفَعَ فِيْنَا النَّظَرَ وَخَفَضَهُ فَرَاٰنَا جَلْدَيْنِ فَقَالَ اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيْهَا لِغَنِيٍّ وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ (رواه ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عبید اللہ بن عدی بن خیار کہتے ہیں کہ مجھے دو آدمیوں نے بتایا کہ وہ دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب کہ آپ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں کو زکوٰۃ کا مال تقسیم فرما رہے تھے ان دونوں نے بھی آپ ﷺ کے سامنے اس مال میں سے کچھ لینے کی خواہش کا اظہار کیا، وہ دونوں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (ہماری خواہش طلب کو دیکھ کر) ہم پر سر سے پاؤں تک نظر دوڑائی اور ہمیں تندرست و توانا دیکھ کر فرمایا کہ اگر تم لینا ہی چاہتے ہو تو میں تمہیں دے دوں لیکن یاد رکھو کہ صدقات و زکوٰۃ کے اس میں سے نہ تو غنی کا کوئی حصہ ہے اور نہ اس شخص کا جو تندرست و توانا ہو اور کمانے پر قادر ہو۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: "حجۃ الوداع" آنحضرت ﷺ کے آخری حج کو کہتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے احکام خداوندی کی وضاحت فرمائی اور لوگوں کو وداع کہا اور پھر اس کے چند مہینوں کے بعد ہی "رفیق اعلیٰ" سے جا ملے۔

حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق حدیث کے آخری جملوں کا مطلب یہ ہوگا کہ تم لوگوں کے لئے صدقہ کا مال کھانا حرام ہے لیکن تم اگر حرام مال کھانا ہی چاہتے ہو تو میں تمہیں دے دیتا ہوں، گویا آپ ﷺ نے زجر و توبیخ کے طور پر اس طرح ارشاد فرمایا۔

حنفیہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہوگا کہ "اگر تم اس مال میں سے لینا چاہتے ہو تو میں تمہیں دے دیتا ہوں لیکن یہ سمجھ لو کہ جو شخص

تندرست و توانا ہو اور کمانے پر قدرت رکھتا ہو اس کے لئے صدقہ کا مال کھانا کچھ زیب نہیں دیتا۔

بعض صورتوں میں غنی کے لئے بھی زکوٰۃ کا مال حلال ہوتا ہے

⑭ وَعَنْ عَطَآءِ بْنِ يَسَارٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ اِلَّا لِخَمْسَةٍ لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْلِعَامِلٍ عَلَيْهَا اَوْلِغَارِمٍ اَوْلِرَجُلٍ اِشْتَرَاهَا بِمَالِهِ اَوْلِرَجُلٍ كَانَ لَهُ جَارٌ مِسْكِيْنٌ فَتَصَدَّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ فَاَهْدَى الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوُدَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَوِابْنِ السَّبِيْلِ۔

"اور حضرت عطاء ابن یسار بطریق ارسال روایت کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ غنی کے لئے زکوٰۃ کا مال حلال نہیں ہے ہاں پانچ صورتوں میں غنی کے لئے بھی زکوٰۃ کا مال حلال ہوتا ہے۔ ① خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے غنی کے لئے جب کہ اس کے پاس سامان جہاد نہ ہو ② زکوٰۃ وصول کرنے والے غنی کے لئے ③ تاوان بھرنے والے غنی کے لئے ④ زکوٰۃ کا مال اپنے مال کے بدلے میں خریدنے والے غنی کے لئے یعنی کسی شخص نے ایک مفلس کو زکوٰۃ کا کوئی مال دیا اور غنی اس مفلس سے زکوٰۃ کے مال کو خریدے اور اسے اس کا بدل دے دے تو اس صورت میں غنی کے لئے وہ مال جائز و حلال ہوگا۔ ⑤ اور اس غنی کے لئے کہ جس کے پڑوس میں کوئی مفلس رہتا ہو اور کسی شخص نے اسے زکوٰۃ کا کوئی مال دیا اور وہ مفلس اپنے پڑوسی مالدار غنی کو اس میں سے کچھ حصہ تحفہ کے طور پر بھیجے تو وہ غنی کے لئے جائز و حلال ہوگا۔" (مالکؒ، ابوداؤدؒ) اور ابوداؤد کی ایک روایت جو ابوسعیدؓ سے منقول ہے لفظ او ابن السبیل (یعنی اس غنی کے لئے بھی کہ جو مسافر ہو زکوٰۃ کا مال حلال ہے مذکور ہے۔"

تشریح: تاوان بھرنے والے غنی سے وہ مال دار اور غنی مراد ہے جسے کسی تاوان و جرمانے کے طور پر ایک بڑی رقم یا کسی مال کا ایک بڑا حصہ ادا کرنا ہے اگرچہ وہ مالدار ہے مگر اس کے ذمہ تاوان اور جرمانے کی جو رقم یا جو مال ہے وہ اس کے موجودہ مال و رقم سے بھی زیادہ ہے تو اس کے لئے جائز اور حلال ہے کہ وہ زکوٰۃ لے کر اس سے وہ تاوان پورا کرے اب وہ تاوان خواہ "دیت" کی صورت میں ہو یا یہ شکل ہو کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا قرضدار تھا اس نے طرفین کو لڑائی جھگڑے سے بچانے کے لئے یا کسی اور وجہ سے اس شخص کا قرض اپنے ذمہ لے لیا کہ اس کی طرف سے اس قرض کو میں ادا کروں گا اس کی وجہ سے وہ قرض دار ہو گیا یا پھر یہ شکل بھی مراد ہو سکتی ہے کہ وہ خود کسی کا قرض دار ہو اپنا قرض ادا کرنے کے لئے اسے رقم و مال کی ضرورت ہو امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق وہ غازی (جہاد کرنے والا) جو غنی اور مالدار ہو زکوٰۃ لے سکتا ہے اور اسے زکوٰۃ لینی درست ہے۔ لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسے زکوٰۃ دینی جائز نہیں ہے کیونکہ دوسری احادیث میں مطلقاً غنی کو زکوٰۃ دینے سے منع فرمایا گیا ہے کہ غنی کے لئے صدقات کا مال حلال نہیں ہے پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کو جو حکم تحریر فرمایا تھا اس میں آپ نے مطلقاً یہی ارشاد فرمایا تھا کہ (جس قوم میں تم گئے ہو) اس قوم کے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کرو اسے ان کے فقراء و مساکین پر صرف کرو، چنانچہ وہ حدیث کہ جس میں حضرت معاذؓ کے بارے میں مذکورہ حکم منقول ہے یہاں ذکر کی گئی حدیث سے زیادہ قوی ہے۔

ان کے علاوہ حدیث میں جو ذکر کی گئی ہیں وہ سب صورتیں متفقہ طور پر تمام ائمہ کے درست ہیں کیونکہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کو تو زکوٰۃ کا مال اس لئے لینا درست ہے کہ وہ اپنی محنت اور اپنے عمل کی اجرت لیتا ہے اس صورت میں اس کا فقر و غنا دونوں برابر ہیں۔ تاوان بھرنے والا اگرچہ غنی ہے لیکن اس پر جو قرض یا مطالبہ ہے وہ اس کے موجودہ مال سے زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کا مال نہ ہونے کے برابر ہے، اسی طرح باقی دونوں صورتوں کا معاملہ بھی ظاہر ہی ہے کہ زکوٰۃ جب مستحق زکوٰۃ کو مل گئی تو گویا وہ اپنے محل اور اپنے مصرف میں پہنچ گئی اور وہ مستحق زکوٰۃ اس مال کا مالک ہو گیا اب چاہے وہ اسے فروخت کر دے چاہے کسی کو تحفہ کے طور پر دے دے۔

زکوٰۃ کے مستحق وہی لوگ ہیں جن کا ذکر قرآن نے کیا ہے

⑬ وَعَنْ زِيَادِبْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهُ فَذَكَرَ حَدِيْثًا طَوِيْلاً فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اَعْطِنِيْ مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَّلاَ غَيْرِهٖ فِي الصَّدَقَاتِ حَتّٰى حَكَمَ فِيْهَا هُوَ فَجَزَّاهَا ثَمَانِيَةَ اَجْزَاءٍ فَاِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْاَجْزَاءِ اَعْطَيْتُكَ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت زیادؓ ابن حارث صدائی کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد زیادؓ نے ایک طویل حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے زکوٰۃ کا مال عطا فرمایئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ زکوٰۃ تقسیم کرنے کے بارے میں کہ کسے کسے زکوٰۃ دی جائے اللہ تعالیٰ نے تو کسی نبی کے علاوہ کسی دوسرے یعنی علماء و مجتہدین کے حکم پر راضی ہوا بلکہ اس کا حکم حق تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا (یعنی اللہ تعالیٰ نے مستحقین زکوٰۃ کے تعین کی ذمہ داری نبی یا علماء مجتہدین پر نہیں ڈالی بلکہ اس کا تعین خود فرمایا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے آٹھ مصرف (مستحقین) ذکر کئے ہیں اگر تم ان آٹھ میں سے ہوگے تو میں تمہیں زکوٰۃ کا مال دوں گا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: آیت کریمہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ الاية کہ جس میں مستحقین زکوٰۃ اور مصرف زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے ابھی پچھلے صفحات میں نقل کی جا چکی ہے اس آیت کے مطابق مستحقین زکوٰۃ کی تعداد آٹھ اس طرح ہے ① فقیر ② مسکین ③ عاملین زکوٰۃ ④ مولفۃ القلوب (اس کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تالیف قلب کا مصرف اب باقی نہیں رہا) ⑤ غلام ⑥ قرض دار یا تاوان دینے والا ⑦ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا سفر حج کا مسافر اور طالب علم ⑧ مسافرین۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ

⑭ عَنْ زَيْدِبْنِ اَسْلَمَ قَالَ شَرِبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَبَنًا فَاَعْجَبَهٗ فَسَاَلَ الَّذِيْ سَقَاهُ مِنْ اَيْنَ هٰذَا اللَّبَنُ فَاَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ وَرَدَ عَلٰى مَآءٍ قَدْ سَمَّاهُ فَاِذَا نَعَمٌ مِّنْ نَّعَمِ الصَّدَقَةِ وَهُمْ يَسْقُوْنَ فَحَلَبُوْا مِنْ اَلْبَانِهَا فَجَعَلْتُهٗ فِيْ سِقَائِيْ فَهُوَ هٰذَا فَاَدْخَلَ عُمَرُ يَدَهٗ فَاسْتَقَاءَ (رواہ مالک والبیہقی فی شعب الایمان)

"حضرت زید ابن اسلمؒ کہتے ہیں کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے دودھ نوش فرمایا تو انہیں بہت اچھا لگا، جس شخص نے انہیں دودھ پلایا تھا اس سے انہوں نے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں کا ہے، اس نے انہیں بتایا کہ ایک پانی پر (یعنی نام لے کر بتایا کہ فلاں جگہ جہاں پانی تھا) میں گیا، وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ زکوٰۃ کے بہت سے اونٹ موجود ہیں اور انہیں پانی پلایا جا رہا ہے، پھر اونٹ والوں سے اونٹوں کا تھوڑا سا دودھ نکالا اس میں سے تھوڑا سا دودھ میں نے (بھی لے کر) اپنی مشک میں ڈال لیا یہ وہی دودھ ہے یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ میں ڈالا اور قے کر دی۔" (مالکؒ، بیہقیؒ)

تشریح: حضرت عمرؓ کا یہ عمل کمال تقویٰ اور انتہائی ورع کی بناء پر تھا ورنہ تو جہاں تک مسئلے کی بات ہے یہ تو بتایا ہی جا چکا ہے کہ اگر مستحق زکوٰۃ کے مال کا مالک ہو جانے کے بعد اسے کسی غیر مستحق زکوٰۃ کو ہبہ کر دے یا اسے تحفہ کے طور پر دے دے تو اسے استعمال میں لانا اور اسے کھانا جائز ہے چنانچہ ابھی گذشتہ صفحات میں بریرہ کا جو واقعہ گزرا ہے اس میں آنحضرت ﷺ نے اس مسئلہ کے جواز ہی کو بیان فرمایا تھا۔

بَابُ مَنْ لَا تَحِلُّ لَهُ الْمَسْئَلَةُ وَمَنْ تَحِلُّ لَهُ

جن لوگوں کو سوال کرنا جائز ہے اور جن کو جائز نہیں ہے ان کا بیان

علماء لکھتے ہیں کہ جس شخص کے پاس ایک دن کے بقدر بھی غذا اور ستر چھپانے کے بقدر کپڑا ہو تو اسے کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرنا چاہئے کیونکہ بغیر ضرورت و حاجت مانگنا حرام ہے ہاں جس شخص کے پاس ایک دن کی بھی غذا اور ستر چھپانے کے بقدر بھی کپڑا نہ ہو تو اس کے لئے دست سوال دراز کرنا حلال ہے جو محتاج و فقیر ایک دن کی غذا کا مالک ہو اور وہ کمانے کی قدرت رکھتا ہو تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا تو حلال ہے مگر لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرنا حرام ہے جس مسکین و محتاج کو ایک دن کی غذا بھی میسر نہ ہو اور وہ کمانے کی قدرت بھی نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے سوال کرنا حلال ہے۔

نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بغیر ضرورت و احتیاج لوگوں سے مانگنا ممنوع ہے البتہ جو شخص کمانے کی قدرت رکھتا ہو اس کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں۔ چنانچہ زیادہ صحیح قول تو یہ ہے کہ ایسے شخص کو کہ جو کما کر اپنا گزارہ کر سکتا ہو لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرنا حرام ہے لیکن بعض حضرات مکروہ کہتے ہیں وہ بھی تین شرطوں کے ساتھ، اول یہ کہ دست سوال، دراز کر کے اپنے آپ کو ذلیل نہ ہونے دے، دوم الحاح یعنی مانگنے میں مبالغہ سے کام نہ لے، سوم یہ کہ جس شخص کے آگے دست سوال دراز کر رہا ہے اسے تکلیف وایذاء نہ پہنچائے اگر ان تین شرطوں میں سے ایک بھی پوری نہ ہو تو پھر سوال کرنا بالاتفاق حرام ہوگا۔

ابن مبارکؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا "جو سائل "لوجہ اللہ" کہہ کر سوال کرے تو مجھے اچھا نہیں لگتا کہ اسے کچھ دیا جائے کیونکہ دنیا اور دنیا کی چیزیں کمتر و حقیر ہیں، جب اس نے دنیا کی کسی چیز کے لئے "لوجہ اللہ" کہہ کر سوال کیا تو گویا اس نے اس چیز (یعنی دنیا) کی تعظیم و توقیر کی جسے اللہ تعالیٰ نے کمتر و حقیر قرار دیا ہے، لہٰذا ایسے شخص کو از راہ زجر و تنبیہ کچھ نہ دیا جائے اور اگر کوئی شخص یہ کہہ کر سوال کرے کہ "بحق خدا یا بحق محمد دو" تو اسے کچھ دینا واجب نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اپنی کوئی غلط اور جھوٹی حاجت و ضرورت ظاہر کر کے کسی سے کوئی چیز لے تو وہ اس چیز کا مالک نہیں ہوتا (گویا وہ چیز اس کے حق میں ناجائز و حرام ہوتی ہے) اسی طرح کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ میں سید ہوں اور مجھے فلاں چیز کی یا اتنے روپیہ کی ضرورت ہے اور وہ شخص سائل کو سید سمجھ کر اس کا سوال پورا کر دے مگر حقیقت میں وہ سید نہ ہو تو وہ بھی (اس مانگی ہوئی چیز) کا مالک نہیں ہوتا جس کے نتیجے میں وہ چیز اس کے حق میں ناجائز و حرام ہوتی ہے۔

ایسے ہی اگر کوئی شخص کسی سائل کو نیک بخت و صالح سمجھ کر کوئی چیز دے دے حالانکہ وہ سائل باطنی طور پر ایسا گنہگار ہے کہ اگر دینے والے کو اس کے گناہ کا پتہ چل جاتا تو اسے وہ چیز نہ دیتا تو اس صورت میں بھی سائل اس چیز کا مالک نہیں ہوتا وہ چیز اس کے لئے حرام ہے اور اس چیز کو اس کے مالک کو واپس کر دینا اس پر واجب ہوگا اگر کوئی شخص کسی کو اس کی بدزبانی یا اس کی چغل خوری کے مضر اثرات سے بچنے کے لئے کوئی چیز دے تو وہ چیز اس کے حق میں حرام ہوگی۔

اگر کوئی فقیر کسی شخص کے پاس مانگنے کے لئے آئے اور وہ اس کے ہاتھ پیر چومے تاکہ وہ اس کی وجہ سے اس کا سوال پورا کر دے تو یہ مکروہ ہے بلکہ اس شخص کو چاہئے کہ وہ فقیر کو ہاتھ پیر نہ چومنے دے۔

ان سائل اور فقیروں کو کچھ بھی نہ دینا چاہئے جو نقارہ، ڈھول یا ہار مونیم وغیرہ بجاتے ہوئے دروازوں پر مانگتے پھرتے ہیں اور مطرب یعنی ڈوم تو سب سے بدتر ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

کن لوگوں کو سوال کرنا جائز ہے

① عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ قَالَ تَحَمَّلْتُ حَمَالَةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْاَلُهُ فِيْهَا فَقَالَ اَقِمْ حَتّٰى تَاْتِيَنَا الصَّدَقَةُ فَنَاْمُرَلَكَ بِهَا ثُمَّ قَالَ يَا قَبِيْصَةُ اِنَّ الْمَسْاَلَةَ لَا تَحِلُّ اِلَّا لِاَحَدِ ثَلَاثَةٍ رَجُلٍ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْاَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ وَرَجُلٍ اَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْاَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ اَوْ قَالَ سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ وَرَجُلٍ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتّٰى يَقُوْمَ ثَلَاثَةٌ مِنْ ذَوِى الْحِجٰى مِنْ قَوْمِهِ لَقَدْ اَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْاَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ اَوْ قَالَ سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْاَلَةِ يَا قَبِيْصَةُ سُحْتٌ يَاْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا (رواہ مسلم)

"حضرت قبیصہؓ ابن مخارق کہتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے قرضہ کی ضمانت لی جو دیت کی وجہ سے تھا چنانچہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے ادائیگی قرض کے لئے کچھ رقم یا مال کا سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ دن ٹھہرے رہو، جب ہمارے پاس زکوٰۃ کا مال آئے گا تو اس میں سے تمہیں دینے کے لئے کہہ دیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ قبیصہ! صرف تین طرح کے لوگوں کے لئے سوال کرنا جائز ہے، ایک تو اس شخص کے لئے جو کسی کے قرض کا ضامن بن گیا ہو (بشرطیکہ مانگنے میں مبالغہ نہ کرے بلکہ اتنے ہی مال یا رقم کا سوال کرے کہ اس سے قرضہ کو ادا کردے اور اس کے بعد پھر نہ مانگے، دوسرے اس شخص کے لئے جو کسی آفت و مصیبت (مثلاً قحط و سیلاب وغیرہ) میں مبتلا ہو جائے اور اس کا تمام مال ہلاک و ضائع ہو جائے، چنانچہ اس کو صرف اس قدر مانگنا جائز ہے جس سے اس کی (غذا و لباس) کی ضرورت پوری ہو جائے یا فرمایا کہ (اس قدر مانگے کہ) اس کی محتاجگی دور ہو جائے اور اس کی زندگی کے لئے سہارا ہو جائے، تیسرے اس شخص کے لئے کہ جو غنی ہو مگر اس کو کوئی ایسی سخت حاجت پیش آجائے جسے اہل محلہ بھی جانتے ہوں مثلاً گھر کا تمام مال واسباب چوری ہو جائے یا اور کسی مصیبت و حادثے سے دوچار ہونے کی وجہ سے ضرورت مند بن جائے اور قوم (محلہ و بستی) کے تین صاحب عقل و فراست لوگ اس بات کی شہادت دیں کہ واقعی اسے سخت حاجت پیش آگئی ہے تو اس کے لئے اس قدر مانگنا جائز ہے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ یا فرمایا کہ اس کی وجہ سے اس کی محتاجگی دور ہو جائے اور اسکی زندگی کا سہارا ہو جائے۔ قبیصہ ان تین کے علاوہ کسی اور کو سوال کرنا حرام ہے اگر کوئی شخص ان تین مجبوریوں کے علاوہ دست سوال دراز کر کے کسی سے کچھ لے کر کھاتا ہے تو وہ حرام کھاتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "حمالہ" اس مال کو کہتے ہیں جو کسی شخص پر دیت کے طور پر کچھ لوگوں کو دینا ضروری ہو اور کوئی دوسرا شخص اس مال کی عدم ادائیگی کی بناء پر آپس کے لڑائی جھگڑے کو نمٹانے کے لئے درمیان میں پڑ جائے اور وہ مال اپنے ذمہ لے لے اور اس کی وجہ سے قرض دار ہو جائے۔

حدیث کے آخر میں "تین صاحب عقل و فراست لوگوں کی شہادت" کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ احتیاج و ضرورت کے واقعی اور حقیقی ہونے کے لئے بطور مبالغہ ہے، نیز اس بات کا احساس پیدا کرنے کے لئے ہے کہ لوگ دست سوال دراز کرنے کو آسان نہ سمجھیں اور اس برے فعل سے بچتے رہیں۔

محض اضافہ مال کی خاطر دست سوال دراز کرنے پر وعید

② وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ النَّاسَ اَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَاِنَّمَا يَسْاَلُ جَمْرًا

فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْلِيَسْتَكْثِرْ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص محض اضافہ مال کی خاطر لوگوں کے مال میں سے کچھ مانگتا ہے تو وہ گویا آگ کا انگارا مانگتا ہے اب وہ چاہے کم مانگے یا زیادہ مانگے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اضافہ مال کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی احتیاج و ضرورت کی بناء پر نہیں بلکہ محض اس لئے لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرتا ہے تاکہ اس کا مال زیادہ ہو جائے۔

"آگ کے انگارے" سے مراد دوزخ کی آگ کا انگارہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص جو اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے نہیں بلکہ محض اضافہ مال کی خاطر کسی سے کچھ مانگتا ہے تو وہ اپنی اس ہوسناکی اور حرص و طمع کی وجہ سے دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا۔ کم یا زیادہ آپ ﷺ نے بطور تنبیہ ارشاد فرمایا اس کی وضاحت یہ ہے کہ بلا ضرورت لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانا دنیاوی اور اخروی اعتبار سے بہر صورت نقصان دہ اور باعث ذلت و رسوائی ہے خواہ وہ کسی حقیر و کمتر چیز کے لئے ہاتھ پھیلائے خواہ کسی قیمتی اور اعلیٰ چیز کے لئے دست سوال دراز کرے۔

روز قیامت بھیک مانگنے والوں کا حشر

(۳) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتّٰى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِيْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص ہمیشہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا رہے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں ہوگا کہ اس کے منہ پر گوشت کی بوٹی نہ ہوگی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بلا ضرورت محض پیشے کے طور پر بھیک مانگتے اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھرتے ہیں وہ قیامت کے روز میدان حشر میں ذلیل و رسوا کر کے لائے جائیں گے یا حقیقۃً ان کا یہ حال ہوگا کہ ان کی اس برائی اور غلط فعل کی سزا کے طور پر ان کے منہ پر گوشت نہیں ہوگا اس طرح وہ لوگ میدان حشر میں مخلوق خدا کے درمیان یہ کہہ کر بے آبرو اور رسوا کئے جائیں گے کہ یہ دنیا میں بھیک مانگتے پھرا کرتے تھے، آج انہیں اس کی یہ سزا مل رہی ہے۔

مانگنے میں مبالغہ نہ کرنا چاہئے

(۴) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُلْحِفُوْا فِي الْمَسْئَلَةِ فَوَاللّٰهِ لَا يَسْأَلُنِيْ اَحَدٌ مِّنْكُمْ شَيْئًا فَتُخْرِجُ لَهٗ مَسْأَلَتُهٗ مِنِّيْ شَيْئًا وَاَنَالَهٗ كَارِهٌ فَيُبَارَكُ لَهٗ فِيْمَا اَعْطَيْتُهٗ (رواہ مسلم)

"اور حضرت معاویہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مانگنے میں مبالغہ نہ کرو، خدا کی قسم اتم میں سے جو بھی شخص مجھ سے (مبالغہ کے ساتھ) کچھ مانگتا ہے تو میں اسے اس حال میں کچھ نکال کر دیتا ہوں کہ میں اسے دینا برا سمجھتا ہوں اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ جو چیز میں نے اسے دی ہے اس میں برکت ہو۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص انتہائی مبالغہ کے ساتھ میرے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے تو اگرچہ مجھ سے اس کا سوال ٹھکرایا نہیں جاتا اور میں اسے دے دیتا ہوں مگر میری طرف سے ناخوشی کے ساتھ دی گئی چیز اور برکت دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے لہٰذا میں ناخوشی کے ساتھ جو چیز دیتا ہوں اس میں برکت نہیں ہوتی۔

محنت مزدوری کرنا ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے

(۵) وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَاْتِيَ بِحُزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ فَيَبِيْعَهَا فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْ مَنَعُوْهُ (رواہ البخاری)

"اور حضرت زبیر بن عوامؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص ایک رسی اور لکڑیوں کا ایک گٹھا (باندھ کر) پشت پر لاد کر لائے اور اسے فروخت کرے اور اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی عزت و آبرو کو برقرار رکھے جو مانگنے سے جاتی تھی تو یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور لوگ اسے دیں یا نہ دیں۔" (بخاریؒ)

اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے

(۶) وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَانِيْ ثُمَّ سَاَلْتُهٗ فَاَعْطَانِيْ ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا حَكِيْمُ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ اَخَذَهٗ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهٗ فِيْهِ وَمَنْ اَخَذَهٗ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَّمْ يُبَارَكْ لَهٗ فِيْهِ وَكَانَ كَالَّذِيْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَ الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيْمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَرْزَاُ اَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى اُفَارِقَ الدُّنْيَا (متفق علیہ)

"اور حضرت حکیم ابن حزامؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ سے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے عنایت فرمادیا، میں نے پھر دوبارہ مانگا تو آپ ﷺ نے اس وقت بھی عطا کیا اور پھر مجھ سے فرمایا کہ حکیم! یہ مال سبز و شیریں ہے (یعنی نظر میں خوشنما اور دل کو لذت دینے والا ہے) لہٰذا جو شخص اس مال کو بے پروائی سے (یعنی بغیر ہاتھ پھیلائے اور بغیر طمع و حرص کے) حاصل کرتا ہے تو اس میں برکت عطا فرمائی جاتی ہے اور جو شخص اسے نفس کے طمع و حرص کے ساتھ حاصل کرتا ہے تو اس میں برکت نہیں ہوتی اور اس کی حالت اس شخص کی مانند ہوتی ہے جو کھاتا تو کھاتا ہے مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا (گویا بے برکتی اور کثرت حرص کی وجہ سے یہ حال ہوتا ہے) اور یاد رکھو کہ اوپر کا ہاتھ یعنی دوسروں کو دینے والا نیچے کے ہاتھ یعنی دوسروں سے مانگنے والے سے بہتر ہوتا ہے حکیمؓ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں اب کسی کے مال میں سے کچھ کم نہیں کروں گا (یعنی آج آپ سے سوال کے بعد آئندہ کبھی بھی کسی سے سوال نہیں کروں گا) یہاں تک کہ میں اس دنیا سے جدا ہوں (یعنی موت کی آغوش میں پہنچ جاؤں۔" (بخاری و مسلم)

(۷) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَ التَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْاَلَةِ الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى وَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلٰى هِيَ السَّائِلَةُ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس موقع پر جب کہ آپ ﷺ منبر پر تھے اور صدقہ کا ذکر بیان کر رہے تھے اور سوال سے بچنے کے بارے میں خطبہ دے رہے تھے یہ ارشاد فرمایا کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر کا ہاتھ خرچ کرنے والا اور لوگوں کو دینے والا ہاتھ ہے اور نیچے کا ہاتھ مانگنے والا یعنی سائل کا ہاتھ ہے۔" (بخاری و مسلمؒ)

سوال نہ کرنے والے کی فضیلت

(۸) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ اِنَّ اُنَاسًا مِّنَ الْاَنْصَارِ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَاَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ حَتّٰى نَفِدَ مَا عِنْدَهٗ فَقَالَ مَا يَكُوْنُ عِنْدِيْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَهٗ عَنْكُمْ وَمَنْ يَّسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَمَا اُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَآءً هُوَ خَيْرٌ وَّاَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک دن انصار میں سے چند لوگوں نے رسول کریم ﷺ سے کچھ مانگا، آپ ﷺ نے انہیں عطا فرمادیا۔ انہوں نے پھر مانگا تو آپ ﷺ نے جب بھی دے دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاس جو کچھ تھا سب ختم ہو گیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جو کچھ بھی مال ہوگا میں تم سے بچاکر اس کا ذخیرہ نہیں کروں گا اور یاد رکھو کہ جو شخص لوگوں سے سوال کرنے سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بری باتوں سے بچاتا ہے اور اسے لوگوں کا محتاج نہیں کرتا اس طرح اس کی خودداری کو باقی رکھتا ہے، نیز جو شخص، انتہائی معمولی چیز پر بھی قناعت کرتا ہے اور کسی سے سوال نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے قناعت آسان کر دیتا ہے اور جو شخص بے پروائی ظاہر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بے پروا بنادیتا ہے یعنی جو شخص دوسروں کے مال و زر سے بے پروا ہوتا ہے اور ہاتھ پھیلانے سے بچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے اور جو شخص صبر کا طالب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا فرماتا ہے یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے صبر آسان کر دیتا ہے اور یاد رکھو کہ صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع کوئی دوسری چیز عطا نہیں کی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام عطاء و بخشش میں صبر سب سے بہتر عطاء ہے۔" (بخاری و مسلمؒ)

جو چیز بغیر طمع و حرص کے ملے اسے قبول کرنا چاہئے

⑨ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْنِي الْعَطَآءَ فَاَقُوْلُ اَعْطِهٖ اَفْقَرَ اِلَيْهِ مِنِّيْ فَقَالَ خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهٖ فَمَا جَآءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَاَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَآئِلٍ فَخُذْهُ وَمَالَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ۔

(متفق علیہ)

"اور حضرت عمر ابن خطابؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ مجھے زکوٰۃ وصول کرنے کی اجرت عطا فرماتے تو میں عرض کرتا کہ یہ اس شخص کو دے دیجئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو۔ آپ ﷺ اس کے جواب میں فرماتے کہ اگر تمہیں حاجت و ضرورت ہو تو اسے لے کر اپنے مال میں شامل کر لو اور اگر حاجت و ضرورت سے زیادہ ہو تو خود خدا کی راہ میں خیرات کر دو نیز یہ بھی فرماتے کہ جو چیز تمہیں بغیر طمع و حرص اور بغیر مانگے حاصل ہو اسے قبول کر لو اور جو چیز اس طرح یعنی بغیر طمع و حرص اور بغیر سوال کے ہاتھ نہ لگے تو اس کے پیچھے مت پڑو۔"

(بخاری و مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز بغیر طمع و حرص اور بغیر مانگے حاصل نہ ہو اس کو حاصل کرنے کے لئے طمع نہ کرو اور نہ اس کے منتظر رہو جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ لا رد و لا کد۔

ایک دوسری حدیث میں منقول ہے کہ "جس شخص کو کوئی مال یا کوئی چیز بغیر طمع و حرص کے حاصل ہو اور وہ اسے واپس کر دے تو گویا اس نے اس چیز کو اللہ کو واپس کر دیا یعنی خدا کی ایک نعمت کو ٹھکرایا"

ایک سبق آموز واقعہ: منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام احمدؒ بازار گئے اور وہاں سے انہوں نے کچھ سامان خریدا جسے بنان جلال اٹھا کر احمدؒ کے ساتھ ان کے گھر لائے جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں روٹیاں ٹھنڈی ہونے کے لئے کھلی ہوئی رکھی تھیں، حضرت امامؒ نے اپنے صاحبزادے کو حکم دیا کہ ایک روٹی بنان کو دے دیں، صاحبزادے نے جب بنان کو روٹی دی تو انہوں نے انکار کر دیا، بنان جب گھر سے باہر نکل گئے اور واپس چل دیئے تو امام احمدؒ نے صاحبزادے سے کہا کہ اب ان کے پاس جاؤ اور انہیں روٹی دے دو صاحبزادے نے باہر جاکر بنان کو روٹی دی تو انہوں نے فوراً قبول کر لیا۔ انہیں بڑا تعجب ہوا کہ پہلے تو روٹی لینے سے صاف انکار کر دیا اور اب فوراً قبول کر لیا آخر یہ ماجرا کیا ہے! انہوں نے حضرت امام احمدؒ سے اس کا سبب پوچھا تو امام صاحب نے فرمایا کہ "بنان جب گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے کھانے کی ایک عمدہ چیز دیکھی بتقاضائے طبیعت بشری انہیں اس کی خواہش ہوئی اور دل میں اس کی طمع پیدا ہو گئی اس لئے جب تم نے انہیں روٹی دی تو انہوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنی طمع و خواہش کے تابع بن جائیں انہوں نے روٹی لینے

سے انکار کر دیا مگر جب وہ باہر چلے گئے اور اس روٹی سے قطع نظر کر کے اپنا واستہ پکڑا اور پھر تم نے جا کر وہ روٹی دی تو اب چونکہ وہ روٹی انہیں بغیر طمع و خواہش اور غیر متوقع طریقے پر حاصل ہو رہی تھی اس لئے انہوں نے اسے خدا کی نعمت سمجھ کر فوراً قبول کر لیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

سوال کرنے والے کے لئے تہدید

(۱۰) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسَائِلُ كُدُوْحٌ يَكْدَحُ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهٗ فَمَنْ شَآءَ اَبْقٰى عَلٰى وَجْهِهٖ وَمَنْ شَآءَ تَرَكَهٗ اِلَّآ اَنْ يَّسْاَلَ الرَّجُلُ ذَا سُلْطَانٍ اَوْ فِىْ اَمْرٍ لَّا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا۔

(رواہ ابوداؤد و الترمذی والنسائی)

"حضرت سمرہ ابن جندب راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سوال کرنا ایک زخم ہے کہ جس کے ذریعے انسان اپنا منہ زخمی کرتا ہے بایں طور کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا اپنی عزت و آبرو کو خاک میں ملاتا ہے کہ یہ اپنے منہ کو زخمی کرنے ہی کے مترادف ہے لہٰذا جو شخص اپنی عزت و آبرو باقی رکھنا چاہے کہ وہ سوال سے شرم کرے اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلا کر اپنی عزت و آبرو کو باقی رکھے اور کوئی شخص اپنی آبرو باقی رکھنا ہی نہیں چاہتا تو وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلا کر اپنی عزت خاک میں ملا لے یعنی اسے باقی نہ رکھے یہ گویا سوال کرنے والے کے لئے تہدید اور تنبیہ ہے کہ کسی سے سوال نہ کرنا چاہئے۔ ہاں! اگر سوال ہی کرنا ہے تو پھر حاکم سے سوال کرے یا ایسی صورت میں سوال کرے کہ اس کے لئے کوئی واقعی ضرورت اور مجبوری ہو۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر تم سوال ہی کرو تو کم سے کم ایسے شخص سے تو کرو جس پر تمہارا حق بھی ہے اور وہ حاکم یا بادشاہ ہے کہ جس کے تصرف میں بیت المال اور خزانہ ہو تم ان سے اپنا حق مانگو، اگر تم مستحق ہوگے وہ تمہیں بیت المال سے دیں گے۔

عطاءِ سلطانی کو قبول کرنے کا مسئلہ

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ آیا عطاء سلطانی بادشاہ و حاکم کا عطیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس بارے میں صحیح قول یہی ہے کہ اگر بیت المال اور خزانے میں حرام مال زیادہ ہو تو اس میں سے کچھ مانگنا یا اس سے عطیہ سلطانی قبول کرنا حرام ہے اور اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر حلال ہے۔

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی واقعی مجبوری اور ضرورت ہو کہ کسی سے مانگے بغیر چارہ کار نہ ہو مثلاً کسی کا ضامن بن گیا ہو، طوفان و سیلاب کی وجہ سے کھیتی باڑی تباہ ہو گئی ہو، یا کسی حادثے و مصیبت کی وجہ سے نوبت فاقوں تک پہنچ گئی تو ایسی صورتوں میں سوال کرنے کی اجازت ہے بلکہ اگر کوئی شخص حالت اضطراری کو پہنچ گیا ہو خواہ وہ اضطراری حالت کپڑے کی طرف سے ہو کہ ستر چھپانے کو کپڑا نہ ہو یا کھانے کی طرف سے ہو کہ شدت بھوک سے جان نکلی جاتی ہو تو پھر ایسی صورت میں کسی سے مانگ کر اپنی اضطراری حالت کو دور کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اس شخص کے لئے بھی سوال کرنا واجب ہوتا ہے جو حج کی استطاعت رکھتا تھا مگر حج نہیں کیا یہاں تک کہ مفلس ہو گیا تو اب اسے چاہئے کہ وہ لوگوں سے سفر خرچ مانگ کر حج کے لئے جائے۔

مستغنی سائل کے لئے وعید

(۱۱) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ النَّاسَ وَلَهٗ مَا يُغْنِيْهِ جَآءَ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ وَمَسْأَلَتُهُ فِي وَجْهِهِ خُمُوْشٌ اَوْ خُدُوْشٌ اَوْ كُدُوْحٌ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا يُغْنِيْهِ قَالَ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا اَوْ قِيْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص لوگوں سے ایسی چیز کی موجودگی میں سوال کرے جو اسے مستغنی بنا دینے والی ہو تو وہ قیامت کے دن اس حال میں پیش ہوگا کہ اس کے منہ پر اس کا سوال بصورت خموش یا خدوش یا کدوح ہوگا۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) مستغنی بنانے والی کیا چیز ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا پچاس درہم یا اس قیمت کا سونا۔"

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمیؒ)

تشریح: "خموش" جمع ہے "خمش" کی، "خدوش" جمع ہے "خدش" کی اور کدوح جمع ہے "کدح" کی بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ تمام الفاظ قریب المعنی ہیں بایں طور کی ان سب کے معنی کا حاصل "زخم" ہے گویا حدیث میں لفظ "او" راوی کا شک ظاہر کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان تینوں میں سے کوئی ایک لفظ ارشاد فرمایا ہے۔

لیکن دوسرے بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ تینوں الفاظ متباین ہیں یعنی ان تینوں کے الگ الگ معنی ہیں خموش کے معنی ہیں لکڑی کے ذریعے کھال چھیلنا، خمش کے معنی ہیں ناخن کے ذریعے کھال چھیلنا اور کدح کے معنی ہیں دانتوں کے ذریعے کھال اتارنا۔ گویا اس طرح قیامت کے روز سائلین کے تفاوت احوال کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص کم سوال کرے گا اس کے منہ پر ہلکا زخم ہوگا، جو شخص بہت زیادہ سوال کرے گا اس کے منہ پر بہت گہرا زخم ہوگا جو شخص سوال کرنے میں درمیانی درجہ اختیار کرے گا اس کے منہ پر زخم بھی درمیانی درجے کا ہوگا۔

⑫ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ وَعِنْدَهُ مَا يُغْنِيْهِ فَاِنَّمَا يَسْتَكْثِرُ مِنَ النَّارِ قَالَ النُّفَيْلِيُّ وَهُوَ اَحَدُ رُوَاتِهِ فِي مَوْضِعٍ اٰخَرَ وَمَا الْغِنَى الَّذِي لَا تَنْبَغِي مَعَهُ الْمَسْأَلَةُ قَالَ قَدْرُ مَا يُغَدِّيْهِ وَيُعَشِّيْهِ وَقَالَ فِي مَوْضِعٍ اٰخَرَ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ شِبْعُ يَوْمٍ اَوْ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سہل ابن حنظلیہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس اتنا مال ہو جو اس کو مستغنی کر دے مگر وہ اس کے باوجود لوگوں سے سوال کرتا ہے تو گویا وہ زیادہ آگ مانگتا ہے یعنی جو شخص بغیر ضرورت و حاجت کے لوگوں سے مانگ مانگ کر مال و زر جمع کرتا ہے تو وہ گویا دوزخ کی آگ جمع کرتا ہے۔ نفیلیؒ جو اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں ایک اور جگہ یعنی ایک دوسری روایت میں نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ مستغنی ہونے کی کیا حد ہے کہ اس کی موجودگی میں دوسرے لوگوں سے مانگنا ممنوع ہے آپ ﷺ نے فرمایا صبح اور شام کے بقدر۔ نفیلیؒ نے ایک اور جگہ آنحضرت ﷺ کا جواب اس طرح نقل کیا ہے کہ اس کے پاس ایک دن یا ایک رات و ایک دن کے بقدر خوراک ہو (راوی کو شک ہو رہا ہے کہ) آپ ﷺ نے صرف ایک دن فرمایا ہے یا ایک رات و ایک دن فرمایا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "صبح اور شام کے کھانے کے بقدر" مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اتنی مقدار میں غذائی ضروریات موجود ہوں کہ وہ ایک دن و رات اپنا پیٹ بھر سکے تو وہ غنی کہلائے گا یعنی اس کے لئے اب جائز نہیں ہوگا کہ وہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے۔

ابھی اس سے پہلے حضرت ابن مسعودؓ کی جو روایت گزری ہے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ مال کی تعداد کہ جس کی وجہ سے آدمی مستغنی ہو جائے اور کسی سے سوال نہ کرے، پچاس درہم ہے یعنی جو شخص پچاس درہم کا مالک ہوگا اس کے لئے کسی سے سوال کرنا حرام ہوگا یہاں جو یہ روایت نقل کی گئی ہے اس میں یہ مقدار "صبح و شام کے کھانے کے بقدر" بیان کی گئی ہے، اور اس کے بعد حضرت عطاء ابن یسارؒ کی جو روایت آرہی ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم کا مالک ہو وہ مستغنی کہلائے گا اس کے

لئے کسی سے سوال کرنا مطلقاً جائز نہیں ہوگا۔

گویا یہ تین روایتیں ہیں جن میں باہم اختلاف ہے لہٰذا حضرت امام احمدؒ، ابن مبارکؒ اور اسحاقؒ کا عمل تو پہلی روایت پر ہے جو ابن مسعودؓ سے منقول ہے، بعض علماء نے تیسری روایت کو معمول بہ قرار دیا ہے۔ جو عطاء ابن یسار سے منقول ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے دوسری روایت کو اپنے مسلک کی بنیاد قرار دیا ہے جو سہیل ابن حنظلیہ سے منقول ہے لہٰذا حضرت امام اعظمؒ کا یہی مسلک ہے کہ جو شخص ایک دن کی غذائی ضروریات کا مالک ہو گا وہ مستغنی کہلائے گا اور اس کے لئے کسی سے سوال کرنا حرام ہو گا، گویا حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک یہ حدیث دوسری احادیث کے لئے ناسخ ہے۔ (واللہ اعلم)

⑬ وَعَنْ عَطَآءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَّجُلٍ مِّنْ بَنِيْ اَسَدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ مِنْكُمْ وَلَهٗ اُوْقِيَّةٌ اَوْ عِدْلُهَا فَقَدْ سَاَلَ اِلْحَافًا (رواہ مالک وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عطاء ابن یسار قبیلہ بنی اسد کے ایک شخص سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے جو شخص ایک اوقیہ (یعنی چالیس درہم) کا یا اس کی قیمت کے بقدر سونا وغیرہ کا مالک ہو اور اس کے باوجود وہ لوگوں سے مانگے تو اس نے گویا بطریق الحاح سوال کیا۔" (مالکؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: بطریق الحاح کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اضطراری کیفیت کے علاوہ اور بلا ضرورت نیز انتہائی مبالغہ کے ساتھ لوگوں سے مانگا جو ممنوع اور برا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں فقراء کی بایں طور تعریف کی گئی ہے کہ:

وَلَا يَسْاَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا — "وہ لوگوں سے بطریق الحاح نہیں مانگتے۔"

کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا انتہائی محتاجگی کے وقت جائز ہے

⑭ وَعَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَسْاَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَّلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ اِلَّا لِذِيْ فَقْرٍ مُّدْقِعٍ اَوْ غُرْمٍ مُّفْظِعٍ وَّمَنْ سَاَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهٖ مَالَهٗ كَانَ خُمُوْشًا فِيْ وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَرَضْفًا يَّاْكُلُهٗ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُقِلَّ وَمَنْ شَآءَ فَلْيُكْثِرْ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت حبشی ابن جنادہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا نہ تو غنی کے لئے (یعنی اس شخص کے لئے جو ایک دن کی خوراک کا مالک ہو) اور نہ تندرست و توانا اور صحیح الاعضاء کے لئے مانگنا حلال ہے، ہاں اس فقیر کے لئے مانگنا حلال ہے جسے (فقر و فاقہ نے) زمین پر ڈال دیا ہو، اسی طرح اس قرض دار کے لئے بھی مانگنا حلال ہے جو بھاری قرض کے نیچے دبا ہو (یاد رکھو) جو شخص صرف اس لئے لوگوں سے مانگے کہ اپنے مال و زر میں زیادتی ہو تو قیامت کے دن اس کا مانگنا اس کے منہ پر زخم کی صورت میں ہوگا۔ نیز دوزخ میں اسے گرم پتھر اپنی خوراک بنانے گا، اب چاہے کوئی کم سوال کرے چاہے کوئی زیادہ سوال کرے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "زمین پر ڈال دیا ہو" یہ کنایہ ہے شدت محتاجگی اور مفلسی نے زمین پر ڈال رکھا ہے کہ اٹھنے کی بھی سکت نہیں رکھتا۔ گویا مطلب یہ ہے کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا صرف انتہائی محتاجگی ہی کے وقت جائز ہے حدیث کا آخری جملہ بطور تنبیہ و تہدید ارشاد فرمایا گیا ہے جیسا کہ کافروں، ظالموں اور خدا کے باغیوں کے بارے میں بطور تہدید قرآن کریم کی یہ آیت ہے کہ:

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا۔

"جو چاہے مؤمن ہو جائے اور جو چاہے کافر ہو جائے، ہم نے تو ظالموں کے لئے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے۔"

⑮ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْاَلُهٗ فَقَالَ اَمَا فِيْ بَيْتِكَ شَيْءٌ فَقَالَ بَلٰى

حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهُ وَنَبْسُطُ بَعْضَهُ وَقَعْبٌ نَشْرَبُ فِيهِ مِنَ الْمَآءِ قَالَ ائْتِنِي بِهِمَا فَاَتَاهُ بِهِمَا فَاَخَذَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ وَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِيْ هٰذَيْنِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ قَالَ مَنْ يَّزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ مَّرَّتَيْنِ اَوْثَلَاثًا قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ فَاَعْطَاهُمَا اِيَّاهُ فَاَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ فَاَعْطَاهُمَا الْاَنْصَارِيَّ وَقَالَ اشْتَرِ بِاَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ اِلٰى اَهْلِكَ وَاشْتَرِ بِالْاٰخَرِ قَدُوْمًا فَأْتِنِيْ بِهٖ فَاَتَاهُ بِهٖ فَشَدَّ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُوْدًا بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ اذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا اَرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَذَهَبَ الرَّجُلُ يَحْتَطِبُ وَيَبِيْعُ فَجَآءَهُ وَقَدْ اَصَابَ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ فَاشْتَرٰى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا وَّبِبَعْضِهَا طَعَامًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تَجِيْءَ الْمَسْأَلَةُ نُكْتَةً فِيْ وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لِثَلَاثَةٍ لِذِيْ فَقْرٍ مُّدْقِعٍ اَوْلِذِيْ غُرْمٍ مُّفْظِعٍ اَوْلِذِيْ دَمٍ مُّوْجِعٍ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن انصار میں سے ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کسی چیز کا سوال کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ کیا تمہارے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے؟ اس نے عرض کیا کہ صرف ایک موٹی سی کملی ہے جس میں سے کچھ حصہ اوڑھتا ہوں اور کچھ حصہ بچھالیتا ہوں، اس کے علاوہ ایک پیالہ بھی ہے جس میں پانی پیتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ان دونوں چیزوں کو لے آؤ۔ وہ دونوں چیزیں لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آنحضرت ﷺ نے دونوں چیزیں اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ ان چیزوں کو کون خریدتا ہے؟ ایک شخص نے کہا کہ میں ان دونوں چیزوں کو ایک درہم میں خریدنے کے لئے تیار ہوں! آپ ﷺ نے فرمایا "ان چیزوں کو ایک درہم سے زیادہ میں کون خریدنے والا ہے؟" آپ ﷺ نے یہ دو یا تین بار فرمایا، ایک شخص نے کہا کہ میں ان چیزوں کو دو درہم میں خریدتا ہوں! آپ ﷺ نے وہ دونوں چیزیں اس شخص کو دے دیں اور اس سے دو درہم لے کر انصاری کو دیئے اور اس سے فرمایا کہ اس میں سے ایک درہم کا کھانے کا سامان خرید کر اپنے گھر والوں کو دے دو اور دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ، وہ شخص کلہاڑی خرید کر آپ ﷺ کے پاس لایا۔ آپ ﷺ نے اس کلہاڑی میں اپنے دست مبارک سے ایک مضبوط لکڑی لگادی اور پھر اس سے فرمایا کہ اسے لے کر جاؤ، لکڑیاں کاٹ کر جمع کرو اور انہیں فروخت کرو، اب اس کے بعد میں تمہیں پندرہ دن تک یہاں نہ دیکھوں (یعنی اب یہاں نہ رہو جاکر اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ اور محنت کرو) چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور لکڑیاں جمع کر کر کے فروخت کرنے لگا (کچھ دنوں کے بعد) جب وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آیا تو کہاں وہ پہلے آپ ﷺ سے مانگنے آیا تھا اور ہم اب وہ دس درہم کا مالک تھا، اس نے ان درہموں میں سے کچھ کا کپڑا خریدا اور کچھ کا غلہ خرید لیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی حالت کی اس تبدیلی کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ صورتحال تمہارے لئے بہتر ہے بہ نسبت اس چیز کہ کہ کل قیامت کے دن تم اس حالت میں آؤ کہ تمہارے سوال تمہارے منہ پر برے نشان یعنی زخم کی صورت میں ہو اور یہ یاد رکھو کہ صرف تین طرح کے لوگوں کو سوال کرنا مناسب ہے ایک تو اس محتاج کے لئے کہ جس کو مفلسی نے زمین پر گرا دیا ہو، دوسرے اس قرض دار کے لئے جو بھاری اور عدم ادائیگی کی صورت میں ذلیل کرنے والے قرض کے بوجھ سے دبا ہو اور تیسرے صاحب خون کے لئے جو درد پہنچائے (یعنی اس شخص کے لئے جس پر دیت واجب ہو خواہ اس نے خود کسی کا ناحق خون کیا ہو اور اس کا خون بہا اس کے ذمہ ہو یا کسی دوسرے شخص نے کوئی خون کر دیا ہو اور اس کی دیت اس نے اپنے ذمہ لی ہو مگر اس کی ادائیگی کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے بھی جائز ہے کہ اس خون بہا کے بقدر کسی سے مانگ کر ادائیگی کر دے۔ ابوداؤدؒ اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو یوم القیامۃ تک نقل کیا ہے۔"

صرف خدا سے اپنی حاجت بیان کرنی چاہئے

(۱۶) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَاَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهٗ وَمَنْ

اَنْزَلَھَا بِاللّٰہِ اَوْشَکَ اللّٰہُ لَہٗ بِالْغِنٰی اِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ اَوْغِنًی اٰجِلٍ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص فاقہ (یعنی سخت حاجت) سے دوچار ہو اور اس کو لوگوں کے سامنے (بطور شکایت) بیان کرکے ان سے حاجت روائی کی خواہش کرے تو اس کی حاجت پوری نہیں کی جائے گی اور جس شخص نے صرف اپنے اللہ سے اپنی حاجت کو بیان کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جلد فائدہ اور اطمینان عطا فرمائے گا بایں طور کہ اسے جلد ہی یا تو موت سے ہمکنار کردے گا (تاکہ وہ دنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے نجات پاکر رحمت خداوندی سے ہمکنار ہو) یا اسے کچھ دنوں میں مالدار بنادے گا (تاکہ وہ اپنی حاجت پوری کرکے اطمینان محسوس کرے۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جملے اوغنی اٰجل میں لفظ اٰجل مصابیح کے اکثر نسخوں اور جامع الاصول میں "عین" سے یعنی عاجل مرقوم ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کو جلد فائدہ و اطمینان عطا فرمائے گا بایں طور کہ اسے جلد ہی دولت مند و مالدار بنادے گا۔ مگر خود سنن ابوداؤد اور ترمذی میں کہ جہاں سے یہ روایت نقل کی گئی ہے یہ لفظ "اٰجل" ہی ہے اور صحیح بھی یہی ہے: چنانچہ ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ حدیث قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کی روشنی میں ارشاد فرمائی گئی ہے کہ:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ

"جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نکلنے کی جگہ پیدا فرما دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے کہ جس کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اگر ضرورت ہی ہو تو نیک بختوں سے سوال کرو

⑰ عَنِ ابْنِ الْفِرَاسِیِّ اَنَّ الْفِرَاسِیَّ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْاَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا وَاِنْ کُنْتَ لَا بُدَّ فَسَلِ الصَّالِحِیْنَ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابن فراسیؒ کہتے ہیں کہ میرے والد مکرم حضرت فراسیؓ نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! کیا میں لوگوں سے مانگ سکتا ہوں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ ہر حالت میں خدا ہی پر بھروسہ رکھو ہاں اگر کسی شدید ضرورت اور سخت حاجت کی وجہ سے مانگنا ضروری ہے تو پھر نیک بختوں سے مانگو۔" (ابوداؤد، نسائیؒ)

تشریح: ضرورت و حاجت کے وقت نیک بختوں سے مانگنے کے لئے اس لئے فرمایا جارہا ہے کہ ان کے پاس حلال مال ہوتا وہ بردبار اور مہربان ہوتے ہیں مانگنے والوں کی پردہ دری نہیں کرتے اور ان کے ناموں کو اچھالتے نہیں، یہی وجہ ہے کہ بغداد کے فقراء و مساکین اپنی ضرورت و احتیاج کے وقت حضرت امام احمد ابن حنبلؒ ہی کے دروازے پر جاتے تھے اور ان سے اپنی ضرورت و حاجت بیان کرتے تھے۔

حضرت امام موصوفؒ کے تقویٰ واحتیاط کا کیا عالم تھا؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے گھر والوں کو خمیر کی ضرورت ہوئی جسے انہوں نے حضرت امام احمدؒ کے صاحبزادے ہی کے گھر سے منگوالیا، حضرت امام احمدؒ کے صاحبزادے قاضی کے عہدہ پر فائز تھے اور ان کی سعادت و بھلائی کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے گھر کے دروازے ہی کے پاس سوتے تھے تاکہ کوئی محتاج و ضرورت مند واپس نہ ہوجائے، بہرحال امام احمدؒ کے گھر والوں نے اس خمیر سے روٹی پکائی اور جب حضرت امام موصوف کے سامنے کھانا آیا تو

انہیں بذریعہ کشف روٹی کے بارے میں کوئی شبہ گزرا انہوں نے گھر والوں سے پوچھا تو انہوں نے صورتحال بتائی، حضرت امام موصوف نے کھانا کھانے سے انکار کردیا ان کی وجہ سے گھر والوں نے بھی نہیں کھایا اور پوچھا کہ یہ کھانا فقراء کو دے دیا جائے، انہوں نے فرمایا کہ دے دو مگر اس شرط کے ساتھ کہ انہیں بھی صورتحال سے مطلع کر دینا، چنانچہ فقراء نے بھی اسے لینے سے انکار کردیا آخر کار گھر والوں نے پورے گھر کا کھانا امام موصوف کی اجازت کے بغیر ہی دریا میں ڈلوادیا۔

کام کی اجرت بیت المال سے لینی جائز ہے

(۱۸) وَعَنِ ابْنِ السَّاعِدِيِّ قَالَ اسْتَعْمَلَنِيْ عُمَرُ عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْهَا وَاَدَّيْتُهَآ اِلَيْهِ اَمَرَلِيْ بِعُمَالَةٍ فَقُلْتُ اِنَّمَا عَمِلْتُ لِلّٰهِ وَاَجْرِيْ عَلَى اللّٰهِ قَالَ خُذْمَآ اُعْطِيْتَ فَاِنِّيْ قَدْعَمِلْتُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِيْ فَقُلْتُ مِثْلَ قَوْلِكَ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَآ اُعْطِيْتَ شَيْئًا مِنْ غَيْرِ اَنْ تَسْأَلَهُ فَكُلْ وَتَصَدَّقْ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن ساعدی کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے مجھے زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر فرمایا چنانچہ جب میں زکوٰۃ کی وصولی سے فارغ ہوگیا اور زکوٰۃ کا مال حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچادیا تو انہوں نے مجھے زکوٰۃ وصول کرنے کی اجرت دیئے جانے کا حکم فرمایا میں نے عرض کیا کہ میں نے یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے کیا ہے لہٰذا میرے لئے اس کا ثواب بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو چیز تمہیں مل رہی ہے اسے قبول کرلو، کیونکہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں جب میں نے زکوٰۃ وصول کرنے کا کام کیا اور آنحضرت ﷺ نے مجھے اس کی اجرت عطا فرمانی چاہی تو میں نے بھی یہی عرض کیا جو اب تم کہہ رہے ہو، چنانچہ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ جب تمہیں کوئی چیز بغیر طلب اور بغیر طمع دی جائے تو تم اسے لے کر کھاؤ اور جو کچھ تمہاری ضرورت و حاجت سے زائد ہو اسے خدا کی راہ میں خیرات کردو۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے کسی بھی کام اور کسی بھی خدمت کی اجرت بیت المال سے لینی جائز ہے خواہ وہ خدمت فرض ہی کیوں نہ ہو، جیسے قضاء، احتساب اور درس و تدریس وغیرہ بلکہ امام وقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ ایسے لوگوں کی بلکہ ان لوگوں کو بھی جو بیت المال کے معاملے میں ان ہی کے حکم میں شامل ہیں خبر گیری رکھے۔

یہ حدیث اور وہ حدیث جو اسی کے مثل حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں پہلے گزر چکی ہے بظاہر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اس کے سوال اور اس کی طمع کے بغیر کوئی چیز دے تو اس کو قبول کرنا واجب ہے، چنانچہ حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے لیکن جمہور علماء اس امر کو استحباب یا اباحت پر محمول کرتے ہیں۔

کن مقامات پر سوال کرنا مناسب ہے

(۱۹) وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ سَمِعَ يَوْمَ عَرَفَةَ رَجُلًا يَسْأَلُ النَّاسَ فَقَالَ اَفِيْ هٰذَا الْيَوْمِ وَفِيْ هٰذَا الْمَكَانِ تَسْأَلُ مِنْ غَيْرِ اللّٰهِ فَخَفَقَهُ بِالدِّرَّةِ (رواہ رزین)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے عرفہ کے دن ایک شخص کو لوگوں سے مانگتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ (بد نصیب) آج کے روز اس جگہ پر تو خدا کے علاوہ دوسروں سے مانگ رہا ہے، پھر انہوں نے اس شخص کو درہ سے مارا۔" (رزینؒ)

تشریح: حضرت علیؓ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ یہ تیری کتنی حرماں نصیبی اور بدبختی ہے کہ آج کے دن کہ جو قبولیت دعا کا دن ہے اور اس جگہ یعنی میدان عرفات میں کہ جو مقدس و بابرکت جگہ ہے تو خدا سے صرف نظر کر کے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا تا پھر رہا ہے؟ اس سے

معلوم ہوا کہ مقدس و بابرکت مقامات مثلاً مساجد وغیرہ میں لوگوں سے مانگنا نامناسب بات ہے۔

طمع افلاس اور محتاجگی ہے

(۲۰) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ تَعْلَمُوْنَ اَیُّهَا النَّاسُ اَنَّ الطَّمَعَ فَقْرٌ وَّاَنَّ الْاِیَاسَ غِنًی وَّاَنَّ الْمَرْءَ اِذَا یَئِسَ عَنْ شَیْءٍ اسْتَغْنٰی عَنْهُ۔ (رواہ رزین)

"اور حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگو! جان لو، طمع محتاجگی ہے اور آدمیوں سے ناامید ہونا تونگری و بے پروائی ہے، انسان جب کسی چیز سے مایوس ہو جاتا ہے تو اس سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔" (رزینؒ)

تشریح: طمع "محتاجگی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ طمع محتاجگی کی ایک صورت ہے یا مطلب یہ ہے کہ طمع محتاجگی کا ذریعہ ہے یعنی طمع کی وجہ سے انسان محتاج بنتا ہے بایں طور کہ اپنی طمع پوری کرنے کے لئے دوسرے لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے "ناامید ہونا تونگری و بے پروائی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ انسان سے ناامیدی مستغنی اور بے پرواہ بنا دیتی ہے حضرت ابوالحسن شاذلیؒ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے کسی نے علم کیمیا جو صرف دو لفظوں میں منحصر ہے طلب کیا تو انہوں نے اس سے فرمایا کہ مخلوق خدا سے صرف نظر کرو یعنی کسی انسان سے امیدیں قائم نہ کرو اور اللہ سے اس چیز کے بارے میں اپنی طمع منقطع کر لو جو تمہاری قسمت میں لکھی ہوئی چیزوں کے علاوہ ہے یعنی خدا نے جو چیزیں تمہارے مقدر میں لکھ دی ہیں، اس کے علاوہ دوسری چیزوں کی امید نہ رکھو۔

"طمع" کے معنی ہیں اس چیز پر نظر رکھنا (یعنی اسے حاصل کرنے کی خواہش کرنا) کہ جس کے حاصل ہونے میں شک ہو یعنی کسی چیز کے بارے میں یہ خیال ہو کہ اس کا مالک دے گا یا نہیں ہاں اگر کسی ایسی چیز کی کسی ایسے شخص سے حصول کی خواہش ہو جس پر اس کا ہو یا اس شخص سے کمال تعلق اور محبت و مروت کی بنا پر یقین ہو کہ وہ چیز مل جائے گی تو یہ اسے طمع نہیں کہیں گے۔

سوال نہ کرنے والے کے لئے آنحضرت ﷺ کی بشارت

(۲۱) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّكْفُلُ لِیْ اَنْ لَّا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا فَاَتَكَفَّلُ لَهٗ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثَوْبَانُ اَنَا فَكَانَ لَا يَسْأَلُ اَحَدًا شَيْئًا (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص میرے ساتھ اس بات کا عہد کرے کہ وہ لوگوں کے آگے دست سوال دراز نہیں کرے گا تو میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں (ثوبان کہتے ہیں کہ) میں نے عہد کیا کہ میں کبھی بھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا چنانچہ ثوبانؓ کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے تھے (خواہ وہ کتنی ہی تنگیوں میں) کیوں نہ مبتلا رہے ہوں۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ میں اس شخص کے لئے اس بات کی ضمانت لوں گا کہ وہ بغیر کسی عذاب کے ابتداء ہی میں جنت میں داخل کیا جائے گا گویا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کرنے والا ان شاء اللہ خاتمہ بالخیر کی سعادت سے نوازا جائے گا۔

لیکن اتنی بات ضرور سمجھ لیجئے کہ اس بارے میں وہ صورت مستثنیٰ ہے جب کہ موت کا خوف ہو کیونکہ انتہائی شدید ضرورت ممنوع چیزوں کو بھی مباح کر دیتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ایسی پوزیشن میں ہو کہ اگر کسی سے کچھ نہ مانگے تو جان کے لالے پڑ جائیں تو اس کے لئے مانگنا اور اپنی جان کو بچانا ہی ضروری ہوگا۔ بلکہ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص سخت بھوک میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے کچھ مانگ کر نہ کھائے اور اسی حالت میں وہ مر جائے تو گنہگار مرے گا۔

سوال نہ کرنے کا حکم

(۲۲) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَعَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَشْتَرِطُ عَلَیَّ اَنْ لَّا تَسْاَلَ النَّاسَ شَيْئًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَلَا سَوْطَكَ اِنْ سَقَطَ مِنْكَ حَتّٰی تَنْزِلَ اِلَيْهِ فَتَاْخُذَهٗ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے بلایا اور اس بات کا اقرار کرایا کہ کبھی بھی کسی سے کوئی چیز نہیں مانگو گے چنانچہ میں نے اس بات کا اقرار کیا، پھر آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اگر تمہارا کوڑا بھی گر جائے تو کسی سے نہ مانگو (یعنی کسی سے اٹھانے کے لئے بھی نہ کہو) بلکہ تم خود سواری سے اتر کر اسے اٹھالو۔" (احمدؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کا آخری ارشاد ترک سوال کے بارے میں بطور مبالغہ ہے کیونکہ اگر کسی کا کوڑا گر جائے اور وہ اسے اٹھانے کے لئے کسی سے کہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلا رہا ہے بلکہ حقیقت میں تو وہ اسی کی چیز ہے جسے وہ صرف اٹھا کر دینے کے لئے کہہ رہا ہے لیکن چونکہ اس میں بھی ایک طرح کا سوال ہوتا ہے اس لئے آپ ﷺ نے بطور مبالغہ اس سے بھی منع فرمایا۔

باب الانفاق وکراھیۃ الامساک

خرچ کرنے کی فضیلت وبخل کی کراہیت کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

مال وزر کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا جذبہ

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَّا يَمُرَّ عَلَیَّ ثَلَاثُ لَيَالٍ وَعِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اُرْصِدُهٗ لِدَيْنٍ (رواہ البخاری)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اگر میرے پاس احد کے پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتا تو مجھے یہ گوارا نہ ہوتا کہ تین راتیں گذر جائیں اور وہ تمام سونا یا اس کا کچھ حصہ علاوہ بقدر ادائے قرض کے میرے پاس موجود رہتا۔" (بخاریؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتا تو میرے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ بات یہ ہوتی کہ میں وہ تمام سونا تین رات کے اندر اندر ہی لوگوں میں تقسیم کر دیتا، اس میں سے اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھتا ہاں اتنا سونا ضرور بچا لیتا جس سے میں اپنا قرض ادا کر سکتا کیونکہ قرض ادا کرنا صدقہ سے مقدم ہے۔

اس ارشاد گرامی سے جہاں آنحضرت ﷺ کی انتہائی سخاوت وفیاضی کا وصف سامنے آتا ہے وہیں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ اپنے مال وزر کی خیرات نکالتے ہیں خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اپنی آسائش وراحت کے ذرائع مہیا کرتے ہیں۔ مثلاً عالی شان بلڈنگیں بناتے ہیں، کوٹھیاں تعمیر کرتے ہیں یا اسی قسم کی دوسری آسائش زندگی کے لئے بے تحاشا مال خرچ کرتے ہیں مگر ان کے اوپر دوسرے لوگوں کے حقوق ہوتے ہیں وہ ان کے حقوق کی ادائیگی تو کیا کرتے ان کی طرف ان کا دھیان بھی کبھی نہیں جاتا تو یہ کوئی اچھی اور پسندیدہ بات نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر انتہائی غلط ہے۔

شریعت واخلاق ہی نہیں بلکہ محض عقل ودانش اور انسانی ہمدردی کے نقطہ نظر سے بھی کیا یہ بات گوارا کی جا سکتی ہے کہ ایک شخص تو حرص وہوس کا پتلا بن کر اپنی تجوریاں بھرے بیٹھا ہوا بے مصرف مال وزر کے انبار لگائے ہوئے ہو اور سونے چاندی کے خزانے جمع کئے

ہو مگر ایک دوسرا شخص اس کی آنکھوں کے سامنے نان جویں کے لئے بھی محتاج ہو اور اس کی تجوری کا منہ نہ کھلے، ایک غریب بھوک وافلاس کے مارے دم توڑ رہا ہو مگر اس کے اندر اتنی بھی ہمدردی نہ ہو کہ اس غریب کو کھانا کھلا کر اس کی زندگی کے چراغ کو بجھنے سے بچائے؟

جی ہاں! آج کے اس دور میں بھی جب کہ سوشلزم، مساوات اور انسانی بھائی چارگی وہمدردی کے نعرے ہمہ وقت فضا میں گونجتے رہتے ہیں، کون نہیں دیکھتا کہ مال وزر کے بندے اپنی ادنیٰ سی خواہش کے لئے تجوریوں کے منہ کھول دیتے ہیں اپنی دنیاوی آسائش وراحت کی خاطر مال وزر کے تختے بچھا دیتے ہیں مگر جب بھوک وپیاس سے بلکتا کوئی انہیں جیسا ان کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے تو ان کی جبین پر بل پڑ جاتے ہیں، اور ان کے منہ سے نفرت وحقارت کے الفاظ ابلنے لگتے ہیں۔ وہ شقی القلب یہ نہیں سوچتے کہ اگر معاملہ برعکس ہوتا تو ان کے جذبات واحساسات کیا ہوتے؟ لہٰذا "جنگ زرگری" کے موجودہ دور میں مسلمانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ پوری انسانی برادری کے لئے یہ ارشاد گرامی ایک دعوت عمل اور مینارۂ نور ہے۔

سخی کے لئے فرشتوں کی دعا اور بخیل کے لئے بددعا

(۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک فرشتہ تو (سخی کے لئے) یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما (یعنی جو شخص جائز جگہ اپنا مال خرچ کرتا ہے اس کو بہت زیادہ بدلہ عطا فرما بایں طور کہ یا تو دنیا میں اسے خرچ کرنے سے کہیں زیادہ مال دے یا آخرت میں اجر وثواب عطا فرما) اور دوسرا فرشتہ (بخیل کے لئے) بددعا کرتا ہے کہ اے اللہ! بخیل کو تلف (نقصان) دے (یعنی جو شخص مال ودولت جمع کرتا ہے اور جائز جگہ خرچ نہیں کرتا بلکہ بے محل اور بے مصرف خرچ کرتا ہے تو اس کا مال تلف وضائع کر دے۔" (بخاری ومسلمؒ)

سخاوت کا حکم

(۳) وَعَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْفِقِيْ وَلَا تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَلَا تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ اِرْضَخِيْ مَا اسْتَطَعْتِ (متفق علیہ)

"اور حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جس جگہ مال خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہو وہاں اپنا مال خرچ کرو اور یہ شمار نہ کرو کہ کتنا خرچ کروں اور کیا خرچ کروں نہیں تو اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں شمار کرے گا (یعنی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت ختم کر کے تمہارا رزق کم کر دے گا بایں طور کہ اسے ایک معدود ومحدود چیز کی مانند کر دے گا یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مال وزر کے بارے میں قیامت کے روز تم سے محاسبہ کرے گا۔ اور جو مال تمہاری حاجت وضرورت سے زائد ہو اسے حاجت مندوں سے روک کر نہ رکھو نہیں تو اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں اپنی زائد (عطاء وبخشش) روک لے گا، نیز یہ کہ تم سے جو کچھ بھی ہو سکے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہو۔" (بخاری ومسلمؒ)

تشریح: لفظ لا تحصي (اور یہ شمار نہ کرو الخ) کے ایک معنی تو وہی ہیں جو اوپر ترجمے میں مذکور ہوئے ہیں اس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ "مال کو جمع کرنے کے لئے نہ شمار کرو اور اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ترک نہ کرو"۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی حیثیت وقدرت کے مطابق جو کچھ بھی خرچ کر سکو اسے خدا کی راہ میں ضرور خرچ

کرو خواہ وہ مقدار و تعداد کے اعتبار سے کتنا ہی کم کیوں نہ ہو بلکہ اسے حقیر بھی نہ سمجھو کیونکہ خلوص نیت کے ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کیا جانے والا ایک ذرہ بھی خدا کے نزدیک بہت وسیع اور میزان عمل میں بہت وزنی ہے۔

④ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ اُنْفِقْ عَلَيْكَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے اولاد آدم میری راہ میں اپنا مال خرچ کر، میں تیرے اوپر خرچ کروں گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اے اولاد آدم! تو دنیا کے فانی مال کو میری راہ میں خرچ کرتا کہ آخرت میں تجھے اموال عالیہ حاصل ہوں۔

بعض حضرات نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جو کچھ میں نے تجھے عطا کیا ہے اس میں سے تو لوگوں کو دے تاکہ میں تجھے دنیا و عقبی میں اس سے زیادہ عطا کروں گویا اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے کہ:

وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ — "تم جو کچھ بھی خدا کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہو خدا تمہیں اس کا بدلہ عطا کرتا ہے۔"

ضرورت سے زائد مال کو خرچ کرنے کا حکم

⑤ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ آدَمَ اَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَّكَ وَاَنْ تُمْسِكَهٗ شَرٌّ لَّكَ وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اے اولاد آدم! جو مال تمہاری حاجت و ضرورت سے زائد ہو اسے خدا کی خوشنودی کے لئے خرچ کرنا تمہارے لئے دنیا و آخرت میں بہتر ہے اور اسے روکے رکھنا (یعنی خرچ نہ کرنا) اللہ کے نزدیک بھی اور بندوں کے نزدیک بھی تمہارے لئے برا ہے! بقدر کفایت مال پر کوئی ملامت نہیں ہے اور جو مال تمہاری حاجت سے زائد ہو اسے خرچ کرنے کے سلسلے میں اپنے اہل و عیال سے ابتداء کرو۔" (مسلمؒ)

تشریح: وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ (بقدر کفایت مال پر کوئی ملامت نہیں ہے) کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اتنا مال اپنے پاس بچائے رکھو جو تمہاری زندگی کی بقاء کے لئے ضروری ہو بایں طور کہ اس کی وجہ سے تمہاری غذائی ضرورت پوری ہو اور تم کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بچے رہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ "بقاء زندگی" کے بقدر مال کا تعین اشخاص و احوال اور زمانہ کے مطابق ہوتا ہے۔ یعنی بعض اشخاص کے لئے "بقاء زندگی کے بقدر" مال کی مقدار کم ہوتی ہے اور بعضوں کے لئے زیادہ، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی واقعی ضروریات زندگی کے لئے کم مال درکار ہوتا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے زیادہ مقدار ضروری ہوتی ہے، اسی طرح بعض دنوں میں بقاء زندگی کے لئے کم مال درکار ہوتا ہے اور بعض دنوں میں زیادہ مقدار میں ضروری ہوتا ہے، نیز بعض حالات میں تھوڑا مال کفایت کر جاتا ہے۔ اور بعض حالات میں زیادہ مال کی ضرورت ہوتی ہے، حاصل یہ کہ اگر کوئی شخص اپنی حیثیت کے مطابق کسی واقعی ضرورت و حاجت کے بقدر مال و زر بچائے رکھتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ وابدا بمن تعول کا مفہوم یہ ہے کہ سخاوت و خرچ کے معاملے میں اپنے اہل و عیال اور ان لوگوں کو مقدم رکھنا چاہئے جن کا نفقہ اپنے اوپر واجب ہو یعنی ان لوگوں کو دو، جب ان سے بچ رہے تو دوسرے لوگوں کو دینا چاہئے اور اس انداز سے خرچ کرنا کوئی مستحسن بات نہیں ہے کہ اپنے اہل و عیال تو ضرورت مند و محتاج رہیں اور دوسروں کو دیا جائے۔

حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ارشاد بھی حدیث قدسی (اللہ تعالیٰ کا ارشاد) ہے۔ اگرچہ حدیث میں صراحتاً ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ شاید آنحضرت ﷺ نے اپنے ہی ارشاد کے لئے یہ اسلوب اختیار فرمایا ہو۔ واللہ اعلم

صدقہ دینے والے اور بخیل کی مثال

(۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْبَخِيْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ الرَّجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ اَيْدِيْهِمَا اِلٰى ثُدِيِّهِمَا وَتَرَاقِيْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ وَجَعَلَ الْبَخِيْلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَاَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال ایسے دو شخصوں کی سی ہے جن کے جسم پر لوہے کی زرہیں ہوں اور ان زرہوں کے تنگ ہونے کی وجہ سے ان دونوں کے ہاتھ ان کی چھاتیوں اور گردن کی (ہنسلی کی) طرف چپٹے ہوئے ہوں چنانچہ جب صدقہ دینے والا صدقہ دینے کا قصد کرتا ہے تو اس کی زرہ کھل جاتی ہے۔ اور جب بخیل صدقہ دینے کا قصد کرتا ہے تو اس کی زرہ کے حلقے اور تنگ ہو جاتے ہیں اور اپنی جگہ پر ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔" (بخاری و مسلمؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ سخی انسان جب خدا کی خوشنودی کے لئے اپنا مال خرچ کرنے کا قصد کرتا ہے تو اس جذبہ صدق کی بنا پر اس کا سینہ کشادہ ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ اس کے قلب و احساسات کے تابع ہوتے ہیں بایں طور کہ وہ مال خرچ کرنے کے لئے دراز ہوتے ہیں اس کے برخلاف ایسے مواقع پر بخیل انسان کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ سمٹ جاتے ہیں۔

اس مثال کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ جب سخی انسان خیر و بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو توفیق الٰہی اس کے شامل حال ہوتی ہے بایں طور کہ اس کے لئے خیر و بھلائی اور نیکی کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے۔ اور بخیل کے لئے نیکی و بھلائی کا راستہ دشوار گذار ہو جاتا ہے۔

بخل کی مذمت اور اس سے بچنے کی تاکید

(۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلٰى اَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ظلم سے بچو کیونکہ قیامت کے روز ظلم اندھیروں کی شکل میں ہوگا (جس میں ظالم بھٹکتا پھرے گا) اور بخل سے بچو کیونکہ بخل نے ان لوگوں کو ہلاک کیا ہے جو تم سے پہلے گذرے ہیں، بخل ہی کے باعث انہوں نے خونریزی کی اور حرام کو حلال جانا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "ظلم" کا اصل مفہوم ہے کسی چیز کو اس کی غیر جگہ استعمال کرنا۔ مثلاً انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے خدا کی عبادت و اطاعت کرنا اور نیک راہ پر چلنا اب اگر انسان کا نفس امارہ اسے اس کی تخلیق کے اصل مقصد سے ہٹا کر خدا سے بغاوت و سرکشی اور برائی کے راستے پر چلاتا ہے تو یہ ظلم کہلائے گا۔ لہٰذا ظلم کا مفہوم تمام گناہوں کو شامل ہے یعنی جو بھی گنہگار ہوگا۔ وہ ظالم کہلائے گا۔ "ظلم اندھیروں کی شکل میں ہوگا" کے بارے میں علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے یعنی قیامت کے روز ظلم (گناہ) ظالم (گناہگار) کے سامنے اندھیروں کی صورت میں ہوگا جس میں ظالم بھٹکتا پھرے گا اور ان کی وجہ سے نجات کا راستہ نہیں پائے گا جس طرح کہ مؤمن صالح کے بارے میں منقول ہے کہ وہ قیامت کے روز نجات کی راہ اس طرح پائیں گے کہ ان سب کی سعادت و نیک بختی کا نور ان کے آگے آگے دوڑتا ہوگا جس کی روشنی میں جنت کی ابدی سعادتوں کا راستہ ان کے سامنے ہوگا اور وہ اس پر اطمینان و آسانی سے چل کر اپنے مولا کی خوشنودی اور رحمت کو پالیں گے۔

یا پھر یہ بھی احتمال ہے کہ "اندھیروں" سے قیامت کے دن کی ہولناکیاں اور شدائد مراد ہوں یعنی ایک ظلم قیامت کی بہت سے ہولناکیوں اور سختیوں کا باعث ہوگا۔

"بخل" سے بچنے کے لئے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ بخل بھی نہ صرف یہ کہ ظلم ہی کی ایک قسم ہے بلکہ ظلم کی ایک بہت بڑی قسم ہے یہی وجہ ہے کہ "ظلم سے بچنے" کا حکم عمومی طور پر فرمانے کے بعد پھر بھی بعد میں بطور خاص "بخل سے بچنے" کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

"بخل" کو خونریزی اور حرام کو حلال جاننے کا باعث بتایا گیا ہے کیونکہ اپنے مال وزر کو دوسروں کی راحت و بھلائی کے لئے خرچ کرنا اور اس طرح اپنے مسلمان بھائیوں کی خبر گیری در حقیقت آپس کی محبت وملاپ کا ذریعہ اور سبب ہے اس کے برعکس "بخل" ترک ملاقات اور انقطاع تعلقات کا سبب ہے جس کا آخری نتیجہ آپس کی دشمنی اور مخاصمت ہے۔ اور یہ بالکل ظاہری بات ہے کہ جب ایک دوسرے سے دشمنی اور مخاصمت ہوتی ہے تو پھر خونریزی بھی ہوتی ہے اسی دشمنی اور مخاصمت کا ایک دوسرا پہلو حرام باتوں کو مباح و حلال سمجھ لینا بھی ہوتا ہے کیونکہ کوئی بھی شخص ہو وہ دشمنی کے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے دشمن کی عورتوں کو، اس کے مال وزر کو اور اس کی آبرو ریزی وغیرہ کو حلال جانتا ہے اسی لئے جہاں ایک طرف بخل کو خونریزی کا سبب بتایا گیا ہے وہیں دوسری طرف اسے حرام کو حلال سمجھ لینے کا باعث بھی فرمایا گیا ہے۔

ایک ایسا زمانہ آئے گا جب کوئی صدقہ لینے والا نہیں ملے گا

⑧ وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا فَاِنَّهُ يَأْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ يَمْشِي الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهٖ فَلَا يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا يَقُوْلُ الرَّجُلُ لَوْ جِئْتَ بِهَا بِالْاَمْسِ لَقَبِلْتُهَا فَاَمَّا الْيَوْمَ فَلَا حَاجَةَ لِيْ بِهَا (متفق علیہ)

"اور حضرت حارثہ ابن وہبؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ خدا کی خوشنودی کے لئے اپنا مال خرچ کرو، کیونکہ انسانی زندگی میں ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جب ایک شخص صدقہ کا مال لے کر نکلے گا مگر وہ کسی ایسے شخص کو نہ پائے گا جو اس کا صدقہ قبول کر لے بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ اگر تم صدقہ کے اس مال کو کل لے کر آتے تو میں قبول کر لیتا، آج تو مجھے اس کی حاجت و ضرورت نہیں ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "خدا کی خوشنودی کے لئے اپنا مال خرچ کرو" کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تو خدا کی راہ میں اپنا مال وزر خرچ کرنے کو غنیمت اور اپنے حق میں باعث سعادت جانو کیونکہ ابھی تو صدقہ کے مال کو قبول کرنے والے بہت مل جاتے ہیں لیکن ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ صدقہ کے مال کو قبول کرنے والا کوئی شخص ڈھونڈھے سے نہیں ملے گا کیونکہ یا تو اس وقت سب ہی لوگ مالدار ہوں گے یا پھر یہ کہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف میلان و رغبت کی وجہ سے ان کے دل غنی و بے پرواہ ہوں گے۔ علماء لکھتے ہیں کہ یہ اس زمانے کی طرف اشارہ ہے جب کہ یہ فانی دنیا اپنی عمر کی آخری حدوں کو پہنچ چکی ہوگی اور حضرت امام مہدیؑ اس عالم میں تشریف فرما ہوں گے۔

افضل صدقہ

⑨ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰى وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰى اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! ثواب کے اعتبار سے کونسا بڑا صدقہ اور افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (افضل صدقہ وہ ہے کہ) تم خدا کی راہ میں اس وقت اپنا مال خرچ کرو جب کہ تم تندرست و توانا ہو اور مال جمع کرنے کی حرص رکھتے ہو، فقر و افلاس سے ڈرتے رہو، اور حصول دولت کے امیدوار رہو یاد رکھو صدقہ خیرات کے معاملے میں ڈھیل نہ دو، یہاں تک کہ جب تمہاری جان حلق میں آجائے تو کہنے لگو کہ اتنا مال فلاں کے لئے ہے اور اتنا مال فلاں کے لئے ہے۔ درآنحالیکہ اس مال کا مالک فلاں (وارث) ہو جائے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ افضل اور بہت زیادہ ثواب کا باعث وہ صدقہ ہوتا ہے جو زندگی کے اس دور میں ادا ہو جب کہ صحت و تندرستی رفیق جان ہو۔ کیونکہ زندگی کے اس حصہ میں درازگی عمر کی امید مال جمع کرنے کی حرص کا باعث ہوتی ہے صحت مند و تندرست انسان نہ صرف یہ کہ "جنگ زرگری" کے میدان میں آگے رہنے کی کوشش کرتا ہے بلکہ اس کی جبلت طبعی، بخل کی طرف مائل ہوتی ہے، اندر کا چھپا ہوا شیطان اسے فقر و محتاجگی سے ڈراتا رہتا ہے اور اس کے دل میں یہ وسوسہ و خیال پیدا کراتا ہے کہ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کی وجہ سے کہیں مفلس قلاش نہ بن جاؤں نیز زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے کی آرزو بسا اوقات حرص و ہوس کا روپ اختیار کر لیتی ہے لہٰذا زندگی کے اس حصے میں خدا کی خوشنودی کے لئے مال خرچ کرنا درحقیقت نیک بختی و سعادت کی معراج ہے۔

حدیث کے آخری جملے ولا تمھل الخ کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ دینے اور خیرات کرنے میں اتنی تاخیر، سستی اور غفلت نہ کرو کہ جب زندگی کا پیمانہ لبریز ہونے لگے جان نکل کر حلق میں آجائے تو کہنے لگو کہ اتنا مال فلاں شخص کے لئے ہے اور اتنا مال فلاں نیک کام کے لئے ہے حالانکہ اس وقت وہ مال وارثوں کا ہو جاتا ہے بایں طور کہ وارثوں کا حق متعلق ہو جاتا ہے۔

بہرحال اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ صحت و تندرستی کی حالت میں اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا بڑی فضیلت اور ثواب کی بات ہے۔ مگر جب مرنے کا وقت آئے تو اس وقت اپنے مال کو نیک کاموں میں خرچ کرنے کی وصیت کرنا یا اسے اس وقت خدا کی راہ میں خرچ کرنا زیادہ ثواب کا باعث نہیں ہے۔

خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے والے سرمایہ دار ٹوٹے میں ہیں

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ انْتَهَیْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِیْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَلَمَّا رَاٰنِیْ قَالَ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْتُ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ مَنْ هُمْ قَالَ هُمُ الْاَكْثَرُوْنَ اَمْوَالًا اِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَلِیْلٌ مَّاهُمْ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس وقت پہنچا جب کہ آپ ﷺ کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ جب آپ ﷺ کی نظر مبارک مجھ پر پڑی تو فرمایا۔ رب کعبہ کی قسم وہ لوگ، بہت ٹوٹے میں ہیں، میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ (ﷺ) پر قربان ہوں کون ہیں وہ لوگ؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ وہ لوگ جو زیادہ مال جمع کرتے ہیں، ہاں! (وہ لوگ مستثنیٰ ہیں) جو اپنے ادھر ادھر اور اس طرف یعنی اپنے آگے اپنے پیچھے، اپنے دائیں، اپنے بائیں (غرض یہ کہ ہر طرح اور ہر جگہ خدا کی خوشنودی کی خاطر) اپنا مال خرچ کرتے ہیں مگر ایسے لوگ کم ہی ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت ابوذر غفاریؓ نے چونکہ فقر و افلاس کو اپنی زندگی کا امتیاز بنا لیا تھا اور اس طرح انہوں نے دنیا اور دنیا کی آسائشوں سے منہ موڑ کر غناء و تونگری پر فقر و افلاس کو ترجیح دے رکھی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کی تسلی اور ان کے اطمینان قلب کی خاطر یہ حدیث ارشاد فرمائی۔ گویا اس ارشاد گرامی میں دنیا سے بے رغبتی اور فقر کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عابد بخیل پر جاہل سخی کی فضیلت

(۱۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ السَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِنَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِنَ الْجَنَّةِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِنَ اللّٰهِ بَعِیْدٌ مِنَ الْجَنَّةِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّارِ وَلَجَاهِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ (رواہ الترمذی)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ سخی اللہ کی رحمت کے نزدیک ہے، بہشت کے قریب ہے، لوگوں کے قریب ہے (یعنی سب ہی اسے عزیز و دوست رکھتے ہیں) اور آگ سے دور ہے، مگر بخیل جو کہ اپنے اوپر واجب حقوق کی بھی ادائیگی نہ کرے اللہ کی رحمت سے دور ہے، بہشت سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے اور آگ سے نزدیک ہے، بلاشک اللہ کے نزدیک عابد بخیل سے جاہل سخی بہت پیارا ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: جاہل سخی سے عابد کی ضد یعنی وہ سخی مراد ہے جو فرائض تو ادا کرتا ہو مگر نوافل کا پابند نہ ہو اسی طرح عابد بخیل سے مراد وہ بخیل ہے جو نوافل بہت زیادہ ادا کرتا ہو خواہ وہ عالم ہو یا عالم نہ ہو۔

بحالت تندرستی صدقہ دینے کی فضیلت

⑫ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ یَّتَصَدَّقَ الْمَرْءُ فِیْ حَیَاتِہٖ بِدِرْھَمٍ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِمِاَئۃٍ عِنْدَ مَوْتِہٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ کسی شخص کا اپنی تندرستی کی حالت میں ایک درہم خدا کی راہ میں خرچ کرنا اپنے مرنے کے وقت راہ خدا میں ایک سو درہم خرچ کرنے سے بہتر ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ صحت و تندرستی کی حالت میں اپنا مال کم تعداد اور کم مقدار میں بھی خدا کی راہ میں خرچ کرنا مرتے وقت بہت زیادہ مال خرچ کرنے سے بہتر ہے اور اسکے مقابلے میں بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

موت کے وقت خیرات کرنے والے کی مثال

⑬ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِیْ یَتَصَدَّقُ عِنْدَ مَوْتِہٖ اَوْیُعْتِقُ کَالَّذِیْ یُھْدِیْ اِذَا شَبِعَ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَالتِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَہٗ۔

"اور حضرت ابوورداءؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اس شخص کی مثال جو اپنی موت کے وقت خیرات کرتا ہے یا (غلام) آزاد کرتا ہے اس شخص کی مانند ہے جو کسی کو ایسے وقت تحفہ (یعنی کھانا) بھیجتا ہے جب کہ اس کا پیٹ بھر چکا ہوتا ہے۔" (ترمذیؒ، نسائیؒ، دارمیؒ اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مفہوم بھی یہی ہے کہ مرتے وقت خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا یا غلام کو آزاد کرنا کم ثواب کا باعث ہوتا ہے جس طرح کہ کسی ضرورت مند کو ایسے وقت کھانا دینا کم ثواب کا باعث ہوتا ہے جب کہ اس کا پیٹ بھر چکا ہو، لہٰذا جس طرح کسی شخص کو اس کی بھوک کی حالت میں کھانا کھلانا یا اس کے ساتھ سخاوت کرنا زیادہ افضل اور زیادہ ثواب کا باعث ہے اسی طرح صحت و تندرستی کی حالت میں اپنا مال خدا کی خوشنودی میں خرچ کرنا یا غلام کو آزاد کرنا زیادہ افضل اور زیادہ ثواب کی بات ہے۔

ایمان اور بخل دو متضاد صفتیں ہیں

⑭ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ مؤمن میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتیں ایک تو بخل دوسری بد خلقی۔" (ترمذیؒ)

تشریح: اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ مناسب اور لائق نہیں ہے کہ مؤمن کامل میں یہ دونوں بری خصلتیں جمع ہوں یا مراد یہ ہے کہ کسی

مؤمن کامل میں یہ دونوں بری خصلتیں اس درجے کی نہیں ہوتیں کہ وہ کبھی اس سے جدا ہی نہ ہوں اور وہ ان کی موجودگی سے مطمئن اور راضی ہو ہاں اگر کبھی بمقتضائے طبیعت بشری کوئی مؤمن کامل بدخلقی کرے یا اس میں بخل پیدا ہو جائے پھر بعد میں اسے ندامت وشرمندگی ہو اور ان کی وجہ سے وہ پشیمان ہو نیز اپنے نفس کو ملامت کرے تو یہ کمال ایمان کے منافی نہیں ہوگا۔

"خلق" ان امور پر عمل کرنے کا نام ہے جن کی شریعت نے تعلیم دی ہے۔ "خلق یا اخلاق" دوسروں سے جھک کر خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنے یا تمام معاملات میں نرمی برتنے ہی کا نام نہیں ہے جیسا کہ عام لوگوں میں مشہور ہے اس لئے کہ بعض امور میں شدت اور سختی اختیار کرنا ہی تقاضائے ایمان ہے۔ لہٰذا یہاں حدیث میں مذکور "بدخلقی" سے مراد یہ ہے کہ ان امور کی خلاف ورزی کرنا جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے۔

بخل کے لئے وعید

⑮ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ خَبٌّ وَلَا بَخِیْلٌ وَلَا مَنَّانٌ۔ (رواہ الترمذی)

"اور امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا۔ جنت میں نہ تو مکار داخل ہوگا نہ بخیل نہ خدا کی راہ میں کسی کو مال دے کر احسان جتانے والا۔" (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں جنت میں ابتداء بغیر عذاب کے داخل نہیں ہوں گے۔ بلکہ یہ اپنے جرم کی سزا پالیں گے تو عذاب کے بعد جنت میں داخل ہوں گے۔

"بخیل" سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے مال میں سے حق واجب ادا نہ کرے۔ "منان" کے ایک معنی تو وہی ہیں جو ترجمے میں مذکور ہوئے ہیں اس کے دوسرے معنی "کاٹنے والا" ہیں یعنی وہ شخص جو اپنے اعزا اور رشتہ داروں سے ترک تعلقات کرے اور مسلمانوں سے محبت ومروت کا معاملہ نہ کرے۔

بدترین خصلتیں کیا ہیں؟

⑯ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَرُّ مَا فِی الرَّجُلِ شُحٌّ ھَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ انسان میں جو خصلتیں ہوتی ہیں ان میں سے دو خصلتیں سب سے بدترین ہیں۔ ایک تو انتہائی درجہ کا بخل اور دوسری انتہائی درجہ کی نامردی۔" (ابوداؤد)

وسنذکر حدیث ابی ھریرۃ لا یجتمع الشح والایمان فی کتاب الجھاد ان شاء اللّٰہ تعالٰی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی فضیلت

⑰ وَعَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ بَعْضَ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُلْنَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّنَا اَسْرَعُ بِكَ لُحُوْقًا قَالَ اَطْوَلُكُنَّ یَدًا فَاَخَذُوْا قَصَبَۃً یَذْرَعُوْنَھَا وَكَانَتْ سَوْدَۃُ اَطْوَلَھُنَّ یَدًا فَعَلِمْنَا بَعْدُ اِنَّمَا كَانَ طُوْلُ یَدِھَا الصَّدَقَۃَ وَكَانَتْ اَسْرَعَنَا لُحُوْقًا بِہٖ زَیْنَبُ وَكَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَۃَ۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَفِیْ رِوَایَۃِ مُسْلِمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْرَعُكُنَّ لُحُوْقًا بِیْ اَطْوَلُكُنَّ یَدًا قَالَتْ وَكَانَتْ یَتَطَاوَلْنَ اَیَّتُھُنَّ اَطْوَلُ یَدًا قَالَتْ فَكَانَتْ

اَطْوَلُنَا يَدًا زَيْنَبُ لِاَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَتَتَصَدَّقُ۔

"ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے بعض نے آپ ﷺ سے کہا کہ ہم میں کون سی بیوی آپ ﷺ سے جلد ملاقات کرے گی؟ (یعنی آپ ﷺ کے وصال کے بعد ہم میں سب سے پہلے کس بیوی کا انتقال ہوگا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے۔ (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) آپ ﷺ کی ازواج مطہرات نے بانس یا سرکنڈے کا ایک ٹکڑا لے کر اپنے ہاتھ ناپنے شروع کئے (ان سب میں) حضرت سودہؓ کے ہاتھ (جو آپ ﷺ کی ایک زوجہ مطہرہ تھیں) سب سے لمبے تھے مگر پھر بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد "صدقہ" تھا اور ہم میں سے جس نے سب سے پہلے آپ ﷺ سے ملاقات کی (یعنی آپ ﷺ کے بعد سب سے پہلے جس کا انتقال ہوا وہ حضرت زینبؓ تھیں اور وہ صدقہ وخیرات کرنے کو بہت پسند کرتی تھیں۔ (بخاریؒ) اور مسلمؒ کی ایک روایت میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے (ازواج مطہرات کے سوال کے جواب میں) فرمایا کہ تم میں سے مجھ سے جلد ملنے والی وہ ہوگی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات آپس میں اپنے ہاتھوں کی لمبائی ناپتی تھیں کہ ان میں سے کون سی لمبے ہاتھوں والی ہے، چنانچہ ہم میں سب سے لمبے ہاتھ والی حضرت زینبؓ تھیں کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے سب کام کرتی تھیں اور صدقہ وخیرات کیا کرتی تھیں۔"

تشریح: فعلمنا بعد (مگر پھر بعد میں ہمیں معلوم ہوا الخ) کا مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تو ہم نے پہلے تو "ہاتھ کی لمبائی" کو اس کے ظاہری معنی ہی پر محمول کیا کہ واقعۃً جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے وہی آپ ﷺ سے جلد ملاقات کرے گی لیکن آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سب سے پہلے جب حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ "ہاتھ کی لمبائی" سے مراد صدقہ وخیرات کی کثرت تھی گویا آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم میں سب سے لمبے ہاتھ والی وہ ہے جو سب سے زیادہ صدقہ وخیرات کرتی ہے۔

حضرت زینبؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے چمڑے کی دباغت کا کام انجام دیتی تھیں پھر اس کو فروخت کرتی اور جو قیمت ملتی اسے اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے اس کی راہ میں خرچ کر دیا کرتی تھیں۔

بنی اسرائیل کا ایک واقعہ

(۱۸) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِيْ يَدِ سَارِقٍ فَاَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلٰى سَارِقٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى سَارِقٍ لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِيْ يَدِ زَانِيَةٍ فَاَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلٰى زَانِيَةٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى زَانِيَةٍ لَاَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِيْ يَدِ غَنِيٍّ فَاَصْبَحُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلٰى غَنِيٍّ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى سَارِقٍ وَزَانِيَةٍ وَغَنِيٍّ فَاُتِيَ فَقِيْلَ لَهٗ اَمَّا صَدَقَتُكَ عَلٰى سَارِقٍ فَلَعَلَّهٗ اَنْ يَسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِهٖ وَاَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّهَا اَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاهَا وَاَمَّا الْغَنِيُّ فَلَعَلَّهٗ يَعْتَبِرُ فَيُنْفِقُ مِمَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِيِّ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (ایک مرتبہ بنی اسرائیل میں سے) ایک شخص نے اپنے دل میں یا کسی اپنے دوست سے کہا کہ میں آج رات میں خدا کی راہ میں کچھ مال خرچ کروں گا چنانچہ اس نے اپنے قصد وارادہ کے مطابق خیرات کے لئے کچھ مال نکالا۔ تاکہ اسے کسی مستحق کو دے دے اور وہ مال اس نے ایک چور کے ہاتھ میں دے دیا۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ چور ہے کہ جس کی وجہ سے خیرات کے مال کا مستحق نہیں ہے۔ جب صبح ہوئی اور لوگوں کو الہام خداوندی کے سبب یا خود اس چور کی زبانی معلوم ہوا تو بطریق تعجب لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج کی رات ایک چور کو صدقہ کا مال دیا گیا ہے۔ جب صدقہ دینے والے کو بھی صورتحال معلوم

ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ اے اللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے۔ باوجودیکہ صدقہ کا مال ایک چور کے ہاتھ لگا اور پھر کہنے لگا کہ آج کی رات پھر صدقہ دوں گا تاکہ وہ مستحق کو مل جائے چنانچہ اس نے صدقہ کی نیت سے پھر کچھ مال نکالا اور اس مرتبہ بھی غلط فہمی میں وہ مال ایک زانیہ کے ہاتھ میں دے دیا، جب صبح ہوئی تو پھر لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج تو ایک زانیہ صدقہ کا مال لے اڑی وہ شخص کہنے لگا کہ اے اللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے اگرچہ اس مرتبہ صدقہ کا مال ایک زانیہ کے ہاتھ لگ گیا اور پھر کہنے لگا کہ آج کی رات پھر صدقہ دوں گا، چنانچہ اس نے پھر کچھ مال صدقہ کی نیت سے نکالا اور اس مرتبہ پھر غلط فہمی میں وہ مال ایک غنی کے ہاتھ میں دے دیا، جب صبح ہوئی تو پھر لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج کی رات تو ایک دولت مند ہی کو صدقہ کا مال مل گیا۔ وہ شخص کہنے لگا اے اللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے اگرچہ صدقہ کا مال چور، زانیہ اور دولت مند کو مل گیا۔ جب وہ شخص سویا تو خواب میں اس سے کہا گیا کہ تو نے جتنے صدقے دیئے ہیں سب قبول ہوگئے۔ کیونکہ صدقہ کا جو مال تو نے چور کو دیا ہے۔ وہ بے فائدہ اور خالی از ثواب نہیں ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے چوری سے باز رہے، اور صدقہ کا جو مال تو نے زانیہ کو دیا ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے زنا سے باز رہے اور صدقے کا جو مال تو نے دولت مند کو دیا ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے عبرت حاصل کرلے اور اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ دیا ہے۔ اس میں سے خرچ کرے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ الفاظ بخاری کے ہیں)

تشریح: صدقہ دینے والے نے خدا کی تعریف یا بطریق شکر کی کہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے صدقہ تو دیا اگرچہ وہ غیر مستحق ہی کے ہاتھ لگا یا پھر بطریق تعجب یا اپنے دل کے اطمینان کے لئے اس نے خدا کی تعریف کی۔

بہرکیف آنحضرت ﷺ نے بنی اسرائیل کے اس شخص کا یہ واقعہ اس لئے بیان فرمایا تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ خدا کی خوشنودی کی خاطر صدقہ وخیرات، بہرنوع بہتر اور باعث ثواب ہے جس کسی کو بھی صدقہ دیا جائے گا ثواب ضرور پائے گا۔

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی برکت

(۱۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِنَ الْاَرْضِ فَسَمِعَ صَوْتًا فِيْ سَحَابَةٍ اَسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحّٰى ذٰلِكَ السَّحَابُ فَاَفْرَغَ مَاءَهُ فِيْ حَرَّةٍ فَاِذَا شَرْجَةٌ مِنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذٰلِكَ الْمَاءَ كُلَّهُ فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ فَاِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِيْ حَدِيْقَتِهٖ يُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهٖ فَقَالَ لَهٗ يَا عَبْدَ اللّٰهِ مَا اسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ اَلْاِسْمُ الَّذِيْ سَمِعَ فِي السَّحَابَةِ فَقَالَ لَهٗ يَا عَبْدَ اللّٰهِ لِمَ تَسْاَلُنِيْ عَنِ اسْمِيْ فَقَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ صَوْتًا فِي السَّحَابِ الَّذِيْ هٰذَا مَاءُهٗ وَيَقُوْلُ اَسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ لِاسْمِكَ فَمَا تَصْنَعُ فِيْهَا قَالَ اَمَّا اِذْ قُلْتَ هٰذَا فَاِنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَاَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهٖ وَاٰكُلُ اَنَا وَعِيَالِيْ ثُلُثًا وَاَرُدُّ فِيْهَا ثُلُثَهٗ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ایک شخص زمین کے ایک حصے جنگل میں کھڑا تھا کہ اس نے ابر میں سے ایک آواز سنی کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر پھر وہ ابر ایک طرف چلا اور ایک جگہ پتھریلی زمین پر پانی برسانے لگا۔ اور وہ تمام پانی ان نالیوں میں سے کہ جو اس زمین میں تھیں ایک نالی میں جمع ہونے لگا پھر وہ پانی اس نالی کے ذریعے ایک طرف بہنے لگا تو وہ شخص بھی اس پانی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ تاکہ یہ دیکھے کہ جس شخص کے باغ میں یہ پانی جارہا ہے وہ کون ہے؟ ناگہاں اس شخص نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے کھیت میں کھڑا بیلچہ کے ذریعے اس پانی کو باغ کے درختوں میں پھیلا رہا تھا اس شخص نے باغ والے سے پوچھا کہ اے خدا کے بندے تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ میرا فلاں نام ہے اور اس نے وہی نام بتایا جو اس ابر میں سے سنا تھا۔ پھر باغ والے نے اس شخص سے پوچھا کہ بندۂ خدا! تم میرا نام کیوں پوچھ رہے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ جس ابر کا یہ پانی ہے اس ابر میں میں نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہنے والا اس ابر سے کہہ رہا تھا کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر اور وہ نام

تمہارا ہی تھا اور اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم اس باغ میں کیا (بھلائی) کرتے ہو جس کی وجہ سے تم اس فضیلت اور بزرگی سے نوازے گئے ہو باغ والے نے کہا کہ چونکہ اس وقت تم پوچھ رہے ہو اس لئے میں بھی تم سے بتائے دیتا ہوں کہ اس باغ کی جو کچھ پیداوار ہوتی ہے (پہلے) میں اسے دیکھتا ہوں پھر اس میں سے ایک تہائی تو خدا کی راہ میں خرچ کر دیتا ہوں، ایک تہائی میں اور میرے اہل و عیال کھاتے ہیں اور ایک تہائی اسی باغ میں لگا دیتا ہوں۔" (مسلمؒ)

تشریح: اگرچہ ابر کی آواز نے باغ والے کا نام صراحۃً لیا تھا جیسا کہ بعد میں ذکر بھی کیا گیا مگر آپ ﷺ نے یہ قصہ سناتے ہوئے ابتداء میں اس کا صراحۃً نام نہیں لیا بلکہ لفظ "فلاں" سے اس کے نام کو کنایۃً ذکر کیا۔

اسی طرح ابر کی آواز سننے والے شخص نے بھی ابر میں باغ والے کا نام صراحۃً سنا تھا مگر پھر اس نے باغ والے سے اس کا نام اس لئے پوچھا تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ واقعی یہ وہی شخص ہے جس کا نام ابر کی آواز نے لیا تھا، نیز جب باغ والے نے اس سے اپنا نام دریافت کرنے کا سبب پوچھا تو اس ابر کی آواز کی نقل کرتے ہوئے بھی اس کا نام نہیں لیا بلکہ لفظ "فلاں" کہا گویا اس نے ظاہر کیا کہ اگرچہ ابر کی آواز نے تمہارا نام صراحۃً لیا تھا مگر میں اس وقت تمہارے متعین نام کی بجائے لفظ "فلاں" ذکر کر رہا ہوں حاصل یہ کہ ہاتف غیبی نے باغ والے کا نام صراحۃً ذکر کیا تھا مگر سامع نے اس کے نام کو لفظ "فلاں" سے کنایۃً تعبیر کیا اور اسے بتا دیا کہ تمہارا نام میں نے سنا تھا۔ مگر اب اس کو لفظ "فلاں" سے تعبیر کیا ہے۔

ادائیگی شکر کا اجر اور ناشکری کی سزا

(۲۰) وَعَنْهُ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ ثَلَاثَةً مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَبْرَصَ وَاَقْرَعَ وَاَعْمٰى فَاَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَبْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ اِلَيْهِمْ مَلَكًا فَاَتَى الْاَبْرَصَ فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّي الَّذِيْ قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهُ وَاُعْطِيَ لَوْنًا حَسَنًا وَجِلْدًا حَسَنًا قَالَ فَاَيُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْاِبِلُ اَوْ قَالَ الْبَقَرُ شَكَّ اِسْحَاقُ اِلَّا اَنَّ الْاَبْرَصَ اَوِ الْاَقْرَعَ قَالَ اَحَدُهُمَا الْاِبِلُ وَقَالَ الْاٰخَرُ الْبَقَرُ قَالَ فَاُعْطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا قَالَ فَاَتَى الْاَقْرَعَ فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ شَعْرٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّيْ هٰذَا الَّذِيْ قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَالَ وَاُعْطِيَ شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَاَيُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْبَقَرُ فَاُعْطِيَ بَقَرَةً حَامِلًا قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا قَالَ فَاَتَى الْاَعْمٰى فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ اَنْ يَرُدَّ اللّٰهُ اِلَيَّ بَصَرِيْ فَاُبْصِرَ بِهِ النَّاسَ قَالَ فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَيْهِ بَصَرَهُ قَالَ فَاَيُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْغَنَمُ فَاُعْطِيَ شَاةً وَالِدًا فَاُنْتِجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْاِبِلِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْبَقَرِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ اِنَّهُ اَتَى الْاَبْرَصَ فِيْ صُوْرَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْاَلُكَ بِالَّذِيْ اَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِيْرًا اَتَبَلَّغُ بِهِ فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ الْحُقُوْقُ كَثِيْرَةٌ فَقَالَ اِنَّهُ كَاَنِّيْ اَعْرِفُكَ اَلَمْ تَكُنْ اَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فَقِيْرًا فَاَعْطَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَقَالَ اِنَّمَا وَرِثْتُ هٰذَا الْمَالَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ اِلٰى مَا كُنْتَ قَالَ وَاَتَى الْاَقْرَعَ فِيْ صُوْرَتِهِ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِهٰذَا وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلٰى هٰذَا فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ اِلٰى مَا كُنْتَ قَالَ وَاَتَى الْاَعْمٰى فِيْ صُوْرَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ وَابْنُ سَبِيْلٍ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْاَلُكَ بِالَّذِيْ رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً اَتَبَلَّغُ بِهَا فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ قَدْ كُنْتُ اَعْمٰى فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَيَّ بَصَرِيْ فَخُذْ مَا شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللّٰهِ لَا اَجْهَدُكَ الْيَوْمَ بِشَيْءٍ اَخَذْتَهُ لِلّٰهِ فَقَالَ اَمْسِكْ مَالَكَ فَاِنَّمَا ابْتُلِيْتُمْ فَقَدْ رَضِيَ عَنْكَ وَسَخِطَ عَلٰى صَاحِبَيْكَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے ان میں سے ایک تو کوڑھی تھا دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمانا چاہا (کہ یہ نعمت الٰہی کا شکر ادا کرتے ہیں یا نہیں؟) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ (مسکین و فقیر کی صورت میں) بھیجا، وہ فرشتہ پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ کوڑھی نے کہا کہ اچھا رنگ اور جسم کی بہترین جلد نیز یہ کہ مجھے اس چیز (یعنی کوڑھ) سے نجات مل جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ یہ سن کر فرشتہ نے کوڑھی کے بدن پر ہاتھ پھیرا، چنانچہ اس کا کوڑھ جاتا رہا، اسے بہترین رنگ و روپ اور بہترین جلد عطا کر دی گئی۔ پھر فرشتہ نے پوچھا کہ اب تمہیں کونسا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس شخص نے کہا کہ "اونٹ" یا کہا "گائیں" (حدیث کے ایک راوی اسحقؒ کو شک ہے کہ) گائے کے لئے کوڑھی نے کہا تھا یا گنجے نے کہا تھا (بہرحال یہ طے ہے کہ ان میں سے ایک نے تو اونٹ کے لئے کہا تھا اور دوسرے نے گائے کے لئے، آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ اس شخص کو حاملہ اونٹنیاں عطا کر دی گئیں، پھر فرشتے نے یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس مال میں برکت عطا فرمائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پھر فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ گنجے نے کہا کہ بہترین قسم کے بال، اور یہ کہ یہ چیز (یعنی گنج) سے میں نجات پا جاؤں جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کا گنج جاتا رہا، نیز اسے بہترین قسم کے بال عطا کر دیئے گئے۔ پھر فرشتہ نے اس سے پوچھا کہ (اب) تمہیں کونسا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس شخص نے کہا کہ "گائیں" چنانچہ اسے حاملہ گائیں عطا کر دی گئیں اور فرشتہ نے اسے بھی دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس مال میں برکت عطا فرمائے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ اس کے بعد پھر فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اندھے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے میری بینائی دے دے تاکہ میں اس کے ذریعے لوگوں کو دیکھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھرا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی بینائی عطا فرما دی، پھر فرشتے نے اس سے پوچھا کہ اب تمہیں کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا "بکریاں" چنانچہ اسے بہت سی بچے دینے والی بکریاں عنایت فرما دی گئیں (اس کے کچھ عرصے کے بعد) کوڑھی اور گنجے نے اونٹنیوں اور گائیوں کے ذریعے اور اندھے نے بکریوں کے ذریعے بچے حاصل کئے (گویا خدا نے تینوں کے مال میں بے انتہا برکت دی) یہاں تک کہ کوڑھی کے اونٹوں سے ایک جنگل بھر گیا گنجے کی گائیوں سے ایک جنگل بھر گیا، اور اندھے کی بکریوں سے ایک جنگل بھر گیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا (اس کے بعد) فرشتہ پھر کوڑھی کے پاس اپنی اسی (پہلی) شکل و صورت میں آیا۔ اور اس سے کہنے لگا کہ میں ایک مسکین شخص ہوں، میرا تمام سامان سفر کے دوران جاتا رہا ہے اس لئے آج (منزل مقصود تک) میرا پہنچنا ممکن نہیں ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی ہو جائے اور اس کے بعد تم ذریعہ بن جاؤ (تو یہ میری مشکل آسان ہو جائے گی) لہٰذا میں تم سے اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہیں اچھا رنگ، بہترین جلد، اور مال عطا کیا ہے ایک اونٹ مانگتا ہوں تاکہ اس کے ذریعے میرا سفر پورا ہو جائے اور میں اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاؤں اس کوڑھی نے کہا کہ میرے اوپر حق بہت زیادہ ہیں (یعنی اس نے فرشتے کو ٹالنے کے لئے جھوٹ کہا کہ میرے اس مال کے حقدار بہت ہیں اس لئے تمہیں کوئی اونٹ نہیں مل سکتا) فرشتے نے کہا کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں، کیا تم وہی کوڑھی نہیں ہو جس سے لوگوں کو گھن آتی تھی؟ اور تم محتاج و قلاش تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں (بہترین رنگ و روپ کے ساتھ) صحت عطا فرمائی اور مال سے نوازا۔ کوڑھی نے کہا کہ یہ بات نہیں ہے، بلکہ یہ مال تو مجھے اپنے باپ دادا کی طرف سے وراثت میں ملا ہے۔ فرشتے نے کہا کہ تم جھوٹے ہو، تو اللہ تعالیٰ تمہیں اسی حالت کی طرف پھیر دے جس میں تم پہلے مبتلا تھے، (یعنی تمہیں پھر کوڑھی اور مفلس بنا دے)۔ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ پھر فرشتہ گنجے کے پاس اپنی اس پہلی شکل و صورت میں آیا اور اس سے بھی وہی کہا جو اس نے کوڑھی سے کہا تھا، چنانچہ گنجے نے بھی وہی جواب دیا جو جواب کوڑھی نے دیا تھا فرشتے نے گنجے سے بھی یہی کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو خدا تمہیں ویسا ہی کر دے جیسا کہ تم پہلے (گنجے اور محتاج) تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اس کے بعد فرشتہ اندھے کے پاس اپنی اسی پہلی شکل و صورت میں آیا اور اس سے بھی یہی کہا کہ میں ایک

مسکین انسان اور مسافر ہوں میرا تمام سامان سفر کے دوران جاتا رہا ہے۔ اس لئے آج (منزل مقصود تک) پہنچنا اس شکل میں ممکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی میرے شامل حال ہو جائے اور اس کے بعد تم اس کا ذریعہ بن جاؤ۔ لہٰذا میں اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہاری بینائی واپس کر دی تم سے ایک بکری مانگتا ہوں تاکہ اس کے ذریعے میں اپنا سفر پورا کر سکوں۔ اندھے نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ کہا کہ بے شک پہلے میں ایک اندھا تھا اللہ تعالیٰ نے میری بینائی واپس کر دی ہے لہٰذا میری تمام بکریاں حاضر ہیں اس میں تم جو چاہو لے لو اور جو نہ چاہو اسے چھوڑ دو، تم جو کچھ بھی لوگے خدا کی قسم میں تمہیں اس کو واپس کرنے کی تکلیف نہیں دوں گا۔ یہ سن کر فرشتے نے کہا کہ تمہیں تمہارا مال مبارک تم اپنا مال اپنے پاس رکھو مجھے تمہارے مال کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ اس وقت تو صرف تمہیں آزمائش میں مبتلا کیا گیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارا امتحان لیا تھا کہ آیا تمہیں اپنا پرانا حال یاد بھی ہے یا نہیں؟ اور تم خدا کی عطا کی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہو یا نہیں؟ سو تم آزمائش میں پورے اترے چنانچہ اللہ تعالیٰ تم سے راضی اور خوش ہو اور تمہارے وہ دونوں (بدبخت) ساتھی (یعنی کوڑھی اور گنجا ناشکرے ثابت ہوئے اس لئے وہ) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض قرار پائے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی ہو جائے اور اس کے بعد تم ذریعہ بن جاؤ" علماء کہتے ہیں کہ کسی کے آگے دست سوال دراز کرنے کے موقع پر یہ اسلوب اختیار کرنا جائز ہے کیونکہ اس طرح اصل سوال تو اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ مگر بندہ کو اس کا ذریعہ اور سبب بنایا جاتا ہے ایسا اسلوب اختیار کرنا کہ جس میں خدا کے ساتھ بندہ بھی حاجت روائی کا درجہ دیا جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ "میں خدا سے اور تم سے سوال کرتا ہوں، قطعاً درست نہیں ہے۔

کسی سائل کو واپس لوٹانے سے بہتر ہے کہ اسے کچھ نہ کچھ دے دیا جائے

(۲۱) وَعَنْ اُمِّ بُجَيْدٍ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْمِسْكِيْنَ لَيَقِفُ عَلٰى بَابِيْ حَتّٰى اَسْتَحْيِيْ فَلَا اَجِدُ فِيْ بَيْتِيْ مَا اَدْفَعُ فِيْ يَدِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ادْفَعِيْ فِيْ يَدِهٖ وَلَوْ ظِلْفًا مُحَرَّقًا۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ حَسَنٌ۔

"اور حضرت اُمّ بجیدؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! جب کوئی سائل میرے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے اور مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو مجھے بڑی شرم محسوس ہوتی ہے کیونکہ میں اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتی جو اس کے ہاتھ میں دے دوں؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ دے دو خواہ وہ جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (احمدؒ، ابوداؤدؒ، ترمذیؒ) اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ نے صدقہ و خیرات کے بارے میں یہ حکم گویا بطور مبالغہ ارشاد فرمایا کہ سائل کو خالی ہاتھ واپس کرنے سے بہتر ہے کہ اس کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ ضرور دے دیا جائے خواہ وہ کتنی ہی حقیر اور کم تر چیز کیوں نہ ہو۔

ایک سبق آموز واقعہ

(۲۲) وَعَنْ مَوْلًى لِعُثْمَانَ قَالَ اُهْدِيَ لِاُمِّ سَلَمَةَ بَضْعَةٌ مِنْ لَحْمٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ اللَّحْمُ فَقَالَتْ لِلْخَادِمِ ضَعِيْهِ فِي الْبَيْتِ لَعَلَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُهُ فَوَضَعَتْهُ فِيْ كُوَّةِ الْبَيْتِ وَجَاءَ سَائِلٌ فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ تَصَدَّقُوْا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكُمْ فَقَالُوْا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ فَذَهَبَ السَّائِلُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اُمَّ سَلَمَةَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ اَطْعَمُهُ فَقَالَتْ نَعَمْ قَالَتْ لِلْخَادِمِ اذْهَبِيْ فَاْتِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَالِكَ اللَّحْمِ فَذَهَبَتْ فَلَمْ تَجِدْ فِي الْكُوَّةِ اِلَّا قِطْعَةَ مَرْوَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ ذَالِكَ اللَّحْمَ عَادَ

مَرْوَةً لِمَالَمْ تُعْطُوْهُ السَّائِلَ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ۔

"اور حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کی خدمت میں (پکے ہوئے) گوشت کا ٹکڑا تحفہ کے طور پر آیا، نبی کریم ﷺ کو چونکہ گوشت بہت مرغوب تھا۔ اس لئے حضرت اُم سلمہؓ نے اپنی لونڈی سے فرمایا۔ کہ اس گوشت کو گھر میں (حفاظت سے) رکھ دو، شائد نبی کریم ﷺ اسے تناول فرمائیں، چنانچہ لونڈی نے وہ گوشت گھر کے ایک طاق میں رکھ دیا (اتفاق کہ اسی وقت) ایک سائل نے دروازے پر کھڑے ہو کر صدا بلند کی کہ اے گھر والو، خدا کی راہ میں کچھ عنایت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے گھر والوں نے کہا کہ اللہ تمہیں برکت دے (یعنی سائل کو جواب دیا، جیسا کہ ہمارے یہاں جب کسی سائل کو کچھ دینا نہیں ہوتا تو کہہ دیتے ہیں کہ بابا معاف کرو سائل واپس چلا گیا جب نبی کریم ﷺ (گھر میں) تشریف لائے تو فرمایا کہ اُم سلمہؓ تمہارے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز بھی ہے؟ اُم سلمہؓ نے کہا کہ ہاں پھر انہوں نے لونڈی سے کہا کہ جاؤ رسول اللہ ﷺ کے واسطے وہ گوشت لے آؤ، لونڈی (گوشت لانے) چلی گئی، مگر طاق کے پاس پہنچ کر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ وہاں گوشت کا کہیں نام نہیں تھا۔ بلکہ (گوشت کی جگہ) سفید پتھر کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا تھا، آنحضرت ﷺ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا کہ تم نے سائل کو کچھ نہ دیا (اور اسے خالی ہاتھ واپس کر دیا) اس لئے یہ گوشت سفید پتھر کی شکل اختیار کر گیا۔ بیہقیؒ نے اس روایت کو دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔"

خدا کے نام پر سوال کرنے والے کا سوال پورا نہ کرنے والوں کی مذمت

(۲۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلاً قِيْلَ نَعَمْ قَالَ الَّذِيْ يُسْئَلُ بِاللّٰهِ وَلَا يُعْطِيْ بِهِ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، کیا میں تمہیں یہ بتلاؤں کہ خدا کے نزدیک باعتبار مرتبہ کے بدترین شخص کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! (ضرور بتائیے) آپ ﷺ نے فرمایا وہ شخص جس سے خدا کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ اس سوال کو پورا نہ کرے۔" (احمدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کوئی سائل کسی شخص سے خدا کے نام پر خدا کے واسطے سے بایں طور سوال کرے کہ "خدا کے نام پر مجھے کچھ عطا کرو اور اس کے باوجود وہ شخص سائل کو کچھ نہ دے تو وہ خدا کے نزدیک تمام لوگوں میں باعتبار مرتبہ کے برا ہے ہاں اگر سائل مستحق نہ ہو یا سائل نے جس شخص سے سوال کیا اس کے پاس اس کی اپنی ضرورت و حاجت اور اس کے اہل و عیال کی ضرورت و حاجت سے زائد مال نہ ہو تو پھر اس سائل کا سوال پورا نہ کرنے کی صورت میں نہ تو وہ گنہگار ہوگا اور نہ وہ اس حدیث کے مطابق قابل مذمت ہوگا حاصل یہ کہ خدا کے نام پر سوال کرنے والے کا سوال پورا نہ کرنے والا اسی صورت میں قابل مذمت اور گنہگار ہوگا جب کہ سائل اس کے مال کا مستحق ہو نیز یہ کہ اس کے پاس اتنا مال ہو جو اس کی ضروریات سے زائد ہو۔

مال و زر کے بارے میں حضرت ابوذرؓ کا مسلک اور ان کا جذبہ زہد

(۲۴) وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اَنَّهُ اسْتَأْذَنَ عَلٰى عُثْمَانَ فَاَذِنَ لَهُ وَبِيَدِهِ عَصَاهُ فَقَالَ عُثْمَانُ يَا كَعْبُ اِنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ تُوُفِّيَ وَتَرَكَ مَالاً فَمَا تَرٰى فِيْهِ فَقَالَ اِنْ كَانَ يَصِلُ فِيْهِ حَقَّ اللّٰهِ فَلَا بَأْسَ عَلَيْهِ فَرَفَعَ اَبُوْذَرٍّ عَصَاهُ فَضَرَبَ كَعْبًا وَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اُحِبُّ لَوْ اَنَّ لِيْ هٰذَا الْجَبَلَ ذَهَبًا اُنْفِقُهُ وَيُتَقَبَّلُ مِنِّيْ اَذَرُ خَلْفِيْ مِنْهُ سِتَّ اَوَاقِيَّ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ يَا عُثْمَانُ اَسَمِعْتَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ نَعَمْ (رواہ احمد)

"حضرت ابوذر غفاریؓ کے بارے میں مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ سے حاضری کی اجازت چاہی تو حضرت

عثمانؓ نے انہیں اجازت دی، جب وہ حاضر ہوئے تو اس وقت ان کے ہاتھ میں عصا تھا (اسی موقع پر) حضرت عثمانؓ نے (حضرت کعبؓ سے جو اس وقت وہاں موجود تھا) فرمایا کہ کعب! حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے (اپنے پیچھے) بہت زیادہ مال چھوڑا ہے آپ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آیا ان کے مال کی بے انتہا کثرت وزیادتی ان کے کمال ایمان کے لئے مضر تھی یا نہیں؟ حضرت کعبؓ نے کہا کہ اگر حضرت عبدالرحمن اس مال میں سے اللہ تعالیٰ کا حق یعنی زکوٰۃ صدقات وغیرہ ادا کرتے تھے تو ان کے بارے میں کسی خوف کی گنجائش نہیں۔ (یہ سنتے ہی) حضرت ابوذرؓ نے اپنا عصا اٹھا کر حضرت کعبؓ کو مارا اور کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر میرے پاس سونے کا یہ پہاڑ (احد) ہو اور میں اسے خدا کی راہ میں خرچ کروں تو باوجودیکہ وہ مقبول بھی ہو جائے میں اسے پسند نہیں کروں گا کہ میں اس میں چھ اوقیہ (یعنی دو سو چالیس درہم) بھی اپنے پیچھے چھوڑ جاؤں۔ پھر حضرت ابوذرؓ نے حضرت عثمانؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ عثمانؓ! میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے یہ ارشاد گرامی نہیں سنا ہے؟ حضرت ابوذرؓ نے یہ تین مرتبہ فرمایا، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ہاں میں نے بھی یہ ارشاد گرامی سنا ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: حضرت ابوذر غفاریؓ صحابہؓ کی ایک جماعت میں سے تھے۔ جس کا فقر وزہد امتیازی شان رکھتا تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی ذات گرامی فقر وزہد اور استغنا کے بارے میں پوری امت میں ایک مثالی حیثیت رکھتی تھی یہی وجہ ہے کہ ان کا یہ رجحان ونظریہ یہ تھا کہ اپنے پاس مال وزر کا ادنیٰ ترین حصہ بھی جمع نہ کیا جائے بلکہ جو کچھ بھی اپنے قبضے وقدرت میں آئے سب خدا کی راہ میں خرچ کر دیا جائے چنانچہ اس موقع پر بھی ان کا یہ جذبہ ان پر غالب آ گیا اور جب انہوں نے حضرت کعبؓ سے اپنے مزاج اور رجحان کے خلاف بات سنی تو انہیں مار بیٹھے۔

اس بارے میں جہاں تک مسئلے کا تعلق ہے وہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ جمہور علماء کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر مال کی زکوٰۃ ادا ہوتی ہے تو اس کو جمع کرنے میں مضائقہ نہیں ہے خواہ وہ مال کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔

آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی میں جملہ وَيُتَقَبَّلَ مِنِّي بطور مبالغہ استعمال فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اتنا زیادہ مال وزر خدا کی راہ میں خرچ کروں اس کے باوجود بھی کاش کہ قبول ہو جائے۔

لفظ "اَذَرُ" حذف ان کے ساتھ احب کا مفعول ہے گویا اس پورے جملے کے معنی یہ ہوں گے کہ "اگر خدا اتنا زیادہ مال عطا فرما دے اور میں اسے خدا کی راہ میں خرچ کر دوں اور پھر وہ بارگاہ الوہیت میں قبول بھی ہو جائے تو جب بھی میں یہ گوارہ نہیں کروں گا کہ اس مال میں سے کم از کم چھ اوقیہ ہی اپنے پیچھے چھوڑ جاؤں۔

ماسوا اللہ کی طرف التفات مقام قرب سے باز رکھتا ہے

(۲۵) وَعَنْ عُقْبَةَ ابْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ اِلٰى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهٖ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهٖ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَاٰى اَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهٖ قَالَ ذَكَرْتُ شَيْئًا مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ اَنْ يَحْبِسَنِيْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔
وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ قَالَ كُنْتُ خَلَّفْتُ فِي الْبَيْتِ تِبْرًا مِنَ الصَّدَقَةِ فَكَرِهْتُ اَنْ اُبَيِّتَهٗ۔

"اور حضرت عقبہؓ ابن حارث بیان کرتے ہیں کہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں نے مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی چنانچہ جب آنحضرت ﷺ سلام پھیر چکے تو بڑی سرعت کے ساتھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی ازواج مطہراتؓ کے بعض حجروں کی طرف چلے گئے۔ صحابہؓ آپ ﷺ کی اس سرعت سے گھبرا گئے، پھر جب آپ ﷺ حجرے سے باہر تشریف لائے اور صحابہؓ کو اپنی سرعت پر متعجب دیکھا تو فرمایا کہ (اچانک) مجھے یاد آیا کہ ہمارے پاس سونے کی ایک چیز موجود ہے اور میں نے اسے ناپسند کیا کہ وہ

مجھے (مقام قرب سے) روکے لہٰذا (فوراً جا کر اہل بیت کو) میں نے حکم دیا کہ سونے کی وہ چیز تقسیم کر دی جائے۔" (بخاری)

"اور بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ میں زکوۃ میں آیا ہوا سونے کا ایک ڈلا گھر میں چھوڑ آیا تھا (جو تقسیم کرنے کے بعد بچ گیا تھا) لہٰذا میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ میں اسے ایک رات کے لئے بھی اپنے پاس رکھوں۔"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماسوا اللہ (اللہ کے علاوہ دوسری چیزوں) کی طرف التفات کرنا ان بندگان خدا کو بھی کہ جو مقربین بارگاہ الوہیت ہوتے ہیں مقام قرب سے باز رکھتا ہے یا پھر یہ کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اُمت کے لئے بطور تعلیم و تنبیہ ہے کہ دنیا اور دنیا کی چیزوں کی رغبت اور خواہش نہیں ہونی چاہئے۔

نبی اپنے پیچھے مال نہیں چھوڑتا

(۲۶) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدِيْ فِيْ مَرَضِهٖ سِتَّةُ دَنَانِيْرَ اَوْ سَبْعَةٌ فَاَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اُفَرِّقَهَا فَشَغَلَنِيْ وَجَعُ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَاَلَنِيْ عَنْهَا مَافَعَلَتِ السِّتَّةُ اَوِ السَّبْعَةُ قُلْتُ لَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كَانَ شَغَلَنِيْ وَجَعُكَ فَدَعَا بِهَا ثُمَّ وَضَعَهَا فِيْ كَفِّهٖ فَقَالَ مَا ظَنُّ نَبِيِّ اللّٰهِ لَوْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَهٰذِهٖ عِنْدَهٗ (رواہ احمد)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بیماری کے دوران میرے پاس آپ ﷺ کی (عرب میں اس وقت کی رائج) چھ یا سات اشرفیاں تھیں، لہٰذا آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں انہیں تقسیم کر دوں لیکن آپ ﷺ کی بیماری نے ان کو تقسیم کرنے سے باز رکھا (یعنی آپ ﷺ کی بیماری کی وجہ سے مجھے ان کو تقسیم کرنے کی مہلت ہی نہیں ملی) چنانچہ مجھ سے آنحضرت ﷺ نے پھر دریافت فرمایا کہ ان چھ یا سات اشرفیوں کا کیا ہوا؟ حضرت عائشہؓ (کہتی ہیں کہ میں) نے عرض کیا کہ میں نے انہیں ابھی تقسیم نہیں کیا ہے، خدا کی قسم (آپ ﷺ) کی بیماری نے اسے تقسیم کرنے سے) مجھے باز رکھا ہے (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے ان اشرفیوں کو منگوایا اور انہیں اپنے ہاتھوں پر رکھ کر فرمایا کہ کیا یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ خدا کا نبی اللہ عزوجل سے اس حال میں ملاقات کرے کہ یہ اشرفیاں اس کے پاس ہوں!۔" (احمدؒ)

تشریح: حدیث کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات مقام نبوت کے منافی ہے کہ خدا کا نبی جب اس دنیا سے رخصت ہو کر اپنے مالک حقیقی سے ملے تو اس کے گھر میں مال و زر موجود ہو، آپ ﷺ نے اس انداز سے حضرت عائشہؓ کو تنبیہ فرمائی کہ ان اشرفیوں کا گھر میں پڑے رہنا مجھے قطعی پسند نہیں ہے انہیں فوراً تقسیم کر دو۔

ذخیرہ اندوزی کی بجائے توکل علی اللہ کی تعلیم

(۲۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى بِلَالٍ وَعِنْدَهٗ صُبْرَةٌ مِنْ تَمْرٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا بِلَالُ قَالَ شَيْءٌ اِدَّخَرْتُهٗ لِغَدٍ فَقَالَ اَمَا تَخْشٰى اَنْ تَرٰى لَهٗ غَدًا بُخَارًا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنْفِقْ بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ اِقْلَالًا۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ حضرت بلالؓ کے پاس تشریف لائے تو (دیکھا کہ) ان کے نزدیک کھجوروں کا ڈھیر پڑا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ بلال! یہ کیا ہے؟ حضرت بلال نے کہا کہ وہ چیز ہے جسے میں نے کل (یعنی آئندہ پیش آنے والی اپنی ضرورت) کے لئے جمع کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ کل قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں تم اس کا بخار دیکھو، (پھر فرمایا) بلال اس ذخیرہ کو (خدا کی راہ میں) خرچ کر دو اور صاحب عرش سے فقر و افلاس کا خوف نہ کرو۔"

تشریح: ارشاد گرامی "اما تخشی ان تری لہ غدا الخ میں "غد" (کل) سے مراد قیامت کا دن ہے لہٰذا کہا جائے گا کہ اس جملے میں "یوم القیامۃ" کے الفاظ عند کی تاکید کے طور پر ارشاد فرمائے گئے ہیں، "بخار" سے مراد "اثر" ہے، مطلب یہ ہے کہ کیا تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن اس کے سبب دوزخ کی آگ کا اثر تمہیں پہنچے، گویا یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ ذخیرہ اندوزی دوزخ سے قریب ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم خدا پر توکل نہیں کروگے اور فقر و افلاس کے خوف سے ذخیرہ اندوزی کروگے تو اس کی وجہ سے دوزخ کے قریب ہو جاؤ گے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ ذخیرہ اندوزی نہ کرو، بلکہ جو جمع کیا ہے اسے خدا کے نام پر خرچ کر ڈالو، فقر و افلاس کا خوف نہ کرو بلکہ خدا پر اعتماد اور بھروسہ رکھو کیونکہ جس قادر مطلق نے عرش عظیم کو پیدا کیا ہے اور تمہاری تخلیق کی ہے وہی تمہیں روزی بھی پہنچائے گا۔

گویا آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال کو یہ حکم بطور تعلیم دیا کہ مقام کمال حاصل کرو جو توکل اور ذات حق پر کامل اعتماد ہے، ورنہ تو جہاں تک مسئلے کا تعلق ہے علماء لکھتے ہیں کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی کے بقدر ذخیرہ کرنا جائز ہے۔

سخاوت کی فضیلت

(۲۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّخَاءُ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ فَمَنْ كَانَ سَخِيًّا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَالشُّحُّ شَجَرَةٌ فِي النَّارِ فَمَنْ كَانَ شَحِيْحًا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ النَّارَ۔ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریمؐ نے فرمایا۔ "سخاوت" بہشت میں ایک درخت ہے لہٰذا جو شخص سخی ہوگا وہ اس کی ٹہنی پکڑ لے گا چنانچہ وہ ٹہنی اسے نہیں چھوڑے گی یہاں تک کہ اسے بہشت میں داخل نہ کرا دے (اگرچہ وہ آخر الامر ہو) اسی طرح "بخل" دوزخ میں ایک درخت ہے لہٰذا جو شخص بخیل ہوگا وہ اس کی ٹہنی پکڑ لے گا چنانچہ وہ ٹہنی اسے نہیں چھوڑے گی۔ یہاں تک کہ اسے دوزخ میں داخل نہ کرا دے یہ دونوں روایتیں بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ سخاوت درخت کی مانند ہے گویا اس وصف کو درخت کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے کہ جس طرح درخت بڑا ہوتا ہے اور اس کی کتنی ہی شاخیں اور ٹہنیاں ہوتی ہیں اسی طرح سخاوت بھی ایک وصف عظیم ہے جس کی بہت زیادہ شاخیں اور قسمیں ہیں۔

"وہ اس کی ٹہنی پکڑ لے گا" کا مطلب یہ ہے کہ سخاوت کی جو قسمیں ہیں ان میں سے ایک قسم پکڑ لے گا۔

صدقہ دافع بلا ہے

(۲۹) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَا (رواہ رزین)

"اور حضرت علیؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں جلدی کرو (یعنی موت یا بیماری سے پہلے صدقہ دو) کیونکہ صدقہ دینے سے بلا نہیں بڑھتی (یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے بلائیں ٹلتی ہیں۔" (رزین)

بَابُ فَضْلِ الصَّدَقَةِ

صدقہ کی فضیلت کا بیان

"صدقہ" مال کا وہ حصہ کہلاتا ہے جسے کوئی شخص اپنے مال میں سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے

نکالے خواہ وہ واجب ہو یا نفل۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

خدا کی راہ میں خرچ کیا جانے والا غیر حلال مال قبول نہیں ہوتا

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ کَسْبٍ طَیِّبٍ وَلَا یَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّیِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتَقَبَّلُهَا بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ یُرَبِّیْهَا لِصَاحِبِهَا کَمَا یُرَبِّیْ اَحَدُکُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰی تَکُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کھجور برابر (خواہ صورت میں خواہ قیمت میں) حلال کمائی میں خرچ کرے (اور یہ جان لو) کہ اللہ تعالیٰ صرف مال حلال قبول کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے اور پھر اس صدقہ کو صدقہ دینے والے کے لئے اسی طرح پالتا ہے۔ جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنا بچھڑا پالتا ہے یہاں تک کہ وہ (صدقہ یا اس کا ثواب) پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "کسب" کے معنی ہیں جمع کرنا یہاں "کسب طیب" سے مراد وہ مال ہے جسے حلال ذریعوں سے جمع کیا جائے یعنی شرعی اصولوں کے تحت ہونے والی تجارت و صنعت، زراعت و ملازمت اور وراثت یا حصہ میں حاصل ہونے والا مال۔

"و لا یقبل اللہ الا الطیب" (اللہ تعالیٰ صرف حلال مال قبول کرتا ہے) میں اسی طرف اشارہ ہے کہ بارگاہ الوہیت میں صرف وہی صدقہ قبول ہوتا ہے جو حلال مال کا ہو، غیر حلال مال قبول نہیں ہوتا نیز اس سے یہ نکتہ بھی پیدا ہوا کہ حلال مال اچھی اور نیک جگہ ہی خرچ ہوتا ہے۔

"اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کیا جانے والا حلال مال بارگاہ الوہیت میں کمال قبول کو پہنچتا ہے اور اللہ تعالیٰ حلال مال خرچ کرنے والے سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اسی مفہوم کو یہاں "داہنے سے لینے" سے اس لئے محاورۃً اور عرفاً تعبیر کیا گیا ہے کہ پسندیدہ اور محبوب چیز داہنے ہاتھ ہی سے لی جاتی ہے۔

"پالتا ہے" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صدقے کے ثواب کو بڑھاتا جاتا ہے تاکہ وہ قیامت کے روز میزان عمل میں گراں ثابت ہو۔

ایک سبق آموز حکایت: حدیث بالا کی روشنی میں جو یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ حلال مال اچھی جگہ ہی خرچ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک سبق آموز حکایت سنئے:

شیخ علی متقی عارف باللہؒ فرماتے ہیں کہ ایک متقی و صالح شخص کسب معاش کرتے تھے اور ان کا معمول تھا کہ جو کچھ کماتے پہلے تو اس میں سے ایک تہائی خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے پھر ایک تہائی اپنی ضروریات پر صرف کرتے اور ایک تہائی اپنی کسب معاش کے ذریعے میں لگا دیتے ایک دن ان کے پاس ایک دنیا دار شخص آیا اور کہنے لگا کہ شیخ! میں چاہتا ہوں کہ کچھ مال خدا کی راہ میں خرچ کروں، لہٰذا آپ مجھے کسی مستحق کا پتہ دیجئے انہوں نے کہا کہ "پہلے تو حلال مال حاصل کرو اور پھر اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرو، وہ مستحق شخص ہی کے پاس پہنچے گا"۔ دنیا دار شخص نے اسے مبالغہ پر محمول کیا، شیخ نے کہا اچھا تم جاؤ تمہیں جو شخص بھی ایسا ملے جس کے لئے تمہارے دل میں جذبہ ترحم پیدا ہو اسے صدقہ کا مال دے دینا، چنانچہ وہ شخص جب شیخ کے پاس سے اٹھ کر آیا تو اس نے ایک بوڑھے اندھے کو دیکھا جس کے لئے اس کے دل میں جذبہ ترحم پیدا ہوا اور یہ سمجھ کر کہ صدقہ کے مال کا اس بے چارے سے زیادہ کون مستحق ہو سکتا ہے؟ اپنے کمائے ہوئے مال میں سے اسے کچھ حصہ خیرات کر دیا۔ جب دوسرے دن وہ ضعیف و نابینا شخص کے پاس سے گزرا تو اس نے سنا کہ وہ اپنے پاس

کھڑے ہوئے ایک دوسرے شخص سے کل کا واقعہ بیان کر رہا تھا کہ کل میرے پاس سے ایک مالدار شخص گزرا اس نے (مجھ پر ترس کھا کر) اتنا مال مجھے دیا جسے میں نے فلاں بدکار شخص کے ساتھ شراب نوشی میں لٹا دیا۔ وہ دنیادار یہ سنتے ہی شیخ ؒ کے پاس آیا اور ان سے پورا ماجرا بیان کیا، شیخ ؒ نے یہ واقعہ سن کر اپنی کمائی میں سے ایک درہم اسے دیا اور کہا کہ اسے رکھو، اور یہاں سے نکلتے ہی سب سے پہلے تمہاری نظر جس پر پڑے اسے یہ درہم بطور خیرات دے دینا چنانچہ وہ شیخ ؒ کا دیا ہوا درہم لے کر گھر سے باہر نکلا تو اس کی نظر سب سے پہلے ایک اچھے خاصے شخص پر پڑی، جو بظاہر کھاتا پیتا معلوم ہو رہا تھا پہلے تو وہ دیتے ہوئے جھجکا مگر چونکہ شیخ کا حکم تھا اس لئے اس نے مجبوراً وہ درہم اس شخص کو دے دیا۔ اس شخص نے وہ درہم لے لیا، اور اپنے پیچھے کی طرف مڑ کر چل دیا، اس کے ساتھ ساتھ وہ مالدار بھی چلا، اس نے دیکھا کہ وہ شخص ایک کھنڈر میں داخل ہوا اور وہاں سے دوسری طرف نکل کر شہر کی راہ پکڑی، مالدار بھی اس کے پیچھے کھنڈر میں داخل ہوا وہاں اسے کوئی چیز نظر نہ آئی البتہ اس نے ایک مرا ہوا کبوتر دیکھا وہ پھر اس شخص کے پیچھے پیچھے ہو لیا، پھر اسے قسم دے کر پوچھا کہ بتاؤ تم کون ہو؟ اور کس حال میں ہو؟ اس نے کہا کہ میں ایک غریب انسان ہوں، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں وہ بہت بھوکے تھے جب مجھ سے ان کی بھوک کی شدت دیکھی نہ گئی اور انتہائی اضطراب و پریشانی کے عالم میں ان کے لئے کچھ انتظام کرنے کی خاطر گھر سے نکل کھڑا ہوا تو میں سرگرداں پھر رہا تھا کہ یہ مرا ہوا کبوتر مجھے نظر آیا مرتا کیا نہ کرتا؟ میں نے یہ کبوتر اٹھالیا اور اسے لے کر اپنے گھر کی طرف چلا تا کہ اس کے ذریعے بھوک سے بلکتے بچوں کو کچھ تسکین دلاؤں مگر جب خدا نے تمہارے ذریعے یہ درہم مجھے عنایت فرما دیا تو یہ کبوتر جہاں سے اٹھایا تھا وہیں پھینک دیا۔

اب اس مالدار کی آنکھ کھلی اور اسے معلوم ہوا کہ شیخ ؒ کا وہ قول مبالغہ پر محمول نہیں تھا بلکہ حقیقت یہی ہے کہ حلال مال اچھی جگہ اور حرام مال بری جگہ خرچ ہوتا ہے۔

صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا

(۲) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَازَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّاعِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ صدقہ دینا مال میں کمی نہیں کرتا، اور جو شخص کسی کی خطا معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے نیز جو شخص محض خدا کے لئے تواضع و عاجزی اختیار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: یہاں تین باتیں بتائی جارہی ہیں ایک تو یہ کہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرنا اگرچہ ظاہری طور پر مال میں کمی و نقصان کا سبب ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں صدقہ و خیرات مال میں زیادتی کا سبب ہوتا ہے بایں طور کہ صدقہ و خیرات کرنے والے کے مال میں برکت عطا فرمائی جاتی ہے وہ اور اس کا مال آفت و بلاء سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے نامہ اعمال میں ثواب کی زیادتی ہوتی ہے بلکہ دنیا میں بھی اسے اس طرح نعم البدل عطا فرمایا جاتا ہے کہ اس کا مال بڑھتا رہتا ہے۔

دوسری بات یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کا تصور لینے پر قادر ہونے کے باوجود معاف کر دیتا ہے اور اس کی خطا سے درگزر کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی عزت بڑھاتا ہے چنانچہ ایک عارف کا قول منقول ہے کہ "کوئی بھی انتقام عفو و درگزر کے برابر نہیں ہے"۔

تیسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ جو شخص کسی غرض و منفعت کی خاطر نہیں بلکہ صرف اللہ جل شانہ کی رضاء و خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کرنے کے جذبے سے تواضع و عاجزی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔

اعمال خیر سے منسوب جنت کے دروازے

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَيْنِ مِنْ شَيْءٍ مِنَ الْاَشْيَاءِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دُعِيَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَلِلْجَنَّةِ اَبْوَابٌ فَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلٰوةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ مَا عَلٰى مَنْ دُعِيَ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ مِنْ ضَرُوْرَةٍ فَهَلْ يُدْعٰى اَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ كُلِّهَا قَالَ نَعَمْ وَاَرْجُوْ اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص اپنی چیزوں میں دوہری (دو گنی) چیز اللہ کی راہ میں (یعنی اس کی رضاء وخوشنودی کی خاطر) خرچ کرے گا تو اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا، اور جنت کے کئی (یعنی آٹھ) دروازے ہیں، چنانچہ جو شخص اہل نماز (یعنی بہت زیادہ نماز پڑھنے والا) ہوگا اسے جنت کے "باب الصلاۃ" (نماز کے دروازے) سے بلایا جائے گا (جو اہل نماز ہی کے لئے مخصوص ہوگا اور اس سے کہا جائے گا کہ اے بندے! اس دروازے کے ذریعے جنت میں داخل ہو جاؤ) اور جو شخص جہاد کرنے والا (یعنی خدا کی راہ میں بہت زیادہ لڑنے والا) ہوگا اسے "باب الجہاد" (جہاد کے دروازے) سے بلایا جائے گا۔ جو شخص صدقہ دینے والا (یعنی خدا کی راہ میں بہت زیادہ اپنا مال خرچ کرنے والا) ہوگا اسے "باب الصدقہ" (یعنی صدقہ کے دروازے) سے بلایا جائے گا۔ اور جو شخص (بہت زیادہ) روزے رکھنے والا ہوگا اسے "باب الریان" (یعنی باب الصیام سے کہ جنت میں روزہ کے دروازے کا یہی نام ہے) بلایا جائے گا (یہ سن کر) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا (اگرچہ) جو شخص ان دروازوں میں سے کسی ایک دروازے سے بھی بلایا جائے گا اس کو تمام دروازوں سے بلائے جانے کی ضرورت نہیں ہے (کیونکہ ایک دروازے سے بلایا جانا بھی کافی ہوگا۔ بایں طور کہ مقصد تو جنت میں داخل ہونا ہوگا اور یہ ایک ہی دروازے سے بھی حاصل ہو جائے گا پھر میں صرف علم کی خاطر جاننا چاہتا ہوں کہ کیا کوئی ایسا (خوش نصیب وباسعادت) شخص بھی ہوگا، جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم انہیں لوگوں میں سے ہوگے (جنہیں تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: دوہری چیز مثلاً دو درہم، دو روپے، دو غلام، دو گھوڑے اور یا دو کپڑے وغیرہ۔

"دُعِيَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ" (تو اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا) کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس نے دنیا میں دوہری (دو گنی) چیزیں خدا کی راہ میں خرچ کی تھیں، جب جنت میں داخل ہونے جائے گا۔ تو جنت کے تمام دروازوں کے داروغہ اسے بلائیں گے اور ہر ایک کی یہ خواہش ہوگی کہ یہ خوش نصیب شخص اس کے دروازے سے جنت میں داخل ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک عمل ان اعمال کے برابر ہے جن کے سبب جنت کے تمام دروازوں میں داخل ہونے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔

"ریان" کے معنی ہیں "سیراب" چنانچہ منقول ہے کہ "باب الریان" کہ جس کے ذریعے زیادہ روزے رکھنے والے جنت میں داخل ہوں گے، وہ دروازہ ہے جہاں روزہ دار کو جنت میں اپنے مستقر پر پہنچنے سے پہلے شراب طہور پلائی جاتی ہے گویا جو شخص یہاں دنیا میں خدا کی خوشنودی کی خاطر روزے رکھ کر پیاسا رہا وہ اس عظیم فعل کے بدلے میں مذکورہ دروازے سے سیراب ہونے کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔

ایک روایت میں منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جنت کا ایک دروازہ ہے، جسے "باب الضحی" کہا جاتا ہے، چنانچہ قیامت کے دن پکارنے والا (فرشتہ) پکارے گا کہ "کہاں ہیں وہ لوگ جو نماز ضحی (یعنی چاشت یا اشراق کی نماز) پر مداومت کرتے تھے؟ (سن لو) یہ دروازہ تمہارے ہی لئے ہے، لہٰذا تم لوگ خدا کی رحمت کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ"۔

ایک حدیث میں منقول ہے کہ جنت کے ایک دروازے کا نام "باب التوبہ" ہے کہ توبہ کرنے والے اس دروازے کے ذریعے جنت میں داخل ہوں گے ایک دروازہ ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو غصہ کو ضبط اور دوسروں کی خطاؤں کو معاف کرنے والے ہوں گے ایسے لوگ اس دروازے سے جنت میں داخل ہوں گے، اسی طرح ایک دروازہ ایسا ہوگا جس کے ذریعے خدا کی رضا پر راضی رہنے والوں کا داخلہ ہوگا۔

حضرت ابوبکرؓ کے ارشاد میں "فهل یدعیٰ" سے ماقبل جملہ "ماعلی من دعی" ان کے سوال فهل یدعی الخ کی تمہید کے طور پر ہے۔

آخر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امتیازی شان کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ چونکہ ان میں یہ تمام اوصاف اور خوبیاں پائی جاتی تھیں اس لئے انہیں جنت کے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔

حضرت ابوبکرؓ کا مرتبہ عبودیت

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ صَائِمًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ جَنَازَةً قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ اَطْعَمَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مِسْكِيْنًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ عَادَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مَرِيْضًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اجْتَمَعْنَ فِيْ اَمْرِیءٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ (ایک دن صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ آج تم میں سے کون شخص روزہ سے ہے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ "میں روزے سے ہوں" آپ ﷺ نے فرمایا" آج تم میں سے کون شخص جنازہ کے ساتھ (نماز جنازہ کے لئے یا قبرستان) گیا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ "میں" آپ ﷺ نے فرمایا" آج تم میں سے کس شخص نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "میں نے" پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "آج تم میں سے کس شخص نے بیمار کی عیادت کی ہے؟" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "میں نے" پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (سن لو) جس شخص میں یہ باتیں جمع ہوتی ہیں۔ وہ جنت میں داخل ہوگا۔" (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک ہی دن روزہ بھی رکھے، نماز جنازہ میں بھی شریک ہوا اور جنازہ کے ساتھ قبرستان جائے، کسی مسکین کو کھانا بھی کھلائے، اور کسی بیمار کی عیادت کرنے بھی جائے تو ایسا شخص جنت میں داخل ہوگا اس طرح جنت میں داخل ہوگا، کا مطلب یہ ہے کہ وہ بغیر حساب کے جنت میں جائے گا۔ کیونکہ ویسے تو مطلقاً دخول جنت کے لئے صرف ایمان ہی کافی ہے یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص جس دروازے سے چاہے گا جنت میں داخل ہو جائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسے مواقع پر "انا" (میں) کہنا اور حصول ثواب کی غرض، نیز اپنے احوال کی خبر دینے کے طور پر اپنی فضیلت بیان کرنا منع نہیں ہے چنانچہ بعض صوفیہؒ اور مشائخؒ نے جو سالکین کو منع کیا ہے کہ اپنی زبان پر "انا" جاری نہ کیا جائے تو اس سے ان کی مراد یہ ہے۔ کہ بقصد تکبر اور دعویٰ ہستی وانانیت کے طور پر "انا" کہا جائے جیسا کہ ابلیس ملعون نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکم کے وقت از راہ غرور و تکبر اور بطور انانیت کہا تھا کہ "اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ"

کم تر چیز کے تحفے کو حقیر نہ سمجھا جائے

⑤ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَانِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو (تحفہ بھیجنے یا صدقہ دینے کو) حقیر نہ جانے اگرچہ وہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اپنی پڑوسن کے پاس وہ چیز جو تمہارے پاس موجود ہے بطور تحفہ وصدقہ بھیجنے کو حقیر نہ جانو، گویا تمہارے پاس جو بھی چیز موجود ہو اور جو کچھ بھی ہو سکے خواہ وہ کتنی کم تر کیوں نہ ہو اپنی پڑوسن کو بھیجتی رہا کرو۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی میں ان عورتوں کو خطاب کیا گیا ہے جن کے پاس تحفہ بھیجا جائے لہٰذا اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ "تم میں سے کوئی اپنے ہمسایہ کے تحفے کو حقیر نہ جانے بلکہ اسے برضاء رغبت قبول کرے"۔ اگرچہ وہ کتنا ہی کم تر کیوں نہ ہو۔

"بکری کا کھر" ظاہر ہے کہ نہ تو تحفہ میں لینے دینے کے قابل ہوتا ہے اور نہ اس کو بطور صدقہ کسی کو دیا جا سکتا ہے، لہٰذا کہا جائے گا کہ یہاں اسے مبالغہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ "تحفے میں بھیجی جانے والی یا آنے والی چیز کتنی ہی حقیر اور کم تر کیوں نہ ہو"

یہاں بطور خاص عورتوں کو اس لئے خطاب کیا گیا ہے کہ ان کے مزاج میں غصہ اور کم تر وحقیر چیزوں کو واپس کر دینے کا رجحان زیادہ ہوتا ہے۔

ہر نیک عمل، صدقہ ہے

(٦) وَعَنْ جَابِرٍ وَحُذَيْفَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ و حضرت حذیفہؓ نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہر نیکی صدقہ ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ نیکی کے جو بھی عمل ہیں خواہ ان کا تعلق زبان سے ہو یا فعل سے اور یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہوں تو ان کا ثواب ایسا ہی ہے جیسا کہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ثواب ہوتا ہے۔

کسی بھی نیک کام کو کمتر نہ جانو

(٧) وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيْقٍ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوذر غفاریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم کسی بھی نیک کام کو حقیر (کم تر) نہ جانو اگرچہ تم اپنے بھائی سے خوش روئی کے ساتھ ملو۔" (مسلمؒ)

تشریح: اگر کوئی شخص کسی سے خوش خلقی اور خوش روئی کے ساتھ ملتا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے لہٰذا کسی مسلمان کا دل خوش کرنا چونکہ اچھا اور پسندیدہ ہے اس لئے یہ بھی نیک کام ہے اور اگرچہ خوش روئی کے ساتھ کسی سے ملنا کوئی عظیم الشان کام نہیں ہے مگر اسے بھی کم تر درجے کی نیکی نہ سمجھنا چاہئے۔

کماؤ اور خیرات کرو

(٨) وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَيَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ اَوْلَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُعِيْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ قَالُوْا فَاِنْ

لَوۡيَفۡعَلۡهُ قَالَ فَيَأۡمُرُ بِالۡخَيۡرِ قَالُوۡا فَاِنۡ لَّمۡ يَفۡعَلۡ قَالَ فَيُمۡسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهٗ لَهٗ صَدَقَةٌ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "نعمت الٰہی کے شکر کے پیش نظر ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے" صحابہؓ نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ "اگر کسی کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ ہو ہی نہ؟ (تو وہ کیا کرے) آپ ﷺ نے فرمایا "ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کے ذریعے مال وزر کمائے اور (اس طرح) اپنی ذات کو بھی فائدہ پہنچائے اور صدقہ و خیرات بھی کرے۔ صحابہؓ نے کہا "اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو (کہ محنت مزدوری کر کے کما ہی سکے) یا کہا کہ اگر وہ یہ بھی نہ کر سکتا ہو" آپ ﷺ نے فرمایا "اسے چاہئے کہ وہ (جس طرح بھی ہو سکے) غمگین و حاجت مند داو خواہ کی مدد کرے"۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ "اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "اسے چاہئے کہ وہ (دوسروں کو) نیکی و بھلائی کی ہدایت کرے" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "پھر اسے چاہئے کہ وہ (خود اپنے تئیں یا دوسروں کو) برائی (تکلیف) پہنچانے سے روکے اس کے لئے یہی صدقہ ہے (یعنی اسے صدقہ کا ثواب ملے گا)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "برائی پہنچانے" سے مراد یہ ہے کہ نہ تو خود کسی کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھوں سے تکلیف اور ایذا پہنچائے اور اگر اس کے امکان میں ہو تو ان لوگوں کو بھی روکے جو دوسروں کو ایذاء اور تکلیف پہنچاتے ہیں اسی مضمون کو کسی شاعر نے یوں ادا کیا ہے ع

مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

اپنے جسم کے مفاصل کی طرف سے بطور شکر صدقہ دینا چاہئے

⑨ عَنۡ اَبِىۡ هُرَيۡرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيۡهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوۡمٍ تَطۡلُعُ فِيۡهِ الشَّمۡسُ يَعۡدِلُ بَيۡنَ الۡاِثۡنَيۡنِ صَدَقَةٌ وَيُعِيۡنُ الرَّجُلَ عَلٰى دَابَّتِهٖ فَيَحۡمِلُ عَلَيۡهَا اَوۡيَرۡفَعُ عَلَيۡهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَالۡكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَكُلُّ خَطۡوَةٍ يَخۡطُوۡهَا اِلَى الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَيُمِيۡطُ الۡاَذٰى عَنِ الطَّرِيۡقِ صَدَقَةٌ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا انسان کے بدن میں جو مفاصل (جوڑ) ہیں ان پر (یعنی ان کی طرف سے) ہر روز صدقہ دینا لازم ہے اور دو آدمیوں کے درمیان عدل کرنا بھی صدقہ ہے کسی انسان کی بایں طور مدد کرنی کہ اس کے جانور پر اسے سوار کرا دینا یا اس کا مال و اسباب رکھوا دینا بھی صدقہ ہے، اچھی بات بھی صدقہ ہے ہر وہ قدم جو نماز کے لئے رکھا جائے وہ بھی صدقہ ہے اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں جو مفاصل (جوڑ) پیدا کئے ہیں اس میں بھی چونکہ اس کی حکمتیں اور اس کی بے شمار نعمتیں پنہاں ہیں لہٰذا ان کے شکرانے میں ہر روز انسان پر صدقہ لازم ہے۔

"یعدل بین الاثنین الخ" سے یہ بات بیان فرمائی جا رہی ہے کہ "صدقہ" محض اسی کا نام نہیں ہے کہ کسی شخص کو راہ خدا میں مال وزر دے دیا جائے بلکہ یہ چیزیں (یعنی دو آدمیوں کے درمیان عدل کرنا وغیرہ) بھی صدقہ ہی ہے کہ جس طرح راہ خدا میں مال خرچ کرنے سے ثواب ملتا ہے اسی طرح ان چیزوں کا بہت زیادہ ثواب ملتا ہے لہٰذا جو انسان روزانہ ان میں سے کوئی بھی نیک کام کر لیتا ہے تو گویا اس نے وہ صدقہ ادا کیا جو خدا نے اس پر اس کے جوڑوں کی طرف سے شکرانہ کے طور پر لازم کیا ہے۔

اچھی بات سے مراد وہ بات اور کلام ہے جس سے ثواب حاصل ہو یا سائل وغیرہ سے نرم لہجہ میں گفتگو بھی ہو سکتی ہے۔

وَكُلَّ خَطۡوَةٍ سے صرف وہی قدم مراد نہیں ہیں جو نماز میں جانے کے لئے رکھے جاتے ہوں بلکہ ہر وہ قدم مراد ہے جو نیک راہ میں اور نیک مقصد کے لئے اٹھتے ہیں، مثلاً طواف کے لئے، بیمار کی عیادت کے لئے، جنازے میں شریک ہونے کے لئے اور علم کی طلب کے لئے۔

"تکلیف دہ چیز" سے ہر وہ چیز مراد ہے جس سے راہ گیر کو تکلیف پہنچنے کا خدشہ ہو جیسے کانٹے، ہڈی، پتھر، اینٹ اور نجاست وغیرہ۔

مفاصل جسم کی تعداد اور ان کی نار دوزخ سے حفاظت

⑩ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِقَ كُلُّ اِنْسَانٍ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ عَلٰى سِتِّيْنَ وَثَلَاثِمِائَةِ مَفْصِلٍ فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ وَحَمِدَ اللّٰهَ وَهَلَّلَ اللّٰهَ وَسَبَّحَ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ وَعَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ اَوْشَوْكَةً اَوْعَظْمًا اَوْاَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ اَوْنَهٰى عَنْ مُنْكَرٍ عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّيْنَ وَالثَّلَاثِ مِائَةِ فَاِنَّهٗ يَمْشِيْ يَوْمَئِذٍ وَقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهٗ عَنِ النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اولاد آدم میں سے ہر انسان تین سو ساٹھ مفاصل (جوڑوں) کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ لہٰذا جو کوئی اللہ اکبر الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ کہے اور خدا سے استغفار کرے نیز لوگوں کے راستے سے پتھر، کانٹا اور ہڈی (یعنی ہر تکلیف دہ چیز) ہٹادے یا نیک کام کرنے کا حکم دے یا برے افعال واقوال سے روکے اور یہ (سب یا بعض اقوال وافعال) جوڑوں کی تین سو ساٹھ تعداد کے مطابق کرے تو وہ اس دن اس حالت میں چلتا ہے گویا اس نے اپنے آپ کو آگ سے بچا رکھا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مذکورہ افعال کرنا اور اپنے جسم کے جوڑوں کے بقدر مذکورہ کلمات کا ورد در حقیقت اپنے جسم کو اور جسم کے جوڑوں کو دوزخ کی آگ سے بچانا ہے۔

لفظ "یَوْمَئِذٍ" (اس دن) سے اس طرف اشارہ ہے کہ ان باتوں پر عمل اور ان کلمات کا ورد روزانہ کرنا چاہئے تاکہ اس کے گناہوں کا کفارہ ادا ہوتا رہے۔

صدقات معنوی

⑪ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةً وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَفِيْ بُضْعِ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيَاْتِيْ اَحَدُنَا شَهْوَتَهٗ وَيَكُوْنُ لَهٗ فِيْهَا اَجْرٌ قَالَ اَرَاَيْتُمْ لَوْوَضَعَهَا فِيْ حَرَامٍ اَكَانَ عَلَيْهِ فِيْهِ وِزْرٌ فَكَذٰلِكَ اِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهٗ اَجْرٌ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہر تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے ہر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے ہر تحمید یعنی "الحمد للہ" کہنا صدقہ ہے، ہر تہلیل یعنی "لا الہ الا اللہ" کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے ہر برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے اور اپنی بیوی یا لونڈی سے صحبت کرنا صدقہ ہے، صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرے اور اسے اس میں ثواب ملے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مجھے بتاؤ کہ اگر کوئی شخص حرام ذریعے (یعنی زنا) سے اپنی شہوت پوری کرے تو آیا اسے گناہ ملے گا یا نہیں؟ (ظاہر ہے کہ یقیناً اسے گناہ ملے گا) لہٰذا اسی طرح جب وہ حلال ذریعہ (یعنی اپنی بیوی اور اپنی لونڈی) سے شہوت پوری کرے گا۔ تو اسے ثواب ملے گا۔" (مسلمؒ)

تشریح: جیسے ظاہری طور پر صدقہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کو کہتے ہیں اور جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرماتا ہے اسی طرح مذکورہ کلمات کا ورد اور مذکورہ اعمال کو معنوی طور پر صدقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے بایں طور کہ ان کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ وہی ثواب عطا فرماتا ہے جو صدقہ کے طور پر مال دینے والوں کو ملتا ہے۔

اپنی بیوی اور اپنی لونڈی سے صحبت اگرچہ بذات خود عبادت اور صدقہ نہیں ہے اسی لئے صحابہؓ کو بھی اشکال ہوا لیکن چونکہ اس طرح

بیوی کے حق کی ادائیگی ہوتی ہے اور نفس کے حرام کاری کی طرف بہت زیادہ مائل ہونے اور شیطان کی ترغیب و تحریص کے باوجود اللہ تعالیٰ کے حکم کے پیش نظر اپنے آپ کو حرام ذریعے سے بچا کر حلال اور جائز ذریعے کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے اپنی بیوی اور اپنی لونڈی سے صحبت کرنے والا صدقہ کا ثواب پاتا ہے۔

بہترین صدقہ

(۱۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الصَّدَقَةُ اللِّقْحَةُ الصَّفِیُّ مِنْحَةً وَالشَّاةُ الصَّفِیُّ مِنْحَةً تَغْدُوْ بِاِنَاءٍ وَتَرُوْحُ بِاٰخَرَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بہت دودھ والی اونٹنی کسی کو دودھ پینے کے لئے عاریۃً دینا بہترین صدقہ ہے۔ بہت دودھ دینے والی بکری کسی کو دودھ پینے کے لئے عاریۃً دینا بہترین صدقہ ہے۔ وہ صبح کو باسن بھر دودھ دیتی ہے اور شام کو باسن بھر دودھ دیتی ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: عرب میں یہ معمول تھا کہ جسے اللہ تعالیٰ توفیق دیتا تھا وہ اپنی دودھ دینے والی اونٹنی یا بکری کسی ضرورت مند و محتاج کو عاریۃً دے دیتا تھا۔ جس کے ذریعے وہ ضرورت مند اپنی حاجت و ضرورت پوری کرنے کے بعد اسے اس کے مالک کو واپس کر دیتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اسی طرز عمل کی تعریف فرمائی ہے کہ یہ عمل بہترین صدقہ ہے۔

کھیتی کا نقصان اور اس پر ثواب

(۱۳) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا اَوْیَزْرَعُ زَرْعًا فَیَاْکُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْطَیْرٌ اَوْبَهِیْمَةٌ اِلَّا کَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ متفق علیه۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ جَابِرٍ وَمَاسُرِقَ مِنْهُ لَهٗ صَدَقَةٌ۔

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیت بوتا ہے اور پھر انسان یا پرند اور چرند (مالک کی مرضی کے بغیر) اس میں سے کچھ کھاتے ہیں تو (یہ نقصان) مالک کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

"اور مسلمؒ کی ایک روایت میں، حضرت جابرؓ سے منقول ہے، یہ الفاظ بھی ہیں کہ اور اس میں سے جو کچھ چوری ہو جاتا ہے وہ مالک کے لئے صدقہ ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کے درخت کا پھل وغیرہ یا اس کی کھیتی میں سے اگر کوئی انسان یا چرند پرند کسی بھی طرح یا کسی بھی سبب سے کچھ کھا لیتے ہیں تو مالک کو وہی ثواب ملتا ہے جو خدا کی راہ میں اپنا مال خیرات کرنے کا ثواب ہوتا ہے، گویا اس ارشاد گرامی کے ذریعے مالک کو نقصان مال پر تسلی دلائی جارہی ہے کہ وہ ایسے موقع پر صبر کرے کیونکہ اس نقصان کے بدلے میں اسے بہت زیادہ ثواب ملتا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب: اس موقع پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اعمال کا ثواب تو نیت پر موقوف ہے اور ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں مالک کی طرف سے نیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو پھر ثواب کیسے ملتا ہے؟ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ کھیتی کا مقصود اصلی مطلقاً نوع انسانی و حیوانی کی حیات و بقاء ہے یعنی کاشتکار و کسان جب کھیت میں بیج ڈالتا ہے۔ یا درخت کا کوئی پودا لگاتا ہے تو اس کے پیش نظر کسی فرد کی تخصیص کے بغیر مطلقاً نوع انسانی و حیوانی کی ضروریات زندگی کی تکمیل کی نیت ہوتی ہے۔ اب اس کھیت یا درخت سے انسان و حیوان کا جو فرد بھی فائدہ اٹھائے گا خواہ وہ ناجائز طریقہ سے فائدہ اٹھائے یا جائز طریقے سے اس کی اجمالی نیت کا تعلق اس سے ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ جو شخص ناجائز طریقے سے فائدہ اٹھائے گا۔ وہ اپنے جرم کی سزا پائے گا۔ مگر

مالک کے حق میں اس کی اجمالی نیت کافی ہو جائے گی کیونکہ حصول ثواب کے لئے اجمالی نیت کافی ہے اس کے مالک کو نقصان کے بدلے میں صدقہ کا ثواب مل جائے گا۔

جانوروں کے ساتھ حسن سلوک ثواب کا باعث ہوتا ہے

(۱۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِامْرَأَةٍ مُوْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰی رَأْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهٗ مِنَ الْمَآءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ قِيْلَ اِنَّ لَنَا فِی الْبَهَائِمِ اَجْرًا قَالَ فِیْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک دن فرمایا کہ ایک بدکار عورت کی بخشش کر دی گئی کیونکہ (ایک مرتبہ) اس کا گزر ایک ایسے کتے پر ہوا جو کنویں کے قریب کھڑا پیاس کی وجہ سے اپنی زبان نکال رہا تھا کہ پیاس کی شدت اسے ہلاک کر دے، چنانچہ اس عورت نے اپنا چرمی موزہ اتار کر اسے اپنی اوڑھنی سے باندھا اور (اس کے ذریعہ) کتے کے لئے پانی نکالا (اور اسے پلا دیا) چنانچہ اس کے اس فعل کی بنا پر اس کی بخشش کر دی گئی۔ صحابہؓ نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ کیا جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں ہمارے لئے ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں، ہر صاحب جگر تر (یعنی ہر جاندار) کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں ثواب ہے (خواہ انسان ہو یا جانور)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت مظہرؒ فرماتے ہیں کہ ہر جانور کے ساتھ حسن سلوک کرنے یعنی انہیں کھلانے پلانے کا ثواب ملتا ہے ہاں موذی جانور کہ جنہیں مار ڈالنے کا حکم ہے اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے سانپ اور بچھو وغیرہ۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو کسی شخص کے کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے بھی بخش دیتا ہے چنانچہ اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے۔

جانوروں کے ساتھ بے رحمی باعث گناہ ہے

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عُذِّبَتْ امْرَاَةٌ فِیْ هِرَّةٍ اَمْسَكَتْهَا حَتّٰی مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَاْكُلَ مِنْ خِشَاشِ الْاَرْضِ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ایک عورت کو (محض) اس لئے عذاب میں مبتلا کیا گیا کہ اس نے ایک بلی باندھے رکھی یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مر گئی، وہ عورت نہ تو اس بلی کو کچھ کھلاتی تھی اور نہ ہی اسے چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے جانوروں میں سے کچھ (یعنی چوہا وغیرہ) کھاتی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ جانوروں کے ساتھ بد سلوکی و بے رحمی کا معاملہ کرنا خدا کے عذاب میں اپنے آپ کو گرفتار کرنا ہے وہیں یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ صغیرہ گناہ پر بھی عذاب ہو سکتا ہے، اس عورت کا یہ فعل ظاہر ہے کہ صغیرہ گناہ ہی تھا چنانچہ عقائد کا یہ ایک مسئلہ ہے کہ صغیرہ گناہ پر عذاب ہونا خلاف امکان نہیں ہے۔

راستے سے تکلیف دہ چیز دور کرنے کا اجر

(۱۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰی ظَهْرِ طَرِیْقٍ فَقَالَ لَاُنَحِّيَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ لَا یُؤْذِیْهِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ایک شخص درخت کی ایک ٹہنی کے پاس سے گزرا جو راستے کے اوپر تھی (اور وہ راہ گیروں کو تکلیف پہنچاتی تھی) اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ میں اس ٹہنی کو مسلمانوں کے راستے سے صاف کردوں گا تاکہ انہیں تکلیف نہ پہنچے، چنانچہ وہ شخص جنت میں داخل کیا گیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے اس ٹہنی کو راستہ صاف کرنے کا ارادہ کیا اور پھر اسے صاف کردیا چنانچہ اسے جنت میں داخل کردیا گیا۔ یا یہ کہ وہ شخص اپنی نیک و باخلوص نیت ہی کی بناء پر جنت کا مستحق قرار پایا۔

(۱۷) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِيْ شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيْقِ كَانَتْ تُؤْذِي النَّاسَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا میں نے ایک شخص کو دیکھا جو جنت میں پھرتا تھا اور چین کرتا تھا کیونکہ اس نے ایک ایسے درخت کو کاٹ ڈالا تھا جو راستے پر تھا اور لوگوں کو تکلیف پہنچاتا تھا۔" (مسلمؒ)

(۱۸) وَعَنْ أَبِيْ بَرْزَةَ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ شَيْئًا أَنْتَفِعُ بِهِ قَالَ اِعْزِلِ الْأَذٰى عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ اِتَّقُوا النَّارَ فِيْ بَابِ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

"اور حضرت ابوبرزہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے جس کی وجہ سے میں (آخرت میں) فائدہ حاصل کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیزیں ہٹا دیا کرو۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) اور عدی بن حاتم کی روایت "اتقوا النار الخ" انشاء اللہ تعالیٰ ہم باب علامات النبوۃ میں نقل کریں گے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

رشتہ داروں سے حسن سلوک کا حکم

(۱۹) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ أَوَّلُ مَا قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْأَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ والدارمی)

"حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کا روئے منور دیکھا، تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ کا یہ چہرہ اقدس کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا، پھر آپ ﷺ کا ارشاد، جو سب سے پہلے آپ ﷺ نے فرمایا، یہ تھا کہ لوگو! سلام کو ظاہر کرو، (یعنی السلام علیکم بآواز بلند کہو تاکہ جس کو سلام کیا جا رہا ہے وہ سن لے نیز یہ کہ ہر ایک سے سلام کرو چاہے وہ آشنا ہو یا بے گانہ) اور (بھوکوں کو) کھانا کھلاؤ، رشتہ داروں سے حسن سلوک کرو، نیز رات میں اس وقت (تہجد) کی نماز پڑھو جب کہ لوگ سوتے ہوں (اگر یہ کرو گے) تو جنت میں سلامتی کے ساتھ (یعنی بغیر عذاب کے) داخل ہو گے۔"

(ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

غریبوں کو کھانا کھلانے کا حکم

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَأَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اللہ رب العزت کی بندگی کرو (غریبوں کو) کھانا کھلاؤ، اور سلام کو ظاہر کرو جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو گے۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

صدقہ، خاتمہ بخیر کی سعادت سے نوازتا ہے

(۲۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّدَقَۃَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِیْتَۃَ السُّوْءِ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا صدقہ کرنا، اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ دنیا میں عافیت و سکون کے ساتھ رکھتا ہے اور اس پر بلائیں نازل نہیں کرتا۔

"بری موت سے بچاتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ و خیرات کرنے والا مرنے کے وقت بری حالت سے محفوظ رہتا ہے یعنی نہ تو اسے شیطان اپنے وسوسوں میں مبتلا کر پاتا ہے اور نہ وہ شخص کسی ایسی سخت بیماری و تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ضبط کا دامن چھوڑ کر کفر و کفران کی دلدل میں پھنس جائے، حاصل یہ کہ خدا کی خوشنودی و رضا کی خاطر اپنا مال و زر خرچ کرنے والا "خاتمہ بخیر" کی ابدی سعادت سے نوازا جاتا ہے۔

ہر نیکی صدقہ ہے

(۲۲) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَۃٌ وَاِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقٰی اَخَاکَ بِوَجْہٍ طَلَقٍ وَاَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِکَ فِیْ اِنَاءِ اَخِیْکَ (رواہ احمد والترمذی)

"اور حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ہر نیکی صدقہ ہے اور نیکیوں میں سے ایک نیکی یہ بھی ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے چہرہ کی بشاشت کے ساتھ ملاقات کرو اور اپنے کسی بھائی کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ڈال دو۔" (احمدؒ، ترمذیؒ)

(۲۳) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُکَ فِیْ وَجْہِ اَخِیْکَ صَدَقَۃٌ وَاَمْرُکَ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَۃٌ وَنَھْیُکَ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَۃٌ وَاِرْشَادُکَ الرَّجُلَ فِیْ اَرْضِ الضَّلَالِ لَکَ صَدَقَۃٌ وَنَصْرُکَ الرَّجُلَ الرَّدِیْءَ الْبَصَرِ لَکَ صَدَقَۃٌ وَاِمَاطَتُکَ الْحَجَرَ وَالشَّوْکَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِیْقِ لَکَ صَدَقَۃٌ وَاِفْرَاغُکَ مِنْ دَلْوِکَ فِیْ دَلْوِ اَخِیْکَ لَکَ صَدَقَۃٌ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابوذر غفاریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اپنے مسلمان بھائی کے سامنے مسکرانا (یعنی کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنا) صدقہ ہے۔ نیک کام کے لئے حکم کرنا صدقہ ہے۔ بری بات سے روکنا صدقہ ہے بے نشان زمین میں) کسی کو راستہ بتانا صدقہ ہے (یعنی جہاں راستے کا کوئی نشان اور کوئی علامت نہ ہونے کی وجہ سے لوگ اپنا راستہ بھول جاتے ہیں) وہاں کسی راستہ بھولے ہوئے مسافر کو اس کا راستہ بتا دینے سے صدقہ جیسا ثواب ملتا ہے کسی اندھے یا کمزور نظر شخص کی مدد کرنی، (بایں طور کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے لے جانا) صدقہ ہے، راستے سے پتھر، کانٹا اور ہڈی ہٹا دینا صدقہ ہے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی بھر دینا صدقہ ہے۔ (امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ سے معلوم ہوا کہ جب اپنے ڈول میں پانی بھر دینا صدقہ جیسے ثواب کا باعث ہے تو اس شکل میں جب کہ

کسی کے پاس ڈول ہی موجود نہ ہو اسے اپنے ڈول سے پانی دینا اس سے کہیں زیادہ ثواب کا باعث ہوگا۔

کنواں کھدوانا بہترین صدقہ ہے

(۲۴) وَعَنْ سَعْدِبْنِ عُبَادَةَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت سعد بن عبادہؓ راوی ہیں کہ (میں نے) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! اُمّ سعد (یعنی میری ماں) کا انتقال ہو گیا ہے (ان کے ایصال ثواب کے لئے) کونسا صدقہ بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "پانی" چنانچہ حضرت سعدؓ نے (آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) کنواں کھودا اور کہا کہ یہ اُمّ سعد (یعنی میری ماں) کے لئے صدقہ ہے۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: یوں تو خدا نے جو بھی چیز پیدا کی ہے وہ بندہ کے حق میں خدا کی نعمت ہے لیکن انسانی زندگی میں پانی کو جو اہمیت ہے اس کے پیش نظر بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ خدا کی ان بڑی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے جن کے بغیر انسانی زندگی کی بقاء ممکن نہیں پھر مخلوق خدا کے لئے اس کی ضرورت اتنی وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ قدم قدم پر انسانی زندگی اس کے وجود اور اس کی فراہمی کی محتاج ہوتی ہے، چنانچہ کیا دنیا اور کیا آخرت سب ہی امور کے لئے اس کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے خاص طور پر ان شہروں اور علاقوں میں پانی کی اہمیت کہیں زیادہ محسوس ہوتی ہے جو گرم ہوتے ہیں جہاں پانی کی فراہمی آسانی سے نہیں ہوتی، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے "پانی" کو بہتر صدقہ ارشاد فرما کر اس طرف اشارہ فرمادیا ہے کہ پانی کے حصول کا ہر ذریعہ خواہ کنواں ہو یا نل و تالاب، بہترین صدقہ جاریہ ہے کہ جب تک وہ ذریعہ موجود رہتا ہے اس کو قائم کرنے والا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے نوازا جاتا ہے۔

غرباء و مساکین کو کپڑا پہنانے کی فضیلت

(۲۵) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰى عُرْيٍ كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ وَاَيُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰى جُوْعٍ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَاَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰى مُسْلِمًا عَلٰى ظَمَاءٍ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنَ الرَّحِيْقِ الْمَخْتُوْمِ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے سبز لباسوں میں سے لباس پہنائے گا، جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے میوے کھلائے گا اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کی پیاس بجھائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے مہر بند شراب سے سیراب کرے گا۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: "مہر بند شراب" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت کی وہ شراب پلائے گا جو سیل و مہر کے ذریعے تغیر و تبدل سے محفوظ اور اس شخص کے لئے مخصوص ہے جس کے علاوہ اسے اور کوئی نہیں پی سکتا، گویا اس سے شراب کی عمدگی و نفاست کی طرف اشارہ فرمایا جارہا ہے کہ جس طرح جو چیز نہایت اعلیٰ و نفیس اور عمدہ ہوتی ہے، اس کو مہر بند کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ زمانہ کی سرد گرم ہوا اور دوسروں کی دستبرد سے محفوظ رہے اسی طرح وہ شراب بھی نہایت اعلیٰ و نفیس اور عمدہ ہے کہ اس دنیا میں اس کے ذائقے اور اس کی نفاست کا صحیح ادراک بھی نہیں کیا جاسکتا پھر یہ کہ اس پر مہر بھی مشک کی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ خِتَامُهٗ مِسْكٌ

"ان کو شراب خالص سر بمہر پلائی جائے گی جس کی مہر مشک کی ہوگی۔"

یعنی اس مشروب کو موم اور لاکھ وغیرہ کے ذریعے نہیں بلکہ مشک کے ذریعے مہر بند کیا گیا ہے۔

زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات بھی ہیں

(۲۶) وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِى الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ ثُمَّ تَلَا لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ الْاٰيَةَ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت فاطمہؓ بنت قیس کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ مال وزر میں زکوٰۃ کے علاوہ اور "حق" بھی ہیں، پھر آپ ﷺ نے یہ پوری آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ نیکی یہی نہیں ہے کہ اپنے منہ کو مشرق و مغرب کی طرف متوجہ کرو الخ۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مال کی زکوٰۃ دینا تو فرض ہے ہی کہ وہ ضرور دینی چاہئے۔ مگر زکوٰۃ کے علاوہ کچھ اور نفل صدقات بھی مستحب ہیں کہ ان کا دیا جانا بھی بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے اور وہ صدقات یہ ہیں کہ سائل اور قرض مانگنے والے کو محروم و مایوس نہ کیا جائے گھر گرہستی کا سامان مثلاً ہانڈی و دیگچی اور پیالہ وغیرہ یا اور ایسا وہ سامان جو اپنے قبضے و ملکیت میں ہو اگر کوئی عاریۃ مانگے تو اسے دینے میں دریغ نہ کیا جائے کسی کو پانی، نمک، اور آگ لینے سے منع نہ کیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

"حق" سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کو مذکورہ آیت میں بیان کیا گیا، یعنی اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافر کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا معاملہ کرنا، اور غلام کو آزاد کرنے کے لئے مال خرچ کرنا وغیرہ۔ مذکورہ بالا آیت پوری یوں ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ۔

"نیکی یہی نہیں ہے کہ تم مشرق و مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کرلو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور فرشتوں پر، اور (خدا کی) کتاب پر، اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔"

آنحضرت ﷺ نے یہ آیت اس لئے بطور استناد تلاوت فرمائی کہ اس میں حق تعالیٰ نے پہلے تو ان مؤمنین کی تعریف بیان فرمائی ہے جو اپنے رشتہ داروں، یتیموں اور مساکین وغیرہ پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اس کے بعد نماز پڑھنے والوں اور زکوٰۃ دینے والوں کی تعریف بیان کی لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ "مال خرچ کرنا" زکوٰۃ دینے کے علاوہ ہے جو صدقہ نفل کہلاتا ہے، گویا آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا تھا کہ مال وزر کے بارے میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حق (یعنی صدقات نافلہ) ہیں وہ اس آیت سے ثابت ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے صدقات نافلہ کو ذکر کیا، اس کے بعد صدقہ واجب یعنی زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا۔

پانی و نمک دینے سے انکار نامناسب ہے

(۲۷) وَعَنْ بُهَيْسَةَ عَنْ اَبِيْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الشَّيْءُ الَّذِىْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ الْمَاءُ قَالَ يَا نَبِىَّ اللّٰهِ مَا الشَّيْءُ الَّذِىْ لَا يَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ الْمِلْحُ قَالَ يَا نَبِىَّ اللّٰهِ مَا الشَّيْءُ الَّذِىْ يَحِلُّ مَنْعُهٗ قَالَ اَنْ تَفْعَلَ الْخَيْرَ خَيْرٌ لَّكَ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت بہیسہؓ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ انہوں نے (یعنی ان کے والد نے) عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! وہ کونسی چیز ہے جس سے منع کرنا اور اس کے دینے سے انکار کرنا حلال نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "پانی" انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! اور کونسی چیز ہے جس کو دینے سے انکار کرنا حلال نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "نمک" انہوں نے پھر عرض کیا کہ

یارسول اللہ ﷺ! وہ کونسی چیز ہے جس سے منع کرنا حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ بھلائی کرنا، جو تمہارے لئے بہتر ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح : "پانی" کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری زمین میں کنواں و تالاب ہے یا تمہارے گھر میں نل وغیرہ ہے اس سے کوئی شخص پانی لیتا ہے تو اسے پانی لینے سے روکنا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر تم میں سے کوئی شخص پانی مانگتا ہے اور تمہارے پاس تمہاری ضرورت سے زائد پانی موجود ہے تو اسے دینے سے انکار نہ کرو، اسی طرح نمک دینے سے انکار نہ کرو۔ اسی طرح نمک دینے سے انکار کرنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر کوئی شخص تم سے نمک مانگے تو اس کے دینے سے انکار نہ کرو، کیونکہ لوگوں کو نمک کی بہت زیادہ احتیاج و ضرورت رہتی ہے اور لوگ اسے لیتے دیتے ہی رہتے ہیں۔ پھر یہ کہ نمک جیسی چیز سے انکار کرنا ویسے بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ انتہائی عام اور سستی چیز ہے جس کی کوئی وقعت و قدر نہیں ہوتی۔

حدیث کا آخری جملہ تمام بھلائیوں اور نیکیوں پر حاوی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ تم سے جو کچھ بھی ہو سکے دیتے رہو، اور جو نیکی بھلائی کر سکو کرو، نیکی و بھلائی کے کاموں سے نہ تو اپنے آپ کو باز رکھنا درست ہے اور نہ دوسروں کو نیکی و بھلائی سے روکنا حلال ہے، گویا حدیث میں پہلے چند بھلائیوں کو بطور خاص ذکر کرنے کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمانا "تعمیم بعد تخصیص" ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ "لا یحل" مفہوم کے اعتبار سے "لا ینبغی" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اس طرح حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان چیزوں سے منع کرنا اور ان کے دینے سے انکار کرنا مناسب نہیں ہے۔

بنجر زمین کو قابل کاشت بنانا کار ثواب ہے

(۲۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْيٰى اَرْضًا مَيْتَةً فَلَهٗ فِيْهَا اَجْرٌ وَمَا اَكَلَتِ الْعَافِيَةُ مِنْهُ فَهُوَ لَهٗ صَدَقَةٌ (رواہ النسائی والدارمی)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص خشک زمین کو آباد کرے (یعنی افتادہ و بنجر زمین کو قابل کاشت بنائے) تو اس کے لئے اس کام میں ثواب ہے اور اگر اس کی کھیتی میں سے جانور یا آدمی کچھ کھالیں تو اس کے لئے وہ صدقہ ہے (بشرطیکہ وہ اس پر صابر و شاکر ہو)۔" (دارمیؒ)

کوئی چیز عاریۃً یا قرض دینے کی فضیلت

(۲۹) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَنَحَ مِنْحَةَ لَبَنٍ اَوْوَرِقٍ اَوْهَدٰى زُقَاقًا كَانَ لَهٗ مِثْلُ عِتْقِ رَقَبَةٍ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت براءؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص دودھ کا جانور عاریۃً دے یا چاندی (یعنی روپیہ وغیرہ) قرض دے یا کسی راستہ بھولے ہوئے اور اندھے کو کوچہ و راستہ میں راہ بتائے تو اس کو ایک غلام آزاد کرنے کی مانند ثواب ہوگا۔" (ترمذیؒ)

نصائح نبوی ﷺ

(۳۰) وَعَنْ اَبِیْ جُرَیٍّ جَابِرِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ اَتَيْتُ الْمَدِيْنَةَ فَرَاَيْتُ رَجُلًا يَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَاْيِهٖ لَا يَقُوْلُ شَيْئًا اِلَّا صَدَرُوْا عَنْهُ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ قُلْتُ عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ قَالَ لَا تَقُلْ عَلَيْكَ السَّلَامُ عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ الْمَيِّتِ قُلِ السَّلَامُ عَلَيْكَ قُلْتُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِیْ اِنْ اَصَابَكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهٗ كَشَفَهٗ عَنْكَ وَاِنْ اَصَابَكَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتَهٗ اَنْبَتَهَا لَكَ وَاِذَا كُنْتَ بِاَرْضٍ قَفْرٍ اَوْ فَلَاةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهٗ رَدَّهَا عَلَيْكَ قُلْتُ اِعْهَدْ اِلَیَّ قَالَ لَا تَسُبَّنَّ اَحَدًا قَالَ فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهٗ حُرًّا وَلَا عَبْدًا وَلَا بَعِيْرًا وَلَا شَاةً قَالَ وَلَا تَحْقِرَنَّ شَيْئًا

مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَاَنْ تُكَلِّمَ اَخَاكَ وَاَنْتَ مُنْبَسِطٌ اِلَيْهِ وَجْهُكَ اِنَّ ذَالِكَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَارْفَعْ اِزَارَكَ اِلٰى نِصْفِ السَّاقِ فَاِنْ اَبَيْتَ فَاِلَى الْكَعْبَيْنِ وَاِيَّاكَ وَاِسْبَالَ الْاِزَارِ فَاِنَّهَا مِنَ الْمَخِيْلَةِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيْلَةَ وَاِنِ امْرُءٌ شَتَمَكَ وَعَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيْكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ فَاِنَّمَا وَبَالُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مِنْهُ حَدِيْثَ السَّلَامِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَيَكُوْنَ لَكَ اَجْرُ ذَالِكَ وَوَبَالُهُ عَلَيْهِ۔

"اور حضرت ابی جری ؓ کہ جن کا نام، جابر ابن سلیم ہے کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ آیا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ ان کی عقل پر بھروسہ کرتے ہیں (یعنی ان کے کہنے پر لوگ عمل کرتے ہیں) چنانچہ خود راوی اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ) وہ جو کچھ بھی فرماتے ہیں لوگ اس پر عمل کرتے ہیں میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے (آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر) دو مرتبہ یہ کہا "علیک السلام" آپ (ﷺ) پر سلام ہو۔ اے رسول خدا (ﷺ)۔ رسول کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ "علیک السلام" نہ کہو، کیونکہ "علیک السلام" کہنا میت کے لئے دعا ہے البتہ "السلام علیک" کہو! (کیونکہ اس طرح افضل ہے) اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میں اللہ کا رسول ہوں، وہ اللہ کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف و مصیبت پہنچے اور تم اسے پکارو تو وہ تمہاری تکلیف و مصیبت کو دور کرے اگر تمہیں قحط سالی اپنی لپیٹ میں لے اور تم اسے پکارو تو زمین میں تمہارے لئے سبزہ (غلہ وغیرہ) اگاوے اور اگر تم زمین کے کسی ایسے حصے میں اپنی سواری گم کر بیٹھو کہ جہاں نہ پانی کا نام و نشان ہو نہ درخت کا، یا کہ کوئی ایسا جنگل ہو جو آبادی سے دور ہو اور پھر تم اسے پکارو تو وہ تمہاری سواری تمہارے پاس واپس بھیج دے۔ جابر ؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمادیجئے! آپ ﷺ نے فرمایا کسی کو برا نہ کہو۔ حضرت جابر ؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کسی کو برا نہیں کہا، نہ آزاد کو، نہ غلام کو، نہ اونٹ کو اور نہ بکری کو (یعنی کسی انسان کو برا کہنا کیسا، حیوانات کو بھی کبھی برا نہ کہا جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ کسی بھی نیکی کو حقیر نہ جانو، (یعنی اگر تم کسی کے ساتھ نیکی کرو یا کوئی دوسرا تمہارے ساتھ کوئی نیکی کرے اور وہ نیکی کتنے ہی کم تر درجے کی کیوں نہ ہو اسے حقیر نہ جانو بلکہ اگر کوئی تمہارے ساتھ کم تر درجے کی بھی نیکی کرے تو اسے بہت جانو اور اس کا شکریہ ادا کرو اور خود تم سے جو بھی نیکی ہو سکے اس کے کرنے کو غنیمت جانو اور جب تم اپنے کسی بھائی سے ملاقات کرو تو خندہ پیشانی اختیار کرو (یعنی جب تم کسی سے ملو، تو اس سے تواضع اور خوش کلامی سے پیش آؤ تاکہ تمہارے اس حسن خلق کی وجہ سے اس کا دل خوش ہو) کیونکہ یہ بھی ایک نیکی ہے اور تم اپنی ازار (یعنی پاجامہ و لنگی وغیرہ) کو نصف پنڈلی تک اونچا رکھو، اگر اتنا اونچا رکھنا تم پسند نہ کر سکو تو ٹخنوں تک رکھو مگر (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے سے بچو! اس لئے کہ (ٹخنوں سے نیچے) ازار لٹکانا تکبر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا۔ نیز اگر کوئی شخص تمہیں گالی دے اور تمہارے کسی ایسے عیب پر تمہیں عار دلائے جسے وہ جانتا ہے تو تم (انتقاماً) اس کے کسی عیب پر کہ جسے تم جانتے ہو اسے عار نہ دلاؤ کیونکہ اس کا گناہ اسے ہی ملے گا۔ (ابوداؤد ؒ) ترمذی ؒ نے اس روایت کا صرف ابتدائی حصہ نقل کیا ہے جس میں "سلام" کا ذکر ہے (باقی روایت نقل نہیں کی ہے) اور (ترمذی ؒ کی) ایک دوسری روایت میں "اس کا گناہ اسے ہی ملے گا" کے بجائے یہ الفاظ ہیں کہ تمہارے لئے اس کا ثواب ہوگا اور اس کے لئے اس کا گناہ۔"

تشریح: حضرت جابر ؓ نے دو مرتبہ سلام اس لئے کیا کہ یا تو آنحضرت ﷺ نے پہلا سلام سنا نہیں ہوگا یا پھر یہ کہ آپ ﷺ نے ان کو سلام کا طریقہ سکھانے کی غرض سے پہلے سلام کا جواب نہیں دیا ہوگا۔

ارشاد گرامی "علیک السلام" نہ کہو نہی تنزیہی کے طور پر ہے، نیز حدیث کے الفاظ "علیک السلام کہنا میت کے لئے دعا ہے"، سے بظاہر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص میت کے پاس جائے تو علیک السلام کہے، السلام علیک نہ کہے جیسا کہ کسی زندہ شخص کے لئے کہا جاتا ہے، حالانکہ تحقیقی بات یہ ہے کہ میت کے لئے بھی "السلام علیک" کہنا ہی مسنون ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ جب زیارت موتی کے لئے تشریف لے جاتے تو "السلام علیکم" فرماتے تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے ارشاد "علیک

السلام کہنا میت کے لئے دعا ہے" کے معنی یہ بیان کئے جائیں گے کہ ایام جاہلیت میں "علیک السلام" میت کے لئے دعا تھی۔ چنانچہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عرب میں پہلے یہ معمول تھا کہ جب کوئی قبر پر جاتا تو وہاں سلام کے لئے یہی کہتا تھا کہ "علیک السلام" لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اپنے ارشاد کے ذریعے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ "علیک السلام" کہنا اہل عرب کے معمول وعادت کے مطابق مردہ کے لئے دعا ہے نہ یہ کہ اس ارشاد سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ میت کو اس طرح سلام کیا جائے۔

حضرت جابرؓ کا یہ کہنا ہے کہ اس کے بعد میں نے کسی کو برا نہیں کہا۔ سدباب اور احتیاط کے طور پر ہے ورنہ تو جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے علماء لکھتے ہیں کہ کسی ایسے شخص کو برا کہنا کہ جس کا کفر کی حالت میں مرنا یقینی طور پر معلوم ہو، جائز ہے، تاہم افضل اور بہتر یہی ہے کہ اپنی زبان کو اللہ رب العزت کے ذکر ہی میں مشغول رکھا جائے۔ کسی کو برا نہ کہا جائے اس لئے کہ ماسوی اللہ میں مشغول ہونا نقصان ہی کا باعث ہے جب کہ کسی کو برا نہ کہنے میں کوئی حرج ونقصان نہیں ہے بلکہ علماء تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ شیطان کو بھی لعنت نہ کرنے میں کوئی ضرر نہیں ہے۔

جس طرح پائجامہ اور لنگی وغیرہ ٹخنوں کے نیچے لٹکانا ممنوع ہے اسی طرح کرتہ وغیرہ بھی ٹخنوں سے نیچے کرنا ممنوع ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تمہیں گالی دیتا ہے یا تمہارے کسی عیب سے تمہیں عار دلا کر شرمندہ وذلیل کرنا چاہتا ہے تو تمہارا اس میں کیا نقصان ہے؟ وہ خود ہی گناہ گار ہوگا، لہٰذا تم بھی اس کی طرح اپنی زبان خراب کر لے اور اسے برا بھلا کہہ کر خواہ مخواہ کے لئے اپنے ذمہ کیوں وبال لیتے ہو۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء
اگر مردی اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَا

روایت کے آخر میں وَفِیْ رِوَایَۃٍ الخ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ترمذیؒ نے بھی یہ پوری روایت نقل کی ہے چنانچہ بعض حواشی میں لکھا ہوا ہے کہ ترمذیؒ نے بھی پوری روایت نقل کی ہے کہ اگرچہ اس کے الفاظ مختلف ہیں یہاں جو روایت نقل کی گئی ہے وہ ابوداؤدؒ کی نقل کردہ روایت کے الفاظ ہیں۔

جو خدا کی راہ میں کر دیا، وہ باقی ہے اور جو موجود رہا وہ فانی ہے

(۳۱) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَابَقِيَ مِنْهَا قَالَتْ مَابَقِيَ اِلَّا كَتِفُهَا قَالَ بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرُ كَتِفِهَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهٗ۔

"اور حضرت عائشہؓ راویہ ہیں کہ (ایک مرتبہ صحابہؓ نے یا اہل بیتؓ نے) ایک بکری ذبح کی، (جب اس کا گوشت تقسیم ہو چکا تو) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس میں سے کیا باقی رہ گیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ بجز شانہ کے اور کچھ باقی نہیں رہا (یعنی اس کا سب گوشت تقسیم کر دیا ہے صرف شانہ باقی رہ گیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا۔ بجز شانہ کے اور سب باقی ہے۔ (امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے)۔"

تشریح: "بجز شانہ کے اور سب باقی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اصل میں تو گوشت کا وہی حصہ باقی ہے جو لوگوں کو تقسیم کر دیا گیا ہے بایں طور کہ آخرت میں اسی کا ثواب محفوظ اور ثابت ہو گیا اس کے برخلاف جو حصہ گھر میں موجود رہ گیا ہے وہ فانی ہے، گویا اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے:

مَاعِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَاعِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔

"جو کچھ تمہارے پاس ہے فانی ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔"

دوسروں کی ستر پوشی کرنے والے کا خدا محافظ

(۳۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَامِنْ مُسْلِمٍ کَسَامُسْلِمًا ثَوْبًا اِلَّا کَانَ فِیْ حِفْظٍ مِنَ اللّٰہِ مَادَامَ عَلَیْہِ مِنْہُ خِرْقَۃٌ (رواہ احمد والترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کپڑا (یعنی پاجامہ، کرتہ اور چادر وغیرہ) پہناتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زبردست حفاظت میں رہتا ہے۔ جب تک کہ اس مسلمان کے بدن پر اس کے کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی ہوتا ہے۔" (احمدؒ و ترمذیؒ)

تشریح: یہ دنیا کا فائدہ ہے کہ اس کے دیئے ہوئے کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی جب تک اس مسلمان کے بدن پر رہتا ہے وہ اللہ رب العزت کی حفاظت وامان میں رہتا ہے مگر آخرت میں جو اس کو ثواب ملے گا وہ ان گنت ہے۔

پوشیدہ طور پر صدقہ دینے کی فضیلت

(۳۳) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ یَرْفَعُہٗ قَالَ ثَلَاثَۃٌ یُحِبُّہُمُ اللّٰہُ رَجُلٌ قَامَ مِنَ اللَّیْلِ یَتْلُوْا کِتَابَ اللّٰہِ وَرَجُلٌ یَتَصَدَّقُ بِصَدَقَۃٍ بِیَمِیْنِہٖ یُخْفِیْہَا اُرَاہُ قَالَ مِنْ شِمَالِہٖ وَرَجُلٌ کَانَ فِیْ سَرِیَّۃٍ فَانْہَزَمَ اَصْحَابُہٗ فَاسْتَقْبَلَ الْعَدُوَّ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَیْرُ مَحْفُوْظٍ اَحَدُ رُوَاتِہٖ اَبُوْبَکْرِ بْنُ عَیَّاشٍ کَثِیْرُ الْغَلَطِ

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بطریق مرفوع (یعنی آنحضرت ﷺ سے) نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ تین شخص ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے ایک تو وہ شخص جو رات کے وقت کھڑا ہوتا ہے اور کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے، اور دوسرا وہ شخص جو (نفل) صدقہ اپنے داہنے ہاتھ سے دے اور اسے چھپائے، راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا (اور اسے) بائیں ہاتھ سے (چھپائے) اور تیسرا وہ شخص جو میدان جنگ میں اس وقت دشمن کے سامنے ڈٹ گیا جب کہ اس کے ساتھیوں کو شکست ہوگی۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ روایت غیر محفوظ (ضعیف) ہے۔ اس کے ایک راوی ابوبکر ابن عیاش ہیں جو بہت زیادہ غلطی کرتے ہیں۔"

تشریح: "بیمینہ" سے صدقہ دینے کے ادب کی طرف اشارہ فرمایا جارہا ہے کہ صدقہ کا مال اپنے داہنے ہاتھ سے دیا جائے یا یہ کہ پہلے اس شخص کو صدقہ وخیرات کا مال دے جو اپنے دائیں طرف ہو۔

"بائیں ہاتھ سے چھپائے" کا مطلب یہ ہے کہ جب دائیں ہاتھ سے صدقہ کا مال دے تو بائیں ہاتھ کو بھی اس کی خبر نہ ہو یہ دراصل کمال پوشیدگی کے لئے مبالغہ کے طور پر فرمایا گیا ہے یعنی صدقہ کا مال انتہائی پوشیدگی کے ساتھ دیا جائے تاکہ صدقہ کا مال لینے والا عام نظروں میں اپنی کمتری محسوس نہ کرے، یا پھر ان الفاظ کے یہ معنی ہوں گے کہ صدقہ کا مال جب دائیں طرف والے کو دے تو اس کی خبر بائیں طرف والے کو بھی نہ ہونی چاہئے۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی کی خاطر اور ریاء ونمائش سے بچنے کے لئے اس طرح چھپا کر دینا بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

(۳۴) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَۃٌ یُحِبُّہُمُ اللّٰہُ وَثَلَاثَۃٌ یُبْغِضُہُمُ اللّٰہُ فَاَمَّا الَّذِیْنَ یُحِبُّہُمُ اللّٰہُ فَرَجُلٌ اَتٰی قَوْمًا فَسَاَلَہُمْ بِاللّٰہِ وَلَمْ یَسْاَلْہُمْ لِقَرَابَۃٍ بَیْنَہٗ وَبَیْنَہُمْ فَمَنَعُوْہُ فَتَخَلَّفَ رَجُلٌ بِاَعْیَانِہِمْ فَاَعْطَاہُ سِرًّا لَا یَعْلَمُ بِعَطِیَّتِہٖ اِلَّا اللّٰہُ وَالَّذِیْ اَعْطَاہُ وَقَوْمٌ سَارُوْا لَیْلَتَہُمْ حَتّٰی اِذَا کَانَ النَّوْمُ اَحَبَّ اِلَیْہِمْ مِمَّا یُعْدَلُ بِہٖ فَوَضَعُوْا

رُؤُوْسِهِمْ فَقَامَ يَتَمَلَّقُنِيْ وَيَتْلُوْا اٰيَاتِيْ وَرَجُلٌ كَانَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَلَقِيَ الْعَدُوَّ فَهُزِمُوْا فَاَقْبَلَ بِصَدْرِهٖ حَتّٰى يُقْتَلَ اَوْ يُفْتَحَ لَهٗ وَالثَّلَاثَةُ الَّذِيْنَ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ الشَّيْخُ الزَّانِيْ وَالْفَقِيْرُ الْمُخْتَالُ وَالْغَنِيُّ الظَّلُوْمُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ۔

"اور حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ تین شخص ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے اور تین شخص ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دشمن رکھتا ہے، چنانچہ وہ اشخاص کہ جنہیں اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے ان میں سے ایک تو وہ شخص ہے کہ جس نے ایسے شخص کو صدقہ دیا جو ایک جماعت کے پاس آیا اور اس نے خدا کی قسم دے کر کچھ مانگا (یعنی یوں کہا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے اتنا مال یا اتنی چیز دو) اس نے جماعت والوں سے حق قرابت کی وجہ سے دیا جو اس کے اور جماعت کے درمیان تھا۔ مگر جماعت والوں نے اسے کچھ بھی نہیں دیا، چنانچہ ایک شخص نے (یعنی صدقہ دینے والے نے) جماعت کو (کہ وہ بھی اسی جماعت کا ایک فرد تھا) پس پشت ڈالا اور آگے بڑھ کر سائل کو پوشیدہ طور پر دے دیا، سوائے خدا کے اور اس شخص کے کہ جسے اس نے دیا اور کسی نے اس کے عطیہ کو نہیں جانا، اور دوسرا وہ شخص ہے، جو جماعت کے ساتھ تمام رات چلا یہاں تک کہ جب ان کے لئے نیند ان تمام چیزوں سے زیادہ جو نیند کے برابر ہیں پیاری ہوئی تو جماعت کے تمام فرد سو گئے، مگر وہ شخص کھڑا ہوا (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اور میرے سامنے گڑگڑانے لگا اور میری آیتیں (یعنی قرآن کریم) پڑھنے لگا (یعنی میری عبادت و مناجات میں مشغول ہو گیا) اور تیسرا وہ شخص ہے جو لشکر میں شامل تھا، جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو اس کے لشکر کو شکست ہو گئی مگر وہ شخص دشمن کے مقابلے پر سینہ سپر ہو گیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا یا فتح یاب اور وہ تین شخص جو اللہ کے نزدیک مبغوض ہیں ان میں سے ایک تو وہ شخص ہے جو بوڑھا ہونے کے باوجود زنا کرے، دوسرا شخص تکبر کرنے والا فقیر ہے اور تیسرا شخص دولت مند ظلم کرنے والا ہے (یعنی وہ شخص دولت مند ہوتے ہوئے قرض دینے والے کو قرض کی ادائیگی نہ کرے یا دوسروں کے ساتھ اور کسی ظلم کا معاملہ کرے)۔" (ترمذیؒ)

تشریح: حدیث کی ابتداء جس اسلوب سے ہوئی ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے مگر بعد کے اسلوب یعنی حدیث کے الفاظ يَتَمَلَّقُنِيْ (اور میرے سامنے گڑگڑانے لگا) سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ ارشاد نبوی نہیں ہے بلکہ کلام الٰہی (یعنی حدیث قدسی) ہے اسلوب کے اس اختلاف کی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ یہ حدیث حقیقت میں تو ارشاد نبوی ﷺ ہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ اپنے نبی ﷺ سے وہ کیفیت بیان کی جو اس کے اور اس کے بندے کے درمیان واقع ہوتی ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر اس اصل کیفیت کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا بعینہٖ قول نقل فرمادیا۔

اَلشَّيْخُ الزَّانِيْ (جو بوڑھا ہونے کے باوجود زنا کرے) میں لفظ "شیخ" سے یا تو اس کے اصل معنی یعنی "بوڑھا" ہی مراد ہے یا پھر کہا جائے گا کہ یہاں "شیخ" سے "بکر" (کنوارے) کی ضد محصن (شادی شدہ) مراد ہے خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان، جیسا کہ اس آیت منسوخ میں ہے:

اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا الْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔

"شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب دونوں زنا کریں تو دونوں کو سنگسار کر دو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سزا ضروری ہے اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔"

میں "شیخ" سے "شادی شدہ" مراد ہے خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھا۔

"تکبر کرنے والے فقیر" کو بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض قرار دیا گیا ہے، لیکن فقیر کا وہ تکبر مستثنیٰ ہے جو کسی متکبر کے ساتھ ہو، بلکہ ایسے تکبر کو تو "صدقہ" قرار دیا گیا ہے یعنی اگر کوئی فقیر کسی متکبر کے ساتھ تکبر کرے تو وہ خدا کے نزدیک مبغوض نہیں ہو گا۔ بلکہ اسے صدقہ کا ثواب ملے گا، چنانچہ حضرت بشیر ابن حارث کے بارے میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کو خواب میں دیکھا تو ان سے عرض کیا کہ "اے امیر المؤمنین! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے"۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ "مالداروں کو ثواب خداوندی کے حصول کی خاطر فقیروں سے مہربانی کا معاملہ کرنا بہت ہی بہتر ہے اور فقیروں کو خدا پر توکل و اعتماد کے جذبے سے مالداروں سے تکبر کا معاملہ کرنا بہت بہتر ہے۔

اوپر جن بری خصلتوں کا ذکر کیا گیا ہے اگرچہ وہ سب ہی کے حق میں بری ہیں، لیکن ان تینوں کے حق میں چونکہ بہت ہی زیادہ بری ہیں جس کا سبب ظاہر ہے اس لئے یہ خدا کے دشمن قرار دیئے گئے ہیں۔

(۳۵) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْاَرْضَ جَعَلَتْ تَمِيْدُ فَخَلَقَ الْجِبَالَ فَقَالَ بِهَا عَلَيْهَا فَاسْتَقَرَّتْ فَعَجِبَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ شِدَّةِ الْجِبَالِ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْجِبَالِ قَالَ نَعَمْ اَلْحَدِيْدُ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْحَدِيْدِ قَالَ نَعَمْ اَلنَّارُ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ النَّارِ قَالَ نَعَمِ الْمَاءُ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْمَاءِ قَالَ نَعَمِ الرِّيْحُ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الرِّيْحِ قَالَ نَعَمِ ابْنُ اٰدَمَ تَصَدَّقَ صَدَقَةً بِيَمِيْنِهٖ يُخْفِيْهَا مِنْ شِمَالِهٖ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ مُعَاذٍ اَلصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ فِيْ كِتَابِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی تو وہ ہلنے لگی پھر اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا فرما کر انہیں زمین پر کھڑا کیا، چنانچہ زمین ٹھہر گئی فرشتوں کو پہاڑ کی سختی سے بڑا تعجب ہوا، وہ کہنے لگے کہ ہمارے پروردگار! کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے؟ پروردگار نے فرمایا ہاں لوہا ہے (کہ وہ پتھر کو بھی توڑ ڈالتا ہے) انہوں نے پوچھا کہ ہمارے پروردگار! کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے؟ پروردگار نے فرمایا ہاں! آگ ہے (کہ وہ لوہے کو بھی پگھلا دیتی ہے) پھر انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پروردگار! کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز آگ سے بھی زیادہ سخت ہے؟ پروردگار نے فرمایا ہاں پانی ہے (کہ وہ آگ کو بھی بجھا دیتا ہے) پھر انہوں نے پوچھا کہ ہمارے پروردگار کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز پانی سے بھی زیادہ سخت ہے؟ پروردگار نے فرمایا ہاں! ہوا ہے (کہ وہ پانی کو بھی خشک کر دیتی ہے) پھر انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پروردگار! کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز ہوا سے بھی زیادہ سخت ہے؟ پروردگار نے فرمایا ہاں! اور وہ ابن آدم کا صدقہ دینا ہے کہ وہ خدا کی راہ میں اپنے دائیں ہاتھ سے (اس طرح) مال خرچ کرتا ہے کہ اسے بائیں ہاتھ سے بھی چھپاتا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "ابن آدم کا صدقہ دینا" اس فعل کو اس لئے سب سے زیادہ سخت فرمایا ہے کہ انتہائی پوشیدگی کے ساتھ کسی کو صدقہ دینے میں نفس امارہ کی مخالفت، طبیعت و مزاج پر جبر، اور شیطان ملعون کی مدافعت لازم آتی ہے جب کہ اس کے علاوہ مذکورہ بالا چیزوں یعنی پہاڑ، لوہا اور آگ وغیرہ میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔

چھپا کر صدقہ دینے میں نفس کی مخالفت اور شیطان کی مدافعت بایں طور لازم آتی ہے کہ فطری طور پر نفس یہ چاہتا ہے کہ جب میں کسی کو مال دوں تو لوگ دیکھیں اور میری تعریف کریں تاکہ مجھے دوسرے لوگوں پر فخر و امتیاز حاصل ہو لہٰذا جب اس نے عام نظروں سے چھپا کر اپنا مال کسی کو دیا تو اس نے گویا نفس امارہ کی مخالفت کی اور شیطان کو اپنے سے دور کیا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ زیادہ سخت اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے رضاء مولیٰ حاصل ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ رضاء مولیٰ سب سے بڑی چیز ہے۔

وَذُكِرَ حَدِيْثُ مُعَاذٍ اَلصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ فِيْ كِتَابِ الْاِيْمَانِ اور حضرت معاذؓ کی روایت تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ کتاب الایمان میں نقل کی جا چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

دو دو چیزیں خیرات کرنے کی فضیلت

(۳۶) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ یُنْفِقُ مِنْ کُلِّ مَالٍ لَہٗ زَوْجَیْنِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِلاَّ اسْتَقْبَلَتْہُ حَجَبَۃُ الْجَنَّۃِ کُلُّھُمْ یَدْعُوْہُ اِلٰی مَا عِنْدَہٗ قُلْتُ وَکَیْفَ ذَالِکَ قَالَ اِنْ کَانَتْ اِبِلاً فَبَعِیْرَیْنِ وَاِنْ کَانَتْ بَقَرَۃً فَبَقَرَتَیْنِ (رواہ النسائی)

"حضرت ابوذرؓ راوی ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو مسلمان بندہ اپنے ہر مال میں سے دو دو چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو بہشت کے تمام دربان اس کا استقبال کریں گے اور اسے اپنے پاس کی چیزوں کی طرف بلائیں گے۔ حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ دو دو چیزیں خرچ کرنے کا مطلب کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر اس کے پاس اونٹ ہوں (اور وہ ان میں سے کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا ارادہ کرے) تو دو اونٹ دے اور اگر گائیں ہوں تو دو گائیں دے۔" (نسائیؒ)

تشریح: "اللہ کی راہ میں خرچ کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ اپنا مال اس جگہ خرچ کرے جہاں خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش و راضی ہوتا ہے جیسے حج، جہاد، طلب علم، غریبوں اور محتاجوں کی امداد و اعانت وغیرہ وغیرہ۔ اپنے پاس کی چیزوں سے مراد جنت کی اچھی اچھی چیزیں اور وہاں کی نعمتیں ہیں، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کے دربان اسے جنت کے ہر دروازہ کی طرف بلائیں گے۔

قیامت کے دن مؤمن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا

(۳۷) وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنِیْ بَعْضُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ صَدَقَتُہٗ (رواہ احمد)

"اور حضرت مرثد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعض صحابہؓ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا قیامت کے دن مؤمن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا۔" (احمدؒ)

تشریح: جس طرح سائبان دھوپ کی گرمی اور تپش سے بچاتا ہے اسی طرح قیامت کے دن صدقہ، نجات اور آرام و راحت کا سبب ہوگا یا یہ کہ قیامت کے دن صدقہ گویا اس کے ثواب کو سائبان کی شکل دے کر صدقہ دینے والے کے سر پر تان دیا جائے گا تاکہ وہ اس دن کی گرمی سے بچ جائے۔

عاشورہ کے دن زیادہ خرچ کرو

(۳۸) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ وَسَّعَ عَلٰی عِیَالِہٖ فِی النَّفَقَۃِ یَوْمَ عَاشُوْرَاءِ وَسَّعَ اللّٰہُ عَلَیْہِ سَائِرَ سَنَتِہٖ قَالَ سُفْیَانُ اِنَّا قَدْ جَرَّبْنَاہُ فَوَجَدْنَا کَذَالِکَ۔ رَوَاہُ رَزِیْنٌ وَرَوَی الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنْہُ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَاَبِیْ سَعِیْدٍ وَجَابِرٍ وَضَعَّفَہٗ۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص عاشورہ کے دن اپنے اہل و عیال کے خرچ میں وسعت اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ سارے سال (اس کے مال و زر میں) وسعت عطا فرمائے گا۔ حضرت سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کا تجربہ کیا تو ایسا ہی پایا۔ (رزینؒ) اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں، ابن مسعودؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعیدؓ اور جابرؓ سے نقل کیا ہے۔ نیز انہوں نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔"

تشریح: بیہقیؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے لیکن انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگرچہ اس کے طرق ضعیف ہیں مگر ایک کو دوسرے سے تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔

بعض لوگوں نے عاشورہ کے دن سرمہ لگانے کے بارے میں جو حدیث نقل کی ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اسی طرح عاشورہ کے دن اور دس افعال کے سلسلے میں جو حدیث نقل کی جاتی ہے اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے، البتہ عاشورہ کے دن صحیح احادیث کے ذریعے صرف روزہ رکھنا اور کھانے میں وسعت اختیار کرنا ثابت ہے۔

صدقہ کا ثواب چند در چند ہے

(۳۹) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ اَبُوْذَرٍ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ الصَّدَقَةَ مَاذَا هِیَ قَالَ اَضْعَافٌ مُضَاعَفَةٌ وَعِنْدَ اللّٰهِ الْمَزِیْدُ۔ (رواه احمد)

"اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ صدقہ کا ثواب کتنا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس کا ثواب چند در چند (یعنی کئی کئی گناہ) ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: احادیث سے چند در چند کی مقدار دس گنا سے سات سو گنا تک معلوم ہوتی ہے، بلکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے اور اس کی رحمت خاص شامل حال ہو تو ثواب کی مقدار سات سو گنا سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے، جیسا کہ خود باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ۔

"جس کے لئے اللہ چاہتا ہے اس کا ثواب (لاتعداد) بڑھاتا ہے۔"

بَابُ اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ

بہترین صدقہ کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

بہترین صدقہ

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَحَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُ الصَّدَقَةِ مَا کَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًی وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ حَکِیْمٍ وَحْدَهُ۔

"حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت حکیم بن حزام دونوں راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ بہتر صدقہ وہ ہے جو بے پروائی کے ساتھ دیا ہے اور صدقہ دینے کی ابتداء اس شخص سے کرو جس کا نفقہ تم پر لازم ہے (بخاریؒ) اور امام مسلمؒ نے اس روایت کو صرف حضرت حکیمؓ بن حزام سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: "بے پروائی" کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کا مال اس انداز سے دو کہ تم خود فقیر و مفلس نہ بن جاؤ بلکہ غنا باقی رہے یعنی اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی کے بقدر مال و اسباب رکھ لو۔ اس کے بعد جو کچھ بچ رہے اسے خدا کے نام پر خیرات کر دو، ایسا نہ ہو کہ تمام ہی مال و زر خدا کی راہ میں خرچ کر دو اور اپنے اہل و عیال کو محتاجگی اور بھوک سے بلکنے کے لئے چھوڑ دو، چنانچہ آپ ﷺ نے بعد میں اسی

بات کی وضاحت فرمائی کہ صدقہ کا مال پہلے تو ان لوگوں کو دو جن کی ضروریات زندگی تمہاری ذات سے وابستہ ہوں جب ان سے بچ رہے تو پھر بعد میں دوسروں کو دو۔

صدقہ دینے کے بعد غنائے نفس یا غنائے مال ہونا ضروری ہے: اس بارے میں تحقیقی مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں اپنا مال وزر خرچ کرنا چاہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے یا تو غنائے نفس حاصل ہو بایں طور کہ از راہ سخاوت نفس وہ اپنا مال وزر خدا کی راہ میں خرچ کرتا رہے تو اسے خدا کی ذات پر اس درجے کامل اعتماد اور توکل ہو کہ اس کا دل بالکل مستغنی ہو اور اسے اس بات کی پرواہ نہ ہو کہ میرے اہل وعیال کل کیا کھائیں گے، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر اپنا تمام مال واسباب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے قدموں میں لا ڈالا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "ابوبکرؓ گھر والوں کے لئے کیا رکھ چھوڑا؟" انہوں نے عرض کیا "اللہ" (یعنی اہل وعیال کے لئے اللہ کی ذات پر کامل اعتماد اور توکل چھوڑ آیا ہوں کہ جس نے اب تک مجھے اتنا مال وزر دیا ہے وہی کل کو بھی ان کی ضروریات زندگی پوری کرے گا) آنحضرت ﷺ نے ان کی سخاوت اور ان کے اس عظیم جذبے کو بہت سراہا۔ یہ تو پہلا درجہ ہوا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اگر غنائے نفس حاصل نہ ہو پھر غنائے مال ہونا ضروری ہے یعنی خدا کی راہ میں اتنا ہی مال خرچ کرے کہ خود مفلس وفقیر نہ ہو جائے بلکہ اتنا مال باقی رکھ چھوڑنا ضروری ہے کہ اہل وعیال کی ضروریات زندگی پوری ہو سکیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

حاصل یہ کہ اگر "توکل" کی دولت نصیب ہو تو پھر جو کچھ چاہے خدا کی راہ میں خرچ کر دے، اگر یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو اپنے اہل وعیال کو مقدم رکھے، صدقہ وخیرات میں اتنا مال نہ دے دے کہ خود اور اہل وعیال ضروریات زندگی کے لئے محتاج ہو جائیں۔

اہل وعیال پر خرچ کرنا صدقہ ہے

(۲) وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰى اَهْلِهٖ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابو مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو مسلمان اپنے اہل (یعنی بیوی اور اقرباء) پر کچھ خرچ کرتا ہے اور اس میں ثواب کی توقع رکھتا ہے تو اس کا یہ خرچ اس کے حق میں (بڑا مقبول) صدقہ ہو جاتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

(۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ رَقَبَةٍ وَدِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰى مِسْكِيْنٍ وَدِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا الَّذِیْ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ایک دینار تو وہ ہے جسے تم خدا کی راہ میں (یعنی حج یا جہاد، یا طالب علم) میں خرچ کرو، ایک دینار تو وہ ہے جسے تم غلام کو آزاد کرنے میں خرچ کرو، تو ان تمام دیناروں میں از روئے ثواب سب سے بڑا دینار وہ ہے جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا ہے۔" (مسلمؒ)

بہترین مصرف

(۴) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ دِيْنَارٍ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ دِيْنَارٌ يُنْفِقُهٗ عَلٰى عِيَالِهٖ وَدِيْنَارٌ يُنْفِقُهٗ عَلٰى دَابَّتِهٖ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدِيْنَارٌ يُنْفِقُهٗ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ بہتر دینار وہ ہے جو کوئی شخص اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے بہتر دینار وہ ہے جو کوئی شخص اپنے اس جانور پر خرچ کرے جو جہاد کے لئے پالا گیا ہو اور بہتر دینار وہ ہے جو کوئی شخص اپنے ان دوستوں پر خرچ کرے جو خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں۔" (مسلمؒ)

تشریح: یہاں مال وزر کے تین بہترین مصرف بیان فرمائے گئے ہیں کہ ان تینوں پر اپنا مال وزر خرچ کرنا ان کے علاوہ دوسروں پر خرچ کرنے سے بہتر ہے۔

اولاد پر خرچ کرنا ثواب ہے

⑤ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِيَ اَجْرٌ اَنْ اُنْفِقَ عَلٰى بَنِيْ اَبِيْ سَلَمَةَ اِنَّمَاهُمْ بَنِيَّ فَقَالَ اَنْفِقِيْ عَلَيْهِمْ فَلَكِ اَجْرُ مَا اَنْفَقْتِ عَلَيْهِمْ (متفق علیہ)

"اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن میں نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) ابو سلمہؓ کے بیٹوں پر خرچ کرنے میں میرے لئے ثواب ہے کہ نہیں، درآنحالیکہ وہ میرے ہی بیٹے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ان پر خرچ کرو، جو چیز تم ان پر خرچ کروگی اس کا تمہیں ثواب ملے گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت ابو سلمہؓ ایک صحابی تھے، حضرت ام سلمہؓ پہلے ان کے عقد میں تھیں، ابو سلمہؓ سے ان کے کئی بچے ہوئے، عمر، زینب اور درہ، جب ابو سلمہؓ کا انتقال ہوگیا، تو ام سلمہؓ کو نبی کریم ﷺ کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔ ابو سلمہؓ سے ان کے جو بچے تھے وہ ان کے اخراجات انہیں کچھ دیا کرتی تھیں۔ چنانچہ اسی کو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ ان کو میں جو کچھ دیتی ہوں آیا اس کا ثواب بھی مجھے ملتا ہے یا نہیں؟ لہٰذا اس صورت میں "بیٹوں" سے حضرت ام سلمہؓ کے حقیقی بیٹے مراد ہونگے جو ابو سلمہؓ سے تھے، یا یہ بھی احتمال ہے کہ ابو سلمہؓ کی دوسری بیوی کے کچھ بچے ہوں گے ام سلمہؓ نے ان پر مال خرچ کرنے کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے پوچھا اس صورت میں "بیٹوں" سے ام سلمہؓ کے سوتیلے بیٹے مراد ہوں گے۔

اپنی بیوی یا اپنے شوہر کو صدقہ دینے کا مسئلہ

⑥ وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقْنَ يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ قَالَتْ فَرَجَعْتُ اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ فَقُلْتُ اِنَّكَ رَجُلٌ خَفِيْفُ ذَاتِ الْيَدِ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ فَأْتِهِ فَاسْأَلْهُ فَاِنْ كَانَ ذَالِكَ يُجْزِئُ عَنِّيْ وَاِلَّا صَرَفْتُهَا اِلٰى غَيْرِكُمْ قَالَتْ فَقَالَ لِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بَلِ ائْتِيْهِ اَنْتِ قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ فَاِذَا امْرَأَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ بِبَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجَتِيْ حَاجَتُهَا قَالَتْ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اُلْقِيَتْ عَلَيْهِ الْمَهَابَةُ فَقَالَتْ فَخَرَجَ عَلَيْنَا بِلَالٌ فَقُلْنَا لَهُ ائْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبِرْهُ اَنَّ امْرَاَتَيْنِ بِالْبَابِ تَسْأَلَانِكَ اَتُجْزِئُ الصَّدَقَةُ عَنْهُمَا عَلٰى اَزْوَاجِهِمَا وَعَلٰى اَيْتَامٍ فِيْ حُجُوْرِهِمَا وَلَا تُخْبِرْهُ مَنْ نَحْنُ قَالَتْ فَدَخَلَ بِلَالٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هُمَا قَالَ امْرَأَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ وَزَيْنَبُ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الزَّيَانِبِ قَالَ امْرَأَةُ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمَا اَجْرَانِ اَجْرُ الْقَرَابَةِ وَاَجْرُ الصَّدَقَةِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ۔

"اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی زوجہ محترمہ حضرت زینبؓ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس ذکر و نصیحت میں عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اے عورتوں کی جماعت! صدقہ و خیرات کرو، اگرچہ وہ تمہارے زیورات ہی میں سے کیوں نہ ہو! حضرت زینبؓ کہتی ہیں کہ (یہ سن کر) میں (آنحضرت ﷺ کی مجلس سے) عبداللہؓ ابن مسعودؓ کے پاس آئی اور ان سے کہنے لگی کہ آپ خالی ہاتھ (یعنی مفلس) مرد ہیں اور چونکہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں صدقہ و خیرات کرنے کا حکم فرمایا ہے، اس لئے آپ رسول اللہ ﷺ کی

خدمت میں جاکر یہ معلوم کریں کہ اگر میں آپ پر اور آپ کی اولاد پر بطور صدقہ خرچ کروں تو آیا یہ صدقہ میرے لئے کافی ہوگا یا نہیں؟ اگر آپ کو اور آپ کی اولاد کو میرا صدقہ دینا میرے لئے کافی ہو جائے تو پھر آپ ہی کو صدقہ دے دوں اور اگر یہ میرے لئے کافی نہ ہو تو پھر آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بطور صدقہ خرچ کروں! حضرت زینبؓ کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مجھ سے کہا کہ تم ہی جاؤ (اور رسول کریم ﷺ سے اس بارے میں پوچھ لو) چنانچہ میں خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، میں وہاں کیا دیکھتی ہوں کہ رسول کریم ﷺ کے دروازے پر انصار میں کی ایک عورت کھڑی ہے اور (وہاں آنے کی) ہماری دونوں کی حاجت یکساں تھی۔ (یعنی وہ بھی معلوم کرنے آئی تھی کہ آیا میں اپنے صدقہ کا مال اپنے خاوند اور اس کے متعلقین کو دے سکتی ہوں یا نہیں؟ حضرت زینبؓ کہتی ہیں کہ (چونکہ) رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس ہیبت و عظمت کا پیکر تھی اس لئے (ہمیں آپ ﷺ کے پاس جانے کی جرات نہ ہوئی اور) ہم وہاں سے نکل کر حضرت بلالؓ کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ آپ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں جاکر کہئے کہ دروازے پر کھڑی ہوئی دو عورتیں آپ ﷺ سے پوچھتی ہیں کہ کیا اپنے شوہروں اور ان یتیموں کو جو ان کی پرورش میں ہیں ان کا صدقہ دینا ان کے لئے کافی ہو جائے گا، مگر دیکھئے آنحضرت ﷺ کو یہ نہ بتائیے گا کہ ہم کون ہیں؟ یعنی انہوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر کے ریا سے بچنے میں مبالغہ کیا کہ اس بارے میں ریا کا کیا کام؟ حضرت زینبؓ کہتی ہیں کہ حضرت بلالؓ آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ سے وہ مسئلہ دریافت کیا (پہلے تو) آنحضرت ﷺ نے بلالؓ سے پوچھا کہ دو عورتیں کون ہیں؟ حضرت بلالؓ نے کہا کہ ایک تو انصار میں کی کوئی عورت ہے، اور دوسری زینبؓ ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کون سی زینب؟ (کیونکہ زینب نام کی کئی عورتیں ہیں) حضرت بلالؓ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی! پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ (ان سے جاکر کہہ دو کہ اس صورت میں) ان کے لئے دوہرا ثواب ہے، ایک تو حق قربت (کی ادائیگی) کا اور دوسرا صدقہ دینے کا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ الفاظ مسلمؒ کے ہیں)

تشریح: "قد القیت علیه المهابه" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس کو ہیبت و عظمت کا ایسا پیکر بنایا تھا کہ لوگ آپ ﷺ سے مرعوب ہوتے، ڈرتے اور آپ ﷺ کی بے انتہا تعظیم کرتے تھے، اسی وجہ سے کسی کو بھی جرات نہیں ہوتی تھی کہ وہ اچانک آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ جائے اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی یہ عظمت و ہیبت (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کی کسی بد خلقی اور خشونت کی وجہ سے نہیں تھی۔ بلکہ یہ تو خدا داد تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس عظمت و ہیبت کو آپ ﷺ کی عزت و تعظیم کا سبب بنایا تھا۔

جب حضرت زینبؓ نے حضرت بلالؓ کو منع کر دیا تھا کہ وہ ان کے نام آنحضرت ﷺ کو نہ بتائیں تو انہیں ان کی اس خواہش کا احترام کرنا چاہئے تھا مگر آنحضرت ﷺ نے چونکہ ان سے ان عورتوں کا نام پوچھا اس لئے آنحضرت ﷺ کے حکم کی بناء پر ان کے لئے یہ ہی ضروری ہو گیا تھا کہ وہ ان کا نام بتا دیں چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔

یہ تو حدیث کی وضاحت تھی۔ اب اصل مسئلہ کی طرف آئیے۔ مسئلہ یہ ہے کہ آیا کوئی عورت اپنے خاوند یا کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنی زکوٰۃ کا مال دے سکتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اس بارے میں تو بالاتفاق تمام علماء کا یہ مسلک ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنی زکوٰۃ کا مال نہ دے، مگر اس کے برعکس صورت میں امام ابوحنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ کوئی عورت اپنے خاوند کو اپنی زکوٰۃ کا مال نہ دے کیونکہ (مرد کے) منافع اور مال میں عادۃ (اکثر) دونوں ہی شریک ہوتے ہیں (اس طرح کوئی عورت اپنے خاوند کو اپنی زکوٰۃ کا مال دے گی تو اس مال سے خود بھی فائدہ حاصل کرے گی جو جائز نہیں ہوگا) صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح مرد کا اپنی بیوی کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے اسی طرح بیوی بھی اپنی زکوٰۃ کا مال اپنے خاوند کو دے سکتی ہے آئمہؒ کے اس اختلاف کی بنا پر کہا جائے گا کہ حضرت امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس مذکور "صدقہ" سے صدقہ نفل مراد ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک اس سے صدقہ نفل بھی مراد ہو سکتا ہے اور صدقہ فرض یعنی زکوٰۃ کو بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

اپنے اقرباء کو صدقہ دینا بڑے ثواب کی بات ہے

⑦ وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ اَنَّهَا اَعْتَقَتْ وَلِيْدَةً فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذَالِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْاَعْطَيْتِهَا اَخْوَالَكِ كَانَ اَعْظَمَ لِاَجْرِكِ (متفق علیہ)

"اور ام المؤمنین حضرت میمونہؓ بنت حارث کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں ایک لونڈی آزاد کی اور سرکار دو عالم ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم وہ لونڈی اپنے ماموں کو دے دیتیں تو تمہیں بہت زیادہ ثواب ملتا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تمہارے ماموں کو چونکہ ایک خدمت گار کی ضرورت تھی اس لئے اگر تم وہ لونڈی انہیں دے دیتیں تو تمہیں صدقہ کا ثواب تو ملتا ہی اس کے ساتھ ہی صلہ رحمی کا ثواب بھی ملتا۔

ہمسایہ کا خیال رکھو

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ جَارَيْنِ فَاِلٰى اَيِّهِمَا اُهْدِيْ قَالَ اِلٰى اَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا۔ (رواہ البخاری)

"اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ (ﷺ)! میرے دو پڑوسی ہیں میں ان میں سے کسے تحفہ بھیجوں؟ (یعنی پہلے یا زیادہ کسے دوں؟) آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس پڑوسی کو جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔" (بخاریؒ)

تشریح: اگر کسی کے دو پڑوسی ہوں اس طرح کہ ان میں ایک پڑوسی کی دیوار اپنے سے زیادہ قریب ہو اور دوسرے پڑوسی کا دروازہ زیادہ قریب ہو تو قریبی دروازہ والے ہی کو مقدم رکھا جائے۔

لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ یہاں حدیث میں "حصر" مراد نہیں ہے، یعنی آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف اسی کو دیا جائے دوسرے کو نہ دیا جائے، بلکہ مراد یہ ہے کہ پہلے یا زیادہ اس پڑوسی کو بھیجا جائے جس کا دروازہ قریب ہو اور اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس پڑوسی کا دروازہ زیادہ قریب ہوتا ہے اور اس سے ملنا جلنا اور اس کے یہاں آنا جانا زیادہ رہتا ہے جس کی وجہ سے اس کے حالات کا بھی زیادہ علم رہتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ محبت و سلوک کا معاملہ کرنا اولیٰ ہے۔

⑨ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَاَكْثِرْ مَاءَ هَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوذر غفاریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈالو اور اپنے ہمسایہ کا خیال رکھو۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا منشاء یہ ہے کہ جب سالن پکاؤ تو اپنی لذت و خواہش ہی کو مقدم نہ رکھو بلکہ ہمسایہ اور پڑوسی کی ضرورت کا بھی خیال رکھو اور اس کی شکل یہ ہے کہ سالن میں پانی زیادہ ڈالو تاکہ شوربا زیادہ ہو اور تم اسے اپنے ہمسایہ میں ضرورت مند لوگوں کو بانٹ سکو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

کم مال رکھنے والے کا صدقہ افضل ہے

⑩ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابوہریرہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! کونسا صدقہ زیادہ ثواب کا باعث ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کم مال رکھنے والے کی زیادہ سعی و کوشش اور صدقہ کا مال پہلے اس شخص کو دو جس کی ضروریات زندگی تمہاری ذات سے وابستہ ہوں۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: کم مال رکھنے والے کی زیادہ سعی و کوشش کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کا صدقہ زیادہ افضل ہے جو اگرچہ بہت کم مال کا مالک ہے لیکن صدقہ دینے کے معاملے میں اپنی پوری سعی و کوشش اور مشقت کرتا ہے اور جو کچھ اس کے بس میں ہوتا ہے اسے خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔

اسی باب کی جو پہلی حدیث گزری ہے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو حالت غنا میں دیا جائے جب کہ یہ حدیث اس صدقہ کو افضل قرار دے رہی ہے جو مال کی کمی کی حالت میں دیا جائے، لہٰذا ان دونوں روایتوں کی تطبیق یہ ہوگی کہ صدقہ کی فضیلت کا تعلق اشخاص و حالات اور قوت توکل و ضعف یقین کے تفاوت سے ہے پہلی حدیث ان لوگوں کے بارے میں ہے جو توکل کے معیار پر پورے نہ اترتے ہوں اور یہ حدیث ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہیں کامل توقع و یقین کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں حدیث میں "مقل" یعنی کم مال والے سے "غنی القلب" یعنی وہ شخص مراد ہے جس کا دل غنی و بے پرواہ ہو اس صورت میں یہ حدیث پہلی حدیث کے الفاظ "خیر الصدقة ما کان عن ظهر غنی" کے موافق ہو جائے گی۔ اس طرح حاصل یہ نکلے گا کہ اس شخص کا تھوڑا سا صدقہ بھی کہ جو کم مال دار مگر غنی دل ہو مال دار کے صدقہ سے افضل ہے خواہ اس کا صدقہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔

اپنے اقرباء کو صدقہ دینا دوہرے ثواب کا باعث ہے

(۱۱) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ (رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت سلیمان بن عامرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ کسی مسکین کو صدقہ دینا ایک صدقہ ہے (یعنی اس کو دینے میں صرف صدقہ ہی کا ثواب ملتا ہے) مگر اپنے اقرباء میں سے کسی کو صدقہ دینا دوہرے ثواب کا باعث ہے، ایک ثواب تو صدقہ کا اور دوسرا ثواب صلہ رحمی (رشتہ داروں سے حسن سلوک) کا ہوتا ہے۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ و دارمیؒ)

خرچ کرنے کی ترتیب

(۱۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدِيْ دِيْنَارٌ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰى نَفْسِكَ قَالَ عِنْدِيْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰى وَلَدِكَ قَالَ عِنْدِيْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰى اَهْلِكَ قَالَ عِنْدِيْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰى خَادِمِكَ قَالَ عِنْدِيْ اٰخَرُ قَالَ اَنْتَ اَعْلَمُ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! میرے پاس ایک دینار ہے (جسے میں خرچ کرنا چاہتا ہوں سو اسے کہاں خرچ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ اس نے عرض کیا میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ ﷺ نے فرمایا۔ اسے اپنے اہل (یعنی بیوی، ماں، باپ اور دوسرے اقرباء) پر خرچ کرو اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ فرمایا کہ اسے اپنے خادم پر خرچ کرو پھر اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ فرمایا کہ اب تم اس بارے میں زیادہ جان سکتے ہو! (یعنی اب اس کے بعد کے مستحق کو تم ہی بہتر جان سکتے ہو جسے اس کا مستحق سمجھو اسے دے

دو۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

بہترین اور بدترین لوگوں میں چند

(۱۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ رَجُلٌ مُمْسِكٌ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِالَّذِيْ يَتْلُوْهُ رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِيْ غُنَيْمَةٍ لَهٗ يُؤَدِّيْ حَقَّ اللّٰهِ فِيْهَا اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ رَجُلٌ يُسْئَلُ بِاللّٰهِ وَلَا يُعْطِيْ بِهٖ (رواہ الترمذی والنسائی والدارمی)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں بتاؤں کہ بہتر آدمی کون ہے؟ وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑا ہے (یعنی میدان جنگ میں گھوڑے پر سوار ہو کر کافروں کے ساتھ جنگ کا منتظر ہے) کیا میں تمہیں بتاؤں کہ وہ کون شخص ہے جو مذکورہ بالا شخص (یعنی مجاہد) کے مرتبہ کے قریب ہے؟ وہ شخص ہے جس نے اپنی چند بکریوں کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کرلی ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے (یعنی وہ چند بکریاں لے کر لوگوں سے دور ہو کر جنگل میں جا بسا اور وہاں اپنی بکریوں پر گزر بسر کرتا ہے اور ان کی بروقت زکوٰۃ ادا کرتا رہتا ہے) کیا میں تمہیں بتاؤں کہ بدترین آدمی کون ہے؟ وہ شخص ہے جس سے خدا کی قسم کے ساتھ سوال کیا جاتا ہے (یعنی کوئی سائل اس سے اس طرح مانگتا ہے کہ تمہیں خدا کی قسم! مجھے عطا کرو) مگر وہ سائل کا سوال پورا نہیں کرتا۔" (ترمذیؒ، نسائیؒ، دارمیؒ)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بہترین اور اچھے لوگوں میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جو خدا کی راہ میں کافروں کے ساتھ جنگ کا منتظر ہوتا ہے یہ مفہوم اس لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ غازی یا مجاہد سب لوگوں سے افضل نہیں ہے۔

اسی طرح "بدترین" سے بھی یہ مراد ہے کہ بد اور برے لوگوں میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جس سے کوئی سائل خدا کی قسم دے کر سوال کرے مگر وہ اس کا سوال پورا نہ کرے۔

سائل کو خالی ہاتھ واپس نہ جانے دو

(۱۴) وَعَنْ اُمِّ بُجَيْدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوا السَّائِلَ وَلَوْ بِظِلْفٍ مُحْرَقٍ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ مَعْنَاهُ۔

"اور حضرت ام بجیدؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ سائل کو کچھ دے کر واپس کرو۔ اگرچہ وہ جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (مالکؒ ونسائیؒ) ترمذی اور ابوداؤدؒ نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔"

تشریح: بظلف محرق اپنے اصل معنی کے لئے استعمال نہیں کیا گیا ہے یعنی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سائل کو جلا ہوا کھر ہی دے دیا جائے کیونکہ یہ کوئی قابل انتفاع چیز نہیں ہے بلکہ یہ لفظ بطور مبالغہ استعمال فرمایا گیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی سائل تمہارے پاس آئے تو اسے خالی ہاتھ واپس نہ کرو۔ بلکہ تمہیں اس وقت جو بھی ادنیٰ سے ادنیٰ اور کمتر چیز میسر ہو وہ سائل کو دے دو۔

دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعَاذَ مِنْكُمْ بِاللّٰهِ فَاَعِيْذُوْهُ وَمَنْ سَاَلَ بِاللّٰهِ فَاَعْطُوْهُ وَمَنْ دَعَاكُمْ فَاَجِيْبُوْهُ وَمَنْ مَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَا تُكَافِئُوْهُ فَادْعُوْا لَهٗ حَتّٰى تَرَوْا اَنْ قَدْ كَافَأْتُمُوْهُ۔ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص تم سے بواسطہ خدا پناہ مانگے اسے پناہ دو۔ جو شخص تم سے خدا کے نام پر کچھ مانگے اس کا سوال پورا کرو۔ جو شخص تمہیں (کھانے) کے لئے بلائے (یعنی تمہاری دعوت کرے) تو اس کی دعوت قبول کرو (بشرطیکہ کوئی حسی یا شرعی مانع نہ ہو) جو شخص تمہارے ساتھ (قولی یا فعلی) احسان کرے تو تم بھی اس کا بدلہ دو (یعنی تم بھی اس کے ساتھ ویسا ہی احسان کرو) اور اگر تم مال و زر نہ پاؤ کہ اس کا بدلہ چکا سکو تو اپنے محسن کے لئے دعا کرو جب تک کہ تم یہ جان لو کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔"

(احمدؒ، ابوداؤدؒ والنسائیؒ)

تشریح: "جو شخص تم سے بواسطہ خدا پناہ مانگے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خود تمہاری ذات کی وجہ سے یا کسی دوسرے کی طرف سے کسی حادثے و شر میں مبتلا ہو اور وہ اس وقت خدا کا واسطہ دے کر تم سے پناہ مانگے یعنی اس وقت یوں کہے کہ میں خدا کا واسطہ دے کر تم سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اس مصیبت سے نجات دلاؤ تو تمہیں چاہئے کہ تم اس کی درخواست قبول کرو۔ اور خدا تعالیٰ کے نام کی تعظیم کے پیش نظر اس کو اس آفت و مصیبت سے بچاؤ۔ مَنِ اسْتَعَاذَ مِنْكُمْ بِاللّٰهِ میں باللہ کے حرف با کے بارے میں یہ بھی احتمال ہے کہ لفظ استعاذ کا صلہ واقع ہو رہا ہو اس صورت میں اس جملے کے یہ معنی ہوں گے کہ "جو شخص کسی آفت و مصیبت کے وقت خدا سے پناہ مانگ رہا ہو تم اس سے تعرض نہ کرو بلکہ اسے پناہ دو اور اس کو آفت و مصیبت سے نجات دلانے کی کوشش کرو"۔

حدیث کے آخری الفاظ حتی ترد الخ (جب تک تم یہ نہ جان لو) کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کے لئے اس وقت تک مکرر سہ کرر دعا کرتے رہو جب تک کہ تمہیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ تم نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ارشاد گرامی منقول ہے کہ "جس شخص کے ساتھ احسان کیا گیا اور اس نے احسان کرنے والے سے کہا جزاک اللہ خیرا تو اس نے (اپنے محسن کی) تعریف (اور اس کے احسان کے بدلے میں) مبالغہ کیا۔

لہٰذا یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس شخص نے اپنے کسی محسن کے لئے ایک مرتبہ جزاک اللہ خیرا کہا تو اس نے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیا بلکہ حق سے بھی زیادہ بدلہ دیا، کیونکہ یہ جملہ کہہ کر گویا اس نے اپنے نفس کو بدلہ چکانے میں عاجز جانا اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا کہ سب سے بہتر اجر اور بدلہ وہی دے سکتا ہے، لہٰذا یہ جملہ ایک بار کہنا مکرر سہ کرر دعا کرنے کے برابر ہے۔

حضرت عائشہؓ کا معمول: حضرت عائشہؓ کا معمول تھا کہ جب کوئی سائل ان کے لئے دعا کرتا تو وہ بھی پہلے اسی طرح اس کے لئے دعا کرتیں پھر اسے صدقہ دیتیں، لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ "اگر میں اس کے لئے دعا نہ کروں تو اس کا حق اور میرا حق برابر ہو جائے گا کیونکہ جب اس نے میرے لئے دعا کی اور میں نے اسے صرف صدقہ دے دیا (تو اس طرح دونوں کے حسنات برابر ہو گئے) لہٰذا میں بھی اس کے لئے دعا کر دیتی ہوں تاکہ میری دعا تو اس کی دعا کا بدلہ ہو جائے اور جو صدقہ میں نے دیا ہے وہ خالص رہے (اس طرح دونوں کا حق برابر نہیں رہتا بلکہ میری نیکیاں بڑھ جاتی ہیں)۔

خدا کے نام پر سوال نہ کرو

(۱۶) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُسْئَالُ بِوَجْهِ اللّٰهِ اِلَّا الْجَنَّةُ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ خدا کی ذات کے واسطے سے جنت کے علاوہ اور کوئی چیز نہ مانگو۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ خدا کی ذات کے واسطے سے لوگوں سے کوئی چیز نہ مانگو یعنی کسی کے سامنے ان الفاظ کے ساتھ دست سوال دراز نہ کرو کہ "ذات خداوندی کے واسطے سے یا بالواسطہ خدا مجھے فلاں چیز دو" کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام بہت بڑا ہے اور اس کی ذات و اس کے اسم کی یہ شان نہیں ہے۔ کہ اس کو واسطہ بنا کر دنیا کی حقیر چیزیں مانگی جائیں ہاں اس کے واسطہ سے جنت مانگو یعنی یوں کہو کہ "اے اللہ! ہم تیری ذات کریم کے واسطہ سے تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں جنت میں داخل کیجئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

ابو طلحہؓ کا جذبۂ سخاوت

(۱۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَكْثَرَ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالاً مِنْ نَخْلٍ وَكَانَ اَحَبُّ اَمْوَالِهِ اِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَّاءٍ فِيْهَا طَيِّبٌ قَالَ اَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ- قَامَ اَبُوْ طَلْحَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَاِنَّ اَحَبَّ مَالِيْ اِلَيَّ بَيْرُحَاءَ وَاِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى اَرْجُوْبِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَضَعْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَيْثُ اَرَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَخٍ بَخٍ ذَالِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَاقُلْتَ وَاِنِّيْ اَرٰى اَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْاَقْرَبِيْنَ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَفْعَلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَسَمَهَا اَبُوْ طَلْحَةَ فِيْ اَقَارِبِهِ وَبَنِيْ عَمِّهِ (متفق علیہ)

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہؓ مدینہ کے انصار میں کھجوروں کے اعتبار سے بہت زیادہ مال دار تھے، اپنے مال میں انہیں سب سے زیادہ پسند اپنا باغ بیرحاء (نامی) تھا جو مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا، رسول کریم ﷺ بھی اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں کا پانی پیتے تھے جو بہت اچھا (یعنی شیریں یا یہ کہ بلا کسی شک وشبہ کے حلال وپاک تھا) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی" "نیکی (یعنی جنت) کو اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ تم وہ چیز (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جو تمہارے نزدیک پسندیدہ ہے۔ تو حضرت ابوطلحہؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) چونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی یعنی جنت تک نہیں پہنچ سکتے تاوقتیکہ اپنی اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تمہارے نزدیک پسندیدہ ہے لہٰذا بیرحاء جو تمام مال میں مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ ہے میں اسے اللہ واسطے صدقہ کرتا ہوں اور (اس آیت کریمہ کے پیش نظر) اس سے نیکی کی امید رکھتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ خدا کے نزدیک میرے لئے ذخیرہ آخرت ہوگا۔ پس یارسول اللہ (ﷺ) اسے قبول فرمایئے (اور) جہاں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بتائے (یعنی جس جگہ آپ ﷺ مناسب سمجھیں اسے خرچ فرمایئے) رسول کریم ﷺ نے فرمایا "شاباش، شاباش!" یہ باغ نفع پہنچانے والا مال ہے، جو کچھ تم نے کہا ہے میں نے سن لیا ہے، میرے نزدیک مناسب ہے کہ تم اس باغ کو اپنے (محتاج) اقرباء میں تقسیم کردو (تاکہ صدقہ کے ثواب کے ساتھ صلہ رحمی کا ثواب بھی مل جائے) ابوطلحہؓ نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ (ﷺ)! آپ کے ارشاد کے مطابق ہی عمل کروں گا، چنانچہ ابوطلحہؓ نے اس باغ کو اپنے اقرباء اور چچا کے بیٹوں میں تقسیم کردیا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: جہاں یہ احتمال ہے کہ "بنی عمہ" (چچا کے بیٹے) "اقاربہ" کا بیان ہو وہیں یہ احتمال بھی ہے کہ اقارب سے چچا کے بیٹوں کے علاوہ دوسرے اقرباء مراد ہوں۔

ہر جاندار کا پیٹ بھرنا بہترین صدقہ ہے

(۱۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اَنْ تُشْبِعَ كَبِدًا جَائِعًا- رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ-

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ایک بہترین صدقہ یہ بھی ہے کہ کسی جاندار کا جو بھوکا ہو پیٹ بھرا جائے۔" (بیہقیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کوئی جاندار، خواہ مسلمان ہو، یا کافر اور خواہ جانور ہو اگر بھوکا ہے تو اس کو کھانا کھلانا ایک بہترین صدقہ ہے، ہاں

اس حکم سے وہ موذی جانور مستثنیٰ ہیں جن کو مار ڈالنے ہی کا حکم دیا گیا ہے یعنی سانپ وغیرہ کو کھلانا پلانا اچھا اور مناسب نہیں ہے۔

باب صدقة المرأة من مال الزوج

بیوی اپنے شوہر کے مال میں سے جو چیز خرچ کر سکتی ہے اس کا بیان

مشکوٰۃ کے مؤلف علیہ الرحمہ بعض مقامات پر کوئی عنوان متعین نہیں کرتے بلکہ صرف باب لکھ کر اگلا باب شروع کر دیتے ہیں اور اس کے تحت وہ احادیث نقل کر دیتے ہیں جو پچھلے ابواب کی متمات اور ملحقات ہوتی ہیں، چنانچہ یہاں بھی موصوف نے صرف باب لکھ کر باب شروع کیا ہے کوئی متعین عنوان نہیں لکھا ہے۔

مگر مشکوٰۃ کے بعض دوسرے نسخوں میں اس موقع پر یہ عنوان لکھا ہوا ہے بَابُ مَا يُنْفِقُهُ الْمَرْأَةُ مِنْ مَالِ بَعْلِهَا یعنی بیوی اپنے شوہر کے مال میں سے جو چیز خرچ کر سکتی ہے اس کا بیان۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

بیوی اپنے شوہر کے مال میں سے خرچ کر سکتی ہے

(۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا أَجْرُهُ بِمَا كَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذَالِكَ لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا (متفق علیہ)

"ام المؤمنین حضرت عائشہؓ راویہ ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کوئی عورت اپنے گھر کھانے میں سے صدقہ دیتی ہے بشرطیکہ وہ اسراف نہیں کرتی تو اسے اس کے خرچ کرنے سے ثواب ملتا ہے اور اس کے شوہر کو مال کمانے کی وجہ سے ثواب ملتا ہے اور داروغہ (مطبخ کے نگران) کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے (جیسا کہ مالک کو ثواب ملتا ہے) اور ان میں سے کسی کے ثواب میں دوسرے کے ثواب کی وجہ سے کمی نہیں ہوتی (یعنی ہر ایک کو پورا پورا ثواب ملتا ہے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ شوہر نے بیوی کو اپنے مال سے صدقہ و خیرات کرنے کی اجازت دے رکھی ہو خواہ اس نے صراحۃً اجازت دی ہو یا دلالۃً۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اہل حجاز کا یہ معمول تھا کہ انہوں نے اپنی مہمان نوازی اور سخاوت کے پیش نظر اپنی بیویوں اور اپنے خدمت گاروں (مثلاً داروغہ مطبخ وغیرہ) کو یہ اجازت دے رکھی تھی کہ وہ مہمانوں کی بھرپور ضیافت کریں اور فقراء و مساکین نیز پڑوس کے لوگوں کو کھانا وغیرہ کھلا دیا کریں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد گرامی کے ذریعے اپنی امت کو ترغیب دلائی کہ یہ نیک اور اچھی عادت اختیار کریں۔

(۲) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ أَمْرِهِ فَلَهَا نِصْفُ أَجْرِهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جب کوئی عورت اپنے شوہر کی کمائی (کے مال) میں سے اس کی اجازت کے بغیر صدقہ و خیرات دیتی ہے تو اسے آدھا ثواب ملتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "اس کی اجازت کے بغیر" کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز وہ صدقہ میں دے رہی ہے خاص طور پر اس کی اجازت شوہر نے نہیں دی ہوئی ہے لیکن وہ شوہر کی صراحۃً یا دلالۃً اجمالی رضا جانتی ہو اور وہ چیز تھوڑی اور کمتر ہو کہ اس کو دینے کو کوئی منع نہیں کرتا۔ جیسے ہمارے

یہاں عام طور پر عورتیں دروازوں پر مانگنے والوں کو آنے کی چٹکی روٹی کا ٹکڑا یا ایک آدھ پیسہ دے دیتی ہیں۔

آقا کے حکم سے صدقہ دینے والے خدمت گار کا ثواب

③ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْخَازِنُ الْمُسْلِمُ الْاَمِیْنُ الَّذِیْ یُعْطِیْ مَا اُمِرَ بِہٖ کَامِلًا مُوَفَّرًا طَیِّبَۃً بِہٖ نَفْسُہٗ فَیَدْفَعُہٗ اِلَی الَّذِیْ اُمِرَ لَہٗ بِہٖ اَحَدُ الْمُتَصَدِّقَیْنِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوموسی اشعریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو دیانت دار مسلمان داروغہ (یعنی ملازم جیسے خزانچی وغیرہ) وہ چیز کہ جسے دینے کا مالک نے حکم کیا ہو بغیر کسی نقصان کے خوشدلی کے ساتھ اس شخص کو دے کہ جس کے لئے مالک نے حکم دیا ہے تو وہ صدقہ کرنے والے دو اشخاص میں سے ایک ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اپنے آقا و مالک کے مال میں سے صدقہ و خیرات دینے والے ملازم کے لئے اس حدیث میں چار شرطیں مذکور ہوئی ہیں۔ ① صدقہ و خیرات کے لئے مالک کا حکم ہونا ② مالک نے جتنا مال صدقہ میں دینے کا حکم دیا ہو وہ بغیر کسی کمی کے پورا دینا ③ خوشدلی کے ساتھ دینا اس شرط کا اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ مالک جو مال صدقہ میں دینے کا حکم دیتا ہے بعض ملازم اسے خوش دلی کے ساتھ نہیں دیتے ④ مالک نے جس شخص کو مال دینے کا حکم دیا ہے اسی کو دینا اس کے علاوہ کسی دوسرے فقیر و مسکین کو نہ دینا۔

لفظ "متصدقین" (صدقہ دینے والے دو اشخاص) تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے یعنی ایک تو مالک کہ جس کا مال صدقہ میں دیا گیا اور دوسرا ملازم جس کے ذریعے صدقہ دیا گیا اس طرح ملازم ان دونوں میں ایک ہوا۔

مشکوۃ کے ایک اور صحیح نسخہ میں متصدقین جمع کے صیغے کے ساتھ یعنی مُتَصَدِّقِیْنَ منقول ہے اس طرح اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ملازم بھی صدقہ دینے والوں میں سے ایک ہے۔

بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ جو ملازم مسلمان اور امانت دار ہو کہ اس کا مالک صدقہ میں جو کچھ دینے کا حکم کرتا ہو وہ پورا پورا اور خوش دلی کے ساتھ دیتا ہو، نیز صدقہ کا مال اسی شخص کو دیتا ہو جس کو دینے کے لئے مالک نے حکم دیا ہو تو اس ملازم کو بھی اس کے مالک کے ثواب کی مانند ثواب ملتا ہے۔

میت کے لئے صدقہ کا ایصال ثواب

④ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّیَ افْتُلِتَتْ نَفْسُھَا وَاَظُنُّھَا لَوْ تَکَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَھَلْ لَھَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْھَا قَالَ نَعَمْ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا اور میرا خیال ہے کہ اگر (وہ مرنے سے پہلے) کچھ کہنے پاتیں تو صدقہ دینے کی (ضرور) وصیت کرتیں لہٰذا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دوں تو انہیں اس صدقہ کا ثواب مل جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں"۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی مرحوم عزیز کی طرف سے بطور صدقہ کچھ مال وغیرہ دے تو اس میت کو ثواب ملتا ہے، اسی طرح میت کے لئے دعاء استغفار وغیرہ بھی کار آمد ہے چنانچہ اہل سنت والجماعت کے متفقہ طور پر یہی مسلک ہے، ہاں بدنی عبادت نماز و روزہ اور تلاوت قرآنی وغیرہ کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں لیکن اس بارے میں بھی قابل اعتماد اور زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ میت کو عبادت بدنی کا بھی ثواب پہنچتا ہے۔

چنانچہ امام عبداللہ یافعیؒ نے لکھا ہے کہ ایک عالی بزرگ شیخ عبدالسلامؒ کو ان کے انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو شیخ

مرحوم نے فرمایا کہ ہم تو دنیا میں کہا کرتے تھے کہ تلاوت قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا مگر اس عالم میں آکر ہم نے معاملہ برعکس دیکھا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر کچھ خرچ نہ کرے

⑤ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ خُطْبَتِهٖ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ لَاتُنْفِقُ امْرَاَةٌ شَیْئًا مِنْ بَیْتِ زَوْجِهَا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا الطَّعَامَ قَالَ ذَالِكَ اَفْضَلُ اَمْوَالِنَا (رواہ الترمذی)

"حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبہ میں فرماتے تھے کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر میں سے کچھ خرچ نہ کرے۔ (خواہ صراحۃً اجازت ہو یا دلالۃً) عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! کیا کھانے میں سے بھی خرچ نہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کھانا ہمارے اموال میں نفیس ترین چیز ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: آپ ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جب شوہر کی اجازت کے بغیر ان چیزوں کو خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ جو کھانے سے کم تر درجہ کی ہیں تو کھانا خرچ کرنا کیسے درست ہوگا، جب کہ یہ افضل ترین چیز ہے۔

بظاہر اس حدیث میں اور اس بارے میں ذکر کی گئی گذشتہ احادیث میں تعارض نظر آتا ہے لیکن ان احادیث کی تشریحات اگر سامنے ہوں تو پھر کوئی تعارض نظر نہیں آئے گا کیونکہ ان تشریحات کے ذریعے احادیث میں تطبیق بیان کر دی گئی ہے۔

⑥ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ لَمَّا بَایَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ النِّسَاءَ قَامَتِ امْرَاَةٌ جَلِیْلَةٌ کَاَنَّهَا مِنْ نِسَاءِ مُضَرَ فَقَالَتْ یَانَبِیَّ اللّٰهِ اِنَّا کَلٌّ عَلٰی اٰبَائِنَا وَاَبْنَائِنَا وَاَزْوَاجِنَا فَمَا یَحِلُّ لَنَا مِنْ اَمْوَالِهِمْ قَالَ الرَّطْبُ تَاْکُلْنَهٗ وَتُهْدِیْنَهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی (یعنی ان سے احکام شریعت پر عمل کرنے کا عہد لیا) تو ان میں سے ایک بڑے قد کی یا بڑے مرتبہ کی عورت کھڑی ہوئی جو غالباً قبیلہ مضر سے معلوم ہوتی تھی اور اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! ہمارا بار اپنے والدین، اپنی اولاد اور اپنے شوہروں پر ہے، کیا ان کا مال ہمارے لئے (ان کی اجازت کے بغیر) حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جو تازہ مال ہو اسے کھاؤ اور بطور تحفہ کے بھیجو۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "تازہ مال" سے وہ چیزیں مراد ہیں جو دیرپا نہ ہوں بلکہ جلدی خراب ہو جاتی ہوں جیسے سالن ترکاری اور دودھ وغیرہ۔ لہٰذا ان چیزوں کے استعمال میں اجازت کی ضرورت نہیں کیونکہ عام طور سے لوگ ان کو خرچ کرنے سے منع نہیں کرتے گویا اس طرح ان چیزوں کے خرچ کرنے کے لئے دلالۃً اجازت حاصل ہوتی ہے بخلاف ان چیزوں کے جو خشک اور خراب نہ ہونے والی ہوں کہ ان کے خرچ کرنے کے لئے اجازت و رضاء کا حاصل ہونا ضروری ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

مالک کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا مناسب نہیں ہے

⑦ عَنْ عُمَیْرٍ مَوْلٰی اَبِی اللَّحْمِ قَالَ اَمَرَنِیْ مَوْلَایَ اَنْ اُقَدِّدَ لَحْمًا فَجَاءَ نِیْ مِسْکِیْنٌ فَاَطْعَمْتُهٗ مِنْهُ فَعَلِمَ بِذَالِكَ مَوْلَایَ فَضَرَبَنِیْ فَاَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرْتُ ذَالِكَ لَهٗ فَدَعَاهُ فَقَالَ لِمَ ضَرَبْتَهٗ قَالَ یُعْطِیْ طَعَامِیْ

بِغَیْرِ اَنْ اٰمُرَہٗ فَقَالَ الْاَجْرُ بَیْنَکُمَا وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ کُنْتُ مَمْلُوْکًا فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَصَدَّقُ مِنْ مَالِ مَوَالِیَّ بِشَیْءٍ قَالَ نَعَمْ وَالْاَجْرُ بَیْنَکُمَا نِصْفَانِ (رواہ مسلم)

"حضرت ابواللحمؓ کے آزاد کردہ غلام عمیرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے آقا (ابواللحمؓ) کے حکم کے مطابق گوشت (کو کھانے کے لئے اس) کے پارچے بنا رہا تھا کہ میرے پاس ایک مسکین وفقیر آیا میں نے اسے اس میں سے کھانے کے لئے دے دیا۔ جب میرے آقا کو اس کا علم ہوا تو اس نے مجھے مارا میں رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے پورا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے میرے آقا کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تم نے اسے کیوں مارا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ میرے کھانے میں سے بغیر میری اجازت کے دے دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ (اگر تم صدقہ کرنے کا حکم دے دیتے یا اس کے صدقہ کرنے سے تم راضی وخوش ہوتے تو) تم دونوں ثواب کے حق دار ہوتے۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عمیرؓ نے کہا کہ میں ایک شخص کا غلام تھا چنانچہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں اپنے مالک کے مال میں کچھ (یعنی کوئی قلیل وکمتر درجہ کی چیز جس کے خرچ کرنے کی عام طور پر اجازت ہوتی ہے) بطور صدقہ خرچ کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اور اس کا ثواب تم دونوں کو آدھا آدھا ملے گا۔" (مسلمؒ)

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عمیرؓ کی شکایت پر ان کے آقا ابواللحمؓ سے جو کچھ کہا یا عمیرؓ کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ مالک کے مال میں غلام وملازم کو مطلقاً تصرف کا حق حاصل ہے بلکہ آپ ﷺ نے تو صرف اس بات پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا کہ غلام وملازم کو کسی ایسی بات پر مارا جائے جسے مالک تو غلطی یا اپنا نقصان تصور کرتا ہے مگر حقیقت میں وہ مالک کے حق میں غلطی یا نقصان نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اس میں بہتری و بھلائی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ابواللحمؓ کو ترغیب دلائی کہ ان کے غلام نے ان کے حق میں چونکہ بہتر اور نیک کام ہی کیا ہے۔ اس لئے اس سے درگزر کریں اور اس ثواب کو غنیمت جانیں جو ان کا مال خرچ ہونے کی وجہ سے انہیں ملا ہے۔ گویا یہ ابواللحمؓ کے لئے آپ ﷺ کی رہنمائی اور تعلیم تھی نہ کہ عمیرؓ کے فعل کی تقریر یعنی عمیرؓ کے فعل کو آپ ﷺ نے جائز قرار نہیں دیا۔

بَابُ مَنْ لَا یَعُوْدُ فِی الصَّدَقَۃِ

جو شخص صدقہ دے کر (حقیقۃً یا صورۃً) واپس نہ لے اس کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

صدقہ دے کر اسے واپس لینے یا خریدنے کی ممانعت

① عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ حَمَلْتُ عَلٰی فَرَسٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاَضَاعَہُ الَّذِیْ کَانَ عِنْدَہٗ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِیَہٗ وَظَنَنْتُ اَنَّہٗ یَبِیْعُہٗ بِرُخْصٍ فَسَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَشْتَرِہٖ وَلَا تَعُدْ فِیْ صَدَقَتِکَ وَاِنْ اَعْطَاکَہٗ بِدِرْھَمٍ فَاِنَّ الْعَائِدَ فِیْ صَدَقَتِہٖ کَالْکَلْبِ یَعُوْدُ فِیْ قَیْئِہٖ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَا تَعُدْ فِیْ صَدَقَتِکَ فَاِنَّ الْعَائِدَ فِیْ صَدَقَتِہٖ کَالْعَائِدِ فِیْ قَیْئِہٖ (متفق علیہ)

"امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے کہا ایک مرتبہ میں نے ایک شخص کو خدا کی راہ میں سواری کے لئے گھوڑا دیا (یعنی ایک مجاہد کے پاس گھوڑا نہیں تھا اس لئے میں نے اسے گھوڑا دے دیا) اس شخص نے اس گھوڑے کو جو اس کے پاس تھا ضائع کر دیا (یعنی اس نے گھوڑے کی دیکھ بھال نہیں کی جس کی وجہ سے گھوڑا دبلا ہو گیا) میں نے سوچا کہ میں وہ گھوڑا اس سے خرید لوں

اور خیال تھا کہ وہ اس گھوڑے کو سستے داموں بیچ دے گا، مگر (خریدنے سے پہلے) میں نے اس بارے میں رسول کریم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسے نہ خریدو اور نہ اپنا دیا ہوا صدقہ واپس لو اگرچہ وہ تمہیں ایک درہم ہی میں کیوں نہ دے (گویا یہ حقیقۃً نہیں بلکہ صورۃً اپنا صدقہ واپس لینا ہے) کیونکہ اپنا دیا ہوا صدقہ واپس لینے والا شخص کتے کی مانند ہے جو اپنی قے چاٹتا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اپنا دیا ہوا صدقہ واپس نہ لو (خواہ واپس لینا صورۃً ہی کیوں نہ ہو) کیونکہ اپنا دیا ہوا صدقہ واپس لینے والا اس شخص کی مانند ہے جو قے کرے اور اسے چاٹ لے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت عمرؓ کے ذہن میں گھوڑے کا سستے داموں حاصل ہو جانے کا خیال اس لئے پیدا ہوا کہ گھوڑا چونکہ دبلا ہو گیا تھا اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس کی اصلی قیمت نہیں لگتی یا پھر انہوں نے ایسا خیال اس لئے قائم کیا کہ میں نے چونکہ اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اس وقت میرے ساتھ رعایت و مروت کا معاملہ کرے۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کے ظاہری الفاظ و مفہوم کے پیش نظر بعض حضرات کا مسلک یہ ہے کہ اپنا دیا ہوا صدقہ خریدنا حرام ہے لیکن اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس طرح صرف "قبح لغیرہ" لازم آتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس شخص کو صدقہ کا مال دیا جاتا ہے وہ اس مال کو جب صدقہ دینے والے ہی کے ہاتھوں بیچتا ہے تو اس بناء پر کہ اس نے اس کو صدقہ دے کر اس کے ساتھ احسان کیا ہے وہ اسے سستے داموں ہی بیچ دیتا ہے لہٰذا صدقہ دینے والا اس صورت میں بقدر رعایت مال جو اس صدقہ ہی کا حصہ تھا، واپس لینے والوں میں شمار ہوتا ہے۔

بہر حال صحیح اور قابل اعتماد قول یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد لاتشتریہ (اسے نہ خریدو) نہی تنزیہی کے طور پر ہے۔

صدقہ میں دیا ہوا مال واپس ہو جانے کی ایک صورت

(۴) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّي تَصَدَّقْتُ عَلَى أُمِّيْ بِجَارِيَةٍ وَإِنَّهَا مَاتَتْ قَالَ وَجَبَ أَجْرُكِ وَرَدَّهَا عَلَيْكِ الْمِيْرَاثُ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهُ كَانَ عَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ أَفَأَصُوْمُ عَنْهَا قَالَ صُوْمِيْ عَنْهَا قَالَتْ إِنَّهَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّيْ عَنْهَا (رواہ مسلم)

"اور حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ ایک دن میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک عورت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! میں نے ایک لونڈی اپنی ماں کو بطور صدقہ دی تھی اب میری ماں مر گئی ہے (کیا میں اسے واپس لے لوں اور اس طرح وہ لونڈی دوبارہ میری ملکیت میں آجائے گی یا نہیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا (صدقہ دینے کی وجہ سے) تمہارا ثواب تو ثابت ہو گیا (یعنی اس کا ثواب تمہیں یقیناً مل گیا) اور اب میراث نے اس لونڈی کو تمہیں واپس کر دیا۔ اس عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! میری ماں کے ذمہ مہینہ بھر کے روزے تھے تو میں اس کی طرف سے (حقیقۃً یا حکماً) روزے رکھ سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کی طرف سے روزے رکھ لو۔ پھر اس عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس کی طرف سے حج کر لو۔" (مسلمؒ)

تشریح: وَرَدَّهَا عَلَيْكِ الْمِيْرَاثُ (میراث نے اس لونڈی کو تمہیں واپس کر دیا) میں "میراث" کی طرف "واپس کرنے" کی نسبت مجازی ہے چنانچہ اس جملے کے حقیقی معنی یہ ہوں گے کہ "اللہ تعالیٰ نے اس لونڈی کو میراث کے ذریعے تمہیں واپس کر دیا اور وہ لونڈی بسبب ارث کے تمہاری ملکیت ہو گئی گویا وہ تمہارے پاس حلال ذریعے اور حلال طریقے سے آئی"۔

اس مفہوم کا حاصل یہ ہے کہ صدقہ میں دیا ہوا مال واپس لینے کی جو ممانعت کی گئی ہے صورت مذکورہ کا تعلق اس ممانعت سے نہیں ہے، کیونکہ یہ امر اختیاری نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ صورت ہے کہ صدقہ میں دیا ہوا مال بطور میراث ملکیت میں آیا ہے جو ظاہر ہے کہ بالکل

جائز ہے۔

سائلہ کو روزے رکھنے کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی اجازت کا مطلب یہ تھا کہ حقیقۃً روزہ نہ رکھو بلکہ حکماً رکھو اور فدیہ کی ادائیگی ہے۔ چنانچہ جمہور علماء کا مسلک یہی ہے کہ اگر کسی شخص کا انتقال اس حالت میں ہو جائے۔ کہ اس کے ذمہ فرض روزے ہوں تو یہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مرنے والے کی طرف سے روزے رکھے بلکہ اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اس کے ورثاء اس کی طرف سے فدیہ ادا کر دیں۔

اس مسئلے کو تفصیل کے ساتھ مع اختلاف مذاہب ان شاء اللہ "روزہ کی قضاء کے بیان" کے ضمن میں بیان کیا جائے گا تاہم اس موقع پر اصولی طور پر یہ جان لیجئے کہ "عبادت" کی کئی قسمیں ہیں، اول "عبادت مالی" جس کا تعلق صرف مال کی ادائیگی سے ہو جیسے زکوٰۃ۔ دوم "عبادت بدنی" کہ جس کا تعلق صرف نفس و بدن کی مشقت و محنت سے ہو جیسے نماز اور سوم "مرکب" یعنی وہ عبادت جس کا تعلق مال اور نفس و بدن دونوں سے ہو جیسے "حج"۔

لہٰذا "عبادت مالی" میں تو نیابت جائز ہے خواہ حالت اختیار ہو یا حالت اضطرار و ضرورت، کیونکہ اس کا مقصود فقیر و مفلس کی حاجت روائی ہے سو وہ نائب کے ادا کرنے سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔ "عبادت بدنی" میں نیابت کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے کیونکہ عبادت بدنی کا مقصود اپنے نفس کو محنت و مشقت میں مبتلا کرنا ہوتا ہے جو نائب کے کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ "مرکب" میں نیابت کسی مجبوری و ضرورت کے وقت تو جائز ہے لیکن حالت قدرت و اختیار میں جائز نہیں ہے البتہ "نفلی حج" کی صورت میں حالت قدرت و اختیار میں بھی نیابت جائز ہے کیونکہ نفل کا دائرہ وسیع تر ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ نعم حجي عنها (ہاں اس کی طرف سے حج کرو) کا مفہوم دونوں صورتوں سے تعلق ہے کہ خواہ اس پر حج واجب تھا یا نہیں، اسی طرح اس نے حج کی وصیت کی تھی یا نہیں؟ چنانچہ وارث کے لئے یہ جائز اور درست ہے کہ وہ مورث کی طرف سے چاہے تو کسی دوسرے کو حج کرا دے اور چاہے خود ہی حج کرے، خود حج کرنے کی صورت میں مورث کی اجازت شرط نہیں ہے جب کہ اگر کسی دوسرے سے حج کرائے تو اس کے لئے مورث کی اجازت شرط ہوگی۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد سے "کتاب الزکوٰۃ" پوری ہوئی اب "کتاب الصوم" شروع ہوتی ہے رب العزت اس کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الصوم

روزے کا بیان

صوم کے معنی: لغت میں "صوم اور صیام" کے معنی ہیں "امساک" یعنی مطلقاً رکنا! اصطلاح شریعت میں ان الفاظ کا مفہوم ہے "فجر سے غروب آفتاب تک روزہ کی نیت کے ساتھ کھانے پینے، جماع کرنے اور بدن کے اس حصے میں کہ وہ "اندر" کے حکم میں ہو کسی چیز کے داخل کرنے سے رکے رہنا نیز روزہ دار کا مسلمان اور حیض و نفاس سے پاک ہونا اس کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے۔

روزہ کب فرض ہوا؟: ماہ رمضان کے روزے ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد شعبان کے مہینے میں تحویل قبلہ کے دس روز بعد فرض کئے گئے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے قبل کوئی روزہ فرض نہیں تھا جب کہ بعض حضرات کا قول ہے کہ اس سے قبل بھی کچھ ایام کے روزے فرض تھے جو اس ماہ رمضان کے روزے کی فرضیت کے بعد منسوخ ہوگئے۔ چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک تو عاشورا محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ فرض تھا اور بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ ایام بیض (قمری مہینے کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں راتوں کے دن) کے روزے فرض تھے۔ رمضان کے روزے کی فرضیت کے ابتدائی دنوں میں بعض احکام بہت سخت تھے مثلاً غروب آفتاب کے بعد سونے سے پہلے کھانے، پینے کی اجازت تھی مگر سونے کے بعد کچھ بھی کھانے پینے کی اجازت نہیں تھی۔ چاہے کوئی شخص بغیر کھائے پئے ہی کیوں نہ سو گیا ہو، اسی طرح جماع کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت میں جائز نہ تھا۔ مگر جب یہ احکام مسلمانوں پر بہت شاق گزرے اور ان احکام کی وجہ سے کئی واقعات بھی پیش آئے تو یہ احکام منسوخ کر دیئے گئے اور کوئی سختی باقی نہ رہی۔

روزے کی اہمیت و فضیلت: اسلام کے جو پانچ بنیادی ارکان ہیں ان میں روزے کا تیسرا درجہ ہے گویا روزہ اسلام کا تیسرا رکن ہے اس اہم رکن کی جو تاکید اور بیش از بیش اہمیت ہے اسے ماہرین شریعت ہی بخوبی جان سکتے ہیں، روزہ کا انکار کرنے والا کافر اور اس کا تارک فاسق اور اشد گنہگار ہوتا ہے، چنانچہ در مختار کے "باب مایفسد الصوم" میں یہ مسئلہ اور حکم نقل کیا گیا ہے کہ:

وَلَوْ اَكَلَ عَمَدًا اَشْهُرَةً بِلَا عُذْرٍ يُقْتَلُ

"جو شخص رمضان میں بلا عذر علی الاعلان کھاتا پیتا نظر آئے اسے قتل کر دیا جائے۔"

روزہ کی فضیلت کے بارے میں صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ بعض علماء نے اس اہم ترین اور باعظمت رکن کے بے انتہا فضائل دیکھ کر اس کو نماز جیسی عظیم الشان عبادت پر ترجیح اور فضیلت دی ہے اگرچہ یہ بعض ہی علماء کا قول ہے جب کہ اکثر علماء کا مسلک یہی ہے کہ نماز تمام اعمال سے افضل ہے اور اسے روزہ پر بھی ترجیح و فضیلت حاصل ہے۔ مگر بتانا تو صرف یہ ہے کہ جب اس بات میں علماء کے ہاں اختلاف ہے کہ نماز افضل ہے یا روزہ؟ تو اب ظاہر ہے کہ نماز کے علاوہ اور کوئی بھی دوسرا عمل اور دوسرا رکن روزے کی ہمسری نہیں

کرسکتا۔

روزہ کے فوائد: کسی بھی عبادت اور کسی بھی عمل کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کی خوشنودی حاصل ہو جائے اور پروردگار کی رحمت کاملہ اس عمل اور عبادت کرنے والے کو دین اور دنیا دونوں جگہ اپنی آغوش میں چھپالے۔ ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے روزہ کا فائدہ بھی بڑا ہی عظیم الشان ہوگا۔ مگر اس کے علاوہ روزے کے کچھ اور بھی روحانی اور دینی فوائد ہیں جو اپنی اہمیت و عظمت کے اعتبار سے قابل ذکر ہیں لہٰذا ان میں سے کچھ فائدے بیان کئے جاتے ہیں۔

● روزہ کی وجہ سے خاطر جمعی اور قلبی سکون حاصل ہوتا ہے، نفس امارہ کی تیزی و تندی جاتی رہتی ہے، اعضاء جسمانی اور بطور خاص وہ اعضاء جن کا نیکی اور بدی سے براہ راست تعلق ہوتا ہے جیسے ہاتھ، آنکھ، زبان، کان اور ستر وغیرہ سست ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے گناہ کی خواہش کم ہو جاتی ہے اور معصیت کی طرف رجحان ہلکا پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جب نفس بھوکا ہوتا ہے تو تمام اعضاء سیر ہوتے ہیں یعنی انہیں اپنے کام کی رغبت نہیں ہوتی اور جب نفس سیر ہوتا ہے تو تمام اعضاء بھوکے ہوتے ہیں انہیں اپنے کام کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ اس قول کو وضاحت کے ساتھ یوں سمجھ لیجئے کہ جسم کے جتنے اعضاء ہیں قدرت نے انہیں اپنے مخصوص کاموں کے لئے پیدا کیا ہے مثلاً آنکھ کی تخلیق دیکھنے کے لئے ہوئی ہے گویا آنکھ کا کام دیکھنا ہے لہٰذا بھوک کی حالت میں کسی بھی چیز کو دیکھنے کی طرف راغب نہیں ہوتی ہاں جب پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے تو آنکھ اپنا کام بڑی رغبت کے ساتھ کرتی ہے اور وہ ہر جائز و ناجائز چیز کو دیکھنے کی خواہش کرتی ہے۔ اسی پر بقیہ اعضاء کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

● روزہ کی وجہ سے دل کدورتوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے کیونکہ دل کی کدورت آنکھ، زبان اور دوسرے اعضاء کے فضول کاموں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یعنی زبان کا ضرورت و حاجت سے زیادہ کلام کرنا، آنکھوں کا بلا ضرورت دیکھنا، اسی طرح دوسرے اعضاء کا ضرورت سے زیادہ اپنے کام میں مشغول رہنا افسردگی دل اور رنجش قلب کا باعث ہے اور ظاہر ہے کہ روزہ دار فضول گوئی اور فضول کام سے بچا رہتا ہے بدیں وجہ اس کا دل صاف اور مطمئن رہتا ہے۔ اس طرح پاکیزگی دل اور اطمینان قلب اچھے و نیک کاموں کی طرف میلان و رغبت اور درجات عالیہ کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے۔

● روزہ مساکین و غرباء کے ساتھ حسن سلوک اور ترحم کا سبب ہوتا ہے کیونکہ جو شخص کسی وقت بھوک کا غم جھیل چکا ہوتا ہے اسے اکثر و بیشتر وہ کربناک حالت یاد آتی ہے۔ چنانچہ وہ جب کسی شخص کو بھوکا دیکھتا ہے تو اسے خود اپنی بھوک کی وہ حالت یاد آجاتی ہے جس کی وجہ سے اس کا جذبہ ترحم امنڈ آتا ہے۔

● روزہ دار اپنے روزہ کی حالت میں گویا فقراء و مساکین کی حالت بھوک کی مطابقت کرتا ہے بایں طور کہ جس اذیت اور تکلیف میں وہ مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی تکلیف اور مشقت کو روزہ دار بھی برداشت کرتا ہے، اس وجہ سے اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے جیسا کہ ایک بزرگ بشر حافی کے بارے میں منقول ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں جاڑے کے موسم میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ بیٹھے ہوئے کانپ رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس اتنے کپڑے موجود تھے جو ان کو سردی سے بچا سکتے تھے۔ مگر وہ کپڑے الگ رکھے ہوئے تھے۔ اس شخص نے یہ صورت حال دیکھ کر ان سے بڑے تعجب سے پوچھا کہ "آپ نے سردی کی اس حالت میں اپنے کپڑے الگ رکھ چھوڑے ہیں؟" انہوں نے فرمایا کہ "میرے بھائی! فقراء و مساکین کی تعداد بہت زیادہ ہے، مجھ میں اتنی استطاعت نہیں ہے کہ میں ان کے کپڑوں کا انتظام کروں لہٰذا (جو چیز میرے اختیار میں ہے اسی کو غنیمت جانتا ہوں کہ) جس طرح وہ لوگ سردی کی تکلیف برداشت کر رہے ہیں اسی طرح میں بھی سردی کی تکلیف برداشت کر رہا ہوں اس طرح میں ان کی مطابقت کر رہا ہوں۔

یہی جذبہ ہمیں ان اولیاء عارفین کی زندگیوں میں بھی ملتا ہے جن کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کھانے کے وقت ہر ہر لقمہ پر یہ دعائیہ کلمات کہا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِحَقِّ الْجَائِعِیْنَ

"اے اللہ! مجھ سے بھوکوں کے حق کے بارے میں مواخذہ نہ کیجئے۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ جب قحط سالی نے پورے ملک کو اپنے مہیب سایہ میں لے لیا باوجودیکہ خود ان کے پاس بے انتہا غلہ کا ذخیرہ تھا مگر وہ صرف اس لئے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے کہ کہیں بھوکوں کا خیال دل سے اتر نہ جائے نیز یہ کہ انہیں اس طرح بھوکوں اور قحط زدہ عوام کی تکلیف و مصیبت سے مشابہت اور مطابقت حاصل رہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

ماہ رمضان میں شیطان قید کر دیئے جاتے ہیں

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ (متفق علیه)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جب ماہ رمضان شروع ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں نیز شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔ ایک اور روایت کے الفاظ (آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کی بجائے) یہ ہیں کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں" سے اس بات کی طرف کنایہ مقصود ہے کہ اس ماہ مقدس کے شروع ہوتے ہی باری تعالیٰ کی پے درپے رحمت کا نزول شروع ہو جاتا ہے اور بندوں کے اعمال بغیر کسی مانع اور رکاوٹ کے صعود کرتے ہیں نیز باب قبولیت وا ہو جاتا ہے کہ بندہ جو دعا مانگتا ہے بارگاہ الوہیت میں شرف قبولیت سے سرفراز ہوتی ہے۔

"جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں" سے اس طرف کنایہ مقصود ہے کہ بندہ کو ان نیک اور اچھے کاموں کی توفیق عطا فرمائی جاتی ہے، جو دخول جنت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

"دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں" اس بات کی طرف کنایہ مقصود ہے کہ روزہ دار ایسے کاموں سے بچا رہتا ہے جو دوزخ میں داخل ہونے کا باعث ہوتے ہیں اور یہ ظاہر ہی ہے کہ روزہ دار کبیرہ گناہوں سے محفوظ و مامون رہتا ہے اور اس کے جو صغیرہ گناہ ہوتے ہیں، وہ اس کے روزے کی برکت سے بخش دیئے جاتے ہیں۔

"شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ ان شیاطین کو جو سرکش اور سرغنہ ہوتے ہیں زنجیروں میں باندھ دیا جاتا ہے اور ان کی وہ قوت سلب کر لی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ بندوں کو بہکانے پر قادر ہوتے ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ جملہ دراصل اس بات کی طرف کنایہ ہے کہ ماہ رمضان میں شیاطین لوگوں کو بہکانے سے باز رہتے ہیں اور بندے نہ صرف یہ کہ ان کے وسوسوں اور ان کے اوہام کو قبول نہیں کرتے بلکہ ان کے مکروفریب کے جال میں پھنستے بھی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ روزہ کی وجہ سے انسان کی قوت حیوانیہ مغلوب ہو جاتی ہے جو غیظ و غضب اور شہوت کی جڑ ہے اور طرح طرح کے گناہوں کا باعث ہوتی ہے اس کے برخلاف قوت عقلیہ غالب اور قوی ہو جاتی ہے جو طاعات اور نیکی کا باعث ہوتی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ رمضان میں دوسرے مہینوں کی بہ نسبت گناہ کم صادر ہوتے ہیں اور عبادات و اطاعات میں زیادتی ہوتی ہے۔

جنّت میں داخل ہونے کے لئے روزہ داروں کا مخصوص دروازہ

② وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ مِنْهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانُ لَا يَدْخُلُهُ إِلَّا الصَّائِمُوْنَ (متفق علیہ)

"اور حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جنّت کے آٹھ دروازے جن میں سے ایک وہ دروازہ ہے جس کا نام "ریان" رکھا گیا اور اس دروازے سے صرف روزہ داروں ہی کا داخلہ ہو سکے گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "ریان" کے معنی ہیں "سیراب" اس کی پوری وضاحت اور تفصیل "باب افضل الصدقہ" کی حدیث نمبر ۳ کی تشریح میں گزر چکی ہے۔

ماہِ رمضان کی فضیلت

③ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ایمان کے ساتھ (یعنی شریعت کو سچ جانتے ہوئے اور فرضیت رمضان کا اعتقاد رکھتے ہوئے) اور طلب ثواب کی خاطر (یعنی کسی خوف یا ریاء کے طور پر نہیں بلکہ خالصۃ للہ) رمضان کا روزہ رکھا تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے تھے نیز جو شخص ایمان کے ساتھ اور طلب ثواب کی خاطر رمضان میں کھڑا ہوا تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے تھے اسی طرح جو شخص شب قدر میں ایمان کے ساتھ (یعنی شب قدر کی حقیقت کا ایمان واعتقاد رکھتے ہوئے) اور طلب ثواب کی خاطر کھڑا ہوا تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے، جو اس نے پہلے کئے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "رمضان میں کھڑا ہونے" سے مراد یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں تراویح پڑھے، تلاوت قرآن کریم اور ذکر اللہ وغیرہ میں مشغول رہے، نیز اگر حرم شریف میں ہو تو طواف و عمرہ کرے یا اسی طرح کی دوسری عبادات میں اپنے آپ کو مصروف رکھے۔

"شب قدر میں کھڑا ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ شب قدر عبادت خداوندی اور ذکر اللہ میں مشغول رہے خواہ اس رات کے شب قدر ہونے کا اسے علم ہو یا نہ ہو۔

غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے تھے) کے بارے میں علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ "مکفرات" (یعنی وہ اعمال خیر جو گناہوں کو ختم کرنے والے ہوتے ہیں) صغیرہ گناہوں کو تو مٹا ڈالتے ہیں اور کبیرہ گناہوں کو ہلکا کر دیتے ہیں اور اگر کسی خوش نصیب کے نامہ اعمال میں گناہ کا وجود نہیں ہوتا۔ تو پھر "مکفرات" کی وجہ سے جنّت میں اس کے درجات بلند کر دیئے جاتے ہیں۔

روزہ کا ثواب

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهِ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِيْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّيْ امْرُؤٌ صَائِمٌ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ بنی آدم کے ہر نیک عمل کا ثواب زیادہ کیا جاتا ہے بایں طور کہ ایک نیکی کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مگر روزہ کہ وہ میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا (یعنی روزہ کی جو جزا ہے اسے میں ہی جانتا ہوں اور وہ روزہ دار کو میں خود ہی دوں گا اس بارے میں کوئی دوسرا یعنی فرشتہ بھی واسطہ نہیں ہوگا کیونکہ روزہ دار) اپنی خواہش اور اپنا کھانا صرف میرے ہی لئے چھوڑتا ہے (یعنی وہ میرے حکم کی بجاآوری میری رضاء وخوشنودی کی خاطر اور میرے ثواب کی طلب کے لئے روزہ رکھتا ہے)۔ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی تو روزہ کھولنے کے وقت اور دوسری خوشی (ثواب ملنے کی وجہ سے) اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت، یاد رکھو روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ لطیف اور پسندیدہ ہے۔ اور روزہ سپر ہے (کہ اس کی وجہ سے بندہ دنیا میں شیطان کے شرو فریب سے اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے محفوظ رہتا ہے) لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص روزہ دار ہو تو وہ نہ فحش باتیں کرے اور نہ بیہودگی کے ساتھ اپنی آواز بلند کرے اور اگر کوئی (نادان جاہل) اسے برا کہے یا اس سے لڑتے جھگڑنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ کہہ دے "میں روزہ دار ہوں۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: نیک عمل کے اجر کے سلسلے میں ادنیٰ درجہ دس ہے کہ نیکی تو ایک ہو مگر ثواب اس کا دس گنا ملے، پھر اس کے بعد نیک عمل کرنے والے کے صدق وخلوص پر انحصار ہوتا ہے کہ اس کی ریاضت ومجاہدہ اور اس کے خلوص وصدق نیت میں جتنی پختگی اور کمال بڑھتا رہتا ہے اسی طرح اس کے ثواب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض حالات میں ایک نیکی پر سات سو گنا ثواب ملتا ہے گویا یہ آخری درجہ ہے لیکن بعض مقامات واوقات ایسے بھی ہیں جہاں کی جانے والی ایک نیکی اس سے بھی زیادہ اجر وثواب سے نوازی جاتی ہے، چنانچہ منقول ہے کہ مکہ میں ایک نیک عمل کے بدلے میں ایک لاکھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ الا الصوم (مگر روزہ) سے روزہ کے ثواب کی اہمیت وفضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ کا ثواب بے انتہاء اور لامحدود ہے جس کی مقدار سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

روزہ کی بے انتہاء فضیلت کیوں؟ روزہ اور اس کے ثواب کی اس فضیلت کے دو سبب ہیں، اول تو یہ کہ روزہ دوسرے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتا ہے، دوسری عبادتوں کے برخلاف کہ ان میں یہ وصف نہیں ہے جتنی بھی عبادات ہیں وہ کسی نہ کسی طرح دوسرے لوگوں کی نگاہوں کے سامنے آتی ہیں جب کہ روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے جس کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے علاوہ صرف روزہ دار ہی کو ہوتا ہے، لہٰذا روزہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوتا ہے کہ اس میں ریاء اور نمائش کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد فانہ لی کے ذریعے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ روزہ خاص میرے ہی لئے ہے کیونکہ روزہ تو صورۃً اپنے لئے وجود نہیں رکھتا جب کہ دوسری عبادتیں صورتاً اپنے لئے وجود رکھتی ہیں۔

دوم یہ کہ روزہ میں نفس کشی اور جسم وبدن کا ہلکان ونقصان ہے نیز روزہ کی حالت میں انتہائی کرب وتکلیف کی صورتیں بھوک وپیاس پیش آتی ہیں اور ان پر صبر کرنا پڑتا ہے جب کہ دوسری عبادتوں میں نہ اتنی تکلیف ومشقت ہوتی ہے اور نہ اپنی خواہش وطبیعت پر اتنا جبر چنانچہ باری تعالیٰ نے اپنے ارشاد یدع شھوتہ کے ذریعے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ روزہ دار اپنی خواہش کو چھوڑ دیتا ہے یعنی روزہ کی حالت میں جو چیزیں ممنوع ہیں وہ ان سب سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے۔

لفظ شھوتہ کے بعد لفظ طعامہ کا ذکر کیا تو "تخصیص بعد تعمیم" کے طور پر ہے یا پھر "شہوت" سے مراد تو جماع ہے اور طعام سے جماع کے علاوہ وہ دوسری چیزیں مراد ہیں جو روزہ کو توڑنے والی ہوتی ہیں۔

افطار کے وقت روزہ دار کو خوشی دو وجہ سے ہو سکتی ہے یا تو اس لئے کہ وہی وہ وقت ہوتا ہے جب کہ روزہ دار اپنے آپ کو اللہ رب العزت کے حکم اور اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ محسوس کرتا ہے، یا پھر یہ کہ وہ عبادت کی توفیق اور اس کی نورانیت کی وجہ سے اپنے آپ کو مطمئن ومسرور محسوس کرتا ہے، جو ظاہر ہے کہ خوشی کا سبب ہے اس کے علاوہ دنیاوی اور جسمانی طور پر بھی یوں خوشی محسوس ہوتی ہے کہ

دن بھر کی بھوک و پیاس کے بعد اسے کھانے پینے کو ملتا ہے۔

حدیث کے آخری جملے کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص روزہ دار کو برا بھلا کہے یا اس سے لڑنے کا ارادہ کرے تو وہ اس شخص کو انتقاماً برا بھلا نہ کہے اور نہ اس سے لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو جائے بلکہ اس شخص سے یہ کہے کہ میں روزہ دار ہوں اور یہ بات یا تو زبان سے کہے تاکہ دشمن اپنے ناپاک ارادوں سے باز رہے۔ کیونکہ جب روزہ دار اپنے مقابل سے یہ کہے گا کہ میں روزہ دار ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں چونکہ روزہ دار ہوں اس لئے میرے لئے تو یہ جائز نہیں ہے کہ میں تم سے لڑوں جھگڑوں اور جب میں خود لڑنے جھگڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں تو تمہارے لئے بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ ایسی صورت میں تم مجھ سے لڑائی جھگڑے کا ارادہ کرو کیونکہ یہ اصول و مروت کے خلاف ہے، ظاہر ہے کہ یہ انداز اور پیرایہ دشمن کو مجبور کرے گا کہ وہ اپنے غلط ارادوں سے باز رہے۔

یا اس کے یہ معنی ہوں کہ میں چونکہ روزہ دار ہوں اس لئے اس وقت تمہارے لئے زبان درازی مناسب اور لائق نہیں ہے کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے ذمہ اور اس کی حفاظت میں ہوں۔

یا پھر یہ کہ ایسے موقع پر روزہ دار اپنے دل میں یہ کہہ لے کہ میں روزہ دار ہوں میرے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ میں روزہ کی حالت میں کسی سے لڑائی جھگڑا کروں یا کسی کو اپنی زبان سے برا کہوں۔

لفظ "الا الصوم" کے سلسلے میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "حدیث کے بعض شارحین اس موقع پر کہتے ہیں کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ روزہ کی یہ خصوصیت کس وجہ سے ہے؟ تاہم ہمارے اوپر یہ بات واجب اور لازم ہے کہ بغیر کسی شک و شبہ کے ہم اس کی تصدیق کریں۔ ہاں بعض محققین علماء نے اس خصوصیت کے کچھ اسباب بیان کئے ہیں، چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ روزہ ہی وہ عبادت ہے جو ایام جاہلیت میں بھی اہل عرب کے یہاں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص تھی یعنی جس طرح کفار و مشرکین سجدہ وغیرہ اللہ کے علاوہ دوسری چیزوں کے لئے بھی کرتے تھے، اسی طرح وہ روزہ میں بھی اللہ کے علاوہ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے بلکہ روزہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے رکھتے تھے۔

اس طرح اس نکتہ کے ذریعے بھی اس کی خصوصیت کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے کہ در حقیقت جو شخص روزہ رکھتا ہے اور اس طرح وہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضاء کی خاطر اپنا کھانا پینا اور دوسری خواہشات کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ ایک طرح کی لطافت و پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور گویا وہ اس بارے میں باری تعالیٰ کے اوصاف و خلق کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے بایں طور کہ جس طرح اللہ رب العزت کھانے پینے سے منزہ اور پاک ہے اسی طرح وہ بھی دن میں اپنے آپ کو دنیاوی خواہشات و علائق سے منزہ رکھتا ہے لہٰذا اس سبب سے روزہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے۔

عبرت خیز و عبرت آموز!: ابھی آپ نے اوپر پڑھا ہے کہ عرب کے مشرکین تک روزہ میں کسی کو اللہ کا شریک نہیں کرتے تھے ان کا روزہ بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص قرار دیتے تھے۔ لیکن اب روزہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہیں رہ گیا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اب بعض بزرگوں کے نام پر اور ان کے لئے بھی روزہ رکھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو گمراہی و ضلالت کے اس راستے سے بچائے اور صرف اپنی مرضیات کا تابع و پابند بنائے آمین۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

ماہ رمضان کے فضائل و برکات

⑤ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ اَوَّلُ لَیْلَۃٍ مِنْ شَھْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَمَرَدَۃُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ یُفْتَحْ مِنْھَا بَابٌ وَفُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ فَلَمْ یُغْلَقْ مِنْھَا بَابٌ وَیُنَادِیْ مُنَادٍ یَا

بَاغِيَ الْخَيْرِ اَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذَالِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ رَجُلٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جب ماہ رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات قید کر دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں پھر اس کا کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر اس کا کوئی دروازہ بند نہیں رہتا اور اعلان کرنے والا (فرشتہ) یہ اعلان کرتا ہے کہ اے بھلائی (یعنی نیکی و ثواب) کے طلب گار! (اللہ کی طرف) متوجہ ہو جا اور اے برائی کا ارادہ رکھنے والے! برائی سے باز آجا کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو آگ سے آزاد کرتا ہے (یعنی اللہ رب العزت اس ماہ مبارک کے وسیلے میں بہت لوگوں کو دوزخ کی آگ سے آزاد کرتا ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ تو بھی ان لوگوں میں شامل ہو جائے) اور یہ اعلان (رمضان کی) ہر رات میں ہوتا ہے۔ (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) امام احمدؒ نے بھی اس روایت کو ایک شخص سے نقل کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: ماہ رمضان کے شروع ہوتے ہی شیاطین کو اس لئے قید کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ روزہ داروں کو نہ بہکائیں اور ان کے دلوں میں وسوسوں اور گندے خیالات کا بیج نہ بوئیں، چنانچہ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ماہ رمضان میں اکثر گناہ گار گناہوں سے بچتے ہیں۔ اور اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ البتہ بعض بدبخت ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس ماہ مبارک میں بھی گناہ و معصیت سے باز نہیں آتے تو اس کی وجہ وہ اثرات ہوتے ہیں جو رمضان سے قبل ایام میں شیطان کے بہکانے کی وجہ سے ان کے طبائع بد میں راسخ ہو جاتے ہیں یعنی چونکہ ان کے ذہن و فکر اور ان کی عملی قوت پہلے ہی سے شیطان کے زیر اثر ہوتی ہے اور ان کا نفس اس کا عادی ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے لوگ اپنی عادت سے مجبور ہو کر رمضان میں بھی گناہ و معصیت سے نہیں بچ پاتے۔

"اللہ کی طرف متوجہ ہو جا" کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی بندگی، اس کی عبادت اور اس کی رضاء و خوشنودی کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہنے کی کوشش کر کیونکہ یہ وقت ایسا ہے کہ اگر تھوڑا بھی نیک عمل کیا جائے گا تو اس کا ثواب ملے گا اور معمولی درجہ کی نیکی بھی سعادت و نیک بختی کے اونچے درجے پر پہنچائے گی۔

اسی طرح "برائی سے باز آجا" کا مطلب یہ ہے کہ گناہ و معصیت کے راستے کو چھوڑ دے، نیکی و بہتری کی راہ اپنا لے، اپنے کئے ہوئے گناہوں سے توبہ کر اور خدا کی طرف اپنی توجہ لگا دے کیونکہ قبولیت دعا اور مغفرت کا یہ بہترین وقت ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۶) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرٌ مُبَارَكٌ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ تُفْتَحُ فِيْهِ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَتُغْلَقُ فِيْهِ اَبْوَابُ الْجَحِيْمِ وَتُغَلُّ فِيْهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِيْنِ لِلّٰهِ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ (رواہ احمد والنسائی)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے رمضان کا بابرکت مہینہ آگیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر روزے فرض کئے ہیں اس مہینے میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، نیز اسی مہینے میں سرکش شیطانوں کو طوق پہنایا جاتا ہے اور اس میں (یعنی پورے ماہ رمضان کی راتوں میں یا آخری عشرۂ رمضان کی راتوں میں) خدا کی ایک خاص رات ہے جو (باعتبار ثواب کے) ہزار مہینوں سے بہتر ہے (یعنی اس ایک رات میں عمل کرنا ان ہزار مہینوں میں عمل کرنے سے کہ جن میں لیلۃ القدر نہ ہو، کہیں زیادہ افضل و بہتر ہے)۔ لہٰذا جو شخص اس رات کی بھلائی سے محروم رہا وہ ہر بھلائی سے محروم رہا۔"

(احمدؒ ونسائیؒ)

تشریح: ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے الفاظ وَتُغَلُّ فِيْهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِيْنِ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ماہ رمضان میں صرف وہی شیطان قید کئے جاتے ہیں جو سرکش اور سرغنہ ہیں گویا اس طرح وہ اشکال خود بخود رفع ہو جاتا ہے جو ابھی اس سے پہلی حدیث کی تشریح کے ضمن میں گزرا ہے۔ اس صورت میں اس حدیث (نمبر۵) کے الفاظ صفدت الشیاطین و مردۃ کا عطف شیطان پر "عطف تفسیر وبیان" کی نوعیت سے ہوگا۔

ملا علی قاریؒ کے اس قول کی وضاحت یہ ہے کہ اس سے پہلے حدیث کی تشریح میں اس اشکال کی طرف جو یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ شیاطین کے مقید ہو جانے کے باوجود بھی جو لوگ اس ماہ مبارک میں گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا تھا کہ "اس کی وجہ وہ اثرات ہوتے ہیں جو رمضان سے قبل ایام میں شیطان کے بہکانے کی وجہ سے ان کی طبائع بد میں راسخ ہوتے ہیں"۔

اسی اشکال کا ایک دوسرا جواب ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کے مفہوم کی روشنی میں دیا ہے کہ رمضان میں دراصل وہی شیطان مقید ہوتے ہیں، جو سرکش اور سرغنہ ہوتے ہیں۔ چھوٹے موٹے قسم کے شیطان چونکہ آزاد رہتے ہیں اس لئے ایسے لوگوں کو بہکاتے ہیں جن کی وجہ سے رمضان میں بھی گناہوں کا صدور بند نہیں ہوتا۔

مگر اسی باب کی پہلی حدیث سے چونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مطلقاً شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں اس میں سرکش شیطان کی کوئی تخصیص نہیں ہے لہٰذا ملا علی قاریؒ کا یہ جواب کچھ زیادہ جاندار معلوم نہیں ہوتا۔

اس سلسلے میں حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ کی تقریر سب سے بہتر ہے جس سے نہ صرف یہ کہ مسئلہ مذکور میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا بلکہ اس بارے میں منقول تمام احادیث میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ حضرت موصوفؒ فرماتے ہیں کہ "سرکش شیطانوں کا قید ہونا جیسا کہ یہ حدیث بتا رہی ہے۔ مخصوص افراد کی نسبت سے ہے اسی طرح مطلقاً شیاطین کا قید ہونا جیسا کہ اس باب کی پہلی حدیث سے ثابت ہوا دوسرے مخصوص افراد کی نسبت سے ہے مطلب یہ ہے کہ سرکش شیاطین کو تو فاسق لوگوں کو بہکانے سے روک دیا جاتا ہے چنانچہ ایسے لوگ رمضان میں گناہ کم کرتے ہیں البتہ چھوٹے موٹے شیطان انہیں بہکاتے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کچھ نہ کچھ گناہ ان سے سرزد ہوتے رہتے ہیں اور مطلقاً شیاطین صلحاء اور نیک لوگوں کو بہکانے سے روک دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ کبیرہ گناہوں سے باز رہتے ہیں اور اگر بتقاضائے بشریت ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ توبہ اور استغفار کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا اشکال کا ایک دوسرا جواب یہ ہے کہ کچھ گناہ تو ایسے ہوتے ہیں جو شیاطین کے بہکانے سے سرزد ہوتے ہیں اور کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جو خود اپنے نفس کے تقاضہ سے صادر ہوتے ہیں چنانچہ جو گناہ شیطان کے بہکانے سے سرزد ہوتے ہیں ان گناہوں سے تو لوگ رمضان میں محفوظ رہتے ہیں اور جو گناہ خود اپنے نفس کے تقاضہ سے ہوتے ہیں وہ رمضان میں بھی صادر ہوتے رہتے ہیں۔

من حرم خیرھا (جو شخص اس رات کی بھلائی سے محروم رہا) کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس مقدس رات میں عبادت خداوندی کے لئے شب بیداری کی توفیق نہیں ہوتی اگر وہ کم سے کم رات کے ابتدائی اور آخری حصوں ہی میں جاگ لیتا اور خدا کی بندگی کرتا جب بھی اسے اس رات میں عبادت کی فضیلت حاصل ہو جاتی کیونکہ منقول ہے کہ جس شخص نے (کم سے کم) عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو اسے (بھی) "لیلۃ القدر" کی سعادتوں سے اپنا حصہ مل جائے گا۔

فقد حرم (وہ ہر بھلائی سے محروم رہا) بطور مبالغہ ارشاد فرمایا گیا ہے اور اس سے مراد "کامل ثواب سے محروم رہنا" ہے۔

روزہ قیامت کے روز پروردگار سے شفاعت کرے گا

⑦ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَيْ رَبِّ اِنِّيْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ روزہ اور قرآن دونوں بندہ کے لئے شفاعت کریں گے۔ چنانچہ روزہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! میں نے اس کو کھانے اور دوسری خواہشات (مثلاً پانی، جماع اور غیبت وغیرہ) سے دن میں روکے رکھا لہٰذا میری طرف سے بھی اس کے حق میں شفاعت قبول فرما۔ قرآن کہے گا کہ میں نے اسے رات میں سونے سے روکے رکھا، لہٰذا میری طرف سے بھی اس کے حق میں شفاعت قبول فرما۔ چنانچہ ان دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔" (بیہقیؒ)

تشریح: "قرآن" سے مراد "تلاوت قرآن" ہے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "قرآن سے" تہجد اور (تلاوت قرآن وعبادت وغیرہ کے لئے) شب بیداری مراد ہے۔ روزہ اور قرآن دونوں کی شفاعت کا ثمرہ یہ ہوگا کہ غالباً روزہ کی شفاعت سے تو گناہ ختم کر دیئے جائیں گے اور قرآن کی شفاعت سے درجات عالیہ نصیب ہوں گے۔

شب قدر سے محرومی حرمان نصیبی

⑧ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهٗ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا اِلَّا كُلُّ مَحْرُوْمٍ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت انس ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ تمہارے لئے یہ مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات (یعنی شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، لہٰذا جو شخص اس رات (کی سعادت) سے محروم رہا (کہ اسے پوری رات یا کم سے کم رات کے کچھ حصوں میں بھی جاگنے اور عبادت خداوندی میں مشغول ہونے کی توفیق نہ ہوئی) تو وہ ہر سعادت و بھلائی سے محروم رہا۔ اور یاد رکھو شب قدر کی سعادت سے حرمان نصیب ہی محروم ہوتا ہے۔" (ابن ماجہ)

تشریح: ارشاد گرامی "تمہارے لئے یہ مہینہ آیا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کا مقدس وبابرکت مہینہ دین ودنیا کی سعادتیں اور بھلائیاں اپنے دامن میں لئے آگیا ہے لہٰذا اس کے آنے کو غنیمت جانو، دن میں روزے رکھ کر اور رات میں عبادت خداوندی یعنی تراویح وتلاوت قرآن اور تہجد وغیرہ میں مشغول ہو کر اس مہینے کی برکتیں اور سعادتیں حاصل کرو، حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ "لیلۃ القدر" کی سعادتوں سے وہی شخص محروم رہتا ہے جو سعادت و بھلائی کے معاملے میں بدنصیب ہوتا ہے اور جسے عبادت کا ذوق نہیں ہوتا۔

رمضان، برکات وسعادت کا مہینہ

⑨ وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِذُنُوْبِهٖ وَعِتْقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَا نُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَاُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ۔

"اور حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے شعبان کے آخری دن ہمارے سامنے (جمعہ کا یا بطور تذکیر و نصیحت) خطبہ دیتے

ہوئے فرمایا کہ لوگو! باعظمت مہینہ تمہارے اوپر سایہ فگن ہو رہا ہے (یعنی ماہ رمضان آیا ہی چاہتا ہے) یہ بڑا ہی بابرکت اور مقدس مہینہ ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس میں وہ رات (لیلۃ القدر) ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام (عبادت خداوندی کے لئے جاگنا) نفل قرار دیا ہے، جو شخص اس ماہ مبارک میں نیکی (یعنی نفل) کے طریقے اور عمل کے ذریعے بارگاہ حق میں تقرب کا طلبگار ہوتا ہے تو وہ اس شخص کی مانند ہوتا ہے جس نے رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینے میں فرض ادا کیا ہو (یعنی ماہ رمضان میں نفل اعمال کا ثواب رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں فرض اعمال کے ثواب کے برابر ہوتا ہے) اور جس شخص نے ماہ رمضان میں (بدنی یا مالی) فرض ادا کیا تو وہ اس شخص کی مانند ہوگا جس نے رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینے میں ستر فرض ادا کئے ہوں (یعنی رمضان میں کسی ایک فرض کی ادائیگی کا ثواب دوسرے دنوں میں ستر فرض کی ادائیگی کے ثواب کے برابر ہوتا ہے) اور ماہ رمضان صبر کا مہینہ ہے (کہ روزہ دار کھانے پینے اور دوسری خواہشات سے رکا رہتا ہے) وہ صبر جس کا ثواب بہشت ہے ماہ رمضان غم خواری کا مہینہ ہے (لہٰذا اس ماہ میں محتاج و فقراء کی خبرگیری کرنی چاہئے) اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں (دولت مند اور مفلس ہر طرح کے) مؤمن کا (ظاہری اور معنوی) رزق زیادہ کیا جاتا ہے۔ جو شخص رمضان میں کسی روزہ دار کو (اپنی حلال کمائی سے) افطار کرائے گا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہوں کی بخشش و مغفرت کا ذریعہ اور دوزخ کی آگ سے اس کی حفاظت کا سبب ہوگا اور اس کو روزہ دار کے ثواب کی مانند ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سب تو ایسے نہیں ہیں جو روزہ دار کی افطاری کے بقدر انتظام کرنے کی قدر رکھتے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ ثواب اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی عنایت فرماتا ہے جو کسی روزہ دار کو ایک گھونٹ لسی یا کھجور اور یا ایک گھونٹ پانی ہی کے ذریعے افطار کراوے اور جو شخص کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض (یعنی حوض کوثر) سے اس طرح سیراب کرے گا کہ وہ (اس کے بعد) پیاسا نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ بہشت میں داخل ہو جائے۔ اور ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ میں بخشش ہے (یعنی وہ مغفرت کا زمانہ ہے) اور اس کے آخری حصے میں دوزخ کی آگ سے نجات ہے (مگر تینوں چیزیں مؤمنین ہی کے لئے مخصوص ہیں کافروں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے)۔ اور جو شخص اس مہینے میں اپنے غلام و لونڈی کا بوجھ ہلکا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اسے آگ سے نجات دے گا۔"

تشریح: "اور اس کی راتوں میں قیام نفل قرار دیا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں نماز تراویح اور اسی قسم کی دوسری سُنّت مؤکدہ عبادتوں کے لئے شب بیداری کو نفل قرار دیا ہے لہٰذا جس نے شب بیداری کی اور نماز تراویح وغیرہ پڑھی وہ عظیم اجر و ثواب سے نوازا جائے گا اور جو شخص اسے ترک کرے گا وہ نہ صرف یہ کہ خیر و بھلائی کی سعادتوں سے محروم رہے گا، بلکہ حق تعالیٰ کے عتاب میں گرفتار بھی ہوگا۔

اس جملے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز تراویح کو نفل قرار دیا ہے کیونکہ نماز تراویح تو سُنّت مؤکدہ ہے اور اس کی بڑی تاکید ہے، چنانچہ ابوداؤد کی باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان میں ایک روایت منقول ہے جس کے یہ الفاظ ہیں فامر بلالا فنادى في الناس ان يقوموا وان يصوموا (یعنی جب رمضان کے چاند کی گواہی گزر چکی تو آپ ﷺ نے بلال ؓ کو اعلان کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے اعلان کیا کہ قیام کیا جائے یعنی نماز تراویح پڑھی جائے اور روزہ رکھا جائے۔

"یہاں تک کہ وہ جنّت میں داخل ہو جائے" اس لئے فرمایا کہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ جنّت میں داخل ہونے کے بعد پیاس کا کوئی وجود ہی باقی نہیں رہے گا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

إِنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا۔

"بیشک تم جنّت میں پیاسے نہیں ہوگے۔"

لہٰذا آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص اس کے بعد کبھی بھی پیاسا نہیں ہوگا۔

رمضان کے ابتدائی یعنی اول عشرہ کو "رحمت" فرمایا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب کہ باری تعالیٰ کی رحمت عام کا نزول ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اگر اس کی رحمت نہ ہو تو پھر نہ کوئی روزہ رکھے اور نہ کوئی تراویح وغیرہ پڑھے۔

"اپنے غلام ولونڈی کا بوجھ ہلکا کیا" کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے مہینے میں روزہ دار اپنے خدمت گار اور ملازم کے ساتھ انتہائی مروت اور محبت ورحمت کا معاملہ کرے اور ان کے فرائض خدمت میں آسانی اور رعایت کرے اس طرح عام دنوں کی بہ نسبت روزہ کی حالت میں ان پر اپنی خدمت اور دوسرے کاموں کا بوجھ نہ ڈالے۔

رمضان میں اسیروں کی رہائی

⑩ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ اَطْلَقَ كُلَّ اَسِيْرٍ وَاَعْطٰى كُلَّ سَائِلٍ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب رمضان کا ماہ مقدس شروع ہوتا تو رسول کریم ﷺ ہر قیدی کو رہائی بخشتے اور ہر سائل کی مراد پوری فرماتے۔"

تشریح: "قیدی" سے مراد وہ لوگ بھی ہوسکتے ہیں جو حقوق اللہ کے لئے قید ہوتے تھے اور وہ لوگ بھی مراد لئے جاسکتے ہیں جو حقوق العباد (بندوں کے مطالبات) کی خاطر قید کئے جاتے تھے، جو لوگ حقوق العباد کی خاطر قید ہوتے تھے ان کی رہائی سے مراد یہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ ایسے قیدیوں کو صاحب حقوق سے کہہ کر آزاد کرایا کرتے تھے ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ صرف انہیں قیدیوں کو چھوڑ دیتے تھے جو خود آپ ﷺ کے حقوق کی خاطر قید ہوتے تھے یوں تو "جود وسخا" آنحضرت ﷺ کا امتیازی وصف تھا اور آپ ﷺ رمضان کے علاوہ دوسرے ایام میں بھی ہر سائل کا پورا کیا کرتے تھے مگر ماہ رمضان میں آپ ﷺ کے وصف جود وسخا کی کچھ اور ہی کیفیت ہوا کرتی تھی چنانچہ حدیث کے آخری الفاظ "اور ہر سائل کی مراد پوری فرماتے" کی مراد یہ ہوگی کہ آپ ﷺ رمضان میں اپنی عادت اور اپنے معمول سے بھی زیادہ عطاء وسخاوت فرمایا کرتے تھے۔

استقبال رمضان کے لئے بہشت کی زینت

⑪ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْجَنَّةَ تُزَخْرَفُ لِرَمَضَانَ مِنْ رَأْسِ الْحَوْلِ اِلٰى حَوْلٍ قَابِلٍ قَالَ فَاِذَا كَانَ اَوَّلُ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ هَبَّتْ رِيْحٌ تَحْتَ الْعَرْشِ مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ عَلَى الْحُوْرِ الْعِيْنِ فَيَقُلْنَ يَارَبِّ اجْعَلْ لَنَا مِنْ عِبَادِكَ اَزْوَاجًا تَقَرُّ بِهِمْ اَعْيُنُنَا وَتَقَرُّ اَعْيُنُهُمْ بِنَا۔ رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ رمضان کے استقبال کے لئے جنت شروع سال سے آخر سال تک اپنی زیب وزینت کرتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ چنانچہ جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جنت کے درختوں کے پتوں سے حور عین کے سر پر ہوا چلتی ہے، پھر حوریں کہتی ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! اپنے بندوں میں سے ہمارے لئے شوہر بنا دے کہ ان (کی صحبت وہم نشینی کے سرور وکیف) سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کی آنکھیں ہمارے (دیدار ووصل) سے ٹھنڈک پائیں۔" (یہ تینوں روائتیں بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں)

تشریح: "شروع سال" سے مراد محرم کا ابتدائی دن ہے لیکن یہ بھی بعید نہیں ہے کہ جنت در مضان کے اعتبار سے "شروع سال" سے شوال کا ابتدائی دن مراد ہو۔ حاصل یہ کہ رمضان اور رمضان کی برکات یعنی کثرت ومغفرت اور بلندی درجات وغیرہ کے آنے کی خوشی

میں جنت تمام سال اپنا بناؤ سنگار کرتی ہے۔

"اپنے بندوں میں سے ہمارے لئے شوہر بنا دے" میں بندوں سے خدا کے وہ نیک و فرمانبردار بندے مراد ہیں جو رمضان کے دنوں میں روزہ رکھتے ہیں اور راتوں میں نماز تراویح میں مشغول رہتے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی منقول ہے کہ "جو بندہ رمضان میں روزہ رکھتا ہے تو اس کے ہر دن کے روزہ کے بدلے میں اسے موتیوں کے خیمے میں حور عین میں سے ایک زوجہ عطا کی جاتی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِي الْخِيَامِ۔

روزہ دار کو رمضان کی آخری رات میں مغفرت عطا ہوتی ہے

⑫ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ يُغْفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِيْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا يُوَفّٰى اَجْرَهٗ اِذَا قَضٰى عَمَلَهٗ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ان کی (یعنی میری) اُمت کے روزہ دار افراد کی رمضان کی آخری رات میں بخشش ہو جاتی ہے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کیا وہ لیلۃ القدر ہے؟ (جس میں بخشش کی جاتی ہے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں! بلکہ کام کرنے والا جب اپنا کام کر چکتا ہے تو اسے اسی وقت اس کی پوری مزدوری دے دی جاتی ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: آپ ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ مغفرت کی یہ سعادت لیلۃ القدر کی وجہ سے عطا نہیں ہوتی بلکہ اس عظیم فریضہ کی تکمیل کی وجہ سے ملتی ہے جس کی ادائیگی کا حکم اللہ تعالیٰ نے بندوں کو دیا ہے اور وہ "روزہ رکھنا" ہے، روایت کے الفاظ یغفر لامتہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی نہیں ہے بلکہ یہ حضرت ابوہریرہؓ کے اپنے الفاظ ہیں جس کے ذریعے انہوں نے آپ ﷺ کے الفاظ کا مفہوم ادا کیا ہے اور بعینہ آپ ﷺ کے الفاظ نقل نہیں کئے کہ وہ یہ ہیں یغفر لامتی۔

بَابُ رُؤْيَةِ الْهِلَالِ

رؤیت ہلال کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

بغیر چاند ہوئے نہ روزہ شروع کرو اور نہ ختم کرو

① عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ لَيْلَةً فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ (شعبان کی تیسویں تاریخ کو رمضان کی نیت سے) روزہ نہ رکھو یہاں تک کہ چاند دیکھ لو، اسی طرح روزہ اس وقت ختم نہ کرو جب تک کہ (عید کا) چاند نہ دیکھ لو لہٰذا (تیسویں شب یعنی انتیسویں تاریخ کو) اگر (گرد و غبار اور ابر وغیرہ یا کسی اور سبب سے) چاند نظر نہ آئے تو اس کا اعتبار کرو (یعنی اس مہینے کو تیس دن کا سمجھ لو) ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا مہینہ کبھی تیس رات کا بھی ہوتا ہے اس لئے جب تک چاند نہ دیکھ لو (رمضان کی نیت سے) روزہ نہ رکھو اور اگر (انتیس تاریخ کو ابر وغیرہ ہو) اور چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرو (یعنی تیس دن کا مہینہ سمجھو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب تک چاند نہ دیکھ لو یا معتبر شہادت اور معتبر ذرائع سے جب تک رویت ہلال ثابت نہ ہو جائے نہ تو روزہ رکھو اور نہ روزہ ختم کر کے عید مناؤ۔

"مہینہ کبھی انتیس رات کا بھی ہوتا ہے" سے دراصل اس بات کی ترغیب دلانا مقصود ہے کہ تیسویں شب یعنی انتیس تاریخ کو چاند تلاش کیا جائے، چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ شعبان کی انتیسویں تاریخ کو لوگوں پر واجب کفایہ ہے کہ رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کریں۔

② وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْیَتِهٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْكُمْ فَاَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِیْنَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ چاند دیکھنے کے بعد روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی افطار (یعنی عید) کرو، لہٰذا (انتیسویں تاریخ کو) اگر ابر وغیرہ ہو جائے (اور رویت ہلال ثابت نہ ہو) تو شعبان کے مہینے کو تیس دن کا قرار دو (اسی طرح رمضان کے مہینے کا بھی اعتبار کرو)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

نجوم کے قواعد سے چاند کا ثبوت معتبر نہیں ہوتا

③ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّیَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا وَعَقَدَ الْاِبْهَامَ فِی الثَّالِثَةِ ثُمَّ قَالَ الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا یَعْنِیْ تَمَامَ الثَّلَاثِیْنَ یَعْنِیْ مَرَّةً تِسْعًا وَّعِشْرِیْنَ وَمَرَّةً ثَلَاثِیْنَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ہم (اہل عرب) امی قوم ہیں کہ حساب کتاب نہیں جانتے، مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا ہوتا ہے (لفظ "اتنا" تین مرتبہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دو مرتبہ بند کیں اور پھر کھول دیں) اور تیسری مرتبہ میں (ہاتھوں کی انگلیاں بند کر کے پھر نو انگلیاں تو کھول دیں اور) انگوٹھا بند کئے رکھا (جس کا مطلب یہ تھا کہ کبھی تو مہینے میں ایک کم تیس دن ہوتے ہیں، یعنی انتیس کا مہینہ ہوتا ہے) اور پھر فرمایا مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا (اور اس مرتبہ آپ ﷺ نے تیس کا عدد بتانے کے لئے پہلے کی طرح تیسری مرتبہ میں انگوٹھا بند نہیں رکھا) یعنی پورے تیس دن کا ہوتا ہے آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ کبھی تو مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی تیس دن کا ہوتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اہل عرب کو "امی" اس لئے فرمایا گیا کہ وہ جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے تھے ویسے ہی رہتے تھے پڑھتے لکھتے نہیں تھے۔ مگر آپ ﷺ نے یہ اکثر کے اعتبار سے فرمایا ہے۔ کیونکہ اگرچہ عرب میں تعلیم عام نہیں تھی اور اکثریت بے پڑھے لکھے لوگوں کی تھی مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ لوگ علم کے زیور سے آراستہ ہوتے ہی تھے یا اس جملے سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ اہل عرب حساب کتاب اچھی طرح نہیں جانتے۔

بہرحال حدیث کے معنی یہ ہیں کہ نجوم کے قواعد پر عمل کرنا ہمارا شیوہ اور طریقہ نہیں ہے اور نہ نجوم کے قواعد و حساب سے (جیسا کہ جنتری وغیرہ میں لکھا ہوتا ہے) چاند کا ثبوت معتبر ہو سکتا ہے بلکہ اس بارے میں ہمارا علم صرف رویت ہلال سے متعلق ہے کہ اگر چاند دیکھا جائے گا یا چاند کی رویت شرعی قواعد و ضوابط کے تحت ثابت ہو جائے گی تو روزہ شروع ہو گا یا اس کا اختتام ہو گا اسی بات کی آخر میں وضاحت کی گئی کہ کسی مہینے میں چاند انتیس تاریخ کو ہوتا ہے اور کسی مہینے میں تیس تاریخ کو۔

روایت کی آخری عبارت کے دونوں جملے یعنی تمام الثلثین اور یعنی مرۃ تسعا الخ راوی کے الفاظ ہیں پہلے جملہ سے تو راوی نے آنحضرت ﷺ کے آخری اشارے کو بیان کیا ہے اور دوسرے جملے کے ذریعے دونوں چیزوں کی وضاحت کر دی ہے۔

رمضان اور ذی الحجہ کے مہینے

④ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَھْرَا عِیْدٍ لَا یَنْقُصَانِ رَمَضَانُ وَذُو الْحِجَّۃِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابی بکرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ عید کے دونوں مہینے یعنی رمضان اور ذی الحجہ ناقص نہیں ہوتے۔"

(بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: رمضان کو "عید" اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ یہ عید کے قریب ہوتا ہے۔ بہر حال حدیث کا مطلب یا تو یہ ہے کہ ایک سال میں رمضان اور ذی الحجہ دونوں مہینے ناقص یعنی انتیس انتیس دن کے نہیں ہوتے۔ یا اس کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں یہ دونوں مہینے ناقص نہیں ہوئے ہوں گے۔

یا پھر اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دونوں مہینے حکم اور ثواب کے اعتبار سے ناقص نہیں ہوتے اگرچہ ان میں سے ایک انتیس دن کا اور دوسرا تیس دن کا ہو یا دونوں ہی انتیس انتیس دن کے ہوں، مگر ثواب پورے تیس دن کا ہی ملتا ہے۔

رمضان سے ایک دو دن قبل روزہ رکھنے کی ممانعت

⑤ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُکُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ رَجُلٌ کَانَ یَصُوْمُ صَوْمًا فَلْیَصُمْ ذٰلِکَ الْیَوْمَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص رمضان سے ایک دن یا دو دن قبل روزہ نہ رکھے ہاں جو شخص روزہ رکھنے کا عادی ہو وہ اس دن روزہ رکھ سکتا ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جز کا مطلب یہ ہے کہ یہ ممانعت اس شخص کے حق میں نہیں ہے جو ان ایام میں روزہ رکھنے کا عادی ہو، مثلاً کوئی شخص پیر یا جمعرات کے دن نفل روزہ رکھنے کا عادی ہو اور اتفاق سے شعبان کی انتیس یا تیس تاریخ اسی دن ہو جائے تو اس کے لئے اس دن روزہ رکھنا ممنوع نہیں ہے، ہاں جو شخص ان دنوں میں روزہ رکھنے کا عادی نہ ہو وہ نہ رکھے، تاہم اتنی بات ملحوظ رہے کہ یہ ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ رمضان سے ایک دن یا دو دن قبل روزہ رکھنے کی ممانعت اس لئے ہے تاکہ نفل اور فرض دونوں روزوں کا اختلاط نہ ہو جائے اور اہل کتاب کے ساتھ مشابہت نہ ہو کیونکہ وہ فرض روزوں کے ساتھ دوسرے روزے بھی ملا لیتے تھے۔ مظہرؒ کا قول ہے کہ شعبان کے آخری ایام میں رمضان سے صرف ایک دن یا دو دن قبل روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ مولانا اسحٰقؒ فرماتے ہیں کہ "یہاں جس روزے سے منع کیا جارہا ہے"۔ وہ "یوم الشک" کا روزہ نہیں ہے بلکہ مطلقاً شعبان کے آخری ایام میں رمضان سے ایک دو دن قبل روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے البتہ جو شخص ان ایام میں روزہ رکھنے کا عادی ہو وہ اس ممانعت سے مستثنیٰ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

شعبان کے آخری نصف مہینے میں روزہ رکھنے کی ممانعت

⑥ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُوْمُوْا۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جب شعبان کا آدھا مہینہ گزر جائے تو روزے نہ رکھو۔"

(ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ شعبان کے آخری نصف مہینے میں قضا یا کسی واجب روزہ کے علاوہ اور روزے نہ رکھے جائیں مگر یہ ممانعت "نہی تنزیہی" کے طور پر ہے اور اس کا تعلق اُمت کی آسانی و شفقت سے ہے، یعنی آپ ﷺ نے رمضان کے بالکل قریبی ایام میں روزے رکھنے سے اس لئے منع فرمایا ہے تاکہ ان روزوں کی وجہ سے لوگوں کو ضعف و ناتوانی لاحق نہ ہو جائے کہ جس کی وجہ سے رمضان کے روزے دشوار اور بھاری ہو جائیں۔

قاضیؒ کا قول ہے کہ اس ممانعت کا تعلق اس شخص سے ہے کہ جس کو پے درپے (متواتر) روزے رکھنے کی طاقت میسر نہ ہو لہٰذا اس کے لئے ان دنوں میں روزے نہ رکھنا ہی مستحب ہے جیسا کہ ان لوگوں کو جو قوت برداشت نہ رکھتے ہوں عرفہ کے دن روزہ نہ رکھنا مستحب ہے تاکہ وہ روزہ کی غیر متحمل مشقت سے بچ کر اس دن ذکر و دعاء میں مشغول رہیں ہاں جن لوگوں کے اندر قوت برداشت ہو ان کے لئے شعبان کے آخری نصف مہینے میں روزے رکھنے ممنوع نہیں ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں ثابت ہے کہ آپ ﷺ شعبان میں پورے مہینے میں روزے رکھا کرتے تھے۔

شعبان کے دنوں کو یاد رکھو

⑦ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ (رواه الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ رمضان کے لئے شعبان کا مہینہ شمار کرو۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ماہ شعبان کے دنوں کو گنتے رہو اور انہیں یاد رکھو تاکہ رمضان کی آمد کا علم ہے۔

آنحضرت ﷺ شعبان کے پورے مہینے میں روزے رکھتے تھے

⑧ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ مَارَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ اِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ۔

(رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

"اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو صرف دو مہینوں یعنی شعبان اور رمضان میں متواتر روزے رکھتے دیکھا ہے۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: یعنی نبی کریم ﷺ جس طرح رمضان کے پورے مہینے میں روزے رکھا کرتے تھے۔ ایسے ہی شعبان کے پورے مہینے میں بھی روزے سے رہتے تھے اس حدیث کی مفصل وضاحت انشاء اللہ "باب صیام التطوع" میں مذکور ہوگی۔

یوم الشک کے روزہ کا مسئلہ

⑨ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ قَالَ مَنْ صَامَ الْیَوْمَ الَّذِیْ یُشَكُّ فِیْهِ فَقَدْ عَصٰی اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

(رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

"اور حضرت عمار بن یاسرؓ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے (یوم الشک) کو روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔"

(ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: شعبان کی تیسویں شب یعنی انتیس تاریخ کو ابر وغیرہ کی وجہ سے چاند نہیں دیکھا گیا مگر ایک شخص نے چاند دیکھنے کی شہادت دی اور

اس کی شہادت قبول نہیں کی گئی اسی طرح دو فاسق لوگوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ان کی گواہی قبول نہیں کی گئی، اس کی صبح کو جو دن ہوگا یعنی تیس تاریخ کو "یوم الشک" (شک کا دن) کہلائے گا کیونکہ اس دن کے بارے میں یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ رمضان شروع ہو گیا ہو اور یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ رمضان شروع نہ ہوا ہو لہٰذا اس غیر یقینی صورت کی وجہ سے اسے شک کا دن کہا جاتا ہے ہاں اگر انتیس تاریخ کو ابر وغیرہ نہ ہوا اور کوئی بھی شخص چاند نہ دیکھے تو تیس تاریخ کو یوم الشک نہ کہیں گے۔

اس حدیث میں اسی دن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ "یوم الشک" کو رمضان یا کسی واجب کی نیت سے روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ البتہ اس دن نفل روزہ رکھنے کے بارے میں کچھ تفصیل ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص شعبان کی پہلی ہی تاریخ سے نفل روزہ رکھتا چلا آرہا ہو یا تیس تاریخ و اتفاق سے اس دن ہو جائے کہ جس میں کوئی شخص روزہ رکھنے کا عادی ہو (جس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے) تو اس کے لئے اس دن روزہ رکھنا افضل ہوگا۔

اسی طرح یوم الشک کو روزہ رکھنا اس شخص کے لئے بھی افضل ہے جو شعبان کے آخری تین دنوں میں روزے رکھتا ہو اور اگر یہ صورتیں نہ ہوں تو پھر یوم الشک کا مسئلہ یہ ہے کہ "خواص" تو اس دن نفل کی نیت کے ساتھ روزہ رکھ لیں اور "عوام" دوپہر تک کچھ کھائے پئے بغیر انتظار کریں اگر چاند کی کوئی قابل قبول شہادت نہ آئے تو دوپہر کے بعد افطار کرلیں۔

حضرت ابن عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ کا یہ معمول نقل کیا جاتا ہے کہ یہ حضرات شعبان کی انتیس تاریخ کو چاند تلاش کرتے اگر چاند دیکھ لیتے یا معتبر شہادت کے ذریعے رویت ہلال کا ثبوت ہو جاتا تو اگلے روز روزہ رکھتے ورنہ بصورت دیگر ابر و غبار وغیرہ سے مطلع صاف ہونے کی صورت میں روزہ نہ رکھتے ہاں اگر مطلع صاف نہ ہوتا تو روزہ رکھ لیتے تھے اور علماء فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ان کا یہ روزہ نفل ہوتا تھا۔

"خواص" سے مراد وہ لوگ ہیں جو "شک کے دن" کے روزے کی نیت کرنا جانتے ہوں اور جو لوگ اس دن کے روزے کی نیت کرنا نہ جانتے ہوں انہیں "عوام" کہا جاتا ہے، چنانچہ اس دن روزہ کی نیت یہ ہے کہ جو شخص اس دن (کہ جس میں رمضان کے بارے میں شک واقع ہو رہا ہے) روزہ رکھنے کا عادی نہ ہو وہ یہ نیت کرے کہ میں آج کے دن نفل روزے کی نیت کرتا ہوں اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ اگر آج رمضان کا دن ہو تو یہ روزہ رمضان کا بھی ہے اس طرح نیت کرنی مکروہ ہے۔ کہ "اگر کل رمضان کا دن ہو تو یہ روزہ رمضان میں محسوب ہو اور اگر رمضان کا دن نہ ہو تو نفل یا کسی اور واجب میں محسوب ہو"۔ تاہم اگر کسی نے اس طرح نیت کرلی اور اس دن رمضان کا ہونا ثابت ہو گیا تو وہ روزہ رمضان ہی میں محسوب ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص اس نیت کے ساتھ روزہ رکھے کہ اگر آج رمضان کا دن ہوگا تو میرا بھی روزہ ہوگا اور اگر رمضان کا دن نہیں ہوگا تو میرا روزہ بھی نہیں ہوگا۔ تو اس طرح نہ نفل کا روزہ ہوگا اور نہ رمضان ہی کا ہوگا چاہے اس دن رمضان کا ہونا ہی ثابت کیوں نہ ہو جائے۔

شہادت ہلال

(۱۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّی رَاَیْتُ الْھِلَالَ یَعْنِیْ ھِلَالَ رَمَضَانَ فَقَالَ اَتَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ نَعَمْ قَالَ یَا بِلَالُ اَذِّنْ فِی النَّاسِ اَنْ یَّصُوْمُوْا غَدًا۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت (ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم کیا اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے" اس نے کہا کہ ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں؟ اس نے کہا ہاں! (اس کے بعد) آنحضرت ﷺ نے (حضرت

بلالؓ سے) فرمایا کہ بلال لوگوں میں اعلان کر دو کہ کل روزہ رکھیں۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص مستور الحال ہو یعنی اس کا فاسق ہونا معلوم نہ ہو تو رمضان کے چاند کے بارے میں اس کی شہادت معتبر اور قابل قبول ہوگی نیز یہ کہ رمضان کے چاند کی گواہی دیتے ہوئے لفظ "شہادت" کا استعمال شرط نہیں ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہلال رمضان کی شہادت میں صرف ایک شخص کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے، چنانچہ حنفی مسلک میں صحیح مسئلہ یہی ہے کہ ہلال رمضان کی رؤیت ایک عادل یا مستور الحال شخص کی شہادت سے ثابت ہو جاتی ہے نیز یہ کہ ہلال رمضان کی شہادت میں لفظ "شہادت" کا استعمال شرط نہیں ہے مگر ایک شخص کی گواہی اسی صورت میں معتبر ہوگی جب کہ مطلع ابر و غبار آلود ہو اگر عید کی چاند رات کو ابر و غبار ہو تو پھر دو مرد یا ایک مرد اور دو عادل و آزاد عورتوں کی شہادت ہی معتبر ہوگی نیز یہ کہ اس موقع پر لفظ "شہادت" کا استعمال بھی شرط ہوگا۔ پھر موقع و محل کے پیش نظر شہادت کی صورت بھی بدلتی رہتی ہے۔ مطلع صاف ہو تو "جماعت کثیرہ" کی شہادت ضروری ہوگی۔

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَرَائَ النَّاسُ الْهِلَالَ فَاَخْبَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ رَاَيْتُهُ فَصَامَ وَاَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) چاند دیکھنے کے لئے لوگ جمع ہوئے، چنانچہ میں نے رسول کریم ﷺ کو بتایا کہ میں نے چاند دیکھا ہے، آپ ﷺ نے روزہ رکھ لیا اور دوسرے لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ شعبان کے دنوں کو بڑی احتیاط سے شمار کرتے تھے

(۱۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَالَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهٖ ثُمَّ يَصُوْمُ لِرُؤْيَةِ رَمَضَانَ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ (رواہ ابوداؤد)

"ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ شعبان کے دنوں کو اس قدر احتیاط سے شمار کرتے تھے کہ اور کسی مہینے پر اتنی توجہ مبذول نہیں فرماتے تھے۔ پھر آپ ﷺ رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھتے، اگر (انتیس تاریخ کو) مطلع ابر آلود ہوتا (اور چاند کی رویت ثابت نہ ہوتی) تو تیس دن پورے کرنے کے بعد روزہ شروع کرتے تھے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: آپ ﷺ کا معمول تھا کہ شعبان کے مہینے پر آپ ﷺ کی خاص توجہ رہتی تھی اور اس کے دنوں کو بڑی احتیاط اور محافظت کے ساتھ شمار کرتے رہتے تھے تاکہ رمضان کے چاند کے بارے میں کوئی خربطہ پیدا نہ ہو۔ شعبان کے علاوہ اور کسی مہینے پر آپ ﷺ کی اس قدر توجہ مبذول نہیں ہوتی تھی کیونکہ کسی دوسرے مہینے سے کوئی شرعی امر متعلق نہیں تھا البتہ حج کا مہینہ ایسا ہوتا تھا جس سے ایک شرعی فریضہ متعلق تھا سو وہ نادر ہے کہ نہ تو اس کا تعلق ہر شخص سے ہے اور نہ ہر سال فرض ہے۔

چاند دیکھ کر روزہ رکھنا چاہئے

(۱۳) وَعَنْ اَبِي الْبَخْتَرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا لِلْعُمْرَةِ فَلَمَّا نَزَلْنَا بِبَطْنِ نَخْلَةَ تَرَاءَيْنَا الْهِلَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ فَلَقِيْنَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْنَا اِنَّا رَاَيْنَا الْهِلَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ فَقَالَ اَيَّ لَيْلَةٍ رَاَيْتُمُوْهُ قُلْنَا لَيْلَةَ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَدَّهٗ لِلرُّؤْيَةِ فَهُوَ لَيْلَةَ رَاَيْتُمُوْهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ اَهْلَلْنَا رَمَضَانَ وَنَحْنُ بِذَاتِ عِرْقٍ فَاَرْسَلْنَا رَجُلًا اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْاَلُهٗ فَقَالَ

ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَمَدَّهُ لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ اُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوالبختری کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ عمرہ کرنے کی غرض سے اپنے شہر کوفہ سے نکلے جب ہم لوگ بطن نخلہ میں (جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے) ٹھہرے تو چاند دیکھنے کے لئے ایک جگہ جمع ہوئے (چاند دیکھنے کے بعد) بعض لوگوں نے کہا کہ یہ چاند تیسری شب کا ہے اور دوسرے بعض لوگوں نے کہا کہ دوسری شب کا ہے، اس کے جب ابن عباسؓ سے ہماری ملاقات ہوئی تو ہم نے اس سے لوگوں کا بیان عرض کیا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم نے چاند کس رات دیکھا تھا؟ ہم نے کہا کہ ایسی اور ایسی رات (یعنی فلاں مثلاً پیر یا منگل کی رات) میں دیکھا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان کی مدت کو چاند دیکھنے پر موقوف کیا ہے (یعنی جب چاند دیکھا جائے گا تو رمضان کی ابتداء ہوگی) لہٰذا چاند اسی رات کا ہے کہ جس رات میں تم نے اسے دیکھا ہے۔ ابوالبختری ہی کی ایک روایت یوں ہے کہ ہم نے ذات عرق میں کہ (جو مذکورہ بالا بطن نخلہ کے قریب ایک مقام ہے) چاند دیکھا، چنانچہ ہم نے ایک شخص کو حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں ان سے یہ پوچھنے کے لئے بھیجا کہ یہ چاند کس رات کا ہے؟ کیونکہ ہمارے درمیان مذکورہ بالا اختلاف پیدا ہو گیا تھا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شعبان کی مدت کو رمضان کا چاند دیکھنے کے وقت تک دراز کیا ہے۔ لہٰذا اگر (انتیس تاریخ کو) مطلع ابر آلود ہو تو گنتی پوری کرو۔ (یعنی شعبان کے تیس دن پورے کرو) اور اس کے بعد روزہ رکھو۔" (مسلمؒ)

تشریح: حاصل یہ ہے کہ رمضان کا مدار چاند دیکھنے پر ہے چاند کے بڑا ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ منقول ہے کہ چاند رات میں چاند کا بڑا ہونا قرب قیامت کی علامت ہے۔ یہاں جو روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ وہ اگرچہ بظاہر مختلف معلوم ہوتی ہیں مگر درحقیقت اس احتمال کے پیش نظر ان میں کوئی منافات نہیں ہے کہ ان لوگوں نے ذات عرق میں جمع ہو کر چاند دیکھا ہو پھر ان میں اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں ایک آدمی حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں بھیجا گیا ہو، انہوں نے اس وقت آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل فرمادیا، پھر جب سب لوگ بطن نخلہ میں پہنچے، تو اس بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے بالمشافہ سوال کیا، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ نے انہیں آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کی روشنی میں مذکورہ بالا جواب دیا، چاند دیکھنے کے بارے میں کچھ مسائل ذہن نشین کر لیجئے۔

اگر شعبان کی تیس تاریخ کو دن میں زوال سے پہلے یا زوال کے بعد چاند نظر آئے تو وہ شب آئندہ کا چاند سمجھا جائے گا، لہٰذا اس دن نہ تو رمضان کی ابتداء کا حکم دیا جائے گا۔ اور نہ اس دن روزہ رکھنے کے لئے کہا جائے گا، اسی طرح اگر رمضان کی تیس تاریخ کو چاند نظر آئے تو نہ اس دن روزہ افطار کیا جائے گا اور نہ اس دن کو یوم عید قرار دیا جائے گا۔ شعبان کی تیسویں شب یعنی انتیس تاریخ کو چاند تلاش کرنا واجب علی الکفایہ ہے۔ اگر کسی ایک جگہ چاند کی رویت ثابت ہو جائے تو تمام جگہوں کے لوگوں کو اگلے روز روزہ رکھنا واجب ہوگا اس سلسلے میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہ ہوگا۔ مثلاً اگر دہلی میں جمعہ کی شب میں چاند کی رویت ہو جائے اور دوسرے شہروں میں ہفتہ کی شب میں چاند دیکھا جائے تو ہفتہ کی شب میں چاند دیکھنے کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ تمام شہروں میں دہلی کی رویت معتبر ہوگی اور سب جگہ جمعہ کے روز سے روزہ رکھنا لازم ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ظاہری روایت یہی ہے اور حنفیہ کے جمہور علماء کا اسی پر اعتماد و فتویٰ ہے جب کہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مسلک میں اختلاف مطالع کا اعتبار ہے، ان حضرات کے ہاں ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں کے لئے کافی نہیں ہے۔

جس شخص نے رمضان کا چاند دیکھا ہو اور اس کی شہادت و خبر کسی وجہ سے قابل قبول نہ ہو تو خود اس کو اپنی رویت کے مطابق روزہ رکھنا چاہئے۔ اگر وہ خود بھی روزہ نہیں رکھے گا تو اس پر قضا لازم آئے گی۔

باب
روزہ کے متفرق مسائل کا بیان
اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
سحری کھانے کا حکم

① عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِى السَّحُوْرِ بَرَكَةً (متفق علیہ)

"حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سحری کھاؤ، کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ روزہ رکھنے کے لئے سحر کے وقت کچھ نہ کچھ کھالینا چاہئے، چنانچہ ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ سحری کھاؤ، چاہے وہ ایک گھونٹ پانی ہی کی شکل میں کیوں نہ ہو۔ یہ حکم وجوب کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور استحباب ہے۔ "سحر" رات کے آخری حصے کو کہتے ہیں "سحور" سین کے زبر کے ساتھ اسم ہے یعنی سحور طعام سحر کو کہتے ہیں اور سین کے پیش کے ساتھ "مصدر" ہے جس کے معنی ہیں "سحر کے وقت کھانا" یہاں اس روایت میں یہ لفظ "سحور" (اسم) نقل کیا گیا ہے، چنانچہ محدثین کے نزدیک روایت محفوظ میں یہ لفظ یوں ہی ہے البتہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ بہتر اور مناسب سحور (مصدر) ہی ہے کیونکہ حدیث کے مفہوم کے پیش نظر برکت کا تعلق "فعل" یعنی سحر کے وقت کھانے سے ہے نہ کہ اس کا تعلق اسم یعنی طعام سے ہے۔

"برکت" سے مراد یہ ہے کہ سحری کھانا چونکہ دراصل سُنّت نبوی پر عمل کرنا ہے اس لئے اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اجر عظیم حاصل ہوتا ہے بلکہ روزہ رکھنے کی قوت بھی آتی ہے۔

سحر کے وقت کھانا اہل ایمان اور اہل کتاب کے درمیان ایک امتیاز ہے

② وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتَابِ اَكْلَةُ السَّحَرِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمرو بن عاصؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ہمارے روزے اور اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) کے روزے کے درمیان فرق سحری کھانا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اہل کتاب کے ہاں رات میں سو رہنے کے بعد کھانا حرام تھا، اسی طرح مسلمانوں کے ہاں بھی ابتداء اسلام میں یہی حکم تھا مگر بعد میں مباح ہو گیا، لہٰذا سحری کھانے سے اہل کتاب کی مخالفت لازم آتی ہے جو اس عظیم نعمت کی شکر گذاری کا ایک ذریعہ ہے۔

افطار میں جلدی بھلائی ہے

③ وَعَنْ سَهْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ (متفق علیہ)

"اور حضرت سہلؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے، بھلائی کے ساتھ رہیں گے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "افطار میں جلدی" کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب کے غروب ہو جانے کے بعد افطار میں دیر نہ لگائی جائے، شہروں میں غروب

آفتاب کی علامت یہ ہے کہ مشرق کی جانب سیاہی بلند ہو جائے یعنی جہاں سے صبح صادق شروع ہوتی ہے وہاں تک پہنچ جائے آسمان کے بیچوں بیچ سیاہی کا پہنچنا شرط نہیں ہے۔

غروب آفتاب کے بعد افطار میں جلدی کرنے سے اہل کتاب کی مخالفت بھی ہوتی ہے کیونکہ وہ افطار میں اس وقت تک تاخیر کرتے ہیں جب کہ ستارے خوب اچھی طرح نہیں نکل آتے مسلمانوں میں اہل بدعت یعنی روافض کے یہاں بھی اسی پر عمل ہے لہٰذا ان کی مخالفت بھی ہو جاتی ہے۔

صحیح احادیث کے بموجب مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے افطار کرنا سنت ہے۔

افطار کا وقت

④ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا وَاَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ (متفق علیہ)

"اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جب ادھر سے رات آئے (یعنی مشرق کی جانب سے رات کی سیاہی بلند ہو) اور ادھر (مغرب) سے دن جائے اور سورج (پورا) ڈوب جائے تو (سمجھو کہ) روزہ دار نے افطار کیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: وغربت الشمس (اور سورج ڈوب جائے) دراصل اپنے ماقبل کے جملوں کی تاکید کے طور پر استعمال فرمایا گیا، حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ جب افطار کا وقت ہو گیا تو گویا روزہ دار نے افطار کر لیا چاہے اس نے کچھ کھایا پیا نہ ہو بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ "روزہ دار افطار کے وقت میں داخل ہو گیا"۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس جملے کے معنی مراد ہوں کہ "جب مذکورہ وقت آجائے تو روزہ کو افطار کر لینا چاہئے"۔

روزہ پر روزہ رکھنے کا مسئلہ

⑤ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاَيُّكُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَيَسْقِيْنِیْ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے روزہ پر روزہ رکھنے سے منع فرمایا تو ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ (ﷺ) تو روزہ پر روزہ رکھتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے کون شخص میری طرح ہے، میں تو اس طرح رات گذارتا ہوں کہ مجھے میرا پروردگار کھلاتا ہے اور میری پیاس بجھاتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "روزہ پر روزہ" کا مطلب یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد روزے اس طرح مسلسل رکھے جائیں کہ درمیان میں افطار نہ ہو۔ روزہ پر روزہ رکھنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ یہ ضعف کا سبب ہوتا ہے جس کی وجہ سے دوسری عبادات وطاعات میں نقصان و حرج واقع ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں علماء کے ہاں اختلاف ہے کہ آیا آنحضرت ﷺ کے علاوہ اور لوگوں کے لئے روزہ پر روزہ رکھنا جائز ہے یا حرام اور یا مکروہ؟ چنانچہ بعض حضرات تو اس شخص کے لئے جواز کے قائل ہیں جو اس پر قادر ہو، یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس صورت میں حدیث بالا میں مذکورہ ممانعت صرف رحمت و شفقت کے طور پر ہے ان کی دلیل حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو وصال (یعنی روزہ پر روزہ رکھنے) سے ان پر رحمت و شفقت کے پیش نظر منع فرمایا ہے۔ نیز بعض صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ اور بعض تابعین مثلاً حضرت عبداللہ بن ابی معمر، عامر بن عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت ابراہیم تیمی کے بارے میں منقول ہے کہ یہ حضرات روزہ پر روزہ رکھتے تھے۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے اسے مکروہ

کہا ہے اگرچہ اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ مکروہ تحریمی ہے جمہور علماء کا کہنا یہ ہے کہ روزہ پر روزہ رکھنا آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے ہے اور حدیث کے ظاہری مفہوم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اس بنا پر اہل سلوک کہ جو ریاضت و مجاہدہ اور نفس کشی کا زیادہ شوق اور ذوق رکھتے ہیں ایک چلو پانی سے ہر روزہ کا افطار کر لیا کرتے تھے تاکہ روزہ پر روزہ رکھنے کا اطلاق نہ ہو سکے۔

يطعمني ربي ويسقيني کی مراد کے بارے میں کئی اقوال ہیں مختار اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ان سے "ظاہری کھلا پلانا" مراد نہیں ہے، آپ ﷺ غذائے جسمانی سے قطعاً مستغنی تھے اور جب دنیاوی طور پر محبت مجازی اور مسرت حسی میں اس کا تجربہ ہے تو محبت حقیقی اور مسرت معنوی کا کیا کہنا کہ اس کی وجہ سے علائق دنیا سے جتنا بھی استغنا ہو کم ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

روزہ کی نیت کب کی جائے

(۶) عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ اَبُوْ دَاوُدَ وَقَفَهُ عَلٰى حَفْصَةَ مَعْمَرٌ وَّالزُّبَيْدِيُّ وَابْنُ عُيَيْنَةَ وَيُوْنُسُ الْاَيْلِيُّ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ۔

"حضرت حفصہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص روزے کی نیت فجر کے پہلے نہ کرے تو اس کا روزہ (کامل) نہیں ہوتا۔ (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ) اور امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ معمرؒ، زبیدیؒ، ابن عیینہؒ اور یونس ایلیؒ ان تمام نے اس روایت کو زہری سے نقل کیا ہے اور حضرت حفصہؓ پر موقوف کیا ہے یعنی اس حدیث کو حضرت حفصہؓ کا قول کہا ہے۔"

تشریح: اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر روزہ کی نیت رات ہی سے نہ کی جائے تو روزہ درست نہیں ہوتا خواہ روزہ فرض ہو یا واجب یا نفل۔ لیکن اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، چنانچہ حضرت امام مالکؒ کا تو یہی مسلک ہے کہ روزہ میں نیت رات ہی سے کرنی شرط ہے خواہ روزہ کسی نوعیت کا ہو، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے لیکن نفل کے معاملے میں ان دونوں کے یہاں اتنا فرق ہے کہ اگر روزہ نفل ہو تو امام احمدؒ کے ہاں زوال سے پہلے بھی نیت کی جا سکتی ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک آفتاب غروب ہونے سے پہلے تک بھی نیت کر لینی جائز ہے۔ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ رمضان، نفل اور نذر معین کے روزہ میں آدھے دن شرعی یعنی زوال آفتاب سے پہلے پہلے نیت کر لینی جائز ہے لیکن قضاء کفارہ اور نذر مطلق میں حنفیہ کے یہاں بھی رات ہی سے نیت کرنی شرط ہے ان تمام حضرات کی دلیلیں فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

سحری کا آخری وقت

(۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ اَحَدُكُمْ وَالْاِنَاءُ فِيْ يَدِهٖ فَلَا يَضَعْهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اگر تم میں سے کوئی شخص (فجر کی) اذان سنے اور اس کے ہاتھوں میں برتن ہو (کہ جس سے وہ پینے یا کچھ کھانے کا ارادہ رکھتا ہو) تو برتن نہ رکھ دے بلکہ اپنی ضرورت پوری کر لے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر سحر کے وقت کوئی شخص کھانا پینا چاہتا ہو مگر فجر کی اذان شروع ہو گئی تو وہ محض اذان کی آواز سن کر اپنا کھانا نہ چھوڑ دے، لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ حکم اس صورت کے لئے ہے جب کہ یہ یقین یا گمان غالب ہو کہ صبح نہیں ہوئی ہے اور سحر کا وقت

باقی ہے اور اگر اس بات کا یقین یا گمان غالب ہو کہ صبح ہو گئی ہے اور سحر کا وقت باقی نہیں رہا ہے تو پھر کھانا پینا چھوڑ دینا چاہئے۔ ابن مالک فرماتے ہیں کہ اگر طلوع صبح کا علم نہ ہو تو کھانا پینا موقوف نہ کرے اور اگر یہ معلوم ہو کہ صبح طلوع ہو گئی ہے یا طلوع صبح کا شک بھی ہو تو کھانا پینا چھوڑ دے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حدیث میں مذکور "اذان" سے مراد "مغرب کی اذان" ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اذان سن کر کھانا پینا چھوڑ دینا مسنون ہے مگر افطار کے وقت اگر کوئی شخص مغرب کی اذان سنے اور وہ کچھ پی رہا ہو تو اس صورت میں پینا نہ چھوڑے بلکہ پہلے پی لے پھر نماز کے لئے جائے۔

وقت ہو جانے پر افطار میں جلدی کرنے کی فضیلت

⑧ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے بندوں میں مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ بندہ ہے جو (وقت ہو جانے پر) افطار میں جلدی کرے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: جلد افطار کرنے والے کو خدا کی نظر میں سب سے زیادہ پسندیدہ ہونے کی فضیلت اس لئے حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنے اس عمل کے ذریعے نہ صرف یہ کہ سنت کی اتباع کرتا بلکہ اہل کتاب اور روافض کی مخالفت بھی کرتا ہے۔

کھجور اور پانی سے افطار باعث برکت ہے

⑨ وَعَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰی تَمْرٍ فَاِنَّهٗ بَرَكَةٌ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰی مَاءٍ فَاِنَّهٗ طَهُوْرٌ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ وَلَمْ يَذْكُرْ فَاِنَّهٗ بَرَكَةٌ غَيْرُ التِّرْمِذِیِّ۔

"اور حضرت سلمان بن عامرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے جو شخص روزہ افطار کرے تو اسے چاہئے کہ وہ کھجور سے افطار کرے کیونکہ کھجور باعث برکت ہے اور اگر کوئی شخص کھجور نہ پائے تو پانی سے افطار کرے کیونکہ پانی پاک کرنے والا ہے۔ اس روایت کو احمدؒ و ترمذیؒ و ابن ماجہؒ و دارمیؒ نے نقل کیا ہے مگر لفظ فانہ برکۃ ترمذیؒ کے علاوہ کسی اور نے ذکر نہیں کیا ہے۔"

تشریح: کھجور اور پانی سے افطار کرنے کا حکم استحباب کے طور پر ہے اور کھجور سے افطار کرنے میں بظاہر حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب معدہ خالی ہوتا ہے اور کھانے کی خواہش پوری طرح ہوتی ہے تو اس صورت میں جو چیز کھائی جاتی ہے اسے معدہ اچھی طرح قبول و ہضم کرتا ہے، لہٰذا ایسی حالت میں جب شیرینی معدہ میں پہنچتی ہے تو بدن کو بہت زیادہ فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ شیرینی کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے قوائے جسمانی میں قوت جلدی سرایت کرتی ہے، خصوصاً قوت باصرہ کو شیرینی سے بہت فائدہ پہنچتا ہے اور چونکہ عرب میں شیرینی اکثر کھجور ہی کی ہوتی ہے اور اہل عرب کے مزاج اس سے بہت زیادہ مانوس ہیں اس لئے کھجور سے افطار کرنے کے لئے فرمایا گیا، کھجور نہ پانے کی صورت میں پانی سے افطار کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ ظاہری و باطنی طہارت و پاکیزگی کے لئے فال نیک ہے۔

آنحضرت ﷺ کی افطاری

⑩ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّیَ عَلٰی رُطَبَاتٍ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٌ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ

غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز مغرب سے پہلے چند تازہ کھجوروں سے افطار فرمایا کرتے تھے اگر تازہ کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند (یعنی تین) چلو پانی پی لیتے۔ (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ) اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: ایک روایت میں جو ابویعلی سے منقول ہے یہ ہے کہ "رسول کریم ﷺ تین کھجوروں سے یا کسی ایسی چیز سے جو آگ کی پکی ہوئی نہ ہوتی تھی۔ روزہ کھولنا پسند فرماتے تھے"۔

بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ مکہ مکرمہ میں مقیم لوگوں کے لئے یہ مسنون ہے کہ وہ کھجوروں سے پہلے آب زمزم پی کر روزہ افطار یں یا ان دونوں کو ملا کر ان سے روزہ افطار یں تو یہ بالکل غلط بلکہ اتباع سنت نبوی کے بھی خلاف ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں بہت دنوں تک مقیم رہے مگر آپ ﷺ سے ایسا کوئی عمل منقول نہیں ہے۔

روزہ افطار کرانے والے کو روزہ دار جیسا ثواب ملتا ہے

(۱۱) وَعَنْ زَيْدِبْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْجَهَّزَ غَازِيًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَمُحْيُ السُّنَّةِ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت زید ابن خالدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص روزہ دار کو افطار کراتا ہے یا کسی غازی کا سامان درست کرتا ہے تو اس کو اسی کے ثواب جیسا ثواب ملتا ہے۔ (اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے، نیز محی السنۃ نے بھی اسے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ روزہ دار کو اس کے روزے کی وجہ سے اور غازی کو اس کے جہاد کا جیسا ثواب ملتا ہے ویسا ہی ثواب کسی کو روزہ افطار کرانے والے اور کسی مجاہد کا سامان جہاد درست کرنے والے کو بھی ملتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے اس عمل کے ذریعے ایک نیک کام میں مددگار ہوتا ہے۔

افطار پر ارشاد گرامی

(۱۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ افطار کرتے تو یہ فرماتے۔ پیاس چلی گئی، رگیں تر ہو گئیں اور اللہ نے چاہا تو ثواب ثابت ہو گیا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی میں امت کے لئے عبادات کی ترغیب ہے کہ عبادات میں مشقت تو بہت تھوڑی ہے کیونکہ وہ ختم ہو جاتی ہے مگر اجر و ثواب زیادہ ہے اس لئے کہ وہ باقی و ثابت رہنے والا ہے۔

افطار کی دعا

(۱۳) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ مُرْسَلًا۔

"اور حضرت معاذ بن زہرہ (تابعی) کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب افطار کرتے تو یہ فرماتے۔ اے اللہ میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور اب تیرے ہی رزق سے افطار کرتا ہوں۔ (اس روایت کو ابوداؤد نے بطریق ارسال نقل کیا ہے)۔"

تشریح: ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ یہ دعا افطار کے بعد پڑھا کرتے تھے اس دعا میں وَلَكَ صُمْتُ کے بعد یہ الفاظ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ عام طور سے پڑھے جاتے ہیں، یہ الفاظ اگرچہ حدیث سے ثابت نہیں ہیں مگر معنی کے اعتبار سے صحیح ہیں، ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے کہ روزہ دار افطار کے وقت جو دعا مانگتا ہے وہ رد نہیں کی جاتی بلکہ قبول ہوتی ہے۔ افطار کے وقت آپ ﷺ سے یہ پڑھنا بھی منقول ہے یَاوَاسِعَ الْفَضْلِ اغْفِرْلِیْ نیز یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ یہ بھی پڑھا کرتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعَانَنِیْ فَصُمْتُ وَرَزَقَنِیْ فَاَفْطَرْتُ

"تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے میری مدد کی کہ میں نے روزہ رکھا اور مجھے رزق عطا فرمایا کہ میں نے افطار کیا۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

جلدی افطار کرنے کا ثمرہ

⑭ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الدِّيْنُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِاَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى يُؤَخِّرُوْنَ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ دین اسلام ہمیشہ غالب رہے گا جب تک کہ لوگ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے کیونکہ یہود و نصاریٰ افطار میں دیر کرتے ہیں۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہود و نصاریٰ افطار میں اتنی تاخیر کرتے ہیں کہ ستارے گنجان یعنی پوری طرح نکل آتے ہیں اور اس زمانہ میں روافض بھی ان کی پیروی کرتے ہیں، لہٰذا وقت ہو جانے پر جلدی افطار کرنے میں اہل باطل کی مخالفت ہوتی ہے جس سے دین کا غلبہ اور دین کی شوکت ظاہر ہوتی ہے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دین کے دشمنوں کی مخالفت درحقیقت دین کی مضبوطی اور غلبہ کا باعث ہے اور ان کی موافقت دین کے نقصان کا ذریعہ ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ

"اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ ان میں سے بعض بعض لوگوں کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو شخص ان سے دوستی کرے گا وہ ان ہی میں سے ہوگا۔"

جلدی افطار کرنا مسنون ہے

⑮ وَعَنْ اَبِیْ عَطِيَّةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَمَسْرُوْقٌ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْنَا يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَجُلَانِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدُهُمَا يُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلٰوةَ وَالْاٰخَرُ يُؤَخِّرُ الْاِفْطَارَ وَيُؤَخِّرُ الصَّلَاةَ قَالَتْ اَيُّهُمَا يُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلَاةَ قُلْنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ هٰكَذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ اَبُوْ مُوْسٰى (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوعطیہ کہتے ہیں کہ میں اور مسروق دونوں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے ام المؤمنین! آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ میں دو اشخاص ہیں ان میں سے ایک صاحب تو جلدی افطار کرتے ہیں اور جلدی نماز پڑھتے ہیں دوسرے

صاحب دیر کر کے افطار کرتے ہیں دیر کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ جلدی افطار کرنے والے اور نماز پڑھنے والے کون صاحب ہیں؟ ہم نے کہا کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا یہی معمول تھا اور دوسرے صاحب جو افطار اور نماز میں دیر کرتے تھے حضرت ابو موسیٰؓ تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ بڑے اونچے درجے کے عالم اور فقیہ تھے اس لئے انہوں نے سُنّت کے مطابق عمل کیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ بھی بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کا عمل بیان جواز کی خاطر تھا یا انہیں کوئی عذر لاحق ہوگا یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ایسا کبھی کبھی، (کسی مصلحت و مجبوری کی خاطر) کرتے ہوں گے۔

سحری بابرکت ہے

⑯ وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى السُّحُوْرِ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلُمَّ اِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عرباض ابن ساریہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے رمضان میں سحری کھانے کے لئے بلایا اور فرمایا کہ بابرکت کھانے کے لئے آؤ۔" (ابوداؤدؒ والنسائیؒ)

بہترین سحری

⑰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ سُحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ (رواہ ابوداؤد)

"اور ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ مؤمن کے لئے سحری کا بہترین کھانا کھجور ہے۔" (ابوداؤدؒ)

بَابُ تَنْزِيْهِ الصَّوْمِ
روزہ کو پاک کرنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ کن چیزوں سے روزہ جاتا رہتا ہے اور کن چیزوں سے روزہ کا ثواب باطل ہوجاتا ہے نیز یہ کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جن سے روزہ کا ثواب کم ہوجاتا ہے لہٰذا ان تمام چیزوں سے اجتناب اور پرہیز ضروری ہے جن سے روزہ پر کسی بھی حیثیت سے اثر پڑتا ہو۔

اگرچہ روزہ کے مفسدات وغیرہ آئندہ صفحات میں مذکور احادیث کے ضمن میں متفرق طور پر آئیں گے لیکن مناسب معلوم ہوا کہ اس موقع پر ایسے تمام مسائل یکجا طور پر فقہ کی معتبر کتابوں کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے جائیں تاکہ قارئین کو فائدہ اور آسانی ہو اس لئے "امداد الفتاح شرح نور الایضاح" سے ماخوذ مسائل یہاں نقل کئے جاتے ہیں، یہ کتاب عرب میں بھی معتبر اور مروج ہے نیز اس کتاب میں یہ مسائل بڑی ترتیب کے ساتھ مذکور ہیں، بعض مسائل در مختار سے بھی اخذ کئے گئے ہیں۔

وہ چیزیں جن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

کسی شخص کو روزے کا خیال نہ رہا اور اس وجہ سے اس نے کچھ کھا پی لیا یا جماع کر لیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، خواہ روزہ فرض ہو یا نفل۔ کسی شخص نے بھول کر جماع شروع کیا پھر فوراً ہی یاد آگیا کہ روزہ دار ہوں تو اگر اس نے یاد آتے ہی فوراً اپنا عضو مخصوص شرمگاہ سے باہر نکال لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر نہ نکالا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس صورت میں اس روزے کی قضا لازم ہوگی۔ کفارہ ضروری نہیں

ہو گا مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ کفارہ کا ضروری نہ ہونا اس صورت سے متعلق ہے جب کہ اپنے بدن کو حرکت نہ دے یعنی یاد آ جانے کے بعد دھکا نہ لگائے۔ جس سے کہ انزال ہو جائے کیونکہ اگر دھکا لگائے گا تو کفارہ لازم ہو گا جیسا کہ اگر کوئی شخص یاد آ جانے کے بعد عضو مخصوص باہر نکال کر پھر داخل کر دے تو اس پر کفارہ لازم ہو گا اگر کوئی شخص طلوع فجر سے پہلے قصداً جماع میں مشغول ہو گیا اور اسی دوران فجر طلوع ہو گئی تو اسے فوراً علیحدہ ہو جانا ضروری ہو گا اگر نہ صرف یہ کہ فوراً علیحدہ نہ ہو بلکہ بدن کو حرکت بھی دے تو اس صورت میں کفارہ لازم ہو گا۔ ہاں بدن کو حرکت نہ دے اور علیحدہ بھی نہ ہو تو صرف روزہ فاسد ہو جائے گا، اگر کوئی شخص طلوع فجر کے خوف سے جماع سے علیحدہ ہو جائے اور پھر طلوع فجر کے بعد جماع سے علیحدہ ہو جانے کی صورت میں انزال ہو جائے تو اس سے روزہ پر اثر نہیں پڑے گا۔

اگر کوئی شخص بھول کر کچھ کھا پی رہا ہو تو دوسرے لوگوں کو اسے یاد دلانا چاہئے کیونکہ ایسی حالت میں اسے یاد نہ دلانا مکروہ ہے بشرطیکہ اس شخص میں روزہ رکھنے کی قوت ہو اور وہ بغیر کسی مشقت کے رات تک اپنا روزہ پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہو، اگر کوئی شخص اسے یاد دلا دے، اور پھر بھی اسے یاد نہ آئے اور وہ کھا پی لے تو اس صورت میں اس پر قضا لازم ہو گی، اگر اس شخص میں روزہ رکھنے کی قوت نہ ہو تو اسے یاد نہ دلانا ہی اولیٰ ہے۔

عورت کی شرمگاہ کی طرف نظر ڈالنے کی وجہ سے انزال ہونے کی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جانور کے ساتھ فعل بد کرنے سے انزال ہو جانے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے جب کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ روزہ نہیں ٹوٹتا، ہاں اگر انزال نہ ہو تو متفقہ طور پر مسئلہ یہ ہے کہ صرف فعل بد کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

جلق کے ذریعے انزال ہو جانے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا لازم آتی ہے کفارہ ضروری نہیں ہوتا اس بارے میں یہ بات جان لینی ضروری ہے کہ یہ فعل قبیح (جلق) غیر رمضان میں بھی حلال نہیں ہے جب کہ اسے قضاء شہوت مقصود ہو، ہاں اگر تسکین شہوت مقصود ہو تو پھر امید ہے کہ اس صورت میں اس پر کوئی وبال نہیں ہو گا، یعنی اگر کوئی شخص محض لذت حاصل کرنے کے لئے اس فعل میں مبتلا ہو تو اس کے لئے یہ قطعاً حلال نہیں ہے اور اگر اضطراب و بیقراری کی یہ حالت ہو کہ اس فعل کے ذریعے منی خارج نہ کرنے کی صورت میں زنا میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو اور وہ جلق کرے تو پھر امید ہے کہ وہ گنہگار نہ ہو لیکن اس پر مداومت، بہر صورت گناہ کا باعث ہے۔

کسی عورت کا تصور کرنے سے انزال ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح دو عورتوں کا آپس میں فعل بد کرنا جیسے چپٹی لگانا بھی کہا جاتا ہے روزہ کو نہیں توڑتا بشرطیکہ انزال نہ ہو اگر انزال ہو گا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم آئے گی، تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ مسامات کے ذریعے کسی چیز کا بدن میں داخل ہونا روزے کے منافی نہیں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص نہائے اور اس کے جگر کو ٹھنڈک پہنچے، اسی طرح سرمہ لگانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، اگرچہ اس کا مزہ حلق میں محسوس ہو یا اس کا رنگ رینٹ اور تھوک میں ظاہر ہو کیونکہ آنکھ اور دماغ کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے اسی لئے آنکھوں سے آنسو بھی ٹپک کر نکلتے ہیں جیسا کہ کسی چیز کا عرق کشید ہوتا ہے اور یہ بتایا ہی جا چکا ہے کہ جو چیز مسامات کے ذریعے بدن میں داخل ہوتی ہے وہ روزہ کے منافی نہیں ہے پھر یہ کہ سرمہ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت منقول ہے کہ "آنحضرت ﷺ روزہ کی حالت میں سرمہ لگایا کرتے تھے، اسی طرح اگر آنکھ میں دوا یا دودھ تیل کے ساتھ ڈالا جائے اور اس کا مزہ یا اس کی تلخی حلق میں محسوس ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

اگر کوئی شخص کوئی چیز یعنی روئی وغیرہ نگل جائے درانحالیکہ وہ کسی ڈورے میں بندھی ہو اور ڈورہ اس کے ہاتھ میں ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا جب تک وہ ڈورے سے کھل کر پیٹ میں نہ گر جائے اگر ڈورے سے کھل کر گر پڑے گی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر کوئی اپنے

حلق میں لکڑی یا اسی کی مانند کوئی اور چیز داخل کرے اور اس کا دوسرا سرا اس کے ہاتھ میں ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی انگلی مقعد میں داخل کرے یا کوئی عورت اپنی انگلی شرم گاہ میں داخل کرے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ ہاں اگر انگلی پانی یا تیل سے تر ہوگی تو ٹوٹ جائے گا۔ سینگی اور غیبت سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ روزہ کا ثواب جاتا رہتا ہے محض افطار کی نیت کرنے سے جب کہ کچھ کھائے پئے نہیں روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کسی شخص کے حلق میں بے قصدو اختیار دھواں چلا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ اس سے بچنا قطعا ناممکن ہے، اگر کوئی شخص احتیاط کے پیش نظر ایسے موقعہ پر اپنا منہ بند بھی کرلے گا تو دھواں ناک کے ذریعے داخل ہوگا، لہٰذا یہ تری کی قسم سے ہے جو کلی کے بعد منہ میں باقی رہتی ہے اور جس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہاں اگر قصدا کوئی شخص اپنے حلق میں دھواں داخل کرے گا اور داخل کرنا کسی بھی صورت سے ہو تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ دھواں عنبر کا ہو یا اگر تی کا یا ان کے علاوہ کسی بھی چیز کا، لہٰذا اگر کوئی شخص خوشبو کی کوئی چیز جلا کر اس کا دھواں اپنی طرف لے گا، اور اس کو سونگھے گا باوجودیکہ اسے یہ یاد ہو کہ میں روزہ دار ہوں تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ اس کے لئے اس سے بچنا ممکن ہے اس مسئلہ سے اکثر لوگ غافل ہیں اس بارے میں احتیاط پیش نظر رہنی چاہئے یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ اس مسئلے کو مشک وگلاب اور دیگر خوشبو کے سونگھنے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ محض خوشبودار دھوئیں کے اس جوہر میں جو قصدا حلق میں داخل کیا جائے، جو فرق ہے وہ سب ہی جانتے ہیں اسی طرح حقہ کے دھوئیں سے بھی روزہ جاتا رہتا ہے کیونکہ وہ قصدا کھینچا جاتا ہے اور اس سے نفس کو تسکین ہوتی ہے اور اکثر حالت میں بطور دوا استعمال کیا جاتا ہے۔

پسینہ اور آنسو حلق میں جانے سے روزہ پر اثر نہیں پڑتا جب کہ وہ تھوڑی مقدار میں ہوں ہاں اگر وہ زیادہ مقدار میں جائیں کہ جس سے حلق میں نمکینی محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا کسی خوشبو کی چیز مثلاً پھول وعطر وغیرہ سونگھنے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

کسی شخص کے حلق میں غبار یا چکی پیتے ہوئے آٹا یا مکھی جائے یا دوائیں کوٹتے ہوئے یا ان کی پڑیا باندھتے ہوئے اس میں سے کچھ اڑ کر حلق میں چلا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ ان چیزوں سے بچنا ناممکن ہے۔

کوئی روزہ دار حالت جنابت میں صبح کو اٹھے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اگرچہ وہ پورے دن یا کئی دن تک اسی طرح رہے اور غسل پاکی نہ کرے البتہ نجس رہنے اور نماز وغیرہ نہ پڑھنے کی وجہ سے ثواب سے محروم رہے گا۔

اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں اپنے عضو مخصوص کے سوراخ میں دوا یا تیل وغیرہ ڈالے یا اسی طرح سلائی وغیرہ داخل کرائے تو اگرچہ یہ چیزیں مثانہ تک پہنچ جائیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق روزہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ مثانہ نہ صرف یہ کہ جوف سے خارج ہے بلکہ مثانہ میں سے اندر کو راستہ نہیں ہے، اسی لئے پیشاب بھی ٹپک کر نکلتا ہے البتہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک مذکورہ بالا صورت میں روزہ جاتا رہتا ہے ہاں اگر یہ چیزیں مثانہ تک نہ پہنچیں بلکہ عضو مخصوص کی اندرونی نالی تک ہی محدود رہیں تو تینوں حضرات کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

کوئی شخص پانی میں بیٹھ جائے اور پانی اس کے کان میں چلا جائے یا وہ تنکے سے اپنا کان کھجلائے اور تنکے پر کان کا میل ظاہر ہو اور پھر وہ اس تنکے کو کان میں ڈالے اور اس طرح کئی مرتبہ کرے تب بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

کسی شخص کی ناک میں دماغ سے اتر کر بلغم آجائے اور وہ اس کو چڑھا جائے یا نگل جائے جیسا کہ اکثر بے تمیز اور کثیف الطبع لوگ کرتے ہیں تو روزہ نہیں ٹوٹتا، کسی کے منہ سے لعاب نکلے اور وہ منقطع نہ ہو بلکہ مثل تار کے لٹک کر ٹھوڑی تک پہنچ جائے، اور پھر وہ اس لعاب کو اوپر کھینچ کر نگل جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، ہاں اگر لعاب لٹکتا نہ رہے بلکہ منقطع ہو کر گر جائے، اور پھر وہ اسے منہ میں ڈال لے تو روزہ جاتا رہے گا، منہ بھر بلغم نگل جانے سے امام ابویوسفؒ کے نزدیک روزہ جاتا رہتا ہے مگر امام اعظمؒ کے نزدیک اس سے روزہ نہیں جاتا، امام شافعیؒ کے نزدیک جب کہ بلغم وغیرہ کے تھوک دینے پر قادر ہو اور اس کے باوجود نگل جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

بے اختیار قے ہو جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا خواہ قے کسی قدر ہو منہ بھر کر یا اس سے زیادہ اسی طرح صورت میں بھی روزہ فاسد

نہیں ہوتا جب کہ آئی ہوئی قے بے اختیار حلق کے نیچے اتر جائے خواہ وہ کسی قدر ہو لیکن امام ابویوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں روزہ جاتا رہتا ہے ہاں اگر وہ قصداً نگل جائے اور منہ بھر کر ہو تو سب ہی کے نزدیک روزہ جاتا رہے گا، البتہ کفارہ لازم نہیں آئے گا اور اگر منہ بھر کر نہیں ہوگی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا اگر کوئی شخص قصداً قے کرے اور منہ بھر کر ہو تو متفقہ طور پر مسئلہ یہ ہے کہ روزہ جاتا رہے گا اور اگر منہ بھر کر نہ ہو تو امام ابویوسفؒ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا اور صحیح یہی ہے۔ حضرت امام محمدؒ کا قول ہے کہ منہ بھر کر نہ ہونے کی صورت میں بھی روزہ جاتا رہتا ہے۔ جو قے عمداً کی جائے اور منہ بھر کر نہ ہو اور وہ بے اختیار حلق کے نیچے اتر جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، قصداً نگل جانے کے بارے میں دو قول ہیں صحیح قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

کوئی چیز جو غذا وغیرہ کی قسم سے ہو اور رات میں دانتوں کے درمیان باقی رہ گئی ہو تو دن میں اسے نگل جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا بشرطیکہ وہ چنے کی مقدار سے کم ہو اور منہ سے باہر نکال کر نہ کھائی جائے، اسی طرح کسی کے دانتوں سے یا منہ کے کسی دوسرے اندرونی حصے سے خون نکلے اور حلق میں چلا جائے تو روزہ نہیں جاتا بشرطیکہ وہ پیٹ تک نہ پہنچے یا پیٹ میں پہنچ جائے، مگر تھوک کے ساتھ مخلوط ہو کر اور تھوک سے کم اور اس کا مزہ حلق میں محسوس نہ ہو اگر خون پیٹ تک پہنچ جائے گا اور وہ تھوک پر غالب ہوگا یا تھوک کے برابر ہوگا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

اگر کوئی شخص بقدر تل کوئی چیز باہر سے منہ میں ڈال کر چبائے اور وہ منہ میں پھیل بھی جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا بشرطیکہ حلق میں اس کا مزہ محسوس نہ ہو، ہاں اگر وہ چیز منہ میں پھیلے نہیں نیز اس کا مزہ حلق میں محسوس ہو یا یہ کہ بغیر چبائے ہی اس چیز کو نگل جائے اور حلق میں اس کا مزہ محسوس نہ ہو تب بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر وہ چیز ان چیزوں میں سے ہوگی جن سے کفارہ لازم آتا ہے تو کفارہ ضروری ہوگا نہیں تو قضاء لازم آئے گی۔

وہ چیزیں جن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور جن سے کفارہ اور قضا دونوں لازم آتے ہیں

سب سے پہلے یہ بات جان لینی ضروری ہے کہ روزہ فاسد ہو جانے کی صورت میں کفارہ کن لوگوں پر اور کن حالات میں لازم ہوگا۔

کفارہ اس وقت لازم ہوتا ہے جب کہ روزہ رکھنے والا مکلف یعنی عاقل وبالغ ہو، روزہ رمضان کا ہو اور رمضان ہی کے مہینے میں ہو یعنی رمضان کے قضاء روزوں میں بھی کفارہ لازم نہیں ہوتا، نیت رات ہی سے کئے ہوئے ہو اگر طلوع فجر کے بعد نیت کی ہوگی، تو روزہ توڑنے پر کفارہ لازم نہیں ہوگا، روزہ توڑنے کے بعد ایسا کوئی امر پیش نہ آئے جو کفارہ کو ساقط کر دینے والا ہو جیسے حیض ونفاس، اگر روزہ توڑنے کے بعد ان میں سے کوئی چیز پیش آجائے گی تو کفارہ لازم نہیں ہوگا، چنانچہ اس کا تفصیلی بیان آگے آئے گا، اسی طرح روزہ توڑنے سے پہلے ایسی کوئی چیز پیش نہ آئے جس سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے، جیسے سفر کہ اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں روزہ توڑے گا تو کفارہ لازم نہیں آئے گا ہاں اگر کوئی شخص سفر سے پہلے روزہ توڑ دے گا تو کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب یہ تمام شرائط پائی جائیں گی اور مندرجہ ذیل مفسدات صوم (روزہ کو توڑنے والی چیزوں) میں سے کوئی صورت پیش آئے گی تو کفارہ اور قضا دونوں لازم ہوں گے۔

اس کے بعد اب دیکھئے کہ وہ کون سی چیزیں اور صورتیں ہیں جن سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور جن کی وجہ سے کفارہ اور قضا دونوں لازم ہوتے ہیں۔ جماع کرنا، اغلام کرنا ان دونوں صورتوں میں فاعل اور مفعول دونوں پر کفارہ اور قضا لازم آتی ہے کھانا پینا خواہ بطور غذا یا بطور دوا۔ غذائیت کے معنی اور محمول میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ غذا کا محمول اس چیز پر ہوگا جس کو کھانے کے لئے طبیعت خواہش کرے اور اس کے کھانے سے پیٹ کی خواہش کا تقاضہ پورا ہوتا ہو۔ بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ "غذا کی چیز" وہ کہلائے گی جس کے کھانے سے بدن کی اصلاح ہو اور بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ "غذا" انہیں چیزوں کو کہیں گے جو عادۃً کھائی جاتی ہوں۔

لہٰذا اگر کوئی شخص بارش کا پانی، اولہ اور برف نگل جائے یا کچا گوشت کھائے خواہ وہ مردار ہی کا کیوں نہ ہو تو کفارہ لازم ہوگا اسی طرح

چربی، خشک کیا ہوا گوشت اور گیہوں کھانے سے بھی کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر ایک آدھ گیہوں منہ میں ڈال کر چبایا جائے اور وہ منہ میں پھیل جائے تو کفارہ لازم نہیں ہوتا۔ اپنی بیوی یا محبوب کا تھوک نگل جانے سے بھی کفارہ واجب ہوتا ہے کیونکہ اس میں بھی طبیعت کی خواہش کا دخل ہوتا ہے۔ ہاں ان کے علاوہ دوسروں کا تھوک نگلنے کی صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوتا، البتہ روزہ جاتا رہتا ہے اور قضا لازم آتی ہے۔ نمک کو کم مقدار میں کھانے سے تو کفارہ لازم ہوتا ہے زیادہ مقدار میں کھانے سے نہیں۔ مستصفی میں اس قول کو روایت مختار کہا گیا ہے لیکن خلاصہ اور بزاریہ میں لکھا ہے کہ مختار (یعنی قابل قبول اور لائق اعتماد) مسئلہ یہ ہے کہ مطلقاً نمک کھانے سے کفارہ واجب ہوتا ہے یعنی خواہ نمک زیادہ یا کم ہو۔ اگر بغیر بھنا جو کھایا جائے گا تو کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ کچا جو کھایا نہیں جاتا، لیکن یہ خشک جو کا مسئلہ ہے۔ اگر تازہ خوشہ میں سے جو نکال کر بغیر بھنا ہوا بھی کھایا جائے گا تو کفارہ لازم آئے گا۔ گل ارمنی کے علاوہ وہ مٹی مثلاً ملتانی وغیرہ کھانے کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ عادۃً کھائی جاتی ہو تو اس پر بھی کفارہ لازم آئے گا اور اگر نہ کھائی جاتی ہو تو پھر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

ایک حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں اَلْغِیْبَۃُ تفطر الصیام (غیبت روزہ کو ختم کر دیتی ہے) بظاہر تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی روزہ دار غیبت کرے گا تو اس کا روزہ جاتا رہے گا لیکن علماء اُمت نے اجتماعی طریقے پر اس حدیث کی تاویل یہ کی ہے کہ حدیث کی مراد یہ نہیں ہے کہ غیبت کرنے سے روزہ جاتا رہتا ہے بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ جو روزہ دار غیبت میں مشغول ہوگا اس کے روزے کا ثواب جاتا رہے گا۔

حدیث اور اس کی اس تاویل کو ذہن میں رکھئے اور اب یہ مسئلہ سنئے کہ اگر کسی شخص نے کسی کی غیبت کی اور اس کے بعد قصداً کھانا کھالیا تو اس پر کفارہ لازم آئے گا خواہ اسے یہ حدیث معلوم ہو یا معلوم نہ ہو اور خواہ حدیث کی مذکورہ بالا تاویل اس کے علم میں ہو یا علم میں نہ ہو نیز یہ کہ مفتی نے کفارہ لازم ہونے کا فتویٰ دیا ہو یا نہ دیا ہو کیونکہ حدیث اور اس کی تاویل سے قطع نظر غیبت کے بعد روزہ کا ختم ہو جانا قطعاً خلاف قیاس ہے۔

اسی طرح ایک حدیث ہے افطر الحاجم والمحجوم (پچھنے لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے) اس حدیث کی بھی یہ تاویل کی گئی ہے کہ پچھنے لگوانے سے چونکہ روزہ دار کو کمزوری لاحق ہو جاتی ہے اور زیادہ خون نکلنے کی صورت میں روزہ توڑ دینے کا خوف ہو سکتا ہے اسی طرح پچھنے لگانے والے کے بارے میں بھی یہ امکان ہوتا ہے کہ خون کا کوئی قطرہ اس کے پیٹ میں پہنچ جائے۔ اس لئے آپ ﷺ نے احتیاط کے پیش نظر یہ فرمایا کہ روزہ جاتا رہتا ہے ورنہ حقیقت میں پچھنے لگانے یا لگوانے سے روزہ ٹوٹتا نہیں۔

حدیث الغیبۃ تفطر الصیام کے برخلاف اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پچھنے لگانے یا لگوانے کے بعد اس حدیث کے پیش نظر اس گمان کے ساتھ کہ روزہ جاتا رہا ہے۔ قصداً کچھ کھاپی لے تو اس پر کفارہ صرف اسی صورت میں لازم آئے گا جب کہ وہ اس حدیث کی مذکورہ بالا تاویل سے جو جمہور علماء سے منقول ہے واقف ہو یا یہ کہ کسی فقیہ اور مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ پچھنے لگوانے یا لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اگرچہ اس کا یہ فتویٰ حقیقت کے خلاف ہوگا اور اس کی ذمہ داری اسی پر ہوگی اور اگر اسے حدیث کی تاویل معلوم نہ ہوگی تو کفارہ لازم نہیں ہوگا الغیبۃ تفطر الصیام و افطر الحاجم والمحجوم دونوں حدیثوں کے احکام میں مذکورہ بالا فرق اس لئے ہے کہ غیبت سے روزہ کا ٹوٹنا نہ صرف یہ کہ خلاف قیاس ہے بلکہ اس حدیث کی مذکورہ بالا تفریق تمام علماء اُمت کا اتفاق ہے جب کہ پچھنے سے روزہ کا ٹوٹ جانا نہ صرف یہ کہ خلاف قیاس نہیں ہے بلکہ اس حدیث کی مذکورہ بالا تاویل پر تمام علماء اُمت کا اتفاق نہیں ہے کیونکہ بعض علماء مثلاً امام اوزاعی وغیرہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پچھنے لگانے یا لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ایسے ہی کسی شخص نے شہوت کے ساتھ کسی عورت کو ہاتھ لگایا، یا کسی عورت کا بوسہ لیا، یا کسی عورت کے ساتھ، ہم خواب ہوا، یا کسی

عورت کے ساتھ بغیر انزال کے مباشرت فاحشہ کی یا سرمہ لگایا، یا فصد کھلوائی یا کسی جانور سے بدفعلی کی مگر انزال نہیں ہوا یا اپنی دبر میں انگلی داخل کی اور یہ گمان کر کے کہ روزہ جاتا رہے گا۔ اس نے قصداً کچھ کھا پی لیا تو اس صورت میں بھی کفارہ اسی وقت لازم ہوگا جب کہ کسی فقیہ یا مفتی نے مذکورہ بالا چیزوں کے بارے میں یہ فتویٰ دیا ہو کہ ان سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ اس کا یہ فتویٰ غلط اور حقیقت کے خلاف ہوگا اگر مفتی فتویٰ نہیں دے گا تو کفارہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ مذکورہ بالا چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

اس عورت پر کفارہ واجب ہوگا جس نے روزہ کی حالت میں کسی ایسے مرد سے برضا و رغبت اور بخوشی جماع کرایا جو جماع کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا چنانچہ کفارہ صرف عورت پر واجب ہوگا اس مرد پر نہیں۔

کسی عورت نے یہ جانتے ہوئے کہ فجر طلوع ہو گئی ہے اسے اپنے خاوند سے چھپایا، چنانچہ اس کے خاوند نے اس سے صحبت کر لی اور اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ فجر طلوع ہو گئی ہے تو اس صورت میں بھی صرف عورت پر کفارہ واجب ہوا اور مرد پر واجب نہیں ہوگا۔

جن چیزوں سے کفارہ لازم آتا ہے

ایک عورت نے قصداً کھانا کھایا، یا برضاء و رغبت جماع کرایا اور اسی دن اس کے ایام شروع ہو گئے یا نفاس میں مبتلا ہو گئی تو اس کے ذمہ سے کفارہ ساقط ہو جائے گا، اسی طرح اگر کوئی شخص اس دن کسی ایسے مرض اور ایسی تکلیف میں مبتلا ہو گیا جس میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور یہ کہ وہ مرض و تکلیف قدرتی ہو تو کفارہ ساقط ہو جائے گا۔ قدرتی کی قید اس لئے ہے کہ فرض کیجئے کسی شخص نے قصداً روزہ توڑ ڈالا اور پھر اپنے آپ کو اس طرح زخمی کر لیا کہ اس حالت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے یا اپنے آپ کو چھت یا پہاڑ سے گرا لیا تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ تکلیف اور مرض اس کا خود اپنا پیدا کیا ہوا ہوگا۔ ایسی صورت میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی کفارہ ساقط ہو جائے گا جب کہ دوسرے حضرات کا قول ہے کہ کفارہ ساقط نہیں ہوگا اور کمال کے قول کے مطابق مختار اور زیادہ صحیح یہی ہے کہ کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔

جمع العلوم میں منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے زیادہ چلنے یا کوئی کام کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو تکلیف و مشقت میں مبتلا کیا یہاں تک کہ اسے بہت زیادہ اور شدید پیاس لگی اور اس نے روزہ توڑ ڈالا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ کفارہ لازم نہیں ہوگا اور اسی قول کو بقالیؒ نے بھی اختیار کیا ہے جیسا کہ تاتارخانیہ میں منقول ہے۔

کفارہ کے مسائل

ایک روزے کے کفارے میں ایک غلام آزاد کرنا چاہیے خواہ وہ غلام کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اگر عدم استطاعت کے سبب غلام آزاد کرنا ممکن نہ ہو یا کسی جگہ غلام نہ ملتا ہو تو پھر دو مہینے یعنی پورے ساٹھ دن پے در پے روزے رکھنا واجب ہے، ان روزوں کا علی الاتصال اور ایسے دنوں میں رکھنا ضروری ہے جن میں عیدین کے دن اور ایام تشریق (ذی الحجہ کی گیارہ، بارہ، تیرہ تاریخیں) واقع نہ ہوں کیونکہ ان دنوں میں کسی بھی طرح کے روزے رکھنا منع ہیں، اگر درمیان میں کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر کسی دن کا روزہ فوت ہو جائے تو پھر نئے سرے سے شروع کرنا ہوگا ناغہ سے پہلے جس قدر روزے ہو چکے ہوں گے ان کا کوئی حساب نہیں ہوگا ہاں اگر کسی عورت کو حیض آ جائے اور اس سبب سے درمیان کے روزے ناغہ ہو جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں مگر نفاس کی وجہ سے ناغہ ہو جانے کی صورت میں نئے سرے سے روزے شروع کئے جائیں گے۔ اور اگر مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے ساٹھ روزے رکھنے کی بھی قدرت نہ ہو تو پھر ساٹھ محتاجوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا واجب ہے اس طرح کہ چاہے تو انہیں ایک ہی دن دو وقت یعنی صبح و شام کھلا دے چاہے دو دن صبح کے وقت یا دو دن شام کے وقت یا عشاء و سحر کے وقت کھلا دے مگر شرط یہ ہے کہ اول وقت جن محتاجوں کو کھانا کھلایا جائے تو دوسرے وقت بھی انہیں محتاجوں کو کھانا کھلانا ہوگا۔ چنانچہ اگر کسی نے ایک وقت ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلا دیا اور پھر دوسرے وقت ان کے علاوہ دوسرے ساٹھ محتاجوں کو

کھلایا تو یہ کافی نہیں بلکہ کفارہ اسی وقت ادا ہوگا جب کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت کو پھر دوبارہ ایک وقت کا کھانا کھلائے۔ ہاں اگر کوئی شخص ایک ہی محتاج کو مسلسل ساٹھ روز تک کھانا کھلائے یا مسلسل ساٹھ روز تک ہر روز نئے محتاج کو کھلائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس طرح کفارہ ادا ہو جائے گا۔ ایک بات اور، اگر کوئی شخص ایک ہی روز ساٹھ یا ان سے کچھ کم محتاجوں کے کھانے کے بقدر صدقہ کسی ایک محتاج کو دے دے گا تو وہ سب کے لئے ادا نہیں ہوگا بلکہ ایک ہی محتاج کے لئے ادا ہوگا۔

ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلانے کے سلسلہ میں گیہوں کی روٹی بغیر سالن کے کافی ہو جاتی ہے یعنی اگر ساٹھ محتاجوں کو صرف گیہوں کی روٹی ہی بغیر سالن کے پیٹ بھر کر کھلا دی جائے تو حکم پورا ہو جائے گا، بخلاف جو کی روٹی کے کہ اس کے ساتھ سالن ضروری ہے کیونکہ جو کی روٹی سخت ہونے کی وجہ سے عادۃً بغیر سالن کے پیٹ بھر کر نہیں کھائی جا سکتی جب کہ گیہوں کی روٹی بغیر سالن کے بھی پیٹ بھر کر کھائی جا سکتی ہے اسی لئے کہا گیا ہے۔ کہ گیہوں کی روٹی اپنی سالن خود اپنے اندر رکھتی ہے۔ لہٰذا جس شخص نے گیہوں کی روٹی کے ساتھ سالن مانگا وہ بھوکا نہیں ہے۔

ایک شرط یہ بھی ہے کہ جن ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلایا جائے وہ سب بھوکے ہوں، ان میں سے کوئی پیٹ بھرا نہ ہو اگر کوئی پیٹ بھرا ہوگا، اور بھوکے کی مانند نہیں کھائے گا تو اس کی بجائے کسی دوسرے بھوکے کو کھانا کھلانا ضروری ہوگا۔

بہرکیف یا تو مندرجہ بالا طریقے اور شرائط کے مطابق محتاجوں کو کھانا کھلایا جائے یا پھر یہ کہ چاہے تو ہر محتاج کو نصف صاع یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام گیہوں یا اس کا آٹا یا اس کا ستو دے دیا جائے چاہے ایک صاع یعنی تین کلو ۲۶۶ گرام جو یا انگور یا کھجور یا اس کی قیمت دی جائے، اور چاہے اس طرح تمام محتاجوں کو ایک ہی وقت میں دے دیا جائے اور چاہے مختلف اوقات میں دیا جائے۔

اگر کسی شخص نے قصداً جماع کر کے یا قصداً کھا کر کئی روزے توڑے تو ان سب کے لئے ایک ہی کفارہ کافی ہوگا بشرطیکہ ان کے درمیان کفارہ ادا نہ کیا ہو مثلاً کسی شخص نے دس روزے توڑے اور ان کے درمیان کفارہ ادا نہ کیا تو ان دس روزوں کے لئے ایک کفارہ کافی ہو جائے گا اگر درمیان میں کوئی کفارہ ادا کیا تو پھر بعد کے روزوں کے لیے دوسرا کفارہ ضروری ہوگا پھر یہ کہ وہ توڑے ہوئے کئی روزے چاہے ایک رمضان کے ہوں اور چاہے دو رمضان کے ہوں اس بارے میں صحیح مسئلہ یہی ہے جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا حکم اس صورت کے لئے ہے جب کہ وہ روزے ایک ہی رمضان کے ہوں اگر وہ روزے کئی رمضان کے ہوں گے تو ہر رمضان کے لئے علیحدہ علیحدہ کفارہ ضروری ہوگا چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے۔

وہ چیزیں جن سے صرف قضا لازم ہوتی ہے کفارہ نہیں لازم ہوتا

اس بارہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر کسی ایسی چیز سے روزہ فاسد ہو جو غذا کی قسم سے نہ ہو یا اگر ہو تو کسی شرعی عذر کی بناء پر اسے پیٹ یا دماغ میں پہنچایا گیا ہو یا کوئی ایسی چیز ہو جس سے شرمگاہ کی شہوت پوری طرح ختم نہ ہوتی ہو جیسے جلق وغیرہ تو ایسی چیزوں سے کفارہ لازم نہیں ہوتا بلکہ صرف قضا ضروری ہے لہٰذا اگر روزہ دار رمضان میں کچے چاول اور خشک یا گندھا ہوا آٹا کھائے تو روزہ جاتا رہتا ہے اور قضا واجب ہوتی ہے اور اگر کوئی جو یا گیہوں کا آٹا پانی میں گوندھ کر اور اس میں شکر ملا کر کھائے گا تو اس صورت میں کفارہ لازم ہو جائے گا۔

اگر کوئی شخص یکبارگی بہت زیادہ نمک کھائے یا گل ارمنی کے علاوہ کوئی ایسی مٹی کھائے جس کو عادۃً کھایا نہیں جاتا یا گٹھلی یا روئی یا اپنا تھوک نگل لے جو ریشم و کپڑے وغیرہ کے رنگ مثلاً زرد، سبزہ وغیرہ سے متغیر تھا اور اسے اپنا روزہ بھی یاد تھا یا کاغذ یا اس کے مانند ایسی کوئی چیز کھائی جو عادۃً کھائی نہیں جاتی، یا کچی ہی یا اس کے مانند ایسا کوئی پھل کھائے جو پکنے سے پہلے عادۃً کھائے نہیں جاتے اور انہیں پکا کر یا نمک ملا کر نہیں کھایا، یا ایسا تازہ اخروٹ کھایا جس میں مغز نہ ہو یا کنکر، لوہا، تانبا، سونا، چاندی، اور یا پتھر خواہ وہ زمرد وغیرہ ہی ہو نگل گیا تو ان صورتوں میں کفارہ واجب نہیں ہوگا، صرف قضا لازم ہوگی، اسی طرح اگر کسی نے حقنہ کرایا، یا ناک میں دوا ڈالی یا منہ میں دوا رکھی اور اس میں سے کچھ حلق میں اتر گئی اور یا کانوں میں تیل ڈالا تو ان صورتوں میں بھی صرف قضا لازم آئے گی کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

کان میں قصداً پانی ڈالنے کے بارہ میں مختلف اقوال ہیں ہدایہ ملتقی، درمختار، شرح وقایہ اور اکثر متون میں مذکور ہے کہ اس صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا مگر قاضی خان اور فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اس بارہ میں صحیح مسئلہ یہ ہے کہ روزہ جاتا رہتا ہے اور قضا لازم آتی ہے۔

کسی شخص نے پیٹ کے زخم میں دوا ڈالی اور وہ پیٹ میں پہنچ گئی، یا سر کے زخم میں دوا ڈالی اور وہ دماغ میں پہنچ گئی، یا حلق میں بارش کا پانی یا برف چلا گیا اور اسے قصداً نہیں نگلا بلکہ از خود حلق سے نیچے اتر گیا، یا چوک میں روزہ جاتا رہا مثلاً کلی کرتے ہوئے پانی حلق کے نیچے اتر گیا، یا ناک میں پانی دیتے ہوئے دماغ کو چڑھ گیا، یا کسی نے زبردستی روزہ تڑوا دیا خواہ جماع ہی کے سبب سے یعنی خاوند نے زبردستی بیوی سے جماع کیا، یا بیوی نے زبردستی خاوند سے جماع کرایا تو ان سب صورتوں میں بھی کفارہ لازم نہیں ہوگا بلکہ صرف قضا لازم ہوگی ہاں جماع کے سلسلہ میں زبردستی کرنے والے پر کفارہ بھی لازم ہوگا اور جس کے ساتھ زبردستی کی گئی اس پر صرف قضا واجب ہوگی۔

اگر کوئی عورت جو لونڈی ہو (خواہ حرم یا منکوحہ) خدمت و کام کاج کی وجہ سے بیمار ہو جانے کے خوف سے روزہ توڑ ڈالے تو اس پر قضا لازم ہوگی، اسی طرح اگر لونڈی اس صورت میں روزہ توڑ ڈالے جب کہ کام کاج مثلاً کھانا پکانا یا کپڑا دغیرہ دھونے کی وجہ سے ضعف و توانائی لاحق ہوگئی تو اس صورت میں بھی قضا واجب ہوگی اس ضمن میں یہ مسئلہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ اگر کسی لونڈی کو اس کا آقا کسی ایسے کام کے لئے کہے جو ادائے فرض سے مانع ہو تو اس کا کہنا ماننے سے انکار کر دینا چاہئے۔

کسی شخص نے روزہ دار کے منہ میں سونے کی حالت میں پانی ڈال دیا یا خود روزہ دار نے سونے کی حالت میں پانی پی لیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس پر قضا واجب ہوگی، اس مسئلہ کو بھول کر کھا پی لینے کی صورت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اگر سونے والا یا وہ شخص کہ جس کی عقل جاتی رہی ہو کوئی جانور ذبح کرے تو اس کا مذبوحہ کھانا حلال نہیں ہے اس کے برخلاف اگر کوئی ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو اس کا ذبح کیا ہوا جانور کھانا جائز ہے اسی طرح یہاں بھی مسئلہ یہ ہے کہ بھول کی حالت میں کھانے پینے والے کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، ہاں کوئی شخص سونے کی حالت میں کھا پی لے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

ایک شخص نے بھول کر روزے میں کچھ کھا لیا پھر اس کے بعد قصداً کھایا، یا بھول کر جماع کر لیا اور اس کے بعد پھر قصداً جماع کیا یا دن میں روزہ کی نیت کی پھر قصداً کھا پی لیا یا جماع کیا، یا رات ہی سے روزہ کی نیت کی پھر صبح ہو کر سفر کیا اور پھر اس کے بعد اقامت کی نیت کر لی اور کچھ کھا پی لیا اگرچہ اس صورت میں اس کے لئے روزہ توڑنا جائز نہیں تھا، یا رات سے روزہ کی نیت کی، صبح کو مقیم تھا، پھر سفر کیا اور مسافر ہو گیا اور حالت سفر میں قصداً کھایا یا جماع کیا اگرچہ اس صورت میں اس کے لئے روزہ توڑنا جائز نہیں تھا تو ان تمام صورتوں میں صرف قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا مسئلہ مذکورہ میں "حالت سفر میں کھانے" کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص سفر شروع کر دینے کے بعد پھر اپنی کوئی بھولی ہوئی چیز لینے کے لئے اپنے گھر واپس آئے اور اپنے مکان میں یا اپنے شہر و اپنی آبادی سے جدا ہونے سے پہلے قصداً کھا لے تو اس صورت میں قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

اگر کوئی شخص تمام دن کھانے پینے اور دوسری ممنوعات روزہ سے رکا رہا مگر نہ تو اس نے روزہ کی نیت کی اور نہ افطار کیا، یا کسی شخص نے سحری کھائی یا جماع کیا اس حالت میں کہ طلوع فجر کے بارہ میں اسے شک تھا حالانکہ اس وقت فجر طلوع ہو چکی تھی، یا کسی شخص نے غروب آفتاب کے ظن غالب کے ساتھ افطار کیا حالانکہ اس وقت تک سورج غروب نہیں ہوا تھا تو ان صورتوں میں صرف قضا واجب ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا، اور اگر غروب آفتاب میں شک ہونے کی صورت میں افطار کیا اور حالانکہ اس وقت تک سورج غروب نہیں ہوا تھا تو اس صورت میں کفارہ لازم ہونے کے بارہ میں دو قول ہیں جس میں سے فقیہ ابو جعفر کا مختار یہ ہے کہ غروب آفتاب کے شک کی صورت میں کفارہ لازم ہوگا اس طرح اگر کسی شخص کا ظن غالب یہ ہو کہ آفتاب غروب نہیں ہوا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ روزہ افطار کرے اور حقیقت میں بھی سورج غروب نہ ہوا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

کسی شخص کو جانور کے ساتھ یا میت کے ساتھ فعل بد کرنے کے سبب انزال ہو گیا یا کسی کی ران یا ناف یا ہاتھ کی رگڑ سے منی گرائی یا کسی

کو چھونے یا اس کا بوسہ لینے کی وجہ سے انزال ہو گیا یا غیر ادائے رمضان کا روزہ توڑا تو ان سب صورتوں میں کفارہ واجب نہیں ہو گا بلکہ قضا لازم ہوگی، اسی طرح اگر کسی نے روزہ دار عورت کے ساتھ اس کے سونے کی حالت میں جماع کیا تو اس عورت کا روزہ جاتا رہے گا اور اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہیں ہوگا، یا کسی عورت نے رات سے روزہ کی نیت کی اور جب دن ہوا تو دیوانی ہو گئی اور اس کی دیوانگی کی حالت میں کسی نے اس سے جماع کیا تو اس صورت میں اس عورت پر اس روزہ کی قضا لازم ہوگی۔

اگر کسی عورت نے اپنی شرمگاہ میں پانی یا دوائی ٹپکائی، یا کسی نے تیل یا پانی سے بھیگی ہوئی انگلی اپنے مقعد میں داخل کی یا کسی نے اس طرح استنجاء کیا کہ پانی حقنہ کی جگہ تک پہنچ گیا اگرچہ ایسا کم ہوتا ہے یا استنجاء کرنے میں زیادتی و مبالغہ کی وجہ سے پانی فرج داخل تک پہنچ گیا تو قضا واجب ہوگی۔

کسی شخص کو بواسیر ہو اور اس کے مسے باہر نکل آئیں اور وہ ان کو دھوئے تو اگر ان مسوں کو اوپر اٹھنے سے پہلے خشک کر لیا جائے گا تو ان کے اوپر چڑھ جانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ اس طرح پانی بدن کے ایک ظاہری حصہ پر پہنچا تھا اور پھر بدن کے اندرونی حصہ میں پہنچنے سے پہلے زائل ہو گیا ہاں اگر مسے اوپر چڑھنے سے پہلے خشک نہ ہوں گے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

اگر کوئی عورت تیل یا پانی سے تر کی ہوئی انگلی اپنی شرم گاہ کے اندرونی حصے میں داخل کرے گی یا کوئی شخص روئی یا کپڑا یا پتھر اپنی دبر میں داخل کرے گا یا کوئی عورت ان چیزوں کو اپنی شرمگاہ کے اندرونی حصہ میں داخل کرے گی اور یہ چیزیں اندر غائب ہو جائیں گی تو روزہ جاتا رہے گا اور قضا لازم ہوگی۔ ہاں اگر لکڑی وغیرہ کا ایک سرا ہاتھ میں رہے یا یہ چیزیں عورت کی شرمگاہ کے بیرونی حصہ ہی تک پہنچیں تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، اسی طرح اگر کسی شخص نے ڈورا نگل لیا بایں طور کہ اس کا ایک سرا اس کے ہاتھ میں ہو اور پھر وہ اس ڈورے کو باہر نکالے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا اور اگر اس کا ایک سرا ہاتھ میں نہ ہو بلکہ سب نگل جائے تو یہ روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم ہوگی۔

جو شخص قصداً اپنے فعل سے کسی چیز کا دھواں اپنے دماغ یا اپنے پیٹ میں داخل کرے گا تو بعید نہیں کہ کفارہ بھی لازم ہو جائے کیونکہ ان کا دھواں نہ صرف یہ کہ قابل انتفاع ہے بلکہ اکثر دواءً بھی استعمال ہوتا ہے اسی طرح سگریٹ بیڑی اور حقہ کا دھواں داخل کرنے کی صورت میں بھی کفارہ لازم ہو سکتا ہے۔

اگر کسی شخص نے قصداً قے کی خواہ وہ منہ بھر کر نہ آئی ہو تو اس کا روزہ جاتا رہے گا اور قضا لازم آئے گی، اس بارہ میں روایت یہی ہے لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قصداً قے کرنے کی صورت میں روزہ اسی وقت فاسد ہوگا اور قضا لازم ہوگی جب کہ قے منہ بھر کر آئی ہو اگر منہ بھر کر نہ آئی ہوگی تو نہ روزہ فاسد ہوگا اور نہ قضاء لازم ہوگی۔ چنانچہ زیادہ صحیح اور مختار یہی قول ہے۔

کسی شخص کو از خود منہ بھر کر قے آئی اور وہ اسے نگل گیا، یا کسی شخص نے دانتوں میں اٹکی ہوئی کوئی چیز جو ایک چنے کے بقدر یا اس سے زیادہ تھی کھا لی یا کسی شخص نے رات سے نیت نہیں کی، دن میں بھی اس نے نیت نہیں کی تھی کہ بھول کر کچھ کھا لیا پی لیا اور اس کے بعد اس نے روزہ کی نیت کی تو ان سب صورتوں میں روزہ نہیں ہوگا اور قضا لازم ہوگی، یا اسی طرح کوئی روزہ دار بے ہوش ہو جائے اور خواہ وہ مہینہ بھر تک بیہوش رہے تو اس پر قضا لازم ہوگی ہاں اس دن کے روزہ کی قضا لازم نہیں ہوگی۔ جس دن میں یا جس کی رات سے بیہوشی شروع ہوئی ہو کیونکہ مسلمان کے بارہ میں نیک گمان ہی کرنا چاہیے اس لئے ہو سکتا ہے اس نے رات میں نیت کر لی ہو اور اس طرح اس دن کا روزہ پورا ہو جائے گا اب اس کے بعد جتنے دنوں بیہوش رہے گا ان کی قضا کرے گا۔ بیہوشی شروع ہونے والے دن کے بارہ میں بھی اگر یہ یقین ہو کہ نیت کی تھی تو اس دن کے روزہ کی بھی قضا ضروری ہوگی۔ بیہوشی کے دنوں کے روزوں کی قضا اس لئے ضروری ہوگی کہ اگرچہ اس نے کچھ کھایا پیا نہیں مگر چونکہ روزہ کی نیت نہیں پائی گئی اس لئے بیہوشی کی حالت میں اس کا بغیر نیت کچھ نہ کھانا پینا اور تمام چیزوں سے رکے رہنا کافی و کار آمد نہیں ہوگا اگر کسی شخص پر رمضان کے پورے مہینہ میں دیوانگی طاری رہی تو اس پر قضا واجب نہیں ہوگی ہاں اگر پورے مہینہ دیوانگی طاری نہ رہی تو پھر قضا ضروری ہوگی اور اگر کسی شخص پر پورے مہینہ بایں طور دیوانگی طاری رہی کہ دن میں یا

رات میں نیت کا وقت ختم ہو جانے کے بعد اچھا ہو جاتا تو جب بھی قضا ضروری نہیں ہو گی بلکہ یہ پورے مہینہ دیوانگی طاری رہنے کے حکم میں ہو گا۔

اگر کسی شخص نے رمضان میں روزے کی نیت نہیں کی اور پھر اس نے دن میں کھایا پیا تو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق اس صورت میں کفارہ واجب نہیں ہو گا صرف قضا لازم ہو گی مگر صاحبینؒ کا قول یہ ہے کہ کفارہ واجب ہو گا۔

کسی شخص کا روزہ ٹوٹ گیا خواہ وہ کسی عذر ہی کی بناء پر ٹوٹا ہو پھر وہ عذر بھی ختم ہو گیا ہو تو اب اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دن کے بقیہ حصہ میں رمضان کے احترام کے طور پر کھانے پینے میں ممنوع دوسری چیزوں سے اجتناب کرے، اسی طرح اس عورت کو بھی دن کے بقیہ حصہ میں روزہ میں ممنوع چیزوں سے اجتناب ضروری ہے جو حیض یا نفاس میں مبتلا تھی اور طلوع فجر کے بعد پاک ہو گئی ہو، نیز مسافر جو دن میں کسی وقت مقیم ہو گیا ہو بیمار جو اچھا ہو گیا ہو، دیوانہ شخص جس کی دیوانگی جاتی رہی ہو، لڑکا جو بالغ ہو اور کافر جو اسلام قبول کرلے ان سب لوگوں کو بھی دن کے بقیہ حصہ میں کھانے پینے اور دوسری ممنوع چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے ان سب پر اس دن کے روزہ کی قضا لازم ہو گی البتہ موخر الذکر دونوں پر قضا لازم نہیں ہو گی۔

جو عورت حیض و نفاس میں مبتلا ہو، یا جو شخص بیماری کی حالت میں ہو، یا جو شخص حالت سفر میں ہو ان کے لئے کھانے پینے سے اجتناب ضروری نہیں ہے تاہم ان کے لئے بھی یہ حکم ہے کہ عام نگاہوں سے بچ کر پوشیدہ طور پر کھائیں پئیں۔

روزہ دار کے لئے مکروہ اور غیر مکروہ چیزیں

روزہ دار کے لئے کسی چیز کا چکھنا (یعنی چکھ کر تھوک دینا) ذخیرہ میں منقول ہے کہ روزہ دار کے لئے بلا ضرورت کسی چیز کا چکھنا مکروہ ہے ہاں عذر کی صورت میں مکروہ نہیں ہے مثلاً کوئی شخص کھانے پینے کی کوئی چیز خریدے اور یہ خوف ہو کہ اگر اسے چکھ کر نہیں دیکھوں گا تو دھوکہ کھا جاؤں گا یا یہ چیز میری مرضی کے مطابق نہیں ہو گی تو اس صورت میں اگر وہ اس چیز کو چکھ لے تو مکروہ نہیں ہو گا۔

فتاویٰ نسفی میں منقول ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند بدخلق اور ظالم ہو اور جو کھانے میں نمک کی کمی و بیشی پر اس کے ساتھ سختی کا معاملہ کرتا ہو تو اس کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ کھانا چکھ لے تاکہ اپنے خاوند کے ظلم و تشدد سے بچ سکے، اور اگر خاوند نیک خلق و نیک مزاج ہو تو پھر عورت کے لئے چکھنا جائز نہیں ہو گا یہی حکم لونڈی کا بھی ہے بلکہ وہ نوکر و ملازم بھی اس حکم میں شامل ہیں جو کھانا پکانے پر مقرر ہوتے ہیں۔

بلا عذر کسی چیز کا چبانا مکروہ ہے مثلاً کوئی عورت چاہے کہ روٹی وغیرہ چبا کر اپنے چھوٹے بچے کو دیدے تو اگر اس کے پاس کوئی ہوشیار بچی یا کوئی حائضہ ہو تو اس سے چبوا کر بچے کو دیدے خود نہ چبائے اس صورت میں خود چبا کر دینا مکروہ ہے ہاں اگر غیر روزہ دار ہاتھ نہ لگے تو پھر خود چبا کر دیدے اس صورت میں مکروہ نہیں ہو گا۔

روزہ دار کو مصطگی چبانا مکروہ ہے خواہ مرد ہو یا عورت کیونکہ اس کے چبانے سے روزہ ختم کرنے یا روزہ نہ رکھنے کا اشتباہ ہوتا ہے ویسے تو مصطگی مرد کو غیر روزہ کی حالت میں بھی چبانا مکروہ ہے ہاں کسی عذر کی بناء پر اور وہ بھی خلوت میں چبانا جائز ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ مصطگی چبانا مردوں کے لئے مباح ہے جب کہ عورتوں کے لئے مستحب ہے کیونکہ وہ ان کے حق میں مسواک کے قائم مقام ہے۔

روزہ کی حالت میں بوسہ لینا اور عورتوں کے ساتھ مباشرت یعنی ان کو گلے لگانا اور چمٹانا وغیرہ مکروہ ہے بشرطیکہ انزال کا خوف ہو یا اپنے نفس و جذبات کے بے اختیار ہو جانے کا اور اس حالت میں جماع کر لینے کا اندیشہ ہو، اگر یہ خوف و اندیشہ نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں۔

قصداً منہ میں تھوک جمع کرنا اور اسے نگل جانا مکروہ ہے، اسی طرح روزہ دار کو وہ چیزیں اختیار کرنا بھی مکروہ ہے جس کی وجہ سے ضعف لاحق ہو جانے کا خوف ہو جیسے فصد و پچھنے وغیرہ ہاں اگر فصد اور پچھنے کی وجہ سے ضعف ہو جانے کا احتمال نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے۔

روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا، موچھوں کو تیل لگانا اور مسواک کرنا خواہ زوال کے بعد ہی مسواک کی جائے اور یہ کہ خواہ مسواک تازی ہو یا پانی میں بھیگی ہوئی ہو مکروہ نہیں ہے۔

وضو کے علاوہ بھی کلی کرنی اور ناک میں پانی دینا مکروہ نہیں ہے اسی طرح غسل کرنا اور تراوٹ و ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے بھیگا ہوا کپڑا بدن پر لپیٹنا مکروہ نہیں ہے، مفتی بہ قول یہی ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ سے یہ بات ثابت ہے چنانچہ یہ روایت آئندہ صفحات میں آئے گی۔

روزہ دار کے لئے جو چیزیں مستحب ہیں، سحری کھانا، سحری کو دیر سے کھانا اور وقت ہو جانے پر افطار میں جلدی کرنا جب کہ فضا ابر آلود نہ ہو، جس دن فضا ابر آلود ہو اس دن افطار میں احتیاط یعنی دو تین منٹ کی تاخیر ضروری ہے۔

وہ اعذار جن کی بنا پر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

ایسے اعذار کہ جن کی بنا پر روزہ نہ رکھنا مباح ہے دس ہیں۔

① مرض۔ ② سفر۔ ③ اکراہ یعنی زبردستی۔ ④ حمل۔ ⑤ ارضاع یعنی دودھ پلانا۔ ⑥ بھوک۔ ⑦ پیاس۔ ⑧ بہت زیادہ بڑھاپا۔ ⑨ حیض۔ ⑩ نفاس۔ ان عوارض اور اعذار کو بتفصیل ذیل بیان کیا جاسکتا ہے۔

مرض: اگر روزہ رکھنے سے کسی نئے مرض کے پیدا ہو جانے یا موجودہ مرض کے بڑھ جانے کا خوف ہو، تو اس صورت میں روزہ نہ رکھنا چاہیے۔ اسی طرح اگر یہ گمان ہو کہ روزہ رکھنے سے صحت و تندرستی دیر میں حاصل ہوگی تو بھی روزہ نہ رکھنا چاہیے کیونکہ بسا اوقات مرض کی زیادتی اور اس میں طوالت ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے اس لئے ان سے اجتناب ضروری ہے۔

مرض چونکہ نام ہے اس چیز کا جو طبیعت کے تغیر کا باعث ہوتی ہے اور جس کے سبب طبیعت کا سکون کرب و بے چینی میں تبدیل ہو جاتا ہے اور یہ کیفیت پہلے اندرونی طور پر محسوس ہوتی ہے پھر اس کا اثر جسم پر ظاہر ہوتا ہے لہٰذا مرض کسی بھی قسم کا ہو خواہ وہ آنکھ دکھنے اور جسم و بدن کے کسی زخم کی صورت میں ہو یا دردسر و بخار وغیرہ کی شکل میں، جب اس میں زیادتی یا اس کے طول پکڑ جانے کا اندیشہ ہوگا تو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوگی، بلکہ روزہ کی نیت کرنے کے بعد بھی اگر کوئی مرض پیدا ہو جائے مثلاً کسی کو سانپ بچھو کاٹ لے یا بخار چڑھ آئے یا دردسر ہونے لگے تو اس کو اس دن کا روزہ رکھنا بھی ضروری نہیں ہے بلکہ بہتر یہی ہے کہ روزہ توڑ دیا جائے۔

علماء لکھتے ہیں کہ اگر کسی غازی اور مجاہد کو رمضان کے مہینہ میں دشمنان دین سے لڑنا ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ روزہ کی وجہ سے ضعف لاحق ہو جائے گا جس کی بناء پر لڑائی میں نقصان پیدا ہوگا تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے خواہ مسافر ہو یا مقیم۔ اسی پر علماء نے اس مسئلہ کو بھی قیاس کیا ہے کہ جس شخص کو باری کا بخار آتا ہو اور وہ باری کے دن بخار چڑھنے سے پہلے اپنا روزہ ختم کر دے اس خوف کی بناء پر کہ آج بخار چڑھے گا جس کی وجہ سے ضعف لاحق ہو جائے گا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اس دن بخار نہ بھی آئے تو صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا جب کہ فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے کہ دونوں صورتوں میں کفارہ لازم ہوگا۔

ایسے ہی اگر بازار والے رمضان کی تیس تاریخ کو طبل و نقارہ یا گولے وغیرہ کی آوازیں سنیں اور یہ گمان کر کے کہ یہ آج عید کا دن ہونے کا اعلان ہے روزہ توڑ ڈالیں اور پھر بعد میں معلوم ہو کہ یہ آج عید کا دن ہونے کا اعلان نہیں تھا بلکہ کسی اور سبب سے طبل و نقارہ بجایا گیا تھا یا گولا داغا گیا تھا تو اس صورت میں بھی ان پر کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

سفر: سفر خواہ جائز ہو یا ناجائز، بے مشقت ہو جیسے پیادہ پا یا گھوڑے وغیرہ کی سواری پر، ہر حال میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے مگر بے مشقت سفر میں مستحب یہی ہے کہ روزہ رکھا جائے۔ بشرطیکہ اس کے تمام رفقاء سفر بغیر روزہ نہ ہوں اور سب کا خرچ مشترک نہ ہو، ہاں اگر اس کے تمام رفقاء سفر روزہ نہ رکھیں اور سب کا خرچ بھی مشترک ہو تو پھر روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہوگا تاکہ پوری جماعت کی موافقت رہے۔

اگر کوئی شخص طلوع فجر سے پہلے سفر شروع کر کے مسافر ہو جائے تو اس دن کا روزہ نہ رکھنا اس کے لئے مباح ہے ہاں اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں طلوع فجر کے بعد سفر شروع کرے تو اب اس کے لئے روزہ نہ رکھنا مباح نہیں ہو گا البتہ بیمار ہو جانے کی صورت میں طلوع فجر کے بعد سفر شروع کرنے والے کے لئے روزہ نہ رکھنا مباح ہو گا اور بہر صورت کفارہ لازم نہیں ہو گا بلکہ صرف قضا واجب ہو گی خواہ سفر کی حالت میں بیماری کی وجہ سے روزہ توڑے یا بغیر بیماری کے۔

اکراہ: (یعنی زبردستی) جو شخص روزہ نہ رکھنے پر مجبور کیا جائے اس کو بھی شریعت نے روزہ نہ رکھنے یا روزہ توڑنے کی اجازت دی ہے، مثلاً کوئی شخص کسی روزہ دار کو زبردستی پچھاڑ کر اس کے منہ میں کوئی چیز ڈال دے، یا کوئی شخص روزہ دار کو مجبور کرے کہ اگر تم نے روزہ رکھا تو تمہیں جان سے مار دیا جائے گا یا تمہیں ضرب شدید پہنچائی جائے گی، یا تمہارے جسم کا کوئی عضو کاٹ ڈالا جائے گا تو اس صورت میں اس کے لئے روزہ توڑنا یا روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔

حمل: حاملہ عورت کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے بشرطیکہ اپنی یا اپنے بچے کی مضرت کا خوف ہو، یا عقل میں فتور آ جانے کا اندیشہ ہو مثلاً اگر حاملہ یا خوف ہو کہ روزہ رکھنے سے خود اپنی دماغی و جسمانی کمزوری انتہاء کو پہنچ جائے گی یا ہونے والے بچہ کی زندگی اور صحت پر اس کا برا اثر پڑے گا یا خود کسی بیماری و ہلاکت میں مبتلا ہو جائے گی تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ روزہ قضا کر دے۔

ارضاع: (یعنی دودھ پلانا) جس طرح حاملہ عورت کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے، اسی طرح دودھ پلانے والی عورت کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے خواہ وہ بچہ اسی کا ہو یا کسی دوسرے کے بچہ کو باجرت یا مفت دودھ پلاتی ہو بشرطیکہ اپنی صحت و تندرستی کی خرابی یا بچے کی مضرت کا خوف ہو۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اس بارہ میں "دودھ پلانے والی عورت" سے صرف دایہ ہی مراد ہے غلط ہے، کیونکہ حدیث میں مطلقاً دودھ پلانے والی عورت کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے چاہے وہ ماں ہو یا دایہ، چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ الصَّوْمَ وَ شَطْرَ الصَّلٰوةِ وَعَنِ الْحُبْلٰى وَ الْمُرْضِعِ الصَّوْمَ۔

"اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لئے روزہ اور آدھی نماز معاف کی ہے اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے لئے بھی روزہ معاف کیا ہے۔"

پھر یہ کہ اگر اس بارہ میں کوئی تخصیص ہوتی تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ تخصیص "دایہ" کی بجائے "ماں" کے لئے ہوتی کیونکہ دایہ کے لئے کسی بچہ کو دودھ پلانا واجب اور ضروری نہیں ہے وہ تو صرف اجرت کے لئے دودھ پلاتی ہے اگر وہ چاہے تو اس کام کو چھوڑ سکتی ہے۔ جب کہ ماں کا معاملہ برعکس ہے اپنے بچہ کو دودھ پلانا اس پر دیانۃً واجب ہے خصوصاً جب کہ باپ مفلس ہو۔

دودھ پلانے والی عورت کو دوا پینا جائز ہے جب کہ طبیب و ڈاکٹر کہے کہ یہ دوا بچے کو فائدہ کرے گی، مسئلہ بالا میں بتایا گیا ہے کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے لئے روزہ نہ رکھنا جائز ہے جب کہ اسے اپنی یا اپنے بچہ کی مضرت کا خوف ہو تو اس بارہ میں جان لیجئے کہ "خوف" سے مراد یہ ہے کہ یا تو کسی سابقہ تجربہ کی بناء پر اپنی یا اپنے بچہ کی مضرت کا گمان غالب ہو یا یہ کہ مسلمان طبیب حاذق جس کا کردار عقیدہ و عمل کے اعتبار سے قابل اعتماد ہو یہ بات کہے کہ روزہ کی وجہ سے ضرر پہنچے گا۔

بھوک اور پیاس: جس شخص کو بھوک یا پیاس کا اس قدر غلبہ ہو کہ اگر کچھ نہ کھائے یا پانی نہ پئے تو جان جاتی رہے یا عقل میں فتور آ جائے یا ہوش و حواس ختم ہو جائے تو اس کے لئے بھی روزہ رکھنا جائز ہے اور روزہ کی نیت کر لینے کے بعد اگر اسی حالت پیدا ہو جائے تب بھی اس کو اختیار ہے، اگر روزہ توڑ دے گا تو کفارہ لازم نہ ہو گا صرف قضا واجب ہو گی مگر شرط یہ ہے کہ روزہ دار نے ازخود اپنے نفس کو اس قدر مشقت میں مبتلا کر کے یہ حالت پیدا نہ کر دی ہو مثلاً کسی شخص نے ازخود اپنے نفس کو بایں طور مشقت میں مبتلا کیا کہ بغیر کسی شدید ضرورت کے کوئی لمبی چوڑی دوڑ لگائی جس کی وجہ سے پیاس کی شدت سے مجبور ہو کر روزہ توڑ ڈالا تو اس پر کفارہ لازم ہو گا اگرچہ بعض حضرات نے

کہا ہے کہ کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

حضرت علی بن احمدؒ سے پیشہ و مزدوری کرنے والوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ کوئی مزدور یہ جانے کہ اگر میں اپنے اس کام میں مشغول ہوں گا تو ایسی بیماری میں مبتلا ہو جاؤں گا جس میں روزہ نہ رکھنا مباح ہے درانحالیکہ وہ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالنے کے لئے اس کام کے کرنے پر مجبور ہے تو آیا بیماری میں مبتلا ہونے سے پہلے اس کے لئے کھانا مباح ہے یا نہیں؟ تو علی بن احمدؒ نے اس بات سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔

لیکن اس بارہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو در مختار میں لکھا ہے کہ اس صورت میں اگر اسے مذکورہ بالا خوف ہو تو اسے چاہیے کہ وہ آدھے دن تو محنت و مزدوری کرے اور آدھے دن آرام کرے تاکہ اسباب معیشت بھی فراہم ہو جائیں اور روزہ بھی ہاتھ سے نہ جائے۔

بڑھاپا: "شیخ فانی اور بڑھیا فانیہ" کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں "شیخ فانی اور بڑھیا فانیہ" اس مرد اور عورت کو کہتے ہیں جو زندگی کے آخری اسٹیج پر پہنچ چکے ہوں، ادائیگی فرض قطعاً مجبور اور عاجز ہوں اور جسمانی طاقت و قوت روز بروز گھٹتی چلی جا رہی ہو یہاں تک کہ ضعف و ناتوانی کے سبب انہیں یہ قطعاً امید نہ ہو کہ آئندہ بھی کبھی روزہ رکھ سکیں گے۔

حیض و نفاس: جو عورت حیض یا نفاس میں مبتلا ہو تو اس کے لئے بھی جائز ہے۔ کہ وہ روزہ نہ رکھے۔

فدیہ: مذکورہ بالا اعذار میں صرف شیخ فانی اور بڑھیا فانیہ کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے روزوں کا فدیہ ادا کریں ہاں اس شخص کے لئے بھی فدیہ دینا جائز ہے جس نے ہمیشہ روزے رکھنے کی نذر مانی ہو مگر اس سے عاجز ہو یعنی کوئی شخص یہ نذر مانے کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا مگر بعد میں وہ اسباب معیشت کے حصول یا کسی اور عذر کی وجہ سے اپنی نذر کو پورا نہ کر سکے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ روزے نہ رکھے البتہ ہر دن فدیہ دے دیا کرے، ان کے علاوہ اور تمام اعذار کا مسئلہ یہ ہے کہ عذر زائل ہو جانے کے بعد روزوں کی قضا ضروری ہے فدیہ دینا درست نہیں یعنی فدیہ دینے سے روزہ معاف نہیں ہوگا اسی لئے اگر کوئی معذور اپنے عذر کی حالت میں مر جائے۔ تو اس پر ان روزوں کے فدیہ کی وصیت کر جانا واجب نہیں ہے جو اس کے عذر کی وجہ سے فوت ہوئے ہوں اور نہ اس کے وارثوں پر یہ واجب ہوگا کہ وہ فدیہ ادا کریں خواہ عذر بیماری کا ہو یا سفر کا، یا مذکورہ بالا اعذار میں سے کوئی اور عذر۔ ہاں اگر کوئی شخص اس حالت میں انتقال کرے کہ اس کا عذر زائل ہو چکا تھا اور وہ قضا روزے رکھ سکتا تھا مگر اس نے قضا روزے نہیں رکھے تو اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ ان ایام کے روزوں کے فدیہ کی وصیت کر جائے جن میں مرض سے نجات پا کر صحت مند رہا تھا، یا سفر پورا کر کے مقیم تھا اور یا جو بھی عذر رہا ہو وہ زائل ہو چکا تھا۔

اگر کوئی شیخ فانی سفر کی حالت میں انتقال کر جائے تو اس کی طرف اسے ان ایام کے روزوں کا فدیہ دینا ضروری نہیں ہوگا۔ جن میں وہ مسافر رہا کیونکہ جس طرح اگر کوئی دوسرا شخص سفر کی حالت میں مر جائے تو اس کے لئے ایام سفر کے روزے معاف ہوتے ہیں اسی طرح اس کے لئے بھی ان ایام کے روزے معاف ہوں گے۔

جس شخص پر فدیہ لازم ہوا اور وہ فدیہ دینے پر قادر نہ ہو تو پھر آخری صورت یہی ہے کہ وہ اللہ رب العزت سے استغفار کرے عجب نہیں کہ ارحم الرحمین اسے معاف کر دے۔

فدیہ کی مقدار: ہر دن کے روزے کے بدلے فدیہ کی مقدار نصف صاع یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام گیہوں یا اس کی مقدار ہے فدیہ اور کفارہ میں جس طرح تملیک جائز ہے اسی طرح اباحت طعام بھی جائز ہے یعنی چاہے تو ہر دن کے بدلے مذکورہ بالا مقدار کسی محتاج کو دے دی جائے اور چاہے ہر دن دونوں وقت بھوکے کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیا جائے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ صدقہ فطر کے برخلاف کہ اس

میں زکوٰۃ کی طرح تملیک ہی ضروری ہے اس بارہ میں یہ اصول سمجھ لیجئے کہ جو صدقہ لفظ اطعام یا طعام (کھلانے) کے ساتھ مشروع ہے اس میں تملیک اور اباحت دونوں جائز ہیں اور جو صدقہ لفظ "ایتاء یا ادا" (دینے) کے ساتھ مشروع ہے اس میں تملیک شرط اور ضروری ہے اباحت قطعًا جائز نہیں ہے۔

قضاء روزے: قضاء روزے پے در پے رکھنا شرط اور ضروری نہیں ہے تاہم مستحب ضرور ہے تاکہ واجب ذمہ سے جلد اتر جائے اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ جس شخص کا عذر زائل ہو جائے وہ فورًا روزے شروع کردے کیونکہ اس میں تاخیر مناسب نہیں ہے، ویسے مسئلہ یہ ہے کہ قضاء روزوں کا معًا عذر زائل ہوتے ہی رکھنا بھی ضروری نہیں ہے اختیار ہے کہ جب چاہے رکھے۔ نماز کی طرح اس میں ترتیب بھی فرض نہیں ہے قضا روزے رکھے بغیر ادا کے روزے رکھے جا سکتے ہیں۔

اس موقع پر یہ بات بھی جان لیجئے کہ شریعت میں تیرہ قسم کے روزے ہیں جن میں سے سات قسم کے روزے تو وہ ہیں جو علی الاتصال یعنی پے در پے رکھے جاتے ہیں۔ ① رمضان کے مہینے کے روزے۔ ② کفارۂ ظہار کے روزے۔ ③ کفارۂ قتل کے روزے۔ ④ کفارۂ یمین کے روزے۔ ⑤ رمضان میں قصدًا توڑے ہوئے روزوں کے کفارہ کے روزے۔ ⑥ نذر معین کے روزے۔ ⑦ اعتکاف واجب کے روزے۔

اور چھ قسم کے روزے ایسے ہیں جن میں اختیار ہے چاہے تو پے در پے رکھے جائیں چاہے متفرق طور پر یعنی ناغہ کے ساتھ۔ ① نفل روزے۔ ② رمضان کے قضا روزے۔ ③ متعہ کے روزے۔ ④ فدیہ حلق کے روزے۔ ⑤ جزاء عید کے روزے۔ ⑥ نذر مطلق کے روزے۔

صحیح یہ ہے کہ نفل روزے کا بھی بغیر کسی عذر کے توڑ ڈالنا جائز نہیں ہاں اتنی بات ہے کہ نفل روزہ شروع ہو جانے کے بعد واجب ہو جاتا ہے لہٰذا وہ کسی بھی حالت میں توڑا جائے گا تو اس کی قضا ضروری ہوگی ہاں پانچ ایام ایسے ہیں جن میں اگر نفل روزہ بعد شروع کر چکنے کے توڑ دیا جائے تو قضا واجب نہیں ہوتی، دو دن تو عید و بقر عید کے اور تین دن تشریق (ذی الحجہ کی ۱۱، ۱۲، ۱۳ تاریخ) کے چونکہ ان ایام میں روزے رکھنے ممنوع ہیں لہٰذا ان ایام میں جب روزہ شروع ہی سے واجب نہیں ہوگا تو اس کے توڑنے پر قضا بھی واجب نہیں ہوگی۔

اگر کوئی شخص ان پانچوں ایام کے روزے کی نذر مانے یا پورے سال کے روزے کی نذر مانے تو ان دونوں صورتوں میں ان ایام میں روزے نہ رکھے جائیں بلکہ دوسرے دنوں میں ان کے بدلے قضا روزے رکھے جائیں۔

آخر میں ایک مسئلہ یہ بھی جان لیجئے کہ جب بچہ میں روزے رکھنے کی طاقت آجائے تو اسے روزہ رکھنے کے لئے کہا جائے اور جب وہ دس برس کا ہو جائے تو روزہ نہ رکھنے کی صورت میں اس پر سختی کی جائے اور اسے روزہ رکھنے پر مجبور کیا جائے جیسا کہ نماز کے بارے میں حکم ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

لغو و باطل کلام اور بے ہودہ افعال روزہ کے منافی ہیں

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ (رواہ البخاری)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص (روزے کی حالت میں) لغو و باطل کلام اور بیہودہ افعال نہ چھوڑے گا تو اللہ کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوگی کہ اس نے اپنا کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔" (بخاری)

تشریح: "لغو و باطل کلام" سے مراد وہ باتیں ہیں جن کو اپنی زبان سے نکالنے میں گناہ لازم آتا ہے جیسے کفریات بکنا جھوٹی گواہی دینا، افتراء پردازی، غیبت کرنا، بہتان تراشی خواہ زنا کا بہتان ہو یا کسی برائی کا اور لعنت کرنا، یا اسی قسم کی وہ باتیں جن سے بچنا ضروری ہے۔ لہٰذا حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس روزہ دار نے نہ تو لغو و باطل کلام سے اپنی زبان کو بچالیا اور نہ برے افعال کی غلاظت سے اپنے دامن کی حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ اس نے اپنا کھانا پینا اور دوسری خواہشات چھوڑ رکھی ہیں۔

اس بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ یوں سمجھئے کہ روزے کا اصل مقصد کیا ہے؟ یہی نا کہ انسان اپنی خواہشات نفسانی کو موت کے گھاٹ اتار دے اور اپنے نفس امارہ کو حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا تابعدار بنادے، مگر جب یہ مقصد ہی حاصل نہ ہوا کہ نہ تو روزہ دار نے بری باتیں ہی چھوڑیں اور نہ برے کام ہی چھوڑے جو روزے کے منافی ہیں تو خدا کو کیا ضرورت ہے۔ کہ وہ روزہ دار کے محض بھوکا پیاسا ہونے کی کوئی پرواہ کرے یا اس طرف نظر عنایت کرے۔

گویا "پرواہ نہ کرنے" سے مراد ہے اس کی طرف التفات نہ کرنا اور اس کے روزہ کو شرف قبولیت سے نہ نوازنا اور ظاہر ہے کہ ایسے روزہ دار کی طرف خدا التفات کرے بھی کیوں؟ اس نادان نے بیشک ان چیزوں کو تو ترک کیا جن کو رمضان کے مہینہ میں ترک کرنے ہی کا حکم ہے اگرچہ وہ دوسرے دنوں میں مباح ہیں مثلاً کھانا پینا اور جماع وغیرہ مگر ان چیزوں کو اختیار کیا جنہیں روزہ کیا کسی بھی حالت میں اختیار کرنا حرام ہے۔

مشائخ لکھتے ہیں کہ روزہ کی تین قسمیں ہیں۔ ایک روزہ تو عوام کا ہے جس میں کھانے پینے اور جماع سے اپنے کو باز رکھا جاتا ہے۔ دوسرا روزہ وہ خواص کا ہے کہ جس میں تمام اعضاء اور حسیات کو حرام و مکروہ خواہشات و لذات سے بچایا جاتا ہے بلکہ ایسی مباح چیزوں سے بھی اجتناب ہوتا ہے جو کسر نفسی کے منافی ہیں۔ اور تیسرا روزہ اخص الخواص کا ہوتا ہے کہ جس میں سوائے حق کے ہر چیز سے کلیۃً اجتناب ہوتا ہے بلکہ غیر حق کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا۔

روزہ میں بوسہ اور مساس وغیرہ کا مسئلہ

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَكَانَ اَمْلَكَكُمْ لِاَرَبِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنے روزہ کی حالت میں (اپنی ازواج کا) بوسہ لیتے تھے اور (انہیں) اپنے بدن سے لپٹاتے تھے (کیونکہ آنحضرت ﷺ اپنی حاجت پر تم سے زیادہ قابو یافتہ تھے)۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حاجت سے مراد "شہوت" ہے مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور لوگوں کی بہ نسبت اپنی خواہشات اور شہوت پر بہت زیادہ قابو یافتہ تھے کہ آپ ﷺ باوجودیکہ اپنی ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے تھے اور ان کو اپنے بدن مبارک سے لپٹاتے تھے مگر صحبت سے بچے رہتے تھے ظاہر ہے کہ دوسرے لوگوں کا ایسی صورت میں اپنی شہوت پر قابو یافتہ ہونا بہت مشکل ہے۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں اہل علم کے ہاں اختلاف ہے، حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ بوسہ لینا، مساس کرنا اور عورت کے بدن کو اپنے سے لپٹانا روزہ دار کے لئے مکروہ ہے جب کہ ایسی صورت میں جماع میں مشغول ہوجانے یا انزال ہوجانے کا خوف ہو اگر یہ خوف نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

حالت جنابت میں روزہ کی نیت کرنا

(۳) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ فِيْ رَمَضَانَ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ غَيْرِ حُلُمٍ فَيَغْتَسِلُ وَيَصُوْمُ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (کبھی ایسا ہوتا کہ) آنحضرت ﷺ جنابت (ناپاکی) کی حالت میں صبح کرتے اور یہ جنابت احتلام کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی چنانچہ (ایسی صورت میں) آپ ﷺ نہاتے اور روزہ رکھتے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح : مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو احتلام کی وجہ سے نہیں بلکہ جماع کی وجہ سے نہانے کی ضرورت ہوتی تھی اور آپ ﷺ اسی حالت میں روزہ رکھتے اور پھر نہاتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ جنابت کی حالت میں طلوع فجر سے پہلے نہانا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ ایسی حالت میں روزہ کی نیت کی جاسکتی ہے اور پھر صبح اٹھ کر نہانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور چونکہ جماع کے سبب ناپاکی اختیاری ہوتی ہے۔ لہٰذا جب ایسی صورت میں بغیر نہائے روزہ رکھنا جائز ہے تو احتلام کے سبب ناپاکی کی حالت میں روزہ رکھنا بدرجہ اولیٰ درست ہوگا بلکہ اگر روزہ کی حالت میں ہی احتلام ہو جائے تو روزہ پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

من غیر حُلُم (اور یہ جنابت احتلام کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی) کو بطور خاص اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ انبیاء کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم کو احتلام نہیں ہوتا تھا کیونکہ یہ خواب میں شیطان کے آنے کا اثر ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ اس سے قطعی محفوظ تھے۔

روزہ کی حالت میں سینگی کھچوانا جائز ہے

④ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے احرام کی حالت میں بھری ہوئی سینگی کھنچوائی، نیز آپ ﷺ نے روزہ کی حالت میں (بھی) بھری ہوئی سینگی کھنچوائی ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح : حضرت شیخ جزریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ احرام کی حالت میں روزے سے تھے اس وقت آپ ﷺ نے بھری ہوئی سینگی کھنچوائی اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کی یہ مراد ابوداؤد کی ایک روایت کی روشنی میں اخذ کی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ هُوَ صَائِمًا مُحْرِمًا۔

"نبی کریم ﷺ نے اس وقت بھری ہوئی سینگی کھنچوائی جب کہ آپ ﷺ حالت احرام میں روزہ سے تھے۔"

بہر حال حضرت مظہرؒ فرماتے ہیں کہ احرام کی حالت میں سینگی کھنچوانی جائز ہے بشرطیکہ کوئی بال نہ ٹوٹے، اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام شافعیؒ، اور حضرت امام مالکؒ کا متفقہ طور پر مسلک یہ ہے کہ روزہ دار کو سینگی کھنچوانا بلا کراہت جائز ہے لیکن حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ بھری ہوئی سینگی کھینچنے اور کھنچوانے والا دونوں کا روزہ باطل ہو جاتا ہے مگر کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

بھول چوک سے کھانا پینا معاف ہے

⑤ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَاَكَلَ اَوْشَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص روزہ دار ہو اور وہ بھول چوک سے کچھ کھا پی لے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ وہ کھلانا پلانا اللہ کی طرف سے ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح : یہ حکم علی الاطلاق ہر روزہ کے لئے ہے خواہ فرض روزہ ہو یا نفل وغیرہ کہ اگر کوئی روزہ دار بھول کر کچھ کھالے یا پی لے تو اس کا روزہ نہیں جاتا چنانچہ تمام ائمہ کا مسلک یہی ہے البتہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ صورت رمضان میں پیش آئے تو اس کی قضا ضروری

ہوگی۔

ہدایہ میں لکھا ہے کہ جب کھانے پینے کے بارہ میں یہ حکم ثابت ہوا تو جماع کے بارہ میں بھی یہی حکم ہوگا یعنی اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں بھول کر جماع کرلے تو اس کے روزہ پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔

کفارہ اپنے اہل و عیال کو دینے کا مسئلہ

(۶) وَعَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْتُ قَالَ مَالَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِيْ وَاَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَجِدُ اِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا قَالَ اِجْلِسْ وَمَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلَى ذٰلِكَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيْهِ تَمْرٌ وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ الضَّخْمُ قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ قَالَ اَنَا قَالَ خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ فَقَالَ الرَّجُلُ اَعَلٰى اَفْقَرَ مِنِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَاللّٰهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا يُرِيْدُ الْحَرَّتَيْنِ اَهْلُ بَيْتٍ اَفْقَرُ مِنْ اَهْلِ بَيْتِيْ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ اَنْيَابُهٗ ثُمَّ قَالَ اَطْعِمْهُ اَهْلَكَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص (کہ جس کا نام سلمہ بن فخر الانصاری البیاضی تھا) آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ (ایک گناہ سرزد ہو جانے کی وجہ سے) میں تباہ ہو گیا! آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میں روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہارے پاس غلام ہے جسے تم (بطور کفارہ) آزاد کر سکو؟ اس نے کہا کہ نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں اتنی طاقت ہے کہ دو مہینے کے پے در پے روزے رکھ سکو! اس نے کہا کہ نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا، کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی استطاعت رکھتے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تم بیٹھ جاؤ (اور آپ ﷺ اس انتظار میں رہے کہ کوئی شخص کچھ لائے تو اسے دے دیں تاکہ وہ بطور کفارہ صدقہ کر دے) چنانچہ ہم اسی طرح بیٹھے رہے کہ اسی وقت آپ ﷺ کی خدمت میں ایک عرق آیا جس میں کھجوریں تھیں اور عرق ایک بڑے تھیلے کو کہتے تھے (جو کھجور کے پتوں کا بنا ہوا ہوتا تھا اور جس میں ساٹھ سیر سے لے کر اسی سیر تک کھجوریں آتی تھیں) آپ ﷺ نے (اسے دیکھ کر) فرمایا کہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہیں حاضر ہوں! آپ ﷺ نے فرمایا، لو یہ کھجوریں پکڑو اور انہیں خدا کی راہ میں (محتاجوں کو) تقسیم کر دو! اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں یہ کسی ایسے شخص کو دوں جو مجھ سے بھی زیادہ محتاج ہو؟ (یعنی میں تو خود سب سے زیادہ محتاج ہوں دوسرے لوگوں کو کیسے دوں؟) خدا کی قسم! مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان کوئی ایسا گھرانہ نہیں ہے جو میرے گھرانے سے زیادہ محتاج ہو، اور مدینہ کے دونوں کناروں سے اس کی مراد وہ دونوں پہاڑیاں تھیں (جو مدینہ کے جانب شرق اور جانب غرب واقع ہیں) نبی کریم ﷺ (اس کی بات سن کر) ہنسے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی کچلیاں ظاہر ہوئیں، پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اچھا یہ کھجوریں اپنے اہل و عیال کو کھلاؤ!۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: جو شخص رمضان کا روزہ رمضان ہی کے مہینہ میں قصداً توڑ دے خواہ کچھ کھا پی کر یا جماع میں مشغول ہو کر تو اس پر کفارہ واجب ہوتا ہے اور کفارہ کی ترتیب وہی ہے جو حدیث بالا میں ذکر کی گئی ہے یعنی ایک غلام آزاد کرے اگر یہ نہ ہو سکے تو دو مہینہ کے روزے پے در پے رکھے اور اگر یہ بھی بس سے باہر ہو تو پھر آخری درجہ یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اس میں اختیار ہے۔ چاہے تو ہر مسکین کو کچا اناج دیدے اس صورت میں ہر مسکین کو پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو دیا جائے گا، اور چاہے کھانا پکا کر دے، اس صورت میں ان ساٹھ مسکینوں کو ایک دن دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے گا۔

اپنے اہل وعیال کو کفارہ دینے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا خواہ اصول میں سے یعنی باپ دادا وغیرہ ہوں یا فروع میں سے یعنی بیٹا و پوتا وغیرہ ہوں جہاں تک حدیث بالا کا تعلق ہے کہ اس سے اپنے اہل وعیال کو کفارہ دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے تو اس کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا اس شخص کے ذمہ سے کفارہ ادا ہو گیا تھا یا نہیں؟ چنانچہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ کفارہ ادا ہو گیا تھا اور یہ حکم صرف اسی کے ساتھ مخصوص تھا کہ آنحضرت ﷺ نے بطور خاص اس کو اجازت عطا فرمادی تھی کہ وہ کھجوریں جو کفارہ کے طور پر اس کی طرف سے دی جاتی تھیں اپنے اہل وعیال کو کھلانے پر صرف کردے۔ اور چونکہ یہ ایک مخصوص معاملہ تھا اس لئے کسی دوسرے کے لئے یہ جائز نہیں ہے۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس وقت اس کے ذمہ سے کفارہ ادا نہیں ہوا تھا بلکہ اس کے ذمہ باقی رہا تھا اور وجہ اس کی یہ بیان کرتے ہیں کہ کفارہ کی ادائیگی بالفعل (وقتی طور پر) اس وقت ضروری ہوتی ہے جب کہ کفارہ دینے والے کے پاس اس کے اور اس کے اہل وعیال کے کھانے سے بچ کر اتنا مال موجود ہو وہ بطور کفارہ دے سکے، ورنہ بصورت دیگر وہ کفارہ اس کے ذمہ باقی رہتا ہے کہ جب بھی اس میں استطاعت ہو کفارہ ادا کردے، لہٰذا اسلمہ بن صخر الانصاری البیاضی بہت زیادہ محتاج تھے اس لئے آپ ﷺ نے ان کو اجازت عطا فرمائی کہ اس وقت تو یہ کھجوریں اپنے اہل وعیال کو کھلاؤ مگر جب بعد میں استطاعت ہو تو کفارہ ادا کر دینا۔

کچھ حضرات کا کہنا یہ ہے کہ پہلے یہ حکم تھا کہ کفارہ اپنے اہل وعیال کو دیا جا سکتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے سلمہؓ سے کہا کہ وہ ان کھجوروں کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کردیں، مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اس لئے اب مسئلہ یہی ہے کہ کسی بھی طرح کفارہ اپنے اہل وعیال کو نہ دیا جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

روزہ میں بیوی کی زبان اپنے منہ میں لینے کا مسئلہ

(۷) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ وَیَمَصُّ لِسَانَهَا (رواہ ابوداؤد)

"حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارہ میں منقول ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ روزہ کی حالت میں ان کا بوسہ لیتے تھے۔ اور ان کی زبان اپنے دہن مبارک میں لیتے تھے۔" (ابوداؤد)

تشریح: اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن تمام ہی ائمہ کے نزدیک چونکہ کسی غیر (یعنی اپنی بیوی) کا تھوک نگلنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس لئے اگر اس حدیث کو بدرجہ احتمال صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کی زبان اپنے منہ میں لے کر تھوک منہ سے باہر پھینک دیتے ہوں گے یا اسے نگلتے نہ ہوں گے۔

روزہ کی حالت میں مباشرت

(۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلاً سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ فَرَخَّصَ لَهٗ وَاَتَاهُ اٰخَرُ فَسَاَلَهٗ فَنَهَاهُ وَاِذَا الَّذِیْ رَخَّصَ لَهٗ شَیْخٌ وَاِذَا الَّذِیْ نَهَاهُ شَابٌّ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے روزہ کی حالت میں مباشرت کے بارہ میں پوچھا (کہ آیا میں اپنی بیوی کو اپنے بدن سے لپٹا سکتا ہوں یا نہیں؟) تو آپ ﷺ نے اسے اجازت دے دی، اس کے بعد ایک اور شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مباشرت کے بارہ میں پوچھا تو آپ ﷺ نے اسے منع فرمایا جس شخص کو آپ ﷺ نے مباشرت کی اجازت دی تھی وہ بوڑھا تھا اور جسے منع فرمایا تھا وہ جوان تھا۔" (ابوداؤد)

تشریح: چونکہ ضعیف شخص کے جذبات زیادہ برانگیختہ نہیں ہوتے اور اس کے بارہ میں یہ خوف نہیں ہوتا کہ وہ محض مباشرت کے نتیجہ میں جماع کی خواہش پر کنٹرول نہیں کر سکے گا اس لئے آپ نے بڈھے کو تو اجازت دے دی اس کے برخلاف جوان شخص کے جذبات چونکہ انتہائی ہیجانی اور برانگیختہ ہوتے ہیں اور اس کے بارہ میں یہ خوف بھی ہوتا ہے کہ وہ مباشرت کے نتیجہ میں کہیں اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکے اور از خود رفتہ ہو کر جماع کر بیٹھے اس لئے آپ ﷺ نے اسے روزہ کی حالت میں مباشرت سے منع فرمایا اب اس بارہ میں اختلاف ہے بعض حضرات تو کہتے ہیں کہ یہ نہی تحریمی ہے جب کہ بعض حضرات نہی تنزیہی کے قائل ہیں۔

روزہ کی حالت میں قے ہونے کا مسئلہ

(۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَمَنِ اسْتَقَاءَ عَمَدًا فَلْيَقْضِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عِيْسَى بْنِ يُوْنُسَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَعْنِي الْبُخَارِيَّ لَا اُرَاهُ مَحْفُوْظًا

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص پر قے غالب آجائے (یعنی خود بخود قے آئے) اور وہ روزہ سے ہو تو اس پر قضا نہیں ہے اور جو شخص (حلق میں انگلی وغیرہ ڈال کر) قصداً قے کرے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے روزے کی قضا کرے (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ) اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو عیسی بن یونس کے علاوہ اور کسی سند سے نہیں جانتے، نیز محمد (یعنی امام بخاری) فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو محفوظ نہیں سمجھتا (یعنی یہ حدیث منکر ہے)۔"

تشریح: ومن استقاء عمدا (اور جو شخص قے کرے) میں قصداً کی قید لگا کر گویا بھول چوک کا استثناء فرمایا گیا ہے یعنی اگر کوئی روزہ دار اس حالت میں قصداً قے کرے کہ اسے اپنا روزہ یاد ہو تو اس کا روزہ جاتا رہے گا اور اس پر قضا واجب ہوگی۔ اس کے برخلاف اگر کوئی روزہ دار قصداً قے کرے مگر اسے یہ یاد نہ رہا ہو کہ میں روزہ سے ہوں تو اس پر قضا واجب نہیں ہوگی۔ قے کے سلسلے میں پوری وضاحت ابتداء باب میں کی جاچکی ہے۔ اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ اس موقع دیکھا جاسکتا ہے۔

(۱۰) وَعَنْ مَعْدَانَ ابْنِ طَلْحَةَ اَنَّ اَبَا الدَّرْدَاءِ حَدَّثَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَاَفْطَرَ قَالَ فَلَقِيْتُ ثَوْبَانَ فِيْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَقُلْتُ اِنَّ اَبَا الدَّرْدَاءِ حَدَّثَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَاَفْطَرَ قَالَ صَدَقَ وَاَنَا صَبَبْتُ لَهُ وَضُوْءَهُ (رواہ ابوداؤد والترمذی والدارمی)

"اور حضرت معدان بن طلحہ کے بارہ میں منقول ہے کہ حضرت ابودرداء نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول کریم ﷺ نے (روزہ کی حالت میں) قے کی اور پھر روزہ توڑ ڈالا، معدان کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبانؓ سے ملا اور ان سے کہا کہ حضرت ابودرداء نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قے کی اور پھر روزہ توڑ ڈالا، حضرت ثوبانؓ نے فرمایا کہ ابودرداء نے بالکل سچ کہا اور (اس موقع پر) میں نے ہی آپ کے وضو کے لئے پانی کا انتظام کیا تھا۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، دارمیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی عذر کی وجہ سے اپنا نفل روزہ قصداً قے کر کے توڑ ڈالا تھا چاہے عذر بیماری کا رہا ہو یا ضعف و ناتوانی کا، بہرکیف عذر، کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ بغیر عذر کے نفل روزہ بھی نہیں توڑتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ

"یعنی اپنے اعمال کو باطل نہ کرو (یعنی انہیں شروع کر کے نامکمل نہ ختم کر ڈالو)۔"

حدیث کے آخری الفاظ وانا صببت لہٗ وضوءہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ وغیرہما نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے حضرت امام شافعیؒ اور دیگر علماء جو قے سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں ہیں فرماتے ہیں کہ یہاں سے وضو کرنے سے کلی کرنا اور منہ دھونا مراد ہے واللہ اعلم۔

روزہ کی حالت میں مسواک کرنی جائز ہے

(۱۱) وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَا أُحْصِيْ يَتَسَوَّكُ وَهُوَ صَائِمٌ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت عامر ابن ربیعہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو روزہ کی حالت میں اس قدر مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ کہ میں اس کو شمار نہیں کر سکتا۔" (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ روزہ دار کے لئے کسی بھی وقت اور کسی بھی طرح کی مسواک کرنا جائز ہے چنانچہ اس بارہ میں اس حدیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث منقول ہیں جو مرقات میں تفصیل کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں۔

روزہ کی حالت میں مسواک کرنے کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال بھی ہیں چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ تو فرماتے ہیں کہ روزہ کی حالت میں ہر طرح کی مسواک کرنا جائز ہے خواہ وہ سبز یعنی تازی ہو یا پانی میں بھگوئی ہوئی ہو اسی طرح کسی بھی وقت کی جا سکتی ہے خواہ زوال آفتاب سے پہلے کا وقت ہو یا زوال آفتاب کے بعد کا، جب کہ حضرت امام ابویوسفؒ کا قول یہ ہے کہ روزہ دار کے لئے تازی اور بھگوئی ہوئی مسواک مکروہ ہے نیز حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ زوال آفتاب کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے۔

روزہ میں سرمہ لگانا جائز ہے

(۱۲) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اشْتَكَيْتُ عَيْنَيَّ أَفَأَكْتَحِلُ وَأَنَا صَائِمٌ قَالَ نَعَمْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَأَبُوْ عَاتِكَةَ الرَّاوِيْ يُضَعَّفُ

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میری آنکھیں دکھتی ہیں کیا میں روزہ کی حالت میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے اور اس کے ایک راوی ابوعاتکہ ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔"

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے چنانچہ اکثر علماء کا یہی مسلک ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا مکروہ نہیں ہے اگرچہ اس کا مزہ حلق میں محسوس ہو جب کہ حضرت امام احمدؒ، اسحٰقؒ اور سفیانؒ کے نزدیک مکروہ ہے امام مالکؒ سے بعض لوگوں نے کراہت کا قول نقل کیا ہے اور بعض لوگوں نے عدم کراہت کا یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس بارہ میں چونکہ اور بھی احادیث منقول ہیں اس لئے یہ سب مل کر قابل استناد و استدلال ہو جاتی ہیں۔

روزہ کی حالت میں سر پر پانی ڈالنا مکروہ نہیں ہے

(۱۳) وَعَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ الْمَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ مِنَ الْعَطَشِ أَوْ مِنَ الْحَرِّ (رواہ مالک وابوداؤد)

"اور نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں عرج میں نبی کریم ﷺ کو روزہ کی حالت میں پیاس کے دفعیہ کے لئے یا کہا کہ گرمی کے

دفعیہ کے لئے اپنے سر پر پانی ڈالتے ہوئے دیکھا ہے۔" (مالکؒ، ابوداؤد)

تشریح: عرج مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ حضرت ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ روزہ کی حالت میں اپنے سر پر پانی ڈالنا یا پانی میں گھسنا مکروہ نہیں ہے۔

نورالایضاح میں جو فقہ حنفی کی ایک معتبر کتاب ہے لکھا ہے کہ مفتی بہ قول کے مطابق صحیح مسئلہ یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں ٹھنڈک حاصل کرنے اور گرمی کے دفعیہ کے لئے نہانا اور بدن کو پانی سے تر کپڑا لپیٹنا مکروہ نہیں ہے نیز در مختار میں بھی یہی منقول ہے۔

روزہ میں پچھنے لگوانے کا مسئلہ

(۱۴) وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى رَجُلًا بِالْبَقِيْعِ وَهُوَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ اٰخِذٌ بِيَدِيْ لِثَمَانِيْ عَشْرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ فَقَالَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَتَاَوَّلَهُ بَعْضُ مَنْ رَخَّصَ فِي الْحِجَامَةِ اَيْ تَعَرَّضَا لِلْاِفْطَارِ الْمَحْجُوْمُ لِلضُّعْفِ وَالْحَاجِمُ لِاَنَّهُ لَا يَاْمَنُ مِنْ اَنْ يَصِلَ شَيْءٌ اِلٰى جَوْفِهِ بِمَصِّ الْمَلَازِمِ

"اور حضرت شداد بن اوسؓ کہتے ہیں کہ رمضان کی اٹھارہ تاریخ کو رسول کریم ﷺ (مدینہ کے قبرستان) جنت البقیع میں ایک ایسے شخص کے پاس تشریف لائے جو بھری ہوئی سینگی کھنچوا رہا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ سینگی کھینچنے اور کھنچوانے والے نے اپنا روزہ توڑ ڈالا (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ) امام محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو علماء روزہ کی حالت میں سینگی کھینچنے اور کھنچوانے کی اجازت دیتے ہیں انہوں نے اس حدیث کی تاویل کی ہے یعنی یہ کہ (اس ارشاد گرامی میں آپ ﷺ کی مراد یہ ہے کہ) سینگی کھنچوانے والا تو ضعف کی وجہ سے روزہ توڑنے کے قریب ہو جاتا ہے اور سینگی کھینچنے والا اس سبب سے افطار کے قریب ہو جاتا ہے۔ کہ ہو سکتا ہے کہ سینگی کھینچنے کے عمل سے (خون کا) کوئی حصہ اس کے پیٹ میں پہنچ گیا ہو۔"

تشریح: بعض من رخص میں بعض سے مراد جمہور یعنی اکثر علماء ہیں چنانچہ اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ روزہ کی حالت میں پچھنے لگوانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کی صحیح روایت منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے احرام اور روزہ کی حالت میں بھری ہوئی سینگی کھنچوائی، حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، اور حضرت امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے ان حضرات کی طرف سے حدیث کی وہی مراد بیان کی جاتی ہے جو امام محی السنہ نے نقل کی ہے روزہ توڑنے کے قریب ہو جاتا ہے، یعنی بھری ہوئی سینگی کھنچوانے والے کا خون چونکہ زیادہ نکل جاتا ہے جس کی وجہ سے ضعف و سستی اور ناتوانی اتنی زیادہ لاحق ہو جاتی ہے کہ اس کے بارہ میں یہ خوف پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں وہ اپنی جان بچانے کے لئے روزہ نہ توڑ ڈالے اور سینگی کھینچنے والے کے بارہ میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ سینگی چونکہ منہ سے کھینچی پڑتی ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس عمل کے وقت خون کا کوئی قطرہ اس کے پیٹ میں چلا گیا ہو۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ بھری ہوئی سینگی کھنچوانے سے ٹوٹتا تو نہیں البتہ ضعف لاحق ہونے اور جان کی ہلاکت کے خوف سے مکروہ ہو جاتا ہے بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ ارشاد گرامی بطور خاص دو اشخاص کے بارہ میں ہے کہ وہ سینگی کھینچتے اور کھنچواتے وقت غیبت میں مشغول تھے لہٰذا ان دونوں کو غیبت میں مشغول دیکھ کر آپ ﷺ نے (بطور تنبیہ) فرمایا کہ دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا ہے، بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حکم پہلے تھا۔ بعد میں منسوخ ہو گیا۔

بلا عذر روزہ نہ رکھنا

(۱۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ

لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمَ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجَمَةِ بَابٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ يَقُوْلُ اَبُو الْمُطَوِّسِ الرَّاوِيْ لَا اَعْرِفُ لَهُ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيْثِ

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بلا رخصت اور بلا مرض رمضان کا کوئی روزہ قصداً نہ رکھے تو تمام عمر روزہ رکھنا بھی اس کا بدلہ نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ تمام عمر روزہ رکھے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) امام بخاریؒ نے اس روایت کو (بخاری کے) ترجمۃ الباب میں نقل کیا ہے نیز امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ میں نے حضرت امام بخاریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں (اس روایت کے ایک راوی) ابوالمطوس کو اس حدیث کے علاوہ اور کسی حدیث کا راوی نہیں جانتا۔"

تشریح: بلا رخصت قصداً روزہ نہ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ شریعت نے روزہ نہ رکھنے کے لئے حالت سفر وغیرہ میں جو رخصت یعنی اجازت عطا فرمائی ہے اس کے علاوہ اس حالت جب کہ روزہ رکھنا ضروری ہے قصداً روزہ نہ رکھے چنانچہ اس کے بارہ میں ابتداء باب میں تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ و ان صامہ ماقبل جملہ کی تاکید کے طور پر ارشاد فرمائے گئے ہیں۔

یہ حدیث رمضان کے روزہ کی اہمیت و عظمت کے اظہار کے لئے بطور مبالغہ ارشاد فرمائی گئی ہے، لہٰذا حدیث کی مراد یہ ہے کہ فرض روزہ کا ثواب اس قدر اور اتنا زیادہ ہے کہ وہ نفل روزہ سے میسر نہیں آتا چاہے کوئی تمام عمر ہی نفل روزہ کیوں نہ رکھے۔ اس بارہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے علماء لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے رمضان کا کوئی روزہ نہیں رکھا اور پھر بعد میں قضا روزہ رکھ لیا تو اس کے ذمہ سے فرض ادا ہو جائے گا اسی طرح اگر کسی شخص نے رمضان کا کوئی روزہ قصداً توڑ ڈالا اور پھر اس کے کفارہ کے طور پر دو مہینے کے روزے رکھ لئے تو وہ بری الذمہ ہو جائے گا۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان کا روزہ نہ رکھے اور اس کے بدلے تمام عمر بھی روزے رکھے تو وہ بری الذمہ نہیں ہوگا چنانچہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا یہی مسلک تھا لیکن اکثر صحابہؓ اور علماء کا مسلک یہ ہے کہ ایک دن کے روزے کا بدل دوسرے دن کا روزہ ہو جاتا ہے یعنی اگر رمضان میں ایک دن کا روزہ نہ رکھا جائے اور اس کی قضا کے طور پر کسی دوسرے دن روزہ رکھ لیا جائے تو فرض ادا ہو جاتا ہے چاہے یہی صورت کیوں نہ ہو کہ رمضان کا وہ روزہ جو نہیں رکھا گیا ہے گرمی کے کسی سخت اور بڑے دن میں رہا ہو اور اس کی قضا کے طور پر سردی میں اور چھوٹے دن روزہ رکھا جائے۔ اسی طرح صحیح مسئلہ یہ ہے۔ کہ نماز بھی روزے کے حکم میں ہے کہ اگر کسی وقت نماز نہ پڑھے تو دوسرے وقت اس کی قضا پڑھنے سے فرض ادا ہو جاتا ہے کیونکہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ تمام علماء کے نزدیک نماز روزہ سے افضل ہے۔

بلا روح روزہ

⑯ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ اِلَّا الظَّمَأُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ اِلَّا السَّهَرُ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَذُكِرَ حَدِيْثُ لَقِيْطِ بْنِ صَبِرَةَ فِيْ بَابِ سُنَنِ الْوُضُوْءِ

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، بہت سے روزہ دار ایسے ہوتے ہیں جنہیں ان کے روزے سے سوائے پیاسا رہنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور رات میں عبادت میں مشغول رہنے والے بہت سے ایسے ہیں۔ جنہیں ان کی عبادت سے سوائے بے خوابی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔" (دارمی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص روزہ رکھے مگر نہ تو اس کی نیت میں اخلاص و للہیت ہو اور نہ وہ جھوٹ، جھوٹی گواہی، بہتان تراشی غیبت اور ان کے علاوہ دیگر ممنوعات سے اجتناب و پرہیز کرے تو اس کا روزہ بلا روح ہے کہ وہ بھوکا اور پیاسا تو رہتا ہے مگر اسے روزہ کا

کمال اور ثواب حاصل نہیں ہوتا اگرچہ اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص رات میں عبادت میں مشغول رہتا ہے اور اسے حضوریٔ قلب اور صدق نیت کی دولت میسر نہیں ہوتی یا اس کی وہ عبادت دنیا کے فائدہ اور ریاء و نمائش کے جذبہ کے تحت ہوتی ہے تو اسے کچھ ثواب نہیں ملتا اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی غصب کردہ مکان میں نماز پڑھے تو اسے ثواب نہیں ملتا اگرچہ اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جاتا ہے یا جو شخص بغیر عذر جماعت سے محروم رہتا ہے ایسے ہی دیگر عبادات مثلاً حج و زکوٰۃ وغیرہ کا بھی مسئلہ یہ ہے کہ اگر اخلاص نیت حاصل نہ ہو تو تضییع مال اور جسمانی مشقت و محنت کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہیں لگتا۔

حاصل یہ کہ کوئی بھی عبادت ہو جب تک اخلاص نیت، حضوریٔ قلب اور محض اللہ تعالیٰ کی رضاء و خوشنودی کا جذبہ میسر نہ ہو وہ بلا روح ہوتی ہے کہ جس سے نہ تو قرب الٰہی کی سعادت میسر آتی ہے اور نہ اجر و ثواب کی دولت حاصل ہوتی ہے۔

وذكر حديث لقيط بن صبرة في باب سنن الوضوء

"اور لقیط بن صبرہ کی روایت (جو صاحب مصابیح نے یہاں نقل کی تھی) باب سنن الوضوء میں ذکر کی جا چکی ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

سینگی، قے اور احتلام سے روزہ نہیں ٹوٹتا

(۱۷) عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا يُفَطِّرْنَ الصَّائِمَ الْحِجَامَةُ وَالْقَيْءُ وَالْاِحْتِلَامُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ زَيْدٍ الرَّاوِيُ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ

"حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، تین چیزیں روزہ دار کے روزہ کو نہیں توڑتیں سینگی، قے (جو از خود آئے) اور احتلام، امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث محفوظ نہیں ہے، اس کے ایک راوی عبدالرحمن ابن زید روایت حدیث کے سلسلہ میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔"

تشریح: اس روایت کو دار قطنی بیہقی اور ابوداؤد نے بھی نقل کیا ہے نیز ابوداؤد کی روایت کے بارہ میں محدثین نے لکھا ہے کہ وہ اشبہ بالصواب (یعنی صحت کے زیادہ قریب) ہے۔

(۱۸) وَعَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ قَالَ سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ كُنْتُمْ تَكْرَهُوْنَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اِلَّا مِنْ اَجْلِ الضَّعْفِ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ لوگ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں روزے دار کے لئے سینگی کو مکروہ سمجھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں علاوہ خوف کی صورت کے۔" (بخاریؒ)

تشریح: یعنی اس اعتبار سے سینگی کو مکروہ سمجھتے تھے کہ اس سے ضعف و ناتوانی لاحق ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے روزہ پر اثر پڑ سکتا ہے نہ کہ اس اعتبار سے کہ اس کی وجہ سے روزہ جاتا رہتا ہو۔

(۱۹) وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيْقًا قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ ثُمَّ تَرَكَهٗ فَكَانَ يَحْتَجِمُ بِاللَّيْلِ

"اور حضرت امام بخاریؒ بطریق تعلیق نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ (پہلے تو) روزہ کی حالت میں سینگی لگوا لیا کرتے تھے مگر بعد میں انہوں نے اسے ترک کر دیا البتہ رات میں سینگی لگوا لیتے تھے۔"

تشریح: اور حضرت ابن عمرؓ دن میں بحالت روزہ سینگی لگوانا یا تو احتیاط کے پیش نظر ترک کر دیا تھا یا پھر یہ کہ ضعف کے خوف سے

اجتناب کرنے لگے تھے۔

امام بخاریؒ نے بعض احادیث کو سند کے بغیر ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ یہ مذکورہ بالا حدیث ہے چنانچہ بغیر سند روایت کے نقل کرنے کو بطریق تعلیق نقل کرنا کہا جاتا ہے، مذکورہ بالا روایت کے نقل کے سلسلہ میں مناسب یہ تھا کہ مصنف مشکوٰۃ حسب قاعدہ و معمول پہلے تو کہتے عن ابن عمرؓ الخ پھر بعد میں رواہ البخاری تعلیقا کے الفاظ نقل کرتے۔

کلی کی تری اور تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

(۲۰) وَعَنْ عَطَاءٍ قَالَ اِنْ مَضْمَضَ ثُمَّ اَفْرَغَ مَا فِیْ فِیْهِ مِنَ الْمَاءِ لَا یَضِیْرُهُ اَنْ یَزْدَرِدَ رِیْقَهُ وَمَا بَقِیَ فِیْ فِیْهِ وَلَا یَمْضَغُ الْعِلْكَ فَاِنْ اَزْدَرِدَ رِیْقَ الْعِلْكِ لَا اَقُوْلُ اِنَّهُ یُفْطِرُ وَلٰكِنْ یُنْهٰی عَنْهُ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ فِیْ تَرْجَمَةِ بَابٍ

"اور حضرت عطاء (تابعی) کہتے ہیں کہ اگر روزہ دار کلی کرے اور پھر پانی کو منہ سے (بالکل) نکال دے تو اس کے روزہ کو اس بات سے نقصان نہیں پہنچے گا کہ وہ اپنا تھوک اور وہ چیز جو منہ کے اندر باقی ہے نگل جائے اور روزہ دار مصطگی نہ چبائے اور اگر روزہ دار مصطگی کا تھوک نگل جائے تو میں یہ تو نہیں کہتا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا لیکن اس سے منع کیا جاتا ہے۔ (یہ روایت بخاری کے ترجمۃ الباب میں نقل کی گئی ہے)۔"

تشریح: لفظ مابقی میں حرف ما موصولہ ہے اور اس کا عطف لفظ ریقہ پر ہے اسی پورے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی روزہ دار کلی کرنے کے بعد اپنا تھوک یا پانی کی وہ تری جو کلی کے بعد منہ میں باقی رہ گئی ہے نگل لے تو اس کے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ اس سے اجتناب قطعاً ممکن نہیں ہے۔

مصطگی۔ علک کا ترجمہ ہے یہ گوند کی قسم سے ایک دوا ہے جو دانت کے امراض میں اور دانتوں کی تقویت کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے پہلے زمانہ میں بھی لوگ اسے دانت کی تقویت کے لئے منہ میں رکھ لیا کرتے تھے اور چباتے تھے چنانچہ روزہ کی حالت میں اسے چبانے سے منع فرمایا گیا ہے البتہ مذکورہ بالا حدیث میں اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ مصطگی کو چباتے ہوئے جو تھوک منہ میں جمع ہو جائے، اس کو نگلنے سے روزہ نہیں جاتا کیونکہ وہ تو منہ میں چپک کر رہ جاتی ہے اس کا کوئی جز علیحدہ نہیں ہوتا کہ وہ حلق میں اتر جائے اور اس سے روزہ ٹوٹ جائے تاہم بطور احتیاط اس کے تھوک کو بھی نگلنے سے منع فرمایا گیا ہے لہٰذا حدیث کے الفاظ ولکن ینھی عنہ میں مذکورہ نہی تنزیہی ہے۔ کیونکہ علماء فرماتے ہیں کہ کسی بھی چیز کو چبانا خواہ وہ مصطگی ہو یا اور کوئی چیز مکروہ ہے ہاں ضرورت کے وقت کسی بچہ کے منہ میں دینے کے لئے اس کا کوئی ٹکڑا چبانا جائز ہے۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ مصطگی وغیرہ چبانے کی کراہت اس صورت میں ہے جب کہ یہ یقین ہو کہ اس کا کوئی جز حلق کے نیچے نہیں اترا ہے اور اگر حلق کے نیچے اتر جانے کا یقین ہو تو پھر روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اگر کوئی درزی یا کوئی بھی شخص رنگا ہوا ڈورا منہ میں لے اور اس کا تھوک ڈورے کے رنگ جیسا ہو جائے اور پھر وہ اس تھوک کو نگل جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور اگر تھوک پر رنگ غالب نہ آئے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

بَابُ صَوْمِ الْمُسَافِرِ

مسافر کے روزہ کا بیان

اس باب کے تحت وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے مسافر کے روزہ کے بارے میں احکام و مسائل کا استنباط ہوگا کہ آیا سفر کی حالت میں روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ مسافر کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے یا روزہ نہ رکھنا افضل ہے؟۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

سفر کی حالت میں روزہ رکھنا اور روزہ نہ رکھنا دونوں جائز ہیں

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْاَسْلَمِيَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصُوْمُ فِي السَّفَرِ وَكَانَ كَثِيْرَ الصِّيَامِ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ (متفق علیہ)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حمزہ ابن عمرو اسلمیؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں سفر کی حالت میں روزہ رکھوں؟ (یعنی اگر میں رمضان میں سفر کروں تو روزہ رکھوں یا نہ رکھوں اس بارہ میں کیا حکم ہے؟) اور حمزہؓ بہت زیادہ روزے رکھا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے چاہے رکھو اور چاہے نہ رکھو۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جائز ہیں خواہ سفر صعوبت و مشقت کے ساتھ ہو یا راحت و آرام کے ساتھ، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ اگر سفر میں کوئی صعوبت و مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا ہی بہتر ہے اور اگر صعوبت و مشقت ہو تو پھر نہ رکھنا بہتر ہوگا، نیز حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے یہاں یہ مسئلہ ہر سفر کے لئے ہے خواہ مباح اور جائز امور کے لئے سفر ہو یا معصیت و برائی کے لئے، جب کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ روزہ نہ رکھنے کی اجازت کا تعلق صرف مباح اور جائز سفر سے ہے اگر معصیت و برائی کے لئے سفر ہوگا تو اس صورت میں رمضان کا روزہ نہ رکھنا جائز نہیں ہوگا۔

② وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسِتَّ عَشْرَةَ مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَمِنَّا مَنْ اَفْطَرَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد کے لئے روانہ ہوئے تو رمضان کی سولہویں تاریخ تھی، ہم میں سے کچھ لوگوں نے (جو قوی تھے) روزہ رکھا اور کچھ لوگوں نے (جو ضعیف تھے یا یہ کہ دوسروں کے خدمت گار تھے) روزہ نہ رکھا چنانچہ نہ تو روزہ داروں نے روزہ نہ رکھنے والوں کو معیوب جانا (کیونکہ انہوں نے رخصت یعنی اجازت پر عمل کیا تھا) اور نہ روزہ نہ رکھنے والوں نے روزہ داروں کو معیوب سمجھا (کیونکہ انہوں نے عزیمت پر عمل کیا تھا)۔" (مسلم)

ضعف اور مشقت کی حالت روزہ نہ رکھنا ہی مسافر کے لئے بہتر ہے

③ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَرَاٰى زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالُوْا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ حالت سفر میں تھے کہ (ایک جگہ) آپ ﷺ نے مجمع دیکھا اور ایک شخص کو دیکھا جس پر (دھوپ سے بچاؤ کے لئے) سایہ کیا گیا تھا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا، یہ شخص روزہ دار ہے (جو ضعف کی وجہ سے گر پڑا ہے) آپ نے فرمایا، سفر کی حالت میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر روزہ رکھنے کی صورت میں ضعف و ناتوانی کی وجہ سے روزہ دار کی اتنی خستہ حالت ہو جائے تو اس کے لئے سفر میں روزہ رکھنا کوئی زیادہ بہتر بات نہیں ہے۔ بلکہ افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے۔

④ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِيْ يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصَّوَّامُوْنَ وَقَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُوا الْاَبْنِيَةَ وَسَقَوُا الرِّكَابَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْاَجْرِ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں (ایک مرتبہ) ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے، ہم میں سے کچھ لوگ تو روزہ دار تھے اور کچھ لوگ بغیر روزہ کے تھے، جب ہم ایک منزل پر اترے تو گرمی کا دن تھا جو لوگ روزہ سے تھے وہ تو گر پڑے (یعنی ضعف و ناتوانی کی وجہ سے کسی کام کے لائق نہیں رہے) اور جو لوگ روزہ سے نہیں تھے وہ مستعد رہے۔ (یعنی اپنے کام کاج میں مشغول ہو گئے) چنانچہ انہوں نے خیمے کھڑے کئے اور اونٹوں کو پانی پلایا آنحضرت ﷺ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا کہ روزہ نہ رکھنے والوں نے آج ثواب کا میدان جیت لیا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: یعنی جن لوگوں نے آج روزہ نہیں رکھا زیادہ کامل ثواب انہیں لوگوں کے حصّہ میں آیا کیونکہ ایسے وقت میں ان کے لئے روزہ نہ رکھنا ہی بہتر تھا۔

لفظ "الیوم" (آج) سے اس طرف اشارہ ہے کہ روزہ نہ رکھنے کی یہ فضیلت روزہ داروں کی خدمت گاری کی وجہ سے حاصل ہوئی نہ کہ مطلقاً، نیز یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خدا کے نیک و صالح بندوں کی خدمت نوافل سے افضل ہے۔

سفر میں روزہ توڑنے کی اجازت ہے

⑤ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَهُ اِلٰى يَدِهِ لِيَرَاهُ النَّاسُ فَاَفْطَرَ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَذٰلِكَ فِيْ رَمَضَانَ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَفْطَرَ فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ اَفْطَرَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّهُ شَرِبَ بَعْدَ الْعَصْرِ

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (فتح مکہ کے سال) نبی کریم ﷺ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے چنانچہ آپ ﷺ نے (اس سفر میں) روزہ رکھا یہاں تک کہ جب عسفان (جو مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے) پہنچے تو پانی منگوایا، پہلے تو آپ ﷺ نے اس پانی کو ہاتھ میں (لے کر بہت اونچا) اٹھایا (تاکہ لوگ دیکھ لیں) اور پھر آپ ﷺ نے روزہ توڑ ڈالا، اس طرح آپ مکہ تشریف لائے اور یہ سفر رمضان میں ہوا تھا، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے (سفر کی حالت میں) روزہ رکھا بھی اور نہیں بھی رکھا، لہٰذا جو چاہے (سفر کی حالت میں) روزہ رکھے اور جو نہ چاہے نہ رکھے، (بخاری و مسلم) اور مسلمؒ کی ایک اور روایت جو حضرت جابرؓ سے منقول ہے یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عصر کے بعد پانی پیا۔"

تشریح: آپ ﷺ نے پانی کو ہاتھ میں لے کر یا تو اونچا اس لئے اٹھایا تاکہ لوگ جان لیں کہ سفر کی حالت میں روزہ توڑ دینا جائز ہے یا پھر یہ کہ مقصد تھا کہ دوسرے لوگ بھی آپ کی متابعت میں اپنا اپنا روزہ افطار کر لیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

حالت سفر میں روزہ کی معافی

⑥ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ الْكَعْبِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمَ عَنِ الْمُسَافِرِ وَعَنِ الْمُرْضِعِ وَالْحُبْلٰى (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت انس بن مالک کعبیؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لئے آدھی نماز موقوف کر دی ہے اسی طرح، مسافر، دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کے لئے روزہ معاف کر دیا ہے۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: آدھی نماز موقوف کر دی ہے، کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسافر کے لئے بھی پہلے چار رکعت نماز فرض تھی پھر بعد میں دو رکعت رہ گئی

بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لئے ابتداء ہی سے آدھی نماز فرض فرمائی ہے کہ وہ چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھے اور دو رکعت کی قضا واجب نہیں ہے اسی طرح روزہ کی معافی، کا مطلب یہ ہے کہ حالت سفر میں روزہ رکھنا واجب نہیں ہے۔ مگر سفر پورا ہونے کے بعد مسافر جب مقیم ہو جائے گا تو اس روزہ کی قضا اس پر ضروری ہوگی۔

دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کے بارہ میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ ان کے لئے بھی جائز ہے کہ اگر روزہ کی وجہ سے بچہ یا خود ان کو تکلیف و نقصان پہنچنے کا گمان غالب ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں لیکن عذر ختم ہو جانے کے بعد ان پر بھی قضا واجب ہوگی فدیہ لازم نہیں ہوگا حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے لیکن حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے مسلک کے مطابق ان پر فدیہ بھی واجب ہے۔

اگر سفر میں آسانی اور آرام ہو تو روزہ رکھ لینا مستحب ہے

⑦ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبَّقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ حَمُوْلَةٌ تَأْوِيْ اِلٰى شِبَعٍ فَلْيَصُمْ رَمَضَانَ حَيْثُ اَدْرَكَهٗ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت سلمہ ابن محبقؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کے پاس ایسی سواری ہو جو اسے منزل تک آسانی اور آرام کے ساتھ پہنچا دے (یعنی اس کا سفر با مشقت نہ ہو بلکہ پر سکون اور پر راحت ہو) تو اسے چاہئے کہ جہاں بھی رمضان آئے روزہ رکھ لے۔" (ابوداؤد)

تشریح: یہ حکم استحباب اور فضیلت کے طور پر ہے ورنہ تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر مسئلہ یہی ہے کہ حالت سفر میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے خواہ سفر کتنا ہی پر سکون اور پر راحت کیوں نہ ہو ویسے بھی یہ حدیث ضعیف ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

سفر میں روزہ جاری رکھنے اور آنحضرت ﷺ کی متابعت نہ کرنے پر آپ کی برہمی

⑧ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَامَ الْفَتْحِ اِلٰى مَكَّةَ فِيْ رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيْمِ فَصَامَ النَّاسُ ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ فَرَفَعَهٗ حَتّٰى نَظَرَ النَّاسُ اِلَيْهِ ثُمَّ شَرِبَ فَقِيْلَ لَهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ اِنَّ بَعْضَ النَّاسِ قَدْ صَامَ فَقَالَ اُولٰئِكَ الْعُصَاةُ اُولٰئِكَ الْعُصَاةُ (رواہ مسلم)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ فتح مکہ کے سال رمضان کے مہینہ میں مکہ کی طرف چلے تو آپ ﷺ نے روزہ رکھا۔ یہاں تک کہ کراع الغمیم (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان عسفان کے قریب ایک جگہ کا نام ہے) پہنچے دوسرے لوگ بھی روزہ سے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے پیالہ میں پانی منگوایا اور اسے (ہاتھ میں لے کر اتنا) اونچا اٹھایا کہ لوگوں نے دیکھ لیا پھر آپ ﷺ نے وہ پانی پی لیا، اس کے بعد آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ بعض لوگوں نے روزہ رکھا (یعنی انہوں نے آنحضرت ﷺ کی متابعت میں روزہ توڑا نہیں) آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ پکے گنہگار ہیں۔ وہ لوگ پکے گنہگار ہیں۔" (مسلم)

تشریح: وہ لوگ پکے گنہگار ہیں، آپ ﷺ نے اپنی انتہائی ناراضگی کے اظہار کے طور پر یہ الفاظ دو مرتبہ ارشاد فرمائے کیونکہ آپ ﷺ نے پانی کو اپنے ہاتھوں میں اونچا اٹھا کر اس لئے پیا تھا تاکہ دوسرے لوگ بھی مطلع ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ نے سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنے کی جو اجازت عطا فرمائی ہے اس بارہ میں آنحضرت ﷺ کی پیروی و متابعت کریں مگر انہوں نے روزہ رکھ کر گویا آنحضرت کے فعل کی مخالفت کی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کی گئی رخصت (اجازت و آسانی) کو قبول نہیں کیا اس لئے آپ ﷺ نے ان کے اس طرز عمل پر

برہمی کا اظہار فرماتے ہوئے اس طرح فرمایا کہ گویا سفر کی حالت میں روزہ رکھنا حرام ہے۔

سفر میں روزہ رکھنا اور حضر میں روزہ نہ رکھنا، دونوں میں مشابہت

⑨ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمُ رَمَضَانَ فِي السَّفَرِ كَالْمُفْطِرِ فِي الْحَضَرِ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سفر میں رمضان کا روزہ رکھنے والا حضر میں (یعنی اپنے مستقر پر) روزہ نہ رکھنے والے کی طرح ہے۔" (ابن ماجہ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح حالت حضر میں روزہ نہ رکھنا بڑے گناہ کی بات ہے اسی طرح سفر کی حالت میں روزہ رکھنا ایک بہت بڑا گناہ ہے لیکن اکثر علماء فرماتے ہیں کہ یا تو یہ حدیث منسوخ ہے یا پھر اس حالت پر محمول ہے جب کہ سفر میں روزہ کی تکلیف و نقصان کا باعث بنے یا روزہ دار کی ہلاکت کا اندیشہ ہو۔

سفر میں روزہ نہ رکھنا ہی اولیٰ ہے

⑩ وَعَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْاَسْلَمِيِّ اَنَّهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي اَجِدُ بِيْ قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ قَالَ هِيَ رُخْصَةٌ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَمَنْ اَخَذَ بِهَا فَحَسَنٌ۔ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَصُوْمَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت حمزہ ابن عمرو اسلمیؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں سفر کی حالت میں اپنے اندر روزہ رکھنے کی قوت پاتا ہوں کیا (روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کی صورت میں) مجھ پر گناہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ (یعنی سفر میں روزہ نہ رکھنا) اللہ رب العزت کی طرف سے رخصت (آسانی) ہے لہٰذا جس شخص نے یہ رخصت قبول کی اس نے اچھا کیا اور جو شخص روزہ رکھنا ہی چاہے تو اس پر کوئی گناہ بھی نہیں ہے۔" (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ سفر کی حالت میں روزہ رکھنا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے، لیکن بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ روزہ نہ رکھا جائے۔

باب القضاء

قضا روزہ کا مفصل بیان

روزہ نہ رکھنے یا روزہ توڑ ڈالنے کے بارہ میں تین حکم ہیں۔ ① بھول چوک میں روزہ افطار کر لینے کی صورت میں نہ کفارہ واجب ہوتا ہے اور نہ قضا۔ ② بغیر کسی عذر کے قصداً روزہ افطار کر لینے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔ ③ بغیر کسی عذر مثلاً مرض یا سفر وغیرہ کی بناء پر روزہ نہ رکھنے یا افطار کر لینے کی صورت میں قضا واجب ہوتی ہے، چنانچہ اس باب کے تحت قضا روزہ کے احکام و آداب بیان کئے جائیں گے اور صحیح یہ ہے کہ یہاں "قضا روزہ" سے مراد رمضان کے قضا روزے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حضرت عائشہؓ کے قضا روزے

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ يَكُوْنُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ فَمَا اسْتَطِيْعُ اَنْ اَقْضِيَ اِلَّا فِيْ شَعْبَانَ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ

تَعْنِی الشُّغُلُ مِنَ النَّبِیِّ اَوْ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (متفق علیہ)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے ذمہ رمضان کے جو روزے ہوتے ان کی قضا میں صرف شعبان ہی کے مہینہ میں رکھ سکتی تھی، یحیٰ ابن سعید کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مشغولیت یا کہا کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت کے ساتھ مشغولیت حضرت عائشہ کو (شعبان کے علاوہ اور کسی مہینہ میں) رمضان کے قضا روزے رکھنے سے باز رکھتی تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت عائشہؓ رمضان کے اپنے وہ روزے جو حیض کی وجہ سے قضا ہوتے تھے، شعبان کے علاوہ اور کسی مہینہ میں رکھنے کی فرصت نہیں پاتی تھیں کیونکہ اور دنوں میں وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہمہ وقت مشغول رہا کرتی تھیں اور اس طرح مستعد رہا کرتی تھیں کہ آنحضرت ﷺ جس وقت بھی خدمت و صحبت کے لئے بلائیں حاضر ہو جائیں، آنحضرت ﷺ چونکہ شعبان کے مہینے میں اکثر روزے سے رہا کرتے تھے اس لئے اس مہینہ میں حضرت عائشہؓ کو مہلت مل جاتی تو ان کے ذمہ رمضان کے جو روزے ہوتے تھے ان کی قضا رکھتیں۔

عورت اپنے خاوند کی مرضی کے بغیر نفل روزے نہ رکھے

(۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَلَا تَأْذَنَ فِیْ بَیْتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، کسی عورت کے لئے اپنے خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نفل روزے رکھنا درست نہیں ہے۔ نیز کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر کسی کو اپنے گھر میں گھسنے کی اجازت نہ دے۔" (مسلم)

تشریح: پہلے حکم کا مطلب یہ ہے کہ جس عورت کا خاوند اس کے پاس موجود ہو تو اس کی اجازت کے بغیر عورت کے لئے نفل روزہ رکھنا جائز نہیں ہے اجازت خواہ دلالۃ ہو یا صراحۃ اور اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں مرد صحبت وغیرہ کے سلسلہ میں دقت و پریشانی محسوس کرے گا۔

اس حدیث سے مطلقاً نفل روزے رکھنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے چنانچہ یہ حدیث حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کی نفی کرتی ہے کیونکہ حضرات شوافع کہتے ہیں کہ عورت، عرفہ اور عاشورہ کے روزے اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر بھی رکھ سکتی ہے۔

دوسرے حکم کا مطلب یہ ہے کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر کسی بھی شخص کو اپنے گھر میں آنے دے خواہ آنے والا اپنا کوئی عزیز و رشتہ دار ہو یا اجنبی، حتی کہ اگر کوئی عورت آئے تو اسے بھی اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر میں نہ گھسنے دے۔ اس بارہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ خاوند کی رضا کا علم بھی اس کی اجازت ہی کے حکم میں ہے یعنی کسی شخص کے بارہ میں اگرچہ مرد نے زبانی طور پر اجازت نہیں دی ہے لیکن عورت اگر یہ جانتی ہے کہ اس شخص کے آنے سے شوہر کو کوئی ناگواری نہیں ہوگی تو اس صورت میں وہ اس شخص کو اپنے گھر میں آنے دے سکتی ہے کیونکہ یہ بھی دلالۃ اجازت ہے۔

حائضہ پر روزہ کی قضا واجب ہے نماز کی قضا واجب نہیں

(۳) وَعَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِیَّةِ اَنَّهَا قَالَتْ لِعَائِشَةَ مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِی الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِی الصَّلٰوةَ قَالَتْ عَائِشَةُ کَانَ یُصِیْبُنَا ذٰلِكَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلٰوةِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت معاذہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا (جن کی کنیت ام الصہبا ہے اور جلیل القدر تابعیہ ہیں) کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ یہ کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت پر روزہ کی قضاء واجب مگر نماز کی قضاء واجب نہیں ہے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ نبی

کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں جب ہمیں حیض آتا تو ہمیں روزہ کی قضاء کا حکم دیا جاتا تھا لیکن نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔" (مسلم)

تشریح: سائلہ نے حضرت عائشہؓ سے حائضہ عورت کے بارہ میں نماز اور روزہ کی تفریق کی وجہ دریافت کی مگر حضرت عائشہؓ نے اس کی وجہ بیان کرنے کی بجائے مذکورہ بالا جواب دے کر گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ ہر مسئلہ کی وجہ دریافت کرنا یا اس کی علت کی جستجو کرنا کوئی اعلیٰ مقصد نہیں ہے بلکہ شان عبودیت کا تقاضہ صرف یہ ہونا چاہئے کہ شارع نے جو حکم دے دیا ہے اس کی علت پوچھے بغیر اس پر عمل کیا جائے چنانچہ یہ ممکن تھا کہ حضرت عائشہؓ سوال کے پیش نظر یہ فرماتیں کہ اگر نماز کی قضا کا حکم دیا جاتا تو حائضہ عورت بہت زیادہ دقت و مشقت اور حرج میں مبتلا ہو جاتی کیونکہ ایام کے دنوں میں بہت زیادہ نمازیں ترک ہوتی ہیں ان سب کو ہر مہینہ قضا کرنا عورت پر بہت زیادہ بار ہو جاتا ہے اس لئے اس میں یہ آسانی عطا فرمائی گئی کہ ایام کے دنوں کی نمازیں حائضہ کے حق میں معاف فرما دی گئیں جب کہ روزہ سے واسطہ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑتا ہے ان کی قضا میں اتنی زیادہ مشقت اور حرج نہیں ہوتا اس لئے حائضہ پر ان کی قضا واجب قرار پائی لیکن حضرت عائشہؓ نے اس جواب سے احتراز فرما کر مذکورہ بالا اسلوب اختیار فرمایا اور بحث و مباحثہ کی راہ بند کر دی کیونکہ ممکن تھا کہ سائلہ اس علت کو سن کو کہتی کہ میں تو نماز کی قضا میں حرج و مشقت محسوس نہیں کرتی پھر کیوں نہ نماز کی بھی قضا واجب ہو؟۔

میت کے ذمہ روزوں کا فدیہ

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کے ورثاء، روزہ رکھیں (یعنی فدیہ دیں)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے واجب ہوں تو اس کے بارہ میں بھی علماء کے اختلافی مسلک ہیں چنانچہ اکثر علماء کہ جن میں حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، اور حضرت امام شافعیؒ بھی شامل ہیں، یہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی طرف سے کوئی دوسرا روزہ نہ رکھے بلکہ اس کے ورثاء اس کے ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو فدیہ دیں چنانچہ ان حضرات کی طرف سے اس حدیث کی یہی تاویل کی جاتی ہے کہ یہاں "روزہ رکھنے" سے مراد "فدیہ دینا" ہے کیونکہ فدیہ دینا بھی بمنزلہ روزہ رکھنے کے ہے اور اگلی حدیث اس توجیہ و تاویل کی بنیاد ہے۔

میت کی طرف سے روزہ رکھنے سے اس لئے منع کیا جاتا ہے کہ ایک حدیث میں جو اس　باب کے آخر میں آرہی ہے صراحت کے ساتھ اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے حضرت امام احمدؒ حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میت کی طرف سے اس کا وارث روزے رکھے۔

مذکورہ بالا مسئلہ کے سلسلہ میں حنفیہ کا یہ مسلک بھی ہے کہ اگر مرنے والے فدیہ کے بارہ میں وصیت کر جائے تو وارث پر میت کی طرف سے فدیہ مذکور ادا کرنا واجب ہے۔ جب کہ وہ فدیہ میت کی تہائی مال میں سے نکل سکتا ہو لہٰذا اگر فدیہ کی مقدار اس کے تہائی مال کے مقدار سے زائد ہوگی تو وارث پر فدیہ کی اس مقدار کی ادائیگی واجب نہیں ہوگی جو تہائی مال سے زائد ہو۔ ہاں اگر وارث اس زائد مقدار کو بھی ادا کر دے گا تو نہ صرف یہ کہ وارث کا یہ عمل جائز شمار ہوگا بلکہ میت پر اس کا احسان بھی ہوگا، لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ پورا مسئلہ اس صورت سے متعلق ہے جب کہ مرنے والے کے ذمہ وہ روزے ہوں جن کی قضا اس کے مرنے سے پہلے ممکن رہی ہو۔ مثلاً رمضان کا مہینہ گزر جانے کے بعد کسی ایسے مہینہ میں اس کا انتقال ہو جس میں وہ مرنے سے پہلے رمضان کے وہ روزے جو بیماری وغیرہ کی وجہ سے رکھنے سے رہ گئے تھے ان کی وہ قضا کر سکتا تھا، اور اگر رمضان کے کچھ روزے فوت ہو گئے ہوں (مثلاً رمضان ہی کے مہینہ میں اس کا انتقال ہوا ہو اور انتقال سے پہلے کچھ روزے رکھنے سے رہ گئے ہوں) کہ جن کی قضا ممکن نہیں تھی تو پھر نہ تو ان کا تدارک یعنی ان

روزوں کے بدلہ فدیہ دینا لازم ہے اور نہ مرنے والے پر فوت شدہ روزوں کا کوئی گناہ ہوگا چنانچہ تمام علماء کا یہی مسلک ہے البتہ طاؤس اور قتادہ کہتے ہیں کہ ان روزوں کا تدارک اور فدیہ بھی لازم ہوگا جن کی قضا کے ممکن ہونے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا ہوگا۔

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ مرنے والا وصیت کرے یا نہ کرے۔ اس کے فوت شدہ روزوں کے بدلہ اس کے کل مال میں سے فدیہ ادا کرنا ضروری ہے، مذکورہ بالا مسئلہ میں حضرت امام احمدؒ کا جو مسلک ہے وہ پہلی حدیث کی تشریح میں بیان کیا جا چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

⑤ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنٌ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهُ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ عُمَرَ

"حضرت نافعؒ (تابعی) حضرت ابن عمرؓ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا چاہئے۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت ابن عمرؓ پر موقوف ہے یعنی یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی نہیں ہے بلکہ حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے۔"

تشریح: ہر روزہ کے بدلہ مسکین کو کھلانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر روزہ کے بدلہ میں پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو۔ یا اتنی ہی مقدار کی قیمت ادا کی جائے اور یہی مقدار نماز کے فدیہ کی بھی ہے کہ ہر نماز کے بدلہ اسی قدر فدیہ ادا کیا جائے۔ یہ حدیث جمہور علماء کی دلیل ہے جن کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی مرنے والے کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص روزہ نہ رکھے بلکہ ورثاء اس کے بدلہ فدیہ ادا کریں، اس سے پہلے جو حدیث گزری ہے غالب امکان ہے کہ وہ منسوخ ہو، اور یہ حدیث ناسخ ہو، لیکن جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے اس حدیث کو منسوخ نہ قرار دے کر اس کی جو تاویل کی جاتی ہے اس کی بنیاد یہی حدیث ہے۔

یہ روایت اگرچہ موقوف ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے فرمایا لیکن حکم میں مرفوع (ارشاد رسول) ہی کے ہے کیونکہ اس قسم کے تشریعی امور کوئی بھی صحابی اپنی عقل سے بیان نہیں کر سکتا لہٰذا حضرت ابن عمرؓ نے یہ مضمون آنحضرت ﷺ سے ضرور سنا ہوگا جب ہی انہوں نے اسے نقل کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

نہ کسی کی طرف سے نماز پڑھی جا سکتی ہے نہ روزہ رکھا جا سکتا ہے

⑥ عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُسْئَلُ هَلْ يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ اَوْ يُصَلِّيْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ فَقَالَ لَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا يُصَلِّيْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ (رواہ فی الموطأ)

"حضرت امام مالکؒ کے بارہ میں مروی ہے کہ ان تک یہ روایت پہنچی ہے کہ، حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا جاتا تھا کہ کیا کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے یا کسی دوسرے کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے؟ حضرت ابن عمرؓ اس کے جواب میں فرمایا کرتے تھے کہ نہ تو کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز پڑھے اور نہ کسی دوسرے کی طرف سے روزے رکھے۔" (موطأ)

تشریح: حضرت امام مالکؒ، ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے کہ نماز روزہ کسی کی طرف سے کرنا تاکہ وہ بری الذمہ ہو جائے درست نہیں ہے۔ ہاں حنفیہ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی بھی عمل کا ثواب خواہ وہ نماز ہو یا روزہ وغیرہ کسی دوسرے کو بخش سکتا ہے۔

بَابُ صِيَامِ التَّطَوُّعِ

نفل روزہ کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نفل روزہ کے بارے میں آپؐ کا معمول

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ وَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَأَيْتُهُ فِيْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِيْ شَعْبَانَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَتْ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهٗ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِيْلًا (متفق علیہ)

"ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب (نفل) روزے رکھنے شروع کرتے تو ہم کہتے کہ اب آپ روزے رکھنا ختم نہیں کریں گے اور جب روزے نہ رکھنے پر آتے تو ہم کہتے کہ اب آپ ﷺ کبھی روزہ نہیں رکھیں گے، میں نے آنحضرت ﷺ کو رمضان کے علاوہ اور کسی مہینہ میں پورے ماہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور میں نے آپ ﷺ کو شعبان کے علاوہ اور کسی مہینہ میں زیادہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا (یعنی آپ ﷺ شعبان کے مہینے میں جتنے زیادہ روزے رکھتے تھے اتنے اور کسی مہینہ میں علاوہ رمضان کے نہیں رکھتے تھے) ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: آنحضرت ﷺ شعبان کے پورے ماہ روزے رکھا کرتے تھے (یعنی) ماہ شعبان میں چند دن چھوڑ کر بقیہ دنوں میں روزے سے رہا کرتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: حدیث کے ابتدائی جملوں کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نفل روزے نہیں رکھتے تھے بلکہ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ کبھی تو مسلسل کافی عرصہ تک روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے روزوں کی اس کثرت اور تسلسل کو دیکھ کر لوگ گمان کرنے لگتے تھے کہ اب روزہ کا یہ سلسلہ شائد آپ ﷺ کبھی ختم نہ کریں، اور کبھی ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ مسلسل کافی عرصہ تک روزہ رکھتے ہی نہیں تھے یہاں تک کہ لوگ سوچتے کہ شائد اب آپ ﷺ نفل روزہ رکھیں گے ہی نہیں۔

دوسری روایت کے الفاظ کَانَ یَصُوْمُ الخ میں جملہ آخر یعنی دوسرے لفظ کان سے جملہ اول کی وضاحت مقصود ہے کہ شعبان کے پورے ماہ سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ شعبان کے اکثر دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے، بعض حضرات کے نزدیک مراد یہ ہے۔ کہ آپ ﷺ ایک سال تو شعبان کے پورے ماہ اور دوسرے سال شعبان کے اکثر دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے۔

② وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ شَهْرًا كُلَّهٗ قَالَتْ مَا عَلِمْتُهٗ صَامَ شَهْرًا كُلَّهٗ اِلَّا رَمَضَانَ وَلَا اَفْطَرَهٗ كُلَّهٗ حَتّٰى يَصُوْمَ مِنْهُ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ بن شقیقؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ پورے مہینہ روزہ رکھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتی کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی مہینہ میں پورے ماہ روزے رکھے ہوں علاوہ رمضان کے اور میں ایسا کوئی مہینہ بھی نہیں جانتی جس میں آپ ﷺ نے بالکل روزے نہ رکھے ہوں کیونکہ آپ ﷺ ہر مہینہ میں کچھ دن روزے سے رہا کرتے تھے (آپ ﷺ کا یہی معمول رہا) یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔" (مسلم)

شعبان کے آخری دنوں کے روزے

③ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ سَأَلَهُ اَوْسَأَلَ رَجُلاً وَعِمْرَانُ يَسْمَعُ فَقَالَ يَا اَبَا فُلاَنٍ اَمَا صُمْتَ مِنْ سَرَرِ شَعْبَانَ قَالَ لاَ قَالَ فَإِذَا اَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ (متفق علیہ)

"اور حضرت عمران ابن حصینؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے عمران سے پوچھا یا کسی دوسرے شخص سے پوچھا اور عمران سنتے تھے کہ اے فلاں شخص کے باپ! کیا تم نے شعبان کے آخری دنوں کے روزے نہیں رکھے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں؟ آپ نے فرمایا جب تم رمضان کے روزوں سے فارغ ہو جاؤ تو دو دن روزے رکھ لینا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: جن صاحب سے آنحضرت ﷺ نے شعبان کے آخری دنوں کے بارہ میں پوچھا تھا خواہ وہ عمران رہے ہوں یا کوئی دوسرے شخص، انہوں نے بطریق نذر اپنے اوپر ہر مہینے کے آخری دو دنوں کے روزے واجب قرار دے رکھے تھے چنانچہ ایک مرتبہ شعبان کے آخری دو دنوں کے انہوں نے روزے نہیں رکھے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ ختم ہو جائے تو شعبان کے آخری دو دنوں کے بدلے دو روزے رکھ لینا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر مہینہ کے آخری دو دن نفل روزے رکھا کرتے تھے ایک مرتبہ شعبان کے آخری دو دنوں میں اتفاق سے انہوں نے روزے نہیں رکھے تو آپ ﷺ نے ان سے بطور استحباب فرمایا کہ رمضان کے روزے ختم ہو جانے کے ان دو دنوں کے بدلے دو روزے رکھ لینا۔

محرم میں نفل روزہ کی فضیلت

④ وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمِ وَاَفْضَلُ الصَّلاَةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ صَلاَةُ اللَّيْلِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا رمضان کے روزے کے بعد بہترین روزے اللہ کے مہینہ کہ وہ ماہ محرم ہے کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے بہتر نماز رات کی نماز ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ماہ محرم میں نفل روزے رکھنے بڑی فضیلت اور سعادت کی بات ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں "ماہ محرم" سے مراد "یوم عاشورہ" ہے جس کے روزے کی بہت زیادہ فضیلت منقول ہے اور اس کی تائید اس کے بعد آنے والے حدیث سے بھی ہوتی ہے بعض حفاظ حدیث فرماتے ہیں کہ رجب کے مہینہ میں روزے کے بارہ میں احادیث منقول ہیں ان میں سے اکثر موضوع (دوسروں کی اختراع) ہیں۔

اس حدیث میں ماہ محرم کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف کی گئی ہے چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ یہ نسبت تخصیص کی بناء پر نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ صرف محرم ہی اللہ کا مہینہ ہے بلکہ چونکہ تمام مہینے اللہ ہی کے ہیں اس لئے اس موقع پر بطور خاص اللہ کی طرف محرم کے مہینہ کی نسبت اس ماہ مبارک کے شرف و فضیلت کے اظہار کے طور پر ہے۔

حدیث کے دوسرے جزء سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ رات کی نماز (یعنی نماز تہجد) سنت مؤکدہ نمازوں سے افضل ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہا جائے گا کہ یہاں پوری عبادت اس طرح ہے، فرض نماز اور اس کی سنت مؤکدہ نماز کے بعد سب سے بہتر نماز رات کی نماز ہے، یا پھر اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ اس اعتبار سے تو نماز تہجد، سنت مؤکدہ، نماز سے افضل ہے کہ تہجد کی نماز میں مشقت و محنت زیادہ ہوتی ہے نیز یہ کہ نماز تہجد ریاء و نمائش سے پاک اور محفوظ ہوتی ہے اور سنت مؤکدہ نمازیں اس اعتبار سے افضل ہیں کہ ان کو پڑھنے کی

بہت زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے نیز یہ کہ وہ فرض نماز کے تابع ہوتی ہیں۔ آخر میں اتنی بات بھی ملحوظ رہے کہ "وتر" بھی فرض نماز کے حکم میں داخل ہے۔

یوم عاشوراء کے روزے کی فضیلت

⑤ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَارَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلَى غَيْرِهِ اِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَهٰذَا الشَّهْرَ يَعْنِيْ شَهْرَ رَمَضَانَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ رسول کریم ﷺ کسی دن روزہ کا ارادہ کرتے ہوں اور اس دن کو کسی دوسرے دن پر فضیلت دیتے ہوں۔ مگر اس دن یعنی یوم عاشوراء کو اور اس مہینہ یعنی ماہ رمضان (کو دوسرے دن اور دوسرے مہینہ پر فضیلت دیتے تھے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کسی دن روزہ کو دوسرے دنوں کے روزوں سے افضل قرار نہیں دیتے تھے البتہ یوم عاشوراء کے روزے کو دوسرے دنوں کے روزوں پر فضیلت دیتے تھے اسی طرح رمضان کے روزوں کو اور سب روزوں سے افضل قرار دیتے تھے۔

علماء لکھتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباسؓ کا فہم وگمان ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے احوال و اقوال سے ایسا سمجھ لیا ہو ورنہ تو جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے یوم عرفہ اور اس دن کا روزہ یوم عاشوراء اور اس دن کے روزہ سے افضل ہے۔

یوم عاشوراء کے روزہ کا مسئلہ

⑥ وَعَنْهُ قَالَ حِيْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُ يَوْمٌ يُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَئِنْ بَقِيْتُ اِلٰى قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جس وقت رسول کریم ﷺ نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا اور صحابہؓ کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ تو وہ دن ہے جو یہود و نصاریٰ کے ہاں بڑا باعظمت ہے (اور چونکہ یہود و نصاریٰ کی مخالفت ہمارا شیوہ ہے۔ لہٰذا ہم روزہ رکھ کر اس دن کی عظمت کرنے میں یہود و نصاریٰ کی موافقت کیسے کریں) آپ ﷺ نے فرمایا "اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں تاریخ کو ضرور روزہ رکھوں گا"۔ (مسلم)

تشریح: عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا سلسلہ کیسے شروع ہوا؟ اس کی وضاحت اسی باب کی تیسری فصل کی پہلی حدیث میں آئے گی جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو عاشوراء کے دن روزہ رکھتے ہوئے دیکھا آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اس دن کی کیا خصوصیت ہے کہ تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ بڑا عظیم دن ہے اسی دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکر اس دن روزہ رکھا تھا اس لئے ہم بھی روزہ رکھتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری بہ نسبت ہم موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قریب ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ نے یوم عاشوراء کو روزہ رکھا اور صحابہؓ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

یہ واقعہ ہجرت کے ابتدائی دنوں کا ہے گویا اس وقت آپ ﷺ نے صحابہؓ کو عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا جو حکم دیا وہ بطور وجوب تھا۔ یہاں جو صورت ذکر کی گئی ہے وہ آپ ﷺ کی دنیاوی زندگی کے آخری سال میں پیش آئی ہے اس موقع پر آپ ﷺ نے جو حکم دیا وہ بطور استحباب کے ہے کیونکہ اس بارہ میں وجوب کا حکم منسوخ ہو گیا تھا اور اس کی جگہ استحباب نے لے لی اس موقع پر صحابہؓ نے مذکورہ بالا عرضداشت پیش کی جس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال اس دنیا میں رہا تو نویں تاریخ کو روزہ رکھوں گا۔

اب اس میں احتمال ہے کہ یا تو آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ محرم کی دسویں تاریخ (عاشوراء) کی بجائے صرف نویں تاریخ کو روزہ رکھوں گا۔ یا یہ کہ دسویں اور نویں تاریخ کو روزہ رکھوں گا اور پہلا احتمال ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے اور اس ترمیم سے مقصد یہ تھا کہ یہود و نصاریٰ کی مخالفت ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا، آپ ﷺ آئندہ سال تک اس دنیا میں تشریف فرما نہیں رہے بلکہ اسی سال ربیع الاول کے مہینہ میں واصل بحق ہو گئے اس طرح اگر آپ ﷺ نے نویں کا روزہ نہیں رکھا مگر علماء لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے اس عزم و ارادہ کی بناء پر اُمت کے لئے محرم کی نویں تاریخ کا روزہ رکھنا سنّت قرار پا گیا ہے۔

محقق علام ابن ہمام فرماتے ہیں کہ عاشورے کے دن روزہ رکھنا مستحب ہے مگر اس کے ساتھ ہی عاشورہ سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھنا مستحب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف عاشورہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے یہود کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔

یوم عرفہ کا روزہ

⑦ وَعَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ اَنَّ نَاسًا تَمَارَوْا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِيْ صِيَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ صَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ بِصَائِمٍ فَاَرْسَلْتُ اِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلٰى بَعِيْرِهٖ بِعَرَفَةَ فَشَرِبَهٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت اُمّ فضلؓ بنت حارث۔ کہتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) عرفہ کے روز میرے سامنے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کے روزہ کے بارہ میں بحث کرنے لگے بعض لوگ تو کہہ رہے تھے کہ آپ ﷺ (آج) روزہ سے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ آپ ﷺ روزہ سے نہیں ہیں (یہ دیکھ کر) میں نے دودھ کا ایک پیالہ آپ ﷺ کے پاس بھیجا آپ اس وقت میدان عرفات میں اپنے اونٹ پر کھڑے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے وہ دودھ (لے کر) پی لیا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت اُمّ فضلؓ حضرت عباسؓ کی زوجہ محترمہ اور نبی کریم ﷺ کی چچی تھیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنا حج کرنے والے کے لئے تو مسنون نہیں ہے البتہ دوسرے لوگوں کے لئے مسنون ہے۔

ذی الحجہ کے عشرا اول میں روزہ رکھنے کا مسئلہ

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا فِي الْعَشْرِ قَطُّ (رواہ مسلم)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو عشرہ میں روزہ رکھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔" (مسلم)

تشریح: "عشرہ" سے ذی الحجہ کا عشرہ اول (یعنی یکم تاریخ سے دس تاریخ تک کا عرصہ) مراد ہے اس حدیث سے تو بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عشرہ میں کبھی روزہ نہیں رکھا ہے، جب کہ ایک روایت میں منقول ہے کہ "اس عشرہ میں ہر دن (علاوہ دسویں تاریخ کے یعنی پہلی تاریخ سے نویں تاریخ تک) کے روزے کا ثواب ایک سال کے روزہ کے ثواب کے برابر ہے اور اس عشرہ کی ہر رات میں عبادت خداوندی کے لئے جاگنا شب قدرؓ عبادت کے لئے جاگنے کے ثواب کے برابر ہے لہٰذا حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا روایت کی مراد کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ یہاں حضرت عائشہؓ نے اپنے علم کی نفی کی ہے کہ میں نے آپ کو روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ کا نہ دیکھنا اس بات کی دلیل نہیں کہ آپ ﷺ نے روزہ نہیں رکھا، ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عشرہ میں روزہ رکھا ہو اور حضرت عائشہؓ کو اس کا علم نہ ہوا ہو، یا پھر آخری درجہ میں یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عشرہ کے روزے کا مذکورہ بالا ثواب تو بیان فرمایا مگر خود آپ ﷺ کو اس عشرہ میں روزہ رکھنے کا اتفاق نہ ہوا ہو۔

نفل روزے

(۹) وَعَنْ اَبِی قَتَادَةَ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَیْفَ تَصُوْمُ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِہٖ فَلَمَّا رَاٰی عُمَرُ غَضَبَہٗ قَالَ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ فَجَعَلَ عُمَرُ یُرَدِّدُ ھٰذَا الْکَلَامَ حَتّٰی سَکَنَ غَضَبُہٗ فَقَالَ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ مَنْ یَصُوْمُ الدَّھْرَ کُلَّہٗ قَالَ لَا صَامَ وَلَا اَفْطَرَ اَوْقَالَ لَمْ یَصُمْ وَلَمْ یُفْطِرْ قَالَ کَیْفَ مَنْ یَصُوْمُ یَوْمَیْنِ وَیُفْطِرُ یَوْمًا قَالَ وَیُطِیْقُ ذٰلِکَ اَحَدٌ قَالَ کَیْفَ مَنْ یَصُوْمُ یَوْمًا وَیُفْطِرُ یَوْمًا قَالَ ذٰلِکَ صَوْمُ دَاوٗدَ قَالَ کَیْفَ مَنْ یَصُوْمُ یَوْمًا وَیُفْطِرُ یَوْمَیْنِ قَالَ وَدِدْتُ اَنِّی طُوِّقْتُ ذٰلِکَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِنْ کُلِّ شَھْرٍ وَرَمَضَانُ اِلٰی رَمَضَانَ فَھٰذَا صِیَامُ الدَّھْرِ کُلِّہٖ۔ صِیَامُ یَوْمِ عَرَفَةَ اَحْتَسِبُ عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّکَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ قَبْلَہٗ وَالسَّنَةَ الَّتِیْ بَعْدَہٗ وَصِیَامُ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ اَحْتَسِبُ عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّکَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ قَبْلَہٗ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ آپ (ﷺ) روزہ کس طرح رکھتے ہیں؟ یہ (سن کر) رسول کریم ﷺ (کے چہرۂ مبارک پر) غصہ (کے آثار ظاہر) ہوگئے، حضرت عمرؓ نے (جو اس وقت مجلس میں حاضر تھے) جب آپ ﷺ کے غصہ کی یہ کیفیت دیکھی تو فوراً بول اٹھے کہ ہم راضی ہوئے اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور محمد (ﷺ) کے نبی ہونے پر اور ہم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ یہ جملے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اس کے بعد حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ "یا رسول اللہ! اس شخص کے بارہ میں کیا حکم ہے جو ہمیشہ روزہ رکھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا" اس نے نہ روزہ رکھا اور نہ وہ بغیر روزہ رہا۔ یا فرمایا۔ نہ روزہ رکھا اور نہ بغیر روزہ رہا۔ (اس موقع پر راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے لاصام ولا افطر فرمایا یا لم یصم ولم یفطر پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اس شخص کے بارہ میں کیا حکم ہے جو دو دن تو روزہ سے رہے اور ایک دن بغیر روزہ رہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "کوئی اس کی طاقت رکھتا ہے؟" پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ "اس شخص کے بارہ میں کیا حکم ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن روزہ نہ رکھے؟ فرمایا یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے پوچھا، کہ اچھا اس شخص کے بارہ میں کیا حکم ہے جو ایک دن تو روزہ رکھے اور دو دن بغیر روزہ رہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "میں اسے پسند کرتا ہوں کہ مجھے اتنی طاقت میسر آجائے" اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک ہر مہینہ کے تین روزے ہمیشہ کے روزے کے برابر ہیں (یعنی ان کا ثواب ہمیشہ روزہ رکھنے کے ثواب کے برابر ہوتا ہے) اور (غیر حج کی حالت میں) عرفہ کا روزہ تو مجھے خدا سے امید ہے کہ وہ (اس روزہ کی وجہ سے) اس سے پہلے سال کے گناہ دور کردے گا اور اس کے بعد والے سال کے گناہ بھی دور کردے گا (یعنی یا تو اللہ تعالیٰ آئندہ سال گناہوں سے محفوظ رکھے گا یا یہ کہ اگر گناہ سرزد ہوں گے تو معاف کردیئے جائیں گے، اور یوم عاشوراء کے روزے کے بارہ میں بھی مجھے خدا سے امید ہے کہ وہ (اس روزہ کی بناء پر) ایک سال پہلے کے گناہ دور کردے گا۔" (مسلم)

تشریح: سائل کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے اپنے بارہ میں سوال کرتا کہ میں نفل روزہ کیونکر اور کب کب رکھوں؟ تاکہ آپ ﷺ اس کے احوال و کوائف کے مطابق اسے کوئی جواب دیتے مگر وہ اپنے بارہ میں پوچھنے کے بجائے نبی کریم ﷺ ہی کے بارہ میں پوچھ بیٹھا جو ظاہر ہے کہ آداب نبوت کے نہ صرف خلاف ہی تھا بلکہ یہ ایک حد تک گستاخی بھی تھی اس لئے آپ ﷺ پر غصہ کے آثار ظاہر ہوگئے پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ کے احوال و کوائف بالکل دوسری نوعیت کے تھے، آپ ﷺ کے افعال اور آپ ﷺ کی عبادات میں کثرت و قلت کے بھی اسرار و مصالح تھے اور ظاہر ہے کہ اسرار و مصالح ہر شخص کے افعال و عبادات میں نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ

آنحضرت ﷺ بہت زیادہ روزے نہیں رکھتے تھے کیونکہ آپ ﷺ مسلمانوں کے مسائل و مصالح، ازواج مطہرات کے حقوق کی ادائیگی اور باہر سے آنے والے مہمانوں کی خاطر و مدارات اور ان کی دیکھ بھال میں مشغول رہا کرتے تھے، ایسی صورت میں یہ ممکن نہیں تھا کہ آپ ﷺ نفل روزہ کثرت سے رکھتے۔

من یصوم الدھر کلہ (جو شخص ہمیشہ روزہ رکھے اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟) سائل در حقیقت یہی آنحضرت ﷺ سے پوچھنا چاہتا تھا مگر چونکہ اس نے اسلوب غلط اختیار کیا اس لئے اسی سوال کو حضرت عمرؓ نے اس انداز سے نہایت ہی ادب و عاجزی کے ساتھ پوچھا کہ جو شخص ہمیشہ نفل روزہ رکھتا ہے اس کے بارہ میں شریعت کیا کہتی ہے؟ آیا وہ شخص اپنے اس عمل کی وجہ سے شریعت کی نظر میں پسندیدہ ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے جو جملہ لا صام و لا افطر ارشاد فرمایا اس کے بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ جملہ یا تو ایسے شخص کے لئے بطور تنبیہ و عاید ہے یا پھر یہ کہ اس شخص کے حال کی خبر ہے کہ نہ تو اس شخص نے روزہ رکھا کیونکہ اس طرح روزہ رکھنا شریعت کے حکم کے مطابق نہیں ہے اور نہ ہی وہ بغیر روزہ رہا کیونکہ کھانا پینا اور تمام چیزیں اس نے ترک کئے رکھیں۔

حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد اس شخص کے حق میں ہے جو ممنوع روزے بھی رکھے یعنی تمام سال روزے رکھے حتیٰ کی عیدین اور ایام تشریق میں بھی روزے رکھنا چھوڑے ہاں اگر کوئی شخص ان ممنوع ایام میں روزے نہ رکھے تو یہ ارشاد اس کے حق میں نہیں ہوگا اور وہ ان ایام کے علاوہ بقیہ تمام دنوں میں روزے رکھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ حضرت ابو طلحہ انصاریؓ اور حضرت حمزہ بن عمرو اسلمیؓ ان ممنوع ایام کے علاوہ بقیہ تمام دنوں میں روزے رکھتے تھے اور آنحضرت ﷺ انہیں منع نہیں فرماتے تھے، یا پھر یہ کہ ہمیشہ روزہ رکھنے کی اس ممانعت کی علت یہ ہے کہ اس طرح روزے رکھنا، جسم انسانی کو ضعیف و ناتواں کر دیتا ہے جس کی بناء پر ایسا شخص جہاد اور دوسرے حقوق کی ادائیگی سے عاجز ہو جاتا ہے لہٰذا ہمیشہ روزہ رکھنا اگر کسی شخص کو ضعف و ناتوانی میں مبتلا نہ کرے تو اس کے لئے ہمیشہ روزے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حنفی محقق علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ہمیشہ روزہ رکھنا مکروہ (تنزیہی) ہے کیونکہ اس سے ضعف و ناتوانی لاحق ہو جاتی ہے اسی طرح فتاویٰ عالمگیری اور در مختار میں بھی یہی لکھا ہے کہ صوم دہر (ہمیشہ روزہ رکھنا) مکروہ ہے۔

ویطیق ذٰلِکَ احد (کوئی اس کی طاقت رکھتا ہے؟) کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دو دن روزہ سے اور ایک دن بغیر روزہ رہنے پر قادر ہو اور اس میں اتنی طاقت ہو کہ وہ اس طرح روزہ رکھ سکے تو اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں، یا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح روزہ رکھنا افضل ہے۔

ذالک صوم داؤد (یہ حضرت داؤد کا روزہ ہے) کا مطلب یہ ہے کہ روزہ رکھنے کا یہ طریقہ نہایت معتدل ہے اور اس میں عبادت و عادت کی رعایت بھی ہے۔ اسلام چونکہ تمام مذاہب آسمانی کا ایک حسین سنگم ہے اس لئے مذہب نے ہر معاملہ میں توازن اور اعتدال کی راہ دکھائی ہے، اس کے نظریات و اعمال میں نہ افراط ہے نہ تفریط، چنانچہ اس لئے بعض مفکرین اسلام نے یہ کلیہ بیان کیا ہے کہ "حصول علم میں اس انداز سے سعی و کوشش کرنی چاہئے کہ اس کی وجہ سے عمل کی راہیں مسدود نہ ہو جائیں اور اعمال میں بھی اس طریقہ سے مشغولیت نہ ہو کہ اس کی وجہ سے علم کی روشنی حاصل نہ ہو سکے حاصل اس کلیہ کا یہ ہے کہ حصول علم کی بہت زیادہ سعی و کوشش عمل سے نہ روک دے اور عمل میں بے پناہ مشغولیت علم سے بے بہرہ نہ کر دے بلکہ اعتدال اور توازن کے ساتھ دونوں راہوں کو اپنایا جائے اسی لئے کہا گیا ہے کہ خیر الامور اَوْسَطُھَا وَ شَرُّ ھَا تفریطھا و افراطھا یعنی کسی چیز کی بھلائی و بہتری اس کی درمیانی راہ میں پوشیدہ ہے اور اس کی برائی حد سے زیادہ زیادتی اور حد سے زیادہ کمی کو اختیار کرنے میں ہے نیز اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ:

افضل الصیام صوم داؤد علی نبینا و علیہ السلام

"یعنی (نفل) روزوں میں سب سے بہتر روزہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہے۔"

وَدِدْتُ اَنِّی طُوِّقْتُ (میں اسے پسند کرتا ہوں کہ مجھے اتنی طاقت میسر آجائے) یعنی یہ میری عین پسند ہے کہ حق تعالیٰ مجھے اتنی طاقت اور قوت عطا فرمائے کہ ہر چوتھے دن روزہ رکھوں یعنی ایک دن تو روزہ رکھوں اور دو دن بغیر روزہ رہوں۔ اور اس سلسلہ میں دوسرے حقوق اور مسلمانوں کے مصالح رکاوٹ نہ ڈالیں۔ گویا اس ارشاد سے اس طرف اشارہ ہے کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا الا یہ کہ حق تعالیٰ کی طرف سے میرے اندر یہ طاقت و قوت ودیعت فرمادی جائے۔ حاصل یہ کہ آنحضرت ﷺ نے نفل روزہ رکھنے کے سلسلہ میں اس صورت کو بھی پسند فرمایا اگرچہ آپ ﷺ نے بسبب عدم طاقت اس پر عمل نہیں فرمایا۔

"ہر مہینہ کے تین روزے" سے مراد ایام بیض یعنی ہر مہینہ کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ کے روزے ہیں، مگر بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہر مہینہ کی کسی بھی تین تاریخوں کے روزے مذکورہ ثواب کے حامل ہیں اور یہی قول صحیح بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت نے جو آگے آرہی ہے اس کی وضاحت بھی کی ہے۔

پیر کے دن روزہ کی فضیلت

(۱۰) وَعَنْ اَبِی قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَیْنِ فَقَالَ فِیْہِ وُلِدْتُّ وَفِیْہِ اُنْزِلَ عَلَیَّ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پیر (دوشنبہ) کے دن روزہ رکھنے کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن میری پیدائش ہوئی اور اسی دن مجھ پر کتاب (قرآن) کا نزول شروع ہوا۔" (مسلمؒ)

تشریح: سوال کا مقصد یا تو پیر کے روز آنحضرت ﷺ کے روزہ رکھنے کا سبب معلوم کرنا تھا یا یہ مقصد تھا کہ پیر کے روز روزہ رکھنا مستحب کیوں ہے؟ بہر صورت پیر کے روزہ رکھنے اور اس کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ چونکہ اسی دن رسول کریم ﷺ کی پیدائش ہوئی اور اسی دن دین فطرت دنیا میں نازل ہونا شروع ہوا اور اس طرح دنیا والوں کو ایک عظیم نعمت حاصل ہوئی اس لئے اس کے شکرانہ کے طور پر پیر کے دن روزہ رکھا جاتا ہے۔

ہر مہینہ میں تین دن نفل روزے

(۱۱) وَعَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِیَّةِ اَنَّھَا سَاَلَتْ عَائِشَةَ اَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ مِنْ کُلِّ شَھْرٍ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ قَالَتْ نَعَمْ فَقُلْتُ لَھَا مِنْ اَیِّ اَیَّامِ الشَّھْرِ کَانَ یَصُوْمُ قَالَتْ لَمْ یَکُنْ یُبَالِیْ مِنْ اَیِّ اَیَّامِ الشَّھْرِ یَصُوْمُ (رواہ مسلم)

"اور حضرت معاذہ عدویہ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ کیا رسول کریم ﷺ ہر مہینہ میں تین دن (نفل روزے) رکھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ "ہاں" (معاذہ کہتی ہیں کہ) پھر میں نے ان سے پوچھا کہ "آپ ﷺ مہینہ کے کون سے دنوں میں روزہ رکھتے تھے؟" انہوں نے فرمایا آپ ﷺ مہینہ کے کسی خاص دن روزہ رکھنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے (یعنی جس دن چاہتے روزہ رکھ لیتے کوئی خاص دن متعین نہیں تھا۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مہینہ میں کسی بھی تین دن روزے رکھ لینے کافی ہیں جس دن چاہے روزہ رکھ لیا جائے، تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ کی قید نہیں ہے تاہم اکثر احادیث اور آثار میں چونکہ یہ تین تاریخیں مذکور ہیں اس لئے ان تین تاریخوں میں روزہ رکھنا افضل ہوگا ہر مہینے میں تین روزے رکھنے کی اور بھی کئی صورتیں منقول ہیں جو آگے مذکور ہوں گی۔

شش عید کے روزے

(۱۲) وَعَنْ اَبِی اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّہٗ حَدَّثَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَہٗ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ کَانَ کَصِیَامِ الدَّھْرِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے (اپنے راوی سے کہ جن کا نام عمرو بن ثابت ہے) یہ حدیث بیان کی کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے مہینہ میں چھ روزے (بھی) رکھے تو وہ ہمیشہ روزہ رکھنے والے کے مانند ہوگا۔" (مسلمؒ)

تشریح: جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا رمضان کے بعد شوال کے مہینہ میں چھ دن روزے رکھنے کی جنہیں شش عید کے روزے بھی کہا جاتا ہے بڑے ثواب اور فضیلت کی بات ہے ان روزوں کے سلسلہ میں حضرت امام شافعیؒ کے ہاں اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ رمضان کے فوراً بعد یعنی دوسری تاریخ سے ساتویں تاریخ تک مسلسل یہ روزے رکھے جائیں جب کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک متفرق طور پر یہ روزے رکھنے افضل ہیں کہ پورے مہینہ میں جب بھی چاہے چھ روزے رکھ لے۔

ممنوع روزے

⑬ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ یَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فطر (عید) اور نحر (بقر عید) کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "نحر" سے جنس یعنی نحر کے سب دن مراد ہیں اور یہاں یہ لفظ تغلیباً ذکر کیا گیا ہے کیونکہ ایام تشریق میں بھی روزے رکھنے حرام ہیں اس مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ یوں تو نحر کے تین دن ہیں اور تشریق کے بھی تین دن ہیں مگر سب کا مجموعہ چار دن ہوتا ہے اسی طرح کہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ صرف نحر کا دن ہے اور اس کے بعد دو دن یعنی گیارہویں اور بارہویں تاریخ ایام نحر بھی ہیں اور ایام تشریق بھی اور ان دونوں تاریخوں کے بعد ایک دن یعنی تیرہویں تاریخ صرف یوم تشریق ہے۔ حاصل یہ کہ پانچ دن ایسے ہیں جن میں روزے رکھنے حرام ہیں ایک تو عید کا دن، دوسرا بقر عید کا دن اور تین دن بقر عید کے بعد یعنی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ۔

⑭ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا صَوْمَ فِیْ یَوْمَیْنِ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دو دن (یعنی دو موقعے) ایسے ہیں جن میں روزہ (جائز) نہیں ہے۔ عید کے دن اور بقر عید کے (چار) دن (یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ سے تیرہویں تاریخ تک)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

ایام تشریق

⑮ وَعَنْ نُبَیْشَةَ الْهُذَلِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ اَیَّامُ اَکْلٍ وَشُرْبٍ وَذِکْرِ اللّٰهِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت نبیشہ ہذلی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کو یاد کرنے کے دن ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: ایام تشریق تین دن ہیں ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ۔ یہاں ایام تشریق کا لفظ تغلیباً ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یوم نحر (بقر عید کا دن) بھی کھانے پینے کا دن ہے بلکہ اصل تو وہی دن ہے اور یہ تین دن اس کے تابع ہیں۔ لہٰذا ان چار دنوں میں روزے رکھنے حرام ہیں۔

حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں کہ نوروز اور مہرجان کو روزہ رکھنا مکروہ ہے کیونکہ ان دنوں میں روزہ رکھنے سے ان ایام کی تعظیم لازم آئے گی جو شریعت اسلامی میں ممنوع ہے ہاں اگر کوئی شخص اپنے معمول کے مطابق پہلے سے روزہ رکھتا چلا آ رہا ہو اور اتفاق سے یہ ایام بھی اس کے معمول کے درمیان آ جائیں تو پھر ان دنوں کے روزے ممنوع نہیں ہوں گے۔

وَذِکْرُ اللّٰہِ اس جملہ سے یہ انتباہ مقصود ہے کہ یہ ایام اگرچہ خوشی و مسرت اور کھانے پینے کے دن ہیں مگر ان امور میں مشغولیت کے باوجود خدا کی یاد اور عبادت سے غافل نہ ہونا چاہئے گویا اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ:

وَاذْکُرُوا اللّٰہَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۔ "اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کو گنتی کے چند دنوں میں۔"

اور ذکر اللہ سے مراد ایام تشریق میں نمازوں کے بعد پڑھی جانے والی تکبیرات، قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت تکبیرات اور حج کرنے والوں کے لئے رمی جمار وغیرہ ہیں۔

جمعہ کے دن روزہ

⑯ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَصُوْمُ اَحَدُکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اِلَّا اَنْ یَصُوْمَ قَبْلَہٗ اَوْ یَصُوْمَ بَعْدَہٗ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے روز روزہ نہ رکھے، ہاں اس طرح رکھ سکتا ہے کہ اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ صرف جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے بلکہ جمعہ کے روزہ کے ساتھ پنجشنبہ یا ہفتہ کے دن بھی روزہ رکھ لے اور اگر دونوں دنوں (یعنی پنجشنبہ و ہفتہ کے دن) اور اس کے ساتھ جمعہ کے دن (گویا تینوں دن) روزہ رکھے تو بہتر ہے حدیث میں صرف جمعہ کے روز روزہ رکھنے کی ممانعت ذکر فرمائی گئی ہے وہ نہی تنزیہی کے طور پر ہے علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک صرف جمعہ کے روزہ رکھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

⑰ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَخْتَصُّوْا لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ بِقِیَامٍ مِنْ بَیْنِ اللَّیَالِیْ وَلَا تَخْتَصُّوْا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ بِصِیَامٍ مِنْ بَیْنِ الْاَیَّامِ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ فِیْ صَوْمٍ یَصُوْمُہٗ اَحَدُکُمْ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تمام دنوں میں صرف جمعہ کی رات کو عبادت خداوندی کے لئے مخصوص نہ کرو اسی طرح تمام دنوں میں صرف جمعہ کے دن کو روزہ رکھنے کے لئے مخصوص نہ کرو ہاں اگر تم میں سے کسی کے روزہ کے درمیان کہ جو وہ پہلے سے رکھتا چلا آ رہا ہے جمعہ پڑ جائے (تو پھر صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔" (مسلم)

تشریح: یہود نے ہفتہ کے دن کو عبادت کے لئے مخصوص کر لیا اور وہ صرف اسی دن کی تعظیم کرتے ہیں اور اسی طرح عیسائیوں نے اتوار کے دن کو عبادت کے لئے مخصوص کر لیا اور وہ صرف اسی دن کی بے انتہا تعظیم کرتے ہیں اور اسی دن مشغول رہتے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو اس غلط طریقہ سے روک دیا کہ تم بھی ان دونوں فرقوں کی طرح صرف جمعہ کی شب اور جمعہ کے دن کی جو اہمیت و فضیلت بیان کی ہے وہ تو برحق ہے اور اس دن کی اتنی ہی اہمیت و عظمت پیش نظر رہنی چاہئے اس میں کسی فرقہ کی مشابہت ہی کیوں نہ ہو مگر اپنی طرف سے اس کی تعظیم و تخصیص میں اضافہ نہ کرو، یا پھر اس کی مخالفت کا مقصد یہ ہے کہ بندہ کو چاہئے کہ وہ تمام اوقات میں عبادات و طاعات میں مشغول رہے، اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہے کسی خاص وقت کو عبادت کے لئے مخصوص کر لینا اور بقیہ اوقات میں معطل پڑے رہنا قطعًا کارآمد نہیں ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ الا ان یکون فی صوم الخ کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص کا معمول تھا کہ وہ ہر دسویں یا گیارہویں دن روزہ رکھتا تھا اور اتفاق سے اسی دن جمعہ آ پڑا، یا کسی شخص نے نذر مانی کہ میں فلاں تاریخ کو روزہ رکھوں گا اور وہ تاریخ جمعہ کے پڑ گئی تو ان اعذار کی وجہ سے صرف جمعہ کے روز روزہ رکھنا ممنوع نہیں ہوگا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ نماز (تہجد) کے لئے جمعہ کی شب کو مخصوص کر دینے کی اس حدیث میں صراحت کے ساتھ ممانعت ہے

چنانچہ اس مسئلہ پر تمام علماء کا اتفاق ہے، نیز علماء نے "صلوٰۃ الرغائب" کو بدعت اور مکروہ قرار دینے کے سلسلے میں اس حدیث کو بطور دلیل اختیار کیا ہے "صلوٰۃ الرغائب" وہ نماز کہلاتی تھی جو بطور خاص ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں پڑھی جاتی تھی چنانچہ علماء نے اس نماز کی بدعت و برائی اور اس نماز کو اختراع کرنے والے کی گمراہی و ضلالت کی وضاحت کے لئے مستقل طور پر بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں۔

مولانا اسحٰقؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس حدیث کے سلسلے میں شارحین نے جو مذکورہ بالا توجیہات بیان کی ہیں تو یہ ان حضرات کے مسلک کے مطابق ہیں جن کے نزدیک صرف جمعہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے مگر حنفی مسلک کے مطابق اس حدیث کی ان توجیہات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حنفیہ کے ہاں صرف جمعہ کے روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ صرف جمعہ کے روز رکھنا جائز ہے بلکہ در مختار میں تو اسے مستحب بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں حنفیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے اور دوسری فصل میں آئے گی، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ان تمام احادیث کے لئے ناسخ ہو جن سے صرف جمعہ کے روز روزہ رکھنا ممنوع معلوم ہوتا ہے۔

خدا کی راہ میں ایک دن نفل روزہ رکھنے کا اجر

(۱۸) وَعَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ يَوْمًا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بَعَّدَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ عَنِ النَّارِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے خدا کی راہ میں (یعنی جہاد کے وقت یا یہ کہ خالص اللہ رب العزت کے لئے) ایک دن روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کا منہ یعنی اس کی ذات کو (دوزخ کی) آگ سے ستر برس کی مسافت کے بقدر دور کر دیگا۔" (بخاری و مسلم)

اعمال میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَاللّٰهِ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ صَوْمُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَاقْرَاءِ الْقُرْاٰنَ فِىْ كُلِّ شَهْرٍ قُلْتُ اِنِّىْ اُطِيْقُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ صُمْ اَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوٗدَ وَصِيَامُ يَوْمٍ وَاِفْطَارُ يَوْمٍ وَاقْرَاْ فِىْ كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً وَلَا تَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ عبداللہ کیا مجھے یہ اطلاع نہیں ملی ہے (یعنی مجھے یہ معلوم ہوا ہے) کہ تم (روزانہ) دن میں تو روزے رکھتے ہو اور (ہر رات میں) پوری شب اللہ کی عبادت اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے ہو؟" میں نے عرض کیا کہ جی ہاں یا رسول اللہ! ایسا ہی ہے" آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو (بلکہ) روزہ بھی رکھو اور بغیر روزہ بھی رہو، رات میں عبادت خداوندی بھی کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے (لہٰذا اپنے بدن کو زیادہ مشقت اور ریاضت میں مبتلا نہ کرو تاکہ بیماری یا ہلاکت میں نہ پڑ جاؤ) تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے (اس لئے رات میں سویا بھی کرو تاکہ آنکھیں آرام و سکون پائیں) تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے (اس لئے اس کے ساتھ شب باشی اور صحبت و مباشرت کرو) اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے، (لہٰذا ان کے ساتھ کلام و گفتگو کرو، ان کی خاطر و مہمانداری کرو اور ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک رہو) جس شخص نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے (گویا) روزہ نہیں رکھا (البتہ) ہر مہینہ میں تین دن کے روزے ہمیشہ کے روزہ کے برابر ہیں لہٰذا ہر مہینہ میں تین دن (یعنی ایام بیض کے

یا مطلقاً کسی بھی تین دن کے) روزے رکھ لیا کرو اور اسی طرح ہر مہینہ میں قرآن پڑھا کرو (یعنی ایک مہینہ میں ایک قرآن ختم کر لیا کرو) میں نے عرض کیا کہ "میں تو اس سے بھی زیادہ کی ہمت رکھتا ہوں" آپ ﷺ نے فرمایا (تو پھر) بہترین روزہ جو روزۂ داؤد ہے رکھ لیا کرو (جس کا طریقہ یہ ہے کہ) ایک دن تو روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو اور سات راتوں میں ایک قرآن ختم کرو اور اس میں اضافہ نہ کرو (یعنی نفل روزے رکھنے اور قرآن شریف ختم کرنے کی مذکورہ بالا تعداد و مقدار میں زیادتی نہ کرو)۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: شریعت نے اعمال میں میانہ روی اور اعتدال اختیار کرنے پر بڑا زور دیا ہے چنانچہ نفل عبادات اور اعمال میں نہ اتنی کمی اور کوتاہی کرنی چاہئے جس سے روحانی بالیدگی اور ترقی میں اضمحلال اور درجات عالیہ کے حصول میں رکاوٹ پیدا ہو جائے اور نہ اتنی زیادتی کرنی چاہئے جس سے جسمانی قوت وطاقت بالکل ہی پژمردہ ہو جائے اور دنیاوی مباح امور میں تعطل رونما ہو جائے اسی لئے آپ ﷺ نے حضرت عبداللہؓ کو منع فرمایا کہ نہ تو اتنے زیادہ روزے رکھو اور نہ اتنی زیادہ شب بیداری کرو تاکہ اس کی وجہ سے دوسری ضروری اور فرض عبادتوں میں نہ خلل واقع ہو اور نہ دوسرے انسانی ومعاشرتی حقوق پس پشت پڑ جائیں۔ ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے سے ہمیشہ کے روزے کا ثواب اس لئے لکھا جاتا ہے کہ ہر نیکی کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں جیسا کہ کئی موقعوں پر بتایا جا چکا ہے لہٰذا اس حساب سے تین روزے باعتبار ثواب اور اجزاء کے تیس روزے کے برابر ہوئے اور مہینہ میں تین روزے رکھنے والا گویا پورے مہینہ روزہ سے رہا!۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

پیر اور جمعرات کے روزے

(۲۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسَ (رواہ الترمذی والنسائی)

"ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ پیر اور جمعرات کے دن نفل روزے رکھا کرتے تھے۔" (ترمذی، نسائی)

(۲۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَاُحِبُّ اَنْ يُّعْرَضَ عَمَلِیْ وَاَنَا صَائِمٌ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن (اللہ رب العزت کی بارگاہ میں) عمل پیش کئے جاتے ہیں اس لئے میں پسند کرتا ہوں کہ میرے عمل پیش کئے جائیں تو میں روزہ سے ہوں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: بندوں کے جو بھی اعمال ہوتے ہیں ملائکہ ہر صبح وشام اوپر لے جاتے ہیں اور پھر وہ بارگاہ رب العزت میں ان دو دنوں میں پیش ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس وضاحت کے پیش نظر اس حدیث اور اس حدیث میں کوئی تعارض باقی نہیں رہا جس سے ثابت ہوا تھا کہ بندوں کے صبح کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے اور رات کے اعمال صبح کے اعمال سے پہلے (ہر روز) اوپر لے جائے جاتے ہیں، یا پھر یہ کہا جائے گا کہ روزانہ ہر عمل تفصیلی طور پر پیش کیا جاتا ہے اور پھر ان دونوں میں تمام اعمال اجمالی طور پر پیش ہوتے ہیں۔

ایام بیض کے روزے

(۲۲) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَصُمْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ (رواہ الترمذی والنسائی)

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ابوذر! اگر تم مہینہ میں تین دن روزہ رکھنا چاہو تو تیرہویں، چودھویں اور پندرھویں کو روزہ رکھو۔" (ترمذی ونسائی)

تشریح: ہر مہینہ میں تین دن نفل روزے رکھنے کے سلسلے میں کئی طریقے منقول ہیں لیکن بہتر اور افضل یہی ہے کہ مذکورہ بالا تین تاریخوں میں کہ انہیں "ایام بیض" کہا جاتا ہے روزے رکھے جائیں۔

جمعہ کے دن نفل روزے رکھنا جائز ہے

(۲۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَقَلَّمَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ اِلٰى ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (کبھی) مہینہ کے شروع کے تین دنوں میں (بھی) روزہ رکھا کرتے تھے اور ایسا کم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ جمعہ کے دن روزہ نہ رکھتے ہوں" (ترمذی، نسائی) ابوداؤدؒ نے اس روایت کو ثلثۃ ایام تک نقل کیا ہے۔"

تشریح: پہلے کچھ احادیث گزری ہیں جن سے معلوم ہوا کہ صرف جمعہ کے روز نفل روزہ نہیں رکھنا چاہئے جب کہ یہ حدیث ان احادیث کے برعکس معلوم ہوتی ہے لہٰذا اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے ساتھ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھا کرتے تھے یا یہ کہ صرف جمعہ کے روز، روزہ رکھنا آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص تھا جیسا کہ وصال کے روزے صرف آپ ﷺ کے لئے مخصوص تھے لیکن یہ تاویل ان حضرات کے مسلک کے پیش نظر ہے جو صرف جمعہ کے روز نفل روزہ رکھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، حنفی مسلک کے مطابق چونکہ جمعہ کے روز، روزہ رکھنا جائز ہے اس لئے حنفیہ کے ہاں اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ تو جمعہ کے دن روزہ کے جواز کو اسی حدیث سے ثابت کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ ہفتہ کے سب دنوں میں روزہ رکھتے تھے

(۲۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْاَحَدَ وَالْاِثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْاٰخَرِ الثَّلَاثَاءَ وَالْاَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيْسَ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کسی مہینہ میں ہفتہ، اتوار، پیر کے دن اور کسی مہینہ میں منگل، بدھ، جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: پہلی حدیث میں جمعہ کے دن روزہ رکھنے کا ذکر تھا اور اس حدیث میں ہفتہ کے بقیہ دنوں کے بارہ میں ذکر کیا گیا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ ہفتہ کے تمام دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے چونکہ تمام دن اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اس لئے آپ اسے مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ بعض دنوں میں روزہ رکھیں اور بعض دنوں میں نہ رکھیں، گویا اس بارہ میں بھی آپ ﷺ نے عدل و اعتدال کی راہ اختیار کی ہوئی تھی۔

نفل روزوں کی ابتداء پیر یا جمعرات سے

(۲۵) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُنِيْ اَنْ اَصُوْمَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ اَوَّلُهَا الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسَ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ مجھے حکم فرماتے تھے کہ میں ہر مہینہ میں تین دن نفل روزے رکھوں اور ان کی ابتداء پیر یا جمعرات سے کروں۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: لفظ والخمیس میں واؤ، او کے معنی میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھو، اس طرح کہ پہلا روزہ

تو پیر کے دن اور دوسرا تیسرا روزہ منگل اور بدھ کے دن ہو یا پہلے روزہ جمعرات کا ہو اور بقیہ دو روزے جمعہ اور ہفتہ کے ہوں چنانچہ طبرانی میں او یعنی "او الخمیس" ہی مذکور ہے، بہرکیف روزہ رکھنے والا اختیار رکھتا ہے کہ ابتداء چاہے پیر کے دن سے کرے یا جمعرات کے دن سے دونوں متبرک ہیں۔

ہمیشہ روزہ رکھنے کی ممانعت کی وجہ

(۲۶) وَعَنْ مُسْلِمِ الْقُرَشِيِّ قَالَ سَأَلْتُ اَوْسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِ الدَّهْرِ فَقَالَ اِنَّ لِاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا صُمْ رَمَضَانَ وَالَّذِيْ يَلِيْهِ وَكُلَّ اَرْبِعَاءَ وَخَمِيْسٍ فَاِذَا اَنْتَ قَدْ صُمْتَ الدَّهْرَ كُلَّهُ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت مسلم قرشیؓ کہتے ہیں کہ میں نے یا کسی اور شخص نے رسول کریم ﷺ سے ہمیشہ روزہ رکھنے کے بارہ میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اوپر تمہارے اہل و عیال کا بھی حق ہے (اس لئے) رمضان میں اور ان ایام میں جو رمضان سے متصل ہیں یعنی شش عید کے روزے رکھو نیز (زیادہ سے زیادہ) ہر بدھ اور جمعرات کو روزہ رکھ لیا کرو، اگر تم نے یہ روزے رکھ لئے تو سمجھو کہ ہمیشہ روزے رکھے۔"

(ابوداؤد، ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ روزے رکھنے کی وجہ سے چونکہ ضعف لاحق ہو جاتا ہے جس کی بناء پر نہ صرف یہ کہ ادائیگی حقوق میں خلل پڑتا ہے بلکہ دوسری عبادات میں بھی نقصان اور حرج واقع ہوتا ہے لہٰذا اسی سبب سے ہمیشہ روزہ رکھنا مکروہ ہے ہاں جس شخص کو اس کی وجہ سے ضعف لاحق نہ ہو تو اس کے لئے ہمیشہ روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہوگا بلکہ مستحب ہوگا اسی طرح دائمی روزے کی ممانعت کے سلسلہ میں منقول احادیث میں اور ان مشائخ و سلف کے عمل میں کہ جو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے مذکورہ بالا وضاحت سے تطبیق بھی ہو جاتی ہے نیز ہو سکتا ہے کہ یہاں جو حدیث ذکر کی گئی ہے وہ آپ ﷺ نے اس حدیث سے پہلے ارشاد فرمائی ہوگی جس میں بتایا گیا تھا کہ ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے سے ہمیشہ روزہ رکھنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

ایک بات اور سمجھ لیجئے گزشتہ صفحات میں تشریحات کے ضمن میں علامہ ابن ہمامؒ وغیرہ کے وہ اقوال نقل کئے گئے تھے جن سے یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ ہمیشہ کے روزے رکھنے مستقلاً مکروہ ہیں اور در مختار میں بھی یہی منقول ہے کہ دائمی طور پر روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے جب کہ یہاں یہ بات بتائی گئی ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنا اسی وقت مکروہ ہے جب کہ روزہ دار کے ضعف و ناتوانی میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو اگر ضعف کا خوف نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں ہوگا، لہٰذا ان تمام اقوال میں مطابقت پیدا کی جائے کہ جن اقوال سے دائمی روزوں کا مطلقاً مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے در حقیقت ان کا محمول بھی خوف ضعف ہے یعنی ان اقوال کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر ضعف کا خوف ہو تو دائمی روزے مکروہ ہوں گے ورنہ نہیں!۔

عرفات میں عرفہ کے دن روزہ مکروہ ہے

(۲۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عرفات میں عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: حج کرنے والا اگر عرفہ کے دن روزہ رکھے تو ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے ضعف لاحق ہو جائے جس کی بناء پر عرفات میں دوسرے افعال و ارکان میں نقصان و خلل واقع ہو اس لئے ایسے شخص کے لئے عرفہ کا روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی گئی لیکن یہ ممانعت نہی تحریمی کے طور پر نہیں ہے بلکہ یہ نہی تنزیہی ہے۔

صرف ہفتہ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت

(۲۸) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ بُسْرٍ عَنْ اُخْتِہٖ الصَّمَّاءِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَصُوْمُوْا یَوْمَ السَّبْتِ اِلَّا فِیْمَا افْتُرِضَ عَلَیْکُمْ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ اَحَدُکُمْ اِلَّا لِحَاءَ عِنَبَۃٍ اَوْ عُوْدَ شَجَرَۃٍ فَلْیَمْضَغْہُ۔

(رواہ احمد وابوداود والترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت عبداللہؓ بن بسر اپنی ہمشیرہ عزیزہ سے کہ جن کا نام صماءؓ تھا نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، تم لوگ (تنہا) ہفتہ کے دن روزہ نہ رکھو الا یہ کہ اس دن روزہ رکھنا ضروری ہی ہو، لہٰذا اگر تم میں سے کوئی شخص انگور کے درخت کی چھال یا درخت کی لکڑی کے علاوہ کچھ نہ پائے تو وہی چبا لے۔" (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: "اس دن روزہ رکھنا ضروری ہو" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ضروری روزہ ہو مثلاً فرض یعنی رمضان کا روزہ ہو یا کفارہ یا نذر یا قضا کا ہو، ایسے ہی سنت مؤکدہ روزہ جیسے عرفہ اور عاشوراء کا روزہ ہو کہ یہ بھی ضروری روزہ ہی کے حکم میں ہیں یا اور کوئی مسنون و مستحب روزہ ہو تو اگر ان میں سے کوئی روزہ ہفتہ کے دن پڑ جائے تو اس کو ہفتہ کے دن رکھنا ممنوع نہیں ہوگا۔

فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ اَحَدُکُمْ الخ (اگر کوئی شخص تم میں سے الخ) کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ہفتہ کے دن روزہ رکھ لیا تو اسے چاہئے کہ اگر اسے کچھ نہ ملے تو انگور کے درخت کی چھال یا درخت کی لکڑی چبا کر افطار کر دے اور روزہ توڑ ڈالے اور اگر اس قسم کی بھی کوئی چیز نہ ملے تو بھی کسی نہ کسی طرح روزہ توڑ ڈالے۔

ہفتہ کے دن روزہ رکھنا اس لئے منع ہے کہ اس طرح اس دن کی تعظیم لازم آتی ہے اور اس تعظیم میں یہود کی مشابہت ہوتی ہے اگرچہ یہود اس دن روزہ نہیں رکھتے کیونکہ ان کے ہاں یہ یوم عید ہے تاہم وہ اس دن کی بہت زیادہ تعظیم کرتے ہیں لیکن اکثر علماء کے نزدیک ہفتہ کے دن کے روزہ کی ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے۔

خدا کی راہ میں ایک دن روزہ رکھنے کی فضیلت

(۲۹) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ یَوْمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ جَعَلَ اللّٰہُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ النَّارِ خَنْدَقًا کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص خدا کی راہ میں ایک دن روزہ رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے اور (دوزخ کی) آگ کے درمیان ایک ایسی خندق حائل کر دے گا جو آسمان و زمین کے درمیانی فاصلہ کی برابر ہوگی۔" (ترمذیؒ)

تشریح: فی سبیل اللہ (خدا کی راہ میں) کا یہ مطلب ہے کہ جہاد میں یا حج کے راستہ میں یا عمرہ میں طلب علم کے عرصہ میں اور یا محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خاطر ایک دن روزہ رکھے "خندق" سے مراد ہے بڑی زبردست رکاوٹ اور سخت پردہ و حصار۔

جاڑے میں روزہ رکھنا بلا مشقت ثواب حاصل کرنا ہے

(۳۰) وَعَنْ عَامِرِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْغَنِیْمَۃُ الْبَارِدَۃُ الصَّوْمُ فِی الشِّتَاءِ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ مُرْسَلٌ وَذُکِرَ حَدِیْثُ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ مَامِنْ اَیَّامٍ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ فِیْ بَابِ الْاُضْحِیَۃِ

"اور حضرت عامر ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ٹھنڈی غنیمت (یعنی بلا تعب و مشقت ثواب پانا) جاڑے میں روزہ رکھنا ہے (احمد، ترمذی) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے، (کیونکہ بعض حضرات کے نزدیک حضرت عامر ابن مسعود صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں) اور حضرت ابوہریرہ کی روایت مامن ایام احب الی اللہ قربانی کے باب میں ذکر کی جا چکی ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

یوم عاشورہ کا روزہ کیوں؟

(۳۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَامًا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِيْ تَصُوْمُوْنَهُ فَقَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهُ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ فَصَامَهُ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (جب) مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اس دن کی کیا خصوصیت ہے کہ تم روزہ رکھتے ہو؟ یہودیوں نے کہا کہ یہ بڑا عظیم دن ہے اسی دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو ڈبویا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکر اس دن روزہ رکھا اس لئے ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "تمہارے مقابلہ میں ہم موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قریب اور (ان کی طرف سے بطور شکر روزہ رکھنے کے) زیادہ حقدار ہیں چنانچہ آپ ﷺ نے یوم عاشوراء کو خود بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

ہفتہ و اتوار کے دن روزہ رکھنے میں یہود و نصاریٰ کی مخالفت

(۳۲) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ يَوْمَ السَّبْتِ وَيَوْمَ الْاَحَدِ اَكْثَرَ مَا يَصُوْمُ مِنَ الْاَيَّامِ وَيَقُوْلُ اِنَّهُمَا يَوْمَا عِيْدٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اُخَالِفَهُمْ (رواہ احمد)

"اور حضرت امّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ دوسرے دنوں میں روزہ رکھنے کی بہ نسبت ہفتہ و اتوار کے دن زیادہ روزہ رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ دو دن مشرکین کے لئے عید ہیں (کہ جن میں وہ روزہ نہیں رکھتے) لہٰذا میں اسے پسند کرتا ہوں کہ (میں ان دنوں میں روزہ رکھ کر) ان کی مخالفت کروں۔" (احمدؒ)

تشریح: "مشرکین" سے مراد یہود نصاریٰ ہیں اور انہیں مشرک اس لئے فرمایا کہ یہود تو حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور نصاریٰ (عیسائی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔

پہلے ایک حدیث گزری ہے جس میں ہفتہ کے دن روزہ رکھنے کے لئے منع فرمایا گیا ہے جب کہ یہ حدیث اس کے بالکل برعکس ہے لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ ہے کہ اس کا تعلق تو صرف آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی سے ہے یعنی یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے اور گزشتہ حدیث کا تعلق صرف اُمت سے ہے۔ یعنی وہ ممانعت اُمت کی خصوصیات میں سے ہے یا پھر یہ کہا جائے گا کہ جس روزہ سے منع کیا گیا ہے وہ روزہ وہ ہے جو اس دن کی تعظیم کے طور پر رکھا جائے اور پسندیدہ روزہ وہ ہے جو یہود و نصاریٰ کی مخالفت کے پیش نظر رکھا جائے۔

فرضیت رمضان سے قبل عاشوراء کے روزے کی زیادہ تاکید تھی۔

(۳۳) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُ بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ وَيَحُثُّنَا عَلَيْهِ وَيَتَعَاهَدُنَا عِنْدَهُ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ لَمْ يَاْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ وَلَمْ يَتَعَاهَدْنَا عِنْدَهُ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (پہلے) ہمیں یوم عاشوراء کا روزہ رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ اس کی ترغیب دلاتے تھے اور اس دن کے آنے کے وقت ہماری خبر گیری کرتے تھے (یعنی عاشوراء کا دن جب نزدیک آتا تو اس کے روزہ رکھنے کی نصیحت فرمایا کرتے تھے) مگر جب رمضان کے روزے فرض ہوگئے تو نہ آپ ﷺ نے ہمیں اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ اور نہ اس سے منع کیا۔ اور نہ ہی اس دن کے آنے کے وقت ہماری خبر گیری کی۔" (مسلم)

تشریح: لفظ یامرنا مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں نا کے بغیر یعنی صرف یامر ہے مگر صحیح مسلم میں یامرنا ہی منقول ہے۔

سُنّت مؤکدہ روزے

(۳۴) وَعَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ اَرْبَعٌ لَمْ يَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَامُ عَاشُوْرَاءَ وَالْعَشْرِ وَثَلَاثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ (رواہ النسائی)

"اور حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جنہیں رسول کریم ﷺ ترک نہیں فرماتے تھے (کیونکہ سُنّت مؤکدہ ہیں) اول یوم عاشوراء کا روزہ، دوم عشرہ ذی الحجہ (یعنی ذی الحجہ کے ابتدائی نو دنوں کے) روزے، سوم ہر مہینہ میں تین دن کے روزے، چہارم فجر سے پہلے دو رکعتیں (فجر کی دو سنتیں)۔" (نسائی)

ایام بیض کے روزے

(۳۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُفْطِرُ اَيَّامَ الْبِيْضِ فِيْ حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ (رواہ النسائی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایام بیض میں بغیر روزہ نہیں رہا کرتے تھے، نہ گھر میں اور نہ سفر میں۔" (نسائی)

تشریح: "ایام بیض" سے مراد چاندنی راتوں کے دن ہیں یعنی قمری مہینوں کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ لہٰذا "ایام بیض" میں "بیض" (سفید، روشن) لیالی یعنی ان راتوں کی صفت ہے جن کے دنوں کو ایام بیض کہا جاتا ہے، ان راتوں کو "بیض" اس لئے کہتے ہیں کہ ان راتوں میں چاندنی اول سے آخر تک رہتی ہے گویا پوری رات روشن و چمکدار رہتی ہے، یا پھر کہا جائے گا کہ "بیض" ایام ہی یعنی دنوں کی صفت ہے۔ اور ان دنوں کو بیض اس لئے کہتے ہیں کہ ان ایام کے روزے گناہوں کی تاریکی کو دور کرتے ہیں اور قلوب کو روشن و مجلا کرتے ہیں یا یہ دن "ایام بیض" اس لئے کہلاتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا تو ان کا تمام بدن سیاہ ہوگیا تھا جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو انہیں حکم دیا گیا کہ ان دنوں میں تین روزے رکھو چنانچہ انہوں نے تیرہویں کو روزہ رکھا تو ان کا تہائی بدن سفید اور روشن ہوگیا، چودہویں کو روزہ رکھا تو دو تہائی بدن سفید و روشن ہوگیا اور جب پندرہویں کو روزہ رکھا تو تمام بدن سفید روشن ہوگیا۔

ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کی ترتیب

اس موقع پر یہ بات جان لینی چاہئے کہ وہ تین روزے جو ہر مہینہ میں رکھنے مسنون ہیں بارہ طرح سے منقول ہیں، ایک تو غیر معین کہ پورے مہینہ میں جب چاہے تین روزے رکھ لے، دوسرے یہ کہ مہینہ کے ابتدائی تین دنوں میں یعنی پہلی تاریخ سے تیسری تاریخ تک تیسرے یہ کہ مہینہ کے کسی بھی سنیچر، اتوار، پیر کے دن، چوتھے یہ کہ مہینہ کے کسی بھی منگل، بدھ جمعرات کے دن، پانچویں یہ کہ ایام بیض یعنی تیرہویں، چودہویں، پندرہویں، تاریخ کو چھٹے یہ کہ ان روزوں میں پہلا روزہ پیر کے دن اور دو منگل اور بدھ کے دن، ساتویں یہ کہ ان روزوں میں پہلا روزہ جمعرات کے دن ہو، اور دو روزے جمعہ اور ہفتہ کے دن، آٹھویں یہ کہ پہلا روزہ تو چندا پیر کو اور دو روزے دو جمعراتوں کو، نویں ایک تو چندی جمعرات کو اور دو دوشنبے کو، دسویں پیر اور جمعرات اور پھر اگلے ہفتے کا پیر، گیارہویں ہر عشرہ میں ایک

روزہ۔ بارہویں مہینہ کے آخری دنوں میں تین روزے۔ یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ ایام بیض یعنی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ کو یہ روزے رکھے جائیں ویسے اختیار ہے کہ جب بھی اور جس طرح بھی یہ روزے رکھے جائیں گے ثواب بہرصورت حاصل ہوگا۔

ایک بات اور۔ پورے سال میں مسنون روزوں کی تعداد اکیاون ہے تینتیس روزے تو یہی ہیں یعنی بحساب تین روزے فی مہینہ، نو روزے ذی الحجہ کے مہینہ میں پہلی تاریخ سے نویں تاریخ تک، ایک دن یوم عاشوراء کا ایک روزہ عاشورہ سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا ایک روز شعبان کی پندرہویں تاریخ کا، اور چھ روزے شوال کے جو شش عید کے روزے کہلاتے ہیں۔

بدن کی زکوٰۃ روزہ رکھنا ہے

(۳۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ شَيْءٍ زَكَاةٌ وَزَكَاةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہر چیز کے لئے زکوٰۃ ہے، اور بدن کی زکوٰۃ روزہ رکھنا ہے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: چونکہ زکوٰۃ کا مفہوم ہے "بڑھنا اور طہارت" اس لئے "ہر چیز کے لئے زکوٰۃ ہے" کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر چیز کے لئے بڑھوتری ہے جو اس چیز میں سے کچھ حصہ دے کر حاصل ہوتی ہے یا ہر چیز کے لئے پاکیزگی و طہارت کا ایک ذریعہ مقرر ہے جس کی وجہ سے وہ چیز پاکیزہ و طاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا "بدن کی زکوٰۃ" یعنی بدن کی جسمانی صحت و تندرستی اور بدن کی روحانی پاکیزگی و طہارت کا ذریعہ روزہ ہے کہ روزہ کی وجہ سے اگرچہ بظاہر جسم کی طاقت و قوت کا کچھ حصہ گھٹتا اور ناقص ہوتا ہے مگر حقیقت میں روزہ جسم کے نشو و نما اور صحت و تندرستی میں برکت و اضافہ کا ایک ذریعہ بنتا ہے نیز اس کی وجہ سے بدن گناہوں سے پاک ہوتا ہے لہٰذا زکوٰۃ عبادت مالیہ ہے اور روزہ طاعت بدنیہ۔

پیر اور جمعرات کی فضیلت کیوں؟

(۳۷) وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصُوْمُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تَصُوْمُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَقَالَ اِنَّ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ يَغْفِرُ اللّٰهُ فِيْهِمَا لِكُلِّ مُسْلِمٍ اِلَّا ذَاهَا جِرَيْنِ يَقُوْلُ دَعْهُمَا حَتّٰى يَصْطَلِحَا (رواہ احمد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ پیر اور جمعرات کے دن (اکثر) روزے رکھتے ہیں؟" آپ نے فرمایا "پیر اور جمعرات وہ دن ہیں جس میں اللہ رب العزت ہر مسلمان کی بخشش کرتا ہے علاوہ ان دو لوگوں کے جو ترک تعلقات کئے ہوئے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ (ان کے بارہ میں ان فرشتوں سے جو آثار مغفرت ظاہر ہونے کے وقت برائیوں کو مٹانے پر مامور ہوتے ہیں) فرماتا ہے کہ انہیں چھوڑ دو تاوقتیکہ یہ (آپس میں) صلح کرلیں اس کے بعد ان کی مغفرت ہوگی)۔" (احمدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: گویا آپ ﷺ نے سوال کے پیش نظر ان دونوں دنوں کی بزرگی و فضیلت ظاہر فرمائی کہ میں اس بزرگی و فضیلت کے پیش نظر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت عام اور اس کی طرف سے مغفرت و بخشش کی نعمت عظمیٰ کے شکر کے طور پر ان دونوں دنوں میں روزہ رکھتا ہوں۔

اللہ کی خوشنودی کے پیش نظر روزہ رکھنے والے کی فضیلت

(۳۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ بَعَّدَهُ اللّٰهُ مِنْ جَهَنَّمَ كَبُعْدِ غُرَابٍ طَائِرٍ وَهُوَ فَرْخٌ حَتّٰى مَاتَ هَرِمًا۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ قَيْسٍ

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اللہ رب العزت کی رضا و خوشنودی کی خاطر ایک دن روزہ رکھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخ سے اڑتے ہوئے کوے کی مسافت کے بقدر دور رکھتا ہے جو بچہ ہو اور بوڑھا ہو کر مرے۔" (احمد، بیہقی)

تشریح: کہا جاتا ہے کہ کوے کی عمر ہزار ہزار برس کی ہوتی ہے لہٰذا فرمایا کہ اگر کوا ابتداء عمر سے اپنی عمر کے آخری حصہ تک اڑتا رہے تو غور کرو وہ کتنی زیادہ مسافت طے کرے گا جتنی مسافت وہ طے کرے گا اتنا ہی اللہ تعالیٰ روزہ دار کو دوزخ سے دور رکھتا ہے۔ بیہقیؒ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا روزہ دار کا سونا عبادت اس کی خاموشی تسبیح ہے، اس کا عمل مضاعف ہے، اس کی دعا مقبول ہے اور اس کے گناہ بخشے ہوئے ہیں۔

بیہقیؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ "آپ ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی کے پاس یہ وحی بھیجی کہ اپنی قوم کو خبر دو کہ جو بھی بندہ محض میری خوشنودی کے حصول کی خاطر کسی دن روزہ رکھتا ہے تو میں نہ صرف یہ کہ اس کے جسم و بدن کو تندرست و توانا کرتا ہوں بلکہ اسے بہت زیادہ ثواب بھی دیتا ہوں۔

خطیبؒ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص اس طرح نفل روزے رکھتا ہے کہ کسی کو بھی اس کے روزہ کی خبر نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے علاوہ اور کسی ثواب پر راضی نہیں ہوتا یعنی اس کا ثواب یہی ہے کہ اسے جنت میں داخل کرتا ہے۔

عبرانیؒ سے منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ رب العزت کے پاس ایک خوان ہے جس پر ایسی ایسی نعمتیں ہیں کہ ویسی نعمتیں نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال بھی گزرتا ہے، اس خوان پر صرف روزے دار بیٹھیں گے۔

باب
گزشتہ ابواب سے متعلق متفرق مسائل کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

نفل روزہ کی نیت دن میں کی جاسکتی ہے۔

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ فَقُلْنَا لَا قَالَ فَاِنِّي اِذًا صَائِمٌ ثُمَّ اَتَانَا يَوْمًا اٰخَرَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ فَقَالَ اَرِيْنِيْهِ فَلَقَدْ اَصْبَحْتُ صَائِمًا فَاَكَلَ (رواہ مسلم)

"ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اور فرمانے لگے کہ کیا تمہارے پاس (کھانے کی) کوئی چیز ہے؟ میں نے عرض کیا کہ "نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اب روزہ رکھ لیا ہے، پھر اس کے بعد ایک دن اور آپ ﷺ تشریف لائے (اور پوچھا کہ تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟) تو میں نے کہا کہ "یارسول اللہ" ہمارے لئے حیس ہدیہ میں آیا ہے آپ نے فرمایا کہ لاؤ مجھے وہ دکھاؤ میں نے صبح روزہ رکھ لیا تھا پھر آپ ﷺ نے وہ حیس کھالیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "میں نے اب روزہ رکھ لیا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ میں نے روزہ کی نیت کر لی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نفل روزہ کی نیت دن میں کرنی چاہئے چنانچہ اکثر ائمہ کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ روزہ کسی بھی قسم کا ہو خواہ فرض ہو یا نفل، اس کی نیت رات ہی سے کرنی واجب ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان کی جاچکی ہے۔

"حیس" ایک کھانے کا نام ہے جو مالیدہ کی طرح ہوتا تھا اور کھجور، گھی اور قروت سے بنایا جاتا تھا، بہر کیف حدیث کے آخری الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ نے روزہ کی حالت میں حضرت عائشہؓ سے حیس لے کر تناول فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بغیر عذر کے بھی نفل روزہ توڑ ڈالنا جائز ہے چنانچہ اکثر علماء کا یہی مسلک ہے مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین علماء فرماتے ہیں کہ نفل روزہ شروع کر دینے کے بعد اسے پورا کرنا واجب ہے اس کو توڑ ڈالنا جائز نہیں ہے ہاں کسی عذر کی بناء پر مثلاً مہمانداری وغیرہ کے پیش نظر نفل روزہ توڑا جا سکتا ہے، تاہم اس صورت میں بھی اس کی قضا واجب ہوتی ہے، چونکہ یہ حدیث اس بارہ میں حنفیہ کے مسلک کے خلاف ہے اس لئے اس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے بلا عذر روزہ نہیں توڑا تھا۔ بلکہ آپ ﷺ کو کوئی ایسا عذر لاحق تھا جس کی بناء پر آپ ﷺ نے روزہ توڑ ڈالا جس کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا، اس مسئلہ میں حنفیہ کی دلیل آگے آ رہی ہے۔

نفل روزہ توڑنے کے سلسلہ میں ضیافت عذر ہے یا نہیں؟

(۲) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اُمِّ سُلَيْمٍ فَاَتَتْهُ بِتَمْرٍ وَسَمْنٍ فَقَالَ اَعِيْدُوْا سَمْنَكُمْ فِيْ سِقَائِهٖ وَتَمْرَكُمْ فِيْ وِعَائِهٖ فَاِنِّيْ صَائِمٌ ثُمَّ قَامَ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ فَصَلّٰى غَيْرَ الْمَكْتُوْبَةِ فَدَعَا لِاُمِّ سُلَيْمٍ وَاَهْلِ بَيْتِهَا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ حضرت ام سلیمؓ کے پاس تشریف لے گئے تو وہ آپ ﷺ کے لئے گھی اور کھجور لائیں (تاکہ آپ ﷺ تناول فرمائیں) آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنے گھی کو اس کی مشک میں اور کھجور کو اس کے برتن میں رکھ دو۔ کیونکہ میں روزہ سے ہوں" پھر آپ ﷺ گھر کے ایک کونہ میں کھڑے ہو کر فرض کے علاوہ نماز پڑھنے لگے اور ام سلیمؓ اور ان کے گھر والوں کے لئے دعا فرمائی۔" (بخاریؒ)

تشریح: بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ام سلیمؓ کی ضیافت کے باوجود اس لئے روزہ نہیں توڑا کہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ ام سلیمؓ رنجیدہ نہیں ہوں گی۔

اس بارہ میں کہ آیا ضیافت نفل روزہ رکھنے والے کے لئے عذر ہے یا نہیں؟ اگرچہ مشائخ کے ہاں اختلاف ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ مہمان اور میزبان دونوں کے لئے ضیافت عذر ہے بشرطیکہ میزبان محض مہمان کے آنے اور اپنے ساتھ کھانا نہ کھانے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ خوش نہ ہو بلکہ ملول بھی ہو اسی طرح کھانے میں میزبان کی عدم شرکت سے مہمان کی دلشکنی اور اس کو ناگواری اور تنگی ہو، حاصل یہ کہ اگر کھانے میں شرکت نہ کرنے سے دلشکنی ہوتی ہو تو ضیافت عذر ہے لہٰذا نفل روزہ توڑ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر بعد میں اس روزہ کی قضا ضروری ہوگی اور اگر یہ معلوم ہو کہ دلشکنی نہیں ہوگی تو روزہ نہ توڑنا چاہئے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ روزہ دار مہمان کے لئے مستحب ہے کہ وہ میزبان اور اس کے اہل و عیال کے حق میں دعاء خیر کرے۔

(۳) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلٰى طَعَامٍ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ صَائِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ فَاِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ وَاِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو کھانے پر بلایا جائے اور وہ روزہ دار ہو تو اسے چاہئے کہ یہ کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا اگر تم میں سے کسی کو دعوت کی جائے۔ تو اسے چاہئے کہ وہ دعوت قبول کرے اور اگر وہ روزہ دار ہو تو دو رکعت نماز (نفل) پڑھ لے اور اگر روزہ دار نہ ہو تو اسے چاہئے کہ کھانے میں شریک ہو۔" (مسلمؒ)

تشریح: اگر روزہ دار مہمان کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے میزبان کسی تشویش و پریشانی میں مبتلا ہو جائے یا کھانا نہ کھانے کی وجہ سے دشمنی و

نفرت پیدا ہو جانے کا خوف ہو تو اس صورت میں نفل روزہ توڑ دینا ہی واجب ہے۔ اور اگر مہمان یہ جانے کہ میزبان کھانا کھانے کی وجہ سے خوش تو ہو گا اور کھانا کھانے کی صورت میں وہ کسی تشویش و پریشانی میں مبتلا بھی نہیں ہو گا۔ تو اس صورت میں نفل روزہ توڑنا مستحب ہے اور اگر اس کے نزدیک دونوں امر برابر ہوں تو اس کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ کہہ دے کہ انی صائم میں روزہ دار ہوں، خواہ داعی کے یہاں جائے یا نہ جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

④ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلٰى يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمُّ هَانِئٍ عَنْ يَمِيْنِهٖ فَجَاءَتِ الْوَلِيْدَةُ بِاِنَاءٍ فِيْهِ شَرَابٌ فَنَاوَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَهٗ اُمَّ هَانِئٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ اَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ لَهَا اَكُنْتِ تَقْضِيْنَ شَيْئًا قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ اِنْ كَانَ تَطَوُّعًا۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهٗ وَفِيْهِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَا اِنِّيْ كُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ الصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ اَمِيْرُ نَفْسِهٖ اِنْ شَاءَ صَامَ وَاِنْ شَاءَ اَفْطَرَ۔

"حضرت اُم ہانیؓ سے مروی ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو اس دن حضرت فاطمہؓ آئیں اور نبی کریم ﷺ کے بائیں طرف بیٹھ گئیں اور اُم ہانیؓ آپ ﷺ کے دائیں طرف بیٹھی ہوئی تھیں اتنے میں ایک لونڈی ایک برتن لے کر آئی جس میں پینے کی کوئی چیز تھی لونڈی نے وہ برتن آنحضرت ﷺ کو دیا آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ پی کر وہ برتن اُم ہانیؓ کو عنایت فرمایا۔ اُم ہانیؓ نے بھی اس میں سے پیا اور کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ! میں نے افطار کر لیا کیونکہ میں روزے سے تھی آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نے (رمضان کا) کوئی قضا (یا نذر کا) روزہ رکھا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں! (بلکہ نفل روزہ رکھا تھا) آپ ﷺ نے فرمایا "اگر یہ نفل روزہ تھا تو کوئی حرج نہیں" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، دارمیؒ) ایک اور روایت میں جو احمدؒ اور ترمذیؒ نے اسی کے مانند نقل کیا ہے یہ الفاظ بھی ہیں کہ اُم ہانیؓ نے کہا یا رسول اللہ آپ (ﷺ) کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں روزہ سے تھی" آپ ﷺ نے فرمایا "نفل روزہ رکھنے والا اپنے نفس کا مالک ہے چاہے روزہ رکھے چاہے افطار کرے۔"

تشریح: "اپنے نفس کا مالک ہے" کا مطلب یہ ہے کہ نفل روزہ رکھنے والا خود مختار ہے کہ ابتدا چاہے تو روزہ رکھے یعنی روزہ کی نیت کرے، چاہے افطار کرے یعنی روزہ نہ رکھنے کو اختیار کرے، یا پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نفل روزہ رکھنے والا روزہ رکھنے کے بعد بھی مختار ہے کہ چاہے تو اپنا روزہ پورا کرے چاہے تو توڑ ڈالے، اس صورت میں اس کی تاویل یہ ہوگی کہ نفل روزہ دار کو اس بات کا اختیار ہے کہ اگر اس کے پیش نظر کوئی مصلحت ہو مثلاً کوئی شخص اس کی ضیافت کرے یا کسی جماعت کے پاس جائے جس کے بارہ میں یہ معلوم ہو کہ اگر روزہ توڑ کر ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک نہیں ہوگا تو لوگ وحشت و پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے تو اس صورت میں وہ روزہ توڑ سکتا ہے تاکہ آپس میں میل ملاپ اور محبت و الفت کی فضا برقرار رہے۔ لہٰذا ان الفاظ و معانی سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ نفل روزہ توڑنے کے بعد اس کی قضا ضروری نہیں ہے جب کہ اس کے بعد آنے والی حدیث بڑی وضاحت کے ساتھ قضا کے ضروری ہونے کو ثابت کر رہی ہے۔

ام ہانیؓ کی اس روایت کے بارہ میں محدثین کے ہاں کلام ہے چنانچہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد محل بحث ہے اور منذریؒ نے کہا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے اور اس کی اسناد میں بہت اختلاف ہے۔

⑤ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ اقْضِيَا يَوْمًا اٰخَرَ مَكَانَهٗ۔ رَوَاهُ

التِّرْمِذِيُّ وَذَكَرَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْحُفَّاظِ رَوَوْاعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَائِشَةَ مُرْسَلاً وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنْ عُرْوَةَ وَهٰذَا اَصَحُّ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ عَنْ زُمَيْلٍ مَوْلٰى عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ

"اور حضرت زہریؒ حضرت عروہؓ سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا (ایک دن) میں اور حفصہؓ دونوں روزے سے تھیں کہ ہمارے سامنے کھانا لایا گیا ہمیں اس کو کھانے کی خواہش ہوئی چنانچہ ہم نے کھالیا اس کے بعد حفصہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم روزہ سے تھیں کہ ہمارے سامنے کھانا لایا گیا ہمیں اس کو کھانے کی خواہش ہوئی چنانچہ ہم نے کھالیا (اب ہمارے بارہ میں کیا حکم ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا اس کے بدلہ بطور قضا ایک دن روزہ رکھو۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور حفاظ حدیث کی ایک ایسی جماعت کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس روایت کو زہریؒ سے اور زہریؒ نے حضرت عائشہؓ سے بطریق ارسال نقل کیا ہے اس میں عروہؓ کا واسطہ مذکور نہیں ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ نیز اس روایت کو امام ابوداؤدؒ نے زمیلؒ سے نقل کیا ہے جو حضرت عروہؓ کے آزاد کردہ غلام تھے زمیلؒ نے عروہؓ سے اور عروہ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: چونکہ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا نفل روزہ توڑ دے تو اس کی قضا ضروری ہے اس لئے ان حضرات کی دلیل یہی حدیث ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ حکم کہ "اس کے بدلہ بطور قضا ایک دن روزہ رکھو" بطور وجوب ثابت ہوتا ہے لیکن شوافع کے ہاں چونکہ نفل روزہ کی قضا واجب نہیں ہے اس لئے ان کے نزدیک یہ حکم بطور استحباب ہے۔ روایت کے آخری جزء زہری نے حضرت عائشہؓ سے بطریق ارسال نقل کیا ہے لفظ "ارسال" اسناد سے "سقوط راوی" کے معنی میں ہے جس کا مطلب ہے "انقطاع واسطہ" یعنی پہلی روایت کے سلسلہ اسناد میں زہری اور عائشہؓ کے درمیان عروہؓ کا جو واسطہ تھا وہ اس روایت میں نہیں ہے اگرچہ یہ اصطلاح اس معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے مگر مشہور یہی ہے کہ "مرسل" اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جسے تابعی صحابیؓ کا واسطہ ذکر کئے بغیر نقل کرے۔

روزہ دار کے سامنے کھانا

(۶) وَعَنْ اُمِّ عُمَارَةَ بِنْتِ كَعْبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَدَعَتْ لَهٗ بِطَعَامٍ فَقَالَ لَهَا كُلِيْ فَقَالَتْ اِنِّيْ صَائِمَةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّائِمَ اِذَا اُكِلَ عِنْدَهٗ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى يَفْرُغُوْا۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت اُمّ عمارہ بنت کعب کے بارہ میں مروی ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ان کے یہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے لئے کھانا منگوایا، آپ ﷺ نے اُمّ عمارہؓ سے فرمایا کہ تم بھی کھاؤ، انہوں نے عرض کیا کہ میں روزہ سے ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جب کسی روزہ دار کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے (اور اس کا دل کھانے کی خواہش کرتا ہے جس کی بناء پر اس کے لئے روزہ بڑا سخت ہو جاتا ہے) تو جب تک کھانے والے کھانے سے فارغ نہیں ہو جاتے فرشتے اس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۷) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ دَخَلَ بِلَالٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَغَدّٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْغَدَاءَ يَا بِلَالُ قَالَ اِنِّيْ صَائِمٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاْكُلُ رِزْقَنَا وَفَضْلُ رِزْقِ بِلَالٍ فِي الْجَنَّةِ اَشَعَرْتَ يَا بِلَالُ اَنَّ الصَّائِمَ يُسَبِّحُ عِظَامُهٗ وَيَسْتَغْفِرُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ مَا اُكِلَ عِنْدَهٗ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت بلالؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ صبح کا کھانا کھا رہے تھے چنانچہ رسول کریم ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ "بلال! آؤ کھانا کھاؤ!" حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں روزہ سے ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ہم تو اپنا رزق (یہاں) کھا رہے ہیں اور بلالؓ کا بہترین رزق جنت میں ہے، بلالؓ کیا تم جانتے ہو کہ جب روزہ دار کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے تو روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح کرتی ہیں۔ اور فرشتے اس کے لئے بخشش چاہتے ہیں جب تک کہ اس کے سامنے کھایا جاتا ہے۔" (بیہقی)

بَابُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

لیلۃ القدر کا بیان

اس باب میں لیلۃ القدر کی عظمت و فضیلت اور ان اوقات کا بیان ہوگا جن میں اس مقدس رات کے آنے کی قوی امید ہوتی ہے یہ شب "لیلۃ القدر" اس لئے کہلاتی ہے کہ بندوں کے رزق ان کی زندگی و موت اور وہ واقعات و امور جو پورے سال رونما ہونے والے ہوتے ہیں وہ اسی رات میں لکھ دیئے جاتے ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس شب کے عظیم القدر ہونے کی وجہ سے اس کا نام لیلۃ القدر ہے۔

اس شب کے تعین میں بہت زیادہ اقوال ہیں، اکثر احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ مقدس رات رمضان کے مبارک ماہ میں آتی ہے خصوصاً رمضان کے آخر عشرہ کی طاق راتوں میں سے کوئی رات اور بالخصوص ستائیسویں شب لیلۃ القدر ہوتی ہے چنانچہ اکثر علماء ستائیسویں شب ہی کو لیلۃ القدر مانتے ہیں۔

"لیلۃ القدر" کی سعادت خاص طور پر اُمت محمدیہ کے لئے مخصوص ہوئی ہے تاکہ اس اُمت کے لوگ اپنی چھوٹی عمروں کے باوجود بہت زیادہ ثواب پائیں چنانچہ اس بارہ میں ایک روایت بھی منقول ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو پچھلی امتوں کے لوگوں کی عمروں کی زیادتی کے بارہ میں معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے افسوس کا اظہار کیا کہ میری اُمت کے لوگ اپنی ان چھوٹی عمروں میں ان لوگوں کی طرح زیادہ نیک کام نہیں کر سکتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے واسطہ سے پوری اُمت کو لیلۃ القدر کی عظیم سعادت عطا فرمائی جو ہزار مہینہ سے بہتر ہے۔

ایک اور روایت میں جو ابن ابی حاتم سے منقول ہے بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے چار اشخاص کا ذکر کیا کہ انہوں نے اسی اسی برس تک اللہ رب العزت کی عبادت کی اور ان کا ایک لحہ بھی خدا کی نافرمانی میں نہیں گزرا اور وہ اشخاص یہ تھے۔ ① حضرت ایوب علیہ السلام۔ ② حضرت زکریا علیہ السلام۔ ③ حضرت حزقیل علیہ السلام۔ ④ حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ بہت زیادہ تعجب کرنے لگے اور (متمنی ہوئے کہ کاش ہماری بھی اتنی ہی عمریں ہوتیں کہ ہم بھی اتنی طویل مدت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے) پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ اے محمد! آپ (ﷺ) کی اُمت ان لوگوں کی اسی اسی برس کی عبادت پر متعجب ہوتی ہے (تو سنئے کہ) اللہ تعالیٰ نے خیر و بھلائی عطا فرمائی، چنانچہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے انا انزلناہ فی لیلۃ القدر (پوری سورت پڑھی جس کے ذریعہ یہ عظیم بشارت عطا فرمائی گئی ہے کہ لیلۃ القدر جو آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کی اُمت کو عطا فرمائی گئی ہے اس چیز سے بہتر ہے جس کے لئے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی اُمت متعجب و متمنی ہیں اس عظیم سعادت و خوش بختی پر سرکار دو عالم ﷺ بہت زیادہ خوش ہوئے۔

اس موقع پر یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ ہزار مہینہ کے تراسی برس اور چار مہینے ہوتے ہیں اسی لئے فرمایا کہ لیلۃ القدر خیر من الف

شہر یعنی لیلۃ القدر ہزار مہینہ سے بہتر ہے کہ جس سے تراسی برس اور چار مہینے ہوئے۔

لیلۃ القدر میں اللہ رب العزت کی رحمت خاص کی تجلی آسمان دنیا پر غروب آفتاب کے وقت سے صبح تک ہوتی ہے۔ اس شب میں ملائکہ اور ارواح طیبہ صلحاء اور عابدین سے ملاقات کے لئے اترتی ہیں اسی مقدس رات میں قرآن کریم کا نزول شروع ہوا، یہی وہ شب ہے جس میں ملائکہ کی پیدائش ہوئی، اسی شب میں آدم علیہ السلام کا مادہ جمع ہونا شروع ہوا اسی شب میں جنت میں درخت لگائے گئے اس شب میں عبادت کا ثواب دوسرے اوقات کی عبادت سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ اور یہی وہ مقدس شب ہے جس میں بندہ کی زبان وقلب سے نکلی ہوئی دعا بارگاہ رب العزت میں قبولیت سے نوازی جاتی ہے۔

شریعت نے واضح طور پر کسی شب کو متعین کر کے نہیں بتایا ہے کہ لیلۃ القدر فلاں شب ہے گویا اس شب کو پوشیدہ رکھا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر واضح طور پر اس شب کی نشان دہی کر دی جاتی تو عبادات وطاعات کی طرف لوگوں کا میلان نہ رہتا بلکہ صرف اسی شب میں عبادت کر کے یہ سمجھ لیتے کہ ہم نے پورے سال کی عبادت سے بھی زیادہ ثواب حاصل کر لیا اس لئے اس شب کو متعین نہیں کیا گیا تاکہ لوگ عبادات وطاعات میں ہمہ وقت مصروف رہیں صرف اسی شب پر اعتماد کر کے نہ بیٹھ جائیں۔

علماء لکھتے ہیں کہ جو شخص پورے سال عبادت خداوندی کے لئے شب بیداری کو اختیار کرے گا تو انشاء اللہ اسے شب قدر کی سعادت ضرور حاصل ہوگی اسی لئے کہا گیا ہے من لم یعرف قدر اللیلۃ لم یعرف لیلۃ القدر (جس شخص نے رات کی قدر نہ پہچانی یعنی عبادت خداوندی کے لئے شب بیداری نہیں کی وہ لیلۃ القدر کی عظمت وسعادت کو کیا پہچان پائے گے؟)۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس رات کی کچھ ایسی علامتیں ہیں جو احادیث وآثار سے منقول ہیں اور بعض علامتیں اہل کشف نے پہچانی ہیں چنانچہ طبریؒ نے ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ اس رات میں درخت بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور زمین پر گر پڑتے ہیں پھر اپنی اصلی حالت پر آجاتے ہیں اسی طرح اس رات میں ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس شب کے تعین کے سلسلہ میں ان چیزوں کا دیکھنا شرط نہیں ہے کیونکہ اکثر لوگ اس مقدس شب کو پا لیتے ہیں مگر نہ تو وہ درختوں کو سجدہ ریز دیکھتے ہیں اور نہ تمام چیزیں سجدہ کرتی نظر آتی ہیں اس لئے ہو سکتا ہے ایک ہی جگہ دو آدمی موجود ہوں وہ دونوں شب قدر کو پالیں ان میں سے ایک کو تو یہ علامتیں نظر آئیں مگر دوسرے کو ان میں سے کچھ بھی محسوس نہ ہو، بہرکیف سب سے بڑی علامت تو یہی ہے کہ اس مقدس رات میں عبادت خداوندی وذکر ومناجات خضوع وخشوع اور حضور واخلاص کی توفیق حاصل ہو جائے تو جانے کہ یہ عظیم سعادت حاصل ہو گئی۔

اس رات میں شب بیداری کے سلسلہ میں صحیح مسئلہ یہ ہے کہ رات کے اکثر حصہ میں عبادت خداوندی کے لئے جاگتے رہنا معتبر ہے ہاں اگر کوئی شخص پوری شب جاگتا رہے تو افضل ہے بشرطیکہ اس کی وجہ سے کسی مرض وتکلیف میں مبتلا نہ ہو جائے یا فرائض وسنن مؤکدہ میں نقص وخلل واقع ہو جانے کا خوف نہ ہو، ورنہ تو رات کے جس قدر حصے میں جاگنے اور عبادت وذکر میں مشغول رہنے کی توفیق حاصل ہو جائے انشاء اللہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔ (وَلَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى وَكَانَ سَعْيُهٗ مَشْكُوْرًا)۔ رزقنا اللہ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

شب قدر کب آتی ہے؟

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ (رواہ البخاری)

"اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش

کرو۔" (بخاری)

تشریح: رمضان کے آخری عشرہ کی طاق "راتوں" سے مراد ہیں اکیسویں تئیسویں شب پچیسویں شب، ستائیسویں شب، اور انتیسویں شب۔

② وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنَّ رِجَالاً مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرُوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرٰى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيْهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے کتنے ہی صحابہؓ کو خواب میں شب قدر (رمضان کی) آخری سات راتوں میں دکھلائی گئی چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں یہ بات دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے سب کے خواب آخری سات راتوں پر متفق ہیں لہٰذا جو شخص شب قدر پانا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ اسے آخری سات راتوں میں تلاش کرے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: احتمال ہے کہ آخری سات راتوں سے وہ راتیں مراد ہیں جو بیس کے فوراً بعد ہیں یعنی اکیسویں شب سے ستائیسویں شب تک یا سب سے آخری سات راتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں یعنی تیئسویں شب سے انتیسویں شب تک اور چونکہ انتیسویں تاریخ یقینی ہوتی ہے اس لئے اسی کے مطابق حساب کیا جائے گا۔ اس بارہ میں آخری احتمال یعنی یہ کہ تیئسویں شب سے انتیسویں شب تک مراد ہو زیادہ صحیح ہے۔

③ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي تَاسِعَةٍ تَبْقٰى فِيْ سَابِعَةٍ تَبْقٰى فِيْ خَامِسَةٍ تَبْقٰى (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اسے رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو، یعنی لیلۃ القدر کو (تلاش کرو) باقی ماندہ نویں شب میں (کہ وہ اکیسویں شب ہے) باقی ماندہ ساتویں شب میں (کہ وہ تیئسویں شب ہے) اور باقی ماندہ پانچویں شب میں (کہ وہ پچیسویں شب ہے)۔" (بخاری)

تشریح: لیلۃ القدر کو پانے کے لئے رمضان کے آخری عشرہ کی کچھ راتوں کو یہاں ذکر کیا گیا ہے کہ ان راتوں میں عبادت اور ذکر و تلاوت میں مشغولیت اختیار کی جائے تاکہ لیلۃ القدر ان میں سے جس شب میں بھی آئے اس کی سعادت حاصل ہو جائے۔ حدیث میں راتوں کی ترتیب کے سلسلہ میں جو اسلوب اختیار فرمایا گیا ہے اس کی وضاحت ترجمہ میں بین القوسین کی گئی ہے کہ اس ترتیب سے مراد اکیسویں، تئیسویں اور پچیسویں شب ہے لیکن اس سلسلہ میں حدیث میں ذکر کردہ راتوں کو اس طرح آخر سے بھی شمار کیا جا سکتا ہے کہ لیلۃ القدر کو تلاش کرو بیسویں شب کے بعد نویں رات میں کہ وہ انتیسویں شب ہے اور بیسویں شب کے بعد ساتویں رات میں وہ ستائیسویں رات ہے اور بیسویں شب کے بعد پانچویں رات میں کہ وہ پچیسویں شب ہے، یہ وضاحت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے لیکن علامہ یحیٰؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو راتیں ذکر کی گئی ہیں ان سے مراد ہے یا تئیسویں شب، چوبیسویں شب اور چھبیسویں شب۔

④ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ فِيْ قُبَّةٍ تُرْكِيَّةٍ ثُمَّ اَطْلَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ اِنِّي اعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ اَلْتَمِسُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ اَلْتَمِسُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ ثُمَّ اُتِيْتُ فَقِيْلَ لِيْ اِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِيْ فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ فَقَدْ اُرِيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اُنْسِيْتُهَا وَقَدْ رَاَيْتُنِيْ اَسْجُدُ فِيْ مَاءٍ وَطِيْنٍ مِنْ صَبِيْحَتِهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوْهَا فِيْ كُلِّ وِتْرٍ قَالَ فَمَطَرَتِ السَّمَاءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلٰى عَرِيْشٍ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فَبَصُرَتْ عَيْنَايَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى جَبْهَتِهِ اَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ مِنْ صَبِيْحَةِ اِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِي الْمَعْنٰى وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ اِلٰى قَوْلِهِ فَقِيْلَ لِيْ اِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْبَاقِيْ

.لِلْبُخَارِيِّ وَفِي رِوَايَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ قَالَ لَيْلَةَ ثَلَاثٍ وَّعِشْرِيْنَ (رواه مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا پھر آپ ﷺ نے ایک ترکی خیمہ کے اندر درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا اس کے بعد آپ نے اپنا سر مبارک (خیمہ سے) باہر نکال کر فرمایا کہ میں نے شب قدر کو تلاش کرنے کے لئے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا، پھر میں نے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا، اس کے بعد میرے پاس فرشتہ آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں آتی ہے لہٰذا جو شخص میرے ساتھ اعتکاف کرنا چاہے اسے چاہئے کہ وہ آخری عشرہ میں اعتکاف کرے۔ اور مجھے خواب میں شب قدر کو متعین کر کے بتایا گیا مگر بعد میں اسے میرے ذہن سے محو کر دیا گیا (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ فلاں رات شب قدر ہے مگر پھر میں بھول گیا کہ انہوں نے کس رات کا تعین کیا تھا) اور میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اس کی صبح (یعنی لیلۃ القدر کی صبح کو) کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں اور چونکہ میں یہ بھول گیا ہوں کہ وہ کون سی رات تھی لہٰذا اسے (رمضان کے) آخری عشرہ میں تلاش کرو، نیز لیلۃ القدر کو طاق راتوں میں (یعنی آخری عشرہ کی طاق راتوں میں) تلاش کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ (جس رات کو آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا تھا) اس رات میں بارش ہوئی تھی اور چونکہ مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں کی بنی ہوئی تھی اس لئے مسجد ٹپکی چنانچہ میری آنکھوں نے دیکھا کہ اکیسویں شب کی صبح کو آنحضرت ﷺ کی پیشانی پر پانی اور مٹی کا نشان تھا۔ اس حدیث کے نقل کے سلسلہ میں معنوی طور پر بخاری و مسلم دونوں متفق ہیں البتہ فَقِيْلَ لِيْ اَنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ تک اس روایت کے الفاظ تو مسلمؒ نے نقل کئے ہیں اور روایت کے باقی الفاظ بخاریؒ نے نقل کئے ہیں، نیز ایک دوسری روایت میں جو عبداللہ بن انیسؓ سے منقول ہے (اکیسویں شب کی صبح کی بجائے) "تئیسویں شب کی صبح" کے الفاظ ہیں۔ اس روایت کو مسلمؒ نے نقل کیا ہے۔"

تشریح: "ترکی خیمہ" خیمہ کی ایک قسم کا نام تھا جو نمدہ سے بنتا تھا اور سائز میں چھوٹا ہوتا تھا اس خیمہ کو فارسی میں "خرگاہ" کہتے ہیں۔ روایت کے آخر میں لفظ من صبیحۃ میں من معنی کے اعتبار سے "فی" کی جگہ استعمال کیا گیا ہے اور یہ بصرت کا متعلق ہے۔

بہرکیف روایت کے آخر میں راوی نے کچھ بیان کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جس رات میں لیلۃ القدر کو خواب میں دیکھا تھا تو آپ ﷺ نے خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ میں لیلۃ القدر کی صبح کو پانی اور مٹی میں سجدہ کرتا ہوں چنانچہ اسی رات میں بارش ہوئی تھی، آپ ﷺ نے صبح کو جب مسجد میں نماز پڑھی تو اس حال میں سجدہ کیا کہ مسجد کی زمین پر چھت ٹپکنے کی وجہ سے پانی اور گارا تھا جس کا نشان آپ ﷺ کی پیشانی پر نمایاں تھا گویا راویؒ نے اس بارش کو آپ ﷺ کے خواب کی رات کی علامت قرار دیا اور چونکہ یہ واقعہ اکیسویں یا تئیسویں شب کا تھا اس لئے راوی نے اس علامت کے ذریعہ معلوم کیا کہ لیلۃ القدر اکیسویں یا تئیسویں شب ہے کیونکہ اسی شب میں آپ ﷺ نے لیلۃ القدر کو دیکھا۔

شب قدر کی ایک علامت

⑤ وَعَنْ زِرِّبْنِ حُبَيْشٍ قَالَ سَاَلْتُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ اِنَّ اَخَاكَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ مَنْ يَّقُمِ الْحَوْلَ يُصِبْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَرَادَ اَنْ لَّا يَتَّكِلَ النَّاسُ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ عَلِمَ اَنَّهَا فِيْ رَمَضَانَ وَاَنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَاَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ ثُمَّ حَلَفَ لَا يَسْتَثْنِيْ اَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ فَقُلْتُ بِاَيِّ شَيْءٍ تَقُوْلُ ذٰلِكَ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ قَالَ بِالْعَلَامَةِ اَوْ بِالْاٰيَةِ الَّتِيْ اَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهَا تَطْلُعُ يَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَهَا (رواه مسلم)

"اور حضرت زر بن حبیشؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعبؓ سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے (دینی) بھائی حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جو شخص تمام سال عبادت کے لئے شب بیداری کرے تو وہ شب قدر کو پالے گا؟ حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ابن مسعودؓ پر رحم کرے، انہوں نے یہ بات اس بناء پر کہی ہے کہ لوگ بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں ورنہ تو جہاں تک حقیقت کا

تعلق ہے ابن مسعودؓ جانتے تھے کہ شب قدر رمضان میں آتی ہے اور رمضان کے آخری عشرہ کی ایک رات شب قدر ہوتی ہے اور وہ رات ستائیسویں شب ہے، پھر ابن مسعودؓ نے ایسی قسم کھائی جس کے ساتھ انشاء اللہ نہ کہا کہ "بلاشبہ لیلۃ القدر ستائیسویں شب ہے" میں نے عرض کیا ابومنذرؓ! (یہ ابی بن کعب کی کنیت ہے) آپ یہ بات کس دلیل کی بنا پر کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اس علامت یا نشانی کی بناء پر جو ہمیں رسول کریم ﷺ نے بتائی ہے کہ اس رات کی صبح آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں روشنی نہیں ہوتی (چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ ستائیسویں شب کی صبح آفتاب طلوع ہوا تو اس میں روشنی نہیں تھی)۔" (مسلمؒ)

تشریح: ان لا یتکل الناس (تاکہ لوگ بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں) کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ یہ قول صحیح ہے کہ لیلۃ القدر ستائیسویں شب ہے اور ظن غالب کے اعتبار سے اس پر فتوی بھی ہے مگر ابن مسعودؓ نے اس کو متعین اس لئے نہیں کیا کہ کہیں لوگ اس قول پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں اور یہ جان کر کہ لیلۃ القدر ستائیسویں شب ہی ہے صرف اسی رات میں عبادت کے لئے شب بیداری کریں اور بقیہ راتوں کی شب بیداری ترک کر دیں چنانچہ انہوں نے زیادہ سے زیادہ راتوں میں لوگوں کو شب بیداری کی طرف راغب کرنے کے لئے کہا کہ لیلۃ القدر سال کی کسی شب میں بھی آسکتی ہے۔

ستائیسویں شب کو لیلۃ القدر قرار دینے کے سلسلہ میں ابی بن کعبؓ کا قسم کھانا ظن غالب کی بنا پر تھا اسی لئے انہوں نے قسم کھاتے ہوئے انشاء اللہ نہیں کہا، کیونکہ اگر کوئی شخص قسم کھاتے ہوئے انشاء اللہ بھی کہہ دے تو نہ صرف یہ کہ قسم جزماً (یقینی) نہیں ہوتی بلکہ شرعی طور پر وہ منعقد بھی نہیں ہوتی، لہٰذا حضرت ابی ابن کعبؓ نے قسم کھائی اور انشاء اللہ نہیں کہا تاکہ قسم جزماً ہو۔

اس حدیث میں شب قدر کی ایک علامت بتائی گئی ہے اور وہ یہ کہ جس رات میں شب قدر ہوتی ہے اس کی صبح سورج جب طلوع ہوتا ہے تو کچھ دیر تک اس میں شعاعیں نہیں ہوتیں چنانچہ بعض ارباب نظر فرماتے ہیں کہ یہ علامت ایسی ہے جس کے واقع ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں مجاہدہ

(۶) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَالَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں جس قدر ریاضت و مجاہدہ کرتے اتنا مجاہدہ اور کسی مہینہ میں نہیں کرتے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت و اطاعت بہت زیادہ کرتے تھے کیونکہ اسی عشرہ میں لیلۃ القدر کی عظیم سعادت حاصل ہوتی ہے۔

(۷) وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ وَاَحْيٰى لَيْلَهُ وَاَيْقَظَ اَهْلَهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب (رمضان) کا آخری عشرہ آتا تو نبی کریم ﷺ اپنا تہبند مضبوط باندھتے، رات کو زندہ کرتے اور اپنے اہل و عیال کو جگاتے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "تہبند مضبوط باندھتے" یہ دراصل اس بات سے کنایہ ہے کہ آپ ﷺ آخری عشرہ میں اپنی عادت اور اپنے معمول سے بھی بہت زیادہ عبادت و مجاہدہ کیا کرتے تھے، یا یہ اس بات سے بھی کنایہ ہوسکتا ہے، کہ اس عشرہ میں آپ ﷺ اپنی عورتوں سے الگ رہتے تھے یعنی صحبت و مباشرت سے اجتناب فرماتے تھے۔

"رات کو زندہ کرتے" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ رات کے اکثر حصہ میں یا پوری رات نماز، ذکر اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے۔ اس موقع پر یہ بات ملحوظ رہے کہ ایک روایت میں جو یہ منقول ہے کہ انَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ماسهر جميع الليل كله (آنحضرت ﷺ پوری رات شب بیداری نہیں فرماتے) تو اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ اکثر پوری رات شب بیداری نہیں فرماتے تھے، لہٰذا ایک دو رات یا دس راتیں پوری طرح شب بیداری میں گزار دینا اس روایت کے منافی نہیں ہے۔

"اور اپنے اہل و عیال کو جگاتے" یعنی آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات، صاحبزادیوں، لونڈیوں اور غلاموں کو آخری عشرہ کی بعض راتوں میں شب بیداری کی تلقین فرماتے اور انہیں عبادت خداوندی میں مشغول رکھتے تاکہ لیلۃ القدر کی سعادت انہیں بھی حاصل ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

لیلۃ القدر کی دعا

⑧ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَيُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِيْهَا قَالَ قُوْلِيْ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ۔

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ اگر میں شب قدر کو پالوں، تو اس میں کیا دعا مانگوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ دعا مانگو، اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے لہٰذا تو مجھے معاف فرما دے۔" (احمدؒ، ابن ماجہؒ، ترمذیؒ)

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ یہ دعا دنیا اور آخرت کی تمام خیر و بھلائی کے لئے جامع ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے معاملہ میں عفو و درگزر اور مغفرت و بخشش ہی وہ سب سے عظیم سعادت ہے جو ہر خیر و بھلائی کا نقطۂ عروج ہے چنانچہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے۔ کہ بندہ کی طرف سے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی سوال طلب عافیت و بخشش سے افضل نہیں ہے۔

شب قدر کی راتیں

⑨ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِلْتَمِسُوْهَا يَعْنِيْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِيْ تِسْعٍ يَبْقَيْنَ اَوْفِيْ سَبْعٍ يَبْقَيْنَ اَوْفِيْ خَمْسٍ يَبْقَيْنَ اَوْثَلَاثٍ اَوْاٰخِرِ لَيْلَةٍ (رواه الترمذی)

"اور حضرت ابوبکرہؓ راوی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شب قدر کو (رمضان کی) باقی ماندہ نویں رات (یعنی اکیسویں شب میں) تلاش کرو یا باقی ماندہ ساتویں رات (یعنی ستائیسویں شب) میں یا باقی ماندہ پانچویں رات (یعنی پچیسویں شب) میں یا باقی ماندہ تیسری رات (ستائیسویں شب) میں اور یا آخری شب میں۔" (ترمذیؒ)

شب قدر رمضان میں آتی ہے

⑩ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ فَقَالَ هِيَ فِيْ كُلِّ رَمَضَانَ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ رَوَاهُ سُفْيَانُ وَشُعْبَةُ عَنْ اَبِيْ اِسْحَاقَ مَوْقُوْفًا عَلَى ابْنِ عُمَرَ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے شب قدر کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "وہ ہر رمضان میں آتی

ہے" امام ابوداؤدؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کو سفیان اور شعبہ نے ابی اسحٰق سے اور انہوں نے ابن عمرؓ سے موقوفاً نقل کیا ہے۔"

تشریح: "ہر رمضان" کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ کوئی رمضان شب قدر سے خالی نہیں جاتا یعنی ہر سال جب رمضان آتا ہے تو اس میں شب قدر بھی آتی ہے، دوسرے معنی یہ ہیں کہ شب قدر رمضان کے پورے مہینہ میں کسی بھی رات میں آسکتی ہے، آخری عشرہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے لیکن اس معنی کے پیش نظر یہ تاویل کی جائے گی کہ پہلے تو آنحضرت ﷺ کو یہی معلوم ہوا تھا کہ شب قدر پورے رمضان میں کسی بھی رات میں آسکتی ہے مگر بعد میں یہ ثابت ہو گیا کہ اس مقدس شب کا حامل صرف آخری عشرہ ہی ہے۔ آخری عشرہ کے علاوہ اور کسی حصہ میں شب قدر نہیں آتی۔

شب قدر تئیسویں شب

⑪ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ بَادِيَةً اَكُوْنُ فِيْهَا وَاَنَا اُصَلِّيْ فِيْهَا بِحَمْدِ اللّٰهِ فَمُرْنِيْ بِلَيْلَةٍ اَنْزِلُهَا اِلٰى هٰذَا الْمَسْجِدِ فَقَالَ اَنْزِلْ لَيْلَةَ ثَلَاثٍ وَعِشْرِيْنَ قِيْلَ لِابْنِهٖ كَيْفَ كَانَ اَبُوْكَ يَصْنَعُ قَالَ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ اِذَا صَلَّى الْعَصْرَ فَلَا يَخْرُجُ مِنْهُ لِحَاجَةٍ حَتّٰى يُصَلِّيَ الصُّبْحَ فَاِذَا صَلَّى الصُّبْحَ وَجَدَ دَابَّتَهٗ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَلَحِقَ بِبَادِيَتِهٖ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن انیسؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا مکان جنگل میں ہے میں وہیں رہتا ہوں اور وہیں نماز پڑھتا ہوں خدا کا شکر ہے، لہٰذا آپ ﷺ مجھے اس رات کے بارہ میں بتایئے جس میں میں اس مسجد میں آؤں (یعنی بتایئے کہ شب قدر کون سی ہے تاکہ میں اس رات میں مسجد نبوی ﷺ آکر عبادت کروں) آپ ﷺ نے فرمایا (رمضان کی) تیئسویں شب میں آؤ (اس کے بعد) حضرت عبداللہؓ کے صاحبزادے سے (کہ جن کا نام ضمرہ تھا) پوچھا گیا کہ اس سلسلہ میں آپ کے والد مکرم کا کیا معمول تھا، تو انہوں نے کہا کہ (رمضان کی بائیسویں تاریخ کو) میرے والد عصر کی نماز پڑھ کے مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوتے اور صبح کی نماز تک کسی بھی کام سے (جو اعتکاف کے منافی ہوتا) مسجد سے باہر نہ نکلتے چنانچہ جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو مسجد کے دروازے پر اپنی سواری کا جانور موجود پاتے اس پر سوار ہوتے اور اپنے جنگل میں چلے جاتے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس موقع پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس روایت سے لیلۃ القدر کا تعین لازم آتا ہے جب کہ وہ متعین نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہؓ کو جس سال یہ بات بتائی تھی اس سال لیلۃ القدر تیئسویں شب میں آئی ہوگی جس کا علم آنحضرت ﷺ کو ہو گیا چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے فرمادیا کہ تیئسویں شب میں مسجد نبوی میں آجانا مگر حضرت عبداللہؓ اس سے یہ سمجھے کہ شب قدر ہر سال اسی تاریخ میں آتی ہے۔ اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بھی شب قدر متعین طور پر معلوم نہیں تھی تو اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ہر سال کی شب قدر کی تعیین معلوم نہیں تھی لہٰذا آپ ﷺ کو کبھی کبھی شب قدر کا متعین طور پر معلوم ہو جانا اس کے منافی نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت کو شب قدر کا علم اور اس کا نسیان

⑫ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ خَرَجْتُ لِاُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰى فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسٰى اَنْ يَكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ

فَالْتَمِسُوْھَا فِی التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ (رواہ البخاری)

"حضرت عبادہ ابن صامتؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے تاکہ ہمیں شب قدر کے بارہ میں بتائیں کہ مسلمانوں میں سے دو شخص جھگڑنے لگے آپ ﷺ نے فرمایا میں باہر آیا تھا کہ تمہیں شب قدر کے بارہ میں بتاؤں (کہ وہ کون سی شب ہے) مگر فلاں اور فلاں جھگڑنے لگے۔ چنانچہ شب قدر کی تعیین اٹھالی گئی، اور شاید تمہارے لئے یہی بہتر ہو۔ لہٰذا تم شب قدر کو انتیسویں، ستائیسویں اور پچیسویں شب میں تلاش کرو۔" (بخاریؒ)

تشریح: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ وہ دو اشخاص جو اس موقع پر جھگڑنے لگے تھے ان میں سے ایک کا نام عبداللہ ابن ابی حدرد اور دوسرے کا نام کعب ابن مالک تھا۔

"شب قدر کی تعیین اٹھالی گئی" کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں اشخاص کے جھگڑنے کی وجہ سے شب قدر کے تعیین کا علم میرے ذہن سے محو کر دیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ آپس میں جھگڑنا اور منافرت و دشمنی اختیار کرنا بہت بری بات ہے اس کی وجہ سے آدمی برکات اور بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

"شاید تمہارے لئے یہی بہتر ہوگا" کا مطلب یہ ہے شب قدر کے بارہ میں جو متعین طور پر مجھے بتادی گئی تھی اور اب وہ بھلادی گئی ہے اگر میں تمہیں بتا دیتا تو تم لوگ صرف اسی شب پر بھروسہ کر کے بیٹھ جاتے، اب اس کے تعیین کا علم نہ ہونے کی صورت میں نہ صرف یہ کہ تم لوگ اسے پانے میں بہت زیادہ سعی و کوشش کرو گے بلکہ عبادات و طاعت میں زیادتی بھی ہوگی جو ظاہر ہے کہ تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے۔

شب قدر کی فضیلت

⑬ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ لَیْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِیْلُ فِیْ کَبْکَبَةٍ مِنَ الْمَلَائِکَةِ یُصَلُّوْنَ عَلٰی کُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْقَاعِدٍ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ عِیْدِھِمْ یَعْنِیْ یَوْمَ فِطْرِھِمْ بَاھٰی بِھِمْ مَلَائِکَتَہٗ فَقَالَ یَا مَلَائِکَتِیْ مَا جَزَاءُ اَجِیْرٍ وَفّٰی عَمَلَہٗ قَالُوْا رَبَّنَا جَزَاؤُہٗ اَنْ یُوَفّٰی اَجْرُہٗ قَالَ مَلَائِکَتِیْ عَبِیْدِیْ وَاِمَائِیْ قَضَوْا فَرِیْضَتِیْ عَلَیْھِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا یَعُجُّوْنَ اِلَی الدُّعَاءِ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَکَرَمِیْ وَعُلُوِّیْ وَارْتِفَاعِ مَکَانِیْ لَاُجِیْبَنَّھُمْ فَیَقُوْلُ ارْجِعُوْا قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ وَبَدَّلْتُ سَیِّئَاتِکُمْ حَسَنَاتٍ قَالَ فَیَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّھُمْ۔ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" جب شب قدر آتی ہے تو (اس رات میں) حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی جماعت کے جلو میں اترتے ہیں اور ہر اس بندے کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہیں جو کھڑا ہوا (نماز پڑھتا، طواف کرتا یا اور کوئی عبادت کرتا) ہوتا ہے یا بیٹھا ہوا (اللہ عزوجل کی یاد اور اس کے ذکر میں مشغول) ہوتا ہے، پھر جب ان (مسلمانوں) کا عید (یعنی عید الفطر) کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کی وجہ سے اپنے (ان) فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے (جنہوں نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت بنی آدم کو مطعون کیا تھا) اور فرماتا ہے کہ میرے فرشتو! اس مزدور کے لئے کیا اجر ہے جس نے اپنا کام پورا کر لیا ہو؟" فرشتے عرض کرتے ہیں کہ "اے ہمارے پروردگار اس کا اجر یہ ہے کہ اسے اس کے کام کی پوری پوری اجرت دی جائے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" فرشتو! (تو سنو کہ) میرے بندے اور میری بندیوں نے میرا وہ فرض ادا کیا جو ان پر تھا (یعنی روزہ) پھر وہ (اپنے گھروں سے عید گاہ کی طرف) دعا کے لئے گڑ گڑاتے چلاتے نکلے، قسم ہے اپنی عزت اور اپنے جلال کی، اپنے کرم اور اپنی بلند قدری کی اور اپنی بلند مرتبہ کی، میں ان کی دعا ضرور قبول کروں گا، پھر اللہ تعالیٰ (بندوں سے) فرماتا ہے کہ وہ (اپنے گھروں کو) واپس ہو جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا اور میں نے تمہاری برائیاں نیکیوں میں بدل دی ہیں تمہارے نامۂ اعمال میں ہر برائی کے بدلہ ایک نیکی لکھ دی گئی ہے" اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا چنانچہ

مسلمان عید گاہ سے اپنے گھروں کو اس حالت میں واپس ہوتے ہیں کہ ان کے گناہ بخشے جا چکے ہوتے ہیں۔" (بیہقی)

بَابُ الْاِعْتِكَافِ

اعتکاف کا بیان

لغوی طور پر اعتکاف کے معنی ہیں "ایک جگہ ٹھہرنا اور کسی مکان میں بند رہنا" اور اصطلاح شریعت میں اعتکاف کا مفہوم ہے "اللہ رب العزت کی رضا و خوشنودی کی خاطر اعتکاف کی نیت کے ساتھ کسی جماعت والی مسجد میں ٹھہرنا"۔

اعتکاف کے لئے نیت اسی مسلمان کی معتبر ہے جو عاقل ہو اور جنابت اور حیض و نفاس سے پاک و صاف ہو، رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف سنت مؤکدہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں ہمیشہ اعتکاف فرماتے تھے، در مختار میں لکھا ہے سُنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے یعنی اگر ایک شخص بھی اعتکاف کر لے تو سب کی طرف سے حکم ادا ہو جاتا ہے اور اس صورت میں اعتکاف نہ کرنے والوں پر کوئی ملامت نہیں۔

اعتکاف کے لئے زبان سے نذر ماننے سے اعتکاف واجب ہو جاتا ہے خواہ فی الحال ہو جیسے کہ کوئی کہے میں اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے اوپر اتنے دنوں کا اعتکاف لازم کرتا ہوں، اور خواہ معلق ہو جیسے کوئی کہے کہ میں یہ نذر مانتا ہوں کہ اگر میرا کام ہو جائے گا تو میں اتنے دنوں اعتکاف کروں گا۔ گویا اعتکاف کی یہ دو قسمیں ہوئیں یعنی ایک تو سُنت مؤکدہ جو رمضان کے آخری عشرہ میں ہے اور دوسرا واجب جس کا تعلق نذر سے ہے، ان دو قسموں کے علاوہ تیسری قسم "مستحب" ہے یعنی رمضان کے آخری عشرہ کے سوا اور کسی زمانہ میں خواہ رمضان کا پہلا، دوسرا عشرہ ہو یا اور کوئی مہینہ ہو اعتکاف کرنا مستحب ہے۔

اعتکاف مستحب کے لئے اکثر (زیادہ سے زیادہ) مدت کوئی مقدار متعین نہیں ہے، اگر کوئی شخص تمام عمر کے اعتکاف کی بھی نیت کرلے تو جائز ہے البتہ اقل "کم سے کم) مدت کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، امام محمدؒ کے نزدیک اعتکاف مستحب کے لئے کم سے کم مدت کی بھی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، دن و رات کے کسی بھی حصہ میں ایک منٹ بلکہ اس سے بھی کم مدت کے لئے اعتکاف کی نیت کی جاسکتی ہے، امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ظاہری روایت بھی یہی ہے اور حنفیہ کے یہاں اسی قول پر فتویٰ ہے لہٰذا ہر مسلمان کے لئے مناسب ہے کہ وہ جب بھی مسجد میں داخل ہو، (خواہ نماز کے لئے یا اور کسی مقصد کے لئے) تو اس طرح اعتکاف کی نیت کرلے کہ "میں اعتکاف کی نیت کرتا ہوں جب تک کہ مسجد میں ہوں"۔

اسی طرح بلا کسی مشقت و محنت کے دن میں کئی مرتبہ اعتکاف کی سعادت و فضیلت حاصل ہو جایا کرے گی، حضرت امام ابویوسفؒ کے نزدیک اقل مدت دن کا اکثر حصہ یعنی نصف دن سے زیادہ ہے، نیز حضرت امام اعظمؒ کا ایک اور قول یہ ہے کہ اعتکاف کی اقل مدت ایک دن ہے، یہ قول حضرت امام اعظمؒ کی مذکورہ بالا ظاہری روایت کے علاوہ ہے جس پر فتویٰ نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عورتیں اپنے گھروں میں اعتکاف کریں

① عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اِعْتَكَفَ اَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهٖ (متفق علیہ)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس

دنیا سے اٹھایا، پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اپنے گھروں میں اعتکاف کیا کرتی تھیں اسی لئے فقہائے نے لکھا ہے کہ عورتوں کے لئے مستحب ہے کہ وہ مسجد البیت (گھر کی مسجد) میں اعتکاف کریں اگر مسجد البیت نہ ہو تو مکان کے کسی حصہ کو مسجد قرار دے کر اس میں اعتکاف کریں بلاضرورت اس حصہ سے باہر نہ نکلیں، مکان کا وہ حصہ ہی ان کے حق میں مسجد کے حکم میں ہو جائے گا چنانچہ عورتوں کو مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔

رمضان میں خیر و بھلائی میں اضافہ فرماتے

(۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدُ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ كَانَ جِبْرِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ كَانَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ تمام لوگوں میں خیر و بھلائی کے معاملہ میں بہت سخی تھے اور (خصوصاً) رمضان میں تو بہت سخاوت کرتے تھے، رمضان کی ہر شب میں حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس آتے اور آپ ﷺ ان کے سامنے (تجوید کے ساتھ) قرآن کریم پڑھتے چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات کے وقت آپ ﷺ کی سخاوت ہوا کے جھونکوں سے بھی بڑھ جاتی تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مخلوق خدا کو اوروں کی بہ نسبت بہت زیادہ نفع پہنچاتے تھے اور لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ بھلائی کرتے تھے خاص طور پر رمضان کے مقدس ماہ آپ ﷺ کا یہ وصف معمول سے بھی زیادہ عروج پر ہوتا تھا کیونکہ یہ ماہ "ایام برکت" ہیں ان میں ہر نیکی اور دنوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اجر و ثواب سے نوازی جاتی ہے۔

"ہوا کے جھونکوں" سے مراد وہ ہوا ہے جو بارش اور مینہ لے کر آتی ہے اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ بارش لانے والی ہوا کا نفع عام ہوتا ہے اور بہت ہوتا ہے مگر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ملاقات کے وقت دوسروں کو نفع پہنچانے اور دوسروں کو بھلائی کا آپ ﷺ کا جذبہ اور آپ کا عمل اس ہوا سے بھی بڑھ جاتا تھا گویا یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ بابرکت اور افضل اوقات میں نیز مقدس و نیک لوگوں کو صحبت کے وقت انسان کو خیر و بھلائی کرنے میں زیادہ کوشش کرنی چاہئے۔

بظاہر یہ حدیث "باب الاعتکاف" سے متعلق نظر نہیں آتی لیکن اس باب میں اس حدیث کو اس لئے نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان میں اعتکاف بھی کرتے تھے جو ایک بڑے درجہ کی نیکی ہے اور اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ رمضان میں بہت زیادہ نیکی و بھلائی کرتے تھے۔

رمضان میں حضرت جبرئیل کے ساتھ آنحضرت کا دور

(۳) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ يَعْرِضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنُ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعُرِضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِيْ قُبِضَ وَكَانَ يَعْتَكِفُ كُلَّ عَامٍ عَشْرًا فَاعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ فِي الْعَامِ الَّذِيْ قُبِضَ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہر سال ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے سامنے قرآن کریم پڑھا جاتا تھا (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام پڑھتے تھے) لیکن جس سال کہ آنحضرت ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے آپ کے سامنے دو مرتبہ قرآن کریم پڑھا گیا، اسی طرح آنحضرت ﷺ ہر سال دس دن اعتکاف فرماتے تھے لیکن جس سال کہ آپ کا وصال ہوا آپ نے بیس دن اعتکاف کیا۔" (بخاریؒ مسلمؒ)

تشریح: اس سے پہلے کی حدیث سے تو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ حضرت جبرئیل ؑ کے سامنے قرآن پڑھا کرتے تھے اور یہ حدیث یہ بتا رہی ہے کہ حضرت جبرئیل ؑ آپ ﷺ کے سامنے قرآن پڑھتے تھے مگر ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ایک مرتبہ تو حضرت جبرئیل ؑ قرآن پڑھتے ہوں گے اور پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ حضرت جبرائیل ؑ کے سامنے تلاوت فرماتے ہوں گے جیسا کہ دو حافظ دور کرتے (آپس میں ایک دوسرے کو قرآن سناتے) ہیں گویا اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ دور کرنا بھی سنت ہے۔

آپ نے اپنی زندگی کے آخری سال میں خلاف معمول دو مرتبہ قرآن کریم کا دور کیا اور بیس دن اعتکاف میں گزارے کیونکہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں حاضری کا وقت قریب تھا اور منزل شوق سامنے! پھر وہ عشق کی ساری بے تابیاں اور وصال محبوب کا شوق کچھ اور فزوں کیوں نہ ہو جاتا سچ کہا ہے کہنے والے نے ۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیز تر گردد

(محبوب سے ملاقات کا وعدہ جب پورا ہونے کو ہوتا ہے تو آتش شوق زیادہ سے زیادہ بھڑک اٹھتی ہے)۔

آپ ﷺ کے اس عمل میں اُمت کے لئے ایک لطیف انتباہ ہے کہ وہ ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ جب وہ اپنی زندگی کے آخری دور میں پہنچے تو نیکی و بھلائی کے راستہ پر معمول سے بھی زیادہ تیز گام ہو جائے اور اللہ رب العزت کی ملاقات اور اس کے سامنے اپنی پیشی کے لئے اطاعت و فرمانبرداری اور نیکوکاری کے ذریعہ پوری پوری تیاری کرے۔

آداب و شرائط اعتکاف

④ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِذَا اعْتَكَفَ اَدْنٰى اِلَيَّ رَأْسَهٗ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَاُرَجِّلُهٗ وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ اِلَّا لِحَاجَةِ الْاِنْسَانِ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب اعتکاف کی حالت میں ہوتے تو مسجد میں بیٹھے بیٹھے اپنا سر مبارک میری طرف کر دیتے اور میں (آپ ﷺ کے بالوں میں) کنگھی کر دیتی نیز آپ ﷺ حاجت انسانی کے علاوہ گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر معتکف (اعتکاف کرنے والا) اپنا کوئی عضو مسجد سے باہر نکالے تو اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا نیز اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ معتکف کے لئے کنگھی کرنا جائز ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اگر معتکف اپنے جسم کا کوئی عضو مسجد کے اندر کسی برتن میں دھوئے تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس سے مسجد آلودہ نہ ہو۔

"حاجت انسانی" کے ضمن میں حضرت امام اعظمؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر معتکف (اعتکاف کرنے والا) بغیر حاجت (ضرورت) ایک منٹ کے لئے بھی معتکف (اعتکاف کی جگہ) سے نکلے گا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

"حاجت یا ضرورت" کی دو قسمیں ہیں اول طبعی جیسے پاخانہ پیشاب اور غسل جنابت (یعنی احتلام ہو جانے کی صورت میں غسل پاکی) البتہ جمعہ کے غسل کے بارہ میں کوئی صریح روایت منقول نہیں ہے مگر "شرح اوراد" میں لکھا ہے کہ غسل کے لئے معتکف سے باہر نکلنا جائز ہے غسل خواہ واجب ہو (جیسے غسل جنابت) یا نفل ہو (جیسے غسل جمعہ وغیرہ)۔

دوم "شرعی" جیسے نماز عیدین اور آذان، یعنی اگر اذان کہنے کی جگہ مسجد سے باہر ہو تو وہاں جانا بھی "حاجت" کے ضمن میں آتا ہے اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوگا پھر یہ کہ صحیح روایت کے بموجب اس حکم میں مؤذن اور غیر مؤذن دونوں شامل ہیں نماز جمعہ کے لئے باہر نکلنا بھی "حاجت یا ضرورت" کے تحت آتا ہے۔

لیکن اس بارہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ نماز جمعہ کے لئے اپنے معتکف سے زوال آفتاب کے وقت نکلے یا اگر جامع مسجد دور ہو تو ایسے

وقت نکلے کہ جامع مسجد پہنچ کر جمعہ کی نماز تحیۃ المسجد جمعہ کی سُنت کے ساتھ پڑھ سکے، نماز کے بعد کی سُنت پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے اور اگر کوئی شخص نماز سے زیادہ وقت کے لئے جامع مسجد میں ٹھہرے گا تو اگرچہ اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا مگر یہ مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح اگر کسی معتکف کے ہاں خادم وملازم وغیرہ نہ ہو تو کھانا کھانے یا کھانا لانے کے لئے گھر جانا بھی "ضرورت میں داخل ہے۔

اگر مسجد گرنے لگے، یا کوئی شخص زبردستی مسجد سے باہر نکالے اور معتکف اسی وقت اپنے معتکف سے نکل کر فوراً ہی کسی دوسری مسجد میں داخل ہو جائے تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا استحساناً (بدائع) ایسے ہی اگر کوئی معتکف جان یا مال کے خوف سے کسی دوسری مسجد میں چلا جائے تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔

کوئی معتکف پیشاب و پاخانہ یا اپنی کسی دوسری طبعی و شرعی ضرورت کے تحت معتکف سے باہر نکلا اور وہاں اس کے قرض خواہ مل گیا جس نے اسے ایک منٹ کے لئے بھی روک لیا تو حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا جب کہ صاحبینؒ حضرت امام ابویوسف اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ فاسد نہیں ہوگا۔

کوئی شخص پانی میں ڈوب رہا ہو یا کوئی آگ میں جل رہا ہو اور معتکف اسے بچانے کے لئے باہر نکلے یا جہاد کے لئے جب کہ نفیر عام ہو اور یا گواہی وشہادت دینے کے لئے اپنا معتکف چھوڑ کر باہر آجائے تو ان صورتوں میں اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ غرضیکہ طبعی و شرعی حاجت وضرورت کے تحت مذکورہ بالا جو عذر بیان کیے گئے ہیں ان کے علاوہ اگر کوئی معتکف ایک منٹ کے لئے بھی باہر نکلے گا اگرچہ اس کا نکلنا سہواً ہی کیوں نہ ہو تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا البتہ صاحبینؒ کے ہاں اتنی آسانی ہے کہ اس کا اعتکاف اسی وقت فاسد ہو گا جب کہ وہ دن کا اکثر حصہ باہر نکلا رہے۔

مذکورہ بالا حدیث سے ایک مسئلہ یہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ معتکف کے لئے مسجد میں حجامت بنوانی جائز ہے بشرطیکہ مسجد میں بال وغیرہ نہ گریں۔

بحالت جاہلیت مانی گئی نذر کو پورا کرنے کا مسئلہ

(۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اَنْ اَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ فَاَوْفِ بِنَذْرِكَ (متفق علیه)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ، میں نے جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ ایک رات (اور ایک دن جیسا کہ دوسری روایت میں وضاحت ہے) مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا (تو کیا وہ نذر پوری کرنی میرے لئے ضروری ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اپنی نذر پوری کرو"۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "جاہلیت" اس حالت کو کہتے ہیں جس میں اہل عرب آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے تھے بعض حضرات کہتے ہیں کہ "جاہلیت" سے مراد وہ حالت ہے جو اسلام کی تبلیغ عام اور اس کے ظہور سے پہلے تھی، حاصل یہ کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت اور اسلام کے ظہور سے قبل عرب میں جو معاشرہ تھا اسے "جاہلیت" اور اس وقت جو دور تھا اسے "زمانہ جاہلیت" کہا جاتا ہے۔

ارشاد گرامی "اپنی نذر پوری کرو" میں یہ حکم بطور استحباب تھا اگر حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کرنے سے قبل نذر مانی تھی اور اگر اسلام قبول کرنے کے بعد یہ نذر مانی تھی تو پھر یہ حکم بطور وجوب تھا۔

علامہ طیبیؒ کے مطابق یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ "بحالت جاہلیت" مانی گئی نذر اگر اسلام کے احکام کے موافق ہوگی تو اسلام قبول کرنے کے بعد اس نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہی ہے مگر حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ

فرماتے ہیں کہ وہ نذر صحیح ہی نہیں ہوگی چہ جائیکہ اسلام کے بعد اس کا پورا کرنا ضروری ہو؟ امام اعظمؒ کی دلیل فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے، اس حدیث کے وہ وہی معنی مراد لیتے ہیں جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں۔

اعتکاف واجب کے لئے روزہ شرط ہے

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے روزہ شرط نہیں ہے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک بروایت ظاہریہ ہے کہ نفل اعتکاف کے لئے تو روزہ شرط نہیں ہے لیکن اعتکاف واجب کے لئے واجب ہے، صاحبینؒ کا بھی یہی قول ہے اور حنفیہ کے یہاں اسی پر فتویٰ ہے حضرت امام مالکؒ اور ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت امام اعظمؒ بھی یہ فرماتے ہیں کہ مطلقاً اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے خواہ واجب ہو یا نفل۔

حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اعتکاف کے سلسلہ میں اس کے علاوہ جو اور روایتیں منقول ہیں ان میں اعتکاف کے ساتھ روزہ بھی ذکر ہے چنانچہ ابوداؤد نسائی اور دار قطنیؒ نے جو روایت نقل کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے "جاہلیت" میں اپنے اوپر یہ لازم کیا کہ ایک رات (اور ایک دن یا صرف ایک دن) کعبہ کے اندر اعتکاف کریں گے پھر جب انہوں نے اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اعتکاف کرو اور روزہ رکھو" یہ تو گویا اس حدیث کا جواب تھا جہاں تک حنفیہ کی دلیل کا تعلق ہے تو ابھی آگے حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث ولا اعتکاف الا بصوم آرہی ہے جس سے یہ بات وضاحت کے ساتھ ثابت ہو جائے گی کہ اعتکاف واجب بغیر روزہ کے صحیح نہیں ہوتا، چنانچہ اگر کوئی شخص نذر مان کر صرف رات کے اعتکاف کی نیت کرے تو وہ لغو سمجھی جائے گی کیونکہ رات روزے کا محل نہیں ہے ہاں اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ میں رمضان میں اعتکاف کروں گا تو رمضان کے روزے اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے کافی ہو جائیں گے، اسی طرح اگر کسی شخص نے نفل روزہ رکھا اور پھر اس دن اعتکاف کی نذر کی تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔

اگر کسی شخص نے نذر مانی کہ فلاں رمضان میں اعتکاف کروں گا مگر اس نے اس متعین رمضان میں اعتکاف نہیں کیا تو اب اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ بطور قضا دوسرے دنوں میں اعتکاف کرے اور مستقل طور پر اعتکاف کے لئے روزے رکھے، چنانچہ یہ قضا نہ کسی دوسرے رمضان میں صحیح ہوگی اور نہ ایسے دنوں میں جس میں کوئی اور واجب روزہ رکھ رہا ہو خواہ وہ واجب روزے رمضان کے قضا روزے ہوں یا کسی اور طرح کے۔

اگر کوئی شخص کئی دنوں کے اعتکاف کی نیت کرے تو ان دنوں کی راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہو جاتا ہے اسی طرح دو دنوں کے اعتکاف کی نذر ماننے سے ان کی دو راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہو جاتا ہے لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں صرف ایک رات ہی کا اعتکاف لازم ہوتا ہے۔

اگر کوئی شخص نذر مانے کہ میں ایک مہینہ کا اعتکاف کروں گا تو اس پر ایک مہینہ کا اعتکاف علی الاتصال لازم ہوگا، چاہے اس نے نذر مانتے وقت "علی الاتصال" نہ کہا ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

سُنّت مؤکدہ کی قضا

(٦) عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْتَکِفُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ یَعْتَکِفْ عَامًا فَلَمَّا کَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اعْتَکَفَ عِشْرِیْنَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ۔

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے، ایک سال (غالباً کسی عذر کی بناء پر) آپ نے اعتکاف نہیں کیا، جب دوسرا سال آیا تو آپ ﷺ نے (اس رمضان میں) بیس دن اعتکاف کیا (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ) اور ابن ماجہؒ نے اس روایت کو ابی بن کعب سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: غالباً یہ حدیث اس گزشتہ روایت کی وضاحت ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری سال میں بیس دن اعتکاف فرمایا علامہ طیبیؒ کے مطابق یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر سُنّت مؤکدہ فوت ہو جائیں تو ان کی بھی قضا کی جائے جیسا کہ فرائض کی قضا کی جاتی ہے، لیکن اس بارہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ تشبیہ صرف "قضا" کے بارہ میں ہے ورنہ تو فرائض کی قضا بھی فرض ہے اور سنن مؤکدہ کی قضا سُنّت ہے فرض یا واجب نہیں ہے۔

اعتکاف کی ابتداء

⑦ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِيْ مُعْتَكَفِهِ (رواه ابوداؤد وابن ماجه)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو فجر کی نماز پڑھتے اس کے بعد اعتکاف کی جگہ میں داخل ہو جاتے۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: امام اوزاعیؒ اور امام ثوریؒ نے اس حدیث کو اپنے اس مسلک کی دلیل قرار دیا ہے کہ اعتکاف کی ابتداء دن کے ابتدائی حصہ سے ہونی چاہئے جب کہ چاروں ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مہینہ یا ایک عشرہ وغیرہ کا اعتکاف کرے تو اعتکاف کی ابتداء دن کے آخر حصہ یعنی غروب آفتاب سے پہلے کرے اور اعتکاف کے آخری دن غروب آفتاب کے بعد اعتکاف سے باہر آئے اس لئے اس حدیث کی تاویل کی جاتی ہے، کہ آنحضرت ﷺ اعتکاف کی نیت کے ساتھ غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں آجاتے تھے، رات بھر مسجد میں رہتے اس کے بعد جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو مسجد کے اس حصہ میں داخل ہو جاتے جو بوریے وغیرہ سے گھیر کر ایک حجرہ کی شکل میں بنا دیا جاتا تھا تاکہ لوگوں سے الگ رہیں، لہٰذا آپ ﷺ کے اعتکاف کی ابتداء تو مغرب کے وقت ہی سے ہوتی تھی، اور معتکف میں صبح کو داخل ہوتے تھے۔

اعتکاف کی حالت میں مریض کی عیادت

⑧ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَيَمُرُّ كَمَا هُوَ فَلَا يُعَرِّجُ يَسْأَلُ عَنْهُ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اعتکاف کی حالت میں (جب حاجت کے لئے باہر نکلتے) تو مریض کی عیادت فرماتے (جو مسجد سے باہر کسی جگہ ہوتا) چنانچہ آپ ﷺ جس طرح ہوتے ویسے ہی گزرتے اس کے پاس ٹھہرتے نہیں تھے (صرف) اس کو پوچھ لیتے تھے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "آپ ﷺ جس طرح ہوتے ویسے ہی گزرتے" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ جس ہیئت کذائی پر ہوتے اسی طرح مریض کے پاس سے گزر جاتے نہ تو آپ ﷺ کسی اور طرف میلان کرتے تھے اور نہ ٹھہرتے تھے بلکہ سیدھے پوچھتے ہوئے چلے جاتے تھے۔

لفظ فَلَا يُعَرِّجُ ماقبل کے اجمال کی وضاحت ہے چنانچہ اس لفظ کے معنی یہ ہیں کہ نہ تو آپ ﷺ مریض کے پاس ٹھہرتے اور نہ اپنے راستہ سے ہٹ کر کسی اور طرف متوجہ ہوتے۔ اسی طرح لفظ یسأل بطریق استیناف بیان ہے لفظ یعود کا۔

حسنؒ اور نخعیؒ کہتے ہیں کہ نماز جمعہ اور کسی مریض کی عیادت کے لئے معتکف سے نکلنا جائز ہے۔ مگر چاروں ائمہ کے یہاں اس سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی طبعی یا شرعی ضرورت کے لئے باہر نکلے اور اس درمیان میں خواہ ضرورت رفع ہونے سے پہلے یا اس کے بعد کسی مریض کی عیادت کرے یا نماز جنازہ میں شریک ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان امور کے وقت نہ تو اپنے راستہ سے جدا ہو اور نہ نماز سے زیادہ ٹھہرے، اگر ان امور کے لئے اپنا راستہ چھوڑ دے گا یا نماز سے زیادہ ٹھہرے گا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

اسی طرح بطور خاص صرف عیادت کے لئے یا نماز جنازہ کے لئے اپنے معتکف سے باہر نکلے گا تو اعتکاف ختم ہو جائے گا ہاں اگر کسی شخص نے اعتکاف کی نذر کو اس التزام کے ساتھ مشروط کیا ہو کہ میں اعتکاف کی حالت میں مریض کی عیادت، نماز جنازہ میں شرکت اور مجلس وعظ و نصیحت میں حاضری کے لئے اپنے معتکف سے نکلا کروں گا تو یہ جائز ہوگا۔

اعتکاف کے آداب

⑨ وَعَنْهَا قَالَتِ السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لاَّ يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَلاَ يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلاَ يَمَسَّ الْمَرْاَةَ وَلاَ يُبَاشِرَهَا وَلاَ يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلاَّ لِمَا لاَ بُدَّ مِنْهُ وَلاَ اِعْتِكَافَ اِلاَّ بِصَوْمٍ وَلاَ اِعْتِكَافَ اِلاَّ فِىْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اعتکاف کرنے والے کے لئے یہ سنت (یعنی ضروری) ہے کہ وہ نہ تو (بالقصد اور ٹھہر کر) مریض کی عیادت کرے اور نہ (مسجد سے باہر مطلقاً) نماز جنازہ میں شریک ہو نیز نہ عورت سے صحبت کرے نہ عورت سے مباشرت کرے اور نہ علاوہ ضروریات کے (مثلاً پیشاب و پاخانہ کے علاوہ) کسی دوسرے کام سے باہر نکلے اور روزہ اعتکاف کے لئے ضروری ہے اور اعتکاف مسجد جامع ہی میں صحیح ہوتا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "مباشرت" سے مراد وہ چیزیں ہیں جو جماع کا ذریعہ اور باعث بنتی ہیں جیسے بوسہ لینا، بدن سے لپٹانا اور اسی قسم کی دوسری حرکات۔ لہٰذا ہم بستری اور مباشرت معتکف کے لئے حرام ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ہمبستری سے اعتکاف باطل بھی ہو جاتا ہے، خواہ عمداً کی جائے، یا سہوا اور خواہ دن میں ہو یا رات میں، جب کہ مباشرت سے اعتکاف اسی وقت باطل ہوگا جب کہ انزال ہو جائے گا اگر انزال نہیں ہوگا تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔

معتکف کے لئے مسجد میں کھانا پینا اور سونا جائز ہے اسی طرح خرید و فروخت بھی جائز ہے بشرطیکہ اشیاء خرید و فروخت مسجد میں نہ لائی جائیں کیونکہ اشیاء خرید و فروخت کو مسجد میں لانا مکروہ تحریمی ہے نیز یہ کہ معتکف خرید و فروخت صرف اپنی ذات یا اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے لئے کرے گا تو جائز ہوگا اور اگر تجارت وغیرہ کے لئے کرے گا تو جائز نہیں ہوگا۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ مسجد میں خرید و فروخت غیر معتکف کے لئے کسی بھی طرح جائز نہیں ہے حالت اعتکاف میں بالکل چپ بیٹھنا بھی مکروہ تحریمی ہے جب کہ معتکف مکمل خاموشی کو عبادت جانے، ہاں بری باتیں زبان سے نہ نکالے، جھوٹ نہ بولے، غیبت نہ کرے بلکہ قرآن مجید کی تلاوت نیک کام، حدیث و تفسیر اور انبیاء و صالحین کے سوانح پر مشتمل کتابیں یا دوسرے دینی لٹریچر کے مطالعہ، خدا تعالیٰ کے ذکر یا کسی دینی علم کے پڑھنے پڑھانے اور تصنیف و تالیف میں اپنے اوقات صرف کر دے۔

حاصل یہ ہے کہ چپ بیٹھنا کوئی عبادت نہیں ہے مباح کلام و گفتگو بھی بلا ضرورت مکروہ ہے اور اگر ضرورت کے تحت ہو تو وہ خیر میں داخل ہے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ مسجد میں بے ضرورت کلام کرنا حسنات کو اس طرح کھا جاتا ہے (یعنی نیست و نابود کر دیتا ہے) جیسے آگ خشک لکڑیوں کو۔

حدیث کے الفاظ "اعتکاف کے لئے روزہ ضروری ہے" یہ بات وضاحت کے ساتھ ثابت ہوگئی کہ اعتکاف بغیر روزہ کے صحیح نہیں ہوتا چنانچہ اس بارہ میں حنفیہ کے مسلک کی دلیل یہی حدیث ہے "مسجد جامع" سے مراد وہ مسجد ہے جس میں لوگ باجماعت نماز پڑھتے

ہوں چنانچہ حضرت امام اعظمؒ سے منقول ہے کہ اعتکاف اسی مسجد میں صحیح ہوتا ہے جس میں پانچوں وقت کی نمازیں جماعت سے پڑھی جاتی ہوں، امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور صاحبین کے نزدیک ہر مسجد میں اعتکاف درست ہے۔ اگر "مسجد جامع" سے جمعہ مسجد مراد لی جائے تو پھر اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اعتکاف جمعہ مسجد میں افضل ہے، چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ افضل اعتکاف وہ ہے جو مسجد حرام میں ہو پھر وہ مسجد نبوی میں ہو پھر وہ مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں ہو پھر وہ جامع مسجد میں ہو پھر وہ اس مسجد میں ہو جس میں نمازی بہت ہوں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت کا معتکف

(۱۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ اِذَا اعْتَكَفَ طُرِحَ لَهُ فِرَاشُهُ اَوْيُوْضَعُ لَهُ سَرِيْرُهُ وَرَاءَ أُسْطُوَانَةِ التَّوْبَةِ (رواہ ابن ماجہ)

"حضرت ابن عمرؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اعتکاف فرماتے تو آپ ﷺ کے لئے (مسجد نبوی میں) ستون توبہ کے آگے یا پیچھے آپ کا بچھونا بچھایا جاتا تھا یا آپ ﷺ کی چارپائی رکھ دی جاتی تھی۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: مسجد نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون کا نام ہے "ستون توبہ" اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک صحابی حضرت ابولبابہ انصاریؓ سے ایک تقصیر ہوگئی تھی جس کی بناء پر انہوں نے اپنے آپ کو اس ستون سے باندھ دیا اور کئی دن تک اسی طرح بندھے رہے اس کے بعد جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو اس ستون سے کھولا۔

معتکف کے لئے اجر

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْزٰى لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اعتکاف کرنے والے کے بارہ میں فرمایا کہ وہ گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے لئے نیکیوں کا سلسلہ تمام نیکی کرنے والوں کی مانند جاری رہتا ہے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: "گناہوں سے محفوظ رہتا ہے" یعنی جو شخص اعلیٰ اور نیک مقاصد (مثلاً اعتکاف کی نیت) کے لئے مسجد میں ٹھہرا رہتا ہے، اس کی شان یہ ہے کہ وہ اکثر گناہوں سے بچا رہتا ہے۔ لفظ یجری راء مہملہ کے ساتھ مجہول کا صیغہ ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ صیغہ معروف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اعتکاف کی حالت میں ہوتا ہے اور وہ اس اعتکاف کی وجہ سے جن نیک اعمال مثلاً عیادت اور نماز جنازہ وغیرہ سے باز رہتا ہے، تو اس کے لئے ان نیک اعمال کے ثواب کے سلسلہ جاری کر دیا جاتا ہے جس طرح ان نیکیوں کے کرنے والوں کے لئے۔" اور مشکوٰۃ کے ایک صحیح نسخہ میں یہ لفظ راء معجمہ کے ساتھ بصیغہ معروف یعنی یَجْزِیْ منقول ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اعتکاف کرنے والا اپنے اعتکاف کی وجہ سے جن نیک اعمال مثلاً عیادت مریض، نماز جنازہ، کے ساتھ جانا مسلمانوں کے ساتھ ملاقات و نیک معاملات یا اسی قسم کے دوسرے امور تو اسے ان نیک اعمال کا اسی طرح ثواب دیا جاتا ہے جس طرح ان اعمال کے کرنے والوں کو"۔ بہرکیف صرف الفاظ کا فرق ہے ورنہ تو جہاں تک معنی کا تعلق ہے مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔ اعتکاف کے فوائد و برکات یہ ہیں کہ معتکف کا دل امور دنیا کی غلاظت سے پاک رہتا ہے۔ وہ اپنا نفس اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے مسلسل عبادت اور خانہ خدا میں رہتا ہے اللہ کا قرب اسے بہت زیادہ حاصل ہوتا ہے اور رحمت الٰہی اس پر نازل ہوتی رہتی ہے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قلعہ اور اس کی پناہ میں

رہتا ہے کہ شیطان کے مکر و فریب سے بچا رہتا ہے۔
معتکف کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بادشاہ کے دروازے پر پڑ جائے اور اپنی درخواست حاجت پیش کرتا رہے اسی طرح معتکف بھی گویا زبان حال سے کہتا ہے کہ "اے میرے مولیٰ، اے میرے پروردگار! میں تیرے دروازہ پر پڑا ہوں یہاں سے اس وقت ٹلوں گا نہیں جب تک کہ تو میری بخشش نہیں کرے گا، میرے مقاصد پورے نہیں کرے گا اور میرے دینی و دنیاوی غم و آلام دور نہیں کرے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب فضائل القران

قرآن کے فضائل کا بیان

قرآن مجید کیا ہے؟ یہ وہ سب سے مقدس اور سب سے عظیم کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کاروان انسانیت کے سب سے آخری اور سب سے عظیم راہنما رسول کریم ﷺ پر نازل ہوئی جو ظلم و جہل کی تاریکیوں میں مینارۂ نور، کفر و شرک کے تابوت کی آخری کیل اور پوری انسانی برادری کے لئے خدا کی طرف سے اتارا ہوا سب سے آخری اور سب سے جامع قانون ہے۔ اور جسے "حبل متین" کہا گیا ہے۔

قرآن مجید کی عظمت و بزرگی اور اس کی فضیلت و رفعت کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ وہ خداوند عالم، مالک ارض و سماء اور خالق لوح و قلم کا کلام ہے تمام عیوب اور تمام نقائص سے بری اور پاک ہے، فصاحت و بلاغت کا وہ آخری نقطہ عروج کہ بڑے بڑے عرب فصیح و بلیغ اس کے سامنے طفل مکتب علوم و معارف اور فکر و دانش کا وہ کوہ ہمالہ کہ دنیا کے بڑے بڑے مفکر، فلسفی، دانشور اور ارباب فکر و نظر اس سے سر ٹکرائیں۔

قرآن مجید کی تلاوت اور پڑھنے پڑھانے کا ثواب محتاج بیان نہیں، تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ کوئی ذکر، تلاوت کلام مجید سے زیادہ ثواب نہیں رکھتا، خصوصاً نماز میں اس کی قرأت کا ثواب اور اس کی فضیلت اتنی ہے کہ وہ دائرہ تحریر سے باہر ہے، قرآن کریم کی تلاوت کے وقت اس کے ہر حرف کے عوض دس نیکیاں اور نماز میں اس کی قرأت کے وقت اس کے ہر حرف کے عوض پچیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

قرآن کا پڑھنا بندہ کو خدا کا قرب بخشتا ہے، قلب کو عرفان الٰہی اور ذکر اللہ کے نور سے روشن کرتا ہے اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کرے گا۔

تلاوت قرآن کا مقصد اعلی یہ ہے کہ وہ تفکر اور تذکر یعنی امور دین کو دل میں لائے اور آخرت کی طرف توجہ کا باعث ہو اور کثرت تلاوت کی وجہ سے احکام الٰہی یاد اور مستحضر ہوں تاکہ احکام الٰہی پر عمل کیا جائے اور عبرت حاصل کی جائے "تلاوت" کا یہ مقصد نہیں کہ محض آواز و حروف کو آراستہ کیا جائے اور دل غفلت کے اندھیروں میں پڑا رہے، چنانچہ جو شخص قرآن پڑھے مگر اس پر عمل نہ کرے تو قرآن ایسے شخص کا دشمن ہوتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت بھیجتا ہے کیونکہ قرآن صرف پڑھنے کی چیز نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا ہے اور جو شخص قرآن پڑھتا تو ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا وہ گویا قرآن کی اہانت کرتا ہے۔ لہٰذا قرآن پڑھنا اور اس پر عمل کرنا اس کے حق میں آخرت کے نقصان و خسران کی دلیل ہوگا۔

یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ تفکر و تذکر اور فہم معانی اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب کہ آہستگی، وقار، ترتیل اور حضور دل کے ساتھ قرآن پڑھا جائے اسی لئے قرآن کی تجوید لازم ہے اور قرآن کا کم پڑھنا مشروع ہوا ہے چنانچہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ قرآن کے حق کی ادائیگی کے لئے یہ کافی ہے کہ چالیس دن میں ایک قرآن ختم کیا جائے، بلکہ ایک سال میں قرآن ختم کرنا بھی کافی ہے، نیز عبادت (مثلاً تراویح وغیرہ) میں بھی ایک قرآن کم سے کم سات دن میں ختم کرنا چاہئے اور جس قدر اس سے زیادہ عرصہ میں ختم کرے افضل ہے۔

جو شخص عربی زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے قرآن کے معانی نہ جانتا ہو اس کو بھی چاہئے کہ وہ حضور دل کے ساتھ قرآن کی تلاوت شروع کرے اور اپنے ذہن میں یہ خیال جمائے کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کے وہ احکام ہیں جو اس نے دنیا پر نازل فرمائے ہیں، نیز وہ اس عاجزی اور فروتنی کے ساتھ بیٹھ کر تلاوت کرے گا کہ گویا وہ قرآن پڑھ نہیں رہا ہے بلکہ احکم الحاکمین کا کلام براہ راست سن رہا ہے۔

آداب تلاوت: قرآن کریم اللہ رب العزت کا براہ راست کلام اور بارگاہ الوہیت سے اترے ہوئے الفاظ کا مجموعہ ہے۔ اس کلام کی نسبت جس ذات کی طرف ہے وہ حاکموں کا حاکم، بادشاہوں کا بادشاہ اور پوری کائنات کا بلا شرکت غیرے مالک ہے۔ لہٰذا اس کی تلاوت کے وقت وہی آداب ملحوظ ہونے چاہیں جو کلام اور صاحب کلام کی عظمت شان کے مطابق ہوں، اس لئے مناسب ہے کہ اس موقع پر "آداب تلاوت" کا ذکر وضاحت سے بیان کر دیا جائے۔

سب سے پہلے مسواک کے ساتھ وضو کیجئے اس کے بعد کسی اچھی جگہ متواضع اور روبقبلہ بیٹھے اپنے آپ کو کمتر و ذلیل اور عاجز جان کر اور قلب و دماغ کو حضور کے ساتھ بیٹھئے کہ گویا اللہ رب العزت کے سامنے بیٹھ کر عرض و نیاز اور التجا کر رہے ہیں پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر تلاوت کیجئے، دل میں یہ تصور جمائیے کہ میں خدا کا کلام بغیر کسی واسطہ کے سن رہا ہوں، قرآن کی آیتوں کو آہستہ آہستہ تدبر، تفکر اور ترتیل کے ساتھ پڑھئے۔ جہاں بندوں کے حق میں وعدہ (رحمت کی آیت آئے تو تسبیح کیجئے، جہاں وعید و عذاب کے متعلق آیت آئے خدا سے پناہ مانگئے، جب اللہ رب العزت کی تنزیہ اور تقدیس پر مشتمل آیت آئے تو تسبیح کیجئے، یعنی جس آیت میں اللہ کی پاکی اور اس کی بڑائی و بزرگی کا بیان ہو اسے پڑھ کر سبحان اللہ کہئے، تلاوت کے درمیان الحاح وزاری اختیار کیجئے اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنا لیجئے۔ حاصل یہ کہ تلاوت قرآن گویا بارگاہ الوہیت میں حاضری کا وقت ہے اس لئے اس موقع پر اللہ رب العزت کی عظمت و رفعت کے احساس سے اپنے اوپر مکمل عاجزی، ذلت اور فروتنی طاری کیجئے، اس بات کی کوشش نہ کیجئے کہ قرآن جلد ختم ہو اور اس کی وجہ سے تیز تیز پڑھنا شروع کر دیا جائے کیونکہ غور و فکر کے ساتھ کم پڑھنا آداب تلاوت کا لحاظ کئے بغیر زیادہ پڑھنے سے بہتر ہے۔ پھر یہ کہ زیادہ سے زیادہ پڑھنے سے ختم شماری کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ یہ امر ممنوع ہے لہٰذا آج کل جو یہ رسم چل گئی ہے کہ لوگ پورا قرآن ایک دن میں ختم کرنے یا زیادہ تیز پڑھنے کو فخر یا کمال کی بات سمجھتے ہیں۔ یہ نہایت بری اور غفلت و نادانی کی بات ہے ؎

خواجہ پندارد کہ طاعت می کند ‌‌ ‌‌ ‌‌ بے خبر کز معصیت جان می کند

بعض بزرگوں سے جو زیادہ سے زیادہ پڑھنا ثابت ہے تو وہ ان کی کرامت ہے اس بارہ میں ان کی پیروی نہ کیجئے، حاصل یہ کہ تدبر، ذوق، حضور قلب اور آداب تلاوت کی رعایت کے ساتھ جس قدر بھی تلاوت کر پائیں اسی کو غنیمت سمجھئے۔

جس مجلس میں لوگ کسی دوسرے کام میں مشغول ہوں یا شور و غوغا ہو وہاں تلاوت نہ کیجئے۔ ہاں اگر تلاوت ضروری ہی ہو اور کوئی دوسری جگہ میسر نہ ہو تو تلاوت کیجئے، مگر آہستہ آواز کے ساتھ، البتہ اگر لوگ تلاوت سننے کے مشتاق ہوں اور خاموش و پر سکون ہوں تو بآواز بلند تلاوت افضل ہوگی کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ تلاوت سننے والا اور تلاوت کرنے والا دونوں اجر و ثواب میں یکساں شریک ہیں۔ اسی طرح مصحف (قرآن) میں دیکھ کر پڑھنا بغیر دیکھے پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ اس طرح آنکھیں اور دوسرے اعصاب بھی عبادت میں شریک ہوتے ہیں اور حضور قلب بھی زیادہ میسر ہوتا ہے۔

قرآن کریم کو رحل یا کسی دوسری بلند چیز (مثلاً تکیہ) پر رکھئے تاکہ قرآن کی تعظیم و تکریم آشکارا ہو، تلاوت کے دوران دنیوی کلام و گفتگو، کھانے پینے اور دوسرے سب کاموں سے باز رہئے۔ اگر کوئی ضرورت پیش آجائے تو قرآن کو بند کر کے کلام و گفتگو کیجئے اس کے بعد پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر تلاوت شروع کیجئے، غلط پڑھنے سے احتراز کیجئے۔ ترتیل و تجوید کے ساتھ بے تکلف اور بے ساختہ پڑھئے۔ غلط طریقہ سے آواز و لہجہ بنانے کی ضرورت نہیں، تلاوت کے وقت کسی کی تعظیم نہ کیجئے۔ ہاں اگر عالم باعمل، استاد یا والدین کے لئے کھڑے

ہوجانا اور ان کی تعظیم جائز ہے۔ جب قرآن ختم ہونے کو ہو تو اپنے عزیز و اقارب اور محبین و متعلقین کو جمع کیجئے۔ ان کی مجلس میں قرآن ختم کیجئے۔ اور ان سب کو دعا میں شامل کیجئے۔ کیونکہ وہ قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے۔ قرآن ختم کرنے کے بعد پھر سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ مُفْلِحُوْنَ تک پڑھ کر قرآن بند کیجئے کیونکہ یہ افضل ہے۔

تکیہ لگا کر یا لیٹ کر قرآن پڑھنا اگرچہ جائز ہے لیکن افضل یہی ہے کہ مودب بیٹھ کر پڑھا جائے، اسی طرح راستہ چلتے قرآن پڑھنا جائز ہے اگر جنگل ہو تو باواز بلند پڑھا جائے ورنہ بصورت دیگر باواز آہستہ نجس اور مکروہ جگہوں مثلاً حمام اور کمیلے وغیرہ میں قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔

قرآن کی تقطیع بہت چھوٹی نہ رکھی جائے اور نہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے متفرق کیا جائے تاکہ اس کے احترام و عظمت میں کمی واقع نہ ہو ہاں ضرورت کے تحت مثلاً بچوں کے پڑھنے کے لئے یا کسی مناسب آسانی و سہولت کے پیش نظر پارہ پارہ یا ہفت سورہ وغیرہ کی شکل میں کرنا جائز ہے۔

قرآن کو ایسے لشکر میں لے جانا جہاں "امن" پر اعتماد نہ ہو مناسب نہیں ہے اسی طرح دار الحرب میں بھی قرآن نہ لے جانا چاہیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ کافروں کے ہاتھ میں پڑ جائے اور وہ اس کی بے حرمتی کریں۔

قرآن کی اتنی آیتوں کا یاد کرنا کہ جن سے نماز ہوجائے ہر مسلمان پر عین فرض ہے اور پورا قرآن شریف یاد کرنا فرض کفایہ ہے کہ اگر ایک شخص حفظ کرے تو سب کے ذمہ سے فرض ساقط ہوجاتا ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ سورہ فاتحہ اور کوئی ایک سورۃ یاد کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور باقی قرآن کا یاد کرنا اور اس کے احکام کو جاننا اور سیکھنا نفل نماز سے اولی ہے۔

مصحف کی طرف پاؤں پھیلانے مکروہ نہیں بشرطیکہ وہ پاؤں کے برابر نہ ہو، اسی طرح مصحف اگر کھونٹی پر لٹکا ہوا ہو یا طاق میں رکھا ہوا ہو تو ادھر پاؤں پھیلانے مکروہ نہیں ہے۔

سفر میں حفاظت کی خاطر مصحف کو خرجی (بیگ زنبیل اور جھولا) میں رکھ کر اس پر سوار ہونا یا تکیہ کے نیچے رکھ کر سونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جس مکان میں یا کمرہ میں مصحف رکھا ہو اس میں جماع کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جب قرآن شروع ہو تو پہلے یہ دعاء پڑھئے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّ هٰذَا كِتَابُكَ الْمُنَزَّلُ مِنْ عِنْدِكَ عَلٰى رَسُوْلِكَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَكَلَامُكَ النَّاطِقُ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكَ جَعَلْتَهٗ هَادِيًا مِنْكَ لِخَلْقِكَ وَحَبْلًا مُتَّصِلًا فِيْمَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ عِبَادِكَ اَللّٰهُمَّ فَاجْعَلْ نَظَرِيْ فِيْهِ عِبَادَةً وَقِرَاءَتِيْ فِكْرًا وَفِكْرِيْ فِيْهِ اِعْتِبَارًا اِنَّكَ اَنْتَ الرَّءُوْفُ الرَّحِيْمُ رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ۔

"اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیری یہ کتاب تیری طرف سے تیرے رسول پر اتاری گئی ہے۔ جن کا نام نامی محمد ابن عبداللہ ہے، رحمت ہو اللہ کی ان پر، ان کی اولاد پر، ان کے اصحاب پر اور ان کے تمام تابعداروں پر اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ تیرا کلام ناطق ہے تیرے رسول کی زبان پر، اس کلام کو تو نے اپنی طرف سے اپنی مخلوق کے لئے ہدایت کرنے والا بنایا ہے اور اس کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ متصل بنایا ہے۔ لہٰذا اے اللہ! تو میری نظر کو اس میں عبادت گزار میری قرأت کو اس میں بافکر اور میرے بافکر کو اس میں عبرت پذیر بنا، بلاشبہ تیری ذات بڑی مہربان ہے اور تو بڑا رحم کرنے والا ہے، اے میرے رب! میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے رب! میں اس بات سے تیری پناہ کا طلبگار ہوں کہ میرے پاس شیاطین آئیں۔"

اس دعا کے بعد قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھئے اور پھر یہ دعا مانگئے۔

اَللّٰهُمَّ بِالْحَقِّ اَنْزَلْتَهٗ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ اَللّٰهُمَّ عَظِّمْ رَغْبَتِيْ فِيْهِ وَاجْعَلْهُ نُوْرًا لِبَصَرِيْ وَشِفَاءً لِصَدْرِيْ وَذِهَابًا لِهَمِّيْ وَحُزْنِيْ وَبَيِّضْ بِهٖ وَجْهِيْ وَارْزُقْنِيْ تِلَاوَتَهٗ وَفَهْمَ مَعَانِيْهِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

"اے اللہ! تو نے قرآن کو حق کے ساتھ اتارا اور یہ حق کے ساتھ اترا، اے اللہ! قرآن میں میری رغبت بڑی بنا، اسے میری آنکھوں کا نور، میرے سینے کے لئے شفاء اور میرے فکر و غم کے دور ہونے کا سبب بنا، اس کے ذریعہ میرے چہرہ کو روشن و منور فرما اور اپنی رحمت کے صدقہ اے ارحم الراحمین! اس کی تلاوت مجھے نصیب کر اور اس کے معنی کی سمجھ مجھے عطا فرما۔"

ہر روز تلاوت کے بعد ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلِ الْقُرْاٰنَ لَنَا فِي الدُّنْيَا قَرِيْنًا وَّفِي الْاٰخِرَةِ شَافِعًا وَّفِي الْقَبْرِ مُؤْنِسًا وَّفِي الْقِيَامَةِ صَاحِبًا وَعَلَى الصِّرَاطِ نُوْرًا وَفِي الْجَنَّةِ رَفِيْقًا وَمِنَ النَّارِ سِتْرًا۔

"اے اللہ! قرآن پاک کو میرے لئے دنیا میں ہمنشین، آخرت میں شافع، قبر میں غم خوار، قیامت میں مونس، پل صراط پر نور، جنت میں رفیق اور آگ سے پردہ بنا۔"

پھر آپ نے دینی اور دنیوی مقاصد و عزائم کے لئے جو بھی دعا چاہیں مانگیں انشاء اللہ آپ کی ہر درخواست مجیب الدعوات کی بارگاہ میں شرف قبولیت کے ساتھ نوازی جائے گی۔

ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ "نبی کریم ﷺ جب قرآن ختم کرتے تو کھڑے ہو کر دعا مانگتے۔ اسی طرح بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہؓ ہی سے نقل کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص قرآن پڑھے، اللہ کی حمد و ثنا کرے، محمد (ﷺ) پر درود بھیجے اور پھر اپنے رب سے اپنی بخشش چاہے تو بلاشبہ اس نے بہتر طریقہ سے خیر و بھلائی مانگی۔

بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب قرآن ختم فرماتے تو کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ حمد و ثنا کرتے چنانچہ حمد و ثنا اور دعا کے کلمات یہ ہوتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَكَذَبَ الْعَادِلُوْنَ بِاللّٰهِ وَضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَكَذَبَ الْمُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ مِنَ الْعَرَبِ وَالْمَجُوْسِ وَالْيَهُوْدِ وَالنَّصٰرٰى وَالصَّابِئِيْنَ وَمَنْ دَعَا لِلّٰهِ وَلَدًا وَصَاحِبَةً اَوْ نِدًّا اَوْ شِبْهًا اَوْ مِثْلًا اَوْ سَمِيًّا اَوْ عَدْلًا فَاَنْتَ رَبُّنَا اَعْظَمُ مِنْ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْمَا خَلَقْتَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى آللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ بَلِ اللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى وَاَحْكَمُ وَاَكْرَمُ وَاَعْظَمُ مِمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ صَدَقَ

اللّٰهُ وَبَلَّغَتْ رُسُلُهُ الْكِرَامُ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ ۞ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ الْمَلَائِكَةِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَارْحَمْ عِبَادَكَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِمْ لَنَا بِخَيْرٍ وَافْتَحْ لَنَا بِخَيْرٍ وَبَارِكْ لَنَا فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَانْفَعْنَا بِالْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞۔

"تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو رب ہے، تمام عالم کا، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے۔ اور اندھیرا اور اجالا بنایا پھر بھی یہ کافر اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر کر دیتے ہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور جھوٹے ہیں وہ لوگ جو برابر کیے دیتے ہیں دوسروں کو اللہ کے ساتھ اور گمراہ ہیں وہ لوگ اور بھٹک گئے ہیں وہ صحیح راستہ سے کامل بھٹک جانا، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور جھوٹے ہیں وہ لوگ جو اہل عرب میں سے ہیں اور آتش پرست، یہود و نصاریٰ اور کوکب پرست وہ دوسروں کو اللہ کا شریک مان رہے ہیں اور جو شخص ثابت کرتا ہے۔ اللہ کے لئے اولاد کو یا بیوی کو یا ہمسر کو یا مشابہ کو، یا مثیل کو اس کے ہمنام کو یا اس کی ذات و صفات میں برابر ہو، تو وہ کیا کرے کیونکہ وہ بھی جھوٹا ہے اور آپ تو اے ہمارے پروردگار اس سے برتر و بلند ہیں کہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو اپنا شریک و ساجھی بنائیں تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں بنایا (اور نہ بنایا اپنے لئے بیوی کو) اور نہ بیٹا کو اور نہیں ہے کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے ذلت کے وقت پر اور اس کی بڑائی بیان کرو بڑا جان کر اللہ سب سے بڑا ہے بہت بڑا اور بے انتہاء بے شمار تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور تمام چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندہ (محمد) پر کتاب اتاری جس میں کوئی کجی نہیں رکھی، بالکل ٹھیک ٹھیک اتاری تاکہ خوف دلائے ایک سخت آفت کا اللہ کی طرف سے اور خوشخبری دے ایمان لانے والوں کو جو نیکیاں کرتے ہیں، اس بات کی کہ ان کے لئے اچھا بدلہ (جنت) ہے جس میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے، اور ان کو متنبہ کر دے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے لئے اولاد بنائی ہے، کچھ خبر نہیں ان کو اس بات کی نہ ان کے باپ دادوں کو، کیا بری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے، سب کچھ جھوٹ ہے، جس کو وہ کہہ رہے ہیں، تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس کی مملوک میں وہ تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور تمام تعریفیں اس کے لئے ہیں عالم آخرت میں اور وہ بڑی حکمت والا اور ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے وہ جانتا ہے ان تمام چیزوں کو جو زمین میں داخل ہوتی ہیں اور اس سے باہر نکلتی ہیں اور جو آسمانوں سے اترتی ہیں اور آسمانوں پر چڑھتی ہیں وہ بڑا رحم کرنے والا اور بہت زیادہ مغفرت کرنے والا ہے، تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو پیدا کرنے والا ہے تمام آسمانوں کو اور زمین کو اور بنانے والا ہے فرشتوں کو اپنا پیغام پہنچانے والا جو بازوؤں والے ہیں کسی کے دو بازو ہیں کسی کے تین اور کسی کے چار، اپنی مخلوق میں وہ زیادتی کرتا ہے جتنا چاہے یقیناً اللہ تمام چیزوں پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے جو کچھ کہ کھول دے، اللہ تعالیٰ لوگوں پر اپنی رحمت میں سے تو کوئی نہیں اس کو روکنے والا اور جو کچھ کہ روک رکھے تو کوئی نہیں اس کو بھیجنے والا اس کے سوا اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور سلامتی ہو اللہ کی اللہ کے ان بندوں پر جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے، کیا اللہ سب سے بہتر ہے یا وہ (بت) جن کو وہ (کافر و مشرک) اللہ کا ساجھی ٹھہرا رہے ہیں (یہ بات نہیں ہے) بلکہ اللہ ہی سب سے بہتر ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے، وہی مضبوط حکم والا ہے اور وہی عزت والا ہے وہ ان تمام چیزوں سے جن کو یہ کافر شریک ٹھہرا رہے ہیں سب سے عظمت والا ہے، پس تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے، اللہ نے سچ فرمایا ہے اور اس کے کریم رسولوں نے اس کا پیغام (صحیح صحیح) پہنچایا ہے، اور میں ان تمام باتوں پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں، اے اللہ! اپنی رحمت نازل فرما، تمام فرشتوں پر، تمام پیغمبروں پر اور رحم فرما اپنے مؤمن بندوں پر آسمان کے رہنے والوں اور زمین پر بسنے والوں سے ہمارا خاتمہ کیجئے خیر کے ساتھ اور کھول دیجئے ہمارے لئے خیر (کے دروازہ) کو اور برکت دیجئے، ہمارے لئے قرآن عظیم کے علوم میں اور نفع دیجئے ہم کو آیات قرآنی سے اور اپنے مستحکم ذکر سے۔ اے ہمارے رب! ہماری یہ دعا قبول فرمالے یقیناً آپ ہماری دعاؤں کو سننے والے اور ہماری دلی باتوں کو جاننے والے ہیں۔"

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

قرآن سیکھنے اور سکھانے والا سب سے بہتر ہے

① عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ (رواہ البخاری)

"حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔" (بخاری)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن سیکھے جیسا کہ سیکھنے کا حق ہے اور پھر دوسروں کو سکھائے تو وہ سب سے بہتر ہے کیونکہ جس طرح قرآن اور اس کے علوم دنیا کی تمام کتابوں اور علوم سے افضل اور اعلیٰ وارفع ہیں اسی طرح قرآنی علوم کو جاننے والا بھی دنیا کے افراد میں سب سے ممتاز اور کسی بھی علم کے جاننے والے سے افضل و اعلیٰ ہے۔

"سیکھنے کا حق" سے مراد یہ ہے کہ قرآنی علوم میں غور و فکر کرے اور اس کے احکام و معنی اور اس کے حقائق و دقائق کو پوری توجہ اور ذہنی و قلبی بیداری کے ساتھ سیکھے۔

قرآن پڑھنے کی فضیلت

② وَعَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِی الصُّفَّۃِ فَقَالَ اَیُّکُمْ یُحِبُّ اَنْ یَغْدُوَ کُلَّ یَوْمٍ اِلٰی بُطْحَانَ اَوِ الْعَقِیْقِ فَیَاْتِیَ بِنَاقَتَیْنِ کَوْمَاوَیْنِ فِیْ غَیْرِ اِثْمٍ وَلَا قَطْعِ رَحِمٍ فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کُلُّنَا نُحِبُّ ذٰلِکَ فَقَالَ اَفَلَا یَغْدُوْ اَحَدُکُمْ اِلَی الْمَسْجِدِ فَیَعْلَمُ اَوْیَقْرَأُ اٰیَتَیْنِ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ نَاقَتَیْنِ وَثَلَاثٌ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ ثَلَاثٍ وَاَرْبَعٌ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ اَرْبَعٍ وَمِنْ اَعْدَادِھِنَّ مِنَ الْاِبِلِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عقبہ ابن عامر کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ باہر تشریف لائے۔ تو ہم "صفہ" پر بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ ہر روز بطحان یا عقیق کی طرف جائے اور وہاں سے دو اونٹنیاں بڑے کوہان والی بغیر کسی گناہ کے اور بغیر انقطاع صلہ رحمی کے لائے؟ ہم نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ہم سب پسند کرتے ہیں" آپؐ نے فرمایا (تو پھر سن لو کہ) تم میں سے جو شخص مسجد میں جاتا ہے اور وہاں کتاب اللہ کی دو آیتیں کسی کو سکھاتا ہے یا خود پڑھتا ہے تو وہ اس کے لئے دو اونٹنیوں سے بہتر ہے، تین آیتیں اس کے لئے تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چار آیتیں اس کے لئے چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔ حاصل یہ کہ آیتوں کی تعداد اونٹنیوں کی تعداد سے بہتر ہے (یعنی پانچ آیتیں پانچ اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چھ آیتیں چھ اونٹنیوں سے بہتر ہیں اسی طرح آگے تک قیاس کیا جائے۔" (مسلم)

تشریح: "صفہ" وہ سایہ دار چبوترہ تھا جو مسجد نبوی کے سامنے بنا ہوا تھا اور وہ مہاجرین صحابہ جن کے نہ گھر بار تھا اور نہ بیوی بچے اور عبادت و زہد کے انتہائی بلند مقام پر تھے وہ اسی چبوترہ پر رہا کرتے اور ہمہ وقت بارگاہ نبوت سے اکتساب فیض کرتے رہتے تھے گویا وہ اسلام کی سب سے پہلی اقامتی اور تربیتی درگاہ تھی جس کے معلم اول خود سرکار رسالتمآب ﷺ تھے اور طلباء کی جماعت صحابہؓ پر مشتمل تھی۔

"بطحان" مدینہ کے قریب ایک نالہ تھا اسی طرح "عقیق" بھی ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ کے مضافات میں تقریباً تین چار میل کے فاصلہ پر ہے ان دونوں جگہوں پر اس زمانہ میں بازار لگا کرتے تھے جس میں اونٹوں کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اہل عرب کے ہاں اونٹ ایک متاع گرانمایہ کے درجہ کی چیز تھی خصوصاً بڑے کوہان کے اونٹ کی قدر و قیمت کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بڑے بلیغ اسلوب میں صحابہؓ سے مذکورہ سوال کر کے اس چیز کی طرف رغبت دلائی جو باقی رہنے والی ہے اور اس چیز سے نفرت دلائی جو دنیاوی اعتبار سے کتنی ہی قدر و قیمت کی کیوں نہ ہو لیکن مآل کار فانی اور ختم ہو جانے والی ہے۔

لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ آپ نے اونٹ کا ذکر ان کو سمجھانے کے لئے صرف بطریق تمثیل فرمایا ورنہ تو دنیا کی تمام چیزیں بھی ایک آیت کے مقابلہ پر کوئی حقیقت اور کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتیں۔

(۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اِذَا رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ اَنْ يَّجِدَ فِيْهِ ثَلَاثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَثَلَاثُ اٰيَاتٍ يَقْرَأُ بِهِنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلَاثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ جب گھر میں لوٹ جائے تو وہاں تین حاملہ اور فربہ و بڑی اونٹنیاں پائے؟" ہم نے عرض کیا کہ "جی ہاں" آپ نے فرمایا "تم میں سے جو شخص اپنی نماز میں قرآن کی تین آیتیں پڑھتا ہے تو وہ اس کے لئے تین حاملہ اور بڑی موٹی اونٹنیوں سے بہتر ہے۔" (مسلم)

ماہر قرآن کی فضیلت

(۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ماہر قرآن ان فرشتوں کے ساتھ ہے جو لکھنے والے اور بزرگ و نیکوکار ہیں اور وہ شخص کہ جو قرآن کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور قرآن (پڑھنا) اس کے لئے مشکل ہوتا ہے تو اس کے لئے دو ثواب ہیں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "ماہر قرآن" وہ شخص ہے جس کو قرآن خوب یاد ہو، اٹکے بغیر پوری روانی سے پڑھتا ہو اور اس کے لئے قرآن پڑھنا کوئی مشکل اور دشوار امر نہ ہو۔ اسی طرح "فرشتوں" سے وہ فرشتے مراد ہیں جو لوح محفوظ سے اللہ تعالیٰ کی کتابیں نقل کرتے ہیں یا وہ فرشتے بھی مراد ہو سکتے ہیں جو بندوں کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں۔

اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ ماہر قرآن ان عظیم فرشتوں کے ساتھ ہے بایں طور کہ وہ دنیا میں ان ہی جیسا عمل کرتا ہے اور آخرت میں اسے جو منازل اور درجات عالیہ حاصل ہوں گے ان میں وہ فرشتوں کا رفیق ہوگا۔

جس شخص کو قرآن اچھی طرح یاد نہ ہو اور اٹک اٹک کر پڑھتا ہو تو اسے دو ثواب کی بشارت دی گئی ہے ایک ثواب تو پڑھنے کا اور دوسرا ثواب اس مشقت کا جو اسے قرآن پڑھنے میں ہوتی ہے اس طرح گویا قرآن شریف پڑھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو شخص اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہے وہ "ماہر قرآن" سے زیادہ ثواب پاتا ہے۔ کیونکہ ماہر قرآن کو تو بہت زیادہ ثواب ملتا ہے۔ بایں طور کہ اسے ملائکہ مذکورین کی رفاقت جیسی عظیم سعادت کی بشارت دی گئی ہے۔ بہر حال حاصل یہ کہ افضل تو "ماہر قرآن" ہی ہے لیکن اٹک اٹک کر کے پڑھنے کے لئے بھی باعتبار مشقت کے ایک طرح کی فضیلت اور ثواب ثابت ہے۔

(۵) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا عَلَى اثْنَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاٰنَاءَ النَّهَارِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا صرف دو اشخاص کے بارہ میں حسد (جائز) ہے ایک تو وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی نعمت عطا فرمائی اور وہ شخص (بعض اوقات کے علاوہ) دن رات کے اکثر حصہ میں اس قرآن میں مشغول رہتا ہے، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہو اور وہ اس کو دن و رات کے اکثر حصہ میں خرچ کرتا ہو۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حسد کے معنی ہیں "دوسرے سے نعمت کے زوال اور اپنے لئے اس نعمت کے حصول کی تمنا کرنا" چنانچہ حضرت میرک فرماتے ہیں کی حسد کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) حقیقی۔ (۲) مجازی۔ حقیقی کا مطلب تو یہی ہے کہ کسی شخص سے نعمت کے زائل ہو جانے کی

خواہش و تمنا کرنا حسد کی یہ قسم احکام قرآنی اور تعلیمات حدیث کے پیش نظر تمام علماء امت کے نزدیک متفقہ طور پر حرام ہے، مجازی کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر اپنے لئے اس کے حصول کی خواہش و تمنا کرنا بغیر اس آرزو کے کہ وہ دوسرے شخص سے زائل ہو مجازی حسد کی قسم غبطہ کہلاتی ہے جسے رشک بھی کہا جاتا ہے۔ حسد مجازی یعنی غبطہ (رشک) اگر دنیاوی امور کے سلسلہ میں ہو تو مباح ہے اور اگر دینی امور کے سلسلہ میں ہو تو پھر وہ مستحب ہوگا۔ مثلاً کسی شخص کو مسجد بناتا ہوا دیکھ کر یہ آرزوں و خواہش کرے کہ کاش اگر میرے پاس بھی روپیہ ہوتو میں بھی ایسی مسجد بناؤں۔ یہ رشک پسندیدہ ہے اور اس پر ثواب بھی ملتا ہے۔

بہرکیف یہاں حدیث میں "حسد" سے مراد غبطہ ہے مگر اس حدیث میں غبطہ کی اجازت صرف انہیں دو چیزوں میں منحصر کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی نعمت ان دو نعمتوں سے بڑھ کر نہیں ہے کہ جس کے حاصل ہونے کی خواہش کی جائے چنانچہ اسی لئے مظہرؒ فرماتے ہیں کہ کسی کے لئے بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر ویسی ہی نعمت حاصل ہوجانے کی آرزو و خواہش کرے۔ ہاں اگر وہ نعمت ایسی ہو کہ قرب الٰہی کا ذریعہ بنتی ہو جیسے تلاوت قرآن، صدقہ و خیرات اور ان کے علاوہ دوسری نیکیاں و بھلائیاں تو ایسی نعمت کے حصول کی خواہش و آرزو پسندیدہ ہوگی۔

"قرآن کی نعمت عطا فرمائی" سے مراد یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پڑھنے اور یاد کرنے کی توفیق عطا فرمائی چنانچہ اس کو قرآن اس طرح یاد ہو جیسا کہ ہونا چاہئے اس طرح "قرآن میں مشغول رہنے" سے مراد یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کرتا ہو، اس کے مفہوم و معنی کو یاد کرتا ہو اس کے علوم و احکام میں غور و فکر کرتا ہو، یا پھر یہ کہ اس کے امر و نواہی پر عمل کرتا ہو یا اس کو نماز میں پڑھتا ہو۔

قرآن پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے کی مثال

(۶) وَعَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ التَّمْرَةِ لَا رِيْحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَيْسَ لَهَا رِيْحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيَعْمَلُ بِهٖ كَالْاُتْرُجَّةِ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِيْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيَعْمَلُ بِهٖ كَالتَّمْرَةِ۔

"اور حضرت ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "وہ مسلمان جو قرآن کریم پڑھتا ہے اس کی مثال سنگترے کی سی ہے کہ اسکی خوشبو بھی بہت لطیف اور اس کا مزہ بھی بہت اچھا اور وہ مسلمان جو قرآن کریم نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ اس میں خوشبو نہیں ہوتی اور اس کا مزہ شیریں ہوتا ہے اور وہ منافق جو قرآن کریم نہیں پڑھتا اس کی مثال اندرائن کے پھول کی سی ہے جس میں نہ خوشبو ہے اور اس کا مزہ نہایت تلخ"۔ (بخاری و مسلم) ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ وہ مسلمان جو قرآن کریم پڑھتا بھی ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے تو اس کی مثال سنگترے کی سی ہے اور وہ مسلمان جو قرآن پڑھتا تو نہیں مگر اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال کھجور کی سی ہے۔"

تشریح: قرآن کریم پڑھنے والا مسلمان سنگترے کی مانند یوں ہوا کہ وہ خوش مزہ اور لطیف تو اس وجہ سے ہے کہ اس میں ایمان کی چاشنی جاگزیں ہوتی ہے اور خوشبو صفت اس لئے ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ لوگ اس کی قرأت و تلاوت سن کر ثواب پاتے ہیں بلکہ اس سے قرآن سیکھتے بھی ہیں۔

قرآن پڑھنے اور نہ پڑھنے والے کے درجہ کی بلندی اور پستی

(۷) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عمر ابن خطابؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب یعنی کلام اللہ کے ذریعہ کتنے لوگوں کو بلند کرتا ہے اور اس کے ذریعہ کتنے لوگوں کو پست کرتا ہے۔" (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کا درجہ بلند کرتا ہے بایں طور کہ دنیا میں تو اسے عزت و وقار کی زندگی عطا فرماتا ہے اور عقبیٰ میں ان لوگوں کے ساتھ رکھتا ہے جن پر اس نے اپنا انعام کیا ہے۔ اس طرح جو شخص نہ قرآن پڑھتا ہے اور نہ اس پر عمل کرتا ہے اس کا درجہ پست کر دیتا ہے۔

قرآن سننے کے لئے فرشتوں کا اشتیاق و اژدحام

⑧ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ اُسَیْدَ بْنَ حُضَیْرٍ قَالَ بَیْنَمَا ھُوَ یَقْرَأُ بِاللَّیْلِ سُوْرَۃَ الْبَقَرَۃِ وَفَرَسُہٗ مَرْبُوْطَۃٌ عِنْدَہٗ اِذَا جَالَتِ الْفَرَسُ فَسَکَتَ فَسَکَنَتْ فَقَرَأَ فَجَالَتْ فَسَکَتَ فَسَکَنَتْ ثُمَّ قَرَأَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَانْصَرَفَ وَکَانَ ابْنُہٗ یَحْیٰی قَرِیْبًا مِنْھَا فَاَشْفَقَ اَنْ تُصِیْبَہٗ وَلَمَّا اَخَّرَہٗ رَفَعَ رَأْسَہٗ اِلَی السَّمَاءِ فَاِذَا مِثْلُ الظُّلَّۃِ فِیْھَا اَمْثَالُ الْمَصَابِیْحِ فَلَمَّا اَصْبَحَ حَدَّثَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اقْرَأْ یَا ابْنَ حُضَیْرٍ قَالَ فَاَشْفَقْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنْ تَطَأَ یَحْیٰی وَکَانَ مِنْھَا قَرِیْبًا فَانْصَرَفْتُ اِلَیْہِ وَرَفَعْتُ رَأْسِیْ اِلَی السَّمَاءِ فَاِذَا مِثْلُ الظُّلَّۃِ فِیْھَا اَمْثَالُ الْمَصَابِیْحِ فَخَرَجْتُ حَتّٰی لَا اَرَاھَا قَالَ وَتَدْرِیْ مَا ذَاکَ قَالَ لَا قَالَ تِلْکَ الْمَلَائِکَۃُ دَنَتْ بِصَوْتِکَ وَلَوْ قَرَأْتَ لَاَصْبَحَتْ یَنْظُرُ النَّاسُ اِلَیْھَا لَا تَتَوَارٰی مِنْھُمْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِیِّ وَفِیْ مُسْلِمٍ عَرَجَتْ فِی الْجَوِّ بَدَلَ فَخَرَجْتُ عَلٰی صِیْغَۃِ الْمُتَکَلِّمِ۔

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ حضرت اسید ابن حضیرؓ کے بارہ میں روایت کرتے تھے کہ "(ایک دن) جب کہ وہ (یعنی اسیدؓ) رات میں سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے ان کا گھوڑا جو ان کے قریب ہی بندھا تھا اچانک اچھلنے کودنے لگا چنانچہ انہوں نے پڑھنا بند کر دیا (تاکہ دیکھیں وہ کیوں اچھل کود رہا ہے) گھوڑے نے بھی اچھل کود بند کر دی۔ (اسیدؓ نے یہ سوچ کر کہ یونہی اچھل کود رہا ہوگا) پھر پڑھنا شروع کر دیا، گھوڑا بھی پھر اچھلنے کودنے لگا وہ پھر رک گئے تو گھوڑا بھی رک گیا، پھر جب انہوں نے پڑھنا شروع کیا تو گھوڑے نے اچھل کود شروع کی (اب انہیں احساس ہوا کہ گھوڑے کو اچھل کود یوں ہی نہیں ہے بلکہ اس کی خاص وجہ ہے) چنانچہ انہوں نے پڑھنا موقوف کر دیا (اتفاق سے) ان کا بچہ جس کا نام یحییٰ تھا گھوڑے کے قریب ہی تھا انہیں خوف ہوا کہ کہیں گھوڑا (اس اچھل کود میں) اس بچہ کو کوئی تکلیف نہ پہنچا دے (اس لئے وہ اٹھ کر گھوڑے کے پاس گئے تاکہ بچہ کو وہاں سے ہٹا دیں) جب انہوں نے بچہ کو وہاں سے ہٹایا اور ان کی نظر آسمان کی طرف اٹھی تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ بادل کی مانند کوئی چیز ہے، جس میں چراغ سے جل رہے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو اسیدؓ نے یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے سامنے بیان کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ابن حضیرؓ تم پڑھتے رہتے" اسید نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں گھوڑا یحییٰ کو کچل نہ ڈالے کیونکہ یحییٰ گھوڑے کے قریب ہی تھا، چنانچہ جب میں یحییٰ کی طرف پھرا اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی چیز بادل کی مانند ہے۔ جس میں چراغ سے جل رہے ہیں پھر میں (تحقیق حال کے لئے اپنے گھر سے) باہر نکلا مگر وہ (چراغاں) مجھے پھر نظر نہیں آیا۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جانتے ہو وہ کیا تھا؟" انہوں نے کہا کہ "نہیں!" فرمایا "وہ فرشتے تھے جو تمہاری قرأت کی آواز (سننے) کے لئے قریب آگئے تھے اگر تم اسی طرح پڑھتے رہتے تو اسی طرح صبح ہو جاتی اور لوگ فرشتوں کو دیکھتے اور وہ فرشتے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوتے" اس روایت کو بخاریؒ و مسلمؒ نے نقل کیا ہے مگر الفاظ بخاریؒ کے ہیں۔ مسلمؒ کی روایت میں فخرجت کے بجائے عرجت فی الجو (یعنی وہ چیز جو زمین و آسمان کے درمیان ہوا میں چڑھ گئی) کے الفاظ ہیں۔"

تشریح: گھوڑے کی اچھل کود کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت اسیدؓ قرآن کریم پڑھ رہے تھے تو قرأت سننے کے لئے فرشتے نیچے آئے تھے اور ان کو دیکھ کر گھوڑا بدکتا اور اچھلتا کودتا تھا اسی وجہ سے جب حضرت اسیدؓ تلاوت بند کر دیتے تھے اور فرشتے اوپر چلے جاتے تھے تو گھوڑا بھی

اچھل کود سے رک جاتا تھا۔

آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی اقرأ یا ابن حضیر (ابن حضیر تم پڑھتے رہتے) میں لفظ اقراء کے معنی ابن حجرؒ نے یہ لکھے ہیں کہ اس سورۃ (بقرہ) کو ہمیشہ پڑھتے رہو جو ایسی عجیب و غریب حالت کے پیش آنے کا سبب ہے، اگر آئندہ بھی کبھی اس سورۃ کو پڑھنے کے دوران ایسی صورت پیش آئے تو چھوڑنا مت بلکہ پڑھتے رہنا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس لفظ کا مقصد "زمانہ ماضی میں طلب زیادتی ہے" یعنی آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کا مقصد گویا یہ تھا کہ تم نے اس وقت پڑھنا کیوں چھوڑ دیا بلکہ پڑھنے میں اور زیادتی کیوں نہ کی تمہیں چاہئے تھا کہ تم اس صورت میں زیادہ سے زیادہ پڑھتے رہتے" آنحضرت کے اس ارشاد کے جواب میں حضرت اسیدؓ نے جو کچھ کہا (یعنی یارسول اللہ! میں اس بات سے ڈرا الخ) اس سے بھی یہی مفہوم واضح ہوتا ہے چنانچہ یہاں ترجمہ علامہ طیبیؒ کی وضاحت کے تحت ہی کیا گیا ہے۔

"بادل کی مانند کوئی چیز ہے" وجہ تشبیہ یہ ہے کہ ملائکہ قرآن سننے کے لئے اتنا اژدحام کرتے ہیں کہ کوئی اگر انہیں دیکھے تو ایسا محسوس ہو کہ پردہ کی مانند کوئی چیز ہے جو دیکھنے والے اور آسمان کے درمیان حائل ہو گئی ہے حضرت اسیدؓ نے اسی چیز کو بادل سے تعبیر کیا اور اس میں جو چراغ سے جل رہے تھے وہ دراصل ان فرشتوں کے منہ تھے جو چراغ کی مانند روشن و منور تھے۔

تلاوت قرآن، رحمت کے نزول کا باعث

(۹) وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْكَهْفِ وَاِلٰى جَانِبِهٖ حِصَانٌ مَرْبُوْطٌ بِشَطَنَيْنِ فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُوْ وَتَدْنُوْ وَجَعَلَ فَرَسُهٗ يَنْفِرُ فَلَمَّا اَصْبَحَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ تِلْكَ السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْاٰنِ (متفق علیہ)

"اور حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا اس کے قریب ہی اس کا گھوڑا دو رسوں سے بندھا تھا کہ اسے ایک ابر (کے ٹکڑے) نے ڈھانک لیا وہ قریب سے قریب ہونے لگا یہاں تک کہ گھوڑے نے اچھل کود شروع کی، جب صبح ہوئی تو وہ شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے پورا ماجرا کہہ سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "وہ سکینہ تھی جو قرآن پڑھے جانے کی وجہ سے اتری تھی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "سکینہ" کہتے ہیں خاطر جمعی تسکین قلب اور رحمت کو جس کے سبب دل پاکیزہ اور نورانی ہوتا ہے، نفس کی ظلمت ختم ہو جاتی ہے اور حضور و ذوق پیدا ہوتا ہے "سکینہ" اگرچہ غیر مشاہد چیز ہے مگر کبھی کبھی ابر وغیرہ کی صورت میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔

سورۂ فاتحہ کی اہمیت و فضیلت

(۱۰) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُعَلّٰى قَالَ كُنْتُ اُصَلِّيْ فِي الْمَسْجِدِ فَدَعَانِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ اُجِبْهُ ثُمَّ اَتَيْتُهٗ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ كُنْتُ اُصَلِّيْ قَالَ اَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُعَلِّمُكَ اَعْظَمَ سُوْرَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ قَبْلَ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاَخَذَ بِيَدِيْ فَلَمَّا اَرَدْنَا اَنْ نَخْرُجَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ قُلْتَ لَاُعَلِّمَنَّكَ اَعْظَمَ سُوْرَةٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ اُوْتِيْتُهٗ (رواہ البخاری)

"اور حضرت سعید ابن معلی کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے بلایا، اس وقت میں نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر (نماز سے فارغ ہو کر) جب میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا کہ "یارسول اللہ! (اس وقت) میں نماز پڑھ

رہا تھا (اس لئے میں نے آپ ﷺ کا جواب نہیں دیا تھا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ (کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ اللہ اور رسول کا جواب دو جب کہ رسول اللہ تمہیں بلائیں اور ان کے حکم کی اطاعت کرو؟" پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا "قبل اس کے کہ ہم اس مسجد سے نکلیں کیا میں تمہیں قرآن کی ایک بہت بڑی (یعنی افضل) سورت نہ سکھلاؤں؟" پھر آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور جب ہم مسجد سے نکلنے کو ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ کیا میں تمہیں قرآن کی ایک بہت بڑی سورت نہ سکھلاؤں؟" آپ نے فرمایا "وہ سورت الحمد للہ رب العالمین ہے وہ سات آیتیں ہیں جو نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا فرمایا گیا ہے۔"

تشریح: ارشاد گرامی استجیبوا (جواب دو) سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو نماز کی حالت میں جواب دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی تھی جیسا کہ نماز میں آپ ﷺ کو خطاب کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔

سورۂ فاتحہ کو "ایک بہت بڑی سورت" اس لئے فرمایا کہ وہ اللہ رب العزت کے نزدیک بڑی قدر رکھتی ہے اور الفاظ کے اختصار کے باوجود اس کے فوائد و معانی بہت زیادہ ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے صرف ایک جزء کے تحت دین و دنیا کے تمام مقاصد آجاتے ہیں بلکہ بعض عارفین نے تو یہ کہا ہے کہ جو کچھ سابق آسمانی کتابوں میں ہے وہ سب قرآن مجید میں ہے اور جو کچھ قرآن مجید میں ہے وہ سب سورۂ فاتحہ میں ہے اور جو کچھ سورہ فاتحہ میں ہے وہ سب بسم اللہ میں ہے۔

"وہ سات آیتیں ہیں" جس سے دراصل قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ ولقد اتیناک سبعا من المثانی و القران العظیم (یعنی اے محمد ﷺ) ہم نے آپ (ﷺ) کو وہ سات آیتیں عطا کی ہیں جو نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں (یا یہ کہ ان سات آیتوں کی ثنا کی گئی ہے ساتھ فصاحت اور اعجاز کے اور ان سات آیتوں سے مراد سورۂ فاتحہ ہے) اور دیا ہے ہم نے آپ کو قرآن عظیم یہاں "قرآن عظیم" سے بھی "سورۂ فاتحہ" مراد ہے، کیونکہ سورۂ فاتحہ باعتبار معانی و فوائد کے قرآن کا "جزو اعظم" ہے اس لئے مبالغۃً فرمایا کہ یہ قرآن عظیم ہے۔

سورۂ بقرہ کی فضیلت

(۱۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْفِرُ مِنَ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُقْرَأُ فِیْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اپنے گھروں کو مقبرے نہ بناؤ (یاد رکھو) شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے۔ جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔" (مسلم)

تشریح: "مقبرے نہ بناؤ" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مقبرے ذکر اللہ عبادت اور تلاوت قرآن سے خالی ہوتے ہیں اس طرح اپنے گھروں کو ان چیزوں سے خالی نہ رکھو ان میں مردوں کی مانند پڑے رہو اور ذکر اللہ وغیرہ نہ کرو بلکہ اپنے گھروں میں نماز بھی پڑھو اور ذکر اللہ میں بھی مشغول رہو اور تلاوت قرآن بھی کرتے رہو، چنانچہ آپ ﷺ نے اس چیز کی طرف بھی راہنمائی فرمائی جو ذکر و شغل میں افضل اور گھر و گھر والوں کے لئے بہت فائدہ مند ہے کہ وہ تلاوت قرآن کریم ہے، فرمایا "شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے" اس کا مطلب یہی ہے کہ تلاوت قرآن کریم خصوصاً سورۂ بقرہ کی تلاوت نہ صرف یہ کہ گھر میں رحمت و برکت کے دروازے کھلنے کا باعث ہے بلکہ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایسا گھر شیطان کی نحوست اور اس کے مکر و فریب کے سایہ سے محفوظ رہتا ہے۔ ویسے تو عمومی طور پر تلاوت قرآن کریم باعث رحمت و برکت ہے، مگر اس موقع پر سورۂ بقرہ کو بطور خاص اس لئے ذکر فرمایا کہ اس سورت میں اللہ رب العزت کے اسماء اور احکام بہت مذکور ہیں۔

قیامت کے دن قرآن کریم کی سفارش

⑫ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اقْرَأُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ يَاْتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِاَصْحَابِهٖ اقْرَأُوا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ اٰلِ عِمْرَانَ فَاِنَّهُمَا تَاْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْغَيَايَتَانِ اَوْفِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِهِمَا اقْرَأُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَاِنَّ اَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "قرآن کریم پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرے گا اور (خاص طور پر) جگمگاتی ہوئی دو سورتیں کہ وہ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہیں، پڑھو کیونکہ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح ظاہر ہوں گی گویا کہ وہ ابر کی دو ٹکڑیاں ہیں یا دو سایہ کرنے والی چیزیں ہیں یا پرندوں کی صف باندھے ہوئے دو ٹکڑیاں ہیں اور وہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف جھگڑیں گے، اور سورۂ بقرہ پڑھو کیونکہ اس کے پڑھنے پر مداوت اس کے مفہوم و معانی میں غور و فکر اور اس (کے احکام) پر عمل کرنا برکت (نفع عظیم) ہے اور اس کو ترک کرنا (قیامت کے دن حسرت (یعنی ندامت کا باعث) ہوگا اور (یاد رکھو سورہ بقرہ کے طویل ہونے کی وجہ سے) اس کے پڑھنے کی طاقت وہی لوگ نہیں رکھتے جو اہل باطل اور کسلمند ہوتے ہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: "قرآن کریم پڑھا کرو" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے مفہوم و معانی میں غور و فکر کرنے کو نعمت اور اپنے حق میں باعث سعادت جانو اور اس کے پڑھنے پر مداومت اختیار کرو۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کو جگمگاتی ہوئی سورتیں فرمایا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں سورتیں نور وہدایت اور ثواب کی زیادتی کی وجہ سے روشن ہیں گویا اللہ رب العزت کے نزدیک ان دونوں سورتوں میں اور بقیہ تمام سورتوں میں چاند اور ستاروں کی نسبت ہے کہ یہ سورتیں تو بمنزلہ چاند کے ہیں بہ نسبت تمام سورتوں کے وہ بمنزلہ تمام ستاروں کے ہیں۔

قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے حق میں ان سورتوں کی برکات کو متشکل طور پر ظاہر ہونے کو تین صورتوں میں بیان کیا گیا ہے پہلی صورت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ سورتیں قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے گویا ابر کی دو ٹکڑیاں ہوں گی۔ جو میدان حشر میں کھڑے ہوئے ان پر آفتاب کی تمازت اور گرمی سے بچاؤ کے لئے سایہ کریں گی، دوسری صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ یا وہ سایہ کرنے والی دو چیزیں ہوں گی یعنی خواہ وہ ابر کی صورت میں ہوں یا کسی اور شکل میں مفہوم اس کا بھی یہی ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والوں پر سایہ فگن ہوں گی، فرق صرف اتنا ہے کہ اس صورت میں ان سایہ دار چیزوں کا دل پہلی صورت کی بہ نسبت کم ہوگا اور وہ اپنے پڑھنے والوں کے سر سے بالکل قریب ہوں گی جیسا کہ امراء و سلاطین کے سروں پر چھتری وغیرہ کا سایہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح اس صورت میں ان کے سروں پر سایہ بھی ہوگا اور روشنی بھی ہوگی۔

تیسری صورت یہ بتائی گئی ہے کہ یا وہ پرندوں کی صف باندھے ہوئے دو ٹکڑیاں ہوں گی جن کا سایہ بھی ہوگا اور جو اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے اس بات کی وکالت و سفارش کریں گی کہ انہیں آخرت کی تمام ابدی سعادتوں سے نوازا جائے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ کان هما غمامتان او غیایتان او فرقان من طیر صواف میں حرف او تنویع (اظہار اقسام) کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تین صورتیں بیک وقت ہوں گی جن کا تعلق اپنے پڑھنے والوں کے حال کی مناسبت سے ہوگا لہٰذا اول یعنی ابر کی صورت کا تعلق اس شخص سے ہوگا جس نے یہ سورتیں پڑھیں مگر ان کے مفہوم و معانی کو نہ سمجھا۔ دوم یعنی سایہ کی چیز کا تعلق اس شخص سے ہوگا جس نے ان سورتوں کو پڑھا بھی اور ان کے معنی سمجھے اور دوسروں کو ان سورتوں کی تعلیم بھی دی۔

⑬ وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُؤْتٰى بِالْقُرْاٰنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاَهْلِهِ الَّذِيْنَ

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهٖ تَقْدُمُهُ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَاٰلِ عِمْرَانَ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ اَوْ كَاَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا (رواہ مسلم)

"اور حضرت نواسؓ ابن سمعان کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن لایا جائے گا قرآن کو اور ان لوگوں کو جو قرآن پڑھتے تھے اور ان پر عمل کرتے تھے سارے قرآن کے آگے دو سورتیں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہوں گی، اس طرح گویا کہ وہ ابر کے دو ٹکڑے ہیں یا ابر کے دو سیاہ ٹکڑے ہیں اور ان میں ایک چمک ہے، یا گویا دو ٹکڑیاں صف بستہ پرندوں کی ہیں جو پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑیں گی (یعنی اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کریں گی)۔" (رواہ مسلم)

تشریح: یوتی بالقران (لایا جائے گا قرآن کو) کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن یا تو قرآن ہی کو صورت و شکل دے کر میدان حشر میں لایا جائے گا یا اس کا ثواب لایا جائے گا۔

کانوا یعملون بہ (اور اس پر عمل کرتے تھے) سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جو شخص قرآن پڑھتا تو ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا تو وہ "اہل قرآن" میں سے نہیں ہے اور نہ ہی قرآن کریم ایسے شخص کی شفاعت و سفارش کرے گا بلکہ ایسے شخص کے حق میں قرآن خسران کا باعث ہوگا تقدمہ الخ کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کا ثواب سارے قرآن کے ثواب کے آگے ہوگا، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میدان حشر میں سارے قرآن کو ظاہری صورت و شکل دی جائے گی جسے تمام لوگ دیکھیں گے جیسا کہ میدان میں تولنے کے لئے اور تمام اعمال کو صورت دی جائے گی۔

ظلتان سوداوان (ابر کے دو سیاہ ٹکڑے ہیں) کا مطلب یہ ہے کہ دل دار اور تہ بتہ ہونے کی وجہ سے وہ ٹکڑے سیاہ ہوں گے ایسے ابر کا سایہ بہت فرحت بخش اور باعث سکون ہوتا ہے۔

بینھما شرق (اور ان میں ایک چمک ہے) سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اگرچہ ابر کے وہ ٹکڑے بہت زیادہ دلدار ہوں گے مگر اس کے باوجود وہ روشنی سے مانع نہیں ہوں گے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں "شرق" کے معنی ہیں درز (یعنی دراڑ) جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کے درمیان جو ابر کی دو ٹکڑیوں کی صورت میں ہوں گی بسملہ کے ذریعہ فرق ہوگا تاکہ دونوں سورتوں میں امتیاز رہے۔

آیت الکرسی سب سے عظیم آیت ہے

⑭ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِي اَيُّ اٰيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِي اَيُّ اٰيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ قُلْتُ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ قَالَ فَضَرَبَ فِي صَدْرِيْ وَقَالَ لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ يَا اَبَا الْمُنْذِرِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابی ابن کعبؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ مجھ سے) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "ابو المنذرؓ (یہ حضرت ابی ابن کعبؓ کی کنیت ہے) کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے" میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں (کہ وہ کون سی آیت ہے) آنحضرت ﷺ نے (پھر) پوچھا کہ "ابو المنذر! تم جانتے ہو کہ تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم (یعنی پوری آیت کرسی) حضرت ابی ابن کعبؓ کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور فرمایا کہ ابو المنذر! خدا کرے تمہارا علم خوشگوار ہو۔" (مسلم)

تشریح: جب پہلی مرتبہ آپ ﷺ نے سوال کیا تو حضرت ابی ابن کعبؓ نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے سپرد کر دیا پھر جب دوسری مرتبہ آپ نے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا اس بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ حضرت ابیؓ نے پہلی مرتبہ تو ازراہ

ادب جواب نہیں دیا دوسری مرتبہ جب آپ نے پھر پوچھا تو انہوں نے آپ ﷺ کے سوال کے پیش نظر جواب دیا گویا اس طرح انہوں نے بڑے لطیف انداز میں ادب اور فرمانبرواری دونوں کو جمع کر دیا۔ جیسا کہ اہل کمال کا طریقہ ہے مگر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پہلی مرتبہ آپ ﷺ نے سوال کیا تو حضرت ابیؓ کو جواب کا علم نہیں تھا، مگر دوسری مرتبہ جب آپ ﷺ نے پھر سوال کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا اس کے سوال کی مدد سے تفویض کی برکت اور حسن ادب کے سبب سوال کا جواب ان پر منکشف کر دیا گیا چنانچہ انہوں نے جواب دیا۔

آیۃ الکرسی کو سب سے عظیم اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ اس میں توحید، تعظیم الٰہی، اسماء حسنیٰ اور صفات باری تعالیٰ جیسے عظیم و عالی مضامین کا بیان ہے۔

⑮ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ وَكَّلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ فَاَتَانِیْ اٰتٍ فَجَعَلَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ وَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَعَلَیَّ عِيَالٌ وَلِیْ حَاجَةٌ شَدِيْدَةٌ قَالَ فَخَلَّيْتُ عَنْهُ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ الْبَارِحَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً وَعِيَالًا فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ قَالَ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ فَعَرَفْتُ اَنَّهٗ سَيَعُوْدُ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ سَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُهٗ فَجَاءَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعْنِیْ فَاِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَعَلَیَّ عِيَالٌ لَا اَعُوْدُ فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً وَعِيَالًا فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَقَالَ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُهٗ فَجَاءَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا اٰخِرُ ثَلَاثِ مَرَّاتٍ اِنَّكَ تَزْعَمُ لَا تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ قَالَ دَعْنِیْ اُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا اِذَا اَوَيْتَ اِلٰی فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ اٰيَةَ الْكُرْسِیِّ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ حَتّٰی تَخْتِمَ الْاٰيَةَ فَاِنَّكَ لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتّٰی تُصْبِحَ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ قُلْتُ زَعَمَ اَنَّهٗ يُعَلِّمُنِیْ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُنِی اللّٰهُ بِهَا قَالَ اَمَا اِنَّهٗ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوْبٌ وَتَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلَاثِ لَيَالٍ قُلْتُ لَا قَالَ ذَاكَ شَيْطَانٌ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے رمضان کی زکوٰۃ (یعنی صدقہ عید الفطر) کی نگہبانی اور جمع کرنے پر مجھے مامور فرمایا (تاکہ جمع ہونے کے بعد آپ اسے فقراء میں تقسیم فرما دیں) چنانچہ (اس دوران میں) ایک شخص میرے پاس آیا اور اپنے ہاتھوں سے (اپنے دامن اور اپنے برتن میں) غلہ بھرنا شروع کر دیا، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول کریم ﷺ کے پاس لے چلوں گا، (اور تجھے اس غلط حرکت کی سزا دلواؤں گا) اس نے کہا کہ "میں ایک محتاج ہوں، میرے اوپر میرے اہل و عیال کا نفقہ ہے اور میں سخت حاجتمند ہوں (یعنی میرے ذمہ قرض وغیرہ بھی ہے) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے (اس کی یہ خستہ حالت سن کر) اسے چھوڑ دیا، جب صبح ہوئی تو رسول کریم ﷺ مجھ سے فرمانے لگے، کہ "ابوہریرہؓ تمہارے گزشتہ رات کے قیدی کا کیا ہوا؟ (اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دے دی تھی) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ مجھ سے اپنی سخت حاجت اور عیال داری کا رونا رونے لگا اس لئے مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا" آپ ﷺ نے فرمایا "خبردار رہنا! اس نے (اپنے حالات کے اظہار میں) تم سے جھوٹ بولا ہے، وہ پھر آئے گا (اس لئے آئندہ احتیاط رکھنا) میں سمجھ گیا کہ ضرور آئے گا چنانچہ میں اس کا منتظر رہا، وہ آیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے غلہ بھرنا شروع کر دیا، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ (اب تو) میں تجھے رسول کریم ﷺ کے پاس لے جاؤں گا" اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دیجئے، میں ضرور تمند ہوں میرے اوپر کنبہ کا نفقہ ہے اب آئندہ میں نہیں آؤں گا" مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا (اور اس مرتبہ میں نے یہ سلوک

اس لئے کیا کہ اس نے آئندہ نہ آنے کا وعدہ کیا تھا اور نہ تو اپنی حاجت و ضرورت کے بارہ میں اس کا جھوٹ مخبر صادق یعنی آنحضرت ﷺ کی زبانی معلوم ہی ہو چکا تھا) جب صبح ہوئی تو رسول کریم ﷺ نے مجھ سے پھر فرمایا کہ "ابوہریرہؓ! تمہارا قیدی کیا ہوا" میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ میرے سامنے اپنی شدید ضرورت و حاجت اور عیالداری کا دکھڑا رونے لگا، اس لئے مجھے اس پر رحم آگیا اور میں نے (اس کے اس وعدہ پر کہ آئندہ پھر کبھی نہیں آؤں گا) اس کو چھوڑ دیا" آپ ﷺ نے فرمایا "ہوشیار رہنا! اس نے (اس مرتبہ بھی) جھوٹ بولا ہے (کہ میں آئندہ نہیں آؤں گا) وہ پھر آئے گا۔" چنانچہ میں اس کا منتظر رہا اور وہ پھر آیا، جب اس نے غلہ بھرنا شروع کیا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ "میں آج تو تجھے ضرور ہی رسول کریم ﷺ کے پاس لے جاؤں گا یہ آخری تیسرا موقع ہے تو نے تو کہا تھا آئندہ نہیں آؤں گا (اسی لئے میں نے تجھے اس مرتبہ چھوڑ دیا تھا) مگر تو پھر آگیا" اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں تمہیں ایسے کلمات سکھاؤں گا کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے نفع پہنچائے گا (اور وہ یہ کہ) جب تم (سونے کے لئے) اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم آخر آیت (یعنی وھو العلی العظیم) تک پڑھو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ ہمیشہ ایک نگہبان (فرشتہ) رہا کرے گا اور صبح تک تمہارے پاس کوئی شیطان (خواہ وہ انسان میں سے ہو یا جنات میں سے دنیوی تکلیف و اذیت پہنچانے کے لئے) نہیں آئے گا" میں نے (یہ سن کر) اسے اس مرتبہ بھی چھوڑ دیا، جب صبح ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے پھر فرمایا کہ تمہارا قیدی کیا ہوا، میں نے عرض کیا کہ "قیدی نے (جب) مجھ سے یہ کہا کہ وہ مجھے کچھ کلمات سکھائے گا، جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع پہنچائے گا (تو میں نے اس مرتبہ بھی اس کو چھوڑ دیا) آپ ﷺ نے فرمایا "آگاہ رہو (اگرچہ) اس نے تم سے (ان کلمات کے بارہ میں) سچ کہا ہے (مگر) وہ (دوسری باتوں میں) جھوٹا ہے، اور تم جانتے ہو کہ تم ان تین راتوں میں کس سے مخاطب تھے؟" میں نے کہا کہ نہیں! "آپ ﷺ نے فرمایا وہ شیطان تھا (جو اس طرح مکر و فریب سے صدقات کے مال میں کمی کرنے آیا تھا۔" (بخاری)

سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتوں کی فضیلت

(۲۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَمَا جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ نَقِيْضًا مِنْ فَوْقِهٖ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ هٰذَا بَابٌ مِنَ السَّمَاءِ فُتِحَ الْيَوْمَ لَمْ يُفْتَحْ اِلَّا الْيَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَقَالَ هٰذَا مَلَكٌ نَزَلَ اِلَى الْاَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ اِلَّا الْيَوْمَ فَسَلَّمَ فَقَالَ اَبْشِرْ بِنُوْرَيْنِ اُوْتِيْتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيْمُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِنْهُمَا اِلَّا اُعْطِيْتَهٗ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) جب جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ تو انہوں نے (یعنی جبرئیل نے) اوپر کی طرف دروازہ کھلنے کی سی آواز سنی چنانچہ انہوں نے اپنا سر اوپر اٹھالیا اور کہا کہ "یہ آسمان کا دروازہ کھولا گیا ہے آج کے علاوہ اور کبھی یہ نہیں کھولا گیا ہے" جب ہی اس دروازے سے ایک فرشتہ اترا، حضرت جبرئیل نے کہا کہ "یہ فرشتہ آج سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا ہے" پھر اس فرشتے نے (آنحضرت کو) سلام کیا اور کہا کہ "خوشخبری ہو کہ آپ کو وہ دو نور عطا فرمائے گئے ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے اور کسی نبی کو نہیں دیئے گئے اور وہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کا آخری حصہ ہیں، ان میں سے آپ (ﷺ) کی طرف پڑھے گئے ایک ایک حرف کے عوض آپ (ﷺ) کو ثواب ملے گا یا آپ (ﷺ) کی دعا قبول کی جائے گی۔" (مسلم)

تشریح: فَنَزَلَ مِنْهُ (اس دروازہ سے ایک فرشتہ اترا) یہ راوی کے الفاظ ہیں کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے اس طرح سنا۔ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کے آخری حصہ کو "دو نور" سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان کو نور کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورۃ اور آیتیں قیامت کے روز روشنی کی شکل میں ہوں گی جو اپنے پڑھنے والوں کے آگے آگے چلیں گی۔

"سورۂ بقرہ کا آخری حصہ" سے کہاں سے کہاں تک کی آیتیں مراد ہیں؟ تو اس سلسلہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ لِلّٰهِ مَا فِي

السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ آخر سورہ تک سورہ بقرہ کا آخری حصہ ہے چنانچہ حضرت کعبؓ سے بھی یہی منقول ہے۔

ایک ایک حرف میں حرف سے مراد کلمہ (آیت یا آیت کا ٹکڑا) ہے سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیتوں میں دو قسم کے کلمات ہیں ایک قسم تو وہ جو دعا پر مشتمل ہیں جیسے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا اور دوسری قسم وہ ہے جو فقط حمد و ثناء پر مشتمل ہیں لہٰذا جب وہ کلمہ (یعنی آیت یا آیت کا وہ ٹکڑا) پڑھا جائے گا جو دعائیہ ہے تو پڑھنے والے کو وہ چیز ضرور عطا کی جائے گی جو اس کلمہ میں مذکور ہے اسی طرح جب وہ کلمہ پڑھا جائے گا جو حمد و ثناء پر مشتمل ہے تو اس کو وہی ثواب دیا جائے گا جو قرآن کے حرفوں پر ملتا ہے۔

(۱۷) وَعَنْ اَبِی مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاٰيَتَانِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَأَ بِهِمَا فِیْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابو مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص رات میں سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں یعنی امن الرسول سے آخر تک پڑھتا ہے تو اس کے لئے وہ کافی ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "کافی ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات میں ان آیتوں کے پڑھنے کی وجہ سے انسان و جنات کے شرارت و ایذاء سے محفوظ رہتا ہے گویا یہ آیتیں اس کے لئے دافع شر و بلا ہو جاتی ہیں یا یہ مطلب ہے کہ یہ دو آیتیں اس کے حق میں قیام لیل و عبادت و ذکر کے لئے شب بیداری کا قائم مقام بن جاتی ہیں۔

سورۂ کہف کی پہلی دس آیتوں کو یاد کر لینے کا اثر

(۱۸) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَشْرَ اٰيَاتٍ مِنْ اَوَّلِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو درداءؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص سورۂ کہف کی پہلی دس آیتیں یاد کرے تو وہ دجال کے شر سے بچایا جائے گا"۔" (مسلم)

تشریح: دجال سے مراد یا تو وہ دجال ہے جو آخری زمانہ میں قیامت کے قریب پیدا ہوگا اور لوگوں کو اپنے مکر و فریب میں پھانسے گا، یا پھر ہر وہ جھوٹا اور فریبی مراد ہے جو اپنے جھوٹ و فریب سے لوگوں کو پریشان کرتا ہے۔

ترمذیؒ کی روایت میں جو آگے دوسری فصل میں آئے گی یہ منقول ہے کہ "جس شخص نے سورہ کہف کی اول تین آیتیں پڑھیں تو وہ فتنہ دجال سے بچایا جائے گا"، بعض حضرات نے ان دونوں روایتوں میں یہ مطابقت پیدا کی ہے کہ جو شخص دس آیتیں یاد کرے گا تو وہ دجال کے شر سے بچایا جائے گا اگر وہ اس سے ملے گا اور جو شخص تین آیتیں پڑھے گا تو وہ دجال کے فتنہ سے بچایا جائے گا اگر وہ اس سے نہیں ملے گا۔

حاصل یہ کہ دجال کا فتنہ اس کی ملاقات کی صورت میں زیادہ سخت ہوگا بہ نسبت اس فتنہ کے جو عدم ملاقات کی صورت میں ہوگا، لہٰذا جو شخص دس آیتیں یاد کرے گا تو وہ فتنہ ملاقات سے محفوظ ہوگا جو شخص تین آیتیں پڑھے گا تو وہ اس فتنہ سے محفوظ رہے گا جس میں لوگ دجال سے ملے بغیر گرفتار ہوں گے۔

قل ہو اللہ کی فضیلت

(۱۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّقْرَأَ فِیْ لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ قَالُوْا وَكَيْفَ يَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ الْبُخَارِیُّ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ۔

"اور حضرت ابو درداءؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کیا تم میں سے کوئی شخص ایک رات میں تہائی قرآن پڑھنے سے عاجز ہے؟" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "تہائی قرآن کیسے پڑھا جائے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "قل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے (جس شخص نے رات میں یہ سورۃ پڑھ لی گویا اس نے تہائی قرآن پڑھ لیا) مسلمؒ امام بخاری نے اس روایت کو ابو سعید سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: قرآن کریم میں بنیادی طور پر تین قسم کے مضمون مذکور ہیں ① قصص۔ ② احکام۔ ③ توحید۔ چونکہ سورہ قل ھو اللہ احد میں باری تعالیٰ کی توحید نہایت اونچے اور بلیغ انداز میں بیان ہے یا یوں کہئے کہ پورے قرآن مجید میں توحید کے بارہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے سورہ قل ھو اللہ احد اس کا خلاصہ اور حاصل ہے اس لئے سورہ قل ھو اللہ پڑھنا تہائی قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔

اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ قل ھو اللہ کا ثواب تہائی قرآن کے اصل ثواب کے بقدر مضاعف کیا جاتا ہے (یعنی بڑھایا جاتا ہے) اس طرح ان دونوں اقوال میں ایک لطیف فرق پیدا ہو گیا ہے، پہلے قول اور پہلی وضاحت کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص سورہ قل ھو اللہ تین مرتبہ پڑھے تو یہ لازم نہیں آتا کہ اسے پورے قرآن کا ثواب ملے، جب کہ دوسرے قول کے مطابق قل ھو اللہ تین مرتبہ پڑھنے سے ایک پورے قرآن کا اصل ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

⑳ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا عَلٰى سَرِيَّةٍ وَكَانَ يَقْرَأُ لِاَصْحَابِهٖ فِيْ صَلَاتِهِمْ فَيَخْتِمُ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَلُوْهُ لِاَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فَسَأَلُوْهُ فَقَالَ لِاَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَقْرَأَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبِرُوْهُ اَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهٗ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو امیر بنا کر ایک لشکر کے ساتھ بھیجا وہ شخص نماز میں اپنے رفقاء کی امامت بھی کرتا تھا اور (اس کا معمول تھا کہ اپنی قرأت) قل ھو اللہ پر ختم کرتا تھا، جب وہ (لشکر کے لوگ) واپس آئے تو انہوں نے اس کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس شخص سے دریافت کرو کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ "یہ اس لئے کرتا ہوں کہ اس سورۃ میں رحمٰن اللہ تعالیٰ کی صفت (وحدانیت) بیان کی گئی ہے اور میں اسے پسند کرتا ہوں کہ (اللہ کی صفت وحدانیت کے اظہار کے پیش نظر) اس سورۃ کو (ہمیشہ) پڑھتا رہوں، نبی کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "اس شخص کو خبر دو کہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتا ہے (کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "قل ھو اللہ پر ختم کرتا تھا" کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر نماز کی آخری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ قل ھو اللہ پڑھا کرتا تھا، لیکن علامہ ابن حجرؒ نے اس کی وضاحت یہ کی ہے کہ وہ شخص ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ یا سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کے بعد قل ھو اللہ پڑھتا تھا، اس سلسلہ میں پہلی وضاحت ہی زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں تمام علماء کے نزدیک نماز بلا کراہت ادا ہو جاتی ہے۔

㉑ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قَالَ اِنَّ حُبَّكَ اِيَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ معناه۔

"اور حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا ہے کہ یا رسول اللہ! میں اس سورۃ یعنی قل ھو اللہ کو دوست رکھتا ہوں (یعنی اسے اکثر پڑھتا رہتا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس سورۃ سے تمہاری دوستی تمہیں جنت میں داخل کرے گی" (ترمذی) امام بخاریؒ نے اس روایت کو بالمعنی نقل کیا ہے۔"

معوذتین کی فضیلت

㉒ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَمْ تَرَ اٰيَاتٍ اُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "آج کی رات ایسی عجیب آیتیں اتاری گئی ہیں کہ (پناہ طلب کرنے کے سلسلہ میں) ان کا کوئی جواب نہیں ہے اور وہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں۔" (مسلمؒ)

آنحضرت ﷺ رات میں قل ھو اللہ اور معوذتین پڑھ کر اپنے بدن پر دم کرتے تھے

(۲۳) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَأَ فِيْهِمَا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَأُ بِهِمَا عَلٰى رَأْسِهٖ وَوَجْهِهٖ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ لَمَّا اُسْرِيَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَابِ الْمِعْرَاجِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ روزانہ رات میں جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو (سونے سے پہلے) اپنے دونوں ہاتھ ملا کر ان پر دم کرتے اور پھر ان پر قل ھو اللہ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے اور پھر اپنے دونوں ہاتھ اپنے جسم پر جہاں تک ہو سکتا پھیرتے پہلے آپ ﷺ ہاتھ پھیرنا، اپنے سر، منہ اور بدن کے آگے حصہ سے شروع کرتے (اس کے بعد بدن کے دوسروں پر پھیرتے) آپ ﷺ یہ عمل (یعنی پڑھنا، دم کرنا اور بدن پر دونوں ہاتھوں کا پھیرنا) تین مرتبہ کرتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھوں پر دم تو پہلے کرتے تھے اور پڑھتے بعد میں تھے، چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ ﷺ یہ طریقہ اس لئے اختیار فرماتے تھے تاکہ ساحروں کی مخالفت ظاہر ہو کیونکہ وہ پہلے پڑھتے ہیں اور بعد میں دم کرتے ہیں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے دم کرنے کا ارادہ کرتے پھر پڑھتے اور اس کے بعد دم کرتے وسنذکر حدیث ابن مسعود لما اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی باب المعراج ان شاء اللہ تعالٰی اور ابن مسعودؓ کی حدیث لما اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انشاء اللہ تعالٰی ہم معراج کے باب میں ذکر کریں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

قیامت کے دن عرش کے نیچے تین چیزیں ہوں گی

(۲۴) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ تَحْتَ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْقُرْاٰنُ يُحَاجُّ الْعِبَادَ لَهٗ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ وَالْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ تُنَادِي اَلَا مَنْ وَصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللّٰهُ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف، نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن عرش کے نیچے تین چیزیں ہوں گی ایک تو قرآن جو بندوں سے جھگڑے گا اور قرآن کے لئے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی عرش کے نیچے دوسری چیز امانت ہوگی تیسری چیز جو پکارے گی، خبردار! جس شخص نے مجھے بلایا (یعنی میرے حق کی رعایت کی بایں طور کہ میرے احکام کی فرمانبرداری کا جو حق اس پر ہے اسے اداء کیا، تو اللہ تعالٰی اسے بھی (اپنی رحمت کے ساتھ) ملائے گا اور جس شخص نے مجھے توڑا (یعنی میرے حق کو ادا نہیں کیا) تو اللہ تعالٰی بھی اس شخص کو توڑے گا (یعنی اس پر رحمت خاص متوجہ نہ ہوگی۔" (شرح السنۃ)

تشریح: "عرش کے نیچے تین چیزیں ہوں گی" سے دراصل اس بات کی طرف کنایہ ہے کہ قیامت کے روز ان تین چیزوں کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کمال قرب و اعتبار حاصل ہوگا اور حق سبحانہ تعالٰی ان کے حق کو اور ان کے ثواب کو جو ان کے اختیار کرنے والوں کو ملے گا ضائع نہیں کرے گا۔

"بندوں سے جھگڑے گا" کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنی دنیاوی زندگی میں قرآن کی تعظیم نہ کی ہوگی اور اس پر عمل نہ کیا ہوگا

قیامت کے روز قرآن کریم ان سے جھگڑے گا یعنی ان کو سزا دلوائے گا اور جن لوگوں نے اپنی دنیاوی زندگی میں قرآن کریم کی تعظیم بھی کی ہوگی اور اس پر عمل بھی کیا ہوگا تو قرآن ان کی طرف سے جھگڑے گا یعنی بارگاہ رب العزت میں ان کی طرف سے وکالت اور اس کی شفاعت کرے گا۔

"قرآن کے لئے ظاہر بھی ہے" کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم میں احکام وغیرہ بیان کئے گئے ہیں ان کے معنی بالکل ظاہر اور واضح ہیں جن کو اکثر لوگ سمجھتے ہیں ان میں کسی غور وفکر اور تامل کی ضرورت نہیں ہے، اسی طرح "باطن" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کے کچھ معنی ایسے ہیں جنہیں سمجھنے کے لئے غور وفکر اور تفسیر و تامل کی ضرورت ہوتی ہے، یا یوں کہئے کہ ان معنی کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ خواص اور علماء ہی سمجھتے ہیں اس ارشاد گرامی سے گویا اس طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ قرآن پر عمل نہیں کرتے ان سے قیامت کے روز قرآن کے بارہ میں ہر شخص کی سمجھ اور اس کے علم کے بقدر ہی مواخذہ ہوگا "امانت" سے حقوق اللہ اور حقوق العباد مراد ہیں کہ جن کی ادائیگی لازم ہے۔

قرآن کو ترتیل سے پڑھنے کی فضیلت

(۲۵) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ کَمَا کُنْتَ تُرَتِّلُ فِی الدُّنْیَا فَاِنَّ مَنْزِلَکَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰیَۃٍ تَقْرَؤُھَا (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" (قیامت کے دن) صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور (بہشت کے درجوں پر) چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا پس تیری منزل اس آخری آیت پر ہوگی جسے تو پڑھے گا۔" (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: "صاحب قرآن" سے وہ شخص مراد ہے جو قرآن کریم کی ہمیشہ تلاوت بھی کرتا رہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہو، وہ شخص مراد نہیں ہے جو تلاوت تو کرتا ہے مگر اس پر عمل نہ کرے بلکہ پہلے بتایا بھی جا چکا ہے کہ ایسا شخص کسی جزاء اور انعام کا مستحق تو کیا ہوگا، الٹا قرآن کی لعنت میں گرفتار ہوگا کیونکہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے، مگر اس پر عمل نہیں کرتا قرآن اس پر لعنت کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک یہ روایت پیش نظر رہنی چاہئے کہ جس شخص نے قرآن پر عمل کیا اس نے گویا ہمیشہ قرآن پڑھا اگرچہ حقیقت میں نہ پڑھا ہو اور جس شخص نے قرآن پر عمل نہیں کیا اس نے گویا قرآن پڑھا ہی نہیں اگرچہ حقیقت میں پڑھا ہو، حاصل یہ کہ قرآن کی محض تلاوت ہی کافی نہیں ہے، بلکہ بنیادی چیز قرآن پر عمل کرنا ہے۔

"پڑھتا جا اور چڑھتا جا" یعنی قرآن کریم پڑھتا جا اور پڑھی ہوئی آیتوں کے بقدر جنت کے درجات پر چڑھتا جا، جتنی آیتیں تو پڑھے گا اتنے ہی درجات تک تیری رسائی ہوگی، ایک روایت میں منقول ہے کہ قرآن کریم کی جتنی آیتیں ہیں جنت کے اتنے ہی درجات ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص پورا قرآن پڑھے گا تو وہ جنت کے سب سے اونچے درجات میں سے اس درجہ پر پہنچے گا جس کا وہ اہل اور جو اس کے لائق ہوگا۔

یہ بات پہلے ہی بتائی جا چکی ہے کہ آداب تلاوت قرآن کریم میں سے ایک سب سے اعلیٰ ادب یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کر اور لب ولہجہ کے پورے سکون ووقار کے ساتھ پڑھا جائے، چنانچہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو حافظ قرآن کریم ترتیل کے ساتھ پڑھتے ہیں جنت میں ان کا بڑا مرتبہ ہوگا۔

قرآن کریم کی آیتوں کی تعداد کوفیوں کے اصول کے اعتبار سے جن کا فن قرأت اور اصول ہمارے اطراف میں مروج ہے چھ ہزار دو سو چھتیس ہے، اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں، مزید تفصیل ووضاحت کے لئے تجوید و قرأت کی کتابوں سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

قرآن سے خالی دل ویران گھر کی مانند ہے

(۲۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِہٖ شَیْءٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کا دل قرآن سے خالی ہو تو وہ (یا اس کا دل) ویران گھر کی طرح ہے" (ترمذیؒ، دارمیؒ) امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔"

تشریح: گھر کی رونق مکین سے ہے، گھر کتنا ہی خوبصورت اور وسیع ہو اگر اس میں کوئی رہنے والا نہ ہو تو اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ گھر کی ویرانی، گھر کی قیمت اور اس کی اہمیت کو عام نظروں سے گرا دیتی ہے، اسی طرح انسان کا معاملہ ہے اگر انسان کا دل ایمان و قرآن کے نور سے خالی ہو تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے، چنانچہ مذکورہ بالا ارشاد گرامی کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن بالکل نہیں جانتا اور نہ اس پر ایمان رکھتا ہے یا قرآن تو جانتا ہو مگر اس پر ایمان نہ رکھتا ہو تو وہ ویران گھر کی طرح ہے، اور جو شخص قرآن پڑھنا جانتا ہے اسے پڑھتا ہے اور سمجھتا ہے نیز اس پر ایمان بھی رکھتا ہے تو اس کا باطن ایمان کے نور سے آباد ہے، اب یہ فرق الگ رہا کہ جو شخص تھوڑا جانتا ہو گا اس کا باطن ایمان کی دولت سے تھوڑا آباد ہو گا اور جو شخص بہت جانتا ہو گا اس کا باطن بھی بہت آباد ہو گا۔

مشغولیت قرآن کا اثر

(۲۷) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَنْ شَغَلَہُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِکْرِیْ وَمَسْاَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ وَفَضْلُ کَلَامِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابو سعیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآن کریم میرے ذکر اور مجھ سے مانگنے سے باز رکھتا ہے تو میں اس کو اس چیز سے بہتر عطا کرتا ہوں جو مانگنے والوں کو دیتا ہوں، اور تمام کلاموں کے مقابلہ میں کلام اللہ کو وہی عظمت و بزرگی حاصل ہے جو اللہ رب العزت کو اس کی تمام مخلوقات پر بزرگی اور برتری حاصل ہے (لہٰذا قرآن کریم میں مشغول رہنے والے کو دوسری چیزوں میں مشغول رہنے والوں پر بھی اسی طرح برتری و بزرگی حاصل ہوتی ہے) ترمذی، دارمی، بیہقی نیز امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: اللہ رب العزت کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن یاد کرنے، اس کے مفہوم و معنی کے سمجھنے اور جاننے اور قرآن کریم میں مذکورہ احکام و ہدایات پر عمل کرنے میں مشغول رہتا ہے اور اس کی یہ مشغولیت اس کو ان افکار و اوراد اور دعا سے جو کلام اللہ کے علاوہ باز رکھتی ہیں یعنی وہ قرآن میں مشغولیت کی وجہ سے نہ تو مجھے یاد کرتا ہے اور نہ ہی مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے مانگنے والوں سے بھی زیادہ دیتا ہوں کیونکہ قرآن کے ساتھ اس درجہ کی مشغولیت اور انہماک در حقیقت اس بات کی ہوتی ہے کہ وہ شخص اپنی ہر خواہش اور اپنی ہر طلب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے اس کے کلام پاک ہی سے تعلق قائم کئے ہوئے ہے۔ لہٰذا اس کے اس عظیم جذبہ کے تحت اسے یہ اجر دیا جائے گا۔

اس موقع پر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ حدیث قدسی کے شروع کے الفاظ تو یہ ہیں کہ من شغلہ القراٰن عن ذکری لہٰذا اس کا تقاضا یہ تھا کہ آخر میں بھی "ذکر کرنے اور مانگنے" والوں کو بیان کیا جاتا کہ "میں اس چیز سے بہتر عطا کرتا ہوں جو ذکر کرنے والوں اور مانگنے والوں کو دیتا ہوں" مگر یہاں صرف "مانگنے والوں" کا ذکر کیا گیا ہے "ذکر کرنے والوں" کا ذکر نہیں کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ "ذکر" بھی

درحقیقت دعا (مانگنا) ہی ہے، کیونکہ کریم کی حمد و ثناء اور اس کے ذکر کا مقصود بھی یہی ہوتا ہے کہ مجھے کچھ عطا ہو اس لئے اس ارشاد کے آخر میں بھی "مانگنے والوں" کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔

حدیث کے آخری جملہ وفضل کلام اللہ الخ کے بارہ میں یہاں یہ احتمال ہے کہ یہ جملہ قدسی ہی کا تتمہ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے وہیں یہ بھی احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے اور یہی احتمال زیادہ صحیح ہے۔

قرآن کے ہر حرف کے عوض دس نیکیاں

(۲۸) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ فَلَہٗ بِہٖ حَسَنَۃٌ وَالْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا لَا اَقُوْلُ الٓمّٓ حَرْفٌ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِیْمٌ حَرْفٌ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص قرآن کا ایک حرف پڑھے تو اس کے لئے ہر حرف کے عوض ایک نیکی ہے جو دس نیکیوں کے برابر ہے (یعنی قرآن کے ہر حرف کے عوض دس نیکیاں ملتی ہیں) میں یہ نہیں کہتا کہ سارا الم ایک حرف ہے (بلکہ) الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (یعنی الم کہنے میں تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں) (ترمذیؒ، دارمیؒ) اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن صحیح غریب ہے۔"

قرآن سرچشمۂ ہدایت ہے

(۲۹) وَعَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ قَالَ مَرَرْتُ فِی الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ یَخُوْضُوْنَ فِی الْاَحَادِیْثِ فَدَخَلْتُ عَلٰی عَلِیٍّ فَاَخْبَرْتُہٗ فَقَالَ اَوَ قَدْ فَعَلُوْھَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَمَا اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلَا اِنَّھَا سَتَکُوْنُ فِتْنَۃٌ قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ کِتَابُ اللّٰہِ فِیْہِ نَبَأُ مَا قَبْلَکُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَکُمْ وَحُکْمُ مَا بَیْنَکُمْ ھُوَ الْفَصْلُ لَیْسَ بِالْھَزْلِ مَنْ تَرَکَہٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَہُ اللّٰہُ وَمَنِ ابْتَغَی الْھُدٰی فِیْ غَیْرِہٖ اَضَلَّہُ اللّٰہُ وَھُوَ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ وَھُوَ ذِکْرُ الْحَکِیْمِ وَھُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ ھُوَ الَّذِیْ لَا تَزِیْغُ بِہِ الْاَھْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِہِ الْاَلْسِنَۃُ وَلَا یَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَاءُ وَلَا یَخْلُقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ وَلَا یَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ ھُوَ الَّذِیْ لَمْ تَنْتَہِ الْجِنُّ اِذَا سَمِعَتْہُ حَتّٰی قَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّھْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ مَنْ قَالَ بِہٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِہٖ اُجِرَ وَمَنْ حَکَمَ بِہٖ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا اِلَیْہِ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ اِسْنَادُہٗ مَجْھُوْلٌ وَفِی الْحَارِثِ مَقَالٌ۔

"اور حضرت حارثؒ جو اعور (یعنی کانی آنکھ والے) تھے راوی ہیں کہ میں (ایک دن کوفہ کی) مسجد میں (بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس) گیا (تو میں نے دیکھا کہ وہ) لوگ بیکار ولایعنی گفتگو (یعنی قصے کہانیوں) میں مصروف ہیں (اور انہوں نے قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ ترک کی ہوئی ہے) چنانچہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اس کے بارہ میں بتایا، انہوں نے فرمایا "کیا انہوں نے واقعی ایسا کیا ہے (کہ تلاوت قرآن وغیرہ چھوڑ کر بیکار باتوں میں مصروف ہیں؟) میں نے کہا کہ "جی ہاں!" انہوں نے فرمایا "تو پھر سن لو! میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خبردار! فتنہ واقع ہوگا (یعنی لوگوں کے دینی افکار و عقائد میں اختلاف ہوگا، اعمال میں سست روی اور گمراہی پیدا ہوگی اور وہ گمراہ لوگ اسلام کے نام پر نت نئے مذاہب و نظریات کی داغ بیل ڈالیں گے) میں نے عرض کیا کہ "حضرت ﷺ! پھر اس سے نجات پانے کا کیا راستہ ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "کتاب اللہ (یعنی نجات کا راستہ قرآن پر عمل کرنے ہی سے ہاتھ لگے گا) جس میں تم سے پہلے لوگوں (یعنی پچھلی امتوں کے حالات بھی ہیں اور ان باتوں کی بھی خبر دی گئی ہے جو تمہارے بعد واقع ہونے والی ہیں (یعنی قیامت کی علامات و احوال) اور اس قرآن میں وہ احکام بھی مذکور ہیں جو تمہارے درمیان (ضروری) ہیں (یعنی) ایمان کفر،

اطاعت وگناہ حلال وحرام اور اسلام کے شرائع نیز آپس کے تمام معاملات وغیرہ کے بارہ میں احکام بیان کئے گئے ہیں جو پوری انسانی برادری کے لئے ضروری ہیں) اور (یاد رکھو) وہ قرآن حق و باطل کے درمیان (اپنے احکام کے ذریعہ) فرق کرنے والا ہے وہ کوئی بیکار ولا یعنی چیز نہیں ہے اور (یہ بھی کان کھول کر سن لو کہ) جس متکبر نے قرآن کو چھوڑ دیا اس کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر ڈالے گا اور جو شخص اس قرآن کے علاوہ (کسی ایسی کتاب وعلم سے کہ جو نہ قرآن سے مستنبط ہے اور اسلامی شرائع ونظریات کے مطابق ہے) ہدایت وروشنی چاہے گا تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دے گا وہ قرآن اللہ کی مضبوط سیدھی رسی ہے (یعنی خدا کے قرب اور اس کی معرفت کا سب سے قوی وسیلہ ہے) قرآن باحکمت ذکر اور بیان ہے، قرآن بالکل سیدھا اور صاف راستہ ہے (جس پر چل کر انسان اپنی تخلیق کا حقیقی مقصد پاتا ہے) قرآن وہ سرچشمہ ہدایت ہے جس کی اتباع کے نتیجہ میں خواہشات انسانی حق سے باطل کی طرف مائل نہیں ہوتیں، اس کی زبان سے اور زبانیں نہیں ملتیں، علماء اس سے (کبھی) سیر نہیں ہوتے (یعنی علماء ومفسرین اس کے تمام علوم معارف پر حاوی نہیں ہوتے) اور قرآن مجید مزاولت (کثرت تلاوت) سے پرانا نہیں ہوتا اور نہ اس کے عجائب تمام ہوتے ہیں، قرآن کریم وہ کلام ہے جس کو جنات نے سنا تو وہ ایک لحہ توقف کئے بغیر کہہ اٹھے کہ ہم نے قرآن سنا جو ہدایت کی عجیب راہ دکھاتا ہے لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے (یاد رکھو) جس شخص نے قرآن کے مطابق کہا اس نے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا اسے ثواب دیا جائے گا (یعنی وہی اقوال ونظریات صحیح اور قابل قبول ہیں جو قرآن کے عین مطابق ہیں اسی طرح ہدایت یافتہ بھی وہی شخص ہے جس نے قرآن کو سرچشمہ ہدایت جان کر اس پر عمل کیا) جس شخص نے (لوگوں کے درمیان) قرآن کے مطابق فیصلہ و انصاف کیا اور جس نے (لوگوں کو) اس (پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے) کی طرف بلایا اس کو سیدھی راہ دکھائی گئی ہے (یعنی وہ ہدایت یافتہ ہے) ترمذیؒ، دارمیؒ اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند مجہول ہے اور اس کے راوی حارث اعور کے بارہ میں کلام ہے (یعنی ان کے سچا ہونے میں شبہ کیا جاتا ہے)۔"

تشریح: "متکبر سے مراد" منکر قرآن ہے یعنی وہ شخص جو قرآن پر ایمان نہیں لایا اور نہ اس نے قرآن پر عمل کیا اور ظاہر ہے کہ ایسا بدبخت شخص وہی ہو سکتا ہے جس کے قلب میں غرور وتکبر اور تعصب کے جراثیم موجود ہوں۔

حدیث میں لفظ "قصم" کے معنی ہیں توڑ ڈالنا اور جدا کر دینا اس لئے اس جملہ کا لفظی ترجمہ یہ ہو سکتا ہے کہ جس متکبر نے قرآن چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ اس کی گردن توڑ ڈالے گا لیکن عام طور پر اس کا ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر ڈالے گا۔ کیونکہ مفہوم وحقیقت کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ دونوں کا مطلب یہی ہے کہ جو شخص قرآن کا انکار کرے گا یا اس پر عمل نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا جس کا مآل کار ہلاکت وتباہی ہے بخلاف اس شخص کے کہ جو قرآن پر ایمان بھی لائے اور اس پر عمل بھی کرے اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے قریب کر دے گا اور اسے اعلیٰ مراتب ودرجات عطا فرمائے گا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جس شخص نے قرآن کی کسی ایسی ایک آیت یا ایک کلمہ پر بھی عمل[1] کرنا چھوڑ دیا جس پر عمل کرنا واجب ہے یا ازراہ تکبر اس آیت یا کلمہ کی قرأت نہیں کی تو وہ شخص کافر ہو جاتا ہے، ہاں اگر کوئی محض کسل وضعف یا عجز کی وجہ سے قرآن کی تلاوت چھوڑ دے مگر اس کا قلب قرآن کی عظمت وحرمت کے اعتقاد سے پر ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں البتہ وہ ثواب سے محروم رہتا ہے۔

"خواہشات انسانی حق سے باطل کی طرف مائل نہیں ہوتیں" اس پورے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن کی اتباع کرتا ہے اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اور اپنی زندگی کے ہر موڑ پر قرآن کی رہنمائی وہدایت کا طلب گار ہوتا ہے تو وہ ہر گمراہی اور ہر ضلالت سے محفوظ رہتا ہے، توفیق الٰہی اسے اسی راستہ پر گامزن رکھتی ہے جو حق وہدایت کی شاہراہ ہوتی ہے۔

اگر اس موقع پر یہ اشکال پیدا ہو کہ اہل بدعت اور روافض وخوارج یا موجودہ دور کے دوسرے فرقے وغیرہ بھی تو قرآن ہی سے استدلال کرتے ہیں اور قرآن ہی کی رہنمائی ہی کا دم بھرتے ہیں، مگر اس کے باوجود وہ گمراہی سے محفوظ نہیں ہوتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو

---

[1] یعنی ازراہ انکار و ازراہ تکبر عمل کرنا چھوڑ دیا۔

یہی بات محل نظر ہے کہ قرآن سے ان کا استدلال اور قرآن کی رہنمائی کا ان کا دعویٰ حقیقت پر مبنی بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ قرآن سے اس کا استدلال بالکل غلط زاویہ فکر سے ہوتا ہے وہ پہلے تو اپنے خیالات ونظریات کی ایک عمارت بنالیتے ہیں پھر اس کی مضبوطی واستواری کے لئے قرآن کا سہارا لیتے ہیں اس طرح وہ قرآنی آیات کو ان کے حقیقی مفہوم ومعانی سے الگ کر کے اپنے خیالات ونظریات پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ یوں کہا جاسکتا ہے کہ اہل حق اپنے خیالات وعقائد کو قرآن کے تابع بناتے ہیں، قرآن کی جو واضح ہدایات ہیں ان کی روشنی میں وہ اپنے اعتقادات کو آراستہ کرتے ہیں اس کے برخلاف گمراہ ذہن وفکر کے لوگ قرآن کو اپنے خیالات ونظریات کا تابع بناتے ہیں اور دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں قرآن سے استدلال کر کے ہی کہتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان لوگوں کی دلیلیں بایں طور بھی کامل نہیں ہوتیں کہ وہ اپنے ذہن میں یہ گمراہ کن تصور قائم کر کے کہ اصل اور کامل راہنمائی صرف قرآن ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے احادیث اور دیگر ذرائع کو جو قرآن فہمی کے لئے ضروری ہیں بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں حالانکہ قرآن کا حقیقی مفہوم اور اس کا اصل مقصد منشاء احادیث نبوی ﷺ، اقوال صحابہؓ اور ارشادات علماء حقانین ہی سے واضح ہو سکتا ہے مگر وہ کرتے یہ ہیں کہ نہ تو ان احادیث کو پیش نظر رکھتے ہیں جن سے کلام اللہ کا مقصد واضح ہوتا ہے اور نہ ان حضرات کے فیوض و اقوال سے استفادہ اور ان کی تقلید کرتے ہیں جو کلام اللہ کے سمجھنے اور اس کے اصل مقصد ومنشاء تک پہنچنے میں کامل سمجھے جاتے ہیں مثلاً صحابہ کرام، تابعین اور دیگر علماء امت۔

لہٰذا یہ بات معلوم ہو جانی چاہئے کہ وہ قرآن سے استدلال کرنے اور بزعم خود قرآن کی راہنمائی کرنے کے باوجود گمراہ نہیں ہیں بلکہ ان کی گمراہی کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ قرآن کی صحیح راہنمائی اختیار نہیں کرتے یا یوں کہئے کہ وہ قرآن کو راہنما اور سرچشمہ ہدایت سمجھ کر نہیں بلکہ اس کو اپنے نظریات واعتقادات کا تابع بنا کر اختیار کرتے ہیں لہٰذا قرآن کو اختیار کرنے کے باوجود قرآن کی حقیقی منشاء ومقصد اور اس کے اصل مفہوم ومعانی تک ان کی رسائی ہی نہیں ہوتی۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن کی ہدایت اسی وقت کارآمد ہوتی ہے جب کہ ان ذرائع اور وسائل کو پورے قلبی اعتقاد کے ساتھ اختیار کیا جائے جن پر قرآن فہمی موقوف ہے کہ ان کے بغیر نہ تو قرآن کی حقیقی سمجھ میسر آتی ہے اور نہ قرآن کے اصل مفہوم ومنشاء تک رسائی ممکن ہوتی ہے اور وہ احادیث نبوی ﷺ ہیں، اقوال صحابہؓ ہیں اور ارشادات ائمہ وعلماء ہیں اسی لئے حضرت جنیدؒ نے کہا ہے کہ:

> "جو شخص قرآن یاد نہ کرے اور احادیث نہ سیکھے اور نہ جانے تو اس کی پیروی نہ کی جائے اور جو شخص ہمارے زمرہ اور ہمارے مسلک میں بغیر علم کے داخل ہوا اور اس نے ہمیشہ اپنے جہل پر قناعت کی تو وہ مسخرہ شیطان ہے کیونکہ ہمارا علم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ساتھ مقید ہے۔"

علامہ طیبیؒ نے حدیث کے مذکورہ بالا جملہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل ہوس یعنی بدعتی اور گمراہ لوگ اس بات پر قادر نہیں ہوتے کہ وہ قرآن کے اصلی معنی ومفہوم میں تغیر وتبدل کر دیں یا اس میں کوئی کجی پیدا کر دیں، اس صورت میں لا یزیغ بہ الاھواء میں بہ کا حرف باء تعدیہ کے لئے ہوگا۔

"اس زبان سے اور زبانیں نہیں ملتیں" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم باعتبار الفاظ کے بھی فصاحت وبلاغت کا وہ نقطۂ عروج ہے کہ دنیا کی کوئی بھی بڑی سے بڑی فصیح وبلیغ عبارت قرآن کی آیات کا مقابلہ نہیں کر سکتی، یا اس جملہ کی مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت مؤمنین کی زبانوں پر دشوار ومشکل نہیں ہوتی اگرچہ ان کی زبان عربی نہ بھی ہو کیونکہ قرآن کی تلاوت اور اس کی آیات کی قرأت دلوں پر کیف وانبساط کی وہ فضا طاری کر دیتی ہے کہ زبان عربی سے ناآشنا ہونے کے باوجود الفاظ قرآنی ادائیگی میں ذرا بھی ثقل محسوس نہیں کرتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ ۔ "اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا۔"

"علماء اس سے سیر نہیں ہوتے" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے علوم و معارف اتنے وسیع اور ہمہ گیر ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی اس کے تمام علوم کا احاطہ نہیں کر سکتا اور نہ اس کے نکات و حقائق کا اس انداز سے ادراک کر سکتا ہے کہ اس کی طلب تحقیق و جستجو کسی مرحلہ پر پہنچ کر رک جائے اور اس کا ادراک سیر ہو جائے جیسا کہ جب کوئی شخص کھانے سے سیر ہو جاتا ہے تو اس کی طلب رک جاتی ہے اور خواہش مزید قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے اس کے برخلاف جب علماء قرآنی حقائق و معارف میں سے کسی مفہوم پر مطلع ہو جاتے ہیں تو ان کا اشتیاق اور بڑھ جاتا ہے اور ان کی خواہش تلاش و جستجو اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ حاصل شدہ مفہوم سے بھی زیادہ کوئی بات معلوم ہو جائے اس طرح اس طلب، خواہش اور تلاش و جستجو کی کوئی حد قائم نہیں ہوتی۔

"پرانا نہیں ہوتا" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو بار بار پڑھنے اور کثرت تلاوت کی وجہ سے قرأت قرآن اور اس میں مذکور احوال و احکام سننے کی لذت اور اس کے کیف میں کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ کوئی شخص جب بھی قرآن پڑھتا ہے یا اس کی قرأت سنتا ہے تو ہر مرتبہ اسے پہلے کے مقابلہ میں زیادہ حلاوت و کیف محسوس ہوتا ہے خواہ اس کے معنی و مفہوم کو سمجھے یا نہ سمجھے۔

قیامت کے دن حافظ و عامل قرآن کے والدین کی تاج پوشی

(۳۰) وَعَنْ مُعَاذِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءُهُ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا۔

(رواہ احمد وابوداؤد)

"اور حضرت معاذ جہنیؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص قرآن پڑھے اور جو کچھ اس میں مذکور ہے اس پر عمل کرے تو قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی دنیا کے گھروں میں چمکنے والے آفتاب کی روشنی سے اعلیٰ ہوگی اگر (بفرض محال) تمہارے گھروں میں آفتاب ہو، اب تو خود اس شخص کا مرتبہ سمجھ سکتے ہو جس نے قرآن پر عمل کیا۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ کا مطلب یہ ہے کہ "جس شخص نے خوب اچھی طرح قرآن پڑھا" لیکن عطاء طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے قرآن کو یاد کیا۔ گویا ان کے نزدیک یہاں حافظ قرآن مراد ہے۔

لو کانت فیکم (اگر تمہارے گھروں میں آفتاب ہو) کا مطلب یہ ہے کہ اگر بفرض محال آفتاب آسمان کی بلندیوں سے اتر کر تمہارے گھروں میں آجائے تو اس کی روشنی بھی قیامت کے دن پہنائے جانے والے تاج کی روشنی کے سامنے ماند ہوگی۔ یہ گویا آفتاب کی روشنی کو بطور مبالغہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر آفتاب اپنی موجودہ روشنی کے ساتھ تمہارے گھروں کے اندر ہو تو ظاہر ہے کہ اس وقت کی روشنی زیادہ معلوم ہوگی بہ نسبت موجودہ صورت کی روشنی کے جب کہ آفتاب گھر سے باہر اور بہت زیادہ بلند ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے (والے یا حافظ قرآن) اور قرآن پر عمل کرنے والے کے والدین کو اس عظیم مرتبہ اور نعمت سے نوازا جائے گا تو پھر خود اس شخص کے مرتبہ اور سعادت کا کیا کہنا جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا؟

قرآن کا ایک معجزہ

(۳۱) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ جُعِلَ الْقُرْاٰنُ فِيْ اِهَابٍ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اگر قرآن کو کسی کھال (وغیرہ) میں رکھ کر

اسے (بفرض محال) آگ میں ڈال دیا جائے تو اس پر آگ اثر انداز نہیں ہوگی۔" (دارمی)

تشریح: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ درحقیقت آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قرآن مجید کا ایک معجزہ تھا کہ اسے اگر کسی کھال وغیرہ میں لپیٹ کر آگ میں ڈالتے تھے تو اس پر آگ اثر انداز نہ ہوتی، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسرے انبیاء کرام کے زمانہ میں ان کے معجزے ہوا کرتے تھے۔

مگر دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں "کھال" سے مراد انسان کا قلب اور اس کی کھال و بدن ہے کہ جس شخص کے قلب میں قرآن کی روشنی فروزاں ہو اور وہ قرآن پڑھتا اور اس پر عمل کرتا ہو تو وہ دوزخ کی آگ وعذاب سے محفوظ رہے گا۔

دس عزیزوں کے حق میں حافظ قرآن کی سفارش

(۳۲) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَظْهَرَهٗ فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِيْ عَشَرَةٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَحَفْصُ بْنُ سُلَيْمَانَ الرَّاوِيْ لَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ۔

"اور حضرت علیؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے قرآن مجید پڑھا پھر اسے یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام جانا تو اللہ تعالیٰ اسے (ابتداء ہی میں) داخل فرمائے گا اور اس کے ان دس عزیزوں کے حق میں اس کی سفارش قبول فرمائے گا جو مستوجب دوزخ (یعنی فاسق اور مستحق عذاب) ہوں گے" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کے ایک راوی قوی نہیں ہیں بلکہ (روایت حدیث میں) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔"

سورۂ فاتحہ لامثال سورۃ ہے

(۳۳) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ كَيْفَ تَقْرَأُ فِي الصَّلٰوةِ فَقَرَأَ اُمَّ الْقُرْاٰنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا اُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْاِنْجِيْلِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْقُرْاٰنِ مِثْلُهَا وَاِنَّهَا سَبْعٌ مِنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ اُعْطِيْتُهٗ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ مِنْ قَوْلِهٖ مَا اُنْزِلَتْ وَلَمْ يَذْكُرْ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے فرمایا کہ "(نماز میں) تم کس طرح (یعنی کیا) پڑھتے ہو؟ انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ایسی سورۂ نہ تو توریت، انجیل اور زبور میں اتاری گئی ہے اور نہ ہی قرآن میں نازل کی گئی ہے، سورۂ فاتحہ سبع مثانی ہے (یعنی سات آیتیں ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں) اور یہ "قرآن عظیم" ہے جو مجھے دیا گیا ہے" ترمذیؒ، دارمیؒ نے اس روایت کو ما انزلت سے نقل کیا ہے اور ان کی روایت میں ابی بن کعبؓ کا ذکر نہیں ہے، نیز امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: "سبع مثانی" اور قرآن عظیم کے بارہ میں پہلی فصل کی ایک حدیث کی تشریح میں بھی بتایا جا چکا ہے کہ ان سے سورۂ فاتحہ مراد ہے اس موقع پر ان الفاظ کی تفصیل کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے۔

قرآن سیکھنے، پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا بیان

(۳۴) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ فَاقْرَءُوْهُ فَاِنَّ مَثَلَ الْقُرْاٰنِ لِمَنْ تَعَلَّمَ فَقَرَأَ وَقَامَ بِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْكًا تَفُوْحُ رِيْحُهٗ كُلَّ مَكَانٍ وَمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَهٗ فَرَقَدَ وَهُوَ فِيْ جَوْفِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ

أُوْكِيَ عَلٰى مِسْكٍ (رواه الترمذی والنسائی وابن ماجه)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قرآن سیکھو اور پھر اسے پڑھو، اور (یہ یاد رکھو کہ) اس شخص کی مثال جو قرآن سیکھتا ہے پھر اسے (ہمیشہ) پڑھتا (رہتا) ہے (اس پر عمل کرتا ہے) اور اس میں مشغولیت (یعنی تلاوت وغیرہ) کے لئے شب بیداری کرتا ہے اس تھیلی کی سی ہے جو مشک سے بھری ہو جس کی خوشبو تمام مکان میں پھیلتی ہے اور اس شخص کی مثال جس نے قرآن سیکھا اور سو رہا (یعنی وہ قرآن کی تلاوت قرأت شب بیداری سے غافل رہا یا اس پر عمل نہ کیا) اس تھیلی کی سی ہے جسے مشک پر باندھ دیا گیا ہو۔"

(ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ (قرآن سیکھو) کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھنا سیکھو نہ صرف یہ کہ اس کے الفاظ کی ادائیگی سیکھو بلکہ اس کے مفہوم و معانی اور تفسیر کا علم بھی حاصل کرو۔

حضرت ابومحمد جوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن سیکھنا اور دوسروں کو سکھانا فرض کفایہ ہے، نیز مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں فرض قرأت کی بقدر سورتوں یا آیتوں کا سیکھنا ہر مسلمان کے لئے فرض عین ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ (یا بقدر فرض قرأت نماز) سے زیادہ قرآن کی آیتوں یا سورتوں کو یاد کرنے میں مشغول ہونا نفل نماز میں مشغولیت سے افضل ہے کیونکہ وہ فرض کفایہ ہے جو نفل نماز سے زیادہ اہم ہے۔ بعض متاخرین علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ حفظ قرآن میں مشغول ہونا، ان علوم میں مشغول ہونے سے افضل ہے۔ جو فرض کفایہ ہیں یعنی جن علوم کو حاصل کرنا فرض عین ہے، حفظ قرآن میں مشغول ہونا ان کی مشغولیت سے افضل نہیں ہے۔

"مشک سے بھری ہوئی تھیلی" کی مثال بایں طور دی گئی ہے کہ قرآن سیکھنے اور پڑھنے والے کا سینہ ایک تھیلی کے مانند ہے جس میں قرآن کریم مشک کی مانند ہے لہٰذا جب وہ قرآن پڑھتا ہے تو اس کی برکت اس کے گھر میں پھیلتی اور اس کے سننے والوں کو پہنچتی ہے حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے قرآن سیکھا مگر نہ تو اس نے اسے پڑھا اور نہ اس پر عمل کیا تو قرآن کریم کی برکت نہ اسے پہنچتی ہے نہ دوسروں کو اس لئے وہ مشک کی اس تھیلی کے مانند ہوا کہ جس کا منہ بند کر دیا گیا ہو اور جس کی وجہ سے نہ تو مشک کی خوشبو پھیلتی ہے اور نہ اس سے کسی کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔

آیت الکرسی اور سورۂ مؤمن کی ابتداء آیت کی برکت

(۳۵) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الْمُؤْمِنَ اِلٰى اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ وَاٰيَةَ الْكُرْسِيِّ حِيْنَ يُصْبِحُ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰى يُمْسِيَ وَمَنْ قَرَأَ بِهِمَا حِيْنَ يُمْسِيْ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰى يُصْبِحَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص صبح کے وقت حم (سے) کہ وہ سورۂ مؤمن ہے الیہ المصیر۔ تک اور آیت الکرسی پڑھے تو وہ ان کی برکت سے شام تک (ظاہری و باطنی آفات و بلاؤں سے) محفوظ رہتا ہے اور جو شخص ان کو شام کے وقت پڑھے تو وہ ان کی برکت سے صبح تک محفوظ رہتا ہے۔ ترمذیؒ، دارمیؒ) اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: حم سے الیہ المصیر تک سورۂ مؤمن کی یہ ابتدائی آیت یوں ہے حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ اس کتاب کا اتارا جانا خدائے غالب و دانا خدا کی طرف سے ہے۔ جو گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا اور سخت عذاب دینے والا ہے (اور) صاحب کرم ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قرآن لوح محفوظ میں کب لکھا گیا؟

(۳۶) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِاَلْفَىْ عَامٍ اَنْزَلَ مِنْهُ اٰيَتَيْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا تُقْرَاٰنِ فِىْ دَارٍ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرَبُهَا الشَّيْطَانُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت نعمان ابن بشیرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے دو ہزار برس پہلے کتاب لکھی (یعنی لوح محفوظ میں فرشتوں کو لکھنے کا حکم دیا) اس کتاب میں سے وہ دونوں آیتیں نازل فرمائیں جن پر سورۂ بقرہ کا اختتام ہوتا ہے یعنی امن الرسول سے آخری سورۂ تک) یہ آیتیں جس مکان میں تین رات تک پڑھی جاتی ہیں شیطان اس کے نزدیک بھی نہیں بھٹکتا۔ ترمذیؒ، دارمیؒ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

سورۂ کہف کی ابتدائی تین آیتوں کی برکت

(۳۷) وَعَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ ثَلَاثَ اٰيَاتٍ مِنْ اَوَّلِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" جو شخص سورۂ کہف کی ابتدائی تین آیتیں پڑھے گا وہ دجال کے فتنہ سے بچایا جائے گا" امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: پہلی فصل میں ایک حدیث حضرت ابودرداءؓ ہی سے (۱۸) گزری ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں یاد کرے گا وہ دجال کے فتنہ سے بچایا جائے گا جب کہ یہاں تین آیتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے اس حدیث کی تشریح میں اس حدیث کو ذکر کرتے ہوئے ان دونوں حدیثوں میں ایک مطابقت تو اس موقع پر بیان کی گئی تھی، اس سلسلہ میں ایک دوسری وجہ مطابقت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پہلے تو دس آیتوں کو یاد کرنے پر مذکورہ بالا خاصیت و برکت کی بشارت دی گئی ہوگی پھر بعد میں از راہ وسعت فضل تین آیتوں کے پڑھنے ہی پر یہ بشارت عطا فرمائی گئی۔

قرآن کا دل، سورۂ یٰسین

(۳۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ شَىْءٍ قَلْبًا وَّقَلْبُ الْقُرْاٰنِ يٰسٓ وَمَنْ قَرَأَ يٰسٓ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِقِرَاءَتِهَا قِرَاءَةَ الْقُرْاٰنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل سورۂ یٰسٓ ہے، جو شخص یٰس پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے کی وجہ سے (اس کے نامۂ اعمال میں) دس مرتبہ قرآن پڑھنے کا ثواب لکھتا ہے" (ترمذیؒ، دارمیؒ) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: قرآن کا دل سورۂ یٰسٓ ہے یعنی قرآن کے علوم و معارف خلاصہ اور اس کا حاصل سورۂ یٰس ہے بایں طور کہ اس سورۃ میں قیامت کے احوال اور قرآن کے مقاصد اعلیٰ مذکور ہیں۔

سورۂ طٰہٰ اور یٰسین کی عظمت

(۳۹) وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَرَأَ طٰهٰ وَيٰسٓ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ بِاَلْفِ عَامٍ فَلَمَّا سَمِعَتِ الْمَلَائِکَةُ الْقُرْاٰنَ قَالَتْ طُوْبٰی لِاُمَّةٍ یَنْزِلُ ھٰذَا عَلَیْھَا وَطُوْبٰی لِاَجْوَافٍ تَحْمِلُ ھٰذَا وَطُوْبٰی لِاَلْسِنَةٍ تَتَکَلَّمُ بِھٰذَا (رواہ الدارمی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کرنے سے ہزار برس پہلے سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسٓ پڑھی جب فرشتوں نے قرآن (یعنی ان دونوں سورتوں کا پڑھنا) سنا تو کہنے لگے کہ خوش بختی ہو اس اُمت کے لئے جس پر یہ قرآن (یعنی دونوں سورتیں) اتاری جائیں گی، خوش بختی ہو ان دلوں کے لئے جو انہیں قبول کریں گے (یعنی ان کو یاد کریں گے اور ان کی محافظت کریں گے) اور خوش بختی ہو ان زبانوں کے لئے جو انہیں پڑھیں گی۔" (دارمیؒ)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ان سورتوں کو پڑھا کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان سورتوں کو فرشتوں کے سامنے ظاہر کیا اور ان کے سامنے ان سورتوں کی تلاوت کا ثواب بھی بیان کیا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو یہ سورتیں سکھائیں اور سمجھائیں نیز مذکورہ سورتوں کے معانی و مطالب ان کو الہام کئے۔

علامہ ابن حجرؒ کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ باقی تمام فرشتوں کے سامنے ان سورتوں اور ان کی فضیلت و عظمت جانیں۔

فلما سمعت الملائکة القرآن میں قرآن سے مراد قرأت ہے یعنی ان فرشتوں نے ان سورتوں کا پڑھنا سنا یا یہ کہ "قرآن" سے مراد بھی سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسٓ ہیں کیونکہ جس طرح کلام اللہ کے پورے مجموعہ کا نام "قرآن" ہے اسی طرح اس کے کسی جزء و حصہ کو بھی "قرآن" ہی کہا جاتا ہے لہٰذا قرآن جز اور کل دونوں کا نام ہے۔

حٰم الدخان کی برکت

(۲۰) وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الدُّخَانَ فِیْ لَیْلَةٍ اَصْبَحَ یَسْتَغْفِرُ لَہٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَعُمَرُ بْنُ اَبِیْ خَثْعَمٍ الرَّاوِیْ یُضَعَّفُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ یَعْنِی الْبُخَارِیُّ ھُوَ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص رات میں حٰم الدخان (یعنی سورۂ دخان) پڑھتا ہے تو وہ اس حالت میں صبح کرتا ہے کہ ستر ہزار فرشتے اس کے لئے بخشش کی دعا مانگتے ہیں" امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس حدیث کے راوی عمر ابن ابی خثعم (روایت حدیث میں) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں، نیز محمد یعنی امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ وہ (عمر ابن ابی خثعم) منکر الحدیث ہیں۔"

(۲۱) وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الدُّخَانَ فِیْ لَیْلَةِ الْجُمُعَةِ غُفِرَ لَہٗ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ ضَعِیْفٌ وَھِشَامٌ اَبُو الْمِقْدَامِ الرَّاوِیُّ یُضَعَّفُ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص جمعہ کی رات میں حٰم الدخان پڑھتا ہے اس کی بخشش کی جاتی ہے" امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور ہشام ابوالمقدام روایت حدیث میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔"

مسبحات کی فضیلت

(۲۲) وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْرَأُ الْمُسَبِّحَاتِ قَبْلَ اَنْ یَّرْقُدَ یَقُوْلُ اِنَّ فِیْھِنَّ اٰیَةً

خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ اٰيَةٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ خَالِدِ ابْنِ مَعْدَانَ مُرْسَلاً وَّقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت عرباض ابن ساریہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سونے سے پہلے مسبحات پڑھتے تھے کہ ان میں ایک آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نیز دارمیؒ نے اس روایت کو خالد بن معدان سے بطریق ارسال نقل کیا ہے اور امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: "مسبحات" ان سورتوں کو کہتے ہیں کہ جن کی ابتداء لفظ سُبْحَانَ یا سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ یا سَبِّحْ سے ہوتی ہے اور وہ سات سورتیں ہیں۔ ① سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ الآیۃ یعنی سورۂ بنی اسرائیل۔ ② سورۂ حدید۔ ③ سورۂ حشر۔ ④ سورۂ صف۔ ⑤ سورۂ جمعہ۔ ⑥ سورۂ تغابن۔ ⑦ سورۂ اعلیٰ۔

"ان میں ایک آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے" کے بارہ میں بعض فرماتے ہیں کہ وہ آیت لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ ہے، دوسرے بعض حضرات کہتے ہیں وہ آیت یہ ہے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ لیکن حضرت علامہ طیبیؒ کے نزدیک ان سورتوں میں کسی آیت کو متعین کر کے یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ وہ فلاں آیت ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح لیلۃ القدر یا ساعت جمعہ (یعنی جمعہ کے دن ساعت قبولیت) کے بارہ میں کوئی تعین نہیں کیا جاسکتا اسی طرح یہ آیت بھی پوشیدہ ہے لہٰذا علماء لکھتے ہیں کہ علامہ طیبیؒ کی بات ہی زیادہ صحیح ہے۔

سورۂ ملک کی فضیلت

⑬ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ سُوْرَةً فِي الْقُرْاٰنِ ثَلَاثُوْنَ اٰيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَلَهٗ وَهِيَ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قرآن کریم میں ایک سورۃ ہے جس میں تیس آیتیں ہیں، اس سورۃ نے ایک شخص کی شفاعت کی یہاں تک کہ اس کی بخشش کی گئی اور وہ سورۂ ملک تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ہے۔"

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: لفظ شَفَعَتْ (اس سورۃ نے شفاعت کی) کے معنی میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ اس لفظ کے ذریعہ زمانہ ماضی کی خبر دی گئی ہے کہ ایک شخص سورۂ تبارک الذی پڑھا کرتا تھا اور اس سورۃ کی بہت زیادہ قدر کیا کرتا تھا چنانچہ جب اس کا انتقال ہوا تو اس سورۃ نے بارگاہ حق میں سفارش کی جس کے نتیجہ میں اس شخص کو عذاب سے بچایا گیا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ شفعت مستقبل کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہ سورۃ پڑھے گا اس کے بارہ میں یہ قیامت کے دن شفاعت و سفارش کرے گی اور حق تعالیٰ اس کی سفارش کو قبول فرمائے گا۔

⑭ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَرَبَ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِبَاءَهٗ عَلٰى قَبْرٍ وَّهُوَ لَا يَحْسِبُ اَنَّهٗ قَبْرٌ فَاِذَا فِيْهِ اِنْسَانٌ يَقْرَاُ سُوْرَةَ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتّٰى خَتَمَهَا فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ الْمَانِعَةُ هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيْهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص نے اپنا خیمہ ایک قبر پر کھڑا کر لیا مگر انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے چنانچہ ناگہاں انہوں نے سنا کہ اس (قبر) میں ایک شخص تبارک الذی بیدہ الملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس نے

وہ سورۃ ختم کی، اس کے بعد خیمہ کھڑا کرنے والانبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو یہ واقعہ بتایا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "سورۂ ملک منع کرنے والی اور نجات دینے والی ہے یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے کو اللہ کے عذاب سے چھٹکارا دلاتی ہے" امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: جہاں یہ احتمال ہے کہ خیمہ کھڑا کرنے والے نے اس قبر میں مردے کو سورہ ملک پڑھتے ہوئے نیند کی حالت میں سنا ہو وہیں یہ احتمال بھی ہے کہ جاگنے کی حالت میں سنا ہو بلکہ زیادہ صحیح یہی ہے۔

"سورۂ ملک منع کرنے والی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے یا گناہوں سے کہ جو عذاب قبر کا باعث بنتے ہیں بچانے والی ہے یا یہ کہ اپنے پڑھنے والے کو اس بات سے محفوظ رکھتی ہے کہ اسے یوم حشر میں کوئی اذیت و رنج پہنچے۔

سونے سے پہلے آنحضرت ﷺ کا معمول کا وظیفہ

(۴۵) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتّٰى يَقْرَأَ آلٓمّٓ تَنْزِيْلُ وَتَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِي الْمَصَابِيْحِ غَرِيْبٌ.

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ الم تنزیل السجدہ اور تبارک الذی بیدہ الملک پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے۔ (احمدؒ، ترمذیؒ، دارمیؒ) امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، اسی طرح محی السنۃ نے تو کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن مصابیح میں کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: امام ترمذیؒ کے نزدیک تو یہ حدیث صحیح ہے اسی طرح امام محی السنۃ نے شرح السنۃ میں تو اسے صحیح کہا ہے لیکن مصابیح میں کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے گویا بظاہر ان کے قول میں تضاد نظر آتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے ان کے قول میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ کسی حدیث کا غریب ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی حدیث فنی اور اصطلاحی طور پر "غریب" ہوتی ہے مگر حقیقت کے اعتبار سے وہ "صحیح" ہی ہوتی ہے۔

سورۂ اذا زلزلت، قل ھو اللہ اور قل یاایھا الکفرون کی فضیلت

(۴۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زُلْزِلَتْ تَعْدِلُ نِصْفَ الْقُرْاٰنِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ وَقُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ تَعْدِلُ رُبُعَ الْقُرْاٰنِ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انس بن مالکؓ دونوں راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سورۂ اذا زلزلت آدھے قرآن کے برابر ہے، سورۃ قل ھو اللہ تہائی قرآن کے برابر ہے اور سورۃ قل یاایھا الکافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "قرآن کریم میں مبدا اور معاد" کو بیان کیا گیا ہے اور چونکہ اذا زلزلت میں معاد کا بہت عمدہ پیرایہ اور موثر انداز میں ذکر کیا گیا ہے اس لئے یہ سورۃ آدھے قرآن کے برابر ہوئی "قل ھو اللہ" کے تہائی قرآن کے برابر ہونے کی وجہ پہلی فصل کی حدیث ۱۹ کی تشریح میں بیان ہو چکی ہے۔

"قل یا ایھا الکافرون" چوتھائی قرآن کے برابر بایں طور ہے کہ قرآن کریم میں توحید، نبوت احکام اور قصص یہ چار مضمون مذکور ہیں اور قل یا ایھا الکافرون میں توحید کا بہت اعلیٰ بیان ہے اس لئے یہ سورۃ چوتھائی قرآن کے برابر ہوئی۔

سورۂ حشر کی آخری تین آیتوں کی برکت

(۴۷) وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَقَرَأَ ثَلَاثَ اٰيَاتٍ مِّنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْحَشْرِ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ سَبْعِيْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يُّصَلُّوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى يُمْسِيَ وَاِنْ مَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مَاتَ شَهِيْدًا وَمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ كَانَ بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

"اور حضرت معقل ابن یسارؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا" جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ یہ کہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ (میں اللہ تعالیٰ کی جو سننے والا جاننے والا ہے پناہ پکڑتا ہوں مردود شیطان سے) اور پھر سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں (یعنی هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سے آخر سورۃ تک) پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے متعین کرتا ہے جو اس کے لئے شام تک (خیر و بھلائی کی توفیق کی) دعا مانگتے ہیں اور اس کے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں اور اگر وہ شخص اس دن میں مر جاتا ہے تو شہادت کی موت پاتا ہے اور جو شخص ان کو یعنی اعوذ باللہ الخ اور ان آیتوں کو) شام کے وقت پڑھے تو اس صبح تک یہ (مذکورہ بالا) سعادت حاصل ہوتی ہے۔ (ترمذی، دارمی) امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

ہر روز دو سو مرتبہ قل ھو اللہ پڑھنے کی تاثیر

(۴۸) وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَتَيْ مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ مُحِيَ عَنْهُ ذُنُوْبُ خَمْسِيْنَ سَنَةً اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ عَلَيْهِ دَيْنٌ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَفِيْ رِوَايَتِهٖ خَمْسِيْنَ مَرَّةً وَلَمْ يَذْكُرْ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ عَلَيْهِ دَيْنٌ۔

"اور حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا" جو شخص ہر روز دو سو مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے تو اس (نامۂ اعمال میں) سے پچاس برس کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں الایہ کہ اس پر دین ہو (ترمذیؒ، دارمیؒ) ایک اور روایت میں (دو سو مرتبہ کی بجائے) پچاس مرتبہ ذکر ہے نیز اس روایت میں الایہ کہ اس پر دین ہو کے الفاظ مذکور نہیں ہیں۔"

تشریح: اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ عَلَيْهِ دَيْنٌ (الایہ کہ اس پر دین ہو) کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہی کہ دین کا گناہ نہیں مٹایا جائے گا، دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے ذمہ دین کی عدم ادائیگی کا گناہ ہوگا تو اس کے دوسرے گناہ بھی نہیں مٹائے جائیں گے یعنی اس صورت میں اس سورت کی قرأت تاثیر نہیں کرے گی۔ دین سے مراد حقوق العباد (بندوں کے حقوق) ہیں۔

سونے سے پہلے قل ھو اللہ پڑھنے کی برکت

(۴۹) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنَامَ عَلٰى فِرَاشِهٖ فَنَامَ عَلٰى يَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَرَأَ مِائَةَ مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ يَا عَبْدِيْ اُدْخُلْ عَلٰى يَمِيْنِكَ الْجَنَّةَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا" جو شخص اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کرے اور پھر اپنی داہنی کروٹ پہ لیٹ کر سو مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے تو قیامت کے دن پروردگار اس سے فرمائے گا کہ اے میرے بندے جنت میں اپنی دائیں طرف داخل ہو جا" (امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: "دائیں طرف کروٹ لیٹنا" سنت ہے لہٰذا جس شخص نے سوتے وقت دائیں طرف کروٹ پر لیٹ کر قل ھو اللہ احد پڑھی تو ایک

تو اس نے آنحضرت ﷺ کی اطاعت کی دوسرے اس نے ایسی سورت پڑھی جس میں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں اس بنا پر ایسے شخص کو مذکورہ بالا سعادت کی بشارت دی گئی ہے۔

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جنت میں جو باغات اور محلات جنت کی دائیں طرف ہیں وہ ان باغات و محلات سے افضل ہوں گے جو جنت کی بائیں طرف ہیں۔

قل ھو اللہ احد کی فضیلت

(۵۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا یَقْرَأُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فَقَالَ وَجَبَتْ قُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ؟ قَالَ الْجَنَّةُ (رواہ مالک والترمذی والنسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو قل ھو اللہ احد پڑھتے سنا تو فرمایا کہ "(اس کے لئے واجب ہوگئی؟ میں نے عرض کیا کہ کیا چیز واجب ہوگئی؟ فرمایا جنت۔" (مالکؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ)

تشریح: جنت کا واجب ہونا محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے اس وعدے کے سبب ہے جو اس نے اپنے نیک اور اطاعت گزار بندوں کے بارہ میں فرمایا ہے۔

قل یاایھا الکافرون کی فضیلت

(۵۱) وَعَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهُ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَقُوْلُهُ اِذَا اَوَیْتُ اِلٰی فِرَاشِیْ فَقَالَ اقْرَأْ قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ فَاِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِّنَ الشِّرْكِ (رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت فروہ ابن نوفل اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے (نبی کریم ﷺ سے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی چیز (یعنی آیت یا سورت) سکھلا دیجئے جسے میں اپنے بستر پر جا کر (یعنی سونے سے پہلے) پڑھ لیا کروں آپ نے فرمایا قل یاایھا الکافرون پڑھ لیا کرو کیونکہ یہ سورۃ شرک سے بیزاری ہے (لہٰذا اسے پڑھ کر سوؤ گے تو گویا شرک سے پاک ہو کر سوؤ گے اور مرو گے تو توحید پر مرو گے)۔"

(ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، دارمیؒ)

معوذتین کی فضیلت

(۵۲) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ بَیْنَا اَنَا اَسِیْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الْجُحْفَةِ وَالْاَبْوَاءِ اِذْ غَشِیَتْنَا رِیْحٌ وَظُلْمَةٌ شَدِیْدَةٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَعَوَّذُ بِاَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَاَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ وَیَقُوْلُ یَا عُقْبَةُ تَعَوَّذْ بِهِمَا فَمَا تَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِهِمَا (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) جب کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جحفہ اور ابواء (جو کہ مکہ اور مدینہ کے راستہ میں دو مقام ہیں) کے درمیان چلے جا رہے تھے کہ اچانک سخت آندھی اور شدید اندھیرے نے ہمیں آگھیرا چنانچہ نبی ﷺ نے اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس کے ذریعہ پناہ مانگنی شروع کی (یعنی یہ سورتیں پڑھنے لگے) اور مجھ سے (بھی) فرماتے کہ "عقبہ" ان دونوں سورتوں کے ذریعہ پناہ چاہو، جان لو کہ کسی پناہ چاہنے والے نے ان دونوں (سورتوں) کی مانند کسی چیز کے ذریعہ پناہ نہیں چاہی ہے (کیونکہ آفات و بلاؤں کے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنے کے سلسلے میں یہ دونوں سورتیں سب سے افضل ہیں)۔" (ابوداؤد)

(۵۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ خُبَیْبٍ قَالَ خَرَجْنَا فِیْ لَیْلَةِ مَطَرٍ وَّظُلْمَةٍ شَدِیْدَةٍ نَطْلُبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَدْرَکْنَاهُ فَقَالَ قُلْ قُلْتُ مَا اَقُوْلُ؟ قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَیْنِ حِیْنَ تُصْبِحُ وَحِیْنَ تُمْسِیْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَکْفِیْكَ

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عبداللہ ابن خبیبؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سخت اندھیری اور بارش کی رات میں رسول کریم ﷺ کو ڈھونڈتے ہوئے نکلے (یعنی آپ ﷺ کہیں تشریف لے جارہے تھے ہم بھی آپ کو ڈھونڈتے ہوئے نکلے تاکہ آپ ﷺ کے ہمراہ جائیں) چنانچہ ہم نے آپ کو پا لیا، آپ نے (اس وقت) فرمایا کہ پڑھو" میں نے عرض کیا کہ "کیا پڑھوں!" آپ نے فرمایا "صبح اور شام کے وقت تین مرتبہ قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ لیا کرو یہ تمہیں ہر چیز سے کفایت کریں گی (یعنی ہر آفت وبلاء کو دفع کریں گی)۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

۵۴ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَقْرَأُ سُوْرَةَ هُوْدٍ اَوْ سُوْرَةَ يُوْسُفَ قَالَ لَنْ تَقْرَأَ شَيْئًا اَبْلَغَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (رواہ احمد والنسائی والدارمی)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ کیا میں (پناہ چاہنے اور شرو برائی کے (دفعیہ کے لئے) سورۂ ہود یا سورۂ یوسف پڑھ لیا کروں آپ ﷺ نے فرمایا "تم اللہ کے نزدیک قل اعوذ برب الفلق سے زیادہ بہتر کوئی چیز (یعنی کوئی سورۃ یا آیت) ہرگز نہیں پڑھ سکتے۔" (احمد، نسائی، دارمی)

تشریح: لن تقرأ شیئا ابلغ عند اللہ کا مطلب یہ ہے کہ آفات وبلاؤں اور برائیوں سے پناہ چاہنے کے سلسلہ میں اس سورۃ یعنی قل اعوذ برب الفلق سے زیادہ کامل اور بہتر دوسری کوئی سورۃ نہیں ہے کیونکہ یہ سورۃ سب سے زیادہ کامل ہے جس میں ہر مخلوق کی برائی اور شر سے پناہ مانگی گئی ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (آپ کہئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں تمام مخلوقات کے شر سے)۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پناہ چاہنے کے سلسلہ میں دونوں سورتیں یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سے زیادہ کامل اور کوئی سورۃ نہیں ہے۔

ابن مالکؒ کہتے ہیں کہ اس جملہ سے مقصود ان دونوں سورتوں کے ذریعہ پناہ طلب کرنے کی رغبت دلانا ہے، گویا علامہ طیبیؒ اور ابن مالکؒ دونوں کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اس ارشاد گرامی میں صرف ایک سورۃ یعنی قل اعوذ برب الفلق ذکر کی گئی ہے اور چونکہ قرینہ سے دوسری سورۃ یعنی قل اعوذ برب الناس بھی مفہوم ہوتی ہے اس لئے یہاں دونوں سورتیں مراد ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

قرآن کی پیروی کرنے کا حکم

۵۵ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْرِبُوا الْقُرْاٰنَ وَاتَّبِعُوْا غَرَآئِبَهُ وَغَرَآئِبُهُ فَرَآئِضُهُ وَحُدُوْدُهُ۔

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قرآن کے معانی بیان کرو اور اس کے غرائب کی پیروی کرو اس کے غرائب، اس کے فرائض اور اس کی حدود ہیں۔"

تشریح: اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ قرآن کے غرائب کیا ہیں؟ چنانچہ فرمایا کہ قرآن کے فرائض اور اس کی حدود، قرآن کے غرائب ہیں اب اس بات کو بھی سمجھ لیجئے کہ "فرائض اور حدود" سے مراد ہیں منہیات یعنی وہ چیزیں جن کو کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، حاصل یہ کہ قرآن کی اطاعت وپیروی کا مطلب یہ ہے کہ قرآن نے جن چیزوں کو کرنے کا حکم دیا ہے ان کو کیا جائے اور جن چیزوں سے روکا ہے ان سے اجتناب کیا جائے۔

قرآن پڑھنے کی فضیلت

(۵۶) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ فِي الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ فِي غَيْرِ الصَّلَاةِ وَقِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ فِي غَيْرِ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّسْبِيْحُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصَّدَقَةُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّوْمِ وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ۔

"اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "نماز میں قرآن کی قرأت نماز کے علاوہ قرآن پڑھنے سے افضل ہے اور نماز کے علاوہ قرآن کا پڑھنا تسبیح و تکبیر سے زیادہ ثواب رکھتا ہے اور تسبیح صدقہ (خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے) زیادہ ثواب رکھتی ہے اور صدقہ روزہ سے زیادہ ثواب رکھتا ہے اور روزہ دوزخ کی آگ سے ڈھال ہے۔"

تشریح: جس طرح حالت نماز میں قرآن پڑھنا نماز کے علاوہ تلاوت قرآن سے افضل ہے اسی طرح جو نماز کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہے اس کی قرأت قرآن اس نماز کی قرأت قرآن سے افضل ہے جو بیٹھ کر پڑھی جاتی ہے نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں تلاوت قرآن تسبیح و تکبیر اور دیگر اوراد و اذکار سے افضل ہے کیونکہ قرآن کریم نہ صرف یہ کہ کلام الٰہی ہے بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام بھی مذکور ہیں۔

تسبیح و تکبیر اور دیگر اوراد و اذکار خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے سے افضل ہے اگرچہ مشہور یہ ہے کہ عبادت متعدی کہ جس کا فائدہ اپنی ذات کے علاوہ دوسروں کو بھی پہنچے (مثلاً صدقہ) افضل ہے عبادت لازم (مثلاً تسبیح اور اذکار) سے کہ جس کا فائدہ صرف اپنی ذات تک محدود رہتا ہے لیکن یہ بات ذکر کے علاوہ دوسری عبادات کے ساتھ مخصوص ہے ذکر اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اللہ کا ذکر سب سے بڑا اور سب سے افضل[1] ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں فرمایا گیا ہے کہ "ذکر" خدا کی راہ میں سونا اور چاندی خرچ کرنے سے بہتر اور افضل ہے۔

"صدقہ روزہ سے زیادہ ثواب رکھتا ہے" یعنی خدا کی راہ میں اور خدا کی خوشنودی کے لئے اپنا مال خرچ کرنا نفل روزہ سے افضل ہے کیونکہ صدقہ کا فائدہ متعدی ہے یعنی اس سے دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے جب کہ روزہ کا فائدہ صرف اپنی ذات تک محدود رہتا ہے لیکن روزہ کے سلسلہ میں یہ حدیث بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "بنی آدم کے ہر عمل پر دس گنا ثواب ملتا ہے مگر روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا (یعنی روزہ کا ثواب لامحدود ہے)"۔

اس طرح ان دونوں روایتوں میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے کیونکہ پہلی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ روزہ سے افضل ہے جب کہ اس دوسری روایت کا حاصل یہ ہے کہ روزہ صدقہ سے افضل ہے علماء لکھتے ہیں کہ اس وجہ مطابقت سے یہ ظاہر تضاد ختم ہو جاتا ہے کہ افضلیت بایں اعتبار ہے کہ روزہ دار اللہ رب العزت کی صفت اختیار کرتا ہے بایں طور کہ وہ کھانے پینے وغیرہ سے باز رہتا ہے۔

ناظرہ تلاوت، زبانی تلاوت سے افضل ہے

(۵۷) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَوْسٍ الثَّقَفِيِّ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْاٰنَ فِي غَيْرِ الْمُصْحَفِ اَلْفُ دَرَجَةٍ وَقِرَاءَتُهٗ فِي الْمُصْحَفِ تُضَعَّفُ عَلٰى ذٰلِكَ اِلٰى اَلْفَيْ دَرَجَةٍ۔

"اور حضرت عثمان ابن عبداللہ بن اوس ثقفی اپنے دادا (حضرت اوس) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "آدمی کا بغیر مصحف (یعنی زبانی) قرآن پڑھنا ہزار درجہ ثواب رکھتا ہے اور مصحف میں (دیکھ کر) پڑھنے کا ثواب بغیر مصحف (یعنی زبانی) پڑھنے کے

---

[1] اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذکر اللہ تمام عبادات متعدیہ سے افضل ہے لیکن اس بارے میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ دین کی تعلیم اس حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ محض ذکر، دین کی تعلیم و تعلم سے افضل نہیں ہے چنانچہ کتاب العلم میں جو احادیث گزری ہیں ان سے یہ بات بصراحت معلوم ہوتی ہے کہ علم دین کی تعلیم و تعلم، ذکر سے افضل ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ علم دین بھی از قسم ذکر ہی ہے۔

ثواب سے دو ہزار درجہ تک زیادہ کیا جاتا ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مصحف (قرآن مجید) میں دیکھ کر تلاوت کا ثواب زبانی تلاوت کے ثواب سے زیادہ ہوتا ہے اور اس میں ثواب کی زیادتی کی وجہ یہ ہے کہ مصحف میں دیکھ کر کی جانے والی تلاوت میں غور و فکر اور خشوع و خضوع زیادہ حاصل ہوتا ہے مصحف شریف کی زیارت نصیب ہوتی ہے اور مصحف کو ہاتھ لگایا جاتا ہے اسے اوپر اٹھایا جاتا ہے اس طرح نہ صرف یہ کہ قرآن کریم کی عظمت و احترام کا اظہار ہوتا ہے بلکہ جیسا کہ منقول ہے کہ قرآن کریم کی زیارت بھی عبادت ہے چنانچہ اکثر صحابہؓ و تابعینؒ مصحف میں دیکھ کر ہی تلاوت کیا کرتے تھے حضرت عثمانؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ ناظرہ تلاوت کی کثرت کی وجہ سے ان کے پاس دو قرآن خستگی کی حالت کو پہنچ گئے تھے۔

موت کی یاد اور قرآن کی تلاوت دل کی جلا کا باعث ہے

(۵۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَآ اَصَابَهُ الْمَآءُ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جِلَاؤُهَا قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الْاَرْبَعَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "یاد رکھو، یہ دل زنگ پکڑتے ہیں جیسا کہ پانی پہنچنے سے لوہا زنگ پکڑتا ہے" عرض کیا گیا کہ "یا رسول اللہ! اس کی جلا کا کیا ذریعہ ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "موت کو زیادہ یاد کرنا اور قرآن کی تلاوت (یہ چاروں روایتیں بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں)۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ گناہ و معصیت کے صدور اور نیکیوں میں غفلت کی وجہ سے دل زنگ آلود ہو جاتا ہے لہٰذا دل کے جلا کا ذریعہ بتایا گیا ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کرنے اور قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول رہنے سے دل کو جلا یعنی صفائی حاصل ہو جاتی ہے۔

سب سے عظیم الشان سورت

(۵۹) وَعَنْ اَيْفَعَ ابْنِ عَبْدِ الْكَلَاعِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ سُوْرَةِ الْقُرْاٰنِ اَعْظَمُ قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قَالَ فَاَيُّ اٰيَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ اَعْظَمُ قَالَ اٰيَةُ الْكُرْسِيِّ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ قَالَ فَاَيُّ اٰيَةٍ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ تُحِبُّ اَنْ تُصِيْبَكَ وَاُمَّتَكَ قَالَ خَاتِمَةُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاِنَّهَا مِنْ خَزَائِنِ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ تَحْتِ عَرْشِهٖ اَعْطَاهَا هٰذِهِ الْاُمَّةَ لَمْ تَتْرُكْ خَيْرًا مِّنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت ایفع ابن عبدالکلاعی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے (نبی کریم ﷺ) سے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! قرآن مجید میں (صفات باری تعالیٰ کے بیان کے سلسلہ میں) سب سے عظیم الشان سورہ کون سی ہے؟" آپ نے فرمایا "قل ھو اللہ احد"! اس نے عرض کیا کہ "قرآن کریم میں سب سے عظیم الشان آیت کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا آیت الکرسی اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اس نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! وہ کون سی آیت ہے جس کے بارہ میں آپ ﷺ پسند کرتے ہیں کہ وہ (یعنی اس کا ثواب اور اس کا فائدہ) آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کی اُمت کو پہنچے" آپ نے فرمایا سورۂ بقرہ کا آخری حصہ، بیشک وہ آخری (آیتیں) خدا کی رحمت کے خزانوں میں عرش کے نیچے سے اتری ہیں اور جو اس امت کو عطا کی گئی ہیں اور دنیا و آخرت کی ایسی بھلائی نہیں ہے جو اس میں نہ ہو۔" (ترمذیؒ)

تشریح: گزشتہ صفحات میں ایک حدیث گزری ہے جس میں سورۂ فاتحہ کو بہت بڑی اور سب سے عظیم الشان سورت فرمایا گیا ہے جب کہ یہاں قل ھو اللہ احد کو سب سے عظیم الشان سورۃ فرمایا جا رہا ہے۔ اگرچہ ان دونوں حدیثوں میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے حالانکہ حقیقت میں

دونوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے کیونکہ سورہ فاتحہ اس اعتبار سے عظیم الشان ہے کہ وہ خدا کی حمد، دعا اور عبادت پر مشتمل ہے نیز وہ قرآن کا خلاصہ ہے اور سورۃ قل ھو اللہ اس اعتبار سے سب سے عظیم الشان ہے کہ اس میں اللہ رب العزت کی صفت وحدانیت بہت عمدہ ہے اور بلیغ انداز میں بیان کی گئی ہے۔

"سورۂ بقرہ کا آخری حصہ" سے اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے آخری سورۃ تک کی آیتیں مراد ہیں، اسی موقع پر سائل کے جواب میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ تھا کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں اور میرے نزدیک یہ چیز محبوب ہے کہ سورۂ بقرہ کے آخری حصہ کی ان آیتوں کا ثواب اور ان کی برکت مجھے اور میری اُمت کو باقی تمام قرآن کی برکت وفائدہ سے پہلے پہنچے کیونکہ یہ آیتیں دین ودنیا کی تمام بھلائیوں پر حاوی ہیں چنانچہ ان تمام آیتوں میں اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے اشارہ ہے اسلام و احکام کی اطاعت وپابندی کی طرف وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ سے اشارہ ہے آخرت میں جزائے عمل کی طرف اور لَا یُكَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا الخ سے اشارہ ہے منافع دنیوی و اخروی کی طرف۔

سورۂ فاتحہ شفاء ہے

(۶۰) وَعَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ عُمَیْرٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ شِفَآءٌ مِّنْ كُلِّ دَآءٍ۔ رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

"اور حضرت عبدالملک ابن عمیر بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سورۂ فاتحہ ہر بیماری کے لئے شفاء ہے"۔" (دارمیؒ، بیہقیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سورۃ فاتحہ کو ایمان ویقین اور اعتقاد کے ساتھ پڑھے تو اس کی برکت سے دینی ودنیاوی، ظاہری، باطنی غرض کی ہر قسم کی بیماری ومصیبت سے شفاو نجات حاصل ہوتی ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ کسی بھی قسم کے جسمانی وروحانی مرض میں سورۂ فاتحہ لکھ کر اسے چاٹنا، پینا یا لٹکانا فائدہ پہنچاتا ہے اور مریض کو سکون حاصل ہوتا ہے۔

آل عمران کی آخری آیتوں کی فضیلت وبرکت

(۶۱) وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ مَنْ قَرَأَ اٰخِرَ اٰلِ عِمْرَانَ فِیْ لَیْلَةٍ كُتِبَ لَہٗ قِیَامُ لَیْلَةٍ۔

"اور حضرت عثمان ابن عفانؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص رات میں آل عمران کا آخری حصہ پڑھے تو اس کے لئے قیام لیل (یعنی شب بیداری) کا ثواب لکھا جاتا ہے۔"

تشریح: آل عمران کے آخری حصہ سے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے آخری سورۂ تک کی آیتیں مراد ہیں "رات" کا مطلب رات کا ابتدائی حصہ بھی ہو سکتا ہے اور آخری حصہ بھی، یعنی چاہئے تو ابتداء شب میں ہی آیتیں پڑھے چاہے شب کے آخری حصہ میں، آنحضرت ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ آپ ﷺ جب نماز تہجد کے لئے اٹھتے تو اس وقت وضو وغیرہ سے پہلے یہ آیتیں پڑھا کرتے تھے۔

آل عمران جمعہ کے دن پڑھنے کی برکت

(۶۲) وَعَنْ مَكْحُوْلٍ قَالَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ اٰلِ عِمْرَانَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلَّتْ عَلَیْہِ الْمَلَآئِكَةُ اِلَی اللَّیْلِ۔ رَوَاھُمَا الدَّارِمِیُّ۔

"اور حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ آل عمران پڑھتا ہے تو اس کے لئے رات تک فرشتے دعا اور استغفار کرتے

ہیں (یہ دونوں روایتیں دارمیؒ نے نقل کی ہیں۔"

سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں عورتوں کو سکھانے کا حکم

(۶۳) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَتَمَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ بِاٰيَتَيْنِ اُعْطِيْتُهُمَا مِنْ كَنْزِهِ الَّذِيْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوْهُنَّ وَعَلِّمُوْهُنَّ نِسَآءَكُمْ فَاِنَّهَا صَلَاةٌ وَّقُرْبَانٌ وَّدُعَآءٌ۔ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلًا

"اور حضرت جبیر ابن نفیرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کو دو آیتوں (یعنی اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے آخر تک) پر ختم فرمایا ہے یہ دو آیتیں مجھے اس خزانے سے عطا فرمائی گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے لہٰذا ان آیتوں کو تم سیکھو اور اپنی عورتوں کو سکھلاؤ کیونکہ وہ آیتیں رحمت ہیں (خدا کے) قرب کا ذریعہ ہیں اور تمام دینی و دنیاوی بھلائیوں کے حصول کے لئے دعا ہیں (اس روایت کو دارمیؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔"

جمعہ کے دن سورۂ ہود پڑھنے کا حکم

(۶۴) وَعَنْ كَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْرَؤُا سُوْرَةَ هُوْدٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلًا۔

"اور حضرت کعبؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جمعہ کے دن سورۂ ہود پڑھا کرو"۔" (دارمیؒ)

جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کی برکت

(۶۵) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ اَضَآءَ لَهُ النُّوْرُ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھتا ہے تو اس کے لئے (یعنی اس کے دل میں ایمان وہدایت کا) نور دوسرے جمعہ تک روشن رہتا ہے بیہقیؒ نے اس روایت کو دعوات کبیر میں نقل کیا ہے۔"

الم تنزیل پڑھنے کی برکت

(۶۶) وَعَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ قَالَ اقْرَؤُا الْمُنْجِيَةَ وَهِيَ الٓمّٓ تَنْزِيْلُ فَاِنَّهُ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَجُلًا كَانَ يَقْرَؤُهَا مَا يَقْرَأُ شَيْئًا غَيْرَهَا وَكَانَ كَثِيْرَ الْخَطَايَا فَنَشَرَتْ جَنَاحَهَا عَلَيْهِ قَالَتْ رَبِّ اغْفِرْ لَهُ فَاِنَّهُ كَانَ يُكْثِرُ قِرَآءَتِيْ فَشَفَّعَهَا الرَّبُّ تَعَالٰى فِيْهِ وَقَالَ اكْتُبُوْا لَهُ بِكُلِّ خَطِيْئَةٍ حَسَنَةً وَارْفَعُوْا لَهُ دَرَجَةً وَقَالَ اَيْضًا اِنَّهَا تُجَادِلُ عَنْ صَاحِبِهَا فِي الْقَبْرِ تَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ مِنْ كِتَابِكَ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ وَاِنْ لَّمْ اَكُنْ مِنْ كِتَابِكَ فَامْحُنِيْ عَنْهُ وَاِنَّهَا تَكُوْنُ كَالطَّيْرِ تَجْعَلُ جَنَاحَهَا عَلَيْهِ فَتَشْفَعُ لَهُ فَتَمْنَعُهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَقَالَ فِيْ تَبَارَكَ مِثْلَهُ وَكَانَ خَالِدٌ لَا يَبِيْتُ حَتّٰى يَقْرَاَهُمَا وَقَالَ طَاؤُسٌ فُضِّلَتَا عَلٰى كُلِّ سُوْرَةٍ فِي الْقُرْاٰنِ بِسِتِّيْنَ حَسَنَةً (رواہ الدارمی)

"اور حضرت خالد ابن معدان سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا (رات کے ابتدائی حصہ میں) اس سورۃ کو پڑھا کرو جو (قبر و حشر کے) عذاب سے نجات دینے والی ہے اور سورہ الم تنزیل ہے کیونکہ (صحابہ سے) مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص تھا جو یہی سورۃ پڑھا کرتا تھا وہ اس سورۃ کے علاوہ اور کچھ نہیں پڑھتا تھا (یعنی اس نے اس سورۃ کے علاوہ اور کسی چیز کو ورد قرار نہیں دیا تھا) اور وہ شخص بہت زیادہ گنہگار تھا، چنانچہ (جب اس شخص کا انتقال ہوا تو) اس سورۃ نے اس پر اپنے بازو بچھا دیئے اور فریاد کی اے میرے پروردگار! اس شخص کی بخشش فرما کیونکہ یہ مجھے بہت زیادہ پڑھا کرتا تھا۔" حق تعالیٰ نے اس شخص کے حق میں اس سورۃ کی شفاعت قبول فرمائی اور فرشتوں کو حکم

دیا کہ (اس کے نامۂ اعمال میں) اس کے ہر گناہ کے بدلہ نیکی لکھ دو اور اس کے درجات بلند کر دو" آنحضرت ﷺ یہ بھی فرماتے تھے کہ " بے شک یہ سورت اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں جھگڑتی ہے کہ
یا الٰہی اگر میں تیری کتاب (قرآن کریم) میں سے ہوں جو لوح محفوظ میں لکھا ہے تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما اور اگر (بفرض محال) میں تیری کتاب میں سے نہیں ہوں تو مجھے اس میں مٹا دے "نیز حضرت خالدؒ نے فرمایا" یہ سورۃ (قبر میں) ایک پرندہ کی مانند آئے گی اور اس پر اپنے بازو پھیلا کر اس کے لئے (اللہ تعالیٰ سے) شفاعت کرے گی۔ "حضرت خالدؒ نے سورۂ تبارک الذی بیدہ الملک کے بارہ میں بھی یہی کہا ہے کہ (اس سورۃ کی بھی یہی تاثیر اور برکت ہے) حضرت خالدؒ کا معمول یہ تھا کہ وہ یہ دونوں سورتیں پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے" حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں کو قرآن کریم کی ہر سورۃ پر ساٹھ نیکیوں کے ساتھ فضیلت بخشی گئی ہے۔ (دارمی) (یعنی ان دونوں روایتوں کو ایک حضرت خالدؒ سے اور دوسری حضرت طاؤسؒ سے منقول ہے، دارمیؒ نے نقل کیا ہے۔"

تشریح: حضرت خالدؒ ایک جلیل القدر تابعی ہیں ستر صحابہ سے ملاقات اور صحبت کا شرف حاصل ہے اسی طرح حضرت طاؤسؒ بھی مشاہیر تابعین میں سے ہیں لہٰذا حضرت خالدؒ اور حضرت طاؤسؒ دونوں سے منقول مذکورہ بالا روایتیں اگرچہ مرسل ہیں (کہ یہاں صحابی کا واسطہ ذکر نہیں کیا گیا ہے لیکن حکم میں مرفوع ہی کے ہیں کیونکہ اس قسم کی باتیں صرف آنحضرت ﷺ ہی سے معلوم ہو سکتی ہیں جو صحابہؓ کے ذریعہ تابعین تک پہنچتی ہیں، اس لئے یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ یہ دونوں حضرات کے اپنے اقوال نہیں بلکہ مرفوع روایتیں ہیں۔

"اس پر اپنے بازو پھیلا دیئے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ سورۃ یا اس کا ثواب پرندہ کی صورت اختیار کر گیا اور اپنے بازو اپنے پڑھنے والے پر پھیلا دیئے تاکہ اس پر سایہ کرلے یا یہ کہ اس نے اپنی رحمت کے بازو پھیلا دیئے یعنی اسے اپنی پناہ میں لے لیا اور اس کی طرف شفاعت و وکالت کی۔

"قبر میں جھگڑتی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس سورۃ کو پڑھتا ہے مداومت کے ساتھ تو یہ سورۃ اس کے لئے عذاب کی تخفیف یا قبر میں فراخی و وسعت یا اسی قسم کی دوسری آسانی و سہولت کی شفاعت و سفارش کرتی ہے۔

حضرت طاؤس کی روایت کے یہ الفاظ "ان دونوں سورتوں کو قرآن کریم کی ہر سورۃ پر فضیلت دی گئی ہے" اس صحیح روایت کے منافی نہیں ہے کہ سورۂ بقرہ، سورۃ فاتحہ کے بعد قرآن کی تمام سورتوں سے افضل ہے۔ کیونکہ سورۂ بقرہ کی فضیلت اس اعتبار سے ہے کہ اس میں بہت عمدہ اور اعلیٰ مضامین مذکور ہیں اور ان دونوں سورتوں کو اس جہت و اعتبار سے فضیلت حاصل ہے کہ یہ اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے بچاتی ہیں۔

سورۃ یٰسین پڑھنے کی فضیلت

(۶۷) وَعَنْ عَطَآءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ یٰسۤ فِیْ صَدْرِ النَّھَارِ قُضِیَتْ حَوَائِجُہٗ۔ رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ مُرْسَلًا۔

"اور حضرت عطاء ابن ابی رباحؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص دن کے ابتدائی حصہ میں سورۃ یٰس پڑھتا ہے تو اس کی (دینی و دنیوی حاجتیں پوری کی جاتی ہیں) دارمیؒ نے اس روایت کو بطریق ارسال نقل کیا ہے۔"

قریب المرگ کے سامنے یٰس کا پڑھنا

(۶۸) وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ یَسَارٍ الْمُزَنِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ یٰسۤ ابْتِغَآءَ وَجْہِ اللّٰہِ تَعَالٰی غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ فَاقْرَءُوْھَا عِنْدَ مَوْتَاکُمْ۔ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

"اور حضرت معقل ابن یسارؓ مزنی راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ رب العزت کی رضا و خوشنودی کی طلب میں سورۂ یٰس

پڑھتا ہے تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں جو اس نے پہلے کئے ہیں لہٰذا اس سورۃ کو اپنے مردوں کے سامنے پڑھو۔" (بیہقی)

تشریح: گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں کہ وہ اس سورۃ کی برکت سے بخش دیئے جاتے ہیں اسی طرح کبیرہ گناہ بھی بخشے جاتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ فضل و کرم اور اس کی بے پایاں رحمت شامل حال ہو۔

"مردوں" سے مراد "قریب المرگ" ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو شخص قریب المرگ ہو اس کے سامنے سورۂ یٰسٓ پڑھنی چاہئے تاکہ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اس کو سنے اور اس کے معانی کی طرف اس کی توجہ ہو اس طرح اس کا سننا اس کے پڑھنے کے حکم میں ہو جائے گا جو اس کی مغفرت و بخشش کا سبب ہوگا۔ یا پھر "مردوں" سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سورت کو اپنی میت کو مغفرت و بخشش کی زیادہ احتیاج ہوتی ہے۔

سورۂ بقرہ قرآن کی رفعت ہے

(۶۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ لِكُلِّ شَیْءٍ سَنَامًا وَاِنَّ سَنَامَ الْقُرْاٰنِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَاِنَّ لِكُلِّ شَیْءٍ لُبَابًا وَّاِنَّ لُبَابَ الْقُرْاٰنِ الْمُفَصَّلُ۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا "ہر چیز کے لئے رفعت و بلندی ہوتی ہے اور قرآن کی رفعت و بلندی سورۂ بقرہ ہے، ہر چیز کا خلاصہ (حاصل مقصد) ہوتا ہے اور قرآن کا خلاصہ مفصل ہے۔" (دارمی)

تشریح: سورۂ بقرہ قرآن کریم کی رفعت و بلندی اس لئے ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ قرآن کی سورتوں میں سب سے بڑی ہے بلکہ اس سورۃ میں بہت زیادہ احکام مذکور ہیں۔

پہلے بھی کئی مقامات پر بتایا جا چکا ہے، مفصل یا مفصلات سورۂ حجرات سے ختم قرآن یعنی سورۂ ناس تک کی سورتوں کو کہا جاتا ہے یہ سورتیں پورے قرآن کا خلاصہ اس طور پر ہیں کہ قرآن کریم کے جو مضامین اختصار اور اجمالی طور پر متفرق سورتوں میں ہیں وہ ان سورتوں میں یکجائی اور تفصیلی طور پر بیان فرمائے گئے ہیں اسی لئے ان سورتوں کو "مفصل" کہنے کی وجہ تسمیہ بھی بہت خوب ہے۔

قرآن کی زینت، سورۂ رحمٰن

(۷۰) وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لِكُلِّ شَیْءٍ عَرُوْسٌ وَعَرُوْسُ الْقُرْاٰنِ الرَّحْمٰنُ۔

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر چیز کے لئے زینت ہوتی ہے اور قرآن کریم کی زینت سورۂ رحمٰن ہے۔"

تشریح: سورۂ رحمٰن کو قرآن کریم کی زینت اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس میں دنیا و آخرت کی نعمتوں کا بیان ہے، حوروں کے اوصاف کا بیان ہے جو جنت کی دلہنیں ہیں اور ان حوروں کے زیورات وغیرہ کا بیان ہے۔

سورۂ واقعہ کی تاثیر

(۷۱) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ فِیْ كُلِّ لَیْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا وَّكَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ یَاْمُرُ بَنَاتِهٖ یَقْرَاْنَ بِهَا فِیْ كُلِّ لَیْلَةٍ۔ رَوَاهُمَا الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص شب میں سورہ واقعہ پڑھتا ہے وہ کبھی بھی فاقہ کی حالت کو نہیں پہنچتا، حضرت ابن مسعودؓ اپنی صاحبزادیوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ ہر شب میں یہ سورۃ پڑھا کریں" (ان دونوں روایتوں کو بیہقیؒ نے

شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: فاقہ کے معنی ہیں "محتاجگی اور حاجت مندی" لہٰذا اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص روزانہ رات میں سورۂ واقعہ پڑھتا ہے اس کے لئے محتاجگی، نقصان و پریشانی کا باعث نہیں بنتی اس وجہ سے کہ اسے صبر و قناعت کی دولت فرما دی جاتی ہے یا یہ کہ ایسے شخص کو دل کی محتاجگی نہیں ہوتی یعنی ظاہری محتاجگی کے باوجود اس کا دل مستغنی ہوتا ہے کیونکہ اس کے قلب میں وسعت و فراخی عطا کی جاتی ہے، معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے اور توکل و اعتماد کا سرمایہ اس کے قلب و روح میں طمانیت پیدا کر دیتا ہے اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اس سورۃ کے معانی و مفہوم سے استفادہ کرتا ہے۔

بہرکیف اتنی بات جان لینی چاہئے کہ شارع نے بعض ان عبادات و نیکیوں کی طرف رغبت دلائی ہے جو نہ صرف یہ کہ اخروی طور پر باعث فلاح و سعادت ہوتی ہیں بلکہ ان دنیاوی امور میں بھی نفع اور موثر بنتی ہیں جن کا حصول دین کے لئے مدد و معاون ہوتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ بہر صورت کسی نہ کسی طرح عبادت اور نیک کاموں میں مصروف رہیں۔

سورۂ اعلیٰ کی فضیلت

(۴۲) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى (رواہ احمد)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اس سورۃ یعنی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى کو بہت محبوب رکھتے تھے۔" (احمدؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ سورۂ اعلیٰ یعنی سبح اسم ربک الاعلی کو اس لئے بہت زیادہ محبوب رکھتے تھے کہ اس میں یہ آیت اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ہے جو قرآن کریم کی حقانیت و صداقت پر شاہد اور مشرکین و اہل کتاب کے خیالات و اعتقادات کی بہت مضبوط تردید ہے۔

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں میں کیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اس میں تمام مثالیں بیان کی گئی ہیں مثلاً کہا گیا ہے کہ "اے مسلط، گرفتار نفس اور فریب خوردہ بادشاہ میں نے تجھے دنیا میں اس لئے نہیں بھیجا کہ تو دنیا جمع کرنے لگے بلکہ میں نے تجھے دنیا میں اس لئے بھیجا تھا کہ تو مظلوموں کی بددعا سے بچے کیونکہ میں مظلوموں کی بددعا رد نہیں کرتا خواہ مظلوم کافر ہی کیوں نہ ہو سلیم الطبع اور عقل مند انسان کے لئے لازم ہے کہ جب تک اس میں عقل ہو وہ اپنے لئے چار اوقات مقرر کرے، ایک وقت میں تو وہ اپنے رب سے مناجات کرے، دوسرے وقت میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے، تیسرے وقت میں خدا کی صفت و قدرت میں غور و فکر کرے اور چوتھے وقت میں اپنی حاجت (مثلاً کھانے پینے) میں مشغول رہے۔ عقل مند کے لئے لازم ہے کہ وہ صرف تین چیزوں کی طمع کرے (۱) معاد (آخرت) کے لئے زاد راہ تیار کرنے کی۔ (۲) یا اپنی معاش کی اصلاح کی۔ (۳) یا غیر حرام سے لذت و نفع حاصل کرنے کی۔ عقلمند کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے زمانہ پر نظر رکھنے والا ہو، اپنے حال کی طرف متوجہ ہو اور اپنی زبان کی حفاظت کرنے والا ہو (یاد رکھو) جس شخص نے اپنے کلام کا اپنے اعمال سے محاسبہ کیا اس کا کلام زیادہ نہیں ہوگا وہ صرف وہی کلام کرے گا جو ضروری ہو۔

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اچھا حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں کیا تھا؟ آپ نے فرمایا "اس میں عبرتیں یعنی ڈرانے والی باتیں تھیں مثلاً اس میں کہا گیا ہے کہ " مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو موت پر یقین رکھتا ہے مگر اس کے باوجود (وہ اپنی دنیاوی زندگی کے عیش و عشرت پر) خوش بھی ہوتا ہے، مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو (دوزخ کی آگ پر یقین رکھتا ہے مگر وہ پھر بھی ہنستا ہے، مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے مگر وہ پھر بھی (طلب معاش کے سلسلہ میں) رنج و غم اٹھاتا ہے مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو دنیا اور اس کے انقلابات کو دیکھتا ہے اور پھر بھی اس سے مطمئن رہتا ہے اور مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو کل (قیامت) کے

دن کے حساب پر یقین رکھتا ہے اور پھر بھی عمل نہیں کرتا۔

جامع سورت

(۷۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ اَتٰى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَقْرِئْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ الٓرٰ فَقَالَ كَبِرَتْ سِنِّيْ وَاشْتَدَّ قَلْبِيْ وَغَلُظَ لِسَانِيْ قَالَ فَاقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ حٰمٓ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهٖ قَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَقْرِئْنِيْ سُوْرَةً جَامِعَةً فَاَقْرَأَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زُلْزِلَتْ حَتّٰى فَرَغَ مِنْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَزِيْدُ عَلَيْهِ اَبَدًا ثُمَّ اَدْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ الرُّوَيْجِلُ مَرَّتَيْنِ (رواہ احمد وابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) مجھے پڑھائیے! آپ ﷺ نے فرمایا "قرآن کریم کی ان سورتوں میں سے کہ جن کے شروع میں الٓرٰ ہے پڑھو، اس نے عرض کیا، میری عمر زیادہ ہو چکی ہے اور دل میرا سخت ہو گیا ہے (یعنی میرے قلب پر حافظہ کی کمی اور نسیان کا غلبہ ہے) نیز میری زبان موٹی ہے (یعنی کلام اللہ خصوصاً بڑی سورتیں میں یاد نہیں کر سکتا) آپ نے فرمایا "اگر تم وہ سورتیں نہیں پڑھ سکتے تو ان سورتوں میں سے تین سورتیں پڑھو جن کے شروع میں حٰمٓ ہے (کیونکہ یہ سورتیں ان سورتوں کی نسبت چھوٹی ہیں) اس شخص نے پھر وہی کہا کہ یارسول اللہ مجھے کوئی جامع سورت پڑھائیے (یعنی کوئی ایسی بتائیے جس میں بہت سی باتیں جمع ہوں) چنانچہ آپ ﷺ نے اسے "سورۃ اذازلزلت" پڑھائی، جب آپ ﷺ (پوری سورۃ پڑھا کر) اس سے فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا کہ "قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں (اس سورۃ پر عمل کرنے کے سلسلہ میں) اس پر کبھی بھی زیادتی نہیں کروں گا" پھر اس شخص نے پیٹھ پھیری (یعنی جب واپس ہو گیا) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اس شخص نے مراد حاصل کر لی" یہ آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمائی۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: جن سورتوں کی ابتداء لفظ الٓرٰ سے ہوتی ہے ان کی تعداد پانچ ہے ان سورتوں کے بارہ میں آپ ﷺ نے سائل سے فرمایا کہ ان میں سے کوئی بھی تین سورتیں پڑھ لیا کرو۔

سورۃ اذازلزلت کو سورۃ جامعہ (جامع سورت) اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس سورۃ میں یہ ایک آیت فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اس آیت میں وہ تمام چیزیں آگئی ہیں جن کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جن کے مجموعہ کا نام ہے خیر و بھلائی اور وہ تمام چیزیں بھی اس میں شامل ہیں جن سے بچنے کا حکم دیا ہے جن کے مجموعہ کا نام ہے شر و برائی۔

الھٰکم التکاثر کی فضیلت

(۷۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّقْرَأَ اَلْفَ اٰيَةٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ قَالُوْا وَمَنْ يَّسْتَطِيْعُ اَنْ يَّقْرَأَ اَلْفَ اٰيَةٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ قَالَ اَمَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّقْرَأَ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھا کرے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ "کون شخص اس بات پر قادر ہو سکتا ہے کہ وہ (ہمیشہ) روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھتا رہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "کیا کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہو سکتا کہ وہ (روزانہ) الھٰکم التکاثر پڑھ لیا کرے"۔" (بیہقیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص روزانہ یہ سورۃ پڑھ لیا کرے تو اسے ایک ہزار آیتوں کا ثواب ملے گا کیونکہ اس سورت میں دنیا سے بے رغبتی دلائی گئی ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔

قل ھو اللہ احد پڑھنے کی تاثیر

(۷۵) وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلاً عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ بُنِيَ لَهُ بِهَا قَصْرٌ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ قَرَأَ عِشْرِيْنَ مَرَّةً بُنِيَ لَهُ بِهَا قَصْرَانِ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ قَرَأَهَا ثَلَاثِيْنَ مَرَّةً بُنِيَ لَهُ بِهَا ثَلَاثَةُ قُصُوْرٍ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا لَنُكْثِرَنَّ قُصُوْرَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَوْسَعُ مِنْ ذٰلِكَ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت سعید ابن مسیبؒ بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص سورۃ قل ھو اللہ احد دس بار پڑھے تو اس کی وجہ سے جنت میں اس کے لئے ایک محل بنایا جاتا ہے، جو شخص اس کو بیس مرتبہ پڑھے تو اس کی وجہ سے جنت میں اس کے لئے دو محل بنائے جاتے ہیں اور جو شخص اس کو تیس مرتبہ پڑھے تو اس کی وجہ سے جنت میں اس کے لئے تین محل بنائے جاتے ہیں" (لسان نبوت سے یہ بشارت سن کر) حضرت عمر ابن خطابؓ کہنے لگے کہ "خدا کی قسم! اے اللہ کے رسول (ﷺ) پھر تو اب ہم (جنت میں) اپنے بہت زیادہ محل بنالیں گے (یعنی جب اس سورۃ کو پڑھنے کی یہ برکت اور اس کا یہ ثواب ہے تو پھر ہم اب اس سورۃ کو بہت زیادہ پڑھیں گے تاکہ اس کی وجہ سے جنت میں ہمارے لئے بہت زیادہ محل بنیں) رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس سے بھی بہت زیادہ فراخ ہے" یعنی اس سورۃ کی فضیلت اور اس کا ثواب بہت عظیم اور بہت وسیع ہے لہٰذا اس بشارت پر تعجب نہ کرو بلکہ اس کے حصول کی کوشش کرو اور اس کی طرف راغب ہو)۔" (دارمیؒ)

رات میں قرآن پڑھنے کا اثر

(۷۶) وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ فِي لَيْلَةٍ مِائَةَ اٰيَةٍ لَمْ يُحَاجَّهُ الْقُرْاٰنُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَمَنْ قَرَأَ فِي لَيْلَةٍ مِائَتَيْ اٰيَةٍ كُتِبَ لَهُ قُنُوْتُ لَيْلَةٍ وَمَنْ قَرَأَ فِي لَيْلَةٍ خَمْسَ مِائَةٍ اِلَى الْاَلْفِ اَصْبَحَ وَلَهُ قِنْطَارٌ مِنَ الْاَجْرِ قَالُوْا وَمَا الْقِنْطَارُ قَالَ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا (رواہ الدارمی)

"اور حضرت حسن بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص رات میں (قرآن کی) سو آیتیں پڑھے تو رات میں قرآن اس سے نہیں جھگڑے گا، جو رات میں دو سو آیتیں پڑھے تو اس کے لئے شب بیداری کا ثواب لکھا جاتا ہے اور جو شخص رات میں پانچ سو سے ہزار تک آیتیں پڑھے تو وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کے لئے قنطار کے بقدر ثواب (لکھا جا چکا) ہوتا ہے" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "قنطار کیا ہے" آپ ﷺ نے فرمایا "بارہ ہزار (درہم یا دینار۔" (دارمیؒ)

تشریح: "قرآن اس سے نہیں جھگڑے گا" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن نہیں پڑھتا اور اس سے تعلق نہیں رکھتا تو قرآن اس کا دشمن ہو جاتا ہے اور اس پر لعنت و ملامت کرتا ہے لہٰذا رات میں قرآن کی سو آیتیں پڑھنا اس رات میں قرآن کی دشمنی کے دفعیہ اور اس کے حق کی ادائیگی کے لئے کافی ہے۔

اس موقع پر اتنی بات بھی جان لینی چاہئے کہ قرآن کا جھگڑنا یعنی قرآن کی لعنت و ملامت دو سبب سے ہے ایک تو قرآن نہ پڑھنے کے سبب سے اور دوسرے قرآن پر عمل نہ کرنے کے سبب سے، پس اگر قرآن کی لعنت و ملامت قرآن نہ پڑھنے کی وجہ سے ہوگی تو وہ پڑھنے سے رفع ہو جائے گی اور اگر قرآن کی لعنت و ملامت قرآن پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہوگی تو وہ لعنت و ملامت باقی رہے گی جب تک کہ وہ

عمل نہ کرے جب قرآن پر عمل کرے گا تو اس کی لعنت و ملامت بھی ختم ہو جائے گی، حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن پڑھے گا اور اس پر عمل بھی کرے گا تو وہ قرآن کی دشمنی اور اس کی لعنت ملامت سے کلیۃً محفوظ رہے گا بلکہ قرآن ایسے شخص کے حق میں شفاعت و شفارش بھی کرے گا اور اگر ایک بات میں بھی قصور و کوتاہی ہوگی تو قرآن کی دشمنی بھی باقی رہے گی اور لعنت ملامت بھی ختم نہیں ہوگی۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قراءت قرآن ہر شخص پر واجب ہے اگر کوئی شخص قرآن نہیں پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے جھگڑے گا، لہٰذا جھگڑنے کی نسبت قرآن کی طرف مجازی ہے حقیقت میں وہ خدا کا جھگڑنا ہوگا یعنی قرآن نہ پڑھنے والے پر براہ راست خدا کی لعنت ہوگی۔

"قنطار کے بقدر" کا مطلب ہے قنطار کی تعداد کے برابر یا قنطار کے وزن کے برابر بہرکیف یہاں مراد یہ ہے کہ حدیث میں مذکور تعداد میں قرآن کی آیتیں پڑھنے والا شخص بہت ہی زیادہ ثواب پاتا ہے۔

کچھ سورتوں کے فضائل

گزشتہ صفحات میں جو احادیث گزری ہیں ان میں کچھ سورتوں اور آیتوں کے فضائل بیان کئے جا چکے ہیں یہ باب ختم ہو رہا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان بعض سورتوں کے فضائل تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے جائیں جنہیں تفسیر عزیزی اور درمنثور نے نقل کیا ہے تاکہ ان فضائل کو پڑھنے کے بعد مسلمانوں کا دل خوش ہو کہ وہ زیادہ سے زیادہ راغب اور سرگرم ہو کر اس عظیم نعمت کو حاصل کرنے کی کوشش کریں اس طرح وہ دنیا کی فلاح و سعادت سے بہرور ہو سکیں۔

بسم اللہ کی برکت

حضرت مولانا عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ مفسرین نے کہا جب طوفان نوح نے اس دنیا کو اپنے خوفناک عذاب کے چنگل میں گھیر لیا اور حضرت نوح علیہ السلام اپنی کشتی میں سوار ہوئے تو بھی خوف غرق سے ہراساں اور لرزاں تھے انہوں نے غرق سے نجات پانے اور اس عذاب خداوندی سے محفوظ رہنے کے لئے بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا کہا اس کلمہ کی برکت سے ان کی کشتی غرقابی سے محفوظ و سالم رہی مفسرین کہتے ہیں کہ جب اس آدھے کلمہ کی وجہ سے اتنے ہیبت ناک طوفان سے نجات حاصل ہوئی تو جو شخص اپنی پوری عمر اس پورے کلمہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اپنے ہر کام کی ابتداء کرنے کا التزام کرے وہ نجات سے کیونکہ محروم رہ سکتا ہے؟

علماء لکھتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں انیس حروف ہیں دوزخ کے موکل بھی انیس ہیں لہٰذا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ہر حرف کے ذریعہ ان میں سے ہر ایک کی بلا دفع ہو سکتی ہے، نیز علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ دن رات کو چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں پانچ گھنٹوں کے لئے تو پانچ وقت کی نمازیں　مقرر فرمائی گئیں اور بقیہ انیس گھنٹوں کے لئے یہ انیس حروف عطا فرمائے گئے تاکہ ان انیس گھنٹوں میں ہر نشست و برخاست، ہر حرکت و سکون اور ہر کام کے وقت ان انیس حروف کے ذریعہ برکت و عبادت حاصل ہو یعنی ان حروف (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے) کی برکت سے یہ انیس گھنٹے بھی عبادت میں لکھے جائیں۔

علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ سورۂ برأت کو جو قتل کفار کے حکم پر مشتمل ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے خالی رکھا گیا ہے کیونکہ یہ کلمہ رحمت ہے جو موقع کا مقتضی نہیں ہے، اسی طرح جانور کو ذبح کرتے وقت بھی صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہنا مقرر فرمایا گیا ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ ذبح کی صورت قہر و عذاب کی شکل ہے اور یہ کلمہ رحمت (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کا محل اور اس کا مقتضی نہیں لہٰذا جو شخص اس کلمہ رحمت (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) پر ہر وقت اور ہر آن مداومت کرتا ہے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ ہر روز سترہ مرتبہ فرض نماز میں یہ کلمہ اپنی زبان پر جاری کرتا ہے کہ وہ شخص غضب و عذاب سے محفوظ اور ثواب سے محظوظ ہوگا۔

اس آیت (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) کے خواص میں سے یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جب کوئی شخص بیت الخلاء جائے تو

چاہئے کہ وہ بسم اللہ کہہ کر جائے تاکہ (اس کی وجہ سے) اس کی شرم گاہ اور جنات کے درمیان پردہ واقع ہو جائے کوئی شخص بسم اللہ کہہ کر بیت الخلاء جاتا ہے تو اس کا خاصہ یہ ہے کہ جنات کی نظر اس کی شرم گاہ کی طرف نہیں جاتی، لہٰذا جب اس کی تاثیر یہ ہے کہ یہ آیت انسان اور اس کے دنیاوی دشمن (جنات) کے درمیان پردہ بن جاتی ہے تو امید ہے کہ یہ ایک مسلمان اور عذاب عقبیٰ کے درمیان بھی یقیناً پردہ بن کر حائل ہوگی۔

سورۂ فاتحہ کے فضائل اور اس کی تاثیر

صحاح ستہ میں یہ روایت آتی ہے کہ جب کسی شخص کو بچھو یا سانپ کاٹ لیتا تھا یا کوئی مرگی میں مبتلا ہوتا تھا یا کوئی دیوانہ ہو جاتا تھا تو نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ سورہ فاتحہ پڑھ کر اس شخص پر دم کیا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ اس عمل کو پسند فرماتے تھے۔

دار قطنی اور ابن عساکر حضرت زید ابن سائبؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر ان پر دم کیا اور یہ سورہ پڑھنے کے بعد اپنے دہن مبارک کا لعاب ان کے جسم کے اس حصہ پر ملا جہاں درد تھا۔

بزارؒ نے اپنی مسند میں حضرت انس ابن مالکؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے اپنا پہلو اپنے بچھونے پر رکھا (یعنی سونے کے لئے اپنے بستر پر گیا) اور پھر اس نے سورہ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا تو وہ ہر آفت و بلاء سے محفوظ ہو گیا الا یہ کہ اس کی موت کا وقت آپہنچا ہو یعنی موت سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔

عبد حمیدؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباسؓ سے بطریق مرفوع یہ روایت نقل کی ہے کہ فاتحۃ الکتاب (سورۂ فاتحہ) باعتبار ثواب کے دو تہائی قرآن کے برابر ہے، ابو شیخ طبرانی، ابن مردویہ، دیلمی اور ضیاء مقدسی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "مجھے گنج العرش (عرش کے خزانہ) سے چار چیزیں عطا کی گئی ہیں، اس خزانہ سے ان چار چیزوں کے علاوہ اور کوئی چیز دوسرے کو نہیں دی گئی ہے اور وہ چار چیزیں ہیں۔ ① اُم الکتاب (سورہ فاتحہ) ② آیۃ الکرسی۔ ③ سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں۔ ④ اور سورۂ کوثر۔

ابو نعیمؒ اور دیلمیؒ نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "سورۂ فاتحہ اس چیز سے کفایت کرتی ہے کہ قرآن کی اور کوئی سورت و آیت کفایت نہیں کرتی اور اگر سورۂ فاتحہ کو ترازوں کے ایک پلڑے میں رکھیں اور باقی تمام قرآن کو دوسرے پلڑے میں رکھیں تو یقیناً سورۂ فاتحہ سات قرآن کے برابر ہو۔

حضرت ابو عبیدؒ فضائل قرآن میں حسن بصریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے سورہ فاتحہ پڑھی اس نے گویا توریت و انجیل، زبور اور قرآن کو پڑھا"۔

تفسیر وکیع، کتاب، المصاحف ابن انباری، کتاب، العظمہ، ابوالشیخ اور حلیۃ الاولیاء ابو نعیم میں منقول ہے کہ "ابلیس ملعون کو نوحہ و آہ وزاری کرنے اور اپنے سر پر خاک ڈالنے کا چار مرتبہ اتفاق ہوا ہے اول تو اس وقت جب کہ اس کو ملعون قرار دیا گیا، دوسرے اس وقت جب کہ اسے آسمان سے زمین پر ڈالا گیا، تیسرے اس وقت جب کہ نبی کریم ﷺ کو خلعت نبوت سے نوازا گیا اور چوتھے اس وقت جب کہ سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔

ابو شیخؒ نے کتاب الثواب میں لکھا ہے کہ جس شخص کو کوئی حاجت درپیش ہو تو اسے چاہئے کہ وہ سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس کے بعد اپنی حاجت کے لئے دعاء کرے (انشاء اللہ اس کی حاجت پوری ہوگی)۔

ثعلبیؒ حضرت شعبیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے درد گردہ کی شکایت کی انہوں نے اس شخص سے کہا کہ تمہیں چاہئے کہ "اساس القران" پڑھ کر درد کی جگہ دم کرو (انشاء اللہ شفا ہوگی) اس شخص نے پوچھا کہ اساس القرآن کیا ہے؟ شعبیؒ نے فرمایا کہ "فاتحۃ الکتاب یعنی سورۂ فاتحہ"۔

مشائخ کے مجرب اعمال میں یہ مذکور ہے کہ سورۂ فاتحہ اسم اعظم ہے، اس سورۃ کو ہر مطلب و حاجت کے لئے پڑھنا چاہئے، اس سلسلے

میں اس سورۃ کو پڑھنے کے دو طریقے منقول ہیں اول یہ کہ اس سورۃ کو فجر کی سنّت و فرض نماز کے درمیان چالیس دن تک اکتالیس مرتبہ اس طرح پڑھا جائے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے میم کو الحمد کے لام کے ساتھ ملایا جائے یعنی بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم الحمدللّٰہ رب العٰلمین الایۃ اس سورت کو مقررہ بالا دن تک مذکورہ بالا طریقہ سے پڑھنے کے بعد مطلوب انشاء اللہ حاصل ہوگا، اگر کسی مریض یا سحر زدہ کی شفا منظور ہو تو مذکورہ بالا طریقہ سے یہ سورت پڑھ کر پانی پر دم کر کے اس مریض یا سحر زدہ کو پلایا جائے انشاء اللہ شفا حاصل ہوگی۔

دوم یہ کہ نوچندی اتوار کو فجر کی سنت و فرض نماز کے درمیان میم کو لام کے ساتھ ملانے کی قید کے بغیر ستر مرتبہ یہ سورت پڑھے بعد ازاں ہر روز اسی وقت پڑھے مگر اس طرح کہ ہر روز مذکورہ تعداد میں سے دس مرتبہ کم کردے یعنی نوچندی اتوار کو ستر مرتبہ، دوسرے روز ساٹھ مرتبہ تیسرے روز پچاس مرتبہ، اس طرح دس دس بار کم کرتا جائے تاآنکہ ہفتہ کے روز ختم ہو جائے اگر پہلے مہینہ میں مطلب حاصل ہو جائے تو فبہا ورنہ دوسرے اور تیسرے مہینہ میں اسی طرح پڑھے۔

امراض مزمنہ اور پرانے امراض کی شفاء کے لئے اس سورۃ کو چینی کے پیالے یا پلیٹ پر گلاب، مشک اور زعفران سے لکھ کر پلانا ایک مجرب عمل ہے اسی طرح دانتوں کے درد، شکم اور دوسرے دردوں میں سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا بھی مجرب ہے۔

فضائل سورۂ بقرہ

سورۂ بقرہ کی فضیلت بھی بہت زیادہ منقول ہے صحیح مسلم میں حضرت انس ابن مالکؓ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ہم میں سے جو شخص سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران پڑھ لیتا تھا تو ہم میں اس کا مرتبہ باعتبار جاہ و عظمت کے بہت بلند ہو جاتا تھا چنانچہ اس بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک لشکر کہیں بھیجنا چاہتے تھے اس لشکر کے امیر کے تعین میں تردد پیدا ہو رہا تھا آپ ﷺ اس مقررہ لشکر کے ہر فرد کو بلا کر اس سے پوچھتے تھے کہ تم قرآن کی کون سی سورۃ یاد رکھتے ہو؟ اسے جو سورت یاد ہوتی وہ بتا دیتا یہاں تک کہ نوبت ایک جوان تک پہنچی جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا آپ ﷺ نے اس سے بھی دریافت فرمایا کہ "تم قرآن کی کون سی سورۃ یاد رکھتے ہو" اس نے عرض کیا کہ "فلاں فلاں سورۃ اور سورۃ بقرہ" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "کیا تم سورۃ بقرہ بھی یاد رکھتے ہو" اس نوجوان نے عرض کیا کہ "ہاں یا رسول اللہ" آپ ﷺ نے فرمایا "تو جاؤ! اس لشکر کے تم ہی امیر مقرر کئے گئے"۔

بیہقیؒ نے شعب الایمان میں یہ روایت نقل کی ہے کہ "امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے سورۂ بقرہ کو اس کے حقائق و نکات کے ساتھ بارہ برس کے عرصہ میں پڑھا اور جس روز انہوں نے یہ سورت ختم کی اس دن ایک اونٹ ذبح کیا اور بہت زیادہ کھانا لا کر آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو کھلایا۔

اس سلسلہ میں حضرت ابن عمرؓ سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے آٹھ برس تک اس سورۃ کو پڑھنے میں اپنے آپ کو منہمک رکھا آٹھ برس کے بعد انہوں نے یہ سورت ختم کی۔ غرضکہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کے نزدیک اس سورۃ کو جو عظمت و فضیلت حاصل تھی وہ کسی اور سورت کو حاصل نہیں تھی۔

اس سورۃ کے مجرب خواص میں سے یہ ہے کہ جس موسم میں بچوں کو چیچک نکلتی ہے اس وقت جس بچے کی عافیت منظور ہو تو اس بچہ کو روبرو نہار منہ اس سورۃ کو تجوید کے ساتھ پڑھ کر اس پر دم کیا جائے وہ بچہ بھی نہار منہ ہونا چاہئے انشاء اللہ اس سال اس بچہ کو چیچک نہیں نکلے گی اگر نکلے گی بھی تو انجام بخیر ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ جس وقت اس سورۃ کو پڑھنا شروع کیا جائے تو اڑھائی پاؤ چاول اور اس پر دہی و کھانڈ ڈال کر اسے اسی مجلس میں کسی مستحق کو کھانے کے لئے دے دیا جائے۔

فضائل آیات سورۂ کہف

درمنثور میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں یاد کرے گا وہ دجال کے فتنہ سے بچایا

جائے گا، اسی طرح وہ شخص بھی فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا جو اس سورۃ کی آخری دس آیتیں یاد کرے گا جو شخص سوتے وقت سورۃ کہف کی دس آیتیں پڑھ لیا کرے گا وہ فتنہ دجال سے بچایا جائے گا اور جو شخص سوتے وقت اس سورۃ کا آخری حصہ پڑھے گا تو اس کے لئے قیامت کے دن اس کی قرأت[1] کے نزدیک سے اس کے قدم تک نور ہی نور ہو گا۔

ایک اور روایت میں یہ ہے کہ "جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھتا ہے تو اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک (کے صغیرہ گناہوں) کا کفارہ ہو جاتا ہے، اسی طرح ایک روایت میں یہ ہے کہ "جس گھر میں سورۂ کہف پڑھی جاتی ہے اس رات کو اس گھر میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔

فضائل سورۂ ملک اور سورۂ یٰسٓ وغیرہ

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "جس شخص نے عشاء کے بعد چار رکعتیں پڑھیں اس طرح کہ پہلے دو رکعتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھے اور اس کے بعد دو رکعتوں میں تبارک الذی اور الم تنزیل السجدہ تو اس کے لئے ان چار رکعتوں کا ثواب ایسی چار رکعتوں کے ثواب کے برابر لکھا جاتا ہے جو لیلۃ القدر میں پڑھی جائیں اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ "جس شخص نے مغرب و عشاء کے درمیان سورۂ تبارک الذی اور الم تنزیل السجدہ پڑھی تو گویا اس نے لیلۃ القدر میں شب بیداری کی۔

ایک اور روایت میں حضرت کعبؓ سے منقول ہے کہ "جس شخص نے رات میں الم تنزیل السجدہ اور تبارک الذی پڑھی اس کے لئے ستر نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اس کی ستر برائیاں دور کی جاتی ہیں اور اس کے ستر درجات بلند کئے جاتے ہیں ایک اور روایت میں ہے کہ جس شخص نے رات میں الم تنزیل اور تبارک الذی پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے لئے لیلۃ القدر کے ثواب کی مانند ثواب لکھتا ہے۔

ابن خریس، ابن مردویہ، خطیب اور بیہقی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تورات میں سورۂ یٰسٓ کا نام معمہ رکھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے کے لئے دنیا و آخرت کی تمام نیکیوں اور بھلائیوں پر مشتمل ہے، اپنے پڑھنے والے سے دنیا و آخرت کی مصیبت دفع کرتی ہے اور اس سے آخرت کی ہولناکی دور کرے گی۔ اور اس کا نام رافعہ (یا دافعہ) خافضہ (یا قاضیہ) بھی رکھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سورۃ مؤمنین کو بلند مرتبہ بناتی ہے اور کافروں کو پست کرتی ہے نیز اپنے پڑھنے والے سے ہر برائی دفع کرتی ہے اور اس کی ہر حاجت پوری کرتی ہے جو شخص اسے پڑھتا ہے تو وہ اس کے حق میں بیس حج کے برابر ہوتی ہے جو شخص اسے سنتا ہے تو وہ اس کے حق میں ایسے دینار کے برابر ہوتی ہے جسے وہ اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں خرچ کرے اور جو شخص اسے لکھ کر پیتا ہے تو وہ اس کے پیٹ میں ہزار دوائیں ہزار نور، ہزار برکتیں اور ہزار رحمتیں داخل کرتی ہے اور اس میں سے ہر کینہ اور ہر دکھ دور نکال باہر کرتی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "میں اس بات کو پسند کرتا ہوں اور دوست رکھتا ہوں کہ سورۂ یٰسٓ میری امت کے ہر فرد بشر کے دل میں ہو (یعنی ہر شخص کو یاد ہو) اور آپ ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے ہر رات میں سورۂ یٰسٓ پڑھنے پر مداومت کی (یعنی وہ روزانہ رات میں اسے پڑھتا رہے) اور پھر وہ مر جائے تو اسے شہادت کی موت نصیب ہوتی ہے۔ نیز رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے دن کے ابتدائی حصہ میں سورۂ یٰسٓ پڑھی اس کی حاجتیں پوری کی جاتی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "جو شخص سورۂ یٰسٓ صبح کے وقت پڑھتا ہے اسے شام تک اس دن کی آسانیاں عنایت کی جاتی ہیں اور جس شخص نے شب کے ابتدائی حصہ میں اس کو پڑھا اسے صبح تک اس رات کی آسانیاں عطا کی جاتی ہیں۔ بیہقیؒ نے حضرت ابوقلابہؒ

---

[1] اس جملہ کے معنی میں دو احتمال ہیں یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ پڑھے گا وہاں سے اس جگہ تک کہ جہاں وہ قیامت کے دن کھڑا ہو گا قیامت کے دن اس کے لئے نور ہی نور ہو گا یا پھر یہاں "قرأت کے نزدیک" سے مراد پڑھنے والے کا منہ ہے یعنی قیامت کے دن اس کے لئے اس کے منہ سے اس کے پیروں تک نور ہی نور ہو گا۔

سے جو جلیل القدر اور کبار تابعین میں سے ہیں ان کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے سورۂ یٰسٓ پڑھی اس کی مغفرت کی جاتی ہے جس شخص نے یہ سورۃ بھوک کی حالت میں پڑھی وہ سیر ہو جاتا ہے جس شخص نے اس حالت میں پڑھی کہ وہ راستہ بھول گیا ہے تو اپنا راستہ پالیتا ہے جس شخص نے اس حالت میں پڑھی کہ اس کا جانور جاتا رہا تو وہ اپنا جانور پالیتا ہے جس شخص نے کھانے کے وقت اس حالت میں پڑھی کہ اسے کھانے کی کمی کا خوف ہے تو اس کا کھانا کافی ہو جاتا ہے، جس شخص نے اسے میت (یا قریب المرگ) کے پاس پڑھا تو اس (میت یا قریب المرگ) پر آسانی ہو جاتی ہے، جس شخص نے اسے کسی ایسی عورت کے سامنے پڑھا جو ولادت کی شدید تکلیف میں مبتلا ہے تو اس کے لئے ولادت میں آسانی عطا کی جاتی ہے اور جس شخص نے یہ سورت پڑھی اس نے گویا پورا قرآن گیارہ مرتبہ پڑھا اور (یاد رکھو) ہر چیز کا دل ہوتا ہے قرآن کا دل یٰسٓ ہے۔

مقبریؒ کہتے ہیں کہ اگر کسی قسم کا کوئی خوف ہو حکومت وقت کا کوئی (ناقابل برداشت یا غلط) مطالبہ ہو یا کسی دشمن کی طرف سے ایذاء رسانی کا اندیشہ ہو تو سورۂ یٰسٓ پڑھو انشاء اللہ اس کی برکت کی وجہ سے تم ہر قسم کے خوف و اندیشہ سے محفوظ رہو گے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جس نے جمعہ کے دن سورۂ یٰسٓ اور الصافات پڑھی اور پھر خدا سے کوئی چیز مانگی تو اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عنایت فرمائے گا۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کا نماز سے فارغ ہونا اس بات سے پہچانتے تھے کہ آپ ﷺ نماز کے بعد یہ آیت سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ آخر آیت تک پڑھتے تھے۔ نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے نماز کے بعد یہ آیت سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ آخر آیت تک تین مرتبہ پڑھی تو بلاشک اس نے پورے پیمانہ کے ساتھ (یعنی بھرپور) ثواب حاصل کیا۔ آپ ﷺ یہ بھی فرماتے تھے کہ جس شخص کے لئے یہ بات خوش کن ہو کہ وہ قیامت کے روز بھرپور ثواب کا حقدار ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی مجلس کے آخر میں جب کہ وہ اٹھنے کا ارادہ کرے یہ آیت یعنی سُبْحَانَ رَبِّكَ الخ پڑھے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھے سبع طول (یعنی وہ سات بڑی سورتیں جو ابتداء قرآن میں ہیں) توراۃ کی جگہ دی ہیں، الرآت[1] سے طواسین[2] تک انجیل کی جگہ دی ہیں، طواسین اور حامیون[3] کے درمیان کی سورتیں زبور کی جگہ دی ہیں اور حامیون و مفصل (قرآن کی آخری سورتوں کے ذریعہ مجھے امتیاز و فضیلت بخشی ہے، مجھ سے پہلے کسی نبی نے ان سورتوں کو نہیں پڑھا، (یعنی ان سورتوں کے مضامین صرف مجھے ہی عنایت فرمائے گئے ہیں اور کسی نبی کو اس سے سرفراز نہیں کیا گیا ہے)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا خلاصہ ہوا کرتا ہے قرآن کا خلاصہ حامیون ہیں "حضرت سمرہ ابن جندب سے بطریق مرفوع منقول ہے کہ "حامیون" جنت کے باغات میں سے باغ ہیں"۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "حامیون سات ہیں (یعنی ایسی سورتوں کی تعداد سات ہے جن کے شروع میں حم ہے) اور دوزخ کے دروازے بھی سات ہیں ان میں سے ہر حم (قیامت میں) دوزخ کے ہر ایک دروازے پر کھڑی رہے گی اور ہر ایک عرض کرے گی کہ اے پروردگار! اس دروازہ کے ذریعہ اس شخص کو دوزخ میں داخل نہ کر جو مجھ پر ایمان رکھتا تھا اور مجھ کو پڑھتا تھا" نیز آپ ﷺ نے فرمایا "جس طرح ہر درخت کا پھل ہوتا ہے اسی طرح قرآن کا پھل حامیون ہیں وہ باغ ہیں ارزانی کرنے والے، سیر کرنے والے، تجارت کی جگہ، لہٰذا جس شخص کو یہ بات پسندیدہ اور محبوب ہو کہ وہ جنت کے باغات میں خوشہ چینی کرے تو اسے چاہئے کہ وہ حامیون پڑھے"۔

بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب تک تَبَارَكَ الَّذِىْ اور حٰم السجدہ نہ پڑھ لیتے تھے سوتے نہیں تھے "ایک اور روایت ہے کہ" جو شخص جمعہ کی شب میں حٰم الدخان اور یٰس پڑھتا ہے تو وہ اس حالت میں صبح کرتا ہے کہ اس کی بخشش ہو

---

[1] یعنی وہ سورتیں جن کے شروع میں "الر" یا "المر" ہے ۱۲۔

[2] یعنی وہ سورتیں جن کے شروع میں "طس" یا "طسم" ہے۔

[3] یعنی وہ سورتیں جن کے شروع میں "حم" ہے۔

بخشی ہوتی ہے۔ "ایک دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا ہے" جو شخص جمعہ کی شب میں یا جمعہ کے دن حم الدخان پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے نیز ایک روایت یہ ہے کہ جو شخص جمعہ کی رات میں سورۂ دخان پڑھتا ہے تو وہ اس حالت میں صبح کرتا ہے۔ کہ اس کی مغفرت ہو چکی ہوتی ہے۔ اور اس کا نکاح حور عین سے کیا جائے گا۔ اور جو شخص رات میں سورۂ دخان پڑھتا ہے اس کے پہلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے الٓمٓ تَنْزِيْلُ. يٰسٓ. اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ اور تَبَارَكَ الَّذِيْ پڑھی یہ سورتیں اس کے لئے نور ہوں گی اور شیطان و شرک سے پناہ بن جائیں گی نیز قیامت کے دن اس کے درجات بلند کئے جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جو شخص ہر رات میں اقتربت الساعۃ پڑھے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اس حال میں اٹھائے گا کہ اس کا منہ چودھویں رات کے چاند کی مانند (روشن) ہوگا" نیز رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ اذا وقعت اور رحمٰن۔ پڑھنے والا زمین و آسمان میں رہنے والوں کے درمیان "ساکن الفردوس" کے نام سے پکارا جاتا ہے یعنی وہ خوش نصیب جنت الفردوس میں (کہ جو سب سے اعلیٰ جنت ہے) رہے گا۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سورۃ الواقعہ" سورۃ الغنیٰ ہے لہٰذا اسے پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ "اسے اپنی بیویوں کو سکھلاؤ"۔

حضرت عائشہؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ عورتوں سے کہا کرتی تھیں کہ، تم میں سے کسی کو سورۂ واقعہ پڑھنے سے کوئی چیز روک نہ دے۔

منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا کہ وہ جب (سونے کے لئے) اپنے بستر پر جائے تو سورۃ حشر پڑھے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شیطان سے پناہ مانگے اور پھر تین مرتبہ سورۂ حشر کا آخری حصہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے بھیجتا ہے جو اس شخص سے جن و انس کے شیاطین کو دور رکھتے ہیں اگر وہ یہ رات میں پڑھتا ہے تو وہ فرشتے (ان شیاطین کو) شام تک دور رکھتے ہیں" نیز آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "جس شخص نے سورۃ حشر کی آخری آیتیں دن میں یا رات میں پڑھیں اور اس دن میں یا رات میں مر گیا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگی۔

آپ ﷺ نے فرمایا، میں اس بات کو پسندیدہ اور محبوب رکھتا ہوں کہ میری امت کے ہر فرد و بشر کے دل میں تبارک الذی ہو (یعنی ہر شخص کو یہ سورت یاد ہو)۔

اور حضرت عکرمہ ابن سیان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت اسمٰعیلؒ کے سامنے قرآن پڑھا، جب میں سورۂ والضحیٰ پر پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ سورۂ والضحیٰ کے بعد آخر تک ہر سورت کے ختم ہونے کے بعد اللہ اکبر کہو اس لئے کہ جب میں نے حضرت عبداللہ ابن کثیرؒ کے سامنے قرآن کریم پڑھا اور میں سورۂ والضحیٰ پر پہنچا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس سورۃ کے بعد قرآن کریم کے آخر تک ہر سورۃ کے ختم ہونے کے بعد اللہ اکبر کہو، نیز حضرت ابن عباسؓ نے بھی اس بات کا حکم دیا ہے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مجھے اس بات کا حکم حضرت ابی بن کعبؓ نے دیا اور حضرت ابیؓ نے مجھے بتایا کہ انہیں رسول کریم ﷺ نے اس بات کا حکم دیا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا اِذَا زُلْزِلَتْ آدھے قرآن کے برابر ہے اور وَالْعَادِيَاتِ بھی آدھے قرآن کے برابر ہے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص رات میں ہزار آیتیں پڑھا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ ہنستا ہوگا عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! ہزار آیتیں پڑھنے کی کون طاقت رکھتا ہے۔" آپ نے فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر الھٰکم التکاثر آخر سورۃ تک پڑھے اور پھر فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! یہ سورت ہزار آیتوں کے برابر ہے۔

ابوالشیخ نے عظمت میں اور ابو محمد سمرقندیؒ نے قل ھو اللہ احد کے فضائل میں حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ "خیبر کے یہود (نبی

کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ "اے ابوالقاسم (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو نور حجاب سے آدمؑ کو حماء مسنون یعنی سڑی ہوئی کیچڑ سے، ابلیس کو شعلۂ آگ سے، آسمان کو دھوئیں سے اور زمین کو پانی کے جھاگ سے پیدا کیا لہٰذا اب آپ ﷺ ہمیں اپنے رب کے بارہ میں بتایئے (کہ اللہ تعالیٰ کس چیز سے پیدا ہوا؟) نبی کریم ﷺ نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا، تاآنکہ حضرت جبرئیل آپ کے پاس یہ سورۃ یعنی قل ھو اللہ احد لائے جس کا مطلب یہ ہے کہ (اے محمد ﷺ) آپ ان سے کہہ دیجئے اللہ ایک ہے نہ اس کے اصول ہیں نہ فروع اور نہ اس کا کوئی شریک ہے اَللّٰہُ الصَّمَدُ اللہ تعالیٰ بالکل بے پرواہ اور مستغنی ہے نہ تو وہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے اور نہ اسے کسی چیز کی حاجت وضرورت ہے یہ ساری سورۃ آپ نے پڑھ کر سنادی، چنانچہ اس سورۃ میں نہ جنّت کا ذکر ہے اور نہ دوزخ کا، نہ حلال چیزوں کا ذکر ہے اور نہ حرام کا بلکہ اس سورۃ کو اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی طرف منسوب کیا ہے، لہٰذا یہ سورۃ خاص طور پر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے یعنی اس سورۃ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات اور وحدانیت کی حقیقت بتائی ہے، اس لئے جس شخص نے اس سورۃ کو تین مرتبہ پڑھا گویا اس نے تمام وحی (یعنی پورا قرآن) پڑھ لیا، جس شخص نے اس سورت کو تیس مرتبہ پڑھا ہو اس دن میں دنیا میں کوئی شخص اس کی فضیلت کے برابر نہیں ہو گا علاوہ اس شخص کے جس نے اس سے بھی زیادہ پڑھا ہو، جس شخص نے اس سورۃ کو دو بار پڑھا ہو وہ جنت الفردوس میں رہے گا اور جو شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اسے تین مرتبہ پڑھے تو اس سے فقر و محتاجگی دور رہتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک رات رسول کریم ﷺ نے اس طرح گزاری کہ تمام رات صبح تک اس سورۃ کو بار بار پڑھتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ "جس شخص نے قل ھو اللہ احد پڑھی اس نے گویا تہائی قرآن پڑھا" ایک اور روایت میں ہے کہ "جس شخص نے سورت کو دو سو مرتبہ پڑھا اس کے دو سو برسوں کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں (یعنی اس کے بہت ہی زیادہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے قل ھو اللہ احد پچاس مرتبہ پڑھی اس کے پچاس برس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے ہر روز دو مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھی اس کے لئے ڈیڑھ ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس سے پچاس برس کے گناہ دور کئے جاتے ہیں الا یہ کہ اس پر دین (کوئی قرض) ہو۔

ابن سعیدؒ، ابن خریسؒ، ابویعلیؒ اور بیہقیؒ دلائل میں حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ملک شام میں تھے کہ حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور عرض کیا کہ اے محمد (ﷺ)! معاویہؓ ابن معاویہ مزنی (صحابی) کا انتقال ہو گیا ہے، کیا آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں! چنانچہ حضرت جبرئیلؑ نے اپنا بازو زمین پر مارا جس سے ان کے لئے ہر چیز پست ہو کر زمین کی سطح سے مل گئی یہاں تک کہ معاویہ کا جنازہ بلند ہو کر سامنے نظر آنے لگا اور نبی کریم ﷺ نے ان کی نماز جنازہ فرشتوں کی دو صفوں میں پڑھی اور ہر صف میں چھ لاکھ فرشتے تھے۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ قل ھو اللہ احد کے پڑھنے نے، وہ اس سورۃ کو (ہر وقت) کھڑے بیٹھے، آتے جاتے اور سوتے (یعنی لیٹے لیٹے) پڑھا کرتے تھے۔

ایک اور روایت میں حضرت انسؓ ہی سے اس طرح منقول ہے کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تبوک میں تھے ایک دن آفتاب طلوع ہوا تو اس میں ایسی روشنی وشعاع اور ایسا نور تھا کہ ہم نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ سورج کی اس روشنی ونور کے بارہ میں اظہار تعجب ہی فرما رہے تھے کہ اچانک حضرت جبرئیلؑ تشریف لے آئے ان سے پوچھا کہ سورج کے لئے ایسا کیا سبب پیش آیا کہ میں اس کو ایسی روشنی ونور کے ساتھ دیکھ رہا ہوں کہ پہلے کبھی اس طرح طلوع ہوتے نہیں دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ "اس کا سبب یہ ہے کہ آج مدینہ میں معاویہ ابن معاویہ لیثی[1] کا انتقال ہو گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ستر ہزار فرشتے بھیجے تاکہ وہ ان کی

[1] یہ وہی معاویہ ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا مزن ان کے عام قبیلہ کا نام ہے جب کہ لیث ان کے خاص قبیلہ کا نام ہے اس لئے انہیں مزنی بھی کہا جاتا ہے اور لیثی بھی۔

نماز جنازہ پڑھیں، آپ نے پوچھا کہ اے جبرئیل! اس فضیلت و کرامت کا سبب کیا ہے حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ "اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قل ھو اللہ احد بہت زیادہ پڑھتے تھے کھڑے بیٹھے چلتے اور دن و رات کے دوسرے اوقات میں اس سورۃ کو بہت زیادہ پڑھتے تھے کیونکہ یہ سورۃ آپ کے رب کی نسبت ہے جو شخص اس سورۃ کو پچاس مرتبہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچاس ہزار درجے بلند کرتا ہے اور اس سے پچاس ہزار برائیاں دور کرتا ہے نیز اس کے لئے پچاس ہزار نیکیاں لکھتا ہے اور جو شخص اس سے بھی زیادہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بھی زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے۔ پھر جبرئیلؑ نے کہا کہ۔ کیا میں آپ کے لئے زمین سمیٹ لوں تاکہ آپ (ﷺ) ان کی نماز جنازہ پڑھ سکیں؟ آپ نے کہا "ہاں" چنانچہ آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں جن کو جو شخص تکمیل ایمان کی خاطر اختیار کرے تو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے گا داخل ہوگا اور جس بھی حور عین سے چاہے گا نکاح کرے گا۔ ① اپنے قاتل کو معاف کرے۔ ② دین خفیہ ادا کرے۔ ③ ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے۔ (یہ سن کر) حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ، اگر کوئی ان میں سے کوئی ایک چیز بھی اختیار کرے گا تو مذکورہ بالا ثواب و سعادت کا حقدار ہوگا۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ جو شخص روزانہ پچاس مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے تو اسے قیامت کے دن اس کی قبر سے اس طرح بلایا جائے گا کہ "اے اللہ کے مدح کرنے والے جنت میں داخل ہوجا"۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جو شخص کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ کہنا بھول جائے تو اسے چاہئے کہ جب وہ کھانے سے فارغ ہو تو قل ھو اللہ احد پڑھ لے نیز رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت قل ھو اللہ احد پڑھتا ہے تو نہ صرف یہ کہ اس کے گھر والوں سے بلکہ ہمسایوں سے بھی فقر و محتاجگی دور ہوتی ہے، ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" (ایک دن) حضرت جبرئیلؑ بڑی اچھی صورت میں شاداں و فرحاں میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد (ﷺ) اعلیٰ اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) آپ کو سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہر ذات کے لئے سلسلہ نسب ہوتا ہے میرا نسب قل ھو اللہ احد ہے لہٰذا آپ کی اُمت میں سے جو شخص میرے پاس اس حال میں آئے گا کہ اس نے کبھی قل ھو اللہ احد ہزار بار پڑھی ہوگی تو میں اسے اپنا نشان عطا کروں گا، اسے اپنے عرش کے قریب رکھوں گا اور ایسے ستر آدمیوں کے حق اس کی شفاعت قبول کروں گا جو مستوجب عذاب ہوں گے اور اگر میں نے اپنے اوپر یہ واجب نہ کرلیا ہوتا کہ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (یعنی میں نے یہ کلیہ نہ بنادیا ہوتا کہ ہر جاندار موت کا مزہ ضرور چکھے گا) تو میں اس کی روح قبض نہ کرتا۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جو شخص نماز جمعہ کے بعد قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ. قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ سات سات مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے دوسرے جمعہ تک برائیوں سے پناہ میں رکھتا ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ "جس شخص نے قل ھو اللہ احد ہزار مرتبہ پڑھی تو اس کا یہ پڑھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس بات سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے کہ وہ فی سبیل اللہ (یعنی جہاد میں) ایک ہزار گھوڑے مع لگام و زین کے دے۔

حضرت کعبؓ احبار کہتے ہیں کہ جو شخص قل ھو اللہ احد پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گوشت کو آگ پر حرام کردیتا ہے، نیز کعب احبارؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ جو شخص روزانہ رات دن میں دس بار قل ھو اللہ احد اور آیۃ الکرسی پڑھنے پر مواظبت کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو واجب کرتا ہے اور وہ انبیاء کے ساتھ ہوگا۔ نیز شیطان سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ "جو شخص عرفہ کے دن زوال آفتاب کے بعد ہزار مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ عطا فرماتا ہے" ایک روایت میں یہ ہے کہ جس شخص نے اس سورت کو ہزار مرتبہ پڑھا اس نے اپنا نفس اللہ تعالیٰ سے خرید لیا یعنی وہ آگ سے محفوظ ہوگیا، اسی طرح ایک روایت میں یوں ہے کہ "جو شخص اس سورت کو دو سو مرتبہ پڑھتا ہے

اسے پانچ سو برس کی عبادت کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ کے بارہ میں منقول ہے کہ جب آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کا نکاح حضرت فاطمہؓ کے ساتھ کیا تو آپ ﷺ نے پانی منگا کر اس میں کلی کی پھر اسے (اپنے گھر میں) لے گئے اور اس پانی کو ان کے گریبان میں اور ان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان چھڑکا نیز قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق، اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر انہیں خدا کی پناہ میں دیا" ایک روایت میں ہے کہ "جس شخص نے فجر کی نماز کے بعد کسی سے بات چیت کرنے سے پہلے ستر مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھی تو اس دن اس کی طرف سے پچاس صدیقین کے عمل اوپر پہنچائے جاتے ہیں۔

بَابٌ
گزشتہ باب سے متعلق باتوں کا بیان
اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
قرآن کی خبر گیری کرو

① عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَاهَدُوا الْقُرْاٰنَ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَهُوَ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِنَ الْاِبِلِ فِیْ عُقُلِهَا (متفق علیہ)

"حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قرآن کی خبر گیری کرو (یعنی قرآن برابر پڑھتے رہو تاکہ بھول نہیں) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے قرآن سینوں سے اتنی جلدی نکل جاتا ہے کہ اونٹ بھی اتنی جلدی اپنی رسی سے نہیں نکلتا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: یعنی اگر اونٹ کا نگہبان و مالک اپنے اونٹ کی طرف سے غفلت برتے تو اونٹ رسی سے نکل بھاگتا ہے اسی طرح اگر قرآن کریم برابر نہ پڑھا جاتا رہا تو وہ اونٹ سے بھی جلدی سینہ سے نکل جاتا ہے یعنی جلدی بھول جاتا ہے۔

قرآن کے بارہ میں ایک ادب

② وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا لِاَحَدِهِمْ اَنْ یَّقُوْلَ نَسِیْتُ اٰیَةَ کَیْتَ وَکَیْتَ بَلْ نُسِّیَ وَاسْتَذْکِرُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ بِعُقُلِهَا

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، کسی شخص کے لئے یہ بات بری ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں بلکہ وہ اس طرح کہے کہ بھلایا گیا، اور قرآن کریم (برابر) یاد کرتے رہا کرو کیونکہ وہ لوگوں کے دل سے جانوروں سے بھی جلد نکل جاتا ہے (بخاری ومسلم) مسلم کی روایت میں لفظ بِعُقُلِهَا بھی ہے یعنی (ان جانوروں سے بھی جلد) جو اپنی رسی میں بندھے ہوئے ہوں۔"

تشریح: یہاں ایک ادب سکھایا جارہا ہے کہ اگر کسی شخص کو قرآن کریم کی کوئی سورت یا آیت یاد نہ رہے تو وہ اس کا اظہار کیونکر کرے؟ ایسے موقع پر یہ کہنا کہ "میں بھول گیا ہوں" اس لئے منع ہے کہ اس طرح کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے قرآن پڑھنا چھوڑ دیا اور بے پروائی کے سبب بھول گیا جو ظاہر ہے کہ قرآن کی شان عظمت کے منافی ہے، اس طرح کہنا کہ "بھلایا گیا ہوں" گویا اس سعادت

و نعمت کے حصول میں اپنی تقصیر و کوتاہی اور حسرت کا اظہار ہے جو صحیح ہے۔

صاحب قرآن کی مثال

③ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْاٰنِ کَمَثَلِ صَاحِبِ الْاِبِلِ الْمُعَلَّقَۃِ اِنْ عَاھَدَ عَلَیْھَا اَمْسَکَھَا وَاِنْ اَطْلَقَھَا ذَھَبَتْ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا صاحب قرآن (قرآن پڑھنے والے) کی مثال بندھے ہوئے اونٹ کے مالک کی سی ہے اگر وہ اس اونٹ کی خبرگیری کرتا ہے تو وہ بندھا اور رکا رہتا ہے اور اگر اسے چھوڑ دیتا ہے تو وہ جاتا رہتا ہے (اسی طرح) اگر کوئی شخص قرآن کریم برابر نہ پڑھے اور یاد نہ کرتا رہے تو قرآن اس کے سینہ سے نکل جاتا ہے)۔" (بخاریؒ مسلمؒ)

جب تک دل لگے قرآن پڑھو

④ وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِقْرَأُوا الْقُرْاٰنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَیْہِ قُلُوْبُکُمْ فَاِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْہُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جندب ابن عبداللہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قرآن اس وقت تک پڑھو جب تک کہ تمہارے دل کی خواہش ہو، جب آپس میں اختلاف ہو (یعنی زیادہ پڑھنے سے ملال اور دل گرفتگی محسوس ہو) تو کھڑے ہو جاؤ (یعنی قرآن پڑھنا موقوف کر دو)۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت و قرأت میں اسی وقت تک مصروف رہنا چاہئے جب تک دل لگے دل نہ لگنے کی صورت میں قرآن کریم نہ پڑھنا بغیر حضور دل کے پڑھنے سے افضل ہے، لیکن یہاں اس حدیث سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ انسان کو چاہئے کہ وہ عادی بنے اور اپنے نفس کو ریاضت میں ڈالے تاکہ زیادہ سے زیادہ دیر تک پڑھنے سے طبیعت ملول نہ ہو بلکہ زیادہ خوشی و فرحت محسوس ہو کیونکہ کاہل اور آسودہ دل جو ریاضت کی عادت نہیں ڈالتے جلدی ہی ملول ہو جاتے ہیں چنانچہ بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ ایک ہی سیپارہ پڑھنے میں اپنی طبیعت پر بار محسوس کرنے لگتے ہیں اور ملول ہو جاتے ہیں جب کہ وہ لوگ جو ریاضت کے عادی ہوتے ہیں ایک سیپارہ بلکہ اس سے بھی زیادہ اتنے ذوق و شوق کے ساتھ پڑھتے ہیں جب کہ نہ تو ان کی طبیعت پر ذرا سا بھی بار ہوتا ہے اور نہ وہ ملول ہوتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی قرأت

⑤ وَعَنْ قَتَادَۃَ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ کَیْفَ کَانَتْ قِرَاءَۃُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَانَتْ مَدًّا مَدًّا ثُمَّ قَرَأَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یَمُدُّ بِبِسْمِ اللّٰہِ وَیَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَیَمُدُّ بِالرَّحِیْمِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوقتادہ کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی قرأت کیسی ہوتی تھی؟ انہوں نے کہا کہ آپ کی قرأت درازی کے ساتھ ہوتی تھی پھر انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر بتایا کہ اس طرح بسم اللہ کو دراز کرتے تھے (یعنی بسم اللہ میں اللہ کے الف کو الف کے مقصود کے بقدر کھینچتے تھے، رحمٰن کو دراز کرتے تھے (یعنی اس کے الف کو بھی کھینچتے تھے) اور رحیم کو دراز کرتے تھے (یعنی رحیم کی یاء کو اصلی[1] یا عرضی مد کرتے تھے۔" (بخاریؒ)

---

[1] اصلی سے مراد یہ ہے کہ یاء کو کھینچے بغیر اظہار کرتے تھے اور عارضی سے مراد یہ ہے کہ اس کو کھینچ کر پڑھتے تھے یہ دونوں ٹھیک ہیں۔

تشریح: "آپ کی قرأت درازی کے ساتھ ہوتی تھی" کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حروف مد اور لین کو بقدر معروف مد کرتے تھے جو ارباب وقوف (یعنی ارباب تجوید) کے قواعد و شرائط کے مطابق ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حروف مد تین ہیں "واؤ، الف، یا" چنانچہ اس بارہ میں یہ قاعدہ ہے کہ جب ان کے بعد ہمزہ ہو تو الف کے بقدر ان کو مد کرنا چاہئے بعض حضرات کہتے ہیں کہ دو الف سے پانچ الف تک کے بقدر مد کرنا چاہئے۔

"بقدر الف" سے بقدر "دازکی آواز" مراد ہے جب کہ کہا جائے بایا تا۔ اور اگر حروف مد کے تشدید ہو تو بقدر چار الفوں کے مد کرنا چاہئے اتفاقاً جیسے دابة اور ان کے بعد حرف ساکن ہو تو بقدر دو الفوں کے مد کرنا چاہئے اتفاقاً جیسے مار اور یعلمون اور ان کے بعد مذکورہ بالا حروف کے علاوہ حرف ہو تو مد نہیں کرنا چاہئے صرف اسی آواز پر اکتفاء کرنا چاہئے جو اس حرف کے نکلنے کے بقدر ہو جیسے آیاک یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ بسم اللہ میں جو مد ہوتے ہیں وہ سب اسی قبیل سے ہیں۔

خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ آواز

(۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ مَّا اَذِنَ لِنَبِیٍّ يَّتَغَنّٰى بِالْقُرْاٰنِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ جس طرح (پسندیدگی کے ساتھ) نبی ﷺ کی آواز کو سنتا ہے جب کہ وہ قرآن کریم کو خوش گلوئی کے ساتھ پڑھتے ہیں اس طرح اور کوئی آواز نہیں سنتا۔" (بخاری و مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یوں تو نبی ﷺ کی آواز بذات خود ہر فرد بشر کی آواز سے عمدہ اور شیریں ہوتی ہے مگر جب نبی ﷺ قرآن کریم خوش گلوئی یعنی تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھتے ہیں تو اس وقت ان کی آواز کائنات کی ہر آواز سے لطیف و شیریں ہوتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو؟ خدا کا کلام اور خدا کا رسول اسے پڑھ رہا ہو تو ظاہر ہے کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ جاندار ہی نہیں غیر جاندار بھی وجد میں آجاتا ہے اسی بات کو فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ رب العزت اس آواز کو جتنا پسند کرتا ہے اور اسے جس طرح قبول کرتا ہے اس کی یہ پسندیدگی اور مقبولیت کائنات کو کسی بھی ایسی چیز کو حاصل نہیں ہوتی جس میں آواز ہوتی ہے اور جو سنی جاتی ہے۔

(۷) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ مَّا اَذِنَ لِنَبِیٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْاٰنِ يَجْهَرُ بِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی بھی چیز کے لئے کان نہیں رکھتا یعنی کسی بھی چیز کی آواز کو قبول نہیں کرتا جیسا کہ وہ قرآن پڑھتے وقت نبی ﷺ کی خوش گلوئی کے لئے کان رکھتا ہے یعنی اسے پسند و قبول کرتا ہے جب کہ نبی باآواز بلند قرآن کریم پڑھتے ہیں۔" (بخاری و مسلمؒ)

قرآن کریم اور خوش گلوئی

(۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ (رواه البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "وہ شخص ہمارے کامل طریقہ پر چلنے والا نہیں ہے جو قرآن کریم خوش گلوئی کے ساتھ نہ پڑھے۔" (بخاریؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کو خوش گلوئی اور خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا چاہئے بشرطیکہ حروف، حرکات، مد، تشدید یا اسی طرح اور کسی چیز میں تغیر پیدا نہ ہو، اسی طرح راگ کے طور پر بھی نہ ہو، بلکہ اس بارہ میں تو مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص قصداً قرآن کریم راگ کے

انداز میں پڑھے گا وہ فعل حرام کا مرتکب ہوگا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

قرآن کریم کی سماعت

⑨ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ اقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ اَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ اُنْزِلَ قَالَ اِنِّي اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِيْ فَقَرَأْتُ سُوْرَةَ النِّسَآءِ حَتّٰى اَتَيْتُ اِلٰى هٰذِهِ الْاٰيَةِ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَابِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا قَالَ حَسْبُكَ الْاٰنَ فَالْتَفَتُّ اِلَيْهِ فَاِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے اس وقت جب کہ آپ ﷺ منبر پر تھے مجھ سے فرمایا کہ "میرے سامنے قرآن کریم پڑھو" میں نے عرض کیا کہ "آپ ﷺ کے سامنے میں قرآن کریم پڑھوں؟ حالانکہ قرآن کریم آپ ﷺ پر اتارا گیا ہے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں اسے پسند کرتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی دوسرے سے قرآن سنوں!" حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ چنانچہ میں نے سورۂ نساء پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَابِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا بھلا اس (قیامت کے) دن یہود وغیرہ کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ بلائیں گے (یعنی ہر اُمت کا نبی اس دن اپنی اُمت کے افعال و احوال کی گواہی دے گا) اور ہم آپ ﷺ کو اس اُمت کا گواہ بنا کر بلائیں گے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بس اب رک جاؤ (کیونکہ میں اس آیت میں مستغرق ہوتا ہوں) پھر جب میں آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ کی مقدار میں آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت ابن مسعودؓ کی عرض کہ قرآن کریم آپ پر اتارا گیا، کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم چونکہ خود آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے اس لئے قرآن کریم پڑھنا بھی آپ ﷺ ہی کا حق ہے اور یہ جس طرح اتارا گیا ہے اسی طرح اسے آپ ﷺ ہی پڑھ سکتے ہیں کسی اور کی کیا مجال کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے قران کریم پڑھے۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ کے ارشاد گرامی "میں اسے پسند کرتا ہوں الخ" کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے جب کہ میری خواہش یہ ہوتی ہے کہ میں کسی دوسرے سے قرآن سنوں اور یہ وقت وہ ہوتا ہے جس میں عارف پر حالت سکون طاری ہوتی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانُهٗ (یعنی جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان خاموش ہوگئی) اس کے برخلاف عارف کی ایک اور حالت ہوتی ہے جس کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ طَالَ لِسَانُهٗ (یعنی جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان کھل جاتی ہے)۔

حاصل یہ ہے کہ بعض وقت تو عارف حالت تحیر و استغراق میں ہوتا ہے کہ سکوت اختیار کرتا ہے اور بعض ہوشیار رہتا ہے کہ اس وقت وہ حقائق و معارف وغیرہ بیان کرتا ہے۔

دوسرے سے قرآن سننے میں ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ قرآنی آیات کے مفہوم و معانی خوب اچھی طرح سمجھ میں آتے ہیں غور و فکر اور محویت کمال درجہ کی حاصل ہوتی ہے۔

سورۂ نساء کی حدیث میں مذکورہ آیت کا مقصد چونکہ قیامت کے دن کو یاد دلانا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ اس دن کی ہولناکی اور اپنی اُمت کے ضعف کا خیال کر کے روئے، یہ اس بات کی بیّن علامت اور دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی اُمت پر بڑے شفیق و عنایت فرما ہیں صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ اَلْفَ اَلْفِ صَلٰوةٍ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَكُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ۔

حضرت ابی بن کعبؓ کی سعادت

⑩ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَأَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ آللّٰهُ سَمَّانِيْ لَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ نَعَمْ فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَأَ

عَلَيْكَ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قَالَ وَسَمَّانِيْ قَالَ نَعَمْ فَبَكٰى (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں؟ حضرت ابیؓ نے عرض کیا کہ "کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے. آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں! حضرت ابیؓ نے کہا کہ" دونوں جہاں کے پروردگار کے ہاں میرا ذکر کیا گیا؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں (سنتے ہی) حضرت ابیؓ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابیؓ سے فرمایا کہ "مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے سورۃ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پڑھوں" حضرت ابی نے عرض کیا کہ "اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟" آپ نے فرمایا کہ "ہاں؟" (یہ سنتے ہی) حضرت ابی رو پڑے۔" (بخاریؒ ، مسلم)

تشریح: حضرت ابی بن کعبؓ تمام صحابہ میں سب سے بڑے قاری تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کے اسی امتیاز و شرف کو صحابہؓ کے سامنے اسی طرح بیان کیا کہ اَقْرَءُكُمْ اُبَيٌّ (تم میں سب سے بڑے قاری ابی ہیں)۔

حضرت ابی کے قول آللّٰہُ سَمَّانِيْ لَكَ کا مطلب یہ تھا کہ "کیا خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے میرا ہی نام لیا ہے" اور انہوں نے یہ بات اپنی عاجزی و انکساری کے اظہار اور اپنی گمنامی کی وجہ سے کہی کہ میں اس لائق کہاں ہوں کہ پروردگار بطور خاص میرا نام لے کر آپ کو حکم دے یا پھر انہوں نے یہ بات ازراہ ذوق ولذت کے کہی اور اپنی اس عظیم سعادت و شرف کا اظہار کیا کہ خدا نے مجھے یہ عظیم مرتبہ بخشا۔

یہ عظیم شرف سن کر حضرت ابیؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جانا خوشی کی وجہ سے تھا ایسی خوشی جو حقیقی عاشق کو محبوب کے وصال اور محبوب کی کرم فرمائی کے وقت حاصل ہوتی ہے ایسی صورت میں قلب کا حزن وملال سکون پا کر آنکھوں کی راہ سے نکل پڑتا ہے۔

خاص طور پر سورۂ لم یکن ہی کو پڑھنے کا حکم اس لئے ہوا کہ یہ سورۃ الفاظ کے اعتبار سے بہت مختصر بھی ہے اور اس میں فوائد بھی بہت زیادہ ہیں کیونکہ اس سورۃ میں دین کے اصول، وعدو عید اور اخلاص وغیرہ کے اعلیٰ مضامین مذکور ہیں۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ماہر قرآن اور اہل علم وفضل کے سامنے قرآن پڑھنا مستحب ہے اگرچہ قاری سننے والے سے افضل نہ ہو۔

دار الحرب میں قرآن کے لے جانے کی ممانعت

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّسَافَرَ بِالْقُرْاٰنِ اِلٰى اَرْضِ الْعَدُوِّ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا تُسَافِرُوْا بِالْقُرْاٰنِ فَاِنِّيْ لَا اٰمَنُ اَنْ يَّنَالَهُ الْعَدُوُّ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دشمن ملک (یعنی دار الحرب) کی طرف قرآن لے کر سفر کرنے سے منع فرمایا ہے (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا، قرآن لے کر سفر نہ کرو اس لئے کہ مجھے یہ اطمینان نہیں ہے کہ دشمن اسے چھین لے (اور پھر وہ اس کی بے حرمتی کرے)۔"

تشریح: یہاں ایک بڑا لطیف اشکال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ قرآن کریم مصحف میں تو لکھا ہوا تھا نہیں پھر آپ ﷺ نے یہ کیسے فرمایا کہ قرآن لے کر سفر نہ کیا جائے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں اگرچہ پورا قرآن مصحف میں لکھا ہوا نہیں تھا مگر پھر بھی جو کچھ نازل ہوتا تھا اسے لوگ اپنے اپنے صحیفوں میں لکھ لیتے تھے اور ظاہر ہے کہ وہ قرآن ہی کے حکم میں تھا۔ یا یہ کہ آپ ﷺ نے یہ بات بطور پیش گوئی فرمائی کہ میرے بعد جب قرآن کریم کو مکمل طور پر یک جا جمع کر کے مصحف کی شکل دے دی جائے تو اسے لوگ لے کر کفار کے ملک میں نہ جائیں کہ

مبادا وہ کفار کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اس کی بے حرمتی کریں۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ دارالکفر میں اپنے ساتھ قرآن لے جانا مکروہ ہے۔ نیز مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کافر کو کوئی خط وغیرہ لکھے تو اس میں آیت لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ہرقل کو جو مکتوب بھیجا تھا اس میں یہ آیت تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ الخ لکھی تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

غرباء مہاجرین کو بشارت

⑫ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَلَسْتُ فِیْ عِصَابَةٍ مِنْ ضُعَفَآءِ الْمُهَاجِرِیْنَ وَاِنَّ بَعْضَهُمْ لَیَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ مِنَ الْعُرْیِ وَقَارِئٌ یَقْرَأُ عَلَیْنَا اِذْ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَیْنَا فَلَمَّا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَکَتَ الْقَارِئُ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَاکُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ قُلْنَا کُنَّا نَسْتَمِعُ اِلٰی کِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ مَعَهُمْ قَالَ فَجَلَسَ وَسْطَنَا لِیَعْدِلَ بِنَفْسِهٖ فِیْنَا ثُمَّ قَالَ بِیَدِهٖ هٰکَذَا فَتَحَلَّقُوْا وَبَرَزَتْ وُجُوْهُهُمْ لَهٗ فَقَالَ اَبْشِرُوْا یَا مَعْشَرَ صَعَالِیْكَ الْمُهَاجِرِیْنَ بِالنُّوْرِ التَّامِّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِیَآءِ النَّاسِ بِنِصْفِ یَوْمٍ وَذٰلِكَ خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابوسعید خدری ؓ کہتے ہیں کہ میں (ایک دن) غرباء مہاجرین (یعنی اصحاب صفہ) کی ایک جماعت کے درمیان بیٹھا تھا ان میں سے کچھ ننگے بدن ہونے کی وجہ سے اپنے ساتھیوں کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص ہمارے سامنے قرآن پڑھ رہا تھا کہ اچانک نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور ہمارے پاس کھڑے ہوگئے، پڑھنے والے نے جب نبی کریم ﷺ کو کھڑے ہوئے دیکھا تو وہ چپ ہوگیا اس وقت آپ نے ہمیں سلام کیا اور فرمایا کہ "تم لوگ کیا کررہے ہو" ہم نے عرض کیا کہ ہم کتاب اللہ سن رہے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا "تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے میری اُمت میں وہ لوگ پیدا کئے جن کے بارہ میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کے ساتھ بیٹھوں" راوی ؓ کہتے ہیں کہ (یہ فرما کر) آپ ﷺ ہمارے درمیان بیٹھ گئے (یعنی کسی خاص شخص کے پہلو میں نہیں بیٹھے) تاکہ آپ ﷺ کی ذات اقدس کا تعلق ہمارے سب کے ساتھ یکساں رہے پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے اس طرح اشارہ کیا (کہ حلقہ بنا کر بیٹھ جاؤ) سب لوگ حلقہ بنا کر بیٹھ گئے اور ان سب کے منہ آپ کی طرف ہوگئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا "اے مہاجرین کے مفلس گروہ تمہیں خوش خبری ہو اس بات کی کہ قیامت کے دن تمہیں بھرپور نور حاصل ہوگا اور تم دولت مند طبقے سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہوگئے اور یہ آدھا دن پانچ سو برس کے برابر ہوگا۔" (ابوداؤد)

تشریح: وَاِنَّ بَعْضَهُمْ الخ کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس اپنے ساتھی کی بہ نسبت کم کپڑا تھا وہ اپنے اس ساتھی کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا تاکہ کپڑا کم ہونے کی وجہ سے اس کا بدن نظر نہ آسکے، چنانچہ "ننگے بدن" سے مراد ستر کے علاوہ جسم کے بقیہ حصہ کا کپڑے سے عاری ہونا ہے اور ستر کے علاوہ جسم کے بقیہ حصہ کو بھی عام نظروں سے بچانے کی وجہ نہ صرف یہ کہ ان مقدس ہستیوں کا کمال شرم وحیاء کے درجہ پر ہونا تھا بلکہ یہ بات انسانی آداب و معاشرت کے خلاف ہے کہ جسم کے اس حصہ کو عام نظروں میں کھلا رہنے دیا جائے جو عام طور پر کھلا نہیں رہتا۔

اس صورت حال کو یہاں بیان کرنے کا مقصد صحابہ کی اس مقدس جماعت کے فقر و افلاس کا اظہار ہے کہ وہ اپنے بدن کو چھپانے کے لئے پورے طور پر کپڑا بھی نہیں رکھتے تھے اسی لئے وہ مجلس میں ایک دوسرے سے مل کر بیٹھتے تھے تاکہ ایک طرح کی پوشیدگی حاصل ہوجائے۔

"اس وقت آپ نے ہمیں سلام کیا" سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو شخص قرآن پڑھ رہا ہو اسے سلام نہ کرنا چاہئے جب وہ خاموش ہو جائے اس وقت سلام کیا جائے جیسا کہ فقہ کا مسئلہ ہے، اسی لئے علماء لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قرآن پڑھنے والے کو سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں ہے۔

صحابہؓ کو قرآن کی ساعت میں مشغول دیکھنے کے باوجود آپ ﷺ نے ان سے یہ بات کہ "تم کیا کر رہے ہو" جان بوجھ کر اس لئے پوچھی تاکہ ان کا جواب سن کر انہیں یہ عظیم بشارت و خوشخبری سنائیں۔

اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ الخ اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (پ ۱۶ ع ۱۵)

"اور آپ ﷺ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ (بیٹھنے میں) مقید[1] رکھ لیجئے جو صبح و شام (یعنی ہمیشہ) اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضاجوئی کے لئے کرتے ہیں اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ ﷺ کی آنکھیں (یعنی توجہات) ان سے ہٹنے نہ پائیں اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا یہ (حال) حد سے گزر گیا ہے

راویؓ کے یہ الفاظ لیعدل الخ کا مطلب یہ ہے کہ "تاکہ آپ ﷺ اپنے آپ کو ہمارے درمیان بٹھانے کے معاملہ میں ہم سب کے ساتھ عدل کا معاملہ کریں تاکہ آپ ﷺ کا قرب سب کے ساتھ یکساں رہے" یعنی اگر آپ ﷺ کسی شخص کے پاس بیٹھ جاتے تو بقیہ لوگوں کو اس کی خوش بختی پر رشک آتا اور سب کی خواہش یہی ہوتی کہ آپ میرے ہی پاس بیٹھیں اس لئے آپ ﷺ کسی ایک شخص کے پاس بیٹھنے کی بجائے درمیان میں بیٹھے تاکہ قرب کی سعادت سب کو یکساں طور پر حاصل ہو۔"

علامہ طیبیؒ نے اس جملہ کے معنی یہ لکھے ہیں کہ آپ ہمارے درمیان اس لئے بیٹھے تاکہ آپ ﷺ ہمارے درمیان برابری کریں اور اپنی ذات اقدس کو ہم سب سے ممتاز و نمایاں کریں۔

"سب لوگ حلقہ بنا کر بیٹھ گئے" کا مطلب یہ ہے کہ سب آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک کے سامنے حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ اسی طرح ان سب کے منہ آپ ﷺ کی طرف ہو گئے کا مطلب یہ ہے کہ سب لوگ آپ کے سامنے اس طرح بیٹھے کہ آنحضرت ﷺ سب کا چہرہ دیکھتے ہیں۔

"قیامت کے دن تمہیں بھرپور نور حاصل ہوگا" سے اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن سرمایہ دار اور دولتمند طبقہ (دنیا دار) کو بھرپور نور حاصل نہیں ہوگا کیونکہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ جس نے آخرت کو درست رکھا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی دنیا کو درست رکھا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا لہٰذا جو چیز فنا ہو جانے والی ہے (یعنی دنیا) اس کے مقابلہ میں اس چیز (یعنی آخرت) کو اختیار کرو جو باقی رہنے والی ہے۔

"اور تم دولت مند طبقہ سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہو گے" اس بارہ میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ یہاں فقراء سے وہ فقراء مراد ہیں جو صالح اور صابر ہوں، اسی طرح دولتمند سے وہ دولتمند مراد ہیں جو صالح و شاکر اور اپنے مال کا حق (یعنی صدقات و زکوٰۃ وغیرہ) ادا کرنے والے ہوں انہیں میدان حشر میں کھڑا کیا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے مال کہاں سے اور کن ذریعوں سے حاصل کیا، اور تم نے اس مال کو کہاں کہاں خرچ کیا، وہ اس حساب کتاب میں مصروف ہوں گے کہ فقراء جنت میں داخل بھی ہو جائیں گے۔

---

[1] اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب تک یہ لوگ نہ اٹھیں گے آپ بیٹھے رہا کیجئے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ان کو اپنی مجالست سے مشرف رکھیں۔

اس سے ایک بات معلوم ہوئی کہ قیامت کے روز خدا کے فضل و کرم اور اس کی رحمت میں فقراء کا حصہ دولتمند طبقہ کے حصے سے زیادہ ہوگا کیونکہ دولتمند طبقہ نے تو دنیا میں راحت و نصرت پائی تھی جب کہ فقراء محروم رہے تھے۔

تجوید و ترتیل سے قرآن پڑھنے کا حکم

⑬ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ۔

(رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت براء ابن عازبؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قرآن کو اپنی آواز کے ذریعہ زینت دو۔" (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: "زینت دینے" سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم کو تجوید و ترتیل اور آواز کی نرمی و لطافت کے ساتھ پڑھا جائے یہ بات پہلے بھی بتائی جاچکی ہے اور اب پھر جان لیجئے کہ راگ میں قرآن کو اس طرح پڑھنا کہ حروف یا حرکات میں کمی و زیادتی ہو حرام ہے اسی طرح قرآن پڑھنے والا شخص فاسق ہوتا ہے اور سننے والا گنہگار نیز ایسے شخص کو اس طرح قرآن پڑھنے سے منع کرنا واجب ہے کیونکہ یہ ایک بہت بری بدعت ہے۔

قرآن بھول جانے پر وعید

⑭ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ امْرِءٍ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ يَنْسَاهُ اِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَجْذَمَ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت سعد ابن عبادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص قرآن پڑھ کر بھول جائے تو وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملاقات کریگا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوگا۔" (ابوداؤد، دارمی)

تشریح: حنفیہ کے ہاں "بھول جانے" سے مراد یہ ہے کہ دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے، جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے ہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے قرآن حفظ کیا پھر اسے بھول گیا کہ حفظ نہ پڑھ سکے۔ یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھنا چھوڑ دے خواہ بھولے یا نہ بھولے۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰقؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ استعداد والے کا بھولنا تو یہ ہے۔ یاد کئے ہوئے کو بغیر دیکھے نہ پڑھ سکے اور غیر استعداد والے کا بھولنا یہ ہے کہ دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کو سیکھنے اور یاد کرنے کے بعد بھولنا بہت گناہ ہے لہٰذا چاہئے کہ قرآن کے بارہ میں تغافل و کوتاہی کا راستہ اختیار نہ کیا جائے بلکہ قرآن کو ہمیشہ اور بہت پڑھتے رہنا چاہئے۔

تین دن سے کم میں قرآن ختم کرنے کا مسئلہ

⑮ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فِيْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تین رات سے کم میں قرآن پڑھا (یعنی ختم کیا) اس نے قرآن کو اچھی طرح نہیں سمجھا۔" (ترمذیؒ، ابوداؤد، دارمیؒ)

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مراد ہے کہ جس شخص نے تین دن یا تین رات سے کم میں قرآن ختم کیا وہ قرآن کے ظاہری معنی تو

سمجھ سکتا ہے لیکن قرآن کے حقائق و معارف اور دقائق و نکات تک اس کو رسائی بھی نہیں ہوتی کیونکہ ان چیزوں کو سمجھنے کے لئے تین دن تو بہت دور کی چیز ہے بڑی سے بڑی عمریں ناکافی ہوتی ہے، نہ صرف یہ بلکہ اس مختصر سے عرصہ میں تو کسی ایک آیت یا ایک کلمہ کے دقائق و نکات بھی سمجھ میں نہیں آسکتے، نیز یہاں نفی سے مراد سمجھنے کی نفی ہے نہ کہ ثواب کی نفی یعنی ثواب تو ہر صورت میں ملتا ہے پھر یہ کہ لوگوں کی سمجھ میں بھی تفاوت و فرق ہے بعض لوگوں کی سمجھ زیادہ پختہ ہوتی ہے وہ کم عرصہ میں بھی قرآنی حقائق و دقائق سمجھ لیتے ہیں جب کہ بعض لوگوں کی سمجھ بہت ہی کم ہوتی ہے جن کے لئے طویل عرصہ بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

سلف میں سے بعض لوگوں نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے چنانچہ ان لوگوں کا معمول تھا کہ وہ ہمیشہ تین ہی دن میں قرآن ختم کرتے تین دن سے کم میں ختم کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے جب کہ دوسرے لوگ اس کے برخلاف عمل کرتے تھے چنانچہ بعض لوگ تو ایک رات دن میں ایک بار اور بعض لوگ دو دو بار اور بعض لوگ تین تین بار قرآن ختم کرتے تھے۔ بلکہ بعض لوگوں کے بارہ میں تو یہاں تک ثابت ہے کہ وہ ایک رکعت میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے یا تو اس حدیث کے بارہ میں یہ خیال کیا ہو کہ اس کا تعلق باعتبار اشخاص کے مختلف ہے یعنی اس حدیث کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو کم فہم ہوتے ہیں اور جو اگر تین دن سے کم میں قرآن ختم کریں تو اس کے ظاہری معنی بھی نہ سمجھ سکتے ہوں یا پھر ان کے نزدیک یہ بات ہو کہ اس حدیث میں فہم کی نفی ہے اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ جتنی بھی کم سے کم مدت میں قرآن ختم کیا جائے ثواب ملے گا۔

بعض لوگ دو مہینے میں ایک قرآن ختم کرتے تھے بعض لوگ ہر مہینے میں بعض لوگ دس دن میں اور بعض لوگ سات دن میں ایک قرآن ختم کر دیتے تھے چنانچہ اکثر صحابہؓ و غیرہم کا یہی معمول تھا کہ وہ سات دن میں قرآن ختم کرتے تھے بخاری و مسلم کی ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے فرمایا کہ قرآن سات میں ختم کرو اور اس پر زیادتی نہ کرو۔

ختم الاحزاب کیا ہے

مشائخ و عارفین کی اصطلاح میں سات دن میں قرآن ختم کرنے کو ختم الاحزاب کہتے ہیں ملا علی قاریؒ وضاحت کے پیش نظر ختم الاحزاب کی سب سے صحیح ترتیب "فمی بشوق" ہے۔ ملا علی قاریؒ نے فمی بشوق کو ختم الاحزاب کی صحیح ترتیب اس لیے کہا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک ختم الاحزاب (سات دن میں قرآن ختم کرنے کا طریقہ) یہ ہے کہ جمعہ کے روز ابتداء قرآن سے سورۂ مائدہ کے آخر تک پڑھا جائے، شنبہ کے روز سورۂ انعام سے سورۂ توبہ کے آخر تک، اتوار کو سورۂ یونس سے سورۂ مریم کے آخر تک، پیر کو سورۂ طٰہٰ سے سورۂ قصص کے آخر تک، منگل کو سورۂ عنکبوت سے سورۂ ص کے آخر تک بدھ کو سورۂ زمر سے سورۂ رحمٰن کے آخر تک اور جمعرات کو سورۂ واقعہ سے آخر قرآن تک پڑھا جائے۔ اکثر حاجات کی تکمیل کے لئے اس ختم کو مجرب کہا گیا ہے اسی طرح فمی بشوق کی ترتیب کے ساتھ ختم قرآن کو بھی کشادگی رزق اور دوسری حاجات کی تکمیل کے لئے مجرب بتایا گیا ہے۔ نیز اس ترتیب کے ساتھ قرآن پڑھنے کے بارہ میں بھی یہ کہا گیا ہے کہ ابتداء جمعہ کے روز سے کی جائے۔ بہر کیف مذکورہ بالا بحث کا حاصل یہ ہوا کہ "فمی بشوق" کی ترتیب کے ساتھ ختم قرآن اور چیز ہے اور "ختم الاحزاب" دوسری چیز ہے جب کہ ملا علی قاریؒ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ علماء نے ختم الاحزاب کی کئی ترتیب بیان کی ہیں لیکن سب سے زیادہ صحیح ترتیب "فمی بشوق" ہے لہٰذا ملا علی قاریؒ کے قول کے مطابق ختم الاحزاب اور فمی بشوق کی ترتیب دونوں ایک ہی چیزیں ہیں۔

اب یہ سمجھئے کہ "فمی بشوق" اور اس کی ترتیب کیا ہے؟ فمی بشوق کی ترتیب کے ساتھ قرآن ختم کرنے کا مطلب یہ ہے قرآن کریم کی سات منزلیں سات دن میں اس طرح پڑھی جائیں کہ ان کے شروع میں "فمی بشوق" کے حروف واقع ہوں یعنی ف سے سورہ فاتحہ کی طرف اشارہ ہے میم سے سورۂ مائدہ کی طرف، ی سے سورۂ یونس کی طرف، ب سے سورۂ بنی اسرائیل کی طرف، ش سے سورۂ شعراء کی

طرف، واؤ سے سورۂ والصفات کی طرف اور ق سے سورۂ ق کی طرف اشارہ ہے اس طرح ان حروف کے مجموعہ کا نام ہے "فمی بشوق" قرآن ختم کرنے کی یہ ترتیب حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہے کہ وہ اسی ترتیب سے قرآن ختم کرتے تھے۔

اب پھر حدیث کے مفہوم کی طرف آیئے اس بارہ میں نوویؒ کا قول یہ ہے کہ حدیث کا حکم باعتبار اشخاص کے مختلف ہے یعنی وہی بات کہ اس کا تعلق کم فہم اور کم علم لوگوں سے ہے لہٰذا جو لوگ قرآنی علوم و معارف پر نظر رکھتے ہوں اور قرآن کے دقائق و معارف سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو وہ اسی قدر اقتصار کر سکتے ہیں کہ جب وہ قرآن پڑھیں تو پڑھتے وقت قرآن کی آیات کا کمال فہم بھی انہیں حاصل ہوتا رہے، جو شخص علم کی توسیع و اشاعت یا لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے یا اسی قسم کے دوسرے کاموں میں مشغول رہتا ہو تو وہ اتنا ہی پڑھنے پر اکتفاء کرے جس سے اس کے اصل کاموں میں حرج واقع نہ ہوتا ہو، اسی طرح جو شخص تحصیل علم یا اپنے اہل و عیال کی ضروریات زندگی فراہم کرنے میں منہمک رہتا ہو اس کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ مذکورہ بالا لوگوں کے علاوہ اشخاص کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ جتنا زیادہ پڑھ سکیں پڑھیں بشرطیکہ زیادہ پڑھنا اکتاہٹ اور الفاظ کی تیز ادائیگی کی حد تک نہ پہنچ جائے۔

قرآن بآواز بلند پڑھنا افضل ہے یا آہستہ

(۱۶) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْاٰنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بآواز بلند قرآن کریم پڑھنے والا شخص ظاہری صدقہ دینے والے کی طرح ہے اور آہستہ قرآن پڑھنے والا شخص چھپا کر صدقہ دینے والے کی طرح ہے" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: چھپا کر صدقہ دینا ظاہری طور پر صدقہ دینے سے افضل ہے، لہٰذا حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ اسی طرح قرآن کریم آہستہ پڑھنا آواز بلند پڑھنے سے افضل ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح آہستہ قرآن پڑھنے کی فضیلت کے بارہ میں احادیث منقول ہیں اسی طرح بآواز بلند قرآن پڑھنے کی فضیلت کے سلسلہ میں احادیث منقول ہیں لہٰذا دونوں طرح کی احادیث میں مطابقت یہ ہے کہ آہستہ آواز سے پڑھنا تو اس شخص کے حق میں افضل ہے جو ریاء سے بچنا چاہتا ہو اور بآواز بلند پڑھنا اس شخص کے حق میں افضل ہے جو ریاء میں مبتلا ہونے کا خوف نہ رکھتا ہو بشرطیکہ اس کے بآواز بلند پڑھنے کی وجہ سے نمازیوں، سونے والوں یا اور کسی کو تکلیف و ایذاء نہ پہنچے۔ بآواز بلند قرآن پڑھنا اس لئے افضل ہے کہ اس طرح دوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے بایں طور کہ لوگ سنتے ہیں جس سے انہیں ثواب ملتا ہے یا دوسرے لوگ قرآن سن سن کر سیکھتے ہیں یا یہ کہ دوسروں کو پہنچتا ہے بایں طور کہ لوگ سنتے ہیں جس سے انہیں ثواب ملتا ہے کہ بآواز قرآن پڑھنا شعار دین اور اللہ کے کلام کا برملا اظہار ہے، پڑھنے والے کے دل کو بیداری حاصل ہوتی ہے اس کا دھیان کسی اور طرف نہیں بٹتا، اس کے دل کی غفلت کو دور کرتا ہے، نیند کا غلبہ کم کرتا ہے اور یہ کہ دوسروں کو عبادت کا شوق دلاتا ہے، بہر کیف ان فوائد میں سے ایک فائدہ بھی پیش نظر ہو تو پھر اس صورت میں بآواز بلند پڑھنا ہی افضل ہوگا۔

قرآن کی کامل پیروی کی تاکید

(۱۷) وَعَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اٰمَنَ بِالْقُرْاٰنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهٗ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ۔

"اور صہیبؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "وہ شخص قرآن پر ایمان نہیں لایا جو اس کے حرام کو حلال جانے" امام ترمذیؒ نے

اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد قوی نہیں ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جس چیز کو حرام کہا ہے اگر کوئی شخص اسے حلال جانے تو وہ کھلم کھلا کافر ہو گیا، جب وہ کافر ہو گیا تو پھر قرآن پر اس کا ایمان کیسا، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص قرآن پر کامل ایمان نہیں لایا، جو ان چیز کے ساتھ حلال کا سا معاملہ کرے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے یعنی وہ قرآن میں مذکور حرام و ممنوع چیزوں کا ارتکاب کرے۔

آنحضرت ﷺ کی قرأت

⑱ وَعَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ اَنَّهٗ سَاَلَ اُمَّ سَلَمَةَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت لیث ابن سعدؒ حضرت ابن ابی ملیکہؒ سے نقل کرتے ہیں اور وہ حضرت یعلی ابن مملکؒ کے بارہ میں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ سے نبی کریم ﷺ کی قرأت کے بارہ میں پوچھا (کہ آپ ﷺ قرآن کریم کس طرح پڑھتے تھے! حضرت ام سلمہؓ نے آپ ﷺ کی قرأت کو واضح طور پر اور ایک ایک حرف کر کے بیان کیا)۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ قرآن کریم اس طرح پڑھتے تھے کہ آپ ﷺ کی قرأت کے حروف کو اگر کوئی شمار کرنا چاہتا تو یہ ممکن تھا گویا آپ ﷺ قرآن کریم خوب ترتیل سے تجوید کے طور پڑھتے تھے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت اُمّ سلمہ کے بارہ میں منقول الفاظ دونوں احتمال رکھتے ہیں یا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی قرأت کی کیفیت کو الفاظ میں بیان کیا یا یہ کہ انہوں نے قرآن کریم اسی طرح پڑھ کر سنایا جس طرح کہ آپ ﷺ پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے، بغیر ترتیل کے سارے قرآن کو پڑھنے کی بہ نسبت صرف ایک سورۃ ترتیل کے ساتھ پڑھنا میرے نزدیک زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے۔

⑲ وَعَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهٗ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ثُمَّ يَقِفُ ثُمَّ يَقُوْلُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثُمَّ يَقِفُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ اللَّيْثَ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ وَحَدِيْثُ اللَّيْثِ اَصَحُّ

"اور ابن جریجؒ حضرت ابن ملیکہ سے اور وہ حضرت اُمّ سلمہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی قرأت علیحدہ علیحدہ ہوتی تھی الحمد اللہ رب العلمین پڑھتے اور پھر ٹھہرتے پھر الرحمن الرحیم پڑھتے اور ٹھہرتے امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ اس کا (اصل) سلسلہ سند یہ ہے، حضرت ابن ملیکہ نے نقل کیا حضرت یعلی ابن مملک سے اور انہوں نے نقل کیا حضرت اُمّ سلمہؓ سے (جیسا کہ اس سے پہلی حدیث کا سلسلہ سند ہے) اور حضرت لیث کی حدیث (جو پہلے گزری) زیادہ صحیح ہے۔"

تشریح: بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے اہل بلاغت اس روایت کو قبول نہیں کرتے کیونکہ از روئے قاعدہ وقف تام مالک یوم الدین پر ہے اسی لئے امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ اس بارہ میں زیادہ صحیح حدیث حضرت لیثؒ کی ہے۔

جمہور[1] علماء کے نزدیک اس قسم کی آیتوں میں کہ جو آپس میں ایک دوسرے سے مربوط و متعلق ہیں وصل اولی ہے جب کہ جزریؒ کا قول ہے کہ وقف مستحب ہے ان کی دلیل یہی حدیث ہے، دیگر شوافع کا مسلک بھی یہی ہے اس حدیث کے بارہ میں جمہور کی طرف سے یہ جواب دیا ہے کہ وقف اس لئے تھا کہ آپ ﷺ سننے والوں کو یہ بتا دیں کہ ان آیتوں کی ابتداء کہاں سے ہے۔

---

[1] حنفیہ بھی اس میں شامل ہیں ان کے نزدیک بھی ملک یوم الدین ہی پر وقف ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

قرآن محض خوش آوازی کا نام نہیں

(۲۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَفِيْنَا الْاَعْرَابِيُّ وَالْاَعْجَمِيُّ فَقَالَ اِقْرَأُ فَكُلٌّ حَسَنٌ وَسَيَجِيْئُ اَقْوَامٌ يُقِيْمُوْنَهُ كَمَا يُقَامُ الْقِدْحُ يَتَعَجَّلُوْنَهُ وَلَا يَتَاَجَّلُوْنَهُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ ہمارے درمیان تشریف لائے جب کہ ہم قرآن کریم پڑھ رہے تھے ہم میں دیہاتی لوگ اور عجمی بھی تھے آپ نے ہم سے فرمایا کہ "پڑھو تم میں سے ہر شخص اچھا پڑھتا ہے (یاد رکھو) ایک ایسی جماعت پیدا ہونے والی ہے جس کے افراد قرآن کریم کو اس طرح سیدھا کریں گے جس طرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے اور اس کا بدلہ جلدی ہی (دنیا ہی میں) حاصل کرنا چاہیں گے آخرت کے لئے کچھ نہ چھوڑیں گے۔" (ابوداؤد، بیہقی)

تشریح: "عجمی" ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اہل عرب میں سے نہ ہوں، چنانچہ حضرت جابرؓ جس مجلس کا ذکر کر رہے ہیں اس میں ایسے صحابہؓ بھی تھے جن کا تعلق عرب سے نہیں تھا بلکہ وہ فارسی، رومی و حبشی تھے جیسے حضرت سلمان، حضرت صہیبؓ اور حضرت بلالؓ۔

اگرچہ اس مجلس کی بعض بےسلیقہ لوگوں کی قرأت عجمی لوگوں کی قرأت کی مانند نہیں تھی مگر اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے ان سے کہا کہ تم میں سے سب کی قرأت اچھی اور لائق ثواب ہے کیونکہ تم نے دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دی ہے اگر تم نے اپنی زبانوں اور اپنی آوازوں کو آراستہ نہیں کیا ہے تو اس میں تمہارے لئے کوئی ضرر نہیں۔ جب کہ تمہارے بعد ایک ایسی جماعت پیدا ہونے والی ہے جس کے افراد قرآن کو اس طرح سیدھا کریں گے جس طرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے یعنی اپنی آوازوں کو اور قرآنی کلمات و الفاظ کو خوب سنواریں گے اور مخارج کی ادائیگی میں بہت زیادہ تکلف سے کام لیں گے اور ان کی یہ تمام سعی و کوشش آخرت کے لئے نہیں ہوگی بلکہ اپنی شہرت، اپنی عزت و فخر اور دنیا کو دکھانے سنانے کے لئے ایسا کریں گے۔

لہٰذا حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہی ہے کہ ایسے لوگ محض دنیاوی فائدہ کے لئے قرآن پڑھیں گے، آخرت کے ثواب سے کچھ غرض نہیں رکھیں گے اس طرح دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں گے، یا یوں کہئے کہ دین کو دنیا کے بدلے میں بیچیں گے۔

حاصل یہ کہ قرآن پڑھنے کے بارہ میں خلوص، غور و فکر اور معانی آیات میں استغراق ہی کو اولیت کا مقام حاصل ہونا چاہئے محض مخارج و الفاظ کی صحیح ادائیگی اور خوش آوازی و خوش گلوئی کے ساتھ پڑھنا ہی کچھ کام نہیں آئے گا۔

(۲۱) وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَأُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا وَاِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ وَسَيَجِيْئُ بَعْدِيْ قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ تَرْجِيْعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَقُلُوْبُ الَّذِيْنَ يُعْجِبُهُمْ شَاْنُهُمْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهِ۔

"اور حضرت حذیفہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم قرآن کریم اہل عرب کی طرح اور ان کی آوازوں کے مطابق پڑھو، اہل عشق اور اہل کتاب کے طریقہ کے مطابق پڑھنے سے بچو میرے بعد ایک جماعت پیدا ہوگی جس کے افراد راگ اور نوحہ کی طرح آواز بنا کر قرآن پڑھیں گے۔ ان کا حال یہ ہوگا کہ قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا (یعنی ان کا پڑھنا قبول نہیں ہوگا) نیز ان کی قرأت سن کر خوش ہونے والوں کے قلوب فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔" (بیہقی، رزین)

تشریح: اہل عرب بلا تکلف اور برجستہ قرآن کریم پڑھتے ہیں، ان کی آواز ان کے دل کی امنگ سے ہم آہنگ ہوتی ہے ان کے سامنے

موسیقی وغیرہ کی طرح کے قواعد نہیں ہوتے۔ نہ وہ خواہ مخواہ کا تکلف کر کے اپنی آواز اور اپنا لہجہ بنا کر کوشش کرتے ہیں اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ ہر مسلمان کو چاہئے وہ قرآن کریم اسی خالص لہجہ اور آواز میں پڑھے جو قرآن کی عظمت شان اور حقیقت کے مطابق ہے اور وہ اہل عرب کا لہجہ ہے۔ اس جملہ بلحون العرب و اصواتہا میں لفظ اصواتہا عطف تفسیری کے طور پر ہے۔

"اہل عشق اور اہل کتاب کے طریقہ کے مطابق الخ" سے یہ مراد ہے کہ جس طرح عشاق اور شعراء اپنی نظمیں و غزلیں اور اشعار آواز بنا کر اور ترنم و سر کے ساتھ پڑھتے ہیں اور موسیقی اور راگ کے قواعد کی رعایت کرتے ہیں تم اس طرح قرآن کریم نہ پڑھو چونکہ یہود و نصاریٰ بھی اپنی کتابوں کو اسی طرح غلط طریقوں سے پڑھتے تھے اس لئے ان کی مانند پڑھنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔

ان کے قلوب فتنہ میں مبتلا ہوں گے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ حب دنیا میں مبتلا ہوں گے اور لوگ چونکہ ان کی آوازوں کو اچھا کہیں گے اس لئے وہ اور زیادہ گمراہی میں پھنسے ہوں گے اسی طرح ان کی آوازوں کو سن کر خوش ہونے والے اور ان کو اچھا کہنے والے بھی ایک غلط بات اور غلط کام کو اچھا سمجھنے کی وجہ ضلالت میں مبتلا ہوں گے۔

قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم

(۲۲) وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا (رواہ الدارمی)

"اور حضرت براء ابن عازبؓ راوی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "قرآن کو اپنی اچھی آواز (یعنی ترتیل و خوش آوازی) کے ساتھ پڑھو کیونکہ اچھی آواز قرآن کا حسن زیادہ کرتی ہے۔" (دارمی)

حسن قرأت کا معیار

(۲۳) وَعَنْ طَاؤُوْسٍ مُرْسَلًا قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَحْسَنُ صَوْتًا لِلْقُرْاٰنِ وَ اَحْسَنُ قِرَاءَةً قَالَ مَنْ اِذَا سَمِعْتَهُ يَقْرَأُ اُرِيْتَ اَنَّهُ يَخْشَى اللّٰهَ قَالَ طَاؤُوْسٌ وَكَانَ طَلْقٌ كَذٰلِكَ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت طاؤسؒ بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ قرآن پڑھنے کے سلسلہ میں از روئے آواز کون شخص سب سے بہتر ہے اور پڑھنے میں بھی (یعنی از روئے ترتیل و ادائیگی) الفاظ کون شخص سب سے بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ شخص کہ جس کو تم پڑھتے ہوئے سنو تو تمہارا گمان ہو کہ وہ اللہ سے ڈرتا ہے" حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں کہ حضرت طلق میں ایسی بات تھی کہ قرآن پڑھتے تو محسوس ہوتا کہ خشیت الٰہی ان پر غالب ہے۔" (دارمی)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم پڑھ رہا ہو اور اس کے پڑھنے سے تمہارے دل پر اثر ہو رہا ہو یا یہ کہ اس شخص کے بارہ میں یہ ظاہر ہو کہ وہ قرآن کریم پڑھتے وقت خدا سے ڈر رہا ہے مثلاً اس کے چہرہ کا رنگ خوف الٰہی سے متغیر ہو یا وہ زیادہ رو رہا ہو تو سمجھو کہ قرآن پڑھنے والوں میں اپنی آواز اور اپنی قرأت کے مؤثر ہونے کے اعتبار سے سب سے بہتر وہی ہے۔

حضرت طلقؒ ایک جلیل القدر تابعی ہیں جب وہ قرآن کریم پڑھتے تھے تو خوف الٰہی ان پر طاری رہتا تھا۔ ان کے بارہ میں مؤلف مشکوٰۃ نے لکھا ہے کہ صحابی ہیں۔

قرآن کے بارہ میں چند احکام

(۲۴) وَعَنْ عَبِيْدَةَ الْمُلَيْكِيِّ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ مِنْ اٰنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَاَفْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَعْجَلُوْا ثَوَابَهُ فَاِنَّ

لَهٗ ثَوَابًا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت عبیدہ ملیکی" جو آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی تھے راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اے اہل قرآن! قرآن سے تکیہ نہ کرو اور رات و دن میں پڑھتے رہا کرو جیسا کہ اس کو پڑھنے کا حق ہے قرآن کو ظاہر کرو، اسے خوش آوازی کے ساتھ پڑھو جو کچھ اس میں مذکور ہے اس میں غور و فکر کرو تاکہ تمہارا مطلوب (آخرت) حاصل ہو اور اس کا ثواب حاصل ہونے میں جلد بازی نہ کرو (یعنی دنیا ہی میں اس کا اجر حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو) کیونکہ آخرت میں اس کا بڑا اجر ہے۔" (بیہقی)

تشریح: "قرآن سے تکیہ نہ کرو" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھنے اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غفلت نہ برتو بلکہ برابر قرآن پڑھتے رہا کرو اور اس کا حق بھی ادا کرو بایں طور کہ اس کے حروف اچھی طرح ادا کرو اور اس کے معانی سمجھو اور اس پر عمل کرو۔

علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پر تکیہ لگانا یعنی اس پر سہارا دے کر بیٹھنا یا لیٹنا! اس کی طرف پاؤں پھیلانا، اس پر کوئی چیز رکھنا اس کی طرف پیٹھ کرنا، اس کو روندنا اور اس کو پھینکنا یہ سب چیزیں حرام ہیں، قرآن سے فال نکالنا مکروہ ہے بعض مالکیہ کے نزدیک یہ بھی حرام ہے۔

"جیسا کہ اس کو پڑھنے کا حق ہے" قرآن کریم پڑھتے وقت چار باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہئے اول تو یہ کہ الفاظ کو درست اور صحیح ادا کیا جائے دوسری بات یہ کہ مفہوم و معانی سمجھنا چاہئے تیسری بات یہ کہ مفہوم و معانی کا مقصد سمجھنا چاہئے اور چوتھی بات یہ کہ جو کچھ پڑھا جائے اس پر عمل کیا جائے۔

"قرآن کو ظاہر کرو" یعنی قرآن کریم باآواز بلند پڑھو تاکہ دوسرے لوگ سنیں اور انہیں قرآن پڑھنے کا شوق ہو، قرآن کریم دوسرے لوگوں کو پڑھاؤ اور سکھاؤ۔ قرآن کریم پر عمل کرو اور اپنی زندگی اسی کے مطابق سنوارو، قرآن کریم لکھو اور اس کی نشر و اشاعت کا اہتمام کرو اور قرآن کریم کی تعظیم کرو۔ جو کچھ اس میں مذکور ہے اس میں غور و فکر کرو" کا مطلب یہ ہے کہ جو آیتیں تنبیہ، وعید، اور آخرت کی ہولناکی کے بارہ میں ہیں ان آیتوں میں خوب غور و فکر کرو تاکہ دنیا سے بے رغبتی ہو اور آخرت کی طرف میلان ہو۔

باب

اختلاف قرآت ولغات اور قرآن جمع کرنے کا بیان

مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں یہاں صرف "باب" لکھ کر عنوان قائم کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ باب متعلقات قرآن کے بیان میں ہے، مگر بعض نسخوں میں اس موقع پر یہ عنوان لکھا ہوا ہے "باب اختلاف القرآن و جمع القرآن" یعنی "اختلافات قرأت ولغات اور قرآن جمع کرنے سے مراد ہے کتابت قرآن یعنی اس کا مصحف میں لکھا جانا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

اختلافات قرأت

(۱) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا اَقْرَأُهَا وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَأَنِيْهَا فَكِدْتُ اَنْ اَعْجَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَمْهَلْتُهُ حَتّٰى انْصَرَفَ ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهٖ فَجِئْتُ بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا اَقْرَأْتَنِيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسِلْهُ اِقْرَأْ فَقَرَأَ الْقِرَاءَةَ الَّتِيْ سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ هٰكَذَا اُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ لِيَ اقْرَأْ فَقَرَأْتُ فَقَالَ هٰكَذَا اُنْزِلَتْ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (متفق علیہ واللفظ لمسلم)

"امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن جب) میں نے ہشامؓ بن حکیم بن حزام کو سنا کہ وہ سورہ فرقان اس طریقہ کے خلاف پڑھ رہے ہیں جس طریقہ کے مطابق میں پڑھتا ہوں اور جس طریقہ سے مجھے رسول کریم ﷺ نے وہ سورت پڑھائی تھی تو قریب تھا کہ میں ان کی طرف جھپٹ پڑوں یعنی قرأت ختم کرنے سے پہلے ہی میں ان سے لڑ پڑوں مگر پھر میں نے ان کو اتنی مہلت دی کہ وہ پڑھنے سے فارغ ہوئے اس کے بعد میں نے ان کی چادر ان کی گردن میں ڈالی اور انہیں کھینچتا ہوا رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ" میں نے سنا ہے کہ یہ سورت فرقان اس طریقہ کے خلاف پڑھتے ہیں جس طریقہ سے آپ (ﷺ) نے مجھے وہ سورت پڑھائی ہے" آپ ﷺ نے فرمایا "عمرا انہیں چھوڑ دو" پھر ہشامؓ سے کہا کہ تم پڑھو، پھر ہشام نے اسی طریقے سے پڑھا جس طریقے سے میں نے انہیں پڑھتے سنا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی قراءت سن کر فرمایا کہ "یہ سورت اس طرح اتاری گئی ہے" پھر مجھ سے فرمایا کہ "اب تم پڑھو" چنانچہ میں نے پڑھا تو (آپ ﷺ نے میری قرأت بھی سن کر) فرمایا کہ "یہ سورت اس طرح اتاری گئی ہے یاد رکھو کہ یہ قرآن سات طریقہ پر اتارا گیا ہے لہٰذا ان میں سے جس طریقہ سے ہو سکے پڑھو۔" (اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے۔ مگر الفاظ مسلمؒ کے ہیں)

تشریح: اس حدیث کے معنی و مفہوم میں علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے چنانچہ اس کی تشریح و وضاحت کے سلسلے میں تقریباً چالیس اقوال منقول ہیں ان میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ حدیث متشابہات میں سے ہے جس کے معنی حقیقی معنی پورے بسط کے ساتھ کسی کو بھی معلوم نہیں ہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اختلاف قرأت اگرچہ سات طریقوں سے زائد منقول ہے لیکن وہ تمام اختلاف سات وجہوں کی طرف راجع ہیں اور سات وجہیں یہ ہیں۔ ① اختلاف کی پہلی وجہ کلمہ کی ذات میں یعنی کلمہ کی کمی و زیادتی کا اختلاف ہونا ② دوسری وجہ صیغہ جمع و واحد کے ساتھ تغیر ہونا۔ ③ تیسری وجہ مذکر و مؤنث کا اختلاف ④ چوتھی وجہ حروف کا صرفی اختلاف یعنی تخفیف و تشدید، فتح و کسرہ اور ضمہ کا اختلاف جیسے مَیِّت بھی پڑھا جاتا ہے اور مَیْتٌ بھی ایسے ہی يَقْنِطُ اور يَقْنُطُ يا يَعْرِشُ اور يَعْرُشُ وغیرہ ⑤ پانچویں وجہ حرکات کا اختلاف ⑥ چھٹی وجہ حروف کا اختلاف جیسے لکن الشیاطین کہ بعض تو اسے نون کی تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں اور بعض نون کی تخفیف کے ساتھ ⑦ ساتویں وجہ ادائیگی لغات کا اختلاف جیسے تفخیم اور امالہ۔

کتاب العلم (مظاہر حق جدید جلد اول باب علم) میں اس باب کو یہاں کی بہ نسبت زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

ہر قرأت صحیح ہے

② وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ خِلَافَهَا فَجِئْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهُ فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقَالَ كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ فَلَا تَخْتَلِفُوْا فَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوْا فَهَلَكُوْا (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا اور رسول کریم ﷺ کو سنا کہ آپ ﷺ کی قرأت اس شخص کی قراءت سے مختلف تھی چنانچہ میں اس شخص کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا اور آپ ﷺ سے صورت حال بیان کی (کہ اس شخص کی قرأت آپ ﷺ کی قرأت سے مختلف ہے) پھر میں نے محسوس کیا کہ (میرے جھگڑے اور اختلاف کی وجہ سے) آپ ﷺ کے چہرہ اقدس پر ناگواری کے آثار نمایاں ہیں، بہرکیف آپ ﷺ نے فرمایا تم دونوں صحیح اور اچھا پڑھتے ہو (دیکھو) آپس میں اختلاف نہ کرو کیونکہ وہ لوگ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی پہلی امتوں کے لوگ) وہ آپس کے اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہو گئے یعنی وہ لوگ آپس میں ایک

"دوسرے کو جھٹلایا کرتے تھے۔" (بخاری)

تشریح: یہاں "اختلاف" سے مراد قرآن کے ان وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کا انکار ہے کہ جن کے مطابق قرآن کریم نازل کیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے قرآن کریم کی جتنی بھی قرأتیں منقول اور رائج ہیں وہ سب برحق ہیں ان میں سے کسی ایک قرأت کا بھی انکار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اگر کسی شخص نے ان میں سے کسی ایک قرأت کا بھی انکار کیا تو گویا اس نے قرآن کریم ہی کا انکار کیا اس موقع پر یہ تفصیل بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ بعض قرأتیں تو متواتر ہیں اور بعض احاد۔ متواتر وہ سات قرأتیں ہیں جو پڑھی جاتی ہیں۔

(۳) وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ يُصَلِّيْ فَقَرَأَ قِرَاءَةً اَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ ثُمَّ دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ قِرَاءَةً سِوَاى قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلٰوةَ دَخَلْنَا جَمِيْعًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنَّ هٰذَا قَرَأَ قِرَاءَةً اَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ سِوٰى قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ وَاَمَرَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَءَا فَحَسَّنَ شَأْنَهُمَا فَسَقَطَ فِيْ نَفْسِيْ مِنَ التَّكْذِيْبِ وَلَا اِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِيْ ضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ فَفِضْتُ عَرَقًا وَكَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلَى اللّٰهِ فَرَقًا فَقَالَ لِيْ يَا اُبَيُّ اُرْسِلَ اِلَيَّ اَنِ اقْرَأِ الْقُرْاٰنَ عَلٰى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ اِلَيْهِ اَنْ هَوِّنْ عَلٰى اُمَّتِيْ فَرَدَّ اِلَيَّ الثَّانِيَةَ اِقْرَأْهُ عَلٰى حَرْفَيْنِ فَرَدَدْتُ اِلَيْهِ اَنْ هَوِّنْ عَلٰى اُمَّتِيْ فَرَدَّ اِلَيَّ الثَّالِثَةَ اِقْرَأْهُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ وَلَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُهَا مَسْاَلَةٌ تَسْاَلُنِيْهَا فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِيْ وَاَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ اِلَيَّ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ حَتّٰى اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص وہاں آیا اور نماز پڑھنے لگا اس نے نماز ہی میں یا نماز کے بعد ایسی قرأت پڑھی (یعنی ایسے لہجے میں قرآن شریف پڑھا) کہ میں نے اسے درست نہیں سمجھا پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے پہلے شخص کے خلاف طریقہ سے قرأت پڑھی جب ہم سب نماز سے فارغ ہو چکے تو رسول کریم ﷺ کے پاس (مسجد ہی میں آپ ﷺ کی نماز کی جگہ یا آپ کے حجرہ مبارک میں) حاضر ہوئے میں نے عرض کیا کہ حضرت "اس شخص نے ایسی قرأت پڑھی جسے میں نے درست نہیں سمجھا اس کے بعد یہ دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کے خلاف طریقہ سے قرأت پڑھی (نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر دونوں کو اپنے سامنے قرآن پڑھنے کا حکم دیا ان دونوں نے پڑھا آپ ﷺ نے ان دونوں کی قرأت کی تحسین و توثیق کی یہ دیکھ کر میرے دل میں اس بات کی تکذیب کا وسوسہ پیدا ہو گیا ایسا وسوسہ اور شبہ جو ایام جاہلیت میں پیدا نہیں ہوا تھا جب آنحضرت ﷺ نے میری یہ کیفیت دیکھی جو مجھ پر طاری تھی یعنی جب آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ میرے دل میں تردد و شبہ پیدا ہو گیا ہے) تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا تاکہ اس کی برکت سے وسوسہ ختم ہو جائے) چنانچہ میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور خوف کی وجہ سے میری ایسی حالت ہو گئی کہ گویا میں خدا کو دیکھ رہا ہوں اس کے بعد آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ابی! جب قرآن نازل ہوا تو میرے پاس حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ یہ حکم بھیجا گیا کہ میں ایک طریقہ یعنی ایک قرأت یا ایک لغت پر قرآن پڑھوں میں نے بارگاہ الوہیت میں درخواست پیش کی کہ میری اُمت پر آسانی عطا فرمائی جائے تاکہ آسانی ہو) بایں طور کہ ایک ہی قرأت میں قرآن پڑھنا مشکل ہے اس لئے کئی قرأتوں کے مطابق پڑھنے کی اجازت دے دی جائے تاکہ آسانی ہو) چنانچہ دوسری مرتبہ مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں دو قرأتوں پر قرآن پڑھوں! میں نے پھر درخواست پیش کی کہ میری اُمت کو مزید آسانی عطا فرمائی جائے چنانچہ تیسری مرتبہ مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں قرآن کریم کو سات طریقوں سے یعنی سات لغات یا سات قرأت کے مطابق پڑھوں اور یہ بھی فرمایا گیا کہ جتنی مرتبہ ہم نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے اتنی ہی مرتبہ آپ ﷺ ہم سے دعا مانگئے ہم اسے قبول کریں گے چنانچہ میں نے بارگاہ الوہیت میں دو مرتبہ یہ دعا کی کہ اے اللہ میری اُمت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کو بخش دے اے اللہ میری اُمت میں سے صغیرہ گناہ کرنے والوں کو بخش دے) اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لئے رکھ چھوڑی ہے جس دن مخلوق مجھ سے سفارش و شفاعت کی خواہش کرے گی یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ بھی مجھ سے شفاعت کی خواہش کریں گے۔" (مسلمؒ)

تشریح: میرے دل میں تکذیب کا وسوسہ پیدا ہوگیا" جب آنحضرت ﷺ نے دونوں قراتوں کی تحسین و توثیق کی تو حضرت ابی کے دل میں اس بات کی تکذیب کا وسوسہ اور شبہ اس لئے پیدا ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے تو دونوں قراتوں کو اچھا کہا حالانکہ قرآن کریم چونکہ اللہ رب العزت کا کلام ہے اس لئے وہ کسی ایک خاص طریقہ کے مطابق ہی پڑھا جانا چاہئے یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی کلام کو کئی شخص کئی طریقہ سے پڑھیں اور ان سب کا پڑھنا درست ہو؟۔

"ایسا وسوسہ اور شبہ جو ایام جاہلیت میں بھی پیدا نہیں ہوا تھا" کا مطلب یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں چونکہ میرا قلب و دماغ ایمان و یقین کی روشنی سے منور نہیں تھا اس لئے اس حالت میں بڑے سے بڑا وسوسہ اور شبہ بھی اتنا بعید اور بڑا معلوم نہیں ہوتا تھا لیکن اب جب خدا کے فضل سے قلب و دماغ ایمان و اسلام کے نور سے منور ہیں اور یقین و معرفت کی دولت حاصل ہے تو یہ وسوسہ اور شبہ بھی بہت ہی زیادہ بڑا اور سنگین معلوم ہوا۔

"جتنی مرتبہ ہم نے آپ ﷺ کو حکم دیا الخ" اس ارشاد ربانی کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے آپ ﷺ کو تین مرتبہ حکم دیا یعنی ایک مرتبہ تو ایک قرأت کے مطابق دوسری مرتبہ دو قرأت کے مطابق اور تیسری مرتبہ سات قرأت کے مطابق قرآن پڑھنے کا حکم دیا اب آپ ﷺ ان تینوں مرتبہ کے عوض ہم سے تین سوال کیجئے تاکہ ہم تینوں کو پورا کریں۔ چنانچہ رحمت عالم ﷺ نے تینوں سوال اپنی امت کی مغفرت کے لئے ہی کئے کیونکہ اصل چیز تو مغفرت ہی ہے اگر مغفرت نہ ہو تو کسی کی نجات ممکن ہی نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ۔

"(اے اللہ) تو اگر ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو بلا شبہ ہم ٹوٹا پانے والوں میں سے ہوں گے۔"

لیکن آپ ﷺ نے اس موقع پر مغفرت کو تین زمروں میں تقسیم کیا دو مغفرت تو آپ ﷺ نے اپنی امت کے لئے یعنی گناہ کبیرہ اور صغیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے چاہی اور تیسری مغفرت کو تمام ہی مخلوق کے لئے قیامت کے دن پر چھوڑا اسی کو شفاعت کبریٰ کہتے ہیں یعنی قیامت کے دن جب سب ہی نفسی نفسی کہتے ہوں گے اور کوئی بھی نبی و پیغمبر مخلوق خدا کی شفاعت کی جرأت نہیں کر پائے گا تو آخر کار شافع محشر سرکار دو عالم ﷺ سے درخواست کی جائے گی کہ آپ ﷺ پروردگار کے حضور مخلوق خدا کی شفاعت کیجئے نبی کریم ﷺ سب کی شفاعت کریں گے اسی طرح وہ تیسری دعا جس کی قبولیت کا وعدہ بارگاہ رب العزت سے اس وقت کیا گیا تھا اور جسے سرکار دو عالم ﷺ نے آج کے لئے رکھ چھوڑا تھا وہ اس موقع پر کام آئے گی۔

اگرچہ پوری مخلوق یہاں تک کہ تمام ہی انبیاء آنحضرت ﷺ سے شفاعت کی آرزو و خواہش کریں گے لیکن اس جگہ حضرت ابراہیم کا نام بطور خاص اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم تمام انبیاء میں آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے افضل ہیں۔

اختلاف قرأت سے دینی احکام پر اثر نہیں پڑتا

(۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقْرَأَنِيْ جِبْرِيْلُ عَلٰى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهٗ فَلَمْ اَزَلْ اَسْتَزِيْدُهٗ وَيَزِيْدُنِيْ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ بَلَغَنِيْ اَنَّ تِلْكَ السَّبْعَةَ الْاَحْرُفَ اِنَّمَا هِيَ فِي الْاَمْرِ تَكُوْنُ وَاحِدًا لَا تَخْتَلِفُ فِيْ حَلَالٍ وَّلَا حَرَامٍ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "حضرت جبرئیلؑ نے پہلی مرتبہ مجھے ایک قرأت یعنی ایک لہجہ پر قرآن پڑھایا پھر میں نے اپنی امت کی آسانی کے لئے خدا کی طرف مراجعت کی اور میں آسانی میں برابر زیادتی طلب کرتا رہا جس کے نتیجہ میں مجھے زیادہ آسانی حاصل ہوتی رہی یہاں تک کہ سات قراتوں تک نوبت پہنچ گئی اور یہ آخری فیصلہ دے دیا گیا کہ قرآن کریم سات لغات پر پڑھا جاسکتا ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابن شہاب زہریؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ یہ بات مجھ تک تحقیقی طور پر پہنچی ہے کہ قرأت کے یہ سات

طریقے دینی احکام و امور میں متفق و متحد ہیں حلال و حرام میں ان سے کوئی اختلاف واقع نہیں ہوتا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اختلاف قرأت سے قرآن کریم میں مذکور احکام و مسائل میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ قرآن کی اگر کوئی آیت ایک قرأت سے پڑھی جائے اور اس آیت میں کسی چیز کے حلال ہونے کا ذکر موجود ہو اور پھر جب وہی آیت دوسری قرأت سے پڑھی جائے تو اس اختلاف قرأت سے حکم میں تغیر ہو جائے اور وہی چیز جو پہلی قرأت سے حلال ثابت ہو رہی تھی اب دوسری قرأت کی بنا پر حرام ہو جائے ایسا نہیں بلکہ ایک قرأت سے کسی چیز کے حلال ہونے کا حکم ثابت ہوتا ہے تو دوسری قرأت سے بھی اس چیز کے حلال ہونے ہی کا حکم ثابت ہوتا ہے حاصل یہ کہ اختلاف قرأت کا تعلق صرف الفاظ لہجہ اور صوت سے ہے احکام و معانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

قرأت قرآن میں آسانی کے لئے آنحضرت ﷺ کی خواہش

⑤ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ لَقِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جِبْرِیْلَ فَقَالَ یَا جِبْرِیْلُ اِنِّیْ بُعِثْتُ اِلٰی اُمَّۃٍ اُمِّیِّیْنَ مِنْھُمُ الْعَجُوْزُ وَالشَّیْخُ الْکَبِیْرُ وَالْغُلَامُ وَالْجَارِیَۃُ وَالرَّجُلُ الَّذِیْ لَمْ یَقْرَأْ کِتَابًا قَطُّ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِاَحْمَدَ وَاَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ لَیْسَ مِنْھَا اِلَّا شَافٍ کَافٍ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِلنَّسَائِیِّ قَالَ اِنَّ جِبْرِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ اَتَیَانِیْ فَقَعَدَ جِبْرِیْلُ عَنْ یَمِیْنِیْ وَمِیْکَائِیْلُ عَنْ یَسَارِیْ فَقَالَ جِبْرِیْلُ اقْرَاِ الْقُرْاٰنَ عَلٰی حَرْفٍ قَالَ مِیْکَائِیْلُ اسْتَزِدْہُ حَتّٰی بَلَغَ سَبْعَۃَ اَحْرُفٍ فَکُلُّ حَرْفٍ شَافٍ کَافٍ۔

"حضرت ابی بن کعب ؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرئیل ؑ سے ملاقات کی اور ان سے فرمایا کہ جبرئیل! میں ایک ناخواندہ قوم کی طرف بھیجا گیا ہوں میری قوم میں بوڑھی عورتیں اور بڑے بوڑھے مرد ہیں لڑکے اور لڑکیاں ہیں اور اس قوم میں ایسا شخص بھی ہے جس نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی، حضرت جبرئیل ؑ نے کہا اے محمد! (ﷺ) قرآن کریم سات طرح پر یعنی سات لغات یا سات قرأت پر اتارا گیا ہے لہٰذا جسے جو قرأت آسان معلوم ہو اس کے مطابق قرآن کریم پڑھے۔ (ترمذی)

اور احمد و ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ "حضرت جبرئیل نے (لفظ احرف کے بعد آخر میں یہ بھی کہا کہ "ان سات میں سے ہر قرأت شافی ہے (یعنی کفر و شرک اور ظلم و جہل کے روگ کو دفع کرتی ہے) اور کافی ہے یعنی نبی کی صداقت دین اسلام کی حقانیت اور منکرین دین کے رد کے لئے کافی ہے) نسائی ؒ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل و میکائیل میرے پاس آئے جبرئیل تو میرے دائیں طرف بیٹھ گئے۔ اور میکائیل میرے بائیں طرف۔ اس کے بعد جبرئیل نے کہا کہ "ایک قرأت کے مطابق قرآن پڑھو۔ یہ سن کر میکائیل نے مجھ سے کہا کہ "ایک قرأت سے زیادہ کی طلب کیجئے یعنی اللہ تعالیٰ سے درخواست کیجئے کہ اور قرأتوں کے مطابق بھی پڑھنے کا حکم دیا جائے یا جبرئیل سے کہئے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے عرض کر کے آسانی دلائیں چنانچہ میں زیادتی کرتا رہا اور مجھے زیادہ قرأتوں کی اجازت حاصل ہوتی رہی یہاں تک کہ سات قرأتوں تک نوبت پہنچ گئی لہٰذا ان میں سے ہر قرأت شافی اور کافی ہے۔"

تشریح: "ناخواندہ قوم کی طرف" کا مطلب یہ ہے کہ میں ایک ایسی قوم میں بھیجا گیا ہوں جس میں اکثر ایسے لوگوں کی ہے جو اچھی طرح پڑھنا نہیں جانتے اگر میں ان کو کسی ایک کے مطابق قرآن کریم پڑھاؤں تو وہ اس پر قادر نہیں ہو سکتے کیونکہ مثال کے طور پر ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی زبان صرف امالہ یا فتح پر چلتی ہے اور بعض لوگ ایسے ہیں جن کی زبان پر ادغام یا اظہار غالب ہوتا ہے پھر یہ کہ قوم میں بوڑھی عورتیں بھی ہیں اور بوڑھے مرد بھی ہیں اور صغیر السن بچے بھی ہیں ان کے لئے ناممکن ہے کہ وہ اپنے بڑھاپے یا اپنی کم عمری کی

وجہ سے کوئی مخصوص قرأت سیکھ سکیں لہٰذا ان کے لئے ضروری ہے کہ کئی قرأتیں ہوں تاکہ جسے جو آسان معلوم ہو اور جو جس قرأت پر قادر ہو اس کے مطابق قرآن کریم پڑھا کرے۔

قرآن کو بھیک مانگنے کا ذریعہ نہ بناؤ

(۶) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّهٗ مَرَّ عَلٰى قَاصٍ يَقْرَأُ ثُمَّ يَسْأَلُ فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَلْيَسْأَلِ اللّٰهَ بِهٖ فَاِنَّهٗ سَيَجِيْئُ اَقْوَامٌ يَقْرَأُوْنَ الْقُرْاٰنَ يَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ (رواہ احمد والترمذی)

"اور حضرت عمران بن حصینؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ ایک مرتبہ ایک قصہ گو کے پاس سے گزرے جو قرآن کریم پڑھتا تھا اور لوگوں سے بھیک مانگتا تھا حضرت عمرانؓ نے یہ سن کر انتہائی تکلیف کے ساتھ کہا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کیونکہ یہ بدعت اور علامت قیامت میں سے ہے پھر انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے ذریعہ اللہ ہی سے مانگے اور وہ وقت آنے والا ہے جب لوگ قرآن کریم پڑھیں گے اور اس کے ذریعہ دوسروں کے آگے دست سوال دراز کریں گے۔" (احمد و ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے تنبیہ اور وعید ہے جو قرآن کریم کو بھیک مانگنے کا ذریعہ بناتے ہیں یوں تو یہ بات بطور خود انسانی شرف کے خلاف ہے کہ کوئی شخص اپنے خدا کو چھوڑ کر اپنے ہی جیسے ایک انسان کے سامنے دست سوال دراز کرے اور اسے حاجت روا قرار دے چہ جائیکہ اس قبیح فعل کے لئے قرآن کریم کو ذریعہ بنایا جائے اسی لئے فرمایا جا رہا ہے کہ قرآن پڑھ کر صرف اللہ کے آگے دست سوال دراز کرو۔ اپنے اخروی و دنیاوی امور میں سے جو چاہو صرف اسی سے مانگو لوگوں کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ کیونکہ وہ خود اسی ذات کے محتاج ہیں وہ تمہاری کیا حاجت پوری کریں گے تلاوت قرآن کے وقت خدا سے مانگنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جب آیت رحمت یا جنت کے ذکر پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت اور جنت کا طلب گار ہو اور جب آیت عذاب اور ذکر دوزخ پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔

یا پھر یہ کہ قرأت سے فارغ ہونے کے بعد وہ دعائیں مانگے جو ماثورہ ہیں نیز اس موقع پر ایسی دعا مانگنا لائق ہے جس کا تعلق آخرت کی باتوں اور دین و دنیا میں مومنین کی بہتری و بھلائی سے ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

دنیاوی منفعت کے لئے قرآن کو وسیلہ بنانے والوں کو تنبیہ و آگاہی

(۷) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ يَتَاَكَّلُ بِهِ النَّاسَ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهٗ عَظْمٌ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

"حضرت بریدہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص قرآن کریم اس لئے پڑھے کہ اس کے ذریعہ لوگوں سے کمائے (یعنی قرآن کریم کو دنیاوی فائدہ کے لئے وسیلہ بنائے) تو وہ قیامت کے دن اس حالت میں اٹھ کر آئے گا کہ اس کا چہرہ صرف ہڈی ہوگا اس پر گوشت نہیں ہوگا۔" (بیہقیؒ)

بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے۔

(۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْرِفُ فَصْلَ السُّوْرَةِ حَتّٰى يَنْزِلَ عَلَيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سورت سے دوسری سورت کا فرق نہیں کر پاتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی۔" (ابوداؤد)

تشریح: یہ حدیث وضاحت کے ساتھ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کی ایک آیت ہے جو دو سورتوں کے درمیان فرق و امتیاز کو ظاہر کرنے کے لئے نازل فرمائی گئی جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے ساتھ ایک واقعہ

⑨ وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كُنَّا بِحِمْصَ فَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ سُوْرَةَ يُوْسُفَ فَقَالَ رَجُلٌ مَاهٰكَذَا اُنْزِلَتْ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ وَاللّٰهِ لَقَرَأْتُهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنْتَ فَبَيْنَا هُوَ يُكَلِّمُهُ اِذْوَجَدَ مِنْهُ رِيْحَ الْخَمْرِ فَقَالَ اَتَشْرَبُ الْخَمْرَ وَتُكَذِّبُ بِالْكِتَابِ فَضَرَبَهُ الْحَدَّ (متفق علیہ)

"اور حضرت علقمہؓ کہتے ہیں کہ ہم "حمص" میں (کہ جو ایک شہر کا نام ہے) مقیم تھے وہیں ایک مرتبہ ابن مسعودؓ نے سورت یوسف کی قرأت کی تو ایک شخص نے ان کی قرأت سن کر کہا کہ یہ سورت اس طرح نازل نہیں کی گئی ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ! خدا کی قسم! میں نے یہ سورة اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں پڑھی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے اسے سن کر فرمایا کہ تم نے خوب پڑھا" وہ شخص جب حضرت ابن مسعودؓ سے گفتگو کر رہا تھا تو اچانک حضرت ابن مسعودؓ نے اس کے منہ سے آتی ہوئی شراب کی بو محسوس کی حضرت ابن مسعودؓ نے اس سے فرمایا تم شراب پیتے ہو؟ یعنی قرآن کے خلاف عمل کرتے ہو اور اس پر طرہ یہ کہ قرآن کریم کو یعنی اس کی قرأت کو یا قرأت کے لہجہ و طرز ادائیگی کو جھٹلاتے بھی ہو" پھر حضرت ابن مسعودؓ نے اس پر حد جاری کی یعنی شراب پینے کی سزا کے طور پر اسے کوڑے مارے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اگر حضرت ابن مسعود کی قرأت، قرأت مشہورہ (یعنی متواترہ) تھی تو اس شخص نے اس قرأت کی تکذیب کر کے کتاب اللہ کی تکذیب کی لہٰذا اس کے اس انکار اور تکذیب نے یقیناً اسے کفر کی حد میں داخل کر دیا تھا اور اگر ابن مسعودؓ کی قرأت قرأت شاذ تھی تو ان کی اس قرأت کی تکذیب کتاب اللہ کی تکذیب کو مستلزم نہیں تھی اس لئے کہا جائے گا کہ اس صورت میں ابن مسعودؓ کا اس شخص سے یہ کہنا کہ تم کتاب اللہ کی تکذیب کرتے ہو۔ تغلیظاً اور تہدیداً تھا اور بظاہر یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس موقع پر حضرت ابن مسعودؓ کسی قرأت شاذ کے مطابق سورت یوسف پڑھ رہے تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے اس شخص کے مرتد ہو جانے کا حکم نہیں لگایا تھا بلکہ صرف شراب کی حد جاری کر دینے ہی پر اکتفا کیا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے اس شخص سے یہ بات تغلیظاً ہی کہی کیونکہ قرأت و قرآن کے اصل کلمہ کا انکار اور جھٹلانا کفر ہے نہ کہ لہجہ اور ادائیگی کلمات کا انکار کفر کو مستلزم ہے۔

حاصل یہ کہ اس شخص نے لہجہ اور ادائیگی کلمات کا انکار کیا تھا اصل قرآن یا اصل قرأت کا انکار نہیں کیا تھا اسی لئے حضرت ابن مسعودؓ نے اس پر صرف شراب کی حد جاری کی مرتد ہونے کی حد جاری نہیں کی۔

حدیث کے ظاہری مفہوم سے ایک اور مسئلہ پر روشنی پڑ رہی ہے اور وہ یہ کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے اس شخص کو شراب پینے کی سزا دی یعنی اس پر حد جاری کر دی جب کہ شراب نوشی کا بظاہر واحد ثبوت اس کے منہ سے آنے والی بو تھی چنانچہ علماء کی ایک جماعت کا یہی مسلک ہے یعنی ان کے نزدیک شراب نوشی کا جرم منہ سے شراب کی بو آنے سے بھی ثابت ہو جاتا ہے لیکن حنفیہ اور شوافع دونوں ہی کا مسلک یہ ہے کہ شراب نوشی کا جرم محض منہ سے شراب کی بو آنے سے ثابت نہیں ہوتا اور نہ کسی ایسے شخص پر شراب کی حد جاری کی

جا سکتی ہے جس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہو اور اس کے علاوہ اس کی شراب نوشی کا اور کوئی ثبوت نہ ہو کیونکہ بسا اوقات ترش سیب اور امرود کی بو بعض شراب کی بو کے مشابہ ہوتی ہے۔

جہاں تک حضرت ابن مسعودؓ کے اس واقعہ کا تعلق ہے اس کے بارہ میں ان حضرات کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس شخص نے خود شراب نوشی کا اقرار کیا ہو گا یا اس کی شراب نوشی پر گواہ قائم ہو گئے ہوں گے اس وجہ سے انہوں نے حد جاری کی۔

قرآن جمع کرنے کی ابتداء

(۱۰) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ اَرْسَلَ اِلَيَّ اَبُوْبَكْرٍ مَقْتَلَ اَهْلِ الْيَمَامَةِ فَاِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهٗ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اِنَّ عُمَرَ اَتَانِيْ فَقَالَ اِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْاٰنِ وَاِنِّيْ اَخْشٰى اِنِ اسْتَحَرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ بِالْمَوَاطِنِ فَيَذْهَبُ كَثِيْرٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ وَاِنِّيْ اَرٰى اَنْ تَاْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْاٰنِ قُلْتُ لِعُمَرَ كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَّمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عُمَرُ هٰذَا وَاللّٰهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِيْ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِيْ لِذٰلِكَ وَرَاَيْتُ فِيْ ذٰلِكَ الَّذِيْ رَاٰى عُمَرُ قَالَ زَيْدٌ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْاٰنَ فَاجْمَعْهُ فَوَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفُوْنِيْ نَقْلَ جَبَلٍ مِّنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ اَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا اَمَرَنِيْ بِهٖ مِنْ جَمْعِ الْقُرْاٰنِ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلُوْنَ شَيْئًا لَّمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ اَبُوْبَكْرٍ يُرَاجِعُنِيْ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِيْ لِلَّذِيْ شَرَحَ لَهٗ صَدْرَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْاٰنَ اَجْمَعُهٗ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ حَتّٰى وَجَدْتُ اٰخِرَ سُوْرَةِ التَّوْبَةِ مَعَ اَبِيْ خُزَيْمَةَ الْاَنْصَارِيِّ لَمْ اَجِدْهَا مَعَ اَحَدٍ غَيْرِهٖ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ حَتّٰى خَاتِمَةِ بَرَاءَةَ فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ اَبِيْ بَكْرٍ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهٗ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ (رواہ البخاری)

"اور حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ جن دنوں اہل یمامہ کا قتل ہوا انہیں دنوں کی بات ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے کسی شخص کو میرے پاس مجھے بلانے کے لئے بھیجا میں ان کے پاس حاضر ہوا اور وہاں پہنچ کر میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس حضرت عمر فاروقؓ بیٹھے ہوئے ہیں حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ عمرؓ میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کے قاریوں کی شہادت کا حادثہ یمامہ کے دن گرم ہو گیا (یعنی یمامہ کی لڑائی میں بہت سے قاری شہید ہو گئے ہیں) مجھے خدشہ ہے کہ اگر اسی کثرت سے مختلف جنگوں میں قاریوں کی شہادت ہوتی رہی تو قرآن کا بہت بڑا حصہ جاتا رہے گا لہٰذا مجھے اسی میں بہتری اور مصلحت نظر آتی ہے کہ آپ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دے دیں (حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے یہ سن کر حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم اس کام کو کس طرح کرو گے جسے رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا عمرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم! اس کام میں بھلائی اور بہتری ہے۔ عمرؓ نے اس مسئلہ میں برابر مجھ سے گفتگو کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام (یعنی قرآن کو جمع کرنے) کے لئے میرا سینہ کھول دیا۔ اور مجھے بھی اس میں وہی مصلحت نظر آئی جو عمرؓ نے دیکھی ہے حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ تم ایک سمجھ دار نوجوان مرد ہو تمہاری نیک بختی اور سعادت کی وجہ سے قرآن کو جمع کرنے اور نقل کرنے کے سلسلے میں جھوٹ وغیرہ کا تم پر کوئی اتہام نہیں لگا سکتا کیونکہ تم رسول کریم کی وحی لکھا کرتے تھے۔ لہٰذا تم قرآن کو تلاش کرو اور اس کو (مصحف) میں جمع کرو۔" حضرت زیدؓ کا بیان ہے کہ (خدا کی قسم! اگر پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو اٹھا کر منتقل کرنے کی خدمت میرے سپرد کی جاتی تو یہ خدمت میرے لئے اس خدمت سے زیادہ سخت اور بھاری نہ ہوتی جو ابوبکرؓ نے قرآن جمع کرنے کی میرے سپرد فرمائی تھی۔

حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ بہر کیف میں نے یہ حکم سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے عرض کیا!؟ کہ آپ وہ کام کس طرح کریں گے۔ جو

رسول کریم ﷺ نے کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "خدا کی قسم! اس کام میں بھلائی اور بہتری ہے" حضرت ابوبکرؓ مجھ سے اس سلسلہ میں گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے میرا بھی سینہ اس طرح کھول دیا جس طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا سینہ کھولا تھا۔ چنانچہ میں نے قرآن کو تلاش کرنا شروع کیا اس طرح کہ میں اس کو جمع کرتا تھا
کھجور کی شاخوں میں سفید پتھروں میں سے اور لوگوں میں سے (یعنی حافظوں کے سینوں میں سے۔) یہاں تک کہ میں نے سورت توبہ کا آخری حصہ ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس پایا اور یہ حصہ مجھے ان کے سوا اور کسی کے پاس سے نہیں ملا اور وہ حصہ یہ ہے۔ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ آخر سورہ برات تک وہ صحیفے جو میں نے جمع اور نقل کئے تھے) ان کی زندگی تک رہے اور پھر ان کے بعد حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے پاس رہے۔" (بخاری)

تشریح: "یمامہ" ایک شہر کا نام ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں ایک لشکر وہاں بھیجا۔ اور وہاں کے لوگوں سے خوب زوردار جنگ ہوئی جس میں مسیلمہ کذاب بھی مارا گیا مسلمانوں کے لشکر کا بھی بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ لشکر اسلام کے شہداء میں ان مقدس نفوس کی اکثریت بھی شامل تھی جن کے سینوں میں قرآن کریم محفوظ تھا۔ یعنی حفاظ اور قراء چنانچہ بعض حضرات کی تحقیق تو یہ ہے کہ اس جنگ میں شہداء کی تعداد سات سو تھی اور بعضوں نے بارہ سو تک بتائی ہے۔
اس تشویش ناک صورت حال کے پیش نظر حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ قرآن کریم کی حفاظت کے معاملہ میں صرف ایک ہی ذریعہ یعنی "حفاظ" پر اعتماد اور بھروسہ کر لینا مناسب نہیں ہے بلکہ اس عظیم امانت کو حفاظ کے سینوں کے ساتھ ساتھ صفحہ قرطاس پر بھی محفوظ کرنے کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس کا تذکرہ امیر المومنین حضرت ابوبکرؓ سے کیا یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ نے کچھ تامل کے بعد اس رائے سے اتفاق کیا اور حضرت زیدؓ کو بلا کر اس عظیم خدمت پر معمور کیا۔
"تم رسول کریم ﷺ کی وحی لکھا کرتے تھے" کا مطلب یہ ہے کہ تم اکثر رسول کریم ﷺ کی وحی لکھا کرتے تھے "اکثر" کی قید اس لئے لگائی گئی کہ آنحضرت ﷺ کے پاس نازل ہونے والی وحی لکھنے والے چوبیس صحابہ تھے جن میں خلفاء اربعہ بھی تھے لہٰذا ابوبکرؓ کے ارشاد کا حاصل یہ تھا کہ چونکہ تم کاتب وحی ہو اس لئے قرآن کو جمع کرنے اور لکھنے کے سلسلہ میں تمہاری امانت داری اور فرض شناسی مسلم اور متیقن ہے۔

زمانہ رسالت میں قرآن کریم کس شکل میں تھا

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قرآن کریم یوں تو پورا لکھا ہوا تھا لیکن مصحف میں اور یکجا نہیں تھا بلکہ متفرق طور پر لکھا ہوا تھا چنانچہ کچھ حصہ کسی کے پاس کھجور کی شاخوں پر کچھ حصہ کسی کے پاس پتھروں کے ٹکڑوں پر کچھ حصہ کسی کے پاس جھلی کے ٹکڑوں پر اور کچھ حصہ کسی کے پاس چوڑی ہڈیوں پر لکھا ہوا تھا کیونکہ قرآن کریم جیسے جیسے نازل ہوتا آنحضرت ﷺ اپنے کاتبوں سے مذکورہ بالا چیزوں میں سے جو چیز بھی دستیاب ہوتی اس پر قلم بند کرا لیا کرتے تھے آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروق کے مشورہ سے جیسا کہ اوپر تفصیل بیان کی گئی قرآن کے ان متفرق حصوں کو یکجا اور جمع کیا لہٰذا یہ ایسا ہی ہوا کہ وہ اوراق کہ جن میں قرآن لکھا ہوا ہو متفرق طور پر پائے جائیں اور پھر انہیں جمع کر دیا جائے۔
اسی طرح آج کل قرآن کریم سورتوں کی جس ترتیب کے ساتھ ہمارے سامنے ہے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں سورتوں کی ترتیب یہ نہیں تھی بلکہ سورتوں کی یہ ترتیب آنحضرت ﷺ کے بعد صحابہؓ کے اجتہاد سے عمل میں آئی ہے۔ ہاں آیتوں کی ترتیب آنحضرت ﷺ کے سامنے ہی اور آپ ﷺ کے حکم کے مطابق ہی عمل میں آ گئی تھی اور اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ جب حضرت جبرئیلؑ حسب موقع کوئی آیت لاتے تو یہ بھی فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیت سے پہلے یا فلاں آیت کے بعد رکھا جائے چنانچہ لوح محفوظ

میں بھی قرآن کریم آیتوں کی اس ترتیب کے مطابق لکھا ہوا ہے۔ وہاں سے قرآن کریم آسمان دنیا پر لایا گیا۔ پھر وہاں سے حسب موقع اور حسب ضرورت حضرت جبرئیل سورتیں اور آیتیں آنحضرت ﷺ کے پاس لاتے تھے۔ حاصل یہ کہ نزول قرآن کی ترتیب وہ نہیں تھی جو موجودہ ترتیب تلاوت ہے حضرت جبرئیلؑ ہر سال رمضان میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک مرتبہ پورے قرآن کا دور ترتیب نزول کے مطابق کیا کرتے تھے اور جس سال آنحضرت ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اس سال کے رمضان میں انہوں نے دو مرتبہ دور کیا۔

لم اجدھا مع احد غیرہ کا مطلب یہ ہے کہ سورہ براۃ کا آخری حصہ میں نے ابوخزیمہؓ کے علاوہ اور کسی کے پاس لکھا ہوا نہیں پایا، ویسے تو جس طرح پورا پورا قرآن حفاظ صحابہؓ کے سینوں میں محفوظ تھا اسی طرح سورۃ براۃ کا یہ آخری حصہ بھی ان کے سینوں میں محفوظ تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہی صحابہ مثلاً ابی بن کعبؓ معاذ ابن جبلؓ زید ابن ثابتؓ اور ابی دردؓ وغیرہ نے پورا کلام اللہ یاد کر لیا تھا۔

حدیث کے آخری جملوں کا مطلب یہ ہے کہ حضرت زید ابن ثابتؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے حکم کے مطابق جب قرآن کریم کو جمع کر لیا اور اس پر تمام صحابہؓ کا اتفاق بھی ہو گیا تو اسے متعدد صحیفوں یعنی اجزاء کی شکل میں منتقل کیا گیا ابھی تک وہ ایک مصحف کی شکل اختیار نہیں کر پایا تھا چنانچہ وہ صحیفے یا اجزاء حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہتے تھے حضرت ابوبکرؓ کے بعد یہ صحیفے حضرت عمرؓ کے پاس ان کی زندگی بھر رہے پھر ان کے بعد ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے پاس آ گئے۔ اب حضرت عثمانؓ نے ان صحیفوں یعنی پورے قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کیا اور کئی مصحف لکھا کر مملکت اسلام کے کئی شہروں میں بھیجے جیسا کہ آئندہ حدیث میں اس کا ذکر آئے گا۔

حضرت عثمان کے ذریعہ قرآن کی ترتیب و جمع

(۱۱) وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ قَدِمَ عَلٰى عُثْمَانَ وَكَانَ يُغَازِىْ اَهْلَ الشَّامِ فِىْ فَتْحِ اَرْمِيْنِيَةَ وَ اٰذَرْبِيْجَانَ مَعَ اَهْلِ الْعِرَاقِ فَاَفْزَعَ حُذَيْفَةَ اِخْتِلَافُهُمْ فِى الْقِرَاءَةِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ لِعُثْمَانَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَدْرِكْ هٰذِهِ الْاُمَّةَ قَبْلَ اَنْ يَخْتَلِفُوْا فِى الْكِتَابِ اخْتِلَافَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى فَاَرْسَلَ عُثْمَانُ اِلٰى حَفْصَةَ اَنْ اَرْسِلِىْ اِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِى الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا اِلَيْكِ فَاَرْسَلَتْ بِهَا حَفْصَةُ اِلٰى عُثْمَانَ فَاَمَرَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَسَخُوْهَا فِى الْمَصَاحِفِ وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّيْنَ الثَّلَاثِ اِذَا اخْتَلَفْتُمْ اَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِىْ شَىْءٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَاكْتُبُوْهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَاِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوْا حَتّٰى اِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِى الْمَصَاحِفِ رَدَّ عُثْمَانُ الصُّحُفَ اِلٰى حَفْصَةَ وَاَرْسَلَ اِلٰى كُلِّ اُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوْا وَاَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْاٰنِ فِىْ كُلِّ صَحِيْفَةٍ اَوْ مُصْحَفٍ اَنْ يُحْرَقَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَاَخْبَرَنِىْ خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهُ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ فَقَدْتُ اٰيَةً مِنَ الْاَحْزَابِ حِيْنَ نَسَخْنَا الْمُصْحَفَ قَدْ كُنْتُ اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ بِهَا فَالْتَمَسْنَاهَا فَوَجَدْنَاهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِىِّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَاَلْحَقْنَاهَا فِىْ سُوْرَتِهَا فِى الْمُصْحَفِ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ حذیفہ ابن یمانؓ حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت حضرت عثمانؓ شام و عراق کے آرمینیہ اور آذربائیجان کی جنگوں کی غرض سے سامان جہاد کی فراہمی اور تیاری میں مصروف تھے حذیفہؓ کی قرأت کے بارے میں لوگوں کے اختلاف نے اضطراب میں اور خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ لوگ بے محابا آپس میں ایک دوسرے کی قرأت کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ "امیر المؤمنین! اس اُمّت کے بارہ میں تدارک کی کوئی راہ نکالئے قبل اس کے کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح کلام اللہ میں اختلاف کرنے لگیں۔" حضرت عثمانؓ نے ان کی بات سن کر حضرت حفصہؓ کے پاس یہ

پیغام بھیجا کہ آپ وہ صحیفے جو حضرت ابوبکرؓ نے جمع کئے تھے) ہمارے پاس بھیج دیجئے ہم ان کو نقل کرا کر یہ مصاحف آپ کے پاس بھیج دیں گے حضرت حفصہؓ نے وہ تمام صحیفے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیئے حضرت عثمانؓ نے انصار میں سے زید بن ثابتؓ کو اور قریش میں عبداللہ ابن زبیرؓ سعید بن عاصؓ اور عبداللہ بن حارث بن ہشامؓ کو ان صحیفوں کو نقل کرنے پر مامور کیا چنانچہ ان سب نے ان صحیفوں کو مصاحف میں نقل کیا حضرت عثمانؓ نے قریش کے تینوں حضرات سے فرمایا کہ اگر قرآن کے لغات میں کسی جگہ تم میں اور زید بن ثابت میں اختلاف ہو جائے تو وہاں لغت قریش کے مطابق لکھو کیونکہ کلام اللہ لغت قریش کے مطابق ہی نازل ہوا ہے چنانچہ ان سب نے اس پر عمل کیا اور جب مصاحف میں صحیفے نقل کئے جا چکے تو حضرت عثمانؓ نے ان صحیفوں کو تو حضرت حفصہؓ کے پاس بھیج دیا اور ان مصاحف میں جو نقل کے لئے تھے ایک ایک مصحف (اسلامی مملکت میں) ہر جگہ بھیج (دیا اس کے ساتھ ہی یہ حکم جاری فرمایا کہ ان مصاحف کے علاوہ ہر اس صحیفے یا مصحف کو جلا دیا جائے جس میں قرآن لکھا ہوا ہے۔"

(حدیث کے ایک راوی) حضرت ابن شہابؒ فرماتے ہیں کہ زید بن ثابتؓ کے صاحبزادے خارجہؒ نے مجھے بتایا کہ میں نے اپنے والد حضرت زید بن ثابتؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس وقت کہ ہم (یعنی میں اور دونوں قریشی صحابہؓ سعید بن عاصؓ اور عبداللہ بن حارثؓ) قرآن کریم (مصحف عثمانی میں) نقل کر رہے تھے مجھے سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں مل رہی تھی۔ حالانکہ میں رسول کریم ﷺ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا۔ چنانچہ تلاش و جستجو کے بعد مجھے یہ آیت حضرت خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس سے لکھی ہوئی ملی۔

اور وہ آیت یہ ہے مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔ پھر میں نے یہ آیت مصحف میں اس کی سورت (یعنی سورہ احزاب کے ساتھ ملا دی۔" (بخاری)

تشریح: کرمانیؒ نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ لفظ "یغازی معنی کے اعتبار سے "یغزی" کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے گویا اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ:

كَانَ عُثْمَانُ يُجَهِّزُ اَهْلَ الشَّامِ وَاَهْلَ الْعِرَاقِ لِغَزْوَةِ هَاتَيْنِ النَّاحِيَتَيْنِ وَفَتْحِهِمَا۔

"حضرت عثمانؓ ان دنوں اہل شام و اہل عراق کے لئے ان دونوں ملکوں کی جنگ اور ان کی فتح کی غرض سے سامان جہاد کی فراہمی میں مصروف تھے۔"

لہٰذا حدیث میں اس لفظ کا ترجمہ بھی اسی وضاحت کے مطابق کیا گیا ہے۔ نیز کرمانیؒ نے بھی یہ لکھا ہے کہ آرمینیہ نواح روم (بیزنطین) میں ایک علاقہ کا نام تھا اور آذربائیجان تبریز کے علاقوں میں سے ایک علاقہ تھا۔

ملا علی قاریؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "کان" کا اسم اور "یغازی" کا فاعل حذیفہ کو لکھا ہے نیز ملا علی قاریؒ نے قاموس کے حوالہ سے بھی لکھا ہے کہ آرمینیہ اور آذربائیجان کا ایک علاقہ تھا لہٰذا اس طرح حدیث میں آذربائیجان تعمیم بعد تخصیص کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح کلام اللہ میں اختلاف کرنے لگیں کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہود و نصاریٰ نے توریت و انجیل میں تغیر و تبدل کیا اور اس طرح اپنی خواہشات کے مطابق کلام اللہ میں کمی و زیادتی کی کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان بھی ایسا ہی کرنے لگیں۔ اور وہ اس فتنہ میں مبتلا ہو جائیں اس لئے اس فتنہ کے برپا ہونے سے پہلے ہی آپ کچھ تدبیر کیجئے۔ چنانچہ حضرت حذیفہؓ نے حضرت عثمانؓ کے سامنے اپنے اس خدشہ کا اظہار کیا تو حضرت عثمانؓ نے تو اس اہم مسئلہ پر غور کرنے کے لئے لوگوں کو جمع کیا جن کی تعداد اس وقت پچاس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ حضرت عثمانؓ نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ قرآن پڑھنے والوں میں سے کچھ لوگ ایک دوسرے سے یہ کہتے ہیں کہ میری قرأت تمہاری قرأت سے بہتر ہے۔ یعنی وہ ایک دوسرے کی قرأت سے اختلاف کرتے ہیں حالانکہ ایسا کرنا کفر کے بالکل قریب ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ پھر آپ کی کیا رائے ہے اور

اس کے سدباب کے لئے آپ کیا چیز مناسب سمجھتے ہیں؟" حضرت عثمان نے کہا کہ میں تو یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دوں تاکہ کوئی اختلاف ہی پیدا نہ ہو، لوگوں نے کہا کہ آپ جس چیز کو مناسب سمجھتے ہیں وہ بہت بہتر ہے اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے یہ ارادہ کیا کہ لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کریں گے۔ چنانچہ حدیث میں فارسل عثمان الخ (حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا) سے اسی بات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

کلام اللہ لغت قریش کے مطابق ہی نازل ہوا ہے یہ بات پہلے بھی بتائی جا چکی ہے کہ اصل میں تو قرآن کریم لغت قریش کے مطابق ہی نازل ہوا تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ کی درخواست پر اس بات میں وسعت و فراخی عطا فرمائی گئی یعنی یہ اجازت دے دی گئی کہ ہر شخص اپنی لغت کے مطابق پڑھ سکتا ہے۔ اب حضرت عثمان نے جب یہ دیکھا کہ یہ اختلاف لغت اُمت میں ایک زبردست انتشار اور دین میں ایک بڑے فتنہ کا باعث ہو رہا ہے تو انہوں نے حکم دیا کہ لغت قریش کے علاوہ اور تمام لغات منسوخ کر دی جائیں اور سب لوگ قرآن کریم لغت قریش کے مطابق پڑھیں چنانچہ حدیث میں مذکور حضرت عثمانؓ کے الفاظ۔ فاکتبوہ بلسان قریش کا یہی مطلب ہے۔

سخاویؒ نے مصحف عثمانی میں قرآن کریم نقل کرتے وقت مذکورہ ناقلین کے درمیان واقع ہونے والے کچھ اختلافات کو بیان بھی کیا ہے، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ ایک موقع پر لفظ "تابوت" کے بارہ میں اختلاف پیدا ہو گیا ۔ حضرت زیدؓ نے تو کہا کہ اسے "التابوہ" لکھا جائے۔ مگر دوسرے حضرات کا کہنا تھا کہ "التابوت" لکھنا چاہئے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کو "ت" کے ساتھ یعنی التابوت ہی لکھو۔ کیونکہ لغت قریش میں یہ لفظ یوں ہی ہے۔ اسی طرح اس موقع پر ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے "لم یتسن" کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں "ہ" لکھو۔ اس مصحف کے علاوہ ہر اس صحیفہ یا مصحف کو جلا دیا جائے "الخ" بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ ہر "صحیفہ" سے مراد تو وہ صحیفے ہیں۔ جو حضرت حفصہؓ کے پاس تھے اور "مصحف" سے مراد وہ صحیفے ہیں جو دیگر لوگوں نے جمع کئے تھے اور وہ ان کے پاس تھے۔ تاہم یہ احتمال بھی ہے کہ اس جملہ فی کل صحیفۃ او مصحف میں لفظ او" راوی کے شک کے اظہار کے لئے ہو۔

حدیث کے ظاہری مفہوم میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حفصہؓ کے پاس جو صحیفے تھے انہیں حضرت عثمانؓ نے ایفاء وعدہ کے پیش نظر حضرت حفصہؓ کے پاس واپس بھیج دیا تھا مگر پھر انہیں بھی دوبارہ حاصل کر کے جلا ڈالا تھا۔ لیکن سخاویؒ نے اس بارے میں تفصیل لکھی ہے کہ حضرت عثمانؓ جب مصحف عثمانی کی تکمیل سے فارغ ہوئے تو حضرت حفصہؓ کے پاس ان کے صحیفے واپس بھجوا دیئے ان صحیفوں اور اپنے مصحف کے علاوہ بقیہ تمام صحیفے انہوں نے نذر آتش کرا دیئے چنانچہ وہ صحیفے حضرت حفصہؓ کے پاس رہے جب مروان مدینہ کا حاکم ہوا تو اس نے وہ صحیفے جلانے کے لئے حضرت حفصہؓ سے منگوا بھیجے مگر انہوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت حفصہؓ کے انتقال کے بعد مروان نے وہ صحیفے ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منگا کر اس خوف سے جلا دیئے کہ یہ صحیفے اگر کبھی باہر آ گئے اور لوگوں نے دیکھا تو پھر اختلاف کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

حضرت عثمانؓ نے جو مصحف تیار کرا کر اطراف عالم میں بھیجے تھے ان کی تعداد کے بارہ میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ ان مصاحف کی تعداد پانچ تھی۔ لیکن ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے ابوحاتم سجستانی سے سنا کہ ان کی تعداد سات تھی۔ ان میں سے ایک مکہ بھیجا گیا (ایک شام ایک یمن ایک بحرین ایک بصرہ ایک کوفہ اور ایک مدینہ میں رکھا گیا۔

مصحف کے بوسیدہ اوراق کا مسئلہ

اس بارہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ مصحف (قرآن کریم) کے ان پرانے اور بوسیدہ اوراق کا کیا جائے جن سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکتا ہو یعنی ان میں پڑھنا اور تلاوت کرنا ممکن نہ رہا ہو۔ آیا انہیں جلا دینا اولی ہے یا دھو ڈالنا۔ چنانچہ بعض حضرات تو فرماتے ہیں کہ ان اوراق کو جلا دینا بہتر ہے کیونکہ جلا رہنے کی صورت میں کلام اللہ کی ذلت و بے حرمتی کی کسی بھی صورت کے واقع ہونے کا امکان نہیں رہتا۔

بخلاف دھونے کے کہ اس کا دھون زمین پر بہتا ہے اور پیروں کے نیچے پڑتا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ دھونا اولی ہے اور اس کا دھون پاک جگہ میں ڈالا جائے بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ اس کا پانی پی لیا جائے کیونکہ وہ ہر مرض کی دوا اور سینہ کی علتوں کی شفاء ہے۔

حضرت عثمانؓ کا فعل

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مصحف عثمانی کے علاوہ وہ بقیہ تمام صحیفوں کو جلا کیوں دیا۔ اس کا سیدھا سادھا سا جواب یہ ہے کہ اگر ان صحیفوں کو جلایا نہ جاتا اور اس طرح باقی رہنے دیا جاتا تو ہوسکتا تھا کہ پھر بعد میں لوگوں کے اختلاف وفتنہ کا باعث بن جاتا؟ لہٰذا حضرت عثمانؓ نے اس مصلحت کی بنا پر کہ اختلاف باقی نہ رہے ان صحیفوں کو جلا ڈالا۔ اس طرح حضرت عثمانؓ کے اس فعل کو مورد طعن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ ان پر طعن تو اس وقت وارد ہو جب کہیں بھی شریعت سے یہ ثابت ہو کہ قرآن کے اوراق کو جلانا بے ادبی ہے۔ جب یہ بات ثابت ہی نہیں ہے اور پھر یہ کہ ان کا یہ فعل مصلحت پر مبنی تھا تو ان پر کوئی الزام وارد ہی نہیں ہوسکتا۔

اول جامع قرآن

علماء نے لکھا ہے کہ قرآن کا جمع ہونا تین مرتبہ واقع ہوا ہے ایک مرتبہ تو خود سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ میں لیکن اس وقت پورا قرآن کریم ایک مصحف میں مرتب طریقہ سے جمع نہیں ہوا تھا۔ دوسری مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جمع ہوا گویا اول جامع قرآن حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی ہیں اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کیا۔ تیسری مرتبہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جمع ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور ان کے مشورہ سے قرآن کریم مصاحف میں مرتب طور پر لغت قریش کے مطابق نقل کرایا اور پھر وہ مصاحف اطراف وجوانب میں بھیجے یہ بات ۲۵ ھجری کی ہے۔

لہٰذا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں کے قرآن جمع کرنے میں فرق یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے تو قرآن اس خوف سے جمع کیا کہ کہیں اس کے بغیر قرآن کا کچھ حصہ جاتا نہ رہے اور حضرت عثمانؓ نے اس لئے جمع کیا کہ اُمت میں اختلاف وانتشار کا فتنہ نہ پیدا کیا جائے اس طرح کہا جائے گا کہ حضرت عثمانؓ نے حقیقت میں قرآن جمع نہیں کیا ہے بلکہ انہوں نے اُمت کو اختلاف وانتشار کی راہ سے بچا کر ایک لغت (لغت قریش) پر قائم وجمع کیا ہے۔"

سورہ براۃ کے شروع میں بسملہ نہ ہونے کی ایک وجہ

⑫ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قُلْتُ لِعُثْمَانَ مَاحَمَلَكُمْ عَلٰى اَنْ عَمَدْتُّمْ اِلَى الْاَنْفَالِ وَهِيَ مِنَ الْمَثَانِيْ وَاِلٰى بَرَاءَةَ وَهِيَ مِنَ الْمِئِيْنَ فَقَرَنْتُمْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكْتُبُوْا سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَضَعْتُمُوْهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ مَاحَمَلَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ عُثْمَانُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يَاْتِيْ عَلَيْهِ الزَّمَانُ وَهُوَ يُنْزَلُ عَلَيْهِ السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ وَكَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُوْلُ ضَعُوْا هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا فَاِذَا نَزَلَتْ عَلَيْهِ الْاٰيَةُ فَيَقُوْلُ ضَعُوْا هٰذِهِ الْاٰيَةَ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا وَكَانَتِ الْاَنْفَالُ مِنْ اَوَائِلِ مَانَزَلَتْ بِالْمَدِيْنَةِ وَكَانَتْ بَرَاءَةُ مِنْ اٰخِرِ الْقُرْاٰنِ نُزُوْلًا وَكَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيْهَةً بِقِصَّتِهَا فَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَنَا اَنَّهَا مِنْهَا فَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ قَرَنْتُ بَيْنَهُمَا وَلَمْ اَكْتُبْ سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَضَعْتُهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے سورۂ انفال کی جو "مثانی" میں سے ہے اور سورت براءت کو جو "مئین" میں سے ہے پاس پاس رکھا ہے اور دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر امتیاز بھی

قائم نہیں کیا ہے پھر یہ کہ آپ نے سورہ انفال کو سات لمبی سورتوں کے درمیان رکھا ہے آخر اس کا سبب کیا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں وقت گزرتا رہتا تھا اور آیتوں والی سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں (یعنی قرآن کی آیتیں حسب موقع اور حسب ضرورت بتدریج اترتی تھیں) چنانچہ آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب قرآن کی کوئی آیت یا اس کا کچھ حصہ آپ ﷺ پر نازل ہوتا تو آپ ﷺ کاتبان (وحی) میں سے کسی کو یعنی زید بن ثابت وغیرہ کو بلاتے اور فرماتے کہ اس آیت کو سورت میں شامل کردو۔ جس میں ایسا اور ایسا ذکر ہے (یعنی کسی خاص موضوع مثلاً حج وطلاق وغیرہ کا نام لیتے اور فرماتے کہ جس سورت میں اس کے بارہ میں ذکر ہے اس آیت کو اسی میں شامل کردو) اس کے بعد پھر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو اس کے بارہ میں فرماتے کہ اسے اس سورت میں شامل کردو اور جس میں ایسا اور ایسا ذکر ہے اور سورہ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی ہیں جب کہ سورت برات قرآن کا وہ حصہ ہے جو آخر میں نازل ہوا ہے لیکن سورہ انفال میں مذکورہ باتیں سورۃ برائت میں مذکور باتوں کے مشابہ ہیں یعنی دونوں سورتوں میں کافروں سے برسرپیکار ہونے اور عہد ختم کرنے کا بیان ہے۔ رسول کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے لیکن ہمیں یہ نہیں بتا گئے کہ سورۃ برائت انفال کا ہی حصہ ہے یا نہیں؟ لہٰذا نبی کریم ﷺ کے نہ بتانے کے سبب اور دونوں سورتوں میں ازروئے مفہوم معنی مماثلت و مشابہت ہونے کے باعث ہم نے دونوں سورتوں کو پاس پاس رکھا لیکن ہم نے دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر امتیاز قائم نہیں کیا۔ اور پھر ہم نے ان دونوں سورتوں کو پاس پاس سات بڑی سورتوں کے درمیان رکھا لیکن ان دونوں کے درمیان فاصلہ رکھا یعنی دونوں کو الگ الگ رکھا کیونکہ جس طرح دونوں کے دو ہونے میں شبہ تھا اسی طرح دونوں کے ایک ہونے میں بھی شبہ تھا۔" (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: قرآن مجید کی سورتوں کو اسی طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ سورت بقرہ سے سورہ یونس تک کو "طوال" کہتے ہیں عربی میں طوال لمبے کو کہتے ہیں۔ اور قرآن کی ابتدائی سات سورتیں چونکہ لمبی ہیں اس لئے اس مناسبت سے ان کا نام "سبع طوال" سات لمبی سورتیں ہوا۔ سورہ یونس سے سورہ شعراء تک کی سورتوں کو مئین کہا جاتا ہے۔ مئین مائۃ کی جمع ہے اور عربی میں مائۃ سو کو کہتے ہیں اور یہ سورتیں چونکہ سو سو آیتوں سے زیادہ پر مشتمل ہیں یا سو کے قریب ہیں اس لئے ان سورتوں کو مئین کہتے ہیں اور سورت شعراء سے سورہ حجرات تک کی سورتیں "مثانی" کہلاتی ہیں یہ سورتیں سو سو آیتوں سے کم ہیں اور پھر یہ کہ ان سورتوں کے مضمون اور قصے مقرر ہیں اس لئے ان کو "مثانی کہا جاتا ہے۔ سورہ حجرات سے آخر قرآن تک کی سورتوں کو مفصل کہتے ہیں کیونکہ ان سورتوں کے درمیان بسم اللہ کا فاصلہ اتنا قریب ہے۔ یہ گویا تین قسمیں ہوئیں پھر ان میں سے آخری قسم یعنی "مفصل" کی بھی تین قسمیں ہیں (۱) طوال۔ (۲) اوساط۔ (۳) قصار۔
سورۂ حجرات سے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ تک کی سورتیں طوال مفصل "کہلاتی ہیں۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ سے لم یکن تک کی سورتوں کو اوساط مفصل کہتے ہیں اور سورۃ لم یکن سے آخر قرآن تک کی سورتوں کو قصار مفصل کہا جاتا ہے۔ اس تفصیل کو ذہن میں رکھ کر اب حدیث کے مفہوم کی طرف آیئے۔ حضرت عثمانؓ سے حضرت عباسؓ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ سورت انفال "مثانی" میں سے ہے کیونکہ وہ سو آیتوں سے کم ہے۔ اور سورت براۃ "مئین" میں سے ہے کیونکہ وہ سو آیتوں سے زیادہ ہے لہٰذا آپ نے قرآن کو جمع اور نقل کراتے وقت ان دونوں سورتوں کو نزدیک نزدیک "طوال" میں کیوں رکھا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ "انفال مثانی" میں رکھتے اور براۃ کو مئین میں آخر میں بھی ایک خلش کی بات یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کے درمیان "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نہیں لکھی۔
حضرت عثمانؓ نے ان کی اس بات کا جواب دیا اس کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کے درمیان اشتباہ پیدا ہو گیا ہے ایک وجہ تو یہ دونوں سورتیں ایک ہی سورۃ ہیں (جیسا کہ ترجمہ میں بیان کیا گیا) اس سبب سے ان کو طوال میں رکھنا اور ان دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھنا درست ہوا اور ایک وجہ سے یہ دونوں سورتیں الگ الگ دو سورتیں ہیں اس لئے ان کے درمیان فاصلہ رکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الدعوات

دعاؤں کا بیان

دعا کے معنی ہیں کہ "اعلیٰ ذات سے ادنیٰ چیزوں میں سے کچھ بطریق عاجزی طلب کرنا" امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہر زمانہ میں اور ہر جگہ کے علماء اس بات پر متفق رہے ہیں۔ کہ دعا مانگنا مستحب ہے ان کی دلیل قرآن وحدیث کے ظاہری اور واضح مفہوم کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کا فعل بھی ہے کیونکہ تمام انبیاء کرام دعا مانگا کرتے تھے۔

لیکن بعض زہاد اور اہل معارف کا یہ بھی کہنا ہے کہ ترک دعا (یعنی دعا نہ مانگنا) افضل ہے کیونکہ اس طرح رضاء مولیٰ اور اپنی قسمت اور تقدیر کے ساتھ راضی ہونے کا مکمل اظہار ہوتا ہے۔ مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے ان زہاد و اہل معارف کے اس قول کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ قول اس خاص کیفیت پر محمول ہے جو بعض وقت بعض مردان حق پر طاری ہوتی ہے اور جس میں رضاء بقضاء ہی غالب ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ پیش آیا کہ جب انہیں آگ میں ڈالا گیا تو حضرت جبرئیلؑ نے ان سے کہا کہ آپ دعا کیجئے اور اپنے پروردگار سے اپنی نجات وسلامتی کے لئے درخواست کیجئے تو انہوں نے فرمایا کہ حق تعالیٰ جل شانہ میرا حال جانتا ہے مجھے کوئی درخواست کرنے اور دعا مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

آنحضرت ﷺ کی شانِ رحمت

(1) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِکُلِّ نَبِیٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ کُلُّ نَبِیٍّ دَعْوَتَهٗ وَاِنِّی اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِیْ شَفَاعَةً لِاُمَّتِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ فَهِیَ نَائِلَةٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَاتَ مِنْ اُمَّتِیْ لَا یُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَیْئًا۔
(رواہ مسلم وللبخاری اقصر منہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہر ایک نبی کے لئے ایک دعا ہے جو قبول کی جاتی ہے چنانچہ ہر نبی نے اپنی دعا کے بارہ میں جلدی کی لیکن میں نے اپنی دعا اپنی اُمت کی شفاعت کی خاطر قیامت کے دن تک کے لئے محفوظ رکھی ہے پس میری یہ دعا اگر خدا نے چاہا تو میری اُمت کے ہر اس شخص کو فائدہ پہنچائیگی۔ جو اس حال میں مرا ہو کہ اس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔" (مسلمؒ) اور بخاری نے اس روایت کو اس سے کم نقل کیا ہے)

تشریح: "ہر نبی کے لئے ایک دعا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حکم فرمایا تھا کہ اپنے مخالفین کی تباہی کے لئے بددعا کرو

لہٰذا وہ بد دعا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اسے منظور فرماتا تھا چنانچہ اسی دعا کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو دعا مانگنے کا جو حق دیا تھا اور پھر اس کی قبولیت کا یقین بھی عطا فرمایا تھا تو ہر نبی نے اپنے اس حق کے استعمال میں جلدی کی جیسا کہ حضرت نوحؑ نے اپنی امت کی ہلاکت و تباہی کے لئے بد دعا کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی پوری امت طوفان میں غرق کر دی گئی۔ یا اسی طرح حضرت صالحؑ نے بھی اپنی امت کی تباہی کے لئے بد دعا کی اور امت ان کی حضرت جبرئیلؑ کی ایک آواز کے ذریعہ ہلاکت کی وادیوں میں ہمیشہ کے لئے چھپ گئی لیکن میں نے اپنی دعا کو محفوظ رکھا یعنی اپنے مخالفین کی ایذا پر صبر کیا اور ان کے لئے بد دعا نہ کی۔ کیونکہ میں رحمۃ للعٰلمین ہوں میری شان یہ نہیں ہے کہ میں بد دعا کروں اور لوگوں کے لئے تباہی و بربادی کا سامان فراہم کروں میں نے اپنے اس حق کو جو مجھے بھی ملا تھا قیامت تک کے لئے اٹھا رکھا ہے، قیامت کے دن میں اس دنیا میں بد دعا کے بجائے ہر اس امتی کے حق میں شفاعت کروں گا جو ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوا ہو اگرچہ وہ گنہگار ہی کیوں نہ رہا ہو۔"

اس موقع پر اتنی بات اور جان لیجئے کہ شفاعت کئی قسم کی ہوگی بعض لوگ تو آنحضرت ﷺ کی شفاعت کے نتیجہ میں دوزخ میں داخل ہی نہیں ہوں گے بعض دوزخ سے جلدی نکل آئیں گے بعض جنت میں جلدی داخل ہوں گے اور بعض کے جنت میں درجے بلند ہوں گے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَۃَ نَبِیِّنَا عَلَیْہِ اَلْفُ اَلْفُ صَلٰوۃٍ۔

(۴) وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اتَّخَذْتُ عِنْدَکَ عَھْدًا لَنْ تُخْلِفَنِیْہِ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ اٰذَیْتُہٗ شَتَمْتُہٗ لَعَنْتُہٗ جَلَدْتُّہٗ فَاجْعَلْھَا لَہٗ صَلٰوۃً وَّزَکَاۃً وَّقُرْبَۃً تُقَرِّبُہٗ بِھَا اِلَیْکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بارگاہ حق میں یوں دعا کی کہ "اے میرے پروردگار! میں نے تیری خدمت میں ایک درخواست پیش کی ہے تو مجھے اس کی قبولیت سے نواز اور مجھے ناامید نہ کر۔ یعنی میں امیدوار کرم ہوں کہ میری درخواست ضرور ہی منظور ہوگی اور وہ درخواست یہ ہے کہ میں ایک انسان ہوں لہٰذا جس مؤمن کو میں نے کوئی ایذا پہنچائی ہو بایں طور کہ میں نے اسے برا بھلا کہا ہو میں نے اس پر لعنت کی ہو میں نے اسے مارا ہو تو ان سب چیزوں کو تو اس مؤمن کے حق میں رحمت کا سبب گناہوں سے پاکی کا ذریعہ اور اپنے قرب کا باعث بنادے کہ تو ان چیزوں کے سبب اس کو قیامت کے دن اپنا قرب بخشے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: لفظ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ تمہید ہے عذر کی کہ میں بھی ایک انسان ہوں کبھی کبھی بتقاضائے بشریت کسی پر خفا بھی ہو جاتا ہوں۔

لفظ فَاَیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ اس چیز کی تفصیل اور بیان ہے جس کے لئے آپ ﷺ نے اپنے ارشاد اَللّٰھُمَّ اتَّخَذْتُ الخ کے ذریعہ بارگاہ حق جل شانہ میں درخواست پیش کی بہرکیف آنحضرت ﷺ کی اس دعا کا حاصل یہ ہے کہ جس مؤمن کو مجھ سے کوئی بھی ایذا پہنچ جائے تو اس ایذا کو اس کے حق میں رحمت وغیرہ کا سبب بنادے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے اس چیز کی طلب میں بہت مبالغہ سے کام لیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر کھڑی ہوگئیں آنحضرت ﷺ نے ان کے اس طرز عمل پر فرمایا کہ:

قَطَعَ اللّٰہُ یَدَکِ ـــــ "اللہ تعالیٰ تیرا ہاتھ کاٹے۔"

حضرت عائشہؓ کو یہ بات بہت محسوس ہوئی۔ وہ فوراً آپ ﷺ کا دامن چھوڑ کر ہٹ گئیں اور اپنے حجرہ میں آکر بہت ہی رنجیدہ، ملول اور غصہ میں بھر کر بیٹھ گئیں۔ جب آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ کی یہ کیفیت دیکھی تو اس وقت آپ ﷺ نے ان کو خوش کرنے کے لئے یہ کہا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اتَّخَذْتُ عِنْدَکَ عَھْدًا الخ۔

لہٰذا علماء لکھتے ہیں کہ جو شخص کسی کے لئے بد دعا کر بیٹھے تو اس کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ اس بد دعا کے بدلہ میں مذکورہ بالا دعا بھی ضرور کرے۔

دعا جزم ویقین کے ساتھ مانگو

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي اِنْ شِئْتَ ارْحَمْنِي اِنْ شِئْتَ اُرْزُقْنِي اِنْ شِئْتَ وَلْيَعْزِمْ مَسْأَلَتَهُ اِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَلَا مُكْرِهَ لَهُ (رواه البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے۔ اے اللہ مجھے بخش دے اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر اگر تو چاہے تو مجھے رزق عطا فرما اگر تو چاہے۔" بلکہ چاہئے "یہ کہ وہ عزم بالجزم اور یقین و اعتماد کے ساتھ دعا مانگے (شک و شبہ کا کلمہ مثلاً اگر تو چاہے" وغیرہ کا استعمال نہ کرے) کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے اس پر کوئی زور زبردستی کرنے والا نہیں۔" (بخاریؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگو جزم ویقین کے ساتھ مانگو یعنی "یہی کہو کہ "اے اللہ ہمارا فلاں مطلب پورا کر" جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے اس لئے یہ نہ کہو "کہ اگر تو چاہے تو ہمارا فلاں مطلب پورا کردے۔" کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت دعا میں شک پیدا کرنا ہے حالانکہ قبولیت دعا میں یقین ہونا چاہئے کیونکہ اس نے قبولیت دعا کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کیا کرتا اور پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات چونکہ بے پروا اور مستغنی ہے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں اس پر کسی کا کوئی زور نہیں ہے بلکہ وہ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے اس لئے اپنی دعا کے ساتھ یہ کہنا کہ "اگر تو چاہے" بالکل بے فائدہ اور لاحاصل ہے۔

تھک کر دعا مانگنا نہ چھوڑو

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي اِنْ شِئْتَ وَلٰكِنْ لِيَعْزِمْ وَلْيُعَظِّمِ الرَّغْبَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَتَعَاظَمُهُ شَيْءٌ اَعْطَاهُ (رواه مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے تو اس طرح نہ کہے کہ "اے خدا مجھے بخش دے اگر تو چاہے۔ بلکہ بلا کسی شک کے جزم ویقین کے ساتھ اور پوری رغبت کے ساتھ دعا مانگے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جو چیز عطا کرتا ہے۔ وہ اس کے لئے مشکل نہیں ہوتی۔" (مسلمؒ)

تھک کر دعا مانگنا نہ چھوڑو

⑤ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَدْعُ بِاِثْمٍ اَوْ قَطِيْعَةِ رَحِمٍ مَا لَمْ يَسْتَعْجِلْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِسْتِعْجَالُ؟ قَالَ يَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ وَقَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ اَرَ يُسْتَجَابُ لِيْ فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذٰلِكَ وَيَدَعُ الدُّعَاءَ (رواه مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بندے کی دعا شرائط قبولیت کے بعد قبول کی جاتی ہے جب تک وہ گناہ کی یا ناتہ توڑنے کی دعا نہیں مانگتا اور جب تک کہ جلدی نہیں کرتا" عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ جلدی کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا دعا مانگنے والا یار بار کہنے لگے کہ میں نے دعا مانگی یعنی اکثر میں نے دعا مانگی) لیکن میں نے اسے قبول ہوتے نہیں دیکھا۔" اور پھر وہ تھک کر بیٹھ جائے اور دعا مانگنی ہی چھوڑ دے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قبولیت دعا کے لئے جہاں جزم ویقین اور خدا کی ذات پر پورا بھروسہ شرط ہے وہیں یہ بات بھی ضروری ہے کہ دعا ان ہی چیزوں کے لئے مانگی جائے جو عادتاً مانگی جاتی ہوں اور مباح ہوں، لہٰذا یہاں یہ بھی بتایا جارہا ہے کہ مؤمن کی دعا اسی وقت قبول ہوتی ہے جب کہ وہ نہ گناہ کی کوئی چیز طلب کرے اور نہ ناتہ توڑنے کی دعا کرے اور نہ جلد بازی سے کام لے۔

"گناہ کی چیز مانگنے" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یہ دعا مانگنے لگے "اے اللہ"! مجھے فلاں شخص کو (جو مسلمان ہے) قتل کر دینے کی طاقت عطا فرما، یا یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے شراب یا کوئی حرام وغیر حلال چیز عطا کر یا یہ کہے کہ "اے اللہ فلاں شخص کو بخشش دے درانحالیکہ اس بارہ میں یقین ہے کہ وہ کافر مرا ہے۔ ظاہر ہے اس قسم کی دعا مانگنا اور پھر ان کی قبولیت کی توقع ہی رکھنا دیدہ دلیری ہی کہا جاسکتا ہے اس طرح محال اور غیر ممکن الوقوع چیزوں کی دعا مانگنا اور ان کی قبولیت کی امید رکھنا بھی انتہائی حماقت اور بے وقوفی کی بات ہے مثلاً کوئی عقل کا اندھا یہ دعا مانگے کہ اے اللہ! تو مجھے دنیا ہی میں حالت بیداری میں اپنا دیدار عطا فرما۔ "ناتہ توڑنے کی دعا" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بدباطن شخص یہ دعا مانگنے لگے کہ "اے اللہ! مجھ میں اور میرے باپ میں جدائی اور تفریق کر دے" یہ حدیث کا مفہوم کے مطابق مؤمن کی ایسی غیر ایمانی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات بندہ مؤمن کی... شان کے لائق نہیں ہے کہ اگر قبولیت دعا میں تاخیر محسوس ہو تو تھک کر بیٹھ جائے اور دعا مانگنا ہی چھوڑ دے۔ کیونکہ دعا بھی عبادت ہے اور عبادت سے اس طرح اکتاہٹ یا دل گرفتگی مؤمن کے لئے کسی بھی حال میں مناسب نہیں ہے۔ پھر یہ کہ قبولیت دعا میں تاخیر یا تو اس لئے ہوتی ہے کہ اس کا وقت نہیں آتا کیونکہ ازل ہی میں ہر چیز کے وقوع اور تکمیل کا ایک وقت مقرر ہے جب تک وہ وقت نہیں آتا وہ چیز بھی وقوع پذیر نہیں ہوتی یا یہ دعا مانگنے والا جو دعا مانگتا ہے اس کی تقدیر میں اس کی دعا کا اس دنیا میں قبول ہونا لکھا نہیں ہوتا اس صورت میں اسے اس کے بدلہ میں آخرت کا ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ یا پھر قبولیت میں تاخیر اس لئے ہوتی ہے تاکہ دعا مانگنے میں پوری عاجزی و انکساری، سچی لگن اور تڑپ اور کمال عبودیت کا اظہار کرتا رہے کیونکہ دعا میں ان چیزوں کو اختیار کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بہت پسند کرتا ہے۔

غائبانہ دعا قبول ہوتی ہے

(۶) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعْوَۃُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِاَخِیْہِ بِظَھْرِ الْغَیْبِ مُسْتَجَابَۃٌ عِنْدَ رَأْسِہٖ مَلَکٌ مُوَکَّلٌ کُلَّمَا دَعَا لِاَخِیْہِ بِخَیْرٍ قَالَ الْمَلَکُ الْمُوَکَّلُ بِہٖ اٰمِیْنَ وَلَکَ بِمِثْلٍ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو درداءؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو مسلم بندہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے غائبانہ دعا کرتا ہے تو وہ قبول کی جاتی ہے۔ دعا کرنے والے کے سر کے قریب ایک فرشتہ متعین کر دیا جاتا ہے جب وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھلائی کی دعا کرتا ہے تو وہ متعین شدہ فرشتہ کہتا ہے کہ اے اللہ اس کی دعا قبول کر اور (یہ بھی کہتا ہے کہ) تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو۔" (مسلمؒ)

تشریح: یہاں تو بطور خاص اس دعا کی قبولیت کی بشارت دی گئی ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لئے اس کی عدم موجودگی میں زبان سے نکلے لیکن ایسے ہی اگر کوئی کسی مسلمان کے لئے اس کے سامنے اپنے دل میں چپکے سے دعا کرے تو وہ دعا بھی اس بشارت کے تحت آتی ہے کیونکہ جس طرح غائبانہ دعا میں خلوص کار فرما ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں دعا قبول ہوتی ہے اسی طرح اس کی موجودگی میں اپنے دل میں یا چپکے سے دعا کرتے وقت بھی پوری طرح خلوص ہی کی کار فرمائی ہوتی ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ کے مطلب یہ ہے کہ دعا قبول کرنے والے کے ساتھ جو فرشتہ متعین کیا جاتا ہے کہ وہ دعا کے وقت بارگاہ حق شانہ میں یہ سفارش پیش کرتا ہے کہ الٰہی اس شخص کی دعا اس کے بھائی کے حق میں قبول فرما اور پھر وہ دعا کرنے والے کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ "جس طرح اس دعا کے نتیجہ میں تیرا بھائی خیر و بھلائی کو پہنچے گا۔ اسی طرح خدا کرے کہ تجھے بھی خیر و بھلائی حاصل ہو۔

بددعا کرنے کی ممانعت

(۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰی اَوْلَادِکُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰی اَمْوَالِکُمْ لَا تُوَافِقُوْا مِنَ اللّٰہِ سَاعَۃً یُسْئَلُ فِیْھَا عَطَاءٌ فَیَسْتَجِیْبُ لَکُمْ (رواہ مسلم)

"اور جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اپنے لئے بددعا نہ کرو اپنی اولاد کے لئے بددعا نہ کرو اور نہ اپنے مال غلام لونڈیوں جانوروں اور دوسرے مال و اسباب کے لئے بددعا کرو تاکہ "تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ساعت حاصل نہ ہو جائے جس میں خدا ہر سوال پورا کرتا ہے اور پھر تمہاری بددعا قبول ہو جائے گی۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ کچھ اوقات ایسے ہوتے ہیں جس میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر دعا کو شرف قبولیت سے نوازا جاتا ہے اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم جس وقت اپنے لئے یا اپنی اولاد یا اپنے مال کے لئے بددعا کر رہے ہو وہی وقت قبولیت دعا کا ہو اور پھر تمہاری بددعا قبول ہو جائے جس کے نتیجے میں نقصان و خسران بھی ہو اور پشیمانی بھی ہو لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ جو نادان کسی مصیبت و تکلیف یا غصہ کے وقت اپنے لئے یا اپنی اولاد کے لئے اپنے اموال کے لئے بددعا کرتے ہیں وہ مناسب نہیں ہے۔

وَذُكِرَ حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فِيْ كِتَابِ الزَّكٰوةِ۔

"اور ابن عباسؓ کی حدیث "مظلوم کی دعا سے ڈرو الخ" کتاب الزکوۃ میں نقل کی جا چکی ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دعا عبادت ہے

⑧ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ)

"حضرت نعمان ابن بشیرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "دعا ہی عبادت ہے" اور پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اور تمہارے پروردگار نے کہہ دیا ہے کہ مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: گویا آپ ﷺ نے بطور مبالغہ فرمایا کہ "دعا ہی عبادت ہے" کیونکہ دعا وہ عبادت ہے جس میں بندہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اللہ کی ذات کے علاوہ ہر ایک ذات سے استغنا برتا ہے اللہ کی ذات کے علاوہ اور کسی سے نہ ڈرتا ہے نہ امید رکھتا ہے اور پھر یہ کہ دعا میں اخلاص ہوتا ہے خدا کی حمد و شکر گزاری ہوتی ہے خدا سے سوال کیا جاتا ہے خدا کی وحدانیت کا اظہار کیا جاتا ہے اپنے مقصد اور مطلب کے حصول کے لئے خدا ہی کی طرف توجہ اور رغبت ہوتی ہے خدا کی مناجات کی جاتی ہے خدا کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل و کمترو عاجز کر کے کمال عبودیت کا اظہار کیا جاتا ہے اور خدا سے فریاد کی جاتی ہے اور اس سے مدد مانگی جاتی ہے۔

آپ ﷺ نے اپنے ارشاد کی توثیق کے سلسلہ میں بطور دلیل قرآن کریم کی آیت اس لئے پڑھی کہ اس سے معلوم ہو جائے کہ دعا مامور بہ ہے یعنی دعا کرنے کا حکم دیا گیا اور اس حکم کی تعمیل یعنی دعا مانگنے پر ثواب دیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو چیز اس درجہ کی ہوتی ہے اسے ہی عبادت کہتے ہیں کہ اس آیت کا آخری حصہ بھی دلالت کرتا ہے کہ دعا عبادت ہے چنانچہ آگے فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ۔

"جو لوگ میری عبادت یعنی دعا کے سلسلہ میں تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر دوزخ میں داخل ہوں گے۔"

دعا عبادت کا خلاصہ ہے

⑨ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "دعا عبادت کا مغز ہے"۔ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دعا عبادت کا خلاصہ ہے اور اس کا مقصود بالذات ہے کیونکہ عبادت کی حقیقت اور اس کا خلاصہ عاجزی اور اپنے آپ کو ذلیل و کمتر سمجھنا ہے اور یہی چیز دعا میں حاصل ہوتی ہیں۔

دعا کی فضیلت اور برتری

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ شَیْءٌ اَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک "دعا سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی چیز نہیں ہے۔" (ترمذی، ابن ماجہ، اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: "دعا سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی چیز نہیں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اذکار و عبادات میں کوئی چیز دعا کے برابر نہیں ہے" لہٰذا آپ کا یہ ارشاد قرآن کریم کی اس آیت:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ۔

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں بہت زیادہ بلند مرتبہ وہی شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔" (کے منافی نہیں ہے)

دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے

(۱۱) وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيْدُ فِی الْعُمْرِ اِلَّا الْبِرُّ (رواه الترمذی)

"اور حضرت سلمان فارسیؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تقدیر کو دعا کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بدلتی اور عمر کو نیکی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بڑھاتی۔" (ترمذی)

تشریح: تقدیر سے مراد ہے ایسی ناپسندیدہ چیز کا پیش آنا جس سے انسان ڈرتا ہے" لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب بندہ کو دعا کرنے کی توفیق دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ایسی چیز کو دور کرتا ہے۔

تقدیر کی قسمیں: خوب سمجھ لیجئے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں ایک تو "مبرم" اور دوسری "معلق" تقدیر مبرم تو حق تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہوتا ہے جو چیز پیش آنے والی ہوتی ہے اس میں کچھ بھی تغیر و تبدل ممکن نہیں ہے مگر تقدیر معلق میں بعض اسباب کی بنا پر تغیر و تبدل بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں حدیث میں جس تقدیر کے بارہ میں کہا ہے وہ دعا سے بدل جاتی ہے وہ تقدیر معلق ہی ہے یہاں تقدیر مبرم مراد نہیں ہے۔

نیکی سے عمر میں اضافہ کا مطلب

حدیث سے جو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نیکی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کے بارہ میں بھی سمجھ لیجئے کہ یہاں بھی عمر کی کمی و زیادتی تقدیر معلق کے اعتبار سے ہے یعنی تقدیر میں یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص اگر نیکی کرے گا تو اتنی عمر ہوگی اور اگر نیکی نہ کرے گا تو اتنی عمر ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ لوح محفوظ میں اس طرح لکھا جاتا ہے کہ مثلاً اگر فلاں شخص حج کرے گا یا جہاد کرے گا تو اس کی عمر چالیس سال کی ہوگی اور اگر حج و جہاد دونوں کرے گا تو اس کی عمر ساٹھ سال کی ہوگی لہٰذا اگر اس شخص نے حج بھی کیا اور جہاد بھی کیا تو اس کی عمر ساٹھ سال کی ہوگی اس طرح اس کی عمر بڑھ گئی۔ اور اگر اس نے صرف جہاد ہی کیا یا صرف حج ہی کیا تو اس کی عمر چالیس ہوگی اس طرح اس کی عمر انتہاء عمر سے کہ وہ ساٹھ سال تھی کم ہوئی۔

بعض حضرات نے حدیث کے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص نے نیکی کی اس کی عمر ضائع نہیں ہوئی پس گویا اس کی عمر زیادہ ہوئی اس اعتبار سے یہاں فرمایا گیا ہے کہ نیکی انسان کی عمر میں اضافہ کر دیتی ہے۔

دعا دافع بلا ہے

⑫ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِالدُّعَاءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ بلاشبہ دعا اس چیز کے لئے بھی نافع ہے جو پیش آ چکی ہے اور اس چیز کے لئے بھی نافع ہے جو پیش نہیں آئی ہے لہٰذا اے اللہ کے بندو! دعا کو اپنے لئے ضروری سمجھو۔" (ترمذی)

اس روایت کو احمدؒ نے معاذ بن جبل سے نقل کیا ہے نیز امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: جو چیز پیش آ چکی ہے اس کے لئے دعا کے نافع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو مصیبت و بلا نازل ہو چکی ہے اگر وہ معلق ہوتی ہے تو دعا کرنے سے دفع ہو جاتی ہے اور انسان سکون و اطمینان پالیتا ہے اور اگر وہ مبرم ہوتی ہے تو بھی دعا کا نفع ظاہر ہوتا ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اسے صبر کی طاقت عطا فرما دیتا ہے جس کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ اس مصیبت و بلا کا تحمل اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے اور وہ اس پر راضی بھی ہو جاتا ہے بلکہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ وہ مصیبت و بلا میں مبتلا نہ ہو۔ کیونکہ صبر کی دولت حاصل ہو جانے کے بعد اس کا جذبہ اطاعت اتنا قوی ہو جاتا ہے اور مضبوط ہو جاتا ہے کہ وہ اس مصیبت و بلا میں بھی اسی طرح لذت و کیفیت محسوس کرتا ہے جیسا کہ خالص دنیادار قسم کے لوگ نعمتوں اور راحتوں میں لذت و کیف پاتے ہیں۔

جو چیز پیش نہیں آئی اس کے لئے دعا بایں طور نافع ہوتی ہے کہ اس کو نازل ہونے سے روک دیتی ہے بشرطیکہ اس کا تعلق بھی تقدیر معلق سے ہو۔

⑬ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَدْعُوْا بِدُعَاءٍ اِلَّا اٰتَاهُ اللّٰهُ مَا سَأَلَ اَوْ كَفَّ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهُ مَا لَمْ يَدْعُ بِاِثْمٍ اَوْ قَطِيْعَةِ رَحِمٍ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو بھی شخص دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ یا تو اسے وہ چیز عطا فرما دیتا ہے جو وہ مانگتا ہے بشرطیکہ اس چیز کا دینا ازل میں اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہو) یا اس کے عوض میں اس سے برائی کو روک دیتا ہے یعنی اس چیز کا اگر دینا اس کے مقدر میں لکھا نہیں ہوتا تو اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ اس کے مانگنے کے بقدر اس سے مصیبت و بلا کو دور کر دیتا ہے) جب تک وہ گناہ کی کوئی چیز یا ناتہ توڑنے کی دعا نہیں مانگتا۔" (ترمذیؒ)

اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو

⑭ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّسْأَلَ وَاَفْضَلُ الْعِبَادَةِ اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگا جائے اور عبادت (یعنی دعا) کی سب سے بہتر چیز کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔" امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "کشادگی کا انتظار کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ دعا مانگنے والا غیر اللہ سے شکوہ و شکایت اور مایوسی کا اظہار کئے بغیر اس بات کا امیدوار رہے کہ وہ جس بلاء و غم کے دور ہونے کی دعا مانگ رہا ہے وہ انشاء اللہ ضرور دور ہوگا قبولیت دعا میں بظاہر چاہے کتنی ہی تاخیر ہو مگر وہ

امید و آس کا دامن ہرگز نہ چھوڑے اور کسی بھی مرحلہ پر خدا کی ذات اور اس کے فضل سے ایک لمحہ کے لئے بھی مایوس نہ ہو۔ گویا یہ اشارہ ہے صبر کی طرف کہ صبر کی طاقت نہ صرف یہ کہ انسان قوت ارادی میں زبردست اضافہ کا سبب بنتی ہے بلکہ اللہ کی ذات پر مکمل اعتماد و یقین اور بھروسہ کی اسپرٹ پیدا کرتی ہے اور ویسے بھی اس میں کوئی شک نہیں کہ صبر کی جزاء اور اس کا انعام بے حد و بے حساب ہے۔

اللہ سے نہ مانگنا اللہ کی ناراضگی کا سبب

(۱۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَسْاَلِ اللّٰهَ یَغْضَبْ عَلَیْهِ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے کیونکہ ترک دعا اللہ سے تکبر اور استغناء کی علامت ہے۔" (ترمذیؒ)

اللہ تعالیٰ عافیت مانگنے کو بہت پسند کرتا ہے

(۱۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللّٰهُ شَیْئًا یَعْنِیْ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ اَنْ یُّسْاَلَ الْعَافِیَةَ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے جس شخص کے لئے دعا کا دروازہ کھولا گیا (یعنی جس شخص کو پورے آداب و شرائط کے ساتھ بہت دعا مانگنے کی توفیق عطا کی گئی تو سمجھو کہ اس کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے کیونکہ اس کی دعا کے نتیجے میں کبھی تو اس کی مانگی ہوئی چیز ملتی ہے اور کبھی مانگی ہوئی چیز کے بدلہ میں اس سے شر و برائی کو دور کر دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں مانگی جاتی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب بات یہ ہے کہ اس سے عافیت مانگی جائے۔" (ترمذی)

تشریح: حدیث کے آخری جز کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عافیت مانگنے کو بہت پسند کرتا ہے اس کے برابر اور کسی چیز کے مانگنے کو پسند نہیں کرتا۔

"عافیت کے معنی ہیں دنیا و آخرت کی تمام ظاہری و باطنی غیر پسندیدہ چیزوں تمام آفات و مصائب، تمام بیماریوں اور تمام بلاؤں سے سلامتی و حفاظت" لہٰذا عافیت، دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں پر حاوی ہے جس نے عافیت مانگی اس نے گویا دنیا و آخرت کی تمام ہی بھلائیاں مانگ لیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ عافیت مانگنے کو پسند کرتا ہے۔ نسال اللہ العافیہ۔

سختیوں میں قبولیت دعا کا خواہشمند فراخی کے وقت زیادہ دعا مانگے

(۱۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّسْتَجِیْبَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْیُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِی الرَّخَاءِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کے لئے یہ بات پسندیدگی اور خوشی کا باعث ہو کہ تنگی اور سختی کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے تو اسے چاہئے کہ وہ وسعت و فراخی کے زمانہ میں بہت دعا کرتا رہے۔" اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

دعا مانگتے وقت قبولیت کا یقین رکھو

(۱۸) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَجِیْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قبولیت دعا کا یقین رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ غافل اور کھیلنے والے دل کی دعا قبول نہیں کرتا یعنی اس شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی جس کا دل دعا مانگتے وقت اللہ تعالیٰ سے غافل اور غیر اللہ میں مشغول ہو امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: حدیث کے پہلے جز کا مطلب یہ ہے کہ دعا کے وقت تمہیں ایسی حالت میں ہونا چاہئے جس کے سبب تم قبولیت دعا کے مستحق قرار پاؤ مثلاً اچھے کام میں مشغولیت اور برے کاموں سے اجتناب ہو دعا کی جو شرائط ہیں ان کی رعایت ہو رہی ہو مثلاً توجہ الی اللہ، حضور قلب اور اخلاص حاصل ہو۔ آخری بات یہ کہ تمہارے قلب پر قبولیت کا یقین و اعتماد، عدم قبولیت کی مایوسی پر غالب ہو۔ یا پھر مراد یہ ہے کہ دعا کے وقت تمہیں یہ کامل اعتماد حاصل ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وسیع و لامحدود فضل کی بناء پر تمہیں مایوس اور نا امید نہیں کرے گا اور تمہاری دعا ضرور قبول ہوگی۔

دعا کے وقت ہاتھوں کا رخ

(۱۹) وَعَنْ مَالِكِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوْهُ بِبُطُوْنِ اَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْأَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَلُوا اللّٰهَ بِبُطُوْنِ اَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْأَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا فَإِذَا فَرَغْتُمْ فَامْسَحُوْا بِهَا وُجُوْهَكُمْ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت مالک بن یسارؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس وقت تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اس سے اپنے ہاتھوں کے اندرونی رخ کے ذریعے مانگو اس سے اپنے ہاتھوں کے اوپر کے رخ کے ذریعہ نہ مانگو۔" ایک اور روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے ہاتھوں کے اندرونی رخ کے ذریعہ مانگو اور جب تم دعا سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیر لو تاکہ وہ برکت جو ہاتھوں پر اترتی ہے منہ کو بھی پہنچ جائے۔" (ابوداؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ دعا مانگتے وقت جب ہاتھوں کو اٹھاؤ تو ان کو اس طرح رکھو کہ ہاتھوں کے اندر کا رخ یعنی ہتھیلیاں منہ کے سامنے رہیں جیسا کہ دعا کے وقت کا معمول ہے ہاتھوں کو الٹ کر دعا نہ مانگو حالت استسقاء اس حکم سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس وقت ہاتھوں کو الٹ کر ہی دعا مانگنا منقول ہے چنانچہ اسے باب الاستسقاء میں بیان کیا جا چکا ہے۔

ہاتھوں کی لاج رکھتا ہے

(۲۰) وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

"اور حضرت سلمانؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تمہارا پروردگار بہت حیا مند ہے یعنی وہ حاجت مندوں کا سا معاملہ کرتا ہے) وہ بغیر مانگے دینے والا ہے اور وہ اپنے بندہ سے حیا کرتا ہے کہ اسے خالی ہاتھ واپس کرے جب کہ اس کا بندہ اس کی طرف (دعا کے لئے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے۔" (ترمذی، ابوداؤدؒ، بیہقی)

دعا کے بعد اٹھے ہوئے ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیرنا سنت ہے

(۲۱) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ لَمْ يَحُطَّهُمَا حَتّٰى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ۔ (رواه الترمذی)

"اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب دعا میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تو انہیں اس وقت تک نہ رکھتے جب تک کہ اپنے منہ پر نہ پھیر لیتے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھانا اور پھر دعا کے بعد انہیں اپنے منہ پر پھیرنا سُنّت ہے۔

آنحضرت ﷺ جامع دعائیں پسند کرتے تھے

(۲۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الْجَوَامِعَ مِنَ الدُّعَاءِ وَيَدَعُ مَاسِوٰى ذٰلِكَ. (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ ان دعاؤں کو پسند فرماتے تھے جو جامع ہیں اور ان دعاؤں کو چھوڑ دیتے تھے جو جامع نہیں ہیں۔" (ابوداؤد)

تشریح: "جامع دعا" اس کو کہتے ہیں جس میں الفاظ تو کم ہوں مگر وہ دنیاوی اور اخروی امور کے بہت زیادہ معنی و مقصد پر حاوی ہو جیسے یہ دعائیں ہیں:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھلائی عطا کر اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔"

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْاَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِى الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

"اے اللہ! میں تجھ سے دین میں دنیا میں اور آخرت میں عفو و عافیت مانگتا ہوں۔"

اسی قسم کی اور بھی بہت سی جامع دعائیں ہیں جو احادیث میں منقول ہوئی ہیں۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ایسی دعاؤں کو ترک کئے ہوئے تھے جو جامع نہیں ہیں بلکہ کسی خاص مطلب و مقصد ہی کے بارہ میں ہیں مثلاً یہ دعا۔ اُرْزُقْنِی زَوْجَةً حَسَنَةً (اے اللہ) مجھے اچھی بیوی عطا فرما۔ لیکن اتنی بات ملحوظ رہے کہ یہ آپ ﷺ کی اکثر عادت کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ اکثر اور بہت زیادہ وہی دعائیں مانگتے تھے جو جامع ہیں ورنہ تو کبھی کبھی کسی خاص مطلب کے لئے بھی آپ ﷺ کا دعا مانگنا ثابت ہے۔

غائبانہ دعا جلد قبول ہوتی ہے

(۲۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَاءِ اِجَابَةً دَعْوَةُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بہت جلد قبول ہونے والی وہ دعا ہے جو غائب غائب کے لئے کرے۔" (ترمذی و ابوداؤد)

تشریح: جو شخص کسی کے لئے اس کی عدم موجودگی میں یعنی غائبانہ دعا کرتا ہے تو وہ دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے کیونکہ ایسی دعائیں کسی کو دکھانے سنانے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ خلوص ہی خلوص ہوتا ہے۔

اچھے لوگوں سے طلب دعا

(۲۴) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اسْتَاْذَنْتُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْعُمْرَةِ فَاَذِنَ لِیْ وَقَالَ اَشْرِكْنَا يَا اُخَیَّ فِیْ

دُعَائِكَ وَلَا تَنْسَنَا فَقَالَ كَلِمَةً مَا يَسُرُّنِي اَنَّ لِي بِهَا الدُّنْيَا۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهُ عِنْدَ قَوْلِهِ وَلَا تَنْسَنَا۔

"اور حضرت عمر بن خطاب راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نبی کریم ﷺ سے ادائیگی عمرہ کے لئے اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت عطا فرمائی اور فرمایا کہ "اے میرے چھوٹے بھائی اپنی دعا میں ہمیں بھی شریک کر لینا اور دعا کے وقت مجھے نہ بھولنا! حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایسا کلمہ ارشاد فرمایا کہ اگر اس کے بدلہ میں مجھے تمام دنیا بھی دے دی جائے تو مجھے خوشی نہ ہوگی ابوداؤد (امام ترمذی) نے اس روایت کو لفظ وَلَا تَنْسَنَا پر ختم کر دیا ہے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ کا ارشاد فرمودہ وہ کلمہ جس کے بدلہ میں پوری دنیا حاصل کرنا بھی حضرت عمرؓ کے لئے باعث خوشی نہ ہوتا کیا تھا؟ اس بارہ میں دو احتمال ہیں ہوسکتا ہے کہ اس کلمہ سے مراد آنحضرت ﷺ کا یہی ارشاد ہو سکتا ہے جو انہوں نے حضرت عمرؓ سے ان کی عمرہ کے لئے روانگی کے وقت فرمایا "یعنی دعا میں شریک کرنا اور دعا کے وقت نہ بھولنا "لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر کوئی اور بات ارشاد فرمائی ہوگی۔ جو حضرت عمرؓ کے نزدیک تمام دنیا سے بھی زیادہ قیمتی اور گرانمایہ تھی اور اس بات کو یہاں حدیث میں نقل نہیں کیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے دعا کے لئے جو درخواست کی اس سے نہ صرف یہ کہ ذات نبوت کی طرف سے مرتبہ عبودیت اور مقام بندگی میں اپنے عجز اور اپنی مسکینی کا اظہار ہے بلکہ اس طرح اُمت کے لوگوں کو اس بات کی ترغیب بھی دلائی گئی ہے کہ خدا کے نیک اور عابد بندوں اور اچھے لوگوں سے دعاء خیر کی جائے چاہے کہ وہ مرتبہ کے لحاظ سے اپنے سے کم تر ہی کیوں نہ ہوں نیز اس موقع پر آپ ﷺ نے اس لطیف انداز میں گویا اُمت کو اس بات سے بھی آگاہ کر دیا کہ اپنی دعا کو صرف اپنی ذات ہی کے لئے مخصوص نہ کیا جائے بلکہ اپنی دعاؤں میں اور خاص طور پر ان دعاؤں میں جو مقام قبولیت پر مانگی جائیں اپنے عزیز و اقرباء اور اپنے دوستوں کو بھی شامل کیا جائے۔"

اور آخر میں ایک بات یہ بھی کہ اس حدیث سے حضرت عمر فاروقؓ کی عظمت و بزرگی کا اظہار ہوتا ہے آپ ﷺ نے ان سے دعا کی درخواست کر کے گویا ان کی عظمت و بزرگی اور ان کی فضیلت کی تصدیق کی۔

وہ خوش قسمت جن کی دعائیں رد نہیں ہوتیں

(۲۵) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمُ الصَّائِمُ حِيْنَ يُفْطِرُ وَ الْاِمَامُ الْعَادِلُ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَيَفْتَحُ لَهَا اَبْوَابَ السَّمَاءِ وَيَقُوْلُ الرَّبُّ وَعِزَّتِي لَاَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ۔ (رواه الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرۃ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تین شخص ہیں جن کی دعا رد نہیں ہوتی (۱) روزہ دار جب وہ افطار کرتا ہے (یعنی روزہ دار جب افطار کرتے وقت دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے کیونکہ وہ عبادت کی ادئیگی کے بعد ہوتی ہے اور یہ کہ اس وقت عاجزی اور مسکینی کا پیکر ہوتا ہے (۲) لوگوں کا سردار حاکم جو عدل و انصاف کرے (کیونکہ حدیث میں منقول ہے ایک ساعت کا عدل ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے اس لئے اس فضیلت و شرف کی وجہ سے عادل سردار و حاکم کی دعا قبول ہوتی ہے (۳) مظلوم کی دعا جب مظلوم دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو بادلوں کے اوپر اٹھاتا ہے اور اس دعا کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور پروردگار فرماتا ہے کہ "قسم ہے مجھے اپنی عزت کی" میں تیری مدد ضرور کروں گا اگرچہ وہ کچھ مدت بعد ہی ہو (یعنی تیرا حق ضائع نہیں کروں گا اور تیری دعا کو رد نہیں کروں گا اگرچہ مدت دراز گزر جائے۔" (ترمذی)

تشریح: مظلوم کی دعا کو بادلوں کے اوپر اٹھانا اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازوں کا کھلنا دراصل کنایہ ہے اس بات سے کہ مظلوم کی

دعا اوپر پہنچتی ہے اور جلد قبول ہوتی ہے۔

(۲۶) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيْهِنَّ دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں تین دعائیں قبول کی جاتی ہیں ان کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ایک تو باپ کی دعا، دوسری مسافر کی دعا اور تیسری مظلوم کی دعا۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: باپ کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ باپ اپنی اولاد کے حق میں خواہ دعا کرے یا بددعا دونوں جلد قبول ہو جاتی ہیں اور جب باپ کی دعا قبول ہوتی ہے تو ماں کی دعا بطریق اولیٰ قبول ہوتی ہے اگرچہ یہاں حدیث میں ماں کی دعا کے بارہ میں ذکر نہیں کیا گیا ہے لیکن بات یہی ہے کیونکہ ماں اپنی اولاد کے حق میں باپ کی بہ نسبت بہت زیادہ شفیق ہوتی ہے۔

"مسافر کی دعا" کے بارہ میں دو احتمال ہیں یا تو یہ کہ مسافر کی دعا اس شخص کے حق میں قبول ہوتی ہے جو اس کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرتا ہے اور اس کی بددعا اس شخص کے حق میں قبول ہوتی ہے جو اسے تکلیف و ایذاء پہنچاتا ہے اور اس کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے، یا پھر یہ کہ مسافر کی دعا مطلقاً قبول ہوتی ہے خواہ وہ اپنے لئے کرے یا دوسرے کے لئے "مظلوم کی دعا" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مظلوم کی مدد کرتا ہے یا اس کو تسلی و تسکین دلاتا ہے اور مظلوم اس کے حق میں دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے اسی طرح جو شخص مظلوم پر ظلم کرتا ہے یا جو شخص ظالم کی حمایت و تائید کر کے مظلوم کی ذہنی، روحانی اور جسمانی تکلیف و مصیبت میں اضافہ کرتا ہے اور مظلوم اس شخص کے حق میں بددعا کرتا ہے تو اس کی بددعا قبول ہوتی ہے۔ اسی طرح جو شخص ظالم کی حمایت و تائید کر کے مظلوم کی ذہنی روحانی اور جسمانی تکلیف و مصیبت میں اضافہ کرتا ہے اور مظلوم اس کے حق میں بددعا کرتا ہے تو اس کی بددعا قبول ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ حاجت بھی خدا ہی کے سامنے پیش کرو

(۲۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَسْأَلْ اَحَدُكُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْأَلَهٗ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ مُرْسَلًا حَتّٰى يَسْأَلَهُ الْمِلْحَ وَحَتّٰى يَسْأَلَهٗ شِسْعَهٗ اِذَا انْقَطَعَ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی تمام حاجتیں اپنے پروردگار سے مانگے یہاں تک کہ اگر اس کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اسے بھی خدا سے مانگو۔ "ترمذیؒ" نے ایک اور روایت میں جو ثابت بنانی سے بطریق ارسال نقل کی ہے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ یہاں تک کہ نمک بھی اس سے مانگے اور اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اس سے مانگے۔"

(ترمذیؒ)

تشریح: مصنف مشکوۃ کو چاہئے تھا۔ کہ وزاد فی روایۃ کے بجائے یوں کہتے کہ رواہ الترمذی وزاد فی روایۃ دوسری روایت میں یہ جملہ حَتّٰى يَسْأَلَهٗ شِسْعَهٗ الخ اگر اس کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اسے بھی خدا ہی سے مانگے) مکرر ذکر کیا گیا ہے اور وہ اس لئے کہ یہ مکرر ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرے کہ خدا سے مانگنے میں کسی بھی مرحلہ پر سائل کے لئے کوئی رکاوٹ اور کسی بھی قسم کی کوئی محرومی نہیں ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے وہ جو کچھ بھی مانگتے ہیں خدا ان کو عطا کرتا ہے لہٰذا بندوں کو چاہئے کہ وہ اپنی ہر حاجت خواہ وہ کتنی ہی ادنیٰ سے ادنیٰ کیوں نہ ہو خدا ہی کے سامنے پیش کریں اسی سے اپنی ہر مراد مانگیں اسی کی اور صرف اسی کی ذات پر اعتماد کریں۔

ابوعلیؒ دقاق فرماتے ہیں کہ یہ بات معرفت کی نشانیوں میں سے ہے کہ اپنی ہر حاجت خواہ وہ بڑی سے بڑی ہو یا چھوٹی سے چھوٹی ہو اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے اس موقع پر انہوں نے حضرت موسیٰؑ کی بڑی عمدہ مثال پیش کی ہے کہ ایک طرف تو جب وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے مشتاق ہوئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ سب سے بڑی اور سب سے عظیم الشان درخواست پیش کی کہ:

رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ــ "اے میرے رب! مجھے دکھا کہ میں تیری طرف (یعنی تجھے) دیکھوں۔"

دوسری طرف جب وہ نان جویں کے بھی محتاج ہوئے تو پروردگار ہی سے عرض کیا:

رَبِّ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ــ "میرے پروردگار! تو نے میری طرف از قسم مال و رزق جو کچھ اتارے میں اس کے لئے محتاج ہوں۔"

دعا میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں؟

(۲۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ اِبْطَيْهِ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ دعا کے وقت اپنے ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے تھے کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔"

(۲۹) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ يَجْعَلُ اِصْبَعَيْهِ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ وَيَدْعُوْ۔

"اور حضرت سہل ابن سعدؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی دونوں انگلیوں یعنی دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے اپنے مونڈھوں کے برابر لے جاتے اور پھر دعا مانگتے۔"

تشریح: اس حدیث میں دعا کے وقت ہاتھوں کو اٹھانے کی جو مقدار بیان کی گئی ہے ہاتھوں کو اٹھانے کا یہی اوسط درجہ ہے اور آنحضرت ﷺ دعا کے وقت اکثر اپنے ہاتھوں کو اتنا ہی اٹھاتے تھے جہاں تک اس سے پہلی حدیث کا تعلق ہے کہ جس سے ہاتھوں کو زیادہ اوپر اٹھانا معلوم ہوتا ہے تو یہ صورت بعض اوقات پر محمول ہے یعنی جب دعا میں بہت ہی زیادہ استغراق، مبالغہ اور محویت منظور ہوتی تھی مثلاً استسقاء یا سخت آفات پر مصائب کے وقت تو آپ ﷺ اس موقع پر اپنے ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے تھے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔

آپ دعا کے بعد منہ پر ہاتھ اسی وقت پھیرتے جب ہاتھوں کو اٹھاتے

(۳۰) وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا دَعَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِيَدَيْهِ۔ رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

"اور سائب ابن یزید اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب دعا مانگتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تو اپنے منہ پر دونوں ہاتھوں کو پھیرتے۔" (مذکورہ بالا تینوں حدیثیں بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کی ہیں۔"

تشریح: علامہ طیبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ دعا کے بعد ہاتھوں کو منہ پر اسی وقت پھیرتے جب کہ دعا کے وقت ہاتھوں کو اٹھاتے اگر دعا کے وقت آپؐ ہاتھوں کو نہ اٹھاتے تو انہیں منہ پر پھیرتے بھی نہیں تھے لہٰذا نماز کی حالت میں طواف میں سونے کے وقت، کھانے کے بعد اور اسی طرح دیگر مواقع پر آپ ﷺ سے جو دعائیں اور دعاؤں کے وقت ہاتھوں کو نہ اٹھانا منقول ہے تو آپ ﷺ ان مواقع پر ہاتھوں کو منہ پر پھیرتے بھی نہیں تھے۔

دعا کا ادب

(۳۱) وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ الْمَسْأَلَةُ اَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ حَذْوَ مَنْكِبَيْكَ اَوْنَحْوَهُمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ اَنْ تُشِيْرَ بِاِصْبَعٍ وَاحِدَةٍ وَالْاِبْتِهَالُ اَنْ تَمُدَّ يَدَيْكَ جَمِيْعًا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ وَالْاِبْتِهَالُ هٰكَذَا وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَجَعَلَ ظُهُوْرَهُمَا مِمَّا يَلِيْ وَجْهَهٗ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "سوال (دعا) کرنے کا ادب طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے مونڈھوں کے برابر یا ان کے قریب تک اٹھاؤ استغفار کا ادب یہ ہے کہ تم اپنی انگلی کے ذریعہ اشارہ کرو اور دعا میں انتہائی عجز و مبالغہ اختیار کرنا یہ ہے کہ تم اپنے دونوں ہاتھوں کو اکٹھے دراز کرو یعنی اتنے اٹھاؤ کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگے۔" (ابوداؤدؒ)

ایک روایت میں یوں ہے کہ انہوں نے کہا "دعا میں انتہائی عاجزی کا اظہار اس طرح ہے اور یہ کہہ کر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ان کی پشت کو اپنے منہ کے قریب کیا (یعنی جس طرح کہ استغفار کے وقت ہاتھوں کو اٹھایا جانا منقول ہے) ابوداؤدؒ۔

تشریح: "ایک انگلی کے ذریعہ اشارہ کرو" میں انگلی سے مراد سبابہ ہے کہ جسے شہادت کی انگلی کہتے ہیں اور مقصود اس سے سبّ ہے یعنی نفس امارہ اور شیطان ملعون کو ملامت کرنا اور ان کی برائیوں سے پناہ مانگنا اس موقع پر "ایک" کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ دونوں انگلیوں سے اشارہ کرنا مکروہ ہے چنانچہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو دو انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ "ایک انگلی سے اشارہ کرو، ایک انگلی سے اشارہ کرو۔"

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے دعا میں انتہائی عجز کے اظہار کا طریقہ عمل کے ذریعہ بتایا چنانچہ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا زیادہ اٹھایا کہ بغلوں کی سفیدی ظاہر ہونے لگی اور ہاتھ سر کے برابر پہنچ گئے۔

ہر دعا کے وقت ہاتھوں کو بہت زیادہ اٹھانا بدعت ہے

(۳۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّ رَفْعَكُمْ اَيْدِيَكُمْ بِدْعَةٌ مَازَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى هٰذَا يَعْنِىْ اِلَى الصَّدْرِ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ "تمہارا اپنے ہاتھوں کو بہت زیادہ" اٹھانا بدعت ہے آنحضرت ﷺ اکثر اس سے زیادہ یعنی سینہ سے زیادہ اوپر نہیں اٹھاتے تھے۔" (احمدؒ)

تشریح: حضرت ابن عمرؓ نے ہاتھوں کو زیادہ اٹھانے کو بدعت اس لئے کہا کہ وہ لوگ اپنے ہاتھوں کو اکثر اوقات بہت ہی زیادہ اٹھانے لگے تھے اور حالات و مواقع میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے حالانکہ انہیں چاہئے تھا کہ وہ ایک مقصد کے لئے تو ہاتھوں کو سینہ تک اٹھاتے اور مونڈھوں تک دوسرے مقصد کے لئے، اسی طرح اور مقصد کے لئے مونڈھوں سے اوپر اٹھاتے۔

اس بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ یوں سمجھئے کہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ اٹھانے کی مقدار کا فرق حالات و مواقع کے اختلاف پر مبنی تھا کہ آپ ﷺ اکثر تو اپنے ہاتھ سینے تک اٹھاتے تھے، بعض مواقع پر مونڈھوں تک اٹھاتے اور کسی خاص موقع پر مونڈھوں سے اوپر بھی اٹھاتے تھے لیکن حضرت ابن عمرؓ نے جو لوگوں کو یہ تنبیہ کی وہ مواقع اور حالات کے اختلاف کو مد نظر نہیں رکھتے تھے بلکہ ہر موقع پر اور ہر دعا کے وقت اپنے ہاتھوں کو بہت ہی زیادہ اوپر اٹھانے لگے تھے اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے ان کے اس طرز عمل سے بیزاری کا اظہار کیا اور اسے سُنّت کے خلاف قرار دیا۔

کسی کے لئے دعا کرتے وقت اپنی ذات کو مقدم رکھو

(۳۳) وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَکَرَ اَحَدًا فَدَعَا لَہٗ بَدَاَ بِنَفْسِہٖ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ صَحِیْحٌ۔

"اور حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب کسی کا ذکر کرتے اور پھر اس کے لئے دعا کرتے (یعنی اس کے لئے دعا کرنے کا ارادہ کرتے) تو پہلے اپنے لئے دعا کرنا شروع کرتے اس کے بعد اس شخص کے لئے دعا کرتے امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب صحیح ہے۔"

تشریح: اس حدیث میں اُمت کے لئے تعلیم ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے لئے دعا کرے تو اپنے لئے دعا کرے پھر اس شخص کے لئے کرے مثلاً اس طرح دعا کرے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِفُلَانٍ — "اے اللہ میری اور فلاں شخص کی مغفرت فرما۔"

دعا کے نتیجے میں تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور حاصل ہوتی ہے

(۳۴) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَدْعُوْ بِدَعْوَۃٍ لَیْسَ فِیْھَا اِثْمٌ وَلَا قَطِیْعَۃُ رَحِمٍ اِلَّا اَعْطَاہُ اللّٰہُ بِھَا اِحْدٰی ثَلَاثٍ اِمَّا اَنْ یُّعَجِّلَ لَہٗ دَعْوَتَہٗ وَاِمَّا اَنْ یَّدَّخِرَھَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ وَاِمَّا اَنْ یَّصْرِفَ عَنْہُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَھَا قَالُوْا اِذًا نُکْثِرُ قَالَ اللّٰہُ اَکْثَرُ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو بھی مسلمان کوئی دعا مانگتا ہے ایسی دعا کہ اس میں نہ تو گناہ کی کسی چیز کی طلب ہو اور نہ ناتہ توڑنے کی تو اللہ تعالیٰ اسے اس دعا کے نتیجے میں تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور دیتا ہے یا تو یہ کہ جلدی ہی اس کا مطلوب عطا فرما دے یا یہ کہ اس کے لئے اس دعا کو ذخیرۂ آخرت بنا دے "کہ دنیا میں اس کا مطلوب حاصل نہ ہونے کی صورت میں اس کے عوض آخرت میں اجر عطا کرتے) یا یہ کہ اسے اس کی دعا کے بقدر برائی سے بچائے" صحابہؓ نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم تو اب بہت زیادہ دعائیں مانگیں گے کیونکہ ہمیں دعا کے بڑے فائدے معلوم ہوگئے آپ نے فرمایا "اللہ کا فضل بہت زیادہ ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: "اللہ تعالیٰ کا فضل بہت زیادہ ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تمہاری دعا کے نتیجہ میں تمہیں جو کچھ عطا فرماتا ہے اس کے مقابلہ میں وہ کہیں زیادہ ہے جو وہ تمہیں مانگے بغیر محض اپنے بے پایاں فضل اور وسیع کرم سے دیتا ہے۔

وہ پانچ دعائیں جو رد نہیں ہوتیں

(۳۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسُ دَعَوَاتٍ یُسْتَجَابُ لَھُنَّ دَعْوَۃُ الْمَظْلُوْمِ حَتّٰی یَنْتَصِرَ وَدَعْوَۃُ الْحَاجِّ حَتّٰی یَصْدُرَ وَدَعْوَۃُ الْمُجَاھِدِ حَتّٰی یَقْعُدَ وَدَعْوَۃُ الْمَرِیْضِ حَتّٰی یَبْرَأَ وَدَعْوَۃُ الْاَخِ لِاَخِیْہِ بِظَھْرِ الْغَیْبِ ثُمَّ قَالَ وَاَسْرَعُ ھٰذِہِ الدَّعْوَاتِ اِجَابَۃً دَعْوَۃُ الْاَخِ بِظَھْرِ الْغَیْبِ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا پانچ دعائیں ہیں جنہیں شرف قبولیت سے نوازا جاتا ہے ① مظلوم کی دعا یہاں تک کہ وہ ظالم سے اپنے ہاتھ سے یا اپنی زبان کے ذریعہ بدلہ لے لے۔ ② حاجی کی دعا یہاں تک کہ وہ اپنے شہر اور اپنے اہل و عیال کے پاس واپس آجائے یا حج سے فارغ ہو جائے ③ جہاد کرنے والے کی دعا یا طلب علم و عمل میں سعی و کوشش کرنے والے کی دعا) یہاں تک کہ وہ جہاد و سعی و کوشش سے فارغ ہو کر بیٹھ جائے) ④ مریض کی دعا یہاں تک کہ وہ اچھا ہو جائے یا مر جائے ⑤ ایک بھائی کی اپنے بھائی کے لئے غائبانہ دعا۔" پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا "ان دعاؤں میں سب سے جلدی قبول ہونے والی ایک بھائی کی

اپنے بھائی کے لئے غائبانہ دعا ہے۔"

بَابُ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالتقرب الی اللّٰهِ
ذکر اللہ اور تقرب الی اللہ کا بیان

تقرب الی اللہ یعنی خدا کا قرب و نزدیکی حاصل کرنے سے "ذکر اللہ کے ذریعے خدا کا تقرب حاصل کرنا" بھی مراد ہوسکتا ہے "اور نوافل کے ذریعہ خدا کا تقرب حاصل کرنا بھی مراد ہوسکتا ہے۔

ذکر اللہ کی قسمیں

ذکر اللہ (اللہ کا ذکر) دل سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی اور افضل یہ ہے کہ دل اور زبان دونوں سے اللہ کا ذکر ہو اور اگر ان میں سے کسی ایک سے ہو تو پھر دل کا ذکر افضل ہے، اب ذکر بالقلب (دل سے اللہ کے ذکر) کی بھی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو یہ ہے "خدا کی عظمت میں، جبروت و ملکوت میں اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں جو زمین و آسمان میں ہیں، غور و فکر اور "استغراق!" اس قسم کے ذکر کو ذکر خفی کہتے ہیں۔

حدیث شریف میں منقول ہے کہ وہ ذکر خفی ستر درجہ افضل ہے جسے حفظہ (یعنی اعمال لکھنے والے فرشتے) بھی نہیں سنتے چنانچہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو حساب کتاب کے لئے جمع کرے گا تو حفظہ (اعمال لکھنے والے فرشتے) وہ تمام ریکارڈ لے کر حاضر ہوں گے جنہیں انہوں نے اپنی نوشت اور یادداشت میں محفوظ کر رکھا ہو گا وہ تمام ریکارڈ دیکھ کر اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ دیکھو میرے بندوں کے اعمال میں اور کیا چیز باقی رہ گئی ہے (جو تمہارے اس ریکارڈ میں نہیں ہے) وہ عرض کریں گے! پروردگار! بندوں کے اعمال کے سلسلہ میں جو کچھ بھی ہمیں معلوم ہوا اور جو کچھ بھی ہم نے یاد رکھا ہم نے اسے اس ریکارڈ میں جمع کر دیا ہے، اس ریکارڈ میں ہم نے ایسی کوئی چیز محفوظ کرنے سے نہیں چھوڑی جس کی ہمیں خبر ہوئی تب اللہ تعالیٰ بندہ کو مخاطب کر کے فرمائے گا کہ میرے پاس تیری ایسی نیکی محفوظ ہے جسے کوئی نہیں جانتا اور وہ ذکر خفی ہے میں تجھے اس نیکی کا اجر عطا کروں گا۔"

ذکر بالقلب کی دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو احکام دیئے ہیں خواہ ان کا تعلق امر (کرنے) سے ہو یا نہی (نہ کرنے سے) ان کی ادائیگی کے وقت آنے پر اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے۔ ذکر بالقلب کی ان دونوں قسموں میں پہلی قسم افضل و اعلیٰ ہے بعض فقہاء کہتے ہیں کہ ذکر کا اطلاق صرف زبان کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے پر ہوتا ہے اور قول مختار کے مطابق اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ "وہ اپنے تئیں سنائے۔ یعنی ذکر کرنے والے کی زبان کم سے کم اس درجہ میں جاری ہو کہ وہ خود سن لے ان فقہاء کے کہنے کے مطابق اس درجہ سے کم کا ذکر معتبر نہیں۔ نیز یہ فقہاء یہ کہتے ہیں کہ دل کے ذکر کی حیثیت از قسم علم و تصور قلب کے فعل کی تو ہے، لیکن اسے ذکر نہیں کہیں گے۔ ذکر اسی کو کہیں گے جس کا تعلق زبان کی ادائیگی سے ہو۔ اب نہیں کہا جاسکتا کہ اس بات سے ان فقہاء کا مقصود کیا ہے؟ اگر مطلب یہ ہے کہ لغوی طور پر "فعل قلب پر" ذکر کا اطلاق نہیں ہوتا تو یہ بات اس چیز کے خلاف ہے جو لغت کی کتابوں میں موجود ہے چنانچہ صحاح اور قاموس میں لکھا ہے کہ "ذکر نسیان کی ضد ہے" اور ظاہر ہے کہ یہ خود قلب کا فعل ہے کیونکہ جس طرح نسیان (بھول) کا تعلق قلب سے ہے اسی طرح اس کی ضد یعنی ذکر (یاد) کا تعلق بھی قلب ہی سے ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ جو کچھ زبان سے ادا ہوتا ہے اسے بھی ذکر کہا جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ لفظ ذکر فعل قلب اور فعل لسان دونوں کے درمیان مشترک ہے جس طرح فعل قلب کو ذکر کہتے ہیں اسی طرح فعل لسان کو بھی ذکر کہا جاتا ہے لہٰذا جیسے ذکر باللسان معتبر ہے ایسے ہی ذکر بالقلب بھی معتبر ہے بلکہ ذکر بالقلب ہی افضل ہے۔ مشائخ طریقت رحمہم

اللہ بھی فرماتے کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں قلبی اور لسانی اور ذکر قلبی کا اثر لسانی کے اثر سے کہیں زیادہ قوی اور افضل ہے۔
جن فقہاء نے ذکر قلبی کا انکار کیا ہے ہوسکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ شریعت نے جن مواقع پر ذکر باللسان کی تعلیم دی ہے جیسے تسبیحات، قرأت نماز اور نماز کے بعد کے اذکار و اوراد وغیرہ تو وہاں قلبی ذکر کافی نہیں ہوتا بلکہ لسانی ذکر ہونا چاہئے ان فقہاء کی مراد یہ نہیں ہے کہ ذکر قلبی پر اخروی ثواب مرتب نہیں ہوتا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

ذکر کرنے والوں کی فضیلت

① وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاَبِیْ سَعِیْدٍ قَالاَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ اِلاَّ حَفَّتْهُمُ الْمَلاَئِکَةُ وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّکِیْنَةُ وَذَکَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْمَنْ عِنْدَهٗ (رواہ مسلم)

"حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ دونوں راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب بھی کوئی جماعت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھتی ہے تو ان کو وہ فرشتے گھیر لیتے ہیں (جو راستوں پر اہل ذکر کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں) ان کو رحمت اپنی آغوش میں لے لیتی ہے (وہ خاص رحمت جو ذَاکِرِیْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ کے لئے مخصوص ہے) ان پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان ذکر کرنے والوں کا تذکرہ اپنے پاس والوں (یعنی ملائکہ مقربین اور ارواح انبیاء) میں کرتا ہے۔" (مسلم)

تشریح: "سکینہ" دل کے سکون و اطمینان اور خاطر جمعی کا نام ہے جس کے باعث دنیا کی لذتوں کی خواہش اور ماسوا اللہ کی لذت و طلب دل سے نکل جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں استغراق و استحضار اور اس کی طرف توجہ کی سعادت نصیب ہوتی ہے سکینہ کا نازل ہونا اس آیت سے بھی ثابت ہے:

اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ — "آگاہ! اللہ کے ذکر کے ذریعہ قلوب کو اطمینان و سکون حاصل ہوتا ہے۔"

② وَعَنْهُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسِیْرُ فِیْ طَرِیْقِ مَکَّةَ فَمَرَّ عَلٰی جَبَلٍ یُقَالُ لَهٗ جُمْدَانُ فَقَالَ سِیْرُوْا هٰذَا جُمْدَانُ سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ قَالُوْا وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الذَّاکِرُوْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّالذَّاکِرَاتُ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ مکہ کے راستہ پر چلے جارہے تھے کہ ایک پہاڑ کے پاس سے گزرے جس کا نام جمدان تھا آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا "چلے چلو یہ جمدان ہے، مفردون سبقت لے گئے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مفردون کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ مرد جو اللہ کو بہت یاد کریں۔ اور وہ عورتیں جو اللہ کو بہت یاد کریں۔" (مسلم)

تشریح: ما المفردون۔ (مفردون کون ہیں؟" درحقیقت صحابہؓ نے صفت کے بارہ میں سوال کیا کہ مفردون کی صفت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے اپنے مذکورہ بالا جواب کے ذریعہ مفردون کی صفت کی طرف اشارہ کیا کہ حقیقی تنہائی جو لائق اعتبار ہے وہ اللہ کی یاد کے لئے نفس کی تنہائی ہے"

منقول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ سے آتے ہوئے اپنے رفقاء سمیت جمدان پہاڑ کے پاس پہنچے جو مدینہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے تو صحابہؓ کو اپنے گھر جلد سے جلد پہنچنے کا اشتیاق ہوا۔ چنانچہ بعض صحابہؓ اپنے بقیہ ہم قافلہ لوگوں سے جدا ہو کر تیزی سے آگے بڑھ گئے تاکہ وہ دوسروں سے پہلے ہی اپنے وطن پہنچ جائیں جو صحابہؓ پیچھے رہ گئے تھے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ گھر قریب آپہنچا ہے جلد چلو کیونکہ مفردون (یعنی قافلہ سے الگ ہوجانے والے آگے پہنچ گئے ہیں اسی موقع پر صحابہؓ نے مفردوں کی صفت پوچھی۔ آپ ﷺ نے جو جواب دیا اس کا حاصل یہ تھا کہ ان مفردون (یعنی اس وقت ہم سے آگے نکل گئے ہیں) کے بارہ میں کیا پوچھتے ہو؟ ان کا مطلب تو ظاہر

ہی ہے کہ یہ لوگ گھر جلد پہنچنے کے لئے ہم سے سبقت لے گئے ان لوگوں کے بارہ میں پوچھو جو نیکیوں میں سبقت لے جاتے ہیں تو سنو کہ نیکیوں میں سبقت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر کے لئے تنہاء اور علیحدہ کرتے ہیں یعنی وہ لوگوں سے منقطع ہو کر اور گوشہ نشینی اختیار کر کے اکثر ذکر اللہ میں مشغول رہتے ہیں۔

"اللہ کو بہت یاد کرنے" سے مراد یہ ہے کہ بغیر کسی غفلت و کوتاہی کے ذکر اللہ پر ہمیشگی اختیار کرے اگر کوئی غفلت و کوتاہی ہو بھی جائے تو اسے فوراً ختم کر کے ذکر اللہ میں مشغول ہو جائے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد اور صبح و شام، سوتے بیٹھتے اور اسی طرح حدیث میں منقول دوسرے مواقع پر ذکر کرنے سے کثرت ذکر "اللہ کو بہت یاد کرنے) کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

ذکر کرنے والے اور ذکر نہ کرنے والے کی مثال

(۳) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابو موسیٰؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے پروردگار کو یاد کرتا ہے اور جو شخص اپنے پروردگار کو یاد نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ شخص اور مردہ شخص کی سی ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ذکر اللہ ذاکر کے قلب کی حیات ہے اور اس سے غفلت قلب کی موت ہے اور جس طرح کہ زندہ شخص اپنی زندگی سے بہرہ ور ہوتا ہے اسی طرح ذکر کرنے والا اپنے عمل سے بہرہ ور ہوتا ہے اور جس طرح مرنے کے بعد مردہ کو اپنی زندگی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اسی طرح ذکر اللہ سے غافل رہنے والا اپنے عمل سے بہرہ مند نہیں ہوتا کسی نے خوب کہا ہے ؎

زندگانی نتواں گفت حیاتے کہ مراست زندہ آنست کہ با دوست وصالے دارد

ذکر تقرب الٰہی کا باعث

(۴) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاٍ خَیْرٍ مِّنْھُمْ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارہ میں رکھتا ہے جب وہ دل سے یا زبان سے مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں پس اگر وہ اپنے ذات میں یعنی خفیہ طور پر اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنی ذات میں یاد کرتا ہوں یعنی نہ کہ اس کو صرف پوشیدہ طور پر ثواب دیتا ہوں بلکہ اس کو از خود ثواب دیتا ہوں ثواب دینے کا کام کسی اور کے سپرد نہیں کرتا اگر وہ مجھے جماعت میں (یعنی ظاہری طور پر) یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ (میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں) کا مطلب یہ ہے کہ میرا بندہ میری نسبت جو گمان و خیال رکھتا ہے میں اس کے لئے ایسا ہی ہوں اور اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جس کی وہ مجھ سے توقع رکھتا ہے اگر وہ مجھ سے عفو و معافی کی امید رکھتا ہے تو اس کو معافی دیتا ہوں اور اگر وہ میرے عذاب کا گمان رکھتا ہے تو پھر عذاب دیتا ہوں۔

اس ارشاد کے ذریعہ گویا ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کی امید اس کے عذاب کے خوف پر غالب ہونی چاہئے اور اس کے بارہ میں اچھا گمان رکھنا چاہئے کہ وہ مجھے اپنی بے پایاں بخشش اور لامحدود رحمت سے نوازے گا۔ ایک

روایت میں مذکور ہے کہ اللہ ایک شخص کو دوزخ میں لے جانے کا حکم کرے گا جب اسے کنارہ دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا تو وہ عرض کرے گا کہ "اے میرے رب تیرے بارے میں میرا گمان اچھا تھا" اللہ تعالیٰ فرمائے گا "کہ اس کو واپس لے آؤ میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارہ میں رکھتا ہے۔" امید کا مطلب اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ عمل کیا جائے اور پھر بخشش کا امیدوار رہے بغیر عمل صرف امید ہی پر تکیہ کر لینا ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا ہے یعنی ایسی امید کا کوئی فائدہ نہیں۔" جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو شخص میری یاد میں مشغول رہتا ہے تو میں اسے مزید نیکیوں اور بھلائیوں کی توفیق دیتا ہوں اس پر رحمت نازل کرتا ہوں اور اس کی مدد و حفاظت کرتا ہوں۔

خدا کی طرف بندہ کی تھوڑی سی توجہ بندہ کی طرف خدا کی زیادہ توجہ کا باعث

⑤ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا وَاَزِیْدُ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَجَزَاءُ سَیِّئَۃٍ مِثْلُھَا اَوْ اَغْفِرُ وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْہُ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْہُ بَاعًا وَمَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً وَمَنْ لَقِیَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطِیْئَۃً لَا یُشْرِكُ بِیْ شَیْئًا لَقِیْتُہٗ بِمِثْلِھَا مَغْفِرَۃً (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اس کو اس جیسی دس نیکیوں کے برابر ثواب ملتا ہے اور اس سے زیادہ بھی دیتا ہوں جس کو چاہتا ہوں اس کو اس سے صدق و اخلاص کی مطابق سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب دیتا ہوں) جو شخص کوئی برائی کرتا ہے تو اس کو اسی برائی کے برابر سزا ملتی ہے یا میں اسے بھی معاف کر دیتا ہوں) جو شخص اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعے ایک بالشت (یعنی بقدر قلیل) میری طرف آتا ہے تو میں ایک گز اس کی طرف آتا ہوں (یعنی میں اس کی توجہ و التفات سے کہیں زیادہ اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھولتا ہوں جو شخص میری طرف ایک گز آتا ہے میں اس کی جانب دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کے برابر بڑھتا ہوں۔ جو شخص میری طرف اپنی چال سے آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں اور جو شخص زمین کے برابر بھی گناہ لے کر مجھ سے ملے گا بشرطیکہ اس نے میرے ساتھ شریک نہ کیا ہو یعنی شرک میں مبتلا نہ ہو تو اگر میں چاہوں گا) اگر میں چاہوں گا تو اس کو زمین کے برابر ہی مغفرت عطا کروں گا۔" (مسلم)

تشریح: اللہ تعالیٰ کتنا رحیم و کریم ہے اس کی رحمت کتنی وسیع ہے اپنے بندوں پر وہ کتنا مہربان ہے اس کی شان عفو کس قدر بے پایاں ہے اور اس کا فضل کس قدر بے کراں ہے اس کا ایک ہلکا سا اندازہ اس حدیث سے ہو جاتا ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر بندہ خدا کی طرف تھوڑی سی بھی توجہ اور رجوع کرتا ہے تو اس کی طرف بارگاہ الٰہی سے اس کی توجہ کہیں زیادہ توجہ، التفات اور رحمت اس کی طرف منعطف ہوتی ہے۔

تقرب الٰہی کا ثمرہ

⑥ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُہٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَکْرَہُ الْمَوْتَ وَاَنَا اَکْرَہُ مَسَاءَتَہٗ وَلَا بُدَّ لَہٗ مِنْہُ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے ولی کو ایذا پہنچاتا ہے تو میں اس کے ساتھ اپنی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں اور میرا کوئی بندہ (مؤمن) میرا تقرب (اعمال میں سے) ایسی کسی چیز کے ذریعہ حاصل نہیں کرتا جو میرے نزدیک ہو جیسے ادائیگی فریضہ کے ذریعہ میرا تقرب حاصل ہے ہمیشہ نوافل کے ذریعہ (یعنی ان طاعات و عبادات کے ذریعہ جو فرائض کے علاوہ اور فرائض سے زائد ہیں میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا دوست بنالیتا ہوں۔ (کیونکہ وہ فرائض و نوافل دونوں کو اختیار کرتا ہے) اور جب میں اسے اپنا دوست بنالیتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ سنتا ہے میں اس کی بینائی بن جاتا ہوں وہ اسی کے ذریعہ دیکھتا ہے میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ پکڑتا ہے میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور وہ برائیوں اور مکروہات سے میری پناہ چاہتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں اور جس کام کو میں کرنے والا ہوں اس میں اس طرح تردد نہیں کرتا جس طرح کہ میں بندہ مؤمن کی جان قبض کرنے میں تردد کرتا ہوں کیونکہ وہ موت کو پسند نہیں کرتا حالانکہ اس کی ناپسندیدگی کو میں ناپسند کرتا ہوں اور موت سے کسی حال میں مفر نہیں ہے۔" (بخاری)

تشریح: فقد اذنته بالحرب کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ترجمہ سے ظاہر ہے یعنی جو شخص میرے ولی کو ایذا پہنچاتا ہے اس کی اس انتہائی قابل نفرین حرکت کی وجہ سے میں اس کے ساتھ اپنی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں یا مطلب یہ کہ میں اپنے ساتھ اس کی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں پس وہ شخص میرے ولی کو ایذا پہنچا کر گویا مجھ سے لڑنے والا ہے ائمہ کہتے ہیں کہ ایسا کوئی گناہ نہیں ہے کہ جس کے مرتکب کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ اس سے اعلان جنگ کرتا ہے علاوہ اس گناہ یعنی خدا کے کسی محبوب بندہ اور ولی کو ایذا پہنچانے کے اور سود کھانے کے، سود کھانے والوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ پس اگر تم اس سے باز نہیں آتے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ دونوں گناہ نہایت ہی قابل نفرین اور بدترین ہیں اور ان دونوں میں دنیا اور آخرت دونوں کی مکمل تباہی کا خطرہ ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بندہ سے اللہ کی لڑائی اس کے خاتمہ بد پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جس سے اللہ تعالیٰ لڑا وہ کبھی فلاح و نجات نہیں پاسکتا۔ "جو میں نے اس پر فرض کی ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بھی چیزیں میں نے اس پر واجب کی ہیں یعنی اوامر (یعنی جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی فرمانبرداری) اور مناہی (یعنی جن چیزوں کے بچنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے اجتناب ان چیزوں کو اختیار کر کے جو بندہ اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے وہ سب سے زیادہ محبوب ہے ان چیزوں کے برابر اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کو اختیار کر کے بندہ اس درجہ کا تقرب حاصل کر سکے "میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں الخ اس بارہ میں علامہ خطابیؒ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس بندہ پر ان افعال و اعمال کو آسان کر دیتا ہوں جن کا تعلق ان اعضاء سے ہے اور اس کو ان اعمال و افعال کے کرنے کی توفیق دیتا ہوں یہاں تک گویا وہ اعضاء ہی بن جاتا ہوں۔

بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کے حواس اور اس کے اعضاء کو اپنی رضا و خوشنودی کا وسیلہ بنا دیتا ہے چنانچہ وہ بندہ اپنے کان سے صرف وہی بات سنتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے یا اسی طرح وہ اپنی آنکھ سے صرف انہیں چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ بعض حضرات اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت اس بندہ پر اپنی محبت غالب کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسی چیز کو دیکھتا ہے جس کو اللہ پسند کرتا ہے اور وہ اس چیز کو سنتا ہے جس کو اللہ پسند کرتا ہے اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ اس کا مددگار کارساز ہوتا ہے اور اس کے کان، اس کی آنکھ، اس کے ہاتھ اور اس کے پاؤں کو ان چیزوں سے بچاتا ہے جنہیں وہ پسند نہیں کرتا۔ "میں تردد کرتا ہوں" یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنی اس عنایت کے سبب جو اس بندہ کے شامل حال ہوتی ہے اس کی زندگی ختم کرنے میں تردد کرتا ہوں کیونکہ موت اس کے لئے کوئی پسندیدہ شے نہیں ہوتی لیکن موت سے چونکہ مفر نہیں اور یہ طے شدہ امر ہے کہ اس دنیا میں جو بھی جاندار آیا ہے اس کو موت کی آغوش میں ضرور ہی جانا ہے اس لئے اس کو موت دیتا ہوں پھر یہ کہ اس کی موت

بھی اس کے لئے بھلائی کا ہی سبب ہوتی ہے کیونکہ وہ موت کے بعد ہی عظیم الشان سعادتوں اور درجات عالیہ کو پہنچتا ہے مثلاً حضور باری تعالیٰ اور جنت وغیرہ کی لازوال نعمتیں موت کے بعد ہی حاصل ہوتی ہیں۔ اس موقع پر یہ بات جان لیجئے کہ تردد کے معنی ہیں ایسی دو چیزوں کے درمیان تحیر اور پس وپیش کرنا جن کے بارہ میں یہ یقینی علم نہ ہو کہ ان دونوں میں سے کون سی چیز زیادہ بہتر ہے" ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات پر "تردد کے اس معنی کا اطلاق قطعاً ناممکن اور محال ہے لہٰذا حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اپنے کسی فیصلہ کو پورا کرنے میں اس طرح تاخیر و توقف نہیں کرتا جس طرح کہ کوئی متردد شخص اپنے کسی کام اور معاملہ میں کرتا ہے اس بندہ مؤمن کی روح قبض کرنے کا معاملہ ایسا ہے کہ میں اس میں کچھ توقف کرتا ہوں تا کہ اس بندہ مؤمن پر موت آسان ہو اس کا دل اس کی طرف مائل ہو جائے اور وہ خود موت کے آنے کا مشتاق ہو جائے پھر اس کے بعد وہ زمرہ مقربین میں داخل ہو کر اعلیٰ علیین میں اپنی جگہ حاصل کرلے۔

اہل ذکر کو فرشتے ڈھونڈتے پھرتے ہیں

(۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً يَطُوْفُوْنَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُوْنَ اَهْلَ الذِّكْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَنَادَوْا هَلُمُّوْا اِلٰى حَاجَتِكُمْ قَالَ فَيَحُفُّوْنَهُمْ بِاَجْنِحَتِهِمْ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَسْاَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ مَايَقُوْلُ عِبَادِيْ قَالَ يَقُوْلُوْنَ يُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ وَيَحْمَدُوْنَكَ وَيُمَجِّدُوْنَكَ قَالَ فَيَقُوْلُ هَلْ رَاَوْنِيْ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ مَارَاَوْكَ قَالَ فَيَقُوْلُ كَيْفَ لَوْ رَاَوْنِيْ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَوْ رَاَوْكَ كَانُوْا اَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً وَاَشَدَّ لَكَ تَمْجِيْدًا وَاَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيْحًا قَالَ فَيَقُوْلُ فَمَا يَسْاَلُوْنَ قَالُوْا يَسْاَلُوْنَكَ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُوْلُ وَهَلْ رَاَوْهَا قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ يَارَبِّ مَارَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُ كَيْفَ لَوْ رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّهُمْ رَاَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا وَاَشَدَّ لَهَا طَلَبًا وَاَعْظَمَ فِيْهَا رَغْبَةً قَالَ فَمِمَّ يَتَعَوَّذُوْنَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ مِنَ النَّارِ قَالَ يَقُوْلُ فَهَلْ رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ يَارَبِّ مَارَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُ فَكَيْفَ لَوْ رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ رَاَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا وَاَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً قَالَ فَيَقُوْلُ فَاُشْهِدُكُمْ اَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ يَقُوْلُ مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فِيْهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ اِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ قَالَ هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَفِیْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّارَةً فُضُلًا يَبْتَغُوْنَ مَجَالِسَ الذِّكْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا مَجْلِسًا فِيْهِ ذِكْرٌ قَعَدُوْا مَعَهُمْ وَحَفَّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِاَجْنِحَتِهِمْ حَتّٰى يَمْلَؤُوْا مَابَيْنَهُمْ وَبَيْنَ السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَاِذَا تَفَرَّقُوْا عَرَجُوْا وَصَعِدُوْا اِلَى السَّمَاءِ قَالَ فَيَسْاَلُهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ اَعْلَمُ مِنْ اَيْنَ جِئْتُمْ فَيَقُوْلُوْنَ جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبَادِكَ فِی الْاَرْضِ يُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ وَيُهَلِّلُوْنَكَ وَيُمَجِّدُوْنَكَ وَيَسْاَلُوْنَكَ قَالَ وَمَاذَا يَسْاَلُوْنِیْ قَالُوْا يَسْاَلُوْنَكَ جَنَّتَكَ قَالَ وَهَلْ رَاَوْا جَنَّتِیْ قَالُوْا لَا اَیْ رَبِّ قَالَ وَكَيْفَ لَوْ رَاَوْا جَنَّتِیْ قَالُوْا وَيَسْتَجِيْرُوْنَكَ قَالَ وَمِمَّا يَسْتَجِيْرُوْنِیْ قَالُوْا مِنْ نَارِكَ قَالَ وَهَلْ رَاَوْا نَارِیْ قَالُوْا لَا قَالَ فَكَيْفَ لَوْ رَاَوْا نَارِیْ قَالُوْا يَسْتَغْفِرُوْنَكَ قَالَ فَيَقُوْلُ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَاَعْطَيْتُهُمْ مَاسَاَلُوْا وَاَجَرْتُهُمْ مِمَّا اسْتَجَارُوْا قَالَ يَقُوْلُوْنَ رَبِّ فِيْهِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ اِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمْ قَالَ فَيَقُوْلُ وَلَهٗ غَفَرْتُ هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ۔

"اور ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ کے کتنے ہی فرشتے (مسلمانوں کے راستے پر پھرتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کو ڈھونڈتے ہیں تاکہ ان سے ملیں اور ان کا ذکر سنیں) چنانچہ جب وہ ان لوگوں کو پا لیتے ہیں جو ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو پکار کر کہتے ہیں کہ اپنے مطلوب کی طرف (یعنی اہل ذکر سے ملاقات اور ان کا ذکر سننے کے لئے) جلدی آجاؤ! آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کے بعد وہ فرشتے ان لوگوں کو اپنے پروں سے آسمان دنیا تک گھیر لیتے ہیں۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا" ان فرشتوں سے ان کا پروردگار ان لوگوں کے بارہ میں پوچھتا ہے کہ میرے بندے کیا کہتے ہیں حالانکہ پروردگار ان فرشتوں سے کہیں زیادہ ان

لوگوں کے بارہ میں جانتا ہے" آپ ﷺ نے فرمایا "فرشتے جواب دیتے ہیں کہ وہ تیری پاکی کی تسبیح کرتے ہیں تجھے یاد کرتے ہیں، تیری بڑائی بیان کرتے ہیں، تیری تعریف کرتے ہیں اور بزرگی و عظمت کے ساتھ تجھے یاد کرتے ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے پوچھتا ہے "کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے" آپ ﷺ نے فرمایا "اس کے جواب میں فرشتے کہتے ہیں کہ "نہیں خدا کی قسم انہوں نے تجھے نہیں دیکھا ہے آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے کہتا ہے کہ "اچھا اگر وہ مجھے دیکھتے تو پھر ان کی کیفیت کیا ہوتی "؟

آپ ﷺ نے فرمایا" فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ تجھے دیکھتے تو پھر وہ تیری عبادت بہت ہی کرتے، بزرگی و عظمت کے ساتھ تجھے بہت ہی یاد کرتے، اور تیری تسبیح بہت ہی کرتے" آپ ﷺ نے فرمایا "پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ وہ بندے مجھ سے مانگتے کیا ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں کہ وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "فرشتے کہتے ہیں کہ "نہیں! اے پروردگار! خدا کی قسم انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا ہے" آپ ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ اچھا اگر انہوں نے جنت کو دیکھا ہوتا تو ان کا کیا حال ہوتا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "فرشتے جواب دیتے ہیں کہ اگر انہوں نے جنت کو دیکھا ہوتا تو جنت کے لئے ان کی حرص کہیں زیادہ ہوتی، اس کے لئے ان کی خواہش و طلب کہیں زیادہ ہوتی اور اس کی طرف ان کی رغبت کہیں زیادہ ہوتی۔ کیونکہ کسی چیز کے بارہ میں محض علم ہونا اس کے دیکھنے کے برابر نہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ "اچھا وہ پناہ کس چیز سے مانگتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "فرشتے جواب دیتے ہیں کہ وہ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟" فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں "ہمارے پروردگار! خدا کی قسم! انہوں نے دوزخ کو نہیں دیکھا" آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو پھر ان کی کیفیت کیا ہوتی" آپ ﷺ نے فرمایا" فرشتے جواب دیتے ہیں "کہ اگر انہوں نے دوزخ کو دیکھ لیا ہوتا تو وہ اس سے بہت ہی بھاگتے (یعنی ان چیزوں سے بہت ہی دور رہتے جو دوزخ میں ڈالے جانے کا سبب بنتی ہیں) اور ان کے دل کہیں زیادہ ڈرنے والے ہوتے" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے" کہ میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا" آنحضرت ﷺ نے فرمایا" یہ (سن کر) ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ "ذکر کرنے والوں میں وہ فلاں شخص ذکر کرنے والا نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے کسی کام کے لئے آیا تھا پھر وہ وہیں ذکر کرنے والوں کے پاس بیٹھ گیا اس لئے تو وہ اس مغفرت کی بشارت کا مستحق نہیں اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے کہ اہل ذکر ایسے بیٹھنے والے ہیں کہ ان کا ہمنشین بے نصیب نہیں ہوتا (بخاری")

اور مسلم" کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے کتنے ہی فرشتے ایسے ہیں جو پھرنے والے اور زیادہ ہیں (یعنی اعمال لکھنے والوں وغیرہ کے علاوہ ہیں کہ ان کا مقصد صرف ذکر کے حلقوں میں حاضری ہے) چنانچہ وہ فرشتے ذکر کی مجلسیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں، جب وہ کسی ایسی مجلس کو پالیتے ہیں جس میں اکثر ذکر ہی ہوتا ہے تو وہ اس میں بیٹھ جاتے ہیں اس وقت وہ فرشتے آپس میں ایک دوسرے کو اپنے پروں میں گھیر لیتے ہیں تاکہ ذکر والوں اور آسمان کے درمیان فرشتے ہی فرشتے بھر جائیں پھر جب ذکر سے فراغت کے بعد) مجلس برخاست ہو جاتی ہے تو وہ فرشتے بھی اوپر چڑھتے ہیں اور ساتویں آسمان پر پہنچ جاتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ تم کہاں سے آئے ہو" حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے بارہ میں خوب جانتا ہے کہ وہ کہاں سے آئے ہیں) فرشتے کہتے ہیں ہم تیرے ایسے بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو زمین پر ہیں تیری تسبیح کرتے ہیں تیرا کلمہ پڑھتے ہیں تجھے بزرگی و عظمت کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور تجھ سے مانگتے ہیں" اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں کہ وہ تجھ سے تیری جنت مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے میری جنت دیکھی ہے "فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں پروردگار اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر انہوں نے جنت کو دیکھا ہوتا تو ان کا کیا حال ہوتا؟ فرشتے کہتے ہیں کہ وہ تیری پناہ بھی مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" وہ کس چیز سے میری پناہ مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں "وہ تیری آگ سے پناہ مانگتے ہیں" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے میری آگ کو دیکھا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ میری آگ کو دیکھ لیتے تو پھر ان

کی کیا کیفیت ہوتی؟ فرشتے کہتے ہیں وہ تجھ سے بخشش بھی طلب کرتے ہیں۔" آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرشتے یہ سن کر عرض کرتے ہیں کہ پروردگار اس میں فلاں بندہ تو بہت ہی گناہ گار ہے تو وہ وہاں سے صرف اپنے کام سے گزر رہا تھا کہ ان کے پاس بیٹھ گیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان کے جواب میں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اسے بخش دیا۔ کیونکہ وہ ذکر کرنے والے ایسے لوگ ہیں کہ جن کے سبب سے اور جن کی برکت کی وجہ سے ان کا ہمنشین بے نصیب نہیں ہوتا۔"

تشریح: ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم کائنات کے ایک ایک ذرہ پر حاوی ہے وہ ایک ایک فرد کے ایک ایک لمحہ کے حالات کی واقفیت رکھتا ہے اس لئے بات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ذکر کرنے والے بندوں کے بارہ میں جو کچھ پوچھتا ہے وہ علم حاصل کرنے کے لئے پوچھتا ہے بلکہ وہ جاننے کے باوجود محض الزاماً فرشتوں سے سوال کرتا ہے تاکہ ان پر ابن آدم کی کمال عبدیت ظاہر ہو کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت یہ فرشتے ہی تو تھے جنہوں نے کہا تھا کہ پروردگار تو آدم اور ابن آدم کو کیوں پیدا کرتا ہے یہ تو دنیا میں سوائے فسق وفساد کے اور کچھ کریں گے ہی نہیں۔ تیری تسبیح اور تقدیس تو بس ہم ہی کر سکتے ہیں اور وہ ہم کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو اس قسم کے سوال کر کے ان پر ابن آدم کی بزرگی کو ظاہر کرتا ہے اور اس طرح وہ ان فرشتوں کو بتانا چاہتا ہے کہ تم نے دیکھا جس مخلوق کے بارہ میں تم غلط گمان رکھتے تھے وہی مخلوق اب کس طرح میری عبادت، میری یاد اور میرے ذکر میں مشغول رہتی ہے اور خود تم ہی اس کی شہادت دیتے ہو۔

بخاریؒ کی روایت میں تو اس سوال (اگر انہوں نے جنت کو دیکھا ہوتا تو ان کا کیا حال ہوتا؟ وغیرہ) کے ساتھ ہی فرشتوں کے طرف سے اس کا جواب (اگر انہوں نے جنت کو دیکھا ہوتا تو الخ۔ بھی منقول ہے لیکن مسلم کی روایت میں صرف سوال ہی منقول ہے جواب ذکر نہیں کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بخاری کی روایت میں تو یہ جملہ صرف سوال ہی کے لئے ہے لیکن مسلم کی روایت میں یہ سوالیہ جملہ تعجب کے لئے ہے دونوں روایتوں کے آخری جملہ کے ذریعہ امت کے لوگوں کو اہل ذکر کی ہمنشینی اختیار کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے کہ خدا کی یاد اور اس کے ذکر میں مشغول رہنے والے خدا کے نیک وصالح بندوں کی ہمنشینی وصحبت اختیار کرنا فلاح وسعادت کی بات ہے کسی عارف نے کتنی اچھی بات کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صحبت (یعنی اس کی یاد اور ان کے ذکر میں مشغولیت اختیار کرو اگر یہ نہ کر سکو پھر ان مقدس بندوں کی صحبت وہمنشینی اختیار کرو جو اللہ کی صحبت اختیار کئے ہوئے ہیں (یعنی جو ذکر وشغل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوامی حضور رکھتے ہیں۔

ادائیگی حقوق کے وقت ذکر سے غفلت نقصان دہ نہیں ہے

(۸) وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاُسَيْدِيِّ قَالَ لَقِيَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ فَوَاللّٰهِ اِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ هٰذَا فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وما ذاك قلت يا رسولَ اللّٰه نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِيْ طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً ثَلَاثَ مَرَّاتٍ (رواہ مسلم)

"اور حضرت حنظلہ ابن ربیع اسیدیؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ملاقات ہوئی تو وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ کہو

حنظلہ! تمہارا کیا حال ہے (یعنی آنحضرت ﷺ جو کچھ وعظ و نصیحت فرماتے ہیں اس پر تمہاری استقامت کیسی ہے؟ میں نے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا (یعنی حال کے اعتبار سے ایمان کے اعتبار سے نہیں) حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ "سبحان اللہ حنظلہ! یہ تم کیا کہتے ہو! یعنی ابوبکرؓ نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ کیا بات کہہ رہے ہو اس کا مطلب تو بیان کرو) میں نے کہا کہ (اس میں تعجب کی بات نہیں حقیقت یہ ہے کہ) جب ہم رسول کریم ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور جس وقت آپ ﷺ ہمیں دوزخ کے عذاب سے ڈراتے ہیں اور یا جس وقت آپ ﷺ ہمیں جنت کی نعمتوں کی بشارت سناتے ہیں تو اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم جنت اور دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر جب ہم رسول کریم ﷺ کی صحبت سے جدا ہوتے ہیں اور اپنی بیویوں، اپنی اولادوں، اپنی زمینوں اور اپنے باغات میں مشغول ہوتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں (یعنی اپنے دنیاوی مشاغل میں پھنس کر ان باتوں کا بہت ساحصہ بھول جاتے ہیں جو آنحضرت ﷺ ہمارے سامنے بطور تذکیر و نصیحت فرماتے ہیں اور ہم پر وہ کیفیت باقی نہیں رہتی جو آپ کی صحبت میں ہوتی ہے) حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اب جب کہ تم نے اپنی یہ حالت بیان کی ہے تو سنو کہ خدا کی قسم ہم بھی اسی کو پہنچے ہوئے ہیں۔ یعنی ہمارا بھی یہی حال ہے کہ حاضر و غائب میں تفاوت ہے اس کے بعد میں اور حضرت ابوبکرؓ دونوں چلے یہاں تک کہ ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ" حنظلہ منافق ہوگیا! آنحضرت ﷺ نے (بھی بڑے تعجب سے پوچھا) کہ اس بات کا کیا مطلب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت جب ہم آپ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہمیں بطور تذکیر و نصیحت جنت و دوزخ کے بارہ میں بتاتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ جاتے ہیں اور اپنی بیویوں، اپنی اولاد، اپنی زمینوں اور باغات میں مشغول ہوتے ہیں تو ہم نصیحت کی بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم پر ہمیشہ وہی کیفیت طاری رہے جو میری صحبت اور حالت ذکر میں تم پر ہوتی ہے (یعنی تم ہر وقت صاف دل اور اللہ سے ڈرنے والے رہو تو یقیناً فرشتے تم سے تمہارے بچھونوں پر اور تمہاری راہوں میں مصافحہ کریں لیکن اے حنظلہ! یہ ایک ساعت ہے اور وہ ایک ساعت ہے اور آپ ﷺ نے (یعنی حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَّسَاعَةً تین مرتبہ فرمایا۔" (مسلمؒ)

تشریح: "فرشتے تم سے مصافحہ کریں" کا مفہوم یہ ہے کہ ایسی صورت میں فرشتے علانیہ یعنی سب کے سامنے تم سے مصافحہ کرتے نظر آئیں اور تم ان کو مصافحہ کرتے دیکھو۔ علانیہ کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ ویسے تو فرشتے اہل ذکر سے خفیہ طور پر مصافحہ کرتے ہی ہیں کہ جس کو دنیاوی نظریں نہیں دیکھ پاتیں۔

"بچھونوں پر اور راہوں میں" سے مراد ہے "حالت فراغت اور حالت مشغولیت" مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں چاہے تم کسی کام میں مشغول رہتے اور چاہے فارغ ہوتے یعنی ہر وقت اور ہمیشہ فرشتے تم سے مصافحہ کرتے رہتے۔

"یہ ایک ساعت ہے اور وہ ایک ساعت ہے" کا مطلب یہ ہے کہ ایک وقت ایسا ہوتا ہے جب کہ تم پر حالت حضور طاری ہوتی ہے کہ تم اپنے پروردگار کے حقوق ادا کر سکو اور ذکر و شغل میں مصروف رہ سکو اور ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ جب کہ تم پر حالت غفلت کا غلبہ رہتا ہے تاکہ تم اپنے نفس اور اپنے متعلقین کے حقوق ادا کر سکو، لہٰذا اپنے اور اپنے متعلقین کے حقوق کی ادائیگی کے وقت ذکر و حضور سے غفلت نقصان دہ نہیں کہ اس صورت میں تم اپنے آپ کو منافق سمجھنے لگو۔ اس لئے اپنے دل سے یہ خوف نکال دو کہ تم خدانخواستہ منافق ہوگئے ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

ذکر الٰہی کی فضیلت و اہمیت

⑨ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ

وَاَرْفَعِهَا فِیْ دَرَجَاتِکُمْ وَخَیْرٍ لَّکُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّھَبِ وَالْوَرِقِ وَخَیْرٍ لَّکُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَھُمْ وَیَضْرِبُوْا اَعْنَاقَکُمْ قَالُوْا بَلٰی قَالَ ذِکْرُ اللّٰہِ۔ رَوَاہُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ اِلَّا اَنَّ مَالِکًا وَقَفَہٗ عَلٰی اَبِی الدَّرْدَاءِ۔

"حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "کیا میں تمہیں ایک ایسے عمل سے آگاہ نہ کروں جو تمہارے اعمال میں بہت بہتر، تمہارے بادشاہ کے نزدیک بہت پاکیزہ تمہارے درجات بلند اور تمہارے روپیہ اور سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے اور اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے دشمنوں (یعنی کفار) سے ملو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ "ہاں اور ہمیں بتائیے کہ وہ کون سا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "خدا کا ذکر" اس روایت کو مالکؒ، احمدؒ، ترمذی اور ابن ماجہ، نے نقل کیا ہے۔ لیکن امام مالکؒ نے اس روایت کو حضرت ابودرداءؓ سے بطریق موقوف نقل کیا ہے۔"

تشریح: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ذکر سے مراد وہ ذکر ہے جو زبان اور دل دونوں سے ہو۔ نیز اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ خدا کا ذکر، صدقہ و خیرات، جہاد اور دوسرے اعمال سے افضل ہے۔

بہتر عمل

(۱۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ فَقَالَ طُوْبٰی لِمَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْیَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ
(رواہ احمد و الترمذی)

"اور حضرت عبداللہ ابن بسرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا کہ "یارسول اللہ! کون شخص بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "خوش بختی ہے اس کے لئے (یعنی وہ بہتر شخص ہے جس کی عمر دراز ہوئی اور اس کے اعمال نیک ہوئے" اس نے عرض کیا یارسول اللہ! کون سے عمل بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کہ جب تم دنیا سے جدا ہو تو تمہاری زبان خدا کے ذکر سے تر ہو۔" (ترمذیؒ، احمدؒ)

تشریح: جس طرح "زبان کی خشکی" زبان کے رکنے کے لئے کنایہ ہے اسی طرح "زبان کی تری" زبان کی روانی کے لئے کنایہ ہے یا پھر یہ کہ یہاں "زبان کی تری" اس بات سے کنایہ ہے کہ مرتے دم تک ذکر پر مداومت ہو بایں طور کہ ذکر خدا سے زبان خشک نہ ہونے پائی ہو کہ جان نکلے۔

حدیث میں مذکور ذکر سے ذکر جلی بھی مراد ہے اور ذکر خفی بھی "زبان" کے بارہ میں دونوں احتمال ہیں۔ قلبی بھی مراد ہو سکتی ہے اور قالبی زبان بھی، یعنی چاہے دل کی زبان سے ذکر کرے چاہے ظاہری زبان سے لیکن دونوں ہی سے ہو تو بہت ہی خوب ہے۔

ذکر کے حلقے جنّت کے باغات

(۱۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ فَارْتَعُوْا قَالُوْا وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّۃِ قَالَ حِلَقُ الذِّکْرِ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "جب تم جنت کے باغات میں سے گزرو تو میوہ خوری کرو" صحابہؓ نے عرض کیا کہ جنت کے باغات سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ذکر کے حلقے۔" (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب تم کسی ایسی مجلس کے پاس سے گزرو جہاں لوگ اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں تو تم بھی شریک مجلس بن کر

خدا کے ذکر اور اس کی یاد میں مشغول ہو جاؤ۔ یہاں ذکر کے حلقوں (مجالس ذکر) کو جنت کے باغات اس لئے کہا گیا ہے کہ ذکر کی وجہ سے انسان جنت کے باغات میں داخل ہونے کی سعادت سے نوازا جاتا ہے۔

نوویؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح ذکر کرنا مستحب ہے اسی طرح ذکر کے حلقے میں بیٹھنا بھی مستحب ہے، نیز ذکر دل سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی لیکن افضل یہ ہے کہ دونوں سے ہو جیسا کہ یہ بات تفصیل کے ساتھ پہلے بتائی جا چکی ہے اور اگر ذکر فقط زبان سے ہی ہو تب بھی خالی از ثواب نہیں۔

منقول ہے کہ ایک مرد نے اپنے شیخ سے کہا کہ میں زبان سے اللہ کو یاد کرتا ہوں مگر میرا دل غفلت میں پڑا رہتا ہے انہوں نے کہا کہ اللہ کو یاد کرو اور شکر کرو کہ اللہ نے تمہارے ایک عضو کو اپنی یاد میں مشغول کیا۔

ذکر اللہ سے خالی وقت حسرت و ندامت کا باعث

(۱۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ وَمَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص" کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اللہ کو یاد نہ کرے تو اس کا بیٹھنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قضا و قدر کے سبب سے اس کے لئے حسرت اور ٹوٹے کی بات ہو گی اور جو شخص اپنی خوابگاہ میں لیٹے اور اس میں اللہ کو یاد نہ کرے تو یہ اللہ کی طرف سے اس کے لئے حسرت اور ٹوٹے کی بات ہو گی۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کا مطلب اور حاصل یہ ہے کہ ہمہ وقت اور ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے، سوتے، جاگتے اور شب و روز اللہ رب العزت کے ذکر میں مشغول رہنا چاہئے، جو وقت بھی ذکر اللہ سے خالی ہو گا وہ قیامت کے دن حسرت و ندامت کا موجب بنے گا، کیا خوب کہا ہے۔

چو اول شب آہنگ خواب آورم   بہ تسبیح نامت شتاب آورم

اور ۔

وگرنیم شب سر بر آرم ز خواب!   ترا خوانم و ریزم از دیدہ آب

اور ۔

وگر با مرادست راہم بہ قست   ہمہ روز تا شب پنا ہم بہ تست

جس مجلس میں ذکر خدا نہ ہو

(۱۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِيْهِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِثْلِ جِيْفَةِ حِمَارٍ وَكَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً (رواہ احمد و ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو لوگ کسی نشست کے بعد اٹھیں اور اس نشست میں خدا کا ذکر نہ ہو تو وہاں سے ان کا اٹھنا مردار گدھے کی مانند ہے اور ان پر حسرت و افسوس ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے اس نامبارک مجلس کے بارہ میں تہدیداً حسرت و افسوس کا اظہار کیا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہو۔ ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جس مجلس میں اللہ کو یاد نہ کیا جائے۔ وہ مردار گدھے کی مانند ہے اور جو لوگ وہاں سے اٹھے وہ گویا مردار کھا کر اٹھے۔

(۱۴) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى

نَبِیِّهِمْ اِلاَّ کَانَ عَلَیْهِمْ تِرَةً فَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور وہاں نہ تو اللہ کا ذکر کریں اور نہ اپنے نبی پر درود بھیجیں تو وہ مجلس ان کے لئے باعث افسوس ہی ہوگی اب چاہے تو اللہ تعالیٰ عذاب میں انہیں مبتلا کرے اور چاہے تو انہیں بخش دے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: عذاب میں مبتلا کرنا ان کے اگلے پچھلے گناہوں کے سبب سے ہوگا اور بخشش کا مدار محض اللہ تعالیٰ کے بیکراں فضل اور اس کی لامحدود رحمت پر ہوگا اس حدیث سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر اہل مجلس اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ بلکہ یقینی طور پر ان کو بخشش و مغفرت سے نوازتا ہے۔

کلام نافع

⑮ وَعَنْ اُمِّ حَبِیْبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ كَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ عَلَیْهِ لَا لَهٗ اِلاَّ اَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَهْیٌ عَنْ مُنْكَرٍ اَوْ ذِكْرُ اللّٰهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت اُمّ حبیبہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ابن آدم کا ہر کلام اس کے لئے وبال ہے علاوہ اس کلام کے جو امر بالمعروف (نیکی کی تاکید و تعلیم کرنے) اور نہی عن المنکر (برائی سے بچنے کی تلقین) یا اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے ہو۔" اس روایت کو ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے نقل کیا نیز ترمذیؒ نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسانی کلام اور بات چیت میں کوئی قسم مباح نہیں ہے لیکن علماء لکھتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی شرعی طور پر ناپسندیدہ اور غیر درست کلام اور گفتگو سے روکنے کے لئے تاکید اور مبالغہ پر محمول ہے اور ویسے بھی اس میں کوئی شک نہیں کہ مباح کلام عقبیٰ و آخرت کے اعتبار سے نہ تو نافع ہوتا ہے نہ اس کا کوئی اثر مرتب ہوتا ہے۔ آخرت میں تو وہی کلام نافع اور سود مند ہوگا جو محض دینی تقاضا کے پیش نظر ہو مثلاً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ذکر اللہ یا پھر اس طرح کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی مفہوم کے اعتبار سے یوں ہے کہ "ابن آدم کا ہر کلام اس کے لئے باعث حسرت ہے کہ اس کے لئے اس میں کوئی منفعت نہیں علاوہ اس کلام کے جس کا تعلق امر بالمعروف و نہی عن المنکر، ذکر اللہ، اور انہیں کی مانند دوسری باتوں سے ہو۔ اس تاویل سے نہ صرف یہ کہ تمام مذکورہ احادیث میں مطابقت پیدا ہو جائے گی بلکہ وہ اشکال اور اضطراب بھی باقی نہیں رہے گا جو مباح کلام کے سلسلہ میں پیدا ہو سکتا ہے۔

ذکر اللہ کے بغیر کلام کی کثرت دل کی سختی کا باعث

⑯ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَیْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَیْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ اِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِیْ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ذکر اللہ کے بغیر زیادہ کلام نہ کرو کیونکہ ذکر اللہ کے بغیر کلام کی کثرت دل کی سختی کا باعث ہے اور یاد رکھو کہ آدمیوں میں اللہ سے دور سب سے وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔" (ترمذیؒ)

تشریح: کثرت کلام کو دل کی سختی کا باعث اس لئے بتایا گیا ہے کہ عام طور پر بہت زیادہ بولنے والا شخص اپنی ہی بات کہنا اور منوانا چاہتا ہے وہ صحیح اور مبنی برحق بات سنتا ہی نہیں اور نہ اپنی بات کے علاوہ کسی بات کو صحیح سمجھتا ہے چاہے وہ حقیقت سے کتنی ہی قریب کیوں نہ ہو اس کی سب سے بڑی خواہش لوگوں سے اختلاط و ارتباط ہوتی ہے خوف خدا اس کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا اور آخرت سے غفلت اس

کا شعار ہوتا ہے۔

بہترین سرمایہ

⑰ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ فَقَالَ بَعْضُ اَصْحَابِهٖ نَزَلَتْ فِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ لَوْ عَلِمْنَا اَيُّ الْمَالِ خَيْرٌ فَنَتَّخِذَهٗ فَقَالَ اَفْضَلُهٗ لِسَانٌ ذَاكِرٌ وَقَلْبٌ شَاكِرٌ وَزَوْجَةٌ مُؤْمِنَةٌ تُعِيْنُهٗ عَلٰى اِيْمَانِهٖ (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الْآيَة جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں الخ نازل ہوئی تو اس وقت ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ کسی سفر میں تھے (یہ آیت سن کر) بعض صحابہؓ نے کہا کہ سونے اور چاندی کے بارہ میں تو یہ آیت نازل ہوگئی اور ہمیں ان چیزوں کا حکم اور ان کی مذمت معلوم ہوئی۔ کاش ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ) اور کون سا مال بہتر ہے تاکہ ہم اسے جمع کریں؟! آپ ﷺ نے فرمایا "خدا کا ذکر کرنے والی زبان، شکر ادا کرنے والا دل، اور مسلمان بیوی جو اپنے شوہر کے ایمان کی مددگار ہو" بہترین مال ہے۔" (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ نے ظاہری مال ہی کی قسم سے کسی چیز کی تعیین کی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن حقیقت میں ان کی مراد یہی تھی کہ آپ ﷺ کوئی ایسی چیز بتا دیجئے جو ظاہری مال کے علاوہ ہو مگر ایسا سرمایہ ہو جو ہماری پیش آنے والی حاجتوں میں نفع بخش ثابت ہو چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی حقیقی مراد کے پیش نظر وہ چیزیں بتائیں جو مفید ہیں اور جن کے بہترین سرمایہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔

"جو اپنے شوہر کے ایمان کی مددگار ہو" کا مطلب یہ ہے کہ اپنے شوہر کے دینی امور اور دینی فرائض کی ادائیگی میں معاون مددگار ہو مثلاً نماز کا وقت آئے تو اسے نماز کی یاد دلائے۔ روزہ کا زمانہ آئے تو اسے روزہ رکھنے کے سلسلہ میں اس کی ضروریات پوری کرے اور ان کے علاوہ دیگر عبادتوں کے وقت اس کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرے۔ نیز شوہر کے لئے وہ ایسے حالات پیدا کرے کہ وہ نیک کاموں میں مشغول رہ سکے، اس کو بدکاری اور تمام حرام چیزوں سے روکے حرام کی کمائی اور ناجائز پیشہ سے اسے باز رکھے اسی طرح اگر وہ کسی برائی کی راہ پر لگے تو اسے اس راہ سے ہٹائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے ذاکرین پر فخر کرتا ہے

⑱ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ خَرَجَ مُعَاوِيَةُ عَلٰى حَلْقَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَا اَجْلَسَكُمْ قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللّٰهَ قَالَ آللّٰهِ مَا اَجْلَسَكُمْ اِلَّا ذٰلِكَ قَالُوْا آللّٰهِ مَا اَجْلَسَنَا غَيْرُهٗ قَالَ اَمَا اِنِّيْ لَمْ اَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ وَمَا كَانَ اَحَدٌ بِمَنْزِلَتِيْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَلَّ عَنْهُ حَدِيْثًا مِنِّيْ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلٰى حَلْقَةٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ مَا اَجْلَسَكُمْ هٰهُنَا قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللّٰهَ وَنَحْمَدُهٗ عَلٰى مَا هَدَانَا لِلْاِسْلَامِ وَمَنَّ بِهٖ عَلَيْنَا قَالَ آللّٰهِ مَا اَجْلَسَكُمْ اِلَّا ذٰلِكَ قَالُوْا آللّٰهِ مَا اَجْلَسَنَا اِلَّا ذٰلِكَ قَالَ اَمَا اِنِّيْ لَمْ اَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ وَلٰكِنَّهٗ اَتَانِيْ جِبْرِيْلُ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت امیر معاویہؓ ایک حلقہ کے پاس پہنچے جو ایک مسجد میں جما ہوا تھا انہوں نے حلقہ والوں سے پوچھا کہ تمہیں یہاں کس چیز نے بٹھایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ "ہم یہاں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں" حضرت امیر

معاویہؓ نے کہا کہ "بخدا (کیا) تمہیں خدا کے ذکر ہی نے یہاں بٹھایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں صرف خدا کے ذکر ہی نے یہاں بٹھایا ہے؟ حضرت معاویہؓ نے کہا" دیکھو! میں نے تم پر تہمت رکھنے کے لئے تمہیں قسم نہیں دی (یعنی تمہیں جھوٹا سمجھ کر تم سے قسم نہیں کھلائی بلکہ میں نے آنحضرت ﷺ کے اتباع کے پیش نظر قسم کھلوائی ہے کہ آپ ﷺ نے بھی اسی طرح کہا تھا (جیسا کہ آگے حدیث میں آتا ہے) اور پھر معاویہؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث کو کم نقل کرنے کے سلسلہ میں میرے برابر کوئی نہیں تھا۔ (یعنی میں احتیاطاً بہت کم احادیث روایت کیا کرتا تھا کہ مبادا کہیں کوئی کمی وزیادتی ہو جائے اور پھر اس کا وبال میری گردن پر ہو اس بات سے حضرت معاویہؓ کا مقصد یہ آگاہی تھی کہ روایت حدیث میں مجھ سے کوئی بھول نہیں ہوتی کیونکہ نسیان کا احتمال تو اسی شخص کے لئے ہوتا ہے جو بہت زیادہ روایت کرے اور ظاہر ہے کہ میں ایسا نہیں تھا۔ بہرکیف حضرت معاویہؓ نے کہا کہ اسی طرح ایک دن نبی کریم ﷺ اپنے صحابہؓ کے ایک حلقہ کے پاس پہنچے آپ نے ان سے فرمایا کہ "یہاں تمہیں کس چیز نے بٹھایا ہے؟ (یعنی یہاں کس مقصد کے لئے جمع ہو کر بیٹھے ہو) صحابہؓ نے عرض کیا! ہم یہاں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور ہم اس کی اس بات کی تعریف کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت بخشی اور اس کے ذریعہ ہم پر احسان کیا" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بخدا (کیا) تمہیں صرف اسی چیز نے یہاں بٹھایا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ خدا کی قسم اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں اس چیز نے یہاں بٹھایا ہے" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو میں تم پر جھوٹ کی تہمت رکھنے کے لئے تم سے قسم نہیں کھلوائی بلکہ میرے پاس جبرئیل آئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ اللہ عزوجل اپنے فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے بغرض تاکید وتوثیق ارباب حلقہ سے یہ قسم پوچھا نہ یہ کہ خدانخواستہ آپ ﷺ ان کو اپنی بات میں سچا نہیں سمجھتے تھے۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا کے نیک بندے آپس میں حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں اور اللہ کے ذکر اور اس کی یاد میں اجتماعی طور پر مشغول ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے کہ میرے ان بندوں کو دیکھو میں نے ان کے اوپر ان کے نفس ان کی خواہشات اور شیاطین کو کس طرح سے مسلط کیا ہے مگر یہ اس کے باوجود میری عبادت اور میرے ذکر میں مشغول ہیں لہٰذا ان کی اس شان عبودیت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کی تعریف تم سے زیادہ کی جائے اس لئے تمہیں تو میری عبادت میں کوئی مشقت اور تکلیف نہیں ہوتی لیکن ان کی عبادت تو تمہاری عبادت کی بہ نسبت ایسی ہے کہ اس میں محنت تکلیف اور سراسر مشقت ہی مشقت ہے۔

ذکر خدا کے اعتبار سے آسان اور ثواب کے اعتبار سے کہیں افضل

(۱۹) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ شَرَائِعَ الْاِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ فَاَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ اَتَشَبَّثُ بِهٖ قَالَ لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن بسرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اسلام کے احکام (یعنی نوافل) مجھ پر بہت بھاری ہیں یعنی نوافل اتنے ہیں کہ میں اپنے ضعف وعجز کی بنا پر ان کی ادائیگی سے معذور ہوں) اس لئے آپ مجھے بھی ایسی چیزیں بتا دیجئے کہ جن پر میں بھروسہ کرلوں (یعنی آپ کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو زیادہ ثواب کا باعث ہو) جامع اور آسان ہو اور وہ کسی زمانہ کسی جگہ اور کسی حالت پر موقوف نہ ہو تاکہ میں ادائیگی فرائض کے بعد اس کو اپنا معمول بنالوں اور اس کی وجہ سے تمام نوافل سے مستغنی ہو جاؤں) آپ ﷺ نے فرمایا "تمہاری زبان (یعنی یا تو ہی ظاہری زبان یا دل کی زبان) اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہمیشہ تر" (یعنی جاری رہنی چاہئے" (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

ذاکر کی فضیلت

(۲۰) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْعِبَادِ اَفْضَلُ وَاَرْفَعُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ قَالَ الذَّاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَالذَّاکِرَاتُ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمِنَ الْغَازِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ لَوْ ضَرَبَ بِسَیْفِہٖ فِی الْکُفَّارِ وَالْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یَنْکَسِرَ وَیَخْتَضِبَ دَمًا فَاِنَّ الذَّاکِرَ لِلّٰہِ اَفْضَلُ مِنْہُ دَرَجَۃً۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا بندہ بہتر ہے (یعنی بہت زیادہ ثواب پاتا ہے) اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند تر درجہ کا مالک ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے مرد اور عورتیں" عرض کیا گیا کہ "یا رسول اللہ! کیا یہ جہاد کرنے والوں سے بھی زیادہ افضل ہے اور بلند مرتبہ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص کفار اور مشرکین پر اپنی تلوار مارے یہاں تک کہ وہ تلوار ٹوٹ جائے اور (وہ تلوار یا خود مجاہد) خون سے رنگین ہو جائے (یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ وہ شہید ہو جائے) تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا شخص باعتبار درجہ کے اس شخص سے بہتر ہے۔" (احمد، ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جہاد میں زخمی ہونے والا تو الگ رہا اگر جہاد اس حد تک پہنچ جائے کہ مجاہد خون میں شرابور ہو جائے تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا ہی افضل ہوگا۔

ذکر اللہ شیطان سے دل کا محافظ

(۲۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الشَّیْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ فَاِذَا ذَکَرَ اللّٰہَ خَنَسَ وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ (رواہ البخاری تعلیقا)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "شیطان انسان کے دل سے چپکا رہتا ہے جب وہ دل سے اللہ کو یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے" اس روایت کو بخاریؒ نے بطریق تعلیق (یعنی بغیر سند کے) نقل کیا ہے۔"

ذکر کی مثال اور اس کی فضیلت

(۲۲) وَعَنْ مَالِکٍ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ ذَاکِرُ اللّٰہِ فِی الْغَافِلِیْنَ کَالْمُقَاتِلِ خَلْفَ الْفَارِّیْنَ وَذَاکِرُ اللّٰہِ فِی الْغَافِلِیْنَ کَغُصْنٍ اَخْضَرَ فِیْ شَجَرٍ یَابِسٍ وَفِیْ رِوَایَۃٍ مَثَلُ الشَّجَرَۃِ الْخَضْرَاءِ فِیْ وَسْطِ الشَّجَرِ وَذَاکِرُ اللّٰہِ فِی الْغَافِلِیْنَ مِثْلُ مِصْبَاحٍ فِیْ بَیْتٍ مُظْلِمٍ وَذَاکِرُ اللّٰہِ فِی الْغَافِلِیْنَ یُرِیْہِ اللّٰہُ مَقْعَدَہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ وَھُوَ حَیٌّ وَذَاکِرُ اللّٰہِ فِی الْغَافِلِیْنَ یُغْفَرُ لَہٗ بِعَدَدِ کُلِّ فَصِیْحٍ وَاَعْجَمَ وَالْفَصِیْحُ بَنُوْ اٰدَمَ وَالْاَعْجَمُ الْبَھَائِمُ (رواہ رزین)

"اور حضرت امام مالکؒ کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "غافلوں کے درمیان خدا کا ذکر کرنے والا بھاگنے والوں کے پیچھے لڑنے والے کی مانند ہے (یعنی اس شخص کی مانند ہے) جو میدان کارزار میں اپنے لشکر کے بھاگ کھڑے ہونے کے بعد تنہا ہی کافروں کے مقابلہ میں ڈٹا رہے (ایسے شخص کی بہت ہی زیادہ فضیلت منقول ہے اور غافلوں کے درمیان خدا کا ذکر کرنے والا خشک درخت میں سرسبز شاخ کی مانند ہے

ایک روایت میں یوں ہے کہ "درختوں کے درمیان سرسبز و شاداب درخت کی مانند ہے اور خدا کا ذکر کرنے والا اندھیرے گھر میں

چراغ کی مانند ہے اور غافلوں میں خدا کا ذکر کرنے والا ایسا شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس کی زندگی ہی میں جنت میں اس کی جگہ دکھلاتا ہے (یعنی یا تو بذریعہ مکاشفہ دکھاتا ہے یا خواب میں اور یا اس کو ایسا یقین بخشتا ہے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے اور غافلوں میں خدا کو یاد کرنے والا ایسا شخص ہے جس کے گناہ ہر فصیح اور اعجم کے عدد کے بقدر بخشے جاتے ہیں، فصیح سے مراد انسان اور اعجم سے مراد جانور ہیں۔" (رزینؒ)

ذکر اللہ سب سے زیادہ نجات دلانے والا عمل

(۲۳) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ مَا عَمِلَ الْعَبْدُ عَمَلًا اَنْجٰی لَهُ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (رواہ مالک و الترمذی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت معاذ ابن جبلؓ فرماتے ہیں کہ "ایسا کوئی عمل نہیں ہے جسے بندہ کرے وہ ذکر اللہ سے زیادہ اللہ کے عذاب سے نجات دلائے۔" (مالکؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ذکر کے برابر ایسا کوئی عمل نہیں ہے جو قیامت میں اللہ کے عذاب سے بہت زیادہ نجات دلانے کا سبب بنے حاصل یہ کہ ذکر اللہ تمام اعمال سے افضل ہے۔

ذاکر کی سعادت

(۲۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اَنَا مَعَ عَبْدِیْ اِذَا ذَكَرَنِیْ وَتَحَرَّكَتْ بِیْ شَفَتَاهُ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر کے لئے اپنے دونوں ہونٹ ہلاتا ہے (یعنی دل اور زبان دونوں سے ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں (یعنی میں اس کا مددگار ہوتا ہوں اس کو توفیق دیتا ہوں اور اس پر اپنی رحمت و رعایت کرتا ہوں)۔" (بخاری)

ذکر الٰہی قلب کی صفائی کا باعث

(۲۵) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَیْءٍ صَقَالَةٌ وَصَقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا مِنْ شَیْءٍ اَنْجٰی مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنْ يَضْرِبَ بِسَيْفِهٖ حَتّٰى يَنْقَطِعَ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

"اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہر چیز کے لئے صفائی ہے اور قلوب کی صفائی خدا کا ذکر ہے اور ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو ذکر الٰہی کے برابر خدا کے عذاب سے بہت نجات دلائے۔"

صحابہؓ نے عرض کیا کہ "کیا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی ایسی چیز نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں! اگرچہ وہ (مجاہد) اپنی تلوار اتنی مارے (یعنی اتنی شدت کے ساتھ مارے) کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے۔" (بیہقی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جہاد اس درجہ کو بھی پہنچ جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر اس سے افضل ہے۔

كِتَابُ اَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى

اللہ تعالیٰ کے ناموں کا بیان

یہ بات جان لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں یعنی سماع اور اذن شارع پر موقوف ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جو نام شرع

سے منقول ہے وہی کہنا چاہئے اپنی طرف سے ازراہ عقل کوئی نام نہ لینا چاہئے، چاہے وہ نام معنی کے اعتبار سے شرع کے نام منقول کے مطابق ہی کیوں نہ ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کو عالم کہنا چاہئے عاقل نہ کہا جائے جواد کہنا چاہئے سخی نہ کہا جائے اور شافی کہنا چاہئے طبیب نہ کہا جائے۔

بندہ کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات اپنی ذات میں پیدا کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے چنانچہ آگے صفحات میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کی وضاحت کے موقع پر یا اور دوسری عبادتوں کی تشریح میں باری تعالیٰ کی صفات کے حصول کی جو تلقین کی گئی ہے اس پر پوری طرح عمل کرنا چاہئے تاکہ ان صفات کے حصول کے بعد اپنی ذات انوار الہیہ کا پرتو اور اپنی زندگی اسلامی اخلاق و تعلیم کا پیکر بنے۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا وَیَسِّرْ لَنَا حُصُوْلَھَا۔

ایک بزرگ کے بارہ میں منقول ہے کہ اس کے پاس جب کوئی شخص بیعت کے لئے آتا تو وہ پہلے اس کو حکم دیتے کہ وضو کر کے آو جب وہ وضو کر کے آتا تو وہ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کے اسماء پوری عظمت و جلال کے ساتھ باآواز بلند پڑھتے پھر اس شخص میں جس اسم مبارک کی تاثیر دیکھتے وہی اسے تعلیم کرتے اس خیال سے کہ اسے کشود (حصول مقصد) جلد ہو گا چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

اسماء باری تعالیٰ کو یاد کرنے کے لئے بشارت

① عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَۃً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَھُوَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں یعنی ایک کم سو جس شخص نے ان ناموں کو یاد کیا وہ ابتداہی میں بغیر عذاب کے) جنت میں داخل ہوگا۔" ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ "اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے۔"

(بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث میں جو کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں تو اس سے حصر اور تحدید مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بس اتنے ہی نام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بہت نام ہیں چنانچہ آگے صفحات میں ننانوے اسماء مبارک کے بعد کچھ اور نام بھی ذکر کئے جائیں گے انشاء اللہ" بلکہ یہاں ننانوے کا عدد ذکر کرنے سے مراد اور مقصود یہ ہے کہ حدیث میں اسماء باری تعالیٰ کی جو خاصیت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص انہیں یاد کرے وہ جنت میں داخل ہوگا) وہ انہیں ننانوے ناموں کے ساتھ مخصوص ہے۔

لفظ اَحْصَاھَا کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں بخاری وغیرہ نے اس کے معنی وہی لکھے ہیں جو ترجمہ سے ظاہر ہیں "یعنی ان ناموں کو یاد کیا" اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ چنانچہ بعض روایتوں میں احصاھا کی بجائے حفظھا ہی منقول ہے بعض علماء لکھتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں "ان کو پڑھا یا ایمان لایا۔ یا ان کے معانی جانے اور ان کے معانی پر عمل کیا۔"

ھُوَ وِتْرٌ یُحِبُّ الْوِتْرَ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ طاق اعمال و اذکار کو پسند کرتا ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اعمال میں اس عمل کو پسند کرتا ہے جس کی بنیاد اخلاص پر ہو جو محض اللہ تعالیٰ ہی کے لئے اختیار کیا گیا ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام اور ان کی تفصیل و وضاحت

② عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ

الجَنَّةَ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ الْحَلِیْمُ الْعَظِیْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ الْحَفِیْظُ الْمُقِیْتُ الْحَسِیْبُ الْجَلِیْلُ الْكَرِیْمُ الرَّقِیْبُ الْمُجِیْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِیْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِیْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِیْدُ الْحَقُّ الْوَكِیْلُ الْقَوِیُّ الْمَتِیْنُ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ الْمُحْصِی الْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ الْمُحْیِی الْمُمِیْتُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِی الْمُتَعَالِی الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّءُوْفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِیُّ الْمُغْنِی الْمَانِعُ الضَّارُّ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِی الْبَدِیْعُ الْبَاقِی الْوَارِثُ الرَّشِیْدُ الصَّبُوْرُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْكَبِیْرِ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو شخص ان ناموں کو یاد کرے وہ جنت میں داخل ہوگا وہ اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اسم ذات اللہ کے علاوہ ننانوے نام یہ ہیں۔

(۱) الرحمٰن (۲) الرحیم (۳) الملک (۴) القدوس (۵) السلام (۶) المؤمن (۷) المہیمن (۸) العزیز (۹) الجبار (۱۰) المتکبر (۱۱) الخالق (۱۲) الباری (۱۳) المصور (۱۴) الغفار (۱۵) القہار (۱۶) الوہاب (۱۷) الرزاق (۱۸) الفتاح (۱۹) العلیم (۲۰) القابض (۱۲) الباسط (۲۲) الخافض (۲۳) الرافع (۲۴) المعز (۲۵) المذل (۲۶) السمیع (۲۷) البصیر (۲۸) الحکم (۲۹) العدل (۳۰) اللطیف (۳۱) الخبیر (۳۲) الحلیم (۳۳) العظیم (۳۴) الغفور (۳۵) الشکور (۳۶) العلی (۳۷) الکبیر (۳۸) الحفیظ (۳۹) المقیت (۴۰) الحسیب (۴۱) الجلیل (۴۲) الکریم (۴۳) الرقیب (۴۴) المجیب (۴۵) الواسع (۴۶) الحکیم (۴۷) الودود (۴۸) المجید (۴۹) الباعث (۵۰) الشہید (۵۱) الحق (۵۲) الوکیل (۵۳) القوی (۵۴) المتین (۵۵) الولی (۵۶) الحمید (۵۷) المحصی (۵۸) المبدی (۵۹) المعید (۶۰) المحیی (۶۱) الممیت (۶۲) الحی (۶۳) القیوم (۶۴) الواجد (۶۵) الماجد (۶۶) الواحد (۶۷) الاحد (۶۸) الصمد (۶۹) القادر (۷۰) المقتدر (۷۱) المقدم (۷۲) الموخر (۷۳) الاول (۷۴) الاخر (۷۵) الظاہر (۷۶) الباطن (۷۷) الوالی (۷۸) المتعالی (۷۹) البر (۸۰) التواب (۸۱) المنتقم (۸۲) العفو (۸۳) الرؤف (۸۴) مالک الملک (۸۵) ذوالجلال والاکرام (۸۶) المقسط (۸۷) الجامع (۸۸) الغنی (۸۹) المغنی (۹۰) المانع (۹۱) الضار (۹۲) النافع (۹۳) النور (۹۴) الہادی (۹۵) البدیع (۹۶) الباقی (۹۷) الوارث (۹۸) الرشید (۹۹) الصبور۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے اور بیہقیؒ نے دعوات کبیر میں نقل کیا۔ نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی یہ ایک علیحدہ جملہ ہے اور ان ننانوے ناموں کا بیان ہے جو آگے ذکر کئے گئے ہیں۔

اس کلمہ کے کئی مراتب ہیں اول یہ کہ جب منافق اس کلمہ کو پڑھتا ہے اور اس کی تصدیق سے خالی ہوتا ہے یعنی وہ قلبی تصدیق اور اعتقاد کے بغیر محض اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے اس کلمہ کو زبان سے ادا کرتا ہے تو یہ کلمہ اس کی دنیا کے لئے تو نافع بن جاتا ہے بایں طور کہ اس کی وجہ سے اس کی جان، اس کا مال اور اس کے اہل و عیال مسلمانوں کے ہاتھوں) محفوظ ہو جاتے ہیں لیکن آخرت کے اعتبار سے یہ کلمہ اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔

دوم یہ کہ اس کلمہ کو زبان سے پڑھنے کی ساتھ اعتقاد قلبی بھی ہو مگر تقلید محض کے طور پر اس درجہ کے صحیح ہونے میں مختلف اقوال ہیں۔ صحیح قول یہ ہے۔ کہ یہ درجہ صحیح ہے۔ سوم یہ کہ اس کلمہ کو پڑھنے کے ساتھ اعتقاد قلبی بھی ہو مگر ایسا اعتقاد قلبی جو اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر حاصل کیا گیا ہو۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ بھی درجہ معتبر ہے۔

چہارم یہ کہ زبان سے اس کلمہ کی ادائیگی کے ساتھ اعتقاد جازم بھی ہو۔ جو از راہ دلیل قطعی حاصل ہوا ہو متفقہ طور پر یہ درجہ مقبول ہے۔ پنجم یہ کہ اس کلمہ کو ادا کرنے والا اس طرح کا ہو کہ وہ دل کی آنکھوں سے اس کلمہ کے معنی جانتا ہو۔ یعنی اسے کامل طور پر عرفان حق

حاصل ہو اور یہی رتبہ عالی ہے یہ تفصیل تو اس صورت میں ہے جب کہ اس کلمہ کو زبان سے ادا کیا جائے دوسری شکل یہ ہے کہ اس کلمہ کو صرف دل میں کہے یعنی زبان سے ادائگی نہ ہو اس صورت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کسی عذر مثلاً گونگے پن وغیرہ کی بناپر اس کلمہ کو زبان سے ادا کرنے سے قاصر ہے تو یہ کلمہ دنیا و آخرت دونوں کے لئے نافع ہے یعنی وہ دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے نجات یافتہ ہوگا اور اگر کسی عذر کے بغیر بھی زبان سے ادا نہ کرے تو پھر آخرت میں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ نووی ؒ نے اس بات پر اہل سُنّت کا اجماع نقل کیا ہے۔

"اللہ" باری تعالیٰ کا اسم ذات ہے اس کے معنی ہیں "وہ ذات جو عبادت کے لائق ہے" اکثر علماء کہتے ہیں کہ اسماء باری تعالیٰ میں یہ نام سب سے بڑا ہے نیز کہا گیا ہے کہ عوام کو چاہئے کہ وہ اس نام کو اپنی زبان پر جاری کریں اور خشیت و تعظیم کے طور پر اس نام کے ساتھ ذکر کریں خواص کو چاہئے کہ وہ اس نام کے معنی میں غور و فکر کریں اور یہ جانیں کہ اس نام کا اطلاق صرف اسی ذات پر ہو سکتا ہے جو صفات الوہیت کی جامع ہے اور خواص الخواص کو چاہئے کہ وہ اپنا دل اللہ میں مستغرق رکھیں اور اس ذات کے علاوہ اور کسی بھی طرف التفات نہ کریں اور صرف اسی سے ڈریں کیونکہ وہی حق اور ثابت ہے اس کے علاوہ ہر چیز فانی اور باطل ہے جیسا کہ بخاری میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شاعروں کے کلام میں سب سے صحیح کلام شاعر لبید کا یہ مصرعہ ہے کہ ؎

اَلاَ کُلُّ شَیْءٍ مَاخَلاَ اللّٰہُ بَاطِلٌ

"یاد رکھو! کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔"

خاصیت: جو شخص اس اسم ذات (اللہ) کو ہزار بار پڑھے وہ صاحب یقین ہو اور جو شخص اس کو نماز کے بعد سو بار پڑھے اس کا باطن کشادہ ہو اور وہ صاحب کشف ہو۔

اَلرَّحْمٰنُ بخشنے والا اَلرَّحِیْمُ ان دونوں ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے (یعنی صفات باری تعالیٰ کو اپنانے کے سلسلہ میں ان اسماء کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف کامل توجہ ہو، اسی ذات پر توکل و بھروسہ کیا جائے اپنا باطن اس کے ذکر میں مشغول رکھا جائے غیر اللہ سے بے پرواہی برتی جائے بندگان خدا پر رحم کیا جائے چنانچہ مظلوم کی حمایت و مدد کی جائے اور ظالم کو بطریق نیک ظلم سے باز رکھا جائے اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر سے غفلت برتنے والوں کو خبردار کیا جائے گنہ گار کی طرف رحمت کی نظر کی جائے نہ کہ اسے نظر حقارت سے دیکھا جائے اپنی طاقت کے بقدر شرع امور کے استیصال میں کوشش صرف کی جائے اور اپنی وسعت و ہمت کے مطابق محتاجوں اور ضرورت مندوں کی حاجتوں کو پورا کرنے کی سعی کی جائے۔

خاصیت: جو شخص ہر نماز کے بعد سو بار الرحمٰن الرحیم کہے حق تعالیٰ اس کے دل سے غفلت، نسیان اور قساوت دور کرے گا اور تمام مخلوق اس پر مہربان و مشفق ہوگی۔

اَلْمَلِکُ حقیقی بادشاہ یعنی وہ زمین و آسمان اور تمام عالم کا حقیقی بادشاہ ہے دونوں جہاں اسی کے تصرف اور قبضہ میں ہیں وہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج۔

لہٰذا جب بندہ نے اس کی یہ حیثیت و صفت جان لی تو اس پر لازم ہے کہ اس کی بارگاہ کا بندہ و غلام اور اسی کے در کا گدا بنے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعہ اسی کے آستانہ عزت و جاہ کی طلب کرے۔ نیز بندہ پر لازم ہے کہ اس کی بارگاہ قدرت و تصرف سے تعلق پیدا کرے اس کے علاوہ ہر ایک سے کلیۃً بے نیازی اختیار کرے۔ نہ کسی سے اپنی ضرورت و حاجت بیان کرے اور نہ کسی سے ڈرے نہ امید رکھے اپنے دل، اپنے نفس، اور اپنے قالب کی دنیا کا حاکم بنے اور اپنے اعضاء اور اپنے قویٰ کو قابو میں رکھ کر اس کی اطاعت و عبادت اور شریعت کی فرمانبرداری میں لگا دے تاکہ صحیح معنی میں اپنے وجود کی دنیا کا حاکم کہلائے۔

خاصیت: جو شخص اس اسم کو اسم القدوس کے ساتھ (یعنی ملک القدوس) پابندی کے ساتھ پڑھتا رہے تو اگر وہ صاحب ملک اور سلطنت ہوگا تو اس کے ملک اور سلطنت کو اللہ تعالیٰ قائم و دائم رکھے گا اور جو صاحب سلطنت نہ ہوگا تو اس کی برکت سے اس کا اپنا نفس مطیع و فرمانبردار رہے گا اور جو شخص اسے عزت و جاہ کے لئے پڑھے تو اس کا مقصود حاصل ہوگا اور اس بارہ میں یہ عمل مجرب ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحمٰنؒ نے اس کی خاصیت یہ لکھی ہے کہ جو شخص اس اسم "الملک" کو روزانہ نوے بار پڑھے تو نہ صرف یہ کہ روشن اور تو انگر ہوگا بلکہ حکام و سلاطین اس کے لئے مسخر ہو جائیں گے اور عزت و احترام اور جاہ کی زیادتی کے حصول کے لئے یہ مجرب ہے۔

اَلْقُدُّوْسُ "نہایت پاک" قشیریؒ نے کہا ہے کہ جس شخص نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نہایت پاک ہے تو اب اس کو چاہئے کہ اس بات کی آرزو کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہر حالت میں عیوب اور آفات سے دور اور گناہوں کی نجاست سے پاک رکھے۔

خاصیت: جو شخص اس اسم پاک کو ہر روز زوال آفتاب کے وقت پڑھے اس کا دل صاف ہو اور جو شخص نماز جمعہ کے بعد اس اسم و اسم اَلسُّبُّوْحُ کے ساتھ (یعنی اَلْقُدُّوْسُ السُّبُّوْحُ) روٹی کے ٹکڑے پر لکھ کر کھائے تو فرشتہ صفت ہو اور جھگڑے کے وقت دشمنوں سے حفاظت کے وقت اس اسم کو جتنا پڑھا جا سکے پڑھا جائے اور مسافر اس کو برابر پڑھتا رہے اور کبھی ماندہ اور عاجز نہ ہو اور اگر اس کو تین سو انیس بار شیرنی پر پڑھ کر دشمن کو کھلا دے تو وہ مہربان ہو۔

اَلسَّلَامُ "بے عیب و سلامت" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کو ہر برے کام اور ہر برے اخلاق سے بے عیب بنائے! قشیریؒ نے کہا ہے کہ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ قلب سلیم کے ساتھ اپنے مولیٰ کی طرف رجوع کرے! بعض حضرات نے اس سے بندہ کا نصیب یہ بتایا ہے کہ "مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ و سلامت رہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بہت زیادہ شفقت کا معاملہ کرے جب وہ کسی ایسے مسلمان کو دیکھے جو اس سے عمر میں بڑا ہو تو یہ کہے کہ "یہ مجھ سے بہتر ہے کیونکہ اس نے میری نسبت زیادہ عبادت اور طاعت کی ہے اور ایمان و معرفت میں مجھ پر سبقت رکھتا ہے" اور اگر کسی ایسے مسلمان کو دیکھے جو عمر میں اس سے چھوٹا ہو تو بھی یہی کہے "یہ مجھ سے بہتر ہے" کیونکہ اس نے میری بنسبت گناہ کم کئے ہیں" نیز اگر کسی مسلمان بھائی سے کوئی قصور ہو جائے اور وہ معذرت کرے تو اس کی معذرت قبول کر کے اس کا قصور معاف کر دیا جائے۔

خاصیت: اگر کوئی شخص اس اسم مبارک کو کسی بیمار پر ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھے تو انشاء اللہ حق تعالیٰ اسے صحت و شفا عطا فرمائے گا اور اگر کوئی شخص اس کو برابر پڑھتا ہے تو خوف سے نڈر ہوگا۔

اَلْمُؤْمِنُ "امن دینے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ مخلوق خدا کو نہ صرف اپنے شر اور اپنی برائی سے بلکہ دوسروں کی برائی اور شر سے بھی امن میں رکھے۔

خاصیت: جو شخص اس اسم کو بہت پڑھتا رہے یا اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو حق تعالیٰ اس کو شیطان کی شر سے نڈر رکھے گا اور کوئی شخص اس پر حاوی نہیں ہوگا نیز اس کا ظاہر اور اس کا باطن حق تعالیٰ کی امان میں رہے گا اور جو شخص اس کو بہت زیادہ پڑھتا ہے گا مخلوق خدا اس کی مطیع اور فرمانبردار ہوگی۔

اَلْمُهَيْمِنُ "ہر چیز کا اچھی طرح محافظ و نگہبان۔" اس اسم سے عارف کا نصیب یہ ہے کہ بری عادتوں، برے عقیدوں اور بری چیزوں مثلاً حسد اور کینہ وغیرہما سے اپنے دل کی نگہبانی کرے اپنے احوال درست کرے اور اپنے قوی اور اپنے اعضا کو ان چیزوں میں مشغول ہونے سے محفوظ رکھے جو دل کو اللہ کی طرف سے غفلت میں ڈالنے والی ہوں۔

خاصیت: جو شخص غسل کے بعد اس اسم کو ایک سو پندرہ مرتبہ پڑھے وہ غیب اور باطن کی باتوں پر مطلع ہو اور جو شخص اس کو برابر پڑھتا رہے وہ تمام آفات سے پناہ پائے اور جنتیوں کی جماعت میں شامل ہو۔

اَلْعَزِیْزُ "غالب و بے مثل کہ کوئی اس پر غالب نہیں" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اپنے نفس، اپنی خواہشات اور شیطان پر غالب رہے علم و عمل اور عرفان بے مثل بنے اور مخلوق خدا کے آگے ہاتھ نہ پھیلا کر اپنی ذات کو عزت بخشے اور غیر اللہ کے آگے دست سوال دراز کر کے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔

ابوالعباس مرسیؒ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! عزت تو میں نے مخلوق خدا سے بلند ہمتی اختیار کرنے (یعنی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے ہی میں دیکھی ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ "اللہ کو عزیز و غالب و بے مثل) تو اسی نے جانا جس نے اس کے احکام اور اس کی شریعت کو عزیز یعنی (اپنے اوپر غالب) کیا اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں بے مثل بنا اور جس نے ان چیزوں میں سہل پسندی اور بے اعتنائی کا رویہ اختیار کیا اس نے خدا کی عزت نہیں پہچانی یعنی اسے عزیز نہیں مانا) اور ارشاد ربانی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

"اور اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مؤمنین کے لئے عزت ہے اور لیکن منافق اسے نہیں جانتے۔"

خاصیت: جو شخص اس اسم کو فجر کی نماز کے بعد اکتالیس بار پڑھے وہ دنیا اور آخرت میں کسی کا محتاج نہ ہو اور بعد خواری کے عزیز ہو اس کے علاوہ بھی اس اسم مبارک کی بڑی عجیب و غریب خاصیتیں مذکور ہیں۔

اَلْجَبَّارُ بگڑے کاموں کو درست کرنے والا" اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں "بندوں کو اس چیز کی طرف لانے والا جس کا ارادہ کرتا ہے" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ فضائل و کمال حاصل کر کے اپنے نفس کی خرابیوں کو درست کرے اور تقویٰ و پرہیزگاری اور طاعت پر مداومت اختیار کر کے اپنے نفس پر غالب ہو اور اس طرح درجہ کمال کو پہنچے۔

قشیریؒ کہتے ہیں کہ بعض کتابوں میں یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے میرے بندے! (کسی چیز کا) تو بھی ارادہ کرتا ہے اور میں بھی ارادہ کرتا ہوں (یعنی اس چیز کے بارے میں تیری خواہش کچھ ہوتی ہے اور میری مشیت کچھ اور) ہوتا وہی ہے جو میں ارادہ کرتا ہوں لہٰذا تو اگر اس پر راضی ہو جائے جس کا میں ارادہ کرتا ہوں (یعنی اس چیز کے بارہ میں میری طرف سے جو فیصلہ صادر ہو جائے تو اپنی خواہش کے علی الرغم اس کو بلاچون و چرا مان لے اور اس پر راضی ہو جائے) تو تو جو ارادہ کرتا ہے میں اس پر تجھ سے کفایت کروں گا۔ (یعنی اس کا نعم البدل عطا کروں گا) اور تو اگر اس پر راضی نہ ہوا۔ جس کا میں ارادہ کرتا ہوں تو پھر میں اس میں تجھ سے کفایت نہیں کروں گا جس کا تو ارادہ کرتا ہے (یعنی تجھے نعم البدل عطا نہیں کروں گا۔" اور پھر ہو گا وہی جو میں ارادہ کرتا ہوں۔ اور تو محروم کا محروم رہ جائے گا)

خاصیت: جو شخص مسبحات عشر کے بعد اس اسم کو اکیس بار پڑھے وہ ظالموں کی شر سے امن میں رہے گا جو شخص اس اسم کو پڑھنے پر ہمیشگی اختیار کرے گا وہ غیبت اور مخلوق کی بدگوئی سے نڈر اور امان میں رہے گا اور اہل دولت و سلطنت میں سے ہو گا اور اگر کوئی شخص اس اسم کو انگوٹھی پر نقش کرا کر پہنے تو لوگوں کے دل میں اس کی ہیبت اور شوکت بیٹھ جائے گی۔

اَلْمُتَكَبِّرُ "نہایت بزرگ" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ جب اسے حق تعالیٰ کی یہ بزرگی معلوم ہوئی تو اب اسے چاہئے کہ وہ خواہشات نفسانی کی طرف میلان اور لذات شہوانی کی طرف رغبت سے تکبر یعنی پرہیز کرے کیونکہ ان چیزوں کی طرف رغبت کرے گا تو جانور کا شریک ہو گا۔ بلکہ ہر اس چیز سے تکبر کرنا چاہئے جو باطن کو حق سے باز رکھے اور حق تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے علاوہ ہر چیز کو حقیر جاننا اور تواضع و تذلل کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے اور اپنی ذات سے تکبر کے تمام دعوؤں کو زائل کرنا چاہئے تاکہ نفس صاف ہو اور اس میں خدا کی محبت جاگزیں ہو اور اس طرح نہ نفس کا اختیار باقی رہے اور نہ غیر اللہ کے ساتھ قرار۔

خاصیت: جو شخص اپنی بیوی سے مباشرت کے وقت دخول سے پہلے اس مبارک اسم کو دس مرتبہ پڑھے تو انشاء اللہ حق تعالیٰ اسے پرہیزگار

فرزند خلف عطا فرمائے گا اور جو شخص اپنے ہر کام کی ابتداء میں یہ اسم مبارک بہت پڑھے تو خدا نے چاہا وہ اپنی مراد کو پہنچے گا۔

اَلْخَالِقُ مشیت و حکمت کے موافق پیدا ہونے والی چیز کا اندازہ کرنے والا۔"

خاصیت: جو شخص اس اسم مبارک کو برابر پڑھتا رہتا ہے حق تعالیٰ اس کے لئے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے تاکہ وہ اس کی طرف سے قیامت کے دن تک عبادت کرتا رہے، نیز حق تعالیٰ اس اسم مبارک کی برکت سے اس شخص کا دل اور منہ، روشن و نورانی کر دیتا ہے! حضرت شاہ عبدالرحمنؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص رات میں یہ اسم بہت زیادہ پڑھے گا اس کا دل اور منہ روشن و منور ہوگا اور وہ تمام کاموں پر حاوی رہے گا۔

اَلْبَارِئُ "پیدا کرنے والا"

خاصیت: جو شخص اس اسم کو ہفتہ میں سو بار پڑھ لیا کرے حق تعالیٰ اس کو قبر میں نہیں چھوڑے گا بلکہ ریاض قدس میں لے جائے گا اور جو حکیم و معالج اس اسم کو مستقل طور پر پڑھتا رہے وہ جو بھی علاج کرے گا کامیاب رہے گا۔

اَلْمُصَوِّرُ صورت بنانے والا" مذکورہ بالا ان تینوں ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ جب کوئی چیز دیکھے اور جب بھی کسی چیز کا تصور کرے تو خدا کی قدرتوں اور عجائبات میں غور و فکر کرے جو اس چیز میں موجود ہیں۔

خاصیت: اگر کوئی عورت بانجھ ہو اور اولاد کی دولت سے محروم ہو تو اسے چاہئے کہ وہ سات دن روزے رکھے اور ہر روز افطار کے وقت اکیس بار المصور پڑھ کر پانی پر دم کرے اور اسے پی لے انشاء اللہ حق تعالیٰ اسے فرزند نیک عطا فرمائے گا۔ جو شخص کسی دشوار اور مشکل کام کے وقت اس اسم کو بہت پڑھے وہ کام آسان ہو جائے گا۔

اَلْغَفَّارُ بندوں کے گناہوں کو بخشنے والا اور ان کے عیوب کو ڈھانکنے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لے کہ گناہوں کو خدا کے علاوہ اور کوئی نہیں بخشتا نیز اسے چاہئے کہ وہ لوگوں کے عیوب کو چھپائے کسی سے کوئی قصور و خطا ہو جائے تو اس سے درگزر کرے اور اپنے اوپر ہمہ اوقات خصوصاً سحر کے وقت استغفار کو لازم کرے جو شخص جمعہ کے نماز کے بعد سو بار یہ کہتا ہے۔

یَا غَفَّارُ اغْفِرْلِی ذُنُوْبِی۔

"اے بخشنے والے! میرے گناہ بخش دے۔"

تو حق تعالیٰ اسے ان لوگوں میں سے قرار دیتا ہے جن کی بخشش ہو چکی ہوتی ہے۔

اَلْقَهَّارُ غالب کہ اس کی قدرت کے سامنے عاجز و مغلوب ہیں۔" اس اسم مبارک سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اپنے بڑے دشمنوں پر غالب ہو کر انہیں اپنے سامنے عاجز اور اپنا مغلوب بنا دے اور وہ بڑے دشمن نفس اور شیطان ہیں۔

خاصیت: جو کوئی اس اسم کو بہت پڑھتا ہے حق تعالیٰ اس کے دل سے دنیا کی محبت دور کر دیتا ہے اور اس کا خاتمہ بخیر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے دل میں شوق و محبت پیدا کرتا ہے اور جو شخص اس اسم کو اپنی کسی بھی مہم کے لئے سو بار پڑھے تو اس کی مہم آسان ہو جائے گی اور جو کوئی اس کو پڑھنے میں ہمیشگی اختیار کرے گا اس کے دل سے دنیا کی محبت جاتی رہے گی اور اگر کوئی شخص سنت و فرض نمازوں کے درمیان اس اسم کو سو بار بہ نیت مقہوری پڑھے تو بڑے سے بڑا دشمن مقہور و مغلوب ہو۔

اَلْوَهَّابُ بغیر بدلہ کے بہت دینے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنا مال بغیر کسی غرض اور بلا کسی عوض کے لالچ کے خرچ کرے۔

خاصیت: جو کوئی فقر و فاقہ کی تکلیف و مصیبت جھیل رہا ہو تو اسے چاہئے کہ اس اسم پاک کو پڑھنے پر ہمیشگی اختیار کرے حق تعالیٰ اسے

اس مصیبت سے اس طرح نجات دے گا کہ وہ حیران رہ جائے گا اور جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے وہ اس کا ایسا ہی اثر پائے گا، اور جو شخص نماز چاشت کے بعد سجدہ کی کوئی آیت پڑھے۔ اور پھر سجدہ میں سر رکھ کر سات بار یہ اسم پاک پڑھے تو مخلوق سے بے نیاز و بے پرواہ ہو جائے گا اور اگر کسی کو اپنی کوئی حاجت پوری کرانی ہو تو وہ آدھی رات کو اپنے مکان یا مسجد کے صحن میں تین بار سجدہ کرے اور پھر ہاتھ اٹھا کر اسم کو سو بار پڑھے انشاء اللہ اس کی حاجت ضرور پوری ہوگی۔

مولانا شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ فراخی رزق کے لئے چاشت کے وقت چار رکعت نماز پڑھی جائے نماز سے فراغت کے بعد سجدہ میں جاکر ایک سو چار مرتبہ یا وھاب پڑھا جائے اور اگر اتنا وقت نہ ہو تو پچاس مرتبہ پڑھ لیا جائے انشاء اللہ رزق میں وسعت و فراخی ہوگی۔

اَلرَّزَّاقُ رزق پیدا کرنے والا اور مخلوقات کو رزق پہنچانے والا" رزق اس چیز کو کہتے ہیں جس سے فائدہ اٹھایا جائے پھر اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں ظاہری اور باطنی باطنی وہ ہے جس سے نفس کو اور دل کو فائدہ پہنچے جیسے علوم معارف وغیرہ اور ظاہری وہ ہے جس سے بدن کو فائدہ پہنچے مثلاً کھانے پینے کی چیزیں اور اسباب یعنی کپڑا وغیرہ۔

اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اس بات پر کامل یقین و اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی بھی ذات رزق دینے کے قابل نہیں ہے لہٰذا وہ رزق کی توقع صرف اللہ تعالیٰ سے ہی رکھے اور اپنے تمام امور اسی کی طرف سونپے نیز اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے لوگوں کو جسمانی اور روحانی رزق پہنچاتا رہے یعنی جو محتاج و ضرورت مند ہوں ان پر اپنا مال خرچ کرے۔ جو کہ کم علم اور گمراہ ہوں انہیں تعلیم دے اور ان کی ہدایت کرے اور ہر مسلمان کے لئے دعا خیر کرتا رہا کرے وغیرہ وغیرہ کسی عارف سے پوچھا گیا کہ آپ کے کھانے پینے کا انتظام کیسے ہوتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جب سے مجھے اپنے خالق کا عرفان حاصل ہوا میں نے کبھی بھی اپنے رزق کا فکر نہیں کیا اسی طرح ایک عارف سے پوچھا گیا کہ "قوت غذا کیا ہے؟ انہوں نے کہا حَیُّ الَّذِیْ لَایَمُوْتُ (وہ پاک ذات یعنی اللہ ایسا زندہ ہے جس کے لئے موت نہیں ہے) کا ذکر۔

خاصیت: جو شخص صبح صادق کے طلوع کے بعد اور نماز فجر سے پہلے اپنے گھر کے چاروں کونوں میں اس اسم پاک کو دس دس مرتبہ پڑھے اس طرح کہ داہنی طرف سے پڑھنا شروع کرے اور منہ قبلہ کی طرف سے نہ پھیرے تو اس گھر میں رنج اور مفلسی کا گزر نہیں ہوگا۔

اَلْفَتَّاحُ "حکم کرنے والا" اور بعضوں نے کہا ہے "رزق رحمت کے دروازے کھولنے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان صلح و صفائی اور انصاف کے لئے فیصلہ کرنے کی سعی و کوشش کرتا ہے اور مظلوموں کی مدد کرے نیز لوگوں کی دنیاوی اور اخروی حاجتوں کو پورا کرنے کا ارادہ رکھے۔

قشیریؒ نے فرمایا "کہ جس شخص نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ رزق و رحمت کے دروازے کھولنے والا، اسباب میسر کرنے والا اور تمام چیزوں کو درست کرنے والا ہے تو اب وہ اللہ کے علاوہ کسی اور میں اپنا دل نہیں لگائے گا۔

خاصیت: جو شخص نماز فجر کے بعد اپنے سینہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر ستر بار اس اسم کو پڑھے تو اس کے دل کا میل جاتا رہے گا اور اسے قلب و باطن کی بہت زیادہ صفائی حاصل ہوگی۔

اَلْعَلِیْمُ "ظاہر و باطن کا جاننے والا" کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "جس شخص نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ میرا حال خوب جانتا ہے تو اب اس کے لئے ضروری ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے کسی مصیبت و بلا میں مبتلا کرے تو وہ اس پر صبر کرے اور جو کچھ عطا کرے اس کا شکر ادا کرے اور اس سے اپنی خطاؤں کی بخشش و معافی کا خواستگار ہو۔

بعض کتابوں میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ (بندوں سے) فرماتا ہے "اگر تم یہ نہیں جانتے کہ ہر حالت میں تم پر میری نظر رہتی ہے اور میں تمہیں دیکھتا ہوں تو پھر تمہارے ایمان میں کمی ہے اور اگر تم یہ جانتے ہو کہ میں تمہیں ہر وقت دیکھتا رہتا ہوں تو پھر کیوں تم مجھے دیکھنے

والوں میں سب سے حقیر سمجھتے ہو؟ یعنی (دوسروں سے تو تم ڈرتے ہو اور شرم کرتے ہو کہ کہیں وہ تمہیں برائی اور تمہارے کسی جرم کو دیکھ نہ لیں لیکن کسی بھی برائی اور جرم کے وقت مجھ سے نہ ڈرتے ہو اور شرم نہ کرتے ہو جب کہ تمہاری ایک ایک حرکت میری نظر رہتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) میرے مقابلہ پر تم دنیا والوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہو۔

خاصیت: جو شخص اس اسم کو بہت زیادہ پڑھتا ہے حق تعالیٰ اسے اپنی معرفت بہت زیادہ عطا کرتا ہے اور جو شخص نماز کے بعد یاعالم الغیب سو مرتبہ کہے حق تعالیٰ اسے صاحب کشف بنائے گا اور اگر کوئی چاہے کہ اسے کسی پوشیدہ چیز کا علم ہو تو اسے چاہئے کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد مسجد میں یہ سو مرتبہ کہہ کر سوئے۔ انشاء اللہ اس پر اس چیز کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔

اَلْقَابِضُ بندوں کی روزی یا دل تنگ کرنے والا اور اس کی روح قبض کرنے والا۔"

خاصیت: اگر کوئی شخص اس نام پاک کو چالیس دنوں تک روزانہ (روٹی وغیرہ) چار نوالوں پر لکھ کر کھایا کرے تو انشاء اللہ وہ بھوک اور قبر کے عذاب سے امن میں رہے گا۔

اَلْبَاسِطُ "بندوں کی روزی میں وسعت و فراخی پیدا کرنے والا یا ان کا دل کشادہ کرنے والا" ان دونوں ناموں (القابض اور الباسط) سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ تو کسی بلاء و مصیبت کے وقت نا امید ہو اور نہ اس کی بخشش و عطا کے وقت بے فکری اختیار کرے اور تنگی کو اس کے عدل کا نتیجہ جانے اور اس پر صبر کرے اور فراخی و وسعت کو اس کے فضل کا ثمرہ سمجھے اور اس پر شکر گزار ہو۔ (قشیری) کہتے ہیں کہ یہ دونوں کیفیت یعنی دل کا تنگ اور کشادہ ہونا) عارفوں کے دل پر طاری ہوتی ہے کہ جب خوف خدا غالب ہوتا ہے تو ان کے دل تنگ ہوتے ہیں اور جب رحمت کی امید غالب ہوتی ہے تو ان کے دل کشادہ ہوتے ہیں! چنانچہ حضرت جنید بغدادی کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا "خوف میرے دل کو تنگ کر دیتا ہے امید میرے دل کو کشادہ کر دیتی ہے حق مجھے جمع کرتا ہے (یعنی حق تعالیٰ کی یاد سے مجھے خاطر جمعی حاصل ہوتی ہے) اور مخلوق مجھے منتشر کرتی ہے (یعنی مخلوق کی صحبت سے میں پراگندہ خاطر اور متوحش ہوتا ہوں) اور بندہ کی شان کا تقاضہ یہ ہے کہ تنگی اور پریشانی کی حالت میں بے قراری سے پرہیز کرے اور وسعت و فراخی کے وقت بے جا خوشی اور بے ادبی سے اجتناب کرے کہ ان چیزوں سے بڑے بڑے لوگ ڈرتے رہے ہیں۔

خاصیت: جو شخص سحر کے وقت ہاتھ اٹھا کر اس اسم پاک کو دس بار پڑھے اور پھر اپنے ہاتھوں کو منہ پر پھیرے تو اسے کبھی یہ ضرورت محسوس نہیں ہوگی کہ وہ کسی سے اپنی کوئی حاجت پوری کرنے کی درخواست کرے۔

اَلْخَافِضُ کافروں کو ذلیل و خوار کر کے یا ان کو اپنی درگاہ سے دور رکھ کر پشت کرنے والا۔"

خاصیت: جو شخص تین روزے رکھے اور چوتھے روز ایک نشست میں اس اسم پاک کو ستر ہزار بار پڑھے وہ دشمنوں پر فتح پائے گا۔

اَلرَّافِعُ مؤمنوں کی مدد کر کے یا ان کو اپنی درگاہ کا قرب بخش کر بلند کرنے والا۔" ان دونوں ناموں (الخافض اور الرافع) سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اپنی کسی بھی حالت پر اعتماد نہ کرے اور نہ اپنے علوم و اعمال میں سے کسی چیز پر بھروسہ کرے اور اس چیز کو پست و مغلوب کرے جس کو اللہ نے پست کرنے کا حکم دیا ہے مثلاً نفس و خواہش، اس چیز کو بلند کرے جس کو اللہ نے بلند کرنے کا حکم دیا ہے جیسے دل اور روح۔

منقول ہے کہ ایک شخص کو لوگوں نے ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تم اس مرتبہ کو کیونکر پہنچے؟ اس نے کہا کہ میں نے اپنی ہوا (یعنی اپنی خواہشات کو پس پشت ڈال دیا تو اللہ تعالیٰ نے فضا کی ہوا کو میرے لئے مسخر کر دیا۔

خاصیت: جو شخص اس اسم پاک کو آدھی رات کے وقت یا دوپہر میں سو مرتبہ پڑھے حق تعالیٰ اسے مخلوق میں برگزیدہ اور تونگر اور بے نیاز بنائے گا۔

اَلْمُعِزُّ "عزت دینے والا" جو شخص اس اسم پاک کو دوشنبہ کی شب میں یا جمعہ کی شب میں ایک سو چالیس مرتبہ پڑھے گا مخلوق کی نظر میں اس کی ہیبت و شوکت پیدا ہوگی اور وہ حق تعالیٰ کے علاوہ کسی کے خوف میں مبتلا نہیں ہوگا۔

اَلْمُذِلُّ "ذلت دینے والا" ان دونوں ناموں (المعز اور المذل) سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو عزیز رکھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم و معرفت کی وجہ سے عزیز رکھا ہے۔ اور ان لوگوں کو ذلیل و خوار سمجھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے کفر و ضلالت کے سبب سے ذلیل و خوار قرار دیا ہے۔

خاصیت: اگر کوئی شخص کسی ظالم و حاسد سے ڈرتا ہو اسے چاہئے کہ وہ اس اسم پاک کو پچھتر بار پڑھے اس کے بعد سجدہ کرے اور بارگاہ حق میں یوں عرض کرے "اے اللہ! فلاں ظالم و حاسد کی شر سے مجھے امان دے" حق تعالیٰ اسے امان دے گا"۔

اَلسَّمِيْعُ سننے والا اَلْبَصِيْرُ دیکھنے والا" ان ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ خلاف شرع چیزوں کے کہنے سننے اور دیکھنے سے پرہیز کرے اور اللہ کو اپنے اقوال و افعال پر حاضر و ناظر جانے:

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے غیر اللہ سے اس چیز کو چھپایا جس کو وہ اللہ سے نہیں چھپاتا اس نے گویا اللہ کی نظر کو حقیر جانا لہٰذا جس شخص نے یہ جانتے ہوئے کوئی گناہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے تو اس نے بڑی جرأت کی اور کیا ہی بڑی جرأت کی؟ اور جس نے اس گمان کے ساتھ کوئی گناہ کیا کہ اسے اللہ نہیں دیکھتا ہے تو پھر اس نے بڑا کفر کیا اور کیا ہی بڑا کفر کیا؟ اس لئے بطور تعلیق بالمحال کہا جاتا ہے کہ اگر تم اپنے خدا کا کوئی جرم کرو تو ایسی جگہ کرو جہاں وہ تمہیں نہ دیکھے مطلب یہ ہے کہ ایسی کون سی جگہ ہے کہ خدا کی نظر سے پوشیدہ ہو، اور جب ایسی کوئی جگہ بھی ممکن نہیں جہاں خدا گناہ کرتے نہ دیکھے تو پھر گناہ نہ کرو۔

خاصیت: جو شخص اس اسم پاک "السمیع" کو پنجشنبہ کے دن نماز چاشت کے بعد پانچ سو بار ایک قول کے مطابق ہر روز نماز چاشت کے بعد ایک سو بار پڑھے اور پڑھنے کے درمیان کوئی کلام نہ کرے تو اس کے بعد جو دعا مانگے قبول ہوگی۔ اور اگر کوئی شخص فجر کی سنت و فرض نماز کے درمیان اسم پاک "البصیر" کو کامل اور صحیح اعتقاد کے ساتھ ایک سو ایک بار پڑھا کرے تو انشاء اللہ وہ حق تعالیٰ کی نظر عنایت کے ساتھ مختص ہوگا۔

اَلْحَكَمُ حکم کرنے والا کہ اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ جب اس نے یہ جان لیا کہ حق تعالیٰ ایسا حاکم ہے کہ اس کے حکم اور اس کے فیصلہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا تو اب اسے چاہئے کہ وہ اس کا ہر حکم مانے اور اس کی مشیت و قضا کا تابعدار رہو، لہٰذا جو بندہ اس کی مشیت اور اس کی قضا و قدر پر قصداً راضی نہ ہوگا تو حق تعالیٰ اس پر اپنی مشیت اور اپنا فیصلہ زبردستی جاری کرے گا اور جو شخص برضا و رغبت اور دل کے ساتھ بخوشی اسے مان لے گا۔

حق تعالیٰ اسے اپنی رحمت اور اپنے کرم سے نوازے گا وہ خوشی اور اطمینان کی زندگی گزارے گا اور وہ غیر اللہ کے سامنے اپنی فریاد لے کر جانے کا محتاج نہیں ہوگا۔

خاصیت: جو شخص اس اسم مبارک کو شب جمعہ میں اور ایک قول کے مطابق آدھی رات کے وقت اتنا پڑھے کہ بے ہوش ہو جائے تو حق تعالیٰ اس کے باطن کو معدن اسرار بنا دے گا۔

اَلْعَدْلُ "انصاف کرنے والا" یہ جاننے کے بعد کہ اللہ انصاف کرنے والا ہے بندہ کو چاہئے کہ اس کے احکام اور اس کے فیصلوں سے اپنے اندر گھبراہٹ اور تنگی پیدا نہ کرے بلکہ یہ یقین رکھے کہ اس نے میرے بارہ میں جو فیصلہ فرمایا ہے وہ عین انصاف ہے لہٰذا اس پر توکل اور اعتماد کے ذریعہ راحت و اطمینان پیدا کرنے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ اسے دے اس کو اس جگہ خرچ کرنے سے دریغ نہ کرے جہاں خرچ کرنا از راہ شرع و عقل مناسب ہے اور اس کے عدل سے ڈرے اس کے فضل و کرم کا امیدوار رہے اور تمام امور میں افراط و تفریط سے پرہیز کرتے ہوئے درمیانی راہ کو اختیار کرے۔

خاصیت: یہ جو شخص اس اسم پاک کو شب جمعہ میں روٹی کے بیس لقموں پر لکھ کر کھائے حق تعالیٰ تمام مخلوق کو اس کے لئے مسخر کر دے گا۔

اَللَّطِیْفُ اپنے بندوں پر نرمی کرنے والا اور باریک بین کہ اس کے لئے دور و نزدیک یکساں ہیں۔" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ امور دین و دنیا میں غور و فکر کرے اور نرمی کے ساتھ لوگوں کو راہ حق کی طرف بلائے۔

خاصیت: جس شخص کو اسباب معیشت مہیا نہ ہوں اور فقر و فاقہ میں مبتلا رہتا ہو، یا غربت میں کوئی غمخوار نہ ہو یا بیمار ہو اور کوئی اس کی تیمارداری نہ کرتا ہو یا اس کے لڑکی ہو کہ اس کا رشتہ وغیرہ نہ آتا ہو تو اسے چاہئے کہ پہلے اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھ کر اس اسم پاک کو اپنے مقصد کی نیت کے ساتھ سو بار پڑھے انشاء اللہ حق تعالیٰ اس کی مشکل آسان کرے گا اسی طرح لڑکیوں کا نصیب کھلنے کے لئے، امراض سے صحت یابی کے لئے اور مہمات کی تکمیل کے لئے اس اسم کو سو بار پڑھنے پر ہمیشگی اختیار کرنی چاہئے اس اسم کے متعلق پیران اخوانیہ کا عمل یہ ہے کہ ہر (دنیوی اور دینی) اہم کے لئے کسی خالی جگہ میں اس اسم کی دعا کی شرائط کے ساتھ سولہ ہزار تین سو اکتالیس (۱۶۳۴۱) مرتبہ پڑھا جائے انشاء اللہ مراد حاصل ہوگی۔

اَلْخَبِیْرُ "دل کی باتوں اور تمام چیزوں کو خبر رکھنے والا۔" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ جب اس نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ میرے بھیدوں پر مطلع ہے اور میرے دل کی باتیں تک جانتا ہے تو اب اس کے لئے لازم ہے کہ وہ بھی اس کو یاد رکھے اور اس کی یاد کے آگے اس کے ماسوا کو بھول جائے۔ ضلالت کے راستوں سے پرہیز کرے۔ اپنی ذات پر ریاکاری کے ترک اور تقویٰ کے اختیار کو لازم کرے۔ باطن کی اصلاح میں مشغول رہے اس سے غفلت نہ برتے اور دین و دنیا کی بہترین کھلی باتوں کی خبر رکھنے والا ہے

خاصیت: جو شخص نفس امارہ کے ہاتھوں گرفتار ہو وہ اس اسم پاک کو بہت زیادہ پڑھتا رہے خدا نے چاہا تو اس سے نجات پائے گا۔

اَلْحَلِیْمُ بردبار کہ مؤمن کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ان کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ توبہ کر کے فلاح پائیں۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ بد طینت لوگوں کی ایذاء پر تحمل کرے، زیر دستوں کو سزا دینے پر تامل کرے اور غیض و غضب اور غصہ سے دور رہے اور حلم کے اس مرتبہ کمال کو پہنچنے کی کوشش کرے کہ اگر کوئی شخص اس کے ساتھ برائی کرے تو وہ اس کے ساتھ نیکی کرے۔

خاصیت: اگر کوئی شخص اس اسم پاک کو کاغذ پر لکھ کر دھوئے اور اس کا پانی کھیتی و درخت میں ڈالے نقصان سے محفوظ رہے گا، ان میں برکت ہوگی۔ اور ان سے پورا پورا ثمرہ حاصل ہوگا۔

اَلْعَظِیْمُ ذات پاک میں فہم و شعور کی حد رسائی سے بھی زیادہ بزرگ و برتر" یعنی اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے اس کی بزرگی و بڑائی اور عظمت اتنی زیادہ ہے کہ انسان کی عقل اور اس کی فہم و شعور اس کی عظمت و بڑائی کا ادراک بھی نہیں کر سکتا اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ عظمت الٰہی کے آگے کونین کو بھی حقیر جانے، دنیا کے لئے کسی کے آگے اپنا سر نہ جھکائے۔ اپنے نفس کو حقیر جانے اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو کرنے کا حکم کیا ہے ان کو اختیار کرے اور جن چیزوں سے بچنے کا حکم کیا ہے ان سے اجتناب کرے اور جو چیزیں خدا کو محبوب ہیں ان میں مشغول رہ کر اپنے نفس کو ذلیل کرے تاکہ خدا کی رضا و خوشنودی حاصل ہو۔

خاصیت: جو شخص اس اسم پاک کو پڑھنے پر مداومت و ہمیشگی اختیار کرے وہ مخلوق خدا کی نظروں میں عزیز و مکرم ہوگا۔

اَلْغَفُوْرُ "بہت بخشنے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ رات و دن کے اکثر اوقات میں خصوصاً سحر کے وقت استغفار کو اپنے اوپر لازم کرے اور اس شخص کو بخشش و معافی دے جو اسے تکلیف و ایذا پہنچائے۔

خاصیت: جس شخص کو کوئی بیماری ہو مثلاً بخار اور درد سر وغیرہ یا کوئی رنج و غم اس پر غالب ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس اسم پاک کو کاغذ پر لکھے اور اس کے نقش کو روٹی پر جذب کر کے اسے کھالے۔ حق تعالیٰ اسے شفا و نجات عطا فرمائے گا اور اگر کوئی شخص اس کو بہت پڑھتا رہے

اس کے دل کی ظلمت جاتی رہے گی۔

ایک حدیث میں منقول ہے کہ "جو شخص سجدہ کرے اور سجدہ میں یَارَبِّ اغْفِرْلِی اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے۔ تین مرتبہ کہے حق تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دے گا۔" جس شخص کو درد سر کا عارضہ لاحق ہو یا کسی اور بیماری اور غم میں مبتلا ہو تو اسے چاہئے کہ یا غفور کے مقطعات تین مرتبہ لکھ کر کھالے انشاء اللہ شفا پائے گا۔

اَلشَّکُوْرُ "قدر دان" اور تھوڑے سے عمل پر بہت زیادہ ثواب دینے والا" منقول ہے کہ کسی شخص کو (جو مر چکا تھا) خواب میں دیکھا گیا تو اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ حق تعالیٰ نے کیسا معاملہ کیا؟ اس شخص نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھ سے حساب کیا تو میری نیکیوں کا پلڑا اٹھ گیا۔ (اور گناہوں کا پلڑا غالب ہو گیا) کہ اچانک نیکیوں کے پلڑے میں ایک تھیلی آگر پڑی جس سے وہ پلڑا جھک گیا۔ جب میں نے پوچھا کہ "یہ کیا ہے" تو مجھے بتایا گیا کہ یہ ایک مٹھی بھر مٹی ہے جو تو نے اپنے ایک مسلمان بھائی کی قبر میں ڈالی تھی۔" اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کا فضل و کرم کتنے معمولی عمل پر بھی بندہ کو بے انتہا ثواب و رحمت سے نوازتا ہے اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے بایں طور کہ تمام نعمتوں کو اسی کی عطا جان کر اپنے ہر عضو کو اسی کام میں مشغول رکھے جس کے لئے حق تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے اور ان کا شکر ادا کرتا رہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے:

لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ مَنْ لَّا یَشْکُرُ النَّاسَ۔

"وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا جو لوگوں کا شکر گزار نہیں ہوتا۔"

خاصیت: جس شخص کی معیشت تنگ ہو یا اس کی آنکھ کی روشنی اور قلب کے نور میں کمی پیدا ہو گئی ہو تو وہ اس اسم پاک کو اکتالیس بار پانی پر پڑھ کر پیئے اور آنکھوں پر ملے انشاء اللہ تونگری حاصل ہو گی اور شفا پائے گا۔

اَلْعَلِیُّ "بلند مرتبہ" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ خدا کی ظاہری اور باطنی طاعات اور عبادات کے ذریعہ اپنے نفس کو ذلیل کرے اور اپنی تمام تر توانائی علم و عمل کے حصول میں صرف کرے یہاں تک وہ انتہائی کمالات اور مراتب عالی کو پہنچے۔ حدیث شریف میں منقول ہے کہ "اللہ تعالیٰ اعلیٰ امور کو پسند کرتا ہے (کیونکہ اس کی وجہ سے بندہ اعلیٰ مراتب اور بلند درجات کو پہنچتا ہے) اور ادنی امور کو ناپسند کرتا ہے اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ مقولہ ہے کہ "علو ہمتی ایمان ہی سے پیدا ہوتی ہے۔"

خاصیت: جو شخص اس اسم پاک پر مداومت کرے یا اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو اگر وہ کمتر اور بے قدر ہو تو بزرگ و بلند مرتبہ ہو جائے گا۔ فقر و افلاس میں مبتلا ہو تو تونگری حاصل ہو گی اگر سفر کی صعوبتوں میں مبتلا ہو تو وطن مالوف کو لوٹنا نصیب ہو گا۔

اَلْکَبِیْرُ "بڑا اور ایسا بڑا کہ اس کی بڑائی میں کوئی اس کا ہمسفر نہیں" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اس کی بڑائی کو ہمیشہ یاد رکھے یہاں تک کہ اس کے ماسوا کی بڑائی کو بالکل فراموش کردے علم و عمل کے حصول کے ذریعہ اپنے نفس کو کامل بنانے کی کوشش کرے تاکہ اس کے کمال اور اس کے فیض سے دوسرے مستفید ہوں، تواضع و انکساری اختیار کرنے میں مبالغہ کرے اور خدمت مولیٰ کو اپنے اوپر لازم قرار دے کر بے اعتنائی و بے ادبی سے احتراز کرے۔

خاصیت: اس اسم پاک کو بہت زیادہ پڑھنے والا بزرگ، مرتبہ اور عالی قدر ہوتا ہے اور اگر حکام و فرمانروا اس اسم پاک پر مداومت کریں تو لوگوں پر ان کا خوف و دبدبہ غالب ہو اور ان کے تمام امور بحسن خوبی انجام پائیں۔

اَلْحَفِیْظُ "عالم کو آفات و نقصانات سے محفوظ رکھنے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اپنے اعضاء کو گناہوں سے اور باطن کو ملاحظہ اغیار سے محفوظ رکھے اور اپنے تمام امور میں خدا کے فیصلوں اور اس کی مشیت پر اکتفا کرے اور اس کی قضا و قدر پر راضی ہو۔

ایک بزرگ کا یہ قول منقول ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے جس شخص کے اعضاء محفوظ رکھے اس کا دل محفوظ رکھا اور جس کا دل محفوظ رکھا

اس کے بھیدوں کو محفوظ کیا۔

منقول ہے کہ ایک دن اتفاق سے ایک بزرگ و صالح کی نظر کسی ممنوع چیز پر پڑ گئی فوراً وہ بارگاہ الٰہی میں عرض رساں ہوئے "الٰہ العالمین! مجھے اپنی بینائی کی بقاء کی صرف اسی لئے تمنا تھی تاکہ تیری عبادت میں کام آئے اب جب کہ تیرے حکم کی مخالفت کا سبب بن گئی ہے تو پروردگار اسے مجھ سے چھین لے۔" چنانچہ ان کی بینائی جاتی رہی اور وہ اندھے ہوگئے وہ رات میں نماز پڑھا کرتے تھا۔ بینائی جانے کے بعد رات میں انہیں پریشانی ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ طہارت اور وضو کے لئے پانی لینے سے بھی محتاج ہوگئے اب جب پانی ان کے ہاتھ نہ لگا اور نماز و عبادت میں رکاوٹ پیدا ہوئی تو پھر خدا کے حضور عرض کیا "پروردگار" میں نے خود ہی کہا تھا کہ میری بینائی مجھ سے چھین لے لیکن اب رات میں تیری عبادت کے لئے مجھے اس کی ضرورت ہے اس کے بعد خدا نے ان کی بینائی واپس کردی اور وہ ٹھیک ہوگئے۔

خاصیت: اگر کوئی شخص اس اسم پاک کو لکھ کر اپنے دائیں بازو پر باندھ لے تو وہ ڈوبنے، جلنے، آسیب اور نظر بد وغیرہ سے محفوظ رہے گا۔

اَلْمُقِيْتُ بدن اور روح کے لئے قوت (غذا) پیدا کرنے والا اور انہیں قوت دینے والا۔" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ جب اس نے یہ جان لیا کہ وہی قوت پیدا کرنے والا ہے اور قوت دینے والا ہے تو اب اسے چاہئے کہ وہ اس کے ذکر (یعنی یاد الٰہی) کے سامنے اپنے قوت کا ذکر (یعنی اپنی غذا کا فکر) بھول جائے کیونکہ حقیقی قوت تو اسی کا ذکر اور اسی کی یاد ہے جیسا کہ حضرت سہل سے منقول ہے کہ ان سے جب قوت کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ حَيُّ الَّذِيْ لَايَمُوْتُ (ایسا زندہ جو نہیں مرتا) کا ذکر ہے" نیز بندہ کو چاہئے کہ وہ قوت اور قوت اپنے مولیٰ کے علاوہ اور کسی سے نہ مانگے ارشاد ربانی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔

"ایسی کوئی چیز نہیں ہے ہمارے پاس جس کے خزانے نہ ہوں اور ہم اسے اپنے اندازۂ مقرر کے مطابق ہی اتارتے ہیں۔"

نیز بندہ کو چاہئے کہ وہ اپنے ہر متعلق کو قوت دے جس کا وہ مستحق ہے تاکہ دوسروں کو نفع پہنچانا گمراہوں کی ہدایت کرنا اور بھوکوں کو کھانا کھلانا اس کا طرہ بن جائے۔

قشیریؒ فرماتے ہیں کہ "قوت مختلف نوع کے ہوتے ہیں ایک تو یہی ظاہری غذا اور خوراک کہ جس پر انسان کی زندگی کا مدار سمجھا جاتا ہے لیکن بعض بندے تو ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عبادات کی توفیق کو ان کے نفس کا قوت، مکاشفات کے صدور کو ان کے دل کا قوت اور مداومت مشاہدات کو ان کی روح کا قوت بنا دیتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی نیک بندہ کو اپنی طاعت و عبادات میں مشغول کرتا ہے اور اس طرح کہ وہ اپنی خواہشات نفس سے بالکل قطع نظر کرکے پورے حضور اور صدق و اخلاص کے ساتھ صرف اپنے مولیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کسی ایسے شخص کو مقرر فرما دیتا ہے جو اس کی خبرگیری اور خدمت کرتا ہے اور اس کے ذریعہ اس کی ضروریات زندگی خود بخود پوری ہوتی رہتی ہیں لیکن جب کوئی بندہ اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی خواہش کی تکمیل کو اسی کے بل بوتہ پر چھوڑ دیتا ہے اور اس کے اوپر سے اپنی عنایت و مدد کا سایہ اٹھا لیتا ہے۔

خاصیت: اگر کوئی شخص کسی کو غربت زدہ دیکھے یا خود غربت میں مبتلا ہو، یا کوئی بچہ اپنی بدخوئی سے باز نہ آتا ہو یا بہت روتا ہو تو کسی خالی پیالہ وغیرہ پر سات بار اس اسم پاک کو پڑھ کر دم کرے اور پھر اس پیالہ میں پانی ڈال کر پی لے یا جس کو ضرورت ہو اسے پلا دے، اسی طرح اگر کسی روزہ دار کو ہلاکت کا خوف ہو تو وہ اس اسم پاک کو کسی پھول پر پڑھ کر سونگھے انشاء اللہ اسے قوت و تقویت حاصل ہوگی اور روزے رکھنے کے قابل ہو جائے گا۔

اَلْحَسِيْبُ "ہر حال میں کفایت کرنے والا یا قیامت کے دن حساب لینے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ محتاجوں کو کفایت کرنے والا" یعنی ان کی حاجتوں کو پورا کرنے والا ہو اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے۔

قشیریؒ نے اس موقع پر جو بات کہی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندوں کو اللہ کا کفایت کرنا یہ ہے کہ وہ اس کے ہر حال میں اور ہر کام میں مددگار ہوتا ہے اور اس کا ہر کام پورا ہوتا ہے لہٰذا جب بندہ نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی اور میری ہر مراد اور میرے ہر کام کو پورا کرنے والا ہے تو اب اس کو چاہئے کہ وہ کسی بھی دنیاوی سہارے پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اگر اسے اپنے مقصد کے حصول میں کسی بھی دنیاوی سہارے سے بوقت ضرورت فائدہ نہ پہنچے جب کہ اسے اس سہارے پر اعتماد بھی رہا ہو تو اس سے بددل اور پریشان خاطر نہ ہو بلکہ یہ یقین رکھے کہ خدا نے میرے مقدر میں جو طے فرما دیا ہے، بہر صورت وہی ہوگا اگر قسمت میں حصول مقصد لکھا جا چکا ہے تو وہ ضرور حاصل ہوگا چاہے وہ دنیاوی سہارا کتنا ہی مایوس کن کیوں نہ ہو اور اگر قسمت میں مقصد کا حصول نہیں لکھا ہے تو وہ حاصل نہیں ہوگا چاہے وہ دنیاوی سہارا کتنا ہی مایوس کن کیوں نہ ہو اور اگر قسمت میں مقصد کا حصول نہیں لکھا ہے تو وہ حاصل نہیں ہوگا چاہے وہ دنیاوی سہارا کتنا ہی زور کیوں نہ لگا لے اور پھر یہ کہ جو شخص خدا کی طرف سے پیش آنے والی چیز پر جو کہ اگرچہ اس کا مطلوب نہیں ہے اکتفا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس چیز پر راضی و مطمئن کر دے گا جو اس نے اس شخص کے لئے طے فرما دی ہوگی چنانچہ اس کا اثر یہ ہوگا کہ ایسا بندہ اپنے اسی وصف (یعنی راضی برضا ہو جانے کی) بناء پر اپنے مطلوب کے عدم حصول کو اس کے حصول کے مقابلہ میں فقر کو غنا کے مقابلہ میں برضا و رغبت اختیار و قبول کرے گا اور بسبب مشاہدہ و تصرف مولیٰ حصول مقصد کے اسباب و ذرائع مہیا نہ ہونے ہی پر مطمئن ہو جائے گا۔

خاصیت: جو شخص کسی چور یا حاسد یا ہمسایہ بد اور دشمن کے شر سے ڈرتا ہو یا چشم زخم سے پریشان ہو تو وہ ایک ہفتہ تک ہر صبح و شام ستر بار حَسْبِيَ اللّٰهُ الْحَسِيْبُ (کفایت کرنے والا اللہ میرے لئے کافی ہے) پڑھ لیا کرے اللہ تعالیٰ اسے ان چیزوں کے شر اور پریشانی سے محفوظ رکھے گا۔

اَلْجَلِيْلُ "بزرگ قدر" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ صفات کمال کے ذریعہ اپنے نفس کو آراستہ کر کے بزرگ مرتبہ بنے۔

خاصیت: اگر کوئی شخص اس اسم پاک کو مشک و زعفران سے لکھ کر اپنے پاس رکھے یا کھائے تو تمام لوگ اس کی تعظیم و توقیر کرنے لگیں گے۔

اَلْكَرِيْمُ بڑا سخی اور بہت دینے والا کہ اس کا دینا نہ کبھی بند ہوتا ہے نہ اس کے خزانے خالی ہوتے ہیں" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ مخلوق خدا کو بغیر وعدہ کے مال و زر دیتا رہے اور ان کی ہر طرح کی مدد کرتا رہے نیز برے اخلاق اور برے فعل سے پرہیز کرے۔

خاصیت: جو شخص اپنے بستر پر پہنچ کر اس اسم پاک کو اتنا پڑھے کہ پڑھتے پڑھتے سو جائے تو اس کے لئے فرشتے دعا کریں اور کہیں اکرمک اللّٰہ اللہ تجھے بزرگ مرتبہ کرے) اور تو مکرم و معزز ہو۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ اس اسم کو بہت زیادہ پڑھا کرتے تھے اسی وجہ سے انہیں "کرم اللہ وجہہ" کہا جانے لگا۔

اَلرَّقِيْبُ "ہر چیز کی نگہبانی کرنے والا" اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ "بندوں کے احوال و افعال جانتے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت اور ہر حال میں اللہ ہی پر نظر رکھے اس کے علاوہ کسی اور سے سوال نہ کرے کہ ماسوا اللہ کی طرف التفات ظاہر ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے جن کی نگہبانی اور دیکھ بھال پر مقرر فرمایا ہے ان کی نگہبانی اور دیکھ بھال میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہ کرے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم سب راعی یعنی نگہبان ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے بارہ میں محاسبہ کیا جائے گا یعنی جن کی نگہبانی اور خبر گیری پر تمہیں متعین کیا گیا ہے ان کی نگہبانی اور خبر گیری کا حال تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنا فرض کہاں تک ادا کیا؟

قشیریؒ کہتے ہیں کہ اس طائفہ یعنی اولیاء اللہ کی جماعت کے نزدیک مراقبہ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ پر دل کے ساتھ..... اللہ کی یاد غالب ہو اور یہ یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ میرے حال پر مطلع ہے لہٰذا وہ ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرے اور ہر دم اس کے عذاب سے ڈرے چنانچہ صاحب مراقبہ اللہ تعالیٰ کی حیا اور اس کی ہیبت کی وجہ سے خلاف شرع باتیں اس شخص سے زیادہ چھوڑتا ہے جو عذاب

خداوندی کے ڈر سے گناہ چھوڑتا ہے اور جو شخص اپنے دل کی رعایت کرتا ہے (یعنی ضمیر کے صحیح تقاضے پر ہی عمل کرتا ہے) تو اس کا کوئی لمحہ خدا کی یاد اور اس کی اطاعت سے خالی نہیں رہتا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ایک ایک لمحہ اور ایک ایک عمل کا حساب لے گا خواہ وہ چھوٹے سے چھوٹا عمل ہو یا بڑے سے بڑا۔

چنانچہ ایک ولی کے بارہ میں منقول ہے کہ ان کے انتقال کے بعد انہیں کسی نے خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور مجھ پر اپنا احسان فرمایا لیکن پورا حساب لیا یہاں تک مجھ سے اس ایک عمل کا بھی مواخذہ کیا کہ ایک دن میں روزے سے تھا جب افطار کا وقت ہوا تو میں نے اپنے ایک دوست کی دکان سے گیہوں کا ایک دانہ اٹھالیا اور پھر اسے توڑا، مگا مجھے خیال آیا کہ گیہوں کا یہ دانہ میری ملکیت میں نہیں ہے یہ خیال آتے ہی میں نے اس دانے کو اس جگہ ڈال دیا چنانچہ اب جب کہ میرا حساب لیا گیا تو اس گیہوں کے توڑنے کی بقدر نیکی میری نیکیوں سے لی گئی۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جس شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسے ایک دن خدا کی بارگاہ میں اتنی چھوٹی سے چھوٹی باتوں کا بھی حساب دینا ہے تو کیا وہ گوارا کرے گا کہ اپنی عمر عزیز باطل چیزوں میں ضائع کرے۔ اور اپنے وقت کو تاہیوں اور غفلتوں کی نذر کر دے؟ حدیث شریف میں منقول ہے کہ "تم اپنے اعمال کا خود محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تم سے تمہارے اعمال کا حساب لیا جائے۔"

خاصیت: جو شخص اپنی بیوی، اپنی اولاد، اور اپنے مال پر اس اسم پاک کو سات مرتبہ پڑھ کر ان کے چاروں طرف دم کرے وہ تمام دشمنوں اور تمام آفات سے بے خوف ہو جائے گا۔

اَلْمُجِیْبُ "عاجزوں کی دعا قبول کرنے والا اور پکارنے والا" اس حدیث سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اوامر نواہی میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے اور حاجتمندوں کی حاجتوں کو پورا کرے۔

خاصیت: جو شخص اس اسم پاک کو بہت پڑھے اور پھر دعا کرے تو اس کی دعا جلد قبول ہوگی اور اگر اسے لکھ کر اپنے پاس رکھے تو حق تعالیٰ کی امان میں رہے گا۔

اَلْوَاسِعُ "وسیع علم والا اور اپنی نعمتوں سے سب کو نوازنے والا۔" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اپنے علم میں اپنی سخاوت میں اور معارف و اخلاق میں وسعت پیدا کرنے کی کوشش کرے سب ہی سے چہرہ کی بشاشت اور کشادگی کے ساتھ پیش آئے اور دنیاوی مقاصد کے حصول میں فکر مند نہ رہا کرے۔

خاصیت: جو شخص اس اسم پاک کو بہت پڑھے اور اس پر ہمیشگی اختیار کرے۔ حق تعالیٰ اسے قناعت اور برکت کی دولت سے نوازے گا۔

اَلْحَکِیْمُ "دانا اور استوار کار" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ کتاب اللہ میں مذکور صفات حمیدہ کو اپنائے اور کمال تعلق اس سے پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اپنے تمام امور میں استواری پیدا کرے نیز اسے چاہئے کہ وہ سفاہت یعنی بے وقوفی سے پرہیز کرے اور کوئی کام بغیر باعث حقانی اور بغیر داعیہ ربانی نہ کرے تاکہ اس کی ذات اسم "حکیم" کا پر تو ثابت ہو۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا "جب میں نے سنا کہ مغرب کے علاقہ میں ایک شخص اپنے علم و حکمت کی بناء پر بہت مشہور و معروف ہیں تو میں ان کی زیارت کے لئے ان کے پاس پہنچا میں چالیس دن تک ان کے دروازے پر پڑا رہا اور میں یہ دیکھتا تھا کہ وہ نماز کے وقت مسجد میں آتے اور حیران و پریشان پھرنے لگتے اور میری طرف قطعًا کوئی توجہ و التفات نہ فرماتے اس صورت حال سے جب میں تنگ آگیا تو ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ "جناب! چالیس دن سے میں یہاں پڑا ہوں لیکن نہ تو آپ میری طرف التفات کرتے ہیں اور نہ مجھ سے کلام کرتے ہیں؟ آپ مجھے کوئی نصیحت کیجئے اور کچھ باحکمت باتیں بتائیے کہ اسے میں یاد رکھوں!" انہوں نے کہا کہ "تم اس پر عمل کرو گے یا نہیں؟ میں نے کہا "ہاں! اگر خدا نے توفیق دی تو ضرور عمل کروں گا" پھر انہوں نے حکمت و موعظت سے بھرپور یہ بات مجھ سے کہی کہ "دنیا کو دوست نہ رکھو، فقر کو غنیمت جانو، بلا کو نعمت سمجھو، منع یعنی نہ ملنے کو عطا جانو، غیر

اللہ کے ساتھ نہ انس اختیار کرو اور نہ ان کی صحبت میں اپنے کو مشغول رکھو، خواری کو عزت سمجھو، موت کو حقیقی حیات جانو، طاعت و عبادت کو اپنی عزت کا ذریعہ سمجھو اور توکل کو اپنی معاش قرار دو۔

از سینہ محوکن ہمہ نام و نشان غیر الا کسے کہ می دہداز وے نشان ترا

خاصیت: اگر کسی شخص کو اپنے کسی کام میں پریشانی ہو اور وہ پورا نہ ہو رہا ہو تو اسے چاہئے کہ اس اسم پاک پر مداومت اور ہمیشگی اختیار کرے انشاء اللہ تعالیٰ اس کا کام پورا ہو جائے گا۔

اَلْوَدُوْدُ: "فرمانبردار بندوں کو دوست رکھنے والا یا اولیاء اللہ کے قلوب میں محبوب" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ مخلوق خدا کے لئے وہی چیز پسند کرے گا جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور ان پر اپنی بساط بھر احسان کرتا ہے "آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے"

بندوں کو اللہ تعالیٰ کا دوست رکھنا یہ ہے کہ وہ بندوں پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے۔ ان کی تعریف کرتا ہے ان کو خیر و بھلائی پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بندوں کا دوست رکھنا یہ ہے کہ وہ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور اپنے قلوب میں اس کی ہیبت و بڑائی رکھتے ہیں۔ حدیث میں منقول ہے کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے دوستوں میں بڑا دوست وہ ہے جو غیر عطا کے لئے میری عبادت کرتا ہے یعنی وہ عطا و بخشش کی امید سے نہیں بلکہ صرف میری رضا اور خوشنودی کی خاطر ہی عبادت کرتا ہے۔

خاصیت: اگر میاں بیوی کے درمیان ناچاقی پیدا ہو جائے اور تعلقات انتہائی کشیدہ ہو جائیں تو اس اسم پاک کو کسی کھانے کی چیز پر ایک ہزار ایک مرتبہ پڑھ کر دونوں میں سے اس کو کھلا دیا جائے جس کی طرف سے ناچاقی پیدا ہوتی ہو انشاء اللہ ان دونوں کے درمیان اتفاق و الفت کی فضا بحال ہو جائے گی۔

اَلْمَجِیْدُ: "بزرگ و شریف ذات" اس اسم سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو اسم مبارک "العظیم" کے بارہ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

خاصیت: جس شخص کو آبلہ پا، یا باد فرنگ (آتشک) یا برص اور یا جذام کا مرض لاحق ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ایام بیض میں روزے رکھے اور افطار کے وقت اس اسم پاک کو بہت پڑھے اور پانی پر دم کر کے پی لے۔ خدا نے چاہا تو یقیناً شفا پائے گا اور جس شخص کو اپنے ہم عصروں اور ہم جنسوں میں عزت و احترام کی نظر سے نہ دیکھا جاتا ہو تو وہ ہر صبح اس اسم پاک کو ننانوے مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے اسے عزت و احترام حاصل ہو گا۔

اَلْبَاعِثُ: "مردوں کی قبروں سے اٹھانے والا اور زندہ کرنے والا اور غافلوں کا دل خواب غفلت سے بیدار کرنے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ جاہل نفسوں کو تعلیم دے کر اور نصیحت کر کے انہیں دنیا سے بے رغبتی کا احساس دلا کر اور آخرت کی نعمتوں کا راغب بنا کر جہالت و غفلت کے خواب سے انہیں بیدار کرے اور ان کے مردہ قلوب کو زندہ کرے۔ چنانچہ وہ اپنے نفس سے اس کی ابتدا کرے اس کے بعد دوسروں کی طرف متوجہ ہو۔

خاصیت: اگر کوئی یہ چاہے کہ اس کے قلب کو حقیقی زندگی ملے۔ سوتے وقت اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر اس اسم پاک کو ایک سو ایک بار پڑھے۔ حق تعالیٰ اس کے دل کی مردنی کو دور کرے گا اور اسے حیات بخش کر انوار کا مسکن بنائے گا۔

اَلشَّهِیْدُ: "حاضر اور ظاہر و باطن پر مطلع" قشیری کہتے ہیں کہ اہل معرفت، اللہ سے اس کی ذات کے علاوہ اور کسی مونس کی خواہش نہیں کرتے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ صرف اسی ذات پر خوش اور مطمئن رہتے ہیں کیونکہ صرف خدا ہی ان کے تمام احوال پر نظر رکھتا ہے اور وہی ان کے تمام امور و افعال کو جانتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ

"کیا تمہارا پروردگار تمہارے لئے اس بات میں کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر مطلع ہے۔"

اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اس بات کا دھیان رکھے کہ اس کا پروردگار اس کو کسی ایسی جگہ نہ دیکھے جو اس کے لئے پروردگار کی طرف سے ممنوع ہے یعنی برائی کی جگہ اور اس کو کسی بھی ایسی جگہ سے غیر موجود نہ دیکھے جہاں اس کو موجود رہنے کا اس نے حکم دیا ہے (یعنی بھلائی کی جگہ) اور اس یقین کی بناء پر کہ اللہ تعالیٰ میرے حال کو مجھ سے اچھی طرح جانتا ہے اور وہ میری حالت کو بخوبی دیکھتا ہے، غیر اللہ کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرنے اور غیر اللہ کی طرف بنظر امید رغبت و میلان رکھنے سے باز رہے نیز بندہ پر اس اسم کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ صرف سچائی کا گواہ بنے اور سچائی ہی کی رعایت کرے۔

خاصیت: اگر کسی شخص کا لڑکا نافرمان ہو یا اس کی لڑکی غیر صالح ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ہر روز صبح کے وقت اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھے اور اس کا منہ آسمان کی طرف اٹھوا کر "یا شہید" اکیس بار پڑھے حق تعالیٰ اسے فرمانبردار اور صالح بنائے گا۔

اَلْحَقُّ: "شہنشاہی کے ساتھ قائم اور خدائی کے لائق" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ جب اس نے جان لیا کہ اسی کی ذات حق ہے تو اب وہ اس کے مقابلہ میں مخلوق کی یاد اور مخلوق کی طلب بھول جائے۔ نیز اس اسم کا تقاضہ یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام اقوال و افعال اور احوال میں حق بات اور حق چیز ہی کو اپنے اوپر لازم کرے۔

خاصیت: اگر کسی کی کوئی چیز گم ہو گئی تو ایک کاغذ کے چاروں کونوں پر اس اسم پاک کو لکھے اور کاغذ کے بیچ میں اس چیز کا نام لکھے اور پھر آدھی رات کے وقت اس کاغذ کو ہتھیلی پر رکھ کر اور آسمان کی طرف نظر کر کے حق تعالیٰ سے اس اسم پاک کی برکت اور اس کے وسیلہ کے ذریعہ اس چیز کے حصول کی دعا کرے۔ انشاء اللہ یا وہ چیز جوں کی توں مل جائے گی یا اس کا کچھ حصہ حاصل ہو جائے گا اور اگر کوئی قیدی آدھی رات کے وقت ننگے سر ہو کر اس اسم پاک کو ایک سو آٹھ مرتبہ پڑھے تو حق تعالیٰ اسے رہائی نصیب کرے گا۔

اَلْوَكِيْلُ: "کارساز" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (یعنی کارساز ہونے میں اللہ کفایت کرتا ہے) اور وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم مؤمن ہو تو اپنا ہر کام اللہ ہی کی طرف سونپو وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (جو شخص اللہ ہی پر بھروسہ اور اعتماد کرتا ہے اور اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے) اور وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ (یعنی ایسے زندہ پر بھروسہ اور اعتماد کرو۔ جس کے لئے موت نہیں ہے) اور وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (یعنی اس ذات پر بھروسہ اور اعتماد کرو جو غالب اور مہربان ہے)۔

اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ ضعیف اور لاچار لوگوں کا مددگار و معاون بنے اور ان کے کام کاج کرتا رہے ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں اس طور پر سعی و کوشش کرے کہ گویا وہ ان کا وکیل ہے۔

خاصیت: اگر بجلی گرنے کا خوف ہو یا پانی اور آگ سے کسی نقصان کا خطرہ ہو تو اس اسم پاک کا ورد کیا جائے تو انشاء اللہ امان ملے گی اور اگر کوئی شخص اس اسم پاک کو کسی خوف و خطر کی جگہ بہت پڑھے تو وہ بے خوف و بے خطر ہو گا۔

اَلْقَوِيُّ۔ اَلْمَتِيْنُ: "قوت والا" اور تمام امور میں استوار" ان سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ خواہشات نفسانی پر غالب اور قوی ہو، دین کے معاملہ میں سخت و چست رہے اور شرعی احکام کو نافذ کرنے اور پھیلانے میں کسی سستی اور کمزوری کو راہ نہ دے۔

خاصیت: اگر کسی کا دشمن قوی ہو اور وہ اس کے دفاع میں عاجز اور لاچار ہو تو وہ تھوڑا سا آٹا گوندھے اور اس کی ایک ہزار ایک سو گولیاں بنا لے۔ پھر ایک ایک گولی اٹھاتا جائے اور "یا قوی" پڑھتا جائے اور اس گولی کو بہ نیت دفاع دشمن مرغ کے آگے ڈالتا رہے۔ حق تعالیٰ اس کے دشمن کو مغلوب و مقہور کر دے گا اور اگر اس اسم پاک کو جمعہ کی شب میں بہت زیادہ پڑھا جائے تو نسیان کا مرض جاتا رہے گا اگر

سی بچہ کا دودھ چھڑایا گیا ہو اور وہ بچہ اس کی وجہ سے صبرو قرار نہ پاتا ہو تو اس اسم پاک کو لکھ کر اس بچہ کو پلا دے اسے صبرو قرار آجائے گا، اسی طرح اگر کسی دودھ والی کے دودھ میں کمی ہو تو اس اسم پاک کو لکھ کر اس کو پلا دیا جائے اس کے دودھ میں فراوانی آجائے گی اور اگر کوئی شخص ملک و حکومت کے کسی منصب یا کام پانے کی خواہش رکھتا ہو تو وہ اس کو اتوار کے روز اول ساعت میں اپنے مقصد کی نیت سے اس اسم "المتین" کو تین سو ساٹھ بار پڑھے۔ انشاء اللہ اس کو وہ منصب حاصل ہوگا۔

اَلْوَلِیُّ: "مددگار اور مؤمنوں کو دوست رکھنے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ میل ملاپ اور دوستی رکھے، دین کی تائید و حمایت میں کوشش کرے اور مخلوق خدا کی حاجتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے۔

قشیریؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی علامات میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندہ کو دوست رکھتا ہے اسے ہمیشہ خیر و برکت بھلائی کی توفیق دیتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بندہ اگر بتقاضائے بشریت کسی برائی کا ارادہ بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ارتکاب سے اسے بچاتا ہے اور اگر وہ ناگہاں اس برائی میں مبتلا بھی ہو جاتا ہے تو اسے اس میں مبتلا نہیں رہنے دیتا بلکہ جلد ہی توبہ و انابت کے ساتھ اس برائی سے نکال لیتا ہے۔ چنانچہ اسی لئے کہا گیا ہے:

اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا لَمْ يَضُرَّهُ ذَنْبٌ

"اللہ تعالیٰ جب کسی کو دوست رکھتا ہے تو اس کو گناہ نقصان نہیں پہنچاتا۔"

اور اگر طاعت و عبادت میں کوتاہی و قصور کی طرف اس کا میلان ہوتا ہے۔ تو حق تعالیٰ اسے طاعت و عبادت میں مشغول ہوئے ہی کی توفیق عطا فرماتا ہے اور یہی بات بندہ کی سعادت کی علامت قرار پاتی ہے جب کہ اس کا عکس بندہ کی شقاوت و سیاہ بختی کی علامت ہے۔ نیز خدا تعالیٰ کی دوستی کی ایک اور علامت اور اس کا ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے اولیا کے قلوب میں ایسے بندہ کی محبت جاگزین کر دیتا ہے جس کی وجہ سے اولیاء اللہ اس بندہ سے کمال تعلق اور کمال مہربانی سے پیش آتے ہیں۔

خاصیت: جو شخص اس اسم پاک کو بہت زیادہ پڑھتا رہے وہ مخلوق خدا کی دل کی باتوں پر آگاہ ہو اور اگر کسی شخص کی بیوی یا لونڈی ایسی سیرت و عادت کی حامل ہو کہ اس کے لئے باعث کوفت اور باعث اذیت ہو تو اسے چاہئے کہ جب وہ اس بیوی یا لونڈی کے سامنے جانا چاہے تو اس اسم پاک کو بہت پڑھے حق تعالیٰ اسے صلاحیت و درستی کی راہ پر لگائے گا۔

اَلْحَمِیْدُ: "اپنی ذات و صفات کی تعریف کرنے والا یا تعریف کیا ہوا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ ہمیشہ حق کی تعریف کرنے والا رہے۔ صفات کمالیہ کے ساتھ اپنی ذات کو آراستہ کرے، یا اپنے اعمال حسنہ اور اخلاق حمیدہ کی بناء پر خدا اور خدا کی مخلوق دونوں کی نظروں میں ایسا ثابت ہو کہ اس کی تعریف کی جائے۔

خاصیت: جو شخص اس اسم پاک کو بہت زیادہ پڑھے اس کے افعال پسندیدہ ہوں گے اور اگر کسی شخص پر فحش گوئی اور بدزبانی غالب ہو کہ اس سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے پر قادر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ اس اسم پاک کو کسی پیالہ پر لکھے یا بعض حضرات کے قول کے مطابق اس اسم پاک کو اس پیالہ پر نوے بار پڑھے اور ہمیشہ اسی پیالہ میں پانی پیتا رہے انشاء اللہ فحش گوئی اور بدزبانی سے محفوظ رہے گا۔

اَلْمُحْصِی: "اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس کے نزدیک تمام مخلوقات کی تعداد ظاہر ہے" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ خواہ حرکت کی حالت میں ہو یا سکون کی حالت میں یعنی کسی بھی لحظہ اور کسی بھی لمحہ غفلت میں مبتلا نہ ہو اور اس کا ایک ایک سانس یاد الٰہی کے ساتھ باہر آئے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ "اہل جنت اس لمحہ پر حسرت و افسوس کریں گے جو یاد الٰہی کے بغیر گزارا ہوگا"

نیز اس بات کی کوشش کرے کہ اپنے اعمال اور باطنی احوال پر مطلع رہے۔ اور اس اسم کا تقاضہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اسے جن نعمتوں

سے نوازا ہے ان کو شمار کرتا رہے تاکہ وہ ان کا شکر ادا کر کے خدا کے سامنے اپنے آپ کو عاجز و محتاج سمجھے اور اپنے گناہوں کو شمار کرے ان کی وجہ سے شرمندہ و شرمسار و معذرت خواہ ہو اور ان ایام اور لمحات کو یاد کر کے حسرت و افسوس کرے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اس کی یاد سے خالی رہے ہوں۔

خاصیت: جو شخص شب جمعہ میں اس اسم پاک کو ایک ہزار ایک مرتبہ پڑھ لیا کرے حق تعالیٰ اسے عذاب قبر اور عذاب قیامت سے محفوظ رکھے گا۔

اَلْمُبْدِئُ "المعید": "پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا اور دوبارہ پیدا کرنے والا" ان ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ ہر معاملہ اور ہر چیز میں اللہ رب العزت کی طرف اول بار بھی اور دوبارہ بھی رجوع کرے، نیکیاں پیدا کرنے میں سعی و کوشش کرے اور جو نیک عمل کرنے سے رہ گیا ہو یا جس عمل میں کوئی کمی اور کوتاہی ہوگئی ہو اس کا اعادہ کرے یعنی ان کو دوبارہ کرے۔

خاصیت: جس کی بیوی کو حمل ہو اور اسقاط حمل کا خوف ہو یا ولادت میں غیر معمولی تاخیر ہو رہی ہو تو خاوند کو چاہئے کہ وہ اس اسم پاک "المبدیٔ" کو نوے بار پڑھے اور شہادت کی انگلی اس کے پیٹ کے چاروں طرف پھیرے انشاء اللہ حمل ساقط ہونے کا خوف نہیں رہے گا اور ولادت سے باطمینان اور بلا کسی ضرر جلد فراغت حاصل ہوگی اور جو شخص اس اسم پاک پر مداومت کرے یعنی اس کو پڑھنے پر ہمیشگی اختیار کرے تو اس کی زبان سے وہی بات نکلے گی جو صحیح اور باعث ثواب ہوگی۔

اگر کسی شخص کا کوئی عزیز وغیرہ غائب ہوگیا ہو اور اسکی آمد یا خیریت کی طلب کا خواہش مند ہو تو اس وقت جب کہ اس کے گھر والے سوگئے ہوں اس اسم پاک کو گھر کے چاروں کونوں میں ستر بار پڑھے اور اسکے بعد کہے یامعید فلاں شخص کو میرے پاس واپس بلا دے یا اس کی خیریت معلوم کرا دے" سات دن بھی گزرنے نہ پائیں گے کہ یا تو غائب آجائے گا یا اس کی خیریت معلوم ہو جائے گی۔ اور اگر کسی شخص کی کوئی چیز گم ہوگئی تو وہ اس اسم "المعید" کو بہت زیادہ پڑھتا رہے انشاء اللہ اس کی وہ چیز مل جائے گی۔

اَلْمُحْيِي ۔ اَلْمُمِيْتُ: "زندہ کرنے والا اور مارنے والا" یعنی اللہ تعالیٰ نور ایمان کے ذریعہ قلوب کو زندہ کرتا ہے اور جسم میں زندگی پیدا کرتا ہے۔ نیز وہی جسم کو موت دیتا ہے اور قلوب کو غفلت و نادانی کے ذریعہ مردہ کرتا ہے۔

ان دونوں ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ علم سے نفع پہنچا کر مخلوق خدا کو اور مغفرت الٰہی کی شمع جلا کر قلوب کو زندگی و تازگی کی دولت بخشے اور نفسانی خواہشات اور شیطانی خطرات دوساوس کو موت کے گھاٹ اتارے، نیز یہ حیات کی تمنا کرے اور نہ موت کی آرزو بلکہ قضاء و قدر الٰہی کا تابعدار رہے اور یہ دعا جو آنحضرت ﷺ سے منقول ہے پڑھتا رہے۔

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَاكَانَ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَ تَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ وَ اجْعَلِ الْحَيٰوةَ زِيَادَةً فِيْ كُلِّ خَيْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً مِّنْ كُلِّ شَرٍّ۔

"اے اللہ مجھے زندگی دے کہ جب تک کہ زندگی میرے لئے بہتر ہو اور مجھے موت دے جب کہ موت میرے لئے بہتر ہو اور میری زندگی کو ہر خیر و بھلائی میں زیادتی کا سبب اور موت کو ہر برائی سے راحت کا باعث بنا دے۔"

خاصیت: جو شخص کسی درد، رنج و تکلیف اور کسی عضو کے ضائع ہو جانے کے خوف میں مبتلا ہو تو وہ اس اسم پاک "المحی" کو سات بار پڑھے حق تعالیٰ اسے خوف سے نجات دے گا نیز درد ہفت اندام کو دور کرنے کے لئے سات روز تک یہ اسم پڑھا کرے اور ہر روز پڑھ کر دم کیا جائے اور جو شخص اس اسم پاک کے پڑھنے پر ہمیشگی اختیار کرے تو اس کے دل کو زندگی اور بدن کو قوت حاصل ہوگی جو شخص اپنے نفس پر قادر نہ ہو کہ اتباع شریعت کے معاملہ میں اس کا نفس اس پر غالب ہو یعنی اسے اتباع شریعت سے باز رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ سوتے وقت سینہ پر ہاتھ رکھ کر اسم پاک "الممیت" اتنا زیادہ پڑھا کرے کہ پڑھتے ہوئے سو جائے تو حق تعالیٰ اس کے نفس کو مطیع و فرمانبردار

بنا دے گا۔

اَلْحَيُّ: "ازل سے ابد تک زندہ رہنے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کے ذریعہ زندہ رہے اور اپنی جان اس کی راہ میں قربان کر دے۔ یعنی راہ خدا میں شہید ہو کر ابدی حیات حاصل کرے۔

خاصیت: اگر کوئی شخص بیمار ہو تو اس اسم پاک کو بہت پڑھتا رہے یا کوئی دوسرا شخص اس بیمار پر اور بعض حضرات کے قول کے مطابق آنکھ سامنے کر کے اسے بہت پڑھے تو حق تعالیٰ اسے صحت عطا فرمائے گا اور جو شخص ہر روز ستر بار اس اسم کو پڑھ لیا کرے تو اس کی عمر دراز ہوگی اور اس کی قوت روحانیہ میں اضافہ ہوگا۔

اَلْقَيُّوْمُ: "خود بھی قائم اور مخلوقات کا قائم رکھنے والا اور خبر گیری کرنے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ ماسوا اللہ سے بالکل بے پرواہ ہو جائے۔

قشیریؒ فرماتے ہیں کہ جس نے یہ جانا کہ اللہ تعالیٰ قیوم ہے تو اس نے تدبیر و اشتغال کے رنج و فکر سے نجات پائی اور راحت و تفویض کے ساتھ اپنی زندگی گزاری لہٰذا اب نہ تو بخل کرے گا اور نہ دنیا کی کسی بھی بیش قیمت چیز کو کوئی اہمیت دے گا۔

خاصیت: جو شخص بوقت سحر اس اسم کو بہت زیادہ پڑھا کرے تو لوگوں کے قلوب میں اس کا تصرف ظاہر ہو گا یعنی تمام لوگ اسے محبوب و دوست رکھیں گے اور اگر کوئی شخص اس اسم کو بہت زیادہ پڑھے تو اس کے تمام امور بحسب دلخواہ پورے ہوں گے۔

اَلْوَاجِدُ: "غنی کہ کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ ضروری کمالات عالیہ حاصل کرنے میں سعی و کوشش کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ماسوی اللہ سے مستغنی اور بے پرواہ ہو۔

خاصیت: اگر کوئی شخص کھانا کھاتے وقت ہر نوالے کے ساتھ یہ اسم پاک پڑھے تو وہ کھانا اس کے پیٹ میں نور ہوگا اور اگر کوئی خلوت میں اس اسم کو پڑھے تو تونگر ہوگا۔

اَلْمَاجِدُ: "بزرگ نصیب" اس اسم سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو اس سے پہلے نام کے سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

خاصیت: جو شخص اس اسم پاک کو خلوت میں پڑھے اتنا کہ بے ہوش ہو جائے اس کے دل پر انوار الٰہی ظاہر ہوں گے اور اگر کوئی شخص اس کو بہت پڑھتا رہے تو مخلوق خدا کی نظروں میں بزرگ مرتبہ ہو۔

اَلْوَاحِدُ "اَلْاَحَدُ": "ذات و صفات میں یکتا و یگانہ" اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ عبادت و بندگی میں یکتا و یگانہ بنے جیسا کہ اس کا معبود خدائی میں یکتا و یگانہ ہے۔ اور ایسے فضائل سے اپنی ذات کو آراستہ کرے کہ اس کا کوئی ہم جنس اس کے مثال نہ ہو۔

خاصیت: اگر کسی کا دل خلوت سے ہراساں ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس اسم پاک کو ایک ہزار ایک مرتبہ پڑھے انشاء اللہ اس کے دل سے خوف جاتا رہے گا اور بارگاہ حق جل مجدہ کا مقرب ہوگا، اور اگر کسی کا فرزند پیدا ہونے کی تمنا ہو تو وہ اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے اللہ تعالیٰ اسے فرزند عطا کرے گا۔

اَلصَّمَدُ: بے پروا، کہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اپنی ہر حاجت میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرے، اپنے رزق سے بے فکر رہے، اس کی ذات پر توکل کرے۔ دنیا کی حرام چیزوں سے بچے دنیا کی زینت کی چیزوں کی طرف رغبت نہ کرے، دنیا کی حلال چیزوں کے حصول کی بھی ہوس نہ کرے، مخلوق سے اپنے آپ کو بے پروا رکھے اور مخلوق خدا کی حاجت روائی کی سعی و کوشش کرتا رہے۔

خاصیت: جو شخص بوقت سحر یا آدھی رات کو سجدہ کرے اور اس اسم پاک کو ایک سو پندرہ بار پڑھے اللہ تعالیٰ اسے صادق الحال بنائے گا اور کسی ظالم کے ہاتھ نہیں لگے گا۔ اور جو شخص اس اسم پاک کو بہت زیادہ پڑھتا رہے وہ بھوکا نہیں رہے گا۔ اور اگر حال وضو میں اسے پڑھے

گا تو مخلوق خدا سے بے پرواہو۔

اَلْقَادِرُ۔ اَلْمُقْتَدِرُ: "قدرت والا۔ اور قدرت ظاہر کرنے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو خواہشات و لذات سے باز رکھنے پر قادر ہو۔

خاصیت: اگر کوئی شخص وضو میں وضو کے ہر عضو کو دھوتے وقت اسم پاک "القادر" پڑھ لیا کرے تو وہ کسی ظالم کے ہاتھوں گرفتار نہیں ہوگا اور کوئی دشمن اس پر فتحیاب نہ ہوگا اور اگر کوئی مشکل کام پیش آئے تو اکتالیس مرتبہ یہ اسم پڑھ لیا جائے خدا نے چاہا تو کام بحسن و خوبی انجام پذیر ہوگا۔

اگر کوئی شخص اسم پاک "المقتدر" کو پابندی کے ساتھ پڑھتا رہا تو غفلت ہوشیاری میں بدل جائے گی۔ اور جو شخص سو کر اٹھتے وقت یہ اسم پاک بیس بار پڑھ لیا کرے تو اس کے تمام کام حق تعالیٰ کی طرف راجع ہوں۔

اَلْمُقَدِّمُ۔ اَلْمُؤَخِّرُ: "دوستوں کو اپنی درگاہ عزت کا قرب بخش کر آگے بڑھانے والا اور دشمنوں کو اپنے لطف و کرم سے دور رکھ کر پیچھے ڈالنے والا" ان دونوں پاک ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ نیکیوں میں پیش قدمی اختیار کر کے اپنے آپ کو آگے کرے یعنی دوسروں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو افضل بنائے اور ان لوگوں کو آگے کرے جو اللہ رب العزت کی بارگاہ عزت کے مقربین میں سے ہیں یعنی ان کو عزیز رکھے اور نفس اور شیاطین کو اور ان لوگوں کو جو بارگاہ کبریائی کے ٹھکرائے ہوئے ہیں پس پشت ڈالے، نیز اپنے تمام امور و اعمال کو ضابطہ و قاعدہ کے مطابق انجام دے۔ مثلاً پہلے وہ کام اور عمل کرے جو سب سے زیادہ ضروری ہو اور جسے خدا نے سب سے مقدم کیا ہو اور سب سے بعد میں اس عمل کو اختیار کرے جو سب سے کم ضروری ہو۔

خاصیت: اگر کوئی شخص معرکہ جنگ میں اس اسم پاک "المقدم" پڑھے یا اسے لکھ کر اپنے پاس رکھے تو اسے کوئی گزند نہیں پہنچ گا اور جو شخص اس اسم پاک کو بہت پڑھتا ہے تو اس کا نفس طاعت الٰہی کے لئے فرمانبردار و مطیع ہو جائے گا۔

جو شخص یہ اسم پاک "المؤخر" سو مرتبہ پڑھے اس کے دل کو غیر اللہ کے ساتھ قرار نہیں ملے گا۔ اور جو شخص روزانہ اس اسم پاک کو سو بار پڑھ لیا کرے تو اس کے تمام کام انجام پذیر ہوں اور جو شخص اس کو اکتالیس مرتبہ پڑھے اس کا نفس مطیع و فرمانبردار ہو۔

اَلْاَوَّلُ۔ اَلْاٰخِرُ: "سب سے پہلے اور سب سے پیچھے" ان سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اللہ کی عبادات اور اس کے احکام بجالانے میں جلدی کرے اور اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی جان قربان کرے تاکہ حیات ابدی حاصل ہو۔

خاصیت: اگر کسی کو اولاد نرینہ نہ ہوتی ہو تو اس اسم پاک "الاول" چالیس دن تک ہر روز چالیس مرتبہ پڑھے اس کی مراد پوری ہوگی۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فرزند کا یا اور کسی چیز کی حاجت و تمنا ہو تو وہ چالیس جمعوں کی راتوں میں ہر رات ایک ہزار مرتبہ یہ اسم پڑھے انشاء اللہ اس کی تمام حاجتیں پوری ہوں گی۔

جو شخص اپنی عمر کے آخری مرحلہ میں ہو اور اسکی پوری زندگی بد عملیوں اور گناہوں میں گزری ہو تو وہ اس اسم پاک "الاخر" کو اپنا ورد قرار دے لے حق تعالیٰ اس کا خاتمہ بخیر کرے گا۔

اَلظَّاهِرُ۔ اَلْبَاطِنُ: اپنی مصنوعات اور مخلوقات کے اعتبار سے کہ جو اس کے کمال صفات کی دلیل ہیں، آشکارا اور اپنی ذات کی حقیقت و کنہ کے اعتبار سے وہم و خیال سے مخفی۔

خاصیت: جو شخص نماز اشراق کے بعد اسم پاک "الظاہر" پانچ سو مرتبہ پڑھ لیا کرے حق تعالیٰ اس کی آنکھیں روشن و منور کرے گا اگر طوفان باد و باران وغیرہ کا خوف ہو تو یہ اسم پاک بہت زیادہ پڑھا جائے امن و عافیت حاصل ہوگی، اگر اس اسم پاک کو گھر کی دیواروں پر لکھ دیا جائے تو وہ دیواریں محفوظ و سلامت رہیں گی۔

جو شخص ہر روز "یا باطن" تینتیس بار کہہ لیا کرے حق تعالیٰ اسے صاحب اسرار الٰہی بنا دے گا۔ اور اگر کوئی شخص اس پر مداومت اختیار کرے تو اس پر جس کی بھی نظر پڑے گی اس کا دوست بن جائے گا۔

اَلْوَالِی: "کارساز و مالک" اس اسم پاک سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو اسم پاک "الوکیل" کے ضمن میں نقل کیا جا چکا ہے۔

خاصیت: اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اس کا یا اس کے علاوہ کسی اور کا گھر معمور و آباد ہو اور بارش و دیگر آفات سے محفوظ رہے تو اسے چاہئے کہ کوزہ آب نارسیدہ پر یہ اسم پاک لکھے اور اس کوزہ میں پانی ڈال کر اس کوزہ کو گھر کی دیوار پر مارے، گھر اور در و دیوار محفوظ و سلامت رہیں گے۔

بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ اسم پاک "الولی" کو تین سو مرتبہ پڑھنے سے بھی یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور اگر کسی شخص کی تسخیر کی نیت سے یہ اسم پاک گیارہ مرتبہ پڑھا جائے تو وہ شخص اس کا مطیع و فرمانبردار ہو جائے گا۔

اَلْمُتَعَالِی: "بہت بلند مرتبہ" اس اسم سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو اس نام پاک "العلی" کے سلسلہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔

خاصیت: اگر کوئی شخص اس اسم پاک کو بہت زیادہ پڑھتا ہے تو اس کو بھی جو دشواری پیش آئے گی حل ہو جائے گی اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ جو عورت ایام حمل میں یہ اسم پاک پڑھتی رہا کرے تو وہ حمل کی تمام تکلیفوں اور پریشانیوں سے نجات پائے گی۔

اَلْبَرُّ: "انتہائی احسان کرنے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اپنے ماں باپ، استاد بزرگان دین، عزیز و اقارب اور تمام لواحقین و متعلقین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے۔

خاصیت: طوفان باد و باران اور کسی آفت و بلا کے وقت یہ اسم پاک پڑھنا چاہئے انشاء اللہ کوئی نقصان و گزند نہیں پہنچے گا۔ اگر اس اسم پاک کو سات مرتبہ پڑھ کر حق تعالیٰ کی امان میں دے دیا جائے تو وہ بچہ بالغ ہونے تک ہر آفت و بلا اور ہر تکلیف و مصیبت سے محفوظ رہے گا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شراب نوشی اور زنا میں مبتلا ہو تو وہ ہر روز سات مرتبہ یہ اسم پاک پڑھ لیا کرے حق تعالیٰ اس کے دل کو ان معصیتوں سے پھیر دے گا۔

اَلتَّوَّابُ: توبہ قبول کرنے والا" توبہ کے اصل معنی ہیں، رجوع کرنا یعنی پھرنا" جب اس لفظ کی نسبت بندہ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد ہوتا ہے کہ "گناہ سے پھرنا" یعنی اپنے گناہ پر نادم، و شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ اور جب حق تعالیٰ کی طرف نسبت ہوتی ہے تو اس لفظ کی مراد ہوتی ہے، رحمت و توفیق کے ساتھ پھرنا یعنی بندہ کی طرف نظر رحمت و توفیق متوجہ ہونا" اس تفصیل کو ذہن میں رکھ کر سمجھئے کہ جب کوئی بندہ گناہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ تو حق تعالیٰ اس کی توبہ کے اسباب میسر کرتا ہے اس کو توبہ کی توفیق دیتا ہے اور اس کو گناہوں کے عواقب سے ڈرا کر عذاب کا خوف دلا کر اور آخرت کی سزا کا احساس بخش کر اسے خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے اور اس کے قلب و شعور میں اپنے جرم کا احساس اور گناہ پر ندامت و شرمندگی کی توفیق عطا فرماتا ہے اس کے بعد وہ بندہ توبہ و ندامت کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور پھر حق تعالیٰ اپنے فضل اور اپنی رحمت کے ساتھ اس بندہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے یعنی اسے بخش دیتا ہے، لہٰذا حقیقت میں حق تعالیٰ کی توبہ یعنی اس کی توجہ بندہ کی توبہ یعنی اس کے رجوع پر مقدم ہوتی ہے اگر حق تعالیٰ کی توجہ نہ ہو تو بندہ کو رجوع کی نوبت نہیں آسکتی۔ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہوا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں (یعنی توبہ کریں)۔ ع

توبہ کنم بشکنم توبہ دہی نشکنم

اس لئے بندہ کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ حق تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہے قبولیت توبہ کا یقین رکھے، نا امیدی کے دروازہ کو بند کر دے۔ بایں طور اس کی رحمت کے نزول سے نا امید نہ ہو دوسروں کی خطائیں معاف کرے معذرت خواہ کی معذرت قبول کرے چاہے کتنی بار

معذرت قبول کرنی پڑے۔ اور اگر کسی سے کوئی قصور و کوتاہی ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ اس سے درگزر کرے بلکہ انعام و اکرام کے ساتھ اس کی طرف توجہ ہو، جناب باری تعالیٰ سے توبہ طلب کرے، گناہوں پر شرمندہ و نادم ہو گوش عبرت کھلے رکھے اور توبہ میں تاخیر نہ کرے تاکہ اس حکم عَجِلُوا التَّوبَۃَ قَبْلَ الْمَوتِ (مرنے سے پہلے توبہ میں جلدی کرو) کی بجاآوری ہو۔

اس موقع پر ایک عبرت انگیز اور سبق آموز حکایت سن لیجئے۔ کہتے ہیں کہ کسی سلطنت کا ایک وزیر تھا جس کا نام عیسیٰ ابن عیسیٰ تھا ایک دن وہ سواروں کی ایک جماعت کے ہمراہ چلا جا رہا تھا جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے لوگ آپس میں پوچھتے تھے کہ یہ کون ہے یہ کون ہے، راستہ میں کہیں ایک بڑھیا بھی بیٹھی ہوئی تھی اس نے جو لوگوں کو پوچھتے سنا تو کہنے لگی کہ "لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہے ہوتا کون! یہ ایک بندہ ہے جو نظر حق عنایت سے گرا ہوا ہے اور اس حالت میں مبتلا ہے (یعنی دنیاوی جاہ و جلال میں اس طرح مگن اور مطمئن ہے) عیسیٰ ابن عیسیٰ نے یہ بات سن لی۔ بس پھر کیا تھا فوراً اپنے مکان کو لوٹا وزارت پر لات ماری اور توبہ کی دولت سے مشرف ہوا اس طرح وہ تمام دنیاوی جاہ حشم کو پس پشت ڈال کر مکہ مکرمہ میں مقیم ہوا اور وہیں مجاور ہو گیا۔

خاصیت: اگر کوئی شخص نماز چاشت کے بعد اس اسم پاک کو تین سو ساٹھ مرتبہ پڑھے تو حق تعالیٰ اسے توبہ نصوح (یعنی ایسی پختہ توبہ کہ اس کے بعد گناہ سرزد نہ ہو) کی سعادت سے نوازے گا اور اگر کوئی شخص اس اسم پاک کو بہت زیادہ پڑھتا رہے تو اس کے تمام امور انجام و صلاح پذیر ہوتے رہیں گے اور نفس کو طاعت و عبادت کے بغیر سکون و قرار نہیں ملے گا اور جو شخص نماز چاشت کے بعد یہ پڑھا کرے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

اَلْمُنْتَقِمُ: "کافروں اور سرکشوں سے عذاب کے ذریعہ بدلہ لینے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اپنے بڑے دشمنوں سے کہ وہ نفس اور شیطان ہیں بدلہ لیتا رہے اور سب سے بڑا دشمن نفس امارہ ہے اس کی سزا یہ ہے کہ وہ جب بھی کسی گناہ میں مبتلا ہو یا عبادت میں کوئی کوتاہی کرے تو اس سے انتقام لے بایں طور کہ اسے عقوبت و سختی میں مبتلا کرے۔ چنانچہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا "راتوں میں اوراد و ظائف میں مشغول رہا کرتا تھا کہ ایک رات میرے نفس نے تکاسل کیا اس کی سزا میں نے اس کو یہ دی کہ ایک برس تک اپنے نفس کو پانی سے محروم رکھا"

خاصیت: جو شخص اپنے دشمن کے ظلم و جور پر صبر اور اس کا دفاع نہ کر سکے وہ تین جمعوں تک اس اسم پاک کو پابندی سے پڑھتا رہے اس کا دشمن، دوست ہو جائے گا اور اس کے ظلم سے نجات مل جائے گی، نیز اگر کسی بھی مقصد کے حصول کے لئے اس مقصد کی نیت کے ساتھ اس اسم پاک کو آدھی رات کے وقت پڑھا جائے تو وہ مقصد حاصل ہو گا۔

ایک دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہؓ کے علاوہ ایک اور صحابیؓ سے منقول ہے اس موقع پر باری تعالیٰ کا ایک اسم اَلْمُنْعِمُ بھی نقل کیا گیا ہے جو شخص اس اسم پاک "المنعم" پر مداومت کرے کبھی کسی کا محتاج نہ ہو گا۔

اَلْعَفُوُّ: "گناہوں اور تقصیرات سے درگزر کرنے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو "الغفور" کے ضمن میں نقل کیا گیا حضرت شیخ عبدالحقؒ شرح اسماء حسنی میں لکھتے ہیں کہ "العفو" جس کے معنی ہیں سیئات کو محو کرنے والا اور گناہوں کو معاف کرنے والا، اگرچہ معنی و مفہوم کے اعتبار سے "غفور" کے قریب ہے لیکن عفو، غفور سے زیادہ بلیغ کیونکہ غفران کے معنی ہیں ستر و کتمان اس لئے غفار کے معنی ہوں گے "گناہوں کو چھپانے والا جب کہ عفو مشعر بمحو و معدوم کر دینے کے ہے جس کا مطلب ہے گناہوں کو معاف کر کے ختم و معدوم کر دینے والا۔

لہٰذا بندہ کتنا ہی گنہ گار کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کی شان عفو کے پیش نظر اس کی طرف سے معافی و بخشش کا پوری طرح امیدوار ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کسی بھی گنہ گار کے ساتھ تحقیر و تذلیل کا برتاؤ نہ کیا جائے کیونکہ یہ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے حدود شرع اور احکام دین کی پابندی کی بنا پر بخشش دے اور اس کے گناہوں کو یکسر محو کر دے۔

ردمکن بدرا، چہ دانی دراز ل نام او درنامہ نیکاں بود
ورود وبر جائے نیکاں ایں گمان برتو روز جزا تاواں بود

اس اسم پاک کا بندہ پر تقاضہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کی تقصیرات اور ان کی خطاؤں سے چشم پوشی کر کے انہیں معاف کر دے تاکہ اَلْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (غصہ کو نگل جانے والوں اور لوگوں کو معاف کرنے والوں) کے زمرہ میں داخل ہو۔

خاصیت: جو شخص زیادہ گنہگار ہو اسے چاہئے کہ وہ اس اسم پاک کو اپنا ورد قرار دے لے انشاء اللہ اس کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔

اَلرَّؤُوْفُ: "بہت مہربان اس اسم سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو اسم پاک "الرحیم" کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص کا ہمسایہ بہت برا تھا جب اس کا انتقال ہوا تو اس شخص نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی بعد میں اس کو کسی اور شخص نے خواب میں دیکھا تو اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ اس شخص نے کہا کہ "مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے لیکن وہ ذرہ ان صاحب سے (جنہوں نے نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی) یہ ضرور کہہ دینا کہ لَوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ (اگر میرے رب کی رحمتوں کے خزانے تمہاری ملکیت میں ہوتے تو تم انہیں خرچ ہو جانے کے خوف سے ضرور دبا کر بیٹھ جاتے) یہ گویا اس نے نماز جنازہ نہ پڑھنے والے پر طعن کیا کہ میرا رب تو بہت مہربان ہے اس نے مجھے بخش دیا ہے اگر کہیں تمہارا بس چل جاتا تو نہ معلوم تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے۔

خاصیت: اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ کسی مظلوم کو ظالم کے ہاتھوں سے بچالے تو وہ اس اسم اعظم کو دس بار پڑھے ظالم اس کی سفارش قبول کرے گا اور اپنے ظلم سے باز آجائے گا۔ اگر کوئی شخص اس اسم پاک پر مداومت کرے تو اس کا دل نرم رہے گا۔ وہ سب کو دوست رکھے گا اور سب اسے دوست رکھیں گے۔

مَالِكُ الْمُلْكِ: سارے جہان کا مالک" اس اسم سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو اسم پاک "الملک" کے ضمن میں بہت گزر چکا ہے۔ شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ "اے شخص! ایک دروازہ پر ٹھہر، یعنی صرف اللہ کے دروازہ پر آ، تاکہ تیرے لئے بہت سے دروازے کھولے جائیں اور صرف ایک بادشاہ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی گردن جھکا تاکہ تیرے سامنے بہت سی گردنیں جھکیں ارشاد ربانی ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ (ایسی کوئی چیز نہیں ہے ہمارے پاس جس کے خزانے نہ ہوں۔)

خاصیت: جو شخص اس اسم پاک پر مداومت اختیار کرے تو انگر ہو اور اس کے دنیا و آخرت کے تمام امور اور تمام مقاصد نیک ثمرہ و انجام پذیر ہوں اس کے بعد ذکر کئے جانے والے اسم پاک "ذوالجلال والاکرام" کی بھی یہی خاصیت ہے۔

ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ: "بزرگی اور بخشش کا مالک" جس نے خدا کا اجلال جانا تو اس کی بارگاہ میں تذلل اختیار کرے اور جس نے اس کا اکرام دیکھا تو اس کا شکر گزار ہو پس نہ تو غیر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے نہ خدا کے علاوہ کسی اور سے اپنی حاجت بیان کی جائے اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنے نفس کے لئے بزرگی کے حصول کی کوشش کرے اور بندگان خدا سے اچھا سلوک کرے۔

اَلْمُقْسِطُ: "عدل کرنے والا، اس اسم سے بندہ کا نصیب وہی ہے جو اسم پاک "العدل" کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے"

خاصیت: جو شخص اس اسم پاک کو سو بار پڑھے وہ شیطان کے شر اور اس کے وسوسوں سے محفوظ رہے گا اور اگر سات سو بار پڑھے تو اس کا جو بھی مقصد ہو گا حاصل ہو گا۔

اَلْجَامِعُ: "قیامت میں لوگوں کو جمع کرنے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ علم اور عمل اور کمالات نفسانیہ و جسمانیہ کا جامع بنے اور خدا کی ذات میں محویت استغراق اور غور و فکر، ذکر اللہ کے ذریعہ تسکین قلب و خاطر جمعی، ذات و صفت باری تعالیٰ کا عرفان

جیسی صفات حمیدہ کی سعادتیں اپنے اندر جمع کرے ۔

درجمیعت کوش تاہمہ ذات شوی ترسم کہ پراگندہ شوی مات شوی

خاصیت: جس شخص کے عزیز و اقارب اور اہل خانہ منتشر اور تتر بتر ہوں وہ چاشت کے وقت غسل کرے اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر اس اسم پاک کو دس مرتبہ اس طرح پڑھے کہ ہر مرتبہ ایک انگلی بند کرتا جائے اور پھر اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھ منہ پر پھیرے انشاء اللہ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ سب جمع و یکجا ہو جائیں گے۔

اَلْغَنِیُّ: "ہر چیز سے بے پروا"

خاصیت: جو شخص حرص و طمع کی بلا میں مبتلا ہو وہ اپنے جسم کے ہر عضو پر ہاتھ رکھ کر اسم پاک "الغنی" پڑھے اور ہاتھ کو اس عضو کے اوپر نیچے کی طرف لائے حق تعالیٰ اسے اس بلا سے نجات دے گا۔ اور جو شخص یہ اسم پاک ہر روز ستر بار پڑھے اس کے مال میں برکت ہوگی اور کبھی محتاج نہ ہوگا۔

اَلْمُغْنِي: "جس کو چاہے بے پروا کرنے والا" ان ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے مکمل استغناء اور بے پرواہی برتے اور خدا کے علاوہ کسی کو حاجت روا قرار نہ دے۔

خاصیت: جو شخص مسلسل دس جمعہ تک اس اسم پاک کو پڑھنے میں باقاعدگی اختیار کرے بایں طور کہ ہر جمعہ کے روز ایک ہزار بار پڑھے تو مخلوق سے بے پروا ہو جائے گا۔

اَلْمَانِعُ: "اپنے بندوں کو دین و دنیا کی ہلاکت و نقصان سے باز رکھنے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ اپنے نفس اور اپنی طبیعت کو خواہشات نفسانی سے باز رکھ کر اپنے آپ کو دینی و دنیاوی ہلاکت و نقصان سے محفوظ رکھے۔

خاصیت: اگر شوہر بیوی کے درمیان ناچاکی ہو تو بستر پر جاتے وقت اس اسم پاک کو بیس بار پڑھ لیا جائے تاکہ حق تعالیٰ غصہ و ناچاقی کی بدمزگی سے بچائے گا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شرح اسماء حسنیٰ میں اسم پاک "المانع" سے پہلے اسم پاک "المعطی" بھی نقل کیا ہے اور انہوں نے ان دونوں ناموں کی ترجمانی کی وضاحت یوں کی ہے کہ وہ جس کو جو کچھ چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے۔ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطٰی وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعَ (جان لو جس کو وہ دے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو نہ دے اس کو کوئی دینے والا نہیں) لہٰذا جب بندہ نے جان لیا کہ حق تعالیٰ ہی (معطی) دینے والا اور مانع (نہ دینے والا) ہے تو اس کی عطا کا امیدوار اور اس کے منع سے خائف رہے! بندہ پر اس اسم کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ خدا کے نیک بندوں اور مستحقین کو اپنے عطا سے نوازے اور فاسقوں و ظالموں کو عطا کرنے سے باز رہے یا یہ کہ اپنے قلب و روح کو حضور و طاعت کے انوار عطا کرے اور اپنے نفس و طبیعت کو خواہشات و ہوس سے باز رکھے! حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں جو یہاں ذکر کی گئی ہے "المعطی" کا ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کے پیش نظر "منع" کی وضاحت "رد و ہلاک" کی جاتی ہے"

اس کے بعد حضرت شیخؒ اسم پاک "المعطی" کی خاصیت یہ لکھتے ہیں کہ جو شخص "المعطی" کو اپنا اور د بنا لے اور یَامُعْطِيَ السَّائِلِيْنَ بہت پڑھتا رہا کرے تو کسی سے سوال کا محتاج نہیں ہوگا۔

اَلضَّارُّ۔ اَلنَّافِعُ: "جس کو چاہے ضرر پہنچانے والا" اور "جس کو چاہے نفع پہنچانے والا" قشیریؒ کہتے ہیں کہ ان اسماء میں اس طرف اشارہ ہے کہ ضرر و نفع اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے ہے لہٰذا جو شخص اس کے حکم یعنی اس کی قضاء و قدر کا تابعدار ہو وہ راحت و سکون کی زندگی پائے گا اور جو شخص اس کا تابعدار نہ ہو وہ آفت و مصیبت میں پڑیگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنِ اسْتَسْلَمَ لِقَضَآئِیْ وَصَبَرَ عَلٰی بَلَآئِیْ وَشَکَرَ عَلٰی نَعْمَآئِیْ کَانَ عَبْدِیْ حَقًّا وَمَنْ لَّمْ یَسْتَسْلِمْ لِقَضَآئِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَآئِیْ وَلَمْ یَشْکُرْ عَلٰی نَعْمَآئِیْ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ۔

"جس شخص نے میری قضاوقدر کو تسلیم کیا میری بلاء پر صبر کیا اور میری نعمتوں پر شکر کیا وہ میرا سچا بندہ ہے اور جس شخص نے میری قضاوقدر کو تسلیم نہ کیا، میری بلاء پر صبر نہ کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا تو وہ میرے علاوہ کوئی اور رب ڈھونڈ لے۔"

حضرت شیخؒ نے شرح اسماء حسنٰی میں ان دونوں اسماء اَلضَّارُّ اور اَلنَّافِعُ کی وضاحت کے سلسلے میں یہ لکھا ہے کہ خیروشر اور نفع وضرر کا صرف اللہ تعالیٰ مالک ہے اور گرمی، سردی، خشکی، اور تری میں درد و تکلیف، رنج و پریشانی اور شفا کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔ یہ قطعاً گمان نہ کیا جائے کہ دوا بذات خود فائدہ دیتی ہے، زہر بذات خود ہلاک کرتا ہے، کھانا بذات خود سیر کرتا ہے اور پانی بذات خود سیراب کرتا ہے بلکہ یہ تمام اسباب عادی ہیں بایں معنی کہ یہ عادت قائم ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسباب بنا دیا ہے کہ مذکورہ بالا چیزیں ان کے واسطہ سے پیدا کرتا ہے اگر وہ چاہے تو ان چیزوں کو ان واسطوں اور اسباب کے بغیر بھی پیدا کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو ان کے باوجود بھی ان چیزوں کو پیدا نہ ہونے دے۔ اسی طرح عالم علویات و سفلیات کی تمام چیزیں اور تمام اجزا محض واسطے اور اسباب کے درجہ میں ہیں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے زیر اثر ہیں اور ان تمام کی حیثیت بہ نسبت قدرت ازلیہ وہی ہے جو لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم کی ہوتی ہے لہٰذا بندہ کو چاہئے کہ تمام نقصانات اور تمام فائدوں کو حق تعالیٰ کے فیصلے جانے، عالم اسباب کو اس قدرت کے زیر اثر سمجھے اور حکم و قضا الٰہی کا تابعدار ہو کر اپنے تمام امور اسی کے سپرد کرے تاکہ وہ ایک ایسی زندگی کا حامل بن جائے جو مخلوق سے محفوظ اور مطمئن ہو۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ نے دانتوں کے درد سے پریشان ہو کر بارگاہ حق میں فریاد کی تو وہاں سے حکم ہوا کہ فلاں گھاس دانتوں پر ملو تاکہ آرام ہو حضرت موسیٰ نے وہ گھاس دانتوں پر ملی تو آرام ہو گیا۔ ایک مدت کے بعد پھر ایک دانت میں درد ہوا تو انہوں نے وہی گھاس استعمال کی، اس مرتبہ درد کم تو کیا ہوتا اور بڑھ گیا بارگاہ حق میں عرض رساں ہوئے "الٰہ العالمین! یہ تو وہی گھاس ہے جس کو استعمال کرنے کا آپ نے حکم فرمایا تھا مگر اب اس کے استعمال سے درد اور بڑھ گیا ہے! بارگاہ حق سے عتاب کے ساتھ یہ ارشاد ہوا "اس مرتبہ تم نے ہماری طرف توجہ کی تھی تو ہم نے شفا دی اور اس مرتبہ تم نے گھاس کی طرف توجہ کی اس لئے ہم نے درد میں اضافہ کر دیا تاکہ تم یہ جان لو کہ شفا دینے والے تو ہم ہی ہیں نہ کہ گھاس۔

بندہ پر ان اسماء کا تقاضہ یہ ہے کہ امر الٰہی اور حکم شریعت کے ذریعہ دشمنان دین کو ضرر پہنچائے اور انہیں متنبہ کرے اور بندگان خدا کو نفع پہنچائے اور ان کی مدد کرتا رہے۔

خاصیت: اگر کسی شخص کو کوئی حال اور مقام میسر ہو تو وہ اسم پاک اَلضَّارُّ کو جمعہ کی راتوں میں سو بار پڑھا کرے حق تعالیٰ اسے اس مقام پر استقامت عطا فرمائے گا اور وہ مرتبہ اہل قرب کو پہنچے گا۔ اگر کوئی شخص کشتی یا پانی کے جہاز میں سفر کرے تو وہ روزانہ اسم پاک "النافع" کو اکتالیس بار پڑھے انشاء اللہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور اپنے ہر کام کی ابتداء میں "النافع" اکتالیس بار پڑھ لیا کرے تو اس کے تمام کام حسب خواہش انجام پذیر ہوں گے۔

اَلنُّوْرُ: "آسمان کو ستاروں کے ساتھ، زمین کو انبیاء و علماء وغیرہ کے ذریعہ اور مسلمانوں کے قلوب کو نور معرفت و طاعت کے ذریعہ روشن کرنے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ ایمان و عرفان کے نور سے اپنی ذات کو روشن و منور کرے۔

خاصیت: جو شخص جمعہ کی شب میں سورہ نور سات مرتبہ اور یہ اسم پاک ایک ہزار ایک مرتبہ پڑھے حق تعالیٰ اس کے دل میں نورانیت پیدا فرما دے گا اور جو شخص روزانہ صبح اس اسم پاک کو پڑھنے کا التزام رکھے تو اس کا دل منور ہو گا۔

اَلْهَادِیْ: "راہ دکھانے والا" اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ بندگان خدا کو خدا کی راہ دکھائے! اس بات کو حضرت شیخؒ نے

شرح اسماء حسنیٰ میں وضاحت کے ساتھ یوں بیان کیا ہے۔ کہ "ہدایت" کا مطلب ہے "راہ دکھانا اور منزل و مقصود تک پہنچانا" لہٰذا اللہ تعالیٰ تمام راہ رووں کا رہنما ہے، اگر کوئی دنیا کی راہ پر ہوتا ہے تب بھی راہنما ہے اور اگر کوئی آخرت کی راہ پر چلتا ہے تو بھی راہبر اسی کی ذات ہوتی ہے ۔

گر نہ چراغ لطف تو راہ نماید از کرم قافلہائے شب رواں پے نبرد بمنزلے

حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی انواع ہدایت کی کوئی حد و شمار نہیں ہے۔ اَلَّذِیۡ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی (وہ ایسی ذات ہے جس نے ہر چیز کو وجود بخشا اور پھر اس کی راہ بتائی) چنانچہ یہ حق تعالیٰ ہی ہے جو بچہ کو پیٹ سے باہر آتے ہی ماں کی چھاتیوں سے دودھ پینے کی راہ بتاتا ہے، چوزہ کو انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنے کی راہ پر لگاتا ہے اور شہد کی مکھی کو کیا عجیب و غریب گھر بنانے کی راہ دکھاتا ہے، حاصل یہ ہے کہ کائنات کا ایک ایک فرد اپنے ایک ایک لمحہ اور اپنے ایک ایک فعل میں اسی کی ہدایت و رہنمائی کا مرہون منت ہوتا ہے۔

لیکن سب سے افضل اور سب سے عظیم الشان ہدایت، وہ راستہ دکھانا ہے جو بارگاہ حق جل مجدہ تک اور دیدار باری تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ تک پہنچاتا ہے اور خواص کے باطن میں توفیق الٰہی اور اسرار تحقیق کا وہ نور پیدا کرنا ہے جو ہدایت معرفت اور طاعت کا سبب بنتا ہے۔

بندوں میں اس اسم پاک "الہادی" سے سب سے زیادہ بہرہ مند انبیاء اولیاء، اور علماء ہیں جو مخلوق خدا کو صراط مستقیم کی طرف راہ دکھانے والے ہیں۔ سید انبیاء اور ختم رسل دو عالم ﷺ کی ذات گرامی اس اسم پاک کا حقیقی پرتو ہے جو اس دنیا میں پوری انسانیت اور پوری کائنات کے سب سے بڑے اور سب سے بلند مرتبہ راہنما اور راہبر ہیں۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ۔

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ "تین چیزیں ایسی ہیں "جن کا عارفین کی صفات عالیہ میں شمار ہوتا ہے ① تنگدل اور غمزدوں کو کشادگی اور فرحت کی طرف لانا ② غافلین کو حق تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا ③ زبان توحید سے مسلمانوں کو حق کی راہ دکھانا، یعنی ان کے قلوب کی توجہ دنیا سے دین کی طرف اور معاش سے معاد کی طرف پھیرنا"

خاصیت: جو شخص ہاتھ اٹھا کر اور اپنا منہ آسمان کی طرف اٹھا کر اس اسم پاک "الہادی" کو بہت زیادہ پڑھا کرے اور پھر ہاتھوں کو آنکھوں اور منہ پر پھیر لیا کرے تو حق تعالیٰ اسے اہل معرفت کا مرتبہ بخشے گا۔

اَلۡبَدِیۡعُ: "عالم کو بغیر مثال کے پیدا کرنے والا" بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جو شخص قول و فعل میں اپنے نفس پر سُنّت کو امیر (حاکم) بناتا ہے وہ حکمت کی باتیں کرتا ہے یعنی اس کا ذہن اس کا فکر اس کی زبان حکمت و شریعت ہی کے ڈھانچے میں ڈھل جاتی ہے، اور جو شخص قول و فعل میں اپنے نفس پر خواہش کو امیر بناتا ہے وہ بدعت ہی کی باتیں کرتا ہے" اس کا ذہن، اس کا فکر اور اسکی زبان بدعت ہی کے چکر میں پڑی رہتی ہے"۔

قشیریؒ فرماتے ہیں کہ "ہمارے مسلک کے تین اصول ہیں" ① اخلاق و افعال میں اور کھانے پینے میں کہ وہ حلال ہو نبی کریم ﷺ کی پیروی کرنا۔ ② ہمیشہ سچ بولنا۔ ③ تمام اعمال میں نیت کو خالص کرنا" نیز یہ بھی فرمایا کہ "جو شخص بدعتی کے بارہ میں مداہنت کرتا ہے یعنی اس سے نرمی برتتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال سے سُنّت کی حلاوت اٹھالیتا ہے اور جو شخص بدعتی کو دیکھ کر ہنستا ہے یعنی بدعتی کے ساتھ احترام کا معاملہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے ایمان کا نور سلب کر لیتا ہے۔

خاصیت: جس شخص پر کوئی غم پڑے یا کوئی دشوار کام پیش آئے تو وہ یَا بَدِیۡعَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ستر ہزار بار اور ایک قول کے مطابق ایک ہزار بار پڑھے انشاء اللہ وہ غم دور ہو جائے گا اور اس کا کام پورا ہو گا اور اگر کوئی شخص باوضو ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ اتنا پڑھے کہ سو جائے تو وہ خواب میں جس چیز کے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہو گا دیکھ لے گا۔

اَلْبَاقِي: "ہمیشہ باقی رہنے والا"

خاصیت: جو شخص اس اسم پاک کو جمعہ کی شب میں سو بار پڑھ لیا کرے اس کے تمام اعمال قبول ہوں گے اور کوئی رنج وغم اسے نہ ستائے گا۔

اَلْوَارِثُ: "موجودات کے فنا ہو جانے کے بعد باقی رہنے والا اور تمام مخلوقات کا مالک" جیسا کہ بتایا گیا وارث سے مراد ہے موجودات کے فنا ہو جانے کے بعد باقی تمام املاک اپنے مالکوں کے فنا ہو جانے کے بعد اس کی طرف رجوع کریں گی، لیکن یہ مطلب "وارث" کے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے ہے ورنہ تو حقیقت میں کائنات کی ایک ایک چیز کا علی الاطلاق ازل سے ابد تک ملکیت میں بغیر کسی تبدل و تغیر کے وہی مالک ہے۔ تمام ملک و ملکوت بلاشرکت غیرے اسی کے لئے ہیں اور وہی سب کا حقیقی مالک ہے چنانچہ ارباب بصائر ہمیشہ یہ نداء لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (گوش ہوش سے سنتے ہیں)

لہٰذا بندہ کو چاہئے کہ وہ اپنے مال و میراث کے فکر میں نہ رہے بلکہ یہ جانے کہ یہ سب کچھ چھوڑ کر دنیا سے جانا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا عارفوں کا شعار ہے ؎

دل بریں منزل فانی چہ نہی رخت بہ بند

بندہ پر اس اسم پاک کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ ان اعمال میں اپنی زندگی صرف کرے جو باقیات صالحات میں سے ہیں جیسے تعلیم و تعلم اور صدقہ جاریہ وغیرہ، نیز دین کے علوم و معارف کو پوری سعی و کوشش کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حاصل کرے۔ تاکہ صحیح معنی میں انبیاء کا وارث قرار پائے۔

خاصیت: جو شخص طلوع آفتاب کے وقت اس اسم پاک کو سو بار پڑھا کرے اس کو کوئی رنج وغم نہیں پہنچے گا اور جو شخص اس اسم کو بہت زیادہ پڑھتا رہے اس کے تمام کام بحسن وخوبی انجام پذیر ہوں گے۔

اَلرَّشِيْدُ: "عالم کا رہنما" بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "اپنے بندہ کو اللہ کا راہ دکھانا یہ ہے اور وہ اس کے نفس کو اپنی طاعت و عبادت کی راہ دکھاتا ہے، اس کے قلب کو اپنی مغفرت کی راہ دکھاتا ہے اور اس کی روح کو اپنی محبت کی راہ دکھاتا ہے اور جس بندہ کا نفس سنوارنے کے لئے حق تعالیٰ اس کو راہ دکھاتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے تمام امور میں توکل و تفویض الہام فرماتا ہے۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو بھوک لگی تو انہوں نے ایک شخص کو ایک چیز دی جو ان کے پاس موجود تھی اور اس سے کہا کہ اس کو گروی رکھ کر کھانے کا انتظام کرو، جب وہ شخص وہ چیز لے کر وہاں سے نکلا تو اچانک اس کو ایک اور شخص ملا جو ایک خچر کے ساتھ چلا آرہا تھا اس خچر پر چالیس ہزار دینار لدے ہوئے تھے اس نے اس شخص سے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے بارہ میں پوچھا اور کہا کہ یہ چالیس ہزار دینار ابراہیمؒ کی میراث ہیں جو ان تک ان کے والد کے مال سے پہنچی ہے میں ان کا غلام ہوں میراث کا یہ مال میں ان کی خدمت میں لایا ہوں۔ اس کے بعد وہ شخص حضرت ابراہیمؒ کے پاس پہنچا اور چالیس ہزار دینار ان کے حوالہ کئے۔ حضرت ابراہیمؒ نے کہا کہ اگر تم سچ کہتے ہو کہ تم میرے ہی غلام ہو اور یہ مال بھی میرا ہی ہے تو میں تمہیں خدا کی خوشنودی کے لئے آزاد کرتا ہوں اور یہ چالیس ہزار دینار بھی تمہیں بخشتا ہوں۔ بس اب تم میرے پاس سے چلے جاؤ! جب وہ شخص وہاں سے چلا گیا تو ابراہیمؒ نے کہا کہ "پروردگار" میں نے تو تیرے سامنے صرف روٹی کی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ تو نے مجھے اتنی مقدار میں دنیا دے دی پس قسم ہے تیری ذات کی اب اگر تو مجھے بھوک سے مار بھی ڈالے گا تو تجھ سے کچھ نہیں مانگوں گا۔

خاصیت: اگر کوئی شخص اپنے کسی کام کے بارہ میں کچھ طے نہ کر پا رہا ہو تو وہ عشاء کی نماز اور اپنے سونے کے درمیان اس اسم پاک کو ایک ہزار مرتبہ پڑھے اس کام کے بارہ میں جو صحیح اور مفید بات ہو گی اس پر ظاہر ہو جائے گی اور جو شخص اس اسم پاک پر مداومت کرے۔ اس

کے تمام امور بغیر سعی و کوشش کے انجام پذیر ہوں گے۔

اَلصَّبُوْرُ: "بردبار کہ گنہ گاروں کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا" لغت میں "صبر کے معنی ہیں شکیبائی کرنا اور "صبور" وہ کہ گنہگاروں کو پکڑنے اور ان کو سزا دینے میں جلدی نہ کریں۔ "صبور" معنی و مفہوم کے اعتبار سے "حلیم" کے قریب ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے "صبور" اس بات پر مشعر ہے کہ اگرچہ فی الوقت بردباری کی لیکن آخرت میں پکڑے گا اور عذاب دے گا جب کہ "حلیم" بردباری کے مفہوم میں مطلق ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ "صبور" کے معنی بندہ کو اس کی مصیبت وبلاء میں صبر دینے والا لہٰذا مبارک امانت کے تحمل پر صبر دینے والا، شہوات و خواہش کی مخالفت پر صبر دینے والا اور اداء عبادت میں مشقت پر صبر دینے والا وہی حق سبحانہ و تعالیٰ ہے، اس لئے بندہ کو چاہئے کہ وہ ہر مصیبت و رنج و آفت وبلاء میں خدا سے صبر چاہے اور اس کی نافرمانی سے دور رہے۔ نیز اس اسم پاک کا بندہ پر یہ تقاضہ ہے کہ وہ کسی کام میں سبکی اور جلدی نہ کرے، بلکہ وقار و طمانیت اور تمکین اختیار کرے اور ہر رنج میں اللہ تعالیٰ کی ہی پناہ طلب کرے۔ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۝ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

مشائخ میں سے ایک شخص کا یہ مقولہ ہی کتنا عارفانہ ہے "جام صبر پیو اگر مارے جاؤ گے شہید اور اگر زندہ رہو گے تو سعید کہلاؤ گے۔

خاصیت: جس شخص کو رنج و مشقت، درد و تکلیف اور کوئی مصیبت پیش آئے تو یہ اسم تینتیس بار پڑھے اطمینان باطن پائے گا، دشمنوں کی زبان بندی و پسپائی، حکام کی خوشنودی اور لوگوں کے دلوں میں مقبولیت کے لئے آدھی رات کے وقت یا دوپہر میں اس اسم پاک کو باقاعدگی کے ساتھ پڑھنا بڑی خاصیت اور تاثیر رکھتا ہے۔

مشکوٰۃ میں ابوہریرہؓ کی روایت میں حق تعالیٰ کے جو ننانوں نام منقول ہیں ان کی وضاحت ختم ہوئی ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ قرآن کریم اور احادیث میں ان ناموں کے علاوہ بھی کچھ نام اور منقول ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ نام بھی آتے ہیں۔

الرب۔ الاکرم۔ الا علی۔ الحافظ۔ الخالق۔ السائر۔ الستار۔ الشاکر العادل۔ العلام الغالب الناظر۔ الفالق۔ القدیر۔ القریب۔ القاھر۔ الکفیل۔ الکافی۔ المنیر۔ المحیط۔ الملک۔ المولی۔ النصیر۔ احکم الحاکمین۔ ارحم الراحمین۔ احسن الخالقین۔ ذو الفضل۔ ذو الطول۔ ذو القوۃ۔ ذو المعارج۔ ذو العرش۔ رفیع الدرجات۔ قابل التواب، الفعال لمایرید۔ مخرج الحی من المیت اور احادیث میں یہ نام بھی آئے ہیں۔ الحنان، المنان، المغیث نیز ان کے علاوہ دیگر آسمانی کتب مثلاً توریت وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کے کچھ اور نام نقل کئے جاتے ہیں۔

اسم اعظم

(۳) وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ فَقَالَ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ الَّذِيْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى وَاِذَا دُعِيَ بِهٖ اَجَابَ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ "اے الٰہی میں تجھ سے اپنا مقصود و مطلوب اس وسیلہ کے ساتھ مانگتا ہوں کہ تو اللہ ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ایسا یکتا اور بے نیاز ہے کہ نہ تو اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں (یہ سن کر آپ ﷺ نے) فرمایا کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی، ایسا اسم اعظم کہ جب اللہ تعالیٰ سے اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو وہ سوال پورا کرتا ہے اور جب اس کے ذریعہ دعا مانگی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے یعنی وہ دعا اکثر قبول ہوتی ہے۔" (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: زیادہ صحیح بات تو یہی ہے کہ "اسم اعظم" اللہ تعالیٰ کے اسماء میں پوشیدہ ہے تعین کے ساتھ اس کا کسی کو علم نہیں ہے جیسا کہ "لیلۃ القدر" لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ اسم اعظم لفظ "اللہ" ہے اور قطب ربانی حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کے قول کے مطابق اس شرط کے ساتھ کہ زبان سے جب "اللہ" ادا ہو تو دل میں اللہ کے علاوہ اور کچھ نہ ہو یعنی اس اسم پاک کی تاثیر اسی وقت ہوگی جب کہ اللہ کو پکارتے وقت دل ماسوی اللہ سے بالکل خالی ہو۔

اس اسم اعظم کے سلسلہ میں علماء کے اور بھی اقوال ہیں چنانچہ باب کے آخر میں وہ اسماء نقل کئے جائیں گے جن کو علماء نے اپنی اپنی رائے و تحقیق کے مطابق اسم اعظم کہا ہے۔

علماء نے "سوال" اور "دعا" میں یہ فرق نقل کیا ہے کہ سوال" کے معنی ہیں طلب کرنا جیسے کہ کہا جائے۔ اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِی (اے اللہ مجھے فلاں چیز عطا کر) اور اس کے جواب میں اللہ کی عطا یعنی اس کا دینا اور دعا کے معنی ہیں پکارنا جیسے کہ کہا جائے "یا اللہ" اور اس کے جواب اللہ کی طرف سے اجابت یعنی قبول کرنا ہے جیسے اللہ تعالیٰ بندہ کی پکار پر فرمائے لَبَّیْكَ عَبْدِی (ہاں اے میرے بندے)

④ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ یُصَلِّیْ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ اَسْاَلُكَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعَا اللّٰہَ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ اِذَا دُعِیَ بِهٖ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰی۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھا تھا اور (ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس نے (نماز کے بعد) یہ دعا مانگی "یا الٰہی"! میں تجھ سے اپنا مطلب اس وسیلہ کے ساتھ مانگتا ہوں کہ تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو بہت مہربان بہت دینے والا اور آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اے بزرگی و بخشش کے مالک! اے زندہ! او اے خبر گیری کرنے والے! میں تجھ سے ہی سوال کرتا ہوں"! (یہ سن کر) نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس کے بڑے نام کے ساتھ دعا مانگی ایسا بڑا نام کہ جب اللہ تعالیٰ سے اس کے ذریعہ دعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے اور جب اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو وہ سوال پورا کرتا ہے۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

⑤ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ یَزِیْدَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِسْمُ اللّٰہِ الْاَعْظَمُ فِیْ هَاتَیْنِ الْاٰیَتَیْنِ وَاِلٰـهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ وَفَاتِحَةُ اٰلِ عِمْرَانَ الٓمّٓ اللّٰہُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجۃ و الدارمی)

"حضرت اسماء بنت یزیدؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ کا سب سے بڑا نام (اسم اعظم) ان دو آیتوں میں ہے وَاِلٰـهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (اور تمہارا معبود وہ ایک معبود ہے اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اور وہ بخشنے والا اور مہربان ہے) اور سورہ ال عمران کی یہ ابتدائی آیت الٓمّٓ اللّٰہُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الم اللہ کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے اور خبر گیری کرنے والا ہے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

دعا یونس کی برکت و تاثیر

⑥ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعْوَةُ ذِی النُّوْنِ اِذْ دَعَا رَبَّهٗ وَهُوَ فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ لَمْ یَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا اسْتَجَابَ لَهٗ (رواہ احمد و الترمذی)

"اور حضرت سعدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مچھلی والے یعنی حضرت یونسؑ کی وہ دعا جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے

پروردگار سے مانگی تھی یہ ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے بلاشک میں ظالموں میں سے تھا) جو مسلمان شخص اس دعا کے ذریعہ خدا سے کوئی چیز مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا سوال پورا کرتا ہے۔" (احمد، ترمذی)

تشریح: حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ مختصر طور پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہر نینویٰ کے رہنے والوں کی طرف ان کی ہدایت کے لئے بھیجا تھا انہوں نے ان کو ایمان کی دعوت دی جسے انہوں نے ٹھکرا دیا اور ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کے پاس یہ وحی بھیجی کہ تم اپنی قوم کو آگاہ کر دو کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب نازل ہوگا، حضرت یونسؑ نے ان کو آگاہ کر دیا اور خود اس شہر سے نکل گئے وقت مقررہ پر ایک سیاہ ابر ظاہر ہوا اور قریب ہوتے ہوتے اس شہر پر آ کر رک گیا اور اس میں سے ایک قسم کا دھواں نکلنے لگا۔ جب شہر والوں نے دیکھا کہ اب عذاب نازل ہوا چاہتا ہے تو سب اپنی بیویوں، اپنی اولاد، اپنے جانوروں کو لے کر جنگل کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور وہاں آدمیوں اور جانوروں کے بچوں کو ان ماؤں سے الگ کر کے گریہ وزاری کے ساتھ اپنی آوازیں بلند کیں اور اپنے کفر و گناہوں سے توبہ کر کے ایمان لائے اور یہ پکار اٹھے کہ لَا حَيُّ حِيْنَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ (یعنی اے زندہ اس وقت سے کہ کوئی زندہ نہ تھا۔ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب جو ان پر مسلط تھا ٹال دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت یونسؑ اس شہر کی طرف آئے تاکہ دیکھیں اس شہر اور شہر والوں کا کیا حال ہوا۔ انہوں نے دور سے دیکھا کہ شہر اسی طرح آباد ہے جس طرح کہ پہلے تھا اور شہر والے زندہ و سلامت ہیں۔ یہ دیکھ کر انہیں بڑی شرم محسوس ہوئی کہ میں نے تو ان سے کہا تھا کہ تین دن کے بعد تمہارے اوپر عذاب نازل ہوگا مگر عذاب کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے انہیں اس بات کی خبر نہیں تھی کہ عذاب تو نازل ہوا تھا مگر ٹال دیا گیا۔ بہرکیف وہ یہ سوچ کر کہ ایسی صورت میں شہر جانا مناسب نہیں ہے وہاں سے واپس ہوئے اور دریا پر پہنچ کر تاکہ اس پار چلے جائیں کشتی تیار تھی وہ کشتی میں بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسا کشتی اپنی جگہ پر جم گئی ہو بہت ہی کوشش کی گئی مگر کشتی نے ہلنے کا نام بھی نہ لیا۔ ملاحوں نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کشتی میں کوئی ایسا غلام بیٹھا ہوا ہے جو اپنے مالک سے بھاگ کھڑا ہوا ہے اسی لئے یہ کشتی نہیں چل رہی اور یہ کہہ کر انہوں نے کشتی میں بیٹھے ہوئے تمام مسافروں میں قرعہ ڈالا اور قرعہ میں حضرت یونسؑ کے نام نکلا حضرت یونسؑ نے کہا کہ بیشک میں ہی بھاگا ہوا غلام ہوں۔ اس کے بعد خود ہی وہ دریا میں کود گئے اور ایک مچھلی نے اللہ کے حکم سے انہیں نگل لیا۔ اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ انہیں اپنے پیٹ میں محفوظ رکھا جائے چنانچہ حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں پڑے رہے اور مچھلی انہیں لئے دریائے نیل دریائے فارس دریائے دجلہ میں پھرتی رہی اور حضرت یونس بارگاہ الٰہی میں یہ عرض کرتے رہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اے اللہ تو معبود حاکم اور مطلق ہے، تیری ذات پاک ہے میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے بایں طور کہ میں تیری اجازت کے بغیر اپنی قوم سے نکل بھاگا، چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور مچھلی کو حکم دیا کہ انہیں نصیبین کے ساحل پر کہ جو شام کا ایک شہر ہے اپنے پیٹ سے نکال دے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اسم اعظم کی تحقیق

(۷) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ عِشَاءً وَاِذَا رَجُلٌ يَقْرَأُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَقُوْلُ هٰذَا مُرَاءٍ قَالَ بَلْ مُؤْمِنٌ مُنِيْبٌ قَالَ وَاَبُوْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيُّ يَقْرَأُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهُ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَسَمَّعُ لِقِرَاءَتِهِ ثُمَّ جَلَسَ اَبُوْ مُوْسَى يَدْعُوْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اُشْهِدُكَ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ سَأَلَ اللّٰهَ بِاسْمِهِ الَّذِيْ اِذَا سُئِلَ بِهِ اَعْطٰى وَاِذَا دُعِيَ بِهِ اَجَابَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُخْبِرُهُ بِمَا سَمِعْتُ مِنْكَ قَالَ نَعَمْ فَاَخْبَرْتُهُ

بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِیْ اَنْتَ الْیَوْمَ لِیْ اَخٌ صَدِیْقٌ حَدَّثْتَنِیْ بِحَدِیْثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (رواہ رزین)

"حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن، میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ عشاء کی نماز کے لئے مسجد میں داخل ہوا تو وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص (نماز میں) قرآن کریم پڑھ رہا ہے اور اپنی آواز بلند کر رہا ہے میں نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا آپ (ﷺ) اس شخص کو ریاکار نہیں کہیں گے؟ (یعنی کیا یہ شخص منافق نہیں ہے کہ دکھانے سنانے کے لئے اتنے زور زور سے قرآن کریم پڑھ رہا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں" بلکہ مؤمن جو (غفلت سے ذکر کی طرف) رجوع کر رہا ہے۔ "بریدہؓ کہتے ہیں کہ "ابوموسیٰ (یعنی وہ شخص جن کے بارہ میں اوپر ذکر ہوا کہ وہ بآواز بلند قرآن پڑھتے تھے حضرت ابوموسیٰؓ تھے۔ بآواز بلند قرآن کریم پڑھتے رہے اور نبی کریم ﷺ ان کی قرأت سنتے رہے، پھر ابوموسیٰؓ (یا تو تشہد میں نماز کے بعد دعا کے لئے) بیٹھے اور بارگاہ الٰہی میں یوں عرض رساں ہوئے! اے الٰہی! میں تجھ کو گواہ (بنا کر تیرے حق میں یہ اعتقاد و اقرار کرتا ہوں کہ تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ایسا یکتا و بے نیاز ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ رسول کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا "اس نے خدا سے اس کے نام کے ساتھ سوال کیا ایسا نام کہ جب اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو اللہ وہ سوال پورا کرتا ہے) اور جب اس کے ذریعہ دعا مانگی جاتی ہے تو دعا قبول کرتا ہے "حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میں نے آپ (ﷺ) سے جو یہ بات سنی ہے اسے ابوموسیٰ تک پہنچا دوں۔ آپ نے فرمایا کہ "ہاں" چنانچہ میں نے ابوموسیٰ تک آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی پہنچایا تو انہوں نے کہا کہ آج کے دن سے تم میرے سچے بھائی ہو کہ تم نے رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد مجھ تک پہنچایا ہے۔" (رزینؒ)

تشریح: جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اسم اعظم کے تعین کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ چنانچہ بعض حضرات نے تو "اللہ" کو اسم اعظم کہا ہے، کچھ علماء کہتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اسم اعظم ہے کچھ لوگوں نے لفظ "ھو" کو اسم اعظم کہا ہے بعض حضرات نے اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کو بعض حضرات نے مَالِکُ الْمُلْکِ کو بعض حضرات نے کلمہ توحید کو اور بعض حضرات نے اَللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ کو اسم اعظم کہا ہے۔

حضرت امام زین العابدینؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی کہ مجھے اسم اعظم بتائے تو انہیں خواب میں دکھایا گیا کہ اسم اعظم۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اسم اعظم اسماء حسنیٰ میں مخفی ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اَللّٰھُمَّ اسم اعظم ہے۔

بعض سلف سے منقول ہے کہ جس شخص نے اَللّٰھُمَّ کہا اس نے گویا خدا سے اس کے تمام ناموں کے ذریعے (دعا مانگی اسی طرح کا قول حضرت حسن بصریؒ سے بھی منقول ہے)۔

بعض حضرات الٓمٓ کو اسم اعظم قرار دیتے ہیں اور بعض حضرات مثلاً امام جعفر صادق کہتے ہیں کہ جو شخص اسماء الٰہی میں سے کسی بھی اسم کے ساتھ اللہ کو اس طرح بطریق حضور و استغراق یاد کرے کہ اس وقت اس کے باطن میں اس اسم کے علاوہ اور کچھ نہ ہو تو وہی اسم اعظم ہے اور اس کے ذریعہ مانگی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے۔

حضرت ابوسلیمان درانیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شیخ کامل سے پوچھا کہ اسم اعظم کون سا ہے؟ تو انہوں نے پوچھا کیا تم اپنے دل کو جانتے ہو؟ میں نے کہا کہ "ہاں"! انہوں نے فرمایا کہ جب تم یہ دیکھو کہ تمہارا دل خدا کی طرف متوجہ اور نرم (یعنی ترساں و لرزاں ہو گیا ہے تو اس وقت خدا سے اپنی حاجت مانگو یہی اسم اعظم ہے۔

منقول ہے کہ حضرت ابوالربیعؒ سے کسی نے کہا کہ مجھے اسم اعظم کے بارہ میں بتائیے تو انہوں نے کہا کہ یہ لکھ لو اَطِعِ اللّٰہَ یُعْطِکَ یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو وہ تمہاری ہر درخواست قبول کرے گا اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری ہی اسم اعظم

ہے کیونکہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مہربان ہوتا ہے اور قبول کرتا ہے۔
نیز فرمایا کہ عارف کا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنا کن کی طرح ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ کن کہہ کر جو چاہتا ہے پیدا فرما دیتا ہے ایسے ہی بندہ کے لئے بسم اللہ ہے کہ وہ جس کام کی ابتداء میں بسم اللہ کہتا ہے اس کی برکت سے وہ کام پورا ہو جاتا ہے۔
بعض محققین فرماتے ہیں کہ دعا تمام اقوال کا جامع ہے یعنی بزرگان دین نے جن جن ناموں کو اسم اعظم کہا ہے وہ سب اس دعا میں آجاتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ یَا حَنَّانُ یَا مَنَّانُ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ یَا خَیْرَ الْوَارِثِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یَا سَمِیْعَ الدُّعَاءِ یَا اَللّٰهُ یَا اَللّٰهُ یَا عَالِمُ یَا سَمِیْعُ یَا عَلِیْمُ یَا حَلِیْمُ یَا مَالِكَ الْمُلْكِ یَا مَالِكُ یَا سَلَامُ یَا حَقُّ یَا قَدِیْمُ یَا قَائِمُ یَا غَنِیُّ یَا مُحِیْطُ یَا حَكِیْمُ یَا عَلِیُّ یَا قَاهِرُ یَا رَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ یَا سَرِیْعُ یَا كَرِیْمُ یَا مُخْفِیْ یَا مُعْطِیْ یَا مَانِعُ یَا مُحْیِیْ یَا مُقْسِطُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا اَحْمَدُ یَا حَمْدُ یَا رَبِّ یَا رَبِّ یَا رَبِّ یَا رَبِّ یَا رَبِّ یَا وَهَّابُ یَا غَفَّارُ یَا قَرِیْبُ یَا لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اَنْتَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ مذکورہ بالا دعا میں جتنے اسماء ذکر کئے گئے ہیں یہ سب اسم اعظم ہیں۔

بَابُ ثَوَابِ التَّسْبِیْحِ وَالتَّحْمِیْدِ وَالتَّهْلِیْلِ وَالتَّكْبِیْرِ

تسبیح، تحمید، تہلیل اور تکبیر کے ثواب کا بیان

تسبیح سے مراد ہے سبحان اللہ کہنا تحمید سے مراد الحمد للہ کہنا اور تہلیل سے مراد ہے لا الٰہ الا اللہ کہنا اور تکبیر سے مراد اللہ اکبر کہنا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

سب سے بہتر کلام

(۱) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْكَلَامِ اَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَفِیْ رِوَايَةٍ اَحَبُّ الْكَلَامِ اِلَى اللّٰهِ اَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ لَا يَضُرُّكَ بِاَيِّهِنَّ بَدَاْتَ (رواہ مسلم)

"حضرت سمرہ ابن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "انسان کے کلام میں سب سے بہتر کلام چار ہیں (اور وہ یہ ہیں) سُبْحَانَ اللّٰهِ (اللہ بہت پاک ہے) الحمد للّٰہ (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں) لا الٰہ الا اللّٰہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) اللّٰہ اکبر (اللہ بہت بڑا ہے) ایک روایت میں ہے (کہ آپ ﷺ نے فرمایا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلام چار ہیں (۱) سبحان اللہ۔ (۲) الحمد للہ۔ (۳) لا الٰہ الا اللہ۔ (۴) اللہ اکبر۔ ان میں سے کسی بھی کلمہ سے شروع کرنا تمہارے لئے نقصان وہ نہیں ہے۔" (مسلم)

تشریح: "سب سے بہتر کلام چار ہیں" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے بعد انسان کے کلام میں یہ چار کلمے سب سے افضل ہیں! یہ وضاحت اور ترجمہ میں انسان کی قید اس لئے ہے کہ چوتھا کلمہ یعنی "اللہ اکبر" قرآن کریم میں نہیں ہے اور یہ ایک ظاہر بات ہے کہ جو چیز قرآن میں نہیں ہے وہ اس چیز سے افضل نہیں ہے جو قرآن میں ہے لیکن اور ایک حدیث میں اس طرح ہے اَفْضَلُ الْكَلَامِ بَعْدَ الْقُرْاٰنِ وَهِیَ مِنَ الْقُرْاٰنِ یعنی (یہ کلمے) مجموعہ قرآن کے بعد افضل کلمے ہیں اور یہ کلمے بھی قرآن ہی کے ہیں۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "کلام" سے انسانی کلام کے ساتھ کلام اللہ بھی مراد ہے یعنی یہ چار کلمے اللہ تعالیٰ کے تمام کلام میں افضل

ترین کلمے ہیں۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ ان میں سے اول الذکر تین کلمے تو بعینہٖ قرآن میں موجود ہیں۔ اور چوتھا کلمہ اگرچہ بعینہٖ قرآن میں نہیں ہے لیکن اس آیت وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا میں بالمعنی یقیناً موجود ہے۔

اس موقع پر یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ یہ چاروں کلمے اگرچہ افضل ہیں لیکن احادیث سے جو "ذکر" کسی حال یا کسی وقت سے متعلق ثابت ہے اس حالت یا اس وقت میں اس ذکر میں مشغول ہونا تسبیح وغیرہ سے افضل ہے۔

دوسری روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ ان چاروں کلموں کو پڑھتے وقت مذکورہ ترتیب ضروری نہیں ہے چاہے کوئی پہلے سبحان اللہ کہے اور چاہے کوئی پہلے الحمد للہ یا لا الہ الا اللہ یا اللہ اکبر کہے۔ ان میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تاہم طیبیؒ نے کہا ہے کہ ان چاروں کلمات کو مذکورہ ترتیب کے ساتھ پڑھنا عزیمت یعنی اولیٰ ہے اور بغیر ترتیب کے پڑھنا رخصت یعنی جائز ہے۔

تسبیح، تحمید، تہلیل اور تکبیر کی فضیلت

(۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقُوْلَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہنا بلاشبہ میرے نزدیک اس چیز سے جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے (یعنی دنیا اور دنیا کی چیزوں سے) زیادہ پسندیدہ ہے۔" (مسلمؒ)

تسبیح و تحمید کی فضیلت و برکت

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ فِيْ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے کسی دن میں سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھا تو اس کے گناہ ختم کر دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ دریا کے جھاگ کی مانند (یعنی کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: طیبیؒ فرماتے ہیں کہ سو مرتبہ چاہے تو کئی مرتبہ کر کے پڑھا جائے دن کے ابتدائی یا آخری حصہ میں ایک ہی دفعہ میں پڑھ لیا جائے دونوں طرح درست ہے لیکن افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ دن کے ابتدائی حصہ میں ایک ہی دفعہ پڑھ لیا جائے۔ افضل ہے۔

(۴) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ وَحِيْنَ يُمْسِيْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ مِائَةَ مَرَّةٍ لَمْ يَأْتِ اَحَدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ اِلَّا اَحَدٌ قَالَ مِثْلَ مَا قَالَ اَوْ زَادَ عَلَيْهِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، جس نے صبح کے وقت اور شام کے وقت سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہا تو قیامت کے دن کوئی شخص اس عمل سے بہتر کوئی عمل نہیں لائے گا علاوہ اس شخص کے جس نے اس کی مانند یا اس سے زیادہ کہا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس موقع پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے حدیث کی ظاہری عبارت سے یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے پہلے شخص کی مانند کا یعنی اس نے پہلے شخص کی طرح صبح و شام کے وقت سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہا تو وہ قیامت کے دن اس عمل سے افضل لائے گا جو یہ پہلا شخص لائے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ دوسرے شخص نے اگر پہلے شخص کی طرح سبحان اللہ وبحمدہ صبح و شام سو سو مرتبہ کہا تو وہ قیامت کے دن پہلے ہی شخص کی طرح عمل لے کر حاضر ہوگا نہ کہ اس سے افضل عمل لائے گا۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حدیث کی عبارت حقیقت و معنی کے اعتبار سے یوں ہے کہ قیامت کے دن کوئی شخص اس عمل کے برابر

کوئی عمل نہیں لائے گا جو یہ شخص لائے گا اور نہ اس کے عمل سے افضل کوئی عمل لائے گا علاوہ اس شخص کے جس نے اس کی مانند (سبحان اللہ وبحمدہ صبح شام کے وقت سو سو مرتبہ سے زیادہ) کہا تو وہ اس پہلے شخص کے عمل سے افضل عمل لائے گا۔

یا پھر کہا جائے گا کہ مثل ما قال او زاد علیہ میں حرف اَوْ معنی کے اعتبار سے حرف وکی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

(۵) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا دو کلمے ہیں جو زبان میں کہنے سے تو ہلکے ہیں لیکن ترازو میں بھاری ہیں (یعنی ان کا ثواب میزان عمل میں بھاری ہوگا) اور بخشنے والے خدا کے نزدیک بہت پیارے ہیں اور وہ دو کلمے یہ ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ یعنی اللہ پاک ہے اور اپنی حمد کے ساتھ موصوف ہے پاک ہے جو اللہ بڑا ہے۔" (بخاری ؒ و مسلم ؒ)

(۶) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَكْسِبَ كُلَّ يَوْمٍ اَلْفَ حَسَنَةٍ فَسَأَلَهُ سَائِلٌ مِنْ جُلَسَائِهٖ كَيْفَ يَكْسِبُ اَحَدُنَا اَلْفَ حَسَنَةٍ قَالَ يُسَبِّحُ مِائَةَ تَسْبِيْحَةٍ فَيُكْتَبُ لَهٗ اَلْفُ حَسَنَةٍ اَوْ يُحَطُّ عَنْهُ اَلْفُ خَطِيْئَةٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ كِتَابِهٖ فِيْ جَمِيْعِ الرِّوَايَاتِ عَنْ مُوْسَى الْجُهَنِيِّ اَوْ يُحَطُّ قَالَ اَبُوْبَكْرِ الْبَرْقَانِيُّ وَرَوَاهُ شُعْبَةُ وَاَبُوْ عَوَانَةَ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيْدِ الْقَطَّانُ عَنْ مُوْسٰى فَقَالُوْا وَيُحَطُّ بِغَيْرِ اَلْفٍ هٰكَذَا فِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ

"اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ ایک دن جب کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا "کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ہر روز ایک ہزار نیکیاں حاصل کرے؟ مجلس میں موجود صحابہؓ میں سے ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ "ہم میں سے کوئی شخص، (روزانہ بسہولت) ایک ہزار نیکیاں کس طرح حاصل کر سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایک سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ پڑھ لے اس کے لئے ایک ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی (بایں حساب کہ ہر نیکی پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں) یا اس کے ایک ہزار (صغیرہ اگر اللہ چاہے گا تو کبیرہ) گناہ دور کئے جائے گے (مسلمؒ) ابوبکر برقانیؒ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں موسیٰ جہنی سے جو روایتیں منقول ہیں ان سب میں لفظ اَوْ يُحَطُّ ہی نقل کیا گیا ہے لیکن شعبہؒ، ابوعوانہؒ اور یحییٰ ابن سعید قطان نے موسیٰ جہنی سے جو یہ روایت نقل کی ہے اس میں لفظ وَيُحَطُّ بغیر الف کے ذکر کیا ہے اور کتاب حمیدی یعنی جمع بین الصحیحین میں بھی اسی طرح منقول ہے۔"

تشریح: اَوْ يُحَطُّ کے پیش نظر تو حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ دونوں میں سے کوئی ایک بات ہوتی ہے، یا تو ایک ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں یا ایک ہزار گناہ دور کئے جاتے ہیں جب کہ وَيُحَطُّ کی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ایک ہزار نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں اور ایک ہزار گناہ بھی دور کئے جاتے ہیں۔ ترمذی، نسائی اور ابن حبان کی روایتیں بھی اسی مفہوم کی تائید کرتی ہیں کیونکہ ان میں لفظ وَيُحَطُّ ہی ہے لہٰذا بظاہر تو دونوں روایتوں میں منافات معلوم ہوتی ہے لیکن اگر ذہن میں یہ بات رہے کہ کبھی بھی "و" معنی کے اعتبار سے "او" کی جگہ پر استعمال ہوتا ہے تو پھر کوئی منافات نظر نہیں آئے گی اور دونوں روایتوں کا ایک مفہوم نکلے گا، اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جس شخص نے یہ تسبیح پڑھی اس کے لئے ایک ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں اگر اس کے ذمہ گناہ نہ ہوں گے یا اس کے ایک ہزار گناہ دور کر دیئے جائیں گے اگر اس کے ذمے گناہ ہوں گے۔

بہتر کلام تسبیح و تحمید

(۷) وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْكَلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَا اصْطَفَى اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا کلام بہتر ہے؟" آپ نے فرمایا" وہ کلام جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے چن لیا ہے (اور وہ یہ ہے) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔" (مسلمؒ)

تشریح: "چن لیا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر میں سے اس کلمہ کو اپنے فرشتوں کے لئے چن لیا ہے اور اس کلمہ کی انتہائی فضیلت کی وجہ سے انہیں حکم دیا کہ وہ اسے ہمیشہ پڑھتے رہا کریں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ چاروں کلموں یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کا اختصار ہے کیونکہ تشریح میں شرک کی نفی بھی ہوتی ہے۔ جو تہلیل کا حاصل ہے اور اس سے اللہ اکبر یعنی بہت بڑا ہونا بھی لازم آتا ہے۔

ذکر میں کیفیت کا اعتبار کمیت کا نہیں

(۸) وَعَنْ جُوَيْرِيَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِيْنَ صَلَّى الصُّبْحَ وَهِيَ فِي مَسْجِدِهَا ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ اَنْ اَضْحٰى وَهِيَ جَالِسَةٌ قَالَ مَازِلْتِ عَلَى الْحَالِ الَّتِي فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ اَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جویریہؓ سے (جو آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں) منقول ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ صبح کے وقت نماز فجر کے لئے ان کے پاس سے نکلے اور وہ اپنے مصلیٰ پر بیٹھی ہوئی تھیں جب رسول کریم ﷺ چاشت کے وقت واپس تشریف لائے وہ اپنی جگہ یعنی مصلیٰ پر بدستور بیٹھی ہوئی تھیں آپ ﷺ نے یہ دیکھ کر ان سے فرمایا کہ "جس حالت میں تمہیں چھوڑ کر گیا تھا کیا اسی طرح مسلسل بیٹھی ہوئی ہو؟ یعنی صبح کے وقت سے اب تک کہ چاشت کا وقت آگیا ہے مصلیٰ پر بیٹھی ہوئی اسی طرح ذکر الٰہی میں مشغول ہو) انہوں نے کہا "جی ہاں" نبی کریم ﷺ نے فرمایا "میں تمہارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمے تین مرتبہ کہے ہیں وہ چار کلمے ایسے ہیں کہ اگر ان کو اس چیز سے تولا جائے جس کے کہنے میں تم ابتداء دن سے اب تک مشغول رہی ہو (یعنی ذکر میں) تو یقیناً چار کلمے اس چیز پر بھاری رہیں گے (یعنی ان چار کلموں کا ثواب اس پورے وقت ذکر الٰہی میں تمہاری مشغولیت کے ثواب سے زیادہ ہوگا) اور وہ چار کلمے یہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَاءَ نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ "میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور اس کی تعریف کرتا ہوں اس کی مخلوقات کی تعداد کی بقدر اور اس کی ذات کی مرضی کے موافق اور اس کے عرش کے وزن کے مطابق اور اس کے کلموں کی مقدار کے مانند ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "اور اس کلموں کی مانند" میں کلموں سے مراد یا تو ان کی کتابیں اور ان کے صحیفے ہیں یا اس کے اسماء ہیں اسی طرح کی صفات یا اس کے اوامر بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ذکر میں کیفیت کا اعتبار ہوتا ہے کمیت کا نہیں! یعنی وہ تسبیحات وغیرہ جن کے مضامین اعلیٰ اور بہت خوب ہوں اور جنہیں قلب کے حضور و اخلاص کے ساتھ پڑھا جائے اگرچہ کم ہوں مگر ان تسبیحات کے مضامین سے افضل ہیں جو ایسی نہ ہوں اور جنہیں پڑھتے وقت حضور قلب و اخلاص کی دولت میسر نہ ہو اگرچہ وہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں اسی پر قیاس کرتے ہوئے سمجھا جاسکتا ہے کہ غور و فکر اور حضور و اخلاص کے ساتھ قرآن کی تلاوت و قرأت اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔ اس قرأت و تلاوت سے افضل ہے جو ان چیزوں سے خالی ہو۔ چاہے وہ بہت ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔

شیطان سے پناہ میں رہنے کا طریقہ

(۹) وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ

وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهُ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَكُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ وَكَانَتْ لَهُ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهُ ذٰلِكَ حَتّٰى يُمْسِيَ وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهِ إِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْهُ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ کلمات۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں" لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ "اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے" دن میں سو مرتبہ کہے اس کو سو غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس کے سو گناہ دور کئے جاتے ہیں اور اس کو اس دن شام تک شیطان سے پناہ حاصل رہتی ہے اور (قیامت کے دن) کوئی اس کے لائے ہوئے (اس عمل سے بہتر کوئی عمل لے کر نہیں آئے گا علاوہ اس شخص کے جس نے ان کلمات کو اس سے زیادہ پڑھا۔"

(بخاری و مسلم)

تشریح: ظاہری طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص ان کلمات کو شام کے وقت پڑھے تو اسے بھی اسی طرح صبح تک شیطان سے پناہ حاصل رہے گی لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اس بات کو راوی نے اختصار کے پیش نظر بیان کرنے سے چھوڑ دیا ہو یا یہ کہ خود نبی کریم ﷺ ہی نے اسے بیان نہ کیا ہو کیونکہ حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ بات خود واضح ہو جاتی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں جو کچھ فضیلت اور جو کچھ ثواب بیان کیا گیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شخص ان کلمات کو سو مرتبہ پڑھے چنانچہ ان کلمات کو جتنا زیادہ پڑھے گا اسے اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب حاصل ہوگا پھر یہ کہ چاہے کوئی ان کلمات کو مختلف اوقات میں اور متفرق طور پر سو مرتبہ پڑھے اور چاہے تو ایک وقت میں اور اکٹھا سو مرتبہ پڑھے۔ ہر دو صورت میں اسے مذکورہ ثواب حاصل ہوگا لیکن افضل یہی ہے کہ ان کلمات کو ایک ہی دفعہ میں سو مرتبہ اور دن کے ابتدائی حصہ میں پڑھا جائے تاکہ پورا دن شیطان سے پناہ حاصل رہے۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ جنت کا خزانہ ہے

(۱۰) وَعَنْ أَبِي مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُوْنَ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ إِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا إِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا وَهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِي تَدْعُوْنَهُ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ فَقَالَ أَبُو مُوْسَى وَأَنَا خَلْفَهُ أَقُوْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ فِي نَفْسِي فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى كَنْزٍ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں تھے کہ لوگوں نے (ایک موقع پر) پکار پکار کر تکبیر کہنی شروع کی آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا "لوگو! اپنی جانوں کے ساتھ نرمی اختیار کرو (یعنی اتنی بلند آواز سے تکبیر نہ کہو) کیونکہ تم (تکبیر کے ذریعہ) کسی بہرے یا غیر موجود کو نہیں پکارتے یا نہیں یاد کرتے ہو بلکہ اس کو پکارتے ہو جو سننے والا اور دیکھنے والا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے (یعنی وہ تمہارے حال پر مطلع ہے تم جہاں کہیں بھی ہو چاہے تم اسے باآواز بلند یاد کرو چاہے آہستہ آواز سے اس کے لئے دونوں برابر ہیں) اور جس کو کہ تم پکارتے ہو وہ تم میں سے ہر شخص کے، اس کی سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے "حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں (اس وقت) آپ ﷺ کے پیچھے (اونٹ پر یا پیادہ تھا) اور اپنے دل میں یہ پڑھ رہا تھا (لاحول ولاقوۃ الا باللہ) کہ آپ ﷺ نے فرمایا" عبداللہ ابن قیس! (یہ حضرت ابوموسیٰؓ کا نام ہے) "کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتلا دوں؟ میں نے عرض کیا" ہاں یا

رسول اللہ (ﷺ) ضرور بتائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا" وہ خزانہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "پکار پکار کر تکبیر کہنی شروع" کا مطلب یہ ہے کہ کسی بلند جگہ پر چڑھتے ہوئے جو تکبیر کہنی سُنّت ہے اسی کو صحابہؓ نے چلا کر کہنا شروع کر دیا تھا یا پھر تکبیر سے "ذکر بھی مراد ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس موقع پر صحابہؓ بآواز بلند ذکر اللہ کرنے لگے تھے۔

حدیث کے آخر میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کو "خزانہ" اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اسے پڑھنے والے کو بہت زیادہ ثواب ملتا ہے اور وہ اس کی برکتوں سے اسی طرح مالا مال ہوتا ہے جس طرح دنیاوی خزانہ سے بلکہ اس نعمت کے آگے دنیا کے بڑے بڑے خزانہ کو بھی کوئی وقعت نہیں ہے۔

لاحول کے بارہ میں مشائخ لکھتے ہیں کہ یہ ذکر اعمال میں جتنی زیادہ مدد کرتا ہے اور اس سے جتنی زیادہ برکت حاصل ہوتی ہے اتنی مدد و برکت اور کسی ذکر سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کلمے کے معنی یہ ہیں "گناہ سے بچنے کی طاقت اور اللہ کی عبادت کرنے کی قوت اللہ ہی کی طرف سے عطا ہوتی ہے"۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

تسبیح وتحمید کا ثمرہ

(۱۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ غُرِسَتْ لَہٗ نَخْلَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ (رواہ الترمذی)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے" سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ کہا اس کے لئے جنت میں کھجور کا درخت لگا دیا جاتا ہے۔" (ترمذی)

تشریح: کھجور کے درخت کو اس لئے مخصوص کیا گیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ کھجور کے درخت سے بہت زیادہ منفعت حاصل ہوتی ہے بلکہ اس کا پھل بھی بہت اچھا اور عمدہ ہوتا ہے۔

ہر صبح ایک فرشتہ کی طرف سے تسبیح کی نداء

(۱۲) وَعَنِ الزُّبَیْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ صَبَاحٍ یُصْبِحُ الْعِبَادُ فِیْہِ اِلَّا مُنَادٍ یُنَادِیْ سَبِّحُوا الْمَلِكَ الْقُدُّوْسَ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت زبیرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ایسی کوئی صبح نہیں ہوتی کہ جس میں ایک فرشتہ پکارنے والا پکار کر یہ نہ کہتا ہو" "کہ پاک بادشاہ کو اس کی پاکی کے ساتھ یاد کرو۔" (ترمذی)

تشریح: یعنی روزانہ صبح کے وقت ایک فرشتہ پکار پکار کر انسانوں کو تاکید کرتا ہے کہ وہ یہ کہیں سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ یا اس طرح کہیں سَبُّوْحٌ الْقُدُّوْسُ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحِ یا اس کے معنی یہ ہیں کہ روزانہ صبح کے وقت ایک فرشتہ لوگوں کو آگاہ کرتا ہے کہ وہ اس بات کا یقین و اعتقاد رکھیں کہ ان کا رب تمام عیوب اور تمام نقائص سے پاک ہے۔

بہترین ذکر لا الٰہ الا اللہ

(۱۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سب سے بہتر ذکر لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ ہے اور سب سے بہتر دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہے"

(ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ سب سے افضل اس لئے ہے کہ اسلام و ایمان کے سارے وجود کی بنیاد ہی اس پر ہے اس کے بغیر نہ ایمان صحیح ہوتا ہے اور نہ اس کے بغیر کوئی مسلمان بنتا ہے۔

بعض محققین فرماتے ہیں کہ تمام اذکار میں یہ کلمہ سب سے افضل اس وجہ سے ہے کہ ذاکر کے باطن کو برے اوصاف سے کہ جو انسان کے باطن کے "معبود" ہوتے ہیں۔ پاک اور صاف کرنے میں اس کلمہ کو بڑی عجیب و عظیم تاثیر حاصل ہے ارشاد ربانی ہے۔ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوَاہُ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفسانی کو اپنا معبود قرار دیا ہے۔

لہٰذا جب ذکر لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو لا الٰہ کے ذریعے تو تمام معبودوں کی نفی ہوتی ہے اور "الا اللہ" کے ذریعہ صرف ایک معبود حقیقی یعنی "اللہ" کا اقرار ہوتا ہے اور پھر جب زبان سے یہ کلمہ ادا ہوتا ہے تو اس کی تاثیر ظاہری زبان سے دل کی گہرائیوں کی طرف رجوع کرتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زبان سے تمام باطل معبودوں کی نفی اور ایک حقیقی معبود کا "اقرار" یقین و اعتقاد کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو اس کے قلب و باطن کو روشن و منور کر کے تمام برے و باطنی اوصاف کو صاف کر دیتا ہے اور آخر کار یہی تاثیر اس کے ظاہری اعضاء پر غالب آجاتی ہے کہ اس کے ظاہری اعضاء سے وہی اعمال و افعال صادر ہوتے ہیں جو اس اقرار و اعتقاد کا عین تقاضہ اور عین منشاء ہوتے ہیں۔

"الحمد للہ" کو دعا اس لئے فرمایا گیا ہے کہ کریم کی تعریف دعا و سوال کے زمرہ میں ہی آتی ہے اور اس کو افضل اس وجہ سے بتایا گیا ہے کہ منعم حقیقی یعنی خدا کی حمد شکر کے معنی میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ شکر نعمت و برکت میں زیادتی کا موجب ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ۔ -- "اور اگر تم شکر کرو گے تو میں زیادہ نعمت دوں گا۔"

خدا کی تعریف، خدا کا شکر ہے

⑭ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَمْدُ رَأْسُ الشُّکْرِ مَا شَکَرَ اللّٰہَ عَبْدٌ لَا یَحْمَدُہٗ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "حمد (خدا کی تعریف) شکر کا سر ہے جس بندہ نے خدا کی حمد نہیں کی اس نے خدا کا (کامل) شکر ادا نہیں کیا"۔

تشریح: "حمد" یعنی خدا کی تعریف زبان سے ہوتی ہے اور شکر، زبان و دل اور اعضاء سے ہوتا ہے، لہٰذا خدا کی تعریف خدا کے شکر کی ایک شاخ ہے۔ حمد کو شکر کا سر اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ زبان کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی تعریف زبان ہی سے خوب بیان ہوتی ہے اور پھر یہ کہ زبان چونکہ تمام اعضاء کی نائب ہے اس لئے حمد بھی گویا اجمالاً شکر ہے اور مفصل شکر کا جزو اعظم ہے اسی واسطے فرمایا گیا ہے کہ جس بندہ نے خدا کی حمد نہیں کی اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کیا اس بات میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنے باطن کی صفائی و تزکیہ کے ساتھ ساتھ اپنے ظاہری احوال کی محافظت بھی کرے۔

خوشی و مصیبت دونوں صورتوں میں اللہ کی تعریف کرنے والوں کی فضیلت

⑮ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَنْ یُّدْعٰى اِلَى الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الَّذِیْنَ

يَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَان

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن جنت کی طرف جن لوگوں کو پہلے بلایا جائے گا ان میں وہ ہوں گے جو خوشی کے وقت بھی اور سختی کے وقت بھی اللہ کی تعریف کرتے ہیں (یعنی دونوں صورتوں میں راضی و برضاء مولیٰ رہتے ہیں) ان دونوں روایتوں کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔"

لا الٰہ الا اللہ کی عظمت

(١٦) وَعَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ عَلِّمْنِي شَيْئًا اَذْكُرُكَ بِهٖ اَوْ اَدْعُوْكَ بِهٖ فَقَالَ يَا مُوْسٰى قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ يَا رَبِّ كُلُّ عِبَادِكَ يَقُوْلُ هٰذَا اِنَّمَا اُرِيْدُ شَيْئًا تَخُصُّنِيْ بِهٖ قَالَ يَا مُوْسٰى لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَعَامِرَهُنَّ غَيْرِيْ وَالْاَرَضِيْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِيْ كِفَّةٍ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِيْ كِفَّةٍ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (رواه فی شرح السنة)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگار! مجھے کوئی ایسی چیز سکھلا دے جس کے ذریعہ میں تجھے یاد کروں اور تجھ سے دعا مانگوں! پروردگار نے فرمایا! موسیٰ لا الٰہ الا اللہ کہو! موسیٰؑ نے عرض کیا "میرے پروردگار" تیرے تمام بندے (یعنی موحدین) یہ کلمہ کہتے ہیں میں تو کوئی ایسی چیز چاہتا ہوں جسے تو میرے ہی لئے مخصوص کر دے۔ جس میں میرا اور کوئی شریک نہ ہو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا "موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور میرے علاوہ ان کے سارے مکین (یعنی تمام فرشتے) اور ساتوں زمین ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور لا الٰہ الا اللہ یعنی اس کا ثواب دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یقیناً ان چیزوں کے پلڑے سے لا الٰہ الا اللہ کا پلڑا جھک جائے۔" (شرح السنة)

تشریح: اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو ایسا کوئی ذکر یا ایسی کوئی دعا طلب کی تھی کہ جو ان ہی کے لئے مخصوص ہو اور وہ اس کے ذریعہ دوسروں پر فائق ہوں لہٰذا سوال کے ساتھ جواب کی یہ کیا مطابقت ہوئی کہ ان سے فرمایا گیا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو! اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت موسیٰؑ کا سوال کچھ اور تھا اور بارگاہ الوہیت سے جواب کچھ اور دیا گیا۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کی تعلیم دے کر گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ تم نے ایک محال چیز کی طلب کی ہے۔ کیونکہ ایسی کوئی دعا اور ایسا کوئی ذکر نہیں ہے۔ جو اس کلمے سے افضل ہو اور اسے سب پڑھتے ہیں۔ بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحسب عادت بشری کوئی مخصوص دعا اور ذکر کی طلب کی کیونکہ انسان کی یہ فطرت یہ ہے کہ اسے اسی وقت بہت زیادہ خوشی اور سرور حاصل ہوتا ہے جب کہ اسے کسی چیز کے ساتھ مختص کیا جائے جو اس کے علاوہ اور کسی کے پاس نہ ہو۔ مثلاً اگر کسی کے پاس کوئی ایسا جو ہر یا ہیرا ہو تو جو اس کے علاوہ اور کسی کے پاس نہ ہو تو اسے اس قیمتی چیز کی موجودگی سے زیادہ اس احساس سے خوشی ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسی چیز کا مالک ہے جو اس کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں پائی جاتی۔ یہی حال اسماء، دعاؤں، نادر علوم اور ہنر کا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز جب کسی کے پاس ہوتی ہے اور وہ کسی دوسرے کے پاس نہیں ہوتی۔ تو اسے بے انتہا خوشی اور فرحت حاصل ہوتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت عام کے تحت اس کی قدرت کا نظام کچھ اس طرح ہے کہ جو چیز کائنات انسانی کے لئے سب سے گرانمایہ سب سے بیش بہا اور سب سے عزیز ہے وہی سب سے زیادہ پائی جاتی ہے، مثلاً زندگی، پانی اور نمک کی یہ چیزیں سب سے گرانمایہ اور عزیز تر ہیں۔ مگر یہی چیزیں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ بخلاف موتی، یاقوت اور زعفران وغیرہ کے کہ یہ ان چیزوں کے برابر گرانمایہ اور عزیز نہیں ہیں۔ مگر کم ہیں اسی طرح مصحف شریف یعنی قرآن کریم سب کتابوں سے افضل ہے مگر نہ صرف یہ کہ بہت پایا جاتا ہے بلکہ سستا بھی بہت ملتا ہے اس کے مقابلہ میں علم کیمیا وغیرہ کی کیا حقیقت ہے مگر اس کا وجود کتنا خال خال نظر آتا ہے یہ اور بات ہے کہ جاہل و بے وقوف لوگوں کی نظروں میں اس

کے حصول کی جتنی خواہش اور اس سے جتنی زیادہ خوشی ہوتی ہے اس کا عشر عشیر بھی قرآن وحدیث کے علم سے خوش نہیں ہوتے یا ایسے ہی کلمۂ طیب اور کلمۂ شہادت کے یہ تمام کلمات میں اشرف، تمام عبادتوں میں نفیس تر، تمام اذکار میں افضل اور تمام حسنات میں کامل تر ہیں مگر اپنے وجود کے اعتبار سے اکثر اور حصول کے اعتبار سے آسان ترین ہیں پھر بھی عوام نے ان کو ترک کر رکھا ہے اور دور دراز کے ان اذکار اور ان دعاؤں کو اپنا معمول بنا رکھا ہے جن میں سے قرآن وحدیث میں اکثر کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔

بہرکیف ان مثالوں کو بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اکثر چیزیں اپنی حقیقت کے اعتبار سے تو بہت اعلیٰ ہوتی ہیں مگر بسبب کثرت کے لوگ ان کی قدر نہیں پہچانتے اور جو چیزیں اس درجہ کی عزیز نہیں ہوتیں لوگ انہیں کو ان کی کمیابی کی وجہ سے عزیز رکھتے ہیں۔

آخر میں یہ بات سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو الہام کیا کہ وہ اس بات کی درخواست کریں اور رب العزت انہیں یہ جواب دے تاکہ اس عظیم تر کلمہ کی عظمت و فضیلت عوام وخواص کی نظروں میں ظاہر ہو اور وہ اس کو ہر وقت اور ہر حالت میں اپنا ورد بنالیں اور اس پر مداومت کریں۔

(۱۷) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ صَدَّقَهُ رَبُّهُ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَاَنَا اَكْبَرُ وَاِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْكَ لَهُ یَقُوْلُ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَحْدِیْ لَا شَرِیْكَ لِیْ وَاِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لِیَ الْمُلْكُ وَلِیَ الْحَمْدُ وَاِذَا قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِیْ وَكَانَ یَقُوْلُ مَنْ قَالَهَا فِیْ مَرَضِهٖ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمْهُ النَّارُ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوسعیدؓ و حضرت ابوہریرہؓ دونوں کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ کہتا ہے (لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اللہ بہت بڑا ہے تو اس کا رب اس کو سچا کرتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اسے اس اقرار و اعتقاد پر قائم رکھتا ہے اور ان اقوال کو قبول فرماتا ہے) اور (اس کے کہنے کے موافق) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا الٰہ الا انا وانا اکبر بیشک میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میں بہت بڑا ہوں جب وہ شخص یہ کہتا ہے (لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں) تو اللہ فرماتا ہے لا الٰہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تعریف) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (لا الٰہ الا انالی الملک ولی الحمد) بیشک میرے سوا کوئی معبود نہیں میرے ہی لئے بادشاہت ہے اور میرے ہی لئے تعریف) اور جب وہ شخص یہ کہتا ہے (لا الٰہ الا اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گناہوں سے بچنا اور اطاعت کی قوت پانا اللہ ہی کی مدد سے ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (لا الٰہ الا انا ولاحول ولاقوۃ الا بی) بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں، گناہوں سے بچنا اور اطاعت کی قوت پانا میری ہی مدد سے ہے) نیز نبی کریم ﷺ فرماتے تھے کہ جو شخص ان (مذکورہ بالا) کلمات کو اللہ تعالیٰ کے جوابوں کے علاوہ اپنی بیماری میں کہتا رہے اور پھر مرجائے تو اسے (دوزخ کی) آگ نہیں جلائے گی یعنی وہ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔" (ترمذی و ابن ماجہ)

تسبیح و تحمید کی فضیلت

(۱۸) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّهُ دَخَلَ مَعَ النَّبِیِّ عَلٰى امْرَاَةٍ وَبَیْنَ یَدَیْهَا نَوًى اَوْ حَصًى تُسَبِّحُ بِهٖ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكِ بِمَا هُوَ اَیْسَرُ عَلَیْكِ مِنْ هٰذَا اَوْ اَفْضَلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَلَقَ فِی السَّمَاءِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی الْاَرْضِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا بَیْنَ ذٰلِكَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ایک خاتون کے ہاں گئے (اس وقت) اس خاتون

کے سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں پڑی ہوئی تھیں اور وہ ان پر تسبیح پڑھ رہی تھیں (یعنی ان کے ذریعہ تسبیح کو شمار کرتی تھیں) آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ "کیا میں تمہیں ایک ایسی تسبیح نہ بتادوں جو (نہ صرف یہ کہ) اس تسبیح (یعنی ان بہت ساری گٹھلیوں یا کنکریوں پر تسبیح پڑھنے کے مقابلہ میں تمہارے لئے بہت آسان بھی ہے بلکہ وہ تسبیح بہت بہتر ہے اور وہ تسبیح یہ ہے (جسے تم پڑھ لیا کرو) سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَ مَا هُوَ خَلَقَ فِي السَّمَاءِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْأَرْضِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ اللہ کے لئے پاکی ہے اس مخلوق کی تعداد کے بقدر جو آسمان میں ہے اور اللہ کے لئے پاکی ہے اس مخلوق کی تعداد کے بقدر جو زمین میں ہے اور اللہ کے لئے پاکی ہے اس مخلوق کی بقدر جو زمین و آسمان کے درمیان ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے پاکی ہے اس مخلوق کی تعداد کے بقدر جو اس کے بعد ازل سے ابد تک پیدا کی جانے والی ہے۔ اور اللہ اکبر بھی اسی طرح پڑھے اور الحمد للہ بھی اسی طرح پڑھے اور لا الہ الا اللہ بھی اسی طرح پڑھے اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ بھی پڑھے ترمذی، ابوداؤد، ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: بعض روایتوں میں آتا ہے وہ خاتون جن کے ہاں نبی کریم ﷺ اور حضرت سعد بن ابی وقاص تشریف لے گئے تھے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے یا تو ام المومنین حضرت جویریہؓ تھیں یا کوئی اور زوجہ مطہرہ "کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں" یہ جملہ راوی کے شک کو ظاہر کر رہا ہے راوی کو یقین کے ساتھ یاد نہیں آرہا کہ وہ خاتون جس چیز پر تسبیح پڑھ رہی تھیں کھجور کی گٹھلیاں تھیں یا کنکریاں اسی لئے انہوں نے دونوں کو ذکر کر دیا۔

مروجہ تسبیح کا جواز

وہ تسبیح جو آجکل رائج ہے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھی بلکہ بعض لوگ تو گٹھلیوں یا سنگریزوں پر پڑھتے تھے اور بعض ڈورے میں گرہیں دیتے جاتے تھے اور اس کے ذریعہ شمار کرتے تھے لیکن یہ حدیث جس طرح گٹھلیوں اور سنگریزوں پر پڑھنے کے جواز کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان خاتون کو اس سے منع نہیں کیا اسی طرح مروجہ تسبیح کے جائز ہونے کی بھی صحیح اصل و بنیاد اور دلیل ہے کیونکہ شمار کے سلسلہ میں پروئے ہوئے دانوں میں اور بغیر پروئے ہوئے میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح بغیر پروئے ہوئے یعنی گٹھلیوں یا سنگریزوں سے پڑھی جانے والی چیز کا شمار مقصود ہوتا تھا اسی طرح پروئے ہوئے دانوں کی تسبیح کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے اس لئے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تسبیح کی وہ شکل جو آجکل رائج ہے، بدعت ہے تو اس پر اعتماد نہ کیا جائے، چنانچہ مشائخ نہ صرف یہ کہ اس کو جائز کہتے ہیں بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ شیطان کے لئے کوڑا ہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ اس وقت جب کہ وہ تمام مدارج طے کر کے حالت منتہی کو پہنچ چکے تھے ان کے ہاتھوں میں تسبیح دیکھ کر کسی شخص نے اس کے بارہ میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ جس کے ذریعہ ہم اللہ تک پہنچے ہیں اس لئے میں اسے کس طرح چھوڑ سکتا ہوں!؟ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ (اور اللہ اکبر بھی اسی طرح ہے) اس جملہ کے بارہ میں دو احتمال ہیں یا تو یہ راوی کے الفاظ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جس طرح تسبیح یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ الخ پوری طرح بیان کی اسی طرح آپ ﷺ نے تکبیر کو پوری طرح بیان کیا یعنی اس طرح بیان فرمایا۔ اَللّٰهُ أَكْبَرُ عَدَدَ مَا خَلَقَ الخ مگر راوی نے یہ اختصار کے پیش نظر وَاللّٰهُ أَكْبَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ کہہ کر بتا دیا کہ آپ ﷺ نے بعد کے کلمات کی تعلیم بھی اسی طرح فرمائی۔ یا پھر یہ کہ راوی کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ خود نبی کریم ﷺ ہی نے اختصار کے پیش نظر عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ کہنے کی بجائے مِثْلَ ذَالِكَ پر اکتفا فرمایا اس طرح آپ ﷺ نے بتایا کہ جن الفاظ یعنی عَدَدَ مَا خَلَقَ الخ کے ساتھ تسبیح پڑھی جائے انہیں الفاظ کے ساتھ تکبیر بھی پڑھی جائے۔ اس طرح بعد کے جملوں یعنی وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِثْلَ ذَالِكَ وغیرہ میں بھی یہی دونوں احتمال ہیں۔

تسبیح، تحمید، تہلیل اور تکبیر کا ثواب

(۱۹) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَمِائَةً بِالْعَشِيِّ كَانَ كَمَنْ حَجَّ مِائَةَ حَجَّةٍ وَمَنْ حَمِدَ اللّٰهَ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَمِائَةً بِالْعَشِيِّ كَانَ كَمَنْ حَمَلَ عَلٰى مِائَةِ فَرَسٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَنْ هَلَّلَ اللّٰهَ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَمِائَةً بِالْعَشِيِّ كَانَ كَمَنْ اَعْتَقَ مِائَةَ رَقَبَةٍ مِنْ وُلْدِ اِسْمَاعِيْلَ وَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَمِائَةً بِالْعَشِيِّ لَمْ يَاْتِ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ اَحَدٌ بِاَكْثَرَ مِمَّا اَتٰى بِهٖ اِلَّا مَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ اَوْزَادَ عَلٰى مَا قَالَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد مکرم سے اور وہ اپنے جد محترم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص سو مرتبہ دن کے ابتدائی حصہ میں اور سو مرتبہ دن کے آخری حصہ میں سبحان اللہ کہے تو وہ (از روئے ثواب) اس شخص کی مانند ہے جس نے سو (نفل) حج کئے ہوں جو شخص سو مرتبہ دن کے ابتدائی حصہ میں اور سو مرتبہ دن کے آخری حصہ میں الحمد للہ کہے تو اس شخص کی مانند ہے جس نے سو آدمیوں کو خدا کی راہ میں سو گھوڑوں پر سوار کرایا ہو جو شخص سو مرتبہ دن کے ابتدائی حصہ میں اور سو مرتبہ دن کے آخری حصہ میں لا الہ الا اللہ کہے وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے سو غلام آزاد کئے ہوں، اور جو شخص سو مرتبہ دن کے ابتدائی حصہ میں اور سو مرتبہ دن کے آخری حصہ میں (اللہ اکبر) کہے تو اس دن (یعنی قیامت کے دن) کوئی شخص اس ثواب سے زائد ثواب لے کر نہیں آئے گا جو وہ لائے گا۔ علاوہ اس شخص کے جس نے اس کی مانند (یعنی اللہ اکبر) مذکورہ تعداد میں کہا ہو گا تو یہ شخص درجہ ثواب کے اعتبار سے اس کے برابر ہو گا) یا وہ شخص جس نے اس سے زائد کہا ہو گا (تو یہ اس سے بھی افضل ہو گا) امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: "اس شخص کی مانند ہے جس نے سو حج کئے ہوں" سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آسان و سہل ذکر بشرطیکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضوری کی کیفیت حاصل ہو ان عبادت شاقہ سے افضل ہے جس میں قلب حضور و اخلاص سے محروم اور غفلت میں گرفتار ہو لیکن یہ بھی امکان ہے کہ جس طرح کسی کمتر درجہ کے عمل کی فضیلت کو بطور مبالغہ بیان کرنے کے پیش نظر اس عمل کو اس سے برتر درجہ کے عمل کی مانند قرار دیا جاتا ہے اسی طرح سبحان اللہ کی عظمت و فضیلت کو بطور مبالغہ بیان کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے کہ جو شخص صبح شام سو سو مرتبہ تسبیح پڑھتا ہے وہ نفل حج کرنے والے کی مانند ہوتا ہے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ تسبیح سبحان اللہ پڑھنے کی چونکہ بہت زیادہ فضیلت ہے اس لئے اس کا ثواب بڑھا کر نفل حج کے اصل ثواب کے برابر کر دیا جاتا ہے۔

خدا کی راہ میں سو گھوڑوں پر سوار کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جہاد کے لئے سو گھوڑے دے ڈالے ہوں یا عاریۃً دیئے ہوں! اس بات سے گو ذکر اللہ میں مشغول رہنے کی ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ کوئی شخص دنیا کی طرف التفات نہ کرے بلکہ وہ حضور مع اللہ کی سعادت عظمیٰ کے حصول میں اپنی پوری کوششیں اور توجہات صرف کرے کیونکہ خواہ عبادت بدنیہ ہوں یا مالیہ یا دونوں کا مجموعہ، سب کا مقصد اور حاصل ذکر اللہ ہے اور پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ مطلوب بہر صورت وسیلہ سے اولیٰ ہوتا ہے۔

"حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے سو غلام آزاد کئے ہوں" اس میں در حقیقت ان ذاکرین کے لئے تسلی اور ترغیب ہے جو محتاج اور کم استطاعت ہونے کی وجہ سے ان عبادت مالیہ سے عاجز ہوں جنہیں اہل ثروت اور مالدار ادا کرتے ہیں۔

"حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے مراد" اہل عرب ہیں" جو نبی کریم ﷺ کے قرابتی ہونے کی وجہ سے افضل و اعلیٰ ہیں حدیث کے آخری جزء سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ اکبر ان تمام تسبیحات میں جو حدیث میں ذکر کی گئی ہیں سب سے افضل ہے حالانکہ بہت سی صحیح احادیث

اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان تسبیحات میں سب سے افضل لا الہ الا اللہ ہے۔ پھر الحمد للہ پھر اللہ اکبر، پھر سبحان اللہ! لہذا اس کی تاویل یہ کی جائے گی کہ حدیث کے آخری جز کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ اکبر ہر صبح و شام سو سو مرتبہ پڑھے گا قیامت کے دن لا الہ الا اللہ پڑھنے والے کے علاوہ کوئی شخص اس ثواب سے زیادہ ثواب لے نہیں آئے گا جو یہ شخص لائے گا۔

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّسْبِيْحُ نِصْفُ الْمِيْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَؤُهٗ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَيْسَ لَهَا حِجَابٌ دُوْنَ اللّٰهِ حَتّٰى تَخْلُصَ اِلَيْهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" سبحان اللہ کہنا آدھی میزان اعمال کو یعنی میزان اعمال کے اس پلڑے کو جو نیکیوں کو تولنے کے لئے مخصوص ہوگا) بھر دیتا ہے الحمد للہ کہنا پوری میزان عمل کو بھر دیتا ہے اور لا الہ الا اللہ کے لئے خدا تک (پہنچنے میں) کوئی پردہ حائل نہیں، یہ (سیدھا) خدا تک پہنچتا ہے" امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد قوی نہیں ہے۔"

تشریح: "الحمد للہ کہنا پوری میزان عمل کو بھر دیتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ صرف الحمد للہ کا ثواب ہی پوری میزان کو بھر دیتا ہے اور یہ کہ الحمد للہ، سبحان اللہ سے افضل ہے! یا پھر مراد یہ ہے کہ الحمد للہ، سبحان اللہ کے برابر ہے کہ آدھی میزان کو تو سبحان اللہ کا ثواب بھر دیتا ہے اور آدھی میزان کو الحمد للہ کا ثواب بھر دیتا ہے اس طرح دونوں مل کر پوری میزان کو بھر دیتے ہیں۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ "لا الہ الا اللہ" بارگاہ کبریائی میں بہت جلد قبول ہوتا ہے اور اس کو پڑھنے والا بہت ثواب پاتا ہے اس طرح حدیث کا یہ آخری جزء وضاحت کے ساتھ اس بات کی دلیل ہے کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ سے لا الہ الا اللہ افضل ہے۔

(۲۱) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ عَبْدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا قَطُّ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ حَتّٰى يُفْضِيَ اِلَى الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کوئی بندہ خلوص قلب کے ساتھ (یعنی بغیر ریا کے لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو اس کلمہ کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ عرش تک پہنچتا ہے یعنی جلد قبول ہوتا ہے بشرطیکہ وہ کلمہ کہنے والا کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "کبیرہ گناہوں سے بچنا" جلدی قبول ہونے کی شرط ہے اصل ثواب کی شرط نہیں یعنی یہ کلمہ بارگاہ حق جل مجدہ میں اس وقت جلدی قبول ہوتا ہے جب کہ یہ کلمہ کہنے والا کبیرہ گناہوں سے بچے اور اصل ثواب اسے بہر صورت ملتا ہے خواہ وہ کبیرہ گناہوں سے بچے یا نہ بچے۔

تسبیحات جنت کے درخت ہیں

(۲۲) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيْتُ اِبْرَاهِيْمَ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَقْرِئْ اُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ وَاَنَّهَا قِيْعَانٌ وَاَنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس رات مجھے معراج کی سعادت نصیب ہوئی ہے اس رات میں (ساتوں آسمانوں) پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی (جو بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے) انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ

"محمد! اپنی امت کو میرا سلام کہئے گا اور انہیں بتا دیجئے گا کہ جنت کی مٹی پاکیزہ ہے اور وہ مٹی کی بجائے مشک و زعفران ہے) اس کا پانی شیریں ہے۔ اس کا میدان چٹ پڑ (یعنی ہموار اور درختوں سے خالی ہے) اور اس کے درخت ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت باعتبار اسناد کے غریب ہے۔"

تشریح: اس امت مرحومہ کی شان محبوبی اور شان عظمت کے صدقے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کے واسطہ سے اسے سلام کہلایا اور اس طرح اس امت سے اپنے تعلق کا اظہار کیا اس لئے اس اُمّت کے ایک ایک فرد کے لئے یہی لائق ہے کہ اس حدیث کے ذریعہ جب بھی حضرت ابراہیمؑ کا سلام سنایا جائے یا پڑھا جائے تو یہ کہا جائے وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

وان غراسھا سبحان اللّٰہ (اور اس کے درخت ہیں سبحان اللہ الخ) کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی اُمّت کو آگاہ کر دیجئے گا کہ یہ کلمات اور انہیں کی طرح دوسرے کلمات ذکر پڑھنے سے آدمی جنّت میں داخل ہوتا ہے اور چونکہ جنّت میں بہت سے درخت لگائے جاتے ہیں بایں طور کہ ہر کلمے کے پڑھنے سے ایک درخت لگتا ہے اس لئے ان کلمات کو جو شخص جتنا زیادہ پڑھے گا اس کی طرف سے جنت میں اتنے ہی زیادہ درخت لگائے جائیں گے۔

یہ گویا اس طرف اشارہ ہے کہ ان کلمات کو پڑھنے والا جنّت کی پر سکون اور پر راحت فضا اور وہاں کے سرور آمیز اطمینان و چین کا حقدار ہوگا اور وہاں یہ کلمات درخت کی شکل میں لازوال سکون آمیز حیات کے ضامن ہوں گے۔

اوراد و اذکار کو انگلیوں پر پڑھنا افضل ہے

(۲۳) وَعَنْ يُسَيْرَةَ وَكَانَتْ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُنَّ بِالتَّسْبِيْحِ وَالتَّهْلِيْلِ وَالتَّقْدِيْسِ وَاعْقِدْنَ بِالْاَنَامِلِ فَاِنَّهُنَّ مَسْئُوْلَاتٌ مُسْتَنْطَقَاتٌ وَلَا تَغْفُلْنَ فَتَنْسَيْنَ الرَّحْمَةَ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت یسیرہؓ جو مہاجرات میں سے ہیں فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہم عورتوں سے فرمایا کہ (سُبْحَانَ اللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ) یا سُبُّوْحٌ الْقُدُّوْسُ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ کو پڑھنا اپنے لئے ضروری قرار دو، اور ان (مذکورہ تسبیحات کو، اپنی انگلیوں پر شمار کرو کیونکہ ان انگلیوں سے پوچھا جائے گا اور ان کو گویائی دی جائے گی اور یاد رکھو، ذکر سے غافل مت ہونا یعنی ذکر کو ترک نہ کرنا، ورنہ رحمت سے تمہیں بھلایا جائے گا یعنی اگر ذکر کو چھوڑ کر بیٹھ جاؤ گی تو اس کے بے شمار ثواب سے محروم ہو گی۔" (ترمذی، ابوداؤد)

تشریح: یہ تو سب جانتے ہیں کہ قیامت کے دن جسم انسانی کا ایک ایک عضو اپنے مالک کے اعمال کا گواہ اور شاہد بنے گا ارشاد ربانی ہے۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

"یاد کرو اس دن کو جب کہ ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان چیزوں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے ہیں۔"

ارشاد گرامی "ان (انگلیوں) سے پوچھا جائے گا" میں اس طرف اشارہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انگلیوں سے پوچھے گا کہ بتاؤ تم نے دنیا میں کیا کیا ہے اور پھر جواب دینے کے لئے ان انگلیوں کو گویائی عطا فرمائے گا۔ چنانچہ وہ انگلیاں اپنے مالک کے ان اچھے برے اعمال کی گواہی دیں گے۔ جو ان انگلیاں کے ذریعہ سرزد ہوئے تھے اس لئے آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ تسبیحات کو اپنی انگلیوں پر شمار کرو تاکہ وہ کل قیامت کے دن تمہارے اس نیک عمل کی گواہی دیں۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اوراد و اذکار اور تسبیحات کو انگلیوں پر شمار کرنا افضل ہے اگرچہ تسبیح پر پڑھنا بھی جائز ہے نیز اس میں

اس بات کی ترغیب بھی ہے کہ بندہ کی عقل و شعور کا تقاضہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے اعضاء جسمانی کو انہیں کاموں میں مشغول رکھے جو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا باعث ہوں اور اپنے ایک ایک عضو کو گناہ سے بچائے تاکہ قیامت کے دن کوئی بھی عضو گناہ کی گواہی دے کر عذاب خداوندی میں مبتلا نہ کرا دے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

بہترین ورد اور بہترین دعا

(۲۴) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِي وَقَّاصٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلِّمْنِي كَلَامًا اَقُوْلُهُ قَالَ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ قَالَ فَهٰؤُلَاءِ لِرَبِّي فَمَا لِيْ فَقَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ وَعَافِنِيْ شَكَّ الرَّاوِيْ فِيْ عَافِنِيْ (رواہ مسلم)

"حضرت سعد ابن وقاصؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک دیہاتی نے رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت ﷺ! مجھے کوئی ایسا ذکر بتا دیجئے جسے میں کہتا رہوں (یعنی اس کو اپنا ورد بنا لوں) آپ ﷺ نے فرمایا یہ پڑھ لیا کرو۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اللہ بہت بڑا ہے اور اللہ ہی کے لئے بہت تعریف ہے اور پاکی ہے اللہ کے لئے جو پالنہار ہے تمام عالم کا گناہ سے بچنے کی طاقت اور عبادت کرنے کی قوت اللہ ہی کی مدد سے جو غالب حکمت والا ہے۔) اس دیہاتی نے عرض کیا یہ کلمات تو میرے پروردگار کے ذکر کے لئے ہیں میرے لئے وہ کون سے کلمات ہیں جن کے ذریعہ میں اپنے لئے دعا مانگوں آپ نے فرمایا اس طرح مانگو۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ وَعَافِنِيْ شَكَّ الرَّاوِيْ فِيْ عَافِنِيْ اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے (تمام حرکات و سکنات میں طاعت ہی کی توفیق کے ذریعہ) مجھ پر رحم فرما (بہتر اعمال و احوال کی طرف) میری ہدایت کر مال حلال سے مجھے روزی دے اور مجھے عافیت بخش! راوی کو لفظ عافنی کے بارہ میں شک ہے (کہ آیا روایت میں یہ لفظ بھی ہے یا نہیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: بزار کی روایت میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم میں لفظ العزیز الحکیم کی بجائے العلی العظیم ہے اور عام طور پر لوگ العلی العظیم ہی پڑھتے بھی ہیں اگرچہ مسلم میں العزیز الحکیم منقول نہیں ہے۔

تسبیح وغیرہ سے گناہوں کا سقوط

(۲۵) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى شَجَرَةٍ يَابِسَةِ الْوَرَقِ فَضَرَبَهَا بِعَصَاهُ فَتَنَاثَرَ الْوَرَقُ فَقَالَ اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تُسَاقِطُ ذُنُوْبَ الْعَبْدِ كَمَا يَتَسَاقَطُ وَرَقُ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ خشک پتوں والے ایک درخت کے پاس سے گزرے تو آپ نے اپنا عصاء مبارک اس کی ٹہنیوں پر مارا جس کی وجہ سے پتے جھڑنے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اور وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھنا بندوں کے گناہوں کو اسی طرح جھاڑتا ہے۔ جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں، امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔"

لاحول ولا قوۃ کی فضیلت

(۲۶) وَعَنْ مَكْحُوْلٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرْ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ قَالَ مَكْحُوْلٌ فَمَنْ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا مَنْجَأَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ كَشَفَ اللّٰهُ عَنْهُ سَبْعِيْنَ بَابًا مِنَ الضُّرِّ اَدْنَاهَا الْفَقْرُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ وَمَكْحُوْلٌ لَمْ يَسْمَعْ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ۔

"اور حضرت مکحولؒ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کثرت سے پڑھا کرو کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ حضرت مکحولؒ نے فرمایا کہ "جو شخص یہ کہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا مَنْجَأَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ یعنی ضرر و نقصان کو (دفع کرنے کی) قوت اور نفع حاصل کرنے کی طاقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی قدرت کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات اسی (کی رضا و رحمت کی توجہ) پر منحصر ہے" تو اللہ تعالیٰ اس سے ضرر و نقصان کی ستر قسمیں دور کر دیتا جس میں ادنیٰ قسم (فقر محتاجگی ہے) امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ سے حضرت مکحولؒ کی سماعت ثابت نہیں ہے۔"

تشریح: "ارشاد گرامی" جنت کا خزانہ" کا مطلب یہ ہے کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ جنت کا ایک ذخیرہ ہے جس سے کہ اس کو پڑھنے والا اس دن (یعنی قیامت کے دن) نفع و فائدہ حاصل کرے گا جس دن نہ دنیا کا کوئی خزانہ مال کا کام آئے گا اور نہ اولاد اور دوسرے عزیز و اقارب نفع پہنچائیں گے۔

فقر (محتاجگی) سے مراد دل کا فقر اور قلب کی تنگی ہے جس کے متعلق ایک حدیث یوں ہے فرمایا کہ:

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا۔

"فقر کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے۔"

لہٰذا جو شخص ان کلمات کو پڑھتا ہے تو اس کی برکت سے دل کی محتاجگی دور ہوتی ہے کیونکہ جب وہ ان کلمات کو زبان سے ادا کرتا ہے اور پھر ان کلمات کے معنی و مفہوم کا تصور کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ یقین و اعتماد پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر امر اللہ تعالیٰ کی طرف ہی سے ہے ہر چیز اسی کے قبضہ قدرت کے زیر اثر ہے، کسی کو نفع و فائدہ آرام و راحت دنیا میں بھی اسی کے ہاتھ میں ہے اور کسی کو تکلیف و مصیبت اور ضرر و نقصان میں مبتلا کر دینا بھی اسی کی طرف سے ہے پس وہ شخص بلاء و مصیبت پر صبر کرتا ہے، نعمت و راحت پر شکر کرتا ہے اپنے تمام امور اللہ ہی کی طرف سونپ دیتا ہے اور اس طرح قضا و قدر الٰہی پر راضی ہو کر حق تعالیٰ کا محبوب بندہ اور دوست بن جاتا ہے۔

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ اپنی ایک سیاحت کے دوران جن صاحب کی رفاقت و صحبت مجھے حاصل رہی انہوں نے مجھے نیکی و بھلائی کی وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ "خوب اچھی طرح جان لو اعمال نیک کے لئے اقوال و کلمات میں تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے برابر کوئی قول و کلمہ اور افعال میں خدا کی طرف جھکنے اور اس کے فضل کی راہ کو اختیار کرنے کے برابر کوئی فعل ممد و معاون نہیں۔ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ جس شخص نے خدا کی راہ دکھائی ہوئی کو اختیار کیا تو بلاشبہ اسے مضبوط راہ کی ہدایت بخشی ہوگی۔

امام ترمذیؒ کے قول کے مطابق اگرچہ اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے اور اس طرح یہ حدیث منقطع ہے لیکن اس حدیث کو حضرت موسیٰؓ کی یہ روایت صحیح ثابت کرتی ہے جو صحاح ستہ میں بطریق مرفوع منقول ہے کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ فانها كنز من كنوز الجنة اسی طرح حدیث کی توثیق حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت مرفوع سے بھی ہوتی ہے جسے نسائیؒ اور بزارؒ نے نقل کیا ہے لا حول ولا قوۃ الا

باللہ اور اس میں لا منجا من اللہ الا الیہ کنز من کنوز الجنۃ بھی ہے لہذا حضرت مکحولؒ کی یہ حدیث اگرچہ اسناد کے اعتبار سے منقطع ہے مگر مفہوم و معنی کے اعتبار سے قابل اعتماد ہے۔

(۲۷) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ دَوَاءٌ مِنْ تِسْعَةٍ وَّتِسْعِیْنَ دَاءً اَیْسَرُهَا الْهَمُّ

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ننانوے (دنیاوی اور اخروی) بیماریوں کی دوا ہے جس میں سے ادنی بیماری (دنیاوی و اخروی) غم ہے۔"

(۲۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰی كَلِمَةٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَسْلَمَ عَبْدِیْ وَاسْتَسْلَمَ۔ رَوَاهُمَا الْبَیْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْكَبِیْرِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں ایک ایسا کلمہ نہ بتاروں جو عرش کے نیچے سے بہشت کے خزانے سے اترا ہے۔ اور وہ یہ ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ جب کوئی بندہ یہ کلمہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "میرا بندہ تابعدار اور بہت فرمانبردار رہوا" یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کی ہیں۔"

(۲۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ هِیَ صَلٰوةُ الْخَلَائِقِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَلِمَاتُ الشُّكْرِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةُ الْاِخْلَاصِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تَمْلَاُ مَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَسْلَمَ وَاسْتَسْلَمَ (رواہ رزین)

"اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا سُبْحَانَ اللّٰهِ مخلوقات کی عبادت ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ شکر کا کلمہ ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اخلاص کا کلمہ ہے (یعنی کلمہ توحید ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والے کے لئے آگ سے نجات کا سبب ہے) اور اللہ اکبر کا ثواب زمین و آسمان کے درمیان کو بھر دیتا ہے۔ اور جب کوئی بندہ حضور قلب کے ساتھ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ بندہ فرمانبردار رہوا اور بہت فرمانبردار ہوا۔"

تشریح: "سبحان اللہ مخلوقات کی عبادت ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ اور مخلوقات میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی پاکی اس کی تعریف کے ساتھ بیان نہ کرتی ہو کے مطابق چونکہ تمام ہی مخلوقات اللہ رب العزت کی پاکی بیان کرتی ہے اس لئے یہ ان کی عبادت ہے۔

بَابُ الْاِسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَةِ

استغفار و توبہ کا بیان

"استغفار" کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے اپنی بخشش چاہنا اور چونکہ "استغفار" کے ضمن میں جس طرح "توبہ" بھی آجاتی ہے اسی طرح کبھی "توبہ" "استغفار" کے ضمن میں نہیں بھی آتی اس لئے باب کا عنوان قائم کرتے ہوئے بطور خاص والتوبۃ کا ذکر کیا گیا ہے یا پھر والتوبۃ کو الگ سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ استغفار تو زبان سے متعلق ہے کہ بندہ اپنی زبان کے ذریعہ خدا سے بخشش و مغفرت مانگتا ہے جب کہ "توبہ" کا تعلق دل سے ہے کیونکہ کسی گناہ پر ندامت و شرمندگی اور پھر خدا کی طرف رجوع اور آئندہ اس گناہ میں ملوث نہ ہونے کا عہد دل ہی سے ہوتا ہے۔

"توبہ" کے معنی ہیں رجوع کرنا گناہوں سے طاعت کی طرف، غفلت سے ذکر کی طرف اور غیبت "سے حضور کی طرف!" "اللہ تعالیٰ

کی طرف سے بندہ کی بخشش" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کے گناہوں کو دنیا میں بھی ڈھانکے بایں طور کہ کسی کو اس کے گناہ کا علم نہ ہونے دے اور آخرت میں اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کرے بایں طور کہ اس کو ان گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہ کرے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا کہ "توبہ" کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے فرمایا کہ گناہ کو فراموش کر دینا یعنی توبہ کرنے کے بعد گناہ کی لذت کا احساس بھی دل سے اس طرح ختم ہو جائے گویا وہ جانتا ہی نہیں کہ گناہ کیا ہوتا ہے!!۔

اور سہیل تستریؒ سے پوچھا گیا کہ "حضرت! توبہ کا کیا مفہوم ہے؟" تو انہوں نے فرمایا کہ تم گناہوں کو فراموش نہ کرو یعنی گناہ کو بھول مت جاؤ تاکہ عذاب الٰہی کے خوف سے آئندہ کسی گناہ کی جرأت نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم تُوبُوا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع (توبہ) کرو۔

کے مطابق استغفار یعنی طلب بخشش و مغفرت اور توبہ کرنا ہر بندہ پر واجب ہے کیونکہ کوئی بندہ کوئی بندہ بحسب اپنے حال و مرتبہ کے گناہ کے یا بھول چوک سے خالی نہیں ہے لہٰذا ہر شخص کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے تمام گزشتہ گناہوں سے توبہ کرے، طلب بخشش و مغفرت کرے آئندہ تمام گناہوں سے بچتا رہے اور صبح و شام توبہ و استغفار کو اپنا معمول بنالے تمام صغیرہ و کبیرہ گناہوں کا کفارہ ہوتا رہے خواہ وہ گناہ قصداً کئے ہوں یا خطاءً و سہواً سرزد ہوئے ہوں اور گناہوں کی نحوست کی وجہ سے طاعت کی توفیق سے محروم نہ رہے، نیز گناہوں پر اصرار کی ظلمت دل کو پوری طرح گھیر کر نہ رکھے۔ سے کفر و دوزخ تک نہ پہنچادے!۔

توبہ کے صحیح اور قبول ہونے کے لئے چار باتیں ضروری ہیں اور شرط کے درجہ میں ہیں: ایک تو یہ کہ محض خدا کے عذاب کے خوف سے اور اس کے حکم کی تعظیم کے پیش نظر ہی توبہ کی جائے، درمیان میں توبہ کی کوئی اور غرض نہ ہو مثلاً لوگوں کی تعریف و مدح کا حصول اور ضعف و فقر کی وجہ، توبہ کی غرض میں داخل نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ گزشتہ گناہوں پر واقعی شرمندگی و ندامت ہو۔ تیسرے یہ کہ آئندہ ہر ظاہری و باطنی گناہ سے اجتناب کرے۔ اور چوتھے یہ کہ پختہ عہد اور عزم بالجزم کرے کہ آئندہ ہرگز کوئی گناہ نہیں کروں گا۔

توبہ کی کیفیت و اثر اور آئندہ گناہ کرنے کے عزم کا صحیح ہونا یہ ہے کہ توبہ کرنے والا اپنے بلوغ کی ابتداء سے توبہ کرنے کے وقت تک پورے عرصہ کا جائزہ لے اور یہ دیکھے کہ اس سے کیا کیا گناہ سرزد ہوئے ہیں تاکہ ان میں سے ہر ایک گناہ کا تدارک کرے چنانچہ اگر اس عرصہ میں وہ، نماز روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر فرائض ترک ہوئے ہوں تو ان کی قضاء کرے اور اپنے اوقات کو نفل یا فرض کفایہ عبادتوں میں مصروف رکھ کر ان فرائض کو قضا کرنے میں سستی نہ کرے۔

اسی طرح اس عرصہ میں اگر ممنوع حرام چیزوں کا ارتکاب کیا ہے مثلاً شراب پی ہے یا اور کوئی ممنوع و قبیح فعل کیا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کی درگاہ میں ان سے توبہ و استغفار کرے اور اس کے ساتھ ساتھ خدا کے نام پر غرباء و مساکین میں اپنا مال خرچ کرے اور صدقہ و خیرات کرتا رہے تاکہ اس کی توبہ باب قبولیت تک پہنچے اور حق تعالیٰ کی طرف سے اسے بخشش و مغفرت سے نوازا جائے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل پر یقین رکھے کہ انشاء اللہ توبہ قبول ہوگی اور مغفرت کی جائے گی، چنانچہ خود حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْ عَنِ السَّیِّاٰتِ وہ ایسا (رحیم و کریم ہے) کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔

یہ تو اس توبہ کی بات تھی جو ان گناہوں سے کی جائے جو محض اللہ تعالیٰ کے گناہ ہوں یعنی جن کا تعلق صرف "حق اللہ" سے ہو اور اگر اپنے اوپر وہ گناہ ہوں جن کا تعلق "حقوق العباد" یعنی بندوں کے حقوق کی تلفی یا ان کے نقصان سے ہو تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ سے بھی اپنی بخشش و مغفرت چاہے کیونکہ اس کی نافرمانی کی اور ان بندوں سے بھی ان کا تدارک کرے جن کی حق تلفی ہوئی ہے۔

چنانچہ اگر حق تلفی کا تعلق مال سے ہو تو یا صاحب حق کو وہ مال ادا کرے یا اس سے معاف کرائے اور اگر اس کا تعلق مال سے نہ ہو جیسے غیبت یا اور کوئی ذہنی و جسمانی تکلیف جو اسے پہنچی ہو تو اس سے معافی چاہے، اگر حق تلفی کا تعلق کسی ایسی کوتاہی یا قصور سے ہو کہ اگر

معاف کراتے وقت اس کا تذکرہ کسی فتنہ وفساد کا سبب بنتا ہو تو ایسی صورت میں اس قصور کا ذکر کئے بغیر اس شخص سے مطلقاً قصور کو معاف کرائے مثلاً اس سے یوں کہے کہ "مجھ سے جو بھی قصور ہو گیا ہو اسے معاف کر دیجئے" اور اگر اس طرح معاف کرانے میں بھی فتنہ وفساد کا خوف ہو تو پھر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرے۔ اس کی بارگاہ میں تضرع وزاری کرے، اچھے کام کرے اور صدقہ وخیرات کرتا رہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو اور اس شخص کو جس کا قصور ہوا ہے آخرت میں اپنے فضل وکرم کے تحت اپنے پاس سے اجر دے کر اسے راضی کرائے، اگر صاحب حق مر چکا ہو تو اس کے وارث اسکے قائم مقام ہیں اس لئے مردہ کا حق ان سے معاف کرائے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے نیز مردہ کی طرف سے بھی صدقہ خیرات کرے۔

ایک مؤمن مسلمان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے توبہ کرنے میں بالکل سستی اور تاخیر نہ کرے نیز نفس کے مکر اور شیطان کے وسوسہ میں مبتلا ہو کر یہ نہ سوچے کہ میں توبہ پر قائم تو رہ سکوں گا نہیں اس لئے توبہ کیسے کروں، کیونکہ جب کوئی بندہ توبہ کرتا ہے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اس لئے اگر تقاضائے بشریت توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ سرزد ہو جائے تو پھر توبہ کرے چاہے دن میں کئی مرتبہ ایسا ہو بشرطیکہ توبہ کے وقت اس کے دل میں یہ خیال نہ ہو کہ میں پھر گناہ بھی کروں گا اور توبہ بھی کرلوں گا بلکہ توبہ کرتے وقت یہی احساس رہے کہ شاید پھر گناہ کرنے سے پہلے مر جاؤں اور یہ توبہ میری آخری توبہ ثابت ہو۔

جب کوئی شخص توبہ کرنا چاہے تو پہلے نہا دھو کر صاف کپڑے پہنے اور دو رکعت نماز حضور قلب کے ساتھ پڑھے اور سجدہ میں گر کر بہت ہی زیادہ تضرع وزاری کے ساتھ اپنے نفس کو ملامت کرے اور اپنے گزشتہ گناہوں کو یاد کر کے عذاب الٰہی کے خوف سے اپنے قلب کو لرزاں و ترساں کرے اور شرمندگی وندامت کے پورے احساس کے ساتھ توبہ واستغفار کرے اور پھر ہاتھ اٹھا کر بارگاہ الٰہی میں یوں عرض رسا ہو۔

"میرے پروردگار! تیرے در سے بھاگا ہوا یہ گنہ گار غلام اپنے گناہوں کی پوٹ لئے پھر تیرے در پر حاضر ہوا ہے انتہائی ندامت و شرمندگی کے ساتھ اپنی لغزشوں اور اپنے گناہوں کی معذرت لے کر آیا ہے تیری ذات رحیم وکریم ہے تو ستار وغفار ہے اپنے کرم کے صدقے میرے گناہ بخش دے! اپنے فضل سے میری معذرت قبول فرما کر رحمت کی نظر سے میری طرف دیکھ نہ صرف یہ کہ میرے پچھلے گناہ بخش دے بلکہ آئندہ ہر گناہ ولغزش سے مجھے محفوظ رکھ کہ خیر وبھلائی تیرے ہی دست قدرت میں ہے اور اپنے گناہ گار بندوں کو تو ہی بخشنے والا ہے" اس کے بعد درود پڑھے اور تمام ہی مسلمانوں کے لئے بخشش ومغفرت چاہے۔

یہ تو عوام کی توبہ ہے کہ جن کی زندگی اور گناہ کے درمیان کوئی بڑی حد فاصل نہیں ہوتی اور وہ گناہ ومعصیت میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں اور ان کی یہ توبہ انہیں اس بشارت کا مستحق قرار دیتی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ لیکن خواص کہ جو خدا کے اطاعت گزار بندے ہوتے ہیں جن کی زندگی معصیت وگناہ سے دور رہتی ہے اور اتباع شریعت کی حامل ہوتی ہے، ان کی توبہ یہ ہے کہ وہ ان برے اخلاق سے کہ جن سے قلب کو پاک رکھنا واجب ہے توبہ کریں، اسی طرح "عاشقین خدا" کی توبہ یہ ہے کہ اگر تقاضائے بشریت کسی وقت ان سے ذکر اللہ اور یاد الٰہی میں غفلت ہو جائے اور ماسوی اللہ میں مشغول ہو جائیں تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اپنی اس کوتاہی سے توبہ کریں۔

یہ بات جان لینی چاہئے کہ گناہ کبیرہ کا صدور ایمان سے خارج نہیں کرتا لیکن فاسق وعاصی کر دیتا ہے گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ کے متعلق (باب الکبائر وعلامات النفاق) مظاہر حق جدید جلد اول میں تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اس موقع پر گناہ کی ان دونوں اقسام کو اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔

جہاں تک صغیرہ گناہوں کا تعلق ہے تو وہ اتنے زیادہ ہیں کہ ایک عام زندگی کے لئے ان سے اجتناب بھی دشوار ہے چنانچہ مسلک مختار

کے مطابق صغیرہ گناہ سے "تقویٰ" میں خلل نہیں پڑتا بشرطیکہ گناہ صغیرہ پر اصرار و دوام نہ ہو کیونکہ صغیرہ گناہ پر اصرار و دوام گناہ کبیرہ کا درجہ اختیار کر لیتا ہے۔ لہٰذا ہر مؤمن و مسلمان پر واجب ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں اور حتی المقدور صغیرہ گناہوں سے اجتناب بھی کرے اور جانے کہ اگرچہ گناہ ایمان سے خارج نہیں کر دیتے لیکن اس بات کا خوف ہے کہ گناہ کی زندگی رفتہ رفتہ انجام کار کفر اور دوزخ کی حد تک پہنچا دے۔

گناہوں سے بچنے کا علاج

گناہوں سے بچنے کا ایک آسان علاج یہ ہے کہ ہر چیز میں "حد ضرورت" پر قناعت کی جائے یعنی جو ضروری اور حد ضرورت یہ ہے کہ اتنی غذا جو بھوک ختم کرنے کے لئے ضروری ہو اتنا کپڑا جس سے ستر پوشی ہو سکے، اتنا مکان جو گرمی سردی سے بچا سکے اور اتنے برتن یا سن جو ضروری ہوں اور ایک بیوی۔

لہٰذا یہ جان لینا چاہئے کہ حد ضرورت سے تجاوز کرنے اور مباح میں وسعت اختیار کرنے کی وجہ سے انسان ان چیزوں میں مبتلا ہوتا ہے جو مشتبہ اور مکروہ ہوتی ہیں۔ اور جب وہ مکروہات میں مبتلا رہتا ہے تو پھر رفتہ رفتہ حرام چیزوں کا ارتکاب بھی ہونے لگتا ہے اور یہ وہ نکتہ ہوتا ہے جہاں اسلام کی حد تو ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد سے کفر و آگ کا میدان شروع ہو جاتا ہے نعوذ باللہ منہ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

آنحضرت ﷺ کی توبہ و استغفار

(۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ فِی الْیَوْمِ اَکْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً (رواہ البخاری)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اللہ کی میں دن میں ستر بار سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔" (بخاری)

تشریح: آنحضرت ﷺ اتنی کثرت سے استغفار و توبہ اس لئے نہیں کرتے تھے کہ معاذ اللہ آپ ﷺ گناہ میں مبتلا ہوتے تھے کیونکہ آپ ﷺ معصوم تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ مقام عبدیت کے سب سے اونچے مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے اپنے طور پر یہ سمجھتے تھے کہ شاید مجھ سے خدا کی بندگی و عبادت میں کوئی قصور ہو گیا ہو اور میں وہ بندگی نہ کر سکا ہوں جو رب ذوالجلال والاکرام کی شان کے لائق ہے، نیز اس سے مقصود اُمت کو استغفار و توبہ کی ترغیب دلانا تھا کہ آنحضرت ﷺ باوجودیکہ معصوم اور خیر الخلوقات تھے، جب آپ ﷺ نے دن میں ستر بار توبہ و استغفار کی تو گنہ گاروں کو بطریق اولیٰ استغفار و توبہ بہت کثرت سے کرنی چاہئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ روئے زمین پر عذاب الٰہی سے امن کی دو ہی پناہ گاہیں تھیں ایک تو اٹھ گئی دوسری باقی ہے لہٰذا اس دوسری پناہ گاہ کو اختیار کرو، جو پناہ گاہ اٹھ گئی وہ تو نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی تھی اور جو باقی ہے وہ استغفار ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ۔

"اور اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک عذاب میں مبتلا کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ آپ ﷺ ان میں موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس حالت میں عذاب میں مبتلا کرنے والا نہیں ہے جب تک وہ استغفار کرتے ہوں۔"

(۲) وَعَنِ الْاَغَرِّ الْمُزَنِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ

مِائَةَ مَرَّةٍ (رواہ مسلم)

"اور حضرت اغر مزنیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "یہ بات ہے کہ میرے دل پر پردہ ڈالا جاتا ہے اور میں دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں"۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کے معنی و مفہوم اور اس کی وضاحت کرنے کے سلسلہ میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں جن میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ چونکہ اس بات کو محبوب رکھتے تھے کہ آپ ﷺ کا قلب مبارک جناب باری تعالیٰ میں ہر وقت حاضر رہے کسی لحمہ بھی ادھر سے غافل نہ رہے لیکن جب آپ ﷺ مباح چیزوں مثلاً کھانے پینے اور اپنی ازواج کے ساتھ اختلاط یا اسی قسم کے ان امور میں مشغول ہوتے تھے جن کی وجہ سے فی الجملہ جناب باری تعالیٰ سے غفلت ہوتی تھی تو اس مشغولیت کو اپنے طور پر ایک پردہ اور گناہ سمجھ کر آپ ﷺ کا قلب مبارک لرزاں اور بے چین ہو جاتا تھا چنانچہ آپ ﷺ اس کی وجہ سے استغفار کرتے تھے اس حدیث کے سلسلہ میں سب سے اچھی بات وہی ہے جو بعض عارفین نے کہی ہے کہ یہ حدیث متشابہات میں سے ہے اس کے اصل معنی کا علم اللہ اور اس کے رسول ہی کو ہے اُمّت کا کام تو صرف یہ ہے کہ اس حدیث پر ایمان رکھے اور اس کے معنی سمجھنے کے درپے نہ ہو۔

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ فَاِنِّيْ اَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت اغر مزنیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "لوگو! اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو، میں دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرتا ہوں (لہٰذا تمہیں تو بطریق اولیٰ چاہئے کہ ہر ساعت میں ہزار بار توبہ کرو)۔" (مسلم)

رجوع الی اللہ کا حکم

④ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرْوِيْ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَّهُ قَالَ يَا عِبَادِيْ اِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ فَاسْتَهْدُوْنِيْ اَهْدِكُمْ يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُهُ فَاسْتَطْعِمُوْنِيْ اُطْعِمْكُمْ يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ كَسَوْتُهُ فَاسْتَكْسُوْنِيْ اَكْسُكُمْ يَا عِبَادِيْ اِنَّكُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِيْ اَغْفِرْ لَكُمْ يَا عِبَادِيْ اِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضُرِّيْ فَتَضُرُّوْنِيْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِيْ فَتَنْفَعُوْنِيْ يَا عِبَادِيْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذٰلِكَ فِيْ مُلْكِيْ شَيْئًا يَا عِبَادِيْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ شَيْئًا يَا عِبَادِيْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ فَسَاَلُوْنِيْ فَاَعْطَيْتُ كُلَّ اِنْسَانٍ مَسْاَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِيْ اِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ يَا عِبَادِيْ اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيْهَا عَلَيْكُمْ ثُمَّ اُوَفِّيْكُمْ اِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهُ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ان حدیثوں کے سلسلہ میں کہ جو آپ ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے تھے فرمایا کہ (ایک حدیث قدسی یہ بھی ہے کہ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دیا ہے (یعنی میں ظلم سے پاک ہوں) اور چونکہ ظلم میرے حق میں بھی ایسا ہے جیسے کہ تمہارے حق میں اس لئے میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام قرار دیا ہے پس تم آپس میں (ایک دوسرے پر) ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو علاوہ اس شخص کے جس کو میں ہدایت بخشوں پس تم سب مجھ سے ہدایت چاہو، میں تمہیں ہدایت دوں گا، اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو (یعنی کھانے کے محتاج) ہو علاوہ اس شخص کے جس

کو میں کھلادوں اور اسے رزق کی وسعت و فراخی بخشوں اور مستغنی بناؤں) پس تم سب مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھلاؤں گا اے میرے بندو! تم سب ننگے (یعنی ستر پوشی کے لئے کپڑے کے محتاج ہو) علاوہ اس شخص کے جس کو میں نے پہننے کے لئے دیا پس تم سب مجھ سے لباس مانگو میں تمہیں پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم اکثر دن رات خطائیں کرتے ہو اور میں تمہاری خطائیں بخشتا ہوں پس تم سب مجھ سے بخشش مانگو میں تمہیں بخشوں گا۔ اے میرے بندو! تم ہرگز میرے ضرر کو نہیں پہنچ سکو گے تاکہ مجھے نقصان پہنچا سکو اور ہرگز میرے نفع کو نہیں پہنچ سکو گے تاکہ مجھے فائدہ پہنچا سکو (یعنی گناہ کرنے سے بارگاہ صمدیت میں کوئی نقصان نہیں اور اطاعت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ دونوں کا نقصان و فائدہ صرف تمہیں ہی پہنچتا ہے چنانچہ آگے اس کی تفصیل فرمائی کہ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور تمہارے پچھلے انسان اور جنات (غرض کہ سب کے سب مل کر بھی تم میں سے کسی ایک نہایت پرہیزگار دل کی مانند ہو جائیں تو اس سے میری مملکت میں کوئی زیادتی نہیں ہوگی (یعنی اگر تم سب کے سب اتنے ہی پرہیزگار اور اتنے ہی نیک بن جاؤ جتنا کہ کوئی شخص پرہیزگار و نیک بن سکتا ہے مثلاً تم سب محمد ﷺ ہی کی طرح پرہیزگار بن جاؤ کہ روئے زمین پر کوئی بھی ایسا شخص باقی نہ رہے جس کی زندگی پر فسق و فجور اور گناہ و معصیت کا ہلکا سا اثر بھی ہو تو اس سے میری سلطنت و میری مملکت میں ادنی سی بھی زیادتی نہیں ہوگی) اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے، تمہارے پچھلے انسان اور جنات (غرضکہ سب کے سب) مل کر تم میں سے کسی ایک نہایت بدکار دل کی مانند ہو جائیں (یعنی تم سب مل کر شیطان کی مانند ہو جاؤ) تو اس سے میری مملکت کی کسی ادنی سی چیز کو بھی نہیں نقصان پہنچے گا، اے میرے بندو! اگر تمہارے پچھلے انسان اور جنات (غرض کہ سب کے سب مل کر کسی جگہ کھڑے ہوں اور مجھ سے پھر مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کے مانگنے کے مطابق (ایک ہی وقت میں اور ایک ہی جگہ) دوں تو میرا یہ دینا اس چیز سے جو میرے پاس ہے اتنا ہی کم کرتی ہے جتنا کہ ایک سوئی سمندر میں گر کر (اس کے پانی کو کم کرتی ہے) اے میرے بندو! جان لو میں تمہارے اعمال یاد رکھتا ہوں اور انہیں تمہارے لئے لکھتا ہوں، میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا، پس جو شخص بھلائی پائے (یعنی اسے اللہ تعالیٰ کی نیک توفیق حاصل ہو اور عمل خیر کرے) تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور جو شخص بھلائی کے علاوہ پائے (یعنی اس سے کوئی گناہ سرزد ہو) تو وہ اپنے نفس کو ملامت کرے (کیونکہ اس سے گناہ کا سرزد ہونا نفس ہی کے تقاضہ سے ہوا۔" (مسلم)

تشریح: كُلُّكُمْ ضَالٌّ (تم سب گمراہ ہو) اس اعتبار سے فرمایا کہ دنیا کا کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اس سے دنیا اور دین کا ہر کمال، ہر سعادت اور تمام ہی بھلائیاں ہوں، ہر شخص کے اندر کچھ نہ کچھ کمی اور کوتاہی ضرور ہوتی ہے اور اگر کوئی دینی اور اخروی اعتبار سے اپنے اندر کوئی کمی اور کوتاہی و گمراہی رکھتا ہے تو کسی کے اندر دنیاوی امور کے اعتبار سے کوئی نہ کوئی کمی اور کجی ہوتی ہے اس لئے فرمایا کہ تم سب گمراہ ہو۔ یعنی دنیوی اور دینی دونوں اعتبار سے درجۂ کمال سے ہٹے ہوئے ہوں۔

إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ (علاوہ اس شخص کے جس کو میں ہدایت بخشوں) اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی مراد یہ ہے کہ اگر لوگوں کو ان کی اس حالت و کیفیت پر چھوڑ دیا جو ان کی طبیعت اور ان کے نفس کی بنیاد ہوتی ہے تو وہ خودرو درخت کی طرح جس طرح چاہیں بڑھیں اور جس سمت چاہیں چلیں، جس کا نتیجہ گمراہی اور بے راہ روی ہے اس لئے میں جس کو چاہتا ہوں اسے فکر و ذہن کی سلامت اور اعمال نیک کی ہدایت بخشتا ہوں جس کا نتیجہ گمراہی اور بے راہ روی ہے اس لئے میں جس کو چاہتا ہوں اسے فکر و ذہن کی سلامت اور اعمال نیک کی ہدایت بخشتا ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا نفس صحیح راستہ پر چلتا ہے اور اس کی طبیعت نیکی ہی کی سمت بڑھتی ہے اس بات کو نبی کریم ﷺ نے اس طور پر بیان فرمایا ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فِيْ ظُلْمَةٍ ثُمَّ رَشَّ عَلَيْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ

"اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا اور پھر ان پر اپنے نور کا چھینٹا دیا۔"

اس موقع پر یہ خلجان پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ یہ بات اس حدیث:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

"ہر بچہ فطرت (اسلام کی فطرت) پر پیدا کیا جاتا ہے۔"

کے منافی ہے کیونکہ "فطرت" سے مراد "توحید" ہے اور "ضلالت یا ظلمت" سے مراد احکام ایمان کی تفصیل اور اسلام کے حدود و شرائط کا نہ جاننا ہے۔

وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (میں تمہاری ساری خطائیں بخشتا ہوں) کا مطلب یہ ہے کہ تم دن رات لغزشوں اور گناہوں میں مبتلا رہتے ہو لیکن اگر اپنے ان گناہوں پر ندامت کے ساتھ توبہ و استغفار کرتے ہو تو میں تمہارے سب گناہ بخش دیتا ہوں یا پھر یہ مراد ہے کہ ایک تو صرف ایسا گناہ ہے جس سے توبہ کئے بغیر بخشش ممکن نہیں ہاں اس کے علاوہ اور سب گناہ اگر میں چاہتا ہوں تو بغیر توبہ و استغفار کے بھی اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت خاص کے پیش نظر بخش دیتا ہوں۔

"جتنا کہ سوئی کم کر دیتی ہے" کے بارہ میں علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ سوئی کا سمندر میں گر کر اس کے پانی کو کم کر دینا نہ محسوس چیز ہے اور نہ عقل و شعور کی رسائی میں آنے والی بات بلکہ وہ کالعدم ہے اس لئے اس کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے ورنہ تو اللہ کے خزانے میں کسی ادنی سے ادنی درجہ کی کمی کا بھی کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس بارہ میں یا پھر کہا جائے کہ یہ جملہ بالفرض والتقدیر کی قسم سے ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کمی فرض بھی کی جائے تو وہ اس قدر ہو سکتی ہے۔

توبہ اور رحمت الٰہی کی وسعت

⑤ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ اِنْسَانًا ثُمَّ خَرَجَ يَسْاَلُ فَاَتٰى رَاهِبًا فَسَاَلَهٗ فَقَالَ اَلَهٗ تَوْبَةٌ قَالَ لَا فَقَتَلَهٗ وَجَعَلَ يَسْاَلُ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اِئْتِ قَرْيَةَ كَذَا وَكَذَا فَاَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَنَاءَ بِصَدْرِهٖ نَحْوَهَا فَاخْتَصَمَتْ فِيْهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلَائِكَةُ الْعَذَابِ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى هٰذِهٖ اَنْ تَقَرَّبِيْ وَاِلٰى هٰذِهٖ اَنْ تَبَاعَدِيْ فَقَالَ قِيْسُوْا مَا بَيْنَهُمَا فَوُجِدَ اِلٰى هٰذِهٖ اَقْرَبَ بِشِبْرٍ فَغُفِرَ لَهٗ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بنی اسرائیل (حضرت موسیٰؑ کی قوم میں) ایک شخص تھا جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا اور پھر (لوگوں سے یہ) پوچھنے نکلا (کہ اگر میں توبہ کر لوں تو وہ توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟) چنانچہ اسی سلسلہ میں وہ ایک عابد و زاہد کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ کیا اس (اتنے بڑے گناہ سے یا اس اتنے بڑے گناہ کرنے والے ہی) کے لئے توبہ ہے؟ یعنی کیا اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟ اس عابد و زاہد نے کہا کہ نہیں! اس شخص نے (یہ سنتے ہی) اس عابد و زاہد کو بھی قتل کر دیا اور پھر (دوسرے لوگوں سے) پوچھتا پھرنے لگا، ایک شخص نے اس سے کہا کہ تم فلاں بستی میں جاؤ وہ ایسی اور ایسی ہے (یعنی اس نے اس بستی کا نام لیا اور اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ وہ بہت اچھی بستی ہے وہاں ایک عالم رہتا ہے جو تمہیں تمہاری توبہ کے قبول ہونے کا فتویٰ دے گا چنانچہ وہ شخص اس بستی کی طرف چل کھڑا ہوا ابھی آدھے ہی راستے پر پہنچ پایا تھا کہ اچانک اسے موت نے آدبوچا (چنانچہ اسے موت کی علامت محسوس ہوئیں) تو اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف جھکا دیا اور پھر اس کی روح قبض کرنے کے وقت رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے (ملک الموت سے جھگڑنے لگے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو (جس کی طرف وہ توبہ کرنے جارہا تھا حکم دیا کہ وہ میت کے قریب آجائے اور اس بستی کو جہاں سے وہ قتل کر کے آرہا تھا حکم دیا کہ وہ میت سے دور ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں سے فرمایا تم دونوں بستیوں کے درمیان پیمائش کرو اگر میت اس بستی کے قریب ہوگی جہاں وہ توبہ کے لئے جارہا تھا تو اسے رحمت کے فرشتوں کے حوالہ کیا

جائے گا اور اگر اس بستی کے قریب ہو جہاں سے وہ قتل کر کے آ رہا تھا تو عذاب کے فرشتوں کے حوالہ کیا جائے گا۔ چنانچہ جب فرشتوں نے پیمائش کی تو وہ توبہ کے لئے جس بستی کی طرف جا رہا تھا اس سے یک بالشت قریب پایا گیا پس حق تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ جب ملک الموت نے اس شخص کی روح قبض کی تو رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے دونوں ملک الموت سے اس کی روح لینے کے لئے جھپٹنے لگے، رحمت کے فرشتے تو یہ کہتے تھے کہ چونکہ یہ شخص توبہ کے لئے اس بستی کی طرف متوجہ ہونے کی بنا پر تائب تھا اس لئے ہم اسے رحمت خداوندی کی طرف لے جائیں گے اور عذاب کے فرشتے یہ کہتے تھے کہ اس شخص نے چونکہ ایک سو آدمیوں کو ناحق قتل کیا ہے اور ابھی تک اس نے توبہ نہیں کی تھی اس لئے ہم اسے عذاب الٰہی کی طرف لے جائیں گے! چنانچہ حق تعالیٰ نے اس کا فیصلہ جس طرح فرمایا وہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طالب توبہ کے لئے حق تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کسی قید اور حد کی پابند نہیں ہے اس کی بے پایاں رحمت خلوص قلب کے ساتھ اپنی طرف متوجہ ہونے والے بڑے سے بڑے سرکش اور گنہ گار کو بھی اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ قلب و نیت کے اخلاص کے ساتھ بارگاہ الوہیت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دشمنوں کو بھی اس سے راضی کر دیتا ہے۔

یہ حدیث اس بات کی ترغیب دلا رہی ہے کہ توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے دامن کو گناہوں کی آلائش سے پاک و صاف رکھا جائے اور حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی اور نا امیدی کو اپنے پاس بھٹکنے بھی نہ دیا جائے۔

(۶) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِکُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ فَیَغْفِرُ لَهُمْ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اٹھا لے اور (تمہاری جگہ) ایسے لوگ پیدا کر دے جو گناہ کریں اور خدا سے بخشش و مغفرت چاہیں اور پھر اللہ تعالیٰ انہیں بخشے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مقصد مغفرت اور رحمت باری تعالیٰ کی وسعت کو بیان کرنا اور یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسم پاک "غفور" کی شان کو ظاہر کرنے کے لئے اتنا بخشش کرنے والا ہے اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ خدانخواستہ اس حدیث کے ذریعہ گناہ کی ترغیب مقصود ہی نہیں ہے کیونکہ گناہ سے بچنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اپنے پیغمبر رسول مقبول ﷺ کو اس دنیا میں اسی لئے بھیجا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو گناہ و معصیت کی زندگی سے نکال کر طاعت و عبادت کی راہ پر لگائیں۔

(۷) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ یَدَهٗ بِاللَّیْلِ لِیَتُوْبَ مُسِیْءُ النَّهَارِ وَیَبْسُطُ یَدَهٗ بِالنَّهَارِ لِیَتُوْبَ مُسِیْءُ اللَّیْلِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ رات میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے۔ تاکہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کرے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات میں گناہ کرنے والا توبہ کرے یہاں تک کہ سورج مغرب کی سمت سے نکلے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "ہاتھ پھیلانا" دراصل کنایہ ہے طلب کرنے سے چنانچہ جب کوئی شخص کسی سے کچھ مانگتا ہے تو اس کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے "لہٰذا اللہ تعالیٰ رات میں ہاتھ پھیلاتا ہے" الخ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ گنہ گاروں کو توبہ کی طرف بلاتا ہے! بعض حضرات کہتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ پھیلانا اس کی رحمت و مغفرت سے کنایہ ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ "یہاں تک کہ سورج مغرب کی سمت سے نکلے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں سے طلب توبہ کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ قرب قیامت میں سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکلے کیونکہ جب آفتاب مغرب کی طرف سے طلوع ہوگا تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اس کے بعد پھر کسی کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ (متفق علیہ)

"اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب بندہ (اپنے گناہ کا ندامت و شرمندگی کے ساتھ) اعتراف کرتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

⑨ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَابَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص مغرب کی سمت سے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے پہلے توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔" (مسلمؒ)

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ توبہ قبول ہونے کی حد ہے کہ مغرب کی سمت سے آفتاب نکلنے سے پہلے تک توبہ کا دروازہ کھلا رہے گا لہٰذا اس وقت تک جو بھی توبہ کرے گا اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی لیکن اس کے بعد کی جانے والی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اسی طرح توبہ قبول ہونے کی ایک حد "شخصی" ہوتی ہے جس کا تعلق ہر فرد سے ہوتا ہے اور وہ حالت غرغرہ (نزع) سے پہلے پہلے کا وقت ہے یعنی جو شخص حالت غرغرے سے توبہ کر لے گا اس کی توبہ قبول ہوگی۔ حالت غرغرہ میں کی جانے والی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے

⑩ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَلّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَتْ رَاحِلَتُهٗ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَ عَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَاَيِسَ مِنْهَا فَاَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِيْ ظِلِّهَا قَدْ اَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْهُوَ بِهَا قَائِمَةٌ عِنْدَهٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِيْ وَاَنَا رَبُّكَ اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص سے جو اس کے سامنے توبہ کرتا ہے اتنا زیادہ خوش ہوتا ہے کہ جتنا تم میں وہ شخص بھی خوش نہیں ہوتا جس کی سواری بیچ جنگل بیابان میں ہو اور پھر وہ جاتی رہی ہو (یعنی گم ہو گئی ہو) اور اس سواری پر اس کا کھانا بھی ہو اور پانی بھی ہو اور وہ (اس کو تلاش کرنے کے بعد) ناامید ہو جائے اور ایک درخت کے پاس آ کر اپنی سواری سے ناامیدی کی حالت میں (انتہائی مغموم و پریشان) لیٹ جائے اور پھر اسی حالت میں اچانک وہ اپنی سواری کو اپنے پاس کھڑے ہوئے دیکھ لے۔ چنانچہ وہ اس سواری کی مہار پکڑ کر انتہائی خوشی میں (جذبات سے مغلوب ہو کر) یہ کہہ بیٹھے "اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں" مارے خوشی کے زیادتی کے اس کی زبان سے یہ غلط الفاظ نکل جائیں۔" (مسلمؒ)

تشریح: یعنی اس شخص کو اصل میں کہنا تو یہ تھا کہ "اے اللہ! تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں" مگر انتہائی خوشی کی وجہ سے شدت جذبات سے مغلوب اور مدہوش ہو کر یہ کہنے کی بجائے یہ کہہ بیٹھا ہے کہ "اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں"۔

اس ارشاد کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اور اس کی توبہ کو قبول فرما کر اپنی رحمت سے نواز دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس خوشی کو اس شخص کی خوشی کے ساتھ مشابہت دی جس کی سواری جنگل بیابان میں گم ہو جائے اور پھر اچانک اسے مل جائے۔

اللہ تعالیٰ بار بار توبہ قبول کرتا ہے

(۱۱) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عَبْدًا اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهٗ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا اٰخَرَ فَاغْفِرْهُ لِیْ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ فَلْيَفْعَلْ مَا شَاءَ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "اسی اُمت میں سے یا گزشتہ امتوں میں سے ایک بندے نے گناہ کیا اور پھر کہنے لگا "اے میرے پروردگار! میں نے گناہ کیا ہے تو میرے اس گناہ کو بخش دے" اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں سے) فرمایا" کیا میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو (جس کو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے) اس کے گناہ بخشتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے) اس کے گناہ پر مواخذہ کرتا ہے (تو جان لو) میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا۔ وہ بندہ اس مدت تک کہ اللہ نے چاہا (گناہ کرنے سے) باز رہا، اس کے بعد اس نے پھر گناہ کیا اور عرض کیا کہ "اے میرے پروردگار! میں نے گناہ کیا ہے تو میرے اس گناہ کو بخش دے" اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا" کیا یہ میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ کو بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ کرتا ہے؟ میں نے اس بندہ کو بخش دیا۔" وہ بندہ اس مدت تک کہ اللہ نے چاہا گناہ سے باز رہا اور اس کے بعد پھر اس نے گناہ کیا اور عرض کیا کہ "اے میرے پروردگار! میں نے گناہ کیا ہے تو میرے اس گناہ کو بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے "فرشتوں سے فرمایا" کیا میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ بخشتا ہے اور (اس پر مواخذہ کرتا ہے؟ میں نے اس بندہ کو بخش دیا پس جب (تک وہ استغفار کرتا رہے) جو چاہے کرے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ "پس جو چاہے کرے" کا مطلب یہ ہے کہ یہ بندہ جب تک گناہ کرتا رہے گا اور استغفار کرتا رہے گا اس کے گناہ بخشتا رہوں گا لہٰذا جملہ سے خدانخواستہ گناہ کی طرف رغبت دلانا مقصود نہیں ہے بلکہ استغفار کی فضیلت اور گناہوں کی بخشش میں استغفار کی تاثیر کو بیان کرنا مقصود ہے۔

کسی گناہ گار کو دوزخی نہ کہو

(۱۲) وَعَنْ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللّٰهِ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِفُلَانٍ وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ مَنْ ذَا الَّذِیْ يَتَاَلّٰى عَلَیَّ اَنِّیْ لَا اَغْفِرُ لِفُلَانٍ فَاِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ وَاَحْبَطْتُ عَمَلَكَ اَوْ كَمَا قَالَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جندبؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے یہ بیان فرمایا "اس اُمت میں سے یا گزشتہ امتوں میں سے) ایک شخص نے کہا کہ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا" پھر آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کون شخص ہے جو میری قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کو نہیں بخشوں گا اور یہ جان لے کہ) میں نے اس شخص کو بخش دیا اور تیرے عمل کو ضائع کیا (یعنی تیری قسم کو جھوٹا کیا)۔" (مسلمؒ)

تشریح : کوئی شخص بہت زیادہ گناہ کرتا تھا اس کے بارہ میں ایک دوسرے شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اسے نہیں بخشے گا، اس نے یہ بات ازراہ تکبر اس کو بہت گناہ گار اور اپنے کو اس سے اچھا جان کر کہی۔ جیسا کہ بعض جاہل صوفیاء گناہ گاروں کے بارے میں اچھا گمان نہیں رکھتے حالانکہ ایسے لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع اور عام ہے اس کے گناہ گار بندوں کو بھی اس کے دامن میں پناہ ملتی ہے اور وہی ان کو بخشتا ہے۔

حاصل یہ کہ اس قسم کے کھانے والے نے اس کے نہ بخشے جانے کا جو یقین کیا تھا اس پر عتاب ہوا بایں طور کہ اس کی قسم کو جھوٹی کیا گیا اور اس شخص کو بخش دیا گیا۔ لہٰذا کسی بھی شخص کے بارہ میں قطعی طور پر یہ کہنا کہ وہ جنتی ہے یا دوزخی ہے جائز نہیں ہے ہاں قرآن و حدیث نے وضاحت کے ساتھ جن لوگوں کو جنتی و دوزخی کہا ہے ان کو قطعی طور پر جنتی یا دوزخ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

دعاء استغفار

(۱۳) وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْاِسْتِغْفَارِ اَنْ تَقُوْلَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَاصَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ قَالَ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوْقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهٖ قَبْلَ اَنْ يُمْسِيَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُوْقِنٌ بِهَا فَمَاتَ قَبْلَ اَنْ يُصْبِحَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ (رواہ البخاری)

"اور حضرت شداد ابن اوسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "افضل استغفار یہ ہے کہ تم یوں دعا مانگو: اے اللہ! تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں! میں تیرے عہد پر ہوں (یعنی عہد میثاق پر قائم ہوں) اور تیرے وعدے پر ہوں (یعنی تو نے حشر وغیرہ کے بارے میں جو وعدہ کیا ہے اس پر یقین کامل رکھتا ہوں) میں اپنی طاقت کے بقدر اس برائی (یعنی گناہ ہے) تیری پناہ چاہتا ہوں جس میں میں مبتلا ہوا۔ میں تیری نعمتوں کو جو تو نے مجھے عنایت فرمائیں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں پس تو مجھے بخش دے۔ کیونکہ گناہوں کو تیرے علاوہ کوئی نہیں بخشتا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جو شخص ان کلمات کو دن میں ان کے معنی پر یقین رکھ کر پڑھے اور پھر اسی دن شام سے پہلے مرجائے تو وہ جنتیوں میں سے ہے اور جو شخص ان کلمات کو رات میں ان کے معنی پر یقین رکھ کر پڑھے اور اسی رات صبح ہونے سے پہلے مرجائے تو وہ جنتیوں میں سے ہے" (بخاریؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

اللہ تعالیٰ کی بخشش کی کوئی انتہا نہیں

(۱۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا ابْنَ اٰدَمَ اِنَّكَ مَادَعَوْتَنِيْ وَرَجَوْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ عَلٰى مَاكَانَ فِيْكَ وَلَا اُبَالِيْ يَا ابْنَ اٰدَمَ لَوْبَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَا اُبَالِيْ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِنَّكَ لَوْ لَقِيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَاَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! جب تک تو مجھ سے گناہوں کی معافی مانگتا رہے گا اور مجھ سے امید رکھے گا میں تجھے بخشوں گا تو نے جو بھی برا کام کیا ہوگا اور مجھ کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی (یعنی تو چاہے کتنا ہی بڑا گنہ گار ہو تجھے بخشنا میرے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں ہے) اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک بھی پہنچ جائیں اور تو مجھ سے بخشش چاہے تو میں تجھ کو بخش دوں گا۔ اور مجھ کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی، اے ابن آدم! اگر تو مجھ سے اس حال میں ملے کہ تیرے ساتھ

گناہوں سے بھری ہوئی زمین ہو تو میں تیرے پاس بخشش و مغفرت سے بھری ہوئی زمین لے کر آؤں گا۔ بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔ (یعنی شرک میں مبتلا نہ ہوا ہو) ترمذیؒ اور احمدؒ و دارمیؒ نے اس روایت کو ابوذرؓ سے نقل کیا ہے نیز امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

مغفرت کا یقین رکھو

⑮ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ عَلِمَ اَنِّي ذُوْقُدْرَةٍ عَلٰى مَغْفِرَةِ الذُّنُوْبِ غَفَرْتُ لَهٗ وَلَا اُبَالِي مَالَمْ يُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت ابن عباسؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص نے یہ جانا کہ میں گناہوں کو بخشنے پر قادر ہوں تو اسے بخش دوں گا اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو۔" (شرح السنۃ)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بندہ کو اس بات کا جاننا کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کی مغفرت پر قادر ہے اس کی مغفرت و بخشش کا سبب ہے کیونکہ جو شخص یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کی بخشش پر قدرت رکھتا ہے وہ اس سے امید رکھتا ہے اور جو شخص کریم سے امید رکھتا ہے کریم اسے محروم نہیں رکھتا لہٰذا یہ حدیث قدسی اس حدیث قدسی: انا عند ظن عبدی بی میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارہ میں رکھتا ہے کے مانند ہے۔

منقول ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ بیمار ہوئے تو حضرت حماد ابن سلمہؒ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، حضرت سفیان ثوریؒ نے حضرت حمادؒ سے کہا کہ کیا آپ کو اس بات کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ جیسے کو بخش دے گا؟ حضرت حمادؒ نے جواب دیا کہ "اگر مجھے اس بات کا اختیار دے دیا جائے کہ حساب کتاب کے لئے چاہے تو میں اپنے باپ کے سامنے پیش ہو جاؤں چاہے اللہ تعالیٰ کے سامنے تو میں اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے پیش ہونے کو ترجیح دوں گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ باپ سے زیادہ مجھ پر رحم کرتا ہے۔" گویا حمادؒ کے اس جواب کا مقصد یہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مغفرت و بخشش کی امید رکھئے اس کی رحمت پر بھروسہ کیجئے کیونکہ وہ ارحم الراحمین ہے۔

استغفار کی فضیلت اور اس کا اثر

⑯ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضَيْقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو استغفار کو اپنے اوپر لازم قرار دے لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کی راہ نکال دیتا ہے۔ اور اسے ہر رنج و غم سے نجات دیتا ہے نیز اس کو ایسی جگہ سے (پاک و حلال) روزی بہم پہنچاتا ہے۔ جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہ)

تشریح: "استغفار کو اپنے اوپر لازم قرار دے لینا" کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی گناہ سرزد ہو جائے یا کوئی آفت و مصیبت اور رنج و غم ظاہر ہو تو استغفار کرے یا پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ استغفار پر مداومت و ہمیشگی اختیار کرے کیونکہ زندگی کا کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں انسان استغفار کا محتاج نہ ہو اس لئے سرکار دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِيْ صَحِيْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا

"خوش بختی ہے اس شخص کے لئے جس نے اپنے نامہ اعمال میں استغفار کی کثرت پائی۔"

حدیث میں مذکورہ بالا فضیلت کی بنیاد یہ ہے کہ جو شخص استغفار کو اپنے اوپر لازم قرار دے لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے اس کے قلب کا تعلق اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کا اعتماد مستحکم و قوی ہوتا ہے اور اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں اس کا شمار "اللہ سے ڈرنے والوں" اور اللہ کی ذات پر اعتماد کرنے والوں میں ہوتا ہے جن کے بارہ میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے جو مذکورہ بالا حدیث کی بنیاد بھی ہے کہ:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے (ہر تنگی سے) نکلنے کی راہ نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی بہم پہنچاتا ہے جہاں اس کو گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر اعتماد کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔"

استغفار کی فضیلت اور اس کا فائدہ مند ہونا اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا۔

"پس میں نے کہا کہ تم اپنے رب سے بخشش مانگو کیونکہ وہ بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر بکثرت بارش برسائے گا اور تمہیں مال اور اولاد دے گا اور تمہارے لئے باغ بنائے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کرے گا۔"

حضرت حسن بصریؒ کے بارہ میں منقول ہے کہ ایک شخص نے ان سے قحط سالی کی شکایت کی تو انہوں نے اس سے کہا کہ اللہ سے استغفار کرو، پھر ایک اور شخص نے محتاجگی کا شکوہ کیا، اور ایک اور نے اولاد نہ ہونے کی، اور ایک اور نے زمین کی پیداوار میں کمی کی شکایت کی انہوں نے سب ہی سے کہا کہ استغفار کرو! لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے پاس کئی شخص آئے اور سب نے اپنی الگ الگ پریشانی ظاہر کی۔ مگر آپ نے سب ہی کو استغفار کرنے کا حکم دیا اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے اس کے جواب میں مذکورہ بالا آیت۔ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا الخ پڑھی اور اس طرح انہیں بتایا کہ میں نے جن جن باتوں کے لئے استغفار کا حکم دیا ہے اس آیت سے وہ سب ثابت ہیں۔

(۱۷) وَعَنْ اَبِىْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِى الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت ابوبکر صدیقؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے (اپنے گناہ) پر استغفار کیا اس نے اپنے گناہ پر اصرار نہیں کیا اگرچہ وہ دن میں ستر بار گناہ کرے" (ترمذیؒ وابوداؤدؒ)

تشریح: "گناہ پر اصرار" کا مطلب یہ ہے کہ گناہ پر دوام کرنا یعنی بار بار اس گناہ کو کرنا، یوں تو خود گناہ کرنا کوئی کم بری بات نہیں ہے چہ جائیکہ اس پر اصرار کرنا تو یہ تو بہت ہی برا ہے کیونکہ صغیرہ گناہ پر اصرار کبیرہ گناہ کے ارتکاب تک پہنچا دیتا ہے اور کبیرہ گناہ پر اصرار کفر کی حد تک لے جاتا ہے۔

لہٰذا اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اپنے کسی گناہ پر شرمندہ ہوتا ہے اور اس سے استغفار کرتا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ تو وہ حد اصرار سے خارج ہوتا ہے چاہے اس سے اس گناہ کا ارتکاب کتنی ہی مرتبہ کیوں نہ ہو کیونکہ گناہ پر ارتکاب کرنے والا تو اسی کو کہیں گے جو بار بار گناہ کرے مگر نہ تو وہ اس گناہ سے شرمندہ و نادم ہو اور نہ استغفار کرے۔

توبہ کرنے والوں کی فضیلت

(۱۸) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِىْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَّخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہر انسان خطا کار ہے (یعنی ہر انسان گناہ کرتا ہے علاوہ انبیاء کرام کے کیونکہ وہ معصوم عن الخطا ہیں) اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

گناہ کی زیادتی قلب کو زنگ آلود کر دیتی ہے

(۱۹) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِیْ قَلْبِهٖ فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ وَاِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ فَذٰلِكُمُ الرَّانُ الَّذِیْ ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب کوئی مؤمن گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے پھر اگر وہ اس گناہ سے توبہ کر لیتا ہے اور استغفار کرتا ہے تو اس کا دل (اس نقطہ سیاہ سے) صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر زیادہ گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ پس یہ ران یعنی زنگ ہے جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ یوں ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر یہ ان چیز (یعنی گناہ) کا زنگ ہے جو وہ کرتے تھے (یہاں تک کہ ان کے دلوں پر خیر و بھلائی بالکل باقی نہیں رہی) اس روایت کو احمدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ نے نقل کیا ہے نیز امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: "یہاں تک کہ وہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جوں جوں گناہ میں زیادتی ہوتی جاتی ہے توں توں وہ سیاہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ پورے قلب پر حاوی ہو جاتا ہے اور قلب کے نور کو ڈھانپ لیتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ مؤمن دل کی بینائی سے محروم ہو جاتا ہے چنانچہ نہ تو نفع دینے والے علوم اور نفع دینے والے نیک اعمال ہی کی کوئی اہمیت اس کی نظروں میں باقی رہتی ہے اور نہ فائدہ مند عقل و حکمت کی باتوں کا اس پر کوئی اثر ہوتا ہے اس طرح وہ شفقت و رحمت کے حیات آفریں وصف سے خالی ہو جاتا ہے کہ نہ اپنے اوپر رحم کرتا ہے اور نہ دوسروں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرتا ہے اور آخر کار اس کے قلب میں ظلم و جہل اور شر و فتنہ کی تاریکی اپنا تسلط جما لیتی ہے جس کا نتیجہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ گناہ پر اس کی جرأت بڑھ جاتی ہے اور معصیت آمیز زندگی ہی اس پر چھا جاتی ہے۔

قبولیت توبہ کا آخری وقت

(۲۰) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ یَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ یُغَرْغِرْ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ غرغرہ کی کیفیت شروع نہ ہو جائے۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہ)

تشریح: "غرغرہ" انسانی زندگی کا وہ آخری درجہ ہے جب جسم و روح کا تعلق اپنے انقطاع کے انتہائی نقطہ کے بالکل قریب ہوتا ہے جان پورے بدن سے کھنچ کر حلق میں آجاتی ہے۔ سانس اکھڑ کر صرف غرغر کی سی آواز میں تبدیل ہو جاتا ہے اور زندگی کی بالکل آخری امید بھی یاس و ناامیدی کے درجہ یقین پر پہنچ جاتی ہے۔

لہٰذا اس ارشاد گرامی میں "جب تک کہ غرغر کی کیفیت شروع نہ ہو جائے" کا مطلب یہ ہے کہ جب تک موت کا یقین نہیں ہوتا اس وقت تک تو توبہ قبولیت سے نوازی جاتی ہے مگر جب موت کا بالکل یقین ہو جائے یعنی مذکورہ بالا کیفیت شروع ہو جائے تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔

اس حدیث کے ظاہری اور واضح مفہوم سے تو یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ مرنے کے وقت مطلقاً توبہ صحیح نہیں ہوتی خواہ کفر سے توبہ ہو یا گناہوں سے یعنی اس وقت نہ تو کافر کا ایمان لانا صحیح و درست ہوگا اور نہ مسلمان کی گناہوں سے توبہ صحیح ہوگی چنانچہ قرآن کریم کی آیت وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ الخ سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے لیکن بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ گناہوں سے توبہ تو صحیح ہوگی لیکن کفر سے توبہ صحیح نہیں ہوگی گویا ان حضرات کے نزدیک (یاس ناامید) کا ایمان غیر مقبول ہے اور یاس کی توبہ مقبول ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث مذکورہ بالا کے تحت جو حکم بیان کیا گیا ہے۔ اس کا تعلق گناہوں سے توبہ کرنے سے ہے کہ حالت غرغرہ میں توبہ قبول نہیں ہوتی لیکن ایسی حالت میں اگر کسی سے اس کا کوئی حق معاف کرایا جائے اور وہ صاحب حق معاف کر دے یہ صحیح ہوگا۔

مغفرت خداوندی کی وسعت

(۲۱) وَعَنْ اَبِی سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّیْطَانَ قَالَ وَعِزَّتِكَ یَا رَبِّ لَا اَبْرَحُ اُغْوِیْ عِبَادَكَ مَا دَامَتْ اَرْوَاحُهُمْ فِیْ اَجْسَادِهِمْ فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِیْ لَا اَزَالُ اَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِیْ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ قسم ہے تیری عزت کی اے میرے پروردگار! میں تیرے بندوں کو ہمیشہ گمراہ کرتا رہوں گا جب تک کہ ان کی روحیں ان کے جسم میں ہیں! پروردگار عزوجل نے فرمایا "قسم ہے اپنی عزت اور بزرگی کی اور اپنے مرتبے کی بلندی کی، میرے بندے جب تک مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے۔ میں بھی ہمیشہ ان کو بخشتا رہوں گا۔" (احمدؒ)

باب توبہ

(۲۲) وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی جَعَلَ بِالْمَغْرِبِ بَابًا عَرْضُهٗ مَسِیْرَةُ سَبْعِیْنَ عَامًا لِلتَّوْبَةِ لَا یُغْلَقُ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ مِنْ قِبَلِهٖ وَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیَاتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت صفوان ابن عسالؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مغرب کی جانب ایک دروازہ بنایا ہے جو توبہ کے لئے ہے اور جس کا عرض ستر سال کی مسافت (کے بقدر) ہے اور یہ دروازہ اس وقت تک بند نہیں کیا جائے گا۔ جب تک کہ آفتاب مغرب کی سمت سے نکلے (یعنی مغرب کی سمت سے آفتاب کا نکلنا قبولیت توبہ کا مانع ہے) اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "کہ اس دن آویں گی بعض نشانیاں تیرے پروردگار کی، نہیں نفع دے گا کسی ایسی جان کو ایمان لانا جو پہلے سے ایمان نہیں لائی تھی" کا یہی مطلب ہے۔"

(ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "جو توبہ کے لئے ہے" کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کرنے والوں کے لئے کھلا ہوا ہے یا یہ کہ وہ توبہ کے صحیح ہونے اور توبہ کے قبول ہونے کی علامت ہے! حاصل یہ کہ جب آفتاب مغرب کی جانب سے نہیں نکلتا لوگوں کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جس کا جی چاہے اپنے شرک اور کفر سے توبہ کر کے اور جس کا جی چاہے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اس دروازہ کے ذریعہ آخرت کی حیات ابدی راحتوں اور سعادتوں کا مستحق ہو جائے۔ جب مغرب کی سمت سے آفتاب نکلے گا تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا حدیث میں جس آیت کریمہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ پوری یوں ہے۔

یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُھَا لَمْ تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ کَسَبَتْ فِیْ اِیْمَانِھَا خَیْرًا۔

"اس دن کی آوے گی بعض نشانیاں تیرے پروردگار کی (یعنی قرب قیامت پروردگار بعض نشانیاں ظاہر کرے گا ان ہی میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ ایک دن آفتاب مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا اس دن نہیں نفع دے گا کسی ایسی جان کو ایمان لانا جو پہلے سے (یعنی پروردگار کی نشانی ظاہر ہونے سے پہلے) ایمان لائی تھی اور اس جان کو کہ جس نے حالت ایمان میں بھلائی (یعنی توبہ) نہیں کی تھی (اس دن اس کی توبہ کوئی نفع نہیں دے گی۔"

اس آیت کا حاصل یہی ہے کہ جس دن آفتاب مغرب کی سمت سے طلوع ہوگا تو جو شخص اس سے پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا یا ایمان پر تو ہوگا مگر توبہ نہیں کی ہوگی، اب نہ اس کا ایمان نفع دے گا اور نہ اس کی توبہ کوئی فائدہ پہنچائے گی۔

انقطاع قبولیت توبہ

(۲۳) وَعَنْ معٰویۃ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَنْقَطِعُ الْھِجْرَۃُ حَتّٰی تَنْقَطِعَ التَّوْبَۃُ وَلَا تَنْقَطِعُ التَّوْبَۃُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِھَا (رواہ احمد و ابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت معاویہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، ہجرت (یعنی گناہوں سے توبہ کی طرف رجوع) موقوف نہیں ہوگی تاوقتیکہ توبہ موقوف نہ ہو اور توبہ اس وقت تک موقوف نہیں ہوگی جب تک کہ آفتاب مغرب کی طرف سے نہ نکلے۔" (ابوداؤد، احمد، دارمی)

تشریح: جب تک توبہ موقوف نہیں ہوتی یعنی جب تک توبہ قبول ہوتی رہے گی ہر شخص گناہوں سے پاک ہو سکتا ہے اور جب توبہ موقوف ہو جائے گی تو کوئی شخص گناہوں سے پاک نہیں ہو سکے گا اور توبہ موقوف اسی وقت ہوگی جب کہ آفتاب مغرب کی سمت سے طلوع ہوگا۔

حاصل یہ کہ جب تک آفتاب مغرب کی سمت سے طلوع نہیں ہوتا اس وقت تک ہر شخص توبہ کر کے اپنے گناہوں سے پاک ہو سکتا ہے پھر اس کے بعد کسی کی توبہ کارگر ثابت نہیں ہوگی۔

کسی گناہ گار کو خدا کی رحمت سے مایوس نہ کرو

(۲۴) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَجُلَیْنِ کَانَا فِیْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ مُتَحَابَّیْنِ اَحَدُھُمَا مُجْتَھِدٌ فِی الْعِبَادَۃِ وَالْاٰخَرُ یَقُوْلُ مُذْنِبٌ فَجَعَلَ یَقُوْلُ اَقْصِرْ عَمَّا اَنْتَ فِیْہِ فَیَقُوْلُ خَلِّنِیْ وَرَبِّیْ حَتّٰی وَجَدَہٗ یَوْمًا عَلٰی ذَنْبٍ اِسْتَعْظَمَہٗ فَقَالَ اَقْصِرْ فَقَالَ خَلِّنِیْ وَرَبِّیْ اَبُعِثْتَ عَلَیَّ رَقِیْبًا فَقَالَ وَاللّٰہِ لَا یَغْفِرُ اللّٰہُ لَكَ اَبَدًا وَلَا یُدْخِلُكَ الْجَنَّۃَ فَبَعَثَ اللّٰہُ اِلَیْھِمَا مَلَکًا فَقَبَضَ اَرْوَاحَھُمَا فَاجْتَمَعَا عِنْدَہٗ فَقَالَ لِلْمُذْنِبِ اُدْخُلِ الْجَنَّۃَ بِرَحْمَتِیْ وَقَالَ لِلْاٰخَرِ اَتَسْتَطِیْعُ اَنْ تَحْظُرَ عَلٰی عَبْدِیْ رَحْمَتِیْ فَقَالَ لَا یَا رَبِّ قَالَ اذْھَبُوْا بِہٖ اِلَی النَّارِ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بنی اسرائیل میں دو شخص تھے جو آپس میں دوست تھے ان میں سے ایک تو عبادت میں بہت ریاضت کرتا تھا اور دوسرا گناہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں گناہگار ہوں (یعنی وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرتا تھا) چنانچہ عبادت کرنے والے نے اس سے کہنا شروع کیا جس چیز میں تم مبتلا ہو (یعنی گناہ میں) اس سے باز آجاؤ گناہ گار اس کے جواب میں کہتا کہ "تم میرے پروردگار پر چھوڑ دو! کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے وہ مجھے معاف کرے گا) یہاں تک کہ ایک دن اس عابد نے اس شخص کو ایک ایسے گناہ میں مبتلا دیکھا جسے وہ بہت بڑا گناہ سمجھتا تھا اس نے اس سے کہا کہ تم اس گناہ سے باز آجاؤ گنہ گار نے جواب دیا کہ تم مجھے میرے پروردگار پر چھوڑ دو، کیا تم میرے داروغہ بنا کر بھیجے گئے ہو؟ (عابد نے یہ سن کر) کہا کہ "خدا کی قسم! اللہ تمہیں کبھی نہیں بخشے گا اور نہ تمہیں جنت میں

داخل کرے گا اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان دونوں کے پاس فرشتہ بھیج کر ان کی روحیں قبض کرائیں اور پھر جب وہ دونوں (یعنی ان کی روحیں) حق تعالیٰ کے حضور (برزخ میں یا عرش کے نیچے) حاضر ہوئیں تو حق تعالیٰ نے گنہ گار سے تو فرمایا کہ تو میری رحمت کے سبب جنت میں داخل ہو جا اور دوسرے سے فرمایا کہ "کیا تو اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ میرے بندے کو میری رحمت سے محروم کر دے؟ اس نے کہا کہ "نہیں" پروردگار پھر اللہ تعالیٰ ان فرشتوں کو (جو دوزخ پر مامور ہیں) فرمایا کہ اس کو دوزخ کی طرف لے جاؤ۔" (احمدؒ)

تشریح: چونکہ عبادت کرنے والے نے اپنی عبادت اور اپنے نیک اعمال پر غرور و تکبر کا اعتماد کیا اور اس گنہ گار کو اپنے سے حقیر جان کر اس سے یہ کہا کہ حق تعالیٰ تمہیں نہیں بخشے گا اس لئے اسے مستحق عذاب قرار دیا گیا اسی لئے کسی بزرگ کا قول ہے کہ جو گناہ اپنے کو حقیر و ذلیل سمجھنے کا باعث ہو وہ اس طاقت و عبادت سے بہتر ہے جو غرور و تکبر اور نخوت میں مبتلا کر دے۔

گنہگار رحمت خداوندی سے مایوس نہ ہوں

(۲۵) وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا وَلَا يُبَالِيْ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ يَقُوْلُ بَدَلَ يَقْرَأُ۔

"اور حضرت اسماء بنت یزیدؓ کہتی ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ یہ آیت پڑھا کرتے تھے يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اے میرے وہ بندو جنہوں نے (گناہ کرنے کے سبب) اپنے نفس پر زیادتی کی ہے، رحمت خداوندی سے مایوس مت ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سب گناہ بخشتا ہے۔ (نیز آپ ﷺ فرماتے کہ) اللہ تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں کہ بندے کتنے ہی گناہ کرتے ہیں اور وہ سب کو بخش دیتا ہے) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور شرح السنۃ میں لفظ یقرأ کی بجائے لفظ یقول ہے۔"

تشریح: "اللہ تعالیٰ سب گناہ بخشتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کو تو توبہ کے ساتھ بخشتا ہے کہ اگر کوئی کافر اپنے کفر و شرک سے توبہ کر کے ایمان کی دولت قبول کرلے تو اسے حق تعالیٰ ابدی نجات و بخشش کا مستحق قرار دے دیتا ہے اور مؤمنین کو توبہ کے ساتھ بھی بخشتا ہے اور اپنے بے پایاں فضل و کرم کی بنا پر اگر چاہتا ہے تو بغیر توبہ کے بھی بخش دیتا ہے۔

(۲۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِلَّا اللَّمَمَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَاَيُّ عَبْدٍ لَّكَ لَا اَلَمَّا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول اِلَّا اللَّمَمَ کی تفسیر کے ضمن میں روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے یہ شعر پڑھا۔

اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَاَيُّ عَبْدٍ لَّكَ لَا اَلَمَّا

اگر بخشے تو اے الٰہی! تو بڑے سے گناہ بخش دے۔ اور تیرا کون سا بندہ ہے جس نے چھوٹے گناہ نہ کئے ہوں۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔"

تشریح: اِلَّا اللَّمَمَ ایک آیت کا ٹکڑا ہے اور وہ پوری آیت یہ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ۔

"اور (جن نیکوکاروں کا پیچھے ذکر ہوا) یہ وہ لوگ ہیں جو پرہیز کرتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے علاوہ چھوٹے گناہوں کے (کہ جن سے بچنا ممکن نہیں ہے) اور بے شک تیرا رب مغفرت کا وسیع کرنے والا ہے۔"

پس آیت میں چھوٹے گناہوں کا جو استثناء کیا گیا ہے اسی کی دلیل کے طور پر آنحضرت ﷺ نے مذکورہ بالا شعر پڑھا کہ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی مؤمن صغیرہ گناہوں سے خالی نہیں ہوتا۔

شعر کا حاصل یہ ہے کہ پروردگار! تیری شان رحمت ایسی ہے اور تیرے فضل و کرم کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ اگر تو چاہے تو کبیرہ گناہوں کو بھی بخش دے چھوٹے گناہوں کی تو حقیقت ہی کیا ہے اور پھر تیرا کون سا بندہ ایسا ہے جو چھوٹے گناہ نہیں کرتا اور تو اسے نہیں بخشا بلکہ تو ان چھوٹے گناہوں کو نیکیوں کے ذریعہ جھاڑتا رہتا ہے اور اس طرح ان بندوں کو چھوٹے گناہوں کے بوجھ سے بھی بچاتا ہے۔

یہ شعر جسے آنحضرت ﷺ نے پڑھا امیہ بن صلت کا ہے جو ایام جاہلیت کے مشہور شعراء میں سے ہے امیہ اس وقت بھی بہت زیادہ عبادت کرتا تھا اور قیامت پر اعتقاد کرتا تھا اگرچہ اس نے اسلام کا زمانہ پایا ہے مگر مسلمان ہونے کی سعادت سے محروم رہا۔ امیہ چونکہ حکمت آمیز اشعار کہا کرتا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نہ صرف یہ کہ اس کے اشعار سنتے ہی تھے بلکہ کبھی کبھی خود انہیں پڑھا کرتے تھے۔

بندہ کی عبادت اور معصیت سے خدا کی خدائی میں کوئی اثر نہیں پڑتا

(۲۷) وَعَنْ اَبِی ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی يَا عِبَادِی كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُ فَاسْئَلُوْنِی الْهُدٰی اَهْدِكُمْ وَكُلُّكُمْ فُقَرَاءُ اِلَّا مَنْ اَغْنَيْتُ فَاسْاَلُوْنِی اَرْزُقْكُمْ وَكُلُّكُمْ مُذْنِبٌ اِلَّا مَنْ عَافَيْتُ فَمَنْ عَلِمَ مِنْكُمْ اَنِّی ذُوْقُدْرَةٍ عَلَی الْمَغْفِرَةِ فَاسْتَغْفَرَنِی غَفَرْتُ لَهٗ وَلَا اُبَالِی وَلَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اِجْتَمَعُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِیْ مَا زَادَ ذٰلِكَ فِیْ مُلْكِیْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَلَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَشْقٰی قَلْبِ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِیْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِیْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَلَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اجْتَمَعُوْا فِیْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ فَسَاَلَ كُلُّ اِنْسَانٍ مِنْكُمْ مَا بَلَغَتْ اُمْنِيَّتُهٗ فَاَعْطَيْتُ كُلَّ سَائِلٍ مِنْكُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِیْ اِلَّا كَمَا لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ مَرَّ بِالْبَحْرِ فَغَمَسَ فِيْهِ اِبْرَةً ثُمَّ رَفَعَهَا ذٰلِكَ بِاَنِّی جَوَادٌ مَاجِدٌ اَفْعَلُ مَا اُرِيْدُ عَطَائِی كَلَامٌ وَعَذَابِی كَلَامٌ اِنَّمَا اَمْرِی لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْتُ اَنْ اَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! تم سب گم کردہ راہ ہو علاوہ اس شخص کے جس کو میں نے ہدایت بخشی پس تم سب مجھ سے ہدایت چاہو میں تمہیں ہدایت بخشوں گا تم سب ظاہر و باطن میں محتاج ہو علاوہ اس شخص کے جس کو میں نے غنی بنا دیا پس تم سب مجھ سے روزی مانگو میں تمہیں (پاک و حلال) روزی دوں گا تم سب گنہ گار ہو (یعنی سب ہی سے گناہ متصور ہے) علاوہ اس شخص کے جس کو میں نے بچا لیا ہو (یعنی انبیاء کرام) پس تم میں سے جس شخص نے جانا کہ میں بخشنے پر قادر ہوں اور پھر اس نے مجھ سے بخشش مانگی تو میں اس کو (یعنی اس کے سب گناہ) بخش دوں گا اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی اور اگر تمہارے پچھلے اگلے، تمہارے، زندے تمہارے مردے تمہارے تر اور تمہارے خشک (یعنی تمہارے جوان و بوڑھے) یا تمہارے عالم و جاہل اور یا تمہارے فرمانبردار و گنہ گار غرضکہ ساری مخلوقات) میرے بندوں میں سب سے زیادہ متقی دل بندہ (محمد ﷺ) کی طرح ہو جائیں تو اس سے (یعنی تمام مخلوقات کے عابد و متقی ہو جانے سے) میری خدائی میں ایک مچھر کے برابر بھی زیادتی نہیں ہوگی اور اگر تمہارے اگلے تمہارے پچھلے، تمہارے زندے، تمہارے مردے، تمہارے تر اور تمہارے خشک (غرضکہ ساری مخلوقات) میرے بندوں میں سے سب سے زیادہ (بدبخت بندہ شیطان لعین) کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری خدائی میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی کمی نہ ہوگی اور اگر تمہارے اگلے، تمہارے پچھلے، تمہارے زندے، تمہارے مردے تمہارے تر اور تمہارے خشک ایک جگہ جمع ہوں اور تم میں سے ہر شخص اپنی انتہائی

آرزو و خواہش کے مطابق مانگے (یعنی اس کے دل میں جو بھی آرزو اور خواہش ہو مجھ سے مانگے) اور پھر تم میں سے ہر شخص کو (اس کی خواہش کے مطابق دوں) تو اس سے میری خدائی میں کچھ بھی کمی نہیں ہوگی (ہاں اگر بفرض محال کمی ہو بھی تو) اسی قدر مثلاً تم میں کسی شخص کا دریا پر گزر ہو اور وہ اس میں سوئی ڈالکر پھر اسے نکالے (یعنی اگر بفرض محال کسی کمی کا تصور بھی کیا جائے تو وہ اسی قدر ہوگا جتنا کہ ایک سوئی پر پانی لگ جاتا ہے ورنہ حقیقت میں خدا کی خدائی میں کمی کے کسی بھی درجہ کا کیا سوال "وہ کتنا ہی دے اس کے ہاں ہرگز کمی نہیں ہوتی) اور اس کا سبب یہ ہے کہ میں بہت سخی ہوں۔ بہت دینے والا ہوں اور جو چاہتا ہوں کرتا ہوں (یعنی یہ تمام سخاوت اور کرم میرے ارادہ و اختیار کے ہی تحت ہے اس میں کسی بندے کے ارادے کو دخل نہیں ہے) میرا دینا صرف حکم کرنا ہے اور میرا عذاب صرف حکم دینا ہے (یعنی یہ سب چیزیں صرف میرے ایک حکم سے ہو جاتی ہیں میں ذرائع اور اسباب کا محتاج نہیں ہوں اور میں کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہوں تو اس کے لئے میرا صرف اتنا ہی حکم ہے کہ میں کہہ دیتا ہوں "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے۔" (احمدؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

شرک سے بچنے والے کو بخشش کی بشارت

(۲۸) وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَرَأَ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ قَالَ قَالَ رَبُّكُمْ اَنَا اَهْلٌ اَنْ اُتَّقٰى فَمَنِ اتَّقَانِي فَاَنَا اَهْلٌ اَنْ اَغْفِرَ لَهُ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ (وہی صاحب تقویٰ ہے اور صاحب بخشش ہے) پھر آپ ﷺ نے اس کی تفسیر کے سلسلہ میں فرمایا کہ تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ میری شان کا تقاضا یہ ہے کہ لوگ میرے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے پرہیز کریں لہٰذا جو شخص شرک سے بچتا ہے تو پھر میرے لائق یہی ہوتا ہے کہ میں اسے بخش دوں۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

مذکورہ بالا آیت کا مضمون اس آیت کے مضمون کی مانند ہے۔

تشریح: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اس (شرک) کے علاوہ (ہر گناہ) کو جس کے لئے چاہے معاف کر دیتا ہے۔

آنحضرت کا استغفار و توبہ

(۲۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنْ كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَجْلِسِ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِي وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ مِائَةَ مَرَّةٍ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم یہ شمار کرتے تھے کہ رسول کریم ﷺ ایک مجلس میں سو مرتبہ یہ کہا کرتے تھے: رَبِّ اغْفِرْلِي وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما بلاشبہ تو ہی بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔" (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

استغفار صدق دل سے کرو

(۳۰) وَعَنْ بِلَالِ بْنِ يَسَارِ بْنِ زَيْدٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِي اَبِي عَنْ جَدِّي اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَالَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ غُفِرَ لَهُ وَاِنْ كَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ لٰكِنَّهُ عِنْدَ اَبِيْ دَاوٗدَ هِلَالُ بْنُ يَسَارٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

"اور نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ کے پوتے حضرت بلال بن یسارؒ کہتے ہیں کہ میرے (والد حضرت یسارؒ) نے مجھ سے یہ

حدیث بیان کی جسے انہوں نے میرے دادا (حضرت زید) سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے (یعنی حضرت زید) رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص یہ کہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں وہ اللہ کہ نہیں معبود علاوہ اس کے جو زندہ ہے اور خبر گیری کرنے والا ہے۔ تو اس کی بخشش کی جاتی ہے اگرچہ وہ جہاد سے بھاگا ہوا ہو (جو ایک بہت بڑا گناہ ہے) اس روایت کو ترمذیؒ اور ابوداؤدؒ نے نقل کیا ہے لیکن ابوداؤدؒ کے نزدیک (بلال ابن یسار کی بجائے) ہلال بن یسار ہے، نیز امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: کوئی بھی دعا ہو، کوئی بھی ذکر ہو اور کوئی بھی عمل ہو وورد ہو جب تک نیت و مقصد کا اخلاص اور دل کی تڑپ و لگن زبان کی ہمنوانہ ہو، نہ اس دعا کا اثر ہوتا ہے نہ اس کا ذکر و عمل کا، اسی لئے علماء لکھتے ہیں کہ جب بھی استغفار پڑھا جائے تو صدق دل اور خلوص نیت کے ساتھ پڑھا جائے کیونکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ گناہ سے استغفار کرنے والا درانحالیکہ وہ اس گناہ پر قائم ہو اپنے پروردگار سے ٹھٹھول کرنے والا ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

اپنے مرحومین کے لئے استغفار کرو

(۳۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَیَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِی الْجَنَّةِ فَیَقُوْلُ یَا رَبِّ اَنّٰی لِیْ هٰذِهٖ فَیَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ (رواہ احمد)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ عزوجل جنت میں اپنے بندہ نیک بخت و صالح کا درجہ بلند کرتا ہے تو وہ پوچھتا ہے "میرے پروردگار! مجھے یہ درجہ کیسے حاصل ہوا؟" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تیرے لئے تیرے بیٹے کے استغفار کی وجہ سے" (احمد)

مردوں کے لئے بہترین ہدیہ استغفار

(۳۲) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا الْمَیِّتُ فِی الْقَبْرِ اِلَّا کَالْغَرِیْقِ الْمُتَغَوِّثِ یَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِیْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ کَانَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَیُدْخِلُ عَلٰی اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِیَّةَ الْاَحْیَاءِ اِلَی الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قبر میں مردہ کی حالت ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص ڈوب رہا ہو اور کسی کو پکار رہا ہو (کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر پانی سے باہر نکالے) چنانچہ وہ مردہ ہر وقت) اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ اس کے باپ کی طرف سے یا اس کی ماں کی طرف سے یا اس کے بھائی کی طرف سے یا اس کے دوست کی طرف سے اس کو دعا پہنچے پس جب اسے (کسی کی طرف سے دعا پہنچتی ہے تو یہ دعا کا پہنچنا اس کے لئے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے محبوب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کی طرف سے دعا کا ثواب پہاڑ کی مانند (یعنی بہت زیادہ ثواب اور رحمت و بخشش) پہنچاتا ہے اور زندوں کی طرف سے مردوں کے لئے بہترین ہدیہ استغفار ہے۔" (بیہقی)

استغفار کی فضیلت

(۳۳) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰی لِمَنْ وَجَدَ فِیْ صَحِیْفَتِهٖ اِسْتِغْفَارًا کَثِیْرًا

رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ فِي عَمَلِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن بسرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "خوش بختی ہے اس شخص کے لئے جس نے اپنے نامہ اعمال میں بہت استغفار کی (یعنی مقبول استغفار پایا) ابن ماجہ اور نسائیؒ نے اس روایت کو اپنی کتاب عمل یوم ولیلۃ میں نقل فرمایا ہے۔"

تشریح: استغفار کی فضیلت کے سلسلہ میں یہ حدیث بھی بڑی ہی خوش کن ہے جسے بزارؒ نے حضرت انسؓ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ جب اعمال لکھنے والے دونوں فرشتے ہر دن بندے کا اعمال نامہ اوپر لے جاتے ہیں۔

استغفار کی فضیلت کے سلسلہ میں ایک یہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے جسے بزارؒ نے حضرت انسؓ سے بطریق مرفوع روایت کیا ہے کہ اعمال لکھنے والے دونوں فرشتے جب بندے کا اعمال نامہ لیکر اوپر جاتے ہیں تو حق تعالیٰ اس اعمال نامہ کے اول و آخر میں استغفار دیکھ کر فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندے کے وہ تمام گناہ بخش دیئے۔ جو اس نامہ اعمال کے دونوں کناروں کے درمیان ہیں۔ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص صبح و شام استغفار کرتا ہے اسے یہ فضیلت و سعادت حاصل ہوتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ایک دعا

(۳۴) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاءُوْا اسْتَغْفَرُوْا رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ "اے اللہ" مجھے ان لوگوں میں سے بنا جو نیکی کریں تو خوش ہوں۔ اور برائی کریں تو استغفار کریں۔" (ابن ماجہ، بیہقی)

اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے

(۳۵) وَعَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ حَدِيْثَيْنِ اَحَدُهُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ عَنْ نَفْسِهِ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوْبَهُ كَاَنَّهُ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ اَنْ يَّقَعَ عَلَيْهِ وَاِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوْبَهُ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلَى اَنْفِهِ فَقَالَ بِهِ هٰكَذَا اَيْ بِيَدِهِ فَذَبَّهُ عَنْهُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَلّٰهُ اَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ فِي اَرْضٍ دَوِيَّةٍ مُهْلِكَةٍ مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَوَضَعَ رَاْسَهُ فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهُ فَطَلَبَهَا حَتّٰى اِذَا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَرُّ وَالْعَطَشُ وَمَاشَاءَ اللّٰهُ قَالَ اَرْجِعُ اِلٰى مَكَانِيَ الَّذِي كُنْتُ فِيْهِ فَاَنَامُ حَتّٰى اَمُوْتَ فَوَضَعَ رَاْسَهُ عَلٰى سَاعِدِهِ لِيَمُوْتَ فَاسْتَيْقَظَ فَاِذَا رَاحِلَتُهُ عِنْدَهُ عَلَيْهَا زَادُهُ وَشَرَابُهُ فَاللّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هٰذَا بِرَاحِلَتِهِ وَزَادِهِ رَوَى مُسْلِمٌ الْمَرْفُوْعَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ فَحَسْبُ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ الْمَوْقُوْفَ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَيْضًا۔

"اور حضرت حارث ابن سویدؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے مجھ سے دو حدیثیں بیان کیں ایک تو انہوں نے رسول کریم ﷺ سے نقل کی اور دوسری اپنی طرف سے بیان کی چنانچہ انہوں نے فرمایا "مؤمن اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے وہ ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو اور خوفزدہ ہو کہ پہاڑ اس کے اوپر نہ گر پڑے اور فاجر اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے اس مکھی کو جو اس کی ناک پر اڑے اور وہ اس کی طرف اس طرح یعنی اپنے ہاتھ سے اشارہ کرے اور اسے اڑا دے (حاصل یہ کہ مؤمن گناہ سے بہت ڈرتا ہے اور اسے اس بات کا خوف رہتا ہے کہ کہیں میں اس گناہ کی پاداش میں پکڑا نہ جاؤں اس لئے اس کی نظر میں چھوٹے سے چھوٹے گناہ بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں لیکن فاجر اپنے گناہوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اس کی نظر میں بڑے سے بڑے گناہ کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہوتی) پھر حضرت

عبد اللہ نے (آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے (جو اپنے سفر کے دوران) کسی ایسے ہولناک میدان میں اترے جہاں سبزہ و درخت کا نام و نشان تک نہ ہو اور اس کے ساتھ جو سواری ہو اس پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہو پھر (وہ استراحت کے لئے) وہیں زمین پر سر رکھ کر ایک نیند سو گیا ہو اور جب جاگنے کے بعد اسے معلوم ہو کہ سامان سے لدی ہوئی اس کی سواری گم ہو گئی ہے تو وہ اس کی تلاش میں مصروف ہو گیا ہو یہاں تک کہ گرمی کی تپش اور پیاس کی شدت اور گرمی اور پیاس کے علاوہ دوسری تکلیف اور پریشانی کی) ان چیزوں نے جو اللہ کو منظور تھیں اس پر غلبہ پالیا ہو تو اس نے یہ کہا ہو کہ میں اپنی جگہ لوٹ چلوں جہاں میں (سر رکھ کر سویا تھا) وہیں سو جاؤں تا کہ نیند کی حالت میں میرا خاتمہ ہو جائے چنانچہ وہ اپنے بازو پر سر رکھ کر موت کی انتظار میں سو رہا ہو کہ اس کی آنکھ کھل جائے اور اچانک وہ دیکھے کہ اس کی سواری اس کے سامنے موجود ہو جس پر اس کے کھانے پینے کا سامان موجود تھا پس اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندہ کی توبہ کی وجہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو اپنی سواری اور اپنے کھانے پینے کا سامان پا کر خوش ہوتا ہے۔ مسلمؒ نے ان دونوں روایتوں میں سے صرف اس روایت کو نقل کیا ہے جسے ابن مسعودؓ نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے (یعنی جس میں مؤمن بندہ کی توبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے بہت خوش ہونے کا بیان ہے) اور اس روایت کو نقل نہیں کیا ہے جسے ابن مسعودؓ نے اپنی طرف سے بیان کیا ہے اور جس میں گناہ کے بارے میں مؤمن اور فاجر کے فرق کو بیان کیا گیا ہے) اور بخاریؒ نے اس روایت کو بھی نقل کیا ہے جسے ابن مسعودؓ نے اپنی طرف سے بیان کیا ہے۔ حاصل یہ کہ حدیث مرفوع کو تو بخاریؒ و مسلمؒ دونوں نے نقل کیا ہے لیکن حدیث موقوف کو صرف بخاریؒ نے نقل کیا ہے۔"

تشریح: پہلی فصل میں بھی اس قسم کی حدیث گزر چکی ہے وہاں بھی بتایا گیا ہے کہ بندہ کی توبہ سے اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ خوش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ سے راضی ہوتا ہے اور اس کی توبہ قبول کرتا ہے گویا اس حدیث سے اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ۔

"اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔"

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بہت بڑے عالم باعمل حضرت استاد ابی اسحٰق اسفرائنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے اللہ سبحانہ تعالیٰ سے مسلسل تیس برس تک یہ دعا کی کہ مجھے توبہ نصوح کی سعادت سے بہرہ مند فرمائے لیکن میری دعا قبول نہیں ہوئی میں نے اپنے دل میں بہت تعجب کیا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کتنی پاک اور مستغنی ہے کہ میں نے تیس برس تک اپنی ایک خواہش کی تکمیل کی دعا کی لیکن وہ بارگاہ الوہیت میں قبولیت سے نوازی نہیں گئی، کہ جب ہی میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے۔ "تمہیں اس بات پر تعجب ہے کیا تم یہ بھی جانتے ہو کہ تم مانگ کیا رہے ہو؟ تمہاری دعا کا حقیقی منشاء تو یہی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوست اور محبوب نہ رکھے؟ تو کیا تم نے اللہ تعالیٰ کی یہ بشارت نہیں سنی کہ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ لہٰذا اس خواہش کی تکمیل نہ صرف یہ کہ بہت ہی آسان ہے بلکہ اس کی بشارت بھی دی جا چکی ہے۔

(۳۶) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ۔

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس بندہ مؤمن کو بہت دوست رکھتا ہے جو گناہ میں مبتلا ہوتا ہے اور بہت زیادہ توبہ کرتا ہے۔"

تشریح: یہ منشاء نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اسے دوست رکھتا ہے، جی نہیں بلکہ گناہوں پر نادم و شرمندہ ہونے سے اور توبہ کرنے کی وجہ سے دوست رکھتا ہے۔

آیت لا تقنطوا من رحمۃ اللہ کی فضیلت

(۳۷) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِیَ الدُّنْیَا بِھٰذِہِ الْاٰیَۃِ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا الْاٰیَۃَ فَقَالَ رَجُلٌ فَمَنْ اَشْرَكَ فَسَكَتَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اَلَا وَمَنْ اَشْرَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔

"اور حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے "میں اس آیت یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا الْاٰیَۃ کے مقابلہ میں اپنے لئے تمام دنیا کا حصول بھی پسند نہیں کرتا" ایک شخص نے پوچھا کہ جس شخص نے شرک کیا (کیا وہ بھی اس آیت کی بشارت کا مستحق ہے؟) نبی کریم ﷺ نے (کچھ دیر) خاموشی اختیار فرمائی (تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آنے کے بعد یا پھر غور و فکر کر کے جواب دیں) پھر (وحی آنے کے بعد یا خود اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے) آپ ﷺ نے فرمایا "جان لو! جس شخص نے شرک کیا (اور اپنی زندگی ہی میں اس سے توبہ کر لی اور پھر اس کی توبہ قبول بھی ہوئی تو وہ بھی اس آیت کی بشارت کا مستحق ہے) یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائی۔"

تشریح: آپ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ تھا کہ اگر اس آیت کریمہ کے مقابلہ میں مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں بھی دے دی جائیں اور میں دنیا کی ان تمام چیزوں کو خدا کی راہ میں صدقہ کر دوں اور جن چیزوں سے لذت حاصل کی جا سکتی ہے ان سے لذت حاصل کروں تو بھی میں اسے پسند نہیں کروں گا کیونکہ اس آیت کریمہ میں گناہوں سے مغفرت و بخشش کی سب سے عظیم سعادت کی بشارت دی گئی ہے جو ایک دنیا نہیں بلکہ اس جیسی سینکڑوں دنیا کے مقابلے میں کہیں زیادہ گراں قدر ہے۔ پوری آیت کریمہ یہ ہے:

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

"اے میرے وہ بندو جنہوں نے (گناہوں کے ذریعہ) اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے نا امید و مایوس نہ ہو بلاشک اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔"

اسی مضمون کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان اشعار کے ذریعہ ادا کیا ہے ؂

اَیَا صَاحِبَ الذَّنْبِ لَا تَقْنَطَنْ فَاِنَّ الْاِلٰہَ رَءُوْفٌ رَؤُفٌ

"اے گنہ گار شخص نا امید اور مایوس مت ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مہربان ہے بڑا ہی مہربان۔"

وَلَا تَرْحَلَنَّ بِلَا عِدَّۃٍ فَاِنَّ الطَّرِیْقَ مَخُوْفٌ مَخُوْفٌ

"بغیر زاد راہ کے کوچ نہ کر۔ کیونکہ راستہ بڑا وحشتناک ہے بڑا ہی وحشتناک۔"

اور پھر ایک شاعر نے اسی بات کو یوں کہا ہے ؂

غافل مرو کہ مرکب مردان مردرا در سنگ لاخ باد یہ پیپا بریدہ اند
نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

شرک، خدا کی رحمت اور بندہ کے درمیان پردہ ہے

(۳۸) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیَغْفِرُ لِعَبْدِہٖ مَالَمْ یَقَعِ الْحِجَابُ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا الْحِجَابُ قَالَ اَنْ تَمُوْتَ النَّفْسُ وَھِیَ مُشْرِكَۃٌ۔ رَوَی الْاَحَادِیْثَ الثَّلَاثَۃَ اَحْمَدُ وَرَوَی الْبَیْھَقِیُّ

الْاٰخِيْرَ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ۔

"اور حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندے (گناہوں میں سے جنہیں چاہتا ہے ان) کو بخشتا ہے جب تک بندہ اور رحمت حق کے درمیان پردہ حائل نہ ہو، صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! پردہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا" یہ کہ آدمی شرک کرتا ہو (یعنی مشرک مرے) مذکورہ بالا تینوں روایتیں امام احمدؒ نے نقل کی ہیں۔ نیز یہ آخری روایت "کتاب البعث والنشور"۔ میں نقل کی ہے۔"

بارگاہ حق میں شرک کے علاوہ ہر گناہ قابل عفو ہے

(۳۹) وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يَعْدِلُ بِهٖ شَيْئًا فِي الدُّنْيَا ثُمَّ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ جِبَالٍ ذُنُوْبٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ۔

"اور حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص خدا سے اس حال میں ملاقات کرے (یعنی اس حال میں مرے) کہ وہ دنیا میں خدا کی مانند کسی کو نہ مانتا ہو (یعنی شرک میں مبتلا نہ ہو) تو اگر مرنے کے بعد) اس کے اوپر پہاڑ کی مانند بھی گناہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ (اگر چاہے گا تو) اس (کے ان سب گناہوں کو بخش دے گا۔" (بیہقی)

توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کی مانند ہے

(۴۰) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ تَفَرَّدَ بِهِ النَّهْرَانِيُّ وَهُوَ مَجْهُوْلٌ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ رَوَاهُ عَنْهُ مَوْقُوْفًا قَالَ النَّدَمُ تَوْبَةٌ وَالتَّائِبُ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "گناہوں سے (صحیح اور پختہ) توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔ (بیہقیؒ) بیہقیؒ نے کہا ہے کہ اس روایت کو صرف نہروانی نے نقل کیا ہے سو وہ مجہول ہیں، نیز بغویؒ نے شرح السنۃ میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی یہ روایت موقوف نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا (گناہوں پر شرمندگی اور) پشیمانی کا مطلب توبہ ہے اور توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔"

تشریح: یہ بات جان لینی چاہئے کہ جب کوئی گنہ گار شخص صدق دل کے ساتھ اپنے گناہ پر شرمندہ و نادم ہوتا ہے اور شرائط معتبرہ کے ساتھ توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ قبول ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا کیونکہ خود حق تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ: وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ اور (اللہ) ایسا ہے جو اپنے بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے۔

اور "استغفار" جو توبہ کے بغیر ہو اور جس کا تعلق خدا کے سامنے اپنے عجز و انکساری اور کسر نفسی کے اظہار سے ہو کبھی تو گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور کبھی نہیں مٹاتا لیکن اس پر ثواب بہر صورت ملتا ہے گویا اس کا انحصار مشیت ایزدی پر ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے استغفار کے ذریعہ گناہ کو دور کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے دور نہیں کرتا لیکن ثواب دونوں صورتوں میں دیتا ہے۔

بَابٌ

رحمت باری تعالیٰ کی وسعت کا بیان

مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں اس موقع پر صرف باب لکھا ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس باب میں ان احادیث کو ذکر کیا گیا ہے جن

کا تعلق گزشتہ الواب سے ہے اور بعض نسخوں میں یہاں یہ عنوان قائم کیا گیا ہے بَابٌ فِی سِعَۃِ رَحْمَۃِ یعنی رحمت باری تعالیٰ کی وسعت کا بیان۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے

① عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَضَی اللّٰہُ الْخَلْقَ کَتَبَ کِتَابًا فَھُوَ عِنْدَہٗ فَوْقَ عَرْشِہٖ اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ غَلَبَتْ غَضَبِیْ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے (جب میثاق) کے دن مخلوقات کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا (یا یہ کہ جب مخلوقات کو پیدا کرنا شروع کیا) تو ایک کتاب لکھی (یعنی فرشتوں کو وہ کتاب لکھنے کا حکم دیا یا قلم کو لکھنے کا حکم فرمایا) وہ کتاب حق تعالیٰ کے پاس عرش کے اوپر ہے اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ "بلاشبہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے" ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: جس کتاب میں حق تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت عظمیٰ لکھی ہوئی ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس کتاب کی عظمت و بزرگ قدری کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کتاب کی اس عظم و بزرگ قدری کے پیش نظر حق تعالیٰ نے اس کو اپنے پاس عرش کے اوپر رکھا ہے۔

رحمت خداوندی کی سبقت اور اس کے غالب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، اس کی بخشش و کرم اور اس کی نعمتوں کی نشانیاں اور اس کے مظاہرے غالب ہیں کہ وہ تمام مخلوقات کو گھیرے ہوئے ہیں اور بے انتہا ہیں اس کے مقابلہ میں اس کے غضب کی نشانیاں اور اس کے مظاہر کم ہیں جیسا کہ خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا۔

"اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔"

نیز فرمایا:

عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ۔

"عذاب میں تو میں جسے چاہتا ہوں اسے ہی مبتلا کرتا ہوں مگر میری رحمت ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے۔"

حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت کا دائرہ اور اس کی نعمتوں کا سلسلہ اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ کائنات کا کوئی فرد اس سے باہر نہیں ہے اور اس دنیاوی زندگی کا ایک ایک لمحہ کسی نہ کسی شکل میں رحمت خداوندی ہی کا مرہون منت ہوتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں بندوں کی طرف سے خدائے رحیم و کریم کی نعمتوں اور رحمتوں کے شکر کی ادائیگی میں جتنی کوتاہی اور قصور ہوتا ہے اس کی بھی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلْمِھِمْ مَا تَرَکَ عَلٰی ظَھْرِھَا مِنْ دَآبَّۃٍ۔

"اور اگر اللہ تعالیٰ ان کے ظلم کے سبب ان سے مواخذہ کرنے لگے تو (اس کے نتیجہ میں) ایک بھی جاندار روئے زمین پر نہ چھوڑے۔"

چنانچہ یہ بھی حق تعالیٰ کی رحمت کا ہی ظہور ہے کہ بندوں کی تمام کوتاہیوں اور خطاؤں کے باوجود اس دنیا میں ان کو باقی رکھتا ہے ان کو

روزی دیتا ہے، ان پر اپنی نعمتوں کی بارش کرتا ہے اور اس دنیا میں ان کو عذاب و مواخذہ میں مبتلا نہیں کرتا یہ تو اس دنیا کا معاملہ ہے کہ یہاں حق تعالیٰ کی رحمت کا ظہور کس کس طرح اور کن کن صورتوں میں سامنے آتا ہے لیکن آخرت میں رحمت کا ظہور تو اس دنیا کے ظہور سے کہیں زیادہ ہوگا جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہوگا۔

رحمت خداوندی کی وسعت

④ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ اَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَیْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالْبَهَائِمِ وَالْهَوَامِّ فَبِهَا یَتَعَاطَفُوْنَ وَبِهَا یَتَرَاحَمُوْنَ وَبِهَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلٰی وَلَدِهَا وَاَخَّرَ اللّٰهُ تِسْعًا وَتِسْعِیْنَ رَحْمَةً یَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ سَلْمَانَ نَحْوَهٗ وَفِیْ اٰخِرِهٖ قَالَ وَاِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ اَکْمَلَهَا بِهٰذِهِ الرَّحْمَةِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے پاس سو رحمتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک رحمت تو جنات، انسان، چوپایوں اور زہریلے جانوروں میں اتاری ہے چنانچہ اسی ایک رحمت کے سبب وہ آپس میں میل ملاپ رکھتے ہیں اور اسی کے سبب وہ آپس میں رحم کرتے ہیں اور اسی کے سبب وحشی جانور اپنے بچوں سے الفت رکھتا ہے اور ننانوے رحمتیں اللہ تعالیٰ نے رکھ چھوڑی ہیں جن کے ذریعہ وہ قیامت کے دن اپنے (مؤمن) بندوں پر رحم کرے گا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلمؒ نے ایک روایت حضرت سلمانؓ سے اسی کے مانند نقل کی ہے۔ اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا پس جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان ننانوے رحمتوں کو اس رحمت کے ساتھ (جو دنیا میں اتاری گئی ہے) "پورا فرما دے گا"۔"

تشریح: مسلمؒ کی اس دوسری روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قیامت کے دن وہ ایک رحمت بھی بندوں کے شامل حال رہے گی۔ جو دنیا میں اتاری گئی ہے اس طرح ایک رحمت تو یہ دنیا والی اور ننانوے رحمتیں وہ جو قیامت کے دن کے لئے حق تعالیٰ نے مخصوص کر رکھی ہیں یہ سب مل کر پوری سو ہو جائیں گی۔

بندہ کو بین الخوف والرجا رہنا چاہئے

③ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ یَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْعُقُوْبَةِ مَا طَمِعَ بِجَنَّتِهٖ اَحَدٌ وَلَوْ یَعْلَمُ الْکَافِرُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِهٖ اَحَدٌ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کہ اگر مؤمن یہ جان لے کہ خدا کے ہاں کس قدر عذاب ہے تو پھر کوئی شخص اس کی جنت کی امید بھی نہ رکھے (یعنی عذاب کی فراوانی اسے جنت سے مایوس کر دے) اور اگر کافر یہ جان لے کہ اللہ کی رحمت کس قدر ہے تو پھر کوئی اس کی جنت سے نا امید نہ ہو۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: اس حدیث کا منشاء در حقیقت اللہ کی رحمت اور اس کے عذاب کی کثرت کو ظاہر کرنا ہے تاکہ مؤمن تو اس کی رحمت پہ اعتماد کر کے نہ بیٹھ جائے اور اس کے عذاب سے بالکل بے خوف و نڈر نہ ہو جائے اور کافر اس کی رحمت سے نا امیدی نہ اختیار کر لے اور توبہ کرنا نہ چھوڑے۔

اور حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ بندہ کو چاہئے کہ وہ بین الخوف والرجاء (خوف اور امید کے درمیان) رہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت پر امید بھی رکھے اور اس کے عذاب سے بھی ڈرتا رہے، چنانچہ حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا "اگر قیامت کے دن یہ اعلان کیا جائے گا کہ ایک شخص جنت میں داخل ہوگا تو میں امید رکھوں گا کہ وہ شخص میں ہوں اور اسی طرح اگر یہ اعلان کیا جائے

کہ ایک شخص دوزخ میں داخل کیا جائے گا تو میں گمان رکھوں گا کہ وہ شخص میں ہی ہوں"۔

جنّت و دوزخ ہر شخص کے بالکل قریب ہی ہے

(۴) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَنَّةُ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جنت تم میں سے ہر شخص کے جوتے کے تسمے کے برابر اس کے قریب ہے اور دوزخ بھی اسی طرح ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: حاصل یہ کہ انسان اور جنت و دوزخ کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے لہٰذا ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی زندگی کو اچھے کام اور نیک اعمال سے آراستہ کرے وہ جنّت کا امیدوار رہے نیز برے کاموں سے اجتناب کرے اور دوزخ سے ڈرتا رہے۔

اللہ تعالیٰ کی نکتہ نوازی

(۵) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَجُلٌ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ لِاَهْلِهٖ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَسْرَفَ رَجُلٌ عَلٰى نَفْسِهٖ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ اَوْصٰى بَنِيْهِ اِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْهُ ثُمَّ اذْرُوْا نِصْفَهٗ فِي الْبَرِّ وَنِصْفَهٗ فِي الْبَحْرِ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهٗ اَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوْا مَا اَمَرَهُمْ فَاَمَرَ اللّٰهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ وَاَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ ثُمَّ قَالَ لَهٗ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ وَاَنْتَ اَعْلَمُ فَغَفَرَ لَهٗ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ایک شخص تھا جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس پر زیادتی کی تھی یعنی بہت ہی زیادہ گناہ کئے تھے، جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب وہ (یعنی خود مر جائے تو اس کو یعنی مجھے) جلا کر آدھی راکھ تو جنگل میں اڑا دینا اور آدھی راکھ دریا میں بہا دینا کیونکہ قسم ہے خدا کی! اگر اللہ تعالیٰ نے اس سے مواخذہ کر لیا اور حساب میں سختی کی تو وہ اس کو ایسا عذاب دے گا کہ آج تک عالم کے لوگوں میں سے کسی کو نہ دیا ہوگا، چنانچہ جب وہ شخص مر گیا تو اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا (کہ اس کو جلا کر آدھی راکھ تو جنگل میں اڑا دی اور آدھی کو دریا میں بہا دیا) اللہ تعالیٰ نے دریا کو، (اس کی راکھ جمع کرنے کا حکم دیا) اور اس نے وہ راکھ جو اس کے اندر تھی جمع کی اور جنگل کو حکم دیا اور اس نے بھی جو راکھ اس کے اندر تھی جمع کی) جب دریا اور جنگل نے اس کے اجزاء جمع کر لئے تو اس شخص کو ان اجزاء سے استوار کر کے حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا، حق تعالیٰ نے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ پروردگار! تیرے خوف سے تو حقیقت و حال کو خوب جانتا ہے" اللہ تعالیٰ نے یہ سن کر اسے بخش دیا"۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: وہ شخص یہ سمجھا تھا کہ عذاب صرف اسی کو ہوتا ہے جو دفن کیا جاتا ہے چنانچہ اپنی بد عمل زندگی اور گناہوں کی زیادتی کو دیکھتے ہوئے اس نے انتہائی خوف و ڈر کی وجہ سے یہ وصیت کر دی کہ مجھے جلا کر میری راکھ کو بکھیر کر اڑا دینا، اللہ تعالیٰ بڑا ہی نکتہ نواز ہے۔ اس کو بس یہی بات پسند آگئی اس لئے اس نے بخش دیا۔

لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ کے ایک معنی تو وہی ہیں جو ترجمہ میں بیان کئے گئے ہیں یعنی "اگر اللہ تعالیٰ نے اس سے مواخذہ کر لیا اور حساب میں سختی کی" اس صورت میں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر یہ کہا جائے کہ اس شخص کی مراد اس کے لفظی معنی ہی تھے یعنی اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قادر ہو گیا۔" تو پھر یہ اشکال پیدا ہوگا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک و شبہ کا اظہار کیا جو ظاہر ہے کہ بالکل کفر ہے"۔

اس اشکال کے علماء نے کئی جواب دیئے ہیں ان ہی میں سے ایک جواب یہ ہے کہ "زمانہ فترت" کی بات ہے اس وقت چونکہ کوئی نبی

نہیں تھا اور ایسے میں صرف توحید پر ایمان و اعتقاد ہی نجات کے لئے کافی تھا۔ اس لئے اس قسم کے شک و شبہ کے اظہار سے نہ کفر لازم آتا ہے نہ اس سے ابدی نجات پر کوئی اثر پڑتا تھا۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس شخص نے یہ بات دہشت و خوف کے غلبہ کی بنا پر کہہ دی اور ایسی صورت میں انسان مجنون اور مغلوب العقل کے حکم میں ہوتا ہے اور وہ ماخوذ قرار نہیں دیا جاسکتا جیسا کہ گزشتہ باب ہی کی ایک حدیث میں اس شخص کے بارہ میں نقل کیا گیا ہے جسے اپنی گمشدہ سواری مل گئی اور خوشی و مسرت کے غلبہ اور زیادتی کی وجہ سے اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے تھے انت عبدی و انا ربک (تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں)۔

رحمت الٰہی کی وسعت

(۶) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْيٌ فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ قَدْ تَحَلَّبَ ثَدْيُهَا تَسْعٰى إِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ أَخَذَتْهُ فَأَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَأَرْضَعَتْهُ فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُرَوْنَ هٰذِهِ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ فَقُلْنَا لَا وَهِيَ تَقْدِرُ عَلٰى أَنْ لَا تَطْرَحَهُ فَقَالَ لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا (متفق علیہ)

"اور حضرت عمر بن خطابؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے جن میں ایک عورت بھی تھی (اور دودھ کی کثرت کی وجہ سے) اس کی چھاتیاں بہہ رہی تھیں (کیونکہ اس کا بچہ نہیں تھا جو اس کا دودھ پیتا) وہ اپنا دودھ پلانے کی خاطر کسی بچہ کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑتی تھی چنانچہ جب وہ قیدیوں میں سے کسی بچہ کو پالیتی تو (اپنے بچہ کی محبت میں) اسے لے کر اپنے پیٹ سے لگاتی اسے دودھ پلانے لگتی (یہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ "کیا تمہارے خیال میں یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈالے گی؟ (یعنی جب یہ غیر کے بچے کے ساتھ اتنی محبت کرتی ہے تو کیا اس بات کا خیال کیا جاسکتا ہے کہ یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے کہا ہرگز نہیں ڈالے گی۔ بشرطیکہ وہ ڈالنے پر قدرت رکھتی ہو۔" آپ ﷺ نے فرمایا یہ عورت اپنے بچے پر جتنا رحم و پیار کرتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے (مؤمن) بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم و پیار کرتا ہے"۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

میانہ روی اختیار کرنے کا حکم

(۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يُنْجِيَ أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ قَالُوْا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهِ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاغْدُوْا وَرُوْحُوْا وَشَيْءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوْا (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کا عمل اسے (آگ سے) نجات نہیں دے گا (یعنی صرف عمل ہی نافع نہیں ہوگا بلکہ جب حق تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت بھی شامل حال ہوگی تب ہی عمل بھی فائدہ دے گا) صحابہؓ نے عرض کیا "کہ کیا آپ (ﷺ) کو بھی (آپ ﷺ کا عمل باوجود کامل ہونے کے نجات نہیں دلائے گا) آپ ﷺ نے فرمایا نہیں "مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے، لہٰذا تم لوگ اپنے اعمال کو تیر کی طرح راست و درست کرو، عمل میں میانہ روی اختیار کرو (یعنی کسی عمل کو کمی و زیادتی کے ساتھ نہ کرو) دن کے ابتدائی حصہ میں بھی عبادت کرو دن کے آخری حصہ میں عبادت کرو اور رات میں بھی کچھ عبادت کرو (یعنی نماز تہجد پڑھو) اور عبادت میں میانہ روی اختیار کرو، میانہ روی اختیار کرو، اپنی منزل کو پالو گے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

رحمت الٰہی کے بغیر صرف عمل جنت، کی سعادت کا ضامن نہیں

(۸) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُدْخِلُ أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا يُجِيْرُهُ مِنَ النَّارِ وَلَا

اَنَا اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کا عمل نہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور نہ اسے دوزخ سے بچائے گا اور نہ مجھے میرا عمل جنت میں داخل کرے گا ہاں وہ جو اللہ کی رحمت کے ساتھ ہو۔" (مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ "ہاں جو اللہ کی رحمت کے ساتھ ہو" کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں داخل ہونے اور دوزخ سے نجات کی سعادت کا باعث وہ عمل ہوگا جس کے ساتھ باری تعالیٰ کی رحمت بھی شامل ہو لہٰذا جنت میں داخل ہونا تو صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور اس کی رحمت ہی کی بنا پر ہوگا البتہ جنت میں جو درجات ملیں گے وہ اعمال کے مطابق ملیں گے یعنی جس کا عمل جس درجہ کا ہوگا اسے وہی درجہ ملے گا۔

جزاء اور سزا میں رحمت الٰہی کا ظہور

⑨ وَعَنْ اَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ اِسْلَامُهُ يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا وَكَانَ بَعْدُ الْقِصَاصُ اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ اِلٰى اَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا اِلَّا اَنْ يَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب کوئی بندہ اسلام قبول کرتا ہے اور اس کا اسلام اچھا ہوتا ہے (یعنی نفاق سے پاک صاف ہوتا ہے) کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے وہ تمام گناہ دور کر دیتا ہے جو اس نے قبول اسلام سے پہلے کئے تھے اور اس کے بعد اسے بدلہ ملتا ہے جس کا حساب یہ ہے کہ) ایک نیکی کے بدلہ میں دس سے لے کر سات سو تک نیکیاں لکھی جاتی ہیں (یعنی اسلام لانے کے بعد وہ بھی جو عمل کرتا ہے) بلکہ سات سو سے بھی زیادہ اور برائی کا بدلہ اسی کے مانند ملتا ہے یعنی جتنی برائی کرتا ہے وہ اتنی ہی لکھی جاتی ہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی درگزر کرتا ہے۔" (بخاری)

تشریح: یہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہے اور اس کے فضل و کرم کا اثر ہے کہ وہ ایک نیکی پر دس گنا سے سات سو گنا تک جزاء سے نوازا جاتا ہے بلکہ جس کو چاہتا ہے اس کی مشقت و ریاضت اور صدق و اخلاص کے موافق اس سے بھی زیادہ جزاء سے بہرہ مند فرماتا ہے۔ مگر بدی کی سزا اس بدی کے بقدر دیتا ہے چنانچہ جو جتنی برائی کرتا ہے اسے صرف اتنی ہی سزا ملتی ہے بلکہ جس کو چاہتا ہے اس کی اس برائی کو معاف کر دیتا ہے

اور اسے اتنی سزا سے بھی بچا لیتا ہے۔

⑩ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً فَاِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ اِلٰى اَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً فَاِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھی (یعنی فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ لوح محفوظ میں نیکیوں اور برائیوں کے بارہ میں یہ تفصیل لکھ دیں کہ) جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور وہ اس پر عمل نہ کر سکے (یعنی ارادہ کے باوجود وہ کسی عذر کی بنا پر اس نیکی کو کرنے پر قادر نہ ہو سکے) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے ہاں (اس ارادہ ہی) کو ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے اور جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور پھر اس نیکی کو کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے ہاں دس گنا سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں لکھ لیتا ہے (یعنی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے اللہ چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے بحسب اخلاص اور ادائیگی شرائط و آداب اس

سے بھی زیادہ ثواب لکھتا ہے) اور جو شخص کسی برائی کا ارادہ کرے اور پھر (خدا کے خوف کی وجہ سے) اس برائی میں بھی مبتلا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے ہاں ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے اور جس شخص نے کسی برائی کا ارادہ کیا تو پھر اس برائی میں مبتلا بھی ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک ہی برائی لکھتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: "نیکیوں" سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو کرنے سے ثواب ملتا ہے اور "برائیوں" سے مراد وہ اعمال ہیں جن کو کرنے سے عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔

جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور وہ نیکی کسی وجہ سے نہ کر سکے تو اس کے لئے بھی ایک نیکی اس لئے لکھی جاتی ہے کہ کسی بھی عمل کا ثواب نیت پر موقوف ہے اور مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر اور افضل ہوتی ہے بلکہ یوں کہئے کہ اصل تو نیت ہی ہے عمل کا درجہ اس کے بعد ہے کیونکہ عمل کے بغیر صرف نیت پر تو ثواب دیا جاتا ہے مگر نیت کے بغیر صرف عمل پر ثواب نہیں دیا جاتا۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہوتا ہے کہ بغیر عمل کے نیت پر جو ثواب ملتا ہے وہ مضاعف نہیں ہوتا۔

نیکی پر ثواب کے مضاعف ہونے کی مقدار کو سات سو تک بیان کیا جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ ثواب میں کتنا اضافہ کرتا ہے اس کی آخری حد اور مقدار کسی کو معلوم نہیں ہے کیونکہ سات سو کے بعد مقدار کو اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف رغبت دلانے کے لئے اس کو متعین کر کے ذکر کرنے کی بجائے مبہم ذکر کرنا زیادہ موثر ہوتا ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

برائیوں سے تائب ہو کر نیکیاں کرنے والے کی مثال

(۱۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مَثَلَ الَّذِيْ يَعْمَلُ السَّيِّئَاتِ ثُمَّ يَعْمَلُ الْحَسَنَاتِ كَمَثَلِ رَجُلٍ كَانَتْ عَلَيْهِ دِرْعٌ ضَيِّقَةٌ قَدْ خَنَقَتْهُ ثُمَّ عَمِلَ حَسَنَةً فَانْفَكَّتْ حَلْقَةٌ ثُمَّ عَمِلَ اُخْرٰى فَانْفَكَّتْ اُخْرٰى حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَى الْاَرْضِ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص برائیاں کرتا ہو اور پھر نیکیاں کرنے لگے اس کی حالت اس شخص کی سی ہے جس کے جسم پر تنگ زرہ ہو اور اس زرہ کے حلقوں نے اس (کے جسم) کو بھینچ رکھا ہو۔ پھر وہ نیکی کرے اور اس کی زرہ کا ایک حلقہ کھل جائے پھر وہ دوسری نیکی کرے اور دوسرا حلقہ کھل جائے۔ یہاں تک کہ (اسی طرح) اس کے حلقے کھلتے رہیں اور وہ ڈھیلی ہو کر زمین پر گر پڑے۔" (شرح السنۃ)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ برائی کرنے سے سینہ تنگ و تاریک ہو جاتا ہے اور برائی کرنے والا نہ صرف یہ کہ اپنے تمام امور میں ضمیر کی صحیح رہنمائی سے محروم ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کی تمام فکری اور عملی راہوں پر یقین و اعتماد اور سکون و استقلال کے نور کی بجائے تحیر و گھبراہٹ اور اضطراب و عدم استقلال کے تاریک سایہ ہوتے ہیں بلکہ وہ لوگوں کی نظروں میں بے وقعت اور کمتر ہو جاتا ہے اور تمام ہی نیکی پسند انسان اسے غصہ اور حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں اس کے برعکس نیکی کرنے سے سینہ کشادہ اور فراغ ہوتا ہے اور نیکی کرنے والا اپنے ہر کام میں آسانی و سہولت اور یقین و اعتماد کے سکون آمیز اثرات محسوس کرتا ہے نیز یہ کہ وہ لوگوں کی نظر میں محبوب و پسندیدہ اور باوقعت رہتا ہے۔

حدیث بالا میں اسی بات کو تنگ زرہ سے مشابہت دی گئی ہے کہ تنگ زرہ پہننے سے جسم تنگی اور بے چینی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کا

زرہ کا بدن پر سے کھلنا فراخی اور خوش دلی کا باعث ہوتا ہے۔

قیامت کے دن خدا سے ڈرنے والے کے لئے بشارت

(۱۲) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُصُّ عَلَی الْمِنْبَرِ وَھُوَ یَقُوْلُ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ الثَّانِیَۃَ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ فَقُلْتُ الثَّانِیَۃَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ الثَّالِثَۃَ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ فَقُلْتُ الثَّالِثَۃَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِی الدَّرْدَاءِ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر وعظ و نصیحت فرماتے ہوئے سنا چنانچہ (ابودرداء کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے یہ فرمایا وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ یعنی) اور جو شخص (قیامت کے دن حساب کے لئے) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔" میں نے (یہ سن کر از راہ تعجب) پوچھا کہ "یارسول اللہ اس (ڈرنے والے) نے زنا ہی کیا ہو اور چاہے اس نے چوری ہی کی ہو" (تب بھی اسے دو جنتیں ملیں گی؟) آنحضرت ﷺ نے پھر دوسری مرتبہ یہی فرمایا وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ میں نے پھر دوسری مرتبہ پوچھا یارسول اللہ! چاہے اس نے زنا ہی کیا ہو اور چاہے اس نے چوری کی ہو؟ آپ ﷺ نے پھر تیسری مرتبہ فرمایا وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ میں نے پھر تیسری مرتبہ پوچھا کہ "یارسول اللہ! چاہے اس نے زنا ہی کیا ہو اور چاہے اس نے چوری ہی کی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اگرچہ ابودرداء کی ناک خاک آلودہ ہی کیوں نہ ہو" (احمدؒ)

تشریح: "اس کے لئے دو جنتیں ہیں" دو جنتوں کے بارہ میں بعض احادیث میں آیا ہے کہ ایک جنت تو ایسی ہے جس میں مکان، محل برتن اور زیورات وغیرہ سب کے سب سونے کے ہیں اور ایک جنت ایسی ہے جس میں اسی طرح سب سامان چاندی کا ہے حضرت ابودرداء نے چونکہ بشارت پر تعجب کیا اور انہیں یہ بات بعید سی معلوم ہوئی اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "اگرچہ ابودرداء کی ناک خاک آلودہ ہی کیوں نہ ہو" یعنی اگرچہ یہ بات ابودرداء کو کتنی ہی عجیب کیوں نہ معلوم ہو اور ابودرداءؓ اسے کتنا ہی بعید کیوں نہ سمجھیں مگر بات یوں ہی ہے جس طرح میں نے کہی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر رحم دل ماں سے زیادہ رحم کرتا ہے

(۱۳) وَعَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ عِنْدَہٗ یَعْنِی عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْ اَقْبَلَ رَجُلٌ عَلَیْہِ کِسَاءٌ وَفِیْ یَدِہٖ شَیْءٌ قَدِ الْتَفَّ عَلَیْہِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَرَرْتُ بِغَیْضَۃِ شَجَرٍ فَسَمِعْتُ فِیْھَا اَصْوَاتَ فِرَاخِ طَائِرٍ فَاَخَذْتُھُنَّ فَوَضَعْتُھُنَّ فِیْ کِسَائِیْ فَجَاءَتْ اُمُّھُنَّ فَاسْتَدَارَتْ عَلٰی رَاْسِیْ فَکَشَفْتُ لَھَا عَنْھُنَّ فَوَقَعَتْ عَلَیْھِنَّ فَلَفَفْتُھُنَّ بِکِسَائِیْ فَھُنَّ اُوْلَاءِ مَعِیْ قَالَ ضَعْھُنَّ فَوَضَعْتُھُنَّ وَاَبَتْ اُمُّھُنَّ اِلَّا لُزُوْمَھُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَعْجَبُوْنَ لِرُحْمِ اُمِّ الْاَفْرَاخِ فِرَاخَھَا فَوَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ لَلّٰہُ اَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنْ اُمِّ الْاَفْرَاخِ بِفِرَاخِھَا اِرْجِعْ بِھِنَّ حَتّٰی تَضَعَھُنَّ مِنْ حَیْثُ اَخَذْتَھُنَّ وَاُمُّھُنَّ مَعَھُنَّ فَرَجَعَ بِھِنَّ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عامر رامیؓ (تیر انداز) کہتے ہیں کہ (ایک دن) جب کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک شخص آیا جس کے جسم پر ایک کملی تھی اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس پر اس نے اپنی کملی لپیٹ رکھی تھی اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس سے گزر رہا تھا کہ میں نے اس جھنڈ میں سے پرندوں کے بچوں کی آوازیں سنیں، چنانچہ میں نے انہیں پکڑ لیا اور اپنی کملی میں رکھ لیا اتنے میں بچوں کی ماں آگئی اور میرے سر پر پھرنے لگی میں نے اس کے سامنے بچوں کے اوپر سے کملی کھول دی (تاکہ وہ

انہیں دیکھ لے اوہ اپنے بچوں کو دیکھتے ہی ان پر آگری اور میں نے ماں اور بچوں کو اپنی چادر میں لپیٹ لیا اور اب وہ سب میرے پاس ہیں۔ "آپ ﷺ نے فرمایا" ان کو "یہاں رکھو"۔ میں نے ان کو وہاں رکھ دیا اور ان پر سے اپنی کملی ہٹادی۔ ماں سب چیزوں کو چھوڑ کر بچوں سے چمٹ گئی ہم سب اپنے بچوں کے ساتھ اس ماں کی اس محبت کو نظر تعجب سے دیکھ ہی رہے تھے) کہ آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم لوگ اس پر تعجب کر رہے ہو کہ ان بچوں کی ماں اپنے بچوں پر (کس قدر رحم دل واقع ہوئی ہے، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم کرنے والا ہے۔" جتنا کہ ایک ماں اپنے بچوں پر رحم کرتی ہے اور جاؤ ان بچوں کو وہیں لے جاکر رکھ دو جہاں سے تم نے ان کو پکڑا تھا اور ان کی ماں کو ان کے ساتھ ہی چھوڑ دو، چنانچہ وہ ان سب کو لے گیا (اور جہاں سے پکڑا تھا وہیں چھوڑ آیا۔" (ابوداؤد)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ غَزَوَاتِهٖ فَمَرَّ بِقَوْمٍ فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوْا نَحْنُ الْمُسْلِمُوْنَ وَامْرَأَةٌ تَحْصِبُ بِقِدْرِهَا وَمَعَهَا ابْنٌ لَهَا فَاِذَا ارْتَفَعَ وَهَجٌ تَنَحَّتْ بِهٖ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَلَيْسَ اللّٰهُ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ قَالَ بَلٰى قَالَتْ اَلَيْسَ اللّٰهُ اَرْحَمَ بِعِبَادِهٖ مِنَ الْاُمِّ بِوَلَدِهَا قَالَ بَلٰى قَالَتْ اِنَّ الْاُمَّ لَا تُلْقِيْ وَلَدَهَا فِي النَّارِ فَاَكَبَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ اِلَيْهَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ مِنْ عِبَادِهٖ اِلَّا الْمَارِدَ وَالْمُتَمَرِّدَ وَالَّذِيْ يَتَمَرَّدُ عَلَى اللّٰهِ وَاَبٰى اَنْ يَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (رواہ ابن ماجۃ)

"حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ کسی غزوہ میں (چلے جا رہے) تھے کہ آپ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے اور ان سے پوچھا "کہ تم لوگ کون ہو؟" انہوں نے عرض کیا "ہم مسلمان ہیں" ان میں ایک ایسی عورت بھی تھی جو اپنی ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہی تھی (یعنی کچھ پکا رہی تھی) اس کے پاس اس کا بچہ بھی تھا چنانچہ جب آگ کی لپٹ اٹھتی تو وہ بچے کو ایک طرف ہٹا دیتی (تاکہ آگ کی تپش سے اسے تکلیف نہ پہنچے) پھر وہ عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور آپ ﷺ سے عرض کرنے لگی کہ "آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا" ہاں اس عورت نے کہا "کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم کرنے والا نہیں ہے جتنا کہ ایک ماں اپنے بچے پر رحم کرتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! اس عورت نے کہا "ماں تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں ڈالتی (تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دوزخ کی آگ میں کیوں ڈالتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر) روتے ہوئے اپنا سر نیچے کر لیا پھر (تھوڑی دیر کے بعد) اپنا سر مبارک اس عورت کی طرف اٹھایا اور فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر (ہمیشہ) عذاب نہیں کرتا ہاں صرف ان لوگوں کو عذاب دیتا ہے جو سرکش ہیں اور ایسے سرکش جو اللہ تعالیٰ سے سرکشی کرتے ہیں (یعنی اس کے احکام نہیں مانتے) اور لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کرتے ہیں۔" (ابن ماجۃ)

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہنے والے بندہ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت

(۱۵) وَعَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَلْتَمِسُ مَرْضَاةَ اللّٰهِ فَلَا يَزَالُ بِذٰلِكَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِجِبْرِيْلَ اِنَّ فُلَانًا عَبْدِيْ يَلْتَمِسُ اَنْ يُّرْضِيَنِيْ اَلَا وَاِنَّ رَحْمَتِيْ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُ جِبْرِيْلُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلٰى فُلَانٍ وَيَقُوْلُهَا حَمَلَةُ الْعَرْشِ وَيَقُوْلُهَا مَنْ حَوْلَهُمْ حَتّٰى يَقُوْلَهَا اَهْلُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ ثُمَّ تَهْبِطُ لَهٗ اِلَى الْاَرْضِ (رواہ احمد)

"اور حضرت ثوبانؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو (نیک) بندہ (طاعات کی ادائیگی کے ذریعے) اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو تلاش کرتا ہے اور پھر ہمیشہ اس کی تلاش میں رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ میری رضا و

خوشنودی کی تلاش میں ہے لہٰذا آگاہ رہو اس پر میری رحمت (کاملہ) ہے" چنانچہ حضرت جبرئیل کہتے ہیں کہ فلاں شخص پر اللہ کی رحمت ہو، یہی بات عرش کو اٹھانے والے فرشتے بھی کہتے ہیں، پھر یہی بات وہ فرشتے کہتے جو ان سب کے گرد ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس بات کو ساتوں آسمان کے فرشتے کہتے ہیں، چنانچہ پھر اس شخص کے لئے زمین پر رحمت نازل فرمائی جاتی ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: اس شخص کے لئے زمین پر رحمت نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کو اپنا دوست اور پسندیدہ بناتا ہے اور روئے زمین پر اس کے لئے قبولیت عام کی فضا پیدا فرما دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا والے اس کو عزیز رکھتے ہیں اور ان کے قلوب میں اس کے لئے محبت و پیار اور عظمت و احترام کے پر خلوص جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔

یہ حدیث مفہوم و معنی کے اعتبار سے اس ارشاد گرامی کے مماثل ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو جبرئیلؑ کو آگاہ فرماتا ہے کہ میں اپنے فلاں بندہ کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اسے دوست رکھو چنانچہ جبرئیل اس بندہ کو دوست رکھتے ہیں اور پھر وہ آسمانوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ کو دوست رکھتا ہے لہٰذا تم سب بھی اس کو دوست رکھو پس آسمان والے اس کو دوست رکھتے ہیں پھر اس بندہ کے لئے روئے زمین پر قبولیت عام کی فضا پیدا کر دی جاتی ہے (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اسے پسند کرتے ہیں) اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اپنا دشمن رکھتا ہے تو جبرئیلؑ کو آگاہ فرماتا ہے کہ فلاں شخص کو میں اپنا دشمن رکھتا ہوں تم بھی اسے دشمن رکھو چنانچہ جبرئیل بھی اس کو دشمن رکھتے ہیں اور پھر وہ آسمانوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو دشمن رکھتا ہے لہٰذا تم سب بھی اسے دشمن رکھو پس آسمان والے اس کو دشمن رکھتے ہیں پھر اس کے لئے روئے زمین پر عام دشمنی کی فضا پیدا کر دی جاتی ہے (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اسے دشمن رکھتے ہیں۔

اس ارشاد گرامی کو سامنے رکھئے تو واضح ہو جائے گا کہ اولیاء اللہ کی عام شہرت و قبولیت اور عوام کے قلوب میں ان کے لئے بے پناہ محبت و عقیدت کا واحد سبب یہ ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے اور پھر روئے زمین پر ان کے لئے عام قبولیت و محبت کی فضا پیدا کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں تمام لوگ ان کو دوست و عزیز رکھتے ہیں۔ ہاں جو لوگ مکر و فریب کے راستوں سے اپنا مال و زر خرچ کر کے عوام کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں وہ اس زمرہ سے خارج ہیں کیونکہ ایسے لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

مؤمن بہر صورت جنتی ہے خواہ وہ نیکوکار ہو یا گنہ گار ہو

(۱۹) وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ قَالَ كُلُّهُمْ فِي الْجَنَّةِ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ۔

"اور حضرت اسامہ بن زیدؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ عزوجل کے اس ارشاد "پس ان میں سے بعض اپنے نفس کے حق میں ظالم ہیں۔ ان میں سے بعض میانہ رو ہیں اور ان میں سے بعض نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں" کی تفسیر کے ضمن میں فرمایا کہ یہ سب جنتی ہیں۔" (بیہقی)

تشریح: اس حدیث میں جس آیت کریمہ کی تفسیر کے ضمن میں مذکورہ بالا بشارت ارشاد فرمائی گئی ہے وہ پوری یہ ہے کہ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ (ترجمہ) پھر ہم نے کتاب و شریعت دی ان لوگوں کو کہ جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے (ایمان و اسلام کے ذریعہ) برگزیدہ کیا پس ان برگزیدہ لوگوں (یعنی مسلمانوں) میں سے بعض اپنے نفس کے حق میں ظالم ہیں (بایں طور کہ وہ ممنوع چیزوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو گناہوں میں مبتلا کرتے ہیں) اور ان میں سے بعض میانہ رو ہیں (بایں طور کہ وہ نیکیاں بھی کرتے ہیں) اور ان میں سے بعض نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں (بایں طور کہ وہ علم حاصل کرنے اور عمل کرنے میں بہت سعی اور جد و جہد کرتے ہیں اور اپنے علم و عمل کے ساتھ

دوسروں کو بھی اپنے علم، تذکیر و نصیحت کے ذریعے رشد و ہدایت کے راستے پر لگاتے ہیں)۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ "سبقت کرنے والے" سے وہ شخص مراد ہے جس کی نیکیاں، برائیوں پر غالب ہوں، یعنی نیکیاں زیادہ کرتا ہو اور برائیوں میں کم مبتلا ہوتا ہو "میانہ رو" وہ شخص ہے جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اور "ظالم" سے مراد وہ شخص ہے جس کی زندگی میں برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں۔

پس حدیث بالا کا حاصل یہ ہے کہ ان تینوں اقسام کے لوگ برگزیدہ بندوں یعنی مؤمنین ہی میں سے ہیں اور یہ سب جنتی ہیں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ ان کو جنت میں اپنے اپنے احوال و افعال کے اعتبار ہی سے درجات ملیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی رحمت کتنی وسیع اور عام ہے کہ جس طرح اس کے نیکوکار بندے اس کی رحمتوں سے نوازے جائیں گے اسی طرح کے گنہ گار بندے بھی اسی کے سایہ رحمت میں ابدی سعادتوں سے ہمکنار ہوں گے۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ عِنْدَ الصَّبَاحِ وَالْمَسَآءِ وَالْمَنَامِ

صبح، شام اور سوتے وقت پڑھی جانے والی دعاؤں کا بیان

"صبح" سے مراد ہے آفتاب طلوع ہونے تک دن کا بالکل ابتدائی حصہ "شام سے مراد ہے" آفتاب کے غروب ہونے کے وقت سے شفق غروب ہونے کے وقت تک دن کا بالکل آخری حصہ لہٰذا جو دعائیں صبح کے وقت پڑھنے کے لئے منقول ہیں ان کو چاہے نماز فجر سے پہلے پڑھا جائے چاہے نماز فجر کے بعد دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح شام کے وقت جن دعاؤں کا پڑھنا منقول ہے ان کو بھی چاہے تو مغرب کی نماز سے پہلے پڑھا جائے چاہے مغرب کی نماز کے بعد۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

صبح و شام کے وقت آپ ﷺ کی دعا

① عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمْسٰى قَالَ اَمْسَيْنَا وَاَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوْءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَاِذَا اَصْبَحَ قَالَ ذٰلِكَ اَيْضًا اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب شام ہوتی تو رسول کریم ﷺ کی لسان مقدس پر یہ الفاظ جاری ہوتے اَمْسَيْنَا وَاَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوْءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ اور جب صبح ہوتی تو آپ ﷺ اسی طرح پڑھتے لیکن شروع میں اَمْسَيْنَا وَاَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ کی بجائے اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ (یعنی ہم نے صبح کی اور ہر چیز نے صبح کی جو اللہ کی ملک میں ہے) پڑھتے۔ ایک دوسری روایت میں وَسُوْءِ الْكِبَرِ کے بعد یہ الفاظ ہیں رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ (یعنی اے میرے رب! میں اس عذاب سے جو دوزخ میں ہے اور اس عذاب سے جو قبر میں ہے تیری پناہ چاہتا ہوں۔" (مسلم)

تشریح : جب یہ دعا صبح کے وقت پڑھی جائے گی تو اس میں اللیلۃ کی بجائے الیوم پڑھا جائے گا یعنی یوں پڑھیں گے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ ھٰذَا الْیَوْمِ نیز جہاں جہاں رات کی رعایت سے مونث کی ضمیریں استعمال ہوتی ہیں وہاں دن کی رعایت سے مذکر ضمیریں استعمال ہوں گی یعنی ھا کی جگہ ہٖ پڑھا جائے گا بقیہ عبارت جوں کی توں رہے گی۔

سونے اور جاگنے کے وقت کی دعا

(۲) وَعَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ مِنَ اللَّیْلِ وَضَعَ یَدَهٗ تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی وَاِذَا اسْتَیْقَظَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ عَنِ الْبَرَاءِ۔

"اور حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب رات میں اپنے بستر پر تشریف لاتے اور سونے کے لئے لیٹتے تو اپنا ہاتھ (یعنی اپنی داہنی ہتھیلی) اپنے (دائیں) گال کے نیچے رکھتے اور یہ فرماتے اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی اے اللہ! تیرے ہی نام پر مرتا (یعنی سوتا) ہوں اور تیرے ہی نام پر زندہ ہوتا یعنی جاگتا ہوں اور جب آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوتے تو یہ فرماتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ اس روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے لیکن مسلم نے (حضرت حذیفہ) کی بجائے حضرت براءؓ سے روایت کیا ہے۔"

تشریح : "اسی کی طرف رجوع ہے" کا مطلب بعض علماء نے تو یہ لکھا ہے کہ "آخر کار موت کے بعد حساب اور جزاو سزا کے لئے اسی ذات باری تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے" لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے گا کہ یہاں نشور (رجوع) سے مراد ہے۔ "سونے کے بعد اٹھ کر طلب معاش اور اپنے کام کاج میں مصروف ہونے کے لئے" زندگی کی ہماہمی میں شریک ہو جانا۔ رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ کر سونے سے چونکہ غفلت بہت زیادہ طاری نہیں ہوتی اس لئے آپ ﷺ اپنے دائیں رخسار مبارک کے نیچے اپنی دائیں ہتھیلی رکھ کر سوتے تھے۔ اسی طرح سوتے وقت اور جاگنے کے بعد ذکر و دعا کرنے کی حکمت و وجہ یہ ہے کہ اعمال کا خاتمہ بھی عبادت و طاعت پر ہو، افعال کی ابتداء بھی عبادت ہی سے ہے۔

سوتے وقت بستر کو جھاڑ لینا چاہئے

(۳) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی فِرَاشِهٖ فَلْیَنْفُضْ فِرَاشَهٗ بِدَاخِلَةِ اِزَارِهٖ فَاِنَّهٗ لَا یَدْرِیْ مَا خَلَفَهٗ عَلَیْهِ ثُمَّ یَقُوْلُ بِاسْمِكَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَکْتَ نَفْسِیْ فَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصّٰلِحِیْنَ وَفِیْ رِوَایَةٍ ثُمَّ لِیَضْطَجِعْ عَلٰی شِقِّهِ الْاَیْمَنِ ثُمَّ لِیَقُلْ بِاسْمِكَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَلْیَنْفُضْهُ بِصَنِفَةِ ثَوْبِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَاِنْ اَمْسَکْتَ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لَهَا۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں کوئی (سونے کے لئے) اپنے بستر پر آئے تو اسے چاہئے کہ اپنے بستر کو اپنی لنگی کے اندر کے کونے سے جھاڑ لے۔ کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے بستر پر کیا چیز (مثلاً کیڑا مکوڑا یا گرد و غبار) گری پڑی ہو اس کے بعد وہ بستر پر لیٹے اور پھر کہے بِاسْمِكَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَکْتَ نَفْسِیْ فَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصّٰلِحِیْنَ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی اپنے بستر پر آئے تو اسے چاہئے کہ وہ (پہلے) اپنا بستر جھاڑے پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے اور پھر بِاسْمِكَ (یعنی مذکورہ بالا دعا آخر تک پڑھے) (مسلم و بخاری) ایک روایت میں یہ ہے کہ "اسے چاہئے کہ وہ اپنے بستر کو اپنے کپڑے کے کونے سے تین مرتبہ جھاڑے۔

نیز اس روایت میں وَاِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِي فَاغْفِرْ لَهَا یعنی مذکورہ بالا دعا میں فَارْحَمْهَا کی بجائے فَاغْفِرْ لَهَا ہے۔"

تشریح: "لنگی کے اندر کونے" سے مراد کپڑے کا وہ حصہ یا کونہ ہے جو اندرونی طرف اور بدن سے لگا ہوا ہوتا ہے خواہ وہ لنگی ہو یا کوئی اور لباس! "نیز لنگی کے کونے" سے جھاڑنے کے لئے اس لئے فرمایا کہ باہر کے کونے سے جھاڑنے سے اوپر کا کونہ یا حصہ میلا ہو جائے گا جس سے بدنمائی پیدا ہو جائے گی اور یہ کہ بستر کو اس طرح لنگی سے جھاڑنے سے بستر کا کوئی حصہ کھلنے بھی نہیں پائے گا! حاصل یہ کہ جب کوئی شخص بستر پر آئے تو پہلے وہ بستر کو کسی کپڑا وغیرہ سے جھاڑے تاکہ بستر پر اگر اذیت و نقصان پہنچانے والی کوئی بھی چیز گری پڑی ہو تو اس سے بستر صاف ہو جائے گا اگر بستر کو جھاڑنے کے لئے الگ سے کوئی کپڑا وغیرہ نہ ہو تو پھر اپنی لنگی یا کرتے وغیرہ کے کونے سے ہی اسے جھاڑ لیا جائے۔

جب انسان سوتا ہے تو وہ گویا مردے ہی کے حکم میں ہو جاتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کی روح عارضی طور پر قبض کر لیتا ہے پھر اس کے بعد اس کی روح کو اس کے جسم میں بھیج دیتا ہے یعنی اسے نیند سے بیدار کر دیتا ہے یا اس کی روح کو چھوڑتا ہے یعنی مستقل طور پر قبض کر لیتا ہے اور اس شخص پر موت طاری کر دیتا ہے چنانچہ اسی چیز کے بارہ میں مذکورہ بالا دعا میں درخواست ہے کہ "پروردگار" اگر تو سونے کی حالت میں میری روح کو رکھ چھوڑے اور مجھ پر موت طاری فرما دے تو اس صورت میں مجھے بخش دیجئے اور اگر میری روح کو واپس بھیج دے اور مجھے زندہ رکھے تو پھر اسی طرح میری نگہبانی فرمائیے جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی نگہبانی فرماتا ہے یعنی نیکی و بھلائی کی توفیق دیجئے گناہوں سے بچائیے اور میرے ہر کام و فعل میں میرا معین و مددگار بنئے۔

"نیک بندوں" سے مراد وہ بندے ہیں۔ جو خدا اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری اور عبادت و طاعت کے ذریعہ اللہ کا حق بھی ادا کرتے ہیں اور بندوں کے حقوق بھی جو ان کے ذمہ ہوتے ہیں پورا کرتے ہیں۔

دائیں کروٹ سونے میں حکمت یہ ہے کہ دل چونکہ بائیں پہلوں میں ہوتا ہے اس لئے دائیں کروٹ سونے کی صورت میں دل لٹکتا رہتا ہے جس کی وجہ سے نیند میں استراحت اور غفلت زیادہ نہیں ہوتی۔ اور نماز تہجد وغیرہ کے لئے جاگنا آسان ہوتا ہے جب کہ بائیں کروٹ سونے کی صورت میں دل اپنی جگہ ٹھہرا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے نیند میں غفلت اور استراحت بہت زیادہ ہوتی ہے۔

(۴) وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ نَامَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِي اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِي اِلَيْكَ وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي اَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَهُنَّ ثُمَّ مَاتَ تَحْتَ لَيْلَتِهٖ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ يَا فُلَانُ اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّكَ الْاَيْمَنِ ثُمَّ قُلِ اللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِي اِلَيْكَ اِلٰى قَوْلِهٖ اَرْسَلْتَ وَقَالَ فَاِنْ مُتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاِنْ اَصْبَحْتَ اَصَبْتَ خَيْرًا (متفق علیہ)

"اور حضرت براء ابن عازبؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اپنے بستر پر سوتے وقت دائیں کروٹ پر سوتے اور سونے سے پہلے یہ فرماتے اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِي اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِي اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِي اِلَيْكَ وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي اَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ نیز آپ ﷺ فرماتے جس شخص نے ان کلمات کو (سونے سے پہلے کہا اور پھر اسی رات میں مر گیا تو وہ دین اسلام پر مرا۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ حضرت براء کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا۔ اے فلاں شخص جب تم اپنے بستر پر آؤ تو پہلے، تم نماز کے وضو جیسا وضو پورا کرو اور پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ کر اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِي سے اَرْسَلْتَ تک (یعنی مذکورہ بالا) دعا پڑھو پھر آپ ﷺ نے فرمایا اگر اس رات میں

تمہاری موت واقع ہوگئی تو تم دین اسلام پر مروگے اور اگر تم نے صبح کرلی تو بھلائیوں کو (یعنی بہت زیادہ بھلائیوں کو یا یہ کہ دارین کی بھلائیوں کو پاؤ گے۔" (بخاری ومسلم)

۵ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَوٰی اِلٰی فِرَاشِہٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَکَفَانَا وَاٰوَانَا فَکَمْ مِمَّنْ لَا کَافِیَ لَہٗ وَلَا مُؤْوِیَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَکَفَانَا وَاٰوَانَا فَکَمْ مِمَّنْ لَا کَافِیَ لَہٗ وَلَا مُؤْوِیَ۔" (مسلم)

تشریح: دعا کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اس وسیع و عریض دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے جو روزمرہ کی تکلیف و پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو تکالیف و پریشانیوں سے محفوظ نہیں رکھتا بلکہ وہ ان پر غالب رہتی ہیں چنانچہ نہ صرف یہ کہ وہ لوگ اپنی روزمرہ کی ضروریات زندگی ہی میں رحمت خداوندی کی التفات سے محروم رہتے ہیں بلکہ قضاوقدر خداوندی کے تحت ان کو سر چھپانے کے لئے کوئی ٹھکانہ بھی میسر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ کوچوں، بازاروں میں فٹ پاتھ اور سڑکوں پر اور جنگلات و ویرانوں میں اپنی سخت کوش زندگی کی گھڑیاں گزارتے ہیں نہ انہیں گرمی سے بچنے کی راحت نصیب ہوتی ہے اور نہ سردی کی ایذاء تکلیف سے نجات کی کوئی پناہ گاہ۔

۶ وَعَنْ عَلِیٍّ اَنَّ فَاطِمَۃَ اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَشْکُوْ اِلَیْہِ مَا تَلْقٰی فِیْ یَدِھَا مِنَ الرَّحٰی وَبَلَغَھَا اَنَّہٗ جَاءَہٗ رَقِیْقٌ فَلَمْ تُصَادِفْہُ فَذَکَرَتْ ذٰلِکَ لِعَائِشَۃَ فَلَمَّا جَاءَ اَخْبَرَتْہُ عَائِشَۃُ قَالَ فَجَاءَنَا وَقَدْ اَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا فَذَھَبْنَا نَقُوْمُ فَقَالَ عَلٰی مَکَانِکُمَا فَجَاءَ فَقَعَدَ بَیْنِیْ وَبَیْنَھَا حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمِہٖ عَلٰی بَطْنِیْ فَقَالَ اَلَا اَدُلُّکُمَا عَلٰی خَیْرٍ مِمَّا سَاَلْتُمَا اِذَا اَخَذْتُمَا مَضْجَعَکُمَا فَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِیْنَ وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِیْنَ وَکَبِّرَا اَرْبَعًا وَثَلَاثِیْنَ فَھُوَ خَیْرٌ لَکُمَا مِنْ خَادِمٍ (متفق علیہ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ (میری زوجہ محترمہ اور نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی) حضرت فاطمہؓ نبی کریم ﷺ کے ہاں اس غرض سے حاضر ہوئیں کہ چکی پیسنے کی وجہ سے ان کے ہاتھ جس زحمت و مشقت میں مبتلا تھے اس کی شکایت آنحضرت ﷺ سے کریں (اور کوئی خدمتگار مانگیں) کیونکہ حضرت فاطمہؓ کو معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس کچھ غلام آئے ہیں مگر (اس وقت) آپ ﷺ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی، چنانچہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا (یعنی ان سے کہا کہ جب آنحضرت ﷺ تشریف لائیں تو کہہ دیجئے گا کہ فاطمہ اپنی مشقت و تکلیف کے پیش نظر ایک غلام مانگنے حاضر ہوئی تھیں) پھر جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے حضرت فاطمہؓ کا پیغام آپ ﷺ تک پہنچا دیا، حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ ہمارے ہاں اس وقت تشریف لائے جب کہ ہم اپنے بستروں پر لیٹ چکے تھے (آپ ﷺ کو دیکھ کر ہم نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اپنی جگہ پر لیٹے رہو" پھر آپ ﷺ ہمارے نزدیک) تشریف لائے اور میرے اور فاطمہؓ کے درمیان بیٹھ گئے یہاں تک کہ میں نے اپنے پیٹ پر آپ ﷺ کے مبارک قدموں کی ٹھنڈک محسوس کی پھر آپ ﷺ نے فرمایا (مجھے فاطمہ کا پیغام مل گیا ہے) کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتلادوں جو اس چیز (یعنی غلام) سے بہتر ہے جو تم نے مانگی تھی اور وہ یہ کہ جب تم اپنے بستر پر آؤ تو تینتیس بار سُبْحَانَ اللّٰہِ تینتیس بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور چونتیس بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہو تمہارے لئے خادم سے یہ چیز بہتر ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: چونکہ آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ دونوں ہی سے بے انتہا محبت فرماتے تھے اور آپ ﷺ کی بے حد شفقت کسی تکلف کو گوارہ نہیں کرتی تھی اسی لئے جب آپ ﷺ ان کے ہاں آئے تو کامل محبت و شفقت کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان

تشریف فرما ہوگئے کیونکہ پیار و محبت اور شفقت و الفت کسی تکلف کی پابند نہیں ہوتی اس لئے کہا گیا ہے کہ اِذَا جَآءَتِ الْاُلْفَةُ رُفِعَتِ الْکُلْفَةُ (ترجمہ) جب الفت آئی تو تکلف اٹھا دی گئی۔

مذکورہ بالا کلمات کی ترتیب کے سلسلہ میں جزری ؒ نے شرح مصابیح میں کہا ہے کہ تکبیر پہلے ہے چنانچہ ابن کثیرؒ فرمایا کرتے تھے کہ نمازوں کے بعد تو پہلے سبحان اللہ پڑھنا چاہئے اس کے بعد الحمد للہ اور پھر اللہ اکبر لیکن سوتے وقت پہلے اللہ اکبر ہی پڑھ لینا چاہئے۔ اس سلسلہ میں علماء لکھتے ہیں کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے۔ کہ اللہ اکبر کو کبھی تو پہلے پڑھا جائے اور کبھی بعد میں تاکہ اس بارہ میں منقول دونوں روایتوں ہی پر عمل ہو اور یہی اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے۔

ارشاد گرامی "تمہارے لئے یہ چیز خادم سے زیادہ بہتر ہے" کے ذریعہ حضرت فاطمہؓ کو دنیا کی مشقتوں اور تکالیف اور دنیاوی طور پر ناپسندیدہ چیزوں مثلاً مرض و فقر پر صبر کی ترغیب دلائی گئی ہے، نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ شکر کرنے والے مالدار کی بہ نسبت صبر کرنے والا مفلس زیادہ افضل ہے۔

⑦ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ خَادِمًا فَقَالَ اَلَا اَدُلُّكِ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْ خَادِمٍ تُسَبِّحِيْنَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَتَحْمَدِيْنَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَتُكَبِّرِيْنَ اللّٰهَ اَرْبَعًا وَّثَلَاثِيْنَ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَعِنْدَ مَنَامِكِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرہؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس مقصد سے حاضر ہوئیں کہ آپ ﷺ سے کوئی خادم مانگیں) لیکن آپ ﷺ سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی۔ جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ (حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دوں جو خادم سے بہتر ہے۔ (اور وہ یہ ہے) ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت سبحان اللہ تینتیس بار اور الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار پڑھ لیا کرو۔" (مسلم)

تشریح: سونے کے وقت ان تسبیحات کا پڑھنا دن بھر کی مشقت و محنت و کوفت، اور ہر قسم کے رنج و غم کو دور کرتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

صبح و شام کے وقت کی دعا

⑧ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصْبَحَ قَالَ اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيٰى وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ وَاِذَا اَمْسٰى قَالَ اَللّٰهُمَّ بِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْيٰى وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ النُّشُوْرُ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب صبح ہوتی تو رسول کریم ﷺ کی زبان اقدس پر یہ دعائیہ کلمات جاری ہوتے اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيٰى وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ اور جب شام ہوتی تو آپ ﷺ یہ دعا فرماتے اَللّٰهُمَّ بِكَ اَمْسَيْنَا وَبِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْيٰى وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَيْكَ النُّشُوْرُ۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہ)

⑨ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مُرْنِیْ بِشَیْءٍ اَقُوْلُهُ اِذَا اَصْبَحْتُ وَاِذَا اَمْسَيْتُ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَیْءٍ وَمَلِيْكَهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ قُلْهُ اِذَا اَصْبَحْتَ وَاِذَا اَمْسَيْتَ وَاِذَا اَخَذْتَ مَضْجَعَكَ (رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا پڑھنے کا حکم دیجئے جسے

میں صبح کے وقت اور شام کے وقت (بطریق ورد) پڑھ لیا کروں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ پڑھ لیا کرو اَللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَّمَلِيْكَهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ (نیز آپ ﷺ نے فرمایا) تم اس دعا کو صبح کے وقت پڑھ لیا کرو، شام کے وقت پڑھ لیا کرو اور سونے کے وقت بھی۔" (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

⑩ وَعَنْ اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ اَبِيْ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَقُوْلُ فِيْ صَبَاحِ كُلِّ يَوْمٍ وَّمَسَاءِ كُلِّ لَيْلَةٍ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَيَضُرَّهٗ شَيْءٌ فَكَانَ اَبَانٌ قَدْ اَصَابَهٗ طَرَفُ فَالِجٍ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ اَبَانٌ مَا تَنْظُرُ اِلَيَّ اَمَا اِنَّ الْحَدِيْثَ كَمَا حَدَّثْتُكَ وَلٰكِنِّيْ لَمْ اَقُلْهُ يَوْمَئِذٍ لِيُمْضِيَ اللّٰهُ عَلَيَّ قَدَرَهٗ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَتِهٖ لَمْ تُصِبْهُ فُجَاءَةُ بَلَاءٍ حَتّٰى يُصْبِحَ وَمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُصْبِحُ لَمْ تُصِبْهُ فُجَاءَةُ بَلَاءٍ حَتّٰى يُمْسِيَ۔

"اور حضرت ابان ابن عثمان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد مکرم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو بندہ روزانہ صبح و شام کے وقت یہ کہے بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ اور یہ تین مرتبہ کہے تو اسے کوئی چیز ضرر نہیں پہنچائے گی (یعنی اگر کوئی شخص اس دعا کو صبح و شام تین تین بار پڑھ لے تو نہ اسے کوئی چیز ضرر و نقصان پہنچائے گی اور نہ وہ کسی آفت و مصیبت میں مبتلا ہوگا (اور اتفاق کی بات کہ اس وقت) حضرت ابان فالج کی ایک قسم میں مبتلا تھے چنانچہ اس شخص نے جو اس روایت کو سن رہا تھا حضرت ابان کی طرف (بڑی تعجب کی نظروں سے) دیکھنا شروع کیا (کہ یہ کہہ تو رہے ہیں کہ جو شخص اس دعا کو پڑھے اسے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا حالانکہ یہ خود (فالج میں گرفتار ہیں) حضرت ابان نے اس سے کہا "تم میری طرف بنظر تعجب) کیا دیکھ رہے ہو؟ اچھی طرح جان لو، یہ حدیث اسی طرح ہے جس طرح میں نے بیان کی ہے (یعنی بالکل صحیح ہے) البتہ جس دن میں اس مرض میں مبتلا ہوا اس دن میں نے یہ دعا نہیں پڑھی تھی تاکہ اللہ تعالیٰ نے میرے مقدر میں جو کچھ لکھ دیا تھا وہ پورا ہو۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد) اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "جو شخص اس دعا کو شام کے وقت پڑھے وہ صبح تک کسی ناگہانی بلاء میں گرفتار نہیں ہوگا اور جو شخص اس کو صبح کے وقت پڑھے وہ شام تک کسی بلائے ناگہانی میں مبتلا نہیں ہوتا"۔"

⑪ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسٰى اَمْسَيْنَا وَاَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ رَبِّ اَسْئَلُكَ خَيْرَ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهَا رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَمِنْ سُوْءِ الْكِبَرِ اَوِ الْكُفْرِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ مِنْ سُوْءِ الْكِبَرِ وَالْكِبْرِ رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ وَاِذَا اَصْبَحَ قَالَ ذٰلِكَ اَيْضًا اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَمْ يَذْكُرْ مِنْ سُوْءِ الْكُفْرِ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب شام ہوتی تو نبی کریم ﷺ یہ دعائیہ کلمات فرماتے اَمْسَيْنَا وَاَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ رَبِّ اَسْئَلُكَ خَيْرَ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهَا رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَمِنْ سُوْءِ الْكِبَرِ اَوِ الْكُفْرِ۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ مِنْ سُوْءِ الْكِبَرِ وَالْكِبْرِ رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ اور جب صبح ہوتی تو آپ ﷺ یہی (مذکورہ بالا دعا) پڑھتے البتہ صبح کے وقت اَمْسَيْنَا وَاَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ کی بجائے اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ پڑھتے اس روایت کو ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کیا ہے لیکن ترمذی کی روایت میں من سوء الکفر کے الفاظ نہیں ہیں۔"

⑫ وَعَنْ بَعْضِ بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهَا فَيَقُوْلُ قُوْلِيْ حِيْنَ

تُصْبِحِيْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا فَاِنَّهٗ مَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُصْبِحُ حُفِظَ حَتّٰى يُمْسِيَ وَمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِي حُفِظَ حَتّٰى يُصْبِحَ (رواہ ابوداؤد)

"اور نبی کریم ﷺ کی کسی صاحبزادی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں تعلیم دی کہ جب صبح ہو تو یہ دعا پڑھو سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا لہٰذا جس شخص نے صبح کے وقت یہ کلمات کہے (یعنی صبح کے وقت یہ دعا پڑھی) وہ شام تک بلاؤں (اور خطاؤں سے) محفوظ رہتا ہے اور جس شخص نے شام کے وقت یہ کلمات کہے وہ صبح تک محفوظ رہتا ہے۔" (ابوداؤد)

⑬ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ اِلٰى قَوْلِهٖ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ اَدْرَكَ مَافَاتَهٗ فِيْ يَوْمِهٖ ذٰلِكَ وَمَنْ قَالَهُنَّ حِيْنَ يُمْسِيْ اَدْرَكَ مَافَاتَهٗ فِيْ لَيْلَتِهٖ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص صبح کے وقت یہ آیت پڑھے فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ (اور یہ آیت) وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ تک (پڑھے) تو اسے وہ چیز حاصل ہو جائے گی جس سے وہ اس دن محروم رہ گیا تھا اور جس نے یہ آیت شام کے وقت پڑھی تو اسے وہ چیز حاصل ہو جائے گی جس سے وہ اس رات میں محروم رہ گیا تھا۔" (ابوداؤد)

تشریح: وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ کے بعد یہ آیت یوں ہے۔ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ اور اس پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے "پاکی کے ساتھ اللہ کو یاد کرو یعنی نماز پڑھو اس وقت جب کہ تم شام کرتے ہو (یعنی مغرب و عشاء کے وقت) اور اس وقت جب کہ تم صبح کرتے ہو (یعنی فجر کے وقت اور زمین و آسمانوں میں تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں اور پاکی کے ساتھ اللہ کو یاد کرو (یعنی نماز پڑھو) عصر کے وقت اور ظہر کے وقت اللہ تعالیٰ زندے کو مردے سے نکالتا ہے (یعنی بچے کو منی سے اور انڈے سے پیدا کرتا ہے) اور مردے کو زندہ نکالتا ہے (یعنی منی اور انڈے کو جاندار سے نکالتا ہے) اور زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے (یعنی زمین کو خشک ہو جانے کے بعد سرسبز کرتا ہے) اور اسی طرح تم بھی (قبر سے) نکالے جاؤ گے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی اس آیت کو صبح کے وقت پڑھتا ہے تو جو بھی نیک کام یا کوئی ورد و وظیفہ وغیرہ اس دن میں فوت ہو جاتا ہے اسے اس کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح اس آیت کو شام کے وقت پڑھنے سے اس رات میں فوت ہو جانے والے کسی بھی نیک کام اور ورد و وظیفہ وغیرہ کا ثواب مل جاتا ہے۔ معالم التنزیل میں منقول ہے کہ حضرت نافعؒ سے ابن ارزق نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا آپ قرآن کریم میں پانچوں نمازوں کا حکم (وقت کے تعین کے ساتھ) پاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ "ہاں" اور پھر انہوں نے یہ مذکورہ بالا آیت پڑھ کر فرمایا کہ ان آیتوں نے پانچوں نمازوں کو اور ان کے اوقات کو جمع کر دیا ہے۔

⑭ وَعَنْ اَبِيْ عَيَّاشٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ كَانَ لَهٗ عِدْلُ رَقَبَةٍ مِنْ وُلْدِ اِسْمَاعِيْلَ وَكُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَحُطَّ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَرُفِعَ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَكَانَ فِيْ حِرْزٍ مِنَ الشَّيْطَانِ حَتّٰى يُمْسِيَ وَاِنْ قَالَهَا اِذَا اَمْسٰى كَانَ لَهٗ مِثْلُ ذٰلِكَ حَتّٰى يُصْبِحَ قَالَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ فَرَاٰى رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَا عَيَّاشٍ يُحَدِّثُ عَنْكَ بِكَذَا وَكَذَا قَالَ صَدَقَ اَبُوْ عَيَّاشٍ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

"اور حضرت ابوعیاش کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات کہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تو اسے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ایک غلام آزاد کرنے کے ثواب کے بقدر ثواب ملتا ہے اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی دس برائیاں دور کی جاتی ہیں اس کے دس درجے بلند کئے جاتے ہیں اور وہ شام کے وقت تک شیطان (بہکانے کے شر) سے پناہ میں رہتا ہے اور جس شخص نے ان کلمات کو شام کے وقت پڑھا تو اس کو صبح تک یہی سعادت حاصل رہتی ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی حماد ابن سلمہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ابوعیاش آپ ﷺ کی اس طرح کی حدیث (یعنی مذکورہ بالا حدیث) بیان کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ابوعیاش نے سچ کہا۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

مغرب اور فجر کی نماز کے بعد کی دعا

(۱۵) وَعَنِ الْحَارِثِ بْنِ مُسْلِمٍ التَّمِيْمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ اَسَرَّ اِلَيْهِ فَقَالَ اِذَا انْصَرَفْتَ مِنْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْ قَبْلَ اَنْ تُكَلِّمَ اَحَدًا اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَاِنَّكَ اِذَا قُلْتَ ذٰلِكَ ثُمَّ مُتَّ فِيْ لَيْلَتِكَ كُتِبَ لَكَ جَوَازٌ مِّنْهَا وَاِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ كَذٰلِكَ فَاِنَّكَ اِذَا مُتَّ فِيْ يَوْمِكَ كُتِبَ لَكَ جَوَازٌ مِّنْهَا۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت حارث ابن مسلم تمیمی اپنے والد مکرم سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان (مسلم تمیمیؓ) سے چپکے سے فرمایا کہ "جب تم مغرب کی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو تم کسی سے کوئی کلام وگفتگو کرنے سے پہلے سات مرتبہ یہ کہو اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ (اے اللہ مجھے آگ سے پناہ میں رکھ) اور اگر تم اس کلمہ کو کہو اور پھر اس رات میں تمہارا انتقال ہو جائے تو تمہارے لئے آگ سے نجات لکھی جائے گی اور جب تم فجر کی نماز سے فارغ ہو جاؤ اور اسی طرح کہو (یعنی کسی سے کلام کرنے سے پہلے سات مرتبہ اس دعا کو پڑھو) اور پھر اس دن تمہارا انتقال ہو جائے تو تمہارے لئے آگ سے نجات لکھی جائے گی۔" (ابوداؤد)

صبح و شام کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

(۱۶) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ حِيْنَ يُمْسِيْ وَحِيْنَ يُصْبِحُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَاَهْلِيْ وَمَالِيْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِيْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِيْ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَّمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ وَمِنْ فَوْقِيْ وَاَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ يَعْنِي الْخَسْفَ۔

(رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ صبح اور شام کے وقت یہ دعا پڑھنا نہ چھوڑتے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَاَهْلِيْ وَمَالِيْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِيْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِيْ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَّمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ وَمِنْ فَوْقِيْ وَاَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ اے اللہ میں تجھ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگتا ہوں یا الٰہی میں تجھ سے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور اپنے دین و اپنی دنیا کے امور میں (عیوب اور برائیوں سے) اور اپنے اہل و عیال اور اپنے مال میں سلامتی مانگتا ہوں اے پروردگار میرے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور مجھے خوف کی چیزوں سے امن میں رکھ (یعنی میری مصیبت اور بلائیں دور فرما) اور اے اللہ! تو مجھے آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے اوپر سے محفوظ رکھ اور اے اللہ تیری عظمت و کبریائی کے ذریعہ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ ہلاک کیا جاؤں اچانک نیچے کی جانب سے یعنی زمین میں دھنس جانے سے۔" (ابوداؤد)

صبح و شام کی دعا

(۱۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یُصْبِحُ اَللّٰھُمَّ اَصْبَحْنَا نُشْھِدُکَ وَنُشْھِدُ حَمَلَۃَ عَرْشِکَ وَمَلٰئِکَتِکَ وَجَمِیْعِ خَلْقِکَ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ مَا اَصَابَہٗ فِیْ یَوْمِہٖ ذٰلِکَ مِنْ ذَنْبٍ وَاِنْ قَالَھَا حِیْنَ یُمْسِیْ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ مَا اَصَابَہٗ فِیْ تِلْکَ اللَّیْلَۃِ مِنْ ذَنْبٍ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص صبح کے وقت یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے وہ تمام گناہ (علاوہ گناہ کبیرہ اور حقوق العباد کے) بخش دیتا ہے جو اس سے اس دن صادر ہوتے ہیں اور وہ دعا یہ ہے اَللّٰھُمَّ اَصْبَحْنَا نُشْھِدُکَ وَنُشْھِدُ حَمَلَۃَ عَرْشِکَ وَمَلٰئِکَتِکَ وَجَمِیْعِ خَلْقِکَ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ (ترجمہ) اے اللہ ہم نے صبح کی اس حال میں کہ ہم تجھے، تیرے عرش کو اٹھانے والوں کو تیرے فرشتوں کو، اور تیری مخلوقات کو گواہ بناتے ہیں اس بات پر کہ تو اللہ ہے تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو یکتا ہے افعال و صفات میں) تیرا کوئی شریک نہیں اور بلاشبہ محمد ﷺ تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں اور جو شخص ان کلمات کو شام کے وقت کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام وہ گناہ بخش دیتا ہے جو اس سے اس رات میں صادر ہوتے ہیں۔ (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ) ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: جملہ مَنْ قَالَ حِیْنَ یُصْبِحُ میں لفظ مَن معنی کے اعتبار سے نافیہ کی جگہ استعمال ہوا ہے نیز یہ ممکن ہے کہ اِلَّا غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ میں لفظ اِلَّا زائد ہو چنانچہ جملہ وَاِنْ قَالَھَا الخ سے اسی کی تائید ہوتی ہے کہ لفظ اِلَّا زائد ہے۔

(۱۸) وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ یَقُوْلُ اِذَا اَمْسٰی وَاِذَا اَصْبَحَ ثَلَاثًا رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّرْضِیَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (رواہ احمد والترمذی)

"اور حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو مسلمان بندہ شام اور صبح کے وقت تین بار یہ کہے کہ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا (ترجمہ) میں اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور محمد کے نبی ہونے پر راضی ہوا) تو اللہ تعالیٰ پر ازراہ کرم و فضل) یہ لازم ہو گا کہ وہ قیامت کے دن اس بندہ کو راضی کرے (یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ثواب دے گا کہ وہ راضی اور خوش ہو جائے گا۔" (احمدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: بعض روایتوں میں لفظ نبیا ہے اور بعض میں رسولا، لہٰذا مستحب یہ ہے کہ دونوں ہی لفظ پڑھے جائیں یعنی یوں کہا جائے وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا وَّرَسُوْلًا۔

(۱۹) وَعَنْ حُذَیْفَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّنَامَ وَضَعَ یَدَہٗ تَحْتَ رَأْسِہٖ ثُمَّ قَالَ اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَکَ اَوْ تَبْعَثُ عِبَادَکَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَحْمَدُ عَنِ الْبَرَاءِ۔

"اور حذیفہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب سونے کا ارادہ فرماتے (یعنی سونے کے لئے لیٹتے) تو اپنا ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَکَ اَوْ تَبْعَثُ عِبَادَکَ (ترجمہ) اے اللہ مجھے اس دن کے عذاب سے بچائیے جب تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا یا جب تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا (یعنی قیامت کے دن) یعنی راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے تجمع عبادک کہا یا اس کی بجائے تبعث عبادک کہا (ترمذیؒ) امام احمد نے اس روایت کو براءؓ سے نقل کیا۔"

تشریح: اس روایت میں تو یہ ہے کہ "آپ ﷺ دست مبارک سر کے نیچے رکھتے تھے" جب کہ ایک اور روایت میں منقول ہے کہ رخسارۂ مبارک کے نیچے رکھتے تھے لہٰذا ان دونوں روایتوں میں یوں مطابقت پیدا کی جائے کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ کبھی تو سر کے نیچے

رکھتے ہوں گے اور کبھی رخسارہ مبارک کے نیچے جس راوی نے جو دیکھا اس کو روایت کر دیا یا یہ کہ ہاتھ کا کچھ حصہ تو سر کے نیچے ہوتا ہو گا اور کچھ حصہ رخسارہ کے نیچے لہٰذا جس راوی نے ہاتھ کا کچھ حصہ سر کے نیچے دیکھا اس نے یہ بیان کیا کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سر کے نیچے رکھتے تھے اور جس راوی نے ہاتھ کا کچھ حصہ رخسارہ کے نیچے دیکھا اس نے رخسارہ کے نیچے رکھنے کو ذکر کیا۔

(۲۰) وَعَنْ حَفْصَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّرْقُدَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے اور تین مرتبہ کہتے اے اللہ! مجھے اس دن کے عذاب سے بچائیے جب تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا۔" (ابوداؤد)

(۲۱) وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ مَضْجَعِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ تَكْشِفُ الْمَغْرَمَ وَالْمَاْثَمَ اَللّٰهُمَّ لَا يُهْزَمُ جُنْدُكَ وَلَا يُخْلَفُ وَعْدُكَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنے سونے کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ تَكْشِفُ الْمَغْرَمَ وَالْمَاْثَمَ اَللّٰهُمَّ لَا يُهْزَمُ جُنْدُكَ وَلَا يُخْلَفُ وَعْدُكَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ۔" (ابوداؤد)

(۲۲) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَأْوِيْ اِلٰى فِرَاشِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَهٗ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ اَوْ عَدَدَ رَمْلِ عَالِجٍ اَوْ عَدَدَ وَرَقِ الشَّجَرِ اَوْ عَدَدَ اَيَّامِ الدُّنْيَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

"اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے بستر پر آکر (یعنی سونے کے وقت) تین مرتبہ یہ کلمات پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے چاہے وہ دریا کے جھاگ کے برابر یا عالج کے ریت (کے ذروں) کی تعداد کے برابر یا درخت کے پتوں کے برابر اور یا دنیا کے دنوں کی تعداد کے برابر ہی کیوں نہ ہوں اور وہ کلمات یہ ہیں اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ (یعنی میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں ایسا اللہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور جو زندہ مخلوق کی خبر گیری کرنے والا ہے اور میں اس کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "عالج" جو لام کے زیر کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے اور زبر کے ساتھ بھی، مغربی علاقہ میں ایک جنگل کا نام تھا۔ جہاں ریت بہت زیادہ ہوتی تھی اس حدیث میں ان تمام چیزوں کو بطور مثال بیان کرنے کی غرض یہ بتانا ہے کہ اگر گناہ بہت زیادہ ہوں گے تب بھی بخشے جائیں گے۔

سوتے وقت قرآن کی کوئی سورۃ پڑھنے کی برکت

(۲۳) وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَأْخُذُ مَضْجَعَهٗ بِقِرَاءَةِ سُوْرَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ اِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكًا فَلَا يَقْرَبُهٗ شَيْءٌ يُؤْذِيْهِ حَتّٰى يَهُبَّ مَتٰى هَبَّ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت شداد ابن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو بھی مسلمان اپنی خوابگاہ میں آکر (یعنی سوتے وقت) قرآن کریم کی کوئی سورت پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایک فرشتہ متعین کر دیتا ہے اور اس فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ ضرر پہنچانے والی چیزوں سے اس بندہ کی حفاظت کی جائے) چنانچہ جب تک کہ وہ جاگ نہیں جاتا ضرر و نقصان پہنچانے والی کوئی بھی چیز اس کے پاس بھٹکتی بھی نہیں چاہے

وہ جب بھی (یعنی دیر سے یا جلدی) جاگے۔" (ترمذی)

تشریح : حضرت انسؓ سے بطریق مرفوع روایت ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) جب تم اپنے بستر پر اپنا پہلو رکھو یعنی سونے لگو اور اس وقت سورۂ فاتحہ اور سورۂ قل ھو اللہ پڑھ لو تو (جب تک سوتے رہو گے، موت کے علاوہ ہر چیز سے حفاظت میں رہو گے۔

ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت تسبیح، تحمید، تکبیر پڑھنے کی فضیلت

(۲۴) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَّتَانِ لَا يُحْصِيْهِمَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ اَلَا وَهُمَا يَسِيْرٌ وَمَنْ يَعْمَلُ بِهِمَا قَلِيْلٌ يُسَبِّحُ اللّٰهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا وَيَحْمَدُهُ عَشْرًا وَيُكَبِّرُهُ عَشْرًا قَالَ فَاَنَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْقِدُهَا بِيَدِهٖ قَالَ فَتِلْكَ خَمْسُوْنَ وَمِائَةٌ بِاللِّسَانِ وَاَلْفٌ وَخَمْسُ مِائَةٍ فِى الْمِيْزَانِ وَاِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ يُسَبِّحُهٗ وَيُكَبِّرُهٗ وَيَحْمَدُهٗ مِائَةً فَتِلْكَ مِائَةٌ بِاللِّسَانِ وَاَلْفٌ فِى الْمِيْزَانِ فَاَيُّكُمْ يَعْمَلُ فِى الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ اَلْفَيْنِ وَخَمْسَ مِائَةِ سَيِّئَةٍ قَالُوْا وَكَيْفَ لَا نُحْصِيْهِمَا قَالَ يَاْتِىْ اَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ وَهُوَ فِىْ صَلَاتِهٖ فَيَقُوْلُ اُذْكُرْ كَذَا اُذْكُرْ كَذَا حَتّٰى يَنْفَتِلَ فَلَعَلَّهٗ اَنْ لَّا يَفْعَلَ وَيَاْتِيْهِ فِىْ مَضْجَعِهٖ فَلَا يَزَالُ يُنَوِّمُهٗ حَتّٰى يَنَامَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَفِىْ رِوَايَةِ اَبِىْ دَاوٗدَ قَالَ خَصْلَتَانِ اَوْ خَلَّتَانِ لَا يُحَافِظُ عَلَيْهِمَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَكَذَا فِىْ رِوَايَتِهٖ بَعْدَ قَوْلِهٖ وَاَلْفٌ وَخَمْسُ مِائَةٍ فِى الْمِيْزَانِ قَالَ يُكَبِّرُ اَرْبَعًا وَّثَلَاثِيْنَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ وَيَحْمَدُ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَيُسَبِّحُ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَفِىْ اَكْثَرِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ۔

"اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "دو چیزیں ایسی ہیں جنہیں جو بھی مرد مسلمان مداومت کے ساتھ اختیار کرتا ہے وہ جنت میں داخل ہوتا ہے (یعنی وہ شخص جنت میں نجات پانے والوں کے ساتھ ہوگا) اور جان لو وہ دونوں چیزیں آسان تو بہت ہیں (بایں طور کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں پر عمل کرنا جن لوگوں کے لئے آسان کر دے ان کے لئے وہ کوئی مشکل نہیں ہیں) مگر ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق نہ ہونے کے سبب ان پر مداومت کے ساتھ عمل کرنے میں شاذ و نادر ہی ہیں) ان میں سے ایک چیز تو یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اللہ کو پاکی کے ساتھ یاد کیا جائے یعنی سبحان اللہ پڑھا جائے دس مرتبہ خدا کی حمد کی جائے یعنی الحمد للہ کہا جائے اور دس مرتبہ اللہ اکبر کہا جائے۔ ابن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا آپ ﷺ نے ان کو اپنے ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کیا اور فرمایا پس (پانچوں نمازوں کی مجموعی تعداد کے اعتبار سے) یہ زبان سے کہنے میں تو ڈیڑھ سو ہیں لیکن (اعمال) کے ترازو میں ان کی تعداد ڈیڑھ ہزار ہوگی (بایں طور کہ ہر نیکی پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دوسری چیز یہ ہے کہ اپنے بستر پر آکر (یعنی سونے کے وقت) سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ سو مرتبہ کہے (یعنی سبحان اللہ تینتیس بار اور الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار کہا جائے ان کی مجموعی تعداد سو ہوتی ہے اور یہ زبان میں کہنے سے تو سو بار ہیں لیکن میزان اعمال میں ایک ہزار ہوں گی۔ پس تم میں سے وہ کون ہے جو دن رات میں ڈھائی ہزار برائیاں کرتا ہوگا؟ صحابہؓ نے عرض کیا (جب یہ بات ہے تو پھر) ہم ان چیزوں کی بھلا کیونکر محافظت نہ کریں گے آپ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتا ہوا ہوتا ہے تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز یاد کرو فلاں بات یاد کرو (یعنی اسے نماز کی حالت میں دنیا کی باتیں یا آخرت کی باتیں ایسی جن کا تعلق نماز سے ہوتا نہیں ہے یاد دلاتا رہتا ہے) یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوتا ہے پس ہو سکتا ہے کہ وہ (ان کلمات پر محافظت نہ کرے) اور اسی طرح شیطان اس کی خوابگاہ میں آتا ہے اس کو سلاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ سو جاتا ہے (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) اور ابوداؤد کی روایت میں بعض الفاظ میں اختلاف ہے چنانچہ ان کی روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "دو خصلتیں ایسی ہیں یا دو (دو چیزیں ایسی ہیں) (راوی کو شک ہوا کہ آپ ﷺ نے لفظ خصلتین فرمایا تھا خلتین ویسے دونوں کے معنی ایک ہی ہیں) جنہیں جو بھی بندہ مسلمان اختیار کرتا ہے (یعنی اس روایت میں لا یحصیھما رجل مسلم کے بجائے لا یحافظ

علیھماعبد مسلم ہے) اسی طرح ابوداؤد کی روایت میں والف خمسمائۃفی المیزان کے بعد یہ الفاظ ہیں کہ تکبیر کہے چونتیس بار جب کہ اپنے بستر پر آئے اور حمد کرے تینتیس بار اور تسبیح کرے تینتیس بار نیز مصابیح کے اکثر نسخوں میں یہ روایت عبداللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے یعنی مؤلف مشکوٰۃ نے تو اس روایت کو عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ سے نقل کیا ہے جب کہ مصابیح کے اکثر نسخوں میں اس حدیث کا راوی عبداللہ بن عمرؓ ہیں)۔"

تشریح: پس تم میں سے کون ہے؟ یہ جواب ہے شرط محذوف کا اور اس استفہام میں ایک طرح کا انکار ہے یعنی اس استفہامیہ جملہ کا حاصل یہ ہے کہ جب ان دونوں چیزوں پر محافظت کی اور اس کے بدلہ میں دن رات میں ڈھائی ہزار نیکیاں حاصل ہوئیں تو ان میں سے ہر نیکی کے بدلہ برائیاں دور کی جاتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ (بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں)۔

لہٰذا تم میں سے ایسا کون ہے جو دن رات میں ان نیکیوں سے زیادہ برائیاں کرتا ہے اور جتنی بھی برائیاں کرتا ہو وہ ان نیکیوں کی وجہ سے معاف نہ ہو جاتی ہوں، اس لئے ایسی صورت میں تمہارے لئے یہ بات کیسے بہتر ہو سکتی ہے کہ تم ان دونوں چیزوں پر محافظت نہ کرو، حاصل یہ کہ ان دونوں چیزوں پر عمل کرنے سے نیکیاں برائیوں سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہیں اور پھر نہ صرف یہ کہ وہ برائیاں ان نیکیوں کی وجہ سے دور ہو جاتی ہیں بلکہ نیکیوں کی زیادتی کی وجہ سے درجات بھی بلند ہو جاتے ہیں، لہٰذا تمہیں چاہیے کہ تم پابندی کے ساتھ ان دونوں چیزوں پر عمل کرتے رہو پھر جب صحابہؓ نے ان دونوں چیزوں کا اتنا زیادہ ثواب اور ان کی اتنی فضیلت سنی تو کہنے لگے کہ جب یہ بات ہے تو پھر ہمارے لئے ایسی کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی کہ ہم ان دونوں چیزوں پر محافظت نہ کریں گویا انہوں نے ان چیزوں کے ترک کرنے سے بعید جانا مگر آپ ﷺ نے ان کے اس استبعاد (یعنی بعید جاننے کی) تردید فرمائی کہ شیطان جو انسان کی نیکی کا ازلی دشمن ہے۔ اپنی گھات میں رہتا ہے۔ وہ کب برداشت کرتا ہے کہ کوئی شخص اتنی عظیم سعادت کو حاصل کرلے اس لئے وہ نماز میں وسوسے پیدا کرتا ہے یہاں تک کہ نماز کے بعد کے اوراد و اذکار سے غافل کر دیتا ہے اسی طرح وہ سوتے وقت ذکر سے غافل کر کے سلا دیتا ہے۔

دن اور رات میں حاصل ہونے والی نعمتوں کے شکر کی ادائیگی

(۲۵) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ غَنَّامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یُصْبِحُ اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِعْمَۃٍ اَوْبِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ فَلَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ فَقَدْ اَدّٰی شُکْرَ یَوْمِہٖ وَمَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِکَ حِیْنَ یُمْسِیْ فَقَدْ اَدّٰی شُکْرَ لَیْلَتِہٖ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ بن غنامؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص صبح کے وقت یوں کہے اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِعْمَۃٍ اَوْبِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ فَلَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ تو اس نے اس دن کا شکر ادا کیا اور جس نے ایسے کلمات شام کے وقت کہے اس نے رات کا شکر ادا کیا (شام کے وقت جب یہ دعا پڑھی جائے تو صبح کی بجائے امسی کہا جائے)۔" (ابوداؤد)

تشریح: منقول ہے کہ ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ "پروردگار" تیری بہت زیادہ نعمتیں مجھے حاصل ہیں میں ان کا شکر کس طرح ادا کروں! پروردگار! نے فرمایا داؤد! اگر تم نے یہ جانا کہ تمہیں نعمتیں جو حاصل ہیں وہ سب میری ہی طرف سے ہیں تو سمجھ لو کہ تم نے ان کا شکر ادا کیا۔

سوتے وقت کی دعا

(۲۶) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ اِذَا اَوٰی اِلٰی فِرَاشِہٖ اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَاَغْنِنِيْ مِنَ الْفَقْرِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ مَعَ اخْتِلَافٍ يَسِيْرٍ

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَاَغْنِنِيْ مِنَ الْفَقْرِ (حصن حصین میں ہے کہ یہ دعا سوتے وقت لیٹ کر پڑھی جائے) (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) امام مسلم نے اس روایت کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔"

(۲۷) وَعَنْ اَبِيْ اَزْهَرَ الْاَنْمَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَضَعْتُ جَنْبِيْ لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَاخْسَاْ شَيْطَانِيْ وَفُكَّ رِهَانِيْ وَاجْعَلْنِيْ فِي النَّدِيِّ الْاَعْلٰى (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابی ازہر انماریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب رات میں اپنے بستر پر آتے تو یہ فرماتے بِسْمِ اللّٰهِ وَضَعْتُ جَنْبِيْ لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَاخْسَاْ شَيْطَانِيْ وَفُكَّ رِهَانِيْ وَاجْعَلْنِيْ فِي النَّدِيِّ الْاَعْلٰى ۔" (ابوداؤد)

تشریح: "رہن" (گروی) سے مراد نفس ہے مطلب یہ کہ میرے نفس کو بندوں کے حق سے آزاد و بری الذمہ کر اور میری لغزشوں کو معاف فرما کر اپنے عذاب سے مجھے نجات بخش۔

(۲۸) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَفَانِيْ وَاٰوَانِيْ وَاَطْعَمَنِيْ وَسَقَانِيْ وَالَّذِيْ مَنَّ عَلَيَّ فَاَفْضَلَ وَالَّذِيْ اَعْطَانِيْ فَاَجْزَلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اَللّٰهُمَّ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكَهٗ وَاِلٰهَ كُلِّ شَيْءٍ اَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب رات میں اپنے بستر پر آتے تو یہ پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَفَانِيْ وَاٰوَانِيْ وَاَطْعَمَنِيْ وَسَقَانِيْ وَالَّذِيْ مَنَّ عَلَيَّ فَاَفْضَلَ وَالَّذِيْ اَعْطَانِيْ فَاَجْزَلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اَللّٰهُمَّ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكَهٗ وَاِلٰهَ كُلِّ شَيْءٍ اَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ ۔" (ابوداؤد)

بے خوابی دور کرنے کی دعا

(۲۹) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ شَكَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَنَامُ اللَّيْلَ مِنَ الْاَرَقِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَقُلْ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ وَرَبَّ الْاَرْضِيْنَ وَمَا اَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضَلَّتْ كُنْ لِيْ جَارًا مِنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمِيْعًا اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيَّ اَحَدٌ مِنْهُمْ اَوْ اَنْ يَبْغِيَ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ وَالْحَكِيْمُ بْنُ ظُهَيْرٍ الرَّاوِيْ قَدْ تَرَكَ حَدِيْثَهٗ بَعْضُ اَهْلِ الْحَدِيْثِ۔

"اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت خالد بن ولیدؓ نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ یا رسول اللہ! میں بے خوابی کے سبب رات میں سو نہیں پاتا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم بستر پر آؤ تو یہ دعا پڑھو اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ وَرَبَّ الْاَرْضِيْنَ وَمَا اَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضَلَّتْ كُنْ لِيْ جَارًا مِنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمِيْعًا اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيَّ اَحَدٌ

مِنْهُمْ اَوْاَنْ يَنْبَغِي عَزَّجَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلاَ اِلٰهَ غَيْرُكَ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد قوی نہیں ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی حکیم ابن ظہیر کی روایت کو بعض محدثین نے ترک کر دیا ہے۔"

تشریح: حصن حصین میں ہے کہ اس روایت کو طبرانی نے اوسط میں اور ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے لیکن ان کی روایتوں میں لفظ جَمِيْعًا کی بجائے اَجْمَعِيْنَ ہے اور لفظ يَنْبَغِي کی بجائے يَطْغِي اور اسی طرح وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ سے آخر تک کے الفاظ ان کی روایت میں نہیں ہیں بلکہ عَزَّجَارُكَ کے بعد وَتَبَارَكَ اسْمُكَ ہے اور اسی جملہ پر روایت ختم ہو گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

صبح و شام کی دعا

(۳۰) عَنْ اَبِي مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْئَالُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ فَتْحَهٗ وَنَصْرَهٗ وَنُوْرَهٗ وَبَرَكَتَهٗ وَهُدَاهُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَافِيْهِ وَمِنْ شَرِّ مَابَعْدَهٗ ثُمَّ اِذَا اَمْسٰى فَلْيَقُلْ مِثْلَ ذٰلِكَ (رواه ابوداؤد)

"حضرت ابومالکؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب صبح ہو تو تم میں سے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ یہ دعا پڑھے اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْئَالُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ فَتْحَهٗ وَنَصْرَهٗ وَنُوْرَهٗ وَبَرَكَتَهٗ وَهُدَاهُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَافِيْهِ وَمِنْ شَرِّ مَابَعْدَهٗ اور پھر جب شام ہو تو اسی طرح یہ دعا پڑھے۔" (ابوداؤد)

(۳۱) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي بَكْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِي يَا اَبَتِ اَسْمَعُكَ تَقُوْلُ كُلَّ غَدَاةٍ اَللّٰهُمَّ عَافِنِي فِي بَدَنِي اَللّٰهُمَّ عَافِنِي فِي سَمْعِي اَللّٰهُمَّ عَافِنِي فِي بَصَرِي لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ تُكَرِّرُهَا ثَلاَثًا حِيْنَ تُصْبِحُ وَثَلاَثًا حِيْنَ تُمْسِي فَقَالَ يَا بُنَيَّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْبِهِنَّ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَسْتَنَّ بِسُنَّتِهٖ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت عبدالرحمن ابن ابوبکرہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب سے کہا کہ ابا جان میں سنتا ہوں آپ روزانہ یہ دعا پڑھتے ہیں اَللّٰهُمَّ عَافِنِي فِي بَدَنِي اَللّٰهُمَّ عَافِنِي فِي سَمْعِي اَللّٰهُمَّ عَافِنِي فِي بَصَرِي لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ اور آپ ﷺ یہ دعا تین مرتبہ صبح کے وقت اور تین مرتبہ شام کے وقت پڑھتے ہیں انہوں نے کہا میرے بیٹے! میں نے رسول کریم ﷺ کو انہیں کلمات کے ذریعے دعا مانگتے سنا ہے لہٰذا میں اسے پسند کرتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کی سنت کی پیروی کروں۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ دعا اور اعمال خیر کا اصل مقصد آنحضرت ﷺ کے حکم کی بجا آوری اور آپ کی سنت کی پیروی ہونا چاہئے نہ کہ جزاء عمل اور قبولیت دعا۔

صبح کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

(۳۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي اَوْفٰى قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصْبَحَ قَالَ اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْكِبْرِيَاءُ وَالْعَظَمَةُ لِلّٰهِ وَالْخَلْقُ وَالْاَمْرُ وَاللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَمَا سَكَنَ فِيْهِمَا لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ هٰذَا النَّهَارِ صَلاَحًا وَاَوْسَطَهٗ نَجَاحًا وَاٰخِرَهٗ فَلاَحًا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ذَكَرَهُ النَّوَوِيُّ فِي كِتَابِ الْاَذْكَارِ بِرِوَايَةِ ابْنِ السُّنِّيِّ

"اور حضرت عبداللہ ابن اوفیؓ کہتے ہیں کہ جب صبح ہوتی رسول کریم ﷺ یہ دعا پڑھتے۔ اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْكِبْرِيَاءُ وَالْعَظَمَةُ لِلّٰهِ وَالْخَلْقُ وَالْاَمْرُ وَاللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَمَا سَكَنَ فِيْهِمَا لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ هٰذَا النَّهَارِ صَلاَحًا

وَاَوْسَطَهٗ نَجَاحًا وَّاٰخِرَهٗ فَلَاحًا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ صبح کی میں نے اور صبح کی ملک نے جو خدا کے لئے تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں اور بزرگی ذات وصفات کی خدا ہی کے لئے ہے اور حکم دن اور رات اور چیزیں دن رات میں آرام پاتی ہیں سب خدا ہی کے لئے ہیں اے اللہ اس دن کے ابتدائی حصہ کو نیکی کا بنا یعنی یہ کہ ہم اسے طاعات میں صرف کریں اور اس کا درمیانی حصہ حاجات کے پورا ہونے کا اور اس کے آخری حصہ کو نجات کا سبب بنا اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔ اس حدیث کو نووی نے ابن سنی کی روایت کے ساتھ کتاب الاذکار میں نقل کیا ہے۔"

تشریح: جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے جس دعا کو یا ارحم الراحمین پر ختم کیا جائے وہ جلد قبول ہوتی ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس دعا کو انہیں الفاظ پر ختم کیا۔ حاکم نے مستدرک میں ابوامامہؓ سے بطریق مرفوع بیان کیا ہے کہ یا ارحم الراحمین کہنے والوں پر اللہ تعالیٰ فرشتہ متعین فرما دیتا ہے چنانچہ جو شخص اس جملہ کو تین بار کہتا ہے تو وہ فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ ارحم الراحمین تیری طرف متوجہ ہے جو مانگنا ہے مانگ لو۔

(۳۳) وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اَصْبَحَ اَصْبَحْنَا عَلٰى فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الْاِخْلَاصِ وَعَلٰى دِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى مِلَّةِ اَبِيْنَا اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (رواہ احمد والدارمی)

"اور حضرت عبدالرحمن ابن ابزیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ صبح کے وقت یہ فرماتے اَصْبَحْنَا عَلٰى فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الْاِخْلَاصِ وَعَلٰى دِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى مِلَّةِ اَبِيْنَا اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ صبح کی ہم نے دین اسلام پر اور کلمہ توحید پر کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے اور اپنے نبی محمد ﷺ کے دین پر اور اپنے باپ ابراہیمؑ کے دین پر جو باطل سے بیزار ہو کر دین حق کی طرف متوجہ تھے اور ابراہیمؑ شرک کرنے والوں سے نہیں تھے۔" (احمد، دارمی)

تشریح: "اپنے نبی محمد ﷺ کے دین پر" ان الفاظ سے ظاہری طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جس طرح دوسروں کی طرف مبعوث فرمائے گئے اسی طرح آپ ﷺ خود بھی اپنی ذات کی طرف مبعوث تھے یا پھر ان الفاظ کے بارہ میں یہ کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے اُمت کو سکھانے کے لئے فرمایا کہ دعا میں اس طرح کہا جائے۔

بَابُ الدَّعَوَاتِ فِي الْاَوْقَاتِ

مختلف اوقات کی دعاؤں کا بیان

جو اذکار یعنی دعائیں وغیرہ شارع سے کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت سے متعلق منقول ہیں ان کو اختیار کرنا اور ان اذکار کو ان کے منقول اوقات میں پورا کرنا ہر شخص کے لئے مسنون ہے اگر ان اذکار کو پابندی کے ساتھ اختیار کیا جائے تو کیا ہی کہنے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم سے کم ایک مرتبہ تو ضرور ہی ان کو پورا کیا جائے تاکہ آنحضرت ﷺ کی اتباع کی سعادت حاصل ہو جائے۔

اولاد کو شیطان سے کیسے محفوظ رکھا جاسکتا ہے

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّاْتِيَ اَهْلَهٗ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَاِنَّهٗ اِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِيْ ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهٗ شَيْطَانٌ اَبَدًا (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی یا لونڈی کے پاس صحبت کے لئے آئے

تو دعا پڑھے اگر اس وقت (ان دونوں) مرد عورت کے جماع کے نتیجہ میں فرزند دیا جانا مقدر رہوا (یعنی بچہ پیدا ہوا) تو اس (بچہ) کو شیطان کبھی ضرر نہیں پہنچائے گا اور وہ دعا یہ ہے بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا ہم مدد چاہتے ہیں اللہ کے نام کے ساتھ! اے اللہ تو ہمیں جو اولاد، نصیب کرے اسے شیطان سے اور شیطان کو اس سے دور رکھ۔"

تشریح: اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ اکثر لوگ یہ دعا پڑھتے ہیں مگر اس کے باوجود ان کی اولاد شیطان کے تصرف اور اس کے ضرر سے محفوظ نہیں رہتی؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ "شیطان کبھی ضرر نہیں پہنچائے گا" سے مراد یہ ہے کہ شیطان انہیں کفر کی کھائیوں میں نہیں پھینک سکتا، لہٰذا اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ صحبت کے وقت ذکر اللہ کی برکت سے اولاد خاتمہ بخیر کی سعادت ابدی سے نوازی جاتی ہے۔ یا پھر اس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان اس کی اولاد کو آسیب اور صرع (یعنی ہاتھ پاؤں ٹیڑھے) کر دینے یا اسی قسم کی دوسری بلاؤں میں مبتلا کر کے ضرر پہنچانے پر قادر نہیں رہتا۔

حضرت امام جوزیؒ کے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اس شخص کی اولاد کے دین و اعتقاد پر اثر انداز نہیں ہوتا اور جس طرح کہ شیطان دوسروں کے صحیح اعتقادات، اور دینی رجحانات میں نقصان پہنچاتا ہے ان کی بہ نسبت اس شخص کی اولاد کے حق میں اس کا ضرر و نقصان بے اثر رہتا ہے۔

بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ "ضرر پہنچانے" سے مراد یہ ہے کہ شیطان جو پیدائش کے وقت ہر بچہ کی کوکھ میں انگلی مارتا ہے جس کی وجہ سے بچہ روتا چلاتا پیدا ہوتا ہے اس دعا کی وجہ سے وہ زور سے انگلی نہیں مار پاتا۔

شدت فکر و غم کے وقت آپ ﷺ کی دعا

(۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ الْكَرْبِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ شدت فکر و غم کے وقت یہ دعا پڑھتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جو بزرگ اور بردبار ہے نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جو پروردگار ہے عرش عظیم کا نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جو پروردگار ہے آسمانوں کا پروردگار ہے زمین کا اور پروردگار ہے عرش کریم کا۔"

غصہ فرو کرنے کی ترکیب

(۳) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوْسٌ وَاَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ مِنَ الْغَضَبِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَقَالُوْا لِلرَّجُلِ اَلَا تَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ لَسْتُ بِمَجْنُوْنٍ (متفق علیہ)

"اور حضرت سلیمان بن صردؓ کہتے ہیں کہ ایک (دن) ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کی مجلس میں دو آدمی آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے ان میں سے ایک آدمی تو دوسرے کو بہت ہی برا بھلا کہہ رہا تھا وہ غصہ میں بھرا ہوا تھا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا (نبی) کریم ﷺ نے (اس کی یہ کیفیت دیکھ کر) فرمایا "کہ میں ایک کلمہ جانتا ہوں اگر یہ شخص اس کلمہ کو پڑھے تو اس کا غصہ جاتا رہے جو اس پر سوار ہے اور وہ کلمہ یہ ہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ (میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے) صحابہؓ نے جب یہ دیکھا کہ

اس شخص نے کلمہ نہیں پڑھا) تو اس سے کہا کیا تم سن نہیں رہے ہو، آنحضرت ﷺ کیا فرما رہے ہیں؟ اس شخص نے کہا کہ "میں کوئی دیوانہ نہیں ہوں"۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غصہ فرو کرنے کا بڑا آسان طریقہ یہ ہے کہ اعوذ باللہ پڑھ لیا جائے اس سے غصہ فرو ہو جائے گا اس حدیث کی بنیاد یہ آیت ہے وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اور اگر تمہیں شیطان بہکا کر اپنے جال میں پھانسے تو اللہ سے پناہ مانگو بلاشبہ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

جس شخص کو آنحضرت ﷺ نے یہ کلمہ تعلیم فرمایا وہ علم شریعت کے زیور سے آراستہ نہیں تھا اور دین کی سمجھ سے بالکل کورا تھا۔ چنانچہ اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ کلمہ پڑھنے کے لئے اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دیوانگی میں مبتلا ہو اور میں دیوانگی میں مبتلا نہیں ہوں اس لئے یہ کلمہ کیوں پڑھوں اسی لئے جب صحابہؓ نے اس کو آنحضرت ﷺ کی تعلیم کی طرف متوجہ کیا تو اس نے اس بد فہمی کی بنا پر اس کلمہ کو تو دیوانے پڑھتے ہیں یہی جواب دیا کہ میں دیوانہ نہیں ہوں جو اس کلمہ کو پڑھوں حالانکہ اس نے نہیں سمجھا کہ غصہ بھی شیطان کے بہکانے کا ہی اثر ہوتا ہے جو بسا اوقات دیوانگی کا ہی روپ دھار لیتا ہے اس لئے غصہ کے وقت بھی اس کلمہ کو پڑھنا نافع ہے۔

آنحضرت ﷺ کی اس تعلیم کی طرف اس شخص کی بے اعتنائی کے سلسلہ میں علامہ طیبیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص منافق رہا ہو یا پھر پرلے درجے کا بد خو، اجڈ اور گنوار۔

مرغ فرشتے کو دیکھ کر بانگ دیتا ہے اور گدھا شیطان کو دیکھ کر رینگتا ہے

④ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمْ صِیَاحَ الدِّیَكَةِ فَاسْأَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنَّهَا رَاَتْ مَلَكًا وَاِذَا سَمِعْتُمْ نَهِیْقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ فَاِنَّهٗ رَاٰی شَیْطَانًا (متفق علیہ)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تم مرغ کو بانگ دیتے سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو کیونکہ وہ فرشتے کو دیکھتے ہیں اور جب گدھے کا رینگنا (چلانا) سنو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگو۔ وہ شیطان کو دیکھتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ مرغ فرشتے کو دیکھ کر بانگ دیتا ہے اس سے اس وقت تم خدا سے دعا مانگو تاکہ وہ آمین کہے۔ اور تمہارے لئے بخشش چاہے اور جب گدھے کی آواز سنو تو۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھو کیونکہ وہ شیطان کو دیکھ کر رینگتا ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نیک ہستیوں کے آنے کے وقت اللہ کی رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے اور لہٰذا اس وقت دعا مانگنی مستحب ہے نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کافروں پر چونکہ اللہ کا غضب اور عذاب نازل ہوتا ہے اس لئے کفار کے سامنے گزرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا مستحب ہے اس خوف سے کہ کہیں ان بدبختوں کی نحوست اور ان کی برائی کے جراثیم اپنے تک نہ پہنچ جائیں۔

سفر کے وقت کی دعا

⑤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اسْتَوٰی عَلٰی بَعِیْرِهٖ خَارِجًا اِلَی السَّفَرِ كَبَّرَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِلَنَا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَاٰبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَهْلِ وَاِذَا رَجَعَ

قَالَهُنَّ وَزَادَ فِيهِنَّ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب سفر کے لئے نکلتے اور اونٹ پر سوار ہوجاتے تو پہلے تین بار اللہ اکبر اور پھر یہ پڑھتے سُبْحَانَ الَّذِی سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ فِىْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِلَنَا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِى السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِى الْاَهْلِ وَالْمَالِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَاٰبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِى الْمَالِ وَالْاَهْلِ پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارا تابعدار بنایا جب کہ ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور بلاشبہ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں اے اللہ! ہم مانگتے ہیں تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ ایسا عمل ہے جس سے تو راضی ہوتا ہے (یعنی اسے قبول کرتا ہے) اے پروردگار! آسان کردے ہمارے لئے ہمارے اس سفر کو اور لپیٹ دے ہمارے لئے اس کی درازی کو (یعنی سفر کی طوالت کو جلد ختم کر دے) اے اللہ! سفر میں تو ہی ہمارا نگہبان ہے اور ہمارے گھر والوں کا تو ہی خبر گیراں ہے اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت سے اور بری حالت دیکھنے سے یعنی اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے اہل وعیال اور اپنے اسباب ومال میں نقصان دیکھ کر غمگین ہوں اور اس سے بری حالت ہو) اور واپسی کی برائی سے اپنے گھر والوں اور اپنے مال میں (یعنی اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ سفر سے واپس آنے کے بعد اپنے گھر والوں اور اپنے مال میں کوئی نقصان دیکھوں اور اس کی وجہ سے میں رنج اٹھاؤں۔ جب آپ ﷺ سفر سے واپس ہوتے تو یہی دعا پڑھتے اور اس میں ان الفاظ کا اضافہ کرتے اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ہم سفر سے پھرنے والے ہیں سلامتی کے ساتھ اپنے وطن کو توبہ کرنے والے ہیں اپنے رب کی عبادت کرنے والے ہیں اور تعریف کرنے والے ہیں۔" (مسلمؒ)

آنحضرت ﷺ سفر کے وقت کن چیزوں سے پناہ مانگتے تھے

(۶) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجِسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ يَتَعَوَّذُ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَاٰبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَدَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِى الْاَهْلِ وَالْمَالِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن سرجسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب سفر کرتے تو پناہ مانگتے، سفر کی مشقت اور محنت سے واپسی سے بری حالت سے (اعمال صالح اور اہل ومال میں) زیادتی کے بعد نقصان سے، مظلوم کی بددعا سے اور واپس آکر) اہل ومال کو بری حالت میں دیکھنے سے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "مظلوم کی بددعا سے" پناہ مانگنے سے مراد یہ ہے کہ درحقیقت آپ ﷺ ظلم سے پناہ مانگتے تھے کہ خدایا مجھے اس بات سے محفوظ ومامون رکھ کہ دانستہ یا نادانستہ کسی پر ظلم نہ کراؤں تاکہ کوئی مظلوم میرے لئے بددعا نہ کرسکے۔

کسی نئی جگہ ٹھہرتے وقت کی دعا

(۷) وَعَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ قَالَتْ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا فَقَالَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ يَضُرَّهٗ شَىْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهٖ ذٰلِكَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت خولہ بنت حکیمؓ کہتی ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے جو شخص کسی نئی جگہ (خواہ سفر کی حالت میں یا حضر میں) آئے اور پھر یہ کلمات کہے تو اس کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی یہاں تک کہ وہ اس جگہ سے کوچ کرے۔ (اور وہ کلمات یہ ہیں) اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ پناہ مانگتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات (یعنی اس کے اسماء وصفات یا اس کی کتابوں) کے ذریعہ اس چیز کی برائی سے جو پیدا کی ہے۔" (مسلمؒ)

رات میں ضرر و نقصان سے بچانے والی دعا

⑧ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَقِیْتُ مِنْ عَقْرَبٍ لَدَغَتْنِی الْبَارِحَةَ قَالَ اَمَا لَوْ قُلْتَ حِیْنَ اَمْسَیْتَ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ تَضُرَّكَ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا "یا رسول اللہ! میں ایک بچھو کی وجہ سے اذیت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ جس نے گزشتہ رات میں مجھے ڈس لیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا" جان لو اگر تم شام کے وقت یہ کلمات کہہ لیتے تو (بچھو) تمہیں ضرر نہ پہنچاتا اور وہ کلمات یہ ہیں اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔" (مسلم)

تشریح: ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص (ان مذکورہ بالا) کلمات کو شام کے وقت تین مرتبہ پڑھ لے تو اسے اس رات میں (کسی بھی زہریلے جانور) کا زہر ضرر نہیں پہنچائے گا، نیز ایک روایت میں ان کلمات کو صبح کے وقت بھی پڑھنا منقول ہے یعنی اگر ان کلمات کو صبح کے وقت پڑھا جائے تو اس دن زہریلے جانوروں سے حفاظت حاصل رہتی ہے۔

حضرت معقل ابن یسارؓ ، جو صحابی ہیں سے منقول ہے کہ جو شخص ان کلمات کو پڑھتا ہے اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے متعین کئے جاتے ہیں جو اس شخص کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہیں نیز وہ شخص اگر اسی حالت میں مرجاتا ہے تو شہید مرتا ہے۔

حالت سفر میں صبح کے وقت کی دعا

⑨ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا کَانَ فِیْ سَفَرٍ وَاَسْحَرَ یَقُوْلُ سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَحُسْنِ بَلَائِهٖ عَلَیْنَا رَبَّنَا صَاحِبْنَا وَاَفْضِلْ عَلَیْنَا عَائِذًا بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب سفر میں ہوتے تو بوقت سحر یہ کہتے (کسی سننے والے نے خدا کی تعریف کو جو میں نے کی اور اس کی نعمتوں کی خوبی کے اقرار کو جو میں نے کیا، اے ہمارے پروردگار ہماری نگہبانی اور (ہم) دوزخ کی آگ سے خدا کی پناہ مانگتے ہوئے۔" (مسلم)

جہاد، حج اور عمرہ سے واپسی کے وقت آپ ﷺ کی دعا

⑩ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ اَوْ حَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ یُکَبِّرُ عَلٰی کُلِّ شَرَفٍ مِنَ الْاَرْضِ ثَلَاثَ تَکْبِیْرَاتٍ ثُمَّ یَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب جہاد یا حج یا عمرہ سے واپسی میں سفر میں ہوتے تو ہر بلند جگہ (مثلاً ٹیلا وغیرہ) پر چڑھتے ہوئے پہلے) تین مرتبہ تکبیر (اللہ اکبر) کہتے اور پھر یہ کلمات فرماتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ہم (اپنے وطن کی طرف) واپس ہونے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں (اللہ کی) عبادت کرنے والے ہیں (اللہ ہی کے آگے) سر جھکانے والے ہیں، اور اپنے پروردگار کی تعریف کرنے والے ہیں اللہ نے (دین کو پھیلانے کا) وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ (محمد) کی مدد کی اور کفار کے گروہوں کو تنہا شکست دی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: و نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ سے غزوہ خندق کے موقع پر تائید و نصرت الٰہی کی طرف اشارہ ہے کہ علاوہ یہود قریظہ و

نضیر کے تقریباً دس یا بارہ ہزار کفار مدینہ پر چڑھ آئے تھے اور نبی کریم ﷺ سے جنگ کا ارادہ رکھتے تھے۔ مگر اللہ نے ہوا اور ملائکہ کی جماعت کو کفار کے لشکر پر مسلط کر دیا۔ جس کی وجہ سے جنگ کے بغیر ہی وہ ہلاک و خراب ہو گئے۔

غزوۂ احزاب کے موقع پر مشرکین کے حق میں آپ ﷺ کی بد دعا

(۱۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي اَوْفٰى قَالَ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاَحْزَابِ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اَللّٰهُمَّ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ احزاب کے دن مشرکین کے لئے بد دعا فرمائی چنانچہ آپ ﷺ بارگاہ حق میں یوں عرض رساں ہوئے۔ اے اللہ نازل کرنے والے کتاب اور جلد لینے والے حساب کے، اے اللہ کفار کے گروہ کو شکست دے اے اللہ ان کو شکست دے اور ان کو ہلا کے رکھدے (یعنی ان کو مقابل میں جمنے نہ دے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

مہمان اور میزبان کے لئے کچھ مسنون باتیں

(۱۲) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِي فَقَرَّبْنَا اِلَيْهِ طَعَامًا وَوَطْبَةً فَاَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ اُتِيَ بِتَمْرٍ فَكَانَ يَاْكُلُهُ وَيُلْقِي النَّوٰى بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ وَيَجْمَعُ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ فَجَعَلَ يُلْقِي النَّوٰى عَلٰى ظَهْرِ اِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى ثُمَّ اُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَهُ فَقَالَ اَبِي وَاَخَذَ بِلِجَامِ دَابَّتِهٖ اُدْعُ اللّٰهَ لَنَا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن بسرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ میرے والد کے پاس بطور مہمان تشریف لائے چنانچہ ہم نے کھانا اور (مالیدہ کی مانند ایک چیز) آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کی آپ ﷺ نے اسے تناول فرمایا پھر خشک کھجور پیش کی گئی آپ ﷺ کھجور کھاتے اور اس کی گٹھلی (بائیں ہاتھ کی) انگلیوں کے درمیان ڈالتے جاتے اور اس کے لئے آپ ﷺ اپنی شہادت کی اور بیچ کی انگلی یکجا کئے ہوئے تھے۔ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ (بائیں ہاتھ کی) اپنی دونوں انگلیوں یعنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی پشت پر گٹھلیاں ڈالتے جاتے تھے بہرکیف اس کے بعد پانی پیش کیا گیا جسے آپ ﷺ نے پیا پھر میرے والد نے جو آپ ﷺ کی سواری کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا فرمائیے چنانچہ آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ اے اللہ تعالیٰ انہیں جو کچھ روزی رزق دیا ہے اس میں برکت فرما ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما۔" (مسلمؒ)

تشریح: کھجوریں کھاتے ہوئے آپ ﷺ ان کی گٹھلیوں کو اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں پر جمع کرتے جاتے تھے۔ اب ایک روایت تو یہ بتاتی ہے کہ آپ ﷺ گٹھلیاں دونوں انگلیوں کے درمیان رکھتے جاتے تھے اور ایک روایت یہ بتا رہی ہے کہ دونوں انگلیوں کی پشت پر ڈالتے تھے۔ بظاہر اس بات میں اختلاف نظر آتا ہے۔ لیکن اگر ذہن میں یہ بات رہے کہ آپ ﷺ گٹھلیوں کو دونوں انگلیوں کے درمیان کبھی رکھتے جاتے ہوں گے اور کبھی دونوں انگلیوں کی پشت پر ڈالتے جاتے ہوں گے، تو ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نظر نہیں آئے گا، اور پھر پشت پر انگلیوں کی، گٹھلیوں کو ڈالنے کی وجہ یہ تھی تاکہ ہاتھ کے اندر کا رخ گٹھلیوں میں لگے ہوئے لعاب وغیرہ سے ملوث نہ ہو کیونکہ اندر کی صفائی اور ستھرائی باہر کی صفائی اور ستھرائی سے اولیٰ ہے۔

یہ حدیث ایسی کئی باتوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو مہمان اور میزبان کے لئے مسنون کا درجہ رکھتی ہے۔ مثلاً اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اکابر اور مہمان کی سواری کی رکاب اور لگام کو ازراہ تواضع اور خاطرداری پکڑنا مسنون ہے۔ اسی طرح مہمان کو رخصت کرنے کے لئے مکان کے دروازے یا باہر کچھ دور تک اس کے ساتھ جانا سنت ہے۔ نیز اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ میزبان کے

لئے تو یہ مسنون ہے کہ وہ مہمان سے طلب دعا کرے اور مہمان کے لئے یہ مسنون ہے کہ میزبان کے لئے دعا کرے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

ہلال دیکھنے کے وقت کی دعا

(۱۳) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَاَى الْهِلَالَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہلال (چاند دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ اے اللہ طلوع فرما اور دکھا ہم کو یہ چاند امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کے ساتھ (اے چاند) میرا پروردگار اور تیرا اللہ ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: "ہلال" کہتے ہیں قمری مہینے کی پہلی، دوسری اور تیسری رات کے چاند کو، اس کے بعد کی راتوں کا چاند "قمر" کہلاتا ہے لہٰذا حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ جب ہلال دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اس دعا کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ اس مہینے میں ہم امن و ایمان کے ساتھ ہر آفت و مصیبت سے محفوظ و سلامت اور اسلام کے احکام پر ثابت قدم اور مستقیم رہیں اس کے بعد چاند کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے کہ میرا اور تیرا دونوں کا رب اللہ ہی ہے۔ جس طرح میں اس کی ایک مخلوق ہوں اسی طرح تو بھی اس کی ایک مخلوق ہے اس سے گویا ان لوگوں کے اعتقادات کی تردید مقصود ہوتی تھی جو چاند اور سورج کو پوجتے ہیں اور انہیں اپنا معبود اور رب مانتے ہیں۔ نعوذباللہ۔

مبتلاء مصیبت کو دیکھ کر پڑھنے کی دعا

(۱۴) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَجُلٍ رَاَى مُبْتَلًا فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا اِلَّا لَمْ يُصِبْهُ ذٰلِكَ الْبَلَاءُ كَائِنًا مَا كَانَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ الرَّاوِيْ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔

"اور حضرت عمر ابن خطاب اور حضرت ابوہریرہؓ دونوں کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی مبتلاء مصیبت کو دیکھے اور دیکھ کر یہ دعا پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا (یعنی تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ کو اس چیز سے بچایا جس میں تجھے مبتلا کیا اور فضیلت بخشی اپنی بہت سی مخلوقات پر تو وہ اس مصیبت میں مبتلا نہیں ہوگا وہ جو مصیبت ہو" (ترمذیؒ) اس روایت کو ابن ماجہؒ نے ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے نیز امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے یہ حدیث غریب ہے اور (اس کے ایک راوی عمرو ابن دینار قوی نہیں ہیں)۔"

تشریح: اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص مبتلاء بلا اور مصیبت زدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا تو وہ اس بلا و مصیبت میں گرفتار نہیں ہوتا چاہے وہ بلاء و مصیبت بدنی ہو، جیسے برص، جزام، بینائی سے محرومی وغیرہ چاہے وہ بلاء دنیوی ہو، جیسے مال و جاہ کی محبت اور دنیا کی ہوس وغیرہ اور خواہ وہ بلاء دینی ہو، جیسے فسق ظلم اور شرک و کفر وغیرہ غرض کہ ہر طرح کے مبتلا کو دیکھ کر یہ دعا پڑھنی چاہیے لیکن علماء نے یہ بھی وضاحت کر دی ہے کہ اگر کوئی بیماری کی مصیبت میں مبتلا ہو تو اسے دیکھ کر یہ دعا آہستہ سے پڑھنی چاہیے تاکہ وہ بیمار آزردہ خاطر نہ ہو اور اگر کسی ایسے شخص کو دیکھے جو گناہ یا دنیا کی

محبت میں مبتلا ہو تو اسے اس صورت میں یہ دعا بلند آواز سے پڑھنی چاہئے تاکہ اسے اپنے احوال پر ندامت ہو اور وہ اس سے باز آ جائے اور اگر یہ دعا بآواز بلند پڑھنے سے کسی فتنہ و فساد کا خوف ہو تو پھر اس صورت میں بھی یہ دعا آہستہ آواز میں پڑھی جائے۔

بازار میں پڑھنے کی دعا اور اس کی فضیلت

(۱۵) وَعَنْ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ فَقَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَلْفَ اَلْفِ حَسَنَةٍ وَمَحٰى عَنْهُ اَلْفَ اَلْفِ سَيِّئَةٍ وَرَفَعَ لَهٗ اَلْفَ اَلْفِ دَرَجَةٍ وَبَنٰى لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ مَنْ قَالَ فِيْ سُوْقٍ جَامِعٍ يُبَاعُ فِيْهِ بَدَلَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ۔

"اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص بازار میں پہنچ کر یہ کلمات پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اس سے دس لاکھ برائیاں دور کرتا ہے، اس کے لئے دس لاکھ درجے بلند کرتا ہے اور اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے اور وہ کلمات یہ ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اس کے لئے تعریف ہے وہ زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے وہ (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے) زندہ ہے اس کے لئے موت نہیں ہے۔ اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے نیز شرح السنۃ میں من دخل السوق (جو شخص بازار میں پہنچ کر) کی بجائے یہ ہے من قال فی سوق جامع یباع فیہ (جو بازار میں جہاں خرید و فروخت ہوتی ہو جہاں اکثر چیزیں بکتی ہوں یہ کلمات کہے۔"

تشریح: اتنا زیادہ ثواب ملنے کی وجہ یہ ہے کہ بازار غفلت کی جگہ ہے نیز بازار ایک ایسی جگہ ہے جہاں عام طور پر جھوٹ دغا، مکر و فریب اور چالبازیوں کی کثرت ہوتی ہے پھر یہ کہ بازاروں کو شیاطین کی سلطنت کہا جاتا ہے اس لئے اسی جگہ میں اللہ کو یاد کرنے سے بہت زیادہ ثواب ملتا ہے۔

دنیا کی نعمت پوری نعمت نہیں ہے

(۱۶) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَدْعُوْ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ تَمَامَ النِّعْمَةِ فَقَالَ اَيُّ شَيْءٍ تَمَامُ النِّعْمَةِ قَالَ دَعْوَةٌ اَرْجُوْ بِهَا خَيْرًا فَقَالَ اِنَّ مِنْ تَمَامِ النِّعْمَةِ دُخُوْلَ الْجَنَّةِ وَالْفَوْزَ مِنَ النَّارِ وَسَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ فَقَالَ قَدِ اسْتُجِيْبَ لَكَ فَسَلْ وَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الصَّبْرَ فَقَالَ سَأَلْتَ اللّٰهَ الْبَلَاءَ فَسَلْهُ الْعَافِيَةَ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت معاذ ابن جبلؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دعا مانگتے سنا جو اس طرح کہہ رہا تھا، اے اللہ! میں تجھ سے پوری نعمت مانگتا ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا "پوری نعمت کیا چیز ہے؟ اس شخص نے کہا" یہ دعا ہے جس کے ذریعہ میں زیادہ مال کے حصول کی امید رکھتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "نادان" جان لے جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے نجات پانا پوری نعمت ہے۔ "نیز آپ ﷺ نے ایک شخص کو دعا مانگتے سنا جو بارگاہ حق میں (ان الفاظ کے ذریعہ) عرض رساں تھا یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (یعنی اے بزرگی اور بخشش کے مالک) آپ ﷺ نے فرمایا "تمہاری دعا قبول کی گئی لہٰذا جو مانگنا ہو "مانگ لو"۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے سنا ایک شخص یہ دعا مانگ رہا تھا "اے اللہ! میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں۔" آپ نے فرمایا "تم تو اللہ تعالیٰ سے بلاء مانگ رہے ہو۔ حالانکہ چاہئے کہ تم اس سے عافیت

مانگو۔" (ترمذی)

تشریح: حدیث کے پہلے جز کا حاصل یہ ہے کہ وہ شخص دنیا کی نعمت کو "پوری نعمت" سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اس کے حصول کی دعا مانگ رہا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اسے متنبہ فرمایا کہ دنیا کی نعمت ایسی نعمت نہیں ہے جس کو اس طرح طلب کیا جائے کیونکہ یہ فنا ہو جانے والی ہے پوری نعمت اور حقیقی نعمت تو جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے نجات پانا ہے اس لئے اس نعمت کے حصول کی دعا مانگنی چاہئے۔

حدیث کے آخری جز کا حاصل یہ ہے کہ وہ شخص صبر مانگ رہا تھا ظاہر ہے صبر کی ضرورت مصیبت وبلاء کے بعد ہی ہوتی ہے۔ اس لئے صبر مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ بالواسطہ بلاء مانگ رہا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا "صبر نہ مانگو کیونکہ اس طرح بلاء کا مانگنا مفہوم ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو کہ وہ تمہیں تمام مصائب اور تمام بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ ہاں اگر کسی مصیبت وبلاء میں مبتلا ہو تو پھر صبر کی طاقت مانگنا اور بلاء و مصیبت پر صبر کرنا چاہئے۔

کفارۃ المجلس

⑰ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا فَكَثُرَ فِيْهِ لَغَطُهٗ فَقَالَ قَبْلَ اَنْ يَّقُوْمَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا كَانَ فِیْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالْبَيْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی ایسی مجلس میں شریک ہو جہاں بے فائدہ باتیں ہو رہی ہوں اور وہاں سے اٹھنے سے پہلے یہ دعا پڑھے تو اس مجلس میں جو کچھ ہوا وہ اس کے لئے بخش دیا جاتا ہے۔ (دعا یہ ہے) اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ (یعنی تو پاک ہے اے الٰہی اور تیری تعریف کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور میں تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں)۔" (ترمذی، بیہقی)

تشریح: لفظ "لغط" سے یہاں مراد ایسا کلام ہے اور ایسی بات چیت ہے جس کی وجہ سے گناہ ہوتا ہو اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ "لغط" کے معنی ہیں بے فائدہ کلام، بہرکیف حدیث بالا میں جو دعا ذکر کی گئی ہے اسے "کفارۃ المجلس" کہتے ہیں۔ یعنی جس مجلس میں گناہ یا بے فائدہ باتیں ہوتی ہوں یا ہنسی ٹھٹھا ہوا ہو تو اس دعا کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو معاف کر دیتا ہے گویا یہ دعا مجلس کی غیر شرعی اور غیر پسندیدہ باتوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔

سوار ہونے کی دعا

⑱ وَعَنْ عَلِیٍّ اَنَّهٗ اُتِیَ بِدَابَّةٍ لِيَرْكَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهٗ فِی الرِّكَابِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ فَلَمَّا اسْتَوٰى عَلٰى ظَهْرِهَا قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ثَلَاثًا وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثَلَاثًا سُبْحَانَكَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ثُمَّ ضَحِكَ فَقِيْلَ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ ضَحِكْتَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ كَمَا صَنَعْتُ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ ضَحِكْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ يَقُوْلُ اللّٰهُ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ غَيْرِیْ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت علیؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ (ایک مرتبہ) ان کی خدمت میں (سواری کا) جانور لایا گیا تاکہ وہ اس پر سوار ہوں چنانچہ انہوں

نے اپنا پاؤں رکاب میں ڈالا (یعنی سوار ہونے کے لئے رکاب میں پاؤں ڈالنے کا ارادہ کیا) تو کہا بسم اللہ پھر جب اس کی پیٹھ پر چڑھے تو کہا الحمدللہ یعنی سواری کی نعمتوں اور اس کے علاوہ دوسری نعمتوں پر اللہ کا شکر ہے۔ اور پھر یہ کلمات پڑھے سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اس جانور کو ہمارا تابعدار کیا جب کہ ہمیں اس کی طاقت حاصل نہیں تھی اور بلاشبہ ہم اپنے پروردگار کی طرف ضرور لوٹ کر جانے والے ہیں) اس کے بعد انہوں نے تین مرتبہ الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر کہہ کر یہ پڑھا سُبْحَانَكَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (یعنی اے پروردگار تو پاک ہے، بیشک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے پس تو مجھے بخش دے بلاشک گناہوں کو تیرے علاوہ کوئی بخشنے والا نہیں ہے) پھر حضرت علیؓ ہنسے ان سے پوچھا گیا کہ "امیر المؤمنین! آپ کیوں ہنسے ہیں" حضرت علیؓ نے فرمایا "میں نے رسول کریم ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا اور پھر آپ ﷺ ہنسے میں نے عرض کیا! یارسول اللہ! آپ ﷺ کس چیز کی وجہ سے ہنسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا پروردگار! اپنے بندہ سے راضی ہوتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار میرے لئے گناہوں کو بخش دے۔ چنانچہ جب بندہ پروردگار سے بخشش چاہتا ہے تو پروردگار فرماتا ہے کہ یہ بندہ جانتا ہے کہ گناہوں کو میرے سوا کوئی نہیں بخشتا۔" (احمدؒ۔ ترمذیؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: نبی کریم ﷺ تو اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی وجہ سے ہنسے اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کا ہنسنا آنحضرت ﷺ کی اتباع اور پیروی کی بناء پر تھا۔

دعاء رخصت و وداع

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَدَّعَ رَجُلًا اَخَذَ بِيَدِهٖ فَلَا يَدَعُهَا حَتّٰى يَكُوْنَ الرَّجُلُ هُوَ يَدَعُ يَدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقُوْلُ اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَاٰخِرَ عَمَلِكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا لَمْ يُذْكَرْ وَاٰخِرَ عَمَلِكَ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کسی شخص (مسافر) کو رخصت کرتے تو آپ ﷺ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھ میں لیتے اور اس کے ہاتھ کو اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک کہ وہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک کو نہ چھوڑ دیتا (یعنی آپ ﷺ بسبب حسن اخلاق و تواضع ایسا کرتے) اور پھر فرماتے اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَاٰخِرَ عَمَلِكَ (ترجمہ) میں نے تیرا دین، تیری امانت اور تیرا آخری عمل اللہ کے سپرد کیا (یعنی میں تیرے دین اور تیری امانت کی حفاظت کا طلبگار ہوں اور خدا کرے تیرا خاتمہ بخیر ہو) اور ایک روایت میں واخر عملک کی بجائے وخواتیم عَمَلِكَ ہے یعنی تیرے آخری اعمال بھی اللہ کے سپرد کرتا ہوں (دونوں کا مطلب ایک ہی ہے) اس روایت کو ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے لیکن ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایتوں میں "و آخر عملک" کے الفاظ نہیں ہیں۔"

تشریح: "امانت" سے مراد وہ اموال ہیں جن سے لوگوں کے ساتھ لین دین کیا جاتا ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ "امانت" سے مراد وہ اہل و اولاد ہیں جنہیں مسافر گھر میں چھوڑ کر راہ سفر اختیار کرتا ہے۔

(۲۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ الْخَطْمِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَسْتَوْدِعَ الْجَيْشَ قَالَ اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَاَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ خطمیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب لشکر کو رخصت کرنے کا ارادہ فرماتے تو دعا فرماتے: میں نے تمہارا دین، تمہاری امانت اور تمہارا آخری عمل اللہ کو سونپا۔"

(۲۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُرِيْدُ سَفَرًا فَزَوِّدْنِيْ فَقَالَ زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى قَالَ زِدْنِيْ قَالَ وَغَفَرَ ذَنْبَكَ قَالَ زِدْنِيْ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ قَالَ وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میں سفر میں روانہ ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے توشہ عنایت فرمایئے (یعنی میرے لئے دعا فرمایئے تاکہ اس کی برکت سفر میں توشہ کی مانند میرے ساتھ ہو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تقویٰ کو تمہارا توشہ بنائے (یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں پرہیزگاری نصیب کرے کہ یہ راہ آخرت کا توشہ ہے اس نے عرض کیا کہ "آپ (ﷺ) پر میرے ماں باپ قربان، میرے لئے مزید کوئی دعا کیجئے" آپ ﷺ نے فرمایا اور تم جہاں کہیں بھی رہو اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی بھلائی کو تمہارے لئے آسان کرے اور اس کی توفیق بخشے" امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

(۲۲) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اُسَافِرَ فَاَوْصِنِيْ قَالَ عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالتَّكْبِيْرِ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ فَلَمَّا وَلَّى الرَّجُلُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَطْوِلَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں سفر میں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "خدا سے ڈرنے کو اور (راہ سفر میں) ہر بلند جگہ اللہ اکبر کہنے کو اپنے اوپر لازم کرو" پھر جب وہ شخص (آپ ﷺ کے پاس سے واپس ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اے اللہ! اس کے لئے سفر کی درازی کو لپیٹ دے (یعنی اس کی دراز مسافت کو مختصر فرما کر سفر کی مشقتوں کو دور کر دے اور اس کے سفر کے تمام امور کو اس پر آسان کر دے"۔" (ترمذیؒ)

تشریح: علیک بتقوی اللہ کا مطلب یہ ہے کہ خوف و خشیت الٰہی اختیار کرو یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو، شرک و گناہ اور شبہ کی چیزوں کو ترک کرو اور ایسی چیزوں کو بھی اختیار نہ کرو جو ضرورت و حاجت سے زائد ہوں۔ عبادت و ذکر اللہ میں غفلت اور ماسوی اللہ کے دھیان سے بچو، نیز اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا نہ جانو اور نہ غیر اللہ پر اعتماد کرو۔

سفر میں رات کے وقت آپ ﷺ کی دعا

(۲۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَفَرَ فَاَقْبَلَ اللَّيْلُ قَالَ يَا اَرْضُ رَبِّيْ وَرَبُّكِ اللّٰهُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَا فِيْكِ وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِيْكِ وَشَرِّ مَا يَدِبُّ عَلَيْكِ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ اَسَدٍ وَاَسْوَدَ وَمِنَ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَمِنْ شَرِّ سَاكِنِ الْبَلَدِ وَمِنْ وَالِدٍ وَمَا وَلَدَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب سفر کرتے اور رات آتی تو آپ ﷺ یہ فرماتے: (یعنی اے زمین میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں تیری (ذات کی) برائی سے (مثلاً خسف وغیرہ سے) اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر ہے (جیسے پانی یا تجھ سے پیدا ہونے والی ایسی بوٹی وغیرہ جو کسی کو ہلاک کر دے) اور اس چیز کی برائی سے جو تجھ میں پیدا کی گئی ہے (جیسے زہریلے جانور اور ہلاک کر دینے والی چیزیں اور ان چیزوں کی برائی سے جو تجھ پر چلتی پھرتی ہیں (جیسے حشرات الارض اور حیوانات جو ضرر پہنچاتے ہیں) اور اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیر سے، کالے سانپ سے دوسرے قسم کے سانپوں سے اور بچھو سے اور آبادی میں رہنے والوں کی برائی سے (بعض حضرات کہتے ہیں ان سے مراد جنات ہیں جو ہر آبادی اور ہر زمین میں رہتے ہیں) اور جننے والے کی برائی سے اور اس چیز کی برائی سے کہ جنا گیا (یعنی ابلیس لعین اور اس کی اولاد کی شر سے یا ہر جننے والے اور اس کی اولاد کی شر سے پناہ مانگتا ہوں۔" (ابوداؤد)

جہاد کے وقت آپ ﷺ کی دعا

(۴۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا غَزَا قَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِيْرِیْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اُقَاتِلُ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ جب جہاد کرتے تو یہ فرماتے اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِيْرِیْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اُقَاتِلُ۔ اے اللہ تو ہی میرا معتمد علیہ ہے۔ یعنی مجھے ہر معاملہ میں تجھی پر بھروسہ ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے کفار کے مکر و فریب کو دور کرنے کے لئے میں تیری قوت کے ساتھ حیلہ کرتا ہوں (یعنی ان کی طرف جنگ کے لئے متوجہ ہوں) اور تیری ہی قوت کے ساتھ دشمنان دین پر حملہ کرتا ہوں) اور تیری ہی مدد کے ساتھ دین کے ان دشمنوں سے لڑتا ہوں۔" (ترمذی، ابوداؤد)

دشمن کے خوف کے وقت کی دعا

(۴۵) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰى اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَافَ قَوْمًا قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

"اور حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو جب کسی قوم (دشمن) سے اندیشہ ہوتا تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ اے اللہ ہم تجھ کو دشمن کے مقابل کرتے ہیں یعنی تجھ سے اس بات کی درخواست کرتے ہیں کہ تو ان کی شر سے ہمیں محفوظ رکھ اور ان کے اور ہمارے درمیان حائل ہو اور ہم ان کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔" (احمدؒ، ابوداؤدؒ)

تشریح: حصن حصین میں لکھا ہے کہ جو شخص دشمن یا کسی اور کے خوف میں مبتلا ہو تو سورۂ لایلاف قریش پڑھنا ہر شر و خوف سے امان کا باعث ہوگا اور یہ عمل مجرب ہے۔

گھر سے نکلتے وقت آپ ﷺ کی دعا

(۴۶) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ نَزِلَّ اَوْ نَضِلَّ اَوْ نَظْلِمَ اَوْ نُظْلَمَ اَوْ نَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَفِیْ رِوَايَةِ اَبِیْ دَاؤُدَ وَابْنِ مَاجَةَ قَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ مَاخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْتِیْ قَطُّ اِلَّا رَفَعَ طَرْفَهٗ اِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَیَّ۔

"اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اپنے گھر سے نکلتے تو یہ دعا پڑھتے بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ نَزِلَّ اَوْ نَضِلَّ اَوْ نَظْلِمَ اَوْ نُظْلَمَ اَوْ نَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا گھر سے نکلتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ، بھروسہ کیا میں نے اللہ پر اے اللہ! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں اس سے کہ پھسلیں (یعنی بلاقصد گناہ میں مبتلا ہو جائیں) یا ہم گمراہ ہوں (یعنی قصداً گناہ کریں) یا ہم ظلم کریں یا ہم پر ظلم کیا جائے یا ہم پھر جہالت میں مبتلا ہوں یا ہمیں جہالت میں مبتلا کیا جائے۔ (احمد، ترمذی، نسائی) نیز امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت ام سلمہؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ جب بھی میرے گھر سے نکلتے آسمان کی طرف اپنی نگاہ اٹھا کر یوں فرماتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَیَّ (ترجمہ) اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں گمراہ ہوں یا گمراہ کیا جاؤں (یعنی مجھے کوئی گمراہ کر دے) یا میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے یا میں جہالت میں مبتلا ہوں یا مجھے جہالت میں مبتلا کیا جائے۔"

(۲۷) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ مِنْ بَیْتِہٖ فَقَالَ بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ یُقَالُ لَہٗ حِیْنَئِذٍ ھُدِیْتَ وَکُفِیْتَ وَوُقِیْتَ فَیَتَنَحّٰی لَہُ الشَّیْطَانُ وَیَقُوْلُ شَیْطَانٌ اٰخَرُ کَیْفَ لَکَ بِرَجُلٍ قَدْ ھُدِیَ وَکُفِیَ وَوُقِیَ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ اِلٰی قَوْلِہٖ لَہُ الشَّیْطَانُ۔

"اور حضرت حسنؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلتا ہے اور پھر یہ پڑھتا ہے بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (یعنی نکلتا ہوں میں اللہ کے نام کے ساتھ بھروسہ کیا میں نے اللہ پر، گناہوں سے بچنے کی طاقت اور عبادت کرنے کی قوت اللہ ہی کی طرف سے ہے تو اس وقت اس سے کہا جاتا ہے (یعنی فرشتہ اسے بتاتا ہے) کہ اے اللہ کے بندے! تجھے راہ راست دکھائی گئی تجھے (جمع مہمات اور تمام امور میں) غیر سے مستغنی کر دیا گیا ہے اور تو (تمام برائیوں سے محفوظ رہا" چنانچہ یہ سن کر شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے اور دوسرا شیطان (اس شیطان کی تسلی کے لئے اس سے کہتا ہے کہ تو اس شخص پر کیونکر قابو پا سکتا ہے جسے راہ راست دکھائی گئی جسے غیر سے مستغنی کر دیا گیا جو تمام برائیوں سے محفوظ رہا (ابوداؤد) امام ترمذیؒ نے اس روایت کو لفظ لہ الشیطن تک نقل کیا ہے۔"

تشریح: "تجھے راہ راست دکھائی گئی" یعنی چونکہ تو نے خدا کا نام لیا؛ اسی کی ذات پر توکل و اعتماد کیا اور لاحول پڑھ کر اپنے آپ کو عاجز جانا اس لئے تو نے راہ راست پائی کیونکہ (راہ راست" یہی ہے کہ بندہ خدا کو یاد کرے اور اسی پر اعتماد و توکل کر کے کے اپنے تمام امور اس کی طرف سونپ دے ۔

کار خود راہ بخدا باگزار کت نمی بینم ازیں بہتر کار

امام نوویؒ کی کتاب الاذکار کے مطابق کتاب ابن سنی میں حضرت عمرؓ کی یہ روایت منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص معاشی تنگی میں مبتلا ہو تو اس کو کون سی چیز اس بات سے روکتی ہے کہ وہ جب گھر سے نکلے تو یہ دعا پڑھ لیا کرے بِسْمِ اللّٰہِ عَلٰی نَفْسِیْ وَمَالِیْ وَدِیْنِیْ اَللّٰھُمَّ رَضِّنِیْ بِقَضَائِکَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا قُدِّرَ لِیْ حَتّٰی لَا اُحِبَّ تَعْجِیْلَ مَا اَخَّرْتَ وَلَا تَاْخِیْرَ مَا عَجَّلْتَ (ترجمہ) میں گھر سے نکلا اللہ کے نام سے جو مالک ہے میری جان، میرے مال اور میرے دین کا اے اللہ! تو مجھے مطمئن کر دے اپنے فیصلہ پر اور تو مجھے برکت دے اس چیز میں جو تو نے میرا مقدر کر دیا ہے یہاں تک کہ میں نہ پسند کروں اس چیز میں عجلت کو جس کو تو نے مؤخر کیا اور نہ چاہوں تاخیر اس چیز میں جس میں تو نے عجلت کو پسند کیا۔

نیز ابن ماجہؒ میں یہ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جو شخص نماز کے لئے اپنے گھر سے نکلے اور پھر یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف بذات خود متوجہ ہوتا ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کی مغفرت کے لئے دعا کرتے ہیں دعا یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِحَقِّ مَمْشَایَ ھٰذَا فَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشِرًا وَلَا بَطَرًا وَلَا رِیَاءً وَلَا سُمْعَۃً وَخَرَجْتُ اِتِّقَاءَ سَخَطِکَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِکَ فَاَسْئَلُکَ اَنْ تُعِیْذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَاَنْ تَغْفِرَ لِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (ترجمہ) اے اللہ! میں درخواست کرتا ہوں تجھ سے اپنے چلنے کے وسیلہ سے اس لئے میں نہیں نکلا تکبر کے ساتھ اور نہ اترا کر اور نہ ریاکاری کے لئے اور نہ نمود کے لئے بلکہ میں تیرے غضب سے ڈر کر اور تیری خوشنودی کی طلب میں اس لئے میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو مجھے دوزخ کی آگ سے اپنی پناہ میں رکھ اور میرے تمام گناہوں کو بخش دے کیونکہ تیرے علاوہ اور کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔

گھر میں داخل ہونے کے وقت کی دعا

(۲۸) وَعَنْ اَبِیْ مَالِکٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا وَلَجَ الرَّجُلُ بَیْتَہٗ فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ الْمَوْلِجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَعَلَی اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا ثُمَّ لِیُسَلِّمْ عَلٰی اَھْلِہٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابومالک اشعری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہو تو اسے چاہئے کہ وہ یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلِجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا (یعنی اے اللہ! میں تجھ سے گھر میں داخل ہونے اور گھر سے باہر نکلنے کی بھلائی مانگتا ہوں (یعنی گھر میں آنا اور گھر سے نکلنا خیر و برکت کے ساتھ ہو) اللہ کے نام سے ہم گھر میں داخل ہوئے اور ہم نے اللہ پر کہ وہ ہمارا رب ہے بھروسہ کیا) اس کے بعد اسے چاہئے کہ وہ اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔" (ابوداؤد)

تشریح: حصن حصین میں یہ دعا ابوداؤد ہی سے نقل کی گئی ہے اس میں بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا (اللہ کے نام سے ہم گھر سے نکلے) بھی ہے چنانچہ اصل ابوداؤد کو دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں بھی یہ جملہ موجود ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ یا تو خود مؤلف مشکوٰۃ علیہ الرحمۃ اس جملہ کو لکھنا بھول گئے ہوں یا پھر کاتب کی غلطی سے یہ جملہ نقل ہونے سے رہ گیا ہو، بہرکیف اس دعا کو پڑھتے وقت اس جملہ کو بھی پڑھنا چاہئے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اپنے گھر میں داخل ہونے اور یہ دعا پڑھنے کے بعد اپنے گھر والوں کو تو سلام کرنا ہی چاہئے جیسا کہ حدیث نے وضاحت کے ساتھ بتایا ہے لیکن اگر گھر میں کوئی موجود نہ ہو تب بھی بہ نیت ملائکہ سلام کرلینا چاہئے کیونکہ وہاں ملائکہ تو بہرصورت ہوتے ہی ہیں اور اس صورت میں اس طرح سلام کرنا چاہئے اَلسَّلَامُ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ۔

دولہا اور دولہن کے لئے دعا

(۲۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَفَّاَ الْاِنْسَانَ اِذَا تَزَوَّجَ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص نکاح کرتا اور نبی کریم ﷺ اسے دعا دیتے تو یہ فرماتے بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ (یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں مبارک فرمائے اور تم دونوں (یعنی میاں بیوی) کو برکت دے یعنی تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور اولاد رزق کی وسعت اور فروانی سے نوازے) اور تم دونوں میں بھلائی جمع کرے (یعنی تمہیں طاعت و عبادت کی توفیق بخشے صحت و عافیت کے ساتھ تمہاری زندگی گزارے تم دونوں میں پیار و محبت اور حسن سلوک ہمیشہ قائم رکھے تمہاری اولاد کو نیک و صالح بنائے۔" (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

نکاح کرنے والے کی دعا

(۳۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَزَوَّجَ اَحَدُكُمْ امْرَاَةً اَوِ اشْتَرٰى خَادِمًا فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاِذَا اشْتَرٰى بَعِيْرًا فَلْيَاْخُذْ بِذِرْوَةِ سَنَامِهٖ وَلْيَقُلْ مِثْلَ ذٰلِكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِي الْمَرْاَةِ وَالْخَادِمِ ثُمَّ لِيَاْخُذْ بِنَاصِيَتِهَا وَلْيَدْعُ بِالْبَرَكَةِ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو) سے اور عبداللہ بن عمرو نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے یا کوئی غلام خریدے تو وہ یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا اے اللہ! میں تجھ سے اس (کی ذات) کی بھلائی مانگتا ہوں اور بھلائی اس چیز کی جس پر تونے ان کو پیدا کیا (یعنی اچھے اخلاق) اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس کی برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جس پر تونے اسے پیدا کیا (یعنی برے اخلاق و افعال) اور جب اونٹ خریدے تو اس کے کوہان کی بلندی کو پکڑ کر

اسی طرح کہے یعنی مذکورہ بالا دعا پڑھے۔" ایک اور روایت میں عورت اور غلام کے بارہ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "پھر عورت یا غلام کی پیشانی کے بال پکڑ کر خیر و برکت کی دعا کرے۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "خیر و برکت کی دعا" سے یہی مذکورہ بالا دعا ہے جیسا کہ حصن حصین سے مفہوم معلوم ہوتا ہے یعنی عورت یا غلام کی پیشانی کے بال پکڑ کر تب یہ دعا پڑھی جائے۔

علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ صرف اونٹ پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ جو بھی جانور خریدا جائے یہ دعا پڑھی جائے اللہ تعالیٰ اس جانور میں برکت و ترقی عطا فرمائے گا۔

غم دور کرنے کی دعا

(۳۱) وَعَنْ اَبِی بَکْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعَوَاتُ الْمَکْرُوْبِ اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ اَرْجُوْ فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" غمزدہ کی دعا جس کو پڑھنے سے غم جاتا رہتا ہے یہ ہے اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ اَرْجُوْ فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اے اللہ! میں تیری رحمت کا طلبگار ہوں پس مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر (کیونکہ وہ میرا بڑا دشمن ہے اور عاجز ہے وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ حاجت روائی کر سکے) اور میرے سارے کاموں کو درست کر دے تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں)۔" (ابوداؤدؒ)

ادائیگی قرض کی دعا

(۳۲) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ ھُمُوْمٌ لَزِمَتْنِیْ وَدُیُوْنٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَفَلَا اُعَلِّمُکَ کَلَامًا اِذَا قُلْتَہٗ اَذْھَبَ اللّٰہُ ھَمَّکَ وَقَضٰی عَنْکَ دَیْنَکَ قَالَ قُلْتُ بَلٰی قَالَ قُلْ اِذَا اَصْبَحْتَ وَاِذَا اَمْسَیْتَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ قَالَ فَفَعَلْتُ ذٰلِکَ فَاَذْھَبَ اللّٰہُ ھَمِّیْ وَقَضٰی عَنِّیْ دَیْنِیْ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے فکر و غم نے گھیر رکھا ہے اور قرض نے جکڑ رکھا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسی دعا نہ بتا دوں جسے اگر تم پڑھ لیا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارا فکر دور کر دے قرض کے بارے میں تمہیں نجات دے حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ اس شخص نے (مجھ سے) کہا کہ میں نے عرض کیا کہ "ہاں ضرور بتائیے! آپ ﷺ نے فرمایا صبح شام دونوں وقت یہ دعا پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ غَلَبَۃِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ اس شخص کا بیان ہے کہ "میں نے ایسا ہی کیا، (یعنی یہ دعا پڑھنے لگا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری فکر دور فرما دی اور میرے اوپر سے قرض کا بوجھ اتار دیا۔" (ابوداؤد)

تشریح: عاجزی سے پناہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ ادائے طاعت و عبادت اور مصیبت و مشقت کے تحمل پر قادر نہ ہو سکوں اور ان سے عاجز رہوں۔

"بخل" سے مراد یہ ہے زکوٰۃ کفارات اور دوسرے واجبات مالیہ کی ادائیگی کا ترک کرنا، سائل و محتاج کو اپنے در سے نامراد واپس کر دینا مہمان کی ضیافت نہ کرنا، سلام نہ کرنا، اور سلام کا جواب نہ دینا، اگر کوئی علمی سوال کیا جائے یا کوئی دینی مسئلہ پوچھا جائے تو اس کو جانتے ہوئے اور اس کا علم رکھتے ہوئے بھی اس علمی سوال کا جواب نہ دینا اور وہ مسئلہ نہ بتانا۔ اور نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سن کر درود نہ

پڑھنا۔

نامردی" سے مراد یہ ہے کہ جہاد کے وقت دشمنوں سے ڈر کر مقابلہ کی ہمت ہار بیٹھنا، اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے موقع پر جرأت اور حق گوئی کا مظاہرہ نہ کرنا اور رزق وغیرہ کے معاملہ میں دل سے اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد نہ کرنا۔

۳۳ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ جَاءَهُ مُكَاتَبٌ فَقَالَ اِنِّي عَجَزْتُ عَنْ كِتَابَتِي فَاَعِنِّي قَالَ اَلَا اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ عَلَّمَنِيهِنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عَلَيْكَ مِثْلُ جَبَلٍ كَبِيْرٍ دَيْنًا اَدَّاهُ اللّٰهُ عَنْكَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں منقول ہے کہ ان کے پاس ایک مکاتب آیا اور کہنے لگا کہ میں اپنا بدل کتابت ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں (یعنی مال کتابت ادا کرنے کا وقت آگیا ہے مگر میرے پاس مال نہیں ہے اس لئے آپ (مال و دعا سے) میری مدد کیجئے" حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "کیا تمہیں وہ دعا نہ بتا دوں جو نبی کریم ﷺ نے مجھے سکھائی تھی (کہ جس کی برکت سے) اگر تمہارے اوپر پہاڑ کی مانند بھی قرض ہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے ذمہ سے ادا کر دے گا (تو سنو وہ دعا یہ ہے) تم اس کو پڑھ لیا کرو اَللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ (اے اللہ! مجھے حلال مال کے ذریعہ حرام مال سے بے نیاز کر دے (یعنی مجھے حلال رزق عطا فرما تاکہ اس کی وجہ سے حرام مال سے بے نیاز ہو جاؤں) اور اپنے فضل و کرم کے ذریعہ اپنے ماسوا سے مجھے مستغنی کر دے)۔" (ترمذی، بیہقی)

تشریح: "مکاتب" اس غلام کو کہتے ہیں جس کا مالک اس سے لکھوالے کہ جب وہ اتنا مال یا اتنے روپے ادا کر دے گا تو اس وقت وہ آزاد ہو جائے گا اسی طرح "بدل کتابت" اس مال کو کہتے ہیں جس کو ادا کرنے کی ذمہ داری اس مکاتب غلام نے قبول کر لی ہو لہٰذا جب وہ مقررہ مال ادا کر دے گا تو اسی وقت آزاد ہو جائے گا۔

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرٍ اِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْكِلَابِ فِيْ بَابِ تَغْطِيَةِ الْاَوَانِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى اور حضرت جابرؓ کی روایت اِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْكِلَابِ ہم انشاء اللہ باب تغطیۃ الاوانی میں ذکر کریں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

کسی مجلس سے اٹھتے ہوئے پڑھی جانے والی دعا

۳۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا جَلَسَ مَجْلِسًا اَوْصَلّٰى تَكَلَّمَ بِكَلِمَاتٍ فَسَاَلْتُهُ عَنِ الْكَلِمَاتِ فَقَالَ اِنْ تَكَلَّمَ بِخَيْرٍ كَانَ طَابِعًا عَلَيْهِنَّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَاِنْ تَكَلَّمَ بِشَرٍّ كَانَ كَفَّارَةً لَهُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ (رواہ النسائی)

"ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب کسی مجلس میں بیٹھتے یا نماز پڑھتے (تو اس مجلس سے اٹھتے ہوئے یا نماز سے فراغت کے بعد) چند کلمات پڑھا کرتے تھے (ایک مرتبہ) میں نے آپ ﷺ سے پوچھا (کہ ان کلمات کو پڑھنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر ان کلمات سے پہلے مجلس میں نیک باتیں ہوئی ہوں گی تو یہ کلمات (ان نیک باتوں) پر قیامت تک کے لئے مہر ہو جائیں گے (یعنی ان کلمات کو پڑھنے سے وہ نیک باتیں قیامت تک محفوظ رہیں گی کہ ان کا ثواب ضائع نہیں ہوگا) اگر ان کلمات سے پہلے مجلس میں بری باتیں ہوں گی تو یہ کلمات ان بری باتوں کی معافی اور بخشش کا ذریعہ بن جائیں گے اور وہ کلمات یہ ہیں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ پاک ہے تو اے اللہ! اور تیری تعریف کے ساتھ تیری پاکی بیان کی جاتی ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں۔" (نسائی)

ہلال دیکھ کر کہے جانے والے کلمات

(۳۵) وَعَنْ قَتَادَةَ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَاٰى الْهِلَالَ قَالَ هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ اٰمَنْتُ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ ذَهَبَ بِشَهْرِ كَذَا وَجَاءَ بِشَهْرِ كَذَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ ان تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم ﷺ جب ماہ نو دیکھتے تو یہ کہتے هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ یعنی چاند ہے بھلائی اور ہدایت کا، چاند ہے بھلائی اور ہدایت کا، چاند ہے بھلائی اور ہدایت کا (اسی کے ساتھ یہ کہتے) اٰمَنْتُ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ یعنی (اے چاند) میں اس ذات پاک پر ایمان رکھتا ہوں جس نے تجھے پیدا کیا یہ بھی تین بار فرماتے اور پھر اس کے بعد کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ ذَهَبَ بِشَهْرِ كَذَا وَجَاءَ بِشَهْرِ كَذَا (تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے اس مہینہ کو ختم کیا اور اس مہینہ کی ابتدا کی۔ کذا کی جگہ گزشتہ اور آئندہ مہینہ کا نام لیتے)۔" (ابوداؤد)

تشریح: جیسا کہ دارمی میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے واضح ہے آپ ﷺ ماہ نو کو دیکھ کر پہلے اللّٰہ اکبر کہتے پھر اس کے بعد ھِلَالُ خیرٍ وَّرشد الخ کہتے۔

"چاند ہے بھلائی وہدایت کا" اس جملہ کے بارہ میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دعائیہ جملہ ہے یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ "خدایا یہ چاند بھلائی اور ہدایت کا پیغام لے کر آیا ہو" یا پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جملہ بطور فال نیک جملہ خبریہ ہی ہے۔

فکر دور کرنے کی دعا

(۳۶) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَثُرَ هَمُّهُ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ وَفِيْ قَبْضَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُكَ اَسْاَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهُ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهُ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوْ اَلْهَمْتَ عِبَادَكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِيْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَجِلَاءَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ مَاقَالَهَا عَبْدٌ قَطُّ اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهُ وَاَبْدَلَهُ بِهٖ فَرَحًا۔ (رواہ رزین)

"اور حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو بہت زیادہ فکروں نے گھیر رکھا ہو اسے چاہئے کہ وہ یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ وَفِيْ قَبْضَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُكَ اَسْاَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهُ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهُ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوْ اَلْهَمْتَ عِبَادَكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِيْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَجِلَاءَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری لونڈی کا بیٹا ہوں تیرے قبضہ میں ہوں، (یعنی تیری ملک اور تیرے تصرف میں ہوں) میری پیشانی کے بال تیرے ہاتھ میں ہیں (تیری مدد کے بغیر مجھے حرکت وسکون کی قوت بھی حاصل نہیں) میرے حق میں تیرا حکم جاری ہے۔ (یعنی تیرے حکم کو توقف اور کوئی روکنے والا نہیں جو تو کہتا ہے اور چاہتا ہے وہی ہوتا ہے میرے بارہ میں تیرا فیصلہ عدل و انصاف ہے (یعنی میرے مقدر میں جو کچھ تو نے لکھ دیا ہے وہی عین انصاف ہے) میں تجھ سے تیرے ہر نام کے وسیلہ سے مانگتا ہوں جسے تو نے اپنی ذات کے لئے اختیار کیا ہے یا اس کو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اس کو اپنی مخلوقات میں سے کسی کو سکھایا ہے (یعنی کتاب میں ذکر کئے بغیر انبیاء کو الہام کیا ہے) یا تو نے اسے اپنے ہاں پردہ غیب میں اختیار کیا ہے (یعنی وہ تیرے علاوہ کسی کو معلوم نہیں) یہ کہ تو نے قرآن کو میرے دل کی بہار، میری آنکھوں کا نور اور میرے فکر وغم کو دور کرنے والا بنادے "اس دعا کو جو بھی بندہ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر غم دور کردیتا ہے اور اس کے بدلہ خوشی عطا فرماتا ہے"۔ (رزینؒ)

بلندی پر چڑھتے اور اترتے وقت تکبیر و تسبیح پڑھنا

(۳۷) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَعِدْنَا كَبَّرْنَا وَاِذَا نَزَلْنَا سَبَّحْنَا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب ہم بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب اترتے تو سبحان اللہ کہتے۔" (بخاریؒ)

غم دور کرنے کی دعا

(۳۸) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا كَرَبَهٗ اَمْرٌ يَقُوْلُ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ بِمَحْفُوْظٍ۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو جب معاملہ غمگین کرتا تو آپ ﷺ یہ فرماتے۔ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ یعنی اے زندہ! اے قائم رکھنے والے (مخلوق کو) میں تیری رحمت کے ذریعہ فریاد رسی چاہتا ہوں "اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔ اور کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔ محفوظ نہیں ہے۔"

تشریح: اس روایت کو حاکم اور ابن سنی نے حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے۔ نیز حاکم اور نسائی نے اسے حضرت علیؓ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ وَيُكَرِّرُ وَهُوَ سَاجِدٌ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ یعنی آپ ﷺ سجدہ میں یاحی یاقیوم بار بار کہتے۔

(۳۹) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قُلْنَا يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ مِنْ شَيْءٍ نَقُوْلُهٗ وَقَدْ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ قَالَ نَعَمْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا قَالَ فَضَرَبَ اللّٰهُ وُجُوْهَ اَعْدَائِهٖ بِالرِّيْحِ وَهَزَمَ اللّٰهُ بِالرِّيْحِ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ خندق کے دن ہم نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! کیا کوئی ذکر و دعا ہے جسے ہم پڑھیں اور کامیاب ہوں) کیونکہ ہمارے دل گردن کو پہنچ گئے ہیں (یعنی انتہائی دشواریوں اور مشقتوں نے ہمیں گھیر لیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! اور وہ یہ ہے اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا یعنی اے اللہ! ہمارے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں خوف سے امن میں رکھ! حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے منہ پر ہوا کے تھپیڑے مارے اور ہوا ہی کے ذریعہ انہیں شکست دی۔" (احمدؒ)

تشریح: "خندق" "کے دن" سے مراد غزوہ خندق ہے جسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بایں طور اپنی مدد و نصرت سے نوازا کہ ہوا کے تیز و تند تھپیڑے (دشمنان دین پر مسلط کر دیئے جنہوں نے ان کی ہانڈیاں الٹ دیں، ان کے خیمے اکھاڑ ڈالے اور انہیں طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر کے تباہ و برباد کر دیا۔

بازار میں آنحضرت ﷺ کی دعا

(۴۰) وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ السُّوْقَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ السُّوْقِ وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اُصِيْبَ فِيْهَا صَفْقَةً خَاسِرَةً۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

"اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بازار میں آتے تو یہ دعا پڑھتے۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ السُّوْقِ وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اُصِيْبَ فِيْهَا صَفْقَةً خَاسِرَةً آیا میں اللہ کے نام کے ساتھ! اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں بھلائی اس بازار کی (یعنی حلال رزق میسر ہو اور اس میں نفع و برکت ہو) اور اس چیز کی بھلائی جو اس میں ہے (یعنی لوگ) اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس کی برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو اس میں ہے (یعنی فاسد خرید و فروخت اور

نقصان اور فاسد لوگ) اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ اس بازار میں کسی نقصان دہ معاملہ سے دوچار ہوں۔" (بیہقی)

بَابُ الْاِسْتِعَاذَةِ

پناہ مانگنے کا بیان

اس باب میں ان دعاؤں پر مشتمل احادیث نقل کی گئی ہیں جن میں اکثر غیر پسندیدہ، غیر شرعی اور نقصان دہ چیزوں اور شیطان کے مکرو فریب سے اللہ رب العزت کی پناہ مانگنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ کلام اللہ پڑھنے سے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ پڑھنا افضل ہے یا اَسْتَعِیْذُ بِاللّٰہِ اکثر حضرات کہتے ہیں کہ اَسْتَعِیْذُ بِاللّٰہِ پڑھنا افضل ہے کیونکہ قرآن کریم سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ تاہم احادیث و آثار سے چونکہ اعوذ باللہ پڑھنا بھی ثابت ہے اس لئے اس کو پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

بلاء، بدبختی، بری تقدیر، اور دشمن کی خوشی سے خدا کی پناہ مانگو

① عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰہِ مِنْ جَھْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بلاء کی مشقت سے بدبختی کے پہنچنے سے، بری تقدیر سے اور دشمنوں کے خوش ہونے سے۔ اللہ کی پناہ مانگو"۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "بلاء" اس حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان امتحان و آزمائش کے سخت کوش مرحلہ سے دوچار اور فتنہ دین و دنیا کی گھٹنائیوں اور دشواریوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ "جہد" کے معنی ہیں "مشقت و غایت" لہٰذا جہد البلاء وبلاء کی مشقت) سے مراد دین و دنیا کی وہ مصیبتیں ہیں جن میں انسان مبتلا ہوتا ہے اور وہ نہ صرف ان کو دور کرنے پر قادر نہیں ہوتا بلکہ ان مصیبتوں کے آنے پر بھی صبر نہیں کر سکتا۔

"بری تقدیر" سے مراد وہ چیز ہے جو انسان کے حق میں بری اور ناپسندیدہ ہو، اسی طرح دشمن کی خوشی سے پناہ مانگنے سے مراد یہ ہے کہ دین و دنیا کی کسی بھی ایسی مصیبت میں مبتلا نہ ہونے پائے جس سے دشمن خوش ہوتا ہو۔ بہرکیف اس حدیث میں جن چیزوں سے پناہ مانگنے کے لئے فرمایا جارہا ہے اس میں غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اس حدیث کے ذریعہ ایک ایسی جامع دعا کی طرف راہنمائی کی گئی ہے جو تمام دینی اور دنیوی مقاصد و مطالب پر حاوی ہے۔

آنحضرت ﷺ کن چیزوں سے پناہ مانگتے تھے

② وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَۃِ الرِّجَالِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَۃِ الرِّجَالِ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ فکر سے، غم سے، عاجز ہونے سے، سستی سے، نامردی سے، بخل سے، قرض کے بوجھ سے اور لوگوں (یعنی ظالموں) کے غلبہ سے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

(۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَاْثَمِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰى وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِيْ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ بارہ گاہ رب العزت میں یوں عرض کیا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَاْثَمِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰى وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِيْ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں، طاعت میں سستی سے، بڑھاپے (کے سبب سے مغبوط الحواس اور اعضاء کے ناکارہ ہونے) سے تاوان یا قرض سے اور گناہ سے، اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں آگ کے عذاب سے اور عذاب کے فتنہ سے۔ قبر کے فتنہ اور قبر کے عذاب سے، دولت کے فتنہ سے اور برائی سے، فقر کے فتنہ کی برائی سے اور کانے دجال کے فتنہ سے اے اللہ! برف اور اولے کے پانی سے میرے گناہ دھودے (یعنی طرح طرح مغفرتوں کے ذریعہ مجھے گناہوں سے پاک کردے جس طرح برف اور اولے کا پانی میل کچیل کو صاف کرتا ہے اور میرے دل کو (برے اخلاق اور برے خیالات سے) پاک کردے جس طرح سفید کپڑا پانی سے صاف کیا جاتا ہے اور میرے گناہوں کے درمیان اسی طرح بعد پیدا کردے جس طرح تونے مشرق اور مغرب کے درمیان بعد پیدا کیا ہے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "پناہ مانگتا ہوں آگ کے عذاب سے" کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میرا شمار ان لوگوں میں ہو جو دوزخی ہیں یا کفار۔

اس موقع پر یہ بات جان لینی چاہئے کہ "عذاب الٰہی" میں صرف کفار ہی مبتلا ہوں گے چنانچہ موحدین جو اپنی بدعملیوں کی سزا آخرت میں پائیں گے اسے "عذاب نہیں کہا جاتا بلکہ وہ" "تادیب" ہے یعنی اگر ان کو دوزخ کی آگ میں ڈالا جائے گا اور ایسا عذاب کے لئے نہیں بلکہ "تادیب" یعنی ان کے گناہوں کو دھونے اور ختم کرنے کے لئے ہوگا۔

"آگ کے فتنہ" سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آگ اور قبر کے عذاب کا باعث بنتی ہیں یعنی گناہ و معصیت۔

"قبر کے فتنہ" سے مراد ہے منکر و نکیر کے سوالات کا جواب دیتے وقت حواس باختہ ہونا۔

"قبر کے عذاب" سے مراد ہے، فرشتوں کا، ان لوگوں کو لوہے کے گرزوں سے مارنا اور ان کا عذاب میں مبتلا ہونا۔ جو منکر نکیر کے سوالات کا جواب نہ دے سکیں گے "قبر" سے مراد ہے عالم برزخ چاہے وہ قبر ہو یا کچھ اور ہو دولت کے فتنہ سے مراد ہے تکبر و سرکشی کرنا مال و زر حرام ذرائع سے حاصل کرنا اور ان کو گناہ کی جگہ خرچ کرنا اور مال و جاہ پر بے جا فخر کرنا اسی طرح فقر کے فتنے سے مراد ہے۔ دولت مندوں پر حسد کرنا، ان کے مال و زر کی ہوس اور طمع رکھنا، اس چیز پر راضی نہ ہونا جو اللہ نے اس کی قسمت میں لکھ دی ہے یعنی فقر اور اسی قسم کی وہ تمام چیزیں جو صبر و توکل اور قناعت کے منافی ہیں۔

اب آخر میں یہ بات بطور خاص ذہن نشین کر لیجئے۔ کہ آنحضرت ﷺ کا ان تمام چیزوں سے پناہ مانگنا اس کے معنی میں نہیں تھا کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ ان چیزوں میں مبتلا تھے، یا ان میں مبتلا ہونے کا خوف تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ معصوم تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دائمی طور پر ان تمام چیزوں سے امن و حفاظت میں رکھا تھا بلکہ ان چیزوں سے پناہ مانگنا تعلیم امت کے طور پر تھا کہ امت کے لوگ ان چیزوں سے پناہ مانگیں اور ان سے بچیں۔

(۴) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ

وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِيْ تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت زید ابن ارقمؓ کہتے ہیں "کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِيْ تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں عاجزی (یعنی طاعت پر قادر نہ ہو کر) اچھے کاموں میں سستی سے، نامردی سے، بخل سے، بڑھاپے (کے سبب اعضاء کے ناکارہ اور حواس باختہ ہونے) سے اور قبر کے عذاب (یعنی قبر کی تنگی، وہاں کی وحشت گرزوں سے مارے جانے سے، بچھوؤں کے ڈنگ مارنے، سانپوں کے ڈسنے اور اسی قسم کی دوسری ہولناکیوں) سے اے اللہ! میرے نفس کو اس کی پرہیز گاری عطا کر اور اس کو پاک کر، کیونکہ اس کو پاک کرنے والوں میں تیری ہی ذات بہترین ہے تو ہی اس کا کارساز اور مالک ہے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع بخش نہ ہو۔ اس دل سے جو نہ ڈرے (یا اسے ذکر اللہ سے تسکین نہ ہو) اس نفس سے جو سیر نہ ہو (یعنی حریص ہو اللہ نے جو کچھ دیا ہے اس پر قناعت نہ کرے اور اس دعا سے جو مرتبہ قبولیت کو نہ پہنچے۔" (مسلمؒ)

تشریح: غیر نفع بخش علم سے پناہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ میں اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جس پر عمل نہ کروں جو دوسروں کو نہ سکھاؤں اور جو اخلاق و افعال کو نہ سدھارے، یا پھر اس سے وہ علم مراد ہے جو دین کے لئے ضروری نہ ہو اس طرح وہ علم بھی مراد ہو سکتا ہے جس کو حاصل کرنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے۔

حضرت ابوطالب مکی فرماتے ہیں کہ جس طرح آنحضرت ﷺ نے شرک، نفاق، اور برے افعال سے پناہ مانگی ہے اسی طرح آپ ﷺ نے علم کی (اس ایک قسم سے پناہ مانگی (جو اسلامی عقائد و اعمال کے نقطۂ نظر سے مضر ہے اور جو انسان کو تقویٰ اور خوف آخرت کی راہ پر لگانے کی بجائے دنیا کی حرص و محبت کے راستہ پر لے جائے) چنانچہ جس علم کے ساتھ تقویٰ اور خوف آخرت نہ ہو وہ دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اور دنیاداری کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔

⑤ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہوتی تھی۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں تیری نعمت کے جاتے رہنے سے (اور نعمت سے مراد ایمان و اسلام و نیکیاں اور عرفان ہے) تیری عافیت کی تبدیلی سے (مثلاً صحت کے بدلے بیماری اور غنا کے بدلے محتاجگی ہو جانے سے) تیرے ناگہانی عذاب سے اور تمام غصوں سے۔" (مسلمؒ)

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَالَمْ اَعْمَلْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَالَمْ اَعْمَلْ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس کام کی برائی سے جو میں نے کیا اور اس کام کی برائی سے جو میں نے نہیں کیا۔" (مسلمؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ میں نے جو برے کام کئے ہیں ان سے بھی پناہ مانگتا ہوں بایں معنی کہ ان کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤں اور وہ برے کام معاف فرما دیئے جائیں اور جو کام نہیں کئے ہیں ان سے بھی پناہ مانگتا ہوں بایں معنی کہ آئندہ ایسا کوئی کام نہ کروں جو تیری

ناراضگی وخوشی کا باعث ہو یا یہ کہ برے کاموں کے ترک کو اپنا کمال نہ سمجھوں بلکہ اسے صرف تیرا فضل جانوں۔

(۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِکَ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ مِنْ اَنْ تُضِلَّنِیْ اَنْتَ الْحَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ یَمُوْتُوْنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِکَ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ مِنْ اَنْ تُضِلَّنِیْ اَنْتَ الْحَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ یَمُوْتُوْنَ اے اللہ! میں نے تیری اطاعت کی، میں تجھی پر ایمان لایا، میں نے تجھی پر توکل کیا، میں نے تیری ہی طرف رجوع کیا (یعنی گناہوں کو چھوڑ کر تیری ہی طاعت کی طرف متوجہ ہوا، اور میں تیری مدد سے (کافروں سے) لڑتا ہوں۔ اے اللہ میں تیری عزت کے واسطے سے تیری پناہ مانگتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اس سے کہ گمراہ کرے تو مجھ کو تو زندہ ہے ایسا کہ تو نہیں مرے گا اور تمام جن و انسان مریں گے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

(۸) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْاَرْبَعِ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دُعَاءٍ لَا یُسْمَعُ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ وَرَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو وَالنَّسَائِیُّ عَنْھُمَا۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ یوں دعا مانگتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْاَرْبَعِ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دُعَاءٍ لَا یُسْمَعُ اے اللہ! میں چار چیزوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اس دل سے جو عاجزی نہ کرے اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو قبول نہ کی جائے۔ (احمد، ابوداؤد، وابن ماجہ) نیز اس روایت کو ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے اور نسائی نے (حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ) دونوں سے روایت کیا ہے۔"

(۹) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنْ خَمْسٍ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَسُوْءِ الْعُمُرِ وَفِتْنَۃِ الصَّدْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ پانچ چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے (۱) نامردی سے۔ (۲) بخل سے۔ (۳) عمر کی برائی سے (یعنی عمر کی اتنی زیادتی سے کہ آخر میں قوی اور حواس میں فرق آجائے اور عبادت و طاعت کی قوت نہ رہے۔ (۴) سینہ کے فتنہ سے (یعنی اس چیز سے کہ سینہ کے اندر برے اخلاق اور برے عقائد جاگزین ہوں یا حق بات قبول نہ ہو اور بلاؤں کا تحمل نہ ہو) اور (۵) قبر کے عذاب سے۔" (ابوداؤد، نسائی)

(۱۰) وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْقِلَّۃِ وَالذِّلَّۃِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا کرتے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْقِلَّۃِ وَالذِّلَّۃِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، محتاجگی سے، قلت سے ذلت سے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں کسی پر ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: "محتاجگی" سے مراد دل کی محتاجگی ہے یعنی دل مال وزر جمع کرنے کا حریص ہو، یا اس سے مراد مال کی محتاجگی (افلاس) ہے کہ اس کی وجہ سے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے، لہٰذا حقیقت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے محتاجگی کے فتنہ سے پناہ مانگی خواہ وہ دل کی محتاجگی ہو یا مال کی۔

قلت سے مراد نیکیوں کی قلت (کمی) ہے مال وزر کی قلت مراد نہیں ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ تو خود مال وزر میں قلت وکمی رکھتے تھے۔ اور مال کی کثرت وزیادتی کو ناپسند فرماتے تھے، یا پھر قلت سے مال کی اتنی قلت مراد ہے کہ وہ قوت لایموت (بقدر بقاء زندگی غذا) کے لئے بھی کافی نہ ہو جس کی وجہ سے عبادات میں کوتاہی اور نقصان واقع ہو، بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں "صبر کی کمی" مراد ہے۔ "ذلت" سے مراد گناہوں کے نتیجہ میں ملنے والی ذلت ہے گنہ گار اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ہوتا ہے یا پھر مالداروں کی مفلسی یا غربت کی بناء پر ذلیل ہونا مراد ہے۔

(۱۱) وَعَنْهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ دعا کرتے اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اختلاف سے، نفاق سے، اور برے اخلاق سے)۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: "خلاف" سے مراد ہے حق کی مخالفت، اور بعض حضرات نے کہا کہ آپس میں اختلاف وعداوت مراد ہے۔ "نفاق" سے نفاق کی تمام قسمیں مراد ہیں خواہ عقیدہ میں نفاق ہو یا عمل میں۔ مثلاً دل میں کفر وشرک کی تاریکی رکھنا اور زبان سے اسلام کا اظہار کرنا، کسی سے زبان سے تو کچھ کہنا اور دل میں کچھ رکھنا، بہت زیادہ جھوٹ بولنا، امانت میں خیانت کرنا اور وعدہ کے خلاف کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۱۲) وَعَنْهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوذُبِكَ مِنَ الْجُوعِ فَاِنَّهُ بِئْسَ الضَّجِيْعُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوذُبِكَ مِنَ الْجُوعِ فَاِنَّهُ بِئْسَ الضَّجِيْعُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بھوک سے کہ وہ بدترین ہم خواب ہے اور تیری پناہ مانگتا ہوں خیانت سے کہ وہ باطن کی بدترین خصلت ہے۔" (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: بھوک سے اس لئے پناہ مانگی کہ اس کی وجہ سے انسان کے بدن، قوی اور حواس میں کمزوری ہو جاتی ہے اور اس کا اثر عبادت میں نقصان اور حضوری میں خلل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے لہٰذا بدترین بھوک وہی ہے جو نقصان وخلل کا باعث بنے اور اکثر ہو جب کہ وہ بھوک جو ریاضت ومجاہدہ کے مقصد سے بطریق اعتدال اور اپنی حالت کے موافق ہو بدترین نہیں ہے۔ بلکہ وہ باطن کی صفائی دل کی نورانیت اور بیماریوں سے بدن کی صحت وسلامتی کا سبب ہے۔

"خیانت" سے مراد ہے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کرنا اور لوگوں کے اموال اور ان کے رازوں میں بے ایمانی و خیانت کرنا، چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت اسی پر دلالت کرتی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ اے ایمان والو! (نافرمانی کے ذریعہ) اللہ اور رسول کے حق میں خیانت نہ کرو اور نہ اپنے اموال میں خیانت کرو۔

(۱۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَمِنْ سَيِّئِ الْاَسْقَامِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا مانگتے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَمِنْ سَيِّئِ

الْاَسْقَامِ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کوڑھ سے، جذام سے دیوانگی سے، اور بری بیماریوں سے۔" (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: سَيِّءِ الْاَسْقَامِ (بری بیماریوں) کا ذکر تعمیم بعد تخصیص کے طور پر ہے یعنی پہلے تو آپ ﷺ نے خاص طور پر چند بری بیماریوں کا نام لیتے ہوئے پناہ مانگی۔ پھر عام طور پر ہر بری بیماری مثلاً استسقاء اور دق وغیرہ سے پناہ مانگی۔ ان بیماریوں سے آپ ﷺ نے پناہ اس لئے مانگی کہ جس شخص کو ان میں سے کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے اکثر لوگ اس سے گھبراتے ہیں اور اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ نیز برص اور کوڑھ تو ایسے مرض ہیں جن کی وجہ سے مریض کا جسم بدہیئتی اور بدنمائی کا شکار ہو جاتا ہے اس طرح وہ جسم کے معاملہ میں اپنے ہی جیسے انسانوں کی صف سے باہر ہو جاتا ہے پھر یہ کہ مرض ہمیشہ کے لئے چپک کر رہ جاتے ہیں جو کبھی اچھے نہیں ہوتے برخلاف اور امراض کے مثلاً بخار، سردرد، وغیرہ کا یہ حال نہیں ہوتا ان میں تکلیف بھی کم ہوتی ہے اور ثواب بھی بہت ملتا ہے۔

ابن مالک ؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو مرض ایسا ہو کہ لوگ مریض سے احتراز کرتے ہوں۔ نہ خود مریض دوسروں سے منقطع ہو سکتا ہو اور نہ دوسرے اس سے کوئی فائدہ حاصل کر سکتے ہوں اور مریض اس مرض کی وجہ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے عاجز ہو جاتا ہو تو اس مرض سے پناہ مانگنی مستحب ہے۔

علماء کا خیال یہ ہے کہ کوڑھ اور جذام بالطبع متعدی نہیں ہیں یعنی یہ مرض کسی کو از خود نہیں لگتے مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوڑھی کے بدن سے اپنا بدن لگانے کی وجہ سے جذامی کی پیپ لگ کر یہ بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

(۱۴) وَعَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت قطبہ بن مالک ؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرماتے اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں برے اخلاق سے برے اعمال سے اور بری خواہشات سے۔" (ترمذی)

تشریح: "منکر" اسے کہتے ہیں جسے شریعت نے بھلائی میں شمار نہ کیا ہو یا شریعت نے جس کی برائی بیان کی ہو۔

"اخلاق" سے مراد "باطنی اعمال ہیں" لہٰذا منکر الاخلاق سے پناہ مانگنے کا مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں دل کے برے اعمال سے مثلاً حسد و کینہ وغیرہ سے۔

"برے اعمال سے" مراد ظاہری برے افعال ہیں اور بری خواہشات سے مراد برے عقائد اور غلط افکار و نظریات ہیں۔

پناہ مانگنے کے سلسلے میں ایک جامع دعا کی تعلیم

(۱۵) وَعَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلِ بْنِ حُمَيْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ عَلِّمْنِي تَعْوِيْذًا اَتَعَوَّذُ بِهِ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِي وَشَرِّ بَصَرِي وَشَرِّ لِسَانِي وَشَرِّ قَلْبِي وَشَرِّ مَنِيِّي۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

"اور حضرت شتیر بن شکل بن حمید اپنے والد (حضرت شکل ؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا تعویذ (یعنی ایسی دعا) بتا دیجئے جس کے ذریعہ سے میں پناہ مانگوں "آپ ﷺ نے فرمایا" یہ دعا پڑھو اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِي وَشَرِّ بَصَرِي وَشَرِّ لِسَانِي وَشَرِّ قَلْبِي وَشَرِّ مَنِيِّي اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اپنی سماعت کی برائی سے۔ (کہ اپنے کان سے بری باتیں نہ سنوں) اپنی بینائی کی برائی سے (کہ اپنی آنکھوں سے بری چیزیں نہ دیکھوں) اپنی زبان کی برائی سے کہ اپنی زبان سے برے اور بے فائدہ کلمات نہ نکالوں، اپنے دل کی برائی سے کہ میرے دل میں برے عقیدے اور حسد اور کینہ وغیرہ کا گزر نہ ہو اور برے کام میں عزم مصمم نہ کروں) اور اپنی منی کی برائی سے کہ وہ حرام کاری میں صرف نہ ہو اور میں بنظر شہوت کسی کو نہ دیکھوں۔"

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

آنحضرت مہلک حادثات سے پناہ مانگتے تھے

(۱۶) وَعَنْ اَبِی الْیَسَرِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَدْعُوْ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَدْمِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ التَّرَدِّیْ وَمِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالْھَرَمِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ یَتَخَبَّطَنِی الشَّیْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ فِی سَبِیْلِکَ مُدْبِرًا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِیْغًا۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَزَادَ فِی رِوَایَۃٍ اُخْرٰی وَالْغَمِّ۔

"اور حضرت ابوالیسرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَدْمِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ التَّرَدِّیْ وَمِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالْھَرَمِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ یَتَخَبَّطَنِی الشَّیْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ فِی سَبِیْلِکَ مُدْبِرًا وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِیْغًا اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں مکان گرنے سے (یعنی کوئی مکان یا دیوار مجھ پر نہ گر پڑے کہ جس کی وجہ سے میں ہلاک ہو جاؤں) اور تیری پناہ مانگتا ہوں کسی بلند جگہ سے گر پڑنے سے، ڈوبنے سے، جلنے سے، زیادہ بڑھاپے سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ موت کے وقت شیطان مجھے حواس باختہ کرے (یعنی وسوسے پیدا کر کے میرے دین کو تباہ کر دے) تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے تیری راہ میں پشت پھیر کر (یعنی جہاد میں کفار کے مقابلے سے بھاگ کر) مروں اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ لدیغ (یعنی سانپ بچھو اور دوسرے زہریلے جانوروں کے کاٹنے سے مروں)۔" (ابوداؤد، نسائی)

نسائیؒ نے ایک روایت میں و الغم بھی نقل کیا ہے۔ (یعنی تیری پناہ مانگتا ہوں غم سے)

تشریح: اگرچہ یہ اشکال پیدا ہو کہ حدیث میں مذکورہ بالا چیزیں بعض تو ایسی ہیں جن کے سبب سے موت واقع ہو جانے کی صورت میں شہادت کا درجہ ملتا ہے پھر آنحضرت نے ان سے پناہ کیوں مانگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان چیزوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مصیبت و تکلیف اور پریشانیوں کا گویا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسے نازک اور سخت موقع پر کوئی صبر کا دامن چھوڑ بیٹھے اور شیطان کو موقع مل جائے اور وہ بہکا کر دینی و اخروی سعادتوں کو ملیا میٹ کر دے اس لئے آپ ﷺ نے ان سے بھی پناہ مانگی تاکہ اُمت کے لوگ ان چیزوں سے پناہ مانگیں۔

زیادہ بڑھاپے سے پناہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ بڑھاپے کی برائی سے کہ حواس و قویٰ میں فرق آجائے بیہودہ و لایعنی کلام زبان سے نکلنے لگیں اور عبادت میں فتور آجائے ان سے پناہ مانگتا ہوں، منقول ہے کہ جو شخص کلام اللہ یاد کر لیتا ہے وہ ان آفات سے محفوظ رہتا ہے۔

طمع سے پناہ مانگنے کا حکم

(۱۷) وَعَنْ مُعَاذٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَعِیْذُوْا بِاللّٰہِ مِنْ طَمَعٍ یَھْدِی اِلٰی طَبَعٍ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْبَیْھَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ۔

"اور حضرت معاذؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو طمع سے جو طبع تک پہنچادے۔" (احمد، بیہقی)

تشریح: "طمع" کے معنی ہیں مخلوق خدا سے مال و زر کی امید رکھنا! اور طبع کے اصل معنی تو ہیں تلوار کو زنگ لگنا، لیکن یہاں اس لفظ سے مراد "عیب" ہے لہٰذا حدیث بالا کے مطابق "طمع" سے پناہ مانگنے کا مفہوم یہ ہے کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں طمع سے جو مجھے اس مقام پر پہنچادے جہاں میری زندگی عیب دار ہو جائے اور وہ عیب ہے، اہل دنیا کے سامنے تواضع و انکساری اختیار کرنا، کم ظرف، پست خیال اور بدکردار دنیاداروں کے آگے اپنے آپ کو ذلیل کرنا، سمعہ وریا (کسی بھی کام کے وقت دکھانے سنانے کے جذبہ) کو ظاہر کرنا، سرمایہ داروں کی بے جا تعریف و مدح اور ان کی چاپلوسی میں مبتلا ہونا اور اسی قسم کی وہ ذلیل حرکتیں جو طمع کی حالت میں صادر ہوتی ہیں۔

حاصل یہ کہ طمع سے اجتناب ضروری ہے کیونکہ یہی وہ حقیر جذبہ ہے جو انسان کی عزت نفس، خودداری اور ضمیر کے شرف و وقار کے

لئے بہت بڑا عیب ہے جس کی وجہ سے انسان نہ صرف دنیاوی طور پر ذلیل و حقیر اور بے وقعت ہو جاتا ہے بلکہ دینی طور پر بھی اس کی روح کی بالیدگی اور پاکیزگی کے لئے ایک ناسور سے کم نہیں ہے جو آہستہ آہستہ دین کے تمام گوشوں میں مختلف طریقوں سے زہر کی آمیزش کرتا رہتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ طمع دین کے فساد کی جڑ ہے اور ورع (پرہیزگاری) دین کی اصلاح کا ذریعہ ہے۔

حضرت شیخ علی متقیؒ فرماتے ہیں کہ "طمع" اسے کہتے ہیں کہ اس مال کی امید رکھی جائے جس کے حاصل ہونے میں شک ہو اگر اس کے حصول کا یقین ہو جیسے کسی پر کوئی حق ہو یا کسی کا وعدہ صادق ہو! اور یا کسی سے اتنی راسخ محبت ہو کہ وہ اس کی ہر خواہش کی تکمیل ضرور کرتا ہو تو اسی صورت میں اس سے توقع رکھنے کو طمع نہیں کہتے۔

چاند کے بے نور ہونے سے پناہ مانگو

(۱۸) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرَ اِلَى الْقَمَرِ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اسْتَعِيْذِيْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا فَاِنَّ هٰذَا هُوَ الْغَاسِقُ اِذَا وَقَبَ۔ (رواہ الترمذیؒ)

"اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ "عائشہ! اللہ کی پناہ مانگو! (اس چاند) کی برائی سے کیونکہ یہ غاسق (اندھیرا پھیلانے والا) ہے جب بے نور ہو جائے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "قرآن مجید کی سورت قل اعوذ برب الفلق میں جہاں اور کئی چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے وہیں" ۔ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ کا بھی ذکر ہے یعنی پناہ مانگو اندھیرا پھیلانے والے کی برائی سے جب وہ بے نور ہو جائے۔ چنانچہ آنحضرت کے ارشاد گرامی نے غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ کی وضاحت فرمائی کہ اس سے مراد چاند ہے جب وہ گہن میں آجاتا ہے، لہٰذا اس سے پناہ مانگنے کا سبب یہ ہے کہ اس کا گرہن میں آنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ یہ بلاؤں کے نازل ہونے کا اشارہ دیتا ہے، چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ جب چاند کو گرہن لگتا تو اس وقت آنحضرت ﷺ لرزاں و ترساں اٹھ کھڑے ہوتے۔

لیکن اتنی بات ذہن نشین رہے کہ "بلاؤں کے نازل ہونے سے" وہ بلائیں اور حادثات مراد نہیں ہیں جو منجم یا بد عقیدہ لوگ کسوف و خسوف (چاند سورج کے گرہن لگنے) کے سلسلہ میں بتاتے ہیں کیونکہ اہل اسلام کے نزدیک ان کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ اس سے مراد عبرت کے مواقع ہیں۔ مثلاً جب چاند گرہن میں آتا ہے تو وہ ایک بڑے عبرت کا وقت ہوتا ہے جو ہر انسان کو احساس دلاتا ہے کہ جب چاند باوجود اپنی اس نورانیت کے اپنے نور کھو چکا ہے اور اس کے اپنے نور کی بقاء پر کوئی قدرت حاصل نہیں ہے تو ایسا نہ ہو کہ میرے ایمان اور میرے عمل کا نور بھی جاتا رہے اسی اعتبار سے اس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس حدیث سے تو معلوم ہوا کہ "غاسق اذا وقب" سے مراد گرہن میں آیا ہوا چاند ہے لیکن اکثر مفسرین نے مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد تاریک رات ہے واللہ اعلم۔

نفس کی برائی سے پناہ مانگو

(۱۹) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِيْ يَا حُصَيْنُ كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ اِلٰهًا قَالَ اَبِيْ سَبْعَةً سِتًّا فِي الْاَرْضِ وَوَاحِدًا فِي السَّمَاءِ قَالَ فَاَيُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ قَالَ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ قَالَ يَا حُصَيْنُ اَمَا اِنَّكَ لَوْ اَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا اَسْلَمَ حُصَيْنٌ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِي الْكَلِمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ وَعَدْتَنِي فَقَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَاَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عمران ابن حصینؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے باپ (حضرت حصینؓ) سے (جو اس وقت تک ایمان و اسلام کی دولت سے بہرہ مند نہیں تھے) فرمایا "حصین! آج کل تم کتنے معبودوں کی بندگی کرتے ہو" میرے باپ نے عرض کیا کہ سات معبودوں کی جن میں

سے چھ تو زمین پر ہیں (اور ان کے نام یہ ہیں) یغوث، یعوق، نسر، لات، مناۃ اور عزیٰ اور ایک آسمان میں ہے (جو سب کا خالق ہے) آپ نے فرمایا "پھر ان میں سے کون سا معبود تمہاری امید اور تمہارے خوف کا مرجع ہے؟ یعنی ان میں سے کس معبود سے تم ڈرتے ہو اور اس سے بھلائی کی امید رکھتے ہیں؟" انہوں نے عرض کیا کہ "جو آسمان میں ہے" آنحضرت نے فرمایا۔ "حصین! جان لو اگر تم مسلمان ہو جاتے تو میں تمہیں دو کلمے سکھاتا جو تمہیں (دنیا و آخرت) میں فائدہ پہنچاتے حضرت عمران کہتے ہیں کہ چنانچہ جب (میرے باپ) حضرت حصین مسلمان ہو گئے تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اب وہ دو کلمے بتائیے جس کا آپ نے وعدہ کیا تھا؟ آپ نے فرمایا یہ پڑھو۔" اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ اے اللہ میرے دل میں میری ہدایت ڈال اور میرے نفس کی برائی سے مجھے پناہ دے۔"

(ترمذیؒ)

تشریح: "اور ایک آسمان میں ہے" یہ بات حضرت حصینؓ نے اپنے گمان کے مطابق کی تھی کیونکہ وہ ایمان و اسلام کی دولت سے اس وقت تک بہرہ ور نہیں تھے انہیں کیا معلوم تھا کہ اللہ کے لئے کوئی جگہ اور کوئی مکان مقرر نہیں ہے۔ وہ تو زمین اور آسمان کے ایک ایک ذرہ پر حاوی ہے اور محیط ہے اس کی ذات کسی مقام اور کسی جگہ کے ساتھ مختص نہیں ہے یا پھر یہ کہا جائے گا کہ ان کی اس بات کا مفہوم یہ تھا کہ وہ خدا جس کی آسمان میں فرشتے عبادت کرتے ہیں۔

نیند میں ڈرنے سے خدا کی پناہ مانگنے کا حکم

(۲۰) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا فَزِعَ اَحَدُکُمْ فِی النَّوْمِ فَلْیَقُلْ اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ وَشَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَنْ یَحْضُرُوْنِ فَاِنَّھَا لَنْ تَضُرَّہٗ وَکَانَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عَمْرٍو یُعَلِّمُھَا مَنْ بَلَغَ مِنْ وَلَدِہٖ وَمَنْ لَمْ یَبْلُغْ مِنْھُمْ کَتَبَھَا فِیْ صَکٍّ ثُمَّ عَلَّقَھَا فِیْ عُنُقِہٖ۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی وھذا لفظہ)

"اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ (حضرت شعیبؒ) سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص نیند میں ڈرے تو اسے چاہئے کہ یہ کلمات پڑھے" اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ وَشَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَنْ یَحْضُرُوْنِ میں اللہ کے پورے کلمات کے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں اس کے غضب سے اس کے عذاب سے اس کے بندوں کی برائی سے شیطان کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ شیطان میرے پاس آئیں، لہٰذا ان کلمات کو کہنے والے کو شیطان ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ ان کلمات کو اپنی اولاد میں سے ہر اس شخص کو سکھاتے جو بالغ ہوتا اور ان کی اولاد میں جو نابالغ ہوتے ان کلمات کو کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ کر ان کے گلے میں ڈال دیتے۔" (اس روایت کو ابوداؤد و ترمذیؒ نے روایت کیا ہے لیکن الفاظ ترمذیؒ کے ہیں)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نیند میں ڈرنا شیطان کے تصرف اور اس کی شرارت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نیز یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ گلے میں تعویذ ڈالنا اور لٹکانا جائز ہے، اس مسئلہ میں اگرچہ علماء کے اختلافی اقوال ہیں لیکن زیادہ صحیح اور مختار بات یہی ہے کہ حرزات وغیرہ تو گلے میں لٹکانا حرام اور مکروہ ہیں لیکن ایسے تعویذ لٹکانا جائز ہیں جن میں آیات قرآن یا اسمائے الٰہی لکھے ہوں۔

جنّت مانگنے اور آگ سے پناہ چاہنے والوں کے لئے جنّت و آگ کی سفارش

(۲۱) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ اللّٰہَ الْجَنَّۃَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ الْجَنَّۃُ اَللّٰھُمَّ اَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ وَمَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ النَّارُ اَللّٰھُمَّ اَجِرْہُ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

"اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے تین مرتبہ جنّت مانگتا ہے۔ (یعنی تین مرتبہ یہ دعا کرتا ہے

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ اے اللہ! میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں یا یوں کہے! اَللّٰھُمَّ اَدْخِلْنِی الْجَنَّةَ اے اللہ مجھے جنت میں داخل کر اور یا کسی بھی زبان میں اس مفہوم و مضمون کو تین مرتبہ کہتا ہے) تو جنت کہتی ہے کہ اے اللہ! تو اس کو جنت میں داخل کر۔ اور جو شخص تین بار آگ سے پناہ مانگتا ہے۔ یعنی تین مرتبہ یوں کہتا ہے اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ! اے اللہ! مجھے آگ سے محفوظ رکھ۔ یا اسی مفہوم و مضمون کو کسی بھی زبان میں تین مرتبہ ادا کرتا ہے۔ تو آگ کہتی ہے کہ "اے اللہ! تو اس شخص کو آگ سے محفوظ رکھ۔ یا اسی مفہوم و مضمون کو کسی بھی زبان میں تین مرتبہ ادا کرتا ہے تو آگ کہتی ہے کہ اے اللہ! تو اس شخص کو آگ سے محفوظ رکھ۔" (ترمذیؒ و نسائیؒ)

تشریح: "تین مرتبہ" چاہے تو ایک ہی مجلس میں یہ دعا مانگی جائے اور چاہئے کئی مجلسوں میں، لیکن ضروری ہے کہ دعا کے وقت حضور، اخلاص، تضرع، عجز، اور انکساری و لجاجت زبان کے ہم نوا ہوں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

سحر وغیرہ سے بچنے کی دعا

(۴۲) عَنِ الْقَعْقَاعِ اَنَّ كَعْبَ الْاَحْبَارِ قَالَ لَوْ لَا كَلِمَاتٌ اَقُوْلُهُنَّ لَجَعَلَتْنِیْ یَهُوْدُ حِمَارًا فَقِیْلَ لَهٗ مَاهُنَّ قَالَ اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ لَیْسَ شَیْءٌ اَعْظَمَ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَبِاَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰی مَاعَلِمْتُ مِنْهَا وَمَالَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ۔ (رواہ مالک)

"حضرت قعقاع کہتے ہیں کہ حضرت کعب احبار فرماتے تھے کہ اگر میں وہ کلمات نہ کہا کرتا تو یہود (مجھے گدھا بنا ڈالتے۔ ان سے پوچھا گیا وہ کلمات کیا ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ہیں۔) اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ لَیْسَ شَیْءٌ اَعْظَمَ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَبِاَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰی مَاعَلِمْتُ مِنْهَا وَمَالَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی ذات کے ذریعہ جو بہت بڑا ہے وہ اللہ کہ کوئی چیز اس سے بڑی نہیں، اس کے کامل کلمات کے ذریعے کہ ان سے نہ کوئی نیک تجاوز کرتا ہے اور نہ کوئی بد، اللہ کے ناموں کے ذریعہ جو پاک و نیک ہیں اور ان میں سے جو کچھ میں جانتا ہوں اور جو کچھ میں نہیں جانتا اس چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی اور پراگندہ و برابر کی (یعنی متناسب الاعضاء بنائیں)۔" (مالکؒ)

تشریح: کعب الاحبار قوم یہود کے ایک بڑے دانشمند فرد تھے وہ اگرچہ آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں تھے لیکن آپ ﷺ کے دیدار اور آپ ﷺ کی صحبت کے شرف سے محروم رہے۔ پھر بعد میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ایمان و اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے انہیں کعب کا بیان ہے کہ جب میں ایمان لایا اور مسلمان ہوا تو یہود میرے مخالف ہو گئے وہ میرے بارہ میں اس قدر بغض و کینہ رکھتے تھے کہ اگر ان کی حرکتیں کامیاب ہو جاتیں اور میں یہ دعا نہ پڑھتا تو وہ سحر کر کے مجھے گدھا بنا دیتے یعنی مجھے ذلیل و بے وقوف اور گدھے کی مانند مسلوب العقل کر دیتے۔

"اللہ کے کامل کلمات" سے مراد قرآن ہے چنانچہ ان سے تجاوز نہ کرنے کے معنی ہیں کہ اس کے ثواب و عذاب وغیرہ سے کوئی بھی خارج نہیں ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جس شخص کو اجر و ثواب دینے کا وعدہ کیا ہے یا جس شخص کو عذاب میں مبتلا کر دینے کا فیصلہ کیا ہے یا اور جن چیزوں کا بیان کیا ہے وہ سب بلاشبہ انجام پذیر ہوتا ہے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ یا پھر "اللہ کے کلمات" سے مراد صفات الٰہی اور علوم الٰہی ہیں کہ ان سے بھی کوئی چیز باہر نہیں یہ سب کو محیط یعنی گھیرے ہوئے ہیں۔

کفر سے پناہ مانگنی چاہئے

(۴۳) وَعَنْ مُسْلِمِ بْنِ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ كَانَ اَبِیْ یَقُوْلُ فِیْ دُبُرِ الصَّلٰوةِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ

الْقَبْرِ فَكُنْتُ اَقُوْلُهُنَّ فَقَالَ اَیْ بُنَیَّ عَمَّنْ اَخَذْتَ هٰذَا قُلْتُ عَنْكَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُهُنَّ فِي دُبُرِ الصَّلٰوةِ۔ رَوَاهُ النَّسَائِیُّ وَالتِّرْمِذِیُّ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ فِی دُبُرِ الصَّلٰوةِ وَرَوَى اَحْمَدُ لَفْظَ الْحَدِيْثِ وَعِنْدَهُ فِی دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ۔

"اور حضرت مسلم بن ابی بکرہ کہتے ہیں کہ میرے والد (ہر نماز یا فرض) نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کفر سے فقر سے (یعنی قلبی فقر کے فتنہ سے کہ جو بے صبری اور کفران نعمت وغیرہ ہے) اور عذاب قبر سے چنانچہ میں بھی ان کلمات کو پڑھا کرتا تھا (ایک دن) میرے والد نے مجھ سے پوچھا کہ میرے بیٹے! تم نے یہ کلمات کس سے سیکھے؟ میں نے کہا آپ سے! انہوں نے فرمایا کہ رسول ﷺ نماز کے بعد یہ کلمات کہا کرتے تھے اس روایت کو نسائی اور ترمذی نے نقل کیا ہے۔ لیکن ترمذی نے فی دبر الصلوٰۃ (نماز کے بعد) کے الفاظ نقل نہیں کئے ہیں امام احمدؒ نے صرف حدیث کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ (یعنی ان کی روایت میں مسلم بن ابی بکرہ اور ان کے باپ کا ذکر نہیں ہے) نیز ان کی روایت میں فی دبر کل الصلوٰۃ (ہر نماز کے بعد) کے الفاظ ہیں یعنی ان کی روایت میں لفظ کل بھی ہے۔"

(۲۴) وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالدَّيْنِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَعْدِلُ الْكُفْرَ بِالدَّيْنِ قَالَ نَعَمْ وَفِیْ رِوَايَةٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ قَالَ رَجُلٌ وَيَعْدِلَانِ قَالَ نَعَمْ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ کلمات فرماتے سنا ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالدَّيْنِ (یعنی میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کفر اور قرض سے) ایک شخص نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ نے کفر کو قرض کے برابر کر دیا"؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" اور ایک روایت میں یہ دعا منقول ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ یعنی اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کفر سے اور فقر سے (یہ سن کر) ایک شخص نے عرض کیا کہ "کیا کفر اور فقر دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں!۔" (نسائی)

تشریح: "کفر اور قرض" کو برابر اس لئے فرمایا کہ قرض کی وجہ سے انسان جھوٹ بولتا ہے، مکاری کرتا ہے، اور وعدہ کے خلاف کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بدترین خصلتیں کفار اور منافقین ہی میں ہوتی ہیں۔

"کفر" اور "فقر" کو برابر بایں معنی کیا گیا ہے کہ فقر کی وجہ سے انسان بے صبری کرتا ہے، اپنی قسمت کو کوستا ہے، تقدیر کا گلہ کرتا ہے اپنی زبان سے ایسے الفاظ نکال بیٹھتا ہے جو کفر کا باعث ہوتے ہیں۔

بَابُ جَامِعِ الدُّعَاءِ

جامع دعاؤں کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

آنحضرت ﷺ کی دعاء بخشش

(۱) عَنْ اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ يَدْعُوْ بِهٰذَا الدُّعَاءِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِيْئَتِیْ وَجَهْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ جِدِّیْ وَهَزْلِیْ وَخَطَائِیْ وَعَمَدِیْ وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی مَاقَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّی اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی خَطِیْئَتِی وَجَھْلِی وَاِسْرَافِی فِی اَمْرِی وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی جِدِّی وَھَزْلِی وَخَطَائِی وَعَمَدِی وَکُلُّ ذٰلِکَ عِنْدِی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی مَاقَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّی اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اے اللہ! معاف فرما میری خطا کو میری نادانی کو (یعنی جن چیزوں کو جاننا یا ان پر عمل کرنا واجب تھا اور میں نے ان کو نہیں جانا اسے معاف فرما) کاموں میں میری زیادتی کو اور اس گناہ سے جس کا علم مجھ سے زیادہ تجھ کو ہے۔ اے اللہ! معاف فرما میرے اس برے کام کو جسے میں نے قصد کیا ہے، اس کام کو جسے میں نے ہنسی دل لگی میں کیا ہو اور اس کام کو جسے میں نے دانستہ یا نادانستہ کیا ہوا اور یہ سب باتیں مجھ میں ہیں۔ اے اللہ! بخشش فرما میرے ان گناہوں کو جو میں نے پہلے کئے ہیں ان گناہوں کی جو (بالفرض والتقدیر) بعد میں ہوں گے، ان گناہوں کی جو پوشیدہ سرزد ہوئے ہوں ان گناہوں کی جو کھلم کھلا کئے ہوں اور ان گناہوں کی جن کا علم مجھ سے زیادہ تجھ کو ہے، تو ہی (جس کو چاہے اپنی توفیق کے ساتھ اپنی رحمت کی طرف آگے کرنے والا ہے اور تو ہی) جس کو چاہے اپنی رحمت سے پیچھے ڈالنے والا ہے۔ اور تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔"

(بخاری و مسلم)

تشریح: وَکُلُّ ذٰلِکَ عِنْدِی (اور یہ سب باتیں مجھ میں ہیں) یہ الفاظ آپ ﷺ نے بارگاہ رب العزت میں اپنے عجز و انکسار اور اپنے مقام عبدیت کے اظہار نیز از راہ تواضع کہے، ورنہ تو آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی تمام گناہوں سے پاک اور تمام خطاؤں سے مبرا تھی اور حقیقت میں تعلیم یہ ہے اُمت کے لئے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ سے بخشش و مغفرت مانگی جائے۔

اصلاح دنیا و آخرت کی دعا

(۴) وَعَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْعُوْ اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِی دِیْنِی الَّذِی ھُوَ عِصْمَۃُ اَمْرِی وَاَصْلِحْ لِی دُنْیَایَ الَّتِی فِیْھَا مَعَاشِی وَاَصْلِحْ لِی اٰخِرَتِی الَّتِی فِیْھَا مَعَادِی وَاجْعَلِ الْحَیٰوۃَ زِیَادَۃً لِّی فِی کُلِّ خَیْرٍ وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَۃً لِّی مِنْ کُلِّ شَرٍّ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا کرتے اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِی دِیْنِی الَّذِی ھُوَ عِصْمَۃُ اَمْرِی وَاَصْلِحْ لِی دُنْیَایَ الَّتِی فِیْھَا مَعَاشِی وَاَصْلِحْ لِی اٰخِرَتِی الَّتِی فِیْھَا مَعَادِی وَاجْعَلِ الْحَیٰوۃَ زِیَادَۃً لِّی فِی کُلِّ خَیْرٍ وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَۃً لِّی مِنْ کُلِّ شَرٍّ اے اللہ! درست کر میرے دین کو جو میرے امور کا محافظ ہے (یعنی دین کی وجہ سے جان، مال، اور آبرو کی حفاظت ہوتی ہے اور آخرت کے عذاب سے نجات ملتی ہے) درست کر میری آخرت کو جہاں مجھے لوٹ کر جانا ہے) میری زندگی کو سبب بنا ہر نیکی میں زیادتی کا (یعنی طویل عمر عطا فرما تاکہ بہت سی نیکیاں کروں) اور میرے لئے موت کو ہر برائی سے راحت اور آرام کا سبب بنا۔" (رواہ مسلمؒ)

تشریح: دنیا کی درستی و اصلاح اس رزق سے ہوتی ہے جو حلال ذرائع سے اور غیر مشتبہ وسائل کے راستے حاصل ہوا ہو، اس رزق سے گزارا اچھی طرح ہوتا ہے، طاعت کی قوت حاصل ہوتی ہے قلب کو سکون و اطمینان کی دولت میسر آتی ہے اور عبادت میں خلل و تشویش کا گزر نہیں ہوتا۔

آخرت کی درستی و اصلاح کا انحصار ان امور (نیک عقائد، اچھے اعمال و کردار) کی توفیق پر ہوتا ہے جو عذاب سے نجات کا سبب اور اس جہان کی سعادتوں تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

دعا کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ میری زندگی کا خاتمہ کلمہ شہادت، اچھے اعتقاد اور توبہ کرنے کے بعد ہو تا کہ میری موت دنیا کی مشقتوں اور مصائب سے نجات اور آخرت کی راحت کے حصول کا باعث ہو۔

دعاء ہدایت

③ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ یہ دعا مانگتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى "اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں، ہدایت، تقویٰ، اور حرام و مکروہ سے نفس کی حفاظت نیز (قلبی اور ظاہری) استغناء۔" (مسلمؒ)

④ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُلِ اللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ وَسَدِّدْنِيْ وَاذْكُرْ بِالْهُدٰى هِدَايَتَكَ الطَّرِيْقَ وَبِالسَّدَادِ سَدَادَ السَّهْمِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ یہ دعا مانگو۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ وَسَدِّدْنِيْ اے اللہ! مجھے (سیدھی راہ دکھا کر) ہدایت یافتہ بنا اور میرے اعمال اور افعال کو راست درست فرما کر، مجھے سیدھا کر (نیز آپ ﷺ نے فرمایا) جب تم ہدایت کی طلب کرو تو راستہ کے سیدھا چلنے کا اور جب راستی کی طلب کرو تو تیر کی سی راستی کا تصور کرو۔" (مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب تم بارگاہ رب العزت میں طلب ہدایت کی درخواست کرو تو تمہارے ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے کہ مجھے وہی راہنمائی اور ہدایت حاصل ہو، جو سیدھی راہ پر چلنے والے شخص کو حاصل ہوتی ہے اور جب تم راستی مانگو تو یہ خیال رکھو کہ مجھے ایسی ہی راستی اور استقامت حاصل ہو جس طرح تیر راست و سیدھا ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ آخری درجہ کی اور مکمل ہدایت اور آخری درجہ کی مکمل راستی طلب کرو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مکمل ہدایت اور مکمل راستی ہی کی سعادت سے نوازے۔

نومسلم کی دعا

⑤ وَعَنْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ الرَّجُلُ اِذَا اَسْلَمَ عَلَّمَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ ثُمَّ اَمَرَهٗ اَنْ يَّدْعُوَ بِهٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابومالک اشجعی اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ جب کوئی شخص مسلمان ہوتا تو نبی کریم ﷺ اسے نماز کی تعلیم دیتے پھر اس کو حکم دیتے کہ وہ ان کلمات کے ذریعہ دعا مانگے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ یعنی اے اللہ! میری مغفرت فرما میرے عیوب کو ڈھانک کر، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت یافتہ بنا اور مجھے (حلال) روزی عطا فرما۔" (مسلمؒ)

دنیا و آخرت کے تمام مقاصد کی جامع دعا

⑥ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَكْثَرُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اے اللہ ہمیں دنیا میں نیکی و بھلائی (یعنی نعمتیں اور اچھی حالت) عطا کر اور آخرت میں (یعنی موت کے بعد) بھی نیکی و بھلائی

(یعنی اچھے مراتب) عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح : آنحضرت ﷺ کثرت سے یہ دعا اس لئے پڑھا کرتے تھے کہ یہ ایک جامع دعا ہے جس میں دین و دنیا کے تمام مقاصد آجاتے ہیں پھر یہ کہ یہ دعا قرآن کریم میں نازل کی گئی ہے۔

طالب صادق اگر حضور و مناجات کے وقت خلوت میں بیٹھ کر باطن کی صفائی کے ساتھ دنیا و آخرت کے حسنات کے ہر ہر گوشے کا تصور کر کے دعا پڑھے تو وہ دیکھے گا کہ کیا کچھ ذوق و جمعیت، سکون و اطمینان اور نورانیت و سعادت حاصل ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

ایک جامع دعا

⑦ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْعُو یَقُوْلُ رَبِّ اَعِنِّیْ وَ لَاتُعِنْ عَلَیَّ وَ انْصُرْنِیْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَیَّ وَامْکُرْلِیْ وَلَا تَمْکُرْ عَلَیَّ وَاھْدِنِیْ وَیَسِّرِ الْھُدٰی لِیْ وَانْصُرْنِیْ عَلٰی مَنْ بَغٰی عَلَیَّ رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَکَ شَاکِرًا لَکَ ذَاکِرًا لَکَ رَاھِبًا لَکَ مِطْوَاعًا لَکَ مُخْبِتًا اِلَیْکَ اَوَّاھًا مُنِیْبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِیْ وَاَجِبْ دَعْوَتِیْ وَثَبِّتْ حُجَّتِیْ وَسَدِّدْ لِسَانِیْ وَاھْدِ قَلْبِیْ وَاسْلُلْ سَخِیْمَةَ صَدْرِیْ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا مانگتے تھے۔ رَبِّ اَعِنِّیْ وَلَاتُعِنْ عَلَیَّ وَانْصُرْنِیْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَیَّ وَامْکُرْلِیْ وَلَا تَمْکُرْ عَلَیَّ وَاھْدِنِیْ وَیَسِّرِ الْھُدٰی لِیْ وَانْصُرْنِیْ عَلٰی مَنْ بَغٰی عَلَیَّ رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَکَ شَاکِرًا لَکَ ذَاکِرًا لَکَ رَاھِبًا لَکَ مِطْوَاعًا لَکَ مُخْبِتًا اِلَیْکَ اَوَّاھًا مُنِیْبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِیْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِیْ وَاَجِبْ دَعْوَتِیْ وَثَبِّتْ حُجَّتِیْ وَسَدِّدْ لِسَانِیْ وَاھْدِ قَلْبِیْ وَاسْلُلْ سَخِیْمَةَ صَدْرِیْ اے پروردگار میری مدد کرو (یعنی اپنے ذکر، شکر اور اپنی عبادت کے حسن کی مجھے توفیق دے) میرے خلاف کسی کی مدد نہ کر (یعنی جو طاقتیں مجھے تیری طاعت و عبادت سے باز رکھیں خواہ شیطان ہو، خواہ نفس اور خواہ کفار ان کو مجھ پر غالب نہ کر) مجھے فتح دے مجھ پر کسی کو فتحیاب نہ کر (یعنی مجھے کفار پر غالب کر کفار کو مجھ پر غلبہ نہ دے) اور میری مدد کرنے کے دشمنوں کے حق میں) میرے لئے مکر کر، میرے ضرر کے لئے مکر نہ کر مجھے سیدھی راہ دکھا سیدھی راہ پر چلنا میرے لئے آسان کر اور اس کے خلاف میری مدد کر جو مجھ پر زیادتی کرے اے میرے رب! مجھے ہر وقت، تیرا شکر گزار (ہر حال میں) تیرا ذکر کرنے والا تجھ سے ڈرنے والا، تیری بہت فرمانبرداری کرنے والا بنا، اے اللہ! میری توبہ قبول کر، میرے گناہ دھو دے، میری دعا قبول کر (دنیا و آخرت میں اپنے دشمنوں کے سامنے) میری دلیل و حجت کو ثابت کر، میری زبان کو سچی اور درست رکھ (یعنی اس سے سچ و حق بات کے علاوہ کچھ نہ نکلے) میرے دل کو ہدایت بخش اور میرے سینہ کی سیاہی دور کر دے۔" (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح : "مکر کے معنی ہیں "فریب لیکن جب اس لفظ کی نسبت خدا کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد ہوتا ہے (دشمنان دین اسلام پر ایسی جگہ سے بلاؤں کا اترنا جہاں سے انہیں گمان بھی نہ ہو)۔

"سینہ کی سیاہی" سے مراد ہے کینہ، بغض، حسد اور اسی قسم کی دوسری خصلتیں۔"

ایمان کے بعد عافیت سے بہتر کوئی دولت نہیں

⑧ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَکٰی فَقَالَ سَلُوا اللّٰہَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فَاِنَّ اَحَدًا لَمْ یُعْطَ بَعْدَ الْیَقِیْنِ خَیْرًا مِنَ الْعَافِیَةِ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔

"اور حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے رونے لگے اور پھر فرمایا "اللہ تعالیٰ سے بخشش وعافیت مانگو کیونکہ کسی کو ایقان" (ایمان) کے بعد عافیت سے بہتر کوئی عمل نہیں اس روایت کو ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے نقل کیا ہے، نیز امام ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث باعتبار سند کے حسن غریب ہے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ میری اُمت کے افراد خواہشات نفس، حوس و حرص اور غلبہ شہوت کے فتنوں میں مبتلا ہوں گے اس لئے آپ ﷺ اس کے تصور سے بھی رونے لگے کہ جس اُمت کے لوگوں کو ایمان و ایقان کی دولت اسلام کی ہدایت اور میری تربیت نے ضبط نفس ایثار واستغناء دیانت وامانت عزت وخودداری پاک دامنی و پرہیزگاری کے معیار پر نہ صرف پورا اتارا بلکہ انہیں ان اخلاق حمیدہ اور خصائل شریفہ کا بذات خود معیار بنادیا ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب اسی اُمت کے لوگ شیطان کے مکروفریب میں پھنس کر اور اپنے نفس کے تابع ہو کر حرص وہوس کے مجسّمے، بددیانتی وبدکرداری کے پیکر اور خواہشات نفسانیہ کے غلام بن جائیں گے چنانچہ آپ ﷺ نے منبر رشد وہدایت سے یہ حکم فرمایا کہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت وبخشش کی طلب کریں اور عافیت مانگیں تاکہ پروردگار انہیں ان آفات وبلاء سے محفوظ وماموں رکھے۔"

"عافیت" کے معنی ہیں سلامتی حاصل ہونی دین میں فتنہ سے اور جسم وبدن کو بری بیماریوں، شدید مصائب اور سخت رنج وتکلیف سے"

سب سے بہتر دعا طلب عافیت

(۹) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلاً جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الدُّعَاءِ اَفْضَلُ قَالَ سَلْ رَبَّكَ الْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ثُمَّ اَتَاهُ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الدُّعَاءِ اَفْضَلُ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَاهُ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ فَاِذَا اُعْطِيْتَ الْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَقَدْ اَفْلَحْتَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا۔

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! کون سی دعا سب سے بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا" اپنے رب سے عافیت (یعنی دین وبدن کی سلامتی اور دنیا آخرت میں معافات مانگو) معافات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں تمہیں لوگوں سے اور لوگوں کو تم سے عافیت وحفاظت میں رکھے۔ وہ شخص پھر دوسرے دن آیا اور کہا کہ یارسول اللہ! کون سی دعا سب سے بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے اس سے وہی فرمایا جو (پہلے دن کہا تھا، پھر وہ شخص تیسرے دن آیا) اور اس نے وہی پوچھا آپ ﷺ نے اس کو وہی جواب دیا اور فرمایا کہ اگر تمہیں عافیت اور دنیا و آخرت میں معافات عطا کر دی جائے تو تم نجات پاگئے اور تم نے اپنے مقصد کو حاصل کر لیا اس روایت کو ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ نیز امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث باعتبار سند کے غریب ہے۔"

محبت الٰہی کی طلب کے لئے دعا

(۱۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ فِي دُعَائِهٖ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي حُبُّهٗ عِنْدَكَ اَللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِي مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِي فِيْمَا تُحِبُّ اَللّٰهُمَّ مَا زَوَيْتَ عَنِّي مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِي فِيْمَا تُحِبُّ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبداللہ ابن یزید خطمیؓ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی دعا میں یہ فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي حُبُّهٗ عِنْدَكَ اَللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِي مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِي فِيْمَا تُحِبُّ اَللّٰهُمَّ مَا زَوَيْتَ عَنِّي مِمَّا

أُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِي فِيمَا تُحِبُّ اے اللہ! مجھے نصیب کر اپنی محبت اور اس شخص کی محبت جس کی محبت تیرے نزدیک مجھے نفع دے اے اللہ تو نے مجھے اس چیز میں سے جسے میں پسند کرتا ہوں جو کچھ بھی عطا کیا ہے اس کو میرے لئے اس چیز میں قوت کا سبب بنا جسے تو پسند کرتا ہے۔ (یعنی تو نے مال وزر، عافیت و اطمینان اور دوسری دنیاوی نعمتوں میں سے جو کچھ بھی عطا فرمایا ہے اور ان کو شکر گزاری اور اپنی طاعت کا سبب بنا کہ میں اسے تیری راہ میں اور تیری خوشنودی کے لئے خرچ کروں۔ اے اللہ! تو نے مجھے اس چیز میں سے جسے میں پسند کرتا ہوں جو کچھ نہیں دیا ہے اس کو میرے لئے اس میں فراغت کا سبب بنا جسے تو پسند کرتا ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: دعا کے آخری جز کا مطلب یہ ہے کہ تو نے مجھے مال وزر میں سے جو کچھ نہیں دیا ہے اس کو میرے لئے اپنی عبادت میں مشغولیت کا سبب بنا کہ مجھے قناعت و توکل کی دولت حاصل رہے اور وہ مال وزر جو مجھے حاصل نہیں ہوا ہے اس سے بے پرواہ ہو کر بغیر مانع کے تیری عبادت میں مشغول رہوں اور حاصل دعا کے آخری دونوں جملوں کا یہ ہے کہ اگر تو مجھے دنیا کی نعمتیں عطا کرے تو پھر ان کا شکر ادا کرنے کی توفیق بھی عطا فرما تا کہ میرا شمار شکر کرنے والے اغنیا کے زمرہ میں ہو اور اگر مجھے وہ نعمتیں حاصل نہ ہوں تو میرے دل کو فارغ رکھ بایں طور کہ میں ان سے بے پرواہ ہو جاؤں میرا دل ان میں نہ لگا رہے۔ میں پورے اطمینان کے ساتھ تیری عبادت میں مشغول رہوں اور جزع وفزع، شکوہ وشکایت نہ کروں تا کہ میرا شمار صبر کرنے والے فقراء میں ہو۔

ایک عمدہ دعا

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَلَّمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتّٰى يَدْعُوْ بِهٰؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ لِأَصْحَابِهِ اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهِ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِي دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ رسول ﷺ کسی مجلس سے اٹھتے ہوں اور ان کلمات کے ذریعے اپنے صحابہؓ کے لئے دعا نہ مانگتے ہوں۔ (کیونکہ مجلس اور دعا میں صحابہ بھی شامل ہوتے تھے۔ یا کہ ان کی تعلیم کے لئے یہ دعا مانگتے تھے... اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهِ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِي دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا اے اللہ! تو ہم میں اپنا اتنا خوف پیدا کر دے کہ تو اس کی وجہ سے ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے (یعنی اس خوف کی وجہ سے ہم گناہوں سے بچیں) اور ہمیں اپنی اتنی طاعت نصیب کر کہ اس کی وجہ سے ہمیں بہشت کے (عالی درجات) میں پہنچا دے ہمیں اتنا یقین عطا فرما کہ اس کی وجہ سے تو ہم دنیا کی مصیبتیں آسان کر دے، ہمیں ہمارے سماعتوں، ہماری بینائیوں اور ہماری قوتوں سے اس وقت تک بہرہ مند رکھ جب تک کہ تو ہمیں زندہ رکھے اور بہرہ مندی کو ہمارا وارث قرار دے یعنی ہمارے تمام اعضاء وحواس کو آخر تک برقرار و سلامت رکھ ہمارے کینہ و انتقال میں اس شخص کو مبتلا کر جس نے ہم پر ظلم کیا (یعنی ہمیں اتنی طاقت وقوت دے کہ ہم اپنے ظالموں سے بدلہ لے سکیں، یا ہماری طرف سے تو ان سے بدلہ لے) ہمیں فتح عطا فرما اس شخص سے جو ہم سے دشمنی رکھے خواہ وہ ہمارا دینی دشمن ہو یا دنیاوی دشمن ہماری مصیبتوں کو ہمارے دین میں موثر نہ کر (یعنی ہمیں ایسی مصیبتوں میں مبتلا نہ کر جو دین کے نقصان کا باعث ہوں) دنیا کو ہمارے لئے فکر کا مرکز اور ہمارے مبلغ علم کو ہمارا مطمع نظر بنا۔ اور ہم پر ان لوگوں کو مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کریں۔" امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ

حدیث غریب ہے۔"

تشریح: "ہمیں اتنا یقین عطا فرما" کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنی ذات و صفات پر اور سرکار دو عالم ﷺ کے ارشادات و تعلیم پر ہمیں اس درجہ کا یقین و اعتماد عطا فرما کہ دنیا کی سختیاں اور یہاں کے مصائب و آلام ہمارے لئے آسان ہوں۔ مثلاً جس شخص کو یہ یقین ہو گا کہ اللہ تعالیٰ رزاق ہے ہر جاندار کی ضروریات زندگی پورا کرتا ہے تو اسے ہرگز کوئی فکر نہیں ہوگی اور وہ اس کی ذات پر بھروسہ و اعتماد کرے گا اسی طرح جسے اس یقین کی دولت حاصل ہو جائے گی کہ آخرت کی سختیاں اور وہاں کے مصائب زیادہ سخت ہیں۔ دنیا کی سختیاں بالکل ناپائیدار اور ختم ہو جانے والی ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو اس کے لئے دنیا کی مصیبتیں آسان ہو جائیں گی وہ بڑی سے بڑی دنیاوی مصیبت و سختی کا کوئی احساس نہیں کرے گا لہٰذا اے خدا! تو ہمیں یقین و اعتماد و توکل و بھروسہ کی اسی عظیم دولت سے بہرہ ور فرما۔

"دنیا کو ہمارے لئے فکروں کا مرکز نہ بنا" کا مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا کی بہت زیادہ فکر و تدبیر میں نہ لگے رہیں۔ بلکہ آخرت کی فکر، دین کے اندیشہ کا زیادہ خیال رکھیں، دنیا کی صرف اتنی ہی فکر اور اپنے معاش کا صرف اتنا ہی خیال رکھیں جو ضروری ہے اور جس کے لئے نہ صرف ہمیں اجازت ہے بلکہ مستحب بھی ہے۔

علم و عمل کی دعا

⑫ وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَ عَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْمًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَ عَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْمًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ اے اللہ! تو نے مجھے جو کچھ سکھلایا ہے اسے میرے لئے نفع بخش کر (یعنی مجھے ایسا علم دے جس کو حاصل کرنا اور جس چیز پر عمل کرنا دنیا و آخرت میں میرے لئے نفع کا باعث ہو اور میرے علم (یعنی دینی علم) میں زیادتی کر۔ ہر حالت میں اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں دوزخیوں کی سی حالت سے (کہ دنیا میں فسق و فجور سے اور عقبیٰ میں عذاب سے بچوں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث باعتبار سند کے غریب ہے۔" (ترمذی، ابن ماجہ)

نعمت و عزت کی دعا

⑬ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُنْزِلَ عَلَیْهِ الْوَحْیُ سُمِعَ عِنْدَ وَجْهِهٖ دَوِیٌّ کَدَوِیِّ النَّحْلِ فَاُنْزِلَ عَلَیْهِ یَوْمًا فَمَکَثْنَا سَاعَةً فَسُرِّیَ عَنْهُ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ یَدَیْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَکْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَ اٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَیْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا ثُمَّ قَالَ اُنْزِلَ عَلَیَّ عَشْرُ اٰیَاتٍ مَنْ اَقَامَهُنَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ ثُمَّ قَرَأَ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی خَتَمَ عَشْرَ اٰیَاتٍ۔ (رواہ احمد والترمذی)

"اور امیر المؤمنین حضرت فاروقؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کے مبارک منہ کے قریب شہد کی مکھی کی آواز کی مانند آواز سنی جاتی تھی چنانچہ ایک دن (ہمارے سامنے) آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی ہم تھوڑی دیر ٹھہرے رہے (یعنی ہم اس انتظار میں رہے کہ نزول وحی کی جو سختی آپ ﷺ پر طاری ہے وہ ختم ہو جائے) جب سختی کی وہ کیفیت آپ ﷺ سے دور ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنے منہ قبلہ کی طرف کیا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر بارگاہ الٰہی میں یوں عرض رساں ہوئے۔ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَکْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَ اٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَیْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا اے اللہ! ہماری دنیاوی اور اخروی نعمتوں یا مسلمانوں کی تعداد

میں زیادتی کر اور ان نعمتوں یا مسلمانوں میں کمی نہ کر ہمیں دنیا میں حاجت روائی کے ساتھ اور عقبی میں بلندی درجات کے ذریعہ معزز بنا (اور ہمیں ان چیزوں سے محروم رکھ کر ذلیل نہ کر ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں) عطا فرما اور ہمیں محروم نہ کر ہمیں اپنی رحمت و عنایت کے ذریعہ برگزیدہ بنا اور ہم پر غیروں کو اپنے لطف و کرم کے ذریعہ برگزیدہ نہ بنا یا کہ ہمارے دشمنوں کو ہم پر غالب نہ کر ہمیں اپنی قضاء و قدر پر صبرو شکر کی توفیق عطا فرما کر راضی رکھ اور تو ہی ہماری تھوڑی سی بھی عبادت و طاعت پر ہم سے راضی ہو پھر آپ ﷺ نے فرمایا ابھی مجھ پر دس آیتیں نازل ہوئی ہیں جو شخص ان پر عمل کرتا رہے وہ جنت میں نیکیوں کے ساتھ داخل ہوگا اس کے بعد آپ ﷺ نے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ دس آیتوں تک پڑھی۔" (احمد، ترمذی)

تشریح: آنحضرت ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تھی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کلام الٰہی کو آپ ﷺ تک پہنچاتے تھے تو صحابہؓ حضرت جبرئیل کی آواز کو سنتے تو تھے مگر اسے سمجھ نہیں پاتے تھے جیسا کہ شہد کی مکھی کی آواز سنی تو جاتی ہے مگر سمجھ میں نہیں آتی اسی لئے حضرت جبرئیل کی اس آواز کو حضرت عمر فاروقؓ نے شہد کی مکھی کی آواز سے مشابہت دی۔ وہ دس آیتیں اس وقت آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی تھیں اور جن پر عمل کرنے والے کے لئے مذکورہ بالا حدیث میں آپ ﷺ نے بشارت عطا فرمائی یہ ہیں۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (ترجمہ) بیشک وہ ایمان والے رستگار ہوگئے (یعنی انہوں نے فلاح پائی) جو نماز میں (باطنی و ظاہری طور پر) عجز و نیاز کرتے ہیں اور جو بے ہودہ چیزوں سے خواہ وہ کہنے کی ہوں یا کرنے کی منہ موڑتے رہتے ہیں اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو حرام کاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا اپنی کنیزوں سے صحبت کرتے ہیں تو ان پر کوئی ملامت نہیں۔ ہاں جو اس کے علاوہ کے طالب ہوں (یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے اور کنیزوں کے علاوہ دوسرے افعال بد میں مبتلا ہوں۔ مثلاً اغلام بازی، جلق یا متعہ وغیرہ کریں) تو وہ خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے (یعنی دائرہ حلال سے) تجاوز کرنے والے (اور حرام میں مبتلا ہونے والے) ہیں اور جو امانتوں اور عہد و پیمان کی محافظت کرتے ہیں اور جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں (یعنی شرائط و آداب کے ساتھ نمازیں پابندی سے ادا کرتے ہیں)، یہی وہ لوگ ہیں جو وارث ہیں کہ یہی فردوس کے مالک ہوں گے (جو جنت کا اعلیٰ درجہ ہے) وہ لوگ (یعنی یہ مؤمنین جن کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں) اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

بینائی کے لئے دعا

⑭ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ اِنَّ رَجُلاً ضَرِيْرًا لْبَصَرِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ادْعُ اللّٰهَ اَنْ يُعَافِيَنِيْ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَاِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قَالَ فَادْعُهُ قَالَ فَاَمَرَهُ اَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ الْوُضُوْءَ وَيَدْعُوْ بِهٰذَا الدُّعَاءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ اِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ لِيَقْضِيَ لِيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهِ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ۔

"حضرت عثمان ابن حنیفؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص جسے کم نظر آتا تھا یہ کہ وہ بینائی سے محروم تھا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ بینائی کے نقصان سے عافیت بخشے آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو تمہارے لئے دعا کروں اور اگر تم صبر و رضا چاہتے ہو تو صبر کرو صبر کرنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے اس شخص نے کہا کہ آپ ﷺ میرے لئے دعا ہی کر دیجئے حضرت عثمانؓ

کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر اسے حکم دیا کہ وضو کرے اور اچھا یعنی سنن و آداب کے ساتھ وضو کرے اور ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اسے دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم بھی دیا اور یہ کہ پھر.... ان کلمات کے ذریعہ دعا مانگے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْأَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ اِنِّی تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّی لِيَقْضِیَ لِیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهِ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ میں تجھ سے اپنا مقصود مانگتا ہوں اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف تیرے نبی کے وسیلہ سے جن کا نام محمد ﷺ جو نبی رحمت ہے اور میں متوجہ ہوتا ہوں اپنے پروردگار کی طرف اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے وسیلہ سے تاکہ وہ میری حاجت کے بارہ میں حکم کرے اور یہ کہ اے اللہ! میرے بارے میں اپنے نبی کی شفاعت قبول فرما امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔"

تشریح: صبر کرنے کو بہتر اس لئے فرمایا کہ بینائی سے محرومی پر صبر کا ثواب جنت ہے چنانچہ حدیث شریف میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے کسی بندے کو اس کی دونوں آنکھوں کی بینائی کے نقصان میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ بندہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں اس کے عوض اسے جنت عطا کرتا ہوں۔

داؤد علیہ السلام کی دعا

(۱۵) وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوُدَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ يُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَمَالِیْ وَاَهْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ قَالَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَكَرَ دَاوُدَ يُحَدِّثُ عَنْهُ يَقُوْلُ كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابو درداءؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ يُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَمَالِیْ وَاَهْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں تیری محبت اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت رکھے اور وہ عمل جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے اے اللہ! تو اپنی محبت کو میرے لئے میری جان سے، میرے مال سے، میرے اہل و عیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ عزیز بنا دے۔ راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ جب حضرت داؤد علیہ السلام کی باتیں بیان فرماتے تو فرماتے تھے کہ حضرت داؤدؑ اپنے زمانہ کے آدمیوں میں بڑے عابد تھے امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

ایک جامع دعا

(۱۶) وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ صَلّٰى بِنَا عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ صَلٰوةً فَاَوْجَزَ فِيْهَا فَقَالَ لَهٗ بَعْضُ الْقَوْمِ لَقَدْ خَفَّفْتَ وَاَوْجَزْتَ الصَّلٰوةَ فَقَالَ اَمَا عَلَیَّ ذٰلِكَ لَقَدْ دَعَوْتُ فِيْهَا بِدَعَوَاتٍ سَمِعْتُهُنَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ تَبِعَهٗ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ هُوَ اُبَیٌّ غَيْرَ اَنَّهٗ كَنٰى عَنْ نَفْسِهٖ فَسَاَلَهٗ عَنِ الدُّعَاءِ ثُمَّ جَاءَ فَاَخْبَرَ بِهِ الْقَوْمَ اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْيِنِیْ مَا عَلِمْتَ الْحَيٰوةَ خَيْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِّیْ اَللّٰهُمَّ وَاَسْاَلُكَ خَشْيَتَكَ فِی الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَاَسْاَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِی الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَاَسْاَلُكَ الْقَصْدَ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنٰى وَاَسْاَلُكَ نَعِيْمًا لَّا يَنْفَدُ وَاَسْاَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَّا تَنْقَطِعُ وَاَسْاَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ وَاَسْاَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاَسْاَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ فِیْ غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَّلَا فِتْنَةٍ مُّضِلَّةٍ اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْاِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مَّهْدِيِّيْنَ۔ (رواہ النسائی)

"اور حضرت عطاء ابن سائب اپنے والد (حضرت سائب) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حضرت عمار بن یاسرؓ نے ہمیں ایک نماز پڑھائی۔ نماز میں انہوں نے اختصار کیا (یعنی نہ تو انہوں نے طویل قرأت کی اور نہ تسبیحات وغیرہ بہت زیادہ پڑھیں، چنانچہ ان سے بعض لوگوں نے کہا آپ نے ہلکی نماز پڑھی اور نماز کو مختصر کر دیا حضرت عمارؓ نے فرمایا کہ میرے لئے یہ تخفیف مضر نہیں کیونکہ میں نے اس نماز کے قعدہ میں یا سجدہ میں وہ کئی دعائیں پڑھی ہیں جن کو میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے پھر جب حضرت عمارؓ اٹھ کر چلے تو جماعت میں سے ایک شخص ان کے ساتھ ہولیا اور حدیث کے راوی حضرت عطاء کہتے ہیں کہ وہ میرے باپ حضرت عطاء ہی تھے، سوائے اس کے کہ انہوں نے اپنے آپ کو چھپایا یعنی انہوں نے اس طرح بیان نہیں کیا کہ حضرت عمارؓ کے ساتھ میں گیا بلکہ اپنے کو پوشیدہ رکھنے کے لئے یوں کہا کہ ایک شخص ان کے ساتھ ہولیا۔ بہرکیف انہوں نے حضرت عمارؓ سے اس دعا کے بارہ میں دریافت کیا۔ حضرت عمارؓ نے انہیں وہ دعا بتادی جو انہوں نے نماز کے دوران پڑھی تھی پھر وہ آئے اور جماعت کو وہ دعا بتادی جو یہ ہے) اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْيِنِي مَا عَلِمْتَ الْحَيٰوةَ خَيْرًا لِّي وَتَوَفَّنِي اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِّي اَللّٰهُمَّ وَاَسْئَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَاَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَاَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى وَاَسْأَلُكَ نَعِيْمًا لَا يَنْفَدُ وَاَسْأَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَا تَنْقَطِعُ وَاَسْأَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ وَاَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَاَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ فِي غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْاِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مَهْدِيِّيْنَ (ترجمہ) اے اللہ! تو بحق اپنے علم غیب کے اور بحق قدرت کے اپنی مخلوق پر مجھ کو زندہ رکھ جب تک کہ تو زندگی کو میرے لئے بہتر جانے اور مجھے موت دے جب تو موت کو میرے لئے بہتر جانے (یعنی جب تک نیکیاں برائیوں پر غالب ہیں اس وقت تک زندگی بہتر ہے اور جب برائیاں نیکیوں پر

پر غلبہ پالیں اور ظاہری و باطنی فتنے گھیرلیں تو اس وقت موت بہتر ہے اے

اللہ! اور مانگتا ہوں میں تجھ سے تیرا خوف باطن و ظاہر میں اور مانگتا ہوں کلمہ حق (کہنے کی توفیق) خوشی میں بھی اور خفگی میں بھی اور مانگتا ہوں میں تجھ سے میانہ روی فقر و افلاس کی حالت میں بھی اور خوش حالی کے وقت میں بھی (یعنی نہ تو زیادہ فقر و افلاس اور رنج و تکلیف ہی میں مبتلا ہوں اور نہ اتنا تونگر و خوش حال ہو جاؤں کہ اسراف کرنے لگوں) اور مانگتا ہوں میں تجھ سے ایسی نعمت جو کبھی ختم نہ ہو۔ (یعنی غیب کی نعمتیں) اور مانگتا ہوں تجھ سے آنکھ کی ٹھنڈک جو کبھی ختم نہ ہو۔ اور مانگتا ہوں رضامندی (تیری) قضا (یعنی تقدیر) کے بعد اور مانگتا ہوں تجھ سے ٹھنڈک زندگی کی مرنے کے بعد (یعنی ہمیشہ کی راحت برزخ اور قیامت میں)۔ اور مانگتا ہوں لذت دیکھنے کی تیرے چہرہ کی طرف (آخرت میں) اور مانگتا ہوں تیری ملاقات کا شوق ایسی حالت میں جو ضرر نہ پہنچائے اور نہ گمراہی کے فتنہ میں مبتلا کرے اے اللہ! ہمیں ایمان کی زینت کے ساتھ مزین فرما یعنی ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھ اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کی توفیق عطا فرما اور ہمیں راہ راست دکھانے والے اور راہ راست پر چلنے والے بنا۔" (نسائیؒ)

تشریح : "اور مانگتا ہوں کلمہ حق" کا مطلب یہ ہے کہ میرے اندر اتنی استقامت اور بے خوفی پیدا فرما کہ میں ہمیشہ کلمہ حق یعنی حق بات ہی کہوں چاہے مجھ سے لوگ خوش ہوں یا ناراض ہوں۔ یا یہ کہ اپنی خوشی کی حالت میں بھی اور خفگی کی حالت میں بھی کلمہ حق ہی کہوں عوام کی طرح نہ ہو جاؤں کہ جب وہ خفگی کی حالت میں ہوتے ہیں تو برا کہتے ہیں اور جب خوش ہوتے ہیں تو خوش آمد کرتے ہیں۔

"آنکھ کی ٹھنڈک" سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے جذبہ طاعت و عبادت کامل اور حقیقی لذت و کیف پاتا ہے۔ یا اس سے مراد دعا مانگنے والے کے مرنے کے بعد اس کی اولاد کا باقی رہنا ہے، اسی طرح آنکھ کی ٹھنڈک سے نماز پر پختگی اور اسکی پابندی بھی مراد ہو سکتی ہے اور اس کے مفہوم کو زیادہ وسعت دی جائے تو دونوں جہان کی بھلائیاں بھی مراد لی جا سکتی ہیں۔

فِي غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ ایسی حالت میں جو ضرر نہ پہنچائے، کا تعلق جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے شوق ملاقات سے ہے یعنی میں تیری ملاقات کا ایسا شوق چاہتا ہوں۔ جو میری راہ سلوک میں، راہ ادب پر میری استقامت میں اور احکام و اعمال کی بجا آوری اور ادائیگی میں

نقصان نہ پہنچائے کیونکہ جن لوگوں کو راہ سلوک و تصوف پر گامزن ہونے کا شرف حاصل ہے وہ جانتے ہیں کہ باری تعالیٰ کی ملاقات کا شوق بسا اوقات وارفتگی و بے خودی کی اس منزل تک پہنچ جاتا ہے جسے غلبۂ حال کہا جاتا ہے اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب قدم راہ ادب کی استقامت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں، سلوک میں کوتاہی پیدا ہو جاتی ہے اور احکام و اعمال میں نقصان واقع ہو جاتا ہے چنانچہ اگلے جملہ وَلَافِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ کا بھی یہی مطلب ہے کہ ایسا شوق چاہتا ہوں جو راہ استقامت سے ہٹانے والی اور احکام و اعمال میں بے راہ روی پیدا کرنے والی آزمائش میں مبتلا نہ کرے۔

یا پھر کہا جائے گا کہ اس جملہ کا تعلق دعا کے ابتدائی لفظ "احینی" ہے تاکہ اس کا مفہوم دعا میں مذکور تمام چیزوں پر حاوی ہو جائے یعنی مجھ کو ان مذکورہ نعمتوں کے ساتھ اسی طرح زندہ رکھ کہ ایسی بلاء و آزمائش میں گرفتار نہ ہو جاؤں جس میں صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے اور میں گمراہی میں پڑ جاؤں۔

"راہ راست پر چلنے والے بنا" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم دوسروں کو اچھی راہ بتائیں اور دوسروں کو نیک زندگی اختیار کرنے کی تلقین کریں اسی طرح ہم خود بھی اس پر عمل کرتے ہوئے اچھی راہ اپنائیں۔ اور نیک زندگی اختیار کریں۔ ہماری حالت خود را فضیحت و دیگرے نصیحت والی نہ ہو بلکہ ہمارا عمل ہمارے قول کے مطابق ہو۔

علم نافع و عمل مقبول اور حلال رزق کی دعا

⑰ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِي دُبُرِ الْفَجْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَ عَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَرِزْقًا طَيِّبًا۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

"اور حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ فجر کی نماز کے بعد یہ دعا مانگتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَرِزْقًا طَيِّبًا یعنی اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں نفع دینے والا علم، قبول کیا جانے والا عمل اور حلال رزق۔" (احمدؒ، ابن ماجہؒ، بیہقیؒ)

شکر گزار ہونے کی دعا

⑱ وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ دُعَاءٌ حَفِظْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَدَعُهُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي اُعَظِّمُ شُكْرَكَ وَاُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاَتَّبِعُ نُصْحَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ۔ (رواه الترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے یہ دعا یاد کی ہے جسے میں ترک نہیں کرتا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي اُعَظِّمُ شُكْرَكَ وَاُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاَتَّبِعُ نُصْحَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ یعنی اے اللہ! مجھے توفیق دے کہ میں تیرا بڑا شکر ادا کروں، تیرا بہت ذکر کروں، تیری نصیحت کو پورا کروں اور تیری وصیت یاد رکھوں۔" (ترمذیؒ)

تشریح: نصیحت سے مراد بندوں کے حقوق ہیں اور "وصیت" سے مراد اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ خدایا! تو نے لوگوں کے حقوق ادا کرنے کا مجھے جو حکم دیا ہے اور اپنے حقوق کی ادائیگی کا جو فریضہ مجھ پر عائد کیا ہے اس پر محافظت کروں یعنی دونوں قسم کے حقوق ادا کرتا ہوں۔

صحت وغیرہ کی دعا

⑲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضٰى بِالْقَدَرِ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ

الْخُلُقِ وَالرِّضٰی بِالْقَدَرِ یعنی بری بیماریوں سے بدن کی سلامتی و تندرستی یا افعال و احوال و اعمال کی درستی و اصلاح اور حرام سے اجتناب اور امانت (یعنی لوگوں کے اموال میں یا شریعت کے تمام حقوق میں خیانت نہ کروں اور بہترین اخلاق اور تقدیر پر رضا۔"

خصائل بد سے بچنے کی دعا

(۲۰) وَعَنْ اُمِّ مَعْبَدٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِي مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِي مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِي مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ۔ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

"اور حضرت ام معبدؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ دعا مانگتے سنا ہے اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِي مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِي مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِي مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ اے اللہ! پاک کر میرے دل کو نفاق سے، میرے عمل کو ریا سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت (یعنی نظر حرام) سے بے شک تو جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو اور اس چیز کو کہ دل میں پوشیدہ ہے یعنی خواہشات اور گناہ۔ یہ دونوں روایتیں بیہقیؒ نے دعوات کبیر میں نقل کی ہیں۔"

تشریح: خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ قرآن کریم کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے جس کے معنی ہیں "آنکھوں کی خیانت" حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے آیت کی تفسیر کے ضمن میں اس جملے کو بطور مثال یوں واضح کیا ہے کہ فرض کیجئے مردوں کی ایک جماعت کہیں بیٹھی ہوئی ہے اچانک ایک عورت ان کے سامنے سے گزرتی ہے اور وہ سب مرد ایک دوسرے کی شرم سے اس عورت کی طرف نظر اٹھانے کی ہمت نہیں کرتے ہیں، چنانچہ جب وہ سب اپنی نظریں نیچی کر لیتے ہیں تو ان میں سے ایک شخص سب کی نگاہوں سے بچ کر اپنی نظر اٹھاتا ہے اور چوری سے اس عورت کو دیکھ لیتا ہے یہی آنکھوں کی خیانت ہے۔

دنیا و آخرت کی عافیت اور عذاب سے نجات کی دعا مانگو

(۲۱) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَدْ خَفَتَ فَصَارَ مِثْلَ الْفَرْخِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كُنْتَ تَدْعُو اللّٰهَ بِشَيْءٍ اَوْ تَسْاَلُهُ اِيَّاهُ قَالَ نَعَمْ كُنْتُ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ مَا كُنْتَ مُعَاقِبِيْ بِهِ فِي الْاٰخِرَةِ فَعَجِّلْهُ لِي فِي الدُّنْيَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ لَا تُطِيْقُهُ وَلَا تَسْتَطِيْعُهُ اَفَلَا قُلْتَ اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالَ فَدَعَا اللّٰهَ بِهٖ فَشَفَاهُ اللّٰهُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے ایک مسلمان کی عیادت کی جو پرندے کے ایک بچے کی مانند ضعیف ہو گیا تھا رسول کریم ﷺ نے (اس کی حالت دیکھ کر) فرمایا کہ "کیا تم اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی دعا مانگا کرتے تھے؟ یا فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے کس چیز کی دعا مانگتے تھے؟ اس نے کہا کہ ہاں! میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کرتا تھا کہ خدایا! اگر تو آخرت میں مجھے عذاب میں مبتلا کرنے والا ہو تو (اس کے بدلے) دنیا ہی میں وہ عذاب دینے میں جلدی کر"۔ آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا "تم نے بڑی عجیب دعا مانگی، نہ تم (دنیا ہی میں) اللہ تعالیٰ کے عذاب کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہو اور نہ آخرت ہی میں تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کے متحمل ہو سکتے ہو۔ تم نے اس طرح کیوں نہ دعا مانگی۔ اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ترجمہ: اے اللہ! ہمیں عطا فرما دنیا میں بھلائی (یعنی عافیت) اور آخرت میں بھلائی (یعنی عفو تقصیرات) اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔"

"راوی کا بیان ہے کہ اس شخص نے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگنی شروع کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا فرمائی۔" (مسلمؒ)

غیر متحمل چیزوں کی دعا نہ مانگو

(۲۲) وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُذِلَّ نَفْسَهُ قَالُوْا وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيْقُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت حذیفہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مؤمن کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ "اپنے آپ کو ذلیل و خوار کس طرح کرتا ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ایسی بلائیں اپنے سر لے لے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا"۔ ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح: یہ بات مؤمن کی فراست کے منافی ہے کہ وہ ایسی چیز یا کسی ایسے کام کی ذمہ داری قبول کرے جو اس کی طاقت اور اس کی رسائی سے باہر ہو۔ ایسا کرنا اپنے آپ کو خوار کرنا اور اپنی سبکی کرانا ہے۔ مثلاً کوئی شخص حساب کتاب کے فن سے ناواقف ہو اور ایسے امور اپنے ذمہ لے لے جن کا تعلق حساب کتاب سے ہو تو ظاہر ہے کہ وہ ذمہ داری کو پورا نہیں کر سکے گا، جس کا نتیجہ اپنی خواری و سبکی کے علاوہ اور کیا نکلے گا۔ چنانچہ یہ ارشاد گرامی مسلمانوں کو اسی نکتہ کی طرف توجہ دلا رہا ہے کہ وہ صرف ایسے ہی امور اپنے ذمہ لیں جن کی انجام دہی کی وہ طاقت و لیاقت رکھتے ہوں۔ کسی غرض، کسی لالچ یا کسی جذبہ کی تسکین کی خاطر غیر متحمل چیزوں کی ذمہ داری قبول کرنا مآل کار اپنی ذلت و خواری میں مبتلا ہونا ہے۔

بظاہر یہ حدیث اس باب سے متعلق معلوم نہیں ہوتی لیکن اگر اس حدیث کے مفہوم کو پچھلی حدیث کے مفہوم کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ اس باب سے اس حدیث کا گہرا تعلق ہے اور وہ یہ کہ آدمی جس چیز کا متحمل نہ ہو اس کی دعا بھی نہ مانگے۔

باطن کی ظاہر سے بہتری اور ظاہر کی شائستگی کی دعا

(۲۳) وَعَنْ عُمَرَ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَةً اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِي النَّاسَ مِنَ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَيْرِ الضَّالِّ وَلَا الْمُضِلِّ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ دعا مانگو۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَةً اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِي النَّاسَ مِنَ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَيْرِ الضَّالِّ وَلَا الْمُضِلِّ یعنی اے اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا اور میرے ظاہر کو شائستگی عطا فرما اے اللہ! میں تجھ سے بھلائی مانگتا ہوں اس چیز کی جو تو لوگوں کو دیتا ہے یعنی اہل، مال، اولاد کہ نہ گمراہ ہوں اور نہ گمراہ کریں۔" (ترمذیؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب المناسک

افعال حج کا بیان

لغت کے اعتبار سے "حج" کے معنی ہیں کسی باعظمت چیز کی طرف جانے کا قصد کرنا اور "اصطلاح شریعت میں" کعبہ مکرمہ کا طواف اور مقام عرفات میں قیام انہیں خاص طریقوں سے جو شارع ؑ نے بتائے ہیں اور اسی خاص زمانے میں جو شریعت سے منقول ہے، حج کہلاتا ہے۔

حج دین کے ان پانچ بنیادی ستونوں میں سے ایک عظیم القدر ستون ہے جن پر اسلام کے عقائد و اعمال کی پوری عمارت کھڑی ہوئی ہے حج کا ضروری ہونا (جس کو اصطلاح فقہ میں فرض کہا جاتا ہے، قرآن مجید سے اسی طرح صراحت کے ساتھ ثابت ہے جس طرح زکوٰۃ کی فرضیت ثابت ہے۔

حج کب فرض ہوا؟

فرضیت حج کی سعادت عظمیٰ ہمارے آقا سرکار دو عالم ﷺ کی اُمت کے ساتھ مختص ہے گو کہنے کو تو حج کا رواج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے ہے مگر اس وقت اس کی فرضیت کا حکم نہ تھا۔ چنانچہ صحیح مسلک یہی ہے کہ حج صرف اُمت محمدیہ پر فرض ہوا ہے۔

حج کب فرض ہوا؟ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، کچھ حضرات کہتے ہیں سن ۵ھ میں فرض ہوا اکثر علماء سن ۶ھ میں فرضیت کے قائل ہیں لیکن زیادہ صحیح قول ان علماء کا ہے جو یہ کہتے ہیں۔ کہ حج سن ۹ھ کے آخر میں فرض ہوا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا یعنی اللہ کی خوشنودی کے لئے لوگوں پر کعبہ کا حج (ضروری) ہے اور یہ اس شخص پر جو وہاں تک جا سکے۔

چونکہ یہ حکم سال کے آخر میں نازل ہوا تھا اس لئے آپ ﷺ تو افعال حج کی تعلیم میں مشغولیت اور آئندہ سال کے لئے سفر حج کے اسباب کی تیاری میں مصروفیت کی وجہ سے خود حج کے لئے تشریف نہیں لے جا سکے، بلکہ اس سال یعنی سن ۹ھ میں حضرت ابوبکرؓ کو حاجیوں کا امیر مقرر فرما کر مکہ بھیج دیا تاکہ وہ لوگوں کو حج کرا دیں اور پھر آپ ﷺ خود سال آئندہ یعنی سن ۱۰ھ میں اس حکم الٰہی کی تعمیل میں حج کے لئے تشریف لے گئے یہ عجیب اتفاق ہے کہ فرضیت کے بعد آپ ﷺ نے یہی پہلا حج کیا جو آخری حج بھی ثابت ہوا۔ چنانچہ یہی حج "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہے اسی حج کے بعد آپ ﷺ کے چہرہ عالمتاب اور وجود پر نور نے اس دنیا سے پردہ کیا۔

حج کے احکام

حج عمر میں ایک بار فرض ہے جب کہ وہ تمام شرائط پائے جائیں جن سے حج فرض ہوتا ہے ان شرائط کے پائے جانے کے باوجود جو شخص

حج نہ کرے وہ فاسق و گنہگار ہے اور جو شخص حج کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے۔
صحیح یہ ہے کہ جب حج کے شرائط پائے جائیں تو فی الفور حج کرنا فرض ہے۔ دوسرے سال تک اس میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔ حج واجب ہے اس شخص پر جو میقات کے اندر بغیر احرام باندھے چلا جائے اور اس کے بعد حج کا احرام باندھے اسی طرح اس شخص پر حج فرض ہے جس نے حج کی نذر کی ہو۔
ناجائز مال سے حج کرنا حرام ہے اور مکروہ تحریمی ہے اس شخص کے لئے جو ان لوگوں کی اجازت کے بغیر حج کرے جن سے اجازت لینا ضروری ہے اس شخص کے لئے بھی حج مکروہ تحریمی ہے جو ان لوگوں کے نفقہ کا انتظام کئے بغیر حج کرے جن کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے۔

حج کے فرض ہونے کی شرطیں

حج ان شرائط کے پائے جانے کے بعد فرض ہوتا ہے۔ ① مسلمان ہونا، کافر پر حج فرض نہیں ہے ② آزاد ہونا، لونڈی غلام پر حج فرض نہیں ہے ③ عاقل ہونا، مجنون، مست اور بیہوش پر حج فرض نہیں ④ بالغ ہونا، نابالغ بچوں پر حج فرض نہیں ⑤ صحت مند و تندرست ہونا، بیمار، اندھے، لنگڑے، اپاہج پر حج فرض نہیں ⑥ قادر ہونا یعنی اس قدر مال کا مالک ہونا جو ضرورت اصلیہ اور قرض سے زائد ہو اور اس کے زاد راہ اور سواری کے کرایہ و خرچ کے لئے کافی ہو جائے نیز جن لوگوں کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے ان کے لئے بھی اس میں سے اس قدر چھوڑ جائے جو اس کی واپسی تک ان لوگوں کو کفایت کر سکے۔
⑦ راستے میں امن ہونا: اس بارے میں اکثر کا اعتبار ہے یعنی اگر اکثر لوگ امن وامان سے پہنچ جاتے ہوں تو حج فرض ہوگا، مثلاً اگر اکثر لوگ راستے میں ڈاکہ زنی وغیرہ سے لٹ جاتے ہوں یا کوئی ایسا دریا اور سمندر حائل ہو جس میں بکثرت جہاز ڈوب جاتے ہوں اور اکثر ہلاک ہو جاتے ہوں یا راستے میں اور کسی قسم کا خوف ہو تو ایسی حالت میں حج فرض نہیں ہوگا، ہاں اگر یہ حادثات کبھی کبھی اتفاقی طور پر ہو جاتے ہیں تو پھر حج کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی ⑧ عورت کے لئے ہمراہی میں شوہر یا کسی اور محرم کا موجود ہونا جب کہ اس کے یہاں سے مکہ کی دوری بقدر مسافت سفر یعنی تین دن کی ہو۔ اگر شوہر یا محرم ہمراہی میں نہ ہوں۔ تو پھر عورت کے لئے سفر حج اختیار کرنا جائز نہیں ہے اور محرم کا عاقل بالغ ہونا اور مجوسی و فاسق نہ ہونا بھی شرط ہے۔ محرم کا نفقہ اس عورت پر ہوگا جو اپنے اپنے ساتھ حج میں لے جائے گی۔ نیز جس عورت پر حج فرض ہو وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر بھی محرم کے ساتھ حج کے لئے جا سکتی ہے۔
اگر کوئی نابالغ لڑکا یا غلام احرام باندھنے کے بعد بالغ ہو جائے یا آزاد ہو جائے اور پھر وہ حج پورا کرے تو اس صورت میں فرض ادا نہیں ہوگا! ہاں اگر لڑکا فرض حج کے لئے از سر نو احرام باندھے گا تو صحیح ہو جائے گا۔ لیکن غلام کا احرام فرض حج کے لئے اس صورت میں بھی درست نہیں ہوگا۔

حج کے فرائض

حج میں پانچ چیزیں فرض ہیں۔ ① احرام، یہ حج کے لئے شرط بھی ہے اور رکن یعنی فرض بھی ہے۔ ② وقوف عرفات یعنی عرفات میں ٹھہرنا خواہ ایک ہی منٹ کے بقدر ہو اور خواہ دن میں ہو یا رات میں ③ طواف الزیارۃ اس کو طواف الافاضہ اور طواف الرکن بھی کہتے ہیں۔ ④ مذکورہ بالا فرائض میں ترتیب کا لحاظ یعنی احرام کو وقوف اور وقوف کو طواف زیارت پر مقدم کرنا ⑤ ہر فرض کو اسی مکان مخصوص میں ادا کرنا یعنی وقوف کا خاص عرفات میں اور طواف کا خاص مسجد حرام (کعبہ مکرمہ) کے گرد ہونا اور ہر فرض کا اسی خاص وقت میں ادا کرنا جو شریعت سے اس کے لئے مقرر ہے یعنی وقوف کا نویں ذی الحجہ کی ظہر کے وقت سے دسویں تاریخ کی فجر سے پہلے تک ادا کرنا اور طواف کا اس کے بعد ادا کرنا۔

حج کے واجبات

حج میں یہ چیزیں واجب ہیں۔ ① وقوف مزدلفہ ② صفا اور مروہ کے درمیان سعی ③ رمی جمار ④ آفاقی یعنی غیر مکی کے لئے طواف قدوم ⑤ حلق یا تقصیر یعنی بال منڈوانا یا کتروانا ⑥ اور ہر وہ چیز جس کو ترک کر دینے پر دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہو جاتا ہو۔ ان فرائض و واجبات کے علاوہ اور بہت سی چیزیں جو حج کے سنن و آداب کے تحت آتی ہیں وہ آئندہ صفحات میں موقع بموقع بیان ہوں گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حج عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَیْکُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَکُلَّ عَامٍ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَکَتَ حَتّٰی قَالَهَا ثَلَاثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِیْ مَاتَرَکْتُکُمْ فَاِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِکَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰی اَنْبِیَائِهِمْ فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَدَعُوْهُ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے ہمارے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے لہٰذا تم حج کرو (یہ سن کر) ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم ہر سال حج کریں؟ آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی بات کہی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا ہوں تو یقیناً حج (ہر سال کے لئے) فرض ہو جاتا اور تم (ہر سال حج) کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے تھے؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا جب تک میں تمہیں چھوڑوں تم مجھے چھوڑ دو (یعنی جو کچھ میں نہ کہا کروں مجھ سے مت پوچھا کرو) کیونکہ جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ اسی سبب سے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے انبیاء سے پوچھتے اور ان سے اختلاف کرتے تھے (جیسا کہ بنی اسرائیل کے بارے میں منقول ہے لہٰذا جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اس میں سے جو کچھ تم کرنے کی طاقت رکھتے ہو کرو اور جب میں تمہیں کسی بات سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔" (مسلم)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے جب حج کی فرضیت کا فرمان نازل فرمایا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو اُمت کے اوپر نافذ کرنے کے لئے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ حج کریں چنانچہ جب آپ ﷺ لوگوں کے سامنے حج کی فرضیت بیان فرما رہے تھے اور انہیں حج کرنے کا حکم دے رہے تھے تو ایک صحابی جن کا نام اقرع بن حابسؓ تھا پوچھ بیٹھے کہ حج ہر سال کیا جائے گا؟ وہ یہ سمجھے کہ جس طرح دیگر عبادتیں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ بار بار ادا کی جاتی ہیں اسی طرح یہ حج بھی مقرر ہی ہوگا اسی لئے انہوں نے یہ سوال کیا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کو یہ بات ناگوار ہوئی اس لئے آپ ﷺ نے پہلے تو تنبیہاً سکوت اختیار فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ جب انہوں نے کئی بار پوچھا تو آخر کار آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ اگر میں اس سوال کے جواب میں "ہاں" کہہ دیتا تو یقیناً ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا کیونکہ میں یہ جواب اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب دیتا بغیر اس کے حکم سے میری زبان سے کوئی تشریعی بات نہیں نکلتی، اور اگر ہر سال حج فرض ہو جاتا تو تم میں اتنی طاقت نہ ہوتی کہ ہر سال اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہوتے۔ پھر آپ ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ کسی بھی دینی حکم کو مجھ پر چھوڑ دو، جب میں کسی فعل کا حکم دوں تو مجھ سے یہ نہ پوچھو کہ یہ فعل کتنا ہے اور کیسا ہے جب تک میں خود یہ بیان نہ کروں کہ یہ فعل کتنا کیا جائے اور کس طرح کیا جائے۔ میں جس طرح کہوں تم اسی طرح کرو۔ اگر کسی فعل کے بارے میں بلاقید و تعیین اعداد کے مطلق حکم کروں تو اس حکم کی اسی طرح بجا آوری کرو اور اگر یہ بیان کروں کہ اس فعل کو اتنی بار اور اس طرح کرو تو اسے اتنی ہی بار اور اسی طرح کرو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ میں دنیا میں اسی لئے آیا ہوں کہ تم تک اسلام کے احکام پوری وضاحت کے ساتھ پہنچادوں اور شریعت کو بیان کر دوں جو بات جس طرح ہوتی ہے میں

اسے اسی طرح بیان کر دیتا ہوں۔ تمہارے سوال کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

پھر آخر میں آپ ﷺ نے احکام کی بجا آوری کے سلسلے میں تائید و تاکید و مبالغہ کے طور پر فرمایا کہ فاتوا منہ ما استطعتم (اس میں سے جو کچھ تم کرنے کی طاقت رکھتے ہو کرو) یعنی خدا اور رسول ﷺ کے احکام پر عمل کرنے کی تم جتنی بھی طاقت رکھتے ہو اس کے مطابق عمل کرو یا پھر یہ کہ اس جملے کے ذریعہ آپ ﷺ نے رفع حرج پر اشارہ فرمایا کہ مثلاً نماز کے بعض شرائط وارکان کی ادائیگی سے تم اگر عاجز ہو تو جس قدر ہو سکے اسی قدر کرو، جو تم سے نہ ہو سکے اسے چھوڑ دو جیسے اگر تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکو تو بیٹھ کر نماز پڑھو، اگر بیٹھ کر پڑھنے سے بھی عاجز ہو تو لیٹے ہی لیٹے پڑھو مگر پڑھو ضرور، اسی پر دوسرے احکام و اعمال کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟

(۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پوچھا گیا کہ پھر کون سا عمل؟ فرمایا، خدا کی راہ میں جہاد کرنا، پوچھا گیا کہ پھر کون سا، فرمایا حج مقبول۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: افضل اعمال کے سلسلے میں سب سے بہتر عمل کون سا ہے۔ مختلف احادیث منقول ہیں کسی حدیث میں کسی عمل کو افضل فرمایا گیا ہے اور کسی میں کسی کو، ان سب میں مطابقت و موافقت یوں پیدا کی جاتی ہے کہ یہ اختلاف بیان سائلین کے اقوال، حیثیات اور مقامات کے فرق و تفاوت کی بناء پر ہے، اس حدیث کو تفصیل کے ساتھ کتاب الصلوٰۃ میں بھی ایک موقع پر بیان کیا جا چکا ہے۔

صرف اللہ کے لئے حج کرنے والے کی سعادت

(۳) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ كَیَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے لئے حج کرے اور (حج کے دوران) نہ ہم بستری اپنی عورت سے کرے اور نہ فسق میں مبتلا ہو تو وہ اس طرح (بے گناہ ہو کر) واپس آتا ہے جیسے (اس دن بے گناہ تھا) کہ جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "جو شخص اللہ کے لئے حج کرے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اور صرف اس کے حکم کی بجا آوری کے لئے حج کرے، دکھانے، سنانے کا جذبہ یا غرض و مقصد پیش نظر نہ ہو۔ اس سلسلے میں اتنی بات ضرور جان لینی چاہئے کہ جو شخص حج اور تجارت یا مال وغیرہ لانے، دونوں کے قصد سے حج کے لئے جائے گا تو اسے ثواب کم ملے گا بہ نسبت اس شخص کے جو صرف حج کے لئے جائے گا کہ اسے ثواب زیادہ ملے گا۔

"رفث" کے معنی ہیں جماع کرنا، فحش گوئی میں مبتلا ہونا اور عورتوں کے ساتھ ایسی باتیں کرنا جو جماع کا داعیہ اور اس کا پیش خیمہ بنتی ہے۔

"اور نہ فسق میں مبتلا ہو" کا مطلب یہ ہے کہ حج کے دوران گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرے اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرے۔ یہ ذہن میں رہے کہ گناہوں سے توبہ نہ کرنا بھی کبیرہ گناہوں ہی میں شمار ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی سے واضح ہوتا ہے وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ترجمہ! اور جس نے توبہ نہیں کی تو یہی وہ ہیں جو (اپنے حق میں) ظالم ہیں۔

حاصل یہ کہ جو شخص خالصۃ للہ حج کرے اور اس حج کے دوران جماع اور فحش گوئی میں مبتلا نہ ہو اور نہ گناہ کی دوسری چیزوں کو اختیار کرے تو گناہوں سے ایسا ہی پاک وصاف ہو کر حج سے واپس آتا ہے جیسا کہ گناہوں سے پاک وصاف ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

حج کا ثمرہ جنت ہے

④ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْعُمْرَۃُ اِلَی الْعُمْرَۃِ کَفَّارَۃٌ لِمَا بَیْنَھُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَہٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّۃُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کفارہ ہے ان (صغیرہ) گناہوں کے لئے جو ان دونوں عمروں کے درمیان ہوں اور حج مقبول کا بدلہ جنت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

رمضان میں عمرہ کا ثواب

⑤ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُمْرَۃً فِیْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّۃً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا رمضان میں عمرہ کرنے کا ثواب حج کے ثواب کے برابر ہے۔"
(بخاریؒ ومسلمؒ)

نابالغ کو بھی حج کا ثواب ملتا ہے

⑥ وَعَنْہُ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقِیَ رَکْبًا بِالرَّوْحَاءِ فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوْا الْمُسْلِمُوْنَ فَقَالُوْا مَنْ اَنْتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَرَفَعَتْ اِلَیْہِ امْرَاَۃٌ صَبِیًّا فَقَالَتْ اَلِھٰذَا حَجٌّ قَالَ نَعَمْ وَلَکِ اَجْرٌ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (سفر حج کے دوران) روحاء میں (جو مدینہ سے ۳۶ کوس کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام تھا) ایک قافلے سے ملے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم کون قوم ہو؟ قافلے والوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں پھر قافلے والوں نے پوچھا کہ آپ (ﷺ) کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ (ﷺ) ہوں (یہ سن کر) ایک عورت نے ایک لڑکے کو (ہاتھ میں لے کر کجاوے سے) آنحضرت ﷺ کی طرف پکڑ کر بلند کیا (یعنی آپ ﷺ کو دکھلایا) پھر آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا اس کے لئے حج کا ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! اور تمہارے لئے بھی ثواب ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: عورت کے سوال کے جواب میں آپ ﷺ کے "ہاں" کا مطلب یہ تھا کہ لڑکا اگرچہ نابالغ ہے اور اس پر حج فرض نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ حج میں جائے گا تو اسے نفلی حج کا ثواب ملے گا اور چونکہ تم اس بچے کو افعال حج سکھلاؤ گی، اس کی خبر گیری کرو گی اور پھر یہ کہ تم ہی اس کے حج کا باعث بنو گی اس لئے تمہیں بھی ثواب ملے گا۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی نابالغ حج کرے تو اس کے ذمہ سے فرض ساقط نہیں ہوگا اگر بالغ ہونے کے بعد فرضیت حج کے شرائط پائے جائیں گے تو اسے دوبارہ پھر کرنا ہوگا، اسی طرح اگر غلام حج کرے تو اس کے ذمہ سے بھی فرض ساقط نہیں ہوتا، آزاد ہونے کے بعد فرضیت حج کے شرائط پائے جانے کی صورت میں اس کے لئے دوبارہ حج کرنا ضروری ہوگا۔ ان کے برخلاف اگر کوئی مفلس حج کرے تو اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا۔ مال دار ہونے کے بعد اس پر دوبارہ حج کرنا واجب نہیں ہوگا۔

دوسرے کی طرف سے حج کرنے کا مسئلہ

⑦ وَعَنْہُ قَالَ اِنَّ امْرَاَۃً مِنْ خَثْعَمٍ قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ فَرِیْضَۃَ اللّٰہِ عَلٰی عِبَادِہٖ فِی الْحَجِّ اَدْرَکَتْ اَبِیْ شَیْخًا کَبِیْرًا

لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ اَفَاَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ وَذٰلِكَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! اللہ کے ایک فریضے نے جو اس کے بندوں پر ہے میرے باپ کو بڑا بوڑھا پایا ہے یا جو سواری پر جم کر بیٹھ بھی نہیں سکتا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں! (اس کی طرف سے) حج کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور اس عورت کے درمیان) یہ سوال جواب حجۃ الوداع میں ہوا تھا۔"

(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس عورت کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میرے باپ پر بوڑھاپے میں حج فرض ہوا ہے۔ بایں سبب کہ وہ بڑھاپے میں اس کو اتنا مال مل گیا ہے اور اس کے پاس اتنا مال ہے کہ جس کی وجہ سے اس پر حج فرض ہو جاتا ہے یا یہ کہ اب بڑھاپے میں اس کو اتنا مال مل گیا ہے کہ اس پر حج فرض ہو گیا ہے مگر وہ اتنا ضعیف اور کمزور ہے کہ ارکان وافعال حج کی ادائیگی تو الگ ہے وہ سواری پر بیٹھ بھی نہیں سکتا تو کیا میں اس کی طرف سے نیابتہً حج کرلوں؟ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہاں! اس کی طرف سے تم حج کرلو۔

مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص پر اگر حج فرض ہو اور وہ بذات خود حج کرنے سے معذور ہو نیز یہ کہ اس کی وہ معذوری ایسی ہو جو موت تک زائل نہ ہونے والی ہو۔ جیسے بڑھاپے کا ضعف، نابینا ہونا، یا پیروں کا کٹا ہونا وغیرہ تو اس کی طرف سے کسی دوسرے شخص کا حج کر لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ معذور اپنی طرف سے حج کرنے والے کو حج کے اخراجات بھی دے اور اسے اپنی طرف سے حج کرنے کا حکم بھی دے۔ نیز اس کی موت کے بعد بھی اس کی طرف سے کسی دوسرے شخص کا حج کرنا جائز ہے جب کہ وہ اس کی وصیت کر کے مرا ہو۔ لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ اولاد اگر اپنے والدین کی طرف سے فرض حج کرے تو اس صورت میں حکم اور وصیت شرط نہیں ہے یعنی والدین کی طرف سے حج کرنا۔ بغیر حکم اور بغیر وصیت کے بھی جائز ہے، یہ تو فرض حج کی بات تھی نفل حج کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی طرف سے کسی دوسرے سے نفل حج کرائے۔ تو معذوری شرط نہیں ہے۔ یعنی اگر بذات خود اسے حج کرنے کی قدرت وطاقت حاصل ہے تو اس کے باوجود وہ کسی دوسرے سے اپنا نفل حج کرا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا مسئلہ کو ذہن میں رکھ کر حدیث کی طرف آیئے۔ عورت اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے پوچھ رہی ہے۔ لیکن وہ چونکہ وضاحت نہیں کر رہی ہے اس لئے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے نہ تو اس کو اپنی طرف سے حج کرنے کا حکم دیا ہے اور نہ اسے اخراجات دیئے ہیں۔ گویا اس طرح حدیث کے ظاہری مفہوم اور مذکورہ بالا اس فقہی روایت میں کہ جس کی طرف سے حج کیا جائے اس کا حکم اور اس کی طرف سے اخراجات کی ادائیگی حج کے صحیح ہونے کی شرط ہے، تضاد نظر آتا ہے، لہٰذا اس تضاد کو اس تاویل کے ذریعے ختم کیا جائے گا کہ اس عورت کے باپ نے اس کو اپنی طرف سے حج کرنے کی اجازت بھی دی ہوگی اور اسے اخراجات بھی دیئے ہوں گے مگر اس نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

اس تاویل کی بنیاد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی وہ تقریر ہے کہ انہوں نے حضرت ابورزینؓ کی روایت کی وضاحت کے ضمن میں بیان کی ہے یہ روایت اسی باب کی دوسری فصل میں آئے گی۔ بعض علماء کے قول کہ والدین کی طرف سے فرض حج کرنا بغیر حکم ووصیت کے بھی جائز ہے۔ کے پیش نظر اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس صورت میں تو یہ حدیث اس فقہی روایت کی دلیل بن جائے گی۔

⑧ وَعَنْهُ قَالَ اَتٰى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُخْتِيْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ وَاِنَّهَا مَاتَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عَلَيْهَا دَيْنٌ اَكُنْتَ قَاضِيَهٗ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاقْضِ دَيْنَ اللّٰهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِالْقَضَاءِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی مگر وہ مر گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کے ذمہ اگر کوئی مطالبہ (مثلاً قرض وغیرہ) ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتے؟ اس نے کہا ہاں!

آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر اللہ کا مطالبہ (یعنی حج نذر) ادا کرو کیونکہ اس کا ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کی بہن کے ورثہ میں کچھ مال ملا ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حق اللہ کو حق العباد پر قیاس فرماتے ہوئے اس کو بہن کا حج نذر کرنے کا حکم دیا۔

مسئلہ: وارث کے لئے جائز ہے کہ وہ مورث کی طرف سے اس کی اجازت و وصیت کے بغیر بھی حج کر سکتا ہے، یا اس کی طرف سے خود حج کر سکتا ہے۔ لیکن دوسروں کے لئے اجازت و وصیت شرط ہے کہ اس کے بغیر حج درست نہ ہوگا۔

عورت خاوند یا محرم کے بغیر حج کو نہیں جا سکتی

(۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ اِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اكْتُتِبْتُ فِي غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا وَخَرَجَتِ امْرَأَتِي حَاجَّةً قَالَ اذْهَبْ فَاحْجُجْ مَعَ امْرَأَتِكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کوئی شخص عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے (یعنی اجنبی مرد و عورت کسی جگہ تنہا جمع نہ ہوں) اور کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! فلاں فلاں غزوہ میں میرا نام لکھا جا چکا ہے (یعنی فلاں جہاد جو در پیش ہے اور وہاں جو لشکر جانے والا ہے اس میں میرا نام بھی لکھا جا چکا ہے کہ میں بھی لشکر کے ہمراہ جاؤں) اور حالانکہ میری بیوی نے سفر حج کا ارادہ کر لیا ہے؟ تو کیا کروں؟ آیا جہاد کو جاؤں اور بیوی کو اکیلا حج کے لئے جانے دوں یا بیوی کے ساتھ جاؤں اور جہاد میں نہ جاؤں) آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو (کیونکہ جہاد میں جانے والے تو بہت ہیں لیکن تمہاری بیوی کے ساتھ جانے والا تمہارے علاوہ اور کوئی محرم نہیں ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اجنبی عورت و مرد کے لئے حرام ہے کہ وہ تنہائی میں یک جا ہوں۔ اسی طرح عورت کو بقدر مسافت سفر (یعنی ۴۸ میل یا ۷۸ کلو میٹر) یا اس سے زائد مسافت میں خاوند یا محرم کے بغیر سفر کرنا حرام ہے حتی کہ سفر حج میں بھی عورت کے لئے اس کے خاوند یا کسی محرم کا ساتھ ہونا وجوب حج کے لئے شرط ہے یعنی عورت پر حج اسی وقت فرض ہوتا ہے جب کہ اس کے ساتھ خاوند یا محرم ہو۔

محرم اصطلاح شریعت میں اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو خواہ قرابت کے لحاظ سے ہو یا دودھ کے رشتے سے یا سسرال کے ناتے سے، نیز محرم کا عاقل و بالغ ہونا اور مجوسی و فاسق نہ ہونا بھی شرط ہے۔

عورتوں کا جہاد، حج ہے

(۱۰) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ۔ (متفق علیہ)

"اور اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے جہاد (میں جانے) کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا جہاد، حج ہے۔ (یعنی تم عورتوں پر جہاد واجب نہیں ہے اس کی بجائے حج بشرطیکہ نفل حج کرنے کی استطاعت ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

خاوند یا محرم کے بغیر عورت کے سفر کی حد

(۱۱) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ اِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی عورت ایک دن و ایک رات کی مسافت کے بقدر بھی سفر نہ کرے علاوہ یہ کہ اس کے ساتھ محرم ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس موقع پر حدیث اور فقہی روایت کا تضاد سامنے آسکتا ہے وہ یوں کہ ہدایہ میں جو فقہ حنفی کی مشہور ترین کتاب ہے لکھا ہے کہ عورتوں کو (بغیر خاوند یا محرم) کسی ایسی جگہ کا سفر مباح ہے جس کی مسافت حد سفر سے (کہ وہ تین منزل یعنی ۴۸ میل سے، کم ہو) لیکن یہاں حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی عورت بغیر خاوند یا محرم کسی ایسی جگہ کا سفر بھی نہیں کر سکتی جس کی مسافت ایک دن و ایک رات (یعنی ایک منزل یا ۱۶ میل) کے سفر کے بقدر ہو۔ نیز بخاری و مسلم میں بھی یہ ایک روایت منقول ہے کہ "کوئی عورت دو دن کی مسافت کے بقدر بھی سفر نہ کرے الا یہ کہ اس کے ساتھ اس کا خاوند یا محرم ہو۔"

لہٰذا فقہاء کا قول بظاہر ان روایات کے مخالف نظر آتا ہے لیکن اس تضاد و اختلاف کو دور کرنے کے لئے علماء یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں مطلق طور پر جو یہ منقول ہے کہ کوئی عورت اپنے خاوند یا محرم کے بغیر سفر نہ کرے تو چونکہ شرعی طور پر سفر کا اطلاق تین دن سے کم پر نہیں ہوتا اس لئے فقہاء نے اس حدیث کو تین دن (۴۸ میل کی مسافت کے بقدر سفر پر محمول کیا ہے اور یہ فقہی قاعدہ مرتب کر دیا کہ کوئی عورت اتنی دور کا سفر کہ جو تین دن کی مسافت کے بقدر ہو بغیر خاوند یا محرم کے نہ کرے اور جب تین دن کی مسافت کے بقدر تنہا سفر نہیں کر سکتی تو اس سے زائد مسافت کا سفر کرنا تو بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہوگا۔ اور جن حدیثوں میں دو دن یا ایک دن کی مسافت کے بقدر سفر سے بھی منع کیا گیا ہے تو اس کو فتنہ و فساد پر محمول کیا ہے کہ اگر سفر تین دن کی مسافت سے بھی کم یعنی دو دن یا ایک دن کی مسافت کے بقدر ہو اور کسی فتنہ و فساد مثلاً عورت کی عزت و آبرو پر حرف آنے کا گمان ہو تو اس صورت میں بھی عورت کو تنہا سفر نہیں کرنا چاہئے۔

یا پھر یہ کہا جائے گا کہ جہاں تین دن کی مسافت کے بقدر سفر کی ممانعت منقول ہے تو اس کی مراد یہ ہے کہ ہر منزل (یعنی ۱۶ میل) ایک دن کے اکثر حصے میں طے ہوتی ہو تو اس طرح تین دن میں تین منزلیں طے ہوں گی اور جہاں دو دن کے سفر کی ممانعت ہے۔ تو اس کی مراد یہ ہے کہ تمام دن چلے یعنی ایک دن میں ڈیڑھ منزل (۲۴) میل طے ہو اس طرح دو دن میں تین منزلیں طے ہوں گے اور جہاں ایک دن و رات کے سفر کی ممانعت ہے تو اس کی مراد یہ ہے کہ شب و روز چلے، یعنی ڈیڑھ منزل پورے دن میں طے ہو ڈیڑھ منزل پوری رات میں طے ہو اس طرح ایک دن و رات میں تین منزلیں طے ہوں گی۔

اس تاویل کی وجہ سے ان تمام روایات کا مقصد تین دن کی مسافت کے بقدر عورت کو تنہا سفر کرنے سے روکنا ثابت ہو جائے گا اور تمام روایات میں باہم کوئی تضاد بھی باقی نہیں رہے گا۔

اس سلسلے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی یہ بات دل کو زیادہ لگتی ہے کہ ان تمام روایات (کہ جن سے عورت کو تنہا سفر کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور جن میں حد سفر کے بارے میں اختلاف نظر آ رہا ہے) کا مقصد سفر کی کسی حد اور مدت کو متعین کرنا نہیں ہے بلکہ ان روایات کا مجموعی حاصل یہ ہے کہ عورت بغیر خاوند یا محرم تنہا سفر مطلقاً نہ کرے مسافت چاہے طویل ہو اور چاہے کتنی ہی مختصر ہو۔ لہٰذا موجودہ دور میں جب کہ فتنہ فساد کا خوف عام ہے اور انسانی ذہن غلط طریقہ تعلیم و تربیت اور فاسد ماحول کی وجہ سے بے حیائی اور فحاشی کا مرکز بن گئے ہیں تو احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ عورت مطلقاً تنہا سفر نہ کرے سفر چاہے تھوڑی دور کا ہو چاہے زیادہ فاصلے کا۔ اس لئے کہ فتنہ و فساد کا خوف، بہر صورت رہتا ہے۔

مواقیت حج

⑫ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ ذَا الْحُلَیْفَۃِ وَلِاَھْلِ الشَّامِ الْجُحْفَۃَ وَلِاَھْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِاَھْلِ الْیَمَنِ یَلَمْلَمَ فَھُنَّ لَھُنَّ وَلِمَنْ اَتٰی عَلَیْھِنَّ مِنْ غَیْرِ اَھْلِھِنَّ لِمَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَمَنْ کَانَ دُوْنَھُنَّ فَمُھَلُّہٗ مِنْ اَھْلِہٖ وَکَذَاکَ وَکَذَاکَ حَتّٰی اَھْلُ مَکَّۃَ یُھِلُّوْنَ مِنْھَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (آفاقی یعنی غیر مکی کے لئے احرام باندھنے کی جگہ (میقات) اس طرح متعین

فرمائیں) اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ شام والوں کے لئے جحفہ، نجد والوں کے لئے قرن منازل اور یمن والوں کے لئے یلملم۔ یہ سب مذکورہ علاقوں کے لوگوں کے لئے احرام باندھنے کی جگہ ہیں اور ان مقامات سے گزرنے والے ان لوگوں کے لئے (بھی یہی میقات ہیں) جو ان علاقوں کے علاوہ ہوں (مثلاً ہندوستانی کہ جب یمن کے راستے پر پہنچیں تو یلملم سے احرام باندھیں۔ اسی طرح دوسرے ملکوں کے لوگوں کے لئے بھی یہی ہے کہ ان کے راستے میں جو میقات آئے وہیں سے احرام باندھیں) اور یہ (احرام اور احرام باندھنے کی جگہیں) ان لوگوں کے لئے ہیں جو حج اور عمرہ کا ارادہ کریں۔ اور جو شخص ان مقامات کے اندر رہتا ہے اس کے احرام باندھنے کی جگہ اس کے گھر سے ہے اسی طرح اور اسی طرح یہاں تک کہ مکہ والے مکہ ہی سے احرام باندھیں۔" (بخاری ؒ و مسلم ؒ)

تشریح: احرام کے معنی ہیں "حرام کر دینا" چونکہ حج کرنے والے پر کئی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا اس اظہار کے واسطے کہ اس وقت سے یہ چیزیں حرام ہو گئی ہیں ایک لباس جو صرف ایک چادر اور ایک تہبند ہوتا ہے بہ نیت حج پہنا جاتا ہے۔ جس کو احرام کہتے ہیں۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ احرام کا عمل اس وقت سے شروع ہوتا ہے جس وقت احرام پہننے کے بعد حج کی نیت کی جائے اور لبیک کہی جائے یا کوئی ایسا فعل کیا جائے جو تلبیہ (لبیک کہنے) کے مثل ہو جیسے (یعنی قربانی کا جانور) روانہ کرنا، ورنہ صرف احرام کا لباس پہننے پھرنے سے کوئی شخص محرم نہیں ہو سکتا۔

مواقیت — میقات کی جمع ہے، میقات اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے مکہ مکرمہ میں جانے والے احرام باندھتے ہیں اور مکہ مکرمہ جانے والے کے لئے وہاں سے بغیر احرام آگے بڑھنا منع ہے۔

ذوالحلیفہ — ایک مقام کا نام ہے۔ جو مدینہ منورہ سے جنوب میں تقریباً ۶ میل (۱۰ کلو میٹر) کے فاصلے پر واقع ہے اس کو ابیار علی بھی کہتے ہیں۔ یہ مقام مدینہ اور مدینہ کی طرف سے آنے والوں کے واسطے میقات ہے۔

جحفہ — ایک مقام کا نام ہے یہ مقام مکہ مکرمہ سے ۱۱۵ میل ۱۸۸ کلو میٹر کے فاصلے پر اور رابغ سے چند میل جنوب میں واقع ہے یہ قریش کی تجارتی شاہراہ کا ایک اسٹیشن رہ چکا ہے اب غیر آباد ہے، یہ مقام شام و مصر کی طرف سے آنے والوں کے واسطے میقات ہے۔

نجد — اصل میں تو "بلند زمین" کو کہتے ہیں۔ مگر اصطلاحی طور پر جزیرۃ العرب کے ایک علاقے کا نام ہے جو "مملکت سعودی عرب" کا ایک حصہ ہے۔ اس علاقے کو نجد غالباً اسی لئے کہا جاتا ہے کہ سطح سمندر سے یہ علاقہ اچھا خاصا بلند ہے اس وقت جزیرۃ العرب کا سارا وسطی علاقہ جسے "نجد" کہا جاتا ہے۔ شمال میں بادیۃ الشام کے جنوبی سرے سے شروع ہو کر جنوب میں وادی الاوا سریا الربع الخال تک اور عرضاً احساء سے حجاز تک پھیلا ہوا ہے، حکومت سعودی عرب کا دارالسلطنت "ریاض" نجد ہی کے علاقے میں ہے۔

قرن المنازل — یہ ایک پہاڑی ہے جو مکہ سے تقریباً تیس میل (۴۸ کلو میٹر) جنوب میں تہامہ کی ایک پہاڑی ہے یہ پہاڑی یمن سے مکہ آنے والے راستے پر واقع ہے اس پہاڑی سے متصل سعدیہ نامی ایک بستی ہے یہ یمن کی طرف سے آنے والوں کی میقات ہے۔ ہندوستان سے جانے والے اس پہاڑی کے سامنے سے گزرتے ہیں اس لئے ہندوستان والوں کے لئے بھی یہی میقات ہے۔

ان مواقیت کے علاوہ ایک میقات "ذات عرق" ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے تقریباً ساٹھ میل (۹۷ کلو میٹر) کے فاصلے پر شمال مشرقی جانب عراق جانے والے راستے پر واقع ہے۔ اور عراق کی طرف سے آنے والوں کے واسطے میقات ہے۔

حدیث کے الفاظ لِمَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ (اور یہ احرام کی جگہیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو حج و عمرہ کا ارادہ کریں)۔ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص (یعنی غیر مکی) حج و عمرہ کے ارادے کے بغیر میقات سے گزرے تو اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ مکہ میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھے۔ جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے، لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ خواہ حج و عمرہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔ یعنی اگر کوئی غیر مکی شخص مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہے خواہ وہ حج کے لئے جاتا ہو یا کسی اور غرض سے تو اس پر واجب ہے کہ وہ میقات سے احرام باندھ کر جائے احرام کے بغیر وہ مکہ میں داخل

نہیں ہوسکتا۔ حنفی مسلک کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ:

لا یجاوز حد المیقات الا محرما۔

"کوئی شخص (مکہ میں داخل ہونے کے لئے) میقات کے آگے بغیر احرام کے نہ بڑھے۔"

یہ حدیث اس بارے میں مطلق ہے اس میں حج و عمرہ کے ارادے کی قید نہیں ہے، پھر یہ کہ احرام اس مقدس و محترم مکان یعنی کعبہ مکرمہ کی تعظیم واحترام کی غرض سے باندھا جاتا ہے۔ حج و عمرہ کیا جائے یا نہ کیا جائے لہٰذا اس حکم کا تعلق جس طرح حج و عمرہ کرنے والے سے ہے اسی طرح یہ حکم تاجر و سیاح وغیرہ پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ ہاں جو لوگ میقات کے اندر ہیں ان کو اپنی حاجت کے لئے بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے کیونکہ ان کو بار بار مکہ مکرمہ میں آنا جانا پڑتا ہے۔ اس واسطے ان کے لئے ہر بار احرام کا واجب ہونا دقت و تکلیف سے خالی نہیں ہوگا، لہٰذا اس معاملے میں وہ اہل مکہ کے حکم میں داخل ہیں کہ جس طرح ان کے لئے جائز ہے کہ اگر وہ کسی کام سے مکہ مکرمہ سے باہر نکلیں اور پھر مکہ میں داخل ہوں تو بغیر احرام چلے آئیں اسی طرح میقات کے اندر والوں کو بھی احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہونا جائز ہے۔

فمن کان دونھن (اور جو شخص ان مقامات کے اندر رہتا ہے الخ) کا مطلب یہ ہے کہ لوگ میقات کے اندر مگر حدود حرم سے باہر رہتے ہوں تو ان کے لئے احرام باندھنے کی جگہ ان کے گھر سے تا حد حرم ہے ان کو احرام باندھنے کے لئے میقات پر جانا ضروری نہیں ہے، اگرچہ وہ میقات کے قریب ہی کیوں نہ ہوں۔

جو لوگ خاص میقات میں ہی رہتے ہوں ان کے بارے میں اس حدیث میں کوئی حکم نہیں ہوتا۔ لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ ان کا حکم بھی وہی ہے جو میقات کے اندر رہنے والوں کا ہے۔

وَکَذَالِکَ وَکَذَاکَ (اور اسی طرح اور اسی طرح) اس کا تعلق پہلے ہی جملے سے ہے کہ حل (حدود حرم سے باہر سے مواقیت تک جو زمین ہے اس میں جو جہاں رہتا ہے وہیں سے احرام باندھے یعنی میقات اور حد حرم کے درمیان جو لوگ رہنے والے ہیں وہ اپنے اپنے گھر ہی سے احرام باندھیں گے چاہے وہ میقات کے بالکل قریب ہوں اور چاہے میقات سے کتنے ہی دور اور حد حرم کے کتنے ہی قریب ہوں۔

حتی اھل مکۃ یھلون منھا کا مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ یعنی اہل حرم مکہ سے احرام باندھیں جو لوگ خاص مکہ شہر میں رہتے ہیں وہ تو خاص مکہ ہی سے احرام باندھیں گے اور جو لوگ خاص مکہ شہر میں نہیں بلکہ شہر سے باہر مگر حدود حرم میں رہتے ہیں وہ حرم مکہ سے احرام باندھیں گے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ کے لئے احرام باندھنے کی جگہ مکہ ہے خواہ احرام حج کے لئے ہو خواہ عمرہ کے لئے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ عمرہ کرنے والا حل کی طرف جائے اور وہاں سے احرام باندھ کر پھر حرم میں داخل ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے تنعیم جائیں جو حل میں ہے لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ اس حدیث کا تعلق صرف حج کے ساتھ ہے یعنی یہ حکم اہل مکہ کے لئے ہے کہ وہ جب حج کرنے کا ارادہ کریں تو احرام مکہ ہی سے باندھیں اور اگر عمرہ کرنے کا ارادہ ہو تو پھر حل میں آکر احرام باندھیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

(۱۳) وَعَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مُھَلُّ اَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ مِنْ ذِی الْحُلَیْفَۃِ وَالطَّرِیْقُ الْاٰخَرُ الْجُحْفَۃُ وَمُھَلُّ اَھْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ وَمُھَلُّ اَھْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ وَمُھَلُّ اَھْلِ الْیَمَنِ یَلَمْلَمُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مدینہ والوں کے لئے احرام کی جگہ ذوالحلیفہ ہے اور دوسرا راستہ جحفہ ہے، عراق والوں کے لئے احرام کی جگہ ذات عرق ہے، نجد والوں کے لئے احرام کی جگہ قرن ہے اور یمن والوں کے لئے احرام کی جگہ یلملم

ہے۔" (مسلم)

تشریح: "اور دوسرا راستہ جحفہ ہے" کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ والوں کے لئے احرام باندھنے کی دوسری جگہ جحفہ ہے اگر وہ مکہ کے لئے مدینہ سے وہ راہ اختیار کریں جس میں جحفہ ملتا ہے تو وہ پھر جحفہ ہی سے احرام باندھیں، ذو الحلیفہ جانے کی ضرورت نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ پہلے مدینہ سے مکہ آنے کے لئے دو راستے تھے ایک راستے میں تو ذو الحلیفہ ملتا تھا اور دوسرے راستے میں جحفہ اسی لئے یہ حکم دیا گیا کہ اگر وہ راہ اختیار کی جائے جس میں ذو الحلیفہ ملتا ہے تو احرام ذو الحلیفہ سے باندھا جائے اور اگر وہ راہ اختیار کی جائے جس میں جحفہ ملتا ہے تو پھر جحفہ سے احرام باندھا جائے، لیکن اب ایک ہی راستہ ہو گیا ہے جس میں پہلے تو ذو الحلیفہ آتا ہے اور پھر جحفہ، اسی طرح اہل مدینہ کے لئے دو میقات ہو گئی ہیں، اس صورت میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اب اہل مدینہ احرام کہاں سے باندھیں؟ تو علماء لکھتے ہیں کہ اس جگہ سے باندھنا اولیٰ ہے جو مکہ سے زیادہ فاصلے پر واقع ہے یعنی ذو الحلیفہ اور اگر کوئی شخص جحفہ سے احرام باندھے تو یہ بھی جائز ہے۔

آنحضرت ﷺ کے حج و عمرہ کی تعداد

(۱۴) وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ عُمَرٍ كُلُّهُنَّ فِي ذِي الْقَعْدَةِ اِلَّا الَّتِي كَانَتْ مَعَ حَجَّتِهِ عُمْرَةٌ مِنَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةٌ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةٌ مِنَ الْجِعِرَّانَةِ حَيْثُ قَسَمَ غَنَائِمَ حُنَيْنٍ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةٌ مَعَ حَجَّتِهِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے چار عمرے کئے ہیں اور وہ سب ذی قعدہ کے مہینے میں کئے گئے تھے علاوہ اس ایک عمرہ کے جو حج کے ساتھ کیا گیا تھا اور ذی الحجہ کے مہینے میں ہوا تھا (اور ان چار عمروں کی تفصیل یہ ہے کہ) ایک عمرہ حدیبیہ سے ذی قعدہ کے مہینے میں، دوسرا عمرہ اس کے اگلے سال وہ بھی ذی قعدہ میں ہوا، تیسرا عمرہ جعرانہ سے جہاں غزوہ حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا گیا یہ عمرہ بھی ذی قعدہ میں ہوا اور چوتھا عمرہ حج کے ساتھ جو ذی الحجہ میں ہوا تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیبیہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے مغربی جانب تقریباً پندرہ سولہ میل (۲۶ کلو میٹر) کے فاصلے پر جدہ جاتے ہوئے ملتی ہے یہ مکہ سے شمال مغربی جانب ہے یہیں جَبَلُ الشُّمَيْسِي نامی ایک پہاڑ ہے جس کی وجہ سے اب اس مقام کو شمیسہ بھی کہتے ہیں۔ حدود حرم یہاں سے بھی گزرتے ہیں اس لئے اس جگہ کا اکثر حصہ حرم میں ہے اور کچھ حصہ حل میں (یعنی حرم سے باہر) ہے۔

عمرہ حدیبیہ کا (اجمالی بیان یہ ہے کہ سن ۶ھ میں ذی قعدہ کی پہلی تاریخ کو دو شنبہ کے دن نبی کریم ﷺ عمرہ کے قصد سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے چودہ سو یا اس سے کچھ زائد رفقاء آپ ﷺ کے ساتھ تھے جب آپ ﷺ حدیبیہ پہنچے تو قریش مکہ جمع ہو کر آپ ﷺ کے پاس آئے اور زیارت بیت اللہ سے آپ ﷺ کو روکا، کافی ردو قدح کے بعد کہ جس کی تفصیل تاریخ و سیر کی کتابوں میں ملتی ہے، آنحضرت ﷺ اور قریش مکہ کے درمیان ایک معاہدہ عمل میں آیا جو معاہدہ حدیبیہ اور صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے اس معاہدے کی رو سے یہ طے پایا کہ آنحضرت ﷺ مع رفقاء اس سال تو مدینہ واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔ چنانچہ آپ ﷺ قریش سے صلح کر کے عمرہ کئے بغیر مدینہ منورہ واپس ہو گئے لہٰذا حقیقت میں تو آپ ﷺ نے عمرہ ادا نہیں کیا مگر عمرہ کا ثواب مل جانے کی وجہ سے یہ آپ ﷺ کا پہلا عمرہ شمار کیا گیا۔ اسی موقع پر احصار کا حکم مشروع ہوا۔ چنانچہ آئندہ سال اسی عمرہ کی قضاء کے لئے آپ ﷺ مکہ تشریف لائے تین روز مکہ میں قیام فرمایا عمرہ ادا کیا اور چوتھے روز وہاں سے واپس ہوئے۔ یہ دوسرا عمرہ ہوا اسی عمرہ کو "عمرۃ القضاء" کہتے ہیں یہ نام احادیث میں بھی منقول ہے۔ حنفیہ اس سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محرم احصار کی وجہ سے احرام سے باہر آجائے تو اس کی قضا اس پر واجب ہو گی حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک قضا واجب نہیں ہوتی۔

آپ ﷺ کا تیسرا عمرہ وہ ہے جو آپ ﷺ نے جعرانہ سے مکہ مکرمہ جا کر ادا کیا۔ جہاں آپ ﷺ نے غزوہ حنین کا مال تقسیم کیا تھا،

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جعرانہ، مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے جب فتح مکہ کے بعد سن ۸ھ میں غزوہ حنین کا واقعہ پیش آیا تو اس وقت بے شمار مال غنیمت ہاتھ لگا، اسی موقع پر آپ ﷺ جعرانہ میں پندرہ سولہ روز قیام پذیر رہے اور وہ مال غنیمت صحابہؓ میں تقسیم فرمایا، انہیں دنوں میں ایک روز رات میں بعد نماز عشاء آپ ﷺ مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا اور اسی رات میں واپس آئے اور جعرانہ میں نماز فجر پڑھی۔

چوتھا عمرہ وہ ہے جو آپ ﷺ نے حج فرض ہونے کے بعد سن ۱۰ھ میں حج کے ساتھ کیا، لہٰذا یہ عمرہ تو ذی الحجہ میں ہوا اور بقیہ عمرے ذی قعدہ میں کئے اس طرح آپ ﷺ نے جو چار عمرے کئے تھے وہ یہ تھے، البتہ زمانہ اسلام میں حج آپ ﷺ نے ایک مرتبہ کیا ہے۔ جب کہ وہ فرض ہوا ہے۔ ایام جاہلیت میں قریش حج کرتے تھے۔ آپ ﷺ بھی اس وقت حج کرتے تھے لیکن ان کی تعداد علماء کو صحیح طور پر معلوم نہیں ہے۔

حج و عمرہ کا فرق

حج اور عمرہ کی کیفیت اور ان کے متعلقات کا تفصیلی بیان تو آگے آئے گا، اس موقع پر صرف اتنی بات جان لینی چاہئے کہ حج و عمرہ میں فرق کیا ہے؟ حج میں وقوف عرفات، طواف بیت اللہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی ہوتی ہے جب کہ عمرہ میں صرف طواف بیت اللہ اور سعی بین الصفا والمروہ ہوتی ہے، احرام دونوں کے لئے شرط ہے جس طرح حج احرام کے بغیر صحیح نہیں اسی طرح عمرہ بھی احرام کے بغیر صحیح نہیں ہوتا، حج فرض بھی ہوتا ہے، سنت بھی اور نفل بھی جب کہ عمرہ فرض نہیں ہوتا۔ صرف سنت اور نفل ہوتا ہے، ہاں اگر کوئی عمرہ کی نذر مانے تو پھر عمرہ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

حج سے پہلے آپ ﷺ نے دو عمرے کئے یا تین؟

⑮ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذِي الْقَعْدَةِ قَبْلَ اَنْ يَحُجَّ مَرَّتَيْنِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت براء ابن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ذی قعدہ کے مہینے میں حج سے پہلے دو مرتبہ عمرہ کیا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: اس سے پہلی حدیث سے تو یہ معلوم ہوا تھا کہ آپ ﷺ نے حج سے پہلے تین عمرے کئے تھے۔ جب کہ یہ حدیث حج سے پہلے آپ ﷺ کے عمرے کی تعداد دو بتا رہی ہے۔ ان دونوں حدیثوں کی تضاد کو یوں دور کیجئے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر اگرچہ بظاہر آپ ﷺ نے عمرہ نہیں کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ آپ (ﷺ) احرام سے باہر آجائیے آپ (ﷺ) کو عمرے کا ثواب حاصل ہو گیا، گویا آپ ﷺ نے عمرہ کے افعال ادا نہیں کئے ہیں لہٰذا جس روایت میں حج سے پہلے عمرے کی تعداد تین بتائی گئی ہے اس میں اس عمرہ سے مراد عمرہ کا ثواب ہے اس اعتبار سے تین عمرے شمار کئے گئے ہیں اور جس روایت میں حج سے پہلے عمرہ کی تعداد دو بتائی گئی ہے اس کی مراد یہ ہے کہ اگرچہ آپ ﷺ کو ثواب تین عمرے کے ملے ہیں۔ لیکن ظاہری طور پر عمرے آپ ﷺ نے دو ہی کئے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

حج صرف ایک مرتبہ فرض ہے

⑯ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَقَامَ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ اَفِيْ كُلِّ عَامٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَوْ قُلْتُهَا نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِهَا وَلَمْ تَسْتَطِيْعُوْا وَالْحَجُّ

مَرَّةً فَمَنْ زَادَ فَتَطَوُّعٌ۔ (رواہ احمد والنسائی والدارمی)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب فرمایا کہ لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے تو اقرع بن حابسؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہر سال (حج کرنا فرض ہوا ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگرچہ میں اس حج (کے ہر سال فرض ہونے کے سوال) کے بارے میں ہاں کہہ دیتا تو یقیناً (ہر سال حج کرنا) واجب (یعنی فرض) ہو جاتا اور اگر ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا تو نہ تم (اس حکم پر) عمل کر پاتے اور نہ تم اس کی استطاعت ہی رکھتے، حج (پوری زندگی میں بشرط قدرت) ایک ہی مرتبہ فرض ہے ہاں جو شخص ایک بار سے زیادہ کرے وہ نفل ہوگا (جس پر اسے بہت زیادہ ثواب ملے گا)۔" (احمدؒ، نسائیؒ، دارمیؒ)

باوجود قدرت کے حج نہ کرنے والے کے لئے وعید

(۱۷) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهٗ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا وَذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِيْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ وَهِلَالُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ مَجْهُوْلٌ وَالْحَارِثُ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ۔

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص زاد راہ اور سواری کا مالک ہو جو اسے بیت اللہ تک پہنچا دے (یعنی جو شخص حج کرنے کی استطاعت وقدرت رکھتا ہو) اور (پھر بھی) وہ حج نہ کرے تو اس کے یہودی یا نصرانی ہو کر مرجانے (اور بے حج مرجانے) میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ (یعنی حج کے لئے زادراہ وسواری کا شرط ہونا اور اس عظیم عبادت کو ترک کر دینے پر مذکورہ بالا وعید) اس لئے ہے کہ اللہ بزرگ وبرتر فرماتا ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے لوگوں پر کعبہ کا حج کرنا ضروری ہے۔ جو وہاں تک جا سکتا ہو۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند محل کلام ہے ہلال ابن عبداللہ مجہول ہیں اور حارث روایت حدیث میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اتنا روپیہ ہو کہ وہ سفر حج میں جانے اور آنے کے اخراجات کے لئے کافی بھی ہو جائے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس قدر دے جائے جو اس کی واپسی تک ان کی ضروریات زندگی کو پورا کر سکے نیز اس کے پاس ایسی سواری ہو جو بیت اللہ تک پہنچا سکے، چاہے وہ اپنی ہو یا کرایہ ہو اور وہ اتنی استطاعت وقدرت کے باوجود بھی حج نہ کرے اور مرجائے تو وہ یہودی ونصرانی ہو کر مرتا ہے۔

اب اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس نے استطاعت وقدرت کے باوجود حج اس لئے نہیں کیا کہ وہ اس کی فرضیت ہی کا منکر ہو تو پھر یہودی اور نصرانی کی اس مشابہت کا تعلق کفر سے ہوگا۔ یعنی جس طرح یہودی ونصرانی کفر کی حالت میں مرتے ہیں، اسی طرح وہ بھی کفر کی حالت میں مرے گا اور اگر فرضیت کا منکر ہوئے بغیر حج نہ کرے تو اس مشابہت کا تعلق گناہ سے ہوگا کہ یہودی ونصرانی جتنے سخت گناہ کی حالت میں مرتے ہیں وہ بھی اتنے ہی شدید گناہ کا بار لئے موت کی نذر ہوگا۔ اگرچہ بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ وعید ازراہ تغلیظ وتشدید یعنی ترک حج کے گناہ کی شدت وہیبت ناکی کے اظہار کے لئے فرمائی ہے۔ لیکن بہر نوع ترک حج ایک ایسا گناہ ہے اور اتنا شدید جرم ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اتنی شدید اور سخت وعید بیان فرمانی پڑی کہ حج نہ کرنے والا یہودی یا نصرانی ہو کر مرتا ہے عیاذاً باللہ منہ۔

اِلَيْهِ سَبِيْلًا کے بعد آیت کا بقیہ حصہ یہ ہے وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (ترجمہ) اور کوئی کفر کرے اور (طاعات وعبادت نہ کر کے) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران کرے تو اللہ تعالیٰ عالم کے لوگوں سے بے نیاز ہے۔ یعنی لوگ طاعت وعبادت کریں یا نہ کریں اس سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نفع نقصان نہیں ہے، نفع نقصان تو انہیں لوگوں کو ہے کہ اگر طاعت وعبادت کریں گے تو فلاح ونجات پائیں گے اور

اگر نہ کریں گے تو خسران وعذاب میں مبتلا ہوں گے۔

بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ پوری آیت پڑھی ہوگی کیونکہ استدلال تو پوری ہی آیت سے ہوتا ہے لیکن راوی نے الیہ سبیلا ہی تک اس آیت کو نقل کیا۔

(۱۸) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاصَرُوْرَةَ فِي الْاِسْلَامِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "صرورت اسلام میں داخل نہیں۔" (ابوداؤد)

تشریح: صرورت کا مفہوم ہے "وہ شخص جس نے کبھی حج نہ کیا ہو۔" لہٰذا اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے حج واجب ہونے کے باوجود حج نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔

طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "اس حدیث کا ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ جو شخص حج کرنے کی استطاعت رکھے اور پھر بھی حج نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں ہے"۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ارشاد یا تو ازراہ تغلیظ وتشدید ہے یا پھر اس کی مراد یہ ہے کہ ایسا شخص کامل مسلمان نہیں ہوتا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "صرورت" کے معنی ہیں "نکاح اور حج کو ترک کرنا" اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نکاح وحج کو ترک کرنا اسلام کا طریقہ نہیں ہے بلکہ یہ رہبانیت میں داخل ہے اس لئے مسلمان کو نکاح وحج ترک نہ کرنا چاہئے۔

حج علی الفور واجب ہے یا علی التراخی

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيُعَجِّلْ۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص حج کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ جلدی کرے۔"

(ابوداؤدؒ، دارمیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو شخص حج کرنے پر قادر ہو اور حج کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ جلدی کرے اور اس فرض کو ادا کرنے کے لئے ملے ہوئے موقع کو غنیمت جانے کیونکہ تاخیر کرنے کی صورت میں نہ معلوم کتنی رکاوٹیں پیدا ہو جائیں اور مآل کار اس نعمت عظمیٰ سے محرومی رہے۔

اس بارے میں کہ حج علی الفور واجب ہے یا التراخی؟ حنفیہ کے ہاں سب سے صحیح قول یہ ہے کہ جب حج واجب ہو یعنی شرائط حج پائے جائیں اور حج کا وقت آجائے نیز قافلہ مل جائے (بشرطیکہ قافلے کی ضرورت ہو جیسا کہ پہلے زمانے میں بغیر قافلہ کے سفر کرنا تقریباً ناممکن ہوتا تھا) تو اسی سال حج کرے دوسرے سال تک تاخیر نہ کرے، اگر کوئی شخص بلا عذر کئی سال تاخیر کرتا رہے گا تو وہ فاسق کہلائے گا اور شرعی نقطہ نظر سے اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ یعنی وہ شریعت کی نظر میں ناقابل اعتبار قرار پائے گا یہاں تک کہ اس عرصے میں اگر اسباب حج (کہ جن کی وجہ سے اس پر حج واجب ہوا تھا) جاتا رہے گا تو اس کے ذمہ سے فرض ساقط نہیں ہوگا بلکہ باقی رہے گا (جس کی وجہ سے وہ حج نہ کرسکنے کی صورت میں گنہگار ہوگا) حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے ہاں واجب علی التراخی ہے یعنی آخر عمر تک حج میں تاخیر جائز ہے جیسا کہ نماز میں آخر وقت تک تاخیر جائز ہے، حضرت امام محمدؒ کا بھی یہی قول ہے لیکن اس سلسلے میں دونوں یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تاخیر اسی وقت جائز ہوگی جب کہ حج کے فوت ہو جانے کا گمان نہ ہو، اگر یہ گمان ہو کہ تاخیر کرنے میں حج فوت ہو جائے گا (یعنی کبھی حج نہیں کر سکے گا) تو پھر تاخیر نہ کرے۔ اس صورت میں اگر کوئی شخص حج فرض ہونے کے باوجود بغیر حج کے مرے گا تو تمام ہی علماء کے نزدیک گنہگار مرے گا چنانچہ حج نہ کرنے کا اس سے مواخذہ ہوگا۔

حنفی علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے شرائط حج پائے جانے کے بعد حج میں تاخیر کی اور اس عرصے میں اس کا مال وزر تلف ہو گیا تو وہ قرض لے کر حج کرے اگرچہ اس قرض کی ادائیگی پر وہ قادر نہ ہو اور اس بات کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قرض کی عدم ادائیگی پر

مواخذہ نہیں کرے گا بشرطیکہ اس کی نیت یہ ہو کہ میرے پاس جب بھی مال آجائے گا میں یہ قرض ضرور ادا کروں گا۔

حج و عمرہ ساتھ کرنے کا حکم

(۳۰) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ عُمَرَ اِلٰى قَوْلِهٖ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔

"اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "حج اور عمرہ ایک ساتھ کرو اور اس لئے کہ یہ دونوں (یعنی ان میں سے ہر ایک) فقر اور گناہوں کو ایسا دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے سونے اور چاندی کے میل کو دور کرتی ہے اور حج مقبول کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں" (ترمذیؒ، نسائیؒ، امام احمد اور ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت عمرؓ سے لفظ خبث الحدید تک نقل کیا ہے۔"

تشریح: "حج اور عمرہ ساتھ کرو" کا مطلب یہ ہے کہ قران کرو، یہ حج کی سب سے افضل قسم ہے جس میں حج و عمرہ دونوں ساتھ ہوتے ہیں اس کا تفصیلی بیان آگے آئے گا۔ یا پھر اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے عمرہ کیا ہے تو پھر حج بھی کرو اور حج کر لیا ہے تو پھر عمرہ بھی کرو۔

"فقر" سے مراد ظاہری فقر بھی ہو سکتا ہے اور باطنی بھی یعنی حج و عمرہ کرنے سے اللہ تعالیٰ مال و دولت کی نعمت سے نوازتا ہے یا یہ کہ دل غنی ہو جاتا ہے۔

حج کے شرائط

(۳۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُوْجِبُ الْحَجَّ قَالَ الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! کون سی چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا "زاد راہ اور سواری"۔ (ترمذیؒ، وابن ماجہؒ)

تشریح: سوال کون سی چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ کا مطلب یہ ہے کہ حج واجب ہونے کی شرط کیا ہے؟ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک چیز تو زاد راہ بتایا جس کی مراد یہ ہے کہ اتنا مال و زر جو سفر حج میں جانے اور آنے کے اخراجات اور تا واپسی اہل و عیال کی ضروریات کے لئے کافی ہو اور دوسری چیز سواری بتائی جس پر سوار ہو کر بیت اللہ تک پہنچا جا سکے اگرچہ حج کے واجب ہونے کی شرطیں اور بھی ہیں مگر یہاں بطور خاص ان ہی دونوں چیزوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اصل میں یہی دو شرائط ایسے ہے جو حج کے لئے بنیادی اور ضروری اسباب کا درجہ رکھتے ہیں۔

یہ حدیث حضرت امام مالکؒ کے مسلک کی تردید کرتی ہے ان کے ہاں اس شخص پر بھی حج واجب ہوتا ہے جو پیادہ چلنے پر قادر ہو اور تجارت یا محنت مزدوری کے ذریعہ سفر حج کے اخراجات کے بقدر روپے پیسے حاصل کر سکتا ہو۔

حاجی کی صفت و کیفیت

(۳۲) وَعَنْهُ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا الْحَاجُّ قَالَ الشَّعِثُ التَّفِلُ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الْحَجِّ اَفْضَلُ قَالَ الْعَجُّ وَالثَّجُّ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا السَّبِيْلُ قَالَ زَادٌ وَرَاحِلَةٌ۔ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ فِي سُنَنِهٖ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرِ الْفَصْلَ الْاَخِيْرَ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ "حاجی کی صفت و کیفیت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "غبار آلود سر، پراگندہ بال اور پسینہ و میل کی وجہ سے بو آتی ہو (یعنی زیب و زینت سے مکمل اجتناب جیسا کہ کسی عاشق صادق اور محب مخلص کی علامت ہوتی ہے) پھر ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حج میں (ارکان کے بعد) کون سی چیزیں بہت زیادہ ثواب کی حامل ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "لبیک کے ساتھ آواز بلند کرنا اور قربانی یا بدی کا جانور کا خون بہانا۔ اس کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ سبیل" کیا ہے؟ یعنی قرآن کریم میں حج کے سلسلہ میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا تو اس آیت میں سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا "زاد راہ اور سواری" (شرح السنۃ) نیز اس روایت کو ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔ لیکن انہوں نے حدیث کا آخری حصہ یعنی مقام آخر (اس کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوا) سے آخر تک ذکر نہیں کیا ہے۔"

باپ کی طرف سے حج کرنے کی اجازت

(۲۳) وَعَنْ اَبِيْ رَزِيْنِ الْعُقَيْلِيِّ اَنَّهٗ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِيْ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَا يَسْتَطِيْعُ الْحَجَّ وَلَا الْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ قَالَ حُجَّ عَنْ اَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت ابورزین عقیلیؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا باپ بہت زیادہ بوڑھا ہو گیا ہے وہ نہ تو حج کی طاقت رکھتا ہے اور نہ عمرے کی اور نہ ہی سوار ہونے کی (یعنی بسبب ضعف و کبر سنی نہ تو حج و عمرہ کے افعال و ارکان کی ادائیگی پر قادر ہے اور نہ سوار ہو کر حج و عمرہ کے لئے جا سکتا ہے) آپ نے فرمایا اس کی طرف سے تم حج و عمرہ کرو۔ (ترمذیؒ، و ابوداؤد و نسائیؒ) نیز امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: اس باب کی پہلی فصل میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت (حدیث سات) کی تشریح کے ضمن میں اس روایت کا تذکرہ آ چکا ہے۔

دوسرے کی طرف سے حج کرنے سے پہلے کیا اپنا حج کئے ہونا ضروری ہے؟

(۲۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ قَالَ مَنْ شُبْرُمَةُ قَالَ اَخٌ لِّيْ اَوْ قَرِيْبٌ لِّيْ قَالَ اَحَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ قَالَ لَا قَالَ حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ۔

(رواہ الشافعی و ابوداؤد و ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (حج کے دوران) ایک شخص کو سنا کہ وہ شبرمہ کی طرف سے لبیک کہہ رہا ہے، آپ نے پوچھا کہ "شبرمہ" کون ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میرا بھائی ہے یا کہا کہ میرا قریبی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم اپنی طرف سے حج کر چکے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں! آپ نے فرمایا "تو پہلے تم اپنی طرف سے حج کرو پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا۔"

(شافعیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص پہلے اپنا فرض حج نہ کر ... ہو اس کو دوسرے کی طرف سے حج کرنا درست نہیں ہے، چنانچہ یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے، حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ دوسرے کی طرف سے حج کرنا درست ہے چاہے خود اپنا فریضہ حج ادا نہ کر پایا ہو۔ لیکن ان حضرات کے نزدیک بھی اولیٰ یہی ہے کہ پہلے اپنا حج کرے اس کے بعد دوسرے کی طرف سے حج کرے چنانچہ ان کے مسلک کے مطابق اس حدیث میں پہلے اپنا حج کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ

استحباب کے طور پر ہے وجوب کے طور پر نہیں ہے۔ ویسے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے یا یہ کہ منسوخ ہے اس لئے انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ہے۔

مشرق والوں کی میقات

(٢٥) عَنْهُ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيْقَ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مشرق والوں کے لئے احرام (باندھنے) کی جگہ (یعنی میقات) عقیق کو متعین فرمایا ہے۔" (ترمذیؒ وابوداؤدؒ)

تشریح: "عقیق" ایک جگہ کا نام ہے جو ذات عرق کے محاذات میں واقع ہے یہ جگہ مشرق والوں کے لئے میقات ہے "مشرق والوں" سے مراد وہ لوگ ہیں جو حرم سے باہر مکہ کی مشرقی جانب کے علاقوں میں رہنے والے ہیں یہی لوگ عراقی بھی کہلاتے ہیں جن کا تذکرہ اگلی حدیث میں ہے، اس طرح مشرق والوں کے لئے احرام باندھنے کی دو جگہیں ہوئیں ایک تو عقیق اور ذات عرق۔ لہٰذا اس سمت سے آنے والے لوگ ان دونوں میں سے جس جگہ سے بھی گزریں وہیں سے احرام باندھیں۔

(٢٦) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِاَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عراق والوں کے لئے احرام باندھنے کی جگہ ذات عرق متعین فرمائی۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

میقات سے پہلے احرام باندھنا افضل ہے

(٢٧) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَهَلَّ بِحَجَّةٍ اَوْ عُمْرَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى اِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ اَوْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

"اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے لئے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) سے مسجد حرام (یعنی مکہ مکرمہ) تک احرام باندھے (یعنی بیت المقدس سے حج یا عمرہ کے لئے روانہ ہونے والا بیت المقدس ہی سے احرام باندھ کر چلے) تو اس کے وہ تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے ہونگے اور جو بعد میں کرے گا یا فرمایا کہ اس شخص کے لئے (ابتداء ہی) جنت واجب ہو جائے گی (یعنی وہ شروع ہی میں جنت میں داخل ہوگا)۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: من اهل بحجة او عمرة میں حرف او تنویع کے لئے ہے اور اَوْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ میں او راوی کے شک کو ظاہر کرتا ہے۔

جب کوئی شخص بیت المقدس سے مکہ کے لئے چلتا ہے تو وہ راستہ میں مدینہ منورہ سے گزرتا ہے، اس طرح وہ شخص اپنے راستہ میں تینوں افضل ترین مقامات سے مشرف ہوتا ہے بایں طور کہ اس راستہ کے سفر کی ابتداء بیت المقدس سے ہوتی ہے درمیان میں مدینہ منورہ آتا ہے اور آخر میں مکہ مکرمہ پہنچتا ہے، لہٰذا اس شخص کی خوش بختی کا اندازہ لگایئے جو اپنے سفر حج کی ابتداء بیت المقدس سے کرے کہ اول تو خود سفر مقدس و باعظمت پھر سفر کی ابتداء بیت المقدس سے درمیان میں مدینہ منورہ اور سفر کی انتہاء حرم محترم پر اس سبب سے مذکورہ بالا شخص یہ عظیم ثواب پاتا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ احرام باندھنے کی جگہ حرم محترم سے جتنی دور ہوگی ثواب بھی اتنا زیادہ ہوگا اس بارہ میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک مواقیت سے احرام کی تقدیم یعنی احرام باندھنے کی جگہوں سے پہلے ہی احرام باندھ لینا یا اپنے گھر ہی سے احرام باندھ کر چلنا افضل ہے حضرت امام شافعیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے لیکن یہ اس

صورت میں ہے جب کہ ممنوعات احرام سے بچ سکے، ورنہ اگر یہ جانے کہ اس صورت میں ممنوعات احرام سے اجتناب ممکن نہیں ہوگا تو پھر میقات ہی سے احرام باندھنا افضل ہوگا۔

اسی طرح حج کے مہینوں میں (یعنی شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن) سے پہلے احرام باندھنے کے بارہ میں حنفیہ کے ہاں جواز کا قول بھی ہے اور مکروہ بھی کہا گیا ہے، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ بھی کراہت ہی کے قائل ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کا ایک قول اگرچہ یہ بھی ہے کہ حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھنے والوں کا احرام درست نہیں ہوگا لیکن ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حج کے مہینوں سے پہلے احرام باندھے گا تو اس کا وہ احرام حج کی بجائے عمرہ کا ہو جائے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حج میں لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے اجتناب کرو

(۲۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْيَمَنِ يَحُجُّوْنَ فَلَا يَتَزَوَّدُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ فَاِذَا قَدِمُوْا مَكَّةَ سَأَلُوا النَّاسَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یمن والے جب حج کرنے آئے تو زادِ راہ ساتھ نہیں لاتے تھے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ توکل ہم تو کرنے والے ہیں اور پھر جب وہ مکہ میں آتے تو لوگوں سے مانگتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اس سے منع کرنے کے لئے) یہ آیت نازل فرمائی وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (اور جب حج کو جانے لگو) تو زادِ راہ ضرور (ساتھ) لے لیا کرو کیونکہ سب سے بڑی بات (اور خوبی) زادِ راہ میں (گداگری) سے بچنا ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: ان لوگوں نے توکل کو "زادِ راہ" کا درجہ دے دیا تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ حج کے ضروری اخراجات کی فراہمی سے قطع نظر توکل بہترین چیز ہے لیکن حقیقت میں نہ تو وہ توکل تھا اور نہ یہ کوئی اچھی بات تھی کہ حج کے لئے مکہ مکرمہ پہنچ کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے جائیں جو انسانی شرف و عظمت کے خلاف ہے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ سب سے بڑی بات اور خوبی یہ ہے کہ زادِ راہ اپنے ساتھ رکھو اور گداگری سے بچو۔

اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ حج کے ضروری اخراجات ساتھ رکھے بغیر اس شخص کے لئے جانا درست نہیں ہے جس کے نفس میں توکل کو قوت نہ ہو اور اسی کو غالب گمان ہو کہ میں شکایت و بے صبری اور گداگری میں مبتلا ہو کر خود بھی پوری طمانیت اور سکون کے ساتھ افعال حج ادا نہ کر سکوں گا اور دوسروں کو بھی پریشانی میں مبتلا کروں گا۔

آیت اور حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اتنا وسائل اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے چنانچہ کاملین کے نزدیک یہ افضل ہے کہ ہاں اگر کوئی بغیر اسباب کے صرف توکل ہی کو اختیار کرے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ اپنے عزم و ارادہ پر مستحکم و مضبوط رہ کر صبر کر سکے اور ایسا کوئی بھی کام نہ کرے جو حقیقی توکل کے منافی ہو۔

عورتوں کا جہاد حج و عمرہ ہے

(۲۹) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ قَالَ نَعَمْ عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيْهِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا عورتوں پر جہاد ہے؟" آپ نے فرمایا ہاں "عورتوں پر ایسا جہاد ہے جس میں لڑائی نہیں ہے اور وہ حج و عمرہ ہے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: اسلام نے عورتوں کے لئے جہاد واجب قرار نہیں دیا ہے لیکن چونکہ یہ ایک ایسی عظیم سعادت ہے جس سے عورتیں محروم رہیں اس لئے ان کے حق میں حج و عمرہ کو جہاد کا درجہ دے کر جہاد کے ثواب کی سعادت سے انہیں نوازا گیا، چنانچہ حج و عمرہ میں اگرچہ جنگ و جدل اور قتل و قتال نہیں ہے لیکن اس میں بھی مشقت سفر، گھر والوں سے مفارقت اور وطن کی جدائی اسی طرح ہوتی ہے جس طرح جہاد میں۔ اس لئے عورتوں کے حق میں حج و عمرہ بمنزلہ جہاد ہے۔

بغیر عذر فرض حج نہ کرنے والوں کے لئے وعید

(۳۰) وَعَنْ اَبِی اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ یَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ یَحُجَّ فَلْیَمُتْ اِنْ شَاءَ یَهُوْدِیًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِیًّا۔ (رواہ الدارمی)

"اور حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو ظاہری حاجت نے (کہ وہ زاد راہ اور سواری کا نہ ہونا ہے) یا ظالم بادشاہ نے یا خطرناک مرض نے حج سے نہ روک رکھا ہو اور وہ حج کئے بغیر مر جائے تو اسے اختیار ہے کہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔" (دارمیؒ)

تشریح: اگر کسی شخص کو سفر حج کے راستہ میں کسی ظالم بادشاہ و حکمران کی طرف سے جان و مال کے اتلاف کا خوف ہو تو اس پر حج فرض نہیں رہتا باوجودیکہ اس میں حج کے دوسرے شرائط مثلاً اخراجات کے بقدر مال و زر اور سواری وغیرہ پائے جاتے ہوں اسی طرح وہ بیماریاں جن کی وجہ سے سفر کرنا ممکن نہ ہو حج کی فرضیت کو ساقط کر دیتی ہیں۔ چنانچہ اندھے و فالج زدہ وغیرہ پر باوجود مالی استطاعت و قدرت کے حج فرض نہیں ہوتا۔

اس تفصیل کی روشنی میں حدیث بالا کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے پاس زاد راہ ہو اور سواری کا انتظام ہو، راستہ میں کسی ظالم بادشاہ کا خوف نہ ہو، کوئی بیماری مانع سفر نہ ہو گویا کہ حج کے تمام شرائط موجود ہوں اور اس پر حج فرض ہو اور پھر وہ حج نہ کرے تو اب چاہئے وہ یہودی ہو کر مرے۔ اور چاہے عیسائی ہو کر اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں اس وعید کے سلسلہ میں گزشتہ صفحات میں ایک موقع پر تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

حج و عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہوتے ہیں

(۳۱) وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ الْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

"اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرتا ہے اور اگر وہ اس سے مغفرت مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتا ہے۔" (ابن ماجہؒ)

تشریح: کعبہ مکرمہ کو "بیت اللہ" فرمایا گیا ہے یعنی وہ اللہ جل شانہ کا گھر ہے جو شخص اس کے گھر کی زیارت کے لئے جاتا ہے وہ اس کا مہمان ہوتا ہے جس طرح میزبان اپنے مہمان کی ہر جائز خواہش کا احترام کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے مہمانوں کی لاج رکھتا ہے جو وہ مانگتے ہیں قبول فرماتا ہے وہ اگر اپنی مغفرت و بخشش چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں مغفرت و بخشش کی دولت سے نوازتا ہے۔

(۳۲) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَفْدُ اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ اَلْغَازِیْ وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ۔ (رواہ النسائی والبیہقی فی شعب الایمان)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "تین قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ (۱) جہاد کرنے والے۔ (۲) حج کرنے والے۔ (۳) عمرہ کرنے والے۔" (نسائی، بیہقی)

حج کر کے واپس آنے والے سے سلام و مصافحہ کرو

(۳۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَقِيْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بَيْتَهٗ فَاِنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَّهٗ۔ (رواہ احمد)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم حاجی سے ملاقات کرو تو اس کو سلام کرو اس سے مصافحہ کرو اور اس سے اپنے لئے بخشش (کی دعا کرنے) کو کہو اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو اور یہ اس لئے کہ اس کی بخشش کی جا چکی ہے۔" (احمدؒ)

تشریح: جیسا کہ ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے حاجی مستجاب الدعوات ہو جاتے ہیں جس وقت کہ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہیں اور گھر واپس آنے کے چالیس روز بعد تک ایسے ہی رہتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ زمانہ میں دستور تھا اور اب بھی ہے کہ جب حجاج اپنے گھر واپس آتے تھے تو لوگ ان کے استقبال کے واسطے جایا کرتے تھے اور ان کی غرض یہ ہوتی تھی کہ چونکہ اس شخص کی مغفرت ہو چکی ہے اور یہ گناہوں سے پاک ہو کر آیا ہے اس سے مل کر مصافحہ کریں پیشتر اس کے کہ وہ دنیا میں ملوث ہو جائے تاکہ ہم کو بھی ان سے کچھ فیض پہنچے۔ اگرچہ آجکل یہ غرض کم اور نام و نمود کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے۔

چنانچہ اس حدیث میں بھی حاجی سے سلام و مصافحہ کرنے کے لئے گھر میں داخل ہونے سے پہلے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ نہ صرف یہ کہ وہ اس وقت تک دنیا میں ملوث اور اپنے اہل و عیال میں مشغول نہیں ہوتا بلکہ اس وقت تک وہ راہ خدا ہی میں ہوتا ہے اور گناہوں سے پاک و صاف ہوتا ہے اور اس صورت میں حاجی چونکہ مستجاب الدعوات ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ اس سے اپنے لئے مغفرت و بخشش کی دعا کراؤ تاکہ اللہ تعالیٰ اسے قبول کرے اور تمہیں مغفرت و بخشش سے نوازے۔

علماء لکھتے ہیں کہ عمرہ کرنے والا، جہاد کرنے والا اور دینی طالب علم بھی حاجی کے حکم میں یعنی جب یہ لوگ لوٹ کر اپنے گھر آئیں تو ان سے بھی گھر میں داخل ہونے سے پہلے سلام و مصافحہ کیا جائے اور دعاء بخشش و مغفرت کی درخواست کی جائے کیونکہ یہ لوگ بھی مغفور ہوتے ہیں۔

حج و عمرہ کی راہ میں مرجانے والے کو پورا ثواب ملتا ہے

(۳۴) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِيًا ثُمَّ مَاتَ فِيْ طَرِيْقِهٖ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ الْغَازِيْ وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص حج یا عمرہ اور یا جہاد کے ارادہ سے (گھر سے) نکلا اور پھر اس کے راستہ میں مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جہاد کرنے والے اور حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے ہی کا ثواب لکھتا ہے۔" (بیہقیؒ)

تشریح: انہیں لوگوں کے حکم میں دینی طالب علم بھی ہے یعنی اگر کوئی شخص دین کا علم حاصل کرنے کے لئے اپنے گھر سے نکلا اور پھر وہ راستہ میں مر گیا تو اس کے لئے بھی عالموں کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ

حج کے بارہ میں چند بنیادی باتیں اجمالی طور پر اس باب میں بیان ہوئی ہیں۔ مابعد کے ابواب میں حج کے تفصیلی احکام و مسائل آئیں گے چونکہ مکہ مکرمہ اس عظیم عبادت و سعادت کا بنیادی مقام و محور ہے اور مدینہ منورہ ایک ایک مسلمان کے دل کی دھڑکنوں کا مرکز اور

دیار محبوب ہے اور جس کی زیارت بھی سفر حج کی ایک بنیادی خواہش ہے اس لئے اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں مقدس و بابرکت مقامات کا ایک مختصر سا تاریخی اور جغرافیائی خاکہ پیش کر دیا جائے اگرچہ آگے ان مقامات کے فضائل و مسائل پر مشتمل الگ ابواب میں آئیں گے۔

مکہ مکرمہ: جہاں بیت اللہ شریف واقع ہے مملکت سعودی عرب کے علاقہ "حجاز" کا ایک شہر ہے جو "وادی ابراہیم" میں آباد ہے سطح سمندر سے اس کی بلندی تقریباً ساڑھے تین سو فٹ بتائی جاتی ہے اس کا عرض البلد اکیس درجہ شمالی اور طول البلد ساڑھے انتالیس درجہ مشرقی ہے، آبادی چار لاکھ یا اس سے متجاوز ہے اس کا محل وقوع ساحل سمندر سے تقریباً اڑتالیس میل (۷۸ کلومیٹر) کے فاصلہ پر ہے۔

مکہ کے علاوہ بکہ، ام القری اور "بلد الامین" بھی اسی شہر کے نام ہیں مشہور اور متعارف نام مکہ ہی ہے یہ جس جگہ واقع ہے وہ ناقابل کاشت، تنگ اور گہری وادی ہے جو کسی زمانہ میں بالکل جنگل اور بے آب و گیاہ ریگستان ہونے کے سبب لوگوں کی آبادی کا مرکز نہیں بنتی تھی اس وادی میں شہر مکہ مکرمہ مشرق سے مغرب تک پانچ میل سے زائد حصہ میں پھیلا ہوا ہے اس کا عرض دو میل سے زائد ہے اس کی زمین سیلاب کی گزرگاہ ہونے کے باعث "بطحا" بھی کہی جاتی ہے مکہ کی وادی دو پہاڑی سلسلوں سے گھری ہوئی ہے جو مغرب سے شروع ہو کر مشرق تک چلے گئے ہیں ان میں ایک سلسلہ شمالی ہے اور ایک جنوبی ان دونوں سلسلوں کو "اخشبان" کہتے ہیں ان پہاڑوں کو توریت میں "جبال فاران" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

تقریباً چار ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل ؑ کو اس جنگل اور بے آب و گیاہ وادی میں لا کر آباد کیا اور اسی وقت "کعبہ" کی دوبارہ تعمیر کی نیز انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس جنگل کو آباد کر دے۔ جب ہی سے یہ بے آب و گیاہ میدان قرب و جوار بلکہ ساری دنیا کا مرکز بنا، اللہ کے اطاعت گزار بندے اسی کا رخ بنا کر پانچ وقت اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

حضرت اسماعیل ؑ کی نسلیں یہاں مقیم ہوئیں اور کچھ نسلیں قرب و جوار میں بھی پھیلیں آخر میں قریش یہاں کے متولی اور باشندے ہوئے اور پھر یہیں قریش میں دنیا کے سب سے عظیم رہنما اور خدا کے سب سے آخری پیغمبر و رسول سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ اور آپ ﷺ نے مبعوث ہونے کے بعد اسی مقدس شہر سے خدا کے آخری دین "اسلام" کا پیغام دنیا کو سنایا اور یہیں سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی تمام تر جدوجہد کا آغاز ہوا۔

مکہ کی آبادی پہلے صرف خیموں میں رہتی تھی ہجرت سے صرف دو صدی پہلے آنحضرت ﷺ ایک جدہ قصی ابن کلاب جب شام سے آئے تو ان کے مشورہ سے مکانات کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا، پھر اسلام کے آنے کے بعد اس شہر کو برابر ترقی ہوتی رہی، اب یہ اپنے قرب و جوار میں دور دور تک سب سے بڑا اور پورے عالم اسلام کا سب سے اہم اور مرکزی شہر ہے۔ شہر میں پانی کا ایک ہی چشمہ ہے جسے "زمزم" کہتے ہیں اس کے علاوہ یہاں پانی کا اور کوئی کنواں نہیں ہے پانی کی کمی کی وجہ سے یہاں کی زمین میں کچھ کاشت نہیں ہو سکتی تھی، اب پانی کی افراط کی وجہ سے کچھ گھاس اور پودے لگائے گئے ہیں پہلے شہر میں پانی کی بہت قلت ہونے کی وجہ سے طائف کے قریب یہاں ایک نہر لائی گئی ہے جس کا نام نہر زبیدہ ہے۔ یہ نہر امین الرشید کی والدہ زبیدہ نے بنوائی تھی بعد میں اس کو ترقی دی جاتی رہی اس کے لئے پانی پہنچانے کے دوسرے ذرائع بھی اختیار کئے گئے اب موجودہ حکومت میں پانی کی سپلائی کا بہت معقول انتظام اور عمدہ ہونے کی وجہ سے یہ قلت بالکل جاتی رہی ہے۔

پہاڑوں کے درمیان گھرے ہونے کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں گرمی زیادہ اور سردی کم ہوتی ہے شہر کا موسم گرمیوں میں بڑا سخت ہوتا ہے، اور بارش صرف جاڑوں میں ہوتی ہے جس کی سالانہ مقدار چار پانچ انچ سے زیادہ نہیں ہوتی لہٰذا گرمی کا موسم مارچ میں شروع ہو کر آخر اکتوبر تک رہتا ہے موسم سرما میں سردی کم ہوتی ہے۔

مدینہ منورہ: مکہ مکرمہ سے بجانب شمال تقریباً دو سو ستر میل (چار سو بتیس کلومیٹر) کے فاصلہ پر واقع اس کے مغربی جانب سوا سو میل (سو کلومیٹر) کے فاصلہ پر سمندر اور اس علاقہ کا مشہور بندرگاہ ینبوع ہے۔ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ اور شام کے درمیان راستہ کے تقریباً وسط پر واقع ہے اس کا طول البلد ساڑھے اتالیس درجہ مشرقی اور عرض البلد چوبیس درجہ شمالی ہے۔

جب خدا کے نام لیواؤں پر مکہ کی زمین تنگ ہوئی اور کفار مکہ کی خطرناک انتقامی کاروائیوں، ایذا رسانیوں اور سازشوں کی وجہ سے تبلیغ اسلام میں رکاوٹ اور مسلمانوں کی جان و آبرو کے لالے پڑ گئے تو خدا کے حکم سے آنحضرت ﷺ نے صحابہ ؓ کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دیا اور خود بھی مکہ چھوڑ کر مدینہ آگئے اس طرح اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا مرکز مدینہ منورہ منتقل ہو گیا اور پھر اسی سرزمین سے اسلام کی روشنی عرب کی حدود سے نکل کر پوری دنیا میں پہنچی۔

آپ کی تشریف آوری سے قبل اس شہر کا نام "یثرب" تھا یہاں قدیم زمانہ میں عمالقہ اور دوسری قومیں رہ چکی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام بدل دیا اور پھر اسے "مدینۃ الرسول" یعنی رسول اللہ ﷺ کا شہر کہا جانے لگا۔ اس کے علاوہ۔ طابہ، طیبہ، طائبہ، ارض اللہ۔ دار الہجرۃ۔ بیت رسول اللہ۔ حرم رسول اللہ۔ محبوبہ۔ حسنہ وغیرہ بھی نام احادیث وغیرہ میں آتے ہیں لیکن سب سے زیادہ مشہور اور متعارف نام "مدینہ" ہے۔

مدینہ منورہ مکہ مکرمہ کے برعکس سرسبز و شاداب اور ایک زراعتی شہر ہے۔ مغربی جانب کے علاوہ اس کے دوسرے اطراف میں باغات بکثرت ملتے ہیں جن میں کھجور، انگور انار سیب اور دوسرے پھل کافی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی زمینوں میں کھیتی باڑی کی جاتی ہے مدینہ کی آب و ہوا مکہ کی آب و ہوا کے مقابلہ میں معتدل ہے ایک تو وجہ یہ ہے کہ وہ مکہ مکرمہ کی طرح پہاڑیوں سے گھرا ہوا نہیں ہے دوسرے یہ کہ اس کو مختلف سمتوں سے باغات نے گھیر رکھا ہے تیسرے یہ کہ شہر سطح سمندر سے ساڑھے بارہ ہزار فٹ بلند ہے یہاں جاڑا گرمی دونوں سخت ہوتے ہیں۔ یہ شہر ایک صحت پرور شہر سمجھا جاتا ہے منقول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو اس وقت یہاں کی آب و ہوا نہایت ناقص اور خراب تھی اکثر وبائی بیماریاں ہوتی رہتی تھیں چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت بلال ؓ یہاں آتے ہی سخت بیمار ہو گئے آنحضرت ﷺ نے اس شہر کی آب و ہوا کی اصلاح اور درستی کیلئے دعا مانگی اور آپکی دعا قبول ہوئی۔

مدینہ کی مشرقی جانب حرۃ الواقم اور مغربی جانب "حرۃ الوبرہ" نامی پہاڑ ہیں۔ شمالی جانب "جبل احد" ہے جس کے پاس احد کا معرکہ پیش آیا تھا اور وہاں متعدد صحابہ ؓ اور حضرت حمزہ ؓ کی قبریں ہیں یہ پہاڑ شہر سے تقریباً اڑھائی میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور جنوبی جانب جبال عیر نامی دو پہاڑ ہیں اور قبا اور عوالی نامی دو بستیاں ہیں حرۃ الواقم اور حرۃ الوبرہ کے درمیان شمال میں لیکن ذرہ علیحدہ "جبل سلع" ہے یہی وہ جگہ ہے یہاں چار ہجری میں آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کے ساتھ خندق کھودی تھی۔ اور مدینہ منورہ پر حملہ آور کفار کا راستہ بند کر دیا تھا یہ واقعہ غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق کہلاتا ہے یہ خندق حرۃ الواقم سے حرۃ الوبرہ تک ہلالی شکل میں کھودی گئی تھی اور جبل سلع کے پیچھے سے گزری تھی۔ مسلمانوں کا لشکر جبل سلع کے دامن میں مقیم ہوا تھا۔ شہر تقریباً وسط میں قدرے مستطیل شکل کی رسول اللہ ﷺ کی پر شکوہ مسجد ہے اس مسجد کے مشرقی پہلو اور جنوبی سرے پر روضۂ اطہر ہے جس میں سرکار دو عالم ﷺ آرام فرما ہیں اور آپ کے دو معزز رفیق ابوبکر صدیق ؓ اور عمر فاروق ؓ بھی یہیں مدفون ہیں۔

بَابُ الْاِحْرَامِ وَالتَّلْبِيَةِ

احرام باندھنے اور لبیک کہنے کا بیان

احرام کے معنی ہیں "حرام کر دینا" چونکہ حج کرنے والے پر کئی چیزیں حرام ہو جاتی ہیں لہٰذا اس اظہار کے واسطے کہ اس وقت یہ

چیزیں حرام ہو گئی ہیں ایک لباس جو صرف ایک چادر اور تہبند ہوتا ہے۔ بہ نیت حج یا عمرہ باندھا جاتا ہے جس کو احرام کہتے ہیں۔

"تلبیہ" یعنی لبیک کہنے سے مراد یہ عبارت پڑھنا ہے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

احرام میں خوشبو لگانے کا مسئلہ

① عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاِحْرَامِهِ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ وَلِحِلِّهِ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ بِطِيْبٍ فِيْهِ مِسْكٌ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى وَبِيْصِ الطِّيْبِ فِيْ مَفَارِقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ (متفق علیہ)

"ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کو آپ ﷺ کے احرام کے لئے احرام باندھنے سے پہلے اور آپ ﷺ کے احرام سے نکلنے کے لئے طواف کعبہ سے پہلے خوشبو لگاتی اور ایسی خوشبو لگاتی تھی جس میں مشک ہوتا تھا گویا میں اب بھی آپ ﷺ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں اس حال میں کہ آپ ﷺ احرام باندھے ہوئے ہیں یعنی وہ چمک گویا میری آنکھوں تلے پھرتی ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت عائشہؓ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ جب احرام کا ارادہ کرتے تو احرام باندھنے سے پہلے میں آپ ﷺ کو خوشبو لگاتی اور وہ خوشبو ایسی ہوتی جس میں مشک بھی ہوتا تھا۔ لہٰذا اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر خوشبو احرام سے پہلے لگائی جائے اور اس کا اثر احرام کے بعد بھی باقی رہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ خوشبو کا احرام کے بعد استعمال کرنا ممنوعات احرام سے ہے نہ کہ احرام سے پہلے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ احرام کے بعد خوشبو استعمال کرنا ممنوع ہے احرام سے پہلے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے ہاں احرام سے پہلے بھی ایسی خوشبو لگانا مکروہ ہے جس کا اثر احرام باندھنے کے بعد بھی باقی رہے۔

ولحله قبل ان یطوف بالبیت (اور آپ ﷺ کے احرام سے نکلنے کے لئے الخ) کا مفہوم سمجھنے سے پہلے یہ تفصیل جان لینی چاہئے کہ بقر عید کے روز (یعنی دسویں ذی الحجہ کو) حاجی مزدلفہ سے منیٰ میں آتے ہیں اور وہاں رمی جمرۂ عقبہ (جمرۂ عقبہ پر کنکر مارنے) کے بعد احرام سے نکل آتے ہیں یعنی وہ تمام باتیں جو حالت احرام میں منع تھیں اب جائز ہو جاتی ہیں البتہ رفث (یعنی جماع کرنا یا عورت کے سامنے جماع کا ذکر اور شہوت انگیز باتیں کرنا) جائز نہیں ہوتا یہاں تک کہ جب مکہ واپس آتے ہیں اور طواف افاضہ کر لیتے ہیں تو رفث بھی جائز ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حضرت عائشہؓ کے اس جملہ کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب احرام سے نکل آتے یعنی مزدلفہ سے منیٰ آکر رمی جمرہ عقبہ سے فارغ ہو جاتے لیکن ابھی تک مکہ آکر طواف افاضہ نہ کر چکے ہوتے تو میں اس وقت بھی آپ ﷺ کو خوشبو لگاتی تھی۔

تلبید و تلبیہ

② وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ مُلَبِّدًا يَقُوْلُ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَا يَزِيْدُ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو (تلبیہ) اس طرح باآواز بلند کہتے سنا اور اس وقت آپ تلبید کئے ہوئے تھے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ یعنی حاضر ہوں میں تیری خدمت

میں اے اللہ! حاضر ہوں تیری خدمت میں، میں تیری خدمت میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، حاضر ہوں میں تیری خدمت میں بے شک تمام تعریف اور ساری نعمت تیرے ہی لئے ہے اور بادشاہت بھی تیری ہی ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔" آپ ﷺ ان کلمات سے زیادہ نہیں کہتے تھے"۔ "(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: تلبید کرنا یہ کہ محرم (احرام باندھنے والا) اپنے سر کے بالوں میں گوند یا خطمی یا مہندی یا اور کوئی چیز لگالیتا ہے تاکہ بال آپس میں یکجا رہیں اور چپک جائیں ان میں گرد و غبار نہ بیٹھے اور جوؤں سے محفوظ رہیں۔

تلبیہ یعنی لبیک کہنے میں علماء کا اختلافی اقوال ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک احرام کے صحیح ہونے کے لئے تلبیہ شرط ہے، حضرت امام مالکؒ کہتے ہیں کہ تلبیہ واجب نہیں ہے لیکن تلبیہ ترک کرنے کی وجہ سے دم (جانور ذبح کرنا) لازم آتا ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے ہاں تلبیہ سنت ہے اس کو ترک کرنے کی صورت میں دم لازم نہیں ہوتا۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ تلبیہ میں اکثر اتنے ہی الفاظ کہتے تھے کیونکہ اور روایتوں میں تلبیہ کے الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ بھی منقول ہیں چنانچہ اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ تلبیہ کے جو الفاظ یہاں حدیث میں نقل کئے گئے ہیں، ان میں کمی کرنا تو مکروہ ہے زیادتی مکروہ نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

حدیث سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ تلبیہ باآواز بلند ہونا چاہئے چنانچہ تمام علماء کے نزدیک بلند آواز سے لبیک کہنا مستحب ہے۔

تلبیہ کب کیا جائے

(۳) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَدْخَلَ رِجْلَهٗ فِى الْغَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ قَائِمَةً اَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِى الْحُلَيْفَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب اپنے پاؤں رکاب میں ڈالے اور اونٹنی آپ ﷺ کو لے کر کھڑی ہوئی تو آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ کی مسجد کے قریب تلبیہ کیا (یعنی باآواز بلند لبیک کہی)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر رخت سفر باندھا اور ظہر کی نماز مدینہ میں پڑھ کر روانہ ہوئے۔ عصر کی نماز ذوالحلیفہ پہنچ کر پڑھی جو اہل مدینہ کے لئے میقات ہے رات وہیں گزاری اور پھر صبح کو آپ ﷺ نے احرام باندھا۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر اور اونٹ کے کھڑے ہو جانے کے بعد لبیک کہی جب کہ ایک دوسری روایت میں یہ منقول ہے کہ احرام کے لئے بہ نیت نفل دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد لبیک کہی نیز ایک روایت یہ بتاتی ہے کہ آپ ﷺ نے بیداء پہنچ کر جو ایک بلند جگہ کا نام ہے لبیک کہی اس طرح لبیک کہنے کے وقت سلسلہ میں تین طرح کی روایتیں منقول ہیں، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ نے تو پہلی روایت پر کہ جو یہاں نقل کی گئی ہے عمل کرتے ہوئے کہا کہ اونٹ پر (یا جو بھی سواری ہو اس پر بیٹھ کر لبیک کہی جائے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ نے دوسری روایت کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا ان تینوں ائمہ کے ہاں مستحب یہ ہے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھنے کے بعد احرام کی نیت کی جائے اور پھر وہیں مصلے پر بیٹھے ہی ہوئے لبیک کہے تو یہ جائز ہے لیکن نماز کے بعد ہی لبیک کہنا افضل ہے۔

اب ان تینوں روایتوں کے تضاد کو اس تطبیق کے ساتھ دور کیجئے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھ کر مصلے پر بیٹھے ہوئے لبیک کہی پھر جب اونٹنی پر بیٹھے تو اس وقت بھی لبیک کہی اور اس کے بعد جب مقام بیداء پر پہنچے تو وہاں بھی لبیک کہی چنانچہ علماء نے اسی لئے لکھا ہے کہ حالت وقت اور جگہ کے تغیرات کے وقت لبیک کی تکرار مستحب ہے۔

بہرکیف آپ ﷺ نے اس طرح تین مرتبہ لبیک کہی اور جس راوی نے جہاں لبیک کہتے سنا وہ یہ سمجھا کہ آپ ﷺ نے یہیں سے

لبیک کہنی شروع کی ہے اس لئے ہر ایک راوی نے اپنے سننے کے مطابق ذکر کر دیا۔ اس تطبیق و توجیہ کی بنیاد حضرت ابن عباسؓ کی وہ روایت ہے جسے شیخ عبدالحقؒ نے اشعۃ اللمعات میں شرح کتاب خرقی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

تلبیہ کا ذکر اور حج کی قسمیں

④ وَعَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَصْرُخُ بِالْحَجِّ صُرَاخًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (سفر حج میں) اس طرح روانہ ہوئے کہ ہم حج کے لئے چلاتے تھے (یعنی حج کے لئے بآواز بلند لبیک کہتے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: صرف حج ہی کا ذکر اس لئے کیا کہ حج ہی اصل اور مقصود اعظم ہے اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ بات راوی نے اپنے بارہ میں کہی ہے زیادہ سے زیادہ اس کا تعلق ان لوگوں سے بھی ہو سکتا ہے جو راوی کی طرح صرف حج کے لئے تلبیہ کرتے تھے۔ یا زیادہ سے زیادہ وضاحت سے یوں کہئے کہ یہ حدیث صرف ان لوگوں کا حال بیان کر رہی ہے جنہوں نے افراد کا احرام باندھا تھا۔ جہاں تک آنحضرت ﷺ کا تعلق ہے تو آپ ﷺ کے بارہ میں یہ حدیث ساکت ہے کہ اس کی وضاحت دوسری روایت سے ہوگی اس لئے یہ روایت روایات آئندہ کے منافی نہیں ہے۔

⑤ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کُنْتُ رَدِیْفَ اَبِی طَلْحَةَ وَاِنَّهُمْ لَیَصْرُخُوْنَ بِهِمَا جَمِیْعًا اَلْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں سواری پر حضرت ابو طلحہؓ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور (اکثر) صحابہ دونوں چیزوں یعنی حج و عمرہ کے لئے چلاتے تھے (یعنی بآواز بلند کہتے۔" (بخاریؒ)

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قران افضل ہے چنانچہ حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔ اس حدیث کو مستدل قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے وہ آنحضرت ﷺ کے خلاف عمل کرنا کب گوارا کر سکتے تھے۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے قران کیا ہوگا اس لئے اکثر صحابہؓ نے بھی آپ ﷺ کی اتباع ہی میں قران کیا۔ قران کے معنی اگلی حدیث میں بیان کئے جائیں گے۔

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِالْحَجِّ وَاَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ فَاَمَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَحَلَّ وَاَمَّا مَنْ اَهَلَّ بِالْحَجِّ اَوْجَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَلَمْ یَحِلُّوْا حَتّٰی کَانَ یَوْمُ النَّحْرِ۔ (متفق علیہ)

"اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم حجۃ الوداع کے سال رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (حج کے لئے) روانہ ہوئے چنانچہ ہم میں سے بعض تو وہ تھے جنہوں نے صرف عمرہ کے لئے احرام باندھا اور رسول کریم ﷺ نے بھی صرف حج کا احرام باندھا تھا لہٰذا جس نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ تو حلال ہو گیا (یعنی احرام سے باہر ہو گیا) اور جنہوں نے صرف حج کا یا حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا وہ حلال نہیں ہوئے یہاں تک کہ قربانی کا دن آیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حج کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں۔ ① مفرد۔ ② قارن۔ ③ متمتع۔ مفرد اسے کہتے ہیں جو صرف حج کا احرام باندھے چنانچہ صرف حج کا احرام باندھنے اور صرف حج پر اکتفا کرنے کو "افراد" کہتے ہیں۔ قارن اسے کہتے ہیں جو حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھ کر پہلے عمرہ کرے اور پھر حج کرے چنانچہ حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھ کر پہلے عمرہ اور پھر حج کرنے کو "قران" کہتے ہیں۔ متمتع اسے کہتے ہیں جو حج کے مہینوں میں میقات سے عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کے افعال ادا کرے پھر اگر ہدی (قربانی کا جانور) ساتھ لایا ہو تو احرام باندھے رہے اور اگر ہدی ساتھ نہیں لایا ہے تو احرام سے نکل آئے اور مکہ میں مقیم رہے، جب حج کے دن آئیں تو حج کا احرام

حرم سے باندھے اور حج کرے چنانچہ حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرنا اور عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد وطن جانے سے پہلے بغیر احرام کھولے (اگر قربانی کا جانور ساتھ لایا ہے) یا احرام کھول کر پھر حج کے دنوں میں حرم سے حج کا احرام باندھ کر حج کرنے کو "تمتع" کہتے ہیں۔ یہاں اجمالی طور پر صرف تعریفات بیان کردی گئی ہیں۔ تفصیلی احکام انشاء اللہ آگے آئیں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں کس قسم کے لئے احرام باندھا تھا، آیا آپ ﷺ مفرد تھے یا قارن اور یا متمتع؟ علماء لکھتے ہیں کہ اس بارہ میں مختلف احادیث منقول ہیں، بعض حدیثوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مفرد تھے چنانچہ یہاں جو حدیث نقل کی گئی ہے یہ بھی انہیں میں سے ہے، اکثر احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ قارن تھے۔ اور بعض احادیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ متمتع تھے۔

لہٰذا ان تمام احادیث میں تطبیق یوں کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ کے رفقاء میں سے بعض تو احرام باندھتے وقت آنحضرت ﷺ سے صرف لَبَّیْكَ بِحَجَّةٍ ہی سنا اور لفظ وَ عُمْرَةٍ نہ سنا لہٰذا انہوں نے یہ کہا کہ آپ ﷺ مفرد تھے۔ بعض نے لَبَّیْكَ بِحَجَّةٍ وَ عُمْرَةٍ سنا لہٰذا انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ قارن تھے، اور بعض نے لَبَّیْكَ بِعُمْرَةٍ سنا لہٰذا انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ متمتع تھے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی تو لبیک بحجۃ کہا ہو کبھی لبیک بعمرۃ اور کبھی لبیک بحجۃ و عمرۃ کہا ہو، لہٰذا جس نے جو کچھ سنا وہی روایت کیا نیز یہ کہ قران و تمتع کے افعال آپس میں چونکہ مشابہ ہیں اس لئے بعض صحابہؓ نے جانا کہ آنحضرت ﷺ نے جو قران کیا ہے انہوں نے اسی کو نقل کیا ہے اور بعض صحابہؓ نے جانا کہ آپ ﷺ نے تمتع کیا ہے اس لئے انہوں نے اسی کو نقل کیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس روایت میں "تمتع" منقول ہے وہاں اس کے لغوی معنی مراد ہوں کیونکہ تمتع کے معنی ہیں نفع اٹھانا اور ظاہر ہے کہ یہ مفہوم قران سے بھی حاصل ہوتا ہے بایں طور کہ قارن عمرہ سے متمتع ہوتا ہے جو وہ حج کے ساتھ کرتا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَحَلَّ الخ (لہٰذا جس نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ تو حلال ہو گیا الخ) کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے حج کے پہلے صرف عمرہ کے لئے احرام باندھا تھا وہ طواف و سعی کرنے اور حلق یعنی سر منڈانے کے بعد عمرہ کے احرام سے باہر ہو گئے اور پھر انہوں نے حج کا احرام باندھا اور جن لوگوں نے صرف حج کا یا حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا وہ احرام سے باہر نہیں ہوئے یہاں تک کہ نحر (قربانی) کا دن گزر گیا، نحر کے دن وہ بھی رمی جمرۃ العقبہ (جمرہ عقبہ پر کنکری مارنے اور حلق کے بعد احرام سے باہر آگئے جس کے بعد تمام ممنوعات احرام ان کے لئے جائز ہو گئے علاوہ عورت کے ساتھ مباشرت کے کہ یہ طواف رکن (کہ جس کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں) کے بعد جائز ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کا حج

⑦ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ بَدَأَ فَاَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ اَهَلَّ بِالْحَجِّ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرہ کو حج سے ملا کر تمتع کیا (یعنی فائدہ اٹھایا) بایں طور کہ آپ ﷺ نے عمرہ کے احرام سے ابتداء کی اور پھر حج کا احرام باندھا (اس طرح آپ ﷺ نے حج و عمرہ کو ملا دیا اور قارن ہو گئے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

احرام کے کپڑے

⑧ وَعَنْ زَیْدِبْنِ ثَابِتٍ اَنَّهٗ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَرَّدَ لِاِهْلَالِهٖ وَاغْتَسَلَ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

"حضرت زید بن ثابتؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ رسول کریم ﷺ اپنے احرام کے لئے ننگے ہوئے اور غسل کیا۔"
(ترمذیؒ و دارمیؒ)

تشریح: "ننگے ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سلے ہوئے کپڑے اپنے بدن سے اتار دیئے اور تہبند باندھ کر چادر اوڑھ لی جو احرام کے کپڑے ہیں چنانچہ احرام کی حالت میں سلا ہوا کپڑا مثلاً کرتا، پائجامہ، ٹوپی عبا، قبا اور موزہ وغیرہ پہننا منع ہے۔

جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا احرام کے لئے غسل کرنا مسنون و افضل ہے، اگر غسل نہ ہو سکے تو پھر وضو پر اکتفا بھی جائز ہے حیض و نفاس والی عورت اور نابالغ بچوں کے لئے بھی غسل مسنون ہے۔

تلبید کا ذکر

(۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَّدَ رَأْسَهُ بِالْغِسْلِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے سر کے بالوں کو ان چیزوں کے ذریعہ جمایا جن سے سر دھویا جاتا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: آپ نے احرام کے وقت اپنے سر کے بالوں کو گوند یا خطمی وغیرہ سے جما لیا تھا تاکہ وہ گرد و غبار سے محفوظ رہیں، اسی کو تلبید کہتے ہیں۔ اس کے بارہ میں پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے۔

تلبیہ میں آواز بلند کرنے کا حکم

(۱۰) وَعَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِيْ جِبْرِيْلُ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اٰمُرَ اَصْحَابِيْ اَنْ يَّرْفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالْاِهْلَالِ اَوِ التَّلْبِيَةِ۔ (رواہ مالک والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت خلاد بن سائب اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور مجھے یہ امر کیا کہ میں اپنے صحابہؓ کو اس بات کا حکم دوں کہ وہ اہلال یا تلبیہ میں اپنی آوازیں بلند کریں۔"

(مالکؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: بِالْاِهْلَالِ اَوِ التَّلْبِيَةِ میں حرف او راوی کے شک کو ظاہر کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یا تو بِالْاِهْلَالِ فرمایا یا بِالتَّلْبِيَةِ کہا معنی دونوں کے ایک ہی ہیں یعنی لبیک کہنا۔

باآواز بلند لبیک کہنا مردوں کے لئے مستحب ہے لیکن آواز کو اتنا بلند نہ کرنا چاہئے جس سے تکلیف پہنچے، عورتیں اتنی آہستہ آواز سے لبیک کہیں کہ وہ خود ہی سن سکیں دوسروں تک ان کی آواز نہ پہنچے۔

لبیک کہنے والے کی فضیلت و عظمت

(۱۱) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُلَبِّيْ اِلَّا لَبّٰى مَنْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ مِنْ حَجَرٍ اَوْ شَجَرٍ اَوْ مَدَرٍ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الْاَرْضُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، جب کوئی بھی مسلمان لبیک کہتا ہے تو اس کے دائیں اور بائیں کی ہر چیز خواہ وہ پتھر ہو یا درخت اور یا ڈھیلے سب لبیک کہتے ہیں یہاں تک کہ اس طرف سے (یعنی اس کی دائیں طرف کی ساری (زمین) اور اس طرف سے (یعنی اس کی بائیں طرف کی ساری زمین اس میں شامل ہوتی ہے۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: یہ حدیث گویا لبیک اور لبیک کہنے والے کی عظمت و فضیلت کو ظاہر کر رہی ہے کہ جب کوئی بھی مسلمان لبیک کہتا ہے تو زمین کی تمام چیزیں لبیک کہنے والے کی ہمنوائی کرتی ہیں بایں طور کہ وہ بھی لبیک کہتی ہیں۔

احرام کے لئے دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے

⑫ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكَعُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ النَّاقَةُ قَائِمَةً عِنْدَ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ أَهَلَّ بِهٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِمُسْلِمٍ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (احرام باندھتے وقت) ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر جب ذوالحلیفہ کی مسجد کے قریب اونٹنی آپ ﷺ کو لے کر کھڑی ہوتی تو آپ ﷺ ان کلمات کو (یعنی لبیک کے مشہور کلمات کو جو پہلے گزر چکے ہیں، باآواز بلند کہتے اور (پھر) یہ کلمات (مزید) کہتے لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ حاضر ہوں تیری خدمت میں اے اللہ! تیری خدمت میں حاضر ہوں، حاضر ہوں تیری خدمت میں اور نیک بختی حاصل کرتا ہوں تیری خدمت میں اور بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے حاضر ہوں تیری خدمت میں اور رغبت و توجہ تیری طرف ہے اور عمل تیرے ہی لئے ہے۔ اس روایت کو بخاریؒ و مسلمؒ نے نقل کیا ہے لیکن الفاظ مسلمؒ کے ہیں۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ذوالحلیفہ پہنچتے تو وہاں پہلے آپ ﷺ دو رکعت نماز بہ نیت نفل پڑھتے جو احرام کے لئے مسنون ہے، اور ان دونوں رکعتوں میں قل یا ایھا الکافرون اور قل ہو اللہ احد کی قرأت کرتے پھر نیت کرتے اس کے بعد لبیک کہتے اور پھر جب آپ مسجد ذوالحلیفہ کے پاس اونٹنی پر سوار ہوتے اور اونٹنی آپ ﷺ کو لے کر کھڑی ہوتی تو اس وقت بھی پہلے تو آپ ﷺ انہیں کلمات کے ذریعہ تلبیہ کرتے جو مشہور ہیں اور پھر لبیک کے مزید وہ کلمات کہتے جو حدیث میں نقل کئے گئے ہیں۔

تلبیہ کے بعد درود و دعا

⑬ وَعَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِيَتِهِ سَأَلَ اللّٰهَ رِضْوَانَهُ وَالْجَنَّةَ وَاسْتَعْفَاهُ بِرَحْمَتِهِ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ الشافعی)

"اور حضرت عمارہ ابن خزیمہ ابن ثابت اپنے والد مکرم (حضرت خزیمہ) سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ جب تلبیہ (یعنی لبیک کہنے) سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی خوشنودی اور جنت مانگتے اور اس کی رحمت کے ذریعہ دوزخ کی آگ سے معافی کے خواستگار ہوتے۔" (شافعیؒ)

تشریح: حنفی علماء فرماتے ہیں کہ یہ مستحب ہے کہ جو شخص تلبیہ سے فارغ ہو تو وہ نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے اور درود پڑھتے وقت اپنی آواز تلبیہ کی آواز کی بہ نسبت پست و دھیمی رکھے نیز اللہ تعالیٰ سے اس کی خوشنودی اور جنت مانگے، دوزخ کی آگ سے اس کی پناہ چاہے اور اپنی جس دینی و دنیاوی فلاح و بھلائی کے لئے چاہے دعا مانگے۔

یہ مسئلہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ تلبیہ کرنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے ہاں اگر کوئی تلبیہ کرنے کی حالت میں سلام کر ہی لے تو اس کے سلام کا جواب دینا جائز ہے نیز حنفی علماء کے نزدیک ایک مرتبہ تلبیہ کرنا تو فرض ہے اور ایک مرتبہ سے زیادہ سنت ہے ایسی سنت کہ جس کو ترک کرنے والا "برا" سمجھا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان عام

(۱۴) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَرَادَ الْحَجَّ اَذَّنَ فِي النَّاسِ فَاجْتَمَعُوْا فَلَمَّا اَتَى الْبَيْدَاءَ اَحْرَمَ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب حج کا ارادہ کیا تو لوگوں کو خبردار کیا (یعنی اعلان کرایا) چنانچہ لوگ جمع ہو گئے اور پھر جب بیداء کے میدان میں پہنچے تو احرام باندھا۔" (بخاریؒ)

تشریح: جب حج فرض ہوا اور آپ ﷺ نے دس ہجری میں اس فریضہ کی ادائیگی کا ارادہ فرمایا تو یہ اعلان عام کرا دیا کہ رسول اللہ (ﷺ) حج کا ارادہ رکھتے ہیں جن لوگوں پر حج فرض ہے وہ سفر حج کے لئے تیار ہو جائیں چنانچہ وقت مقررہ پر مدینہ میں مسلمانوں کی کثیر تعداد جمع ہوئی اور آپ ﷺ رفقاء کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو گئے پھر جب آپ ﷺ بیداء کے میدان میں جو ذوالحلیفہ کے قریب ہے پہنچے تو احرام باندھا۔ اب اس موقع پر اتنی بات سمجھ لیجئے کہ یہاں احرام باندھنے سے مراد یہ ہے کہ بیداء میں آپ ﷺ نے دوبارہ لبیک کہہ کر اپنے محرم ہونے کا اظہار کیا، کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے اور یہی ثابت بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ابتداءً ذوالحلیفہ ہی میں احرام کے لئے دو رکعت نماز پڑھ کر احرام باندھ لیا تھا۔

مشرکوں کا تلبیہ

(۱۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَقُوْلُوْنَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلَكُمْ قَدْ قَدْ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا وَهُمْ يَطُوْفُوْنَ بِالْبَيْتِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مشرک لوگ جب تلبیہ کہتے اور یہ کلمات ادا کرتے لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ (حاضر ہیں تیری خدمت میں، تیرا کوئی شریک نہیں) تو رسول اللہ ﷺ فرماتے "افسوس ہے تم پر! بس بس (یعنی بس اتنا ہی کہو اس سے زیادہ مت کہو، مگر مشرک کب ماننے والے تھے وہ پھر اس کے بعد یہ کہتے) اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ یعنی (تیرا کوئی شریک نہیں) ہاں وہ (بت) تیرا شریک ہے جو تیری ملک میں ہے، تو اس کا مالک ہے وہ شریک تیرا مالک نہیں ہے۔ مشرک لوگ (تلبیہ کے) یہ کلمات خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مشرک بھی حج و عمرہ اور طواف وغیرہ کیا کرتے تھے نیز وہ خانہ کعبہ کی تعظیم بھی ہمیشہ کیا کرتے تھے اور اس کا احترام ملحوظ رکھتے مگر جب لبیک کہتے تو اپنے شریک کی وجہ سے اس طرح کہتے لبیک لا شریک لک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک یعنی وہ حق تعالیٰ سے شرک کی نفی تو کرتے مگر بتوں کا استثناء کرتے اور یہ کہتے کہ وہ بت خدا کے شریک ہیں لیکن اس کے مملوک ہیں اور خدا ان بتوں کا مالک ہے، چنانچہ وہ جب تلبیہ کہنا شروع کرتے اور یہ کہتے لبیک لا شریک لک تو آنحضرت ﷺ فرماتے کہ یہاں تک تو ٹھیک ہے بس تم اتنا ہی کہو کہ خدا کا کوئی شریک نہیں ہے، اس سے آگے نہ کہو مگر مشرکین کی عقلوں پر تو پردے پڑے ہوئے تھے وہ ہدایت کو کیسے مان لیتے اس لئے وہ آگے کے الفاظ کہنے سے باز نہیں آتے تھے، حالانکہ ان کے یہ کلمات اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ الخ در حقیقت ان کی انتہائی حماقت اور بیوقوفی ہی کو ظاہر کرتے تھے کہ بتوں کو خدا کی ملکیت بھی بتاتے تھے اور پھر انہیں شریک بھی کہتے تھے حالانکہ اگر انہیں عقل سلیم کی ذرا بھی راہنمائی حاصل ہوتی تو وہ خود یہ سمجھ سکتے تھے کہ بھلا مملوک اپنے مالک کا شریک کیوں کر ہو سکتا ہے؟

بَابُ قِصَّةِ حَجَّةِ الْوَدَاعِ

حجۃ الوداع کے واقعہ کا بیان

"وَدَاع" واؤ کے زبر کے ساتھ کے معنی ہیں "رخصت کرنا" اور حجۃ الوداع اس حج کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے حج کی فرضیت نازل ہونے کے بعد ۱۰ھ میں کیا؟ اس حج کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ آنحضرت ﷺ نے اس حج میں احکام شریعت کی تعلیم دی، ان کو رخصت کیا، اس دنیا سے اپنے رخصت ہونے کی انہیں خبر دی، اور منصب رسالت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی و انجام دہی اور دینی و تشریعی احکام کو دنیا کے سامنے پہنچا دینے اور نافذ کر دینے پر ان کو اپنا گواہ بنایا۔

اس باب میں سب سے پہلے حضرت جابرؓ کی جو طویل و بسیط حدیث نقل کی جا رہی ہے یہ احادیث میں سب سے جامع حدیث ہے اس حدیث سے ڈیڑھ سو فقہی مسئلے مستنبط ہوتے ہیں اور اگر کوئی زیادہ غور تامل کرے تو اس سے بھی زیادہ مسئلے سامنے آ سکتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حجۃ الوداع کی تفصیل حضرت جابرؓ کی زبانی

① عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَثَ بِالْمَدِيْنَةِ تِسْعَ سِنِيْنَ لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ اَذَّنَ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ فِي الْعَاشِرَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بَشَرٌ كَثِيْرٌ فَخَرَجْنَا مَعَهٗ حَتّٰى اِذَا اَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ فَوَلَدَتْ اَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ اَبِي بَكْرٍ فَاَرْسَلَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ اَصْنَعُ قَالَ اغْتَسِلِيْ وَاسْتَثْفِرِيْ بِثَوْبٍ وَاَحْرِمِيْ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى اِذَا اسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ عَلَى الْبَيْدَاءِ اَهَلَّ بِالتَّوْحِيْدِ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَ الْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ قَالَ جَابِرٌ لَسْنَا نَنْوِي اِلَّا الْحَجَّ لَسْنَا نَعْرِفُ الْعُمْرَةَ حَتّٰى اِذَا اَتَيْنَا الْبَيْتَ مَعَهُ اسْتَلَمَ الرُّكْنَ فَطَافَ سَبْعًا فَرَمَلَ ثَلَاثًا وَمَشٰى اَرْبَعًا ثُمَّ تَقَدَّمَ اِلٰى مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ فَقَرَاَ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَجَعَلَ الْمَقَامَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْبَيْتِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَرَاَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ ثُمَّ رَجَعَ اِلَى الرُّكْنِ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ اِلَى الصَّفَا فَلَمَّا دَنَا مِنَ الصَّفَا قَرَاَ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ اَبْدَاُ بِمَا بَدَاَ اللّٰهُ بِهٖ فَبَدَاَ بِالصَّفَا فَرَقِيَ عَلَيْهِ حَتّٰى رَاَى الْبَيْتَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَوَحَّدَ اللّٰهَ وَكَبَّرَهٗ وَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ثُمَّ دَعَا بَيْنَ ذٰلِكَ قَالَ مِثْلَ هٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ نَزَلَ وَمَشٰى اِلَى الْمَرْوَةِ حَتَّى انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِيْ بَطْنِ الْوَادِيْ ثُمَّ سَعٰى حَتّٰى اِذَا صَعِدَتَا مَشٰى حَتّٰى اَتَى الْمَرْوَةَ فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا حَتّٰى اِذَا كَانَ اٰخِرُ طَوَافٍ عَلَى الْمَرْوَةِ نَادٰى وَهُوَ عَلَى الْمَرْوَةِ وَالنَّاسُ تَحْتَهٗ فَقَالَ لَوْ اَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْيَ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهٗ هَدْيٌ فَلْيَحِلَّ وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً فَقَامَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِاَبَدٍ فَشَبَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَهٗ وَاحِدَةً فِي الْاُخْرٰى وَقَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ مَرَّتَيْنِ لَا بَلْ لِاَبَدِ اَبَدٍ وَقَدِمَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ بِبُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ مَاذَا قُلْتَ حِيْنَ فَرَضْتَ الْحَجَّ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُهِلُّ بِمَا اَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُكَ قَالَ فَاِنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ فَلَا تَحِلَّ قَالَ فَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَدْيِ الَّذِيْ قَدِمَ بِهٖ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ وَالَّذِيْ اَتٰى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةً۔

قَالَ فَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ وَ قَصَّرُوْا اِلَّا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوْا اِلٰى مِنًى فَاَهَلُّوْا بِالْحَجِّ وَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ مَكَثَ قَلِيْلًا حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَاَمَرَ بِقُبَّةٍ مِنْ شَعَرٍ تُضْرَبُ لَهُ بِنَمِرَةَ فَسَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَشُكُّ قُرَيْشٌ اِلَّا اَنَّهُ وَاقِفٌ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ كَمَا كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاَجَازَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَتٰى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهُ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰى اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ اَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهُ فَاَتٰى بَطْنَ الْوَادِي فَخَطَبَ النَّاسَ وَقَالَ اِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي سَعْدٍ فَقَتَلَهُ هُذَيْلٌ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ مِنْ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَاِنَّهُ مَوْضُوْعٌ كُلُّهُ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تُسْئَلُوْنَ عَنِّي فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا اِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا اِلَى النَّاسِ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ رَكِبَ حَتّٰى اَتَى الْمَوْقِفَ فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ اِلَى الصَّخَرَاتِ وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيْلًا حَتّٰى غَابَ الْقُرْصُ وَاَرْدَفَ اُسَامَةَ وَدَفَعَ حَتّٰى اَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَصَلّٰى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِاَذَانٍ وَاحِدٍ وَاِقَامَتَيْنِ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ فَصَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ بِاَذَانٍ وَاِقَامَةٍ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى اَتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَدَعَاهُ وَكَبَّرَهُ وَهَلَّلَهُ وَوَحَّدَهُ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى اَسْفَرَ جِدًّا فَدَفَعَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَاَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ حَتّٰى اَتٰى بَطْنَ مُحَسِّرٍ فَحَرَّكَ قَلِيْلًا ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيْقَ الْوُسْطَى الَّتِي تَخْرُجُ عَلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى حَتّٰى اَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِي عِنْدَ الشَّجَرَةِ فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا مِثْلَ حَصَى الْخَذْفِ رَمٰى مِنْ بَطْنِ الْوَادِي ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَى الْمَنْحَرِ فَنَحَرَ ثَلَاثًا وَسِتِّيْنَ بَدَنَةً بِيَدِهِ ثُمَّ اَعْطٰى عَلِيًّا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ وَاَشْرَكَهُ فِي هَدْيِهِ ثُمَّ اَمَرَ مِنْ كُلِّ بَدَنَةٍ بِبَضْعَةٍ فَجُعِلَتْ فِي قِدْرٍ فَطُبِخَتْ فَاَكَلَا مِنْ لَحْمِهَا وَشَرِبَا مِنْ مَرَقِهَا ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَفَاضَ اِلَى الْبَيْتِ فَصَلّٰى بِمَكَّةَ الظُّهْرَ فَاَتٰى عَلٰى بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَسْقُوْنَ عَلٰى زَمْزَمَ فَقَالَ انْزِعُوْا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَوْلَا اَنْ يَغْلِبَكُمُ النَّاسُ عَلٰى سِقَايَتِكُمْ لَنَزَعْتُ مَعَكُمْ فَنَاوَلُوْهُ دَلْوًا فَشَرِبَ مِنْهُ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ میں نو برس اس طرح گزارے کہ حج نہیں کیا البتہ آپ ﷺ نے عمرے کئے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے پھر جب حج کی فرضیت نازل ہوئی تو دسویں سال آپ ﷺ نے لوگوں میں اعلان کرایا کہ رسول اللہ (ﷺ) حج کا ارادہ رکھتے ہیں جو لوگ حج کے لئے جانا چاہتے ہیں وہ رفاقت کے لئے تیار ہو جائیں اس اعلان کو سن کر مخلوق خدا کی ایک بہت بڑی تعداد مدینہ میں جمع ہو گئی چنانچہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ ماہ ذی قعدہ کے ختم ہونے سے پانچ دن پہلے ظہر و عصر کے درمیان مدینہ سے روانہ ہو گئے جب ہم لوگ ذوالحلیفہ پہنچے تو وہاں اسماء بنت عمیسؓ کے بطن سے محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے۔ اسماءؓ نے کسی کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور دریافت کرایا کہ اب میں کیا کروں؟ آیا احرام باندھوں یا نہ باندھوں اور اگر باندھوں تو کس طرح

باندھوں؟ آپ ﷺ نے کہلا بھیجا کہ غسل کر کے کپڑے کا لنگوٹ باندھ لو اور پھر احرام باندھ لو بہرکیف رسول کریم ﷺ نے مسجد ذوالحلیفہ میں نماز پڑھی اور قصواء پر کہ جو آنحضرت کی اونٹنی کا نام تھا سوار ہوئے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کی اونٹنی آپ ﷺ کو لے کر بیداء کے میدان میں کھڑی ہوئی تو آپ ﷺ نے باواز بلند تلبیہ کے یہ کلمات کہے:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ حاضر ہوں تیری خدمت میں اے اللہ! تیری خدمت میں حاضر ہوں، حاضر ہوں تیری خدمت میں تیرا کوئی شریک نہیں حاضر ہوں تیری خدمت میں بیشک تعریف اور نعمت تیرے لئے ہے اور بادشاہت بھی تیرے ہی لئے ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہے حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم اس سے پہلے حج ہی کی نیت کیا کرتے تھے اور ہم حج کے مہینوں میں عمرہ سے واقف بھی نہیں تھے بہرکیف جب ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ بیت اللہ پہنچے تو حجر اسود پر ہاتھ رکھا اور اس کو بوسہ دیا اور تین بار رمل یعنی تیز رفتار سے اور اکڑ کر خانہ کعبہ کا طواف کیا اور چار مرتبہ اپنی رفتار سے یعنی آہستہ آہستہ چل کر طواف کیا اور طواف کے بعد مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور یہ آیت پڑھی۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى مقام ابراہیم کے اطراف کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ یعنی وہاں نماز پڑھو پھر آنحضرت ﷺ نے مقام ابراہیم اور بیت اللہ کو اپنے درمیان کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور ایک روایت کے مطابق ان دو رکعتوں میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کی قرأت کی پھر حجر اسود کی طرف لوٹے اور اس کو بوسہ دیا اس سے فارغ ہو کر مسجد کے دروازہ یعنی باب الصفا سے نکلے اور صفا پہاڑ کی طرف چلے چنانچہ جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں اور فرمایا میں بھی اسی چیز کے ساتھ ابتداء کرتا ہوں۔ "یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے صفا کا ذکر کیا ہے پھر مروہ کا اسی طرح میں بھی پہلے صفاء پر چڑھتا ہوں پھر مروہ پر چڑھوں گا، چنانچہ آپ ﷺ نے سعی کی ابتداء صفا سے کی اور اس پر چڑھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے جب صفا سے بیت اللہ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی بڑائی بیان کی یعنی لاالٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہا، اور یہ کلمات فرمائے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا و تنہا ہے اس نے اسلام کا بول بالا کرنے کا اپنا وعدہ پورا کیا اس نے اپنے بندوں کی مدد کی اور کفار کے لشکر کو تنہا شکست دی یعنی غزوہ خندق۔ پھر اس کے درمیان دعا کی اور تین مرتبہ اسی طرح کہا (یعنی پہلے یہ کلمات کہے اور پھر دعا کی اور اسی طرح تین مرتبہ کہا) اس کے بعد صفا سے اترے اور مروہ پہاڑ کی طرف چلے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کے قدم مبارک میدان کے نشیب میں پہنچے (یعنی میدان کی بلندی سے نشیبی حصہ میں آئے) تو دوڑے یعنی سعی کی اور جب آپ ﷺ کے دونوں قدم چڑھنے لگے (یعنی نشیب سے مروہ کی بلندی پر چڑھنے لگے) تو (دوڑنا موقوف کر کے) آہستہ آہستہ چلنے لگے اور پھر جب مروہ پر پہنچ گئے تو وہی کیا جو صفا پر کیا تھا یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نے مروہ پر سعی کا اختتام کیا تو لوگوں کو آواز دی درآنحالیکہ آپ ﷺ مروہ کے اوپر تھے۔ اور لوگ اس کے نیچے اور فرمایا اگر اپنے بارہ میں مجھے پہلے سے وہ بات معلوم ہوتی جو بعد کو معلوم ہوئی ہے تو ہدی قربانی کا جانور اپنے ساتھ نہ لاتا اور اپنے حج کو عمرہ کر دیتا لہٰذا تم میں سے جو شخص ہدی اپنے ساتھ نہ لایا ہو وہ حلال ہو جائے یعنی حج کا احرام کھول دے اور حج کو عمرہ بنا لے یہ سن کر حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے واسطے یہ حکم اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ آنحضرت ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا عمرہ حج میں داخل ہو گیا ہے آپ ﷺ نے یہ بات دو مرتبہ کہی اور پھر فرمایا نہیں یہ حکم خاص طور پر اسی سال کے لئے نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ جائز ہے اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو یمن کے حاکم مقرر ہو گئے تھے جب آنحضرت ﷺ کے لئے قربانی کے واسطے یمن سے اونٹ لے کر آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب تم نے اپنے اوپر حج لازم کیا تھا تو اس وقت یعنی احرام

باندھنے کے وقت کیا کہا تھا؟ تو نے کس چیز کے لئے احرام باندھا تھا اور کیا نیت کی تھی؟ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں نے اس طرح کہا تھا کہ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اُھِلُّ بِمَا اَھَلَّ بِہٖ رَسُوْلُکَ یعنی اے اللہ! میں اس چیز کا احرام باندھتا ہوں جس چیز کا احرام تیرے رسول ﷺ نے باندھا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے ساتھ تو قربانی کا جانور ہے اور میں عمرے کا احرام باندھے ہوئے ہوں، اس لئے جب تک عمرہ اور حج دونوں سے فارغ نہ ہو جاؤ اس وقت تک احرام سے نہیں نکل سکتا اور چونکہ تم نے وہی نیت کی ہے جو میں نے کی ہے، تو تم بھی احرام نہ کھولو حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ وہ اونٹ جو آنحضرت ﷺ کے لئے قربانی کے واسطے حضرت علیؓ یمن سے لے کر آئے تھے اور وہ اونٹ جو آنحضرت ﷺ خود اپنے ہمراہ لائے تھے، سب کی مجموعی تعداد سو تھی! حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق، سب لوگوں نے کہ جن کے ساتھ قربانی کا جانور نہیں تھا عمرہ کر کے، احرام کھول دیا، اپنے سروں کے بال کٹوا دیے، مگر آنحضرت ﷺ اور وہ لوگ جن کے ساتھ قربانی کے جانور تھے احرام کی حالت میں رہے پھر جب ترویہ کا دن آیا یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ آئی تو سب لوگ منی کی طرف روانہ ہونے کے لئے تیار ہوئے چنانچہ ان صحابہؓ نے کہ جو عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد احرام سے نکل آئے تھے حج کا احرام باندھا، اور آنحضرت ﷺ بھی آفتاب طلوع ہونے کے بعد سوار ہوئے اور منی پہنچ گئے منی کی مسجد خیف میں ظہر و عصر، مغرب و عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھی گئیں اور نویں تاریخ کی فجر کی نماز پڑھنے کے بعد تھوڑی دیر قیام کیا یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا اور آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ آپ ﷺ کے لئے وادی نمرہ عرفات میں خیمہ نصب کیا جائے جو بالوں کا بنا ہوا تھا پھر رسول کریم ﷺ منی سے عرفات کو روانہ ہوئے، قریش کو گمان تھا کہ آنحضرت مشعر حرام مزدلفہ میں قیام کریں گے جیسا کہ قریش زمانہ جاہلیت میں حج کے موقعہ پر کیا کرتے تھے مگر رسول کریم ﷺ مزدلفہ سے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ جو میدان عرفات میں آ گئے، اور وادی نمرہ میں اپنے خیمہ کھڑا پایا چنانچہ آپ ﷺ اس میں اتر گئے اور قیام کیا یہاں تک کہ جب دوپہر ڈھل گیا تو قصواء کو جو آپ ﷺ کی اونٹنی کا نام تھا، لانے کا حکم دیا جب قصواء آگئی تو اس پر پالان کس دیا گیا اور آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر وادی نمرہ میں تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔ "لوگو!" تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس دن عرفہ میں تمہارے اس مہینہ ذی الحجہ میں اور تمہارے اس شہر (مکہ) میں حرام ہیں یعنی جس طرح تم عرفہ کے دن ذی الحجہ کے مہینہ میں اور مکہ مکرمہ میں قتل و غارتگری اور لوٹ مار کو حرام سمجھتے ہو اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اور ہر جگہ ایک مسلمان کی جان و مال دوسرے مسلمان پر حرام ہے لہذا تم میں سے کوئی بھی کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ کسی کا خون نہ کرے کسی کا مال چوری و دغابازی سے نہ کھا جائے اور کسی کو کسی جانی اور مالی تکلیف و مصیبت میں مبتلا نہ کرے، یاد رکھو! زمانہ جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے ہے اور پامال و بے قدر یعنی موقوف باطل ہے لہذا اسلام سے پہلے جس نے جو کچھ کیا میں نے وہ سب معاف کیا اور زمانہ جاہلیت کے تمام رسم و رواج کو موقوف و ختم کر دیا زمانہ جاہلیت کے خون معاف کر دیئے گئے ہیں لہذا زمانہ جاہلیت میں اگر کسی نے کسی کا خون کر دیا تھا تو اب نہ اس کا قصاص ہے نہ دیت اور نہ کفارہ بلکہ اس کی معافی کا اعلان ہے اور سب سے پہلا خون جسے میں اپنے خونوں سے معاف کرتا ہوں ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے۔ جو ایک شیر خوار بچہ تھا۔ اور قبیلہ بنی سعد میں دودھ پیتا تھا۔ اور ہذیل نے اس کو مار ڈالا تھا۔ زمانہ جاہلیت کا سود معاف کر دیا گیا ہے اور سب سے پہلا سود جسے میں اپنے سودوں سے معاف کرتا ہوں عباسؓ ابن عبدالمطلب کا سود ہے لہذا وہ زمانہ جاہلیت کا سود ہے لہذا وہ زمانہ جاہلیت کا سود بالکل معاف کر دیا گیا ہے۔ (لوگو!) عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، تم نے ان کو خدا کی امان کے ساتھ لیا ہے یعنی ان کے حقوق کی ادائیگی اور ان کو عزت و احترام کے ساتھ رکھنے کا جو عہد خدا نے تم سے لیا ہے یا اس کا عہد جو تم نے خدا سے کیا ہے اسی کے مطابق عورتیں تمہارے پاس آئی ہیں، اور ان کی شرم گاہوں کو خدا کے حکم سے (یعنی فانکحوا کے مطابق رشتہ زن و شو قائم کر کے) اپنے لئے حلال بنایا ہے اور عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کا آنا تم کو ناگوار گذرے یعنی وہ تمہارے گھروں میں کسی کو بھی تمہاری اجازت کو بغیر نہ آنے دیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت، پس اگر وہ اس معاملہ میں نافرمانی کریں کہ تمہاری اجازت کے بغیر کسی کو گھر آنے

دیں اور ڈانٹ ڈپٹ کے بعد بھی وہ اس سے باز نہ آئیں تو تم اسکو مارو مگر اس طرح نہ مارو جس سے سختی و شدت ظاہر ہو اور انھیں کوئی گزند پہنچ جائے اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم ان کو اپنی استطاعت و حیثیت کے مطابق کھانے پینے کا سامان اور مکان اور کپڑا دو۔ لوگو! میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑتا ہوں جس کو اگر تم مضبوطی سے تھامے رہوگے تو میرے بعد (یا اس کو مضبوطی سے تھامے رہنے اور اس پر عمل کرنے کے بعد) تم ہرگز گمراہ نہیں ہوگے اور وہ چیز کتاب اللہ ہے اور اے لوگو! میرے بارہ میں تم سے پوچھا جائے گا کہ میں نے منصب رسالت کے فرائض پوری طرح انجام دیئے یا نہیں؟ اور میں نے دین کے احکام تم تک پہنچا دیئے یا نہیں؟ تو تم کیا جواب دوگے؟ اس موقع پر صحابہؓ نے (بیک زبان کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ) کے سامنے اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ ﷺ نے دین کو ہم تک پہنچا دیا اپنے فرض کو ادا کر دیا اور ہماری خیر خواہی کی اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا بایں طور کہ اسے آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر لوگوں کی طرف جھکا کر تین مرتبہ یہ کہا کہ اے اللہ! اپنے بندوں کے اس اقرار اور اعتراف پر تو گواہ رہ اے اللہ! تو گواہ رہ۔

اس کے بعد حضرت بلالؓ نے اذان دی اور اقامت کہی اور ظہر کی نماز پڑھی گئی پھر دوبارہ اقامت کہی گئی اور عصر کی نماز ہوئی، اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی چیز یعنی سنت و نفل نہیں پڑھی گئی پھر آنحضرت ﷺ سوار ہوئے اور میدان عرفات میں ٹھہرنے کی جگہ پہنچے وہاں اپنی اونٹنی قصواء کا پیٹ پتھروں کی طرف کیا اور جبل مشاۃ یہ ایک جگہ کا نام ہے اپنے آگے رکھا پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوگئے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا، زردی بھی تھوڑی سی جاتی رہی اور آفتاب کی ٹکیہ غائب ہوگئی، آپ ﷺ نے حضرت اسامہؓ کو اپنے پیچھے بٹھایا اور تیز تیز چل کر مزدلفہ آگئے یہاں ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ مغرب و عشاء کی نمازیں پڑھیں اور ان دونوں نمازوں کے درمیان اور کچھ نہیں پڑھا پھر آپ ﷺ لیٹ گئے یہاں تک کہ جب فجر طلوع ہوگئی تو آپ ﷺ نے صبح کی روشنی پھیل جانے پر اذان و اقامت کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی پھر آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر حرام میں آئے اور وہاں قبلہ رو ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی "تکبیر کہی"۔ لا الہ الا اللہ پڑھا اور خدا کی وحدانیت کی یعنی لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ آخر تک پڑھا وہیں کھڑے تکبیر و تہلیل وغیرہ میں مصروف رہے یہاں تک کہ صبح خوب روشن ہوگئی تو سورج نکلنے سے پہلے وہاں سے چلے اور حضرت فضل بن عباسؓ کو اپنے پیچھے سوار کیا جب وادی محسر میں پہنچے تو اپنی سواری کو تیز چلانے کے لئے تھوڑی سی حرکت دی اور اس درمیانی راہ پر ہولئے جو جمرہ کبریٰ کے اوپر نکلتی ہے تا آنکہ آپ اس جمرہ کے پاس پہنچے جو درخت کے قریب ہے اور اس پر سات کنکریاں ماریں اس طرح کہ ان میں سے ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے اور وہ کنکریاں باقلہ کے دانہ کے برابر تھیں اور آپ ﷺ نے وہ کنکریاں نالے یعنی وادی کے درمیان سے ماریں اس کے بعد قربانی کرنے کی جگہ جو منیٰ میں ہے واپس آئے اور یہاں آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے تریسٹھ اونٹ ذبح کئے اور باقی اونٹ حضرت علیؓ کے سپرد کئے چنانچہ باقی سینتیس اونٹ حضرت علیؓ نے ذبح کئے، آنحضرت ﷺ نے اپنی قربانی کے جانوروں میں حضرت علیؓ کو بھی شریک کر لیا تھا پھر آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک ٹکڑا لے لیا جائے چنانچہ وہ سب گوشت لے کر ایک ہانڈی میں ڈال دیا گیا اور اسے پکایا گیا جب گوشت پک گیا تو آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ نے قربانی کے اس گوشت میں سے کھایا اور اس کا شوربہ پیا۔ آنحضرت ﷺ سوار ہوئے اور خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوگئے، وہاں پہنچ کر طواف کیا اور مکہ میں ظہر کی نماز پڑھی پھر عبدالمطلب کی اولاد یعنی اپنے چچا حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے پاس تشریف لائے جو زمزم کا پانی پلا رہے تھے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا عبدالمطلب کی اولاد زمزم کا پانی کھینچو اور پلاؤ کہ یہ بہت ثواب کا کام ہے اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ لوگ تمہارے پانی پلانے پر غلبہ پالیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ پانی کھینچتا ابھی اس بات کا خوف ہے کہ لوگ مجھے پانی کھینچتا دیکھ کر میری اتباع میں خود بھی پانی کھینچنے لگیں گے اور یہاں بہت زیادہ جمع ہو جائیں گے جس کی وجہ سے زمزم کا پانی کھینچنے اور پلانے کی یہ سعادت تمہارے ہاتھ سے چلی جائے گی اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا تو میں خود بھی تم لوگوں کے ساتھ پانی کھینچتا اور لوگوں کو پلاتا، چنانچہ عبدالمطلب کی اولاد نے آپ ﷺ کو پانی کا ایک ڈول دیا جس میں سے آپ ﷺ نے پانی پیا۔" (مسلم)

تشریح: حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ کتنے آدمی تھے؟ اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس حج میں آنحضرتؐ کے ساتھ نوے ہزار آدمی تھے، بعض حضرات نے ایک لاکھ تیس ہزار اور بعضوں نے اس سے بھی زائد تعداد بیان کی ہے۔

حضرت اسماء بنت عمیسؓ پہلے حضرت جعفر ابن ابوطالب کے نکاح میں تھیں ان کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے انتقال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان سے نکاح کیا۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ حجۃ الوداع کے لئے روانہ ہوئے ہیں تو اس وقت یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نکاح میں تھیں اور ان سے محمد ابن ابوبکرؓ پیدا ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے حضرت اسماءؓ کو غسل کرنے کی ہدایت اس بات کی دلیل ہے کہ نفاس والی عورت کو احرام کے لئے غسل کرنا مسنون ہے اور یہ غسل نظافت یعنی ستھرائی کے لئے ہوتا ہے طہارت یعنی پاکی کے لئے نہیں، اسی لئے نفاس والی عورت کو تیمم کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے اور یہی حکم حائضہ کا بھی ہے نیز ان کو آپ ﷺ کے اس حکم کہ "اور پھر احرام باندھ لو یعنی احرام کی نیت کرو اور لبیک کہو" سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نفاس والی عورت کا احرام صحیح ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

"رسول کریم ﷺ نے مسجد ذوالحلیفہ میں نماز پڑھی" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے احرام کی سنت دو رکعت نماز پڑھی، اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر میقات میں مسجد ہو تو مسجد ہی میں یہ دو رکعتیں پڑھنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ پڑھ لے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، نیز اوقات مکروہہ میں یہ نماز نہ پڑھی جائے، علماء یہ بھی لکھتے ہیں کہ تحیۃ المسجد کی طرح فرض نماز بھی اس نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔

لسنا نعرف العمرۃ (اور ہم عمرہ سے واقف نہیں تھے) یہ جملہ دراصل پہلے جملہ لسنا ننوی الا الحج (ہم حج ہی کی نیت کیا کرتے تھے) کی تاکید کے طور پر استعمال کیا گیا ان جملوں کی وضاحت یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں یہ معمول تھا کہ لوگ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو بڑا گناہ سمجھتے تھے، چنانچہ اس وقت آنحضرت ﷺ نے اس کا رد کیا اور حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کا حکم فرمایا اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

جب ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ بیت اللہ پہنچے یعنی پہلے ہم ذی طوی میں اترے اور رات کو وہیں قیام کیا اور پھر ۴ ذی الحجہ کو نہا دھو کر ثنیہ علیا کی طرف سے یعنی جانب بلند سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور پھر باب السلام کی جانب سے مسجد حرام میں آئے اور وہاں آکر تحیۃ المسجد کی نماز نہیں پڑھی کیونکہ بیت اللہ کا طواف ہی وہاں کا تحیہ ہے۔

"تین بار رمل کیا اور چار مرتبہ اپنی رفتار سے طواف کیا" اس بارہ میں یہ تفصیل جان لینی چاہئے کہ خانہ کعبہ کے گرد مطاف پر سات چکر کرنے کو طواف کہتے ہیں۔ کل طواف کے سات چکر ہوتے ہیں اور ہر چکر حجر اسود سے شروع ہو کر حجر اسود ہی پر ختم ہوتا ہے ہر چکر کو اصطلاح شریعت میں "شوط" کہا جاتا ہے۔

طواف کے سات چکروں میں سے پہلے تین چکر میں تو رمل کرنا چاہئے اور پہلوانوں کی طرح کندھے ہلا ہلا کر، اکڑ کر اور کچھ تیزی کے ساتھ قریب قریب قدم رکھ کر چلنا "رمل" کہلاتا ہے، طواف کے باقی چار چکروں میں آہستہ آہستہ یعنی اپنی معمولی چال کے ساتھ چلنا چاہئے۔

"رمل" یعنی اکڑ کر تیز تیز چلنے کی وجہ یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ تشریف لائے تو مشرکین نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ تپ یثرب یعنی مدینہ کے بخار نے ان کو بہت ضعیف و سست کر دیا ہے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اس طرح چل کر اپنی قوت و چستی کا اظہار کرو۔ وہ وقت تو گذر گیا مگر اس علت اور وجہ کے دور ہو جانے کے بعد بھی یہ حکم باقی رہا چنانچہ یہ طریقہ اب تک جاری ہے۔

اس حدیث میں "اضطباع" کا ذکر نہیں کیا گیا ہے لیکن طواف کے وقت اضطباع بھی مسنون ہے چنانچہ دوسری احادیث میں اس کا

ذکر موجود ہے۔
چادر کو اس طرح اوڑھنا کہ ان کا ایک سرا داہنے کاندھے سے اتار کر اور داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈال لیا جائے "اضطباع" کہلاتا ہے۔ چادر کو اس طرح اوڑھنے کا حکم بھی اظہار قوت کے لئے دیا گیا تھا اور یہ حکم بھی بعد میں باقی رہا۔
"مقام ابراہیم" کے معنی ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے رہنے کی جگہ ویسے یہ ایک پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہو کہ حضرت ابراہیم کعبہ کی تعمیر کرتے تھے، اس پتھر پر حضرت ابراہیم کے پاؤں کے نشان بن گئے تھے جو آج تک قائم ہیں۔
بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم ایک پتھر ہے کہ جب حضرت ابراہیم اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو دیکھنے مکہ آتے تھے تو اونٹ سے اسی پتھر پر اترتے تھے اور جب جانے لگتے تو اسی پتھر پر کھڑے ہو کر سوار ہوتے اس پتھر پر ان کے دونوں مبارک قدموں کا نشان بن گیا ہے! بہر کیف یہ پتھر اب خانہ کعبہ کے آگے ایک حجرے میں رکھا ہوا ہے، آنحضرت ﷺ نے طواف سے فارغ ہو کر اسی مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی یہ دو رکعت نماز اگرچہ اسی جگہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے لیکن جائز حرم میں ہر جگہ پڑھنا ہے چاہے مسجد حرام میں پڑھی جائے اور چاہے مسجد حرام سے باہر نیز ہر طواف کے بعد یہ نماز حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے ہاں سُنّت ہے۔
ان دو رکعتوں میں قل ہو اللہ احد اور قل یا ایھا الکافرون کی قرأت کی اس عبارت سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قل ہو اللہ احد پہلی رکعت میں پڑھی اور قل یا ایھا الکافرون دوسری رکعت میں جب کہ اس طرح سورہ مقدم پر سورہ متاخر کی تقدیم یعنی بعد کی سورت کو پہلے اور پہلے کی سورت کو بعد میں پڑھنے کی صورت لازم آتی ہے، اس لئے علماء نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ حدیث میں اس بارہ میں جو عبارت نقل کی گئی ہے اس میں حرف واؤ صرف اظہار جمع کے لئے یعنی آپ کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں رکعتوں میں یہ دونوں سورتیں پڑھیں، اب یہ کہ ان میں سے کون سی پہلی رکعت میں پڑھی اور کون سی سورت دوسری رکعت میں؟ اس کی وضاحت نہ اس سے مقصود ہے اور نہ یہاں اس کی وضاحت موجود ہی ہے اس توجیہ کے پیش نظر کوئی اشکال پیدا نہیں ہو سکتا۔ پھر طیبیؒ نے اس عبارت میں ان دونوں سورتوں کے ذکر کی مذکورہ ترتیب کے بارہ میں یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ قل ہو اللہ احد، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اثبات و اظہار کے لئے ہے اور قل یا ایھا الکافرون شرک سے بیزاری کے واسطے ہے، اس لئے توحید کی عظمت شان اور اس کی سب سے زیادہ اہمیت کی بناء پر اس سورت کو پہلے ذکر کیا جس سے توحید کا اثبات ہوتا ہے۔
ان تمام باتوں کے علاوہ بعض روایتوں میں اس عبارت کو اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ اس میں پہلے قل یا ایھا الکفرون ذکر ہے اور بعد میں قل ہو اللہ احد کا اس صورت میں بات بالکل ہی صاف ہو جاتی ہے۔
آپ ﷺ نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی سات بار کی، بایں طور کہ صفا سے مروہ تک ایک بار، مروہ سے صفا تک دوسری بار، اسی طرح آپ ﷺ نے سات پھیرے کئے اس طرح سعی کی ابتداء تو صفا سے ہوئی اور ختم مروہ پر ہوئی جیسا کہ حدیث کے الفاظ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نے مروہ پر سعی کا اختتام کیا سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔
سعی یعنی صفا مروہ کے درمیان پھیرے کرنا واجب ہے اس کی اصل یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جن دنوں چھوٹے تھے تو ان کی والدہ حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش کو گئیں جب نشیب میں پہنچیں تو حضرت اسمٰعیل ان کی نظر سے پوشیدہ ہو گئے وہ صفا اور مروہ پر چڑھ کر ان کو دیکھنے کے لئے ان دونوں کے درمیان پھیرے کرتی تھیں، چنانچہ یہ سعی انھیں کی سُنّت ہے جسے آنحضرت نے پورا کیا اب صفا و مروہ کے درمیان چونکہ مٹی بھر گئی ہے اس لئے وہ نشیب باقی نہیں رہا ہے البتہ وہاں نشان بنا دیئے گئے ہیں اور حضرت ہاجرہ کی سنت کو پورا کرنے کے لئے وہاں دوڑتے ہیں۔

لَوْ اَنِّی اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ الخ اگر اپنے بارہ میں مجھے پہلے سے وہ بات معلوم ہوتی الخ اس سلسلہ میں اگرچہ بڑی طویل بحث ہے تاہم خلاصہ کے طور پر سمجھ لیجئے کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ پہنچے اور عمرہ سے فارغ ہوگئے تو صحابہؓ کو حکم دیا کہ جو شخص قربانی کا جانور اپنے ساتھ نہیں لایا ہے وہ عمرہ کے بعد احرام سے باہر آجائے اور حج کو عمرہ کے ساتھ فسخ کردے یعنی حج کے احرام کو عمرہ کا احرام قرار دے لے جب حج کے دن آجائیں تو دوبارہ احرام باندھے اور حج کرے، اور جو شخص قربانی کا جانور اپنے ساتھ لایا ہے وہ عمرہ کے بعد احرام نہ کھولے بلکہ حج تک حالت احرام ہی میں رہے اور حج کے بعد احرام کھول دے۔ چونکہ رسول کریم ﷺ قربانی کا جانور اپنے ساتھ لائے تھے اس لئے آپ ﷺ نے احرام نہیں کھولا بلکہ عمرہ کے بعد بھی حالت احرام ہی میں رہے۔ یہ حکم صحابہؓ کو بڑا گراں گزرا، ایک تو اس لئے ہم تو احرام کھول دیں اور سرکار دو عالم ﷺ حالت احرام میں رہیں اس طرح آپ ﷺ کی متابعت کا ترک ہوگا جو صحابہؓ کو کسی حال میں بھی گوارا نہیں تھا، دوسرے انہوں نے یہ سوچا کہ اب عرفہ میں صرف پانچ رہ گئے ہیں اس لئے یہ بات مناسب نہیں معلوم ہوتی کہ احرام کھول دیا جائے اور پھر ہم اس عرصہ میں اپنی عورتوں کے پاس جاتے رہیں اور جب عرفہ کا دن آئے تو فورًا احرام باندھ کر عرفات روانہ ہو جائیں اور حج کریں۔ ان کی خواہش تھی کہ یہ درمیانی پانچ دن بھی احرام ہی کی حالت میں گزر جائیں اس طرح رسول کریم ﷺ کی متابعت بھی ہوگی اور ان ایام میں طبعی خواہشات اور دنیاوی امور میں مشغولیت سے اجتناب بھی رہے گا۔ پھر یہ کہ ایام جاہلیت میں چونکہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو برا سمجھا جاتا تھا، اور ان کے ذہن میں بھی ابھی تک یہی بات تھی اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس وقت مستقل طور پر عمرہ کی صورت پیدا ہو جائے انہیں سب وجوہ کی بناء پر وہ چاہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ ہمیں احرام کھولنے کا حکم نہ دیں، اسی بناء پر آنحضرت ﷺ نے برہمی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ یہ تو دین کی بات ہے میں کیا کروں، اللہ تعالیٰ نے جس طرح حکم دیا ہے اسی طرح کرنا پڑے گا، چاہے طبیعت پر بار ہی کیوں نہ ہو "اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میری متابعت کے ترک کی بناء پر تم لوگوں کو احرام کھولنا گراں گزرے گا تو میں بھی قربانی کا جانور ساتھ نہ لاتا اور احرام کھول کر اس وقت حج کو عمرہ کے ساتھ فسخ کر دیتا لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ حکم الٰہی یہ ہوگا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ عمرہ کے ساتھ اس فسخ حج کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا یہ اس سال میں صرف صحابہؓ ہی کے لئے تھا یا ہمیشہ کے لئے دوسروں کو بھی ایسا جائز ہے؟ چنانچہ امام احمدؒ اور اہل ظاہر کی ایک جماعت نے تو یہ کہا ہے کہ یہ فسخ حج صرف صحابہؓ ہی کے لئے نہیں تھا بلکہ یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی ہے، لہٰذا اس شخص کے لئے کہ جو حج کا احرام باندھے، اور ہدی اس کے ساتھ نہ ہو یہ جائز ہے کہ وہ حج کا احرام عمرہ کے ساتھ فسخ کر دے اور افعال عمرہ کی ادائیگی کے بعد حلال ہو جائے یعنی احرام کھول دے، جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، اور علماء سلف و خلف کی اکثریت کا کہنا یہ ہے کہ یہ حکم صرف اسی سال میں صحابہؓ کے لئے تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو جو حرام سمجھا جاتا تھا اس کی تردید ہو جائے۔

نیز اسی حدیث کے پیش نظر حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ بھی ہے کہ جو شخص عمرہ کا احرام باندھے اور ہدی اپنے ساتھ نہ لایا تو افعال عمرہ کی ادائیگی کے بعد احرام سے باہر آجائے اور اگر ہدی ساتھ لایا ہو تو احرام سے باہر نہ ہوتا آنکہ "نحر" (قربانی) کے دن اس کی ہدی ذبح ہو جائے، لیکن حضرت امام شافعیؒ، اور حضرت امام مالکؒ یہ کہتے ہیں کہ محض افعال عمرہ کی ادائیگی کے بعد احرام سے باہر آجانا جائز ہے خواہ ہدی ساتھ لایا ہو یا ساتھ نہ ہو۔

"مشعر حرام" مزدلفہ میں ایک پہاڑی کا نام ہے۔ ایام جاہلیت میں قریش کا یہ طریقہ تھا کہ وہ حج کے لئے بجائے عرفات میں ٹھہرنے کے مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ یہ "موقف حمس" یعنی قریش اور حرم والوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ قریش کے علاوہ تمام اہل عرب عرفات ہی میں وقوف کرتے تھے، آنحضرت ﷺ چونکہ قریش سے تھے اس لئے اہل قریش نے یہ گمان کیا کہ آنحضرت ﷺ بھی عرفات کی بجائے مزدلفہ ہی میں وقوف کریں گے لیکن آنحضرت ﷺ نے وہاں وقوف نہیں کیا بلکہ سیدھے عرفات

پہنچے اور وادی نمرہ میں خطبہ ارشاد فرمایا، آپ ﷺ نے دو خطبے پڑھے، پہلے خطبہ میں تو حج کے احکام بیان کئے اور عرفات میں کثرت ذکر و دعا پر ترغیب دلائی، دوسرا خطبہ پہلے خطبہ کی بہ نسبت چھوٹا تھا اس میں صرف دعا تھی۔

ربیعہ ابن حارث کے بیٹے کے خون کا قصہ یہ ہے کہ حارث آنحضرت ﷺ کے چچا اور عبدالمطلب کے بیٹے تھے ان کا لڑکا تھا ربیعہ، اور ربیعہ، کا ایک شیر خوار بچہ تھا جس کا نام تھا ایاس عرب کے عام قاعدہ کے مطابق ایاس کو دودھ پلانے کے لئے قبیلہ بنی سعد میں دے دیا گیا تھا جن دنوں قبیلہ بنی سعد اور قبیلہ ہذیل کے درمیان معرکہ آرائی ہو رہی تھی ایاس قبیلہ بنی سعد ہی میں تھا، اسی لڑائی کے دوران قبیلہ ہذیل کے کسی شخص نے ایاس کو پتھر مارا جس سے وہ شیر خوار بچہ مر گیا ایاس چونکہ آنحضرت ﷺ کے چچا کا پوتا تھا اس لئے اس کے قتل کا انتقام لینے کا حق آنحضرت ﷺ کو حاصل تھا مگر آنحضرت ﷺ نے اس کا خون معاف کر دیا۔

اس طرح حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ جو آنحضرت ﷺ کے عم محترم تھے، ایام جاہلیت میں سود کا لین دین کرتے تھے اسی وقت کا ان کا بہت زیادہ سود لوگوں کے ذمہ باقی تھا اسے بھی آنحضرت ﷺ نے معاف فرما دیا۔

"پھر (دوبارہ) اقامت کہی گئی اور عصر کی نماز ہوئی" یعنی ظہر ہی کے وقت پہلے تو ظہر کی نماز پڑھی گئی، پھر عصر کی نماز ہوئی، گویا ظہر و عصر کی نماز کو جمع کر کے پڑھا گیا۔ اس کو جمع تقدیم کہتے ہیں عرفات میں وقوف کے لئے یہ دونوں نمازیں ملا کر ظہر کے وقت پڑھی جاتی ہیں اس طرح کہ ظہر کے چار فرض کے بعد موذن دوسری اقامت کہتا ہے اور پھر عصر کی نماز ہوتی ہے نیز ان دونوں نمازوں کے درمیان سنن و نوافل وغیرہ نہیں پڑھی جاتیں تاکہ دونوں نمازوں کے درمیان وقفہ ہو جانے کی وجہ سے جمع باطل نہ ہو جائے کیونکہ ان نمازوں کو پے در پے پڑھنا واجب ہے۔

اور تیز تیز چل کر مزدلفہ آ گئے۔ مزدلفہ منیٰ اور عرفات کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے، دسویں تاریخ کی رات پھر مزدلفہ میں ٹھہرنا حنفیہ کے نزدیک سنت ہے اور حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کے ہاں واجب ہے۔

حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مزدلفہ پہنچ کر مغرب و عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو تکبیر کے ساتھ پڑھیں جس طرح کہ آپ ﷺ نے عرفات میں ظہر و عصر کی نماز ایک اذان اور دو تکبیر کے ساتھ پڑھی تھی چنانچہ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں مزدلفہ میں یہ دونوں نمازیں ایک اذان اور ایک ہی تکبیر کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں کیونکہ اس موقع پر عشاء کی نماز چونکہ اپنے وقت میں پڑھی جاتی ہے اس لئے زیادتی اعلام کے لئے علیحدہ سے تکبیر کی ضرورت نہیں برخلاف عرفات میں عصر کی نماز کے کہ وہاں عصر کی نماز چونکہ اپنے وقت میں نہیں ہوتی بلکہ ظہر کے وقت ہوتی ہے اس لئے وہاں زیادتی اعلام کے لئے علیحدہ تکبیر کی ضرورت ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے یہی روایت منقول ہے اور ترمذیؒ نے بھی اس کی تحسین و تصحیح کی ہے۔

"مشعر حرام" جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے عرفات میں ایک پہاڑ کا نام ہے، دسویں تاریخ کی صبح وہاں وقوف حنفیہ کے نزدیک واجب ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک رکن حج ہے۔

"وادی محسر" مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان ایک گھاٹی کا نام ہے کہا جاتا ہے کہ اصحاب فیل یہیں عذاب خداوندی میں مبتلا ہو کر ہلاک و برباد ہوئے تھے، رسول ﷺ جب مشعر حرام مزدلفہ سے روانہ ہوئے اور اس وادی میں پہنچے تو اپنی سواری کو تیز کر دیا اور اس وادی کی مسافت کو تیزی سے گزر کر پورا کیا، کیونکہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جس جگہ کسی قوم پر عذاب نازل ہوا ہوتا تو آپ ﷺ ازراہ عبرت اس جگہ سے تیزی سے گذر جاتے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حج کے موقعہ پر نصاریٰ یا مشرکین عرب وادی محسر میں ٹھہرا کرتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے ان کی مخالفت کے پیش نظر اس وادی میں اپنی سواری کو تیز تیز چلا کر وہاں سے جلد گذر گئے۔ بہر حال آنحضرت ﷺ کی پیروی کے پیش نظر ہر شخص کے لئے مستحب ہے کہ اس وادی میں تیزی سے گزرے۔

اور اس درمیانی راہ پر ہوئے جو جمرہ کبریٰ کے اوپر نکلتی ہے کا مطلب یہ ہے کہ جس راستہ سے جاتے ہوئے آپ ﷺ تشریف لے گئے تھے وہ راستہ اور تھا اور یہ راستہ دوسرا تھا جو جمرہ کبریٰ یعنی جمرہ عقبہ پر جا کر نکلتا ہے۔ پہلا راستہ جس سے آپ ﷺ عرفات و مزدلفہ تشریف لے گئے تھے اس کو طریق ضب کہتے تھے اور یہ راستہ جس سے آپ ﷺ رمی جمرہ کے لئے منیٰ واپس آ رہے تھے۔ طریق مازمین کہلاتا تھا ضب اور مازمین دو پہاڑوں کے نام ہیں۔

تاآنکہ آپ ﷺ اس جمرہ کے پاس پہنچے جو درخت کے قریب ہے یہاں جمرہ سے جمرہ عقبہ مراد ہے جس کا پہلے ذکر ہوا جمرہ منار کو کہتے ہیں منیٰ میں کئی ایسے منار ہیں جن پر سنگریزے مارے جاتے ہیں اس کا تفصیلی بیان انشاء اللہ آگے آئے گا۔

آنحضرت نے اپنی قربانی کے جانوروں میں حضرت علیؓ کو بھی شریک کر لیا تھا۔ یعنی آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو کچھ اونٹ دے دیئے تاکہ وہ اپنی طرف سے ذبح کر لے اب یا تو آپ ﷺ نے انہیں وہ اونٹ اپنے باقی اونٹوں میں سے دیئے یا پھر دوسرے اونٹوں میں سے دیئے گئے ہوں گے آنحضرت ﷺ اور حضرت علیؓ نے اپنی قربانی کا گوشت کھایا اور اس کا شوربہ پیا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اپنی قربانی میں سے گوشت کھانا مستحب ہے۔

اور خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہو گئے وہاں پہنچ کر طواف کیا اس طواف کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں اور طواف رکن بھی یہ طواف حج کا ایک رکن ہے، اس پر حج کا اختتام ہو جاتا ہے۔ ویسے تو یہ طواف قربانی کے دن ہی کرنا افضل ہے لیکن بعد میں کرنا بھی جائز ہے۔

اور مکہ میں ظہر کی نماز پڑھی یہ بات حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت کے خلاف ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھی ان دونوں روایتوں میں مطابقت یوں پیدا کی جائے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز تو مکہ ہی میں پڑھی البتہ آپ ﷺ نے منیٰ میں نفل نماز پڑھی تھی جسے حضرت ابن عمرؓ نے ظہر کی نماز گمان کیا یا یوں کہا جائے کہ جب دونوں روایتیں متعارض ہوئیں تو دونوں ساقط ہو گئیں اب ترجیح اس بات کو دی جائے گی کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز مکہ میں پڑھی کیونکہ مکہ میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ واللہ اعلم

احرام کے طریقے اور حج کی اقسام

(۲) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ فَلَمَّا قَدِمْنَا مَكَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَلَمْ يُهْدِ فَلْيَحْلِلْ وَمَنْ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَاَهْدٰى فَلْيُهِلَّ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ ثُمَّ لَا يَحِلَّ حَتّٰى يَحِلَّ مِنْهُمَا وَفِي رِوَايَةٍ فَلَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ بِنَحْرِ هَدْيِهٖ وَمَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهٗ قَالَتْ فَحِضْتُ وَلَمْ اَطُفْ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَلَمْ اَزَلْ حَائِضًا حَتّٰى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَلَمْ اُهْلِلْ اِلَّا بِعُمْرَةٍ فَاَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَنْقُضَ رَأْسِي وَاَمْتَشِطَ وَاُهِلَّ بِالْحَجِّ وَاَتْرُكَ الْعُمْرَةَ فَفَعَلْتُ حَتّٰى قَضَيْتُ حَجِّيْ بَعَثَ مَعِي عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي بَكْرٍ وَاَمَرَنِي اَنْ اَعْتَمِرَ مَكَانَ عُمْرَتِي مِنَ التَّنْعِيْمِ قَالَتْ فَطَافَ الَّذِيْنَ كَانُوْا اَهَلُّوْا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلُّوْا ثُمَّ طَافُوْا طَوَافًا بَعْدَ اَنْ رَجَعُوْا مِنْ مِنًى وَاَمَّا الَّذِيْنَ جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَاِنَّمَا طَافُوْا طَوَافًا وَاحِدًا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ حجۃ الوداع کے موقع پر روانہ ہوئے تو ہم میں سے بعض تو وہ تھے جنھوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا اور بعض وہ تھے جنھوں نے صرف حج کا (یا حج و عمرہ دونوں کا) احرام باندھا چنانچہ جب ہم مکہ پہنچے تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے صرف عمرہ کا احرام باندھا ہے اور اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہیں لایا ہے وہ افعال عمرہ کے بعد اپنے سر کے بال منڈوا کر یا کتروا کر، احرام کھول دے اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہے اور قربانی کا جانور اپنے ساتھ لایا ہے تو وہ عمرہ کے ساتھ حج کا احرام باندھ لے یعنی حج کو عمرہ کے ساتھ شامل کر کے قارن ہو جائے اور جب تک وہ حج و عمرہ دونوں سے فارغ نہ ہو جائے

احرام نہ کھولے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تک کہ وہ (بقر عید کے دن) اپنی قربانی کے جانور کے ذبح کرنے سے فارغ نہ ہوئے احرام نہ کھولے اور جس نے حج کا احرام باندھا ہے خواہ وہ قربانی کا جانور اپنے ساتھ لایا ہو یا نہ لایا ہو اور اس نے حج کے ساتھ عمرہ کا بھی احرام باندھا ہو یا نہ باندھا ہو وہ اپنا حج پورا کرے مگر جن لوگوں کو عمرہ کے ساتھ حج فسخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ گذشتہ روایت میں گذرا وہ اپنے حج پورا نہ کریں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ چونکہ میں حائضہ تھی اس لئے مکہ پہنچ کر نہ تو میں نے (عمرہ کے لئے) طواف کیا اور نہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی، میں حیض ہی کی حالت میں تھی کہ عرفہ کا دن آگیا اور میں نے چونکہ عمرہ کا احرام باندھا تھا اس لئے رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میں اپنا سر کھول ڈالوں اور بالوں میں کنگھی کرلوں یعنی احرام کھول دوں تاکہ جو چیزیں احرام کی حالت میں ممنوع ہیں وہ مباح ہو جائیں اور پھر حج کا احرام باندھ لوں، نیز یہ کہ عمرہ چھوڑ دوں یعنی حج سے فارغ ہو کر عمرہ کے احرام کی قضا کروں چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، اور جب میں حج ادا کر چکی تو آپ ﷺ نے میرے ساتھ عبدالرحمن ابن ابوبکرؓ کو تنعیم بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ مقام تنعیم سے (احرام باندھ کر) اپنے (قضاشدہ) عمرہ کے بدلے عمرہ کروں! حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جن لوگوں نے حج و عمرہ دونوں کو جمع کیا تھا یعنی شروع ہی سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا انہوں نے (عمرہ کے لئے) خانہ کعبہ کا طواف کیا اور پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ اس کے بعد انہوں نے احرام کھول ڈالا لوگوں نے منیٰ سے (مکہ) واپس آکر دوبارہ اپنے حج کا طواف کیا جسے طواف افاضہ کہتے ہیں اور جن لوگوں نے حج و عمرہ دونوں کو جمع کیا تھا (یعنی شروع میں سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا۔ یا بعد میں ایک کو دوسرے کے ساتھ شامل کیا، انہوں نے صرف ایک ہی یعنی نحر کے دن طواف کیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: تنعیم ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ سے ڈھائی تین میل کے فاصلہ پر شمال مغربی جانب واقع ہے۔ یہ جگہ حدود حرم سے باہر ہے حجاج عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے یہیں آجاتے ہیں۔

عمرہ کے احرام کے لئے ضروری اور شرط ہے کہ حل سے یعنی حدود حرام سے باہر باندھا جائے عمرہ کرنے والا خواہ مکی ہو یا غیر مکی جب کہ حج کا احرام غیر مکی تو حل سے باندھے اور مکی حدود حرم ہی میں کہیں سے باندھے۔

"انہوں نے صرف ایک ہی طواف کیا" سے اگرچہ یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ قارن کو ایک طواف عمرہ اور حج دونوں کے لئے کافی ہے، جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے لیکن حنفیہ کے ہاں قارن کو دو طواف کرنے ضروری ہیں ایک طواف تو عمرہ کے لئے جو مکہ میں داخل ہونے کے بعد کیا جائے اور دوسرا طواف حج کے لئے وقوف عرفات کے بعد کیا جائے کیونکہ حدیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ قارن تھے، چنانچہ آپ ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو ایک طواف اس وقت کیا اور دوسری مرتبہ طواف الزیارۃ وقوف عرفات کے بعد کیا نیز دار قطنیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے جس کا حاصل بھی یہی ہے کہ قارن دو طواف کرے اور صفا و مروہ کے درمیان دو مرتبہ سعی کرے! حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بھی یہی بات منقول ہے کہ قارن دو طواف اور دو مرتبہ سعی کرے۔

(۳) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْىَ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَبَدَأَ فَاَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ اَهَلَّ بِالْحَجِّ فَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَكَانَ مِنَ النَّاسِ مَنْ اَهْدٰى وَمِنْهُمْ مَنْ لَّمْ يُهْدِ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَالَ لِلنَّاسِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ اَهْدٰى فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَجَّهُ وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْكُمْ اَهْدٰى فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلْيُقَصِّرْ وَلْيَحْلِلْ ثُمَّ لِيُهِلَّ بِالْحَجِّ وَلْيُهْدِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ هَدْيًا فَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً إِذَا رَجَعَ إِلٰى اَهْلِهِ فَطَافَ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ وَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ اَوَّلَ شَيْءٍ ثُمَّ خَبَّ ثَلَاثَةَ اَطْوَافٍ وَمَشٰى اَرْبَعًا فَرَكَعَ حِيْنَ قَضٰى طَوَافَهُ بِالْبَيْتِ عِنْدَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَانْصَرَفَ فَاَتَى الصَّفَا فَطَافَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَةَ اَطْوَافٍ

ثُمَّ لَمْ يَحِلَّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى قَضٰى حَجَّهُ وَنَحَرَ هَدْيَهُ يَوْمَ النَّحْرِ وَاَفَاضَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ وَفَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاقَ الْهَدْيَ مِنَ النَّاسِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا (یعنی فائدہ اٹھایا بایں طور پر کہ پہلے عمرے کا احرام باندھا پھر حج کا) اور ذوالحلیفہ سے (کہ جہاں آپ ﷺ نے احرام باندھا تھا) قربانی کا جانور ساتھ لے لیا تھا، چنانچہ پہلے تو آپ ﷺ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا، پھر حج کا احرام باندھا، اور لوگوں نے بھی نبی کریم ﷺ کے ہمراہ عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا، بعض لوگ (کہ جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا) وہ تھے جو قربانی کے جانور اپنے ساتھ لائے تھے اور بعض وہ تھے جو قربانی کا جانور اپنے ساتھ نہیں لائے تھے، جب آنحضرت ﷺ مکہ پہنچے تو (عمرہ کرنے والے) لوگوں سے فرمایا کہ "تم میں سے جو شخص قربانی کا جانور ساتھ لایا ہو وہ اس چیز کو حلال نہ کرے جس سے وہ باز رہا ہے (یعنی احرام نہ کھولے) یہاں تک کہ وہ اپنا حج ادا کرے اور جو شخص قربانی کا جانور ساتھ نہ لایا ہو تو وہ (عمرہ کے لئے) خانہ کعبہ کا طواف کرے، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے، بال کتروائے اور پھر وہ (عمرہ کا) احرام کھول دے (یعنی جو چیزیں حالت احرام میں ممنوع تھیں انہیں مباح کر لے) اس کے بعد حج کے لئے (دوبارہ) احرام باندھے اور (رمی جمار کے بعد سر منڈانے سے پہلے نحر کے دن) قربانی کرے (کیونکہ ادائیگی حج و عمرہ کی توفیق اور حق تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کی شکر گزاری کے طور پر متمتع پر قربانی واجب ہے) اور جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے حج کے دنوں میں (یعنی حج کے مہینوں میں احرام کے بعد اور قربانی کے دن سے پہلے) رکھے اس بارہ میں افضل یہ ہے کہ ذی الحجہ کی ساتویں، آٹھویں اور نویں تاریخ کو تین روزے رکھے اور سات روزے اس وقت رکھے جب اپنے اہل و عیال کے پاس پہنچ جائے (یعنی افعال حج سے فراغت کے بعد رکھے چاہے مکہ ہی میں یہ سارے روزے رکھ لے چاہے گھر پہنچ کر) بہرکیف آنحضرت ﷺ نے مکہ پہنچ کر (عمرہ کے لئے) خانۂ کعبہ کا طواف کیا اور (طواف کے جو افعال ہیں ان میں) سب چیزوں سے پہلے (مگر لبیک کہنے کے بعد) حجر اسود کو بوسہ دیا، اور طواف میں تین مرتبہ تو جلدی جلدی (یعنی اکڑ کر اور تیز رفتار سے) چلے اور چار مرتبہ معمولی رفتار سے چلے، پھر خانہ کعبہ کے گرد طواف پورے کرنے کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی اور سلام پھیرا (یعنی صلوٰۃ الطواف پڑھی، حنفیہ کے نزدیک یہ نماز واجب ہے) اس کے بعد (خانۂ کعبہ) سے چل کر صفاء پر آئے اور صفا و مروہ کے درمیان سات پھیرے کئے (یعنی سعی کی) اس کے بعد کسی ایسی چیز کے ساتھ حلال نہیں ہوئے جس سے اجتناب کیا جاتا ہے (یعنی احرام سے باہر نہ آئے) یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنا حج پورا کیا، اور نحر کے دن (دسویں ذی الحجہ کو) اپنی قربانی کا جانور ذبح کر لیا (تو اب سر منڈانے کے بعد وہ تمام چیزیں جو حالت احرام میں ممنوع تھیں مباح ہو گئیں علاوہ بیوی سے ہمبستری) اور پھر (منیٰ سے) چلے اور (مکہ پہنچ کر) خانۂ کعبہ کا طواف (یعنی افاضہ) کیا اور اس کے بعد وہ چیز حلال ہو گئی جو ممنوع تھی (یعنی اب طواف سے فراغت کے بعد بیوی سے ہمبستری بھی حلال ہو گئی) پھر جن لوگوں کے ساتھ قربانی کے جانور تھے انہوں نے بھی وہی کیا جو رسول کریم ﷺ نے کیا تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حج تمتع کیا تھا جب کہ زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ آپ ﷺ قارن تھے لہٰذا اب حدیثوں کے بارہ میں یہی کہا جائے گا کہ یہاں "تمتع" سے مراد اس کے لغوی معنی ہیں یعنی "نفع اٹھانا" اور یہ مفہوم قرآن میں بھی موجود ہے بایں طور کہ قارن حج کے ساتھ عمرہ ملا کر متمتع ہوتا ہے۔

حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ہے

④ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ عُمْرَةٌ اسْتَمْتَعْنَا بِهَا فَمَنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ الْهَدْيُ فَلْيَحِلَّ الْحِلَّ كُلَّهُ فَاِنَّ الْعُمْرَةَ قَدْ دَخَلَتْ فِي الْحَجِّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "یہ عمرہ ہے جس سے ہم نے فائدہ اٹھایا ہے، جس کے پاس قربانی کا جانور نہ

ہو وہ ہر طرح سے حلال ہو جائے (یعنی عمرہ کے بعد پورا احرام کھول دے) کیونکہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا قیامت تک کے لئے جائز ہو گیا ہے"۔ (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث میں بھی "تمتع" سے مراد اس کے لغوی معنی ہیں یعنی "فائدہ اٹھانا" اس کی بقیہ وضاحت پہلے ذکر ہو چکی ہے۔

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِي۔

"اور اس باب میں دوسری فصل نہیں ہے۔"

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تبدیل احرام کے حکم پر صحابہؓ کا تردد و تامل

⑤ وَعَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ فِي نَاسٍ مَعِي قَالَ اَهْلَلْنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ خَالِصًا وَحْدَهُ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُبْحَ رَابِعَةٍ مَضَتْ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ فَاَمَرَنَا اَنْ نَحِلَّ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ حِلُّوا وَاَصِيْبُوا النِّسَاءَ قَالَ عَطَاءٌ وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْهِمْ وَلٰكِنْ اَحَلَّهُنَّ لَهُمْ فَقُلْنَا لَمَّا لَمْ يَكُنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَرَفَةَ اِلَّا خَمْسٌ اَمَرَنَا اَنْ نُفْضِيَ اِلٰى نِسَائِنَا فَنَأْتِي عَرَفَةَ تَقْطُرُ مَذَاكِيْرُنَا الْمَنِيَّ قَالَ يَقُوْلُ جَابِرٌ بِيَدِهٖ كَاَنِّي اَنْظُرُ اِلٰى قَوْلِهٖ يُحَرِّكُهَا قَالَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْنَا فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُمْ اِنِّي اَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَصْدَقُكُمْ وَاَبَرُّكُمْ وَلَوْ لَا هَدْيِي لَحَلَلْتُ كَمَا تَحِلُّوْنَ وَلَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْيَ فَحِلُّوا فَحَلَلْنَا وَسَمِعْنَا وَاَطَعْنَا قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ عَلِيٌّ مِنْ سِعَايَتِهٖ فَقَالَ بِمَ اَهْلَلْتَ قَالَ بِمَا اَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَهْدِ وَامْكُثْ حَرَامًا قَالَ وَاَهْدٰى لَهُ عَلِيٌّ هَدْيًا فَقَالَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِاَبَدٍ قَالَ لِاَبَدٍ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عطاءؒ کہتے ہیں کہ میں نے کتنے ہی آدمیوں کے ساتھ کہ جو میرے ساتھ شریک مجلس تھے حضرت جابر ابن عبداللہؓ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ (حجۃ الوداع کے موقع پر) ہم (صحابہؓ) نے (بغیر عمرہ کی شمولیت کے) خالص حج کا احرام باندھا۔ عطاء کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا۔ پھر جب رسول کریم ﷺ ذی الحجہ کی چوتھی تاریخ کی صبح کو (مکہ) میں پہنچے تو ہمیں حکم دیا کہ ہم احرام کھول دیں۔ حضرت عطاء کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ احرام کھول دو۔ اور عورتوں کے پاس جاؤ (یعنی ان سے مقاربت بھی کرو) نیز عطاءؒ کہتے ہیں کہ "آنحضرت ﷺ نے عورتوں کی مقاربت کو واجب نہیں کیا تھا بلکہ آپ ﷺ نے صرف عورتوں کو ان کے لئے حلال کر دیا تھا (یعنی احرام کھول دینے کا حکم تو وجوب کے طور پر تھا البتہ صحبت و مجامعت کا حکم صرف اباحت و جواز کی صورت میں تھا) حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم (آنحضرت ﷺ کا یہ حکم سن کر تعجب کے ساتھ) کہنے لگے کہ "جب کہ ہمارے اور عرفہ کے دن کے درمیان صرف پانچ راتیں باقی رہ گئی ہیں) آنحضرت ﷺ نے ہمیں یہ حکم دے دیا کہ ہم اپنی عورتوں سے مجامعت کریں (یہ تو بڑی عجیب بات ہو گی کہ) ہم میدان عرفات میں اس طرح جائیں کہ ہمارے عضو مخصوص سے منی ٹپکتی ہو! (یعنی رات کو ہم جماع کریں اور صبح کو عرفات میں پہنچ جائیں، اس بات کو ایام جاہلیت میں بہت برا سمجھا جاتا تھا" کہ عورتوں سے مجامعت اور حج میں اتنا قرب ہو جائے کہ بلکہ اس چیز کو حج میں نقصان کا باعث جانتے تھے) عطاء کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ نے (یہ بات کہتے ہوئے) اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ان کا ہاتھ کا اشارہ اور اپنے ہاتھ کو ہلانا گویا اب بھی میری نظروں میں پھر رہا ہے" حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (کو جب ہمارے اس تردد و تامل کا علم ہوا تو آپ ﷺ) ہمارے درمیان (خطبہ کے لئے) کھڑے ہوئے اور فرمایا "تم جانتے ہو کہ میں تمہاری بہ نسبت خدا سے زیادہ ڈرتا ہوں" تم سے زیادہ سچا اور تم میں سب سے

زیادہ نیکوکار ہوں۔ اگر میرے ساتھ قربانی کا جانور ہوتا تو میں بھی تمہاری طرح احرام کھول دیتا جس طرح تم احرام کھولو گے، اور اگر مجھے میری یہ بات پہلے سے معلوم ہوتی جو بعد کو معلوم ہوئی ہے تو میں قربانی کا جانور اپنے ساتھ نہ لاتا (یعنی اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ احرام کھولنا تم پر شاق گزرے گا تو میں قربانی کا جانور اپنے ساتھ نہ لاتا اور میں بھی احرام کھول دیتا) تم (بلا تامل) احرام کھول دو۔ چنانچہ ہم نے احرام کھول دیا اور آپ ﷺ کے ارشاد کو سنا اور اطاعت کی۔ عطاءؒ کا بیان ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا۔ اس کے بعد حضرت علیؓ اپنے کام پر آئے (یعنی وہ یمن قاضی ہو کر گئے تھے جب وہاں سے آئے) تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے کس چیز کا احرام باندھا ہے؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ "جس چیز کا احرام نبی کریم (ﷺ) نے باندھا ہے" پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ (نحر کے دن) قربانی کا جانور ذبح کرو (کہ یہ قارن پر واجب ہے) اور حالت احرام کو برقرار رکھو (یعنی میری طرح اب تم بھی احرام باندھے رکھو) چنانچہ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے لئے (یا خود اپنے لئے) قربانی کا جانور لے کر آئے! سراقہ ابن مالک ابن جعشمؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! یہ (یعنی حج کے مہینوں میں عمرہ کا جواز) صرف اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے؟" آپ ﷺ نے فرمایا ہمیشہ کے لئے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "ہم نے خالص حج کا احرام باندھا" حضرت جابرؓ نے یہ بات اپنے خیال و گمان کے مطابق کہی ورنہ تو جہاں تک واقعہ کا تعلق ہے حضرت عائشہؓ کی روایت سے یہ معلوم ہی ہو چکا ہے کہ بعض صحابہؓ نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا اور بعض نے صرف حج کا اور بعض نے عمرہ اور حج دونوں کا احرام باندھا تھا۔

"حضرت جابرؓ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا" کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جابرؓ نے اپنے ہاتھ کو حرکت دے کر عضو مخصوص سے قطرات ٹپکنے کی طرف اشارہ کیا۔ یا یہ کہ انہوں نے عضو مخصوص کی حرکت کو ہاتھ کی حرکت سے تشبیہ دی۔ بہرکیف یہ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ بات کرتے ہوئے اعضاء کے اشاروں سے وضاحت کرتے تھے تاکہ مفہوم اچھی طرح واضح اور ذہن نشین ہو جائے۔

صحابہؓ کے تردد پر آنحضرت ﷺ کی برہمی

(۶) وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَرْبَعٍ مَضَيْنَ مِنْ ذِی الْحِجَّةِ اَوْخَمْسٍ فَدَخَلَ عَلَیَّ وَهُوَ غَضْبَانُ فَقُلْتُ مَنْ اَغْضَبَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ قَالَ اَوَمَا شَعَرْتِ اَنِّی اَمَرْتُ النَّاسَ بِاَمْرٍ فَاِذَا هُمْ يَتَرَدَّدُوْنَ وَلَوْ اِنِّی اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِی مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْیَ مَعِی حَتّٰی اَشْتَرِيَهُ ثُمَّ اَحِلُّ كَمَا حَلُّوْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں) رسول کریم ﷺ ذی الحجہ کی چوتھی یا پانچویں تاریخ کو میرے پاس غصہ کی حالت میں تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کس نے آپ (ﷺ) کو غصہ دلایا؟ اللہ اسے دوزخ میں ڈالے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے (بعض لوگوں کو (عمرہ کے ساتھ حج کو فسخ کر دینے کا) ایک حکم دیا اور وہ اس حکم سے تردد میں ہیں، اگرچہ مجھے یہ بات پہلے سے معلوم ہوتی جو بعد کو معلوم ہوئی تو میں اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لاتا اور اسی طرح احرام کھول دیتا جس طرح ان لوگوں نے احرام کھولا ہے اور پھر میں (یہاں مکہ میں یا راستہ میں) قربانی کا جانور خرید لیتا۔" (مسلمؒ)

بَابُ دُخُوْلِ مَكَّةَ وَالطَّوَافِ

مکہ میں داخل ہونے اور طواف کرنے کا بیان

"مَكٌّ" کے لغوی معنی ہیں "ہلاک کرنا، برباد کرنا، اس شہر مقدس کو مکہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ گناہوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اور اس شخص کو (آخرت میں یا دنیا ہی میں) ہلاک کرا دیتا ہے جو اس شہر میں ظلم و کجروی اختیار کرتا ہے۔

اس باب میں اس چیز کو ذکر کیا جائے گا کہ مکہ آنے والا اس مقدس شہر میں کس طرف سے داخل ہو، کس طرف سے نکلے، کس وقت آئے اور یہ کہ داخلہ کے وقت کیا آداب و قواعد ملحوظ ہونے چاہئیں، نیز طواف اور اس کے متعلقات مثلاً حجر اسود کو بوسہ دینے وغیرہ کی کیفیات اور ان کے مسائل کا بیان ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

مکہ کا مدخل اور مخرج

① عَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ لَا یَقْدِمُ مَکَّۃَ اِلَّا بَاتَ بِذِی طُوًی حَتّٰی یُصْبِحَ وَیَغْتَسِلَ وَیُصَلِّیَ فَیَدْخُلَ مَکَّۃَ نَهَارًا وَاِذَا نَفَرَ مِنْهَا مَرَّ بِذِی طُوًی وَبَاتَ بِهَا حَتّٰی یُصْبِحَ وَیَذْکُرُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَفْعَلُ ذٰلِکَ۔ (متفق علیہ)

"حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب بھی مکہ آتے، تو ذی طوی میں رات گزارتے اور جب صبح ہوتی تو غسل کرتے اور نماز پڑھتے پھر دن کو مکہ میں داخل ہوتے اور جب مکہ سے واپس ہوتے تو اس وقت بھی ذی طوی سے گزرتے اور صبح تک وہیں رات بسر کرتے، نیز حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بھی اسی طرح کرتے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "ذی طوی" ایک جگہ کا نام ہے جو حدود حرم میں مقام تنعیم کی طرف واقع ہے نبی کریم ﷺ جب مکہ تشریف لائے تو استراحت کے لئے رات ذی طوی میں گزارتے پھر صبح غسل فرماتے اور نماز پڑھ کر اس شہر مقدس میں داخل ہوتے۔ نماز سے بظاہر نماز نفل مراد ہے جو وہاں جانے کے لئے پڑھتے تھے، پھر جب آپ ﷺ مکہ سے واپس ہوتے تو اس وقت بھی ذی طوی میں قیام فرماتے تاکہ رفقاء وہاں جمع ہو جائیں اور سب لوگوں کا سامان وغیرہ اکٹھا ہو جائے۔

حضرت ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مکہ میں دن کے وقت داخل ہونا مستحب ہے تاکہ شہر میں داخل ہوتے ہی بیت اللہ شریف نظر آئے اور دعا کی جائے۔

② وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا جَاءَ اِلٰی مَکَّۃَ دَخَلَهَا مِنْ اَعْلَاهَا وَخَرَجَ مِنْ اَسْفَلِهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ (حجۃ الوداع کے موقع پر) جب مکہ تشریف لائے تو شہر میں اس کے بلند حصہ کی طرف سے داخل ہوئے اور (واپسی کے وقت) نشیبی حصے کی طرف سے نکلے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)
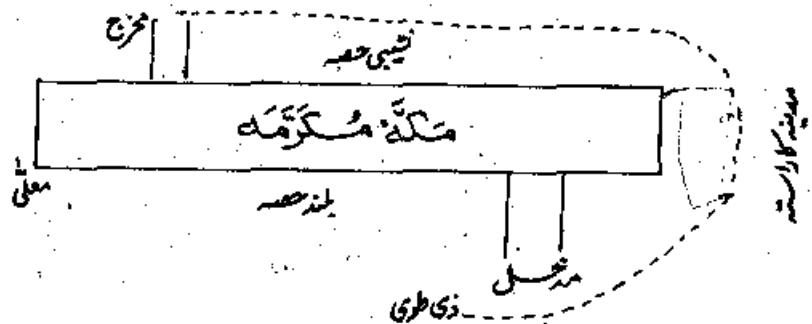
تشریح: مکہ کے جس طرف ذی طوی ہے وہی شہر کا بلند حصہ ہے، جنت المعلی یعنی مکہ کا مشہور قبرستان بھی اسی جانب ہے۔ شہر کی دوسری جانب نشیبی حصہ ہے۔

پہلی حدیث اور اس حدیث میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ مکہ کے نشیبی حصہ سے نکل کر جب مدینہ کا راستہ اختیار کرتے تو ذی طوی پہنچتے اور وہاں رات گزار کر صبح مدینہ کے لئے روانہ ہو جاتے۔

طواف کے لئے پاکی واجب ہے

③ وَعَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَدْ حَجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ أَوَّلَ شَيْءٍ بَدَأَ بِهِ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ أَنَّهُ تَوَضَّأَ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةً ثُمَّ حَجَّ أَبُوْبَكْرٍ فَكَانَ أَوَّلَ شَيْءٍ بَدَأَ بِهِ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةً ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عروہ ابن زبیر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حج کیا اور حضرت عائشہؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ میں پہنچ کر جو سب سے پہلے کام کیا وہ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور پھر بیت اللہ کا طواف کیا (یعنی عمرہ کا طواف کیا کیونکہ آپ ﷺ قارن یا متمتع تھے) اور عمرہ نہیں ہوا، پھر (آپ ﷺ کے بعد) حضرت ابوبکرؓ نے حج کیا تو آپ نے بھی بیت اللہ کے طواف سے افعال حج کی ابتداء کی اور عمرہ نہیں ہوا، پھر حضرت عمرؓ نے اور حضرت عثمانؓ نے بھی اسی طرح کیا۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: "آپ ﷺ نے وضو کیا" کا مطلب یہ ہے کہ مکہ پہنچ کر طواف بیت اللہ سے پہلے آپ ﷺ نے دوبارہ وضو کیا، کیونکہ یہ بات پہلے ہی معلوم ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ذی طوی میں غسل کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ غسل میں وضو بھی شامل ہوتا تھا۔ طواف کے صحیح ہونے کے لئے طہارت یعنی پاکی جمہور علماء کے نزدیک تو شرط ہے لیکن حنفیہ کے ہاں شرط نہیں ہے البتہ واجب ہے۔

گزشتہ احادیث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ نے مکہ پہنچ کر عمرہ کیا، اس کے بعد جو لوگ قربانی کا جانور ساتھ لائے تھے وہ تو احرام باندھے رہے اور جو لوگ قربانی کا جانور ساتھ نہ لائے تھے انہوں نے احرام کھول دیا۔ لہٰذا "اور عمرہ نہ ہوا" کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حج کو فسخ یعنی موقوف کر کے عمرہ نہیں کیا اور احرام نہیں کھولا بلکہ آپ ﷺ عمرہ کے بعد احرام ہی کی حالت میں رہے کیونکہ قارن تھے اور پھر آخر میں قربانی کے دن آپ ﷺ نے احرام کھولا۔ لہٰذا راوی نے یہ بات اس لئے کہی تاکہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو یہ گمان کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے حج کو فسخ کر کے عمرہ کیا۔

یا پھر اس جملہ کی مراد یہ ہے کہ ان سب نے حج کے بعد الگ سے اور عمرہ نہیں کیا بلکہ اسی عمرہ پر اکتفاء کیا جو حج کے ساتھ شامل تھا۔

طواف میں رمل کا ذکر

④ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا طَافَ فِي الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ أَوَّلَ مَا يَقْدَمُ سَعٰى ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ وَمَشٰى أَرْبَعَةً ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَطُوْفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب حج یا عمرہ کا طواف کرتے تو پہلے تین شوط میں تیز تیز (اور اکڑ کر) چلتے (یعنی رمل کرتے) اور باقی چار شوط میں اپنی معمولی رفتار سے چلتے پھر (طواف کی) دو رکعت نماز پڑھتے اور اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: خانہ کعبہ کے گرد ایک پھیرے کو "شوط" کہتے ہیں اور سات شوط کا ایک طواف ہوتا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ طواف کے وقت تین پھیروں میں تو اس طرح تیز چلتے کہ قدم پاس پاس رکھتے اور جلد جلد اٹھاتے اور دوڑتے اور اچھلتے نہ تھے اور باقی چار پھیرے اپنی معمولی رفتار سے چل کر کرتے۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی واجب ہے

⑤ وَعَنْهُ قَالَ رَمَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَجَرِ اِلَى الْحَجَرِ ثَلَاثًا وَمَشٰى اَرْبَعًا وَكَانَ يَسْعٰى بِبَطْنِ الْمَسِيْلِ اِذَا طَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے طواف کے وقت حجر اسود سے حجر اسود تک تین پھیروں میں تو رمل کیا اور چار پھیروں میں اپنی معمولی رفتار سے چلے اور جب صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے تو بطن مسیل میں دوڑتے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: سعی کرنا یعنی صفا و مروہ کے درمیان سات پھیرے کرنا حنفیہ کے نزدیک واجب ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے ہاں رکن ہے۔

"بطن مسیل" صفا و مروہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے شناخت کے لئے اس کے دونوں سروں پر نشان بنے ہوئے ہیں، جنہیں "میلین اخضرین" کہتے ہیں۔ سعی کے وقت اس جگہ تیز رفتاری سے چلنا تمام علماء کے نزدیک سنت ہے۔

حجر اسود کا بوسہ

⑥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ اَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ مَشٰى عَلٰى يَمِيْنِهٖ فَرَمَلَ ثَلَاثًا وَمَشٰى اَرْبَعًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (جب حج یا عمرہ کے لئے) مکہ تشریف لائے تو حجر اسود کے پاس آئے اور اس کو بوسہ دیا پھر (طواف کے لئے) دا ہنے ہاتھ کی طرف چلے، چنانچہ تین مرتبہ تو بازو ہلا کر اور جلدی جلدی چلے (جس طرح پہلوان چلتے ہیں) اور چار مرتبہ اپنی معمولی رفتار سے چلے۔" (مسلمؒ)

⑦ وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَرَبِيٍّ قَالَ سَاَلَ رَجُلُ ابْنَ عُمَرَ عَنِ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ فَقَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهٗ وَيُقَبِّلُهٗ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت زبیر ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے حجر اسود کو بوسہ دینے کے سلسلہ میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اسے ہاتھ لگاتے اور چومتے تھے۔" (بخاریؒ)

استلام رکن یمانی

⑧ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ اَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ اِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو خانہ کعبہ کے صرف دو رکن کا استلام کرتے دیکھا ہے جو یمن کی سمت ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: کعبہ مقدسہ کے چار رکن یعنی چار کونے ہیں، ایک رکن تو وہ ہے جس میں حجر اسود نصب ہے، دوسرا اس کے سامنے ہے اور حقیقت میں "یمانی" اسی رکن کا نام ہے، مگر اس طرف کے دونوں ہی رکن کو تغلیباً رکن یمانی ہی کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ دو رکن اور ہیں جن میں سے ایک تو "رکن عراقی" ہے اور دوسرا "رکن شامی" مگر ان دونوں کو "رکن شامی" ہی کہتے ہیں۔

جس رکن میں حجر اسود ہے اس کو دوہری فضیلت حاصل ہے، ایک فضیلت تو اسے اس لئے حاصل ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے، اور دوسری فضیلت یوں حاصل ہے کہ اس میں حجر اسود ہے، جب کہ رکن یمانی کو صرف یہی ایک فضیلت حاصل ہے

کہ اسے حضرت ابراہیمؑ نے بنایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان دونوں رکن کو رکن شامی و عراقی پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔ اسی لئے "اسلام" انہیں دونوں رکن کے ساتھ مختص ہے۔

"استلام" کے معنی ہیں "لمس کرنا یعنی چھونا" یہ چھونا خواہ ہاتھ وغیرہ کے ذریعہ ہو یا بوسہ کے ساتھ اور یا دونوں کے ساتھ لہٰذا جب یہ لفظ رکن اسود کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس سے حجر اسود کو چومنا مقصود ہوتا ہے اور جب رکن یمانی کی نسبت استعمال ہوتا ہے تو اس سے رکن یمانی کو صرف چھونا مراد ہوتا ہے۔

چونکہ رکن اسود، رکن یمانی سے افضل ہے اس لئے اس کو بوسہ دیتے ہیں یا ہاتھ وغیرہ لگا کر یا کسی چیز سے اس کی طرف اشارہ کر کے چومتے ہیں، اور رکن یمانی کو صرف چوما جاتا ہے اس کو بوسہ نہیں دیا جاتا، بقیہ دونوں رکن یعنی شامی اور عراقی کو نہ بوسہ دیتے ہیں اور نہ ہاتھ لگاتے ہیں، چنانچہ مسئلہ یہی ہے کہ حجر اسود اور رکن یمانی کے علاوہ کسی اور پتھر وغیرہ کو نہ چومنا چاہئے اور نہ ہاتھ لگانا چاہئے۔

اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنے کا مسئلہ

⑨ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلٰى بَعِيْرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا اور محجن کے ذریعہ حجر اسود کو بوسہ دیا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حنفیہ کے ہاں چونکہ پیادہ پا طواف کرنا واجب ہے اس لئے اس حدیث کے بارہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی عذر اور مجبوری کی بناء پر اس طرح طواف کیا ہوگا۔ لہٰذا یہ طواف آنحضرت ﷺ کے ساتھ مختص ہے کسی اور کو سواری پر بیٹھ کر طواف کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ طیبی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ پیادہ پا طواف کرنا افضل ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر اس لئے طواف کیا تاکہ سب لوگ آپ ﷺ کو دیکھتے رہیں۔

یہاں ایک اشکال بھی واقع ہوتا ہے وہ یہ کہ احادیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر طواف کرتے ہوئے پہلے تین پھیروں میں رمل کیا تھا، جب کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں رمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا پیادہ پا طواف کرنا اور اس کے تین پھیروں میں رمل کرنا طواف قدوم کے موقع پر تھا، اور اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنے کا تعلق طواف افاضہ سے ہے جو فرض ہے اور قربانی کے دن (دسویں ذی الحجہ کو) ہوا تھا اور جسے طواف الرکن بھی کہتے ہیں۔ اور اس موقع پر اونٹ سوار ہو کر طواف کرنے کی وجہ یہی تھی کہ لوگ آپ ﷺ کو دیکھتے رہیں۔ تاکہ طواف کے افعال و مسائل سیکھ لیں۔

"محجن" اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کا سرا خمدار ہوتا ہے، اس کے ذریعہ حجر اسود کو بوسہ دینے کی صورت یہ تھی کہ آپ ﷺ اس لکڑی سے حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے اس کو چومتے تھے۔

طریق استلام حجر اسود

⑩ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ عَلٰى بَعِيْرٍ كُلَّمَا اَتٰى عَلَى الرُّكْنِ اَشَارَ اِلَيْهِ بِشَيْءٍ فِي يَدِهٖ وَكَبَّرَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے خانہ کعبہ کا طواف اونٹ پر سوار ہو کر کیا، جب آپ ﷺ حجر اسود کے سامنے آئے تو ایک چیز سے (یعنی لکڑی سے) کہ جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی اس کی طرف اشارہ کرتے اور اللہ اکبر کہتے۔" (بخاریؒ)

تشریح: حجر اسود کو بوسہ دینے کا طریقہ تو یہ ہے کہ دونوں ہاتھ حجر اسود پر رکھ کر دونوں ہونٹوں کو حجر اسود پر لگایا جائے، لیکن آنحضرت ﷺ ہجوم کی زیادتی اور لوگوں کے ازدحام کی وجہ سے حجر اسود کی طرف اشارہ کرتے اور اسے چومتے ہوں گے، چنانچہ حنفیہ کا یہی مسلک ہے کہ حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے اس کو نہ چوما جائے۔ ہاں اگر کسی وجہ سے حجر اسود پر ہاتھ رکھنا اور اس کو چومنا ممکن نہ ہو تو پھر اشارہ کے ذریعہ ہی یہ سعادت حاصل کی جا سکتی ہے۔

⑪ وَعَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ مَعَهُ وَيُقَبِّلُ الْمِحْجَنَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابو الطفیل کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ (سوار ہو کر) خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور ایک خمدار سرے والی لکڑی سے کہ جو آپ ﷺ کے ساتھ تھی حجر اسود کی طرف اشارہ کرتے اور اس لکڑی کو چومتے تھے۔" (مسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے بارہ میں بعض روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حجر اسود کو چوما، بعض روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ آپ ﷺ نے حجر اسود کو ہاتھ لگا کر بوسہ دیا اور بعض روایتوں سے حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے بوسہ دینا ثابت ہے۔ لہٰذا ان تمام روایتوں میں یوں مطابقت پیدا کی جائے کہ کسی طواف میں تو آپ ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا ہوگا کسی طواف میں ہاتھ لگا کر چوما ہوگا اور کسی طواف میں کثرت ہجوم و اژدحام کی وجہ سے حجر اسود کی طرف اشارہ کے ذریعہ استلام کر لیا ہوگا، یا پھر یہ کہ ایک طواف میں ہر شوط (چکر) کے بعد حجر اسود کا استلام وغیرہ ہے چنانچہ آپ ﷺ کسی شوط میں تو بوسہ دیتے ہوں گے، کسی شوط میں ہاتھ لگا کر چومتے ہوں گے اور کسی شوط میں اژدحام کی وجہ سے اشارہ کے ذریعہ استلام کر لیتے ہوں گے۔

حائضہ طواف وسعی نہ کرے

⑫ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْكُرُ اِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ طَمِثْتُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِيْ فَقَالَ لَعَلَّكِ نُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ ذٰلِكِ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ فَافْعَلِيْ مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ اَنْ لَا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِيْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ (حج کے لئے) روانہ ہوئے تو ہم (لبیک کہتے وقت) صرف حج کا ذکر کرتے تھے بعض حضرات نے یہ معنی لکھے ہیں کہ ہم صرف حج کا قصد کرتے تھے یعنی مقصود اصلی حج تھا عمرہ نہیں تھا، لہٰذا عمرہ کا ذکر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عمرہ نیت میں بھی نہیں تھا) پھر جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو میرے ایام شروع ہو گئے، چنانچہ نبی کریم ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں (اس خیال سے) رو رہی تھی کہ (حیض کی وجہ سے میں حج نہ کر پاؤں گی) آنحضرت ﷺ نے (میری کیفیت دیکھ کر) فرمایا کہ "شاید تمہارے ایام شروع ہو گئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ "ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو ایک ایسی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لئے مقرر فرما دیا ہے (اس کی وجہ سے رونے اور مضطرب ہونے کی کیا ضرورت ہے) تم بھی وہی افعال کرو جو حاجی کرتے ہیں۔ ہاں جب تک پاک نہ ہو جاؤ (یعنی ایام ختم نہ ہو جائیں اور اس کے بعد نہا نہ لو) اس وقت تک بیت اللہ کا طواف نہ کرنا (اور نہ سعی کرنا کیونکہ سعی طواف کے بعد ہی صحیح ہوتی ہے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "سرف" ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے تقریباً چھ میل اور مقام تنعیم سے جانب شمال تین یا چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اس

جگہ اُم المؤمنین حضرت میمونہؓ کی قبر ہے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت میمونہؓ کا نکاح بھی اسی جگہ ہوا، شب زفاف بھی یہیں گزری اور انتقال بھی یہیں ہوا۔

اس حدیث کے پیش نظر ایک خلجان پیدا ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ لا نذکر الا الحج (ہم صرف حج کا ذکر کرتے تھے) خود حضرت عائشہؓ ہی کی اس روایت کے بالکل متضاد ہیں جو گزشتہ باب میں (دو) گزر چکی ہے جس میں حضرت عائشہؓ نے اپنے بارہ میں یہ بتایا تھا کہ وَلَمْ اُهْلِلْ اِلَّا بِعُمْرَةٍ (یعنی میں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا) لہٰذا اس ظاہری تضاد کو دفع کرنے کے لئے یہ تاویل کی جائے گی کہ یہاں حضرت عائشہؓ کے الفاظ لانذکر الا الحج کی مراد یہ ہے کہ اس سفر سے ہمارے اصل مقصد حج تھا اور چونکہ حج کی تین قسمیں ہیں یعنی افراد، تمتع اور قران، اس لئے ہم میں سے بعض تو مفرد تھے اور بعض متمتع اور بعض قارن۔ میں نے تمتع کا قصد کیا تھا، چنانچہ میں نے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا مگر مکہ پہنچنے سے پہلے ہی میرے ایام شروع ہو گئے جس کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ عرفہ کا دن اور وقوف عرفات کا وقت آگیا اور اس طرح عمرہ کا وقت گزر کر ایام حج شروع ہو گئے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں عمرہ کا احرام تو کھول دوں اور حج کا احرام باندھ لوں اور پھر طواف اور سعی کے علاوہ دیگر افعال حج کروں۔

مشرکین کو طواف کعبہ کی ممانعت

⑬ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِیْ اَبُوْبَكْرٍ فِی الْحَجَّةِ الَّتِیْ اَمَّرَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ يَوْمَ النَّحْرِ فِیْ رَهْطٍ اَمَرَهٗ اَنْ يُّؤَذِّنَ فِی النَّاسِ اَلَا لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا يَطُوْفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے پہلے جس حج میں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو لوگوں کا امیر حج بنا کر بھیجا تھا اس حج میں نحر (قربانی) کے دن حضرت ابوبکرؓ نے مجھے بھی اس جماعت کے ساتھ بھیجا جس کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ یہ اعلان کر دے کہ "خبردار! اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔" (بخاری ومسلم)

تشریح: پہلے یہ بتایا جا چکا ہے کہ حج ۹ھ کے آخر میں فرض ہوا ہے آنحضرت ﷺ تو اس سال دیگر دینی امور میں مشغولیت کی وجہ سے خود حج کو تشریف نہ لے جا سکے بلکہ حضرت ابوبکرؓ کو قافلہ حجاج کا امیر بنا کر حج کے لئے روانہ کیا۔ یہ واقعہ حجۃ الوداع سے ایک سال پہلے کا ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب وہاں پہنچے تو ایک جماعت کو کہ جس میں حضرت ابوہریرہؓ بھی شامل تھے لوگوں کے پاس بھیجا اور اسے یہ حکم دیا کہ لوگوں میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ اس سال کے بعد آئندہ کوئی مشرک یعنی کافر بیت اللہ کا حج کرنے کے لئے نہ آئے کیونکہ حج کی سعادت عظمیٰ صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص کی گئی ہے اور انہوں نے یہ اعلان اس آیت کریمہ کے پیش نظر کرایا کہ:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔

"تمام مشرک نجس (ناپاک) ہیں لہٰذا کوئی بھی مشرک اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئے۔"

نیز حضرت ابوبکرؓ نے اس جماعت کو یہ اعلان کرنے کا بھی حکم دیا کہ "کوئی بھی شخص برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے" یہ تو معلوم ہی ہو گا کہ ایام جاہلیت میں لوگ برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ ہم خدا کی یہ عظیم الشان عبادت ان کپڑوں میں کس طرح کر سکتے ہیں جن میں دن رات گناہ کیا کرتے تھے چنانچہ اسلام نے اس لغویت کو بند کیا اور حکم دیا کہ آئندہ کوئی بھی اس غیر اخلاقی و انسانی اور سراسر جہالت آمیز حرکت کی جرأت نہ کرے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

خانۂ کعبہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھانے کا مسئلہ

⑭ عَنِ الْمُهَاجِرِ الْمَكِّيِّ قَالَ سُئِلَ جَابِرٌ عَنِ الرَّجُلِ يَرَى الْبَيْتَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فَقَالَ قَدْ حَجَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نَكُنْ نَفْعَلُهُ۔ (رواه الترمذی وابوداؤد)

"حضرت مہاجر مکی (تابعیؒ) کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ سے اس شخص کے بارہ میں پوچھا گیا جو خانہ کعبہ کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے (کہ آیا یہ مشروع ہے یا نہیں؟) تو حضرت جابرؓ نے کہا کہ جب ہم نے نبی کریم ﷺ کے ہمراہ حج کیا تو ایسا نہ کرتے تھے (یعنی خانہ کعبہ کو دیکھ کر دعا مانگنے کے لئے اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے)۔" (ترمذی وابوداؤد)

تشریح: زائر بیت اللہ، مکہ پہنچ کر جب مسجد حرام میں داخل ہوتا ہے، وہ خانہ کعبہ کو دیکھتے ہی دعا مانگتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس لئے مسئلہ یہ ہے کہ کعبۂ مقدس کے جمال دلربا پر نظر پڑتے ہی جو کچھ دل چاہے اپنے پروردگار سے مانگ لیا جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس وقت دعا مانگتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ بھی اٹھائے جائیں یا نہیں؟ چنانچہ یہ حدیث اس کا انکار کر رہی ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ خانہ کعبہ کو دیکھ کر دعا مانگنے والا اپنے ہاتھ نہ اٹھائے، جب کہ حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ خانہ کعبہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھائے جائیں اور دعا مانگی جائے۔ (طیبیؒ)۔

ملا علی قاریؒ نے مرقات میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک اس کے بر خلاف لکھا ہے، یعنی ان کی نقل کے مطابق ان دونوں ائمہ کے ہاں ہاتھ اٹھانا مشروع ہے لیکن انہیں ملا علی قاریؒ نے اپنی ایک اور کتاب "مناسک" میں اس کو مکروہ لکھا ہے اگرچہ بعض علماء سے اس کا جواز بھی نقل کیا ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور و معتمد کتاب "ہدایہ" اور در مختار سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ اس موقع پر ہاتھ نہ اٹھانا چاہئے۔

سعی کے دوران صفا سے کعبہ کو دیکھنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

⑮ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ مَكَّةَ فَاَقْبَلَ اِلَى الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ اَتَى الصَّفَا فَعَلَاهُ حَتّٰى يَنْظُرَ اِلَى الْبَيْتِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَذْكُرُ اللّٰهَ مَا شَاءَ وَيَدْعُوْ۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب (حج و عمرہ کے لئے) تشریف لائے اور مکہ میں داخل ہوئے تو حجر اسود کے پاس گئے اور اس کو بوسہ دیا، پھر خانہ کعبہ کا طواف کیا اس کے بعد (نماز طواف پڑھ کر صفا کی طرف آئے اور اس پر چڑھے یہاں تک کہ جب خانہ کعبہ کی طرف نظر اٹھائی تو (دعا کے لئے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جس قدر چاہا اللہ کا ذکر (یعنی تکبیر و تہلیل) کرتے رہے اور دعا مانگتے رہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: سعی کے وقت جب صفا پر چڑھا جائے تو وہاں بیت اللہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا چاہئے اور پھر تکبیر و تہلیل کرنے اور درود پڑھنے کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی چاہئے۔

کبھی یہ طریقہ رہا ہوگا اور شاید اب بھی ہو کہ بعض لوگ اس موقع پر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے ہیں جیسا کہ نماز میں تکبیر کے ساتھ رفع یدین کیا جاتا ہے، خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے یہ ایک غیر مشروع و غیر مسنون طریقہ ہے۔

نماز و طواف میں مماثلت

⑯ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلٰوةِ اِلَّا اَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ

فَمَنْ تَکَلَّمَ فِیْهِ فَلَا یَتَکَلَّمَنَّ اِلَّا بِخَیْرٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَذَکَرَ التِّرْمِذِیُّ جَمَاعَةً وَقَفُوْهُ عَلَی ابْنِ عَبَّاسٍ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنا نماز کی مانند ہے اگرچہ تم اس میں کلام کرتے ہو، لہٰذا جو شخص طواف میں کلام کرے تو وہ (لغو ولایعنی اور غیر پسندیدہ کلام نہ ہو بلکہ) نیک کلام ہی کرے۔ (ترمذیؒ، نسائیؒ، دارمیؒ) اور امام ترمذیؒ نے ذکر کیا ہے کہ کچھ لوگ اس روایت کو حضرت ابن عباسؓ پر موقوف کرتے ہیں (یعنی یہ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے)۔"

تشریح: نماز و طواف میں مماثلت کا تعلق ثواب سے ہے کہ جیسے نماز کا ثواب بہت زیادہ ہے ویسے ہی خانۂ کعبہ کا طواف بھی کثیر ثواب حاصل ہے۔ البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ جس طرح نماز میں بات چیت اور کلام مفسد ہے۔ اس طرح طواف میں کلام مفسد نہیں ہے۔ لہٰذا حدیث کی مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ کلام اور جو چیزیں کہ کلام کے حکم میں آتی ہیں جیسے کھانا پینا اور افعال کثیرہ وغیرہ طواف کے لئے مفسد نہیں ہیں۔

حدیث کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ نماز اور طواف دونوں یکساں ہیں کیونکہ ایک فرق تو خود حدیث نے بتادیا ہے اس کے علاوہ بھی بعض چیزیں ایسی ہیں جو دونوں کے ظاہری فرق کو واضح کرتی ہیں، مثلاً آنحضرت ﷺ کے عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ جس طرح نماز میں استقبال قبلہ اور وقت شرط ہے اسی طرح طواف میں قبلہ رو ہونا اور کسی خاص وقت کا تعین ہونا شرط نہیں ہے۔

اسی طرح نماز کی اور شرطیں جیسے طہارت حقیقیہ اور حکمیہ اور ستر کا چھپا ہونا، اگرچہ امام شافعیؒ کے نزدیک طواف کے لئے اسی درجہ میں ہیں جس درجہ میں نماز کے لئے ہیں یعنی جس طرح یہ چیزیں نماز کی شرائط میں سے ہیں کہ ان کے بغیر نماز ادا ہی نہیں ہوتی اسی طرح طواف کے لئے بھی شرط ہیں لیکن حنفیہ کے ہاں یہ چیزیں طواف کے لئے صرف واجب کے درجہ میں ہیں شرط نہیں۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ "طواف کرنا نماز کی مانند ہے" سے یہ لازم نہیں آتا کہ طواف بعینہٖ نماز کے درجہ کا عمل ہو جائے، بلکہ طواف کو نماز کی مانند کہنا خود اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ نماز طواف سے افضل ہے۔

حجر اسود کی حقیقت و ماہیت

⑰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ اَشَدُّ بَیَاضًا مِنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَایَا بَنِیْ اٰدَمَ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا حجر اسود بہشت سے اترا ہے یہ پتھر (پہلے) دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا مگر ابن آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے۔ (احمدؒ، ترمذیؒ) نیز امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: وہ مقدس پتھر جسے آج حجر اسود (کالا پتھر) کہا جاتا ہے جب جنت سے اتر کر ظلم و جہل سے معمور اس دنیا میں آیا اور دنیا کے گنہ گار باسیوں نے اس کو چھونا اور اس کو ہاتھ لگانا شروع کیا تو ان کے گناہوں کی تاثیر نے اس کا رنگ بدل دیا اور وہ پتھر جو دودھ سے زیادہ سفید تھا انسانوں کے گناہوں سے سیاہ ہو گیا۔

اب غور کیجئے جب پتھر پر انسان کے گناہوں کا یہ اثر ہو سکتا ہے تو خود انسان کے قلوب پر ان گناہوں کا کیا اثر ہوتا ہوگا۔ معاذ اللہ۔

قیامت کے دن حجر اسود کی گواہی

⑱ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْحَجَرِ وَاللّٰهِ لَیَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لَهٗ عَیْنَانِ یُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ یَنْطِقُ بِهٖ یَشْهَدُ عَلٰی مَنِ اسْتَلَمَهٗ بِحَقٍّ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حجر اسود کے بارہ میں فرمایا کہ "خدا کی قسم! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا، پھر اس کو دو آنکھیں دی جائیں گی جن کے ذریعہ وہ دیکھے گا اور اس کو زبان دی جائے گی جس کے ذریعہ وہ بولے گا، چنانچہ وہ اس شخص کے حق میں گواہی دے گا جس نے حق کے ساتھ اس کو بوسہ دیا ہو گا۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: "جس نے حق کے ساتھ اس کو بوسہ دیا ہو گا" کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے ایمان، صدق اور یقین کے ساتھ اور محض طلب ثواب کی خاطر حجر اسود کو بوسہ دیا ہو گا قیامت میں وہ اس شخص کے بارہ میں گواہی دے گا کہ اس شخص نے مجھے بوسہ دیا تھا۔

یہ حدیث بھی اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے، اس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کہ قیامت کے دن حجر اسود کو بالکل اسی طرح آنکھیں اور زبان عطا ہوں گی جس طرح ہم انسانوں کو عطا کی گئی ہیں کیونکہ اللہ رب العزت جمادات میں بینائی اور گویائی پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ اگر خون و گوشت کے ایک لوتھڑے کو دیکھنے اور بولنے کی قوت دے سکتا ہے تو اسی طرح ایک پتھر کو بھی دیکھنے اور بولنے پر قادر کر سکتا ہے۔

حجر اسود اور مقام ابراہیم جنّت کے یاقوت ہیں

(۱۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الرُّكْنَ وَالْمَقَامَ يَاقُوْتَتَانِ مِنْ يَّاقُوْتِ الْجَنَّةِ طَمَسَ اللّٰهُ نُوْرَهُمَا وَلَوْ لَمْ يَطْمِسْ نُوْرَهُمَا لَاَضَاءَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے سناسرکار دو عالم ﷺ فرماتے تھے۔ حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا نور اٹھالیا ہے (تاکہ ایمان بالغیب رہے) اگر ان کا نور باقی رہتا تو اس میں شک نہیں کہ مشرق و مغرب کے درمیان ساری چیزوں کو روشن کر دیتا۔" (ترمذیؒ)

استلام حجر اسود اور طواف کی فضیلت

(۲۰) وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُزَاحِمُ عَلَى الرُّكْنَيْنِ زِحَامًا مَا رَاَيْتُ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُزَاحِمُ عَلَيْهِ قَالَ اِنْ اَفْعَلْ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ مَسْحَهُمَا كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ اُسْبُوْعًا فَاَحْصَاهُ كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ لَا يَضَعُ قَدَمًا وَلَا يَرْفَعُ اُخْرٰى اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً وَكَتَبَ لَهُ بِهَا حَسَنَةً۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت عبید ابن عمیرؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ دونوں رکن یعنی حجر اسود اور رکن یمانی کو ہاتھ لگانے میں لوگوں پر جس طرح سبقت حاصل کرتے تھے اس طرح میں نے رسول کریم ﷺ کے کسی بھی صحابیؓ کو (ان دونوں رکن میں سے) کسی پر سبقت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، نیز حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر میں سبقت حاصل کرنے کی کوشش کروں تو مجھے مت روکو، کیونکہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ان دونوں رکن کو ہاتھ لگانا گناہوں کے لئے کفارہ ہے" اور میں نے آپ ﷺ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرے اور اس کی محافظت کرے (یعنی طواف کے واجبات و سنن اور آداب بجا لائے) تو اس کا ثواب غلام آزاد کرنے کے ثواب کے برابر ہے" نیز میں نے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے۔ (طواف کرتے وقت) جب بھی کوئی قدم رکھتا ہے اور پھر اسے اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ قدم رکھنے کے عوض تو اس کا گناہ ختم کرتا ہے اور قدم اٹھانے کے عوض اس کے لئے نیکی لکھتا ہے (یعنی طواف کرنے والے کا جب قدم رکھا جاتا ہے تو اس سے گناہ دور کر دیا جاتا ہے اور جب قدم اٹھتا ہے تو اس کی نیکیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، اس طرح پورے طواف میں اس کے گناہ ختم ہوتے رہتے ہیں اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے)۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "سبقت حاصل کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ حجر اسود اور رکن یمانی کے استلام کے لئے لوگوں کے ہجوم کو چیر پھاڑ کر آگے

بڑھنے اور ان دونوں رکن کو ہاتھ لگاتے، لیکن ان کی یہ سبقت اس طرح ہوتی تھی کہ لوگوں کو کوئی ایذا نہیں پہنچتی تھی، چنانچہ اگر کوئی شخص استلام کے لئے لوگوں کو دھکیلتا، گراتا ان دونوں رکن تک پہنچے اور لوگ اس کی وجہ سے ایذاء محسوس کریں تو وہ گنہ گار ہوگا، لہٰذا ہجوم کی صورت میں ہاتھ کے ذریعہ دور سے اشارہ کر لینے ہی پر اکتفا کر لینا چاہئے۔

"سات مرتبہ طواف کرنے" میں تین احتمال ہیں ایک تو یہ کہ سات شوط کرے یعنی خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگائے اور یہ معلوم ہی ہے کہ سات شوط (چکر) کا ایک طواف ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ سات طواف کرے اور تیسرے یہ کہ سات روز تک طواف کرے۔

حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان آپ ﷺ کی دعا

(۲۱) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن سائب کہتے ہیں کہ میں نے سنا، رسول کریم ﷺ دونوں رکن یعنی حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان یہ (دعا) پڑھتے تھے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (ابوداؤد) اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

سعی کا حکم

(۲۲) وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ اَخْبَرَتْنِي بِنْتُ اَبِي تُجْرَاةَ قَالَتْ دَخَلْتُ مَعَ نِسْوَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ دَارَ اٰلِ اَبِي حُسَيْنٍ نَنْظُرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَرَاَيْتُهٗ يَسْعٰى وَاِنَّ مِئْزَرَهٗ لَيَدُوْرُ مِنْ شِدَّةِ السَّعْيِ وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اسْعَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ۔ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوٰى اَحْمَدُ مَعَ اخْتِلَافٍ۔

"اور حضرت صفیہ بنت شیبہ کہتی ہیں کہ ابو تجراۃ کی بیٹی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں قریش کی عورتوں کے ساتھ آل ابو حسین کے گھر گئی تاکہ ہم رسول اللہ ﷺ کو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے دیکھیں (اور اس طرح ہم آپ ﷺ کے جمال باکمال سے مشرف اور آپ ﷺ کے عمل و برکت سے مستفید ہوں) چنانچہ میں نے آپ ﷺ کو صفا و مروہ کے درمیان اس طرح سعی کرتے ہوئے دیکھا کہ آپ ﷺ کا تہ بند سعی (دوڑنے) میں تیزی کی وجہ سے (آپ ﷺ کے پیروں کے گرد) گھوم رہا تھا، نیز میں نے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ "سب لوگ سعی کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سعی کو لکھ دیا ہے" (شرح السنۃ) اس روایت کو احمدؒ نے بھی کمی بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے۔"

تشریح: پہلے بتایا جا چکا ہے کہ صفا و مروہ پہاڑیوں کے درمیان سات مرتبہ چکر لگانے کو سعی کہتے ہیں جو حج کا ایک اہم رکن ہے صفا اور مروہ کی پہاڑیاں اب باقی نہیں رہی ہیں دونوں کٹ کٹا کر ختم ہو گئی ہیں صرف ان کی جگہیں متعین ہیں جہاں چند سیڑھیاں بنا دی گئی ہیں، دونوں میں آپس کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کا ہے۔ یہ بھی پہلے بتایا جا چکا ہے یہ "سعی" در حقیقت حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی اس بھاگ دوڑ اور اضطراب کی یادگار ہے جس میں وہ اپنے شیر خوار بچے حضرت اسمٰعیلؑ کی پیاس بجھانے کے لئے پانی کی تلاش میں ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان مبتلا ہوئی تھیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمزم شریف پیدا فرمایا تھا، اسلام سے قبل عربوں نے ان دونوں پہاڑیوں پر ایک ایک بت رکھ دیا تھا صفا کے بت کا نام "اساف" تھا اور مروہ کے بت کا نام "نائلہ" تھا۔ صفائی پہاڑی جبل ابوقبیس کے دامن میں تھی وہیں سے سعی شروع کی جاتی ہے، صفا اور مروہ کے درمیان وہ راستہ جس پر سعی کی جاتی ہے اور جسے مسعیٰ کہتے ہیں بیت اللہ کے مشرقی جانب ہے، یہ پہلے مسجد حرام سے باہر تھا، اب اس کے ساتھ ہی شامل کر دیا گیا ہے۔

حدیث کے الفاظ فان اللہ کتب علیکم السعی کے معنی حضرت شافعیؒ تو یہ مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی کو فرض کیا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک صفا و مروہ کے درمیان سعی فرض ہے اگر کوئی شخص سعی نہیں کرے گا تو اس کا حج باطل ہو جائے گا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں چونکہ سعی فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے اس لئے وہ اس جملہ کے یہ معنی مراد لیتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی کو واجب کیا ہے" حنفی مسلک کے مطابق اگر کوئی شخص سعی ترک کرے تو اس پر دم یعنی دنبہ وغیرہ ذبح کرنا واجب ہو جاتا ہے حج باطل نہیں ہوتا۔

پیادہ پا سعی کرنا واجب ہے

(۲۳) وَعَنْ قُدَامَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَلٰى بَعِيْرٍ لَا ضَرْبَ وَلَا طَرْدَ وَلَا اِلَيْكَ اِلَيْكَ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

"اور حضرت قدامہؓ ابن عبداللہ ابن عمار کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو صفا و مروہ کے درمیان اونٹ پر (سوار ہو کر) سعی کرتے دیکھا ہے (اور اس وقت) نہ مارنا تھا نہ ہانکنا تھا اور نہ ہٹو بچو کی آوازیں تھیں۔" (شرح السنۃ)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر سعی کی جب کہ اوپر کی حدیث اور بعض دوسری احادیث سے یہ ثابت ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے پیادہ پا سعی کی ہے۔ لہٰذا احادیث کے اس تضاد کو یوں ختم کیا جائے کہ کسی سعی میں تو آپ ﷺ پیادہ پا تھے اور کسی وقت آپ ﷺ نے تعلیم امت کی خاطر یا کسی عذر کی وجہ سے اونٹ پر سوار ہو کر سعی کی چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق بشرط قدرت پیادہ پا سعی کرنا واجب ہے اگر کوئی شخص بلا عذر سواری وغیرہ پر سعی کرے گا تو اس پر دم (جانور ذبح کرنا) واجب ہوگا۔

حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ اونٹ پر سوار ہو کر سعی کر رہے تھے تو اس وقت اپنا راستہ صاف کرنے کے لئے اور اظہار شان کی خاطر نہ تو کسی کو مارتے دھکیلتے تھے اور نہ ہاتھ وغیرہ سے کسی کو ہٹاتے تھے اور نہ ہی ہٹو بچو کی ہانک لگاتے تھے جیسا کہ امراء و سلاطین اور حکام نیز ظالم و مغرور لوگوں کی عادت ہے، گویا اس جملہ کے ذریعہ ایسے لوگوں کو غیرت دلانا اور ان پر طعن مقصود ہے جو اس قسم کی حرکت کرتے ہیں۔

طواف میں اضطباع

(۲۴) وَعَنْ يَعْلَى ابْنِ اُمَيَّةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ مُضْطَبِعًا بِبُرْدٍ اَخْضَرَ۔
(رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت یعلی ابن امیہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس حالت میں طواف کیا کہ آپ ﷺ سبز (دھاریوں والی) چادر کے ذریعہ اضطباع کئے ہوئے تھے۔" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: پہلے بتایا جا چکا ہے کہ چادر کو اس طرح اوڑھنا کہ اسے دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کاندھے پر ڈال لیا جائے "اضطباع" کہلاتا ہے۔ طواف کے وقت اس طرح چادر اوڑھنے کی وجہ بھی پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

طواف میں اضطباع سنت ہے

(۲۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهُ اِعْتَمَرُوْا مِنَ الْجِعْرَّانَةِ فَرَمَلُوْا بِالْبَيْتِ ثَلَاثًا وَجَعَلُوْا اَرْدِيَتَهُمْ تَحْتَ اٰبَاطِهِمْ ثُمَّ قَذَفُوْهَا عَلٰى عَوَاتِقِهِمُ الْيُسْرٰى۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے جعرانہ سے (کہ جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) عمرہ کیا، چنانچہ سب نے خانہ کعبہ کے طواف کے (پہلے) تین پھیروں میں رمل کیا نیز انہوں نے (طواف میں) اپنی چادروں کو (دائیں) بغل کے نیچے سے نکال کر اپنے بائیں کاندھوں پر ڈال لیا تھا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اضطباع پورے طواف میں سُنّت ہے جب کہ رمل یعنی تیز اور اکڑ کر چلنا طواف کے پہلے دو تین پھیروں میں ہوتا ہے اتنی بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ "اضطباع" صرف طواف کے وقت ہی مستحب ہے، طواف کے علاوہ اوقات میں مستحب نہیں ہے، نیز بعض لوگ جو ابتداء احرام ہی سے اضطباع اختیار کر لیتے ہیں اس کی بھی کوئی اصل نہیں بلکہ نماز کی حالت میں یہ مکروہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

استلام حجر اسود و رکن یمانی کی اہمیت

(۲۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَاتَرَكْنَا اسْتِلَامَ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَ وَالْحَجَرِ فِي شِدَّةٍ وَلَا رَخَاءٍ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُمَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ نَافِعٌ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَسْتَلِمُ الْحَجَرَ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَبَّلَ يَدَهٗ وَقَالَ مَاتَرَكْتُهٗ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ۔

"حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول کریم ﷺ کو دونوں رکن استلام کرتے دیکھا ہے ہم نے ان دونوں رکن یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کا استلام نہ کبھی بھیڑ میں چھوڑا ہے اور نہ چھیڑ میں (یعنی کسی حال میں بھی ہم نے اس سعادت کو ترک نہیں کیا ہے)۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) نیز بخاریؒ و مسلمؒ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت نافعؒ نے کہا "میں نے حضرت ابن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ حجر اسود کو ہاتھ سے چھوتے اور پھر اس ہاتھ کو چومتے اور فرماتے کہ جب سے میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ کرتے ہوئے دیکھا ہے میں نے کبھی اس کو ترک نہیں کیا۔"

بسبب عذر سوار ہو کر طواف کرنا جائز ہے

(۲۷) وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِّي اَشْتَكِي فَقَالَ طُوْفِي مِنْ وَّرَاءِ النَّاسِ وَاَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ اِلٰى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت اُمّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں نے (حج کے دنوں میں) رسول کریم ﷺ سے شکایت کی (کہ میں بیمار ہوں جس کی وجہ سے پیادہ پا طواف نہیں کر سکتی) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم لوگوں سے ایک طرف ہو کر سواری پر طواف کر لو۔ چنانچہ میں نے اسی طرح طواف کیا، اور (میں نے اس دوران دیکھا کہ) رسول کریم ﷺ بیت اللہ کے پہلو میں (یعنی خانہ کعبہ کی دیوار سے متصل) نماز پڑھ رہے تھے اور نماز میں والطور و کتاب مسطور کی قرأت فرما رہے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: سورۂ طور آپ ﷺ نے ایک رکعت میں پڑھی ہوگی اور دوسری رکعت میں کوئی اور سورہ پڑھی ہوگی جیسا کہ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی۔ یا یہ کہ سورۂ طور کو دونوں ہی رکعتوں میں پڑھا ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی عذر کی بناء پر بیت اللہ کا طواف سوار ہو کر کرنا جائز ہے بلا عذر جائز نہیں ہے کیونکہ پیادہ پا طواف کرنا واجب ہے۔

بوسہ دیتے ہوئے حجر اسود سے حضرت عمرؓ کا خطاب

(۲۸) وَعَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ مَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْ لَا اَنِّيْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عابس ابن ربیعہؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت عمر فاروقؓ حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے اور (اس کے سامنے) یہ فرماتے تھے کہ اس میں کوئی شک نہیں، میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اگر میں رسول کریم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں کبھی بھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد اس اعتقادی و عملی گمراہی کو روکنے کے لئے تھا کہ کہیں بعض نومسلم اس پتھر کو پوجنے ہی نہ لگیں، چنانچہ اس ارشاد سے آپ کی مراد یہی تھی کہ یہ پتھر بذات خود نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی کو نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے، اگر اس کی ذات سے کوئی نفع پہنچتا ہے تو صرف اسی حد تک کہ رسول کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں اس کو چومنے سے ثواب ملتا ہے۔

رکن یمانی پر دعا اور وہاں متعین فرشتوں کی آمین

(۲۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وُكِّلَ بِهٖ سَبْعُوْنَ مَلَكًا يَعْنِي الرُّكْنَ الْيَمَانِيَّ فَمَنْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالُوْا اٰمِيْنَ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "وہاں یعنی رکن یمانی پر ستر فرشتے متعین ہیں، چنانچہ جو شخص (وہاں) یہ دعا پڑھتا ہے، فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ دعا یہ ہے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (ابن ماجہ) اے اللہ! میں تجھ سے گناہوں کی معافی اور دنیا و آخرت میں عافیت مانگتا ہوں، اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔"

تشریح: رکن یمانی کی جب یہ فضیلت ہے تو حجر اسود کی فضیلت تو اس سے بھی زائد ہوگی لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ فضیلت و امتیاز صرف رکن یمانی ہی کے ساتھ مختص ہو اور حجر اسود کے لئے اس سے زائد دوسری فضیلتیں ہوں۔ اس حدیث میں اور حدیث نمبر اکیس میں کہ جس میں یہ ذکر ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان ربنا اتنا الخ پڑھتے تھے، کوئی منافات و تضاد نہیں ہے بایں طور کہ جب آپ ﷺ طواف کے دوران رکن یمانی کی طرف پہنچتے اور چلتے ہوئے یہ دعا شروع کرتے تو ظاہر ہے کہ اس دعا کا پڑھنا رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ہی ہوتا ہوگا کیونکہ طواف کرتے ہوئے دعا کے لئے ٹھہرنا تو درست نہیں ہے۔ چنانچہ جو لوگ طواف کے دوران ٹھہر کر دعا پڑھتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔

طواف کی حالت میں تسبیح و تہلیل وغیرہ کی فضیلت

(۳۰) وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَّلَا يَتَكَلَّمُ اِلَّا بِسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَكُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَرُفِعَ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَمَنْ طَافَ فَتَكَلَّمَ وَهُوَ فِيْ تِلْكَ الْحَالِ خَاضَ فِي الرَّحْمَةِ بِرِجْلَيْهِ كَخَائِضِ الْمَاءِ بِرِجْلَيْهِ۔ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرے اور (طواف کے دوران) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کے علاوہ اور کوئی کلام نہ کرے تو اس کے دس گناہ

محو کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں، اور جو شخص طواف کرے اور اس (طواف کرنے کی) حالت میں کلام کرے تو وہ اپنے دونوں پاؤں کے ساتھ دریائے رحمت میں اسی طرح داخل ہوتا ہے جس طرح کوئی اپنے پاؤں کے ساتھ پانی میں داخل ہوتا ہے۔" (ابن ماجہ)

تشریح: حدیث کے پہلے جز کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص طواف کی حالت میں تسبیح و تکبیر اور تہلیل وغیرہ میں مشغول رہتا ہے اس کے گناہ دور ہوتے رہتے ہیں اس کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس کے درجات میں بلندی عطا فرمائی جاتی ہے۔

دوسرا جزو "اور جو شخص طواف کرے اور اسی حالت میں کلام کرے" در حقیقت پہلے ہی جزو کی تکرار ہے اور "اس حالت میں کلام کرے" میں کلام سے مراد تسبیح و تکبیر وغیرہ کے مذکورہ بالا کلمات پڑھنا ہیں، دوبارہ اس بات کو اس لئے ذکر کیا گیا ہے، تاکہ طواف کی حالت میں ان کلمات کا مزید ثواب بیان کیا جائے کہ ایک ثواب تو وہ ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے اور ایک ثواب یہ ہے۔ لیکن علماء یہ بھی لکھتے ہیں کہ حدیث کے اس دوسرے جزء میں "کلام" سے مراد تسبیح و تکبیر وغیرہ کے مذکورہ بالا کلمات کے علاوہ دوسرے قسم کے اذکار اور اولیاء کرام و مشائخ عظام کے منقولات و ارشادات وغیرہ ہیں۔

بَابُ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ

وقوف عرفات کا بیان

"عرفہ" ایک مخصوص جگہ کا نام ہے اور یہ زمان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے بایں طور کہ نویں ذی الحجہ کو عرفہ کا دن کہتے ہیں۔ لیکن "عرفات" جمع کے لفظ کے ساتھ صرف اس مخصوص جگہ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ جمع اطراف وجوانب کے اعتبار سے ہے۔

"عرفات" مکہ مکرمہ سے تقریباً ساڑھے پندرہ میل (پچیس کلومیٹر) کے فاصلہ پر واقع ہے یہ ایک وسیع وادی یا میدان ہے جو اپنے تین طرف سے پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے، درمیان میں اس کے شمالی جانب جبل الرحمۃ ہے۔

عرفات کی وجہ تسمیہ کے متعلق بہت اقوال ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حواءؑ جب جنت سے اتر کر اس دنیا میں آئے تو وہ دونوں سب سے پہلے اسی جگہ ملے۔ اس تعارف کی مناسبت سے اس کا نام عرفہ پڑ گیا ہے اور یہ جگہ عرفات کہلائی۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب اس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو افعال حج کی تعلیم دے رہے تھے تو وہ اس دوران ان سے پوچھتے کہ عرفت (یعنی جو تعلیم میں نے دی ہے) تم نے اسے جان لیا؟ حضرت ابراہیمؑ جواب میں کہتے عرفت (ہاں میں نے جان لیا) اور آخر کار دونوں کے سوال و جواب میں اس کلمہ کا استعمال اس جگہ کی وجہ تسمیہ بن گیا۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

وقوف عرفات یعنی نویں ذی الحجہ کو ہر حاجی کا میدان عرفات میں پہنچنا اس کی ادائیگی حج کے سلسلہ میں ایک سب سے بڑا رکن ہے جس کے بغیر حج نہیں ہوتا، چنانچہ حج کے دو رکنوں یعنی طواف الافاضہ اور وقوف عرفات میں وقوف عرفات چونکہ حج کا سب سے بڑا رکن ہے اس لئے اگر یہ ترک ہو گیا تو حج ہی نہیں ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عرفہ کے دن تکبیر و تلبیہ کا مسئلہ

① عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ الثَّقَفِيِّ اَنَّهُ سَأَلَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَهُمَا غَادِيَانِ مِنْ مِنًى اِلٰى عَرَفَةَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ مِنَّا فَلَا يُنْكَرُ

عَلَیْهِ۔ (متفق علیہ)

"حضرت محمد بن ابوبکر ثقفی (تابعیؒ) کے بارہ میں منقول ہے انہوں نے حضرت انسؓ سے پوچھا جب کہ وہ دونوں صبح کے وقت منیٰ سے عرفات جا رہے تھے، کہ آپ لوگ رسول کریم ﷺ کے ساتھ اس (عرفہ کے) دن کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ "ہم میں سے لبیک کہنے والا لبیک کہا کرتا تھا اور اس کو اس سے منع نہیں کیا جاتا تھا اور تکبیر کہنے والا تکبیر کہا کرتا تھا اور اس کو اس سے منع نہیں کیا جاتا تھا۔"
(بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ عرفہ کے دن حاجیوں کو تکبیر کہنی جائز تو ہے جیسا کہ اور اذکار جائز ہیں لیکن سُنت نہیں ہے بلکہ اس دن ان کے لئے سُنت تلبیہ میں مصروف رہنا ہے جب تک کہ وہ جمرۂ عقبہ کی رمی سے فارغ نہ ہو جائیں۔

یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ عرفہ کی صبح سے ایام تشریق کے آخر یعنی ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ کی عصر تک ہر فرض نماز پڑھنے والے کے لئے خواہ حج میں ہو یا حج کے علاوہ ہو تکبیر کہنی واجب ہے۔

منیٰ میں قربانی اور عرفات و مزدلفہ میں وقوف کی جگہ

(۴) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ فَانْحَرُوْا فِي رِحَالِكُمْ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں نے تو اس جگہ قربانی کی ہے ویسے منیٰ میں ہر جگہ قربان گاہ ہے لہٰذا تم اپنے ڈیروں میں قربانی کرو اور میں نے تو اس جگہ وقوف کیا ہے ویسے عرفات میں ہر جگہ موقف ہے اور میں نے تو اس جگہ وقوف کیا ہے ویسے مزدلفہ کی ہر جگہ موقف ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "اس جگہ" سے آنحضرت ﷺ نے منیٰ کی اس خاص جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں آپ ﷺ نے قربانی کی، چنانچہ یہ جگہ "منحر النبی" (نبی کریم ﷺ کے قربانی کرنے کی جگہ) کہی جاتی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے اس جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے تو یہاں قربانی کی ہے ویسے منیٰ میں کسی بھی جگہ قربانی کی جا سکتی ہے کیونکہ وہاں ہر جگہ قربانی کرنا سُنت ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے عرفات میں اپنے وقوف کی جگہ اشارہ کر کے فرمایا کہ میں تو عرفات میں اس جگہ ٹھہرا ہوں ویسے عرفات کی جگہ سوائے وادی عرفہ کے وقوف کیا جا سکتا ہے۔

مزدلفہ کو "جمع" بھی کہتے ہیں چنانچہ آپ ﷺ نے یہاں کے بارہ میں اپنے وقوف کے جگہ کی طرف کہ جو مشعر حرام کے قریب ہے اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے تو یہاں وقوف کیا ہے ویسے مزدلفہ میں کسی بھی جگہ علاوہ وادی محسر کے وقوف کیا جا سکتا ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ منیٰ میں کسی بھی جگہ قربانی کی جا سکتی ہے، عرفات اور مزدلفہ میں کسی بھی جگہ علاوہ وادی عرفہ اور وادی محسر کے وقوف کیا جا سکتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جس جگہ قربانی کی ہے، جس جگہ وقوف کیا ہے، اسی جگہ قربانی کرنا یا وقوف کرنا بہر حال افضل ہے۔

عرفہ کے دن کی فضیلت

(۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ يَوْمٍ اَكْثَرَ مِنْ اَنْ يُعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَاِنَّهُ لَيَدْنُوْ ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ فَيَقُوْلُ مَا اَرَادَ هٰؤُلَاءِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ بندہ کو عرفہ کے دن سے زیادہ آگ سے

آزاد کرتا ہو (یعنی اس عرفہ کے دن عرفات میں اللہ تعالیٰ سب دنوں سے زیادہ بندوں کو آگ سے نجات اور رستگاری کا پروانہ عطا فرماتا ہے) اور بلاشبہ (اس دن) اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت و مغفرت کے ساتھ) بندوں کے قریب ہوتا ہے پھر فرشتوں کے سامنے حج کرنے والوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ (یہ جو کچھ بھی چاہتے ہیں) میں انہیں وہ دوں گا۔" (مسلم)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

امام کے موقف سے بُعد میں کوئی مضائقہ نہیں

④ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ خَالٍ لَهُ يَزِيْدُ ابْنُ شَيْبَانَ قَالَ كُنَّا فِيْ مَوْقِفٍ لَنَا بِعَرَفَةَ يُبَاعِدُهُ عَمْرٌو مِنْ مَوْقِفِ الْإِمَامِ جِدًّا فَأَتَانَا ابْنُ مِرْبَعٍ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ إِنِّي رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكُمْ يَقُوْلُ لَكُمْ قِفُوْا عَلٰى مَشَاعِرِكُمْ فَإِنَّكُمْ عَلٰى إِرْثٍ مِنْ إِرْثِ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

"حضرت عمرو بن عبداللہ بن صفوان (تابعی) اپنے ماموں سے کہ جن کا نام یزید ابن شیبان تھا، نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "ہم میدان عرفات میں اس جگہ پر ٹھہرے ہوئے تھے جو ہمارے لئے متعین تھی" اور عمرو اس جگہ کو امام کے موقف (ٹھہرنے کی جگہ) سے بہت دور بیان کرتے تھے، چنانچہ ابن مربع الانصاری ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں رسول کریم ﷺ کا ایلچی بن کر تمہارے پاس آیا ہوں اور آنحضرت ﷺ کا تمہارے لئے یہ پیغام ہے کہ تم لوگ اپنے مشاعر (یعنی اپنی عبادت کی جگہ) ٹھہرے رہو کیونکہ تم اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث (کی پیروی) پر قائم ہو" (ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: عرب میں زمانہ اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ میدان عرفات میں ہر قبیلہ اور ہر قوم کے لئے الگ الگ ایک جگہ موقف کے لئے متعین ہوتی تھی، ہر شخص اسی جگہ وقوف کرتا جو اس کی قوم کے لئے متعین ہوتی، چنانچہ حضرت یزید بن شیبان کے قبیلہ کا موقف جس جگہ تھا وہ جگہ اس مقام سے بہت دور تھی جہاں آنحضرت ﷺ نے وقوف فرمایا تھا، لہٰذا حدیث "امام کے موقف" سے مراد آنحضرت ﷺ کا موقف ہے۔

بہرکیف میدان عرفات میں آنحضرت ﷺ سے اس دوری اور بعد کی بنا پر یزید بن شیبانؒ نے چاہا کہ آنحضرت ﷺ سے یہ عرض کریں کہ آپ ﷺ ہمیں بھی اپنے قریب ہی وقوف کرنے کی اجازت عطا فرمائیں۔ آنحضرت ﷺ نے جب یہ محسوس کیا کہ یہ اس بات کی درخواست کرنے والے ہیں تو آپ ﷺ نے ایک صحابیؓ کے ذریعہ کہ جن کا نام ابن مربع تھا یہ پیغام بھیجا کہ تم لوگ اپنے قدیمی موقف ہی پر وقوف کرو، چنانچہ حدیث میں "مشاعر" سے مراد ان کا قدیمی موقف ہے اور تم لوگ اپنے اس موقف سے جو تمہارے باپ دادا سے تمہارے لئے متعین چلا آرہا ہے منتقل ہونے کی خواہش نہ کرو، کیونکہ اول تو پورا میدان عرفات موقف ہے۔ دوسرے یہ کہ میدان عرفات میں امام کے موقف کی دوری یا نزدیکی سے کوئی فرق نہیں پڑتا پھر یہ کہ اگر ہر شخص یہی خواہش کرنے لگے کہ میں اپنے امام اور اپنے امیر کے قریب ہی وقوف کروں تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے یہ بات ان کی تسلی کے لئے کہلائی تاکہ آپس میں تنازع و اختلاف کی صورت پیدا نہ ہو جائے۔

حدود حرم میں ہر جگہ قربانی کی جاسکتی ہے

⑤ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ وَكُلُّ الْمُزْدَلِفَةِ مَوْقِفٌ وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيْقٌ وَمَنْحَرٌ۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا پورا میدان عرفات ٹھہرنے کی جگہ ہے، سارا منیٰ قربان گاہ ہے، سارا مزدلفہ

ٹھہرنے کی جگہ ہے اور مکہ کا ہر راستہ (اور اس کی ہر گلی) راستہ اور قربانی کی جگہ ہے۔" (ابوداؤدؒ، دارمیؒ)

تشریح: حدیث کے آخری کلمات کا مطلب یہ ہے کہ جس راستہ سے بھی مکہ میں جائیں درست ہے اور مکہ میں جس جگہ چاہیں قربانی کا جانور ذبح کریں جائز ہے کیونکہ قربانی کا جانور حرم میں ذبح کرنا چاہئے اور مکہ حرم میں واقع ہے، یہ اور بات ہے کہ قربانی کا جانور منیٰ ہی میں ذبح کرنے کا دستور بن گیا ہے کیونکہ قربانی کے دن کہ وہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے حاجی منیٰ میں ہوتے ہیں اس لئے اپنی قربانی بھی وہیں کرتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات بیان جواز کی خاطر ارشاد فرمائی ورنہ تو وہی جگہ افضل ہے جہاں آپ ﷺ نے وقوف فرمایا جہاں آپ ﷺ نے قربانی کا جانور ذبح کیا اور وہی راستہ افضل ہے جس سے آپ ﷺ مکہ آئے۔

آپ ﷺ نے خطبہ کس طرح ارشاد فرمایا؟

(۶) وَعَنْ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ عَرَفَةَ عَلٰى بَعِيْرٍ قَائِمًا فِي الرِّكَابَيْنِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت خالد بن ہوذہؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی کریم ﷺ عرفہ کے دن (میدان عرفات میں) اونٹ کے اوپر دونوں رکابوں پر کھڑے ہوئے لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: بلندی پر ہونے کے لئے آپ ﷺ رکابوں پر کھڑے ہوئے اور پھر آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا تاکہ دور و نزدیک کے بھی لوگ آپ ﷺ کا خطبہ سن سکیں۔

یوم عرفہ کی دعا

(۷) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَخَيْرُ مَا قُلْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى مَالِكٌ عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ اِلٰى قَوْلِهٖ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔

"اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (حضرت شعیبؒ) سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمروؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ سب سے بہتر دعا عرفہ کے دن کی ہے (خواہ وہ میدان عرفات میں مانگی جائے یا کسی بھی جگہ) اور ان کلمات میں کہ جو میں نے یا مجھ سے پہلے کے نبیوں نے (بطور دعا) پڑھے ہیں سب سے بہتر یہ کلمات ہیں: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا و تنہا ہے؟ اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے، نیز مالکؒ نے اس روایت کو طلحہ بن عبیداللہ سے الفاظ لَا شَرِيْكَ لَهٗ تک نقل کیا ہے۔"

یوم عرفہ شیطان کی سب سے زیادہ ذلت و خواری کا دن ہے

(۸) وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ كَرِيْزٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا رُئِيَ الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيْهِ اَصْغَرُ وَلَا اَدْحَرُ وَلَا اَحْقَرُ وَلَا اَغْيَظُ مِنْهُ فِيْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِمَا يَرٰى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللّٰهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ اِلَّا مَا رُئِيَ يَوْمَ بَدْرٍ فَقِيْلَ مَا رُئِيَ يَوْمَ بَدْرٍ؟ قَالَ فَاِنَّهٗ قَدْ رَاٰى جِبْرِيْلَ يَزَعُ الْمَلَائِكَةَ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ۔

"اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن کریز کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں شیطان کو اتنا زیادہ ذلیل ورراندہ اور اتنا زیادہ حقیر پرغیظ دیکھا گیا ہو جتنا کہ وہ عرفہ کے دن ہوتا ہے (یعنی یوں تو شیطان ہمیشہ ہی آدمیوں کو نیکیاں کرتا ہوا دیکھ کر پرغیظ و حقیر ہوتا ہے مگر عرفہ کے دن سب دنوں سے زیادہ پرغیظ بھی ہوتا ہے اور ذلیل وخوار بھی) اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ (اس دن ہر خاص وعام پر) اللہ کی نازل ہوتی ہوئی رحمت اور اس کی طرف سے بڑے بڑے گناہوں کی معافی دیکھتا ہے۔ ہاں بدر کے دن بھی شیطان کو ایسا ہی دیکھا گیا تھا (یعنی غزوۂ بدر کے دن جب مسلمانوں کو عزت اور اسلام کو شوکت حاصل ہوئی تو اس دن بھی شیطان عرفہ ہی کے دن کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ذلیل وخوار اور پرغیظ تھا) چنانچہ (بدر کے دن) شیطان نے دیکھا تھا کہ حضرت جبرئیل (مشرکین سے لڑنے کے لئے) فرشتوں کی صفوں کو ترتیب دے رہے تھے۔ اس روایت کو امام مالکؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے، نیز شرح السنۃ میں یہ روایت مصابیح کے الفاظ کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔"

یوم عرفہ کی فضیلت

(۹) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ یَوْمُ عَرَفَۃَ اِنَّ اللّٰہَ یَنْزِلُ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فَیُبَاھِیْ بِھِمُ الْمَلاَئِکَۃَ فَیَقُوْلُ اُنْظُرُوْا اِلٰی عِبَادِیْ اَتَوْنِیْ شُعْثًا غُبْرًا ضَاجِّیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ اُشْھِدُکُمْ اَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَھُمْ فَیَقُوْلُ الْمَلاَئِکَۃُ یَارَبِّ فُلاَنٌ کَانَ یُرْھَقُ وَفُلاَنٌ وَفُلاَنَۃٌ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ قَدْ غَفَرْتُ لَھُمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَا مِنْ یَوْمٍ اَکْثَرَ عَتِیْقًا مِنَ النَّارِ مِنْ یَوْمِ عَرَفَۃَ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے (یعنی رحمت اور احسان وکرم کے ساتھ قریب ہوتا ہے) اور پھر فرشتوں کے سامنے حاجیوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ذرا میرے بندوں کی طرف تو دیکھو، یہ میرے پاس پراگندہ بال، گرد آلود اور لبیک وذکر کے ساتھ) آوازیں بلند کرتے ہوئے دور، دور سے آئے ہیں، میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا، (یہ سن کر) فرشتے کہتے ہیں کہ "پروردگار! (ان میں) فلاں شخص وہ بھی ہے جس کی طرف گناہ کی نسبت کی جاتی ہے اور فلاں شخص اور فلاں عورت بھی ہے جو گنہ گار ہیں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے انہیں بھی بخش دیا" پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں یوم عرفہ کی برابر لوگوں کو آگ سے نجات ورستگاری کا پروانہ عطا کیا جاتا ہو۔" (شرح السنۃ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عرفات میں وقوف کا حکم

(۱۰) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ قُرَیْشٌ وَمَنْ دَانَ دِیْنَھُمْ یَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَۃِ وَکَانَ یُسَمُّوْنَ الْحُمْسَ فَکَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ یَقِفُوْنَ بِعَرَفَۃَ فَلَمَّا جَاءَ الْاِسْلاَمُ اَمَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی نَبِیَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّاْتِیَ عَرَفَاتٍ فَیَقِفُ بِھَا ثُمَّ یُفِیْضُ مِنْھَا فَذٰلِکَ قَوْلُہٗ عَزَّوَجَلَّ ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔ (متفق علیہ)

"ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ قریش اور وہ لوگ جو قریش کے طریقہ کے پابند تھے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے اور قریش کو حمس یعنی بہادر وشجاع کہا جاتا تھا۔ (قریش کے علاوہ) اور تمام اہل عرب میدان عرفات میں وقوف کرتے تھے، لیکن جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ میدان عرفات میں آئیں، وہاں وقوف کریں اور پھر وہاں سے واپس ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ پھر جہاں سے اور لوگ واپس ہوتے ہیں وہیں سے تم بھی واپس ہو، کے یہی معنی ہیں۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "مزدلفہ" حدود حرم میں واقع ہے، جب کہ عرفات حرم سے باہر ہے۔ چنانچہ قریش اور ان کے حواری دوسرے لوگوں پر اپنی برتری اور فوقیت جتانے کے لئے مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم "اہل اللہ" ہیں اور اللہ کے حرم کے باشندہ ہیں اس لئے ہم حرم سے باہر وقوف نہیں کر سکتے، قریش کے علاوہ اور تمام اہل عرب قاعدہ کے مطابق میدان عرفات ہی میں قیام کرتے تھے۔ چنانچہ جب اسلام کی روشنی نے طبقاتی اونچ نیچ کی تاریکیوں کو ختم کر دیا اور قبیلہ وذات کے دنیاوی فرق و امتیاز کو مٹاڈالا تو یہ حکم دیا گیا کہ جس طرح تمام لوگ میدان عرفات میں وقوف کرتے ہیں اسی طرح قریش بھی میدان عرفات ہی میں وقوف کریں اور اس طرح اپنے درمیان امتیاز و فوقیت کی کوئی دیوار کھڑی نہ کریں۔

مزدلفہ میں آنحضرت ﷺ کی دعا کی قبولیت اور ابلیس کا واویلا

(۱۱) وَعَنْ عَبَّاسِ بْنِ مِرْدَاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا لِاُمَّتِهٖ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ بِالْمَغْفِرَةِ فَاُجِيْبَ اِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ مَاخَلَا الْمَظَالِمَ فَاِنِّيْ اٰخُذُ لِلْمَظْلُوْمِ مِنْهُ قَالَ اَيْ رَبِّ اِنْ شِئْتَ اَعْطَيْتَ الْمَظْلُوْمَ مِنَ الْجَنَّةِ وَغَفَرْتَ لِلظَّالِمِ فَلَمْ يُجَبْ عَشِيَّتَهٗ فَلَمَّا اَصْبَحَ بِالْمُزْدَلِفَةِ اَعَادَ الدُّعَاءَ فَاُجِيْبَ اِلٰى مَاسَاَلَ قَالَ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَ تَبَسَّمَ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اِنَّ هٰذِهٖ لَسَاعَةٌ مَاكُنْتَ تَضْحَكُ فِيْهَا فَمَا الَّذِيْ اَضْحَكَكَ اَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ قَالَ اِنَّ عَدُوَّ اللّٰهِ اِبْلِيْسَ لَمَّا عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدِاسْتَجَابَ دُعَائِيْ وَغَفَرَ لِاُمَّتِيْ اَخَذَ التُّرَابَ فَجَعَلَ يَحْثُوْهُ عَلٰى رَاْسِهٖ وَيَدْعُوْ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُوْرِ فَاَضْحَكَنِيْ مَارَاَيْتُ مِنْ جَزَعِهٖ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ نَحْوَهٗ۔

"اور حضرت عباس بن مرداسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عرفہ کی شام کو اپنی اُمت کے لئے بخشش کی دعا مانگی، جو قبول کی گئی اور (حق تعالیٰ نے فرمایا کہ) میں نے آپ (ﷺ) کی اُمت کو بخش دیا۔ علاوہ بندوں کے حقوق کے کہ میں ظالم سے مظلوم کا حق لوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے عرض کیا کہ "میرے پروردگار! اگر تو چاہے تو مظلوم کو (اس حق کے بدلہ میں کہ جو ظالم نے کیا ہے) جنت کی نعمتیں عطا فرمادے اور ظالم کو بھی بخش دے۔" مگر عرفہ کی شام کو یہ دعا قبول نہیں کی گئی، جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے پھر وہی دعا کی، اور آپ ﷺ نے جو چیز مانگی وہ عطا فرمادی گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہنسے یا راوی نے یہ کہا کہ آپ ﷺ مسکرائے، (یہ دیکھ کر) حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ "میرا باپ اور میری ماں آپ (ﷺ) پر قربان، یہ ایسا وقت ہے جس میں آپ ﷺ ہنستے نہیں تھے (یعنی یہ وقت ہنسنے کا تو نہیں ہے) پھر کس چیز نے آپ ﷺ کو ہنسایا، اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ ﷺ کے دانتوں کو ہنستا رکھے (یعنی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا "دشمن خدا ابلیس کو جب یہ معلوم ہوا کہ اللہ بزرگ و برتر نے میری دعا قبول کر لی ہے اور میری اُمت کو بخش دیا تو اس نے مٹی لی اور اسے اپنے سر پر ڈالنے لگا اور واویلا کرنے اور چیخنے چلانے لگا چنانچہ اس کی بدحواسی اور اضطراب نے مجھے ہنسنے پر مجبور کر دیا۔" (ابن ماجہؒ، بیہقیؒ)

تشریح: چونکہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُمت کو مغفرت عام سے نوازا گیا ہے کہ حقوق اللہ بھی بخش دیئے اور حقوق العباد بھی اس لئے بہتر یہ ہے کہ حدیث کے مفہوم میں یہ قید لگادی جائے کہ اس مغفرت عام کا تعلق ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اس سال حج کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے، یا یہ بات اس شخص کے حق میں ہے جس کا حج مقبول ہو بایں طور کہ اس کے حج میں فسق و فجور کی کوئی بات نہ ہوئی ہو۔

یا پھر یہ کہ مفہوم اس ظالم پر محمول ہے جس کو توبہ کی توفیق ہوئی اور اس نے صدق نیت اور اخلاص کے ساتھ توبہ کی مگر حق کی واپسی سے عاجز و معذور رہا۔ پھر یہ کہ رحمت خداوندی جسے چاہے اپنے دامن میں چھپا سکتی ہے جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا

دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے ہاں مشرک کے علاوہ جس کو چاہے گا بخش دے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور مغفرت عام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی شفاعت ہر مسلمان کو حاصل ہوگی خواہ وہ صالح ہو یا گنہ گار، اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے جنت میں صالح اور نیکو کار لوگوں کے تو درجات بلند کرے گا اور اکثر گنہ گاروں کو بخش کر جنت میں داخل کرے گا۔ اب رہ گئے وہ لوگ جو دوزخ میں ہوں گے تو ان کے حق میں آنحضرت ﷺ کی شفاعت کا اثر یہ ہوگا کہ ان کے عذاب میں تخفیف اور مدت عذاب میں کمی کر دی جائے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور بخشش بھی انشاء اللہ ہر مسلمان کو حاصل ہوگی خواہ وہ صالح ہو یا گنہ گار۔ بایں طور کہ جنت میں صالح و نیکو کاروں کے درجات اس جزاء و انعام سے زیادہ بلند ہوں گے جس کا وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے مستحق ہوگا۔ اور فاجر گنہ گار کے حق میں اس کی مغفرت یہ ہوگی کہ یا تو انہیں اپنے فضل و کرم سے بغیر عذاب ہی کے جنت میں داخل کر دے گا یا پھر ان کے عذاب کی شدت میں کمی کر دے گا جو مغفرت ہی کی ایک نوع ہے۔

بَابُ الدَّفْعِ مِنْ عَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ

عرفات اور مزدلفہ سے واپسی کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عرفات سے آنحضرت ﷺ کی واپسی

(۱) عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سُئِلَ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ حِيْنَ دَفَعَ قَالَ كَانَ يَسِيْرُ الْعَنَقَ فَاِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ہشام بن عروہؒ اپنے والد حضرت عروہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "حضرت اسامہ بن زیدؓ سے پوچھا گیا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات سے واپسی میں آنحضرت ﷺ کی رفتار کیا تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی رفتار تیز تھی اور جہاں کہیں کشادہ راستہ ملتا (اپنی سواری) دوڑاتے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

(۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ دَفَعَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَرَفَةَ فَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاءَهٗ زَجْرًا شَدِيْدًا وَضَرْبًا لِلْاِبِلِ فَاَشَارَ بِسَوْطِهٖ اِلَيْهِمْ وَقَالَ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ فَاِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْاِيْضَاعِ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ عرفہ کے دن (عرفات سے منیٰ کی طرف) واپسی میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے چنانچہ (ان کا بیان ہے کہ راستہ میں) آنحضرت ﷺ نے اپنے پیچھے (بلند آوازوں کے ساتھ جانوروں کو ہانکنے اور اونٹوں کو مارنے کا) شور و شغب سنا تو آپ ﷺ نے اپنے کوڑے سے لوگوں کی طرف اشارہ کیا (تاکہ لوگ متوجہ ہو جائیں اور آپ ﷺ کی بات سنیں) اور فرمایا "لوگو! آرام و اطمینان کے ساتھ چلنا تمہارے لئے ضروری ہے کیونکہ دوڑانا کوئی نیکی نہیں ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: "دوڑانا کوئی نیکی نہیں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ نیکی صرف اپنی سواری کو دوڑانے ہی میں نہیں ہے بلکہ نیکی کا اصل تعلق افعال حج کی ادائیگی اور ممنوعات سے اجتناب و پرہیز سے ہے، حاصل یہ ہے کہ نیکیوں کی طرف جلدی و مسابقت، اگرچہ پسندیدہ اور اچھی چیز ہے

لیکن ایسی جلدی و مسابقت پسندیدہ نہیں ہے جو مکروہات تک پہنچادے اور جس پر گناہ کا ترتب ہو۔ اس مفہوم کی روشنی میں اس حدیث میں اور پہلی حدیث میں منافات اور کوئی تضاد نہیں ہوگا۔

رمی جمرۂ عقبہ تک برابر تلبیہ میں مصروف رہنا سنّت ہے

(۳) وَعَنْهُ اَنَّ اُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ كَانَ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ اِلَى الْمُزْدَلِفَةِ ثُمَّ اَرْدَفَ الْفَضْلَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ اِلٰى مِنًى فَكِلَاهُمَا قَالَ لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّيْ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ عرفات سے مزدلفہ تک تو اسامہ ابن زیدؓ نبی کریم ﷺ کے پیچھے بیٹھے رہے پھر آپ ﷺ نے مزدلفہ سے منیٰ تک فضلؓ کو اپنے پیچھے بٹھالیا تھا، اور ان دونوں کا بیان ہے کہ رسول کریم ﷺ برابر لبیک کہتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے جمرۂ عقبہ پر کنکری ماری (یعنی قربانی کے دن جب جمرۂ عقبہ پر پہلی ہی کنکری ماری تو تلبیہ موقوف کر دیا)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین

(۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بِاِقَامَةٍ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا وَلَا عَلٰى اِثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کیا (یعنی عشاء کے وقت دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھا) اور ان میں سے ہر ایک کے لئے تکبیر کہی گئی (یعنی مغرب کے لئے علیحدہ تکبیر ہوئی اور عشاء کے لئے علیحدہ) اور آپ ﷺ نے نہ تو ان دونوں کے درمیان نفل نماز پڑھی اور نہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے بعد۔" (بخاریؒ)

تشریح: ان نمازوں کے بعد نفل پڑھنے کی جو نفی کی گئی ہے تو اس سے ان دونوں کے بعد سنتیں اور وتر پڑھنے کی نفی لازم نہیں آتی۔

باب قصة حجة الوداع میں حضرت جابرؓ کی جو طویل حدیث گزری ہے اس کے ان الفاظ لم یسبح بینهما شیئا کی وضاحت میں ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ جب مزدلفہ میں آپ ﷺ مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھ چکے تو مغرب و عشاء کی سنتیں اور نماز وتر بھی پڑھی۔ چنانچہ ایک روایت میں بھی یہ منقول ہے۔ نیز شیخ عابد سندھیؒ نے بھی در مختار کے حاشیہ میں اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال نقل کرنے کے بعد یہی لکھا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز کے بعد سنتیں اور وتر پڑھی۔

(۵) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلَاةً اِلَّا لِمِيْقَاتِهَا اِلَّا صَلَاتَيْنِ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَصَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول کریم ﷺ نے کوئی نماز اپنے وقت کے علاوہ کسی اور وقت میں پڑھی ہو سوائے دو نمازوں کے کہ وہ مغرب و عشاء کی ہیں جو مزدلفہ میں پڑھی گئی تھیں (یعنی مزدلفہ میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت پڑھی) اور اس دن (یعنی مزدلفہ میں قربانی کے دن) فجر کی نماز آپ ﷺ نے وقت سے پہلے پڑھی تھی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہاں صرف مغرب و عشاء کی نمازوں کو ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت پڑھی، حالانکہ آپ ﷺ نے عرفات میں ظہر و عصر کی نماز بھی ایک ساتھ اسی طرح پڑھی تھی کہ عصر کی نماز مقدم کر کے ظہر کے وقت ہی پڑھ لی گئی تھی، لہٰذا یہاں ان دونوں نمازوں کو اس سبب سے ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ دن کا وقت تھا، سب ہی جانتے تھے کہ آپ ﷺ نے عصر کی نماز کو مقدم کر کے ظہر کے وقت پڑھا ہے اس لئے اس کو بطور خاص ذکر کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

"فجر کی نماز وقت سے پہلے پڑھی" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس دن فجر نماز وقت معمول یعنی اجالا پھیلنے سے پہلے تاریکی ہی میں

پڑھ لی تھی، یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے فجر کے وقت سے پہلے پڑھی تھی کیونکہ تمام ہی علماء کے نزدیک فجر کی نماز، فجر سے پہلے پڑھنی جائز نہیں ہے۔

مزدلفہ سے عورتوں اور بچوں کو پہلے ہی منیٰ روانہ کر دینا جائز ہے

(۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَنَامِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِي ضَعَفَةِ اَهْلِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اہل وعیال کے کمزور وضعیف لوگوں کے جس زمرے کو مزدلفہ کی رات میں پہلے ہی بھیج دیا گیا تھا اس میں میں بھی شامل تھا۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: "کمزور وضعیف لوگوں" سے مراد عورتیں اور بچے ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نے دسویں ذی الحجہ کو پہلے ہی سے منیٰ روانہ کر دیا تھا ان میں حضرت ابن عباسؓ بھی شامل تھے اور خود آنحضرت ﷺ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے اور صبح روشن ہو جانے کے بعد منیٰ کے لئے سوار ہوئے جیسا کہ سُنّت ہے، آپ ﷺ نے اپنے ہی عیال کو پہلے اس لئے بھیج دیا تھا تاکہ ہجوم کی وجہ سے انہیں تکلیف نہ ہو اور ایسا کرنا جائز ہے۔

رمی جمار کا وقت: ایک اور روایت میں جو آگے آرہی ہے یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو پہلے سے روانہ کر دیا اور ان سے فرمایا کہ رمی جمرۂ عقبہ آفتاب طلوع ہونے کے بعد ہی کرنا، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے کہ رمی جمرۂ عقبہ کا وقت دسویں ذی الحجہ کو سورج نکلنے کے بعد شروع ہوتا ہے لیکن بعض روایت میں یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں سے بس اتنا ہی فرمایا تھا کہ جاؤ اور رمی جمرۂ عقبہ کرو، اس روایت میں طلوع آفتاب کی قید نہیں ہے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ نے اسی روایت پر عمل کیا ہے کہ ان کے ہاں رمی جمرۂ عقبہ کا وقت نصف شب کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔

رمی جمار کے واسطے کنکریاں مزدلفہ یا راستہ سے لے لی جائیں

(۷) وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَكَانَ رَدِيْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ فِي عَشِيَّةِ عَرَفَةَ وَغَدَاةِ جَمْعٍ لِلنَّاسِ حِيْنَ دَفَعُوْا عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ وَهُوَ كَافٌّ نَاقَتَهٗ حَتّٰى دَخَلَ مُحَسِّرًا وَهُوَ مِنْ مِنًى قَالَ عَلَيْكُمْ بِحَصَى الْخَذْفِ الَّذِيْ يُرْمٰى بِهِ الْجَمْرَةُ وَقَالَ لَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّيْ حَتّٰى رَمَى الْجَمْرَةَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ حضرت فضل ابن عباسؓ نے جو (مزدلفہ سے منیٰ آتے ہوئے) نبی کریم ﷺ کی سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، بیان کیا کہ "جب عرفہ کی شام کو (عرفات سے مزدلفہ آتے ہوئے) اور مزدلفہ کی صبح کو (مزدلفہ سے منیٰ جاتے ہوئے) لوگوں نے سواریوں کو تیزی سے ہانکنا اور مارنا شروع کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "اطمینان وآہستگی کے ساتھ چلنا تمہارے لئے ضروری ہے" اور اس وقت خود آنحضرت ﷺ اپنی اونٹنی کو روکے ہوئے بڑھا رہے تھے، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ وادی محسر میں جو منیٰ (کے قریب مزدلفہ کے آخری حصہ) میں ہے پہنچے تو فرمایا کہ "تمہیں (اس میدان سے) خذف کی مانند کنکریاں اٹھا لینی چاہئیں جو جمرہ (یعنی مناروں) پر ماری جائیں گی۔ اور فضل بن عباسؓ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ رمی جمرہ تک برابر لبیک کہتے رہے تھے (یعنی جمرۂ عقبہ پر پہلی کنکری ماری تو لبیک کہنا موقوف کر دیا)۔" (مسلمؒ)

تشریح: عرفہ کے دن شام کو آنحضرت ﷺ جب میدان عرفات سے مزدلفہ کو چلے تو اس وقت حضرت فضل بن عباسؓ آپ ﷺ کے ساتھ سواری پر نہیں تھے۔ البتہ جب اگلے روز دسویں ذی الحجہ کی صبح کو مزدلفہ سے منیٰ روانہ ہوئے تو اس وقت حضرت فضلؓ آپ ﷺ کی سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔

"خذف" اصل میں تو چھوٹی کنکری یا کھجور کی گٹھلی دونوں شہادت کی انگلیوں میں رکھ کر پھینکنے کو کہتے ہیں۔ اور یہاں "خذف کی مانند کنکریوں" سے مراد یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں جو چنے کی برابر ہوتی ہیں یہاں سے اٹھالو جو رمی جمار کے کام آئیں گی۔

اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ رمی جمار کے واسطے کنکریاں مزدلفہ سے روانگی کے وقت وہیں سے یا راستہ میں سے اور یا جہاں سے جی چاہے لے لی جائیں ہاں جمرہ کے پاس سے وہ کنکریاں نہ لی جائیں جو جمرہ پر ماری جاچکی ہیں کیونکہ یہ مکروہ ہے ویسے اگر کوئی شخص جمرہ کے پاس ہی سے پہلے پھینکی گئی کنکریاں اٹھا کر مارے تو یہ جائز تو ہو جائے گا مگر خلاف اولیٰ ہوگا۔ چنانچہ شمنی نے شرح نقایہ میں لکھا ہے کہ ان کنکریوں سے رمی کافی ہو جائے گی مگر ایسا کرنا برا ہے۔

اس بارہ میں بھی اختلافی اقوال ہیں کہ کنکریاں کتنی اٹھائی جائیں؟ آیا صرف اسی دن رمی جمرۂ عقبہ کے لئے سات کنکریاں اٹھائی جائیں یا ستر کنکریاں اٹھائی جائیں جن میں سات تو اسی دن رمی جمرۂ عقبہ کے کام آئیں گی اور تریسٹھ بعد کے تینوں دنوں میں تینوں جمرات پر پھینکی جائیں گی۔

آپ ﷺ کی طرف سے اپنے وصال کی اطلاع

⑧ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَفَاضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَمْعٍ وَعَلَيْهِ السَّكِيْنَةُ وَاَمَرَهُمْ بِالسَّكِيْنَةِ وَاَوْضَعَ فِي وَادِي مُحَسِّرٍ وَاَمَرَهُمْ اَنْ يَّرْمُوْا بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ وَقَالَ لَعَلِّي لَا اَرَاكُمْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا..... لَمْ اَجِدْ هٰذَا الْحَدِيْثَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ اِلَّا فِي جَامِعِ التِّرْمِذِيِّ مَعَ تَقْدِيْمٍ وَتَاخِيْرٍ۔

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (منیٰ کے لئے) مزدلفہ سے چلے تو آپ ﷺ کی رفتار میں سکون و وقار تھا، اور آپ ﷺ نے دوسرے لوگوں کو بھی سکون و اطمینان کے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ ہاں میدان محسر میں آپ ﷺ نے اونٹنی کو تیز رفتاری کے ساتھ گزارا اور آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ خذف کی کنکریوں جیسی (یعنی چنے کی برابر) سات کنکریوں سے رمی کریں، نیز آپ ﷺ نے (صحابہؓ سے) یہ بھی فرمایا کہ "شاید اس سال کے بعد میں تمہیں نہیں دیکھوں گا" (صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ) میں نے یہ حدیث بخاریؒ و مسلمؒ میں تو پائی نہیں۔ ہاں ترمذیؒ میں یہ حدیث کچھ تقدیم و تاخیر کے ساتھ مذکور ہے۔"

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ یہ سال میری دنیاوی زندگی کا آخری سال ہے، آئندہ سال میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا، اس لئے تم لوگ مجھ سے دین کے احکام اور حج کے مسائل سیکھ لو۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس حج کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے کہ اسی حج کے موقعہ پر آپ ﷺ نے دین کے احکام پورے طور پر لوگوں تک پہنچا دیئے اور اپنے صحابہ کو رخصت و وداع کیا، پھر اگلے سال یعنی بارہ ہجری کے ماہ ربیع الاول میں آپ ﷺ کا وصال ہوا۔

صاحب مشکوٰۃ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مصابیح نے اس حدیث کو پہلی فصل میں نقل کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیحین یعنی بخاری و مسلم کی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ترمذی کی روایت ہے۔ اس لئے صاحب مصابیح کو چاہئے تو یہ تھا کہ وہ اس روایت کو پہلی فصل کی بجائے دوسرے فصل میں نقل کرتے۔ اگرچہ اس صورت میں تقدیم و تاخیر کا اعتراض پھر بھی باقی رہتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

عرفات سے واپسی اور مزدلفہ سے روانگی کا وقت

⑨ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَدْفَعُوْنَ مِنْ عَرَفَةَ حِيْنَ تَكُوْنُ الشَّمْسُ كَاَنَّهَا عَمَائِمُ الرِّجَالِ فِيْ وُجُوْهِهِمْ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ وَمِنَ الْمُزْدَلِفَةِ بَعْدَ اَنْ تَطْلُعَ

الشَّمْسُ حِيْنَ تَكُوْنُ كَاَنَّهَا عَمَائِمُ الرِّجَالِ فِيْ وُجُوْهِهِمْ وَاِنَّا لَا نَدْفَعُ مِنْ عَرَفَةَ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَنَدْفَعُ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ هَدْيُنَا مُخَالِفٌ لِهَدْيِ عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ وَالشِّرْكِ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ خَطَبَنَا وَسَاقَهُ وَنَحْوَهُ۔

"حضرت محمد بن قیس بن مخرمہؒ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایام جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے) لوگ عرفات سے اس وقت واپس ہوتے جب آفتاب غروب ہونے سے پہلے مردوں کے چہروں پر پگڑیوں کی طرح نظر آتا (یعنی عرفات سے غروب آفتاب سے پہلے چلتے) اور مزدلفہ سے طلوع آفتاب کے بعد اس وقت روانہ ہوتے جب آفتاب مردوں کے چہروں پر پگڑیوں کی طرح نظر آتا، مگر ہم عرفات سے اس وقت تک نہیں چلیں گے جب تک کہ آفتاب غروب نہ ہوجائے اور مزدلفہ سے ہم سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہوں گے کیونکہ ہمارا طریقہ بت پرستوں اور مشرکین سے مختلف ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں لوگ عرفات سے ایسے وقت چلتے تھے جب آفتاب آدھا تو غروب ہوچکا ہوتا اور اس کا آدھا حصہ باہر ہوتا آفتاب کی اسی صورت کو پگڑی سے مشابہت دی گئی ہے کہ آفتاب کا آدھا گروہ پگڑی کی شکل کا ہوتا ہے، اسی طرح مزدلفہ سے ایسے وقت روانہ ہوتے جب آفتاب کا آدھا حصہ طلوع ہوچکا ہوتا اور آدھا حصہ اندر رہتا۔

صاحب مشکوۃ کو اس کی تحقیق نہیں ہوسکی تھی کہ یہ روایت کس نے نقل کی ہے، چنانچہ مشکوۃ کے اصل نسخہ میں لفظ رواہ کے بعد جگہ چھوٹی ہوئی ہے البتہ ایک دوسرے صحیح نسخہ کے حاشیہ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ رواہ البیھقی فی شعب الایمان وقال خطبنا وساقہ نحوہ۔

رات میں رمی جائز نہیں ہے

(۱۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ اُغَيْلِمَةَ بَنِيْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ عَلٰى حُمُرَاتٍ فَجَعَلَ يَلْطَحُ اَفْخَاذَنَا وَيَقُوْلُ اُبَيْنِيَّ لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں مزدلفہ کی رات (یعنی شب عیدالاضحی) میں (منیٰ کے لئے) روانہ کیا اور عبدالمطلب کے خاندان کے ہم کئی بچے تھے (جنہیں آپ ﷺ نے رات میں روانہ کیا تھا) اور گدھے ہماری سواری تھے۔ رسول کریم ﷺ (ہماری روانگی کے وقت ازراہ محبت و الفت) ہماری رانوں پر ہاتھ مارتے اور فرماتے تھے "میرے چھوٹے بچو! جب تک سورج نہ نکلے تم منارے (یعنی جمرۂ عقبہ) پر کنکریاں نہ پھینکنا"۔" (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رات میں رمی جائز نہیں ہے چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور اکثر علماء کا یہی مسلک ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے ہاں آدھی رات کے بعد سے رمی جائز ہے، نیز طلوع فجر کے بعد اور آفتاب نکلنے سے پہلے رمی اگرچہ تمام علماء کے نزدیک جائز ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کراہت کے ساتھ جواز کے قائل ہیں، حنفی مسلک کے مطابق طلوع آفتاب کے بعد رمی مستحب ہے۔

امام شافعیؒ کی مستدل حدیث اور اس کی تاویل

(۱۱) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاُمِّ سَلَمَةَ لَيْلَةَ النَّحْرِ فَرَمَتِ الْجَمْرَةَ قَبْلَ الْفَجْرِ ثُمَّ مَضَتْ فَاَفَاضَتْ وَكَانَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ يَكُوْنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو بقر عید کی رات میں (مزدلفہ سے منیٰ) بھیج دیا

تھا۔ چنانچہ انہوں نے (وہاں پہنچ کر) فجر سے پہلے جمرۂ عقبہ پر کنکریاں ماریں اور پھر وہاں سے (مکہ) آئیں اور طواف افاضہ (جو فرض ہے) کیا اور یہ وہ دن تھا جس میں آنحضرت ﷺ ان کے پاس تھے یعنی یہ اُم سلمہؓ کی باری کا دن تھا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: حدیث کے آخری الفاظ میں دراصل اس طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت اُم سلمہؓ کو اس رات میں منیٰ کیوں بھیجا، انہوں نے رات میں رمی کیوں کی اور دن ہی میں طواف افاضہ سے فارغ کیوں ہو گئیں جب کہ دیگر ازواج مطہرات نے اگلی رات میں طواف افاضہ کیا؟

حضرت امام شافعیؒ فجر سے پہلے رمی جمرہ کے جواز کے لئے اس حدیث کو دلیل قرار دیتے ہیں اگرچہ افضل فجر کے بعد ہے حضرت امام شافعیؒ کے علاوہ دیگر علماء اس حدیث کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ یہ سہولت ورعایت ہے جو صرف حضرت اُم سلمہؓ کو دی گئی تھی دوسروں کے لئے حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا روایت کے پیش نظر فجر سے پہلے رمی جائز نہیں ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں "فجر" سے مراد "نماز فجر" ہو کہ حضرت اُم سلمہؓ نے نماز فجر سے پہلے اور طلوع فجر کے بعد رمی کی۔

عمرہ میں تلبیہ کب موقوف کیا جائے

(۱۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ يُلَبِّي الْمُقِيمُ أَوِ الْمُعْتَمِرُ حَتَّى تَسْتَلِمَ الْحَجَرَ - رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ وَرُوِيَ مَوْقُوْفًا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ۔

"اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مقیم اور عمرہ کرنے والا حجر اسود کو بوسہ دینے تک لبیک کہتا رہے۔ ابوداؤدؒ نے اس روایت کو (بطریق مرفوع) نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ پر موقوف ہے۔"

تشریح: "مقیم" سے مراد مکہ کا رہنے والا ہے جو عمرہ کرے اور "عمرہ کرنے والا" سے غیر مکی مراد ہے جو عمرہ کے لئے مکہ آیا ہو، لہٰذا جملہ یلبی المقیم او المعتمر میں حرف "او" تنویع کے لئے ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح حج میں رمی جمرۂ عقبہ پر تلبیہ کو موقوف کرتے ہیں اسی طرح عمرہ میں حجر اسود کو چومتے ہی تلبیہ موقوف کر دیا جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

آنحضرت ﷺ نے عرفات و مزدلفہ کا پورا درمیانی راستہ سواری پر طے کیا

(۱۳) عَنْ يَعْقُوْبَ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عُرْوَةَ أَنَّهُ سَمِعَ الشَّرِيْدَ يَقُوْلُ أَفَضْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا مَسَّتْ قَدَمَاهُ الْأَرْضَ حَتَّى أَتَى جَمْعًا۔ (رواه ابوداؤد)

"اور حضرت یعقوب بن عاصم بن عروۃؒ (تابعی) سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت شریدؓ (صحابی) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں (عرفات سے) واپسی میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھا چنانچہ رسول کریم ﷺ کے قدم مبارک زمین پر نہیں گئے یہاں تک کہ مزدلفہ پہنچے۔"

(ابوداؤدؒ)

تشریح: اس روایت کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عرفات سے مزدلفہ تک کا پورا راستہ سواری پر طے کیا پیدل نہیں چلے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے پورے راستہ میں زمین پر قدم ہی نہیں رکھے کیونکہ صحیح بخاری میں منقول ہے کہ عرفات سے واپسی کے موقع پر راستہ میں آپ ﷺ (سواری سے اتر کر) پہاڑ کے ایک درہ کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں پیشاب کیا اور پھر

وضو کیا یہ دیکھ کر حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا نماز کا وقت آگیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز تو آگے آرہی ہے (یعنی نماز تو مزدلفہ پہنچ کر پڑھیں گے)۔

عرفات میں جمع بین الصلوٰتین

⑭ وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِي سَالِمٌ اَنَّ الْحَجَّاجَ بْنَ يُوْسُفَ عَامَ نَزَلَ بِابْنِ الزُّبَيْرِ سَأَلَ عَبْدَاللّٰهِ كَيْفَ نَصْنَعُ فِي الْمَوْقِفِ يَوْمَ عَرَفَةَ فَقَالَ سَالِمٌ اِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ السُّنَّةَ فَهَجِّرْ بِالصَّلَاةِ يَوْمَ عَرَفَةَ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ صَدَقَ اِنَّهُمْ كَانُوْا يَجْمَعُوْنَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي السُّنَّةِ فَقُلْتُ لِسَالِمٍ اَفَعَلَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَالِمٌ وَهَلْ يَتَّبِعُوْنَ ذٰلِكَ اِلَّا سُنَّتَهٗ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے صاحبزادے حضرت سالمؒ نے مجھ سے بتایا کہ حجاج ابن یوسف نے جس سال حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو قتل کیا اسی سال اس نے (مکہ آنے کے بعد) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے پوچھا کہ ہم عرفہ کے دن وقوف کے دوران کیا کریں۔ (یعنی عرفات میں اس دن ظہر، عصر کی نماز وقوف سے پہلے پڑھ لیں یا وقوف کے دوران اور یا وقوف کے بعد؟) اس کا جواب سالمؒ نے دیا کہ "اگر تو سنت پر عمل کرنا چاہتا ہے تو عرفہ کے دن (ظہر و عصر کی نماز) سویرے پڑھ" (یہ جواب سن کر) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ "سالم ٹھیک کہتے ہیں، کیونکہ صحابہؓ طریقہ سنت کو اختیار کرنے کے لئے ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سالمؒ سے پوچھا کیا آنحضرت ﷺ نے اسی طرح کیا تھا؟ حضرت سالمؒ نے فرمایا "ہم اس معاملہ میں (یعنی اس طرح نماز پڑھنے میں) صرف آنحضرت ﷺ ہی کے طریقہ کی پیروی کرتے ہیں۔" (بخاریؒ)

تشریح: جو شخص اسلامی تاریخ سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہے وہ حجاج بن یوسف کے نام سے بخوبی واقف ہوگا۔ یہ نام ظلم و بربریت کی داستانوں میں اپنی ایک بڑی ہی وحشت ناک داستان کا حامل ہے۔ حجاج بن یوسف جس کے نام کا جز ہی "ظالم" بن چکا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں کو باندھ کر قتل کرایا تھا۔ عبدالملک ابن مروان کی طرف سے اسی ظالم نے مکہ میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ پر چڑھائی کی تھی اور ان جلیل القدر صحابیؓ کو اس نے سولی پر چڑھا دیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد اسی سال عبدالملک ابن مروان نے اس کو حاجیوں کا امیر مقرر کیا اور اسے حکم دیا کہ تمام افعال حج میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا افعال و اقوال کی پیروی کرنا، ان سے حج کے مسائل پوچھتے رہنا اور کسی معاملہ میں ان کی مخالفت نہ کرنا، چنانچہ حجاج نے اس وقت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مذکورہ بالا مسئلہ بھی پوچھا۔

بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ
مناروں پر کنکریاں پھینکنے کا بیان

"جمار" دراصل سنگریزوں اور کنکریوں کو کہتے ہیں اور "جمار حج" ان سنگریزوں اور کنکریوں کا نام ہے جو مناروں پر مارے جاتے ہیں اور جن مناروں پر کنکریاں ماری جاتی ہیں انہیں جمار کی مناسبت سے "جمرات" کہتے ہیں۔

جمرات یعنی وہ منارے جن پر کنکریاں پھینکی جاتی ہیں تین ہیں۔ ① جمرۂ اولیٰ۔ ② جمرۂ وسطیٰ۔ ③ جمرۂ عقبہ۔ یہ تینوں جمرات منیٰ میں واقع ہیں اور بقر عید کے روز یعنی دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرۂ عقبہ پر کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، پھر گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں کو تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا واجب ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

رمی جمرۂ عقبہ سواری پر بھی جائز ہے

① عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي عَلٰى رَاحِلَتِهٖ يَوْمَ النَّحْرِ وَيَقُوْلُ لِتَاخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَاِنِّيْ لَا اَدْرِيْ لَعَلِّيْ لَا اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِيْ هٰذِهٖ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا، نحر (قربانی) کے دن نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر سوار کنکریاں مار رہے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ سے افعال حج سیکھ لو، کیونکہ میں نہیں جانتا کہ شاید میں اپنے اس حج کے بعد پھر حج نہ کر سکوں۔" (مسلمؒ)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص منیٰ میں پیادہ پا پہنچے تو وہ پیادہ ہی جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارے اور پھر گیارھویں اور بارھویں تاریخ کو تو تینوں جمرات پر پیادہ رہ کر ہی رمی کرے اور تیرھویں تاریخ کو سوار ہو کر کنکریاں مارے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں لکھا ہے کہ جس رمی کے بعد دوسری رمی ہے جیسے جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی تو اس رمی کو پیادہ کرنا ہی افضل ہے کیوں کہ اس رمی کے بعد وقوف کرنا، درود و دعا، وغیرہ میں مشغول ہونا ہوتا ہے اور ایسی صورت میں پیادہ پائی کی حالت عاجزی و تضرع کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے۔

جہاں تک آنحضرت ﷺ کے عمل کا تعلق ہے تو احادیث صحیحہ میں جو کچھ منقول ہے اس کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نحر کے دن جمرۂ عقبہ کی رمی تو سواری پر کی ہے اور بقیہ دونوں کی رمی پیادہ کی ہے۔

کنکریوں کی تعداد اور اس کو پھینکنے کا طریقہ

② وَعَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَى الْجَمْرَةَ بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو خذف کی کنکریوں کی طرح (یعنی چھوٹی چھوٹی) کنکریوں سے رمی جمار کرتے دیکھا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: مناروں پر کنکریاں پھینکنے کا طریقہ کئی طرح سے منقول ہے لیکن زیادہ صحیح اور آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ کنکری کو شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے سروں سے پکڑ کر یعنی چٹکی میں رکھ کر پھینکا جائے، چنانچہ اب معمول بھی اسی طرح ہے۔

رمی جمار کا وقت

③ وَعَنْهُ قَالَ رَمٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى وَاَمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قربانی کے دن کو چاشت کے وقت (یعنی زوال سے پہلے) منارے پر کنکریاں پھینکیں اور بعد کے دنوں میں دوپہر ڈھلنے کے بعد کنکریاں پھینکیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ضحوہ دن کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو طلوع آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب سے پہلے تک ہوتا ہے، بعد کے دنوں سے مراد ایام تشریق یعنی گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں تاریخیں ہیں۔ ان دنوں میں آپ ﷺ نے زوال آفتاب کے بعد رمی کی۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دوسرے دن یعنی گیارھویں تاریخ کو رمی جمار کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہوتا ہے اسی طرح تیسرے دن یعنی بارھویں تاریخ کو بھی رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اب اس کے بعد اگر کوئی شخص مکہ

جانا چاہے تو وہ تیرہویں تاریخ کو طلوع فجر سے پہلے جاسکتا ہے اور اگر طلوع فجر کے بعد مکہ جانا چاہے گا تو پھر اس پر اس دن کی رمی جمار واجب ہو جائے گی اب اس کے لئے رمی جمار کئے بغیر مکہ جانا درست نہیں ہو گا ہاں اس دن یعنی تیرہویں تاریخ کو زوال آفتاب سے پہلے بھی رمی جمار جائز ہو جائے گی۔

اس موقع پر ایک یہ مسئلہ بھی جان لیجئے کہ اگر کوئی شخص کنکریاں مناروں پر پھینکے نہیں بلکہ ان پر ڈال دے تو یہ کافی ہو جائے گا مگر یہ چیز غیر پسندیدہ ہوگی بخلاف مناروں پر کنکریاں رکھ دینے کے کہ یہ اس طرح کافی بھی نہیں ہو گا۔

رمی جمار کے وقت تکبیر

④ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهُ انْتَهٰى اِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى فَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهٖ وَمِنًى عَنْ يَمِيْنِهٖ وَرَمٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَمَى الَّذِيْ اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ (رمی کے لئے) جمرۂ کبریٰ (یعنی جمرۂ عقبہ) پر پہنچے تو (اس طرح کھڑے ہوئے کہ) انہوں نے خانۂ کعبہ کو اپنی بائیں طرف کیا اور منیٰ کو دائیں طرف اور پھر انہوں نے سات کنکریاں (اس طرح) پھینکیں کہ ہر کنکری پھینکتے ہوئے تکبیر کہتے تھے، پھر انہوں نے فرمایا کہ اسی طرح اس ذات گرامی (یعنی رسول کریم ﷺ) نے کنکریاں پھینکی ہیں جس پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت ابن مسعودؓ جمرۂ عقبہ پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ خانۂ کعبہ تو ان کی بائیں سمت تھا اور منیٰ دائیں سمت لیکن دوسرے جمرات پر اس طرح کھڑا ہونا مستحب ہے کہ منہ قبلہ کی طرف ہو۔

رمی جمرہ میں سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں اور ہر کنکری پھینکتے ہوئے تکبیر کہی جاتی ہے چنانچہ بیہقیؒ کی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ ہر کنکری کے ساتھ اس طرح تکبیر کہتے تھے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا وَّعَمَلًا مَّشْكُوْرًا۔

یوں تو پورا قرآن ہی آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا ہے لیکن اس موقع پر خاص طور پر سورۂ بقرہ کا ذکر اس مناسبت سے کیا گیا ہے کہ اس سورت میں حج کے احکام و افعال مذکور ہیں۔

جمرات پر سات کنکریاں پھینکنا واجب ہے

⑤ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِسْتِجْمَارُ تَوٌّ وَرَمْيُ الْجِمَارِ تَوٌّ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ تَوٌّ وَالطَّوَافُ تَوٌّ وَاِذَا اسْتَجْمَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَجْمِرْ بِتَوٍّ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا استنجاء طاق ہے (یعنی استنجے کے لئے تین ڈھیلے لینے چاہئیں) کنکریاں پھینکی طاق ہے (یعنی سات کنکریاں پھینکی چاہئیں) صفا اور مروہ کے درمیان سعی طاق ہے (یعنی ان دونوں کے درمیان سات مرتبہ پھرنا چاہئے) خانہ کعبہ کے گرد طواف طاق ہے (یعنی سات چکر کا ایک طواف ہوتا ہے) اور جب تم میں سے کوئی شخص اگر کی دھونی لینا چاہے تو اسے چاہئے کہ طاق (یعنی تین یا پانچ یا سات مرتبہ) لے۔" (مسلمؒ)

تشریح: جمرات (مناروں) پر سات سات کنکریاں پھینکنا واجب ہے، اسی طرح صفا و مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی واجب ہے اور جمہور علماء کے نزدیک ایک طواف کے لئے خانہ کعبہ کے گرد سات چکر فرض ہیں جب کہ حنفیہ کے ہاں چار چکر تو فرض ہیں اور باقی واجب ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

سواری پر رمی جمار

(۶) وَعَنْ قُدَامَةَ ابْنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْمِی الْجَمْرَةَ یَوْمَ النَّحْرِ عَلٰی نَاقَةٍ صَھْبَاءَ لَیْسَ ضَرْبٌ وَلَا طَرْدٌ وَلَیْسَ قِیْلُ اِلَیْکَ اِلَیْکَ۔ (رواہ الشافعی والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

"حضرت قدامہ بن عبداللہ بن عمارؓ کہتے ہیں کہ میں نے قربانی کے دن رسول کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اپنی اونٹنی صہباء پر سوار (جمرۂ عقبہ پر) کنکریاں پھینک رہے تھے نہ تو وہاں مارنا تھا نہ ہانکنا اور نہ ہٹو بچو کی آوازیں تھیں۔" (شافعیؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: "صہباء" اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کی رنگت کی سفیدی، سرخی آمیز ہو بایں طور کہ اس کے بالوں کی نوکیں اوپر سے سرخ ہوں اور نیچے کی طرف سفیدی ہو۔

حدیث کے آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح امراء و سلاطین اور سربراہ مملکت کی سواری کے آگے آگے نقیب و چوب دار راستہ کا انتظام و اہتمام کرتے ہوئے چلتے ہیں سرور کائنات اور آقائے نامدار ﷺ کی سواری کے آگے اس طرح کا کوئی انتظام و اہتمام نہیں ہوتا تھا۔

سعی اور رمی جمار ذکر اللہ کا ذریعہ

(۷) وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ رَمْیُ الْجِمَارِ وَالسَّعْیُ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِاِقَامَةِ ذِکْرِ اللّٰہِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

"اور حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "مناروں پر کنکریاں مارنا اور صفا اور مروہ کے درمیان پھرنا ذکر اللہ کے قیام کے لئے ہے" (ترمذیؒ، دارمیؒ) امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: ظاہری طور پر یہ فعل ایسے ہیں کہ ان کا عبادت ہونا معلوم نہیں ہوتا اس لئے فرمایا کہ یہ دونوں فعل اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لئے مقرر ہوئے ہیں، چنانچہ یہ معلوم ہی ہے کہ ہر کنکری مارتے وقت تکبیر سنّت ہے اور سعی کے دوران وہ بھی دعائیں پڑھنا سنّت ہے جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

منیٰ میں کسی کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں ہے

(۸) وَعَنْھَا قَالَتْ قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا نَبْنِیْ لَکَ بِنَاءً یُظِلُّکَ بِمِنًی قَالَ لَا مِنًی مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ۔

(رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ) کیا ہم آپ (ﷺ) کے لئے منیٰ میں کوئی ایسی عمارت نہ بنوا دیں جو آپ ﷺ کے لئے سایہ کی جگہ رہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں! منیٰ اس شخص کے اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے جو پہلے پہنچے۔"

(ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ منیٰ میں پہنچنے میں خصوصیت سبقت کے ساتھ ہے مکان بنانے یا کوئی جگہ متعین کر لینے کے ساتھ نہیں ہے۔ یعنی منیٰ ایسی جگہ ہے جہاں کسی کے لئے کوئی خصوصیت نہیں ہے اور نہ وہاں کسی کے لئے کوئی خاص جگہ متعین ہے بلکہ وہاں جو شخص جس جگہ پہلے پہنچ جائے وہی اس جگہ کا مستحق ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

جمرات پر وقوف

(۹) عَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقِفُ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ وُقُوْفًا طَوِيْلًا يُكَبِّرُ اللّٰهَ وَيُسَبِّحُهُ وَيَحْمَدُهُ وَيَدْعُو اللّٰهَ وَلَا يَقِفُ عِنْدَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ۔ (رواہ مالک)

"حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ پہلے دونوں مناروں کے نزدیک بہت دیر تک ٹھہرتے اور (وہاں) اللہ کی تکبیر، اللہ کی تسبیح اور اللہ کی تحمید میں مشغول رہتے، نیز (ہاتھ اٹھا کر) اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے اور جمرۂ عقبہ کے پاس نہیں ٹھہرتے تھے۔" (مالکؒ)

تشریح: "پہلے دونوں مناروں" سے مراد جمرۂ اولی اور جمرۂ وسطی ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ جب ان دونوں جمروں پر رمی کر چکے تو وہاں ٹھہر کر دعا وغیرہ میں مشغول رہتے، چنانچہ ان جمرات پر وقوف کرنا اور وقوف کے دوران دعا وزاری اور تسبیحات وغیرہ میں مشغول رہنا مسنون ہے۔ مدت وقوف کے بارہ میں علماء نے لکھا ہے کہ ان جمرات پر اتنی دیر تک ٹھہرنا چاہئے جتنی دیر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ ویسے بعض اہل اللہ کے بارہ میں تو یہ منقول ہے کہ وہ ان جمرات پر اتنی دیر تک کھڑے رہے ہیں کہ ان کے پاؤں ورم کر گئے تھے۔

"اور جمرۂ عقبہ کے پاس نہیں ٹھہرتے تھے" کا مطلب یہ ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد دعا کے لئے اس جمرہ پر نہ تو قربانی کے دن ٹھہرتے تھے اور نہ دوسرے ہی دنوں میں وقوف کرتے تھے تاہم اس سے دعا کا بالکل ترک کرنا لازم نہیں آتا۔ باب النحر میں وہ روایت آئے گی جس میں حضرت ابن عمرؓ نے یہ وضاحت کی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

بَابُ الْهَدْيِ

ہدی کا بیان

"ہدی" ہا کے زبر اور دال کے سکون کے ساتھ، ان چوپایوں کو کہتے ہیں جو حرم میں طلب ثواب کی خاطر ذبح کئے جاتے ہیں، وہ بکری، دنبہ، بھیڑ ہوں خواہ گائے، بھینس بیل اور خواہ اونٹ ہوں، اور عمر وغیرہ کی جو شرائط قربانی کے جانوروں میں ہوتی ہیں وہی ہدی میں بھی ہوتی ہیں۔ بکری اور اس کی مانند دوسرے جانور جیسے دنبہ اور بھیڑ کی قربانی یوں تو ہر موقع پر جائز ہے لیکن اگر کوئی شخص حالت جنابت یا حیض میں طواف الزیارۃ کرے یا کوئی شخص وقوف عرفات کے بعد سر منڈانے سے پہلے ہی جماع کرے تو اس صورت میں بطور کفارہ و جزاء قربانی کے لئے بکری کا ذبح کرنا کافی نہیں ہوگا بلکہ بدنہ یعنی اونٹ یا گائے کی قربانی کرنی ہوگی۔

ہدی کی دو قسمیں ہیں: (۱) واجب، (۲) تطوع یعنی نفل، پھر ہدی واجب کی کئی قسمیں ہیں۔ ہدی قران، ہدی تمتع، ہدی جنایات، ہدی نذر اور ہدی احصار۔

"ہدی" کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بندہ بارگاہ حق جل مجدہٗ میں اس جانور کی قربانی کا ہدیہ بھیجتا ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرتا ہے۔ اس مناسبت سے اس جانور کو ہدی کہتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

اشعار اور تقلید کا مسئلہ

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ ثُمَّ دَعَا بِنَاقَتِهٖ فَاَشْعَرَهَا فِي صَفْحَةِ سَنَامِهَا الْاَيْمَنِ وَسَلَتَ الدَّمَ عَنْهَا وَقَلَّدَهَا نَعْلَيْنِ ثُمَّ رَكِبَ رَاحِلَتَهٗ فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهٖ عَلَى الْبَيْدَاءِ اَهَلَّ

بِالْحَجِّ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (سفر حج میں) ذوالحلیفہ پہنچ کر ظہر کی نماز پڑھی اور پھر اپنی اونٹنی کو (جو قربانی کے لئے تھی) طلب فرمایا اور اس کی کوہان کے داہنے پہلو کو زخمی کیا اور اس کے خون کو پونچھ کر اس کے گلے میں دو جوتیوں کا ہار ڈال دیا اور اس کے بعد اپنی (سواری کی) اونٹنی پر (کہ جس کا نام قصواء تھا) سوار ہوئے اور جب مقام بیداء میں اونٹنی آپ ﷺ کو لے کھڑی ہوئی تو آپ ﷺ نے لبیک کہی۔" (مسلم)

تشریح: پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اشعار اور تقلید کسے کہتے ہیں؟ حج میں ہدی کا جو جانور ساتھ لے جایا جاتا ہے اس کے پہلو کو زخم آلود کر دیتے ہیں جسے اشعار کہا جاتا ہے نیز اس جانور کے گلے میں جوتے یا ہڈی وغیرہ کا ہار ڈال دیتے ہیں جسے تقلید کہا جاتا ہے اور ان دونوں کا مقصد اس امر کی علامت کر دینا ہوتا ہے کہ یہ ہدی کا جانور ہے۔

آنحضرت ﷺ جب حج کے لئے چلے اور ذوالحلیفہ کو جو اہل مدینہ کا میقات ہے پہنچے تو نماز پڑھنے کے بعد اس اونٹنی کو طلب فرمایا جسے آپ ﷺ بطور ہدی اپنے ساتھ لے چلے تھے، پہلے آپ ﷺ نے اس کی کوہان کے داہنے پہلو میں نیزہ مارا جب اس سے خون بہنے لگا تو اسے پونچھ دیا اور پھر اس کے گلے میں دو جوتیوں کا ہار ڈال دیا اس طرح آپ ﷺ نے یہ علامت مقرر فرما دی کہ یہ ہدی کا جانور ہے تاکہ لوگ جب اس نشانی و علامت کے ذریعہ یہ جانیں کہ یہ ہدی ہے تو اس سے کوئی تعرض نہ کریں اور قذاق وغیرہ اسے غائب نہ کر دیں اور اگر یہ جانور راستہ بھٹک جائے تو لوگ اسے اس کی جگہ پہنچا دیں۔ ایام جاہلیت میں لوگوں کا یہ شیوہ تھا کہ جس جانور پر ایسی کوئی علامت نہ دیکھتے اسے ہڑپ کر جاتے تھے اور جس جانور پر یہ علامت ہوتی تھی اسے چھوڑ دیتے تھے، چنانچہ شارع اسلام نے بھی اس طریقہ کو مذکورہ بالا مقصد کے تحت جائز رکھا۔

اب اس فقہی مسئلہ کی طرف آیئے جمہور ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ اشعار یعنی جانور کو اس طرح زخمی کرنا سنت ہے لیکن جنم یعنی بکری، دنبہ اور بھیڑ میں اشعار کو ترک کر دینا چاہئے کیونکہ یہ جانور بہت کمزور ہوتے ہیں ان جانوروں کے لئے صرف تقلید یعنی گلے میں ہار ڈال دینا کافی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تقلید تو مستحب ہے لیکن اشعار مطلقاً مکروہ ہے خواہ بکری و چھترہ ہو یا اونٹ وغیرہ علماء حضرت امام اعظمؒ کی اس بات کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ حضرت امام اعظمؒ مطلق طور پر اشعار کی کراہت کے قائل نہیں تھے بلکہ انہوں نے صرف اپنے زمانے کے لئے اشعار کو مکروہ قرار دیا تھا کیونکہ اس وقت لوگ اس مقصد کے لئے ہدی کو بہت زیادہ زخمی کر دیتے تھے جس سے زخم کے سرایت کر جانے کا خوف ہوتا تھا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز ذوالحلیفہ کی مسجد میں پڑھی جب کہ باب صلوٰۃ السفر کی پہلی حدیث میں جو بخاری و مسلم نے روایت کی ہے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز تو مدینہ ہی میں پڑھ لی تھی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی لہٰذا ان دونوں روایتوں کے تضاد کو یوں دور کیا جائے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز تو مدینہ ہی میں پڑھی تھی مگر حضرت ابن عباسؓ نے چونکہ مدینہ میں ظہر کی نماز آپ ﷺ کے ہمراہ نہیں پڑھی ہوگی اس لئے جب انہوں نے آنحضرت کو ذوالحلیفہ میں نماز پڑھتے دیکھا تو یہ گمان کیا کہ آپ ﷺ یہاں ظہر کی نماز پڑھ رہے ہیں اسی لئے انہوں نے یہاں یہ بیان کیا کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی۔

اَهَلَّ بِالْحَجِّ (آپ ﷺ نے حج کے لئے لبیک کہی) سے یہ نہ سمجھئے کہ آپ ﷺ نے واقعۃً صرف حج ہی کے لئے لبیک کہی بلکہ یہ مفہوم مراد لیجئے کہ آپ ﷺ نے حج اور عمرہ دونوں کے لئے لبیک کہی کیونکہ صحیحین میں حضرت انسؓ سے منقول روایت نے اس بات کو بالکل واضح کر دیا ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو حج اور عمرہ کے لئے لبیک کہتے سنا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر راوی نے یا تو عمرہ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اصل چونکہ حج ہی ہے اس لئے صرف اسی کے ذکر پر اکتفاء کیا یا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے جب دونوں کے لئے

لبیک کہی تو راوی نے صرف حج کو سنا عمرہ کا ذکر نہیں سنا۔

④ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَهْدَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً اِلَى الْبَيْتِ غَنَمًا فَقَلَّدَهَا۔ (متفق علیہ)

"اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ بکریوں کو بطور ہدی خانہ کعبہ کو بھیجا اور ان کے گلے میں ہار ڈالا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: علامہ طیبی کہتے ہیں کہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ بکریوں میں اشعار یعنی ان کو زخمی کرنا مشروع نہیں ہے البتہ ان میں تقلید یعنی ان کے گلے میں ہار ڈالنا سنت ہے لیکن اس بارہ میں حضرت امام مالکؒ کا اختلافی قول ہے۔

دوسرے کی طرف سے قربانی

③ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَائِشَةَ بَقَرَةً يَوْمَ النَّحْرِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قربانی کے دن حضرت عائشہ کی طرف سے ایک گائے ذبح فرمائی۔" (مسلم)

④ وَعَنْهُ قَالَ نَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِسَائِهِ بَقَرَةً فِيْ حَجَّتِهِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ ہی کی یہ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔" (مسلم)

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ دونوں حدیثیں اس بات پر محمول ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج کی اجازت سے قربانی کی ہوگی کیونکہ دوسرے کی طرف سے قربانی اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

ائمہ کے یہاں مشہور مسئلہ تو یہی ہے کہ ایک گائے میں سات آدمیوں تک کی طرف سے قربانی جائز ہوتی ہے لیکن حضرت امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ ایک گائے یا ایک بکری وغیرہ کی قربانی تمام گھر والوں کی طرف سے کافی ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ حدیث حضرت امام مالکؒ کے اس قول کی دلیل ہو سکتی ہے بشرطیکہ آپ ﷺ نے سات سے زائد کی طرف سے ایک قربانی کی ہو جب کہ دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ آپ ﷺ نے ایک گائے کی قربانی صرف سات ہی کی طرف سے کی ہوگی۔

خود حج کو نہ جانے اور ہدی بھیجنے کا مسئلہ

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَ بُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيَّ ثُمَّ قَلَّدَهَا وَاَشْعَرَهَا وَاَهْدَاهَا فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ اُحِلَّ لَهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے اونٹوں کے لئے اپنے ہاتھوں سے پٹے بنائے اور پھر انہیں اونٹوں کے گلے میں ڈالا اور ان (کے کوہان) کو زخمی کیا اور پھر ان کو بطور ہدی خانہ کعبہ روانہ کر دیا (یعنی جب ۹ھ میں حج فرض ہوا اور حضرت ابوبکرؓ کو حاجیوں کا امیر مقرر کر کے مکہ مکرمہ بھیجا گیا تو ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی طرف سے بطور ہدی اونٹ بھیجے گئے) اور اس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ پر ایسی کوئی چیز حرام نہیں ہوئی جو ان کے لئے حلال تھی۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ان جانوروں کو بطور ہدی بھیجنے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ پر احرام کے احکام جاری نہیں ہوئے کہ احرام کی حالت میں جو چیزیں حرام ہو جاتی ہیں وہ آپ ﷺ پر حرام ہو گئی ہوں، یہ بات حضرت عائشہؓ نے اس لئے کہی کہ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کے بارہ میں سنا تھا کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص خود حج کو نہ جائے اور اپنی طرف سے ہدی مکہ بھیجے تو اس پر وہ تمام چیزیں کہ جو محرم پر حرام ہوتی ہیں اس وقت تک کے لئے حرام ہو جاتی ہیں جب تک کہ اس کی ہدی حرم میں نہ پہنچ جائے اور ذبح

نہ ہو جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے حضرت عباسؓ کے اس قول کی تردید کی۔

(۶) وَعَنْهَا قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَهَا مِنْ عِهْنٍ كَانَ عِنْدِيْ ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ اَبِيْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے اس صوف کے جو میرے پاس تھا پٹے بنائے اور پھر (یہ پٹے اونٹوں کے گلے میں ڈال کر) ان کو بطور ہدی اپنے والد ماجد (حضرت ابوبکر صدیقؓ) کے ہمراہ (خانہ کعبہ) روانہ کیا۔" (بخاری و مسلم)

ہدی پر سوار ہونے کا مسئلہ

(۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَسُوْقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا فَقَالَ اِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا فَقَالَ اِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا وَيْلَكَ فِي الثَّانِيَةِ اَوِ الثَّالِثَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اونٹ ہانکتا ہوا جا رہا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس اونٹ پر سوار ہو جاؤ" اس نے کہا کہ یہ تو ہدی ہے (میں اس پر کیسے سوار ہو جاؤں؟ وہ یہ سمجھتا تھا کہ ہدی پر سوار ہونا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے) آنحضرت ﷺ نے پھر فرمایا کہ "اس پر سوار ہو جاؤ" اس نے پھر کہا کہ "یہ ہدی ہے" آپ ﷺ نے فرمایا "اس پر سوار ہو جاؤ، افسوس ہے تم پر (کہ میں تمہیں سوار ہونے کے لئے کہتا ہوں اور تم اپنی طرف سے عذر بیان کرتے ہو) آپ ﷺ نے یہ بات دوسری یا تیسری مرتبہ میں فرمائی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

(۸) وَعَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ سُئِلَ عَنْ رُكُوْبِ الْهَدْيِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ارْكَبْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اِذَا اُلْجِئْتَ اِلَيْهَا حَتّٰى تَجِدَ ظَهْرًا۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوزبیر (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے سنا حضرت جابر بن عبداللہؓ سے ہدی پر سوار ہونے کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تک کہ تمہیں کوئی اور سواری نہ ملے اور تم سوار ہونے پر مجبور ہو تو اس ہدی پر (اس) احتیاط کے ساتھ سوار ہو (کہ اسے کوئی ضرر و تکلیف نہ پہنچے)۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا ہدی پر سوار ہونا جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر سوار ہونے کی صورت میں ہدی کو کوئی ضرر نہ پہنچے تو اس پر سوار ہونا جائز ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک یہ مسئلہ ہے کہ اگر ضرورت و مجبوری ہو تو ہدی پر سوار ہوا جا سکتا ہے ورنہ نہیں، لہٰذا جن روایتوں میں ہدی پر سوار ہونے کا مطلق طور پر جواز ملتا ہے وہ روایتیں ضرورت و مجبوری پر محمول ہیں۔

راستہ میں قریب المرگ ہو جانے والی ہدی کا مسئلہ

(۹) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسِتَّ عَشَرَ بَدَنَةً مَعَ رَجُلٍ وَاَمَّرَهُ فِيْهَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اَصْنَعُ بِمَا اُبْدِعَ عَلَيَّ مِنْهَا قَالَ انْحَرْهَا ثُمَّ اصْبَغْ نَعْلَيْهَا فِيْ دَمِهَا ثُمَّ اجْعَلْهَا عَلٰى صَفْحَتِهَا وَلَا تَاْكُلْ مِنْهَا اَنْتَ وَلَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ رُفْقَتِكَ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص (جس کا نام ناجیہ اسلمیؓ تھا) کے ہمراہ سولہ اونٹ مکہ روانہ کئے اور اس شخص کو ان اونٹوں کا محافظ بنایا (کہ نہ صرف ان اونٹوں کو حفاظت کے ساتھ لے جائے بلکہ مکہ پہنچ کر انہیں ذبح بھی کر دے) اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! ان میں سے جو (تھک جانے کی وجہ سے) نہ چل سکے (یا کمزوری وغیرہ کی بناء پر قریب المرگ ہو جائے) تو اس کو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "تم اسے ذبح کر دینا اور پھر وہ دونوں جوتیاں (جو بطریق ہار اس کے گلے میں پڑی ہوں) اس کے خون

میں رنگ کر ان کے نشان اس کے کوہان کے کنارہ پر لگا دینا اور اس کا گوشت نہ تم کھانا اور نہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو کھانے دینا۔" (مسلم)

تشریح: جوتیوں کو خون میں رنگ کر اونٹ کے کوہان پر نشان لگا دینے کے لئے آپ ﷺ نے اس لئے فرمایا تاکہ راستہ چلنے والے یہ جان لیں کہ یہ ہدی ہے اس طرح اس کا گوشت جو فقراء و مساکین ہوں وہ تو کھالیں اور اغنیاء اس سے اجتناب کریں کیونکہ اس کا گوشت کھانا اغنیاء پر حرام ہے۔

آخر میں آپ ﷺ نے اس کی ہدایت فرمادی کہ اس اونٹ کو ذبح کر کے وہیں چھوڑ دینا، اس کا گوشت نہ تم خود کھانا اور نہ اپنے رفقاء سفر کو کھانے دینا خواہ فقراء و مساکین ہوں یا اغنیاء۔ ان کو ہر حال میں ان کا گوشت کھانے سے منع اس لئے کیا کہ کہیں یہ لوگ اپنی ماندگی کا کوئی بہانہ کر کے اپنے کھانے کے لئے کوئی اونٹ ذبح نہ کر ڈالیں۔

اب یہ بات محل اشکال بن سکتی ہے کہ ایسی صورت میں کہ گوشت کھانے سے خود محافظ کو بھی منع کیا جا رہا ہے اور اس کے رفقاء قافلہ کو بھی، تو پھر اس گوشت کا مصرف کیا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ اس طرح وہ گوشت یوں ہی ضائع ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ گوشت ضائع نہیں ہوگا بلکہ جہاں وہ اونٹ ذبح ہوگا وہاں آس پاس کے رہنے والے اسے اپنے استعمال میں لے آئیں گے، یا قافلے تو آتے جاتے ہی رہتے ہیں ان کے بعد جو قافلہ وہاں سے گزرے گا وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا۔

بہرکیف راستے میں جو ہدی قریب المرگ ہو جائے اور اس کو ذبح کر دیا جائے تو اس کا حکم یہ ہے جو حدیث میں ذکر کیا گیا کہ اس کا گوشت اغنیاء اور اہل قافلہ کے لئے کھانا درست نہیں ہے لیکن اس بارہ میں فقہی تفصیل ہے جس کو ملتقی الابحر اور در مختار میں یوں نقل کیا گیا ہے کہ۔ ① اگر ہدی واجب ہو اور وہ راستہ میں قریب المرگ ہو جائے یا ایسی عیب دار ہو کہ اس کی قربانی جائز نہ ہوتی ہو تو اس کے بجائے دوسری ہدی روانہ کرے، اس پہلی ہدی کو چاہے تو ذبح کر کے خود کھالے یا دوسروں کو کھلا دے یا اور جو چاہے کرے۔ ② اگر ہدی نفل ہو اور مرنے کے قریب ہو تو اس کو ذبح کرلے اور جوتیاں (جو بطور ہار اس کے گلے میں پڑی ہوں) اس کے خون میں رنگ کر اس کی گردن پر نشان کر دے اور اس کے گوشت میں سے نہ مالک کھائے اور نہ اغنیاء کھائیں۔ ③ جو ہدی منزل مقصود پر پہنچ کر ذبح ہو اس کے بارہ میں اسی فصل کی آخری حدیث کی تشریح میں بتایا گیا ہے کہ نفل تمتع اور قران کی ہدی اور قربانی کے گوشت میں سے مالک کو کھانا مستحب ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے قسم کی ہدی کے گوشت میں سے مالک کو کھانا درست نہیں ہے۔

آخر میں ایک بات اور جان لیجئے کہ مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں بعض شارحین سے کچھ چوک ہو گئی ہے کیوں کہ انہوں نے لکھا ہے کہ حدیث میں گوشت نہ کھانے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اس ہدی سے متعلق ہے جسے اپنے اوپر واجب کیا گیا ہو جیسے نذر کی ہدی اور اگر ہدی نفل ہو تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے، لہٰذا ان شارحین سے راستہ کی اس ہدی کو منزل مقصود پر پہنچ کر ذبح ہونے والی ہدی پر قیاس کر کے یہ بات لکھ دی ہے حالانکہ یہ بات حدیث کے منشاء و حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔

ہدی اور قربانی کے حصے

⑩ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے حدیبیہ کے سال رسول کریم ﷺ کے ہمراہ سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ ذبح کیا اور سات آدمیوں کی طرف سے گائے ذبح کی۔" (مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہم نے شرکت میں جانور ذبح کئے اس طرح کہ اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک تھے۔ چنانچہ یہ

حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور اکثر علماء کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ اونٹ اور گائے میں سات آدمیوں کا شریک ہونا جائز ہے جب کہ ان ساتوں کو قربت یعنی ثواب مقصود ہو، قربت خواہ ایک طرح کی ہو۔ جیسے کہ اگر ایک شخص ہدی کی نیت رکھتا ہے تو دوسرے بھی ہدی ہی کی نیت رکھیں یا قربت مختلف ہو جیسے کہ بعض تو ہدی کے ارادہ و نیت سے شریک ہوں اور بعض قربانی کی نیت سے، اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی ایک اونٹ یا گائے میں سات آدمیوں کی شرکت جائز ہے جب کہ بعض تو مثلاً ہدی یا قربانی کی نیت سے شریک ہوں اور بعض محض گوشت کے لئے! حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ واجب قربانی یا ہدی میں کسی بھی جانور میں مطلق طور پر شرکت درست نہیں ہے۔ بکری و بھیڑ میں شرکت متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

اونٹ کے نحر کا طریقہ

(۱۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ اَتٰی عَلٰی رَجُلٍ قَدْ اَنَاخَ بَدَنَتَهٗ يَنْحَرُهَا قَالَ ابْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا، انہوں نے اس سے فرمایا کہ "اس اونٹ کو کھڑا کر دو اور اس کا (بایاں) پاؤں باندھو (اور اس طرح اونٹ کو نحر کر کے) رسول کریم ﷺ کے طریقہ کو اختیار کرو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اونٹ کے سینہ میں برچھی مارنے کو "نحر" کہتے ہیں اور گائے وغیرہ کا گلا چھری سے کاٹنا "ذبح" کہلاتا ہے لہٰذا اونٹ کو تو نحر کرنا افضل ہے اور گائے، بیل، بھینس، بھیڑ اور بکری کو ذبح کرنا افضل ہے۔

نحر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے اس کی بائیں ٹانگ رسی سے باندھ دی جائے اور پھر اس کے سینہ میں برچھی ماری جائے تاکہ خون جاری ہو اور وہ گر پڑے۔

امام ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنا افضل ہے اور اگر کھڑا نہ کیا جا سکے تو پھر بٹھا کر نحر کرنا لٹا کر نحر کرنے سے افضل ہے۔ جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں ان کو بائیں پہلو پر لٹا کر ذبح کرنا چاہئے۔

قرآن کریم سے بھی یہی ثابت ہے کہ اونٹ کو نحر کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ اللہ تعالیٰ کے واسطے نماز پڑھو اور نحر کرو۔ اس آیت کی تفسیر میں اونٹ کو نحر کرنا لکھا گیا ہے۔ ذبح کرنے کے بارے میں یہ آیت کریمہ ہے:

اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً۔

"یہ کہ گائے کو ذبح کرو۔"

ہدی کے بارہ میں کچھ ہدایات

(۱۲) وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهٖ وَاَنْ اَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا وَجُلُوْدِهَا وَاَجِلَّتِهَا وَاَنْ لَّا اُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْهَا قَالَ نَحْنُ نُعْطِيْهِ مِنْ عِنْدِنَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے ہدایت فرمائی کہ میں آپ ﷺ کے اونٹوں کی خبر گیری کروں، ان کے گوشت کو خیرات کر دوں اور ان کی کھالیں اور جھولیں بھی صدقہ کر دوں، اور یہ کہ قصائی کو ان میں سے کوئی چیز (بطور مزدوری) نہ دوں، نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ "(مزدوری) ہم اپنے پاس سے دیں گے"۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "اونٹوں" سے مراد وہ اونٹ ہیں جو آنحضرت ﷺ حجۃ الوداع میں بطور ہدی مکہ مکرمہ لے گئے تھے اور جن کی تعداد سو تھی، اس

کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ہدی کے جانور کی کھال، جھول اور مہار وغیرہ بھی خیرات کر دینی چاہئے، ان چیزوں کو قصائی کو مزدوری میں نہ دینا چاہئے ہاں اگر قصائی کو احساناً دیا جائے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

چاہے تو کھال ہی کسی کو صدقہ و خیرات کر دی جائے اور اگر اس کو فروخت کر کے جو قیمت ملے وہ صدقہ کر دی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

ہدی کا دودھ نہ نکالنا چاہئے بلکہ اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی چھڑک دیا جائے تاکہ اس کا دودھ اترنا موقوف ہو جائے اور اگر دودھ نہ نکالنے سے جانور کو تکلیف ہو تو پھر دودھ نکال لیا جائے اور اسے خیرات کر دیا جائے۔

کس ہدی کا گوشت مالک کو کھانا جائز ہے

(۱۳) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا لَا نَأْكُلُ مِنْ لُحُوْمِ بُدْنِنَا فَوْقَ ثَلَاثٍ فَرَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلُوْا وَتَزَوَّدُوْا فَأَكَلْنَا وَتَزَوَّدْنَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (پہلے) ہم اپنی قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہیں کھاتے تھے، پھر رسول کریم ﷺ نے ہمیں اجازت دی اور فرمایا کہ کھاؤ اور اسے توشہ بناؤ (یعنی تین دن کے بعد بھی) چنانچہ ہم نے کھایا اور توشہ بنایا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ابتداء اسلام میں لوگوں کو گوشت کی زیادہ ضرورت تھی اور ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی جو خود قربانی نہیں کر سکتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد جمع کر کے نہ رکھو بلکہ دوسرے لوگوں کو کھانے کے لئے صدقہ کر دیا کرو، پھر بعد میں جب گوشت کی زیادہ ضرورت نہ رہی اور سب ہی لوگوں کو قربانی کی استطاعت حاصل ہو گئی تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد بھی جمع کر کے رکھا جا سکتا ہے۔

شمنیؒ فرماتے ہیں کہ مالک کو نفل تمتع اور قران کی ہدی اور قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے، ان کے علاوہ دوسرے قسم کی ہدی کا گوشت درست نہیں کیونکہ وہ کفارہ اور جنایت کی ہوگی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دشمنان خدا کو رنج پہنچانا مستحب ہے

(۱۴) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْدٰى عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِيْ هَدَايَا رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ جَمَلًا كَانَ لِاَبِيْ جَهْلٍ فِيْ رَأْسِهٖ بُرَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ مِنْ ذَهَبٍ يَغِيْظُ بِذٰلِكَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حدیبیہ کے سال اپنے ہدی کے جانوروں میں ابوجہل کا اونٹ بھی لے گئے تھے جس کی ناک میں چاندی کی نتھنی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ نتھنی سونے کی تھی اور اس سے مقصد مشرکین کو غیظ دلانا تھا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ چھ ہجری میں عمرے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے مگر مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے رفقاء کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا اور مکہ نہیں جانے دیا، یہ بہت مشہور واقعہ ہے، اسی سفر میں آنحضرت ﷺ جو اونٹ بطور ہدی ذبح کرنے کے لئے لے گئے تھے ان میں ایک اونٹ ابوجہل کا بھی تھا جو غزوۂ بدر میں بطور غنیمت ہاتھ لگا تھا۔ اس اونٹ کو آپ ﷺ اپنے ہمراہ اس لئے لے گئے تھے تاکہ مشرکین مکہ اس اونٹ کو دیکھ کر کڑھیں اور جلیں کہ یہ اونٹ مسلمانوں کے ہاتھ پڑا اور ذبح کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ دشمنان خدا کو رنج پہنچانا اور انہیں جلانا مستحب ہے۔

قریب المرگ ہدی کا حکم

⑮ وَعَنْ نَاجِيَةَ الْخُزَاعِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ اَصْنَعُ بِمَا عَطِبَ مِنَ الْبُدْنِ قَالَ انْحَرْهَا ثُمَّ اغْمِسْ نَعْلَهَا فِيْ دَمِهَا ثُمَّ خَلِّ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَهَا فَيَاْكُلُوْنَهَا۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ نَاجِيَةَ الْاَسْلَمِيِّ۔

"اور حضرت ناجیہ خزاعیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ہدی کے جانوروں میں سے جو جانور (کسی بھی وجہ سے) قریب المرگ ہو تو میں اس کا کیا کروں؟" آپ ﷺ نے فرمایا اس جانور کو ذبح کر ڈالو پھر اس کی جوتی کو (اس کے گلے میں بطور ہار پڑی ہو) اس کے خون میں رنگ دو (اور اس کے ذریعہ اس کی گردن پر نشان لگا دو) اس کے بعد اس جانور کو لوگوں کے درمیان چھوڑ دو (یعنی اس کا گوشت کھانے سے فقراء کو منع نہ کرو) تاکہ وہ اسے کھائیں۔ (مالکؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) ابوداؤدؒ اور دارمیؒ نے اس روایت کو حضرت ناجیہ اسلمیؓ سے نقل کیا ہے۔"

تشریح: "تاکہ وہ اسے کھائیں" کا مطلب یہ ہے کہ رفقاء قافلہ کے علاوہ خواہ وہ اغنیاء ہوں یا فقراء، دوسرے فقراء اس جانور کے گوشت کو اپنے استعمال میں لائیں۔ اس بارہ میں پوری تفصیل پہلی فصل میں گزر چکی ہے۔

مذکورہ بالا حدیث کو مالکؒ، ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ نے حضرت ناجیہ خزاعیؓ سے نقل کیا ہے اور ابوداؤدؒ اور دارمیؒ نے حضرت ناجیہ اسلمیؓ سے۔ اس طرح بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کے دو راوی ہیں ایک ناجیہ خزاعیؓ اور دوسرے ناجیہ اسلمیؓ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ صحابہؓ میں ناجیہؓ نام کے صرف ایک ہی صحابی ہیں لہٰذا محدثین اس بارہ میں لکھتے ہیں یہاں اختلاف صرف نسب کا ہے ذات ایک ہی ہے یعنی ناجیہ خزاعی اور ناجیہ اسلمی ایک ہی صحابیؓ کا نام ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ بعض نے تو انہیں ناجیہؓ خزاعی کے نام سے ذکر کیا ہے اور بعض نے ناجیہ اسلمی کہا ہے کیونکہ خزاعی اور اسلمی یہ دونوں ان کے قبیلہ کے نام ہیں۔

قربانی کے دن کی فضیلت

⑯ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُرْطٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَيَّامِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ قَالَ ثَوْرٌ وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّانِي قَالَ وَقُرِّبَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ اَوْ سِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ اِلَيْهِ بِاَيَّتِهِنَّ يَبْدَاُ قَالَ فَلَمَّا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا قَالَ فَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ خَفِيَّةٍ لَمْ اَفْهَمْهَا فَقُلْتُ مَا قَالَ قَالَ مَنْ شَاءَ اقْتَطَعَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عبداللہ ابن قرطؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنوں میں بہت بڑا دن (از روئے فضیلت) قربانی کا دن (یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ) ہے اور پھر قر کا دن۔ حدیث کے راوی حضرت ثورؒ کہتے ہیں کہ یہ (قر کا دن) دوسرا دن (یعنی ذی الحجہ کی گیارھویں تاریخ ہے) حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ (جب قربانی کے دن) آنحضرت ﷺ کے قریب وہ اونٹ لائے گئے جو پانچ یا چھ کی تعداد میں تھے تو اونٹوں نے (ایک دوسرے پر سبقت کر کے) آپ ﷺ کے نزدیک آنا شروع کیا تاکہ جسے چاہیں پہلے اسی کو ذبح کریں۔ راوی کہتے ہیں کہ جب یہ جانور پہلو پر گر گئے (یعنی وہ ذبح کر دیئے گئے) تو آنحضرت ﷺ نے آہستہ سے کچھ فرمایا جسے میں نہ سمجھ سکا، چنانچہ میں نے (اس شخص سے جو میرے پاس تھا) پوچھا کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ "جو شخص چاہے (ہدی کے) ان جانوروں میں سے (گوشت) کاٹ کر لے جائے"۔ (رواہ ابوداؤدؒ)

تشریح: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "دنوں میں بہت بڑا دن قربانی کا دن ہے" سے مراد یہ ہے کہ قربانی کا دن ان دنوں میں سے ایک دن ہے جو افضل اور بزرگ ترین دن ہیں۔ یہ مراد اس لئے لی گئی ہے کہ دوسری احادیث میں (ذی الحجہ کے) عشرہ کو تمام دنوں کے مقابلہ میں

افضل کہا گیا ہے لہٰذا اس اعتبار سے کہ عشرہ ذی الحجہ افضل ہے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ (جو قربانی کا دن ہے) بھی افضل ہے کیونکہ یہ دن بھی عشرۂ ذی الحجہ میں شامل ہے۔

اب رہی یہ بات کہ جس طرح احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام دنوں میں افضل ترین عشرہ ذی الحجہ ہے اسی طرح یہ بات بھی احادیث ہی سے ثابت ہے کہ رمضان کا آخری عشرہ افضل ترین ہے۔ تو اس تضاد کو یوں رفع کیا جائے کہ ان احادیث کو کہ جن سے عشرہ ذی الحجہ کا افضل ہونا ثابت ہوتا ہے اشہر حرم کے ساتھ مقید کیا جائے یعنی یہ کہا جائے کہ اشہر حرم کے دنوں میں افضل ترین عشرہ ذی الحجہ ہے لہٰذا حاصل یہ نکلے گا کہ عشرہ ذی الحجہ حرام مہینوں میں افضل ہے اور عشرہ رمضان مطلق طور پر تمام دنوں میں افضل ہے۔

مذکورہ بالا تضاد کو دور کرنے کے لئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ افضلیت باعتبار حیثیت کے مختلف ہے یعنی چونکہ رمضان میں روزے رکھے جاتے ہیں، اس ماہ مقدس میں عبادت کا ثواب بہت زیادہ حاصل ہوتا ہے اور اس کے آخر عشرہ میں اعتکاف ہوتا ہے اس اعتبار سے تو رمضان کا آخر عشرہ افضل ہے اور چونکہ ذی الحجہ میں حج کے افعال ادا ہوتے ہیں اور قربانی کی جاتی ہے اس اعتبار سے یہ افضل ہے۔

"قر کا دن" سے بقر عید کے بعد کا دن یعنی ذی الحجہ کی گیارھویں تاریخ مراد ہے، اس دن کو قر کا دن اس لئے کہتے ہیں کہ ادائے مناسک کی محنت و مشقت برداشت کرنے کے بعد منیٰ میں اسی دن حاجیوں کو سکون و قرار ملتا ہے۔

اس موقع پر بھی یہ خلجان پیدا ہو سکتا ہے کہ حدیث صحیح میں تو عرفہ کے دن کو افضل کہا گیا ہے؟ تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ قر کا دن ان دنوں میں سے ایک دن ہے جو افضل ہیں۔

"اونٹوں نے آپ ﷺ کے نزدیک آنا شروع کیا الخ" کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب ان اونٹوں کو ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور وہ اونٹ آپ ﷺ کے پاس لائے گئے تو ہر اونٹ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک کی برکت حاصل کرنے کے لئے اس بات کا منتظر تھا کہ پہلے مجھے ذبح کریں، اس مقصد کے لئے اونٹ ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے، یہ دراصل آپ ﷺ کا معجزہ تھا کہ جانوروں میں بھی حصول برکت و سعادت کا وہ جذبہ لطیف پیدا ہو گیا جو انسانوں ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے۔ وَذُكِرَ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍؓ وَجَابِرٍ فِي بَابِ الْأُضْحِيَةِ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت جابرؓ کی حدیثیں باب الاضحیہ میں ذکر کی جا چکی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

قربانی کا گوشت

(۱۷) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَحّٰى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَفِي بَيْتِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا الْعَامَ الْمَاضِيَ قَالَ كُلُوْا وَاَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جُهْدٌ فَاَرَدْتُّ اَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهِمْ۔ (متفق علیہ)

"حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے جو شخص قربانی کرے تو تیسرے دن کے بعد اس حال میں صبح نہ ہو کہ اس کے گھر میں قربانی کا گوشت موجود ہو۔" یعنی قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھے پھر جب دوسرا سال آیا تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ (ﷺ) کیا ہم اس سال بھی ایسا ہی کریں جیسا کہ پچھلے سال کیا تھا؟ (یعنی گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی قربانی کا گوشت تین دن کے بعد نہ رہنے دیں) آپ ﷺ نے فرمایا "کھاؤ" کھلاؤ اور جمع کر کے رکھو، دراصل پچھلے سال لوگ محنت و مشقت اور محتاجگی میں مبتلا تھے اس لئے میں نے (جمع کرنے سے منع کر کے) یہ چاہا تھا کہ تم لوگ ان ضرورت مندوں کی مدد کرو (اور اب چونکہ ایسی ضرورت و حاجت نہیں رہی ہے اس لئے اگر تم قربانی کا گوشت جمع رکھنا چاہتے ہو تو تمہیں اس کی اجازت ہے)۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: ایک سال مدینہ اور آس پاس کے علاقوں میں شدید قحط پڑا تھا، اس موقع پر باہر کے رہنے والے بڑی کثرت کے ساتھ مدینہ آگئے

تھے جن سے سارا مدینہ بھر گیا تھا، اسی سال آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ لوگوں کے پاس جتنا گوشت ہو تقسیم کر دیں، جمع کر کے نہ رکھیں۔ پھر آئندہ سال جب تقسیم کی حاجت وضرورت نہ رہی تو آپ ﷺ نے جمع رکھنے کی اجازت دے دی۔

(۱۸) وَعَنْ نُبَيْشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا كُنَّا نَهَيْنَاكُمْ عَنْ لُحُوْمِهَا اَنْ تَاْكُلُوْهَا فَوْقَ ثَلَاثٍ لِكَيْ تَسَعَكُمْ جَاءَ اللّٰهُ بِالسَّعَةِ فَكُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَاْتَجِرُوْا اَلَا وَاِنَّ هٰذِهِ الْاَيَّامَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت نبیشہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہم تمہیں قربانی یا ہدی کے گوشت کے بارہ میں اس بات سے منع کرتے تھے کہ تم اسے تین دن سے زیادہ کھاؤ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وسعت ہو (یعنی تاکہ اس طرح تمہارے فقراء بھی اس گوشت سے فائدہ اٹھائیں) اب اللہ تعالیٰ نے وسعت بخش دی ہے اس لئے تم (جب تک جی چاہے) کھاؤ اور جمع رکھو نیز (اس گوشت کے صدقہ وخیرات کے ذریعہ) ثواب حاصل کرو اور یاد رکھو! یہ (چار) دن (جو منیٰ میں گزارے جاتے ہیں) کھانے پینے کے دن ہیں (کہ ان ایام میں روزہ رکھنا حرام ہے) اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے دن ہیں۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ارشاد کے مطابق یہ ایام ذکر اللہ میں بہت زیادہ مشغول رہنے کے ہیں۔

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔

"یعنی جب تم اپنے حج کے افعال کی ادائیگی سے فارغ ہو چکو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جیسا کہ تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو یعنی بہت زیادہ یاد کرنا۔"

بَابُ الْحَلْقِ

سر منڈانے کا بیان

دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد منیٰ ہی میں ہدی ذبح کی جاتی ہے اس کے بعد سر منڈوا کر یا بال کتروا کر احرام کھول دیا جاتا ہے اس طرح رفث (عورت سے جماع وغیرہ) کے علاوہ ہر وہ چیز جو احرام کی حالت میں ممنوع تھی، جائز ہو جاتی ہے، چنانچہ اس باب میں سر منڈوانے اور بال کتروانے دونوں چیزوں کا ذکر ہے، اگرچہ مؤلف مشکوٰۃ نے عنوان میں صرف سر منڈوانے کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے کیونکہ احرام سے نکلنے کے لئے بال کتروانے کی بہ نسبت سر منڈانا افضل ہے، اس بارہ میں تفصیل انشاء اللہ حسب موقع بیان ہوگی۔

یہ بات جان لیجئے کہ آنحضرت ﷺ کے بارہ میں یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے حج و عمرہ کے علاوہ اور کبھی سر منڈایا ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

سر منڈانا افضل ہے

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَقَ رَاْسَهُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَاُنَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِهِ وَقَصَّرَ بَعْضُهُمْ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنا سر منڈایا اور صحابہؓ میں سے کچھ نے تو اپنے سر منڈائے اور کچھ نے اپنے بال کتروائے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: جن صحابہؓ نے اپنے سر منڈائے انہوں نے تو آنحضرت ﷺ کی اتباع کے جذبے اور حصول افضلیت کو پیش نظر رکھا اور جن صحابہؓ نے بال کتروانے پر اکتفاء کیا (انہوں نے گویا جواز پر عمل کیا کہ بال کتروانا بھی جائز ہے۔ صحیحین وغیرہما میں یہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمرۃ القضاء میں سر منڈانے کی بجائے بال کتروائے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ سے یہ دونوں چیزیں ثابت ہیں لیکن افضل سر منڈانا ہی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا بال کتروانا

② وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ لِیْ مُعَاوِیَۃُ اِنِّیْ قَصَّرْتُ مِنْ رَأْسِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْمَرْوَۃِ بِمِشْقَصٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے سر کے بال مروہ کے قریب تیر کی پیکان سے کترے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "مِشْقَص" کے معنی ہیں "تیر کی پیکان" لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ "مِشْقَص" بڑی قینچی کو کہتے ہیں اور یہ معنی زیادہ مناسب اور زیادہ صحیح بھی ہیں۔

احادیث سے چونکہ یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے حج میں سر کے بال کتروائے نہیں بلکہ منڈوائے تھے اس لئے حضرت معاویہؓ کے اس بیان کا تعلق حج سے نہیں بلکہ عمرے سے ہے، چنانچہ حضرت معاویہؓ کے الفاظ عِنْدَ الْمَرْوَۃِ (مروہ کے قریب) بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ حضرت معاویہؓ اگر آپ ﷺ کے بال حج میں کترتے تو "مروہ کے قریب" نہ کہتے بلکہ یہ کہتے کہ میں نے آپ ﷺ کے سر کے بال منیٰ میں کترے۔

سر منڈانے والوں کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعاء رحمت

③ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِیْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِیْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِیْنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا "اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما" صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! بال کتروانے والوں کے لئے دعاء رحمت کیجئے" آپ ﷺ نے فرمایا "اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما" صحابہؓ نے (جب پھر) عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ) بال کتروانے والوں کے لئے بھی دعا رحمت کیجئے"۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا (اے اللہ!) اور بال کتروانے والوں پر بھی (رحم فرما)۔" (بخاریؒ، مسلمؒ)

تشریح: اس بات سے سر منڈانے کی افضلیت ثابت ہوئی کہ آپ ﷺ نے سر منڈانے والوں کے لئے تو کئی بار دعاء رحمت کی اور بال کتروانے والوں کے لئے کئی بار کے بعد ایک ہی مرتبہ دعاء رحمت کی۔

④ وَعَنْ یَحْیَی بْنِ الْحُصَیْنِ عَنْ جَدَّتِہٖ اَنَّھَا سَمِعَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ دَعَا لِلْمُحَلِّقِیْنَ ثَلَاثًا وَلِلْمُقَصِّرِیْنَ مَرَّۃً وَّاحِدَۃً۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت یحییٰ ابن حصینؒ (تابعی) اپنی دادی محترمہ سے (کہ جن کی کنیت ام الحصین ہے) نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حجۃ الوداع میں نبی کریم ﷺ کو سر منڈانے والوں کے لئے تین مرتبہ اور بال کتروانے والوں کے لئے (آخر میں) ایک مرتبہ دعا کرتے سنا۔" (مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے پہلے بخاری و مسلم کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے سر منڈانے والوں کے

لئے تو دو مرتبہ دعا کی اور تیسری مرتبہ میں بال کتروانے والوں کو بھی شامل فرمایا، نیز بخاری و مسلم ہی کی ایک اور روایت میں یہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چوتھی مرتبہ میں بال کتروانے والوں کو شامل فرمایا، جب کہ مسلم کی یہ روایت بتا رہی ہے کہ آپ ﷺ نے سر منڈانے والوں کے لئے تو تین مرتبہ دعا کی اور بال کتروانے والوں کے لئے ایک مرتبہ، اب چاہے تو ان کو تیسری ہی مرتبہ میں شامل کیا ہو، چاہے چوتھی مرتبہ ان کے لئے علیحدہ سے دعا کی۔

بہر کیف ان تمام روایتوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے علماء لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ دعا کئی مجلسوں میں کی ہوگی، چنانچہ کسی مجلس میں آپ ﷺ نے سر منڈانے والوں کے لئے دو مرتبہ اور تیسری مرتبہ میں بال کتروانے والوں کے لئے دعا کی اور کسی مجلس میں تین مرتبہ سر منڈانے والوں کے لئے اور چوتھی مرتبہ بال کتروانے والوں کے لئے دعا کی ہوگی، یا پھر یہ کہ جس راوی نے جو سنا اور اس پر جو حقیقت ظاہر ہوئی اس نے اسی کو ذکر کیا۔

سر منڈانے میں دائیں طرف سے ابتداء کرنا سُنّت ہے

⑤ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى مِنًى فَاَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ اَتٰى مَنْزِلَهٗ بِمِنًى وَنَحَرَ نُسُكَهٗ ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ وَنَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْاَيْمَنَ فَحَلَقَهٗ ثُمَّ دَعَا اَبَا طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيَّ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْاَيْسَرَ فَقَالَ احْلِقْ فَحَلَقَهٗ فَاَعْطَاهُ اَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ منیٰ میں آنے کے بعد جمرۂ عقبہ کے پاس تشریف لائے اور وہاں کنکریاں ماریں پھر منیٰ میں اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے اور اپنی ہدی کے جانوروں کو ذبح کیا، اس کے بعد سر مونڈنے والے کو (جس کا نام معمر بن عبد اللہ تھا) بلایا اور اپنے سر کا دایاں حصہ اس کے سامنے کیا، چنانچہ اس نے آپ ﷺ کے سر (کے اس داہنے حصہ) کو مونڈا، پھر آپ ﷺ نے حضرت طلحہ انصاریؓ کو بلایا اور ان کو اپنے وہ مونڈے ہوئے بال دیئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے سر کا بایاں حصہ مونڈنے والے کی طرف کر کے فرمایا کہ اب اسے مونڈو، چنانچہ اس نے مونڈ دیا، یہ بال بھی آپ ﷺ نے حضرت ابو طلحہ انصاری کو دے دیئے اور فرمایا کہ یہ بال لوگوں میں تقسیم کر دو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ سر منڈانے میں دائیں طرف سے ابتداء کرنا سُنّت ہے، نیز اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دائیں طرف میں منڈوانے والے کا اعتبار ہے کہ وہ اپنے سر کو دائیں طرف سے منڈانا شروع کرے، جب کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مونڈنے والے کی دائیں طرف کا اعتبار ہے یعنی مونڈنے والا اپنی دائیں طرف سے سر مونڈنا شروع کرے۔

قربانی کے دن خوشبو کا استعمال

⑥ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ وَيَوْمَ النَّحْرِ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ بِطِيْبٍ فِيْهِ مِسْكٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کو احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگاتی تھی (احرام خواہ حج کا ہوتا خواہ عمرہ کا اور خواہ دونوں کا) اور میں نحر (قربانی) کے دن بھی خانہ کعبہ کے طواف سے پہلے (سر منڈانے اور کپڑے پہننے کے بعد) آپ ﷺ کے خوشبو لگاتی تھی، اور خوشبو بھی وہ جس میں مشک ہوتا تھا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ جن مواقع پر حضرت عائشہؓ نے خوشبو لگانے کا ذکر کیا ہے یعنی احرام باندھنے سے پہلے اور نحر کے دن طواف خانہ کعبہ سے قبل، اگر ان اوقات میں خوشبو لگائی جائے تو مشک اور گلاب کی خوشبو لگانا سب سے بہتر اور اولیٰ ہے کیونکہ ان دونوں میں

صرف خوشبو ہوتی ہے رنگ نہیں ہوتا۔

نحر (قربانی کے دن) یعنی دسویں ذی الحجہ کو سر منڈانے کے بعد حاجی احرام سے باہر ہو جاتے ہیں یعنی وہ چیزیں جو احرام کی وجہ سے ان پر حرام تھیں اس دن سب حلال ہو جاتی ہیں علاوہ رفث کے اور جب طواف زیارت سے فراغت ہو جاتی ہے تو رفث بھی حلال ہو جاتا ہے۔

نحر کے دن آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز کہاں پڑھی

⑦ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفَاضَ یَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَلَّی الظُّہْرَ بِمِنًی۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نحر کے دن (رمی اور قربانی سے فارغ ہو کر) مکہ تشریف لائے اور چاشت کے وقت طواف فرض کیا پھر (اسی روز) وہاں سے واپس ہوئے اور ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھی۔" (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے دسویں ذی الحجہ کو ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھی جب کہ باب حجۃ الوداع میں حضرت جابرؓ کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس دن ظہر کی نماز مکہ میں ادا فرمائی؟ چنانچہ دونوں روایتوں کے اس ظاہری تضاد کو حضرت جابرؓ کی روایت کی تشریح میں رفع کیا جا چکا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز تو مکہ ہی میں ادا کی تھی البتہ آپ ﷺ نے منیٰ میں نفل نماز پڑھی جس کو حضرت ابن عمرؓ نے ظہر کی نماز گمان کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عورت کو سر منڈانے کی ممانعت

⑧ وَعَنْ عَلِیٍّ وَعَائِشَۃَ قَالَا نَہٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ تَحْلِقَ الْمَرْاَۃُ رَاْسَہَا۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عورت کو اپنا سر منڈوانے سے منع فرمایا ہے۔" (ترمذیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ عورت جب احرام سے باہر آئے تو اپنا سر نہ منڈائے چنانچہ فقہی مسئلہ بھی یہی ہے۔ ویسے اس حدیث سے عورتوں کو مطلقاً سر منڈانے کی ممانعت بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ جس طرح مرد کو داڑھی منڈانا حرام ہے اسی طرح عورت کو اپنا سر منڈانا حرام ہے۔ ہاں کسی ضرورت و مجبوری کی بناء پر عورت اپنا سر منڈوا سکتی ہے۔

عورت کو صرف بال کتروانے چاہئیں

⑨ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ عَلَی النِّسَاءِ الْحَلْقُ اِنَّمَا عَلَی النِّسَاءِ التَّقْصِیْرُ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والدارمی)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سر منڈانا عورتوں کے لئے ضروری نہیں ہے بلکہ انہیں صرف اپنے بال کتروانے چاہئیں۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، دارمیؒ)

تشریح: اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں جب احرام سے باہر آئیں تو سر منڈانا ان پر واجب نہیں ہے بلکہ ان کے لئے حرام ہے ہاں بال کتروانا ان پر واجب ہے، بخلاف مردوں کے کہ ان پر دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک واجب ہے کہ چاہے تو سر منڈائیں چاہے صرف بال کتروالیں البتہ سر منڈانا افضل ہے۔

سر منڈانے یا بال کتروانے کی مقدار: حنفیہ کے ہاں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ سر منڈانے کے سلسلہ میں صرف چوتھائی سر کا منڈانا واجب ہے اور پورے سر کا منڈانا افضل ہے، ہاں بال کتروانے کے سلسلہ میں واجب صرف چوتھائی سر کے بال کو ایک انگلی پور کے برابر کتروانا ہے اور پورے سر کے بال کتروانے مستحب ہیں، لیکن علامہ ابن ہمامؒ نے اس قول کو اختیار کیا ہے جو حضرت امام مالکؒ کا مسلک ہے کہ پورے سر کو منڈوانا یا پورے سر کے بال کتروانا ہی واجب ہے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ یہی صواب ہے۔

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّالِثِ

اور اس باب میں تیسری فصل نہیں ہے۔

بَابٌ

گزشتہ باب کے متعلقات کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

افعال حج میں تقدیم وتاخیر

(۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمِنًى لِلنَّاسِ يَسْأَلُوْنَهُ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَمْ اَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ فَقَالَ اِذْبَحْ وَلَا حَرَجَ فَجَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ لَمْ اَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ فَقَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا اُخِّرَ اِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ اَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ وَاَتَاهُ اٰخَرُ فَقَالَ اَفَضْتُ اِلَى الْبَيْتِ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ۔

"حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر جب منیٰ میں ٹھہرے تاکہ لوگ آپ ﷺ سے مسائل دریافت کریں تو ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ناواقفیت کی وجہ سے میں نے ذبح کرنے سے پہلے اپنا سر منڈوا لیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اب ذبح کرلو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر ایک اور شخص نے آکر عرض کیا کہ میں نے ناواقفیت کی بناء پر کنکریاں مارنے سے پہلے جانور ذبح کرلیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اب کنکریاں مارلو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ سے جس فعل کی بھی تقدیم یا تاخیر کے بارہ میں سوال کیا گیا آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ "اب کرلو" اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (بخاریؒ ومسلمؒ) مسلمؒ کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ "ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ "میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے سر منڈا لیا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اب کنکریاں مارلو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے" ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں نے خانہ کعبہ کا فرض طواف کنکریاں مارنے سے پہلے کرلیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اب کنکریاں مارلو، اس میں کوئی حرج نہیں"۔

تشریح: اس روایت میں ان افعال حج کی تقدیم وتاخیر کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے اور سائلین کے جواب دیئے گئے ہیں جو قربانی کے دن یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو کئے جاتے ہیں، چنانچہ اس دن چار چیزیں ہوتی ہیں جن کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے منیٰ میں پہنچ کر جمرۂ عقبہ پر جو ایک مینار ہے سات کنکریاں ماری جائیں، پھر جانور کہ جن کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے ذبح کئے جائیں اس کے بعد سر منڈایا جائے یا بال

لٹروائے جائیں اور پھر مکہ جاکر خانۂ کعبہ کا طواف کیا جائے، اس ترتیب کے ساتھ ان افعال کی ادائیگی اکثر علماء کے نزدیک مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں سنّت ہے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ بھی انہیں میں شامل ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک اگر ان افعال کی ادائیگی میں تقدیم وتاخیر ہو جائے تو بطور جزاء (اس کے بدلہ میں) دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب نہیں ہوتا۔ علماء کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا ترتیب واجب ہے۔ حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام مالکؒ بھی اس جماعت کے ساتھ ہیں۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ ارشاد گرامی "اس میں کوئی حرج نہیں ہے" کا مطلب صرف اتنا ہے کہ یہ تقدیم وتاخیر چونکہ ناواقفیت یا نسیان کی وجہ سے ہوئی ہے اس لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے لیکن جزاء کے طور پر دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا۔ لہٰذا ان حضرات کے مسلک کے مطابق ان چاروں چیزوں میں سے کوئی چیز اگر مقدم یا مؤخر ہوگئی تو بطور جزاء ایک بکری یا اس کے مانند کوئی جانور ذبح کرنا ضروری ہوگا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے ایسی ہی ایک حدیث روایت کی ہے جب کہ خود انہوں نے مذکورہ افعال کی تقدیم وتاخیر کے سلسلہ میں دم واجب کیا ہے، اگر وہ حدیث کے وہ معنی نہ سمجھتے جو حضرت امام اعظمؒ اور ان کے ہمنواء علماء نے سمجھے ہیں تو وہ خود دم واجب کیوں کرتے؟

(۲) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْئَلُ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى فَيَقُوْلُ لَا حَرَجَ فَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ رَمَيْتُ بَعْدَمَا اَمْسَيْتُ فَقَالَ لَا حَرَجَ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قربانی کے دن منٰی میں لوگ نبی کریم ﷺ سے (تقدیم وتاخیر کے سلسلہ میں) مسائل دریافت کررہے تھے اور آپ ﷺ جواب میں یہی فرماتے تھے کہ "کوئی حرج نہیں ہے" چنانچہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ میں نے شام ہونے کے بعد کنکریاں ماری ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کوئی حرج نہیں ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: دوسرے آئمہ کا مسلک تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قربانی کے دن کنکریاں مارنے میں اتنی تاخیر کرے کہ آفتاب غروب ہو جائے تو اس پر دم واجب ہوگا، چنانچہ ان کے نزدیک حدیث میں "شام کے بعد" سے مراد "بعد عصر" ہے۔

حنفیہ کے ہاں اس بارہ میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو طلوع فجر کے بعد (اور طلوع آفتاب سے پہلے) کا وقت کنکریاں مارنے کے لئے وقت جواز ہے مگر اساءۃ کے ساتھ، یعنی اگر کوئی شخص طلوع فجر کے بعد ہی کنکریاں مارے تو یہ جائز ہو جائے گا مگر یہ اچھا نہیں ہوگا۔ طلوع آفتاب کے بعد سے زوال آفتاب تک کا وقت، وقت مسنون ہے۔ زوال آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت، وقت جواز ہے مگر بغیر اساءۃ کے یعنی اگر کوئی شخص زوال آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب تک کے کسی حصہ میں کنکریاں مارے تو یہ جائز بھی ہوگا اور اس کے بارہ میں یہ بھی نہیں کہیں گے کہ اس نے اچھا نہیں کیا۔ البتہ "وقت مسنون" کی سعادت اسے حاصل نہیں ہوگی۔ اور غروب آفتاب کے بعد یعنی رات کا وقت، وقت جواز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔

مگر اتنی بات ذہن میں رہے کہ کراہت اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شخص بلا عذر اتنی تاخیر کرے کہ آفتاب بھی غروب ہو جائے اور پھر وہ رات میں کنکریاں مارے، چنانچہ اگر چرواہا ہے یا ان کے مانند وہ لوگ جو کسی عذر کی بناء پر رات ہی میں کنکریاں مار سکتے ہوں تو ان کے حق میں کراہت نہیں ہے، البتہ اس حدیث میں آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ "کوئی حرج نہیں ہے" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سائل کوئی چرواہا ہوگا جس نے "شام کے بعد" یعنی رات میں کنکریاں ماریں اس لئے آپ ﷺ نے اس کے بارہ میں فرمایا کہ تم چونکہ دن میں کنکریاں مارنے سے معذور تھے اس لئے رات میں کنکریاں مارنے کی وجہ سے تم پر کوئی گناہ نہیں۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بلا عذر رمی (کنکریاں مارنے) میں اتنی تاخیر کرے کہ صبح ہو جائے تو وہ رمی کرے گا مگر اس پر بطور جزاء دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہو جائے گا، یہ حضرت امام اعظمؒ کا قول ہے صاحبینؒ کا اس سے اختلاف ہے۔

یوم نحر کے بعد کے دو دنوں یعنی ذی الحجہ کی گیارھویں اور بارھویں تاریخ میں کنکریاں مارنے کا وقت مسنون زوال آفتاب کے بعد سے

غروب آفتاب تک ہے اور غروب آفتاب کے بعد سے فجر طلوع ہونے تک مکروہ ہے، لہٰذا فجر طلوع ہوتے ہی حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک وقت ادا ختم ہو جاتا ہے جب کہ صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک وقت ادا طلوع فجر کے بعد بھی باقی رہتا ہے، گویا رمی کا وقت طلوع فجر کے بعد بالاتفاق باقی رہتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اس وقت کی رمی حضرت امام اعظمؒ کے ہاں وقت قضا میں ہوگی اور صاحبینؒ کے ہاں وقت ادا ہی میں! اور چوتھے دن یعنی ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ کو آفتاب غروب ہوتے ہی متفقہ طور پر سب کے نزدیک رمی کا وقت ادا بھی فوت ہو جاتا ہے اور وقت قضا بھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

(۳) وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ اَتَاہُ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَفَضْتُ قَبْلَ اَنْ اَحْلِقَ قَالَ اِحْلِقْ اَوْ قَصِّرْ وَلَا حَرَجَ وَجَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ۔ (رواہ الترمذی)

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! میں نے طواف افاضہ یعنی فرض طواف سر منڈانے سے پہلے کر لیا؟" آپ ﷺ نے فرمایا اب سر منڈالو یا بال کتر والو۔ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور شخص نے آکر عرض کیا کہ "میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے جانور ذبح کر لیا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا اب کنکریاں مار لو، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔" (ترمذیؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۴) وَعَنْ اُسَامَۃَ بْنِ شَرِیْكٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَکَانَ النَّاسُ یَاْتُوْنَہٗ فَمِنْ قَائِلٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ سَعَیْتُ قَبْلَ اَنْ اَطُوْفَ اَوْ اَخَّرْتُ شَیْئًا اَوْ قَدَّمْتُ شَیْئًا فَکَانَ یَقُوْلُ لَا حَرَجَ اِلَّا عَلٰی رَجُلٍ اقْتَرَضَ عِرْضَ مُسْلِمٍ وَھُوَ ظَالِمٌ فَذٰلِكَ الَّذِیْ حَرَجَ وَھَلَكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت اسامہ بن شریکؓ کہتے ہیں کہ مجھے رسول کریم ﷺ کے ہمراہ ادائیگی حج کی سعادت حاصل ہوئی ہے، چنانچہ (حج کے دوران) جو لوگ (مسائل پوچھنے کے لئے) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے تھے، ان میں کوئی یہ کہتا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! میں نے طواف کعبہ سے پہلے سعی کر لی ہے یا (افعال منیٰ میں سے) یہ کام میں نے پہلے کر لیا یا یہ کام میں نے بعد میں کیا؟ آپ ﷺ اس سے فرماتے کہ "اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ گناہ اس شخص پر ہے جو ظالم ہونے کی وجہ سے کسی مسلمان کی آبروریزی کرے پس یہ وہ شخص ہے جو گنہ گار ہے اور ہلاک ہوا۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: اگر احرام باندھنے اور طواف قدوم یا طواف نفل سے پہلے سعی کر لی جائے تو صحیح نہیں ہوگی یعنی طواف افاضہ سے پہلے سعی کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ سعی، احرام اور طواف کے بعد ہو خواہ نفل ہی طواف ہو۔

اس لئے "میں نے طواف کعبہ سے پہلے سعی کر لی ہے" کے بارہ میں یہ کہا جائے گا کہ سائل اگر آفاقی (یعنی غیر مکی) تھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے حج کے احرام اور طواف قدوم کے بعد اور طواف افاضہ سے پہلے سعی کر لی ہے۔ اور اگر سائل مکی تھا تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ "میں نے حج کے احرام اور طواف نفل کے بعد طواف افاضہ سے پہلے سعی کر لی ہے۔"

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر افعال منیٰ میں نادانستگی کی وجہ سے کوئی تقدیم و تاخیر ہو جائے تو کوئی گناہ کی بات نہیں ہے، بلکہ دراصل گناہ گار تو وہ شخص ہے جو از راہ ظلم و ایذا رسانی ناحق کسی کی آبروریزی کرے مثلاً کسی کی اہانت کرے یا کسی کی غیبت کرے۔ گویا وہ شخص اس حکم میں داخل نہیں رہا جو دین کی خاطر کسی کی آبروریزی کرے چنانچہ ایسا شخص گنہگار نہیں ہوتا۔

بَابُ خُطْبَةِ يَوْمِ النَّحْرِ وَرَمْيِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ وَالتَّوْدِيْع
قربانی کے دن کے خطبہ ایام تشریق میں رمی اور طواف رخصت کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

قربانی کے دن خطبہ

① عَنْ اَبِي بَكْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَ اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ وَ قَالَ اَيُّ شَهْرٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ فَقَالَ اَلَيْسَ ذَا الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ اَيُّ بَلَدٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ اَلَيْسَ الْبَلْدَةَ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَاَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ اَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَاِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ اَعْمَالِكُمْ اَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ۔
(متفق علیہ)

"حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے دن ہمارے سامنے خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا" (لوگو) زمانہ (یعنی سال) کی گردش پوری ہوگئی ہے اپنی اس وضع کے موافق جس پر کہ وہ اس روز تھا جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا (یعنی سال اپنی وضع کے مطابق بارہ مہینے کا پورا ہوگیا ہے) سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے جس میں سے چار مہینے باحرمت ہیں تین تو مسلسل ہیں یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ محرم اور (چوتھا) مضر کا رجب جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔" پھر آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کون سا مہینہ ہے؟" ہم نے عرض کیا "اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ جانتا ہے۔" آپ ﷺ نے سکوت فرمایا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ ﷺ اس مہینہ کا کوئی اور نام رکھیں گے، مگر آپ ﷺ نے فرمایا "کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟" ہم نے کہا "بیشک ذی الحجہ ہے۔" پھر آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کون سا شہر ہے؟" ہم نے کہا "اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔" آپ ﷺ پھر خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ ﷺ اس شہر کا کوئی اور نام رکھیں گے مگر آپ ﷺ نے فرمایا "کیا یہ بلدہ (مکہ کا ایک نام ہے) نہیں ہے؟" ہم نے عرض کیا کہ "بیشک! بلدہ ہی ہے۔" پھر آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے کہا کہ "اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔" آپ ﷺ نے پھر سکوت فرمایا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ ﷺ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے مگر آپ ﷺ نے فرمایا "کیا یہ یوم نحر (قربانی کا دن) نہیں ہے؟" ہم نے عرض کیا کہ "بیشک یہ یوم نحر ہی ہے۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "(یاد رکھو) تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تم پر (ہمیشہ کے لئے) اسی طرح حرام ہیں جس طرح کہ تمہارے اس دن میں، تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینہ میں! اور (اے لوگو!) تم عنقریب اپنے پروردگار سے ملو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارہ میں سوال کرے گا! خبردار! میری وفات کے بعد تم ضلالت کی طرف نہ لوٹ جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو! آگاہ! کیا میں نے (احکام خداوندی پہنچانے کا) اپنا فرض ادا کر دیا؟" ہم نے عرض کیا "بیشک! آپ ﷺ نے اپنا فرض پورا کر دیا۔" آپ ﷺ نے فرمایا "پروردگار! تو (ان لوگوں کے اس اقرار پر) گواہ رہ (تاکہ یہ قیامت کے دن اپنے اس اقرار کا انکار نہ کریں) پھر (آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ) جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان تک پہنچا دیں جو یہاں

موجود نہیں ہیں، کیونکہ بعض وہ لوگ جنھیں کوئی بات پہنچائی جائے اس بات کو سننے والے سے زیادہ یاد رکھتے ہیں۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: شافعیہ کے نزدیک ایام نحر کے پہلے دن یعنی دسویں ذی الحجہ کو خطبہ پڑھنا مستحب ہے، جب کہ حنفیہ کے ہاں نحر کے دوسرے دن یعنی گیارھویں ذی الحجہ کو مستحب ہے، چنانچہ حنفی مسلک کے مطابق ایک خطبہ تو ذی الحجہ کی ساتویں کو، ایک خطبہ نویں کو اور ایک خطبہ گیارھویں کو پڑھا جاتا ہے اور ان خطبات میں حج کے احکام بیان کئے جاتے ہیں جن احادیث صحیحہ میں دوسرے دن (یعنی گیارھویں) کو آنحضرت ﷺ کے خطبہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ حنفی مسلک کی مؤید ہیں لہٰذا اس حدیث کے بارہ میں کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے بطور تذکیر و نصیحت یہ خطبہ دیا ہوگا اور اصل خطبہ آپ ﷺ نے دوسرے ہی دن ارشاد فرمایا تھا۔

ارشاد گرامی کے ابتدائی جملوں کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء پیدائش میں اللہ تعالیٰ نے سال کے جو بارہ مہینے مقرر فرمائے تھے اس کے مطابق بارہ مہینے کا یہ سال پورا ہو گیا، چنانچہ قرآن کریم میں سال کے بارہ مہینوں کے سلسلہ میں یوں فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الاية۔

"یقیناً شمار مہینوں کا کتاب الٰہی میں اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین پیدا کئے تھے۔"

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا پس منظر یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں اہل عرب نے سال کے مہینوں میں تغیر کر دیا تھا جس کی صورت یہ تھی کہ وہ ایک سال کو بارہ مہینے کا رکھتے تو ایک سال کو تیرہ مہینوں کا، اس طرح وہ حج کی ادائیگی کو ہر دو برس بعد ایک مہینہ مؤخر کر دیتے تھے، مثلاً ایک سال وہ کسی مہینہ میں حج کرتے پھر دوسرے سال کو تیرہ مہینے کا قرار دے کر اس مہینہ میں حج کرتے جو پہلے سال کے ماہ حج کے بعد آتا۔ اس صورت میں نہ صرف یہ کہ حج کا مہینہ بدلتا رہتا تھا بلکہ جو مہینے اشہر حرام ہوتے ان کو تو وہ اشہر حلال قرار دے لیتے اور جو مہینے اشہر حلال ہوتے ان کو اشہر حرام بنا لیتے تھے، مثلاً جن مہینوں میں جنگ وجدل حرام نہ ہوتا، اس میں تو وہ جنگ وجدل سے اجتناب کرتے اور ان مہینوں کی خوب تعظیم کرتے اور جن مہینوں میں جنگ وجدال حرام ہوتا اس میں پوری طرح جنگ وجدال کرتے، گویا جو مہینہ واقعۃً محرم کا مہینہ ہوتا اسے وہ احمق اپنے حساب کی رو سے محرم کا مہینہ نہ سمجھتے نتیجہ اس میں خوب لڑتے مرتے، اسی طرح صفر یا کسی دوسرے مہینے کو اپنے حساب سے حرام ٹھہرا لیتے اور اس میں لڑنے مرنے سے باز رہتے، چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کے اس احمقانہ طرز عمل کے بارہ میں یہ حکم فرمایا:

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ۔

"اور ان کی طرف سے مہینوں میں یہ تبدیلی ان کے کفر میں زیادتی ہے۔"

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے حساب کو باطل قرار دیا اور سال کے ہر مہینے کو اس کی اصل پر برقرار رکھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جس سال حجۃ الوداع کیا ہے اس سال ذی الحجہ کا مہینہ اپنی اصل پر تھا، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَةِ (سال کی گردش اپنی وضع کے موافق پوری ہوگئی) ارشاد فرما کر لوگوں کو آگاہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ یہ مہینہ ماہ ذی الحجہ ہے اور حج کا یہی مہینہ ہے، لہٰذا اس مہینہ کو یاد رکھو، اسی مہینہ میں حج کیا کرو اور آئندہ ایک مہینہ کو دوسرے مہینہ سے تبدیل نہ کرو۔

مشہور مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں اہل عرب کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب ماہ حرام آتا اور ان کو اس مہینہ میں لڑنا منظور ہوتا تو وہ اس ماہ حرام کو حلال قرار دے لیتے اور اس کے بعد کسی اور حلال مہینہ کو ماہ حرام بنا لیتے اس طرح مہینوں کی جو اصل خصوصیت تھی اسے تو انہوں نے ترک کر دیا تھا صرف عدد کا اعتبار کر رکھا تھا۔

حدیث کے الفاظ اَلسَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا جملہ مستانفہ ہے یعنی علیحدہ ایک جملہ ہے جو ماقبل جملہ کا بیان اور اس کی وضاحت ہے۔

مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ (جس میں سے چار مہینے باحرمت ہیں) جیسا کہ حدیث نے ان چار مہینوں کی وضاحت کی ہے۔ وہ ذی قعدہ، ذی

الحجہ، محرم اور رجب کے مہینے ہیں ان مہینوں میں قتل و قتال اور جنگ و جدل ممنوع ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا تَظْلِمُوا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ۔

"پس ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔"

لیکن علماء کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ ان مہینوں میں قتل و قتال اور جنگ و جدل کی حرمت منسوخ ہے، ان کے نزدیک مذکورہ بالا آیت میں "ظلم" سے مراد "ارتکاب معاصی" ہے، اس طرح آیت بالا کا مطلب یہ ہوگا کہ "ان مہینوں میں گناہ کر کے اپنے نقصان مت کرو کیونکہ جس طرح حرم میں اور حالت احرام میں گناہ کرنا بہت ہی برا ہے اسی طرح ان مہینوں میں ارتکاب معاصی" بھی بہت ہی بری بات ہے، ان علماء کے اس قول کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شوال اور ذی قعدہ کے مہینوں میں طائف کا محاصرہ اور قبیلہ ہوازن کے ساتھ غزوہ کیا تھا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ان مہینوں میں حرمت قتل کا حکم اب بھی باقی ہے۔

"مضر" عرب کے ایک قبیلہ کا نام تھا، یہ قبیلہ، ماہ رجب کی بہت زیادہ تعظیم کرتا تھا، اسی وجہ سے رجب کی نسبت اس قبیلہ کی طرف کرتے ہوئے آپ ﷺ نے رَجَبُ مُضَرَ (مضر کا رجب) فرمایا۔

آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے مہینہ، دن اور شہر کا نام اس لئے پوچھا تا کہ لوگوں کے ذہن و قلوب میں اس مہینہ دن اور شہر کی حرمت پوری طرح جاگزین ہو اور اس طرح وہ اس بات کی اہمیت کو سمجھ سکیں اور اس پر عمل کرنے کا پورا عزم و یقین پیدا کریں جسے بعد میں بیان کرنا مقصود تھا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کے سوال پر لوگوں کا جواب میں یہ کہنا کہ "اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے" نہ صرف از راہ ادب تھا بلکہ اس سے یہ جاننا بھی مقصود تھا کہ اس سوال سے آنحضرت ﷺ کی غرض کیا ہے۔

بعض احادیث میں اس جملہ فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ ضُلَّالًا (میری وفات کے بعد تم ضلالت کی طرف نہ لوٹ جانا) میں لفظ ضُلَّالًا کی بجائے لفظ کفارا ذکر کیا گیا ہے اس صورت میں اس جملہ کے معنی یہ ہوں گے کہ "میری وفات کے بعد تو اعمال میں کافروں کے مشابہ نہ ہو جانا کہ ان کافروں کی طرح تم بھی ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔"

گیارھویں اور بارھویں کو رمی کا وقت

(۲) وَعَنْ وَبَرَةَ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ مَتٰى اَرْمِي الْجِمَارَ قَالَ اِذَا رَمٰى اِمَامُكَ فَارْمِهِ فَاَعَدْتُ عَلَيْهِ الْمَسْأَلَةَ فَقَالَ كُنَّا نَتَحَيَّنُ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَيْنَا۔ (رواه البخاری)

"اور حضرت وبرہؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ میں (گیارھویں اور بارھویں ذی الحجہ کو) رمی جمار کس وقت کروں؟" تو انہوں نے فرمایا کہ "جس وقت تمہارا امام رمی کرے، اسی وقت تم بھی رمی کرو (یعنی رمی میں اس شخص کی پیروی کرو جو رمی کے وقت کے بارہ میں تم سے زیادہ جانتا ہو) میں نے ان کے سامنے پھر یہ مسئلہ رکھا (یعنی میں نے ان سے رمی کے وقت کی مزید وضاحت چاہی) انہوں نے فرمایا "ہم رمی کے وقت کا انتظار کرتے تا آنکہ جب دوپہر ڈھلتی تو ہم کنکریاں مارتے۔" (بخاریؒ)

رمی جمرات کی ترتیب

(۳) وَعَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَرْمِيْ جَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عَلٰى اِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ حَتّٰى يُسْهِلَ فَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ طَوِيْلًا وَيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِي الْوُسْطٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَمٰى بِحَصَاةٍ ثُمَّ يَاْخُذُ بِذَاتِ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ وَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ يَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُوْمُ طَوِيْلًا ثُمَّ يَرْمِيْ جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ حَصَاةٍ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْلُ هٰكَذَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَفْعَلُهُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت سالمؒ، حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "وہ (یعنی ابن عمرؓ) نزدیک کے جمرہ (یعنی جمرہ اولیٰ) پر سات کنکریاں مارنے اور ہر کنکری کے بعد اللہ اکبر کہتے پھر آگے بڑھتے یہاں تک کہ جب نرم زمین پر پہنچتے تو دیر تک (یعنی بقدر تلاوت سورۂ بقرہ) قبلہ رو کھڑے رہتے اور دعا مانگتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، پھر جمرۂ وسطی پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہتے، پھر بائیں جانب کو بڑھتے اور نرم زمین پر پہنچ کر قبلہ رو کھڑے ہو جاتے اور دعا مانگتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور دیر تک کھڑے رہتے، یہاں تک کہ جمرۂ عقبہ پر بطن وادی سے سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے اور اس جمرہ کے قریب نہیں ٹھہرتے، پھر وہ وہاں سے واپس ہوتے اور کہتے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔" (بخاری)

تشریح: مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق رمی اگرچہ حنفیہ کے ہاں سُنّت ہے لیکن احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ اس ترتیب کو ترک نہ کیا جائے کیونکہ یہ ترتیب حضرت امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک واجب ہے! موالات یعنی تمام جمرات پر پے در پے رمی بھی سُنّت ہے جب کہ یہ حضرت امام مالکؒ کے مسلک میں واجب ہے۔

مِنْ بَطْنِ الْوَادِي (بطن وادی سے) یہ بات معلوم ہوئی کہ رمی جمرہ عقبہ، بطن وادی سے (یعنی نشیبی حصہ میں کھڑے ہو کر) کی جائے چنانچہ نشیب میں کھڑے ہو کر رمی کرنا مسنون ہے۔ لیکن ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر اوپر کی جانب سے جمرۂ عقبہ پر کنکریاں پھینکی جائیں تو اس طرح بھی رمی ہو جائے گی مگر یہ خلاف سُنّت ہے۔

جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطی کے پاس ٹھہرنا اور حمد و صلوٰۃ اور وہاں دعا میں مشغول ہونا تو ثابت ہے لیکن تیسرے جمرہ یعنی جمرۂ عقبٰی کے پاس ٹھہرنا اور دعا مانگنا ثابت نہیں ہے اور اس کی کوئی وجہ و علّت منقول نہیں ہے اگرچہ بعض علماء نے اس بارہ میں کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔

منیٰ میں رات کو ٹھہرنا واجب ہے یا سُنّت؟

④ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اسْتَأْذَنَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّبِيْتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى مِنْ اَجْلِ سِقَايَتِهِ فَاَذِنَ لَهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب نے رسول کریم ﷺ سے اس بات کی درخواست کی کہ جن راتوں میں منیٰ میں قیام کیا جاتا ہے ان میں انہیں سبیل زمزم کی خدمت کے لئے مکہ رہنے کی اجازت دے دی جائے چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: طواف افاضہ کے بعد آب زمزم پینا مستحب ہے چنانچہ اس زمانہ میں زمزم کے کنوئیں کے قریب ہی کئی حوض زمزم کے پانی سے بھرے رہتے تھے تاکہ اگر کوئی شخص اژدحام وغیرہ کی وجہ سے کنوئیں سے پانی نہ پی سکے تو وہ ان حوضوں میں سے پی لے، سبیل زمزم کی نگرانی کی سعادت آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب کو حاصل تھی، اس طرح زمزم کا پانی پلانے کی اس عظیم السعادت خدمت کو وہ اپنے کئی مددگاروں کے ذریعہ انجام دیتے تھے! چنانچہ جن راتوں میں حاجی منیٰ میں قیام کرتے ہیں انہیں راتوں میں حضرت عباسؓ نے نبی کریم ﷺ سے اجازت مانگی کہ اگر حکم ہو تو میں ان راتوں میں مکہ میں رہوں تاکہ سبیل زمزم کی جو مقدس خدمت میرے سپرد ہے اسے انجام دے سکوں آنحضرت ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔

اب مسئلہ کی طرف آئیے، جو راتیں منیٰ میں گذاری جاتی ہیں ان میں منیٰ میں قیام اکثر علماء کے نزدیک واجب ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں ان راتوں میں منا میں رہنا سُنّت ہے، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا ایک قول بھی یہی ہے

اس ضمن میں یہ بات ذہن میں رہے کہ رات کے قیام کے سلسلہ میں رات کے اکثر حصہ یعنی آدھی رات سے زیادہ کے قیام کا اعتبار

ہے اور یہی حکم ان راتوں کا بھی ہے جن میں عبادت وغیرہ کے لئے شب بیداری مستحب ہے مثلاً لیلۃ القدر وغیرہ کہ ان راتوں کے اکثر حصہ کی شب بیداری کا اعتبار ہے۔

بہر کیف جن علماء کے نزدیک منیٰ میں رات کا قیام سُنّت ہے جیسے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، ان کی دلیل مذکورہ بالاحدیث ہے کہ اگر منیٰ میں رات میں قیام واجب ہوتا تو آنحضرت ﷺ حضرت عباسؓ کو ان راتوں میں مکہ میں رہنے کی اجازت کیسے دیتے۔

بعض حنفی علماء کہتے ہیں حضرت عباسؓ کی طرح جس شخص کے سپرد زمزم کا پانی پلانے کی خدمت ہو یا جس کو کوئی شدید عذر لاحق ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ جو راتیں منیٰ میں گذاری جاتی ہیں وہ ان میں منیٰ کا قیام ترک کر دے، گویا اس سے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ بلاعذر سنت کو ترک کرنا جائز نہیں ہے اور یہ کہ کسی عذر کی بناء پر سُنّت کو ترک کرنے میں اساءۃ بھی نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ سبیل زمزم پر

⑤ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ اِلَى السِّقَايَةِ فَاسْتَسْقٰى فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا فَضْلُ اذْهَبْ اِلٰى اُمِّكَ فَاْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرَابٍ مِنْ عِنْدِهَا فَقَالَ اسْقِنِيْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُمْ يَجْعَلُوْنَ اَيْدِيَهُمْ فِيْهِ قَالَ اسْقِنِيْ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ اَتٰى زَمْزَمَ وَهُمْ يَسْقُوْنَ وَيَعْمَلُوْنَ فِيْهَا فَقَالَ اعْمَلُوْا فَاِنَّكُمْ عَلٰى عَمَلٍ صَالِحٍ ثُمَّ قَالَ لَوْلَا اَنْ تُغْلَبُوْا لَنَزَلْتُ حَتّٰى اَضَعَ الْحَبْلَ عَلٰى هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلٰى عَاتِقِهٖ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سبیل پر تشریف لائے اور زمزم کا پانی مانگا، حضرت عباسؓ نے اپنے صاحبزادے سے کہا کہ "فضل! اپنی والدہ کے پاس جاؤ اور رسول کریم ﷺ کے لئے ان سے (زمزم کا وہ) پانی مانگ لاؤ (جو انکے پاس رکھا ہوا ہے اور ابھی استعمال نہیں ہوا ہے) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "تم تو مجھے (اسی سبیل سے) پانی پلا دو۔" حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ (ﷺ)! لوگ اس میں اپنے ہاتھ ڈالتے ہیں!؟ آپ ﷺ نے فرمایا "کوئی مضائقہ نہیں ہے) مجھے (اسی میں سے) پلا دو۔" چنانچہ آپ ﷺ نے اس پانی میں سے پیا اور پھر زمزم کے کنویں کے پاس تشریف لائے جہاں لوگ (یعنی عبدالمطلب کے خاندان والے) لوگوں کو پانی پلا رہے تھے اور اس خدمت میں پوری طرح مصروف تھے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "اپنا کام کئے جاؤ، کیونکہ تم ایک نیک کام میں لگے ہوئے ہو۔" پھر فرمایا "اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غلبہ پالیں گے تو میں (اپنی اونٹنی پر سے) اترتا (جس پر آپ ﷺ سوار تھے تاکہ آپ ﷺ سب کے سامنے رہیں اور لوگ آپ ﷺ سے حج کے عملی احکام سیکھیں) اور آپ ﷺ نے اپنے مونڈھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ رسی اس پر رکھتا (یعنی اگر مجھے اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ مجھے پانی کھینچتا دیکھ کر میری سُنّت کی اتباع میں پانی کھینچنے لگیں گے اور اس سعادت کے حصول کے لئے اتنا اژدحام کریں گے کہ وہ تم پر غالب آجائیں گے اور تمہیں پانی نہ کھینچنے دیں گے جس کی وجہ سے یہ مقدس خدمت تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے گی تو میں بھی اپنی اونٹنی سے اتر کر اس کنویں سے پانی کھینچتا۔" (بخاریؒ)

تشریح: "لوگ اس میں اپنے ہاتھ ڈالتے ہیں" اس بات سے حضرت عباسؓ کا مطلب یہ تھا کہ یہاں پانی پینے والوں کا اژدحام رہتا ہے اس میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جن کے ہاتھ صاف ستھرے نہیں ہوتے اور وہ پانی پینے کے لئے اس حوض میں اپنے ہاتھ ڈالتے رہتے ہیں اس لئے میں نے آپ ﷺ کے لئے اس پانی میں سے منگایا ہے جو بالکل الگ رکھا ہوا ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے اسے منظور نہیں کیا اور فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے تم تو مجھے اسی حوض میں سے پانی پلا دو چنانچہ آپ ﷺ نے اسی حوض سے پانی پیا گویا یہ بات اس روایت کی مانند ہے جس میں منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ کا بچا ہوا پانی ازراہ تبرک پینا پسند فرماتے تھے! نیز حضرت انسؓ نے بطریق مرفوع (یعنی آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی) نقل کیا ہے کہ "یہ چیز تواضع میں داخل ہے کہ انسان اپنے (کسی) بھائی کا جھوٹا پیے۔" لیکن لوگوں میں جو یہ حدیث مشہور ہے کہ سور المؤمنین شفاء (مؤمنین کا جھوٹا شفاء ہے) تو اس کے

بارہ میں علماء لکھتے ہیں کہ یہ حدیث غیر معروف ہے۔ اس کے صحیح ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

مذکورہ بالا روایت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ زمزم کے کنوئیں سے پانی کھینچنے اور پینے کے لئے اونٹنی سے اترے نہیں، جب کہ ایک اور روایت میں جو حضرت عطاءؒ سے منقول ہے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب طواف افاضہ کر چکے تو آپ ﷺ نے زمزم کے کنویں سے ڈول (میں پانی کھینچا اور اس کھینچنے میں آپ ﷺ کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں تھا پھر آپ ﷺ نے اس میں سے پیا اور ڈول میں جو پانی بچ گیا اسے کنویں میں ڈال دیا۔

ان دونوں روایتوں میں مطابقت یہ ہے کہ پہلے تو آنحضرت ﷺ بھیڑ کی وجہ سے اونٹنی سے نہ اترے ہوں گے پھر دوبارہ تشریف لائے تو چھیڑ دیکھ کر پانی کھینچا اور پیا چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ بالا روایت کا تعلق پہلی مرتبہ سے ہے اور حضرت عطاء کی روایت کا تعلق دوسری مرتبہ سے ہے۔

آنحضرت ﷺ کا طواف وداع

(۶) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ ثُمَّ رَقَدَ رَقْدَةً بِالْمُحَصَّبِ ثُمَّ رَكِبَ اِلَى الْبَيْتِ فَطَافَ بِهٖ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ کو منیٰ سے روانہ ہو کر) محصب میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی اور وہیں کچھ دیر تک سورہے پھر خانہ کعبہ کے لئے سوار ہوئے اور (وہاں پہنچ کر) طواف (طواف وداع) کیا۔" (بخاریؒ)

تشریح: "محصب" اصل میں تو اس زمین کو کہتے ہیں جہاں بہت زیادہ کنکریاں ہوں، لیکن یہ ایک خاص جگہ کا نام بھی ہے جو مکہ و مدینہ کے درمیان منا کے قریب واقع ہے اور چونکہ اس جگہ کو محصب کے علاوہ ابطح، بطحاء اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں، اسی لئے راوی نے یہاں تو یہ کہا کہ آپ نے محصب میں نماز پڑھی اور دوسری روایت میں یہ کہا گیا کہ ابطح میں نماز پڑھی۔

آنحضرت ﷺ نے ترویہ اور نفر کے دن ظہر و عصر کی نماز کہاں پڑھی؟

(۷) وَعَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قُلْتُ اَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ عَقَلْتَهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ قَالَ بِمِنًى قَالَ فَاَيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ قَالَ بِالْاَبْطَحِ ثُمَّ قَالَ افْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ اُمَرَاؤُكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبدالعزیز ابن رفیع (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے عرض کیا کہ آپ رسول کریم ﷺ کے متعلق اس بارہ میں جو کچھ جانتے ہیں مجھے بتائے کہ آپ ﷺ نے ترویہ کے دن (یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو) ظہر کی نماز کہاں پڑھی؟ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ "منیٰ میں" عبدالعزیز (کہتے ہیں کہ میں نے) پھر حضرت انسؓ سے یہ پوچھا کہ "آپ ﷺ نے نفر کے دن (یعنی ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ کو) عصر کی نماز کہاں پڑھی؟" تو حضرت انس نے فرمایا کہ "ابطح میں" پھر حضرت انسؓ نے فرمایا کہ "تم اسی طرح کرو جس طرح تمہارے سردار کرتے ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تو اسی طرح کیا تھا لیکن تم اس بارہ میں اپنے سردار اور اپنے امیر کی پیروی و اتباع کرو کہ جس طرح وہ کریں اسی طرح تم کرو تاکہ ان کی مخالفت کرنے کی وجہ سے کوئی فتنہ انگیزی نہ ہو اور ویسے یہ کوئی ضروری بات بھی نہیں ہے کہ ترویہ کے دن آنحضرت ﷺ نے جہاں ظہر کی نماز اور نفر کے دن جہاں عصر کی نماز پڑھی ہے وہیں تم بھی پڑھو۔

پہلی روایت سے تو یہ معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے نفر کے دن یعنی ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ کو ظہر کی نماز محصب میں پڑھی

تھی جب کہ یہ حدیث اس سلسلہ میں خاموش ہے چنانچہ ان دونوں روایتوں میں بایں معنی کوئی تضاد نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز محصب ہی میں پڑھی تھی جیسا کہ حضرت انسؓ کی پہلی روایت سے معلوم ہوا مگر اس موقع پر چونکہ حضرت عبدالعزیزؒ نے اس دن کی ظہر کی نماز کے بارہ میں دریافت نہیں کیا اس لئے اس دوسری روایت میں حضرت انسؓ نے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

ابطح میں قیام سُنّت ہے یا نہیں؟

⑧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَ نُزُوْلُ الْاَبْطَحِ لَيْسَ بِسُنَّةٍ اِنَّمَا نَزَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهُ كَانَ اَسْمَحَ لِخُرُوْجِه اِذَا خَرَجَ۔ (متفق علیہ)

"اور اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ابطح میں اترنا (یعنی ٹھہرنا) سُنّت نہیں ہے، اور نبی کریم ﷺ تو وہاں صرف اس لئے اترے تھے کہ (مکہ سے) چلنے میں آسانی ہو جب کہ آپ ﷺ وہاں سے واپس ہوئے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: حضرت عائشہ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب تیرھویں ذی الحجہ کو منیٰ سے لوٹے تو ابطح یعنی محصب میں صرف اس غرض سے ٹھہر گئے تھے تاکہ وہاں اپنا سامان وغیرہ چھوڑ کر مکہ جائیں اور وہاں طواف الوداع کریں اور جب مکہ سے مدینہ واپس ہوں تو اس وقت سامان وغیرہ ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے آسانی ہو۔

اس بارہ میں جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ تحصب یعنی محصب میں ٹھہرنا سُنّت ہے اور افعال حج کا ایک تتمہ ہے۔ یہ حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے، ان کے نزدیک قیام محصب کے مسنون ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (منیٰ میں) فرمایا تھا کہ کل ہم انشاء اللہ خیف بنی کنانہ یعنی محصب میں ٹھہریں گے، اور اس کا سبب یہ تھا کہ خیف بنی کنانہ ہی وہ جگہ ہے جہاں مشرکین مکہ نے آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی میں باہم یہ عہد و پیمان کیا تھا اور یہ قسم کھائی تھی کہ ہم بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب (یعنی ان دونوں خاندانوں کے لوگوں سے میل جول، نکاح بیاہ، خرید و فروخت اور ان میں اٹھنا بیٹھنا اس وقت تک چھوڑے رہیں گے جب تک یہ لوگ محمد (ﷺ) کو ہمارے سپرد نہ کر دیں گے گویا اس مقام پر انہوں نے ان خاندانوں سے مکمل مقاطعہ اور بائیکاٹ کا اعلان کر کے شعائر کفر کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی قوت کو غالب فرمایا اور کفر و شرک کا پھیلا ؤ دُور ہوا تو آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ سے مکہ کو واپس ہوتے ہوئے یہ چاہا کہ اس جگہ یعنی خیف بنی کنانہ (محصب) میں ٹھہر کر شعائر اسلام کو ظاہر کریں جہاں کچھ ہی سال پیشتر کفار نے شعائر کفر کو ظاہر کیا تھا اور اس طرح وہاں اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کیا جو اس نے اسلام کو غلبہ اور عظمت دے کر عطا فرمائی تھیں۔

طبرانی نے اوسط میں حضرت عمر فاروقؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ، یوم النفر کی رات میں ابطح میں ٹھہرنا منجملہ سُنّت ہے، نیز یہ کہ حضرت عمر فاروقؓ لوگوں کو اس رات میں ابطح میں ٹھہرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

فقہ حنفی کی مشہور ترین کتاب ہدایہ میں لکھا ہے کہ "زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ابطح میں اس مقصد سے قیام فرماتے تھے کہ مشرکین کو اللہ تعالیٰ کی قدرت دکھائیں کہ کل جس جگہ انہوں نے مکمل مقاطعہ کا عہد و پیمان کر کے اپنی برتری کا اظہار کیا تھا آج وہی جگہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کے زیر تسلط ہے، چنانچہ اس جگہ رات میں قیام سُنّت ہے۔

اس کے برخلاف، بعض حضرات کہتے ہیں کہ محصب میں قیام سُنّت نہیں ہے کیونکہ وہاں آنحضرت ﷺ کا قیام محض اتفاقی طور پر ہو گیا تھا جس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع جو آنحضرت ﷺ کے سامان سفر کے نگران تھے اپنی رائے سے اور اتفاقی طور پر وہاں رک گئے اور آپ ﷺ کا خیمہ نصب کر دیا، اس بارہ میں آنحضرت ﷺ کا کوئی حکم نہیں تھا۔ قیام محصب کو سُنّت نہ کہنے والوں میں حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ حضرت عائشہؓ بھی ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا۔

بہر کیف اس بارہ میں بہتر بات یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کا محصب میں ٹھہرنا منقول ہے چاہے وہ ٹھہرنا اتفاقی طور پر ہی کیوں نہ رہا ہو تو اچھا یہی ہے کہ وہاں قیام کر لیا جائے جیسا کہ دیگر صحابہ اور خلفاء راشدین بھی اس پر عمل کرتے تھے اور اگر کوئی شخص وہاں نہ ٹھہرے تو اس میں کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔

طواف وداع کے بعد آنحضرت ﷺ کی مکہ سے روانگی

(۹) وَعَنْهَا قَالَتْ اَحْرَمْتُ مِنَ التَّنْعِيْمِ بِعُمْرَةٍ فَدَخَلْتُ فَقَضَيْتُ عُمْرَتِي وَانْتَظَرَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاَبْطَحِ حَتّٰى فَرَغْتُ فَاَمَرَ النَّاسَ بِالرَّحِيْلِ فَخَرَجَ فَمَرَّ بِالْبَيْتِ فَطَافَ بِهٖ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ هٰذَا الْحَدِيْثُ مَا وَجَدْتُهٗ بِرِوَايَةِ الشَّيْخَيْنِ بَلْ بِرِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ مَعَ اخْتِلَافٍ يَسِيْرٍ فِيْ اٰخِرِهٖ۔

"اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عمرہ کے لئے تنعیم سے احرام باندھا اور مکہ میں داخل ہوئی اور پھر میں نے اپنا (وہ) عمرہ ادا کیا (جو ایام شروع ہو جانے کی وجہ سے رہ گیا تھا اور جس کی قضا مجھے کرنی تھی، اس کی تفصیل باب قصہ حجۃ الوداع میں گزر چکی ہے اور رسول کریم ﷺ ابطح میں میرے انتظار میں رہے، یہاں تک کہ جب میں (افعال عمرہ سے) فارغ ہو گئی تو آپ ﷺ نے لوگوں کو روانگی کا حکم دیا، چنانچہ آپ ﷺ (ابطح سے) روانہ ہو کر خانۂ کعبہ تشریف لائے اور نماز فجر سے پہلے اس کا طواف (یعنی طواف وداع) کیا پھر (نماز فجر سے پہلے ہی یا نماز فجر پڑھنے کے بعد) مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مؤلف مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بخاری و مسلم (میں سے کسی) کی روایت کے ساتھ نہیں ملی، بلکہ اس حدیث کو ابوداؤدؒ نے نقل کیا ہے وہ بھی آخر میں کس قدر مختلف ہے۔"

تشریح: مؤلف مشکوٰۃ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ میرے علم کے مطابق اس روایت کو نہ تو بخاری نے نقل کیا ہے اور نہ مسلم نے، بلکہ اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے مزید کہ ابوداؤد کی روایت اور صاحب مصابیح کی نقل کردہ اس روایت کے آخری جزء میں کچھ اختلاف بھی ہے، گویا اس جملہ کے ذریعہ مؤلف مشکوٰۃ نے صاحب مصابیح پر ایک اعتراض تو یہ کیا ہے کہ انہوں نے اس روایت کو فصل اول میں نقل کیا ہے جب کہ فصل اول میں صرف بخاریؒ و مسلمؒ ہی کی روایت نقل کی جاتی ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ نقل حدیث میں راوی یعنی ابوداؤد کی مخالفت کی بایں طور کہ حدیث کا آخری جزو بعینہ وہ نقل نہیں کیا جو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

طواف وداع واجب ہے

(۱۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَنْصَرِفُوْنَ فِيْ كُلِّ وَجْهٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْفِرَنَّ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ اٰخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ اِلَّا اَنَّهٗ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ لوگ (افعال حج کی ادائیگی کے بعد) طواف وداع کئے بغیر ہر طرف (یعنی اپنے اپنے وطن کو) روانہ ہو رہے تھے (یعنی لوگ اس بات کی پابندی نہیں کر رہے تھے کہ افعال حج کے بعد مکہ آ کر طواف وداع کرتے) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی بھی (یعنی آفاقی) روانہ نہ ہو جب تک کہ (سفر حج کا) آخری مرحلہ بیت اللہ کو قرار نہ دے لے (یعنی کوئی بھی آفاقی طواف وداع کئے بغیر اپنے وطن کو واپس نہ ہو، ہاں یہ طواف حیض (ونفاس) والی عورت کے لئے موقوف ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: افعال حج سے فراغت کے بعد اور مکہ سے اپنے وطن کو روانہ ہونے سے پہلے جو طواف کیا جاتا ہے اسے "طواف وداع" کہتے ہیں اور اس کا ایک نام طواف صدر بھی ہے، یہ طواف آفاقی پر واجب ہے اگرچہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ اس طواف کے بعد جتنے دن چاہیں مکہ میں مقیم رہا جائے لیکن افضل یہی ہے کہ مکہ سے روانگی کے وقت ہی یہ طواف کیا جائے چنانچہ امام اعظمؒ ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ، اگر کوئی شخص (دن کے کسی حصہ میں) طواف وداع کرے اور پھر عشاء تک مکہ میں مقیم رہے تو میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ بات یہی

ہے کہ وہ (مکہ سے روانگی کے وقت) دوسرا طواف کرلے۔

یہ طواف نہ تو اہل مکہ پر واجب ہے نہ اس شخص پر جو میقات کے اندر رہتا ہو اور نہ اس شخص پر واجب ہے جو مکہ میں آکر رہ گیا ہو اور پھر وہ وہاں سے چلے جانے کا ارادہ رکھتا ہو، اسی طرح یہ طواف نہ تو اس شخص پر واجب ہے جس کا حج فوت ہو گیا ہو اور نہ عمرہ کرنے والے پر واجب ہے نیز اس طواف میں نہ رمل (یعنی اکڑ کر چلنا) ہوتا ہے اور نہ اس کے بعد سعی کی جاتی ہے۔

عذر کی بناء پر طواف وداع واجب نہیں رہتا

(۱۱) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حَاضَتْ صَفِيَّةُ لَيْلَةَ النَّفْرِ فَقَالَتْ مَا أُرَانِي إِلَّا حَابِسَتَكُمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقْرٰى حَلْقٰى أَطَافَتْ يَوْمَ النَّحْرِ قِيْلَ نَعَمْ قَالَ فَانْفِرِيْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ یوم نفر کی رات میں حضرت صفیہ کے ایام شروع ہو گئے تو وہ کہنے لگیں کہ میرا خیال ہے میں آپ لوگوں کو (مدینہ کی روانگی سے) روکوں گی (کیونکہ میرے ایام شروع ہو گئے ہیں اور میں نے طواف وداع کیا ہی نہیں) آنحضرت ﷺ نے (جب یہ سنا تو) فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اسے ہلاک و زخمی کرے کیا اس نے نحر کے دن طواف (طواف زیارۃ) کیا ہے؟" عرض کیا گیا کہ ہاں!" آپ ﷺ نے فرمایا "پھر رکنے کی ضرورت نہیں ہے) چلو۔" (بخاری ؒ و مسلم ؒ)

تشریح: یوم نفر کی رات سے مراد وہی رات ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے محصب میں قیام فرمایا تھا، یعنی تیرھویں ذی الحجہ کی رات، مگر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ حج کے بیان میں رات کی نسبت روز گزشتہ کی طرف کی جاتی ہے نہ کہ روزہ آئندہ کی طرف، لہٰذا یوم نفر (تیرھویں ذی الحجہ) کی رات سے وہ رات مراد ہوتی ہے جو تیرھویں کے دن کے بعد آتی ہے۔

بہر کیف حضرت صفیہ نے تو یہ گمان کیا کہ جس طرح طواف زیارۃ عذر کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا اسی طرح عذر کے سبب طواف وداع کا ترک بھی جائز نہیں اس لئے انہوں نے کہا کہ اب میں جب تک پاک نہ ہو جاؤں اور طواف نہ کر لوں اس وقت تک سب کو ٹھہرنا پڑے گا اور آنحضرت ﷺ یہ سمجھے کہ انہوں نے طواف زیارۃ نہیں کیا ہے جس کی وجہ سے اب ٹھہرنا پڑے گا اس لئے آپ ﷺ نے یہ جملہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے ہلاک و زخمی کرے، مگر جب آپ کو تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ صفیہؓ نے یہ بات طواف زیارۃ کے لئے نہیں کہی بلکہ طواف وداع کے لئے کہی ہے تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ طواف وداع کے بغیر ہی مدینہ روانہ ہو جاؤ کیونکہ عذر کی بناء پر طواف کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر طواف زیارۃ ابھی نہ ہوا ہوتا تو پھر اس کی وجہ سے رکنا پڑتا۔

"اللہ تعالیٰ اسے ہلاک و زخمی کرے" یہ جملہ اگرچہ بددعائیہ ہے مگر یہ بددعا کے ارادہ سے استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ ایسے جملے ازراہ پیار استعمال کرتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

قربانی کے دن آپ ﷺ کی تذکیر و نصیحت

(۱۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قَالُوْا يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا أَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ عَلٰى نَفْسِهِ أَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ عَلٰى وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰى وَالِدِهِ أَلَا وَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يُعْبَدَ فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا أَبَدًا وَلٰكِنْ سَتَكُوْنُ لَهُ طَاعَةٌ فِيْمَا تَحْتَقِرُوْنَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَسَيَرْضٰى بِهِ۔ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ۔

"حضرت عمرو بن احوصؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں قربانی کے دن (یعنی دسویں ذی الحجہ کو صحابہؓ کو

مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا (جانتے بھی ہو) کہ یہ کون سا دن ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ "(ہاں) حج اکبر کا دن ہے" پھر آپ نے فرمایا "(یاد رکھو) تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں، تمہارے درمیان اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس دن اور تمہارے اس شہر میں! خبردار! ظلم کرنے والا صرف اپنی جان پر ظلم کرتا ہے (یعنی جو شخص کسی پر ظلم کرتا ہے اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے کہ وہی ماخوذ ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ ظلم کوئی کرے اور پکڑا کوئی جائے) یاد رکھو! کوئی ظالم اپنے بیٹے پر ظلم نہیں کرتا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ پر ظلم کرتا ہے، جان لو! شیطان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس بات سے نا امید ہو گیا ہے کہ تمہارے اس شہر (مکہ) میں اس کی پرستش کی جائے۔ ہاں تمہارے ان اعمال میں شیطان کی فرمانبرداری ہوگی جنہیں تم حقیر سمجھو گے، چنانچہ وہ ان (گناہوں) سے خوش ہوگا جن کو تم حقیر سمجھو گے۔"

تشریح: "حج اکبر" مطلق حج کو کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج کے دن عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول، مشرکوں (کو امن دینے) سے دست بردار ہوتے ہیں۔

اور حج کو صفت اکبر کے ساتھ موصوف اس لئے کیا جاتا ہے کہ عمرہ حج اصغر کہلاتا ہے اس مناسبت سے حج کو حج اکبر سے موسوم کیا گیا۔ مشہور مفسر بیضاویؒ کہتے ہیں کہ یوم بقر عید یعنی دسویں ذی الحجہ کا دن "یوم حج اکبر" کہلاتا ہے کیونکہ نہ صرف یہ کہ اسی دن حج مکمل ہوتا ہے بلکہ حج کے تمام بڑے بڑے افعال اسی دن میں ادا کئے جاتے ہیں چنانچہ ایک روایت میں اس کی صراحت بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع میں قربانی (بقر عید) کے دن جمرات کے قریب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے۔

پچھلے صفحات میں اسی مضموم کی جو حدیث (ایک) گزری ہے اس میں تو یہ ذکر تھا کہ آنحضرت ﷺ نے جب صحابہؓ سے پوچھا کہ یہ کون سا دن ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے جب کہ یہاں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے جواب دیا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے، بظاہر ان دونوں میں تضاد نظر آتا ہے حالانکہ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعض صحابہؓ نے تو وہ جواب دیا ہو اور بعض نے یہ، لہٰذا جس راوی نے جو جواب سنا وہ ذکر کر دیا۔

فَاِنَّ دِمَآءَکُمْ الخ (اور تمہارے خون الخ) کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم لوگ اس مبارک دن اور اس مقدس شہر میں ایک دوسرے کا خون بہانے، ایک دوسرے کا مال ہڑپ کرنے اور ایک دوسرے کی بے آبروئی کو حرام اور برا سمجھتے ہو اسی طرح یہ چیزیں ہر جگہ اور ہر وقت حرام و بری ہیں۔

"کوئی ظالم اپنے بیٹے پر ظلم نہیں کرتا الخ" زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ جملہ، نفی کو ظاہر کر رہا ہے یعنی اگر کسی کا بیٹا کسی پر ظلم کرتا ہے یا کسی کا باپ کسی پر ظلم کرتا ہے تو وہ ایک دوسرے کے ظلم کی وجہ سے ماخوذ نہیں ہوتے، یہ نہیں ہوتا کہ کسی پر ظلم تو کرے بیٹا اور اس کی وجہ سے پکڑا جائے باپ، یا کسی پر ظلم کرے باپ اور اس کی وجہ سے پکڑا جائے بیٹا، بلکہ جو ظلم کرتا ہے وہی پکڑا جاتا ہے، چنانچہ یہ ارشاد گرامی اس آیت کی مانند ہے کہ: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا اور یہ بات صرف باپ بیٹے ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ عمومی طور پر کوئی بھی شخص کسی دوسرے کے ظلم و جرم کی وجہ سے ماخوذ نہیں ہوتا۔

چنانچہ یہاں باپ بیٹے کو بطور خاص محض اس مقصد سے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ دونوں سب سے زیادہ قریبی اقرباء ہیں جب ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے فعل کی وجہ سے ماخوذ نہیں ہوں گے۔ لہٰذا اس طرح یہ جملہ ماقبل کی عبارت لایجنی جان الخ ظلم کرنے والا صرف اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کی تاکید کے طور پر ہوگا۔

بعض شارحین نے اس جملہ لا یجنی الا علی نفسه میں لفظ الا نقل نہیں کیا ہے اور لکھا ہے یہ جملہ نفی بمعنی نہی ہے یعنی اس جملہ کے ذریعہ منع کیا جا رہا ہے کہ کوئی ظالم اپنے نفس پر ظلم نہ کرے جس سے مراد یہ ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے کیونکہ جو شخص کسی پر ظلم کرتا

ہے وہ درحقیقت اپنی جان پر ظلم کرتا ہے بایں طور کہ وہ کسی پر ظلم کر کے اپنے کو سزا اور عذاب کا مستحق بنالیتا ہے۔

وان الشیطن قد ایس الخ کا مطلب یہ ہے کہ شیطان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس بات سے ناامید ہو گیا ہے کہ اس شہر (مکہ) میں غیر اللہ کی عبادت کے ذریعہ اس کی فرمانبرداری ہو۔ لہٰذا یہاں اب کبھی بھی کوئی شخص شیطان کے فریب میں آکر غیر اللہ کی عبادت و پرستش کھلا نہیں کرے گا۔ اس سے گویا اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہ مقدس شہر ہمیشہ کے لئے کفر و شرک کی غلاظت سے پاک کر دیا گیا ہے، اور اب کبھی بھی اس پاک سرزمین پر کسی غیر مسلم کو قدم رکھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی غیر مسلم چوری چھپے اس شہر میں آجائے اور وہ خفیہ طور پر غیر اللہ کی عبادت کرنے لگے۔

"ہاں تمہارے ان اعمال میں شیطان کی فرمانبرداری ہوگی" میں اعمال سے مراد گناہ کے اعمال ہیں جیسے ناحق قتل کرنا، کسی کا مال لوٹنا یا اسی قسم کے دوسرے اعمال بد اور صغیرہ گناہوں کو اہمیت نہ دینا۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ان اعمال بد میں مبتلا ہونے والا جب ان کو حقیر سمجھتا ہے اور جس کے نتیجہ میں وہ ان اعمال سے اجتناب نہیں کرتا تو گویا وہ شیطان کی اطاعت کرتا ہے کیونکہ شیطان ان باتوں سے خوش ہوتا ہے اور پھر وہی اعمال بڑے فتنہ و فساد کا باعث بن جاتے ہیں۔

(۱۳) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ عَمْرٍو الْمُزَنِيِّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ بِمِنًى حِيْنَ ارْتَفَعَ الضُّحٰى عَلٰى بَغْلَةٍ شَهْبَاءَ وَعَلِيٌّ يُعَبِّرُ عَنْهُ وَالنَّاسُ بَيْنَ قَائِمٍ وَقَاعِدٍ۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت رافع ابن عمرو مزنی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول کریم ﷺ منیٰ میں قربانی کے دن چاشت کے وقت لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے آپ ﷺ ایسے خچر پر سوار تھے جس کے بال اوپر کی جانب سے سرخ اور اندر کی جانب سفید تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ ﷺ کی طرف سے بیان کر رہے تھے (یعنی آنحضرت ﷺ جو کچھ فرماتے حضرت علیؓ اسے دہراتے تھے تاکہ دور کے لوگ بھی آپ ﷺ کی بات سن لیں) اور لوگوں میں سے کچھ تو کھڑے تھے اور کچھ بیٹھے تھے۔" (ابوداؤد)

طواف زیارۃ کا وقت

(۱۴) وَعَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَّرَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ يَوْمَ النَّحْرِ اِلَى اللَّيْلِ۔
(رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت عائشہؓ و حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے طواف زیارۃ میں قربانی کے دن رات تک تاخیر کی۔"
(ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عورتوں کے لئے یا یہ کہ سب ہی کے لئے طواف زیارت میں قربانی کے دن رات تک تاخیر کو جائز قرار دیا۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے طواف زیارت میں رات تک تاخیر کی، کیونکہ آپ ﷺ کے بارہ میں تو یہ صراحت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ نے قربانی کے وقت طواف زیارۃ کیا اور اس کے بعد مکہ میں یا منیٰ میں ظہر کی نماز پڑھی۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ طواف زیارۃ کا وقت امام شافعیؒ کے نزدیک بقر عید کی آدھی رات کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے جب کہ دیگر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کا وقت بقر عید کے دن طلوع فجر کے بعد شروع ہوتا ہے اور آخری وقت کا کوئی تعین نہیں ہے جب بھی کیا جائے گا جائز ہو جائے گا لیکن امام ابوحنیفہؒ کے ہاں طواف زیارت کی ادائیگی ایام نحر میں واجب ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اتنی تاخیر کرے کہ ایام نحر پورے گزر جائیں اور پھر وہ بعد میں طواف زیارۃ کرے تو اس پر دم یعنی بطور جزاء جانور ذبح کرنا واجب ہوگا۔

طواف زیارۃ میں رمل نہیں ہے

⑮ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَرْمَلْ فِی السَّبْعِ الَّذِیْ اَفَاضَ فِیْہِ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے طواف زیارت میں رمل نہیں کیا۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: جیسا کہ پہلے بھی بتایا جاچکا ہے کہ "شانہ ہلاتے ہوئے چھاتی نکال کر کچھ تیزی کے ساتھ چلنا" رمل کہلاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے طواف زیارۃ میں جوکہ فرض ہے رمل نہیں کیا کیونکہ طواف قدوم میں آپ ﷺ یہ کرچکے تھے۔

اس بارہ میں مسئلہ بھی یہی ہے کہ جو شخص طواف قدوم میں رمل وسعی کرچکا ہو وہ طواف زیارۃ میں نہ تو رمل کرے اور نہ طواف کے بعد سعی کرے اور جو شخص طواف قدوم میں یہ دونوں چیزیں نہ کرچکا ہو تو پھر وہ طواف زیارت میں رمل بھی کرے اور اس کے بعد سعی بھی کرے۔

محرم کے لئے ممنوع چیزیں کب جائز ہوتی ہیں

⑯ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَمٰی اَحَدُکُمْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَدْ حَلَّ لَہٗ کُلُّ شَیْءٍ اِلَّا النِّسَاءَ۔ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ اِسْنَادُہٗ ضَعِیْفٌ وَفِیْ رِوَایَةِ اَحْمَدَ وَالنَّسَائِیِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِذَا رَمَی الْجَمْرَةَ فَقَدْ حَلَّ لَہٗ کُلُّ شَیْءٍ اِلَّا النِّسَاءَ۔

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی رمی جمرۂ عقبہ سے فارغ ہوجاتا ہے (اور سر منڈوالیتا ہے یا بال کتروالیتا ہے) تو اس کے لئے عورت کے علاوہ ہر چیز حلال ہوجاتی ہے (یعنی بیوی کے ساتھ جماع ان چیزوں کے بعد بھی حلال نہیں ہوتا، بلکہ یہ طواف زیارت سے فراغت کے بعد ہی حلال ہوتا ہے) اس روایت کو (صاحب مصابیح نے) شرح السنۃ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔ اور احمدؒ ونسائیؒ نے اس روایت کو حضرت ابن عباسؓ سے یوں نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے رمی جمرۂ عقبہ کرلی تو (سر منڈوانے یا بال کتروانے کے بعد) اس کے لئے عورت کے علاوہ ہر چیز حلال ہوجاتی ہے۔"

آنحضرت ﷺ کی رمی جمرات

⑰ وَعَنْهَا قَالَتْ اَفَاضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اٰخِرِ یَوْمِہٖ حِیْنَ صَلَّی الظُّهْرَ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰی مِنًی فَمَکَثَ بِهَا لَیَالِیَ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ یَرْمِی الْجَمْرَةَ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ کُلَّ جَمْرَةٍ بِسَبْعِ حَصَیَاتٍ یُکَبِّرُ مَعَ کُلِّ حَصَاةٍ وَیَقِفُ عِنْدَ الْاُوْلٰی وَالثَّانِیَةِ فَیُطِیْلُ الْقِیَامَ وَیَتَضَرَّعُ وَیَرْمِی الثَّالِثَةَ فَلَا یَقِفُ عِنْدَهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قربانی کے دن آخری حصہ میں اس وقت فرض طواف کیا جب کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی اس کے بعد منیٰ میں واپس آگئے اور منیٰ میں ایام تشریق (یعنی گیارھویں، بارھویں، اور تیرھویں تاریخوں) کی راتیں بسر کیں، ان ایام میں آپ ﷺ جمروں پر اس وقت کنکریاں مارتے جب دوپہر ڈھل جاتی ہر جمرہ پر سات سات کنکریاں مارتے، ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہتے اور پہلے دوسرے جمرہ (یعنی جمرۂ اولیٰ وجمرۂ وسطیٰ) پر دعا و اذکار کے لئے) دیر تک ٹھہرتے اور اس وقت مختلف دعاؤں اور عرض حاجات کے لئے تضرع اختیار کرتے اور پھر (جب) تیسرے جمرہ (یعنی جمرہ عقبہ) پر کنکریاں مارتے تو اس کے پاس نہ ٹھہرتے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: یہ حدیث اس بات کی صریح دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دسویں ذی الحجہ کو ظہر کی نماز مکہ میں پڑھی منیٰ میں نہیں پڑھی تھی۔

فلا یقف عندھا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ جمرۂ عقبہ کے پاس یا اس کے بعد ذکر و دعا نہیں کرتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ جس طرح دعا و اذکار کے لئے جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کے پاس دیر تک کھڑے رہتے تھے اس طرح دعا و اذکار کے لئے جمرۂ

عقبہ کے پاس کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ وہاں چلتے چلتے ہی دعا وغیرہ کرلیا کرتے تھے۔

ایام تشریق کی رمی جمرات میں تقدیم و تأخیر کا مسئلہ

⑱ وَعَنْ اَبِی الْبَدَّاحِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عَدِیٍّ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِرِعَاءِ الْاِبِلِ الْبَیْتُوْتَۃَ اَنْ یَرْمُوْا یَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ یَجْمَعُوْا رَمْیَ یَوْمَیْنِ بَعْدَ یَوْمِ النَّحْرِ فَیَرْمُوْہُ فِیْ اَحَدِھِمَا۔ رَوَاہُ مَالِکٌ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ۔

"اور حضرت ابوالبداح بن عاصم بن عدی (تابعی) اپنے والد مکرم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ "رسول کریم ﷺ نے اونٹ چرانے والوں کو اجازت دے دی تھی کہ وہ منیٰ میں شب باشی نہ کریں اور یہ کہ نحر کے دن (یعنی دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ پر) کنکریاں ماریں اور پھر دونوں دن کی رمی جمرات کو یوم نحر کے بعد ایک ساتھ کریں اس طرح دونوں دن کی رمی جمرات ان میں سے کسی ایک دن کریں۔ (مالکؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ) اور امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔"

تشریح: طیبیؒ کہتے ہیں کہ حدیث کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چرواہوں کو یہ اجازت عطا فرمادی تھی کہ وہ ایام تشریق کی راتوں میں منیٰ میں نہ رہیں کیونکہ وہ اپنے جانوروں کی دیکھ بھال اور ان کے چرانے وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں، نیز انہیں اس بات کی بھی اجازت دے دی کہ وہ صرف بقرعید کے دن جمرۂ عقبہ پر کنکریاں ماریں اس کے بعد دوسرے دن یعنی گیارھویں کو رمی جمرات نہ کریں بلکہ تیسرے دن یعنی بارھویں کو دونوں دن کی ایک ساتھ رمی کریں اس طرح گیارھویں کی رمی تو بطور قضا ہوگی اور بارھویں کی ادا ہی ہوگی۔

اس بارہ میں مسئلہ یہ ہے کہ ائمہ کے نزدیک عید کے دوسرے دن کی رمی کی تقدیم جائز نہیں ہے یعنی اگر کوئی عید کے دوسرے دن (یعنی گیارھویں کو) اس دن کی رمی کے ساتھ تیسرے دن (یعنی بارھویں کی) رمی بھی کرے تو یہ درست نہیں ہوگا ہاں تاخیر درست ہے کہ دوسرے دن کی رمی بھی تیسرے دن کی رمی کے ساتھ کی جاسکتی ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

بَابُ مَا یَجْتَنِبُہُ الْمُحْرِمُ

جن چیزوں سے محرم کو بچنا چاہئے ان کا بیان

جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے احرام باندھ لینے کے بعد کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو محرم پر حرام ہو جاتی ہیں اور ان چیزوں سے اجتناب محرم کے لئے ضروری ہوتا ہے، پھر ان میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے ارتکاب سے دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس باب میں ان چیزوں کا ذکر ہوگا جن سے محرم کو بچنا چاہئے اور ضمناً وہ چیزیں بھی ذکر ہوں گی جو محرم کے لئے مباح ہیں۔

اس موقع پر اتنی بات جان لیجئے کہ جن ممنوع چیزوں کے ارتکاب سے صدقہ واجب ہوتا ہے ان میں بعض چیزیں تو ایسی ہیں جن کی وجہ سے بطور صدقہ نصف صاع (یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام) گیہوں یا ایک صاع (یعنی تین کلو ۲۶۶ گرام) جو دینا بھی واجب ہوتا ہے اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں صدقہ کی مقدار اس سے بھی کم ہے اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں کوئی بھی غیر متعین چیز تھوڑی سی صدقہ کر دینا واجب ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

وہ چیزیں جو محرم کو پہننا ممنوع ہیں

① عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّیَابِ فَقَالَ لَا

"تَلْبَسُوا الْقُمُصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ اِلَّا اَحَدٌ لَا يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِي رِوَايَةٍ وَلَا تَنْتَقِبُ الْمَرْاَةُ الْمُحْرِمَةُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ۔

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ محرم کپڑوں میں سے کیا چیزیں پہن سکتا ہے (اور کیا چیزیں نہیں پہن سکتا؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "نہ تو قمیص و کرتہ پہنو، نہ عمامہ باندھو، نہ پاجامہ پہنو، نہ برنس اوڑھو اور نہ موزے پہنو، ہاں جس شخص کے پاس جوتے نہ ہوں وہ موزے پہن سکتا ہے مگر اس طرح کہ موزہ دونوں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے، نیز کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جس پر زعفران یا ورس لگی ہو۔ (بخاریؒ و مسلمؒ) بخاری نے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "محرم عورت نقاب نہ ڈالے اور نہ دستانے پہنے"۔

تشریح: قمیص و کرتہ اور پاجامہ پہننے سے مراد ان کو اس طرح پہننا ہے جس طرح کہ عام طور پر یہ چیزیں پہنی جاتی ہیں جیسے قمیص و کرتہ کو گلے میں ڈال کر پہنتے ہیں یا پاجامہ ٹانگوں میں ڈال کر پہنا جاتا ہے، چنانچہ احرام کی حالت میں ان چیزوں کو اس طرح پہننا ممنوع ہے۔ ہاں اگر کوئی محرم ان چیزوں کو مروج طریقہ پر پہننے کی بجائے بدن پر چادر کی طرح ڈالے تو یہ ممنوع نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے قمیص و کرتہ پہنا ہے یا پاجامہ پہنا ہے۔

"برنس" اس لمبی ٹوپی کو کہتے ہیں جو عرب میں اوڑھی جاتی تھی اور برنس وہ لباس بھی ہوتا ہے جس کا کچھ حصہ ٹوپی کی جگہ کام دیتا ہے جیسے برساتی وغیرہ۔ چنانچہ "نہ برنس اوڑھو" سے مراد یہ ہے کہ ایسی کوئی چیز نہ اوڑھو جو سر کو ڈھانپ لے خواہ وہ ٹوپی ہو یا برساتی اور خواہ کوئی اور چیز۔ ہاں جو چیز ایسی ہو جس پر عرف عام میں پہننے یا اوڑھنے کا اطلاق نہ ہوتا ہو مثلاً سر پر کونڈا یا گھڑا وغیرہ رکھ لینا یا سر پر گٹھر اٹھا لینا تو اس صورت میں کوئی مضائقہ نہیں۔

"وہ موزہ دونوں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے" میں یہاں ٹخنے سے مراد حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ ہڈی ہے جو پیر کی پشت پر بیچ میں ہوتی ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے ہاں وہی متعارف ٹخنہ مراد ہے جس کو وضو میں دھونا فرض ہے۔

اس بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جس شخص کے پاس جوتے نہ ہوں اور وہ موزے پہن لے تو آیا اس پر فدیہ واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ تو یہ کہتے ہیں کہ اس پر کچھ واجب نہیں ہوتا لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر فدیہ واجب ہوتا ہے۔ جس طرح یہ مسئلہ ہے کہ اگر احرام کی حالت میں کسی کو سر منڈانے کی احتیاج و ضرورت لاحق ہو جائے تو وہ سر منڈا لے اور فدیہ ادا کرے۔

"ورس" ایک قسم کی گھاس کا نام ہے جو زرد رنگت کی اور زعفران کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس گھاس سے رنگائی کا کام لیا جاتا ہے۔ زعفران اور اس کے رنگ آلود کپڑوں کو پہننے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ ان میں خوشبو ہوتی ہے۔

"محرم عورت نقاب نہ ڈالے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے منہ کو برقع اور نقاب سے نہ ڈھانکے ہاں اگر وہ پردہ کی خاطر کسی ایسی چیز سے اپنے منہ کو چھپائے جو منہ سے الگ رہے تو جائز ہے، اسی طرح حنفیہ کے ہاں مرد کو بھی عورت کی طرف احرام کی حالت میں منہ ڈھانکنا حرام ہے، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک بھی ایک روایت کے مطابق یہی ہے جب کہ امام شافعیؒ کا مسلک اس کے برخلاف ہے۔

ہودج میں بیٹھنا ممنوع ہے بشرطیکہ سر ہودج میں لگتا ہو، اگر سر ہودج میں نہ لگتا ہو تو پھر اس میں بیٹھنا ممنوع نہیں ہے، اسی طرح اگر کعبہ کا پردہ یا خیمہ سر میں لگتا ہو تو ان کے نیچے کھڑا ہونا ممنوع ہے اور اگر سر میں نہ لگتا ہو تو ممنوع نہیں ہے۔

② وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُوْلُ اِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُحْرِمُ نَعْلَيْنِ

لَبِسَ خُفَّيْنِ وَاِذَا لَمْ يَجِدْ اِزَارًا لَبِسَ سَرَاوِيْلَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے، نیز آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اگر محرم کو جوتے میسر نہ ہوں تو وہ موزے پہن سکتا ہے اور جس محرم کے پاس تہ بند نہ ہو تو وہ پائجامہ پہن سکتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: موزوں کے استعمال کے بارہ میں تو گزشتہ حدیث میں بتایا جا چکا ہے کہ جوتے میسر نہ ہوں تو محرم پائجامہ پہن سکتا ہے۔ اس صورت میں امام شافعیؒ کے نزدیک اس پر کوئی فدیہ واجب نہیں ہوگا۔ لیکن حضرت امام اعظمؒ کا مسلک اس بارہ میں یہ ہے کہ اگر تہ بند نہ ہو تو پائجامہ کو پھاڑ کر اسے تہ بند کی صورت میں باندھ لیا جائے اور اگر کوئی شخص اسے پھاڑ کر استعمال نہ کرے بلکہ پائجامہ ہی پہن لے تو اس پر دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا۔

(۳) وَعَنْ يَعْلَى ابْنِ اُمَيَّةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعِرَّانَةِ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ اَعْرَابِيٌّ عَلَيْهِ جُبَّةٌ وَهُوَ مُتَضَمِّخٌ بِالْخَلُوْقِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي اَحْرَمْتُ بِالْعُمْرَةِ وَهٰذِهِ عَلَيَّ فَقَالَ اَمَّا الطِّيْبُ الَّذِي بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَاَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا ثُمَّ اصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِي حَجِّكَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت یعلیٰ ابن امیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جعرانہ میں (کہ جو مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ایک مقام ہے اور جہاں سے آپ ﷺ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا) نبی کریم ﷺ کے پاس تھے کہ اچانک ایک شخص جو دیہاتی تھا آیا) اس نے کرتہ پہنا ہوا تھا، نیز وہ شخص خلوق میں رنگا بسا تھا (خلوق ایک خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار ہوتی تھی) اس شخص نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میں نے عمرہ کا احرام اس حالت میں باندھا تھا کہ یہ کرتہ میرے جسم پر تھا؟" آپ ﷺ نے فرمایا "تمہارے اوپر جو خوشبو لگی ہوئی ہے اسے تو تین مرتبہ دھوڈالو اور کرتہ کو اتار دو اور پھر اپنے عمرہ (کے احرام) میں وہی کرو جو تم اپنے حج کے احرام میں کرتے ہو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: زعفران کا استعمال چونکہ مردوں کے لئے حرام ہے اور خلوق زعفران ہی سے تیار ہوتی تھی اس لئے آپ ﷺ نے اس شخص کو یہ حکم دیا کہ وہ اسے دھوڈالے نیز تین مرتبہ دھونے کا حکم صرف اس لئے دیا تاکہ وہ خوب اچھی طرح چھوٹ جائے ورنہ اصل مقصد تو یہ تھا کہ خلوق کو بالکل صاف کر دو خواہ وہ کسی طرح اور کتنی ہی مرتبہ میں صاف ہو۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں حج کے احرام کی حالت میں ممنوع ہیں وہی عمرہ کے احرام کی حالت میں بھی ممنوع ہیں اس لئے تم عمرہ کے احرام کی حالت میں ان تمام چیزوں سے پرہیز کرو جن سے حج کے احرام کی حالت میں پرہیز کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: احرام کی حالت میں بغیر خوشبو کا سرمہ لگانا جائز ہے بشرطیکہ اس سے زیب و زینت مقصود نہ ہو۔ اگر کوئی شخص زیب و زینت کے بغیر خوشبو کا بھی سرمہ لگائے تو مکروہ ہوگا۔

اس موقع پر ایک خاص بات یہ جان لینی چاہئے کہ جو چیزیں احرام کی حالت میں حرام ہو جاتی ہیں ان کا ارتکاب اگر قصداً ہوگا تو متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک اس کی وجہ سے مرتکب پر فدیہ لازم ہوگا۔ ہاں بھول چوک سے ارتکاب کرنے والے پر فدیہ واجب نہیں ہوگا جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ، ثوریؒ، احمدؒ، اور اسحٰقؒ کا قول ہے البتہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی فدیہ واجب ہوگا۔

حالت احرام میں نکاح کرنے کرانے کا مسئلہ

(۴) وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكَحُ وَلَا يَخْطُبُ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ محرم نکاح کرے، اسی طرح (ولایۃً یا وکالۃً) نکاح

کرانا اور منگنی کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: حضرت امام شافعیؒ اور اکثر علماء کے نزدیک خود اپنا نکاح کرنے یا کسی کا نکاح کرانے کی ممانعت مکروہ تحریمی کے طور پر ہے اور منگنی کرنے کی ممانعت مکروہ تنزیہی کے طور پر ہے۔ چنانچہ ان حضرات کے نزدیک حالت احرام میں نہ تو خود اپنا نکاح کرنا درست ہے اور نہ کسی کا نکاح کرانا جائز ہے۔ لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ہاں تینوں کی ممانعت صرف مکروہ تنزیہی کے طور پر ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے احرام کی حالت میں حضرت میمونہؓ سے اپنا نکاح کیا تھا۔

⑤ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے اس حالت میں نکاح کیا کہ آپ (عمرۃ القضا کا) احرام باندھے ہوئے تھے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

⑥ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْاَصَمِّ ابْنِ اُخْتِ مَيْمُوْنَةَ عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ وَالْاَكْثَرُوْنَ عَلَى اَنَّهُ تَزَوَّجَهَا حَلَالًا وَظَهَرَ اَمْرُ تَزْوِيْجِهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ ثُمَّ بَنٰى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ بِسَرِفَ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ۔

"اور حضرت یزید (ابن اصم) (تابعی) جو اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کے بھانجے ہیں (اپنی خالہ) حضرت میمونہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ان (حضرت میمونہؓ) سے جب نکاح کیا تو آپ ﷺ احرام کی حالت میں نہیں تھے۔ (مسلمؒ) حضرت امام محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماءؒ (یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے علاوہ) اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا تو اس وقت آپ ﷺ حالت احرام میں نہیں تھے۔ ہاں حضرت میمونہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کے نکاح کا اظہار عام اس وقت ہوا جب آپ ﷺ احرام کی حالت میں تھے، پھر آپ ﷺ نے حضرت میمونہؓ کے ساتھ شب زفاف مقام سرف ہی میں جو مکہ کے راستہ میں واقع ہے اس وقت گزاری جب کہ آپ ﷺ احرام کھول چکے تھے۔"

تشریح: مظاہر حق جدید کی زیر نظر جلد میں ایک موقع پر یہ بتایا جا چکا ہے کہ "سرف" ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے تقریباً چھ میل اور مقام تنعیم سے جانب شام تین یا چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے اسی موقع پر ایک تاریخی اتفاق بھی ذکر کیا گیا تھا کہ آنحضرت ﷺ حضرت میمونہؓ کا نکاح بھی سرف میں ہوا (جب کہ آپ ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ تشریف لا رہے تھے اور اس وقت حالت احرام میں تھے) اور ان کی شب زفاف بھی یہیں گزری (جب کہ آپ ﷺ عمرہ سے فارغ ہو کر مدینہ واپس ہو رہے تھے) اور پھر بعد میں ان کا انتقال بھی یہیں ہوا۔

بہرکیف یہ حدیث جسے حضرت میمونہؓ کے بھانجے حضرت یزیدؒ نے روایت کیا ہے، حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کے بالکل برخلاف ہے جو اس سے پہلے نقل کی گئی، حضرت ابن عباسؓ کی روایت تو اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے حالت احرام میں نکاح کیا تھا جب کہ حضرت یزیدؒ کی یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت میمونہؓ سے آپ ﷺ کا نکاح اس وقت ہوا تھا جب کہ آپ ﷺ حالت احرام میں نہیں تھے۔ اس طرح ان دونوں روایتوں میں تعارض ہو گیا ہے، چنانچہ حنفیہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اول تو اس وجہ سے کہ حضرت ابن عباسؓ کو اپنے علم و فضل، قوت حافظہ، فقہی بصیرت اور اپنی شان مرتبت کے اعتبار سے حضرت یزیدؒ پر کہیں زیادہ برتری حاصل ہے، دوسرے یہ کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو بخاریؒ و مسلمؒ دونوں نے نقل کیا ہے جب کہ حضرت یزیدؒ کی روایت کو صرف مسلمؒ نے نقل کیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ حضرت عثمانؓ کی روایت (چار) میں احرام کی حالت میں نکاح کرنے کرانے کی ممانعت منقول ہے؟ تو اس کے

بارہ میں حنفی علماء لکھتے ہیں کہ اس ممانعت سے یہ مراد ہی نہیں ہے کہ نکاح کرنا کرانا قطعًا ناجائز یا حرام ہے، بلکہ اس کا مقصد تو یہ ظاہر کرنا ہے کہ محرم چونکہ ایک عبادت میں مشغول رہتا ہے اس لئے اس کی شان اور اس کے حال کے مناسب یہ نہیں ہے کہ وہ نکاح کرے یا کسی کا نکاح کرائے۔ چنانچہ اس حدیث کی تشریح میں یہی وضاحت کی گئی تھی کہ یہاں اس ممانعت کا مطلب مکروہ تنزیہی ہے۔

حضرت امام محی السنۃؒ کے یہ الفاظ وظهر امر تزویجها وهو محرم (حضرت میمونہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کے نکاح کا اظہار عام اس وقت ہوا جب کہ آپ ﷺ احرام کی حالت میں تھے) دراصل شوافع کی طرف سے حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کہ "آپ ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے اس حالت میں نکاح کیا کہ آپ ﷺ احرام باندھے ہوئے تھے۔" کی تاویل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نکاح تو اس وقت ہی کیا تھا جب کہ آپ ﷺ حالت احرام میں نہیں تھے ہاں اس نکاح کا علم لوگوں کو اس وقت ہوا جب آپ ﷺ نے احرام باندھ لیا تھا۔ گویا امام محی السنۃؒ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کو بھی اس نکاح کا علم اس وقت ہوا جب کہ آپ ﷺ حالت احرام میں تھے اس لئے وہ یہی سمجھے کہ نکاح آپ ﷺ نے حالت احرام ہی میں کیا ہے حالانکہ شوافع کی طرف سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کی یہ تاویل "تکلف" سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

سر دھونے کی اجازت

⑦ وَعَنْ اَبِي اَيُّوْبَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْسِلُ رَأْسَهٗ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوایوبؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ احرام کی حالت میں اپنا سر مبارک دھوتے تھے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: بغیر کسی اختلاف کے محرم کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنا سر دھوئے مگر اس طرح کہ سر کا کوئی بال ٹوٹنے نہ پائے، ہاں اگر کوئی خطمی سے سر دھوئے گا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اس پر دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا کیونکہ نہ صرف یہ کہ خطمی خوشبو کی قسم سے ہے بلکہ اس کے لگانے سے جوئیں مرجاتی ہیں۔ البتہ (بغیر خوشبو کے) صابون یا بیری کے پتوں اور یا اسی قسم کی دوسری چیزوں سے سر دھونے کی صورت میں متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک اس پر کچھ واجب نہیں ہوتا۔

سینگی کھنچوانا جائز ہے

⑧ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ احْتَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے احرام کی حالت میں بھری ہوئی سینگی کھنچوائی۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: اکثر علماء کے نزدیک احرام کی حالت میں سینگی کھنچوانا جائز ہے بشرطیکہ کوئی بال نہ ٹوٹے۔

سرمہ لگانے کا مسئلہ

⑨ وَعَنْ عُثْمَانَ حَدَّثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ اِذَا اشْتَكٰى عَيْنَيْهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ ضَمَّدَهُمَا بِالصَّبِرِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عثمانؓ نے ایک شخص کے بارہ میں رسول کریم ﷺ کی یہ حدیث بیان کی کہ اگر حالت احرام میں اس کی آنکھیں دکھیں یا وہ ضعف بصارت میں مبتلا ہو تو وہ اپنی آنکھوں پر ایلوے کا لیپ کرے۔" (مسلمؒ)

تشریح: تاج المصادر میں "تضمید" کے معنی "لیپ کرنا" ہی لکھتے ہیں۔ لیکن کچھ علماء نے اس کے معنی "آنکھوں کے اندر لگانا" لکھے ہیں۔ یعنی جس طرح سرمہ لگایا جاتا ہے اسی طرح وہ آنکھوں میں ایلوا لگائے۔

اور علامہ طیبیؒ نے یہ لکھا ہے کہ تضمید "زخم پر پٹی باندھنے کو کہتے ہیں" اسی طرح زخم پر دوا لگانے کو بھی تضمید کہتے ہیں۔

یہ بات پہلے بتائی جا چکی ہے کہ محرم کو بغیر خوشبو کا سرمہ لگانا جائز ہے اور اس کی وجہ سے بطور جزاء کوئی چیز واجب نہیں ہوتی بشرطیکہ اس سے زیب و زینت مقصود نہ ہو کیونکہ زیب و زینت کے لئے سرمہ لگانا مکروہ ہے۔ اس موقع پر خوشبودار سرمہ کے بارہ میں یہ تفصیل جان لیجئے کہ اگر سرمہ میں کم خوشبو ہو تو اس کو لگانے سے صرف صدقہ واجب ہوگا اور اگر خوشبو زیادہ ہوگی تو ایسے سرمہ کو لگانے سے دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا۔ ایسے ہی یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی محرم اپنے سر اور منہ کے علاوہ کسی اور عضو پر پٹی باندھے تو اس پر اگرچہ بطور جزاء کچھ واجب نہیں ہوتا لیکن یہ مکروہ ہے۔ اور اگر کوئی محرم اپنے سر یا منہ کے چوتھائی حصہ یا اس سے زیادہ کو کسی کپڑے وغیرہ سے ڈھانکے گا تو اس پر دم لازم ہوگا اور چوتھائی حصہ سے کم کو ڈھانکے گا تو صرف صدقہ واجب ہوگا۔

حالت احرام میں سر پر سایہ کرنے کا مسئلہ

(۱۰) وَعَنْ اُمِّ الْحُصَيْنِ قَالَتْ رَأَيْتُ اُسَامَةَ وَبِلَالًا وَاَحَدُهُمَا اٰخِذٌ بِخِطَامِ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ رَافِعٌ ثَوْبَهٗ يَسْتُرُهٗ مِنَ الْحَرِّ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ام حصینؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ ان میں سے ایک (یعنی حضرت اسامہؓ) اپنا کپڑا اٹھائے (آپ ﷺ کے اوپر) سورج کی گرمی کی تپش سے سایہ کئے ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے جمرۂ عقبہ پر کنکریاں ماریں۔" (مسلمؒ)

تشریح: حضرت اسامہؓ نے آپ ﷺ کے سر مبارک پر کپڑے سے اس طرح سایہ کر رکھا تھا کہ وہ کپڑا اونچا ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے سر مبارک سے لگتا نہیں تھا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ "وہ سایہ کے لئے آنحضرت ﷺ کے مبارک سر پر چھتری کی مانند ایک چیز اٹھائے ہوئے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے سر پر کسی چیز سے سایہ کر لے بشرطیکہ سایہ کرنے والی چیز اس کے سر کو نہ لگے، چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے لیکن حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ نے اسے مکروہ کہا ہے۔

سر منڈوانے کی جزا

(۱۱) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّبِهٖ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَةِ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ مَكَّةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَهُوَ يُوْقِدُ تَحْتَ قِدْرٍ وَالْقَمْلُ تَتَهَافَتُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَقَالَ اَتُؤْذِيْكَ هَوَامُّكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاحْلِقْ رَاْسَكَ وَاَطْعِمْ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ وَالْفَرَقُ ثَلَاثَةُ اٰصُعٍ اَوْصُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اَوِ انْسُكْ نَسِيْكَةً۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت کعبؓ ابن عجرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے گزرے جب کہ وہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حدیبیہ میں تھے اور وہ (کعبؓ) احرام کی حالت میں تھے (یعنی یہ اس موقع کا ذکر ہے جب آپ ﷺ اپنے رفقاء کے ہمراہ عمرہ کے لئے مکہ روانہ ہوئے تھے لیکن مشرکین نے حدیبیہ میں سب کو روک دیا تھا چنانچہ سب کے ساتھ کعبؓ بھی مکہ میں داخل ہونے کے متوقع تھے مگر پھر بعد میں ایک معاہدہ کے تحت کہ جس کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں، سب لوگ عمرہ کئے بغیر واپس ہو گئے تھے، بہرکیف جب آنحضرت ﷺ کعبؓ کے پاس سے گزرے تو) وہ ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور جوئیں (سر سے جھڑ کر) ان کے منہ پر گر رہی تھیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا کہ "کیا یہ جوئیں تمہیں تکلیف پہنچا رہی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ "جی ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا "تو پھر تم اپنا سر منڈا ڈالو اور (بطور جزاء) ایک فرق کھانا چھ مسکینوں کو کھلا دو اور فرق تین صاع کا ہوتا ہے یا تین دن روزے رکھ لو اور یا ایک جانور ذبح کرنے کے قابل

ہو، ذبح کرو"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: حضرت کعب ابن عجرہؓ ایک جلیل القدر انصاری صحابی ہیں، صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ بھی موجود تھے، ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بڑا دلچسپ بھی ہے اور بڑا سبق آموز بھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس ایک بت تھا جس کو یہ پوجا کرتے تھے، عبادہ ابن صامتؓ ان کے دوست تھے، ایک دن عبادہؓ کعبؓ کے پاس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ کعب بت کی پوجا کرنے کے بعد گھر سے نکل کر گئے ہیں، عبادہ گھر میں داخل ہوئے اور اس بت کو توڑ ڈالا، جب کعب گھر میں آئے تو دیکھا کہ بت ٹوٹا پڑا ہے، انہیں معلوم ہوا کہ یہ حرکت عبادہ کی ہے، بڑے غضب ناک ہوئے اور چاہا کہ عبادہ کو برا بھلا کہیں مگر پھر سوچ میں پڑ گئے، دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر اس بت کو کچھ بھی قدرت حاصل ہوتی تو اپنے آپ کو بچا لیتا، بس یہ خیال گزرنا تھا کہ شرک و کفر کا اندھیرا چھٹ گیا اور ایمان و صداقت کے نور نے قلب و دماغ کے ایک ایک گوشہ کو منور کر دیا اور اس طرح وہ مشرف باسلام ہو گئے، سچ ہے اللہ تعالیٰ جسے ہدایت یافتہ بناتا ہے اسی طرح ہدایت کی توفیق بخش دیتا ہے۔

بہرکیف۔ اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی محرم کسی عذر مثلاً جوئیں، زخم اور درد سر وغیرہ کی وجہ سے اپنا سر منڈوائے تو اسے اختیار ہے کہ بطور جزاء چاہے تو چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے بایں طور کہ ہر مسکین کو آدھا آدھا صاع گیہوں دے دے، چاہے تین روزے رکھ لے اور چاہے جانور ذبح کرے۔ چنانچہ یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے کہ۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْبِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ (ترجمہ) اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور وہ اپنا سر منڈا دے) تو وہ بطور فدیہ یا تو روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

احرام میں عورتوں کے لئے ممنوع چیزیں

⑫ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى النِّسَاءَ فِيْ اِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ وَالنِّقَابِ وَمَامَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ وَلْتَلْبَسْ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا اَحَبَّتْ مِنْ اَلْوَانِ الثِّيَابِ مُعَصْفَرٍ اَوْخَزٍّ اَوْ حُلِيٍّ اَوْ سَرَاوِيْلَ اَوْ قَمِيْصٍ اَوْ خُفٍّ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا رسول کریم ﷺ اس سے منع فرماتے تھے کہ عورتیں اپنے احرام کی حالت میں دستانے پہنیں اور (اس طرح) نقاب ڈالیں (کہ وہ نقاب ان کے منہ پر لگتی ہو) اور ایسے کپڑے پہنیں جس میں زعفران اور ورس لگی ہو، ہاں اس کے بعد (یعنی احرام سے نکلنے کے بعد) وہ کپڑوں کی انواع سے جو چاہیں پہنیں خواہ وہ کسم کا رنگا ہوا ہو۔ ریشم ہو، یا زیور ہو اور خواہ پائجامہ ہو، قمیص ہو یا موزہ ہو۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: بَعْدَ ذٰلِكَ (اس کے بعد) کا مطلب شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تو "احرام سے نکلنے کے بعد" ہی لکھا ہے لیکن ملا علی قاریؒ نے یہ معنی لکھے ہیں کہ "ان مذکورہ چیزوں کے بعد" یعنی حدیث میں جن چیزوں کے استعمال سے منع کیا گیا ہے ان کے علاوہ اور جس قسم کا بھی کپڑا چاہے پہنے۔

نیز ملا علی قاریؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ (بَعْدَ ذٰلِكَ کے یہ معنی مراد لینے کی صورت میں) حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ احرام کی حالت میں زعفران کا رنگا ہوا کپڑا پہننا تو ممنوع ہے لیکن کسم کا رنگا ہوا کپڑا پہننا منع نہیں ہے جب کہ حنفیہ کے مسلک میں حالت احرام میں جس طرح زعفرانی کپڑا پہننا ممنوع ہے اسی طرح کسم کا رنگا کپڑا پہننا بھی ممنوع ہے، چنانچہ خزانۃ الاکمل اور ولوالجی اور فقہ کی دوسری

کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ اگر کسی محرم نے زعفران یا کسم میں رنگا ہوا کپڑا ایک دن پہنا تو اس پر بطور جزاء دم واجب ہوتا ہے اور اگر ایک دن سے کم پہنا تو صدقہ لازم ہوگا لہٰذا اول تو یہی بہتر ہے کہ بعد ذالک کے وہی معنی مراد لئے جائیں جو شیخ عبدالحق نے لکھے ہیں، یا پھر یہ تاویل کی جائے کہ حدیث میں کسم کا وہ رنگا ہوا کپڑا مراد ہے جو دھل چکا ہو اور جس میں خوشبو باقی نہ رہ گئی ہو۔

طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث کے آخر میں کپڑوں کے ساتھ زیور کا ذکر مجازاً کیا گیا ہے۔

احرام میں پردہ کا طریقہ

(۱۳) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْرِمَاتٌ فَإِذَا جَاوَزُوْا بِنَا سَدَلَتْ اِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَلِابْنِ مَاجَةَ مَعْنَاهُ۔

"اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم (سفر کے دوران) حالت احرام میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے (اور احرام کی وجہ سے ہمارے منہ کھلے ہوئے تھے) اور ہمارے قریب سے قافلے گزرتے رہے، چنانچہ جب کوئی قافلہ ہمارے سامنے سے گزرتا تو ہم میں سے ہر عورت (پردہ کی غرض سے) اپنی چادر اپنے سر پر تان کر اپنے منہ پر (اس طرح) ڈال لیتی تھی (کہ وہ چادر اس کے منہ کو نہ لگتی) اور جب قافلہ ہمارے سامنے سے گزر جاتا تو ہم اپنا منہ کھول دیتے تھے۔ (ابوداؤد) ابن ماجہ نے بھی اسی مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے۔

حالت احرام میں خوشبودار تیل استعمال کرنا ممنوع ہے

(۱۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدَّهِنُ بِالزَّيْتِ وَهُوَ مُحْرِمٌ غَيْرَ الْمُقَتَّتِ يَعْنِيْ غَيْرَ الْمُطَيَّبِ۔ (رواہ الترمذی)

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ احرام کی حالت میں بغیر خوشبو کا زیتون کا تیل استعمال کرتے تھے۔" (ترمذی)

تشریح: مُقَتَّتْ اس تیل کو کہتے ہیں جس میں خوشبو کے پھول ڈال کر اسے پکالیا جائے تاکہ وہ تیل خوشبودار ہو جائے یا اس تیل میں کوئی خوشبودار تیل وغیرہ ملا دیا جائے۔

احرام کی حالت میں خوشبودار تیل استعمال کرنا مکروہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی محرم کسی ایک عضو کے پورے حصہ پر یا کئی یا سب اعضاء پر روغن بنفشہ، روغن گلاب، روغن موتیا یا اسی قسم کا کوئی بھی خوشبودار تیل لگائے گا تو حنفیہ کے ہاں بالاتفاق اس پر دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہوگا اور اگر زیتون یا تل کا ایسا تیل کہ جس میں خوشبو نہ ملی ہوئی ہو زیادہ مقدار میں لگائے گا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی دم واجب ہوگا جب کہ صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کہتے ہیں کہ صدقہ واجب ہوگا۔ لیکن یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ یہ دونوں تیل خوشبو سے بالکل خالی اور کسی خوشبودار پھول کے پکائے ہوئے نہ ہوں، کیونکہ اگر زیتون کے یا تل کے تیل میں خوشبو ملی ہوگی یا اس میں خوشبودار پھول ڈال کر پکایا گیا ہو تو پھر سب ہی کے نزدیک اس کو استعمال کرنے کی وجہ سے دم واجب ہوگا۔ اسی طرح یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ یہ تیل زیادہ مقدار میں لگائے جائیں اور اگر کم لگایا جائے گا تو متفقہ طور پر سب کے نزدیک اس کے استعمال کرنے سے صرف صدقہ واجب ہوگا۔

اور پھر ایک بات یہ بھی جان لیجئے کہ ان تیلوں کے استعمال کی وجہ سے دم یا صدقہ اسی وقت واجب ہوگا جب کہ ان کو محض خوشبو کی خاطر استعمال کیا جائے اور اگر انہیں دوا کے طور پر استعمال کیا جائے گا تو پھر علی الاتفاق کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ جب کہ مشک یا دوسری خوشبوؤں کے استعمال کا مسئلہ اس سے مختلف ہے کہ ان کے استعمال سے بہر صورت دم واجب ہوتا ہے خواہ بطور خوشبو استعمال ہوں خواہ بطور دوا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

سلے ہوئے کپڑوں کو بدن پر ڈال لینے کا مسئلہ

(۱۵) وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ وَجَدَ الْقُرَّ فَقَالَ اَلْقِ عَلَيَّ ثَوْبًا يَا نَافِعُ فَاَلْقَيْتُ عَلَيْهِ بُرْنُسًا فَقَالَ تُلْقِي عَلَيَّ هٰذَا وَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّلْبَسَهُ الْمُحْرِمُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت نافعؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کو (حالت احرام میں ایک موقع پر) سردی لگنے لگی تو انہوں نے فرمایا کہ "نافع! مجھ پر کوئی کپڑا ڈال دو" چنانچہ میں نے ان کے بدن پر برساتی ڈال دی تو انہوں نے فرمایا کہ تم میرے بدن پر یہ (برساتی) ڈال رہے ہو؟ حالانکہ رسول کریم ﷺ نے محرم کو اس کے پہننے سے منع فرمایا ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ سلے ہوئے کپڑے کو اس طرح استعمال کرنا محرم کے لئے ممنوع ہے جس طرح اسے عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے، بصورت دیگر ممنوع نہیں ہے مثلاً برساتی عام طور پر پہنی جاتی ہے۔ اگر کوئی محرم اسے پہنے نہیں بلکہ ایسے ہی جسم پر ڈال لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ اس بارہ میں پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمرؓ نے برساتی کو اپنے جسم پر ڈال لینے سے بھی منع یا تو اس لئے فرمایا کہ وہ اپنے خیال کی بناء پر سلے ہوئے کپڑے کو مطلقاً کسی بھی استعمال کرنے سے اجتناب کرتے ہوں گے یا پھر یہ کہ نافعؒ نے ان کا سر بھی ڈھانک دیا ہوگا۔ اس وجہ سے انہوں منع فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کا پچھنے لگوانا

(۱۶) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِلَحْيِ جَمَلٍ مِنْ طَرِيْقِ مَكَّةَ فِيْ وَسَطِ رَاْسِهٖ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عبداللہ ابن مالکؓ جو بحینہ کے بیٹے ہیں، کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مکہ کے راستے میں لحی جمل کے مقام پر بحالت احرام اپنے سر کے بیچوں بیچ سینگی کھنچوائی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: مالک، حضرت عبداللہ کے باپ کا نام ہے اور بحینہ ان کی ماں کا نام ہے گویا ابن بحینہ، حضرت عبداللہ کی دوسری صفت ہے اسی لئے "عبداللہ بن مالک ابن بحینہ" میں مالک کو تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں اور "ابن بحینہ" میں الف لکھا جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جب سر کے بیچوں بیچ پچھنے لگوائے تو سر مبارک کے بال کچھ نہ کچھ ضرور ٹوٹے ہوں گے لہٰذا یہ حدیث ضرورت پر محمول ہے کہ آپ ﷺ نے کسی عذر و ضرورت کی بناء پر سر میں پچھنے لگوائے تھے، چنانچہ اگر محرم کسی ایسی جگہ پچھنے لگوائے جہاں بال نہ ہوں تو اس پر فدیہ واجب نہیں ہوتا۔

مسئلہ: اگر کوئی محرم سر کے بال چوتھائی حصہ سے کم منڈوائے یا پچھنے وغیرہ کی وجہ سے اس کے سر کے چوتھائی حصہ سے کم بال ٹوٹ جائیں تو اس پر صدقہ واجب ہوگا یعنی وہ بطور جزاء یا تو کسی بھوکے کے پیٹ بھر کھانا کھلادے یا اسے نصف صاع گیہوں دے دے۔ اگر کوئی محرم بلا عذر چوتھائی سر سے زیادہ منڈوادے یا بلا عذر پچھنے لگوالے اور اس کی وجہ سے چوتھائی سر سے زیادہ بال ٹوٹ جائیں تو اس پر دم واجب ہوگا یعنی وہ بطور جزاء ایک بکری یا اس کی مانند کوئی جانور ذبح کرے اور اگر کوئی کسی عذر کی بناء پر چوتھائی سر سے زیادہ منڈوائے یا کسی عذر کی وجہ سے پچھنے لگوائے اور اس کی وجہ سے چوتھائی سر سے زائد بال ٹوٹ جائیں تو اسے تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کا اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ ایک بکری ذبح کرے، چاہے نصف صاع فی مسکین کے حساب سے چھ مسکینوں کو تین صاع گیہوں دے اور چاہے تین روزے رکھے خواہ تین روزے مسلسل رکھ لے یا متفرق طور پر۔

اگر کوئی محرم پچھنے لگوانے کی وجہ سے محاجم یعنی پچھنوں کی جگہ سے بال منڈوائے تو اس صورت میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو اس پر دم واجب ہوگا اور صاحبین کے نزدیک صدقہ۔

"پچھنوں کی جگہ" سے گردن کے دونوں کنارے اور گدی مراد ہے، اس لئے اگر کوئی پوری گردن منڈوائے گا تو پھر متفقہ طور پر سب کے نزدیک اس پر دم واجب ہوگا اور اگر پوری سے کم منڈوائے گا تو صدقہ واجب ہوتا ہے! خود بخود بال ٹوٹنے سے کچھ بھی واجب نہیں ہوتا۔

⑰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ مُحْرِمٌ عَلٰی ظَھْرِ الْقَدَمِ مِنْ وَجْعٍ کَانَ بِہٖ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے احرام کی حالت میں اپنے پیر کی پشت پر پچھنے لگوائے کیونکہ آپ کے درد تھا۔" (ابوداؤدؒ، نسائیؒ)

تشریح: پیر کی پشت پر چونکہ بال نہیں ہوتے اور وہاں پچھنے لگوانے سے بال ٹوٹنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس حدیث میں کوئی اشکال نہیں ہے اور پھر یہ کہ آپ ﷺ نے ایک عذر یعنی درد کی وجہ سے یہ پچھنے لگوائے تھے۔

حضرت میمونہؓ سے آپ ﷺ کا نکاح

⑱ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ تَزَوَّجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَیْمُوْنَۃَ وَھُوَ حَلَالٌ وَبَنٰی بِھَا وَھُوَ حَلَالٌ وَکُنْتُ اَنَا الرَّسُوْلَ بَیْنَھُمَا۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

"اور حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا تو آپ ﷺ حالت احرام میں نہیں تھے، اور جب ان کے ساتھ شب زفاف گزاری تب بھی حالت احرام میں نہیں تھے۔ نیز ان دونوں کے درمیان نکاح کا پیغام لے جانے والا میں تھا۔ (احمدؒ، ترمذیؒ) امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔"

تشریح: یہ حدیث بھی حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کے برخلاف ہے جس میں منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح اس وقت کیا تھا جب کہ آپ ﷺ حالت احرام میں تھے، اس بارہ میں حدیث نمبر چھ کی تشریح میں بحث کی گئی تھی، اس موقع پر بھی یہ جان لیجئے کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے جب کہ اس روایت کو ان دونوں میں سے کسی نے بھی نقل نہیں کیا ہے، اس بنیاد پر یہ روایت چونکہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی اس لئے ترجیح حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت کو حاصل ہوگی۔

بَابُ الْمُحْرِمِ یَجْتَنِبُ الصَّیْدَ
محرم کے لئے شکار کی ممانعت کا بیان

متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک شکار یا شکار میں کسی کی اعانت محرم کے لئے حرام ہے، چنانچہ کسی شکار کے جانور کو قتل کرنے یا اس کے قتل میں اعانت کرنے سے محرم پر جزاء لازم آتی ہے۔

شکار کی جزاء یا کفارہ: شکار کی وجہ سے محرم پر جو جزاء یا کفارہ لازم ہوتا ہے اس سے مراد وہ قیمت ہے جو دو عادل و تجربہ کار شخص اس شکار کی تجویز کریں اور یہ قیمت یا تو اس مقام کے اعتبار سے ہو جہاں وہ شکار مارا گیا ہے یا اگر اس مقام پر کوئی قیمت نہ ہو تو اس مقام کے اعتبار

سے ہو جو شکار کے مقام سے قریب تر ہو کیونکہ ایک چیز کی قیمت مختلف مقامات کے اعتبار سے بدل جاتی ہے، اسی طرح یہ قیمت اس زمانہ کے اعتبار سے ہو جس میں وہ شکار مارا گیا ہے کیونکہ ایک چیز کی قیمت مختلف اوقات وزمانہ میں بدل جاتی ہے، پھر اس بارہ میں محرم کو اختیار ہو گا کہ چاہے تو وہ اس مجوزہ قیمت سے قربانی کا کوئی جانور خرید کر (اگر اس قیمت میں کوئی جانور مل سکتا ہو) حرم میں ذبح کر دے اور چاہے اس قیمت سے غلہ خرید کر ہر فقیر کو، اگر گیہوں ہو تو نصف نصف صاع اور اگر جو یا کھجور ہو تو ایک ایک صاع تقسیم کر دے کسی فقیر کو اس تعداد سے کم نہ دے اور چاہے ہر فقیر کی تعداد صدقہ (یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو) کے عوض ایک ایک روزہ رکھ لے اور اس صورت میں اگر ایک فقیر کے مقدار صدقہ کا کوئی حصہ باقی بچے تو اس کو خیرات کر دے یا اس کے بدلہ بھی ایک روزہ رکھ لے۔ اس صورت میں یہ بات ملحوظ رہے کہ شکار کی جزا بہر صورت واجب ہو گی خواہ کوئی محرم قصداً شکار مارے یا سہواً اس کا مرتکب ہو جائے۔

اگر کوئی محرم کسی شکار کو زخمی کر دے اور وہ اس زخم سے مرے نہیں، یا شکار کے بال اکھاڑ ڈالے یا اس کا کوئی عضو توڑ دے تو اس شکار کی حالت صحت کی قیمت میں اس کی وجہ سے جس قدر کمی آگئی ہو وہ اس محرم کو دینا چاہئے۔

اگر کوئی محرم کسی شکار کے ہاتھ پیر کاٹ دے یا اس کے پر نوچ اکھاڑ دے کہ جس کی وجہ سے وہ اپنی حفاظت سے معذور ہو جائے تو اس شکار کی پوری قیمت دینا پڑے گی اور اس کا دودھ دو ہے تو اس دودھ کی قیمت اس پر واجب ہو گی، اسی طرح اگر اس کا انڈا توڑ دے تو اس کی قیمت دینی پڑے گی۔

محرم شکار کھائے یا نہ کھائے؟ اس بارہ میں تفصیل ہے اس بات میں تو بالاتفاق تمام علماء کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی محرم خود شکار کرے یا کوئی دوسرا محرم شکار کرے تو وہ شکار کھانا محرم کے لئے حرام ہے ہاں اگر صورت یہ ہو کہ کوئی غیر محرم اپنے لئے شکار کرے یا محرم کے لئے اس کی اجازت سے یا اس کی اجازت کے بغیر شکار کرے تو اس کے کھانے کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ومسلک ہیں چنانچہ بعض صحابہ وتابعین کہ جس میں حضرت علیؓ بھی ہیں کا قول تو یہ ہے کہ محرم کے لئے مطلق شکار کھانا حرام ہے، ان کی دلیل حضرت صعب ابن جثامہؓ کی روایت ہے جو اس باب کی پہلی حدیث ہے۔ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر محرم خود شکار کرے یا کوئی دوسرا شخص اس کے لئے یا اس کی اجازت سے یا اس کی اجازت کے بغیر شکار کرے تو اس کے لئے اس شکار کو کھانا حرام ہے۔ ہاں اگر کوئی غیر محرم اپنے لئے شکار کرے اور اس میں سے کچھ بطور ہدیہ محرم کو بھیجے تو اس کا کھانا اس کے لئے حلال ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین علماء کا مسلک یہ ہے کہ محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانا حلال ہے خواہ وہ شکار اس کے لئے ہی کیوں نہ کیا گیا ہو بشرطیکہ وہ شکار نہ تو اس نے خود کیا ہو، نہ اس شکار کرنے کا کسی کو حکم دیا ہو، نہ اس شکار کی راہ کسی کو دکھائی ہو، نہ اس شکار کی طرف کسی کو متوجہ کیا ہو اور نہ اس شکار میں خود اس نے یا کسی اور محرم نے اعانت کی ہو۔ حنفیہ کی دلیل حضرت ابوقتادہؓ کی روایت ہے۔

شکار سے کون جانور مراد ہیں؟ محرم کے لئے جس شکار کی ممانعت ہے اس سے مراد جنگلی شکار کو قتل کرنا ہے۔ جنگلی ان جانوروں کو کہتے ہیں جن کا توالد وتناسل خشکی یا جنگل میں ہوتا ہو گو ان کی بود وباش پانی میں ہو جیسے مرغابی وغیرہ۔ اسی طرح شکار اس جانور کو کہتے ہیں جو اصل خلقت میں وحشی ہو خواہ وہ کسی وجہ سے مانوس ہو گیا ہو جیسے ہرن کہ وہ پالنے والے سے مانوس ہو جاتا ہے مگر چونکہ وہ دراصل وحشی ہے اس لئے شکار کہلائے گا خواہ وہ جنگل میں رہتا ہو یا پلا ہوا ہو بہر صورت اس کا شکار کرنے سے جزا واجب ہو گی۔ جو جانور دراصل وحشی نہ ہو اس کا قتل کرنا حالت احرام میں بھی جائز ہے چنانچہ بکری، دنبہ، بھیڑ گائے اونٹ اور گھر کی پلی ہوئی بط کو ذبح کرنا محرم کے لئے جائز ہے۔ کبوتر کو فقہاء نے وحشی الاصل قرار دیا ہے اس لئے اس کے شکار پر جزا واجب ہوتی ہے۔ دریائی جانوروں کا شکار آیت کریمہ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ کے پیش نظر محرم اور غیر محرم دونوں کے لئے حلال ہے خواہ وہ جانور کھائے جانے والے ہوں یا کھائے جانے والے نہ ہوں۔

جو جنگلی جانور کھائے جاتے ہیں ان کا شکار تو متفقہ طور پر حرام ہے، ہاں جو جانور کھائے نہیں جاتے ان کو صاحب بدائع نے دو قسمیں کی ہیں ایک قسم تو ان جانوروں کی ہے جو طبعًا ایذا پہنچاتے ہیں اور اکثر و بیشتر ایذا پہنچانے میں خود ابتداء کرتے ہیں، جیسے شیر، چیتا اور بھیڑیا چنانچہ ان جانوروں کو قتل کرنا محرم کے لئے جائز ہے اور ان کو قتل کرنے سے محرم پر جزاء واجب نہیں ہوتی، دوسری قسم ان جانوروں کی ہے جو ایذا پہنچانے میں ابتداء نہیں کرتے جیسے چرغ (شکرہ کی ایک قسم وغیرہ) ایسے جانوروں کے بارہ میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر یہ جانور محرم پر پہلے حملہ کریں تو وہ ان کو مار سکتا ہے اور اس کی وجہ سے اس پر جزاء واجب نہیں ہوگی اور اگر وہ حملہ نہ کریں تو پھر محرم کے لئے یہ مباح نہیں ہے کہ وہ ان کو مارنے میں ابتداء کرے اگر ابتداء کرے گا تو اس پر جزاء واجب ہوگی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حالت احرام میں آنحضرت ﷺ کا شکار سے اجتناب

① عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جُثَّامَةَ اَنَّهُ اَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا وَحْشِيًّا وَهُوَ بِالْاَبْوَاءِ اَوْبِوَدَّانِ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَاٰى مَا فِيْ وَجْهِهٖ قَالَ اِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ اِلَّا اَنَّا حُرُمٌ۔ (متفق علیہ)

"حضرت صعب ؓ ابن جثامہ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حمار وحشی (گورخر) بطور ہدیہ بھیجا جب کہ آپ ﷺ مقام ابواء یا ودان میں (کہ جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہیں) تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے اسے واپس کر دیا اور جب آپ ﷺ نے اس کی وجہ سے ان کے چہرہ پر غم (وافسوس) کے آثار محسوس کئے تو فرمایا کہ "ہم نے تمہارا ہدیہ اس لئے واپس کر دیا ہے کہ ہم احرام باندھے ہوئے ہیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: بظاہر یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو مطلق شکار کا گوشت کھانے کو محرم کے لئے حرام قرار دیتے ہیں اور چونکہ حنفیہ کا مسلک (جو باب کی ابتداء میں ذکر کیا گیا ہے) حضرت عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت طلحہ ابن عبید اللہؓ اور حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق ہے اس لئے حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ زندہ گورخر بطور شکار آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا گیا تھا اور چونکہ شکار قبول کرنا محرم کے لئے درست نہیں ہے اس لئے آپ ﷺ نے اسے واپس کر دیا۔ لیکن پھر ایک اشکال اور پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ایک روایت میں وضاحت کے ساتھ یہ منقول ہے کہ گورخر کا گوشت بھیجا گیا تھا، ایک روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ گورخر کی ران بھیجی گئی تھی، اسی طرح ایک روایت یہ بتاتی ہے کہ اس کا ایک ٹکڑا بھیجا گیا تھا۔

لہٰذا ان روایتوں کے پیش نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زندہ گورخر نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ یہاں حدیث میں بھی گورخر سے اس کا گوشت ہی مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے تو آپ ﷺ کی خدمت میں زندہ گورخر ہی بھیجا گیا ہوگا جسے آپ ﷺ نے قبول نہیں کیا، پھر بعد میں دوسرے گورخر کی ران بھیجی گئی اسی کو کسی نے تو گوشت سے تعبیر کیا اور کسی نے اسے اس کا ٹکڑا کہا۔

اس بارہ میں حنفیہ کی بڑی دلیل یہ روایت ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں گورخر پیش کیا گیا جب کہ آپ ﷺ مقام عرج میں تشریف فرما تھے اور احرام باندھے ہوئے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ اسے رفقاء میں تقسیم کر دو۔ مذکورہ بالا حدیث کے بارہ میں شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے اس گورخر کو اس گمان کی بناء پر واپس کر دیا کہ بطور خاص میرے لئے شکار کیا گیا ہے۔

حنفیہ کی مستدل حدیث

② وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَخَلَّفَ مَعَ بَعْضِ اَصْحَابِهٖ وَهُمْ مُحْرِمُوْنَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ فَرَاَوْا حِمَارًا وَحْشِيًّا قَبْلَ اَنْ يَّرَاهُ فَلَمَّا رَاَوْهُ تَرَكُوْهُ حَتّٰى رَاٰهُ اَبُوْ قَتَادَةَ فَرَكِبَ فَرَسًا لَهٗ فَسَاَلَهُمْ اَنْ يُّنَاوِلُوْهُ

سَوْطَهُ فَاَبَوْا فَتَنَاوَلَهُ فَحَمَلَ عَلَيْهِ فَعَقَرَهُ ثُمَّ اَكَلَ فَاَكَلُوْا فَنَدِمُوْا فَلَمَّا اَدْرَكُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلُوْهُ قَالَ هَلْ مَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ قَالُوْا مَعَنَا رِجْلُهُ فَاَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَكَلَهَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا فَلَمَّا اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمِنْكُمْ اَحَدٌ اَمَرَهُ اَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهَا اَوْ اَشَارَ اِلَيْهَا قَالُوْا لَا قَالَ فَكُلُوْا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا۔

"اور حضرت ابوقتادہؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ (واقع حدیبیہ کے موقع پر مکہ کے لئے) رسول کریم ﷺ کے ہمراہ روانہ ہوئے تو وہ اپنے چند ساتھیوں سمیت پیچھے رہ گئے جو (عمرہ کے لئے) احرام باندھے ہوئے تھے لیکن خود ابوقتادہؓ حالت احرام میں نہیں تھے؟ چنانچہ (راستہ میں ایک جگہ) ان کے ساتھیوں نے گورخر دیکھا مگر ابوقتادہؓ کی نظر اس پر نہیں پڑی، ان کے ساتھیوں نے اس گورخر کو دیکھ کر صرف نظر کر لیا، آخر کار ابوقتادہؓ نے بھی اس گورخر کو دیکھ لیا اور (اس کو شکار کرنے کی غرض سے) گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں سے اپنا چابک مانگا مگر انہوں نے (اس وجہ سے کہ اس شکار میں ہماری اعانت کسی درجہ میں بھی شامل نہ ہو) چابک دینے سے انکار کر دیا ابوقتادہؓ نے (گھوڑے سے اتر کر) خود چابک اٹھایا اور گورخر پر حملہ آور ہوئے یہاں تک کہ اسے مار لیا، پھر اس (کے گوشت کو تیار کر کے) خود انہوں نے بھی کھایا اور ان کے ساتھیوں نے بھی کھایا، مگر ان کے ساتھی (اس کا گوشت کھا کر) پشیمان ہوئے (کیونکہ انہوں نے گمان کیا کہ محرم کے لئے مطلق شکار کا گوشت کھانا درست نہیں ہے) چنانچہ جب وہ لوگ آنحضرت ﷺ سے ملے تو آپ ﷺ سے (اس کا حکم) پوچھا (کہ آیا اس گورخر کا گوشت کھانا ہمارے لئے درست تھا یا نہیں؟) آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ "تمہارے پاس اس میں سے کچھ باقی ہے یا نہیں؟" انہوں نے کہا کہ "ہمارے پاس اس کا پاؤں باقی رہ گیا ہے" آپ ﷺ نے وہ پاؤں لے لیا اور (اس کو تیار کرا کر) کھایا (اس طرح آپ ﷺ نے ظاہر فرمایا کہ اس کا گوشت کھانا تمہارے لئے درست تھا) (بخاریؒ و مسلمؒ) بخاری و مسلم ہی کی ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "جب وہ لوگ رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچے (اور انہوں نے آپ ﷺ سے اس کے بارہ میں مسئلہ دریافت کیا) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کیا تم میں سے کسی نے ابوقتادہؓ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ گورخر پر حملہ آور ہوں یا تم میں سے کسی نے گورخر کی طرف اشارہ کر کے اس کے شکار پر متوجہ) کیا تھا"؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر اس کے گوشت میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے کھالو۔"

تشریح: اس حدیث کے بارہ میں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں تو بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس گورخر میں سے بچا ہوا پاؤں تیار کرا کر کھایا جب کہ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اسے کھایا نہیں؟ لہٰذا اس اشکال کو دور کرنے کے لئے علماء ان دونوں روایتوں میں یہ مطابقت پیدا کرتے ہیں کہ آپ ﷺ خود چونکہ حالت احرام میں تھے اس لئے ابتداء میں آپ ﷺ نے یہ گمان کیا ہوگا کہ اس گورخر کے شکار میں کسی محرم کے حکم یا اس کی اعانت کو دخل رہا ہوگا اس لئے آپ ﷺ نے اسے کھانے سے انکار کر دیا ہوگا مگر جب صحیح صورت حال سامنے آگئی اور آپ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ اس کے شکار میں کسی محرم کے حکم یا اس کی اعانت کا کوئی دخل نہیں تھا تو آپ ﷺ نے اسے کھایا۔

محرم کے لئے جس طرح یہ ممنوع ہے کہ وہ شکار کے لئے کسی کو حکم دے اسی طرح دلالت اور اشارت بھی ممنوع ہے دلالت اور اشارت میں فرق یہ ہے کہ دلالت کا تعلق زبان سے ہوتا ہے مثلاً محرم کو کسی ہاتھ کے اشارہ سے شکار کی طرف متوجہ کرے! بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ دلالت کا تعلق اس شکار سے ہوتا ہے جو نظر کے سامنے نہ ہو اور اشارت کا تعلق اس شکار سے ہوتا ہے جو نظر کے سامنے ہو۔

اس موقع پر یہ بات جان لیجئے کہ محرم کے لئے تو دلالت حدود حرم میں بھی حرام ہے اور حدود حرم سے باہر بھی لیکن غیر محرم کے لئے حدود حرم میں تو حرام ہے اور حدود حرم سے باہر حرام نہیں ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ محرم کو شکار کا گوشت کھانا حلال ہے بشرطیکہ وہ شکار نہ تو خود اس نے کیا ہو اور نہ اس شکار

میں اس کی دلالت اشارت اور اعانت کا قطعاً دخل ہو، چنانچہ یہ حدیث حنفیہ کے اس مسلک کی دلیل ہے اور ان حضرات کے مسلک کی تردید کرتی ہے جو محرم کو مطلق شکار کا گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں۔

وہ جانور جن کو حالت احرام اور حرم میں مارنا جائز ہے

③ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ قَتَلَهُنَّ فِي الْحَرَمِ وَالْإِحْرَامِ الْفَارَةُ وَالْغُرَابُ وَالْحِدَاةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا پانچ جانور ہیں جن کو حرم میں اور حالت احرام میں مارنا گناہ نہیں ہے۔ ① چوہا۔ ② کوا۔ ③ چیل۔ ④ بچھو۔ ⑤ کٹ کھنا کتا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: الغراب (کوا) سے مراد الغراب الابقع (ابلق کوا) یعنی وہ سیاہ سفید کوا ہے جو اکثر مردار اور نجاسات کھاتا ہے۔ چنانچہ اگلی روایت میں اس کی وضاحت بھی ہے، اس لئے وہ کوا مارنا جائز نہیں ہے جو کھیت کھلیان کھاتا ہے اور جس کے پورے جسم کا رنگ تو سیاہ اور چونچ و پاؤں کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔

کٹ کھنے کتے کے حکم میں وہ تمام درندے جانور شامل ہیں جو حملہ آور ہوتے ہیں، ایسے تمام جانوروں کو حرم میں اور احرام کی حالت میں مارنا جائز ہے۔

④ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ الْحَيَّةُ وَالْغُرَابُ الْأَبْقَعُ وَالْفَارَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ وَالْحُدَيَّا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "ایذا پہنچانے والے پانچ جانور ہیں جن کو حدود حرم سے باہر بھی اور حدود حرم میں بھی مارا جاسکتا ہے (مارنے والا خواہ احرام کی حالت میں ہو خواہ احرام سے باہر ہو۔ سانپ، ابلق کوا، چوہا، کٹ کھنا کتا، چیل۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: اس کتے کو مارنا حرام ہے جس سے فائدہ حاصل ہوتا ہو، اسی طرح اس کتے کو بھی مارنا حرام ہے جس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو اس سے کوئی ضرر و نقصان بھی نہ پہنچتا ہو۔

مذکورہ بالا دونوں حدیث میں جن جانوروں کا ذکر کیا گیا ہے مارنے کی اجازت صرف انہیں پر منحصر نہیں ہے بلکہ یہی حکم ان تمام جانوروں کا بھی ہے جن سے ایذاء پہنچتی ہو جیسے چیونٹی، پسو، چچڑی، اور کھٹمل وغیرہ۔ ہاں اگر جوئیں ماری جائیں گے تو پھر حسب استطاعت و توفیق صدقہ دینا واجب ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

امام مالکؒ و امام شافعیؒ کی مستدل حدیث اور اس کا مطلب

⑤ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَحْمُ الصَّيْدِ لَكُمْ فِي الْإِحْرَامِ حَلَالٌ مَالَمْ تَصِيْدُوْهُ اَوْ يُصَادُ لَكُمْ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "تمہارے لئے احرام کی حالت میں شکار کا گوشت حلال ہے بشرطیکہ وہ شکار نہ تو تم نے خود کیا ہو اور نہ تمہارے لئے کیا گیا ہو۔" (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ)

تشریح: حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ اگر حالت احرام میں تم خود شکار کرو گے یا کوئی دوسرا تمہارے لئے شکار کرے گا، اگرچہ وہ شکاری حالت احرام میں نہ ہو تو اس شکار کا گوشت کھانا تمہارے لئے درست نہیں ہوگا۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ اس حدیث کو اپنے اس مسلک کی دلیل قرار دیتے ہیں کہ محرم کے لئے اس شکار کا گوشت کھانا حرام ہے جسے کسی غیر محرم نے اس کے لئے شکار کیا ہو۔

لیکن حنفیہ اس حدیث کے یہ معنی مراد لیتے ہیں کہ اگر حالت احرام میں زندہ شکار تمہارے لئے بطور تحفہ بھیجا جائے تو اس کا گوشت کھانا تمہارے لئے حرام ہوگا۔ ہاں اگر اس شکار کا گوشت تحفہ کے طور پر تمہارے پاس بھیجا جائے اس کا کھانا حرام نہیں ہوگا۔ گویا اس صورت میں حدیث کا حاصل یہ ہوگا کہ اگر تمہارے حکم کی بناء پر کوئی شکار کیا جائے گا تو اس کا کھانا تمہارے لئے درست نہیں ہوگا لہٰذا اس شکار کا گوشت محرم کے لئے حرام نہیں ہے جسے کوئی غیر محرم اس کے لئے ذبح کرے بشرطیکہ اس شکار میں محرم کے حکم یا اس کی اعانت اور اشارت و دلالت کا کوئی دخل نہ ہو۔

ٹڈی کے شکار کا مسئلہ

(۶) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَرَادُ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

"اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "ٹڈی دریا کے شکار کی مانند ہے"۔ (ابوداؤدؒ، ترمذیؒ)

تشریح: حنفی علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ٹڈی کو دریا کے شکار کی مانند صرف اس اعتبار سے فرمایا ہے، کہ ٹڈی دریائی شکار یعنی مچھلی کے مشابہ ہے کہ جس طرح مچھلی بغیر ذبح کئے ہوئے کھائی جاتی ہے اسی طرح ٹڈی کو بھی بغیر ذبح کئے کھانا درست ہے، چنانچہ محرم کے لئے ٹڈی مارنا جائز نہیں ہے اگر کوئی محرم ٹڈی مارے گا تو اس پر صدقہ (جتنا بھی وہ دے سکے گا) لازم ہوگا۔ نیز ہدایہ میں بھی یہ لکھا ہے کہ ٹڈی جنگل کے شکار کے حکم میں ہے اور ابن ہمامؒ کے قول کے مطابق اکثر علماء کا یہی مسلک ہے۔

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محرم کے لئے ٹڈی کا شکار یعنی ٹڈی پکڑنا جائز ہے کیونکہ یہ دریائی شکار کی مانند ہے اور اس آیت کریمہ: وَاُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ مَادُمْتُمْ حُرُمًا اور احرام کی حالت میں تمہارے لئے دریائی شکار حلال رکھا گیا ہے۔ کے پیش نظر محرم کے لئے دریا کا شکار جائز ہے۔

حملہ آور درندے کو مار ڈالنے کا حکم

(۷) وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ السَّبُعَ الْعَادِيَ۔

(رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ)

"اور حضرت ابوسعید خدریؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "محرم حملہ کرنے والے درندے کو مار ڈالے۔"

(ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "حملہ کرنے والے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ جان لینے یا زخمی کرنے کے لئے چڑھ دوڑے جیسے شیر، بھیڑیا اور چیتا وغیرہ کہ یہ درندے انسان کو دیکھتے ہی اس پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔

چرغ کے شکار کا مسئلہ

(۸) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ عَمَّارٍ قَالَ سَاَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الضَّبُعِ اَصَيْدٌ هِيَ فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ اَيُؤْكَلُ فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت عبدالرحمن ابن ابو عمار (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر ابن عبداللہؓ سے چرغ کے بارہ میں پوچھا کہ کیا وہ شکار ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے پھر پوچھا کہ کیا اس کا گوشت کھایا جاسکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں؟ میں نے کہا کہ کیا آپ نے یہ رسول کریم ﷺ سے سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں (ترمذیؒ، نسائیؒ، شافعیؒ)۔ نیز امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

تشریح: سائل کا مطلب یہ تھا کہ چرغ شکار ہے کہ محرم کے لئے اس کا کھانا حرام ہو یا یہ کہ شکار نہیں ہے، بہرکیف اس موقع پر محرم سے قطع نظر چرغ کے بارہ میں بنیادی اختلاف تو یہ ہے کہ چرغ کا گوشت ویسے بھی حلال ہے یا نہیں؟ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ تو اس حدیث کے پیش نظر یہ فرماتے ہیں کہ چرغ حلال جانور ہے اس کا گوشت کھانا درست ہے جب کہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک حلال جانور نہیں ہے اس لئے اس کا گوشت کسی کو بھی کھانا درست نہیں ہے، ان کی دلیل حضرت خزیمہ ابن جزیؓ کی روایت ہے جو آگے آرہی ہے۔

⑨ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الضَّبُعِ قَالَ هُوَ صَيْدٌ وَيَجْعَلُ فِيْهِ كَبْشًا إِذَا أَصَابَهُ الْمُحْرِمُ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے چرغ کے بارہ میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "وہ شکار ہے اگر کوئی محرم اس کا مرتکب ہو جائے تو اس کے بدلہ میں دنبہ یا مینڈھا دے۔" (ابوداؤدؒ، ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے احرام کی حالت میں چرغ کا شکار کیا اسے خریدا تو اس کی جزاء کے طور پر ایک دنبہ یا ایک مینڈھا واجب ہوگا۔

چرغ حلال نہیں ہے

⑩ وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ جَزِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الضَّبُعِ قَالَ أَوَيَأْكُلُ الضَّبُعَ أَحَدٌ وَسَأَلْتُهُ عَنْ أَكْلِ الذِّئْبِ قَالَ أَوَيَأْكُلُ الذِّئْبَ أَحَدٌ فِيْهِ خَيْرٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ۔

"اور حضرت خزیمہ ابن جزیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے چرغ کا گوشت کھانے کے بارہ میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کہیں کوئی اس کا گوشت بھی کھاتا ہے؟ (یعنی اس کا گوشت نہ کھانا چاہئے) پھر میں نے بھیڑیے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا "کیا کوئی ایسا شخص جس میں بھلائی (یعنی ایمان یا تقویٰ) ہو بھیڑیے کا گوشت بھی کھاتا ہے؟" اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد قوی نہیں ہے۔"

تشریح: جیسا کہ امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے یہ روایت اگرچہ باعتبار سند کے ضعیف ہے لیکن بذات خود یہ حدیث بالکل صحیح ہے جس کی دلیل ابن ماجہ کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ وَمَنْ يَأْكُلُ الضَّبُعَ نیز اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہر ذی ناب (کونچلی والا) درندہ کھانے سے منع کیا ہے (ذی ناب درندہ اس درندہ کو کہتے ہیں جو دانت سے شکار کرتا ہے) اور چرغ ذی ناب درندہ ہے، بہرکیف چونکہ چرغ کے مباح اور حرام ہونے کی دلیلوں میں تعارض ہے اس لئے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے کہ اس کا گوشت نہ کھانا چاہئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

محرم کو شکار کا گوشت کھانا جائز ہے

⑪ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ وَنَحْنُ حُرُمٌ فَأُهْدِيَ لَهُ طَيْرٌ وَطَلْحَةُ رَاقِدٌ

فَمِنَّا مَنْ اَکَلَ وَمِنَّا مَنْ تَوَرَّعَ فَلَمَّا اسْتَیْقَظَ طَلْحَۃُ وَافَقَ مَنْ اَکَلَہٗ قَالَ فَاَکَلْنَاہُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ مسلم)

"حضرت عبدالرحمٰن ابن عثمان تیمیؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم حضرت طلحہ ابن عبید اللہؓ کے ساتھ تھے اور ہم سب احرام کی حالت میں تھے کہ ان کے پاس بطور ہدیہ ایک پرندہ کا (پکا ہوا گوشت) آیا حضرت طلحہؓ اس وقت سو رہے تھے چنانچہ ہم میں سے بعض نے وہ گوشت کھا لیا (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ محرم کو شکار کا گوشت کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس شکار میں اس کے حکم وغیرہ کو کوئی دخل نہ ہو) اور بعض نے اس سے پرہیز کیا (کیونکہ ان کا گمان تھا کہ محرم کو یہ گوشت کھانا درست نہیں ہے) پھر حضرت طلحہؓ جب بیدار ہوئے تو انہوں نے ان لوگوں کی موافقت کی جنہوں نے وہ گوشت کھایا تھا، نیز انہوں نے فرمایا کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کے ہمراہ اسی طرح (یعنی حالت احرام میں شکار کا گوشت) کھایا تھا۔" (مسلم)

تشریح: گوشت کھانے والوں سے حضرت طلحہؓ کی موافقت کا تعلق قول سے بھی ہو سکتا ہے اور فعل سے بھی، یعنی یا تو حضرت طلحہؓ نے ان سے زبانی یہ کہا ہوگا کہ تم نے گوشت کھا لیا، اچھا کیا، اس میں کوئی حرج نہیں یہ قولی موافقت ہے، یا پھر یہ کہ خود انہوں نے بھی باقی بچا ہوا گوشت کھایا ہوگا یہ فعلی موافقت ہے۔ بہر کیف یہ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اس مسلک کی تائید کرتی ہے کہ اگر محرم خود شکار نہ کرے اور نہ اس شکار میں اس کے حکم وغیرہ کا دخل ہو تو وہ اس کا گوشت کھا سکتا ہے۔

"ایک پرندہ" سے مراد یا تو جنس ہے کہ کئی پرندوں کا گوشت آیا تھا، یا پھر وہ ایک ہی پرندہ تھا جو اتنا بڑا تھا کہ اس کا گوشت تمام لوگوں کے لئے کافی ہو گیا۔

بَابُ الْاِحْصَارِ وَفَوْتِ الْحَجِّ
احصار اور حج کے فوت ہو جانے کا بیان

احصار کے معنی: احصار کے معنی لغت کے اعتبار سے تو "روک لیا جانا" ہیں اور اصطلاح فقہ میں "احرام باندھ لینے کے بعد حج یا عمرہ سے روکا جانا" احصار کہلاتا ہے۔

جس شخص پر ایسا واقعہ پیش آ جائے یعنی جس شخص نے احرام باندھا اور پھر جس کام کے واسطے (یعنی حج یا عمرہ کے لئے) احرام باندھا تھا اس کے ادا کرنے سے وہ روکا گیا تو اس کو "محصر" کہتے ہیں۔

احصار کی صورتیں: حنفی مسلک کے مطابق احصار کی کئی صورتیں ہیں جو اس چیز کی ادائیگی سے کہ جس کا احرام باندھا ہے (یعنی حج یا عمرہ) حقیقۃً یا شرعاً مانع ہو جاتی ہیں، ان صورتوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

① کسی دشمن کا خوف ہو! دشمن سے مراد عام ہے خواہ کوئی آدمی ہو یا درندہ جانور۔ مثلاً یہ معلوم ہو کہ راستہ میں کوئی دشمن بیٹھا ہے جو حجاج کو ستاتا ہے یا لوٹتا ہے یا مارتا ہے آگے نہیں جانے دیتا، یا ایسے ہی کسی جگہ شیر وغیرہ کی موجودگی کا علم ہو۔

② بیماری! احرام باندھنے کے بعد ایسا بیمار ہو جائے کہ اس کی وجہ سے آگے نہ جا سکتا ہو یا آگے جا تو سکتا ہے مگر مرض بڑھ جانے کا خوف ہو۔

③ عورت کا محرم نہ رہے! احرام باندھنے کے بعد عورت کا محرم یا اس کا خاوند مر جائے، یا کہیں چلا جائے یا آگے جانے سے انکار کر دے۔

④ خرچ کم ہو جائے! مثلاً احرام باندھنے کے بعد مال و اسباب چوری ہو جائے، یا پہلے ہی سے خرچ کم لے کر چلا ہو اور اب آگے کی

ضروریات کے لئے روپیہ پیسہ نہ رہے۔
⑤ عورت کے لئے عدت! احرام باندھنے کے بعد عورت کا شوہر مرجائے یا طلاق دے دے جس کی وجہ سے وہ پابند عدت ہو جائے تو یہ احصار ہو جائے گا۔ ہاں اگر وہ عورت اس وقت مقیم ہے اور اس کے جاء قیام سے مکہ بقدر مسافت سفر نہیں ہے تو احصار نہیں سمجھا جائے گا۔
⑥ راستہ بھول جائے اور کوئی راہ بتانے والا نہ مل سکے۔
⑦ عورت کو اس کا شوہر منع کردے! بشرطیکہ اس نے حج کا احرام اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر باندھا ہو، حج فرض کے روکنے کا اور حج نفل میں اجازت دینے کے بعد روکنے کا اختیار شوہر کو نہیں ہے۔
⑧ لونڈی یا غلام کو اس کا مالک منع کردے۔
احصار کی یہ تمام صورتیں حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہیں، بقیہ تینوں ائمہ کے ہاں احصار کی صرف ایک ہی صورت یعنی دشمن کا خوف ہے۔ چنانچہ ان حضرات کے نزدیک دیگر صورتوں میں احصار درست نہیں ہوتا بلکہ احرام کی حالت برقرار رہتی ہے۔
احصار کا حکم: جس محرم کو احصار کی مندرجہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آجائے تو اسے چاہئے کہ وہ اگر مفرد ہو تو ایک ہدی کا جانور (مثلاً ایک بکری) اور اگر قارن ہو تو دو ہدی کے جانور (مثلاً دو بکری) کسی شخص کے ذریعہ حرم میں بھیج دے تاکہ وہ اس کی طرف سے وہاں ذبح ہو۔ یا قیمت بھیج دے کہ وہاں ہدی کا جانور خرید کر ذبح کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی ذبح کا دن اور وقت بھی متعین کر دے یعنی جس شخص کے ذریعہ جانور حرم بھیج رہا ہو اس کو یہ تاکید کر کے کہ یہ جانور وہاں فلاں دن اور فلاں وقت ذبح کیا جائے پھر وہ اس متعین دن اور وقت کے بعد احرام کھول دے، سر منڈانے یا بال کتروانے کی ضرورت نہیں! اور پھر آئندہ سال اس کی قضا کرے بایں طور کہ اگر اس نے احصار کی وجہ سے حج کا احرام اتارا ہے تو اس کے بدلہ ایک حج اور ایک عمرہ کرے اور اگر قران کا احرام اتارا ہے تو اس کے بدلہ ایک حج اور دو عمرے کرے جب کہ عمرہ کا احرام اتارنے کی صورت میں صرف ایک عمرہ کیا جائے گا۔
اگر ہدی کا جانور بھیجنے کے بعد احصار جاتا رہے اور یہ ممکن ہو کہ اگر محصر روانہ ہو جائے تو قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے پہنچ جائے گا اور حج بھی مل جائے گا تو اس پر واجب ہو گا کہ وہ فوراً روانہ ہو جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر اس پر فوراً جانا واجب نہیں ہو گا۔ تاہم اگر وہ حج کو روانہ ہو جائے اور وہاں اس وقت پہنچے جب کہ ہدی کا جانور بھی ذبح ہو چکا ہو اور حج کا وقت بھی گذر چکا ہو تو اس صورت میں وہ عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھول دے۔
حج فوت ہو جانے کا مطلب اور اس کا حکم: حج فوت ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص حج کے لئے گیا، اس نے احرام بھی باندھ لیا تھا مگر کوئی ایسی بات پیش آگئی کہ وہ عرفہ کے دن زوال آفتاب کے بعد سے بقر عید کی صبح تک کے عرصہ میں ایک منٹ کے لئے بھی وقوف عرفات نہ کر سکا، (یاد رہے کہ وقوف عرفات کا وقت عرفہ کے دن زوال آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اور بقر عید کی فجر طلوع ہوتے ہی ختم ہو جاتا ہے اس عرصہ میں وقوف عرفات فرض ہے۔ خواہ ایک ہی منٹ کے لئے کیوں نہ ہو تو اس صورت میں حج فوت ہو جائے گا اور جس شخص کا حج فوت ہو جاتا ہے اسے فائت الحج کہتے ہیں۔
جس شخص کا حج فوت ہو جائے اس کو چاہئے کہ عمرہ کر کے یعنی خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کے بعد احرام کھول دے، اگر مفرد ہو تو ایک عمرہ کرے اور اگر قارن ہو تو دو عمرے کرے اور اس کے بعد سر منڈوا دے یا بال اتروا دے اور پھر سال آئندہ میں اس حج کی قضا کرے۔
حج فوت ہو جانے کے سلسلہ کا ایک پیچیدہ مسئلہ: جس شخص کا حج فوت ہو رہا ہو اس کے بارہ میں ایک بڑا پیچیدہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وہاں بقر عید کی رات کے بالکل آخری حصہ میں اس حال میں پہنچے کہ اس نے ابھی تک عشاء کی نماز نہ پڑھی ہو اور اسے اس

بات کا خوف ہو کہ اگر عرفات جاتا ہوں تو عشاء کی نماز جاتی رہے اور اگر عشاء کی نماز میں مشغول ہوتا ہوں تو وقوف عرفات ہاتھ نہیں لگے گا، اس صورت میں وہ کیا کرے؟ اس کے متعلق بعض، حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ اسے عشاء کی نماز میں مشغول ہو جانا چاہئے اگرچہ وقوف عرفات فوت ہو جائے، جب کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ عشاء کی نماز چھوڑ دے اور عرفات چلا جائے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی کتاب در مختار میں بھی یہی لکھا ہے کہ اگر عشاء کا وقت بھی تنگ ہو اور وقوف عرفات بھی نکلا جا رہا ہو تو اس صورت میں نماز چھوڑ کر عرفات چلے جانا چاہئے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

آنحضرت ﷺ کے احصار کا بیان

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدْ اُحْصِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَقَ رَأْسَهٗ وَ جَامَعَ نِسَاءَهٗ وَ نَحَرَ هَدْيَهٗ حَتّٰى اعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا۔ (رواہ البخاری)

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (واقعہ حدیبیہ کے سال) رسول کریم ﷺ کو (عمرہ سے) روکا گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا سر منڈوایا اور (احرام کھولنے کے بعد) اپنی ازواج مطہرات سے ہم بستر ہوئے اور اپنی ہدی کا جانور ذبح کیا، پھر اگلے سال آپ ﷺ نے اپنا عمرہ ادا کیا۔" (بخاریؒ مسلمؒ)

تشریح: "روکا گیا" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ کو روانہ ہوئے مگر حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو مع رفقاء کے مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا جس کی وجہ سے آپ ﷺ عمرہ نہ کر سکے چنانچہ آپ ﷺ نے وہاں احرام کھول دیا۔

وَ جَامَعَ نِسَاءَهٗ میں حرف "واؤ" مطلقاً اظہار جمع کے لئے استعمال کیا گیا ہے، یعنی سر منڈانا وغیرہ یہاں ترتیب کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا ہے بلکہ اصل ترتیب کے مطابق آپ ﷺ نے نحر کے بعد احرام کھولا اور اس کے بعد اپنی ازواج سے ہمبستر ہوئے چنانچہ۔ بخاریؒ و مسلمؒ کی ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء نے حدیبیہ میں احرام کھولا جب کہ ان کو مشرکین مکہ نے (مکہ جانے سے) روکا، چنانچہ آنحضرت ﷺ عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے نحر کیا یعنی ہدی کا جانور ذبح کیا، پھر سر منڈایا اور پھر اپنے رفقاء سے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ اور نحر کرو اور پھر سر منڈاؤ۔" ہدایہ نے اس کے بعد یہ نقل کیا ہے کہ "پھر (سر منڈانے کے بعد) انہوں نے احرام کھول دیا۔"

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ہدایہ کے ان الفاظ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ محصر ہدی کا جانور ذبح ہونے سے پہلے احرام نہیں کھولتا اسی لئے یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی محصر نے ہدی کا جانور حرم روانہ کیا اور اس جانور کو لے جانے والے سے یہ تاکید کی کہ اس جانور کو فلاں دن اور فلاں وقت ذبح کر دینا اور پھر اس نے اس متعین دن میں یہ سمجھ کر کہ اب جانور ذبح ہو گیا ہو گا اپنے کو احرام سے باہر سمجھ لیا اور کوئی ایسا فعل کیا جو حالت احرام میں ممنوع ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ہدی کا وہ جانور اس متعین دن ذبح نہیں ہوا تھا یا ذبح تو اسی دن ہوا تھا مگر حرم میں ذبح ہونے کی بجائے حرم سے باہر ذبح ہو گیا تھا تو اس صورت میں اس نے خلاف احرام جس قدر فعل کئے ہوں گے ہر فعل کے عوض جزاء دینی پڑے گی۔

احصار کی ہدی کہاں ذبح کی جائے؟: احصار کی ہدی کے علاوہ باقی ہدایا کے بارہ میں تو حنفیہ اور شوافع کا اتفاق ہے کہ وہ حرم کے علاوہ اور کہیں ذبح نہ کی جائیں مگر حج یا عمرہ کے احصار کی ہدی کہاں ذبح کی جائے؟ اس بارہ میں دونوں کے اختلافی اقوال ہیں۔ حضرت امام

شافعیؒ فرماتے ہیں کہ احصار کی ہدی اسی جگہ ذبح کی جائے جہاں احصار کی صورت پیش آئی ہو جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ احصار کی ہدی حرم میں بھیجی جائے اور وہاں ذبح ہو، حرم کے علاوہ اور کہیں ذبح نہ کی جائے، کیونکہ خاص دنوں میں اور خاص موقع پر ہدی کا ذبح ہونا عبادت ہے۔ اور جب یہ بات ہے کہ ایک خاص وقت اور خاص جگہ ہدی کا ذبح کرنا عبادت شمار کیا جاتا ہے تو اگر اس کے خلاف کیا گیا یعنی اس ہدی کو ذبح کرنے کی جو خاص جگہ (یعنی حرم) ہے اگر وہاں یہ ہدی ذبح نہ کی گئی تو عبادت کہاں رہی اور جب عبادت نہ رہی تو اس کی وجہ سے حلال ہونا (یعنی احرام کھولنا) کس طرح درست ہوگا۔"

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل مذکورہ بالا حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے اپنی ہدی حدیبیہ میں ذبح کی جو حل میں یعنی حرم سے باہر ہے۔ اس کا جواب حنفیہ کی جانب سے یہ دیا جاتا ہے کہ اس موقع پر ہدی کے جانوروں کا حرم میں پہنچنا ممکن ہی نہیں تھا اس مجبوری کی بناء پر آپ ﷺ نے اور صحابہؓ نے اپنی ہدی وہیں ذبح کر دی۔ نیز بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ تو حل میں ہے اور کچھ حصہ حرم میں ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ نے ہدی کے جانور حدیبیہ کے اس حصہ میں ذبح کئے ہوں جو حرم میں شامل ہے۔

محصر پر قضا واجب ہے: جیسا کہ حدیث بالا سے معلوم ہوا آنحضرت ﷺ جب احصار کی وجہ سے عمرہ ادا نہ کر سکے تو آپ ﷺ نے آئندہ سال یعنی ۷ھ میں اس عمرہ کو پورا کیا چنانچہ اس عمرہ کو عمرۃ القضاء کہا گیا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی محصر ہو جائے یعنی اسے حج یا عمرہ سے روک دیا جائے تو وہ اس کی قضاء کرے اسی لئے حنفیہ کے مسلک میں اس کی قضا واجب ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے ہاں محصر پر اس کی قضا واجب نہیں ہوتی آنحضرت ﷺ نے ۷ھ میں جو عمرہ کیا، اس کا نام "عمرۃ القضا" ہونا حنفیہ کے مسلک کی تائید کرتا ہے۔

محصر کے لئے حلق یا تقصیر کا مسئلہ

(۲) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ دُوْنَ الْبَيْتِ فَنَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدَايَاهُ وَحَلَقَ وَقَصَّرَ اَصْحَابُهُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (عمرے کے لئے) گئے تو کفار قریش نے (ہمیں) خانہ کعبہ (پہنچنے) سے پہلے (حدیبیہ میں) روک دیا چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی ہدی کے جانور (وہیں) ذبح کئے اور سر منڈوایا، نیز آپ ﷺ کے رفقاء (میں سے کچھ) نے بال کتروائے (اور کچھ نے سر منڈوائے۔" (بخاریؒ)

تشریح: فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ تو یہ کہتے ہیں کہ محصر کے لئے سر منڈوانا یا بال کتروانا ضروری نہیں ہے کیونکہ حلق (سر منڈوانا) تقصیر (بال کتروانا) اسی صورت میں عبادت شمار کیا جاتا ہے جب کہ افعال حج کی ترتیب میں ہو لہٰذا جب حج کے افعال ادا ہی نہ ہوں تو ان کو عبادت شمار نہیں کر سکتے جہاں تک آنحضرت ﷺ کا تعلق ہے تو آپ ﷺ نے اور صحابہؓ نے حلق یا تقصیر اس مقصد سے کیا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ بس اب واپسی کا پختہ ارادہ ہو گیا ہے اور عمرہ کی ادائیگی کی صورت نہیں رہی ہے حضرت امام یوسفؒ کے نزدیک محصر کو اگرچہ سر منڈوانا یا کتروانا چاہئے لیکن اگر وہ سر نہ منڈوائے یا بال نہ کتروائے تو اس صورت میں بھی احرام سے باہر ہو جائے گا اور بطور جزاء اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

(۳) وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ قَبْلَ اَنْ يَحْلِقَ وَاَمَرَ اَصْحَابَهُ بِذٰلِكَ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت مسور ابن مخرمہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنا سر منڈوانے سے پہلے ہدی کا جانور ذبح کیا، نیز آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ

کو بھی اس بات کا حکم دیا (کہ وہ سر منڈوانے سے پہلے اپنی ہدی کے جانور ذبح کریں۔" (بخاری)

احصار اور حج فوت ہو جانے کا مسئلہ

④ وعن ابنِ عُمَرَ اَنَّهُ قَالَ اَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ حُبِسَ اَحَدُكُمْ عَنِ الْحَجِّ طَافَ بِالْبَيْتِ وَ بِالصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى يَحُجَّ عَامًا قَابِلًا فَيُهْدِيَ اَوْ يَصُوْمَ اِنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عمرؓ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ "کیا تمہارے لئے رسول کریم ﷺ کی یہ سنت، یعنی آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی) کافی نہیں ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص حج سے روکا جائے (یعنی اس کو کوئی ایسا عذر پیش آجائے جو حج کے رکن اعظم یعنی وقوف عرفات سے مانع ہو اور طواف وسعی سے مانع نہ ہو) تو وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر کے ہر چیز سے حلال ہو جائے یعنی اس کے بعد اس کے لئے ہر وہ چیز حلال ہو جائے گی جو احرام کی حالت میں ممنوع تھی) تا آنکہ وہ اگلے سال حج کرے اور ہدی ذبح کرے اور اگر وہ ہدی ذبح نہ کر سکتا ہو تو روزہ رکھے۔" (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں احصار کا حکم بیان کیا گیا ہے! کچھ لوگوں نے اس بارہ میں خلاف سنت طرز عمل اختیار کیا ہوگا، اس لئے حضرت ابن عمرؓ نے انہیں متنبہ فرمایا اور کہا کہ اس بارہ میں آنحضرت ﷺ کی سنت یہ ہے کہ اگر کسی کو حج میں حصر وحبس کی صورت پیش آجائے تو وہ عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھول دے اور سال آئندہ اس حج کی قضا کرے۔

اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ "فائت الحج" اور "محصر" کے حکم میں تھوڑا سا فرق ہے "فائت الحج" کے لئے تو یہ حکم ہے کہ اگر وہ مفرد ہو (یعنی اس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو) تو طواف وسعی کر کے احرام کھول دے اس پر صرف سال آئندہ اس حج کی قضا واجب ہے، عمرہ اور ہدی اس کے لئے واجب نہیں ہے۔

محصر کے لئے یہ حکم ہے کہ اگر وہ مفرد ہو اور اسے حرم پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں احصار کی کوئی صورت پیش آجائے تو وہ پہلے ہدی کا جانور حرم بھیجے جب وہ جانور حرم میں پہنچ کر ذبح ہو جائے تو وہ احرام کھول دے اور آئندہ سال اس حج کی قضا کرے اور اس کے ساتھ ہی ایک عمرہ بھی کرے

لیکن حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر سال آئندہ صرف حج کرنا ہی واجب ہوگا عمرہ کرنا ضروری نہیں ہوگا، کیونکہ وہ صرف حج سے محصر ہوا ہے اور چونکہ ہدی کا جانور بھیج کر اس نے احرام کھولا تھا تو بس اس کے بدلہ اس کے ذمہ صرف حج ہی ہے عمرہ نہیں ہے۔

اور اگر محصر قارن ہو (یعنی اس نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہو) تو وہ بھی ہدی کا جانور حرم میں بھیجے اور وہاں اس جانور کے ذبح ہو جانے کے بعد احرام کھول دے، لیکن سال آئندہ اس پر اس حج کی قضا اور اس کے ساتھ دو عمرے واجب ہوں گے، اس پر ایک حج اور دو عمرے واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک حج اور عمرہ تو اصلی حج و عمرہ کے بدلہ ادا کرنا ہوگا، اور دوسرا عمرہ اس واسطے کہ اس سے حج اور عمرہ فوت ہوا اس لئے اس کی جزاء کے طور پر ایک عمرہ ادا کرنا ہوگا۔

اور اگر احصار کی صورت حرم پہنچنے سے پہلے راستہ میں پیش نہ آئے بلکہ حرم پہنچ کر پیش آئے کہ وہ کسی عذر کی وجہ سے وقوف عرفات سے تو عاجز رہے مگر طواف اور سعی کر سکتا ہو تو وہ طواف وسعی کرنے کے بعد یعنی عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھول دے اور پھر آئندہ سال اس حج کی قضا کرے اور ہدی کا جانور ذبح کرے اور اگر ہدی کا جانور ذبح نہ کر سکتا ہو تو روزہ رکھے، مذکورہ حدیث میں یہی صورت بیان فرمائی گئی ہے۔

"فائت الحج" اگر قارن ہو تو پہلے وہ عمرہ کے لئے طواف وسعی کرے پھر حج فوت ہو جانے کے بدلہ میں طواف وسعی کرے اس کے بعد سر منڈوائے یا بال کتروائے اور احرام کھول دے اس کے ذمہ سے قران کی قربانی ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر وہ متمتع ہوگا تو اس کا تمتع

باطل ہو جائے گا اور اس کے ذمہ سے تمتع کی قربانی بھی ساقط ہو جائے گی اگر وہ اس کی قربانی کا جانور اپنے ساتھ لایا ہو تو اس کو جو چاہے کرے۔

جس طرح مفرد کا حج فوت ہو جانے کی صورت میں اس پر آئندہ سال صرف حج کی قضا ہی واجب ہوتی ہے اسی طرح قران اور تمتع کی صورت میں بھی اس پر آئندہ سال صرف حج کی قضا واجب ہو گی۔

عمرہ فوت نہیں ہوا کرتا: اس موقع پر یہ بات بھی جان لیجئے کہ عمرہ فوت نہیں ہوا کرتا کیونکہ وہ تو سال میں کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے علاوہ یوم عرفہ، یوم عید الاضحی اور ایام تشریق کے، جب کہ حج کی ادائیگی تو اسی خاص زمانہ اور خاص وقت میں ہو سکتی ہے جو شریعت نے متعین کی ہے۔

⑤ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ضُبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ فَقَالَ لَهَا لَعَلَّكِ اَرَدْتِ الْحَجَّ وَ اللّٰهِ مَا اَجِدُنِيْ اِلَّا وَجِعَةً فَقَالَ لَهَا حُجِّيْ وَاشْتَرِطِيْ وَقُوْلِيْ اَللّٰهُمَّ مَحِلِّيْ حَيْثُ حَبَسْتَنِيْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ (جب حج کے لئے روانہ ہونے والے تھے تو اپنی چچازاد بہن) ضباعہؓ بنت زبیر کے ہاں تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ شاید تم (ہمارے ساتھ) حج کا ارادہ رکھتی ہو؟ (اور ہماری بھی یہی خواہش ہے کہ تم ہمارے ساتھ حج کے لئے چلو) ضباعہؓ نے عرض کیا کہ (جی ہاں، میرا ارادہ تو ہے) لیکن خدا کی قسم! میں اپنے کو بیمار پاتی ہوں (یعنی مرض کی بناء پر میں بڑا ضعف محسوس کر رہی ہوں اگر میں چلتی ہوں تو نہیں جانتی کہ حج پورا بھی کر سکوں گی یا نہیں؟) آنحضرت ﷺ (نے یہ سن کر) فرمایا کہ "تم حج (کا ارادہ) کر لو، اور (جب احرام باندھو تو یہ) شرط کر لو یعنی یہ کہو کہ: اَللّٰهُمَّ مَحِلِّيْ حَيْثُ حَبَسْتَنِيْ "اے اللہ! میرے احرام سے نکلنے کی جگہ وہ ہے جہاں میں (بیماری کے سبب) روک دی جاؤں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "میرے احرام سے نکلنے کی جگہ وہ ہے جہاں میں روک دی جاؤں" کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ مجھ پر مرض غالب ہو جائے اور وہاں سے میں خانہ کعبہ کی طرف آگے نہ چل سکوں اسی جگہ میں احرام کھول دوں گی۔

جن ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ احصار کی صرف ایک ہی صورت یعنی دشمن کا خوف ہے اور بیماری سے احصار نہیں ہوتا، ان کی دلیل یہی حدیث ہے کہ اگر مرض کی وجہ سے احرام کھول دینا مباح ہوتا تو آنحضرت ﷺ حضرت ضباعہؓ کو مذکورہ بالا شرط کرنے کا حکم نہ دیتے کیونکہ جب مرض کی وجہ سے احصار ہو ہی جاتا تو پھر شرط کا کیا فائدہ حاصل ہوتا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک چونکہ یہ ہے کہ احصار مرض کی وجہ سے بھی ہو جاتا ہے اس لئے وہ حضرت حجاج ابن عمروؓ انصاری کی حدیث کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں جو آگے آ رہی ہے، نیز ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ شرط کے منکر تھے، جو لوگ شرط کے قائل تھے ان سے حضرت ابن عمرؓ یہی فرماتے تھے کہ کیا تمہارے لئے آنحضرت ﷺ کی سنت کافی نہیں ہے؟ یعنی جب اس بارہ میں آنحضرت ﷺ کا واضح حکم موجود ہے تو پھر شرط کو اختیار کرنے کا کیا معنی۔ اب رہی یہ بات کہ جب مرض کی وجہ سے احرام کھول دینا مباح تھا تو پھر حضرت ضباعہؓ کو شرط کا حکم دینا کس مقصد سے تھا اور اس کا کیا فائدہ تھا؟ حنفیہ کہتے ہیں کہ ضباعہؓ کے حق میں شرط کا فائدہ یہ تھا کہ وہ احرام کی پابندیوں سے جلد آزاد ہو جائیں، اس لئے کہ وہ اگر یہ شرط نہ کرتیں تو انہیں احرام سے نکلنے میں دیر لگتی بایں طور کہ جب ان کی ہدی کا جانور حرم پہنچ کر ذبح ہو جاتا تب ہی وہ احرام کھول سکتی تھیں، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک بھی یہی ہے کہ محرم کے لئے احرام کھولنا اس وقت تک درست نہیں ہے جب تک کہ اس کی ہدی حرم میں ذبح نہ ہو جائے۔ ہاں اگر وہ احرام باندھتے وقت یہ شرط کر لے کہ جس جگہ بھی مجھے احصار کی صورت پیش آ جائے گی میں وہیں احرام کھول دوں گا تو وہ محض احصار کی صورت پیش آ جانے پر، ہدی کا جانور ذبح ہوئے بغیر احرام سے باہر ہو سکتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

محصر کی ہدی کا جانور، حرم ہی میں ذبح ہونا چاہئے

(۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَصْحَابَہٗ اَنْ یُّبْدِلُوا الْھَدْیَ الَّذِیْ نَحَرُوْا عَامَ الْحُدَیْبِیَۃِ فِیْ عُمْرَۃِ الْقَضَاءِ۔ رَوَاہُ۔

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو یہ حکم دیا کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر اپنی ہدی کے ان جانوروں کے عوض جانور ذبح کریں جو انہوں نے واقعہ حدیبیہ کے سال ذبح کئے تھے۔"

تشریح: اس حکم گرامی کا مطلب یہ تھا کہ صحابہؓ نے واقعہ حدیبیہ کے موقعہ پر عمرہ سے احصار کی صورت پیش آجانے کی وجہ سے ہدی کے جو جانور ذبح کئے تھے سال آئندہ عمرۃ القضا کے موقع پر ان جانوروں کے بدلے دوسرے جانور حرم پہنچ کر ذبح کریں تاکہ ہدی کا حرم میں ذبح ہونا واقع ہو جائے کیونکہ احصار کی ہدی کا جانور حرم ہی میں ذبح کیا جاتا ہے جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔ لیکن مذکورہ بالا حکم کا یہ مطلب اس صورت میں ہے جب کہ یہ بات ثابت ہو کہ واقعہ حدیبیہ کے موقع پر ہدی کے جانور حرم سے باہر ذبح کئے گئے تھے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ہدی کے وہ جانور حرم ہی میں ذبح ہوئے تھے کیونکہ حدیبیہ کا اکثر حصہ حدود حرم میں واقع ہے (جیسا کہ باب کی پہلی حدیث کی تشریح کے ضمن میں ایک قول نقل کیا گیا تھا) تو پھر واقعہ حدیبیہ کے موقع پر ذبح کئے گئے جانوروں کے عوض دوسرے جانور ذبح کرنے کے اس حکم کا تعلق صرف احتیاط اور حصول فضیلت سے ہو گا اور کہا جائے گا کہ یہ حکم محض استحباب کے طور پر ہے۔

مشکوٰۃ کے اصل نسخہ میں لفظ رواہ کے بعد جگہ خالی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مؤلف مشکوٰۃ کو اس حدیث کے اصل مآخذ کی تحقیق نہیں ہو سکی تھی، لیکن ایک دوسرے نسخہ میں رواہ کے بعد ابوداؤد لاحق کیا گیا ہے یعنی اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے، نیز ایک اور نسخہ میں رواہ ابوداؤد کے بعد ان الفاظ کا بھی اضافہ ہے وفیہ قصۃ وفی سندہ محمد بن اسحق۔

بیماری سے احصار واقع ہو جاتا ہے

(۷) وَعَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کُسِرَ اَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَیْہِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ وَزَادَ اَبُوْدَاؤُدَ فِیْ رِوَایَۃٍ اُخْرٰی اَوْ مَرِضَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ وَفِی الْمَصَابِیْحِ ضَعِیْفٌ۔

"اور حضرت حجاج ابن عمرو انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کا پاؤں ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے تو وہ حلال ہو گیا (یعنی اس کے لئے جائز ہے کہ وہ احرام کھول دے اور اپنے گھر واپس جائے) لیکن آئندہ سال اس پر حج واجب ہو گا (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) ابوداؤدؒ کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "یا وہ بیمار ہو جائے۔" نیز امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے جب کہ بغویؒ نے مصابیح میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔"

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو احرام باندھ لینے کے بعد دشمن کے خوف کے علاوہ بھی اور کوئی مانع پیش آجائے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ احرام کھول دے، چنانچہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دشمن کے خوف کے علاوہ احصار کی اور صورتیں بھی ہیں مثلاً بیماری وغیرہ جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

وفی المصابیح ضَعِیْفٌ کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کو بغوی نے جس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ سند ضعیف ہے لہٰذا بغوی کی سند ضعیف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ترمذی وغیرہ کی سند بھی ضعیف ہو، اور اگر اس بارہ میں تعارض تسلیم بھی کر لیا جائے تو ترمذیؒ

کے قول ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ (یہ حدیث حسن ہے) کو بغوی کے اس کہنے پر کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو ترجیح حاصل ہوگی، پھر یہ کہ ایک نسخہ میں ترمذی کے قول میں لفظ "حسن" کے بعد لفظ "صحیح" بھی ہے، نیز تورپشتی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ضعیف کہنا بالکل غلط ہے۔

حج کا رکن اعظم قیام عرفات ہے

(۸) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمُرَ الدِّيْلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحَجُّ عَرَفَةُ مَنْ اَدْرَكَ عَرَفَةَ لَيْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَقَدْ اَدْرَكَ الْحَجَّ اَيَّامُ مِنًى ثَلاَثَةٌ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلاَ اِثْمَ عَلَيْهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

"اور حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن یعمر دیلی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "حج" عرفہ ہے۔ (یعنی حج کا سب سے بڑا رکن ذی الحجہ کی نویں تاریخ میں قیام عرفات ہے) جس نے مزدلفہ کی رات (یعنی ذی الحجہ کی دسویں رات) میں طلوع فجر سے پہلے وقوف عرفات پالیا اس نے حج کو پالیا۔ (منیٰ (میں ٹھہرنے) کے تین دن ہیں (یعنی ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں تیرہویں تاریخ جنہیں ایام تشریق کہتے ہیں، ان دنوں میں منیٰ میں قیام کیا جاتا ہے اور رمی جمار کی جاتی ہے) پس جو شخص جلدی کرے اور دو ہی دن کے بعد چلا آئے اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو شخص تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔" نیز امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

(ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ ابن ماجہؒ، دارمیؒ)

تشریح: "اس نے حج کو پالیا" کا مطلب یہ ہے کہ اس کا حج فوت نہیں ہوا اور وہ حج میں کسی خرابی اور فساد سے مامون رہا، بشرطیکہ اس نے احرام کا وقت پورا ہونے سے پہلے بیوی سے ہم بستری یا کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کیا ہو جو احرام کی حالت میں ممنوع ہے، اور یہ بات تو پہلے بھی بتائی جاچکی ہے کہ جس شخص کا حج فوت ہو جائے یعنی وہ ذی الحجہ کی دسویں رات کی طلوع فجر تک ایک منٹ کے لئے بھی وقوف عرفات نہ کر سکے تو اس پر یہ واجب ہوگا کہ وہ عمرہ کے افعال یعنی طواف وسعی کے بعد احرام کھول دے، آئندہ سال کے حج تک مسلسل احرام باندھے رہنا اس کے لئے حرام ہے۔

"جو شخص جلدی کرے الخ" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بارھویں تاریخ کو ظہر کے بعد تینوں مناروں پر کنکریاں مار کر مکہ چلا آئے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا اور تیرھویں رات میں قیام منیٰ اور تیرھویں تاریخ کو کنکریاں مارنا اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح "جو شخص تاخیر کرے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بارھویں تاریخ کو رمی جمرات کے بعد منیٰ ہی میں ٹھہرا رہے تا آنکہ تیرھویں رات کو بھی رمی جمرات کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، گویا جواز کے اعتبار سے تو دونوں صورتیں برابر ہیں، البتہ کثرت عبادت کے پیش نظر تاخیر افضل ہے۔

منقول ہے کہ اہل جاہلیت میں دو فریق تھے، ایک فریق تو تعجیل کو گناہ کہتا تھا اور دوسرا فریق تاخیر کو، چنانچہ یہ حکم نازل ہوا کہ تعجیل اور تاخیر دونوں برابر ہیں ان میں سے کسی میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

بَابُ حَرَمِ مَكَّةَ حَرَسَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى

حرم مکہ (اللہ تعالیٰ اس کی حرمت کو آفات سے محفوظ رکھے) کی حرمت کا بیان

"حرم" زمین کے اس قطعہ کو کہتے ہیں جو کعبہ اور مکہ کے گردا گرد ہے۔! اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی عظمت کے سبب اس زمین کو بھی معظم و مکرم کیا ہے۔ اس زمین کو حرم اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس خطہ زمین کی بزرگی کی وجہ سے اس کی حدود میں ایسی بہت سی چیزیں

حرام قرار دی ہیں جو اور جگہ حرام نہیں ہیں۔ مثلاً حدود حرم میں شکار کرنا، درخت کاٹنا اور جانوروں کو ستانا وغیرہ درست نہیں۔ ! بعض علماء کہتے ہیں کہ زمین کا یہ حصہ "حرم" اس طرح مقرر ہوا کہ جب حضرت آدمؑ زمین پر اتارے گئے تو شیاطین سے ڈرتے تھے کہ مجھے ہلاک نہ کر ڈالیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت و نگہبانی کے لئے فرشتوں کو بھیجا ان فرشتوں نے مکہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا لہٰذا مکہ کے گرد اگرد جہاں جہاں فرشتوں نے کھڑے ہو کر حد بندی کی وہ حرم کی حد مقرر ہوئی اور اس طرح کعبہ مکرمہ اور ان فرشتوں کے کھڑے ہونے کی جگہ کے درمیان جو زمین آگئی، وہ حرم ہوئی۔ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ نے جب کعبہ بناتے وقت حجر اسود رکھا تو اس کی وجہ سے ہر چہار طرف کی زمین روشن ہو گئی چنانچہ اس کی روشنی اس زمین کے چاروں طرف جہاں جہاں تک پہنچی وہیں حرم کی حد مقرر ہوئی زمین حرم کے حدود یہ ہیں، مدینہ منورہ کی طرف تین میل (مقام تنعیم تک) یمن، طائف، جعرانہ اور جدہ کی طرف سات سات میل بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جدہ کی طرف دس میل اور جعرانہ کی طرف نو میل۔ ! چاروں طرف جہاں جہاں حرم کی زمین ختم ہوتی ہے۔ وہاں حدود کی علامت کے طور پر برجیاں بنی ہوئی ہیں مگر جدہ اور جعرانہ کی طرف برجیاں نہیں ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حرم مکہ کی فضیلت

① عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَا هِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا وَقَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَاِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ اِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ وَلَا يَلْتَقِطُ لُقْطَتَهُ اِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا الْاِذْخِرَ فَاِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوْتِهِمْ فَقَالَ اِلَّا الْاِذْخِرَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا يَلْتَقِطُ سَاقِطَتَهَا اِلَّا مُنْشِدٌ۔

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اب (مکہ سے مدینہ کو) ہجرت (فرض) نہیں ہے البتہ جہاد اور عمل میں نیت کا اخلاص (ضروری) ہے لہٰذا جب تمہیں جہاد کے لئے بلایا جائے (یعنی تمہارا امیر تمہیں جہاد کا حکم دے) تو جہاد کے لئے نکل کھڑے ہو۔" نیز آپ ﷺ نے فتح مکہ ہی کے دن یہ بھی فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے اس شہر (یعنی تمام زمین حرم) کو حرام کیا ہے (بایں طور کہ تمام لوگوں پر اس مقدس خطہ زمین کی ہتک و بے حرمتی حرام ہے اور اس کی تعظیم واجب ہے) اسی دن سے جب کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا (یعنی اس خطہ زمین کی حرمت شروع ہی سے ہے لہٰذا یہ خطہ زمین اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی حرمت کے سبب قیامت تک کے لئے حرام کیا گیا بلاشبہ اس خطہ زمین میں نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لئے قتل و قتال حلال کیا گیا تھا اور نہ میرے لئے حلال ہوا ہے علاوہ (فتح مکہ کے) دن کی ایک ساعت کے، پس (اس دن کے بعد) یہ خطہ زمین اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی حرمت کے سبب قیامت (کے دن پہلا صور پھونکے جانے) تک (ہر شخص کے لئے) حرام کر دیا گیا ہے لہٰذا نہ تو (اس زمین کا) کوئی خار دار درخت ہی کاٹا جائے (اگرچہ وہ ایذا دے) نہ اس کا شکار بھڑکایا جائے (یعنی کوئی شکار کی غرض سے یا محض بھڑکانے ستانے کے لئے یہاں کے کسی جانور کے ساتھ تعارض نہ کرے) اور نہ یہاں کا لقطہ اٹھایا جائے ہاں وہ شخص (اس کو اٹھا سکتا ہے) جو اس کا اعلان کرے اور نہ اس زمین کی گھاس کاٹی جائے۔" حضرت عباسؓ نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ) مگر اذخر (ایک قسم کی گھاس) تو ایسی چیز ہے جو لوہاروں اور سناروں (کے لئے لوہا اور سونا گلانے) کے کام میں آتی ہے اور گھروں (کی چھتیں بنانے) میں اس کی ضرورت پڑتی ہے (اس کو کاٹنے کی اجازت دے دیجئے) آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں

اذخر کاٹی جاسکتی ہے۔" (بخاری و مسلم) اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "نہ یہاں کا درخت کاٹا جائے اور نہ یہاں کی گری پڑی کوئی چیز اٹھائی جائے البتہ اس (کے مالک) کو تلاش کرنے والا اٹھا سکتا ہے۔"

تشریح: آنحضرت ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اس وقت ہجرت ہر اس شخص پر فرض تھی جو اس کی استطاعت رکھتا تھا" پھر جب مکہ فتح ہو گیا تو اس ہجرت کا سلسلہ منقطع ہو گیا جو فرض تھی کیونکہ اس کے بعد مکہ دارالحرب نہیں رہا تھا لہٰذا ارشاد گرامی "اب ہجرت نہیں ہے الخ" کا مطلب یہی ہے کہ اگر اب کوئی ہجرت کرے تو اسے وہ درجہ حاصل نہیں ہوگا جو مہاجرین کو حاصل ہو چکا ہے البتہ جہاد اور اعمال میں حسن نیت کا اجر اب بھی باقی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا، اسی طرح وہ ہجرت بھی باقی ہے جو اپنے دین اور اسلام کے احکام و شعائر کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے اور اس کا اجر بھی ملتا ہے۔

"نہ کوئی خاردار درخت کاٹا جائے" اس سے معلوم ہوا کہ بغیر خاردار درخت کو کاٹنا تو بدرجہ اولیٰ جائز نہیں ہوگا ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص زمین حرم کی ایسی گھاس یا ایسا درخت کاٹے جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور خودرو ہو تو اس پر اس گھاس یا درخت کی قیمت بطور جزاء واجب ہوگی، البتہ خشک گھاس کاٹنے کی صورت میں قیمت واجب نہیں ہوتی لیکن اس کا کاٹنا بھی درست نہیں ہے۔ از زمین حرم کی گھاس کو چرانا بھی جائز نہیں ہے، البتہ اذخر کو کاٹنا بھی جائز ہے اور چرانا بھی، اسی طرح کماۃ یعنی کھنبی (ایک قسم کا خودرو ساگ) بھی مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ نباتات میں سے نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں زمین حرم کی گھاس میں جانوروں کو چرانا بھی جائز ہے

"لقطہ" اس چیز کو کہتے ہیں جو کہیں گری پڑی پائی جائے اور اس کا مالک معلوم نہ ہو۔ زمین حرم کے علاوہ عام طور پر لقطہ کا حکم تو یہ ہے کہ اس کو اٹھانے والا عام لوگوں میں یہ اعلان کراتا رہے کہ میں نے کسی کی کوئی چیز پائی ہے جس شخص کی ہو وہ حاصل کر لے۔ اگر اس اعلان کے بعد بھی اس چیز کا مالک نہ ملے تو وہ شخص اگر خود نادار و مستحق ہو تو اسے اپنے استعمال میں لے آئے اور اگر نادار نہ ہو تو پھر کسی نادار کو بطور صدقہ دے دے پھر اگر بعد میں اس کا مالک مل جائے تو اس کو اس کی قیمت ادا کرے لیکن زمین حرم کے لقطہ میں، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا، یہ بات نہیں ہے بلکہ صرف اعلان ہے جب تک کہ اس کا مالک نہ مل جائے، یعنی جب تک اس کے مالک کا پتہ نہ لگے اس وقت تک اس کا اعلان کیا جاتا رہے اور مالک کا انتظار کیا جائے، اس کو آخر تک نہ تو اپنے استعمال میں لا سکتا ہے نہ کسی کو بطور صدقہ دیا جا سکتا ہے اور نہ اپنی ملکیت بنایا جا سکتا ہے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے، لیکن اکثر علماء کے نزدیک حرم اور غیر حرم کے لقطہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے، ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں مطلق طور پر لقطہ کا حکم بیان کیا گیا ہے جو انشاء اللہ لقطہ کے باب میں آئیں گی۔

حدیث کے الفاظ الا من عرفھا کا مطلب ان علماء کے نزدیک یہ ہے کہ زمین حرم کے لقطہ کو اٹھانے والا پورے ایک برس تک مکہ میں اس کا اعلان کرتا کراتا رہے جیسا کہ اور جگہ کرتے ہیں، اعلان کو صرف ایام حج کے ساتھ مخصوص نہ کرے، گویا حدیث کے اس جملہ کا حاصل یہ ہوا کہ زمین حرم کے لقطہ کے بارے میں کسی کو یہ غلط فہمی و گمان نہ ہونا چاہئے کہ وہاں اس کا اعلان صرف ایام حج ہی کے دوران کرنا کرانا کافی ہے۔

مکہ میں بلا ضرورت ہتھیار اٹھانا درست نہیں

(۴) وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَحِلُّ لِاَحَدِکُمْ اَنْ یَحْمِلَ بِمَکَّۃَ السِّلَاحَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "تم میں سے کسی کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ مکہ میں

ہتھیار اٹھائے۔" (مسلمؒ)

تشریح: اکثر علماء کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ مکہ میں بلاضرورت ہتھیار اٹھانا درست نہیں ہے، لیکن حضرت امام حسنؒ فرماتے ہیں کہ مکہ میں نہ صرف بلاضرورت بلکہ بضرورت بھی ہتھیار اٹھانا درست نہیں ہے۔

حرم مکہ میں قصاص اور حد جاری کرنے کا مسئلہ

(۳) وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى رَاْسِهِ الْمِغْفَرُ فَلَمَّا نَزَعَهٗ جَاءَ رَجُلٌ وَقَالَ اِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلْهُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر خود تھا، جب آپ ﷺ نے اس خود کو اتارا تو ایک شخص (یعنی فضل ابن عبیدؓ) نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ "ابن خطل کعبہ کے پردہ کو پکڑے ہوئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس کو مار ڈالو۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: علامہ طیبیؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا، خود پہن کر مکہ میں داخل ہونا حضرت امام شافعیؒ کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ جو شخص نسک یعنی حج یا عمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو وہ احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہو سکتا ہے۔ لیکن حنفیہ کا مسلک چونکہ یہ ہے کہ جو شخص (بشرطیکہ وہ آفاقی ہو) مکہ میں داخل ہونا چاہے خواہ وہ حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتا ہو یا کسی اور غرض سے مکہ جا رہا ہو تو وہ میقات سے احرام باندھے بغیر مکہ میں داخل نہ ہو۔ اس لئے شمنیؒ کہتے ہیں کہ حنفیہ کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ کوئی شخص احرام باندھے بغیر میقات سے آگے نہ بڑھے۔" نیز یہ کہ احرام تو محض اس مقدس جگہ یعنی خانہ کعبہ کی تعظیم کے لئے باندھا جاتا ہے اس لئے چاہے کوئی حج یا عمرہ کے لئے مکہ جائے چاہے کسی اور غرض سے، اس کے لئے ضروری ہے کہ خانہ کعبہ کی تعظیم کے پیش نظر احرام کے بغیر مکہ میں داخل نہ ہو۔

اب رہی یہ بات کہ پھر آنحضرت ﷺ احرام کے بغیر مکہ میں کیسے داخل ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن اس خاص ساعت میں بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا آپ ﷺ کے لئے حلال ہو گیا تھا، چنانچہ اس کی تائید باب کی پہلی حدیث کے ان الفاظ وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ (اور نہ میرے لئے حلال ہوا ہے علاوہ دن کی ایک ساعت کے) سے ہوئی ہے۔

ابن خطل کے بارہ میں علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسلمان تھا مگر پھر مرتد ہو گیا تھا اور اس نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا تھا۔ جو اس کا خدمت گار تھا، نیز اس نے ایک پیشہ ور گانے والی لڑکی پال رکھی تھی جو آنحضرت ﷺ، آپ کے صحابہ کرامؓ اور اسلام کے احکام و شعائر کی ہجو کرتی تھی اسی لئے آپ ﷺ نے اس کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔

اس بات سے حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ یہ استدلال کرتے ہیں کہ حرم مکہ میں قصاص اور حدود (سزائیں) جاری کرنا جائز ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابن خطل کے قتل کا حکم اس لئے دیا کہ وہ مرتد ہو گیا تھا، تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ آپ ﷺ نے اس کو قصاص کے طور پر قتل کرایا تو پھر یہ کہا جائے گا کہ اس کا قتل اس خاص ساعت میں ہوا ہوگا جس میں آنحضرت ﷺ کے لئے زمین حرم مباح کر دی گئی تھی۔

بغیر احرام مکہ میں داخلہ

(۴) وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ بِغَيْرِ اِحْرَامٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے (مکہ میں) داخل ہوئے اور اس وقت آپ ﷺ (کے سر مبارک) پر سیاہ عمامہ تھا۔" (مسلمؒ)

تشریح: بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سر پر خود پہن کر اس کے اوپر سیاہ عمامہ باندھ رکھا ہوگا، بغیر احرام مکہ میں داخل ہونے کے بارہ میں حدیث نمبر ۳ کی تشریح میں بحث کی جا چکی ہے۔! یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سیاہ رنگ کا پگڑی استعمال کرنا مستحب ہے جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

کعبہ کی تخریب کے بارہ میں ایک پیشگوئی

(۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوْ جَيْشٌ الْكَعْبَةَ فَإِذَا كَانُوْا بِبَيْدَاءَ مِنَ الْأَرْضِ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَاٰخِرِهِمْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَاٰخِرِهِمْ وَفِيْهِمْ أَسْوَاقُهُمْ وَمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ قَالَ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَاٰخِرِهِمْ ثُمَّ يُبْعَثُوْنَ عَلٰى نِيَّاتِهِمْ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک لشکر خانۂ کعبہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کرے گا (تاکہ وہ خانۂ کعبہ کو نقصان پہنچائے) چنانچہ جب وہ لشکر زمین کے ایک میدانی حصہ میں پہنچے گا تو وہ اول سے آخر تک (یعنی پورا لشکر) زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔" میں نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! وہ لشکر اول سے آخر تک (یعنی سب کو) کس طرح دھنسا دیا جائے گا جب کہ ان میں کاروباری لوگ بھی ہوں گے اور ان میں وہ شخص بھی ہوگا جو ان میں سے نہیں ہے (لشکر میں ایسے لوگ بھی شامل ہوں گے جو نہ سب لشکر والوں کی طرح کافر ہوں گے اور نہ کعبہ کو نقصان پہنچانے میں ان کے ہمنوا و شریک ہوں گے بلکہ ان کو زبردستی لشکر میں شامل کر لیا ہوگا تو کیا ایسے لوگ بھی زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے؟) آپ ﷺ نے فرمایا" (ہاں) اول سے آخر تک سب ہی دھنسائے جائیں گے البتہ انہیں ان کی نیتوں کے مطابق اٹھایا جائے گا۔!" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ گویا آنحضرت ﷺ نے اس زمانہ کے بارہ میں پیشگوئی فرمائی ہے جب دنیا اپنی عمر کے آخری دور میں ہوگی، چنانچہ اس آخری زمانہ میں حضرت امام مہدی کے ظہور کے بعد مصر کے حکمران سفیانی کا ایک لشکر خانۂ کعبہ کو نقصان پہنچانے کے ناپاک ارادہ کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوگا مگر وہ اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب ہونے سے پہلے ہی زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ایسے لوگ لشکر کے ناپاک ارادوں کے ہمنوا نہ ہوں گے اور خانۂ کعبہ کو نقصان پہنچانا یا اس کی توہین کرنا ان کا مقصد نہیں ہوگا مگر چونکہ وہ لشکر میں شامل ہو کر نہ صرف یہ کہ ان کی بھیڑ میں اضافہ کریں گے بلکہ ایک طرح سے ان کے ناپاک ارادوں میں اعانت کا سبب بھی بنیں گے اس لئے پورے لشکر کے ساتھ ان کو بھی زمین میں دھنسا دیا جائے گا، ہاں پھر قیامت میں سب کو ان کی نیتوں کے مطابق اٹھایا جائے گا کہ جو شخص کسی مجبوری اور زبردستی کے تحت لشکر میں شامل ہوا ہوگا اور اس کی نیت صاف اور اس کا قلب ایمان و اسلام کی روشنی سے منور ہوگا وہ جنت میں داخل کیا جائے گا اور جو لوگ واقعی ناپاک ارادوں کے ساتھ اور بہ نیت کفر لشکر میں شامل ہوں گے انہیں دوزخ کی آگ کے حوالہ کر دیا جائے گا۔

مخرب کعبہ کے بارہ میں پیشگوئی

(۶) وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "خانۂ کعبہ کو نقصان پہنچانے والا حبشیوں میں سے وہ شخص ہوگا جس کی پنڈلیاں چھوٹی اور پتلی ہوں گی۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ مقدر ہو چکا ہے کہ خانۂ کعبہ کی تخریب ایک حبشی کے ہاتھوں ہوگی! چنانچہ یہ عبرت پکڑنے کی بات ہے کہ خانۂ کعبہ باوجود اپنی

قدر و عظمت کے ایک حقیر آدمی کے ہاتھوں تباہ و خراب ہوگا اور جب خانۂ کعبہ تباہ خراب ہوگا تو قیامت آجائے گی جس کے نتیجہ میں یہ پوری دنیا تباہ و خراب ہو جائے گی کیونکہ اس عالم کی آبادی وغیرہ خانۂ کعبہ کے وجود کے ساتھ متعلق ہے۔

⑦ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَأَنِّي بِهٖ اَسْوَدَ اَفْحَجَ يَقْلَعُهَا حَجَرًا حَجَرًا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "گویا میں خانۂ کعبہ کی تخریب کرنے والے کو دیکھ رہا ہوں، وہ ایک سیاہ رنگ کا اور پھڈا شخص ہوگا جو خانۂ کعبہ کا ایک ایک پتھر اکھاڑ ڈالے گا۔" (بخاریؒ)

تشریح: اَفْحَجَ (پھڈا) اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پنجے آپس میں ملے ہوئے ہوں اور ایڑیاں اور پنڈلیاں دور دور ہوں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

حرم میں احتکار، کجروی ہے

⑧ عَنْ يَعْلَى ابْنِ اُمَيَّةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِحْتِكَارُ الطَّعَامِ فِي الْحَرَمِ اِلْحَادٌ فِيْهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت یعلی ابن امیہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "حرم میں غلہ کا احتکار (یعنی گراں بیچنے کے لئے غلہ کی ذخیرہ اندوزی) کجروی ہے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: "احتکار" کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص گراں بازاری کے دور میں غلہ اس نیت سے خرید کر رکھے کہ جب گرانی اور زیادہ بڑھے گی تو اسے فروخت کرے گا۔ یہ نہ صرف یہ کہ ایک سماجی اور معاشرتی ظلم ہے بلکہ شرعی طور پر گناہ بھی ہے اسلامی نقطۂ نظر سے یہ قابل نفریں فعل ویسے تو ہر جگہ اور ہر شہر میں حرام ہے لیکن حرم میں اس کا ارتکاب اشد حرام ہے جس پر "کجروی" (یعنی حق چھوڑ کر باطل کی طرف مائل ہونا) کا اطلاق فرمایا گیا ہے اور حرم میں کجروی کے بارہ میں حق تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔

"اور جو شخص حرم میں ظلم کے ساتھ کجروی کا ارادہ کرے گا ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھا دیں گے۔"

مسئلہ گراں فروشی کی نیت سے انسان اور جانوروں کی غذائی چیزوں کو روکے رکھنا اس شہر میں مکروہ ہے جس کے رہنے والوں کو اس سے تکلیف پہنچتی ہو۔

مکّہ مکرّمہ کی فضیلت

⑨ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَّةَ مَا اَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَّاَحَبَّكِ اِلَيَّ وَلَوْلَا اَنَّ قَوْمِي اَخْرَجُوْنِي مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا۔

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (فتح مکہ کے بعد وہاں سے واپس ہوتے وقت) مکہ کی نسبت فرمایا کہ تو کتنا اچھا شہر ہے!؟ اور تو مجھے بہت ہی پیارا ہے! اگر میری قوم (قریش) کے لوگ مجھے یہاں سے نہ نکال چکے ہوتے تو میں اس شہر کے علاوہ کہیں نہ رہتا۔" امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے حسن، صحیح، غریب ہے۔

تشریح: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے افضل ہے چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے لیکن امام مالکؒ کے نزدیک

مدینہ کی فضیلت مکہ سے زیادہ ہے۔

(۱۰) وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَدِیِّ بْنِ حَمْرَاءَ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا عَلَی الْحَزْوَرَۃِ فَقَالَ وَاللّٰہِ اِنَّکِ لَخَیْرُ اَرْضِ اللّٰہِ وَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ وَلَوْلَا اِنِّی اُخْرِجْتُ مِنْکِ مَاخَرَجْتُ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

"اور حضرت عبداللہ ابن عدی ابن حمراءؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول کریم ﷺ حزورہ پر کھڑے ہوئے (مکہ کی نسبت) فرمارہے تھے کہ "خدا کی قسم! تو خدا کی زمین کا سب سے بہتر قطعہ ہے، اور تو خدا کے نزدیک خدا کی زمین کا سب سے محبوب حصہ ہے۔! اگر مجھے تجھ سے نکالا جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا۔" (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ)

تشریح: "حزورہ" مکہ میں ایک جگہ کا نام ہے، آپ ﷺ نے اسی جگہ کھڑے ہو کر مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے مذکورہ بالا جملے ارشاد فرمائے۔

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ مؤمن کی شان کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اس شہر مقدس میں اپنے قیام کو ایک عظیم سعادت تصور کرتے ہوئے مکہ کی اقامت کو اس وقت تک ترک نہ کرے جب تک وہ اس پر حقیقۃً یا حکماً (یعنی دینی و دنیاوی ضرورت کے تحت) مجبور نہ ہو اسی لئے کہا گیا ہے کہ "مکہ میں داخل ہونا سعادت اور وہاں سے نکلنا شقاوت ہے۔"

در مختار میں لکھا ہے کہ "مکہ اور مدینہ کی مجاورت (یعنی ان دونوں شہروں میں مستقل طور پر رہنا) اس شخص کے لئے مکروہ نہیں ہے جس کو اپنے نفس پر قابو حاصل ہو۔" گویا جس شخص کو یہ یقین ہو کہ مجھ سے گناہ سرزد نہیں ہوں گے تو وہ ان شہروں میں اقامت حاصل کرے مگر جس شخص کو یہ یقین حاصل نہ ہو وہ اقامت اختیار نہ کرے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

(۱۱) عَنْ اَبِی شُرَیْحِ نِ الْعَدَوِیِّ اَنَّہٗ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِیْدٍ وَھُوَ یَبْعَثُ الْبُعُوْثَ اِلٰی مَکَّۃَ اِئْذَنْ لِی اَیُّھَا الْاَمِیْرُ اُحَدِّثُکَ قَوْلًا قَامَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْغَدَ مِنْ یَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْہُ اُذُنَایَ وَوَعَاہُ قَلْبِیْ وَاَبْصَرَتْہُ عَیْنَایَ حِیْنَ تَکَلَّمَ بِہٖ حَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مَکَّۃَ حَرَّمَھَا اللّٰہُ وَلَمْ یُحَرِّمْھَا النَّاسُ فَلَا یَحِلُّ لِامْرِیٍٔ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّسْفِکَ بِھَا دَمًا وَلَا یَعْضُدُ بِھَا شَجَرَۃً فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْھَا فَقُوْلُوْا لَہٗ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذِنَ لِرَسُوْلِہٖ وَلَمْ یَاْذَنْ لَکُمْ وَاِنَّمَا اَذِنَ لِیْ فِیْھَا سَاعَۃً مِّنْ نَّھَارٍ وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُھَا الْیَوْمَ کَحُرْمَتِھَا بِالْاَمْسِ وَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ فَقِیْلَ لِاَبِیْ شُرَیْحٍ مَا قَالَ لَکَ عَمْرٌو قَالَ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِذٰلِکَ مِنْکَ یَا اَبَا شُرَیْحٍ اِنَّ الْحَرَمَ لَا یُعِیْذُ عَاصِیًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَۃٍ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِی الْبُخَارِیِّ الْخَرْبَۃُ الْجِنَایَۃُ۔

"حضرت ابوشریح عدویؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے عمرو بن سعید سے اس وقت، جب کہ وہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے مقابلے پر مکہ کی طرف لشکر بھیج رہے تھے، یہ کہا کہ میرے سردار مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے سامنے وہ بات بیان کروں جس کو رسول کریم ﷺ نے فتح مکہ کے اگلے دن ایک خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا تھا، اس بات کو میرے کانوں نے سنا، میرے دل نے یاد رکھا اور میری آنکھوں نے آنحضرت کو وہ بات فرماتے دیکھا ہے! چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا کہ "مکہ کو اللہ تعالیٰ نے عظمت بخشی ہے، اس کو لوگوں نے بزرگی نہیں دی ہے، لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اس شہر میں خونریزی کرے (یعنی کوئی مسلمان اس شہر میں کسی کو قتل نہ کرے اگرچہ وہ لائق قتل ہی کیوں نہ ہو اور جو شخص لائق قتل نہ ہو اس کو قتل کرنا ہر جگہ حرام ہے خواہ حرم مکہ کے اندر ہو خواہ اس کے باہر) اور یہ حلال ہے کہ اس کی زمین کا درخت کاٹے، اور اگر کوئی شخص اس شہر میں قتل و قتال کے لئے رسول اللہ ﷺ کے عمل سے (جیسا کہ حدیث نمبر۳ میں ابن خطل کے قتل کا واقعہ گذرا) جواز

پیدا کرے تو اس سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس کی اجازت دے دی تھی اور تم کو اجازت نہیں ہے، چنانچہ مجھے بھی ایک دن کی صرف ایک ساعت کے لئے اس شہر میں قتل کرنے کی اجازت دی گئی تھی اور اب آج کے دن (جب کہ یہ خطبہ دیا جارہا ہے) اس شہر کی عظمت و حرمت بحالہ ہے جو کل گذشتہ (اس مباح ساعت کے علاوہ) تھی۔! جو لوگ یہاں موجود ہیں ان کو چاہئے کہ میری اس بات کو ان لوگوں تک پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں ابو شریحؓ سے پوچھا گیا۔ کہ عمرو بن سعید نے (یہ حدیث سن کر) آپ سے کیا کہا۔ انہوں نے فرمایا کہ عمرو ابن سعید نے مجھ سے کہا کہ "ابو شریح! میں (اس حدیث کو) تم سے زیادہ جانتا ہوں لیکن سرزمین حرم نافرمان کو پناہ نہیں دیتی اور نہ اس شخص کو پناہ دیتی ہے جو خون کرکے بھاگا ہو یا کوئی تقصیر کرکے فرار ہوا ہو۔" (بخاری و مسلم)

بخاری کی روایت میں الخربة کے معنی "قصور" ہیں۔

تشریح: عمرو بن سعید، خلیفہ عبدالملک ابن مروان کی جانب سے مدینہ کے حاکم تھے، انہوں نے جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو قتل کرنے کے لئے مدینہ سے مکہ کو لشکر روانہ کیا تو حضرت ابو شریح صحابیؓ نے ان کے اس فیصلہ سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی مذکورہ بالا حدیث بیان کی جس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ حرم مکہ میں تو لائق قتل شخص کو بھی قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے چہ جائیکہ آپ ایک جلیل القدر صحابی کا خون بہانے کے لئے وہاں لشکر بھیج رہے ہیں۔ اس کے جواب میں عمرو ابن سعید نے کہا کہ زمین حرم اس شخص کو پناہ نہیں دیتی جو خلیفہ سے بغاوت کرکے نافرمانی کا مرتکب ہوا ہو، گویا عمرو ابن سعید کے گمان میں عبدالملک ابن مروان، خلیفہ برحق تھا اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اس کے باغی، حالانکہ عبدالملک ابن مروان خلیفہ برحق نہیں تھا کہ اس کی خلافت کا انکار کرنے والے کو شرعی نقطہ نظر سے باغی قرار دیا جاتا، اسی طرح عمرو ابن سعید نے یہ بھی کہا کہ اگر کوئی شخص کسی کا خون کرکے حرم میں چلا جائے تو حرم اس کو بھی پناہ نہیں دیتا ایسے ہی اگر کوئی شخص تقصیر کرکے یعنی دین میں فساد کا بیج بو کر یا کوئی دینی جرم کرکے یا کوئی اور قصور کرکے مثلاً کسی کا مال تلف کرکے یا کسی کا حق غصب کرکے بھاگ جائے اور حرم میں پناہ لے لے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے درگذر کرلیا جائے! گویا عمرو ابن سعید کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ عبداللہ ابن زبیرؓ ایک گنہ گار و نافرمان شخص ہیں کیونکہ انہوں نے خلیفہ کی اطاعت سے انحراف کیا ہے، اگر وہ زمین حرم سے باہر آجائیں گے تو وہاں ان کو سزا دی جائے گی اور اگر حرم ہی میں رہیں گے تو ان کو حرم ہی میں سزا دوں گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا یعنی زمین حرم ہی میں ان کو شہید کردیا گیا۔

(۱۴) وَعَنْ عَيَّاشِ بْنِ اَبِي رَبِيْعَةَ الْمَخْزُوْمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ بِخَيْرٍ مَا عَظَّمُوْا هٰذِهِ الْحُرْمَةَ حَقَّ تَعْظِيْمِهَا فَاِذَا ضَيَّعُوْا ذٰلِكَ هَلَكُوْا۔ (رواہ ابن ماجہ)

"اور حضرت عیاش ابن ابی ربیعہ مخزومیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "یہ اُمت اس وقت تک بھلائی کے ساتھ رہے گی جب تک کہ اس حرمت (یعنی مکہ اور حرم مکہ کی حرمت) کی تعظیم کرتی رہے گی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے اور جب لوگ اس تعظیم کو ترک کردیں گے تو ہلاک کردیئے جائیں گے۔" (ابن ماجہؒ)

بَابُ حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ حَرَسَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى

حرم مدینہ (اللہ اس کو آفات سے محفوظ رکھے) کا بیان

مدینہ اور اس کی گرد اگرد زمین کی حرمت کے بارہ میں بھی احادیث منقول ہیں، لیکن اس سلسلہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، چنانچہ حنفی علماء کے نزدیک مدینہ اور اس کی گرد اگرد زمین کی حرمت کا مطلب یہ ہے کہ اس شہر مقدس اور اس کی چاروں طرف کی زمین کی تعظیم و تکریم کی جائے، نہ یہ کہ اس کا بھی وہی حکم ہے جو مکہ اور اس کی گرد اگرد زمین کا ہے، لہٰذا حنفی مسلک کے مطابق مدینہ اور اس کی

اطراف کی زمین میں درخت وغیرہ کاٹنا اور شکار کرنا حرام نہیں ہے، لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چونکہ حرم مکہ اور حرم مدینہ کا ایک ہی حکم ہے اس لئے ان کے مسلک میں مدینہ اور اس کے اطراف کی زمین میں وہ تمام چیزیں حرام ہیں جو مکہ اور اس کے اطراف کی زمین میں حرام ہیں تاہم ان ائمہ کے ہاں بھی حرم مدینہ میں ان چیزوں کے ارتکاب سے جزاء واجب نہیں ہوتی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

حرم مدینہ کی حدود

① عَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا كَتَبْنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا الْقُرْاٰنَ وَمَافِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَدِيْنَةُ حَرَامٌ مَابَيْنَ عَيْرٍ اِلٰى ثَوْرٍ فَمَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا اَوْ اٰوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔ ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ يَسْعٰى بِهَا اَدْنَاهُمْ فَمَنْ اَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ وَمَنْ وَالٰى قَوْمًا بِغَيْرِ اِذْنِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ اَوْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کی طرف سے علاوہ قرآن اور ان باتوں کے جو اس صحیفہ میں ہیں، اور کچھ نہیں لکھا ہے۔! حضرت علیؓ نے فرمایا کہ (میں نے) اس صحیفہ میں رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی (بھی لکھا) ہے کہ "مدینہ "عیر اور ثور کے درمیان، حرام ہے، لہٰذا جو شخص مدینہ میں بدعت پیدا کرے (یعنی ایسی بات کہے یا رائج کرے جو قرآن وحدیث کے خلاف ہو) یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر خدا کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے، اس شخص کے نہ تو (کامل طور پر) فرض (اعمال) قبول کئے جاتے ہیں نہ نفل! مسلمانوں کے عہد ایک ہے جس کے لئے ان میں کا ادنیٰ شخص بھی کوشش کر سکتا ہے لہٰذا جو شخص کسی مسلمان کے عہد کو توڑے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے، نہ تو اس کے فرض قبول کئے جاتے ہیں اور نہ نفل! جو شخص اپنے ساتھیوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے موالات (دوستی) قائم کرے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب آدمیوں کی لعنت ہے، نہ تو اس کے فرض قبول کئے جاتے ہیں اور نہ نفل!۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

بخاری اور مسلم ہی کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "جو شخص اپنے باپ کی بجائے کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کا دعویٰ کرے (یعنی یوں کہے کہ میں زید کا بیٹا ہوں جب کہ حقیقت میں وہ بکر کا بیٹا ہو) یا اپنے مالک کی بجائے کسی دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے (مثلاً یوں کہے کہ میں زید کا غلام یا خدمت گار ہوں جب کہ حقیقت میں وہ بکر کا غلام یا خدمت گار ہو) تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے نہ تو اس کے فرض قبول کئے جاتے ہیں اور نہ نفل۔"

تشریح: کچھ لوگوں نے آپس میں کہا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو قرآن کریم کے علاوہ کوئی اور کتاب بطور خاص عنایت کی ہے جس کا علم اور کسی کو نہیں ہے، جب یہ بات حضرت علیؓ نے سنی تو اس کی تردید کی اور فرمایا کہ میں نے تو آنحضرت ﷺ کی طرف سے صرف قرآن کریم لکھا ہے یا پھر چند احکام پر مشتمل وہ احادیث لکھی ہیں جو اس صحیفہ میں ہیں، ان کے علاوہ نہ تو میں نے کوئی اور کتاب لکھی ہے اور نہ آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کے علاوہ مجھے اور کوئی کتاب دی ہے۔ چنانچہ "اس صحیفہ" سے مراد وہ لکھا ہوا ورق تھا جس میں آنحضرت ﷺ نے دیات کے احکام اور چند دوسرے احکام تحریر کرائے تھے اور جو حضرت علیؓ کی تلوار کی نیام میں رہتا تھا۔

اس صحیفہ یا ورق میں دیات کے احکام کے علاوہ اور جو احکام لکھے ہوئے تھے ان میں مدینہ کے بارہ میں بھی یہ حکم تھا، جو حضرت علیؓ

نے مذکورہ بالا حدیث میں بیان کیا۔! لہٰذا مدینہ عیر اور ثور کے درمیان حرام ہے" کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ اور اس کے گرد اگرد زمین کا وہ حصہ جو عیر اور ثور کے درمیان ہے بزرگ قدر اور باعظمت ہے! اس میں ایسی چیزوں کا ارتکاب ممنوع ہے، جو اس مقدس شہر اور اس کی باعظمت زمین کی توہین و حقارت کا سبب ہوں، لیکن حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک "حرام" سے مراد "حرم" ہے یعنی مدینہ، حرم مکہ کی مانند ہے کہ جو چیزیں مثلاً شکار وغیرہ حرم مکہ میں حرام ہیں وہ مدینہ میں بھی حرام ہیں، اس طرح ان کے ہاں حرم مدینہ کی حدود عیر اور ثور نامی پہاڑ ہیں جو مدینہ مطہرہ کے دونوں طرف واقع ہیں۔

لَا یُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ میں لفظ صرف کے معنی "فرض بھی مراد لئے جاسکتے ہیں اور "نفل" بھی، نیز "توبہ" اور "شفاعت" بھی اس لفظ کے معنی ہوسکتے ہیں، اس طرح لفظ "عدل" کے معنی "نفل" بھی مراد لئے جاسکتے ہیں اور "فرض" بھی، نیز "فدیہ" اور بعض حضرات کے قول کے مطابق "شفاعت" یا "توبہ" بھی اس لفظ کے معنی ہوسکتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے اس صحیفہ میں سے آنحضرت ﷺ کا لکھوایا ہوا دوسرا حکم یہ بیان کیا کہ مسلمانوں کا امان ایک شئے واحد کی مانند ہے کہ اس کا تعلق ملت کے ہر فرد سے ہوسکتا ہے خواہ وہ برتر ہو یا کمتر، مثلاً جس طرح کسی اعلیٰ حیثیت کے مسلمان کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ کسی کو عہد امان سے اسی طرح کسی ادنیٰ ترین مسلمان کو بھی عہد امان دینے کا اختیار حاصل ہے اور اس کے عہد امان کا لحاظ کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، گویا اس حکم کا حاصل یہ ہوا کہ مسلمانوں میں سے اگر کوئی بھی شخص خواہ وہ کتنا ہی حقیر و کمتر ہو (جیسے غلام وغیرہ) کسی غیر مسلم کو امان دے اور اس سے اس کی جان و مال کی حفاظت کا عہد کرے، اس کو اپنی پناہ میں لے لے تو اس کے عہد کو توڑنا کسی دوسرے مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے عہد امان کو پامال کرے گا بایں طور کہ اس کے زیر امان غیر مسلم کی جان و مال کو نقصان پہنچائے تو وہ خدا کی، فرشتوں کی اور تمام مسلمانوں کی لعنت کے مستحق ہوگا۔

حضرت علیؓ نے اس صحیفہ کا ایک حکم یہ بھی بیان کیا کہ جو شخص اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی اجازت کے بغیر دوسرے لوگوں سے سلسلہ موالات یعنی رابطہ دوستی قائم کرے وہ بھی لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔! اس ضمن میں کچھ تفصیل ہے اس کو جان لینا چاہئے، "ولاء" کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم تو "ولاء موالات" ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً اہل عرب کا یہ معمول تھا کہ کچھ لوگ آپس میں دوستی کا رشتہ قائم کرکے یہ عہد کرتے اور قسم کھاتے تھے کہ ہم دوسرے کے بھلے برے میں شریک رہیں گے، زندگی کے ہر مرحلہ پر ہر ایک دوسرے کا مدد و معاون رہے گا، آپس میں ایک دوسرے کے دوست سے دوستی رکھیں گے اور دشمن کو دشمن سمجھیں گے۔! اسی کو "ولاء موالات" کہتے ہیں۔ ایام جاہلیت میں تو آپس کے عہد و پیمان کا تعلق صحیح و غلط، حق و ناحق، ہر معاملہ سے ہوتا تھا، ایک شخص چاہے حق پر ہو چاہے ناحق پر، اس کے دوسرے ساتھی اس کی مدد ہر حال میں کرتے تھے۔ لیکن جب اسلام کی روشنی نے عہد جاہلیت کی ظلمت کو ختم کیا تو مسلمانوں نے اس میں اتنی ترمیم کی کہ ان کا ایک دوسرں کے ساتھ تعاون و اشتراک صرف صحیح اور حق معاملہ تک محدود رہتا لیکن اس کے باوجود یہ معمول جاری رہا یہاں تک کہ اکثر اہل عجم، عرب میں آکر صحابہؓ سے اس کا سلسلہ قائم کرتے تھے۔

دوسری قسم "ولاء عتاقت" ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے کسی غلام کو آزاد کرتا ہے تو اس غلام پر یہ حق ولاء ثابت ہوجاتا ہے کہ اس کے عصبہ (بیٹا پوتا وغیرہ) نہ ہونے کی صورت میں وہ آزاد کرنے والا اس کا وارث بن جاتا ہے لہٰذا ذوی الفروض (باپ دادا وغیرہ) سے جو کچھ بچتا ہے وہ اس کا مالک ہوتا ہے۔"

اس تفصیل کو ذہن میں رکھ کر اب سمجھئے کہ حدیث میں مذکورہ "موالات" سے ولاء کی پہلی قسم بھی مراد ہوسکتی ہے، اس صورت میں اس حکم کے معنی یہ ہوں گے کہ جس شخص کے موالی یعنی مذکورہ بالا عہد و پیمان کے مطابق دوست اور رفقاء ہوں تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے ان دوستوں کی اجازت کے بغیر کسی اور جماعت کو اپنا موالی (دوست) نہ بنائے کیونکہ اس کی وجہ سے ایک طرح کی عہد شکنی بھی ہوتی ہے اور مسلمانوں کو قلبی اذیت اور روحانی تکلیف میں مبتلا کرنا بھی ہوتا ہے جو کسی مسلمان کے لئے قطعاً مناسب نہیں ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے

کہ "موالات" سے ولاء کی دوسری قسم مراد ہو، اس کے پیش نظر معنی یہ ہوں گے کہ جو شخص اپنی آزادی کی نسبت آزاد کرنے والے کی بجائے کسی دوسرے کی طرف کرے تو وہ مستحق لعنت ہوتا ہے جیسا کہ اپنے باپ کی بجائے کسی غیر کی طرف اپنی نسبت کرنے والا شخص مستحق لعنت ہوتا ہے اس صورت میں "بغیر اذن موالیہ" کی قید اکثر کے اعتبار سے ہوگی کہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ اگر آزادی یافتہ غلام اپنے مالک سے اس بات کی اجازت چاہتا ہے کہ وہ اپنی آزادی کی نسبت اس کی بجائے کسی دوسرے کی طرف کرے تو وہ اس کی اجازت نہیں دیتا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر مالک اجازت دے دے تو پھر غیر مالک کی طرف نسبت کرنا درست ہو جائے گا کیونکہ پھر یہ جھوٹ کی صورت بن جائے گی جو ویسے بھی جائز نہیں ہے۔

شیعوں کے قول کی تردید: شیعہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے ایک وصیت نامہ مرتب کرایا تھا، جس میں جہاں اور بہت سی خاص باتیں تھیں وہیں حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ اول مقرر کرنے کی ہدایت بھی تھی۔ اس وصیت نامہ کا علم اہل بیت میں سے چند مخصوص افراد (مثلاً حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ وغیرہ) کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا، ظاہر ہے کہ شیعہ حضرات کا یہ قول اختراع سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ مذکورہ بالا حدیث اس قول کی تردید میں مضبوط دلیل ہے، چنانچہ حضرت علیؓ خود وضاحت کے ساتھ فرما رہے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے قرآن کریم اور صحیفہ مذکورہ کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں لکھی ہے۔

آخر میں ایک بات یہ بھی جان لیجئے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ علم کی باتوں کو لکھنا اور مرتب کرنا مستحب ہے، جو ایک عظیم الشان خدمت بھی ہے اور اجر و ثواب کا باعث بھی۔

مدینہ میں رہنا دنیا و عقبیٰ کی بھلائی ہے

(۴) وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي اُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ اَنْ يُقْطَعَ عِضَاهُهَا اَوْ يُقْتَلَ صَيْدُهَا وَقَالَ الْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ لَا يَدَعُهَا اَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا اِلَّا اَبْدَلَ اللّٰهُ فِيْهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ وَلَا يَثْبُتُ اَحَدٌ عَلٰى لَاْوَائِهَا وَجَهْدِهَا اِلَّا كُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا اَوْ شَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میں مدینہ کے دونوں پہاڑوں کے کناروں کے درمیان کو حرام (باعظمت) قرار دیتا ہوں، لہٰذا نہ تو اس زمین کے (جو ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ہے) خار دار درخت کاٹے جائیں اور نہ اس میں شکار مارا جائے (حنفیہ کے نزدیک یہ ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے) مدینہ ان (لوگوں) کے لئے (جو مدینہ میں رہتے ہیں) بہتر ہے (یعنی مدینہ کا قیام دنیا و عقبیٰ کی بھلائی کا ضامن ہے) بشرطیکہ وہ (اس کی بھلائی و بہتری کو) جانیں تو اس شہر کی اقامت کو ترک نہ کریں اور دنیا کے آرام و راحت کے لئے اس کو چھوڑ کر اور کہیں نہ جائیں جو بھی شخص بے رغبتی کے ساتھ (یعنی بلا ضرورت) اس شہر کو چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے ایسے شخص کو مقیم کر دے گا جو اس سے بہتر ہوگا (یعنی بے رغبتی کے ساتھ مدینہ کو چھوڑنا مدینہ کے لئے نقصان دہ نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے مفید ہی ہوگا کہ اس شخص کی جگہ کوئی اس سے بہتر شخص آکر مقیم ہوگا کہ ضرورت و مجبوری کے تحت مدینہ کو چھوڑنا اس حکم میں داخل نہیں) اور جو بھی شخص مدینہ میں سختیوں اور بھوک پر ثابت قدم رہے گا (یعنی وہاں کی ہر تنگی و پریشانی پر صبر کرے گا) تو میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا یہ فرمایا کہ میں اس (کی اطاعت) کا گواہ بنوں گا۔" (مسلم)

تشریح: اس حدیث میں جہاں مدینہ کے رہنے والوں کے لئے خاتمہ بخیر کی سعادت عظمیٰ کی بشارت ہے وہیں یہ تنبیہ بھی ہے کہ مؤمن کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ حرمین شریفین (یعنی مکہ مکرم و مدینہ منورہ) کی سکونت پر اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت پر شکر بھی کرتا رہے اور وہاں کی ہر سختی و مصیبت پر صابر بھی رہے، نیز یہ کہ وہ ان مقدس شہروں کی بھلائی سے صرف نظر کر کے دوسری جگہوں کی ظاہری نعمت اور راحت و آرام پر نظر نہ رکھے کیونکہ اصل نعمت اور اصل راحت تو آخرت کی نعمت اور وہاں کی راحت ہے جیسا کہ یہ حدیث ہے:

اَللّٰهُمَّ لَاعَيْشَ اِلَّاعَيْشُ الْاٰخِرَةِ۔

"اے اللہ! آخرت کی راحت و آرام کے علاوہ اور کوئی راحت و آرام نہیں ہے۔"

مدینہ میں تکلیف و مصیبت کے وقت صبر کرنیوالے کا اجر

③ وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَصْبِرُ عَلٰى لَاْوَاءِ الْمَدِيْنَةِ وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِيْ اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میری اُمت میں کا جو بھی شخص مدینہ میں سختی و بھوک پر اور وہاں کی کسی بھی تکلیف و مشقت پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔" (مسلمؒ)

مدینہ کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعا

④ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ اِذَا رَاَوْا اَوَّلَ الثَّمَرَةِ جَاءُوْا بِهٖ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَخَذَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ ثَمَرِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِّنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُكَ وَخَلِيْلُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنِّيْ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنَّهٗ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَاَنَا اَدْعُوْكَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهٖ مَعَهٗ ثُمَّ قَالَ يَدْعُوْ اَصْغَرَ وَلِيْدٍ لَهٗ فَيُعْطِيْهِ ذٰلِكَ الثَّمَرَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ لوگوں کا معمول تھا کہ جب وہ کوئی نیا پھل دیکھتے تو اس کو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لاتے اور جب آپ ﷺ اس پھل کو لیتے تو فرماتے "اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما، ہمارے شہر میں برکت عطا فرما، ہمارے صاع میں برکت عطا فرما (صاع ایک پیانہ کا نام تھا) ہمارے مد میں برکت عطا فرما (مد بھی ایک پیانہ کا نام تھا) اور اے اللہ! ابراہیمؑ تیرے بندہ تھے، تیرے خاص دوست تھے اور تیرے نبی تھے، اور میں بھی تیرا بندہ ہوں اور تیرا نبی ہوں، ابراہیمؑ نے تجھ سے مکہ کے لئے دعا مانگی تھی (جو اس آیت فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ الخ میں مذکور ہے) اور میں بھی تجھ سے مدینہ کے لئے دعا مانگتا ہوں اسی طرح کی دعا جو ابراہیمؑ نے مکہ کے لئے مانگی تھی بلکہ اس کی مانند اور بھی دعا (یعنی ابراہیمؑ نے جو دعا مانگی تھی میں نہ صرف اسی طرح کی دعا بلکہ اس سے بھی دو چند دعا مانگتا ہوں) پھر ابوہریرہؓ نے کہا کہ "اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے خاندان کے سب سے چھوٹے بچے کو بلاتے اور اس کو وہ پھل عنایت فرماتے (تاکہ وہ بچہ خوش ہو جائے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "برکت" کے معنی ہیں "زیادہ ہونا" لہٰذا پھل میں برکت کی دعا مانگنے کا مطلب تو ظاہر ہی ہے، البتہ شہر میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ شہر میں وسعت ہو، اس میں لوگ کثرت سے آباد ہوں اور اس کی تہذیبی و تمدنی حیثیت مثالی درجہ اختیار کرے چنانچہ آپ ﷺ کی دعا اس طرح قبول ہوئی کہ شہر کا رقبہ بڑھا، اس کی آبادی بڑھی، مسجد نبوی ﷺ کی بھی توسیع ہوئی، اور دور دور سے آکر مسلمان کثیر تعداد میں یہاں آباد ہوئے اور اس کے علاوہ یہ شہر اپنی تہذیبی و تمدنی حیثیت سے بھی مثالی درجہ پر پہنچا۔ صاع اور مد میں برکت سے مراد یہ ہے کہ رزق میں فراخی ہو۔

حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے حبیب۔! اس کے باوجود کہ خلیل سے حبیب کا مرتبہ بڑا ہے آپ ﷺ نے حضرت ابراہیمؑ کی اس صفت کو ذکر کیا مگر بسبب تواضع و انکسار اپنی صفت کو ذکر نہیں کیا اپنے کو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا نبی کہنے پر اکتفاء فرمایا۔

مدینہ کی حرمت کا ذکر

⑤ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَامًا وَاِنِّيْ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ

حَرَامًا مَابَیْنَ مَازِمَیْهَا اَنْ لَایُهْرَاقَ فِیْهَا دَمٌ وَلَایُحْمَلَ فِیْهَا سِلَاحٌ لِقِتَالٍ وَلَاتُخْبَطَ فِیْهَا شَجَرَۃٌ اِلَّا لِعَلَفٍ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوسعیدؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کو بزرگی دی اور اس کو حرم قرار دیا (یعنی انہوں نے مکہ کی بزرگی اور حرمت کو ظاہر کیا) اور میں نے مدینہ کو بزرگی دی ہے اور مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان کی بزرگی (کا تقاضا) یہ ہے کہ نہ تو اس میں خونریزی کی جائے نہ وہاں جنگ کے لئے ہتھیار اٹھایا جائے، اور نہ اس (کے درخت) کے پتے جھڑے جائیں البتہ جانوروں کے کھانے کے لئے جھاڑے جاسکتے ہیں۔" (مسلم)

تشریح: علامہ تورپشتیؒ کہتے ہیں کہ "حدیث کے الفاظ و انی حرمت المدینۃ میں تحریم سے مراد تعظیم ہے (جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کیا گیا ہے) اس سے وہ احکام مراد نہیں جو حرم سے متعلق ہیں (یعنی شکار وغیرہ کا حرام ہونا) چنانچہ اس بات کی دلیل خود آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "اور نہ اس کے (درخت کے) پتے جھاڑے جائیں البتہ جانوروں کے کھانے کے لئے جھاڑے جاسکتے ہیں۔" (اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حرم مکہ کا جو حکم ہے وہ حرم مدینہ کا نہیں ہے) کیونکہ مکہ کے جو درخت ہیں ان کے پتے جھاڑنے کسی حالت میں بھی درست نہیں ہیں، جہاں تک شکار کا تعلق ہے تو اگرچہ بعض صحابہؓ نے مدینہ میں شکار مارنے کو حرام کہا ہے لیکن اکثر صحابہؓ نے مدینہ کے پرندوں کے شکار کا انکار (یعنی اس سے منع) نہیں کیا ہے نیز اس بارہ میں آنحضرت ﷺ کی کوئی ممانعت کسی ایسے طریق سے ہم تک نہیں پہنچی ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے۔" یہ علامہ تورپشتیؒ کا اقتباس ہے اس بارہ میں ملا علی قاریؒ نے بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، اہل علم ان کی شرح سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

سعد بن وقاصؓ کا ایک واقعہ

(۶) وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ سَعْدًا رَکِبَ اِلٰی قَصْرِہٖ بِالْعَقِیْقِ فَوَجَدَ عَبْدًا یَقْطَعُ شَجَرًا اَوْیَخْبِطُهٗ فَسَلَبَهٗ فَلَمَّا رَجَعَ سَعْدٌ جَآءَہٗ اَهْلُ الْعَبْدِ فَکَلَّمُوْهُ اَنْ یَرُدَّ عَلٰی غُلَامِهِمْ اَوْعَلَیْهِمْ مَا اَخَذَ مِنْ غُلَامِهِمْ فَقَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ اَرُدَّ شَیْئًا نَفَّلَنِیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَبٰی اَنْ یَرُدَّ عَلَیْهِمْ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت عامرؓ ابن سعد کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت سعد ابن وقاصؓ (جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر صحابی ہیں) اپنی حویلی کی طرف جو (مدینہ کے قریب) مقام عقیق میں تھی، سوار ہو کر چلے تو (راستہ میں) انہوں نے ایک غلام کو دیکھا جو ایک درخت کاٹ رہا تھا یا اس درخت کے پتے جھاڑ رہا تھا، حضرت سعدؓ نے (بطور سزا و تنبیہ) اس غلام کے کپڑے چھین لئے، پھر جب وہ (مدینہ) واپس آئے تو غلام کے مالک ان کی خدمت میں آئے اور یہ گفتگو کی کہ انہوں نے جو چیز ان کے غلام سے لی ہے (یعنی اس کے کپڑے) اسے وہ غلام کو واپس کردیں یا ان (مالکوں) کو دے دیں۔" حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ "خدا کی پناہ میں اس چیز کو کیسے واپس کر سکتا ہوں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے دلوائی ہے۔" چنانچہ سعدؓ نے کپڑے واپس کرنے سے بالکل انکار کردیا۔" (مسلم)

تشریح: ان یرد علی غلامهم اَوْعَلَیْهِمْ میں حرف "أَوْ" راوی کے شک کو ظاہر کر رہا ہے کہ ان کے مالکوں نے یا تو یہ کہا تھا کہ غلام کے کپڑے غلام کو واپس کردیں، یا اس کے بجائے یہ کہا تھا کہ جو کپڑے ہمارے غلام سے لئے ہیں وہ ہمیں دے دیں۔ حدیث کے اس جملہ "جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے دلوائی ہے۔" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس بات کی اجازت دی تھی کہ جو شخص کسی کو مدینہ میں شکار مارتے یا درخت کاٹتے دیکھے تو وہ اس کے کپڑے ضبط کرلے، لہٰذا کہا جائے گا کہ یا تو یہ حدیث منسوخ ہے یا پھر یہ کہ آپ ﷺ کی طرف سے یہ اجازت زجر و تنبیہ کے طور پر دی گئی تھی۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ مدینہ میں شکار مارنے یا درخت کاٹنے کی وجہ سے بدلہ (کفارہ) واجب نہیں ہوتا بلکہ مدینہ میں یہ چیزیں بغیر بدلہ کے حرام ہیں، جب کہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جس طرح مکہ میں ان

چیزوں کے ارتکاب سے بدلہ واجب ہوتا ہے اسی طرح مدینہ میں بھی ان کی وجہ سے بدلہ واجب ہوتا ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مدینہ میں یہ چیزیں حرام نہیں ہیں البتہ مکروہ ہیں۔

مدینہ کی آب وہوا کی اصلاح کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعا

(۷) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وُعِكَ اَبُوْبَكْرٍ وَبِلَالٌ فَجِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِهَا وَمُدِّهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ (اور صحابہ) جب (مکہ سے ہجرت کرکے) مدینہ آئے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ بخار میں مبتلا ہوگئے، چنانچہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ ﷺ کو (ان کی بیماری کی) خبر دی، آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی "اے اللہ! تو مدینہ کو ہمارا محبوب بنادے جس طرح تو نے مکہ کو ہمارا محبوب بنایا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور مدینہ کی آب وہوا درست فرمادے اور مدینہ کے صاع ومد میں ہمارے لئے برکت عطا فرما، نیز مدینہ کے بخار کو (یعنی بخار کی کثرت و وباء کو) یہاں سے نکال کر جحفہ میں منتقل کردے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: منقول ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ شدت بخار میں مبتلا ہوئے اور حضرت عائشہؓ نے ان کی مزاج پرسی کی تو اس وقت وہ مکہ اور وہاں کی آب وہوا، وہاں کے مکانات اور پہاڑوں کی صحت افزاء فضاؤں وغیرہ کا بآواز بلند ذکر کرنے لگے، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ حال ذکر کیا تو آپ ﷺ نے مذکورہ بالا دعا فرمائی۔

"جحفہ" ایک مقام کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے، اس مقام پر یہودی آباد تھے، یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے کفار کے لئے مہلک امراض اور ان کے شہروں کی خرابی کی بددعا کرنا جائز ہے، چنانچہ اس حدیث کے علاوہ ایک روایت یہ بھی منقول ہے کہ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے بیماری اور وباؤں کی کثرت تھی آپ ﷺ نے ان وباؤں کو (اللہ تعالیٰ سے دعا کے ذریعہ) کفار کے علاقوں میں بھیج دیا۔

آپ ﷺ کا ایک خواب اور اس کی تعبیر

(۸) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِيْ رُؤْيَا النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَدِيْنَةِ رَاَيْتُ امْرَاَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّاْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ حَتّٰى نَزَلَتْ مَهْيَعَةَ فَتَاَوَّلْتُهَا اَنَّ وَبَاءَ الْمَدِيْنَةِ نُقِلَ اِلٰى مَهْيَعَةَ وَهِيَ الْجُحْفَةُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ مدینہ سے متعلق نبی کریم ﷺ کے خواب کے سلسلہ میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) "میں نے ایک کالی عورت کو دیکھا جس کے بال پراگندہ تھے وہ مدینہ سے نکلی اور مہیعہ چلی گئی۔" پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ مدینہ کی وباء مہیعہ یعنی جحفہ کی طرف منتقل کردی گئی ہے۔" (بخاریؒ)

مدینہ کے کچھ لوگوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی ایک پیش گوئی

(۹) وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ اَبِيْ زُهَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُفْتَحُ الْيَمَنُ فَيَاْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَيُفْتَحُ الشَّامُ فَيَاْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَيُفْتَحُ الْعِرَاقُ فَيَاْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سفیان ابن ابوزہیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا، رسول کریم ﷺ فرماتے تھے "جب یمن فتح ہو جائے گا تو ایک ایسا گروہ آئے گا جو آہستہ رو ہو گا (یعنی مدینہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے، جو محنت و مشقت سے دور رہ کر دنیا کی راحت و آرام کے طالب ہوں گے) چنانچہ وہ لوگ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ سے چلے جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر جگہ ہوگی اگر وہ (مدینہ کے بہتر ہونے کو) جانیں (تو مدینہ کو نہ چھوڑیں) جب شام فتح ہوگا تو ایک گروہ آئے گا جو آہستہ رو ہو گا چنانچہ وہ لوگ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ سے چلے جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر جگہ ہوگی اگر وہ جانیں، اسی طرح جب عراق کو فتح کیا جائے گا تو ایک گروہ آئے گا جو آہستہ رو ہو گا چنانچہ وہ لوگ اپنے اہل و عیال کو لے کر مدینہ سے چلے جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر جگہ ہوگی اگر وہ جانیں (تو مدینہ کو نہ چھوڑیں۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: یہ آپ ﷺ نے مدینہ کے کچھ لوگوں کے بارے میں پیش گوئی فرمائی ہے کہ جب مذکورہ بالا ممالک مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو جائیں گے تو وہ لوگ مدینہ کی سخت کوش زندگی سے اکتا کر طلب معاش اور دنیا کے فانی فائدوں اور آسائشوں کی خاطر اس مقدس و بابرکت شہر کو چھوڑ کر ان ممالک میں جا بسیں گے، حالانکہ ہر اعتبار سے مدینہ ہی ان کے لئے سب سے بہتر جگہ ہوگی، اگر وہ اس حقیقت کو جان لیں اور دنیا و آخرت کی سعادت و بھلائی ان کے پیش نظر رہے تو مدینہ کو نہ چھوڑیں۔

مدینہ برے آدمیوں کو نکال دیتا ہے

(۱۰) وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِقَرْیَةٍ تَاْکُلُ الْقُرٰی یَقُوْلُوْنَ یَثْرِبُ وَهِیَ الْمَدِیْنَةُ تَنْفِی النَّاسَ کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مجھے ایک ایسی بستی کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا ہے جو تمام بستیوں پر غالب رہتی ہے اور اس بستی کو لوگ یثرب کہتے ہیں اور (وہ مدینہ ہے جو برے آدمیوں کو اس طرح نکال دیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو نکال دیتی ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "جو تمام بستیوں پر غالب رہتی ہے۔" کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مدینہ میں رہتے ہیں وہ دوسرے لوگوں پر غالب رہتے ہیں اور دوسرے شہروں کو فتح کرتے ہیں، چنانچہ تاریخی طور پر اس عظیم الشان شہر کی یہ خصوصیت ثابت ہے کہ مدینہ میں آکر بسنے والے دوسروں پر غالب اور بیشتر شہروں کے فاتح رہے ہیں، پہلے قوم عمالقہ آکر شہر میں آباد ہوئی اس نے غلبہ حاصل کیا اور کتنے ہی شہروں اور علاقوں کو فتح کیا، پھر یہود آئے تو وہ عمالقہ پر غالب ہوئے پھر انصار پہنچے تو انہوں نے یہودیوں پر اپنا اقتدار قائم کیا، یہاں تک کہ جب سرکار دوعالم ﷺ اور مہاجرین کرامؓ نے اس شہر کو اپنا مسکن بنایا تو ان کو جس طرح غلبہ حاصل ہوا اور جس طرح انہوں نے مشرق سے لے کر مغرب تک پورے عالم کو اپنے زیر اثر کیا وہ سامنے کی بات ہے۔

اس شہر کا نام پہلے یثرب اور اثرب تھا، جب رسول کریم ﷺ ہجرت فرما کر یہاں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اس شہر کی مدنیت اور کثرت آبادی کے پیش نظر اس کا نام "مدینہ رکھا، نیز آپ ﷺ نے حکم دیا کہ آئندہ اس شہر کو یثرب نہ کہا جائے، کیونکہ اول تو یہ زمانہ اسلام سے قبل کا نام تھا جس سے عہد جاہلیت کی بو آتی تھی، دوسرے یہ کہ معنوی طور پر بھی یہ نام بالکل نامناسب تھا اس لئے کہ یثرب کے معنی ہیں "ہلاک و فساد" نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یثرب ایک بت یا ایک بہت بڑے ظالم شخص کا نام تھا۔

بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ یثرب کہے تو اسے چاہئے کہ وہ دس مرتبہ مدینہ کہے تاکہ اس (مقدس شہر کا ممنوع نام لینے کا تدارک اور اس کی تلافی ہو جائے، نیز ایک روایت یہ بھی ہے کہ "جو شخص یثرب کہے وہ استغفار کرے۔"

"برے آدمیوں) سے مراد اہل کفر وشرک ہیں، جو اسلام کا غلبہ ہو جانے کے بعد اس شہر سے نکال دیئے گئے تھے، چنانچہ کفار ومشرکین پر اس شہر کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدینہ کا نام

(۱۱) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ سَمّٰى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا، رسول کریم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۔" (مسلمؒ)

تشریح: "اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے لسان مقدس کے ذریعہ مدینہ کا نام طابہ ظاہر فرمایا ہے، اور ایک روایت میں "طیبہ" ہے جس کے معنی ہیں "پاک وخوش" یعنی یہ شہر مقدس کفر وشرک کی نجاستوں سے پاک ہے، اس کی آب وہوا طبائع سلیم کو موافق ہے اور یہاں کے رہنے والے خوش وخرم ہیں۔

مدینہ کی خصوصیت

(۱۲) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ اَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَصَابَ الْاَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى فَخَرَجَ الْاَعْرَابِيُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْمَدِيْنَةُ كَالْكِيْرِ تَنْفِيْ خَبَثَهَا وَتَنْصَعُ طَيِّبَهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت جابر ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے رسول کریم ﷺ (کی خدمت میں رہنے کی آپ ﷺ سے) بیعت کی، (کچھ ہی دنوں کے بعد) جب وہ مدینہ کے (شدید) بخار میں مبتلا ہوا (اور اس صورت میں اسے مدینہ میں رہنا گوارا نہ ہوا اور وہاں سے چلے جانے کا ارادہ کیا) تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ "اے محمد (ﷺ) میری بیعت فسخ کر دیجئے۔" مگر آپ ﷺ نے انکار کر دیا، وہ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری بیعت فسخ کر دیجئے! آپ ﷺ نے (اس مرتبہ بھی) انکار کر دیا، اس کے بعد وہ پھر آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری بیعت فسخ کر دیجئے، آپ ﷺ نے پھر انکار کر دیا، چنانچہ وہ (آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر ہی) مدینہ سے بھاگ گیا، (جب آپ ﷺ کو اس کا علم ہوا) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مدینہ بھٹی کی مانند ہے جو اپنے میل کو دور کر دیتا ہے اور اپنے اچھے آدمی کو نکھار دیتا ہے (یعنی برے آدمی کو نکال باہر کرتا ہے اور پاک باطن ومخلص آدمی کو پلید ذہن اور بد طینت آدمی سے الگ کر دیتا ہے" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس کی بیعت کو فسخ کرنے سے اس لئے انکار فرمایا کہ جس طرح اسلام کی بیعت کو فسخ کر دینا جائز نہیں تھا اسی طرح آپ ﷺ کے ساتھ رہنے کی بیعت کو بھی فسخ کر دینے کی اجازت نہیں تھی۔

علماء لکھتے ہیں کہ مدینہ کی اس خاصیت یعنی برے آدمیوں کو نکال دینے اور اچھے آدمیوں کو خالص کر دینے کا تعلق یا تو آنحضرت ﷺ ہی کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا یا پھر آخر زمانہ میں قیامت کے قریب اس مقدس شہر کی یہ خاصیت ظاہر ہوگی کہ جب دجال نمودار ہوگا تو مدینہ کو تین مرتبہ ہلایا اور جھنجھوڑا جائے گا چنانچہ اس وقت مدینہ میں جتنے بھی برے لوگ ہوں گے (خواہ وہ کافر ہوں یا منافق) اس شہر سے نکل پڑیں گے اور دجال کے پاس پہنچ جائیں گے، نیز یہ احتمال بھی ہے کہ اس خاصیت کا تعلق ہر زمانہ کے ساتھ ہو۔

(۱۳) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَنْفِيَ الْمَدِيْنَةُ شِرَارَهَا كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔ (رواہ مسلم)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ مدینہ اپنے شریر (یعنی برے) لوگوں کو اس طرح نہ نکال پھینکے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو نکال پھینکتی ہے۔" (مسلمؒ)

مدینہ میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہوگا

⑭ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَنْقَابِ الْمَدِيْنَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "مدینہ کے راستوں یا اس کے دروازوں پر بطور نگہبان فرشتے متعین ہیں، نہ تو مدینہ میں طاعون کی بیماری داخل ہوگی نہ دجال داخل ہوگا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: "طاعون" وبا کے علاوہ ایک خاص بیماری کو بھی کہتے ہیں چنانچہ یہاں حدیث میں اسی خاص بیماری کے بارہ میں فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے یہ بیماری مدینہ میں داخل نہیں ہوگی، گویا یہ آنحضرت ﷺ کا ایک صریح معجزہ ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب میں طاعون کا ترجمہ "وباء" ہی کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مدینہ میں وباء کا داخل نہ ہونا یا تو دجال کے ظاہر ہونے کے وقت ہوگا یا یہ کہ اس کا تعلق ہر زمانہ سے ہے۔

⑮ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ اِلَّا سَيَطَؤُهُ الدَّجَّالُ اِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةَ لَيْسَ نَقْبٌ مِنْ اَنْقَابِهَا اِلَّا عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ صَافِّيْنَ يَحْرُسُوْنَهَا فَيَنْزِلُ السَّبِخَةَ فَتَرْجُفُ الْمَدِيْنَةُ بِاَهْلِهَا ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ فَيَخْرُجُ اِلَيْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مکہ اور مدینہ کے علاوہ ایسا کوئی شہر نہیں ہے جسے دجال نہ روندے گا اور مدینہ، یا مکہ اور مدینہ میں سے ہر ایک کے راستوں میں ایسا کوئی راستہ نہیں ہے جس پر صف باندھے ہوئے فرشتے نہ کھڑے ہوں جو اس شہر کی نگہبانی کرتے ہیں، چنانچہ (جب) دجال (مدینہ سے باہر) زمین شور میں نمودار ہوگا تو مدینہ اپنے باشندوں کے ساتھ (زلزلہ کی صورت میں) تین مرتبہ ہلے گا جس کے نتیجہ میں ہر کافر و منافق مدینہ سے نکل پڑے گا اور دجال کے پاس چلا جائے گا۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

اہل مدینہ سے مکر و فریب کرنے والے کی سزا

⑯ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكِيْدُ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ اَحَدٌ اِلَّا انْمَاعَ كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص بھی مدینہ والوں سے مکر و فریب کرے گا، وہ اس طرح گھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔" (بخاریؒ و مسلمؒ)

تشریح: تاریخ اسلام کی بدنام ترین شخصیت یزید کا یہی حال ہوا کہ وہ واقعہ حرہ کے بعد دق اور سل کی بیماری میں گھل گھل کر مر گیا۔

مدینہ سے آنحضرت ﷺ کی محبت

⑰ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَنَظَرَ اِلٰى جُدُرَاتِ الْمَدِيْنَةِ اَوْضَعَ رَاحِلَتَهُ وَاِنْ كَانَ عَلٰى دَابَّةٍ حَرَّكَهَا مِنْ حُبِّهَا۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کسی سفر سے واپس ہوتے تو مدینہ منورہ کی دیواریں (یعنی اس کی عمارتیں) دیکھ کر اپنے

اونٹ کو دوڑانے لگتے اور اگر گھوڑے یا خچر پر سوار ہوتے تو اس کو تیز کر دیتے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ آپ ﷺ کو مدینہ سے محبت تھی۔" (بخاریؒ)

احد پہاڑ کی فضیلت

⑱ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَعَ لَهُ اُحُدٌ فَقَالَ هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَاِنِّي اُحَرِّمُ مَابَيْنَ لَابَتَيْهَا۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی نظر مبارک جب احد پہاڑ پر پڑی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں (پھر آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ) اے اللہ! حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کو حرام کیا (یعنی اس کے حرم ہونے کو ظاہر کیا) اور میں اس قطعہ زمین کو حرام کرتا ہوں (یعنی قابل تعظیم قرار دیتا ہوں) جو سنگستان مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان ہے۔"
(بخاری ومسلمؒ)

تشریح: "یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے۔" یہ جملہ بلاشک وشبہ اپنے ظاہری معنی ہی پر محمول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جمادات (یعنی پتھروں وغیرہ) میں بھی ان کے حسب حال علم وفہم اور محبت وعداوت، خاص طور سے انبیاء واولیاء اور بالاخص حضرت سید الانبیاء ﷺ کی محبت پیدا کی ہے، نیز یہ کہ پروردگار عالم جس کو دوست رکھتا ہے اس کو تمام چیزیں دوست رکھتی ہیں کیونکہ ہر چیز پروردگار کی مخلوق اور اس کی تابعدار ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کی مفارقت کی وجہ سے کھجور کے تنے کے رونے کا واقعہ اس دعویٰ کی صریح دلیل ہے۔

وانی احرم مابین لابتیھا کا مطلب جیسا کہ ترجمہ میں بھی ظاہر کیا گیا، یہ ہے کہ میں اس قطعہ زمین کو جس میں مدینہ بھی ہے بزرگ قدر اور قابل تعظیم قرار دیتا ہوں، اس جملہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ مکہ کی طرح مدینہ اور اس کے اطراف کی زمین بھی بایں معنی حرم ہے کہ اس کا درخت کاٹنا اور اس میں شکار وغیرہ حرام ہے۔

⑲ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت سہل بن سعدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "احد پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔"
(بخاریؒ)

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

حرم مدینہ کا مسئلہ

⑳ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ قَالَ رَأَيْتُ سَعْدَ بْنَ اَبِي وَقَّاصٍ اَخَذَ رَجُلًا يَصِيْدُ فِي حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ الَّذِي حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَبَهُ ثِيَابَهُ فَجَاءَ مَوَالِيْهِ فَكَلَّمُوْهُ فِيْهِ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ هٰذَا الْحَرَمَ وَقَالَ مَنْ اَخَذَ اَحَدًا يَصِيْدُ فِيْهِ فَلْيَسْلُبْهُ فَلَا اَرُدُّ عَلَيْكُمْ طُعْمَةً اَطْعَمَنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ اِنْ شِئْتُمْ دَفَعْتُ اِلَيْكُمْ ثَمَنَهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت سلیمان بن ابوعبداللہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک شخص کو پکڑا جو اس حرم مدینہ (یعنی مدینہ کے اطراف) میں شکار مار رہا تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے حرام (یعنی قابل تعظیم) قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت سعدؓ نے اس شخص کے کپڑے (زجر وتنبیہ کے طور پر) چھین لئے، پھر اس شخص کے مالک آئے اور حضرت سعدؓ سے اس کے بارہ میں گفتگو کی، حضرت سعدؓ نے ان سے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے اس حرم کو حرام قرار دیا ہے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ایسے آدمی کو پکڑے جو اس میں

شکار مار رہا ہو تو وہ اس کا سامان چھین لے" لہٰذا جو چیز رسول اللہ ﷺ نے مجھے دلوائی ہے (یعنی جو چیز میں نے آپ ﷺ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے حاصل کی ہے) وہ تو میں (کسی حال میں بھی) واپس نہیں کروں گا، ہاں اگر تم چاہو تو میں اس کی قیمت (از راہ مروت و احسان) تمہیں دے دوں۔" (ابوداؤدؒ)

(۲۱) وَعَنْ صَالِحٍ مَوْلٰی لِسَعْدٍ اَنَّ سَعْدًا وَجَدَ عَبِيْدًا مِنْ عَبِيْدِ الْمَدِيْنَةِ يَقْطَعُوْنَ مِنْ شَجَرَةِ الْمَدِيْنَةِ فَاَخَذَ مَتَاعَهُمْ وَقَالَ يَعْنِي لِمَوَالِيْهِمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى اَنْ يُقْطَعَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِيْنَةِ شَيْءٌ وَقَالَ مَنْ قَطَعَ مِنْهُ شَيْئًا فَلِمَنْ اَخَذَهٗ سَلَبُهٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

"حضرت سعدؓ کے آزاد کردہ غلام صالح کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے مدینہ کے غلاموں میں سے کچھ غلاموں کو مدینہ کا درخت کاٹتے ہوئے پایا تو انہوں نے ان کے اسباب ضبط کر لئے اور پھر ان کے مالکوں سے فرمایا کہ میں نے خود سنا ہے، رسول کریم ﷺ نے مدینہ کے درخت کا کوئی بھی حصہ کاٹنے سے منع فرمایا ہے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مدینہ کے درخت کا کچھ بھی حصہ کاٹے تو اس کا اسباب اس شخص کے لئے ہے جو اس کو پکڑے۔" (ابوداؤدؒ)

تشریح: عن صالح مولی لسعد (حضرت سعدؓ کے آزاد کردہ غلام صالح کہتے ہیں) کے بجائے صحیح یوں ہے عن صالح عن مولی لسعد (صالح حضرت سعدؓ کے آزادہ غلام سے روایت کرتے ہیں) گویا "مولی لسعد" سے پہلے لفظ "عن" یا تو کاتب کی غلطی سے نہیں لکھا گیا، یا پھر اس بارہ میں خود مصنف کو سہو ہوا ہے کیونکہ صالح حضرت سعدؓ کے آزاد کردہ غلام نہیں بلکہ توامہ کے آزاد کردہ غلام ہیں اور صالح نے یہ روایت حضرت سعدؓ کے آزاد کردہ غلام سے نقل کی ہے۔

وج میں شکار وغیرہ کی ممانعت؟

(۲۲) وَعَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ صَيْدَ وَجٍّ وَعِضَاهَهٗ حِرْمٌ مُحَرَّمٌ لِلّٰهِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ وَجٌّ ذَكَرُوْا اَنَّهَا مِنْ نَاحِيَةِ الطَّائِفِ وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ اَنَّهٗ بَدَلَ اَنَّهَا۔

"اور حضرت زبیرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا" وج کا شکار اور اس کے خاردار درخت حرام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے (یعنی اللہ تعالیٰ کے بموجب) حرام کئے گئے (یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں یعنی غازیوں کی وجہ سے حرام کئے گئے ہیں۔" (ابوداؤدؒ)

امام محی السنۃ فرماتے ہیں کہ "وج" کے بارہ میں علماء نے لکھا ہے کہ یہ یعنی وج طائف کے کنارے ایک مقام ہے، نیز خطابیؒ نے انہا من ناحیۃ الطائف میں انہا کی بجائے انه لکھا ہے۔

تشریح: علماء لکھتے ہیں کہ مقام وج میں شکار وغیرہ کی حرمت حمی کے طور پر تھی (حمی اس چراگاہ کو کہتے ہیں جس میں دوسروں کے جانور کو چرانے کی ممانعت ہو) چنانچہ مقام وج میں چونکہ غازیوں کے گھوڑوں کے لئے گھاس وغیرہ روکی جاتی تھی اس لئے اس مقام میں شکار کے لئے جانا یا اس کے درخت وغیرہ کاٹنا ممنوع تھا، حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مقام وج کی مذکورہ بالا حرمت، حرم کے طور پر تھی، اور اگر یہ حرمت حرم ہی کے طور پر تھی تو پھر کہا جائے گا کہ اس حرمت کا تعلق ایک مخصوص زمانہ کے ساتھ تھا جو بعد میں منسوخ ہو گئی تھی۔

امام شافعیؒ اس بات کے قائل ہیں کہ مقام وج میں نہ تو شکار کیا جائے نہ وہاں کے درخت وغیرہ کاٹے جائیں تاہم انہوں نے اس میں ضمان (یعنی بطور جزاء و کفارہ کسی چیز کا واجب ہونا) ذکر نہیں کیا ہے۔

مدینہ میں مرنے کی سعادت

(۲۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَاِنِّيْ

اَشْفَعُ لِمَنْ يَمُوْتُ بِهَا۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا۔

"اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص مدینہ میں مر سکتا ہو اسے مدینہ ہی میں مرنا چاہئے کیونکہ جو شخص مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔" (احمد، ترمذی)

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس بات پر قادر ہو کہ مدینہ میں اپنی زندگی کے آخری لمحات تک رہ سکے، تو اسے چاہئے کہ وہ مدینہ ہی میں رہے تاآنکہ اس کی موت اسی مقدس شہر میں واقع ہو اور میں اس کی شفاعت کروں بایں طور کہ اگر وہ گنہ گار ہوگا تو میں اسے بخشواؤں گا اور اگر نیکوکار ہوگا تو اس کے درجات بلند کراؤں گا۔

واضح رہے کہ یہاں شفاعت سے مراد وہ خاص شفاعت ہے جو صرف مدینہ میں رہنے والوں ہی کو حاصل ہوگی اور کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوگی، البتہ آنحضرت ﷺ کی شفاعت عام ہر مسلمان کے لئے ہوگی۔ لہٰذا افضل یہ ہے کہ جس کی عمر زیادہ ہو جائے یا کشف وغیرہ کے ذریعہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس کی موت کا وقت قریب آگیا ہے تو وہ مدینہ منورہ میں جا رہے تاکہ وہاں مرنے کی وجہ سے وہ آنحضرت ﷺ کی شفاعت خاص کی اس سعادت عظیم کا حقدار ہو جائے، حضرت عمرؓ کی دعا کیا خوب ہے:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ۔

"اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب کر اور اپنے رسول ﷺ کے شہر میں مجھے موت دے۔"

دعا ہے کہ رب کریم ہم جیسے بے زر و بے پر کو بھی یہ دولت نصیب کرے۔ آمین

قرب قیامت میں مدینہ سب سے آخر میں ویران ہوگا

(۲۴) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰخِرُ قَرْيَةٍ مِنْ قُرَى الْاِسْلَامِ خَرَابًا اَلْمَدِيْنَةُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

"اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ "ویران و اجاڑ ہونے والے اسلامی شہروں میں سب سے آخری نمبر مدینہ کا ہوگا امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب قیامت قریب ہوگی تو تمام آبادیاں اور شہر ویران و اجاڑ ہو جائیں گے اور ان میں مدینہ سب سے آخر میں ویران و اجاڑ ہوگا۔ گویا مدینہ کو یہ برکت آنحضرت ﷺ کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔

آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے لئے مدینہ کا تعین

(۲۵) وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَيَّ هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثَةِ نَزَلْتَ فَهِيَ دَارُ هِجْرَتِكَ الْمَدِيْنَةِ اَوِ الْبَحْرَيْنِ اَوْ قِنَّسْرِيْنَ۔ (رواه الترمذی)

"اور حضرت جریر بن عبداللہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے مطلع فرمایا کہ آپ ﷺ ان تین شہروں (۱) مدینہ (۲) بحرین (۳) قنسرین۔ میں سے جس شہر (رہنے کے لئے) اتریں گے وہی آپ ﷺ کے لئے دار الہجرت (ہجرت کا مکان) ہوگا۔" (ترمذیؒ)

تشریح: "بحرین" موجودہ جغرافیائی نقشہ کے مطابق ان متعدد جزیروں کے مجموعہ کا نام ہے جو خلیج عربی کے جنوب مغربی گوشے میں

واقع ہیں، ان جزیروں میں سب سے بڑا جزیرہ، جزیرہ منامہ ہے جس کا دوسرا نام بحرین بھی ہے اسی جزیرہ کے نام پر پورے ملک کو بحرین کہتے ہیں۔ لیکن حدیث شریف اور تاریخ کی کتابوں میں "بحرین" کا لفظ اس علاقہ کے متعلق آیا ہے جو جزیرہ العرب کے مشرقی ساحل پر خلیج بصرہ سے قطر اور عمان تک پھیلا ہوا ہے اور موجودہ بحرین کے مغرب میں واقع ہے۔ اس علاقہ کو اب "احساء" کہا جاتا ہے، لہٰذا یہاں حدیث میں بھی "بحرین" سے مراد وہی علاقہ ہے جس کا نام اب "احساء" ہے۔

"قنسرین" ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے۔ بہرکیف آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا تھا کہ ان تین شہروں میں جس شہر کے بارہ میں آپ کی خواہش ہو مکہ سے ہجرت کر کے وہاں چلے جائے اور اسی شہر کو اپنا مسکن قرار دیجئے۔! لیکن تاریخ مدینہ میں یہ لکھا ہے کہ اگرچہ شروع میں آنحضرت ﷺ کو ان تین شہروں میں سے کسی بھی ایک شہر میں رہنے کا اختیار دیا گیا تھا مگر آخر میں مدینہ ہی کو متعین کر دیا گیا تھا، چنانچہ آپ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے آئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

دجال سے مدینہ کی حفاظت

(۲۶) عَنْ اَبِی بَکْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْمَدِیْنَةَ رُعْبُ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ لَھَا یَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ عَلٰی کُلِّ بَابٍ مَلَکَانِ۔ (رواہ البخاری)

"حضرت ابوبکرہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا "مدینہ میں کانے دجال کا خوف (بھی) داخل نہیں ہوگا، اس دن (جب کہ کانا دجال نمودار ہوگا) مدینہ کے سات دروازے (یعنی سات راستے) ہوں گے اور ہر دروازہ یعنی ہر راستہ پر (دائیں بائیں) دو فرشتے (مدینہ کی حفاظت پر مامور) ہوں گے۔" (بخاریؒ)

مدینہ میں برکت کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعا

(۲۷) وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِیْنَةِ ضِعْفَیْ مَا جَعَلْتَ بِمَکَّةَ مِنَ الْبَرَکَةِ۔ (متفق علیہ)

"اور حضرت انسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (بطور دعا) فرمایا "اے اللہ! مدینہ کو اس برکت سے دوگنی برکت عطا فرما جو تو نے مکہ کو عطا کی ہے۔" (بخاریؒ ومسلمؒ)

تشریح: دعا کا مطلب یہ ہے کہ "اے اللہ! مکہ کی شان وشوکت کی نسبت مدینہ کو دوگنی شان وشوکت عطا فرما، یہ دعا مدینہ پر مکہ کی فضیلت کے منافی بایں اعتبار نہیں ہے کہ مکہ میں حسنات کی زیادتی اس کے افضل ہونے کی سب سے بڑی وجہ ترجیح ہے۔

حرمین میں سکونت پذیر ہونے کی سعادت

(۲۸) وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ اٰلِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَنْ سَکَنَ الْمَدِیْنَةَ وَصَبَرَ عَلٰی بَلَائِھَا کُنْتُ لَہٗ شَھِیْدًا وَ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَنْ مَاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بَعَثَہُ اللّٰہُ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔

"اور خطاب کے خاندان کا ایک شخص ناقل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ "جو شخص بالقصد میری زیارت کرے گا وہ قیامت کے دن میرا ہمسایہ اور میری پناہ میں ہوگا، جس شخص نے مدینہ میں سکونت اختیار کر کے اس کی سختیوں پر صبر کیا قیامت کے دن میں اس (کی اطاعت) کا

گواہ بنوں گا اور اس (کے گناہوں کی بخشش کے لئے) شفاعت کروں گا، اور جو شخص حرمین (یعنی مکہ اور مدینہ) میں سے کسی ایک میں مرے گا قیامت کے دن اسے اللہ تعالیٰ امن والوں میں اٹھائے گا (یعنی قیامت کے دن عذاب کے خوف سے مامون رہے گا۔"

تشریح: "جو شخص بالقصد میری زیارت کرے گا" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص تجارت، دکھانے سنانے، یا اسی طرح کی اور کسی دنیاوی غرض کے لئے نہیں بلکہ حصول ثواب کے پیش نظر صرف میری زیارت کے لئے آئے گا اسے مذکورہ سعادت حاصل ہوگی۔

روضۂ اطہر کی زیارت کی فضیلت

(۲۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَيَاتِیْ۔ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

"اور حضرت ابن عمرؓ بطریق مرفوع (یعنی آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی) نقل کرتے ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) "جس شخص نے حج کیا اور پھر میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ اس شخص کی مانند ہوگا جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی (یہ دونوں روایتیں بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں۔"

تشریح: روضۂ اطہر کی زیارت کرنے والا آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی زیارت کرنے والے کی مانند اس لئے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ حیات ہیں! یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ روضۂ اطہر کی زیارت حج کے افعال سے فراغت کے بعد کی جائے۔

ایک اور روایت میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص میری قبر کی زیارت کرتا ہے اس کے لئے میری شفاعت واجب و لازم ہوتی ہے۔" نیز ایک روایت میں یہ ہے کہ "جس شخص نے حج بیت اللہ کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔" اسی طرح ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ "جس شخص نے مکہ (یعنی حج) کا قصد کیا اور پھر میری زیارت اور میری مسجد میں شرف حاضری کے حصول کا قصد کیا تو اس کے لئے (یعنی اس کے نامۂ اعمال میں) دو مقبول حج لکھے جاتے ہیں۔

مدینہ سے آپ ﷺ کا کمال تعلق

(۳۰) وَعَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا وَقَبْرٌ يُحْفَرُ بِالْمَدِيْنَةِ فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِی الْقَبْرِ فَقَالَ بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَمَا قُلْتَ قَالَ الرَّجُلُ اِنِّیْ لَمْ اُرِدْ هٰذَا اِنَّمَا اَرَدْتُ الْقَتْلَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مِثْلَ الْقَتْلِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ بُقْعَةٌ اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ يَكُوْنَ قَبْرِیْ بِهَا مِنْهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا۔

"اور حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ (مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک دن) مدینہ میں ایک قبر کھودی جا رہی تھی اور رسول کریم ﷺ بھی وہاں تشریف فرما تھے، ایک شخص نے قبر میں جھانکا اور کہنے لگا کہ (یہ) قبر مؤمن کے لئے بری خوابگاہ ہے، رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ بری تو وہ چیز ہے جو تم نے کہی ہے اس شخص نے عرض کیا کہ "میرا منشاء یہ نہیں تھا، بلکہ اس بات سے میرا مطلب اللہ کی راہ میں شہید ہونے (کی فضیلت) کو ظاہر کرنا تھا۔" آپ ﷺ نے فرمایا "(ہاں یہ بات تو صحیح ہے کہ) اللہ کی راہ میں شہید ہونے سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے لیکن (یہ بات بھی ہے کہ) روئے زمین کا کوئی بھی ٹکڑا ایسا نہیں ہے جس میں میری قبر بنے اور وہ مجھے مدینہ سے زیادہ محبوب ہو۔" آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔" (اس روایت کو امام مالکؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔"

تشریح: "بری تو وہ چیز ہے جو تم نے کہی ہے" کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری یہ بات بری اور غلط ہے کہ قبر مؤمن کے لئے بری خوابگاہ ہے کیونکہ تم نے مؤمن کی قبر کو برا کہا ہے حالانکہ مؤمن کی قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ چنانچہ اس شخص نے اپنی بات کی وضاحت کی کہ میرا منشاء قبر کو

مطلقاً مؤمن کی بری خوابگاہ کہنا نہیں تھا بلکہ میرا مطلب تو یہ تھا کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونا گھر میں مرنے سے بہتر ہے، آنحضرت ﷺ نے ان کے اس نکتہ کو پسند فرمایا اور تصدیق کی کہ واقعی اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے برابر کوئی چیز نہیں ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنی قبر کے لئے مدینہ کی زمین کو پسند فرما کر اس شخص کی فضیلت کو ظاہر کیا جو مدینہ میں مرے اور مدینہ ہی میں دفن کیا جائے خواہ وہ شہید ہو یا غیر شہید۔

وادی عقیق میں نماز کی فضیلت

(۳۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَبِوَادِى الْعَقِيْقِ يَقُوْلُ اَتَانِى اللَّيْلَةَ اٰتٍ مِنْ رَبِّى فَقَالَ صَلِّ فِى هٰذَا الْوَادِى الْمُبَارَكِ وَقُلْ عُمْرَةٌ فِى حَجَّةٍ وَفِى رِوَايَةٍ وَقُلْ عُمْرَةٌ وَحَجَّةٌ۔ (رواہ البخاری)

"اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے کہا کہ میں نے وادی عقیق میں (جو مدینہ کا ایک جنگل ہے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آج کی رات میرے پروردگار کی طرف سے ایک آنے والا (یعنی فرشتہ) میرے پاس آیا اور کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھئے اور وہ عمرہ کہئے جو حج کے ساتھ ہوتا ہے۔" اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "اور عمرہ و حج کہئے" (یعنی اس وادی میں نماز پڑھنا حج و عمرہ کے برابر ہے۔" (بخاریؒ)

تشریح: پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ عربی قواعد کے مطابق لفظ "قول" "فعل" کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا حدیث کے آخری جملہ قل عمرة فی حجة کے معنی ہیں "اور اس نماز کو وہ عمرہ شمار کیجئے جو حج کے ساتھ ہوتا ہے" گویا اس جملہ کے ذریعہ وادی عقیق میں ادا کی جانے والی نماز کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وادی عقیق میں جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کا ثواب اس عمرہ کے برابر ہے جو حج کے ساتھ کیا جاتا ہے، اسی طرح دوسری روایت کے الفاظ و قل عمرة و حجة کا مطلب یہ ہے کہ وادی عقیق میں پڑھی جانے والی نماز عمرہ و حج کے برابر ہے۔

مدینہ منورہ کے کچھ اور فضائل: علماء نے لکھا ہے کہ حکیم مطلق اللہ جل شانہ نے اس شہر پاک کی خاک پاک اور وہاں کے میوہ جات میں تاثیر شفا ودیعت فرمائی ہے۔! اکثر احادیث میں منقول ہے کہ "مدینہ کے غبار میں ہر قسم کے مرض کی شفا ہے" بعض دوسرے طرق سے منقول احادیث میں ہے کہ "مدینہ کے غبار میں جذام اور برص کی شفا ہے۔" آنحضرت ﷺ نے اپنے بعض صحابہؓ کو حکم فرمایا تھا کہ وہ بخار کا علاج اس کی خاک پاک سے کریں۔ چنانچہ نہ صرف مدینہ ہی میں اس حکم پر عمل ہوتا رہا ہے بلکہ اس خاک پاک کو بطور دوا لے جانے کے سلسلہ میں بھی کتنے ہی آثار منقول ہیں اور بعض علماء نے تو اس معالجہ کا تجربہ بھی کیا ہے، حضرت شیخ مجد الدین فیروز آبادیؒ کا بیان ہے کہ میں نے خود اس کا تجربہ کیا ہے کہ میرا ایک خدمت گار مسلسل ایک سال سے بخار کے مرض میں مبتلا تھا میں نے مدینہ کی وہ تھوڑی سی خاک پاک پانی میں گھول کر اس خدمت گار کو پلا دی اور وہ اسی دن صحت یاب ہو گیا۔

حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ مدینہ کی خاک پاک سے معالجہ تجربہ مجھے بھی ہوا ہے وہ اس طرح کہ جن دنوں میں مدینہ منورہ میں مقیم تھا میرے پاؤں میں ایک سخت مرض پیدا ہو گیا جس کے بارہ میں تمام اطباء کا یہ متفقہ فیصلہ تھا کہ اس کا آخری درجہ موت ہے اور اب صحت دشوار ہے۔ میں نے اسی خاک پاک سے اپنا علاج کیا، تھوڑے ہی دنوں میں بہت آسانی سے صحت حاصل ہو گئی۔! اسی قسم کی خاصیتیں وہاں کی کھجور کے بارہ میں بھی منقول ہیں چنانچہ صحیح احادیث میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص سات عجوہ کھجوریں (عجوہ مدینہ کی کھجور کی ایک قسم ہے) نہار منہ کھا لیا کرے تو کوئی زہر اور کوئی سحر اس پر اثر نہیں کرے گا۔

فضائل مدینہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی بطور خاص قابل لحاظ ہے کہ اس مقدس شہر کی عظمت و بزرگی ہی کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو اس شہر کے رہنے والوں کی تعظیم و تکریم کی یہ وصیت کی تھی کہ میری اُمت کے لوگوں کو چاہئے کہ وہ میرے ہمسایوں یعنی اہل مدینہ کے احترام کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں، ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں، ان سے اگر کوئی لغزش ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہ کریں اور اس وقت تک ان کی خطاؤں سے درگذر کریں جب تک کہ وہ کبائر سے اجتناب کریں (یعنی اگر وہ کبائر کے مرتکب ہوں تو پھر رعایت اور درگذر کا کوئی سوال نہیں ہے بلکہ اللہ

اور بندوں کے حقوق کے سلسلے میں شریعت کا جو حکم ہو اسے جاری کرے) یاد رکھو، جو شخص ان کے احترام و حرمت کو ہمیشہ ملحوظ رکھے گا میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفاعت کرنے والا ہوں گا اور جو شخص اہل مدینہ کے احترام و حرمت کو ملحوظ نہیں رکھے گا اسے طینۃ الخبال کا سیال پلایا جائے گا۔" (واضح رہے کہ "طینۃ الخبال" دوزخ کے ایک حوض کا نام ہے جس میں دوزخیوں کی پیپ اور لہو جمع ہوتا ہے)۔

ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ "ایک دن آنحضرت ﷺ نے دست دعا بلند کئے اور یوں گویا ہوئے "خداوندا! جو شخص میرے اور میرے شہر والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کو جلد ہی ہلاک کر دے۔" نیز آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "جس شخص نے اہل مدینہ کو ڈرایا اس نے گویا مجھے ڈرایا۔" نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ "جس شخص نے اہل مدینہ کو اپنے ظلم کے خوف میں مبتلا کیا اسے (اللہ تعالیٰ خوف میں مبتلا کرے گا اور اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہوگی" اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "ایسے شخص کا کوئی بھی عمل بارگاہ خداوندی میں مقبول نہیں ہوگا خواہ فرض ہو یا نفل۔"

حج کے کچھ مسائل اور ادائیگی حج کا طریقہ: اگرچہ احادیث کی تشریح میں حج کے اکثر مسائل بیان کئے جا چکے ہیں مگر باب "کتاب الحج" کے اختتام پر مناسب ہے کہ کچھ اور مسائل یکجا طور پر ذکر کر دیئے جائیں اور حج کی ادائیگی کا طریقہ بھی بیان کر دیا جائے۔

حج میں چار چیزیں فرض ہیں۔ ① احرام۔ ② عرفہ کے دن وقوف عرفات۔ ③ طواف الزیارت۔ ④ ان فرائض میں ترتیب کا لحاظ یعنی احرام کو وقوف عرفات پر اور وقوف عرفات کو طواف الزیارت پر مقدم کرنا۔

واجبات حج یہ ہیں، وقوف مزدلفہ، صفا و مروہ کے درمیان سعی، رمی جمار، آفاقی کے لئے طواف قدوم، حلق یا تقصیر، احرام میقات سے باندھنا، غروب آفتاب تک وقوف عرفات، طواف حجر اسود سے شروع کرنا (بعض علماء نے اسے سنت کہا ہے) طواف کی ابتداء دائیں طرف سے کرنا، طواف پیادہ پا کرنا بشرطیکہ کوئی عذر لاحق نہ ہو، طواف باطہارت کرنا، طواف میں ستر ڈھانکنا، سعی کی ابتداء صفا سے کرنا، سعی پاپیادہ کرنا بشرطیکہ کوئی عذر نہ ہو، قارن اور متمتع کو بکری یا اس کی مانند جانور ذبح کرنا، ہر سات شوط یعنی ایک طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا، رمی حلق اور قربانی میں ترتیب کا لحاظ رکھنا بایں طور کہ پہلے رمی کی جائے پھر قربانی پھر حلق اور پھر طواف زیارت کی جائے، طواف الزیارۃ ایام نحر میں کرنا، طواف اس طرح کرنا کہ حطیم طواف کے اندر آجائے، سعی، طواف کے بعد کرنا حلق حرم اور (ایام نحر) میں کرنا، وقوف عرفہ کے بعد ممنوعات احرام مثلاً جماع وغیرہ سے اجتناب، نیز وہ چیزیں بھی واجبات حج میں شامل ہیں، جن کو ترک کرنے سے دم لازم آتا ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ اور سب حج کے مستحبات اور آداب میں سے ہیں۔

غنی کا حج فقیر کے حج سے افضل ہے، والدین کی فرمانبرداری سے حج فرض تو اولیٰ ہے لیکن حج نفل اولیٰ نہیں ہے۔ بلکہ والدین کی فرمانبرداری ہی حج نفل سے افضل ہے۔ سرائے بنانا حج نفل سے افضل ہے۔ البتہ صدقہ کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں کہ بعض تو صدقہ کو افضل کہتے ہیں۔ اور بعض حج نفل کو افضل کہا ہے، تاہم بزازیہ میں ہے کہ حج نفل کی فضیلت ہی کو ترجیح دی گئی ہے، کیونکہ حج میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور جسمانی مشقت بھی ہوتی ہے جب کہ صدقہ میں صرف مال خرچ ہوتا ہے جس حج میں وقوف عرفات جمعہ کے دن ہو وہ حج ستر حجوں پر فضیلت رکھتا ہے اور اس حج میں ہر شخص کی بلاواسطہ مغفرت ہوتی ہے، اس بارہ میں اختلافی اقوال ہیں کہ آیا حج کی وجہ سے کبیرہ گناہ ساقط ہو جاتے ہیں یا نہیں؟ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ساقط ہو جاتے ہیں جس طرح کہ جب کوئی حربی کافر اسلام قبول کرتا ہیں تو اس کے سب گناہ ساقط ہو جاتے ہیں، لیکن بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ حج کی وجہ سے حقوق اللہ تو معاف ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہوتے جس طرح کہ جب کوئی ذمی کافر، اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کے ذمہ سے حقوق اللہ تو ساقط ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد ساقط نہیں ہوتے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ تمام علماء اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ کبیرہ گناہ صرف توبہ ہی سے ساقط ہوتے ہیں، (محض حج کی وجہ سے بھی ساقط نہیں ہوتے) نیز کوئی بھی عالم حج کی وجہ سے دین (قرض) کے ساقط ہونے کا بھی قائل نہیں ہے۔ خواہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ ہی سے ہو جیسے نماز و زکوٰۃ، ہاں ادائیگی قرض یا ادائیگی نماز وغیرہ میں تاخیر کا گناہ ضرور ساقط ہو جاتا ہے لہٰذا جو علماء کبیرہ گناہ کے ساقط ہو جانے کے قائل ہیں ان کی مراد بھی یہی ہے:

خانۂ کعبہ کے اندر داخل ہونا مستحب ہے بشرطیکہ خود اس کو یا کسی اور کو اس سے تکلیف نہ پہنچے، خانۂ کعبہ کا غلاف اور پردہ بنی شیبہ سے خریدنا جائز نہیں ہے ہاں امام سے یا اس کے نائب سے لینا جائز ہے، خانۂ کعبہ کے غلاف و پردہ کو لباس میں استعمال کرنا جائز ہے اگرچہ جنبی (ناپاک) یا حائضہ ہی کیوں نہ ہو، اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر کے حرم میں پناہ لے لے تو اس کو بطور قصاص قتل کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ حرم میں رہے، ہاں اگر قاتل نے حرم ہی میں قتل کا ارتکاب کیا ہو تو اس کو بھی حرم میں مار ڈالنا جائز ہے لیکن خانۂ کعبہ کے اندر قاتل کو اس صورت میں بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے جب کہ اس نے خانۂ کعبہ کے اندر ہی قتل کا ارتکاب کیا ہو۔

آب زمزم سے استنجا کرنا تو مکروہ ہے لیکن نہانا مکروہ نہیں ہے۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ سے افضل ہے لیکن مدینہ منورہ کی زمین کا وہ قطعہ پاک جس پر سرکار دوعالم ﷺ آرام فرما ہیں مطلقاً افضل ہے حتیٰ کہ کعبہ اور عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کرنا مستحب ہے بلکہ بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اس شخص کے لئے واجب ہے جسے فراغت میسر ہو اگر حج فرض کی ادائیگی کی صورت میں حج روضہ اطہر کی زیارت سے پہلے کرنا چاہئے ہاں نفل کی صورت میں اختیار ہے کہ چاہے تو پہلے کیا جائے چاہے پہلے زیارت کی جائے بشرطیکہ مدینہ راستہ میں نہ پڑتا ہو۔ اگر مکہ کا راستہ مدینہ سے ہو کر گذرتا ہو تو پھر پہلے روضۂ اطہر کی زیارت کرنا ضروری ہے، روضۂ اطہر کی زیارت کے ساتھ مسجد نبوی ﷺ کی زیارت کی نیت بھی کرنی چاہئے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ مسجد نبوی میں ادا کی جانے والی ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مساجد میں ادا کی جانے والی ہزار نمازوں سے بہتر ہے (مسجد حرام کا استثناء اس لئے ہے کہ اس میں ادا کی جانے والی ایک نماز کا ثواب دس لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہوتا ہے)

حج کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ جس خوش نصیب کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حج کی سعادت عظمیٰ کی توفیق بخشے اور وہ حج کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ پہلے وہ اپنی نیت کو درست کرے کہ اس کے پیش نظر محض اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور ادائیگی فرض ہو، کوئی دنیاوی غرض یا نام و نمود کا کوئی ہلکا سا تصور بھی نہ ہو ورنہ سب محنت اکارت جائے گی، پھر اپنے ماں باپ سے اجازت لے کر، اعزہ و احباب سے رخصت ہو کر، سب سے معافی تلافی کر کے اپنے وطن سے کم از کم ایسے وقت روانہ ہو کہ مکہ مکرمہ میں ساتویں ذی الحجہ سے پہلے پہنچ جائے اور ساتویں تاریخ کا خطبہ سن سکے، جب میقات پر پہنچے (ہندوستانیوں کی میقات یلملم ہے) تو احرام باندھے، اگر مفرد ہو تو صرف حج کا، قارن ہو تو حج و عمرہ دونوں کا اور متمتع ہو تو صرف عمرہ کا احرام باندھے، مستحب یہ ہے کہ احرام باندھنے سے پہلے ہاتھ پاؤں کے ناخن کٹوائے، زیر ناف اور بغل کے بال صاف کرے، حجامت بنوائے، اگر سر منڈانے کی عادت ہو تو سر منڈائے ورنہ بال درست کرائے اور ان میں کنگھی کرے، اگر بیوی ہمراہ ہو تو صحبت کرے، پھر وضو کرے یا نہائے لیکن نہانا افضل ہے اس کے بعد احرام کا لباس پہنے یعنی ایک لنگی باندھے اور ایک چادر اس طرح اوڑھے کہ سر کھلا رہے، یہ دونوں کپڑے نئے ہوں تو افضل ہے ورنہ صاف دھلے ہوئے ہونے چاہئیں، اگر کسی کے پاس دو کپڑے میسر نہ ہوں تو ایک ایسا کپڑا لپیٹ لینا بھی جائز ہے جس سے ستر پوشی ہو جائے پھر خوشبو لگائے، اس کے بعد نیت کرے، اگر قران کا ارادہ ہو تو اس طرح کہے اَللّٰھُمَّ اِنِّی اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھُمَا لِی وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّی اگر تمتع کا ارادہ ہو تو یوں کہے اَللّٰھُمَّ اِنِّی اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْھَا لِی وَتَقَبَّلْھَا مِنِّی اور اگر افراد کا ارادہ رکھتا ہو تو اس طرح کہے اَللّٰھُمَّ اِنِّی اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِی وَتَقَبَّلْہُ مِنِّی اگر نیت کے مذکورہ بالا الفاظ زبان سے ادا نہ کئے جائیں بلکہ دل ہی میں نیت کر لی جائے تو بھی جائز ہے، نیت کے بعد لبیک کہے حج یا عمرہ کی نیت کے ساتھ لبیک کہتے ہی محرم ہو جائے گا، لبیک کے الفاظ یہ ہیں لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ ان الفاظ میں کمی نہ کی جائے ہاں زیادتی جائز ہے چنانچہ یہ الفاظ بھی منقول ہیں جن کے اضافہ میں کوئی حرج نہیں ہے لبیک وسعدیک والخیر بیدیک لبیک والرغباء الیک والعمل لبیک لبیک اله الخلق لبیک۔ بعد ازاں اکثر اوقات آواز بلند لبیک کہتا رہے خصوصاً نماز کے بعد خواہ فرض ہو خواہ نفل نماز، صبح کے وقت، باہم ملاقات کے، بلندی پر چڑھتے یا نشیب میں اترتے وقت، غرضیکہ یہ سفر حج چونکہ نماز کے حکم میں ہے کہ جس طرح نماز میں ہر حالت کی تبدیلی پر تکبیر کہی جاتی ہے اسی طرح اس سفر میں ہر حالت کی تبدیلی کے وقت لبیک کہنی چاہئے۔! احرام باندھ لینے کے بعد ان تمام چیزوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے جو حالت احرام میں ممنوع ہیں مثلاً سلے ہوئے کپڑے جیسے کرتہ، انگرکھا، پاجامہ، فرغل، جبہ، قبا، بارانی موزہ، دستانہ اور ٹوپی وغیرہ نہ پہنے جائیں، جو کپڑے

رنگ دار خوشبو جیسے زعفران وغیرہ میں رنگے ہوئے وہ بھی استعمال نہ کئے جائیں ہاں دھلنے کے بعد کہ جس سے خوشبو نہ آتی ہو استعمال کرنا جائز ہے، سر اور منہ کسی چیز سے نہ ڈھانکا جائے، جوئیں نہ ماری جائیں، بیوی سے نہ تو صحبت کی جائے اور نہ ان چیزوں کا ارتکاب کیا جائے جو جماع کا باعث بنتی ہیں مثلاً بوسہ لینا، شہوت کے ساتھ عورت کو ہاتھ لگانا یا اس کے سامنے فحش باتیں یا جماع کا ذکر کرنا وغیرہ وغیرہ! فسق وفجور سے پرہیز کیا جائے کسی کے ساتھ جنگ وجدل سے گریز کیا جائے، صحرائی وحشی جانوروں کا شکار نہ کیا جائے حتیٰ کہ کوئی محرم نہ تو شکار کی طرف اشارہ کرے اور نہ شکار میں کسی کی اعانت کرے، ہاں دریائی جانوروں مثلاً مچھلی کا شکار درست ہے۔! خوشبو کا استعمال نہ کیا جائے، ناخن نہ کٹوائے جائیں، سر داڑھی بلکہ تمام بدن کے بال نہ کتروائے جائیں نہ منڈوائے جائیں اور نہ اکھاڑے جائیں، سر وداڑھی کے بالوں کو خطمی سے نہ دھویا جائے البتہ محرم نہا سکتا ہے، حمام میں داخل ہو سکتا ہے، گھر اور کجاوہ کے سایہ میں بیٹھ سکتا ہے، ہمیانی (یعنی روپیہ رکھنے والی تھیلی) کمر میں باندھ سکتا ہے اور اپنے دشمن سے دفاعی لڑائی لڑ سکتا ہے۔! احرام کی حالت میں جن جانوروں کو مارنا جائز ہے اور جن کے مارنے کی وجہ سے بطور جزاء نہ دم لازم ہوتا ہے نہ صدقہ وہ یہ ہیں۔ کوا، چیل، سانپ، بچھو، چوہا، چیچڑی، کچھوا، بھیڑیا، گیدڑ، پتنگا، مکھی، چیونٹی، گرگٹ، بھڑ، مچھر، حملہ آور درندہ اور موذی جانور۔

جب مکہ مکرمہ قریب آجائے تو غسل کرے کہ یہ مستحب ہے پھر دن میں کسی وقت باب المعلی سے مکہ میں داخل ہو، اور اپنی قیامگاہ پر سامان وغیرہ رکھ کر سب سے پہلے مسجد حرام کی زیارت کرے، مستحب یہ ہے کہ مسجد حرام میں لبیک کہتا ہوا اور باب السلام سے داخل ہو اور اس وقت نہایت خشوع وخضوع کی حالت اپنے اوپر طاری کرے اور اس مقدس مقام کی عظمت وجلالت کے تصور دل میں رکھے اور کعبہ کے جمال دلربا پر نظر پڑتے ہی جو کچھ دل چاہے اپنے پروردگار سے طلب کرے پھر تکبیر وتہلیل کرتا ہوا حمد وصلوٰۃ پڑھتا ہوا حجر اسود کے سامنے آئے اور اس کو بوسہ دے اور بوسہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھ کو اس طرح اٹھائے جس طرح تکبیر تحریمہ کے وقت اٹھاتے ہیں، اگر اژدحام کی وجہ سے بوسہ نہ دے سکے تو حجر اسود کو ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چوم لے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کسی لکڑی سے حجر اسود کو چھو کر چومے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو پھر دونوں ہتھیلیوں سے حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے ہتھیلیوں کو چوم لے، حجر اسود کے استلام کے بعد حجر اسود کے پاس ہی سے اپنی داہنی جانب سے طواف قدوم شروع کرے، طواف میں سات شوط (چکر) کرے، اور ہر شوط کو حجر اسود ہی پر ختم کرے اور ہر شوط ختم کرنے کے بعد مذکورہ بالا طریقے سے حجر اسود کا استلام اور تکبیر وتہلیل کرے طواف میں حطیم کو بھی شامل کرے، طواف میں اضطباع کرے اور پہلے تین شوطوں میں رمل کرے نیز ہر شوط میں رکن یمانی کا بھی استلام کرے مگر اس کے استلام میں اس کو چومنا نہیں چاہئے طواف ختم کرنے کے بعد دو رکعت نماز طواف مقام ابراہیم کے قریب پڑھے، یہ نماز حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، اگر اژدحام وغیرہ کی وجہ سے اس نماز کو مقام ابراہیم کے قریب پڑھنا ممکن نہ ہو تو پھر مسجد حرام میں جہاں بھی چاہے پڑھ لے، اس نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ قل یا ایہا الکفرون اور دوسری رکعت میں قل ہو اللہ کی قرأت کرے، اور دعا میں جو چاہے اللہ سے مانگے، اس کے بعد چاہ زمزم پر آئے اور زمزم کا پانی پیٹ بھر کر پئے پھر مقام ملتزم میں آئے اور حجر اسود کا استلام کرے اور حمد وصلوۃ پڑھے اور تکبیر وتہلیل کرے اور اس کے بعد صفا ومروہ کے درمیان سعی کرے (مفرد کے لئے تو بہتر یہی ہے کہ وہ طواف زیارت کے بعد سعی کرے لیکن اگر طواف قدوم ہی کے بعد کرے کوئی حرج نہیں ہے) سعی کا طریقہ یہ ہے کہ مسجد حرام سے باہر نکل کر صفا کی طرف آئے اور جو صفا پر چڑھے تو بیت اللہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور تکبیر وتہلیل کرے، درود پڑھے اور ہاتھ اٹھا کر اپنے مقصد کے لئے دعا مانگے پھر صفا سے مروہ کی طرف اپنی چال کے ساتھ چلے مگر جب وادی بطن پہنچے، تو میلین اخضرین کے درمیان تیز تیز چلے اور پھر جب مروہ پر چڑھے تو وہی کچھ یعنی تکبیر وتہلیل وغیرہ کرے جو صفا پر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح صفا ومروہ کے درمیان سات شوط کرے، ہر شوط کی ابتداء صفا سے ہو اور انتہا مروہ پر اور ہر شوط میں میلین اخضرین کے درمیان تیز تیز چلے، یہ بات ذہن میں رہے کہ سعی سے پہلے طواف کرنا ضروری ہے اگر کسی نے طواف سے پہلے سعی کر لی تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ طواف کے بعد پھر دوبارہ سعی کرے۔ یہ بھی معلوم رہنا چاہئے کہ اس سعی، وقوف عرفات، وقوف مزدلفہ اور رمی جمار کے لئے طہارت (پاکی) شرط نہیں ہے لیکن اولیٰ ضرور ہے جب کہ طواف کے لئے طہارت شرط ہے۔! نیز طواف، وسعی کے وقت بات چیت کرنا مکروہ ہے۔! جب سعی سے فارغ ہو جائے تو مسجد محرام میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے جو بہتر ہے واجب نہیں ہے بعد ازیں مکہ میں ٹھہرا رہے اور اس کے دوران نفل طواف جس قدر ہو سکے کرتا رہے، مگر نفل طواف کے درمیان رمل اور اس کے بعد سعی نہ کرے، پھر ساتویں

الحجہ کو مسجد حرام میں خطبہ سنے، اس خطبہ میں جو ظہر کی نماز کے بعد ہوتا ہے امام حج کے احکام و مسائل بیان کرتا ہے، پھر اگر احرام کھول چکا ہو تو آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر طلوع آفتاب کے بعد منیٰ روانہ ہو جائے، اگر ظہر کی نماز پڑھ کر منیٰ میں پہنچے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، رات منی میں گذارے اور عرفہ کے روز یعنی نویں تاریخ کو فجر کی نماز اول وقت اندھیرے میں پڑھ کر طلوع آفتاب کے بعد عرفات جائے، اگر کوئی آٹھویں تاریخ کو منیٰ میں نہ جائے بلکہ نویں کو عرفات پہنچ جائے تو بھی جائز ہے مگر یہ خلاف سُنّت ہے۔ عرفات میں بطن عرنہ کے علاوہ جس جگہ چاہے اترے لیکن جبل عرفات کے نزدیک اترنا افضل ہے پھر اسی دن زوال آفتاب کے بعد غسل کرے (جو سُنّت ہے) اور عرفات میں وقوف کرے (جو فرض ہے اور جس کے بغیر حج ہی نہیں ہوتا) امام جو خطبہ دے اسے سنے اور امام کے ساتھ بشرط احرام ظہر و عصر کی نماز ایک وقت میں پڑھے اور جبل رحمت کے پاس کھڑا ہو کر نہایت خشوع و خضوع اور تذلل و اخلاص کے ساتھ تکبیر و تہلیل کرے، تسبیح پڑھے، اللہ کی ثنا کرے آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے اور اپنے تمام اعزہ و احباب کے لئے استغفار کرے اور تمام مقاصد دینی و دنیوی کے لئے دعا مانگے، پھر غروب آفتاب کے بعد امام کے ہمراہ مزدلفہ کی طرف روانہ ہو جائے اور راستہ میں استغفار، لبیک، حمد و صلوٰۃ اور اذکار میں مشغول رہے مزدلفہ پہنچ کر امام کے ہمراہ مغرب و عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھے اور رات میں وہیں رہے کیونکہ رات میں وہاں رہنا واجب ہے، نیز اس پوری رات میں نماز، تلاوت قرآن اور ذکر و دعا میں مشغول رہنا مستحب ہے، جب صبح ہو جائے تو (یعنی دسویں ذی الحجہ کو) فجر کی نماز اول وقت اندھیرے میں پڑھے اور وہاں وقوف کرے، مزدلفہ میں سوائے بطن محسر کے جہاں چاہے وقوف کر سکتا ہے، اس وقوف کی حالت میں نہایت الحاح وزاری کے ساتھ اپنے دینی و دنیاوی مقصد کے لئے خداوند عالم سے دعا مانگے، آفتاب نکلنے سے کچھ پہلے وقوف ختم کر لیا جائے، پھر جب روشنی خوب پھیل جائے تو آفتاب سے پہلے منیٰ واپس پہنچ کر جمرۃ العقبہ پر سات کنکریاں مارے اور پہلی کنکری مارتے ہی تلبیہ موقوف کر دے، اس کے بعد قربانی کرے پھر سر منڈوائے یا بال کتروائے، اس کے بعد وہ تمام چیزیں جو حالت احرام میں ممنوع تھیں، سوائے رفث کے جائز ہو جائیں گی، پھر عید کی نماز منیٰ ہی میں پڑھ کر اسی دن مکہ آجائے اور طواف زیارت کرے، اس طواف کے بعد سعی نہ کرے ہاں اگر پہلے سعی نہ کر چکا ہو تو وہ پھر اس طواف کے بعد سعی کرے، اس کے بعد رفث بھی جائز ہو جائے گا طواف زیارت سے فارغ ہو کر پھر منیٰ واپس آجائے اور رات میں وہاں قیام کرے۔! گیارہویں تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی کرے بایں طور کہ پہلے تو اس جمرۃ پر سات کنکریاں مارے جو مسجد خیف کے قریب ہے اور جس کو جمرۃ اولیٰ کہتے ہیں اس کے بعد اس جمرہ پر جو اس کے قریب ہے اور جس کو جمرۃ وسطیٰ کہتے ہیں سات کنکریاں مارے اور پھر سوار ہو کر یا پیادہ پا ہی جمرہ عقبہ پر سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری مارتے وقت تکبیر کہتا رہے، اسی طرح بارھویں تاریخ کو تینوں جمرات پر کنکریاں مارے اور تیرھویں تاریخ کو اگر منیٰ میں قیام رہے گا تو اس دن پھر تینوں جمرات کی رمی اس پر واجب ہوگی اور اگر بارھویں تاریخ ہی کو منیٰ سے رخصت ہو گیا تو پھر اس پر تیرھویں تاریخ کو واجب نہیں ہوگی۔! گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں تاریخوں میں رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد ہے لیکن تیرھویں تاریخ کو اگر طلوع فجر کے بعد اور زوال آفتاب سے پہلے بھی رمی کرے تو جائز ہے مگر مسنون زوال آفتاب کے بعد ہی ہے جب کہ گیارھویں اور بارھویں تاریخوں میں زوال آفتاب سے پہلے رمی جائز نہیں ہے! آخری دن رمی سے فارغ ہو کر مکہ روانہ ہو جائے اور راستہ میں تھوڑی دیر کے لئے محصب میں اترے، پھر جب مکہ مکرمہ سے وطن کے لئے روانہ ہونے لگے طواف وداع کرے اس طواف میں بھی رمل اور اس کے بعد سعی نہ کرے طواف کے بعد دو رکعت پڑھ کر زمزم کا مبارک پانی گھونٹ گھونٹ کر کے پیے اور ہر مرتبہ کعبہ مکرمہ کی طرف دیکھ کر حسرت سے آہ سرد بھرے نیز اس مبارک پانی کو منہ، سر اور بدن پر ملے پھر خانہ کعبہ کی طرف آئے اگر ممکن ہو بیت اللہ کے اندر داخل ہو اگر اندر نہ جا سکے تو اس کی مقدس چوکھٹ کو بوسہ دے اور اپنا سینہ اور منہ ملتزم پر رکھ دے اور کعبہ مکرمہ کے پردوں کو پکڑ پکڑ کر دعا کرے اور روئے اور اس وقت بھی تکبیر و تہلیل، حمد و ثنا اور دعا و استغفار میں مشغول رہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے مقاصد کی تکمیل طلب کرے۔ اس کے بعد پچھلے پیروں یعنی کعبہ مکرمہ کی طرف پشت نہ کر کے مسجد حرام سے باہر نکل آئے۔ حج کے تمام افعال ختم ہو گئے۔

عمرہ کے احکام: عمرہ واجب نہیں ہے بلکہ عمر بھر میں ایک مرتبہ سُنّت مؤکدہ ہے عمرہ کے لئے کسی خاص زمانہ کی شرط نہیں ہے، جیسا کہ حج کے لئے ہے بلکہ جس وقت چاہے کر سکتا ہے اسی طرح ایک سال میں کئی مرتبہ بھی عمرہ کیا جا سکتا ہے، البتہ غیر قارن کو ایام حج میں عمرہ کرنا مکروہ ہے

ایام حج کا اطلاق یوم عرفہ یوم نحر اور ایام تشریق پر ہوتا ہے۔! عمرہ کا رکن طواف ہے اور اس میں دو چیزیں واجب ہیں ایک تو صفا و مروہ کے درمیان سعی اور دوسرے سر منڈوانے یا بال کتروانا۔ جو شرائط اور سنن و آداب حج کے ہیں وہی عمرہ کے بھی ہیں۔

جنایات کے احکام: حج کے بیان میں "جنایت" اس حرام فعل کو کہتے ہیں جس کی حرمت احرام یا حرم کے سبب سے ہو اور جس کے مرتکب پر کوئی چیز مثلاً قربانی یا صدقہ بطور جزاء (یعنی بطور کفارہ) واجب ہوتی ہو، چنانچہ اس کی کچھ تفصیل اس طرح ہے کہ اگر محرم اپنے کسی ایک پورے عضو پر خوشبو لگائے یا کوئی خوشبودار چیز کھا کر منہ کو خوشبودار کرے بشرطیکہ وہ خوشبو خالص ہو اور اس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہ ہو یا رقیق مہندی کا استعمال کرے خواہ سر میں لگائے یا داڑھی یا ہاتھ پر وغیرہ میں یا روغن زیتون لگائے یا پورے ایک دن سلے ہوئے کپڑے رواج و عادت کے موافق استعمال کرے یا پورا دن اپنا سر ڈھانکے رکھے یا سر، داڑھی چوتھائی یا اس سے زیادہ منڈوائے یا پوری ایک بغل کے بال یا زیر ناف بال یا گردن کے بالوں کو دور کرے یا دونوں ہاتھوں یا دونوں پیروں یا ایک ہاتھ اور ایک پیر کے ناخن ترشوائے یا طواف قدوم یا طواف صدر حالت جنابت میں کرے یا طواف زیارت (یعنی طواف فرض) بے وضو کرے یا عرفات سے امام سے پہلے واپس آجائے یا سعی چھوڑ دے یا وقوف مزدلفہ چھوڑ دے یا تمام دنوں کی رمی یا ایک دن کی یا پہلے دن کی رمی نہ کرے، یا حلق و تقصیر حرم سے باہر کرائے یا احرام کی حالت میں بیوی کا بوسہ لے لے یا اس کو شہوت کے ساتھ چھوئے یا حلق و تقصیر یا طواف زیارت ایام نحر گذر جانے کے بعد کرے، یا افعال حج کی واجب ترتیب کو بدل دے مثلاً قربانی سے پہلے سر منڈوائے تو ان تمام صورتوں میں اس پر بطور جزاء ایک قربانی واجب ہوگی! اور اگر محرم تلبید کرے یعنی اپنے سر کے بال گوند وغیرہ لگا کر جمالے یا قارن ہونے کی صورت میں قربانی سے پہلے حلق یا تقصیر کرائے تو اس پر دو قربانی واجب ہوں گی۔! اور اگر محرم ایک عضو سے کم میں خوشبو استعمال کرے یا ایک دن سے کم اپنا سر ڈھانکے یا سلا ہوا کپڑا پہنے یا سر داڑھی چوتھائی حصہ سے کم منڈوائے یا پانچ ناخون سے کم ترشوائے یا پانچ ناخون مختلف مجلسوں میں ترشوائے یا طواف صدر یا طواف قدوم بے وضو کرے یا یوم نحر کے بعد تینوں جمرات میں سے کسی ایک جمرہ کی رمی ترک کر دے تو ان سب صورتوں میں اس پر صدقہ واجب ہوگا جس کی مقدار نصف صاع گیہوں ہے۔! اگر محرم کسی عذر یا بیماری کی وجہ سے خوشبو استعمال کرے یا سر منڈوائے یا سلا ہوا کپڑا پہنے تو ان صورتوں میں اسے اختیار ہوگا کہ چاہے تو ایک بکری ذبح کرے چاہے چھ مسکینوں کو ایک ایک مقدار صدقہ فطر دے دے اور چاہے تین روزے مسلسل یا غیر مسلسل رکھ لے۔! خوشبو یا خوشبودار پھول یا خوشبودار میوہ سونگھنے سے محرم پر کچھ واجب نہیں ہوتا تاہم یہ مکروہ ہے۔ اگر کوئی محرم جوں مارے تو بطور صدقہ تھوڑی سی کھانے کی چیز مثلاً ایک مٹھی آٹا دے دے بشرطیکہ اس نے وہ جوں اپنے بدن سے یا سر سے یا کپڑے سے نکال کر ماری ہو، اور اگر زمین سے پکڑ کر مارے تو کچھ بھی واجب نہیں ہوتا اور اگر اس نے اپنے کپڑے دھوپ میں اس نیت سے ڈال دیئے کہ اس میں موجود جوئیں مر جائیں اور پھر بہت ساری جوئیں مر جائیں تو اس پر نصف صاع گیہوں کا صدقہ واجب ہوگا۔ ہاں اگر کپڑے کو خشک کرنے کی نیت سے دھوپ میں ڈالے اور جوئیں مارنا اس کا مقصد نہ ہو اور پھر اس صورت میں جوئیں مر جائیں تو اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔ اگر محرم شکار مارے یا کسی کو شکار کی راہ بتائے یا شکار کی طرف کسی کو متوجہ کرے تو اس پر بطور جزا اس شکار کی وہ قیمت واجب ہوگی جو دو عادل شخص تجویز کریں اور وہ قیمت اس مقام کے اعتبار سے ہو جہاں شکار مارا گیا ہو یا اس کے قریب تر مقام کے اعتبار سے ہو، اس بارہ میں محرم کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ اس قیمت سے قربانی کا کوئی جانور خرید کر ذبح ہونے کیلئے حرم بھیج دے چاہے اس قیمت سے گیہوں وغیرہ خرید کر ہر فقیر کو صدقہ فطر کی ایک ایک مقدار تقسیم کر دے اور چاہے ہر فقیر کی مقدار صدقہ کے عوض ایک ایک روزہ رکھ لے۔

آخر میں یہ بات بھی بتا دینی ضروری ہے کہ ان تمام جنایات کے ارتکاب میں قصد اور اضطرار علم اور لاعلمی، رغبت اور جبر سب برابر ہے یعنی محرم ممنوعات احرام میں سے جو بھی فعل کرے گا اس پر جزاء بہر صورت واجب ہوگی خواہ اس سے اس فعل کا ارتکاب قصداً ہوا ہو یا بلا قصد اس کے علم کے باوجود ہوا ہو یا اس کی لاعلمی کی وجہ سے اور اس نے وہ فعل اپنی رغبت سے کیا ہو یا کسی دوسرے کی زبردستی کی وجہ سے۔

روضۂ اطہر کی زیارت کے احکام و آداب: جو کوئی حج کرنے جائے اس کو چاہئے کہ اگر حج فرض ہو تو پہلے اپنے حج سے فارغ ہو جائے پھر روضۂ اطہر کی زیارت کے لئے مدینہ جائے اور اگر حج نفل ہو تو اختیار ہے کہ چاہے تو پہلے زیارت کرے اور اس کے بعد حج کرے چاہے پہلے حج کر لے بعد میں زیارت کرے بشرطیکہ حج کے لئے مکہ جانے والا راستہ مدینہ کی طرف سے نہ ہو۔! جب زیارت کے لئے چلے تو یہ نیت کرے کہ میں

آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک اور آپ ﷺ کی مسجد انور کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہوں۔ [راستہ میں جتنی مسجدیں ملیں سب میں نماز پڑھے، راستہ میں درود پڑھتا رہے، جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو اس شہر مقدس کی عظمت کو دل میں جاگزیں کرے، جب مدینہ منورہ بالکل سامنے آجائے تو بہ خیال ادب اور بہ مقتضائے شوق اپنی سواری سے اتر پڑے اور اگر ممکن ہو تو وہاں سے مسجد شریف تک پاپیادہ جائے۔ حدود شہر میں داخل ہونے سے پہلے اگر ممکن ہو تو غسل کرلے ورنہ وضو کرکے عمدہ اور خاص طور پر سفید کپڑے پہن لے اور خوشبو لگائے، شہر کے اندر پہنچ کر سب سے پہلے مسجد نبوی ﷺ میں جائے، مسجد نبوی میں داخلہ سے پہلے غسل کرلے تو بہتر ہے ورنہ وضو کرے اور خوشبو لگائے، مسجد نبوی پہنچ کر تحیۃ المسجد اور نماز شکر پڑھے، اس کے بعد اس تصور و یقین کے ساتھ بصد ادب واحترام قبر اقدس کی زیارت کی طرف متوجہ ہو کہ میں اس با عظمت درگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں جس کے سامنے تمام دنیا کے پر جلال بادشاہوں کی بھی کوئی وقعت نہیں، پھر مرقد اطہر کے پاس آکر نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ نماز کی طرح داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر اس طرح کھڑا ہو کہ حضرت سید بشر ﷺ کی طرف منہ ہو اور قبلہ کی طرف پیٹھ اور اس بات کا یقین کرے کہ آنحضرت ﷺ میری حاضری سے واقف ہیں، میرے سلام کا جواب دیتے ہیں اور میری دعا پر آمین کہتے ہیں اور پھر انتہائی شوق وذوق کے ساتھ معتدل آواز میں سلام وصلوۃ پیش کرے اور عرض ومعروض کرے، جب اپنی عرض ونیاز سے فارغ ہو جائے تو اپنے اعزاء واحباب میں سے جس نے عرض سلام کی درخواست کی ہو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس کی طرف سے اس طرح سلام عرض کردے کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! فلاں ابن فلاں نے آپ کو سلام عرض کیا ہے آپ ﷺ اس کے لئے پروردگار سے شفاعت کریں۔" اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور پھر حضرت عمرؓ فاروق کے سر مبارک کے سامنے کھڑا ہو اور ان کی خدمت میں سلام عرض کرے، اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کے سر مبارک کے سامنے پہلے کی طرح دست بستہ کھڑا ہو اور بہت ذوق وشوق کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرے اور جو جو خواہش رکھتا ہو، آپ ﷺ کے طفیل میں حق تعالیٰ سے مانگے، وہاں سے ہٹ کر حضرت ابولبابہؓ کے ستون کے پاس جس قدر ممکن ہو نوافل پڑھے اور توبہ واستغفار کرے اس کے بعد آثار نبویہ ﷺ کی زیارت کرے جو معلمین بتادیتے ہیں، اور جنت البقیع جائے وہاں صحابہ کرام اور اہل بیت کے مزارات مقدسہ کی زیارت کرے پھر شہدائے احد خصوصاً سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کی قبر کی زیارت کرے اور ان تمام مشاہد ومزارات پر فاتحہ پڑھے اور شنبہ کے دن یا جس دن ممکن ہو مسجد قبا کی زیارت کرے اور دو رکعت نماز بہ نیت تحیۃ المسجد پڑھے۔

مدینہ منورہ اور روضۂ اطہر کی زیارت کے آداب یہ ہیں کہ جتنے دنوں مدینہ منورہ میں قیام ہو سکے اس کو غنیمت سمجھے حتی الامکان اپنا اکثر وقت مسجد شریف نبوی ﷺ میں صرف کرے وہاں اعتکاف کرے اور ہر قسم کی عبادت یعنی نماز، روزہ، تلاوت، درود اور صدقہ وخیرات سے اپنے اوقات کو آباد رکھے، جب تک مسجد میں رہے حجرۂ شریف کی طرف نہایت شوق کی نگاہوں سے نظر کرتا رہے اور اگر مسجد سے باہر ہو تو بنظر احترام و تعظیم اور انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ قبہ شریف کو دیکھتا رہے کیونکہ روضہ حبیب کبریا پر نظر ڈالنا استحباباً حکم نظر کرنے کعبہ شریف کا ہے نیز شہر سے باہر قبہ شریف پر نظر کرنے سے اہل شوق کو جو نورانیت اور سرور وذوق حاصل ہوتا ہے اس کا ادراک اسی حالت پر موقوف ہے جس کو الفاظ کے ذریعہ ظاہر نہیں کیا جا سکتا ع ذوق ایں مے نشناسی بخدا تانہ چشی۔

مسجد نبوی میں جس قدر بھی شب بیداری کی سعادت حاصل ہو سکے خواہ ایک ہی شب کے لئے ہو اسے ہاتھ سے نہ جانے دے کیونکہ یہ شب قدر ومنزلت کے اعتبار سے شب قدر سے کم نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے اس لئے اس ایک رات کو اپنی تمام عمر کا ماحصل اور خلاصہ سمجھ کر عبادت میں کاٹ دے، بہتر یہی ہے کہ اس رات میں اور کوئی عبادت نہ کرے بلکہ صرف درود شریف پڑھتا رہے، اور اگر نیند آنے لگے تو حبیب ﷺ کبریا کی حضوری اور آپ ﷺ کے جمال باکمال کا سرور آمیز تصور کرکے نیند کو دفع کرے جب آنحضرت ﷺ کے جمال کمال کا تصور اس کے دل ودماغ کو کیف حضوری کا سرور بخشے گا تو کہاں نیند رہے گی اور کہاں غفلت قرار چیست صبوری کدام وخواب کجا۔ [مسجد نبوی ﷺ میں جب تک رہے اپنے دل، اپنی زبان اور تمام اعضاء کو برے کلمات وخیالات اور ہر خلاف اولیٰ فعل سے محفوظ رکھے اور محبوب دوعالم ﷺ کی حضوری کے تصور کے سوا اور کسی طرف متوجہ نہ ہو اگر کوئی اس کی مشغولیت میں مخل ہو تو اس سے کنارہ کشی اختیار کرے ہاں کسی سے نہایت ضروری گفتگو کرنی ہو تو مختصر کلام کرکے اسی جناب مقدس ﷺ کی طرف متوجہ ہو جائے، مسجد شریف کے آداب کا بطور خاص خیال رکھے تھوک

وغیرہ وہاں نہ گرنے پائے مسجد میں آنے سے قبل روضہ اطہر اور منبر کے درمیان اپنا مصلے پہلے سے نہ بچھوائے رکھے بلکہ اگر اس مقدس مقام پر ادئیگی نماز کی فضیلت کے حصول کا شوق ہو تو سب سے پہلے مسجد میں پہنچنے کی کوشش کرے اور وہاں بیٹھ جائے اس مقدس مسجد میں جو نزول قرآن وجبرئیل کی جگہ ہے قرآن پاک ختم کرنے میں کوتاہی نہ کرے کم از کم ایک قرآن مجید کا ختم اس مسجد پاک میں ضرور کرے اگر ممکن ہو تو ایسی کتابیں پڑھے یا سنے جس میں آنحضرت ﷺ کے مبارک حالات وخصائل اور فضائل ہوں تاکہ آپ ﷺ کی ملاقات اور عبادت کا شوق فزوں ہو۔ اقبر شریف کے سامنے سے جتنی مرتبہ بھی گذرنا ہو وہاں تمام آداب زیارت کو ملحوظ رکھ کر کھڑا ہو جائے اور آپ ﷺ کی خدمت میں سلام وصلوٰۃ پیش کرے، مدینہ منورہ اور مسجد نبوی ﷺ کے رہنے والوں اور خدمت گاروں کی محبت وتعظیم کو ہمہ وقت ملحوظ رکھے چاہے ان میں کوئی بات خلاف شریعت وسُنّت ہی کیوں نہ دیکھے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی ہمسائگی کا شرف ہی ان کی سب سے بڑی فضیلت ہے جو کسی گناہ وبدعت کی وجہ سے ختم نہیں ہوتا اور انہیں حسن خاتمہ ومغفرت کی سعادت سے محروم نہیں ہونے دیتا۔

دیار مقدس سے وطن کو واپسی: جب مدینہ منورہ میں قیام کی مدت ختم ہو جائے اور اس مقام مقدس سے جدا ہو کر وطن کو روانہ ہونے کا ارادہ ہو جائے تو مصلے نبوی یا اس کے قریب نماز پڑھ کر اور دعا مانگ کر مسجد نبوی ﷺ سے رخصت ہو بعد ازاں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی زیارت کرے اور اللہ تعالیٰ سے نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے اعزاء واحباب کے لئے کونین کی سعادتوں کے حصول کی دعا مانگے نیز دیار مقدس میں اپنی تمام عبادات کی قبولیت اور اپنے اہل اعیال کے پاس امن وسلامتی کے ساتھ پہنچنے کی درخواست کرے اور یہ دعا پڑھے اللھم انا نسألک فی سفرنا ھذا البر والتقوی ومن العمل ماتحب وترضی اللھم لاتجعل ھذا آخر العھد بنبیک ومسجدہ وحرمہ ویسر لی العود الیہ والعکوف لدیہ وارزقنی العفو والعافیۃ فی الدنیا والاخرۃ ورددنا الی اھلنا سالمین غانمین امنین یہ بات ذہن میں رہے کہ مقبولیت دعا اور حصول مقصد کی علامت یہ ہے کہ اس وقت بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں اور دل دیار محبوب کی جدائی کی حسرت ویاس سے معمور ہو بلکہ درحقیقت تمام اوقات دعا میں گریہ وزاری حصول رزق کا باعث اور امیدواری رحمت کی علامت ہے ای دلم باغست وچشم ابروش ابر گرید باغ خندد وشاد وخوش!۔

اس وقت اگر خدانخواستہ کسی شخص پر حالت گریہ وزاری طاری نہ ہو تو وہ بہ تکلف اپنے اوپر یہ حالت طاری کرے اور ان باتوں کا تصور کرے جو ذوق اور گریہ ورقت کی حالت پیدا کریں کیونکہ اس وقت حالت گریہ ہی بہرصورت قبولیت کی علامت ہے، اور پھر وہاں کی جدائی سے بہ چشم تر اور بہ حسرت ویاس رخصت ہو اور رخصت ہوتے وقت پچھلے پیروں نہ لوٹے کیونکہ یہ صرف خانہ کعبہ کے ساتھ مخصوص ہے اور وقت وداع جس قدر ہو سکے صدقہ وخیرات کرے اور ان تمام آداب کو ملحوظ رکھے جو سفر سے واپسی کے وقت کے سلسلہ میں منقول ہیں اور پھر جب اپنے شہر کے قریب پہنچ جائے تو یہ دعا پڑھے اللھم انی اسألک خیرھا وخیر اھلھا وخیر مافیھا واعوذبک من شرھا وشر اھلھا وشر مافیھا اللھم اجعل لنا بھا قرارا ورزقا حسنا اور جب شہر میں پہنچ جائے تو یہ دعا پڑھے لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون لا الہ الا اللہ وحدہ صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ واعز جندہ فلاشیئ بعدہ اور چاہئے کہ اپنے شہر ومکان پہنچنے سے پہلے اپنے اعزہ کو خبر کر دے کہ میں فلاں دن فلاں وقت پہنچ رہا ہوں بغیر اطلاع کے ایک دم نہ پہنچ جائے نیز اپنے شہر میں پہنچنے کا بہترین وقت چاشت ہے یا شام۔ رات کے وقت نہ پہنچے پھر جب اپنے مکان پہنچ جائے۔ تو مکان کے اندر جانے سے پہلے اگر وقت مکروہ نہ ہو تو مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے دعا مانگے اور بخیر وعافیت وطن واپس پہنچ جانے پر باری تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور یہ کہے الحمد للہ الذی بنعمتہ وجلالہ تتم الصالحات

الحمد للہ کہ آج مورخہ ۸ رذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۶۷ء بروز دوشنبہ بوقت سوا گیارہ بجے شب مظاہر حق جلد دوم کی بطرز جدید ترتیب وتسوید اللہ رب العزۃ کی مدد سے اور توفیق سے مکمل ہوئی۔ حق تعالیٰ مجھ سیہ کار انسان کی اس خدمت کو قبول ومقبول فرمائے آمین۔

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

عبداللہ جاوید